تحریک ختم نبوت

1953

ترتیب و تحقیق

مولانا اللہ وسایا

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

حضوری باغ روڈ ملتان ☎ 40978

ترتیب و تحقیق:

مولانا اللہ وسایا

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوة

حضوری باغ روڈ ملتان ☎ 40978

آئینہ مضامین

باب چہارم 543

تحقیقاتی کمیشن

باب پنجم 837

انتساب

تحفظ ختم نبوت کی خاطر

بہنے والے لہو کے

ہر قطرہ کے نام!

؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

رشحات قلم

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری ؒ

قائد تحریک ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمود ؒ

شیر بیشہ حریت حضرت ماسٹر تاج الدین انصاری ؒ

مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی ؒ

وکیل ختم نبوت مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش درانی ؒ

سفر عشق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے کی جانے والی جدوجہد میں تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے کون واقف نہیں۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء بلاشبہ ایک ایسی عظیم تحریک تھی جسے قرون اولیٰ عہد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریک ختم نبوت کے بعد دوسری عظیم ترین تحریک قرار دیا جا سکتا ہے۔ پاک و ہند میں تحریک کے راہنما ایک صدی تک فتنہ کذاب و قادیانیت کے خلاف برسرپیکار رہے۔ انہوں نے اپنی بے بضاعتی اور فقر و فاقہ کے باوجود قادیانیت کو ایسے چرکے لگائے کہ قادیانیت و قادیانی نواز طبقہ چیخ اٹھا۔ تحریک کے راہنما ایسے خدا مست' درویش صفت' فرشتہ سیرت انسان تھے کہ اب اس دور میں ان کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ ان کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ انہوں نے دن رات ایک کر کے ایسی محنت و اخلاص بھری کاوش کی' جو دیانتداری کی بات ہے کہ انہی حضرات کا ہی حصہ تھی۔ اپنے گھربار' مال' جان' اولاد' عزیز اقارب' گرمی' سردی' دکھ' سکھ' دن' رات' بیمار و تیمار کی پرواہ کئے بغیر ایسی خدمات سرانجام دیں کہ اس پر وہ پوری امت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

ان حضرات کی زندگی ریل و جیل کی زندگی تھی۔ انہیں لمحہ بھر فرصت نہ تھی کہ وہ آرام و اطمینان و یکسوئی سے بیٹھ کر تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے حالات قلمبند فرماتے۔ انہوں نے ایک سیکنڈ ضائع کئے بغیر اپنے سفر کو جاری رکھا۔ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ تاریخ تھا وہ تاریخ ساز تھے۔ ان کی محنت تاریخ ساز تھی' وہ زندگی بھر تاریخ بناتے رہے' انہیں تاریخ لکھنے کی فرصت تھی نہ حالات اس کی اجازت دیتے تھے۔

اللہ رب العزت نے فضل فرمایا کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء سے ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء تک دس سال اس قرارداد کی قانون سازی پر لگ گئے۔ تحریک ختم نبوت کے راہنما کامیاب و کامران ہوئے۔ قادیانی اور قادیانی نواز لوگوں کے لئے اپنے کئے کی پاداش کا اور اپنے بیج ہوئے کو کاٹنے کا وقت آ گیا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی راہنما حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ' خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ' مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ' مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ' شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ' فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ' مفکر

اسلام مولانا تاج محمودؒ مفکر ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ ایسے بزرگ راہنما ایک ایک کر کے اس مشن پر اپنی جان' جان آفرین کے سپرد کر گئے۔ لیکن ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کی تفصیلات پر مشتمل کتاب کا قرض تاحال عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ذمہ تھا۔ اللہ رب العزت کا فضل ہے کہ ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کے امتناع قادیانیت آرڈیننس کے بعد تحریکی جھمیلوں سے معمولی فرصت ملتے ہی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے شعبہ نشر و اشاعت نے چند سالوں میں اتنا کام کیا ہے جسے محض توفیق ایزدی ہی گردانا جا سکتا ہے۔ اردو' عربی' انگریزی و دیگر زبانوں میں عالمی مجلس کے لٹریچر کا انبار موجود ہے۔ قادیانیت کے خلاف تمام موضوعات پر لٹریچر کا پوری دنیا میں عالمی مجلس نے جال بچھا دیا ہے یہ سب اللہ رب العزت کے کرم' رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات عالیہ' شہدائے ختم نبوت کے مقدس خون کا صدقہ' عالمی مجلس کے امیر مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم کی نیم شبانہ دعاؤں اور شعبہ نشر و اشاعت کے ناظم مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم کے اخلاص بھرے قلم کی برکت ہے۔ آپ دنیا کے کسی کونے میں تشریف لے جائیں ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے افراد کی لائبریری میں آپ کو عالمی مجلس کا لٹریچر ملے گا۔ فالحمد للہ۔ گزشتہ سال عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے شعبہ نشر و اشاعت نے "تذکرہ مجاہدین ختم نبوت" نامی کتاب شائع کی۔ اس کے دیباچہ میں عرض کیا تھا کہ اب آئندہ ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریک ہائے ختم نبوت کے حالات قلمبند کرنے کا ارادہ ہے لیکن ہوا یہ کہ "تذکرہ" کے مواد کو جمع کرنے کے لئے میرے قابل احترام بھائی جناب محمد متین خالد نے دیگر جرائد و رسائل کی طرح ہفت وار لولاک فیصل آباد کے فائل کی ورق گردانی کی تو مفکر اسلام' مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ کے مبارک قلم سے لکھا ہے بکا ہے شائع ہونے والی تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی اقساط کے بھی فوٹو لے لئے۔ تذکرہ کے شائع ہوتے ہی جناب محمد متین خالد و جناب طاہر رزاق صاحب' نے بڑے ہی اخلاص کے ساتھ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمن جالندھری (جانشین مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ) اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں صاحبزادہ طارق محمود صاحب (جانشین مجاہد اسلام مولانا تاج محمودؒ) سے مطالبہ شروع کر دیا کہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے سلسلہ میں مولانا تاج محمود صاحبؒ کے رشحات قلم کو شائع کرنا چاہئے۔ اتفاق سے ایک رات فیصل آباد میں مولانا عزیز الرحمن جالندھری' صاحبزادہ طارق محمود صاحب اور فقیر جمع تھے کہ جناب طاہر رزاق صاحب کا لاہور سے فون آیا۔ انہوں نے اپنے اخلاص بھرے مطالبہ کو منوانے کے لئے دلائل کے انبار لگا دیئے۔ ہم تینوں کافی دیر اس پر سوچ بچار کرتے رہے۔ حضرت مولانا تاج محمود صاحبؒ میرے مربی و محسن تھے۔ صاحبزادہ طارق محمود صاحب ان کے

فرزند ہیں تو مجھے بھی حضرت مرحوم سے معنوی طور پر یہ نسبت حاصل تھی۔ میرا بھی بجوانا حد تک اصرار تھا کہ حضرت مرحوم کی ان تحریروں کو شائع کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ مخدوم زادہ طارق محمود صاحب کا حکم تھا کہ حضرت اقدس مولانا تاج محمود صاحب کی زندگی سراپا تحریک تھی۔ انہوں نے جو کچھ ۱۹۵۳ء کی تحریک کے متعلق لکھا ہے وہ محض اشارات ہیں۔ اس پر جب تک بھرپور محنت نہ ہو' اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کا اتنا فائدہ نہ ہو گا' جتنا کہ درکار ہے۔ رات گئے تک مولانا عزیز الرحمن صاحب' ہم دونوں بھائیوں کے دلائل سنتے رہے۔ صبح صدیق آباد (ربوہ) مالی مجلس کے کسی کام کے لئے سفر درپیش تھا۔ کار میں بیٹھتے ہی پھر ہم نے اپنے اپنے دلائل دینے شروع کر دیئے۔ مجھے یاد ہے کہ فیصل آباد سے چنیوٹ تک مولانا عزیز الرحمن صاحب ہم دونوں کے دلائل سنتے رہے اور پھر فیصلہ فرمایا کہ "لولاک کی تمام فائلوں سے مزید تحریک ۱۹۵۳ء کے متعلق مواد جمع کیا جائے اور پھر ترتیب دے کر اسے جتنی جلدی ممکن ہو شائع کر دیا جائے۔" "لولاک" کی فائلوں سے مواد کو جمع کرنا میرے ذمہ ٹھہرا۔

اس سفر سے واپسی پر فقیر نے کام شروع کیا تو تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی ۳۷ قسطیں مل گئیں۔ (صاحبزادہ طارق محمود صاحب کی بات درست تھی کہ حضرت مولانا مرحوم کی زندگی واقعی سراپا تحریک تھی تقریباً چار سال کے عرصہ میں ۳۷ قسطیں لکھیں آپ اتنے مصروف انسان تھے کہ بسا اوقات تحریک کی قسطیں چھ چھ ماہ تک نہ لکھ سکے۔) فقیر نے ان کو جمع کر کے فوٹو کرائے' دو سیٹ تیار کئے' ایک صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا اور درخواست کی کہ آپ ان کو ترتیب دینے کا کام شروع کریں۔ چند ماہ بعد ملاقات ہوئی تو صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ میں اپنی کتاب "صدائے محراب" ہفت وار لولاک اور گھریلو کاموں میں اتنا الجھا ہوا ہوں کہ میرے لئے یہ کام اتنی جلدی کرنا جتنا کہ آپ چاہتے ہیں ممکن نہیں۔ اور ساتھ ہی یہ کہ "صدائے محراب" کے بعد مجھے قادیانیت کے سیاسی تجزیے پر مشتمل کتاب کو ترتیب دینا ہے چھ ماہ بعد آپ حضرات فرمائیں گے کہ کام نہیں ہوا تو ابھی سے یہ نوٹ فرمائیں کہ اتنی جلدی یہ کام کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ یہاں سے "قرعہ فال" میرے نام نکل آیا۔ ۱۹۷۴ء اور ۱۹۵۳ء کی تحریک ہائے ختم نبوت کے کام کو چھوڑ کر اس کام کی بسم اللہ ہوئی۔

اللہ رب العزت کی قدرت کے قربان جائیں کہ حضرت ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے حالات قلمبند کئے تھے۔ جو چھ صد چھوٹے سائز کی سلپوں پر مشتمل تھے۔ ایک دن حاجی جہانگیر صاحب لاہور والوں کو بلا کر ان کے سپرد کر دیں اور اس کے ایک ہفتہ بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ حاجی جہانگیر نے سالہا سال اپنے پاس رکھے اور پھر "لولاک" میں اشاعت کے لئے ایک ایک سو سلپ بھجوانے شروع کئے۔

تقریباً تین صد سلپیں شائع ہو چکیں تو مولانا تاج محمود صاحب مرحوم کو خط لکھا کہ بقیہ تمام مسودہ آپ منگوا لیں۔ حضرت مرحوم نے فقیر کو لاہور بھیجا بقیہ تین صد سلپیں لے کر فقیر فیصل آباد آیا۔ تو عجیب اتفاق ہوا کہ ایک ہفتہ بعد حاجی جہانگیر صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مزید ایک سو سلپیں شائع ہو گئیں۔ دو صد سلپیں شائع ہونی باقی تھیں کہ مرزائیت کے خلاف تحریک ۱۹۷۴ء شروع ہو گئی۔ اس میں ایسے منہمک ہوئے کہ سلسلہ اشاعت رک گیا۔ ایسا رکا کہ ۱۹۸۲ء تک بقیہ اقساط مکمل نہ ہو سکیں۔ رحلت سے کچھ عرصہ قبل مولانا تاج محمود صاحب نے مطبوعہ و غیر مطبوعہ تمام مسودہ فقیر کو دے دیا کہ یہ جماعت کی امانت ہے آپ سنبھال لیں۔ فقیر ان دنوں ربوہ میں مجلس کی طرف سے خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ ربوہ لائبریری میں لا کر مسودہ رکھ دیا۔ ختم نبوت کانفرنس کے سلسلہ میں برطانیہ جانا ہوا۔ ان دنوں ربوہ میں بھی کانفرنس تھی۔ برطانیہ میں مجھے مسودہ یاد آیا تو پوری رات استغفار میں گزار دی۔ مجھے وہم یہ تھا کہ لائبریری کے کمرہ کی صفائی کرنے کے لئے اگر کتابوں کو باہر نکالا گیا تو بوسیدہ کاغذ سمجھ کر کوئی انجان ساتھی اسے ردی نہ قرار دے دیں۔ ان دنوں ربوہ فون ڈائریکٹ نہ تھا۔ ملتان دفتر کے تمام ذمہ دار حضرات ربوہ تھے۔ اللہ توبہ کر کے رات گزار دی صبح اللہ کے کرم پر معاملہ چھوڑا اور اپنے معمول کے کام پر لگ گیا۔ پاکستان واپسی پر سب سے پہلے وہ مسودہ ربوہ سے اٹھا کر فیصل آباد صاحبزادہ طارق محمود صاحب کے سپرد کر دیا۔ چند ماہ بعد پھر فیصل آباد سے ملتان لے آیا۔ مکرم جناب عبدالرحمن یعقوب باوا ایڈیٹر ہفت روزہ ختم نبوت اور مخدوم محترم مولانا عبدالرحیم صاحب اشعر سے متعدد بار اس کی اشاعت کے لئے مشورے ہوتے رہے۔ اب کے جب تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی اقساط (مولانا تاج محمود صاحب) کو پڑھنے کا اتفاق ہوا تو ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری کا مسودہ بھی مکمل پڑھا۔ کسی بزرگ سے سنا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم پر مولانا مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ صاحب اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ شیخ الحدیث' دونوں حضرات نے قرآن مجید کی تفاسیر لکھیں۔ دونوں کی تفسیر کا ایک ہی نام معارف القرآن ہے لیکن پڑھنے سے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ دونوں حضرات نے تفسیر لکھتے وقت باہمی مشورہ کر لیا ہو کہ جو مسائل ایک تفسیر میں ہیں دوسری میں اس کے علاوہ۔ حالانکہ ان حضرات نے مشورہ کیا کیا ہو گا۔ محض قدرت کی طرف سے تقسیم کار تھی بعینہ یہی بات حضرت مولانا تاج محمود صاحب اور حضرت ماسٹر تاج الدین انصاری مرحومین کے مسودہ جات میں پائی۔ جو واقعات ایک بزرگ نے لکھے' دوسرے نے اس کے علاوہ مزید لکھ دیئے۔ دونوں کو ترتیب دیں تو نور علیٰ نور کی مثال صادق آئے۔

اب طبیعت میں داعیہ پیدا ہوا کہ ان دونوں مسودہ جات کو ایسے طور پر ترتیب دیا جائے

کہ ایک مربوط شکل بن جائے۔ دلی خواہش' جذبہ اور ان بزرگوں کا دل میں احترام یہ تھا کہ کسی بھی مسودہ سے کوئی بھی چیز ضائع نہ ہو۔ جو دوست اس میدان کے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ علیحدہ علیحدہ مسودہ جات کو باہم دیگر " پرونا " کتنا مشکل کام ہے۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ حدیث شریف کی کتاب بخاری شریف کی یہ برکت ہے کہ اس کے ختم کے وقت جو دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ ہمارے ملتان کے مدرسہ قاسم العلوم میں بخاری شریف کا ختم تھا۔ شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر ختم بخاری کے لئے تشریف لائے۔ فقیر اس نیت سے اس اجتماع میں شریک ہوا کہ اللہ رب العزت " بخاری شریف " کی برکت سے ان مسودات کی ترتیب کا کام میرے لئے آسان فرما دیں۔

قارئین کرام! اللہ رب العزت کا ایسا فضل ہوا کہ یہ کام جو پہاڑ سر کرنے سے زیادہ مشکل نظر آ رہا تھا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس فرامین کے صدقے مجھ پر اتنا آسان ہوا کہ الفاظ میں اس کی وضاحت سوائے اس کے ممکن نہیں کہ ساحلوں کا سفر بجتوں میں طے ہوا۔ فالحمد للہ

حضرت مولانا تاج محمود صاحب مرحوم نے فیصل آباد اور ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم نے لاہور کے حالات لکھ کر آگے ختم کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ باقی اضلاع کی رپورٹیں ان حضرات کو میسر نہ آ سکیں۔ اب فقیر نے باقی اضلاع کی رپورٹیں جمع کرنا شروع کیں۔ تو جب کہ ۱۹۵۳ سے ۱۹۸۴ تک تحریک کے چوٹی کے راہنما ایک ایک کر کے اللہ رب العزت کو پیارے ہو چکے ہیں۔ مختلف حضرات کی ضلع وار فہرست مرتب کر کے جن حضرات سے کچھ حالات ملنے کی توقع تھی' خطوط لکھے تو سترہ خطوط میں سے صرف ایک خط کا جواب آیا۔ اپنے رفقاء جن کے ذمہ صوبوں یا اضلاع کی رپورٹ جمع کرنے کا کام لگایا وہ بھی اپنی گوناں گوں مصروفیات یا تحریک کے راہنماؤں کی وفیات کے باعث یہ کام نہ کر پائے۔ باقی چھوڑیے خود ضلع جھنگ جس میں ربوہ واقع ہے اس کے متصل سرگودھا تک کی مجھے ہزار کوشش کے باوجود رپورٹ نہ مل سکی۔ بہاولپور کو تحریک ختم نبوت میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے مگر تحریک کے راہنماء حکیم محمد ابراہیم صاحب اور مولانا محمد شریف بہاولپوری کا انتقال ہو گیا۔ تحریک کا ریکارڈ دفتر ختم نبوت میں تھا۔ جس مارکیٹ پر دفتر تھا۔ آتش زدگی سے وہ ضائع ہو گیا۔ اس کے باوجود مختلف اضلاع سے جتنا ممکن ہو سکا۔ ریکارڈ جمع کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے مولانا محمد عبداللہ صاحب مہتمم دارالہدیٰ بھکر کا بطور خاص شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے میانوالی ضلع کی بھرپور اور جامع رپورٹ مرتب کر کے ارسال فرمائی۔ اور مخدومی سید محمد امین گیلانی نے ضلع شیخوپورہ کی رپورٹ بھجوائی۔

اللہ رب العزت کا کرم ہوا کہ جناب بھائی محمد اقبال صاحب ایم اے کی نشاندہی پر مولانا تاج محمود صاحب مرحوم کی لائبریری سے مجلس عمل کا بیان جو انکوائری کمیشن میں داخل کرایا گیا تھا۔ صاحبزادہ طارق محمود صاحب کے توسط سے مل گیا۔ اسی طرح مولانا غلام محمد صاحب علی پوری سابق مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی کتابوں سے مولانا محمد علی جالندھری کا بیان جو ۱۹۵۳ء کی تحریک میں جمع کرایا گیا تھا۔ مولانا منظور احمد الحسینی کے توسط سے مل گیا۔ یہ دونوں بیانات پہلی بار شائع ہو رہے ہیں۔ اسی طرح صوفی احمد یار صاحب بھلوال والوں کے ہاں سے ۴ صفحاتی جرح جو مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی مرتب کردہ تھی وہ مل گئی۔

حضرت مولانا تاج محمودؒ اور حضرت ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کے مسودہ جات کو باہم دیگر جوڑنے کے لئے جہاں سے مولانا تاج محمود اور ماسٹر صاحب کے مسودہ سے مواد لیا۔ ان کو "مولانا تاج محمود فرماتے ہیں" "ماسٹر تاج الدین فرماتے ہیں" لکھ کر دونوں حضرات کے مسودہ جات کو ممتاز کر دیا۔ اس کوشش کے ساتھ کہ ان حضرات کے مسودہ جات کا کوئی بھی حرف ضائع نہ ہونے پائے۔ اس سے بعض جگہ آپ کو تکرار کی زحمت گوارہ کرنی ہوگی۔ مگر میری یہی خواہش اسی تکرار کا باعث ہوئی۔ باقی کتاب میں کیا کیا مضامین کہاں کہاں سے لئے گئے۔ ان کی تفصیل ہر باب کے شروع میں آپ ملاحظہ فرما سکیں گے۔

انسان کے لئے یہ ممکن نہیں اور شریعت میں بھی اس کی اجازت نہیں۔ ورنہ اپنے خون جگر سے محترم بھائی محمد متین خالد صاحب کی تواضع کرتا اور پھر بھی ان کا حق ادا نہ کر سکتا۔ جو انہوں نے اس کتاب کے لئے محنت کی۔ دن رات ایک کر کے جان جوکھوں میں ڈال کر وقت' مال' جان کی قربانی دے کر انہوں نے اس معرکہ کو سر کیا۔ کتاب کی پروف ریڈنگ کے لئے جناب سید محمد صدیق شاہ صاحب کی مخلصانہ محنت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے مقدس رشتہ کا صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں اس کی بہتر جزائے خیر دیں۔ واقعی انہوں نے بڑا احسان فرمایا۔ اسی طرح میرے عزیز بھائی قدیر شہزاد' جناب ریاض مجاہد' محترمی حضرت مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی ناظم و مبلغ عالمی مجلس لاہور' حضرت مولانا غلام مصطفیٰ مبلغ صدیق آباد' ڈاکٹر حافظ محمد اسلم سہروردی' سید منظور الحسن شاہ صاحب لاہور اور مولانا محمد اکرم طوفانی مبلغ سرگودھا بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے پروف ریڈنگ کے لئے بڑی محنت و محبت کا معاملہ فرمایا۔ سیٹ بک لاہور کے جناب عبداللہ سلیم صاحب' جنہوں نے جناب متین خالد صاحب کے ہمراہ کتاب کے مسودہ اور پروف کو پہنچانے و وصول کرنے کے لئے متعدد بار اپنی گاڑی سمیت خدمات سرانجام دیں۔ لاہور کے جناب جاوید اقبال بٹ صاحب اور محمد یاسین آف سرائے عالمگیر بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کو کمپوز کرتے وقت

اپنے ایمانی جذبہ و اخلاص سے اپنی پوری ماہرانہ صلاحیت کو صرف کیا۔ یہ کام اتنی جلدی مکمل نہ ہوتا اگر وہ اس کے لئے معاونت نہ فرماتے۔ اللہ رب العزت ان کو اس کی جزائے خیر نصیب فرمائیں۔ (آمین) کتاب میں جو کچھ جمع پائیں گے۔ یہ محض توفیق ایزدی ہے ورنہ اتنے حالات کے جمع کرنے کا تصور بھی نہ تھا مگر ابھی بہت کچھ باقی ہے جن اضلاع کی رپورٹیں میسر نہیں آسکیں۔ ان کو جمع کرنا اور مزید حالات اکٹھے کرنے سے ایک اور جلد تیار ہو سکتی ہے۔ دیکھئے کہ کسے اس کی توفیق ہوتی ہے؟ آخر میں عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس کتاب کی ترتیب میں محبت و بغض سے یکسر دل و دماغ خالی کر کے جو میسر آیا جمع کر دیا ہے۔ کسی بھی واقعہ کو حاصل کرنے کے بعد شامل نہ کیا ہو ایسے نہیں ہوا۔ جن حضرات کا تذکرہ رہ گیا ہے اس کا باعث یہی ہے کہ فقیر کو ان کا علم نہ تھا۔

والسلام

فقیر اللہ وسایا

حال وارد ربوہ

۲۸۔ اگست ۱۹۹۱

15

باب اول

اکتوبر ۲ ۱۹۴۳ء قادیان سے جنوری ۱۹۵۳ء لاہور و کراچی تک

(چیدہ چیدہ حالات و واقعات)

نوٹ = . اس باب میں حضرت ماسٹر تاج الدین انصاری اور حضرت مولانا تاج محمود صاحب مرحومین کے رشحات قلم کو اس ترتیب سے باہم دیگر اس طرح پرویا گیا ہے کہ واقعات کا تسلسل بھی قائم رہے اور ان حضرات مرحومین کے مبارک ہاتھوں سے اکٹھے کئے ہوئے موتیوں میں سے کوئی ضائع بھی نہ ہو۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماسٹر تاج الدین انصاری فرماتے ہیں ارادہ یہ تھا کہ جیل میں بیٹھ کر قید و بند کی تنہائیوں میں اطمینان سے تحریک ختم نبوت کے حالات قلم بند کروں۔ قید بھی ہوا' نظر بند بھی رہا مگر میں اپنے اس ارادے کو لباس عمل نہ پہنا سکا۔ ارادوں کی تکمیل انسان کے اپنے بس میں نہیں ہوتی۔ خالق کی مرضی کے بغیر تو پتا بھی ہل نہیں سکتا۔ اب لکھنے بیٹھا ہوں تو لکھ رہا ہوں خدا کو منظور ہوا تو مفصل حالات پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ یہ تحریک سیاسی سٹنٹ تھا۔ بعض بد طینت یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ تحریک سیاسی شعبدہ بازوں نے چلائی تھی۔

جو جیسا ہے ویسے ہی سوچتا ہے۔
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

قبل اس سے کہ میں وہ حالات لکھوں جو پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر پیش آئے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں پیش آنے والے حادثات اور واقعات پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔ عام طور پر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مجھے مفکر احرار چوہدری افضل حق مرحوم و مغفور نے خاص مقصد کے لئے قادیان بھیج دیا تھا' میں وہاں دو سال رہا ہوں۔ اس دو سال کے عرصے میں میری آنکھوں نے کیا دیکھا اور اس فتنہ انگیز کور " نبی خیز " زمین کو دیکھ کر میں نے کیا سمجھا' شرح و بسط سے بیان کرنے کا ارادہ ہے۔ جب تک تحریک تحفظ ختم نبوت کے محرکات اچھی طرح سمجھ میں نہ آجائیں شک و شبہات کا پیدا ہونا لازمی ہے چوہدری صاحب نے " فتنہ قادیان " کے عنوان سے تحریک کے بارے میں جو کچھ خود تحریر فرمایا ہے اس سے ہمارے ارادوں اور جذبے کا پس منظر آسانی سے سمجھ میں آسکے گا۔ ہم نے اس تحریک کو کیوں شروع کیا؟ کن دشواریوں اور دقتوں سے سابقہ پڑا' کس طرح بکھ و تنہا اس شیطانی جھاڑی کے کانٹوں میں الجھے اور زخمی ہوتے رہے؟ اسے سمجھنے کے لئے سب سے پہلے احرار کے رہنما چوہدری افضل حق مرحوم و مغفور کی اپنی لکھی ہوئی روئیداد ملاحظہ فرمایئے۔ جہاں یہ ختم ہوگی اس سے آگے میں خود لکھ رہا ہوں۔ مجھے اس روئیداد کو قادیان سے شروع کر کے آخری کورٹ تک لے جانا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

فتنہ قادیان

تقسیم ملک سے قبل ---------- افضل حق رحمۃ اللہ علیہ ------

لوگ بجا طور پر پوچھتے ہیں کہ احرار کو کیا ہو گیا کہ مذہب کی دلدل میں پھنس گئے یہاں پھنس کر کون نکلا ہے جو یہ نکلیں گے؟ مگر یہ پوچھتے کون ہیں؟ وہی جن کا دل غریبوں کی مصیبتوں سے خون کے آنسو روتا ہے، وہ مذہب اسلام سے بھی بیزار ہیں اس لئے کہ اس کی ساری تاریخ شہنشاہیت اور جاگیرداری کی دردناک کہانی ہے۔ کسی کو کیا پڑی کہ نہ شہنشاہیت کے خس و خاشاک کے ڈھیر کی چھان بین کرکے اسلام کی سوئی کو ڈھونڈے تاکہ انسانیت کی چاک دامانی کا رفو کر سکے اس کے پاس کارل مارکس کے سائنٹفک سوشلزم کا ہتھیار موجود ہے وہ اس کے ذریعے سے امراء اور سرمایہ داروں کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ اسے اسلام کی اتنی لمبی تاریخ میں سے چند سال کے اوراق کو ڈھونڈ کر اپنی زندگی کے پروگرام بنانے کی فرصت کہاں؟ سرمایہ داروں نے ان برسوں کی تاریخ کے واقعات کو سرمایہ داری کے رنگ میں رنگا اور مساوات انسانی کی تاریخ جس کو اسلام کہتے ہیں مذہبی لحاظ سے عوام کی تاریخ نہ رہی اور نہ اس میں کوئی انقلابی سپرٹ باقی رہی۔ ملت المسلمین، امیروں جاگیرداروں کے ہاتھ میں موم کی ناک بن کر رہ گئے۔ ہندوستان میں اس وقت بھی وہ سب سے زیادہ مفلوک الحال مگر حال مست ہیں انہیں اپنے حال کو بدلنے کا کوئی احساس نہیں یہ کیوں ہوا؟ یہ اس لئے کہ خود علماء انقلابی سپرٹ سے ناآشنا ہیں اور وہ اب تک مذہب کی اموی اور عباسی عقائد کے مطابق تشریح کر رہے ہیں۔

تاہم کسی کی بے خبری یا کسی گروہ کا تعصب واقعات کو نہیں بدل سکتا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کے انقلابی تھے۔ درانتی اور کلہاڑا اب مزدوروں کی نشانی بنا، جس نے سرمایہ داری پر پہلے کلہاڑا چلایا اور قومی امتیاز کے ان رشتوں کو کاٹ کر رکھ دیا جس نے انسان کو انسان سے علیحدہ کر دیا تھا۔ صرف سرمایہ ہی طبقات پیدا نہیں کرتا بلکہ انسانوں میں گروہ بندی کرنے والے اور بھی محرکات ہیں ان سے بڑا ذریعہ مختلف نبیوں پر ایمان ہے قومیں خدا پر ایمان کے نتائج پر مختلف نہیں بلکہ مختلف نبیوں پر ایمان لانے سے الگ الگ ہیں پہلے آمدورفت کے وسائل کی کمی کی وجہ سے ہر ملک ایک الگ دنیا تھی الگ الگ پیغمبروں کے ذریعے ہر ملک کی روحانی تربیت جاری تھی۔ ایک ملک میں بیٹھ کر سب ملکوں میں پیغام نہ پہنچایا جا سکتا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دین مکمل ہوا۔ لانبی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں) کا اعلان کرکے دنیا کو اتحاد کا مژدہ سنایا کہ آئندہ نبیوں کی بنا پر قوموں کی تربیت ختم ہو گئی۔ آؤ ایک محکم دین کی طرف کہ یہ سب کے حالات کے مطابق ہے۔ اسلام تمہارے سارے عوارض کا نسخہ ہے، زمانے نے دیکھ لیا کہ حضورؐ کے بعد بتدریج دور دور کے ملک آمدورفت کے سلسلوں میں آسانیوں کے باعث نزدیک تر ہوتے گئے۔ اب دور دراز ملک ایک شہر کے محلوں سے بھی قریب ہونے لگے ہیں۔ اس لئے ملک ملک کے لئے علیحدہ پیغمبر کی

ضرورت نہ رہی تھی۔ اب انسانی دماغ کافی نشوونما پا چکا تھا۔ لوگ اپنا بھلا برا خود سمجھنے لگے۔ اب ایک سچائی پیش کرنا کافی ہے۔ باقی معاملہ لوگوں کی سمجھ پر چھوڑنا کفایت کرتا ہے۔ مذہب کی سچائی اب سمجھ سے بالا نہیں بلکہ تعصب کے باعث اسے قبول کرنے میں دقت ہے دنیا نے دیکھ لیا کہ سرور کائنات کے آتے ہی اہل دنیا کی عقل اور علم نے حیرت انگیز ترقی کی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے معنی یہ تھے کہ اب انسانیت سن شعور کو پہنچ چکی ہے اب کسی سکول ماسٹر کی ضرورت نہیں جو لوگ دنیا کے حالات کا مطالعہ کر سکتے ہیں سچی اور جھوٹی بات میں فرق کر کے وہ صحیح راہ تلاش کر سکتے ہیں۔ اب مکمل سچائی یعنی اسلام ہم تک پہنچ گیا اب کسی نبی کی ضرورت نہ رہی اگر ہم نبوت کا سلسلہ ابھی تک جاری مان لیں تو پھر مختلف نبیوں پر ایمان کے باعث قوموں' ملکوں اور انسانیت میں تقسیم در تقسیم کا سلسلہ جاری رہے گا' پہلے تو ملک ملک ایک الگ دنیا تھی الگ الگ نبیوں کی ضرورت تھی اب جب دنیا سمٹ کر ایک کنبہ میں رہتی ہے تو نبوت کے مختلف دعویداروں کا آنا دنیا کو تقسیم بلا ضرورت کرنے سے کم نہ تھا۔ رسول کریمؐ کا لانبی بعدی کا ارشاد دنیا کے لئے رحمت کا پیغام اور انسانیت کے لئے خوش خبری تھی۔ ہندوستان کی سرزمین عجیب ہے قادیان میں مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا تیس چالیس برس مسلمانوں کی توجہ تعمیری کاموں کی بجائے اس جھنجھٹ کی طرف لگی رہی۔ ایک حصہ کٹ کے الگ ہو گیا۔ انگریزی حکومت کے زیر سایہ جہاں چھوٹے بڑے نواب پرورش پا کر سرکار کے گن گاتے ہیں اسی طرح حکومت کو اعتراض نہ تھا' اگر متعدد نبی اور کئی ایک سرکاری ولی پیدا ہو کر ان کے ڈھاگو بجتے رہیں۔ انہیں امور سلطنت میں سہولت درکار تھی مسلمانوں کو قابو رکھنے کی تدبیروں میں سے یہ بھی حکومت انگریزی کی کارگر تدبیر تھی کہ روحانی اداروں پر ان کے ہوا خواہ قابض ہوں اور یوں سرکار انگریزی کی وفاداری مسلمانوں کا جزو مذہب بن جائے پنجاب اور سندھ میں ہر پیر خانہ سرکاری تعلق داری اور وظیفہ خواری پر پرورش پا رہا ہے۔ یہ تو پیر تھے مگر حکومت کو قادیان کا پیغمبر ہوا خواہی کے لئے مل گیا۔ مسلمان سیاسی اور مذہبی طور پر انگریزی غلامی پر مطمئن ہو گئے مسلمانوں کی موجودہ مدہوشی کی بڑی وجہ انگریز کی یہ کامیاب تدبیر ہے یوں ساری اسلامی آبادی حکومت کی منقولہ جائداد بن کر رہ گئی۔ جہاں سے اٹھائیں جہاں ڈالیں مخالفت کی ایک آواز نکلنا مشکل تھی۔ انگریزی حکومت کی سب سے زیادہ حمایت قادیان کی جماعت کو حاصل تھی یہ تائید اتنی زیادہ تھی کہ اکثر سرکاری محکموں میں وہ بہت اثر ورسوخ کے مالک ہو گئے بعض جگہ تو سارے کا سارا ضلع ان کے اثر ورسوخ میں آگیا۔ لوگ حکومت کی تائید حاصل کرنے کے لئے قادیان کی تائید حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ محکمہ سی آئی ڈی تو الگ رہا قادیانی مرزائی حکومت کو تفصیلی خبریں پہنچاتے تھے۔ حکومت

وقت کے خلاف آزادی کی ہر آواز کو دبانے کے لئے اس جماعت کے افراد سب سے پیش پیش تھے۔ اس لئے لوگ قادیانی آواز کو حکومت کی صدائے بازگشت سمجھتے تھے اور بے حد خائف تھے۔ یہ لوگ معمولی آئینی ایجی ٹیشن کو بڑھا چڑھا کر سرکار کے دربار میں بیان کرتے تھے۔ انتخابات میں حال یہ تھا کہ ہر امیدوار قادیان کی حمایت حاصل کرنا ضروری سمجھتا تھا جسے یہ تائید حاصل ہو گئی اسے گویا سرکاری تائید حاصل ہو گئی پس قادیانی تحریک کی مخالفت سیاسی اور مذہب دونوں وجوہات کی بنا پر تھی' جس اسلامی جماعت نے مسلمانوں کو آزاد اور توانا قوم رکھنے کا ارادہ کیا ہوا ہے سب سے پہلے اس جماعت سے ٹکرانا ناگزیر تھا اس جماعت کے اثر و رسوخ کو کم کئے بغیر آزادی کا تصور کرنا ناممکن تھا۔ شاید ہی آئندہ نسلیں قادیانیوں کے خلاف ہماری جدوجہد کی قدروقیمت کا اندازہ لگانے میں اس طرح کی غلطی کھائیں' جس طرح مذہب سے بیزار اور اشتراکیت کا شیدائی کھا رہا ہے۔ تعجب ہے کہ اقتصادی مساوات کے حامی لوگ صرف ہمارے مذہبی رجحانات کو دیکھتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ احرار سرمایہ داری کے مضبوط قلعے پر حملہ آور ہیں

خدا سے انکار بھی مذہب کی شاخ ہے

خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کا مذہب آشنا طبقہ احرار کی قادیان کے خلاف جدوجہد کو استحسان کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہاں ایک طبقہ ہمیں مذہبی دیوانہ اور خود کو فرزانہ خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مذہب افیون ہے اس سے قوی مضمحل ہو جاتے ہیں اور زندگی کے اصل مسائل کو سمجھنے کی قابلیتیں اور کامیاب جدوجہد کی فرصتیں کم ہو جاتی ہیں مگر مذہب کیا ہے؟ خدا کے متعلق ایک خاص تصور اور عقیدہ کوئی گروہ اس کا اقرار کرے۔ مذہبی ہے اور کوئی انکار کرے منکر خدا بھی تو خدا کے متعلق سوچتا ہے وہ خدا کے اقراری کے خلاف ایسے ہی جذبات رکھتا ہے جیسے منکر خدا کے متعلق ماننے والا۔ پس نفی و اثبات کی عملی دنیا میں بحث فضول ہے کیونکہ ذاتی اعتبار سے دونوں کا مرجع و مرکز خدا ہی ہے سب اسی کے متعلق نفی و اثبات میں سوچتے ہیں اس لئے ہمیں مذہبی دیوانہ کہنے والے خود بھی اسی طرح خطاب کئے جانے کے مستحق ہیں لیکن عمل کی دنیا میں جو کمزور ہے وہ بے شک اپنے مذہب میں کمزور ہے' پس احرار اسلام کو دنیا و آخرت کی سیدھی راہ سمجھتے ہیں۔ مذہبی دیوانہ ہونا ہمارے لئے کچھ عیب نہیں بشرطیکہ عمل کی دنیا میں ہم مبارک سپاہی ثابت ہوں۔ اگر ہم کام چور اور بے ہمت ہیں تو بے شک مذہب اسلام کے افیونی ہونے کا ہم ثبوت بہم پہنچا رہے ہیں۔ احرار بحث عمل مذہب کے دیوانے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سرکاری نبی اور سرکاری ولی اس ملک میں کیوں پیدا ہو رہے ہیں صرف اس لئے کہ وہ

مسلمانوں میں انتشار اور نئے نئے گروہ پیدا کرنے کا باعث ہوں اور کہیں مسلمانوں کی قوت ایک جگہ جمع نہ ہونے پائے۔ نئی نبوت کے دعوے کے ساتھ مسلمانوں کا ایک حصہ مستقل طور پر کٹ کر الگ ہو جاتا ہے۔

مرزائیوں کا کیا حال ہے؟ وہ سب مسلمان کہلانے والوں کو کافر کہتے ہیں اور ہر دم ان کی بیخ کنی کے درپے رہتے ہیں کیونکہ وہ رسول کریمؐ پر ایمان لانے کو کافی نہیں سمجھتے جو مرزا صاحب پر ایمان نہ لائے ان کے لئے وہ مسلمان بھی یہودی اور عیسائی کی طرح ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ مسلمان کو قریبی دشمن سمجھتے ہیں جس کو سب سے پہلے نیچا دکھانا وہ اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری قیاس کرتے ہیں۔ اگر ان کے مسلمانوں کے ساتھ باہم روابط ہیں تو وہ اس لئے کہ سیاسی طور سے مسلمانوں کا جزو بنا رہنا ان کو بے حد مفید ہے اگر مسلمانوں سے علیحدہ رہیں تو ہندوستان میں انہیں کوئی دو کوڑی کو نہ پوچھے۔ اب وہ اکثر سرکاری محکموں میں نمایاں حیثیتوں میں نظر آتے ہیں۔ مرزائی ہم مسلمانوں سے اتحاد رکھنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی ملازمتوں اور سیاست پر ان کا قبضہ رہے اور ان کی جڑ کاٹنے میں بھی آسانی ہو۔ عیسائی گو اہل کتاب ہیں مگر نبی کریمؐ پر ایمان نہ لانے کے باعث ہم ان کو مذہبی لحاظ سے مخالف گروہ خیال کرتے ہیں اسی طرح مرزائیوں کا ہمارے متعلق خیال ہے۔

اس زمانے میں ہر قوم یہ حق سمجھتی ہے کہ اپنے اندر فتنہ کالم سے خبردار رہے اور ان کی سازشوں سے بچے' ان کی میٹھی میٹھی باتوں اور ان کی ہمدردیوں سے دھوکہ نہ کھائے کھلے دشمن کا مقابلہ آسان ہے مگر بغلی گھونسوں کا کوئی علاج نہیں بجز اس کے کہ انسان ہر وقت چوکس رہے ہم مرزائیوں کے بحیثیت انسان مخالف نہیں نہ ان کی عزت و آبرو کے دشمن ہیں البتہ ان کی مضرت سے بچنا اپنا قدرتی حق سمجھتے ہیں۔ مرزائیت میں اگر فاش خامیاں نہ بھی ہوتیں اور وہ غلط دعووں کا عبرت انگیز مرقع نہ بھی ہوتی تو بھی نبوت کا دعویٰ بجائے خود اسلام پر ضرب کاری اور مسلمانوں میں انتشار عظیم پیدا کرنے کا سبب ہے اس دعوے کے ساتھ ہی یہ گروہ مسلمانوں کی کڑی نگرانی کا سزاوار ہو جاتا ہے پس ہم نے دیکھا کہ مرزائی لوگ

۱۔ برٹش امپیریلزم کے کھلے ایجنٹ ہیں

۲۔ وہ اعلیٰ طبقے کا ذہن رکھتے ہیں

۳۔ وہ مسلمانوں میں ایک نئی گروہ بندی کے طلب گار ہیں جو مسلمانوں کی جمعیت کو ٹکڑوں میں بانٹ دے گی۔

۴۔ وہ مسلمانوں میں بطور فتنہ کالم کام کرتے ہیں۔

اکثریت کے ارادے قابل قبول نہیں ہوتے مگر کمزور اقلیتوں کے لئے جو اکثریت کے خلاف محاذ

بتانا چاہیں ضروری ہے کہ وہ اپنے ارادوں کو مخفی رکھیں ان احتمالات کے پیش نظر خیال آتا تھا کہ ان مخالفین اسلام کی نگرانی ضروری ہے۔ قادیان میں مسلمانوں پر مظالم کی دلخراش داستان متواتر ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ مرزائی لوگ باہر سے آکر وعزا دعز دہاں آباد ہو رہے تھے۔ نبی کریمؐ پر ایمان رکھنے اور غریب ہونے کے باعث مسلمانوں پر باہر سے آئے ہوئے سرمایہ دار مرزائی عرصہ حیات تنگ کر رہے تھے' یہ سب کچھ قادیانی خلیفہ کے ایما پر ہو رہا تھا تمام ہندوستانی ملا فتویٰ بازی تو کرتے تھے مگر مقابلے کی جرأت نہ تھی۔ بٹالہ ضلع گورداسپور میں درد دل رکھنے والے مسلمانوں نے شبان المسلمین نام کی ایک جماعت بنائی (جسے وہاں کے مشہور اور امیر خاندان نے بہت سہارا دیا' حاجی عبدالرحمن اور حاجی عبدالغنی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ حاجی عبدالرحمن صاحب زندہ ہیں اور مہاجر کی حیثیت سے ان دنوں لاہور میں مقیم ہیں۔ حاجی عبدالغنی اس تحریک کے سلسلے میں تقسیم ملک سے بہت پہلے شہید ہو گئے تھے) انجمن شبان المسلمین ہر سال اہتمام کے ساتھ علماء کو باہر سے بلا کر نہایت شان سے تبلیغی جلسے کرتی رہی۔ ایک سال ایسا ہوا کہ بٹالہ کے سالانہ اجلاس کے خاتمہ پر علماء ایک دن کے لئے قادیان بھی تشریف لے گئے ان علما کا قادیان جانا سرکاری نبوت کے حاملوں کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ دوسرے سال انہوں نے مارپیٹ کی پوری تیاری کر لی چنانچہ مرزائی نوجوان بوڑھے علماء پر ٹوٹ پڑے۔ لاٹھیوں کا مینہ برسایا۔ ان کا بند بند توڑا' کس کی رپٹ کہاں کی رپورٹ؟ تھانہ مرزائیوں کا غلام تھا۔ داد رسی کی کیا توقع تھی۔ یہ بے چارے جوں توں کر کے بٹالہ پہنچے' جو قیامت ان پر گذری تھی اس کی داستان درد لوگوں کو سنائی پھر کئی سال کسی کا حوصلہ نہ ہوا کہ کوئی عالم دین قادیان کی جانب مارچ کرے۔

احرار کا قادیان میں داخلہ' اکتوبر ۱۹۳۴ء

جس طرح سے کسی کشمیر کی غریب آبادی کی مصیبتوں کو دیکھ کر فریاد و فغاں کر رہی تھی اور ہم اس کے دردناک نالوں کو سن کر اٹھے تھے اسی طرح ہم نے قادیان کے تباہ حال اور ستائے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی پکار کو سن کر کمر کس لی۔ قادیان کے مرزائی سرمایہ داروں کو یقین تھا کہ زمین کے دردناک نالے آسمان کے خداوند تک نہیں پہنچتے انہیں دنیا کے خداوندوں کا سہارا تھا اور وہ من مانی کارروائیاں اس لئے کرتے تھے کہ حکام تک ان کی رسائی تھی لیکن دیکھو یوں معلوم ہوا کہ گویا آسمان کے خداوند نے کہا کہ اے ارباب غرور' یہ تمہاری تشددانہ زندگی انجیل کے اوراق کی طرح اب گم ہو جانی چاہئے۔ پس اس نے جھوٹے مسیحا اور اس کے حواریوں کے مظالم کو روکنے کے لئے خاک نشینوں کی جماعت کے دل میں تحریک کی

جس نے چند نوجوانوں کو قادیان میں بھیجا تاکہ مسلمانوں کی مساجد میں جا کر نماز ادا کریں لیکن ایسا نہ کرنا کہ کہیں مرزائیوں کے معبد خانہ میں جا گھسو اور مرزائیوں کو تم پر تشدد کرنے کا معقول بہانہ مل جائے۔ لیکن قادیان میں مرزائیوں کو مسلمانوں کی مساجد میں آوازہ اذان کی اجازت کہاں تھی۔ مسلمانوں پر ان کا لاٹھی کا ہاتھ رواں تھا حق۔ آئے اور لاٹھی کے جوہر دکھانے لگے۔ بے دردوں نے احرار رضاکاروں کو اس قدر پیٹا کہ پناہ بخدا۔ بزدل دشمن قابو پا کر ایسے ہی غیر شریفانہ مظاہرے کرتا ہے رضاکار جان سے تو بچ گئے مگر مدت تک ہسپتال میں پڑے رہے اس کے بعد احرار نے بٹالہ میں کانفرنس کر کے حکومت اور قادیانی ارباب اقتدار کو للکارا' مرزائیوں اور سرکار نے سمجھا کہ احرار کی خاک میں شعلے کہاں؟ پرواہ تک نہ کی' کسی مرزائی کی گرفتاری عمل میں نہ آئی۔ لیکن اتنا ہوا کہ رپورٹروں نے حکام اور مرزائی صاحبان نے کہہ دیا کہ احرار کی کشمیر کی یلغار کو سامنے رکھو ایسا نہ ہو کہ گرد میں سوار نکل آئیں' احرار جس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں پھر پیچھا نہیں چھوڑتے اور ہموار کر کے دم لیتے ہیں۔ مار کھا کے چپکے بیٹھ جانا شریفوں کا شیوہ نہیں اس لئے جولائی ۱۹۳۴ء میں امرتسر میں ورکنگ کمیٹی ہوئی فیصلہ ہوا کہ جو ہو سو ہو قادیان میں مستقل دفتر کھولنا چاہئے۔ معلوم کیا کہ ہم میں کون ہے جو علم میں پورا اور عمل میں پختہ ہے جو موت کی مطلق پرواہ نہ کرے اور اللہ کا نام لے کر کفر کے قلعے کو مٹانے کے عزم سے اس جگہ اقامت اختیار کرے اور مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں کی نگرانی کرے۔ خدا نے مولانا عنایت اللہ (چشتی) کو توفیق دی۔ وہ شادی شدہ نہ تھے اس لئے جماعت کو یہ غم نہ تھا کہ ان کی شہادت کے بعد کنبے کا بوجھ اٹھانا ہے اور بچوں کی پرورش کا کام کرنا ہے۔

مولانا عنایت اللہ (چشتی)

غرض خطرات کے ہجوم میں مولانا کو رد مرزائیت کا کام سپرد کیا گیا اور دارالکفر میں اسلام کا جھنڈا گاڑنا معمولی سی اولوالعزمی نہ تھی افسوس! مسلمانوں نے دنیا کے لئے زندہ رہنا سیکھ لیا ہے اور ان کے سارے تبلیغی ولولے سرد پڑ گئے ہیں اب جبکہ فتنہ مرزائیت نے سر اٹھا لیا تو انہوں نے مصلحت اختیار کی۔ باوجودیکہ مرزائی مسلمانوں کو صریح کافر کہتے ہیں یہاں تک کہ جنازہ تک پڑھنے کے روادار نہ تھے۔ لیکن لوگ انہیں انگریز کا کیمپ کر منہ نہ آتے تھے۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں نے تو حد کر دی تھی وہ اس خانہ برانداز قوم کا تعاون حاصل کرنے کو حصول ملازمت کا ضروری مرحلہ خیال کرتے تھے۔ بہت ہیں جنہوں نے دنیا حاصل کرنے کے لئے دین کو فروخت کر دیا۔ دین فروشوں کا گروہ ہر زمانے میں موجود رہا ہے قوموں کے زوال میں اس گروہ کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ مرزائی لوگ انسانی فطرت کی اس کمزوری سے پورا فائدہ اٹھاتے

رہے۔ ضلع گورداسپور کے سارے حکام ان کا اس وجہ سے پانی بھرتے تھے کہ قادیانی گروہوں کی رسائی انگریزی سرکار تک ہے۔ ضلع کے حکام کے ذریعے عوام کو مرعوب کرنا۔ سرکار کا وفادار فریق بنا کر تعلیم یافتہ لوگوں کو ملازمتوں کے سبز باغ دکھانا ان کا کام تھا۔ انگریزی سلطنت کی مضبوطی اور سرکار سے مرزائیوں کا گٹھ جوڑ دیکھ کر کسی تبلیغی جماعت کا حوصلہ نہ تھا کہ وہ خم ٹھونک کر میدان مقابلہ میں نکلتی۔ اللہ نے احرار کو توفیق دی کہ وہ حق کا علم لے کر نکلے۔ مرزائی متعدد قتل کر چکے تھے۔ قادیان میں انہیں کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ مولانا عنایت اللہ کو قادیان کے بازار میں دفتر لے دیا گیا۔ قادیان میں احرار کا جھنڈا لہرانے لگا۔ سرخ جھنڈے کو دیکھ کر مرزائی روسیاہ ہو گئے۔ تو ان کے سینوں کو تو آگ لگ گئی' یہ ان کی پامالی کا دن تھا۔ مرزائیوں نے اپنی امیدوں کا جنازہ نکلتے دیکھا تو سر پیٹنے لگے۔ سرکار کی دہلیز پر سر رکھ کر پکارے' حضور قادیان مرزائیوں کی مقدس جگہ ہے۔ احرار کے وجود سے یہ سرزمین پاک کر دی جائے۔ جب مرزائیت نصرانیت کا سہارا ڈھونڈنے نکلی تو ہم نصرانیوں اور مرزائیوں کے اتحاد سے ڈرے ضرور مگر خدا کو حامی و ناصر سمجھ کر اس کے تدارک میں لگ گئے۔ ڈرنا اور ہمت ہار دینا عیب ہے ڈرنا اور پیچھے سے زیادہ چوکنے ہو کر کام کرنا بڑی خوبی ہے۔ بساط سیاست پر زور کو بڑھا کر اس کو تنہا چھوڑ دینا غلطی ہوتی ہے۔ ہم نے اول ان احباب کی فہرست تیار کرلی جو مولانا کی شہادت کے بعد دیگرے یہ سعادت حاصل کرنے کے لئے چوبیس گھنٹے کے اندر قادیان پہنچ جائیں کیونکہ مرزائیوں نے قادیان کو قانونی دسترس سے پرے ایک الگ دنیا بنا رکھا تھا جہاں مسلمانوں' ہندوؤں اور سکھوں پر بلا خطا مظالم توڑے جاتے تھے قتل ہوتے تھے مگر مقدمات عدالت تک نہ جا سکتے تھے دوسرے ہم نے فوراً مولوی عنایت اللہ کے نام قادیان میں مکان خرید دیا تاکہ مرزائیوں اور حکام کا یہ عذر بھی جاتا رہے کہ مولوی صاحب موصوف اجنبی ہیں اور ان کا قادیان سے کوئی تعلق نہیں۔ تیسرے قادیان کی تقدیس کے دعوے کو باطل کرنے کے لئے ہم نے "احرار تبلیغ کانفرنس قادیان" کا اعلان کیا اس پر تو گویا قادیانی ایوان میں زلزلہ آ گیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی مرزائی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور سر حکام کے پاؤں پر رکھ دیا کہ تمہاری خیر ہو ہماری خبر لو۔ خانہ خراب ہوا جاتا ہے۔ ہم سے کہا گیا کہ کانفرنس سے باز رہو قادیان میں مرزائیوں کی اکثریت ہے اقلیت کا حق نہیں کہ ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔ ہم نے حکام کو جواب دیا سوائے قادیان کے سب جگہ ان کی تبلیغ بند کر دی جائے اس جواب معقول سے وہ لاجواب ہو گئے۔ مگر رخنہ اندازیوں میں برابر مشغول رہے گویا اٹھایا ہوا قدم واپس ہو سکتا تھا۔ حکومت نے سراسر ناانصافی سے بچنے کے لئے کہا کہ کانفرنس کرلو۔ لیکن مسلح ہو کر قادیان میں داخل نہ ہونا۔ اس میں ہمیں عذر ہی کیا تھا۔ کانفرنس کی کامیابی نے دوست

اور دشمن کو حیران کر دیا۔ مرزائی تو جل گئے اور جلدی جلدی حکام کے پاس پہنچ کر تو سرکار بخاری نے دل کا خوب بخار نکالا۔ بڑے مرزا صاحب کی توہین کی چھوٹے مرزا کے الگ بخیے ادھیڑے اگر اب مدد نہ کی تو کب کام آؤ گے؟ سرکار نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بخاری صاحب کو گرفتار کر کے عدالت میں لا کھڑا کیا۔ خدا کی حکمت گنہگاروں پر مسکراتی ہے۔ مرزائی تو احرار کو مرعوب کرنے کے لئے عطاء اللہ شاہ صاحب پر مقدمہ چلا رہے تھے۔ لیکن قدرت مرزائیت کے دامن کا پول کھولنے کے لئے بیتاب تھی۔ خدا کی مہربانی سے مرزائیت کے خلاف وہ ثبوت پہنچے کہ کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ہم میں ایسے ثبوت مہیا کرنے کی صلاحیت ہے ہم نے اس مقدمہ میں مرزائیت کے مذہب و اعتقاد پر بحث نہیں کی بلکہ مرزائیت اور اس کے اعمال کو پیش کیا جس سے ابتدائی عدالت بھی متاثر ہوئی اگرچہ اس نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو چھ ماہ کی سزا دے دی۔ تاہم سننے والی پبلک پر گہرا اثر ہوا سب کو یقین تھا شہادت صفائی کی ایسی ہے کہ یہ سزا بحال نہیں رہ سکتی۔ لیکن مرزائی ہیں کہ شاہ صاحب کی سزایابی پر پھولے نہ سماتے تھے ان کے گھر میں گھی کے چراغ جلائے گئے لیکن سیشن جج مسٹر کھوسلہ نے مرزائیوں کی خوشیوں کو اپنے فیصلہ اپیل میں ماتم سے بدل دیا۔ اس نے وہ تاریخی فیصلہ لکھا جس سے اسے شہرت دوام حاصل ہو گئی اس فیصلے کا ہر حرف مرزائیت کی رگ جان کے لئے نشتر ہے۔ اس فیصلے میں مسٹر کھوسلہ نے چند سطروں میں مرزائیت کی تاریخ کہہ ڈالی اس کے فیصلے کا ہر لفظ دریائے معانی ہے۔ اس کی ہر سطر مرزائیت کی سیاہ کاریوں اور ریاکاریوں کی پوری تصویر ہے۔ مسٹر کھوسلہ کے قلم کی سیاہی مرزائیت کے لئے قدرت کا انتقام بن کر کاغذ پر پھیلی اور مرزائیت کے چہرے پر نہ مٹنے والا داغ چھوڑ گئی۔ ہر چند انہوں نے سر سپرو جیسے منصفین کی معرفت چارہ جوئی کی تاکہ مسٹر کھوسلہ کے فیصلے کا داغ دھویا جائے مگر انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ مرزائی آج تک کیا سمجھتے تھے قدرت ظلم ناروا کا انتقام لینے سے قاصر ہے مگر اس فیصلے نے ثابت کر دیا خدا کے حضور میں دیر ہے اندھیر نہیں اس فیصلے کو تاریخ احرار میں خاص اہمیت حاصل رہے گی۔ دراصل یہ فیصلہ مرزائیت کی موت ثابت ہوا جس غیر جانبدار نے اس کو پڑھا وہ مرزائیت کے نقش و نگار کو دیکھ کر اس سے نفرت کرنے لگا۔ علامہ سر اقبال رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا ظفر علی خاں کے بیانات نے بھی تعلیم یافتہ طبقے کے رجحان خیال کو بدل دیا۔ الیاس برنی نے قادیانی مذہب لکھ کر مرزائیت کے مقابلے میں اسلام کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ مسٹر کھوسلہ نے جو مرزائیت کے قلعے پر بم پھینکا اس نے کفر کے قلعے کی بنیادیں ہلا دیں۔ ان قلعہ بندیوں کو مسمار کرنے میں آسانی ہو گئی جہاں چار مرزائی بیٹھے ہوں ان میں مسٹر کھوسلہ کا فیصلہ پھینک دو یہ بم پھینکنے کے برابر ہو گا وہ سراسیمہ ہو کر بھاگ جائیں گے۔

(چوہدری افضل حق مرحوم)

قارئین کرام مسٹر کھوسلہ سیشن جج گورداسپور کا تاریخی فیصلہ ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر تقسیم ہو چکا ہے آج بھی ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جنہیں اس تاریخی فیصلے کو پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا اور جن لوگوں نے اس سے قبل اس تاریخی فیصلے کا مطالعہ کیا ہے وہ بھی اذہان کی تازگی کے لئے اسے ایک بار پھر مطالعہ فرمائیں۔ (تاج الدین انصاری)

مسٹر کھوسلہ کا فیصلہ

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے تاریخی مقدمے میں ان کی اپیل پر مسٹر کھوسلہ جج سیشن گورداسپور نے بزبان انگریزی جو فیصلہ صادر کیا ہے اس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

مرافعہ گذار سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ الف کے ماتحت مجرم قرار دیتے ہوئے اس تقریر کی پاداش میں جو انہوں نے ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو تبلیغ کانفرنس قادیان کے موقعہ پر کی چھ ماہ کی قید باشقت کی سزا دی گئی ہے۔

مرزا اور مرزائیت

مرافعہ گذار کے خلاف جو الزام عائد کیا گیا ہے اس پر غور و خوض کرنے سے قبل چند ایسے حقائق و واقعات بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کا تعلق امور زیر بحث سے ہے۔ آج سے تقریباً پچاس سال قبل قادیان کے ایک باشندے مسمی غلام احمد نے دنیا کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیا کہ میں مسیح موعود ہوں اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے امتیاز اعظم کی حیثیت بھی اختیار کر لی اور ایک نئے فرقے کی بنا ڈالی جس کے ارکان اگرچہ مسلمان ہونے کے مدعی تھے لیکن ان کے بعض عقائد اور اصول عقائد اسلامی سے بالکل متبائن تھے اس فرقے میں شامل ہونے والے لوگ قادیانی یا مرزائی یا احمدی کہلاتے ہیں اور ان کا مابہ الامتیاز یہ ہے کہ یہ لوگ فرقہ مرزائیہ کے بانی (مرزا غلام احمد) کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔

قادیانیت کی تاریخ

بتدریج یہ تحریک ترقی کرنے لگی اور اس کے مقلدین کی تعداد چند ہزار تک پہنچ گئی۔ مسلمانوں کی طرف سے مخالف ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کی اکثریت نے مرزا کے دعاوی بلند بانگ خصوصاً اس کے دعاوی تفوق دینی پر بہت ناک منہ چڑھایا اور مرزا نے ان لوگوں پر کفر کا الزام لگایا اس کے جواب میں ان لوگوں نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا مگر قادیانی حصار میں

رہنے والے اس بیرونی تنقید سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے اور اپنے مستقر یعنی قادیان میں مورچے سے ڈٹے رہے۔

قادیانیوں کا تمرد اور شورہ پشتی

قادیانی مقابلتاً خوشحال تھے۔ اس حالت نے ان میں متمردانہ غرور پیدا کر دیا انہوں نے اپنے دلائل دوسروں سے منوانے اور اپنی جماعت کو ترقی دینے کے لئے ایسے حربوں کا استعمال شروع کیا جنہیں ناپسندیدہ کہا جائے گا۔ جن لوگوں نے قادیانیوں کی جماعت میں شامل ہونے سے انکار کیا انہیں مقاطعہ' قادیان سے اخراج اور بعض اوقات اس سے بھی مکروہ تر مصائب کی دھمکیاں دے کر دہشت انگیزی کی فضا پیدا کی بلکہ بسا اوقات انہوں نے ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا کر اپنی جماعت کے استحکام کی کوشش کی۔ قادیان میں رضاکاروں کا ایک دستہ (والنٹیر کور) مرتب ہوا اور اس کی ترتیب کا مقصد غالباً یہ تھا کہ "لمن الملک الیوم" کا نعرہ بلند کرنے کے لئے طاقت پیدا کی جائے انہوں نے عدالتی اختیارات بھی اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت کی۔ دیوانی مقدمات میں ڈگریاں صادر کیں اور ان کی تعمیل کرائی گئی۔ کئی اشخاص کو قادیان سے باہر نکالا گیا۔ یہ قصہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ قادیانیوں کے خلاف کھلے ہوئے طور پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے مکانوں کو تباہ کیا' جلایا اور قتل تک کے مرتکب ہوئے اس خیال سے کہ کہیں ان الزامات کو اعداء کے تخیل ہی کا نتیجہ سمجھ نہ لیا جائے میں چند ایسی مثالیں بیان کر دینا چاہتا ہوں جو مقدمے کی مثل میں شامل ہیں۔

سزائے اخراج

کم از کم دو اشخاص کو قادیان سے اخراج کی سزا دی گئی اس لئے کہ ان کے عقائد مرزا کے عقائد سے متفاوت تھے۔ وہ اشخاص حبیب الرحمن گواہ صفائی نمبر ۲۸ اور مسمی اسماعیل ہیں۔ مسل میں ایک چٹھی (ڈی۔ زیڈ۔ ۳۳) موجود ہے جو موجودہ مرزا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور جس میں یہ حکم درج ہے کہ حبیب الرحمن گواہ نمبر ۲۸ کو قادیان میں آنے کی اجازت نہیں۔ مرزا بشیر الدین گواہ صفائی نمبر ۲ نے اس چٹھی کو تسلیم کر لیا ہے کئی اور گواہوں نے (قادیانیوں کے) تشدد اور مظالم کی عجیب و غریب داستانیں بیان کی ہیں۔ بھگت سنگھ گواہ صفائی نے بیان کیا ہے کہ قادیانیوں نے ان پر حملہ کیا۔ ایک شخص مسمی غریب شاہ کو قادیانیوں نے زدوکوب کیا۔ لیکن اس نے عدالت میں استغاثہ کرنا چاہا تو کوئی اس کی شہادت دینے کے لئے سامنے نہ آیا۔ قادیانی عدالتوں کے فیصلہ کردہ مقدمات کی فیصلہ کردہ مسلیں پیش کی گئیں (جو شامل مسل ہو چکی ہیں) مرزا بشیر الدین محمود نے تسلیم کیا ہے کہ قادیان میں عدالتی اختیارات ہوتے ہیں

اور میری عدالت سب سے آخری عدالت اپیل ہے۔ عدالت کی ڈگریوں کا اجرا عمل میں آتا ہے اور ایک واقعے سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ڈگری کے اجراء میں ایک مکان فروخت کر دیا۔ اشٹامپ کے کاغذ قادیانیوں نے خود بنا رکھے ہیں جو ان درخواستوں اور عرضیوں پر لگائے جاتے ہیں جو قادیانی عدالتوں میں دائر ہوتی ہیں۔ قادیان میں ایک والنٹیر کور کے موجود ہونے کی شہادت گواہ نمبر ۳۰ مرزا شریف احمد نے دی ہے۔

عبدالکریم کی مظلومی اور محمد حسین کا قتل

سب سے سنگین معاملہ عبدالکریم (ایڈیٹر مباہلہ) کا ہے جس کی داستان دردناک ہے۔ یہ شخص مرزا کے مقلدین میں شامل ہوا اور قادیان میں جا کر مقیم ہو گیا۔ وہاں اس کے دل میں (مرزائیت کی صداقت کے متعلق) شکوک پیدا ہوئے اور وہ مرزائیت سے تائب ہو گیا اس کے بعد اس پر ظلم و ستم شروع ہوا۔ اس نے قادیانی معتقدات پر تبصرہ و تنقید کرنے کے لئے "مباہلہ" نامی اخبار جاری کیا۔ مرزا بشیرالدین محمود نے ایک تقریر میں جو دستاویز (ڈی۔ زیڈ) الفضل مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۰ میں درج ہے مباہلہ شروع کرنے والوں کی موت کی پیش گوئی کی ہے۔ اس تقریر میں ان لوگوں کا بھی ذکر کیا گیا جو مذہب کے لئے ارتکاب قتل پر بھی تیار ہو جاتے ہیں اس تقریر کے بعد جلد ہی عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ ہوا لیکن وہ بچ گیا ایک شخص محمد حسین جو اس کا معاون تھا اور ایک فوجداری مقدمے میں جو عبدالکریم کے خلاف چل رہا تھا اس کا ضامن بھی تھا اس پر حملہ ہوا قتل کر دیا گیا۔ قاتل پر مقدمہ چلا اور اسے پھانسی کی سزا کا حکم ہوا۔

محمد حسین کے قاتل کا رتبہ مرزائیوں کی نظر میں

پھانسی کے حکم کی تعمیل ہوئی اور اس کے بعد قاتل کی لاش قادیان میں لائی گئی اور اسے نہایت عزت و احترام سے بہشتی مقبرے میں دفن کیا گیا مرزائی اخبار "الفضل" میں قاتل کی مدح سرائی کی گئی۔ قتل کو سراہا گیا اور یہاں تک لکھا گیا کہ قاتل مجرم نہ تھا۔ پھانسی کی سزا سے پہلے ہی اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور اس طرح وہ پھانسی کی ذلت انگیز سزا سے بچ گیا خدا نے عادل نے یہ مناسب سمجھا کہ پھانسی سے پہلے ہی اس کی جان قبض کرے۔

مرزا محمود کی دروغ گوئی

عدالت میں مرزا محمود نے اس کے متعلق بالکل مختلف داستان بیان کی اور کہا کہ محمد حسین کے قاتل کی عزت افزائی اس لئے کی گئی کہ اس نے اپنے جرم پر تأسف و ندامت کا

انکار کیا تھا اور اس طرح وہ گناہ سے پاک ہو چکا تھا لیکن دستاویز (ڈی۔ زیڈ) اس کی تردید کرتی ہے جس سے مرزا کی دلی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔

عدالت عالیہ کی توہین

یہاں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس دستاویز کے مضمون سے عدالت عالیہ لاہور کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

محمد امین کا قتل

محمد امین ایک مرزائی تھا اور جماعت مرزائیہ کا مبلغ تھا اس کو تبلیغ کے لئے بخارا بھیجا گیا لیکن کسی وجہ سے بعد میں اسے اس خدمت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس کی موت کلہاڑی کی ایک ضرب سے ہوئی جو چوہدری فتح محمد گواہ صفائی نمبر۳۱ نے لگائی۔ عدالت ماتحت نے اس معاملے پر سرسری نظر ڈالی ہے لیکن یہ زیادہ غور و توجہ کا محتاج ہے محمد امین پر مرزا کا عتاب نازل ہو چکا تھا اور اس لئے وہ مرزائیوں کی نظر میں موقر و معتمد نہیں رہا تھا۔ اس کی موت کے واقعات خواہ کچھ ہوں اس میں کلام نہیں کہ محمد امین تشدد کا شکار ہوا اور کلہاڑی کی ضرب سے قتل کیا گیا پولیس میں وقوعے کی اطلاع پہنچی لیکن کوئی کارروائی عمل میں نہ آئی۔ اس بات پر زور دینا فضول ہے کہ قاتل نے حفاظت خود اختیاری میں محمد امین کو کلہاڑی کی ضرب لگائی اور یہ فیصلہ کرنا اس عدالت کا کام ہے جو مقدمہ قتل کی سماعت کرے چوہدری فتح محمد کا عدالت میں باقرار صالح یہ بیان کرنا تعجب انگیز ہے کہ اس نے محمد امین کو قتل کیا مگر پولیس اس معاملے میں کچھ نہ کر سکی جس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ مرزائیوں کی طاقت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ کوئی گواہ سامنے آکر سچ بولنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا ہمارے سامنے عبدالکریم کے مکان کا واقعہ بھی ہے۔ عبدالکریم کو قادیان سے خارج کرنے کے بعد اسکا مکان نذر آتش کر دیا گیا اور قادیان کی سمال ٹاؤن کمیٹی سے حکم حاصل کر کے نیم قانونی طریق پر اسے گرانے کی کوشش کی گئی۔

قادیان کی صورت حالات اور مرزا کی دشنام طرازی

یہ افسوسناک واقعات اس بات کی منہ بولتی تصویر ہیں کہ قادیان میں قانون کا احترام بالکل اٹھ گیا تھا آتش زنی اور قتل تک کے واقعات ہوتے تھے مرزا نے کروڑوں مسلمانوں کو جو اس کے ہم عقیدہ نہ تھے شدید دشنام طرازی کا نشانہ بنایا۔ اس کی تصانیف ایک اسلوب اعظم کے اخلاق کا اندوہناک مظاہرہ ہیں جو صرف نبوت کا مدعی نہ تھا بلکہ خدا کا برگزیدہ انسان اور مسیح ثانی ہونے کا بھی مدعی تھا۔

حکومت مفلوج ہو چکی تھی

معلوم ہوتا ہے کہ (قادیانیت کے مقابلے میں) حکام غیر معمولی حد تک مفلوج ہو چکے تھے۔ دینی و دنیوی معاملات میں مرزا کے حکم کے خلاف کبھی آواز بلند نہیں ہوئی مقامی افسروں کے پاس کئی مرتبہ شکایت پیش ہوئی لیکن وہ اس کے انسداد سے قاصر رہے۔ مسل پر کچھ اور شکایات بھی ہیں لیکن یہاں ان کے مضمون کا حوالہ دینا غیر ضروری ہے اس مقدمے کے سلسلے میں صرف یہ بیان کر دینا کافی ہے کہ قادیان میں جو متوازی حکم رانی کا وجود ہونے کے متعلق نہایت واضح الزامات عائد کئے گئے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قطعاً کوئی توجہ نہ ہوئی۔

تبلیغ کانفرنس کا مقصد

ان کارروائیوں کے سدباب کے لئے اور مسلمانوں میں زندگی کی روح پھونکنے کے لئے تبلیغ کانفرنس منعقد کی گئی۔ قادیانیوں نے اس کے انعقاد کو بنظر ناپسندیدگی دیکھا اور اسے روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی اس کانفرنس کے انعقاد کے لئے ایک شخص ایشر سنگھ کی زمین حاصل کی گئی تھی قادیانیوں نے اس پر قبضہ کر کے دیوار کھینچ دی اور اس طرح احرار اس قطعہ زمین سے بھی محروم ہو گئے جو قادیان میں انہیں مل سکتا تھا مجبوراً انہوں نے قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر اپنا اجلاس منعقد کیا۔ دیوار کا کھینچا جانا اس حقیقت پر مشعر ہے کہ اس وقت فریقین کے تعلقات میں کتنی کشیدگی تھی اور قادیانیوں کی شوخ چشمی کس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ وہ اپنی دست درازی کے قانونی نتائج سے اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتے تھے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مقناطیسی جذب

بہر حال کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت کے لئے اپیلانٹ سے کہا گیا وہ بلند پایہ خطیب ہے اور اس کی تقریر میں بھی مقناطیسی جذب موجود ہے اس نے اس اجلاس میں ایک جوش انگیز خطبہ دیا اس کی تقریر کئی گھنٹوں تک جاری رہی۔ بتایا گیا ہے کہ حاضرین تقریر کے دوران میں بالکل مسحور تھے اپیلانٹ نے اس تقریر میں اپنے خیالات ذرا وضاحت سے بیان کئے اور اس کے دل میں مرزا اور اس کے معتقدین کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات موجزن تھے ان پر پردہ ڈالنے کی اس نے کوئی کوشش نہ کی۔ تقریر پر اخبارات میں اعتراض ہوا معاملہ حکومت پنجاب کے سامنے پیش ہوا جس نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مقدمہ چلانے کی اجازت دے دی۔

تقریر پر اعتراض

اپیلانٹ کے خلاف جو الزام ہے اس کے ضمن میں اس تقریر کے سات اقتباسات درج

ہیں جنہیں قابل گرفت ٹھہرایا گیا ہے وہ اقتباسات یہ ہیں:۔

۱۔ فرعونی تخت الٹایا جا رہا ہے انشاء اللہ یہ تخت نہیں رہے گا۔

۲۔ وہ نبی کا بیٹا ہے میں نبی کا نواسہ ہوں وہ آئے تم سب چپ چاپ بیٹھ جاؤ وہ مجھ سے اردو، پنجابی، فارسی میں ہر معاملے پر بحث کرے یہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائے گا۔ وہ پردے سے باہر آئے نقاب اٹھائے۔ کشتی لڑے۔ مولا علی کے جوہر دیکھے۔ وہ ہر رنگ میں آئے وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے میں ننگے پاؤں آؤں وہ ریشم پہن کر آئے، میں گاندھی جی کی کھدر شریف، وہ مزعفر اور کباب یاقوتیاں اور پلومر کی ٹانک وائن اپنے ابا کی سنت کے مطابق کھا کر آئے میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آتا ہوں۔

۳۔ یہ ہمارا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں یہ برطانیہ کے دم کٹے کتے ہیں یا خوشامد اور برطانیہ کے بوٹ کی تو صاف کرتا ہے۔ میں تکبر سے نہیں کہتا بلکہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ کو اکیلا چھوڑ دو پھر میرے اور بشیر کے ہاتھ دیکھو کیا کروں لفظ تبلیغ نے ہمیں مشکل میں پھنسا دیا ہے یہ اجتماع سیاسی اجتماع نہیں ہے۔ او مرزائیو! اگر ماں کیں ذہیلی ہو تمہیں میں کہتا ہوں اب بھی ہوش میں آؤ۔ تمہاری طاقت اتنی بھی نہیں جتنی پیشاب کی جھاگ ہوتی ہے۔

۴۔ جو پانچویں جماعت میں فیل ہوتے ہیں وہ نبی بن جاتے ہیں ہندوستان میں ایک مثال موجود ہے کہ جو فیل ہوا وہ نبی بن گیا۔

۵۔ او مسیح کی بھیڑو۔ تم سے کسی کا ٹکراؤ نہیں ہوا۔ جس سے اب سابقہ ہوا ہے یہ مجلس احرار ہے اس نے تم کو ٹکڑے کر دینا ہے۔

۶۔ او مرزائیو! اپنی نبوت کا نقشہ دیکھو اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو نبوت کی شان تو رکھتے۔

۷۔ اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو انگریزوں کے کتے تو نہ بنتے۔

مرافعہ گزار نے عدالت ماتحت میں بیان کیا کہ اس کی تقریر درست طور پر قلم بند نہیں کی گئی۔ جملہ نمبر کے متعلق اس نے بصراحت کہا ہے کہ وہ اس کی زبان سے نہیں نکلا اور اگرچہ اس نے تسلیم کیا کہ باقی جملوں کا مضمون میرا ہے لیکن ساتھ ہی اس نے یہ کہا کہ عبارت غلط ہے، عدالت ماتحت نے قرار دیا ہے کہ ایک جملہ کی رپورٹ غلط ہے اور اس کے سلسلہ میں مرافعہ گزار کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہذا مرافعہ گزار کی سزایابی کا مدار دوسرے چھ فقروں پر ہے۔ مرافعہ گزار کے وکیل نے تسلیم کیا کہ فقرات ۱ تا ۶ مرافعہ گزار نے کہے اب میرے سامنے یہ امر فیصلہ طلب ہے کہ کیا یہ جملے جو مرافعہ گزار نے کہے دفعہ ۱۵۳ الف کے ماتحت قابل گرفت ہیں اور کیا یہ الفاظ کہنے سے مرافعہ گزار کس جرم کا مرتکب ہوا ہے۔

عدالت کا استدلال

میں نے اس سے قبل وہ حالات و واقعات بہ تفصیل بیان کر دیے ہیں جن کے تحت تبلیغ کانفرنس منعقد ہوئی۔ مرافع گذار نے بہت ہی تحریری شہادتوں کی بنا پر یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ مرزا اور اس کے مقلدین کے ظلم و ستم پر جائز اور واجبی تنقید کرنے کے سوا اس کا کچھ مقصد نہ تھا اس کا بیان ہے کہ اس کی تقریر کا مدعا سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگانا اور مرزائیوں کے افعال ذمیمہ کا بھانڈا پھوڑنا تھا۔ اس نے اپنی تقریر میں جابجا مرزا محمود کے ظلم و تشدد پر روشنی ڈالی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ جو مسلمان مرزا کی نبوت سے انکار کرتے اور اس کے خانہ ساز اقتدار کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مورد آفات و بلیات ہیں ان کی شکایات رفع کی جائیں۔ میں نے قادیان کے حالات کی روشنی میں مرافعہ گذار کی تقریر پر غور کیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے یہ تقریر مسلمانوں کی طرف سے صلح کا پیغام تھی لیکن اس تقریر کے سرسری مطالعے سے ہر معقول شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اعلان صلح کی بجائے یہ دعوت نبرد آزمائی ہے۔ ممکن ہے کہ مرافع گذار نے قانون کی حدود کے اندر رہنے کی کوشش کی ہو۔ لیکن جوش فصاحت و بلاغت میں وہ ان اخلاقی حدود سے آگے نکل گیا ہے اور ایسی باتیں کہہ گیا ہے جو سامعین کے دلوں میں مرزائیوں کے خلاف نفرت کے جذبے کے سوا اور کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ مہاتما کے مارک انٹونی کی طرح مرافع گذار نے یہ اعلان تو کر دیا کہ وہ احمدیوں سے طرح آویزش نہیں ڈالنا چاہتا لیکن صلح کا یہ پیغام ایسی گالیوں سے پر ہے جن کا مقصد سامعین کے دلوں میں احمدیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

تنقید کی جائز حدود

اس میں کلام نہیں کہ مرافع گذار کی تقریر کے بعض حصے مرزا کے افعال کی جائز اور واجبی تنقید پر مشتمل ہیں' غریب شاہ کو زدوکوب کرنے کا واقعہ محمد حسین اور محمد امین کے واقعات قتل اور مرزا کے جبر و تشدد کے بعض دوسرے واقعات جن کا حوالہ دیا گیا ہے ایسے ہیں جن پر تنقید کرنے کا ہر سچے مسلمان کو حق ہے نیز اس تقریر کے دوران میں ان توہین آمیز الفاظ کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو قادیانی پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کرتے رہتے ہیں اور جو مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔

مرزائی اور مسلمان

مسلمانوں کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین ہیں لیکن مرزائیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ محمدؐ کے بعد بھی کئی نبی مبعوث ہو سکتے ہیں اور وہ سب مجدد بھی ہو سکتے ہیں۔ تجربہ کہ

مرزا غلام احمد نبی اور مسیح ہونے کا دعوی کرتا تھا۔ اس حد تک مرافعہ گزار کی تقریر قانون کی زد سے باہر ہے لیکن جب وہ دشنام طرازی پر آتا ہے اور مرزائیوں کو ایسے ایسے ناموں سے پکارتا ہے جنہیں سننا بھی کوئی آدمی گوارا نہیں کر سکتا۔ تو وہ جائز حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اور خواہ اس نے یہ باتیں جوش خطابت میں کہیں یا دیدہ دانستہ کہیں قانون انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔

تقریر کے اثرات

مرافعہ گزار کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اس کے سامعین میں اکثریت جاہل دیہاتیوں کی تھی۔ نیز یہ کہ اس قسم کی تقریر ان کے دلوں میں نفرت و عناد کے جذبات پیدا کرے گی واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ تقریر نے سامعین پر ایسا ہی اثر ڈالا اور مقرر کی لسانی سے متاثر ہو کر انہوں نے کئی بار جوش و خروش کا مظاہرہ کیا یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ سامعین نے اس وقت کیوں مرزائیوں کے خلاف کوئی تشدد آمیز اقدام نہ کیا اگرچہ فریقین کے تعلقات عرصہ سے اچھے نہ تھے مگر اس تقریر نے راکھ میں دبے ہوئے شعلوں کو ہوا دے کر بھڑکا دیا۔

تقریر کی قابل اعتراض نوعیت

فرد جرم میں جن سات فقروں کو قابل گرفت قرار دیا گیا ہے ان میں سے تیسرا اور ساتواں سب سے زیادہ قابل اعتراض ہیں ان میں اپیلانٹ نے مرزائیوں کو برطانیہ کے دم چھلے کہا ہے میرے نزدیک دوسرے حصے دفعہ 153 الف تعزیرات ہند کے ماتحت قابل گرفت نہیں ہیں۔ پہلا حصہ یعنی فرعونی تخت الٹا جا رہا ہے میرے نزدیک قابل اعتراض نہیں۔ دوسرے حصے کا تعلق مرزا کی غذا اور خوراک سے ہے۔ اس کے متعلق یہ امر قابل ذکر ہے کہ مرزائے اول نے اپنے مریدوں میں سے ایک کے نام چٹھی لکھی تھی جس میں ان کی خوراک کی یہ تمام تفصیلات درج تھیں یہ خطوط کتابی شکل میں چھپ چکے ہیں اور ان کے مجموعے کا ایک مطبوعہ نسخہ اس مسل میں بھی شامل ہے۔

شراب اور مرزا

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ایک ٹانک استعمال کرتا تھا جس کا نام پلومر کی شراب تھا ایک موقع پر اس نے اپنے مریدوں سے ایک کو لکھا کہ پلومر کی شراب خرید کر مجھے بھیجو۔ پھر دوسرے خطوط میں یاقوتی کا ذکر ہے۔ مرزا محمود نے اعتراف کیا ہے کہ اس کے باپ نے ایک دفعہ پلومر کی شراب بطور دوا استعمال کی چنانچہ میرے نزدیک یہ حصہ بھی قابل اعتراض نہیں چوتھے حصے میں مرزا غلام احمد کے امتحان میں ناکام ہونے کا تذکرہ ہے پانچویں حصے میں مرزا پر لاٹ گوئی اور کاسہ لیسی کا الزام لگایا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ چاپلوسی اور لاٹ گوئی پیغمبر کی شان کے خلاف

ہے۔

عدالت کا تبصرہ

میری رائے میں تیسرے اور ساتویں حصے کے سوا اور کوئی حصہ تقریر کا قابل گرفت نہیں اس کا مقصد یہ نہیں کہ مرافعہ گزار کی تمام تقریر میں صرف وہ حصے قابل اعتراض ہیں۔ تقریر کے انداز سے معلوم ہوا کہ جہاں مرافعہ گزار مرزائیوں کے افعال شنیعہ کی دھجیاں بکھیرنا چاہتا تھا وہاں وہ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت و حقارت بھی پیدا کرنا چاہتا تھا یہ امر کہ سامعین اس کی تقریر سے متاثر ہو کر امن شکنی پر کیوں نہ اتر آئے اس کے جرم کو ہلکا کرنے کا باعث ہو سکتا ہے۔

مجھے اس میں کلام نہیں کہ اپیلانٹ مرزائیوں پر تنقید کرنے میں حق بجانب تھا لیکن وہ اس حق کو استعمال کرنے میں جائز حدود سے تجاوز کر گیا اور تقریر کے قانونی نتائج کا سزاوار بن گیا۔ مرافع گزار کے اس فعل کی مدح ثنا کرنا آسان ہے لیکن ایسے حالات میں جہاں جذبات میں پہلے ہی سے ہیجان و اشتعال ہو اس قسم کی تقریر کرنا جلتی پر تیل ڈالنے کے مترادف ہے اور اگرچہ مرافع گزار نے صرف ایک اصطلاحی جرم کا ارتکاب کیا ہے لیکن قانون کی ہمہ گیری کا احترام از قبیل لوازم ہے۔

فیصلہ نومبر ۱۹۳۵ء

مقدمہ کے تمام پہلوؤں پر نظر غائر ڈالنے اور سامعین پر مرافعہ گزار کی تقریر کے اثرات کا اندازہ کرنے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مرافعہ گزار تعزیرات ہند دفعہ ۱۵۳ کے تحت جرم کا مرتکب ہوا ہے اور اس کی سزا قائم رہنی چاہئے مگر سزا کی سختی و نرمی کا اندازہ کرتے وقت ان واقعات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے جو قادیان میں رونما ہوئے۔ نیز یہ بات بھی نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں کہ مرزا نے خود مسلمانوں کو کافر، سؤر اور ان کی عورتوں کو کتیوں کا خطاب دے کر ان کے جذبات کو بھڑکایا۔ میرا خیال یہی ہے کہ اپیلانٹ کا جرم محض اصطلاحی تھا۔ چنانچہ میں اس کی سزا کو کم کر کے اسے تا اختتام عدالت قید محض کی سزا دیتا ہوں۔

۶ نومبر ۱۹۳۵ء گورداسپور ۔ ۔ دستخط جی ۔ ڈی کھوسلہ سیشن جج۔

تبلیغ کانفرنس کے بعد

تبلیغ کانفرنس میں شرکت کے لئے جب میں پہلی بار قادیان گیا تھا تب مجھے قادیان کو چل

پھر کر دیکھنے کا موقعہ میسر آیا اس لئے کہ حکومت نے باہر سے آنے والوں پر کچھ پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ جگہ جگہ پہرے بٹھا دیئے گئے اور اعلان کر دیا گیا کہ کوئی مسلمان قادیان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ مجھے کانفرنس میں تقریریں سننے یا رونق سے لطف اندوز ہونے کا اتنا خیال نہ تھا جتنا میں اس فساد انگیز بستی کے اندرونی حالات معلوم کرنے کے لئے بیتاب تھا۔ ایک میل دور ریلوے لائن پر کھڑا دیر تک "منارۃ المسیح" کو دیکھتا رہا۔ کانفرنس ختم ہوئی تو میں ایک رات کے لئے وہیں ٹھہر گیا۔ قادیان کے مسلمانوں' ہندوؤں اور سکھوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ ان سے باتیں ہوئیں میں ان غیر مرزائیوں کی باتوں میں بڑی دلچسپی لیتا رہا۔ میں ان مٹھی بھر غیر مرزائیوں کی جرات اور حوصلہ مندی سے بہت متاثر ہوا۔ وہ ہر دیشی نبوت کے خوفناک سازشی ماحول اور شیطانی ہتھکنڈوں سے نبرد آزما تھے اور گوناگوں مصیبتوں کا بامردی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ وہاں سے سیدھا لاہور چلا آیا۔ یہاں بھی شاہ صاحب کی تقریر کا بڑا چرچا تھا۔ یوں تو ان کی ہر تقریر ماسٹر پیس ہوتی ہے مگر قادیاں میں شاہ صاحب کی طبیعت بالکل حاضر تھی۔ بہت بڑے ہجوم کو حضرت شاہ صاحب نے ایسا مسحور کیا کہ جلسہ گاہ میں سمندر کے مدوجزر کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ قادیان کے ارد گرد کی مسلمان آبادی کانفرنس میں الڈ کر آگئی تھی۔ شاہ صاحب کی تقریر نے ملحقہ آبادی کے ایمان مضبوط کر دیئے اور یہی بات مرزا محمود کی پریشانی کا باعث ہوئی۔ قادیان سے واپسی پر لاہور کے مرکزی دفتر میں مجھے چوہدری صاحب مرحوم و مغفور کی خدمت میں ٹھہرنے کا موقعہ ملا۔ مرحوم اپنے کارکنوں اور رضاکاروں سے ہمیشہ بہت بے تکلف رہا کرتے تھے۔ وہ سب سے دریافت کرتے تھے کہ کہو بھئی کانفرنس کیسی رہی سب کی یہی رائے تھی کہ کانفرنس کامیاب تو ہوئی ہے مگر قادیان میں سالانہ کانفرنس ہونی چاہئے۔ اس کانفرنس میں مسلمان ہندوستان کے کونے کونے سے آیا کریں گے۔ دو چار کانفرنسیں ہو گئیں تو مرزائیت کا بھرکس نکل جائے گا۔ میں چونکہ ایک دن کے لئے قادیاں ٹھہر گیا تھا وہ مجھ سے بھی دریافت کرتے رہے کہ اس کانفرنس کے بعد کیا ہو گا؟ کانفرنس کے انعقاد سے مرزائیوں پر کیا گزری؟ قادیان کے ارد گرد کے لوگوں نے کیا اثر قبول کیا؟ یہی سوالات وہ اپنے مخلص کارکنوں سے کر چکے تھے۔ ہم سب کا جواب تقریباً ملتا جلتا تھا چوہدری صاحب خوش بھی تھے مگر وہ باتوں باتوں میں اس خدشے کا اظہار کرتے تھے کہ بڑے خطرناک گروہ سے پالا پڑا ہے انگریز اس کی پشت پر ہے' دیکھنا چاہئے کیا ہوتا ہے۔

میں لدھیانے واپس چلا آیا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں از سرنو کارخانہ جاری کروں دو سال سیاست سے کنارہ ہو کر دولت کماؤں اور پھر سے اس قابل ہو جاؤں کہ جماعت کی کچھ امداد کر سکوں۔ مولانا حبیب الرحمن مرحوم و مغفور میرے بچپن کے ساتھی اور بے تکلف دوست تھے'

ان سے مشورہ کیا وہ بھی رد و کد کے بعد راضی ہو گئے۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے چوہدری صاحب مرحوم نے لاہور بلا بھیجا۔ ملاقات ہوئی فرمانے لگے 'تمہیں معلوم ہے کہ قادیان میں کیا ہو رہا ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے آپ سے زیادہ کیا معلوم ہو گا۔ کیوں خیر تو ہے؟ فرمانے لگے مرزا محمود بہت کائیاں شخص ہے۔ وہ قادیانی خلیفہ ہونے کے علاوہ بہت بڑا پالیٹیشن بھی ہے۔ بڑے جوڑ توڑ کا آدمی ہے۔ ایک طرف مبلغین کے ذریعے تبلیغ کا کام چلاتا ہے تو دوسری طرف سیاسی ہتھکنڈوں سے واؤ مارتا ہے۔ وہ ہم غریبوں سے دولت کے انبار پر برطانوی قوت کے سہارے کھڑے ہو کر کشتی لڑتا ہے۔ مولانا عنایت اللہ اپنی بساط سے زیادہ کام کر رہے ہیں۔ وہ جم کر بیٹھ گئے ہیں مگر وہ تنہا ہیں۔ دینی مسائل اور مناظر میں تو وہ مات نہیں کھاتے۔ بڑی جرأت سے ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس ان کی امداد کے لئے ہمارے بہترین رفیق اور مناظر مولانا محمد حیات فاتح قادیان صاحب کے علاوہ دوسرے اور مبلغ بھی موجود ہیں۔ انہیں بھی بھیج دیا جائے گا۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ مرزا محمود کی سیاست کا مطالعہ بھی کر لیا جائے۔ قادیانی تبلیغ اور قادیانی سیاست دو جدا جدا محاذ ہیں جب تک دونوں محاذوں پر مقابلہ نہ کیا جائے کامیابی نصیب نہ ہو گی۔ اگر خدانخواستہ غفلت سے کام لیا گیا تو مرزائیت برطانوی اقتدار کے سہارے مسلمانوں پر امربیل کی طرح چھا جائے گی۔ میں نے عرض کیا چوہدری صاحب کیا ارادہ ہے' آپ نے کیا پروگرام بنایا ہے؟ فرمانے لگے تم یوپی تو نہیں جا رہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو مولانا حبیب الرحمٰن سے مشورہ کیا ہے۔ میں اب کہیں جانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ میں دو سال کی رخصت چاہوں گا تاکہ اس عرصے میں کچھ دولت کما لوں تب میں اپنے رفیقوں کی امداد بھی کر سکوں گا اور وقتاً فوقتاً ہاتھ بھی بٹاتا رہوں گا وہ میری جانب دیکھ کر سنجیدگی سے فرمانے لگے۔ تم بھی اس طرح سوچتے ہو؟ میں نے عرض کیا پھر کس طرح سوچوں آپ ہی فرمایئے؟ فرمانے لگے ارے اب تو مخالف کے پنجے میں ہاتھ ڈال دیا ہے' یہ وقت مڑ کر دیکھنے کا ہے؟ مرحوم کچھ کبیدہ خاطر سے ہو گئے جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں میں انہیں اس حالت میں دیکھ کر بے قرار ہو جاتا تھا' میں نے عرض کیا چوہدری صاحب فرمایئے مجھے کیا حکم ہے؟ فرمایا قادیان چلے جاؤ۔

حکم مل گیا

میں نے ایک ہفتے کی مہلت مانگی اور ہفتے بعد قادیان پہنچ گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ مولانا عنایت اللہ کو لاہور بلا کر مرحوم چوہدری صاحب نے کیا کہا۔ میں احرار کے تبلیغی دفتر میں ٹھہر کر اپنے پروگرام پر غور کرتا رہا مجھے تبلیغ اور مناظروں سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ میں اس کا اہل

تھا۔ علماء کی صحبت سے اسلام دل میں تو اتر جاتا ہے مگر علم دین سے عالم تیسر کورا رہتا ہے۔ دینی مسائل سمجھنے کے لئے ضروری ہے علما کے سامنے سالہا سال زانوئے تلمذ تہ کیا جائے۔ میں بھلا مولانا عنایت اللہ صاحب کا تبلیغی میدان میں کیا ہاتھ بٹاتا۔ میں اس کام کے لئے گیا ہی نہ تھا میرا کام بالکل مختلف تھا۔ میں مسلمانوں' ہندوؤں اور سکھوں سے معمولی واقفیت کے بعد اپنے لئے جگہ کی تلاش میں تھا۔ چند دن بعد میں نے مولانا سے کہا کہ مجھے آپ سے الگ اور مرزائیوں کے قریب رہنا ہے۔ چنانچہ میری خواہش کے مطابق ایک ایسا مکان مل گیا جو سنگم پر آباد تھا یعنی جہاں مسلمان محلہ ختم ہو کر مرزائی محلہ شروع ہوتا تھا۔ میری رہائش بیچ کے مکان میں تھی۔ ایک دیوار مسلمان کے مکان سے ملحق تھی اور دوسری دیوار کے سائے میں مرزائیوں کا گھر تھا اور میں یقین رکھتا تھا کہ میں یہاں خود نہیں آیا اور نہ مجھے چوہدری صاحب نے اس ڈیوٹی پر مامور کیا ہے مجھ گنہگار کی خوش نصیبی یہاں کھینچ لائی ہے۔ خدا ضرور میری امداد کرے گا میں خدا کے حبیب کی آبرو کے مخالف کو پریشان اور زچ کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ مایوسی اور خوف دونوں میرے دل سے نکل گئے۔

مجھے کیا کرنا چاہئے

آخر بیٹھ کر مرزائیوں کے منارۃ المسیح کو کب تک دیکھتا رہوں۔ اجنبی ہوں واقفیت کی راہیں تلاش کرنی چاہئیں۔ جس گلی میں میرا قیام تھا اس کا نام تھا کوچہ شیخاں۔ میرا محلہ ایک مرزائی تھا مگر مجھ غریب الوطن سے کوئی بات نہ کرتا تھا۔ کچھ دن بعد میں نے گھر سے باہر قدم نکالا۔ بیٹھک کے باہر کرسی بچھا کر بیٹھا تو محلے کے مسلمان آنے جانے لگے۔ تب مرزائی ہمسایوں کو پتہ چلا کہنے لگے یہ کم بخت تو احراری معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال میں رہگذروں کی نظروں کے سامنے اس لئے آگیا کہ اجنبیت ٹوٹ جائے مگر واقفیت پھر بھی پیدا نہ ہوئی۔

دیہات سدھار

قادیان میں (بہم نہاد) خلیفہ صاحب کے مکان یعنی قصر خلافت اور خلافت کے متعلقہ دفاتر کے گردو پیش تو اچھی صفائی رکھی جاتی مگر عوام کے مکانوں کے آس پڑوس اور گلی کوچوں میں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر مرزائیت کی طرح بکھرے نظر آتے تھے۔ مسلمانوں' ہندوؤں اور سکھوں کی آبادی میں صفائی کا اچھا انتظام نہ تھا۔ جب میں کانگرسی تھا تو دیہات سدھار کا پروگرام میرا محبوب مشغلہ تھا۔ میرے دل نے فیصلہ کیا کہ مجھے خدمت خلق کے جذبے سے کام شروع کرنا چاہئے پہلے تو میں نے اپنے ہاتھ سے اپنے ہی مکان کو صاف کرنا شروع کیا مکان کی

چھت سے لے کر نالی تک کو صاف کیا۔ حتیٰ کہ باہر دروازے کو جھاڑ پھونک کر صاف کیا۔
ہمسایہ مرزائیوں کے مکان اور میرے مکان کی نالی دونوں مکانوں کے باہر ایک گڑھے میں پڑتی
تھی۔ گلی میں کوئی فرش نہ تھا۔ اس گڑھے میں غالباً مرزا غلام احمد کی نبوت کے زمانے سے گندہ
پانی جمع ہو رہا تھا۔ نیلے رنگ کی متعفن کھاد میں بلبلے اٹھتے تھے۔ ہوا کے جھونکے جب اس
بدبودار کیچڑ کو چھو کر گلی میں سے گزرتے تو محلے والوں کی مزاج پرسی کر لیا کرتے تھے۔ میرے
مکان کے دروازے پر اس نامعقول گندے گڑھے کا وجود میرے دینیات مدرسہ کے احساسات کو
جھنجوڑتا تھا۔ ایک روز میں نے حوصلہ سے کام لیا اور آستینیں چڑھا کر دونوں ہاتھ اس گڑھے
میں ڈال دیئے۔ الامان و الحفیظ! بدبو کا دماغ سوز بھبوکا اٹھا۔ میری آنکھوں میں پانی آ گیا' سر
چکرا گیا۔ دل نے کہا یہ " قادیانی نبی کی بستی ہے اپنا کام کرو ادھر ادھر مت جھانکو۔ " میرے
ہاتھوں پر کہنیوں تک نیلے رنگ کے دستانے چڑھ گئے میں کام میں لگا ہوا تھا کہ ہمسائی نے اپنا
دروازہ کھولا اور مجھے دیکھتے ہی فقرا چست کیا کہنے لگیں۔ " ہم نے سمجھا تھا یہ احراری مولوی
ہیں آج معلوم ہوا کہ یہ تو بھنگیوں کے خاندان سے متعلق ہیں۔ " کم بخت نے خدمت گزاری
کی کیسی بھونڈی قسم کی داد دی۔ وہ یہ فقرہ چست کر کے گلی سے باہر چلی گئی۔

جس گلی میں میرا مسکن تھا اس گلی میں زنانہ مدرسے کی طالبات گزرا کرتی تھیں۔ ہر قسم
کے سیاہ برقعے۔ جتنے بھی دنیا بھر میں فیشن ہو سکتے ہیں وہ تمام اس بستی میں موجود تھے۔ ان
طالبات کو نجانے کس نے بتا دیا کہ میں احراری ہوں وہ نیک بختیں جب مجھے گندے گڑھے پر
کام کرتے دیکھتیں مجھ پر چوٹ کئے بغیر نہ جاتیں نہ تو میں آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا اور نہ ان کی
فقرے بازی پر توجہ دیتا تھا دور سے انہیں آتے دیکھتا اور نگاہیں نیچی کر لیتا۔ دوسرے دن میں
نے مسلمان ہمسایوں سے کدال مانگ کر اس سے کیچڑ نکالنا شروع کیا۔ گلی کے ایک کنارے کیچڑ
کا ڈھیر لگا لیا تیسرے دن مرزائی ہمسایوں کے خیالات بدلنا شروع ہوئے۔ اس گھر میں ملکہ کا
راج تھا۔ میری ہمسائی دروازے پر آ کر کھڑی ہو گئی کہنے لگی " مولوی جی بڑے اچھے آدمی ہو کہو
تو ایک مزدور تمہارے ساتھ لگا دوں۔ مدتوں کا گند تھا جو آپ نے ٹھکانے لگا دیا۔ " میں نے کہا'
بہن یہ کام میں خود ہی کر لوں گا۔ ایک مہربانی کیجئے دو دن کی خاطر نالی میں پانی بند کر دیجئے گڑھا
آج صاف ہو کر دوپہر کی دھوپ سے خشک ہو جائے گا۔ میں کل اسے خشک اینٹوں سے پر کر کے
اوپر روڑی اور چونا ملا کر بہت عمدہ فرش بنا دوں گا۔ ہمسائی نے اپنی بہو بیٹیوں کو ڈانٹ پلائی اور
تنبیہہ کی کہ دو تین روز نالی میں پانی نہ گرایا جائے۔

میں نے اس کام سے فراغت پائی تو کوچے کی ناہمواری کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ کام بھی
میں نے اپنے مسکن سے شروع کیا۔ دو چار گز زمین روز ہموار کر لیتا تاآنکہ سارے کوچے کا

لیول درست ہو گئے۔ سکولوں کی لڑکیاں اور مرزائی عورتیں جو اونچی ایڑی کے جوتے پہنا کرتی تھیں۔ اس کوچے کی ناہمواری سے اکثر ٹھوکریں کھایا کرتی تھیں۔ اب کوچہ ہموار ہوا تو بے دریغ تیزی سے گزرنے لگیں وہ جو مجھے خواہ مخواہ فقرے بازی کا نشانہ بنایا کرتی تھیں رائے بدل کر اچھے الفاظ میں یاد کرنے لگیں۔ بعض نے برملا کہا کہ خواہ مخواہ احراریوں کو بدنام کیا جاتا ہے یہ تو بڑے اچھے لوگ ہیں۔ میں نے مرزائیوں کو کوئی مسئلہ سمجھانے کی بجائے دیہات سدھار کی پٹڑی پر ہموار کر لیا۔ ہوتے ہوتے یہ بات خلیفہ صاحب کے کانوں تک پہنچی' وہ بہت ہوشیار آدمی ہیں' ان کے کان کھڑے ہوئے اور میرے گھر پر اپنی سی آئی ڈی کو بھیج دیا۔

گل نور

قادیان میں پیغمبری کا ایک اور دعویدار پیدا ہوا۔ شیطان نے ایک سرحدی پٹھان مسمی احمد نور کے کان میں پھونک ماری وہ بھٹک گیا اور الہامات بیان کرنے لگا۔ خلیفہ صاحب نے اسے بد مقابل بننے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ عام طور پر احمد نور کے خلاف پراپیگنڈا یہ کیا گیا کہ یہ شخص مرزا صاحب کا بے حد عقیدت مند ہے اسے مرزا صاحب کے عشق میں دیوانگی کا دورہ پڑا ہے اسے بکو مت کہو غرضیکہ اس بیچارے کی نبوت کو تدبر کے پتھر کے نیچے دبا کر رکھ دیا۔ احمد نور صاحب کے منہ پر ناک نہیں تھی ربڑ کی مصنوعی ناک لگا کر وہ مدتوں پیغمبری کے گیت گنگناتے رہے' ان کا بیٹا گل نور بڑا ہوشیار اور صاحب تدبر تھا اسے خلیفہ صاحب نے مجھ پر بطور سی آئی ڈی متعین کر دیا مگر وہ ایسا ہوشیار نکلا کہ میرے پاس براہ راست آنے کی بجائے میرے دوستوں کے سہارے مجھ تک پہنچا۔ وہ مولانا عنایت اللہ صاحب سے بھی راہ و رسم رکھتا تھا۔ مجھے چند روز بعد اس پر شک ہوا وہ اعتبار جمانے کے لئے (نام نہاد) خلیفہ کے بارے میں بے سروپا جھوٹی باتیں بنا کر مجھے ہموار کر لینا چاہتا تھا مجھے اس کی حرکات سے یقین ہو گیا کہ نام نہاد خلیفہ کا پکا جاسوس ہے تو میں اس سے گھل مل گیا اور بہت ہی بے تکلفی سے باتیں کرنے لگا اور اپنی جگہ چوکس ہو گیا۔ وہ مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش میں تھا اور میں اسے بیوقوف بنا رہا تھا۔ غرضیکہ میرا اور گل نور کا پیچ پڑ گیا۔ مگر یہ بڑا ہی خطرناک کھیل تھا۔

دوستوں کی تنبیہہ

مجھے مولانا عنایت اللہ صاحب نے رازدارانہ انداز میں حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ ان کے بعد چند دوستوں نے گل نور سے بچ کر رہنے کی تلقین کی۔ میں نے نہ تو مولانا عنایت اللہ سے اور نہ دوسرے احباب سے حقیقت حال کی وضاحت کی بلکہ میں نے اس صورت حال سے

فائدہ اٹھایا اور گل نور کی وکالت شروع کر دی۔ میں جانتا تھا کہ بات کو پر لگیں گے اور بے شک گل نور تک ضرور پہنچیں گے اسے میری رائے کا علم بھی ہو جائے گا کوئی راز زیادہ دیر راز نہیں رہتا اگر وہ چند آدمیوں کی زبان تک آ جائے۔ میں نے اپنے دوستوں اور ہمدردوں کو سمجھایا کہ گل نور بہت اچھا دوست ہے اور میرا بڑا ہمدرد ہے وہ اپنے چھوٹے بھائی کے ذریعے محل کے اندر کی خبریں لاتا ہے آپ کو کیا معلوم کہ وہ مجھے کیا بتا کر جاتا ہے۔ پٹھان جس کا دوست بن جائے عمر بھر دوستی نبھاتا ہے اس قصے کو چھوڑو میں ایک اچھے دوست کو ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ میرا اندیشہ صحیح ثابت ہوا گل نور کو سب کچھ معلوم ہو گیا اسے میری رائے کا علم بھی ہو گیا کہ میں گل نور کو کتنا اچھا دوست سمجھتا ہوں۔ گل نور مطمئن ہو گیا اور مجھے کچھ کچھ خبردار بھی کرنے لگا وہ محل کی کچھ صحیح باتیں بھی بتانے لگا۔ وہ چھ باتوں کے ساتھ چار جھوٹی باتیں ملا کر معاملے کو گڈمڈ کر دیتا تھا۔ باتوں کے ڈھیر میں سے سچ تلاش کرنا بڑی دردسری کا کام تھا جیسا کہ میں نے عرض کیا پیچ پڑ گیا تھا۔ دونوں جانب سے ڈھیل دی جا رہی تھی جتنے اللہ دے۔ جو کام ہم ایک ہفتہ بعد کرنا چاہتے تھے اور جس کے ظاہر ہو جانے میں کوئی حرج نہ تھا یا جس نے بالآخر ظاہر ہو ہی جانا تھا اسے گل نور سے کہہ دیا جاتا تھا ان اطلاعات کی بہم رسانی سے گل نور زیادہ معتبر اور دربار خلافت میں زیادہ رسائی پا رہا تھا۔ وہ جس قدر نام نہاد خلیفہ کے قریب ہو رہا تھا یا اپنے بھائی کے ذریعے باخبر ہوتا تھا اس سے مجھے مناسب معلومات مل جایا کرتی تھیں۔

چھ ماہ بعد

میرے پاؤں جم گئے ایک روز رات کے تقریباً بارہ بجے کسی نے آہستہ سے میرے مکان کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سمجھا خواب تھا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔ میں چھت پر لیٹا ہوا تھا نیچے اترا دروازہ کھولا تو دیکھا ہمارا مرزائی محلے دار سامنے کھڑا ہے' اس نے دبی آواز سے کہا مولوی جی' اندر آجاؤں' میں نے کہا بسم اللہ' وہ کمرے میں بیٹھ گیا مگر بالکل مبہوت' سانس پھولا ہوا' بالکل گھبرایا ہوا' میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ فرمایئے کیا حکم ہے؟ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ آپ میرے محلے دار ہیں آپ کا مجھ پر حق ہے فرمایئے کیسے تشریف لائے؟ کہنے لگا ہم بڑی مصیبت میں ہیں' شکایت نہیں کر سکتے یہاں ہماری آبرو محفوظ نہیں' مگر ہم اف تک نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا تھا آپ کے ساتھ یہ سلوک کیوں ہے؟ اس نے کہا یہاں اکثر لوگ زخمی ہیں (نام نہاد) خلیفہ صاحب کے کارندے کھلے بندوں بے عزتی کرتے ہیں آگے کچھ شنوائی نہیں ہوتی' میں نے اس سے کرید کرید کر دیکھا' مظلوم اور دل برداشتہ لوگوں کے نام اور پتے دریافت کیے۔ وہ مجھے بتا بھی رہا تھا اور ہاتھ باندھ کر یہ بھی کہتا تھا

کہ میری آمد کا کسی کا پتہ نہ چل جائے۔ جب وہ شخص باتیں کر کے میرے ہاں سے اپنے گھر کی طرف چلا تو میں نے دیکھا کہ وہ بار بار پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ اس پر خوف طاری تھا اور پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ قادیان کی بستی میں غلام احمد کے ماننے والوں پر کیا گذر رہی ہے۔ بہرحال اس کے بعد کام کی راہیں ہموار ہو گئیں۔

مرزا محمود کی سخت گیری

(نام نہاد) خلیفہ محمود بڑا سخت مزاج ' خطرناک منتقم اور سخت گیر انسان تھا انہیں کسی اپنے مرید پر شک ہو جائے تو سمجھئے کہ اس غریب کی شامت آئی ' دفتر امور عامہ کے باہر بلیک بورڈ لگا ہوا ہے جو شخص زیر عتاب ہو اس پر شخص مذکور کا نام لکھ کر آگے بائیکاٹ لکھ دیا جاتا تھا۔ بس پھر کیا تھا ایک ہی شخص کی وساطت سے کتنے اوروں کا خانہ خراب ہو جاتا تھا' زار روس کے ہاں جس طرح جاسوسوں پر جاسوس لگا دیئے جاتے تھے تقریباً وہی طریقہ قادیان میں رائج تھا۔ ہر شخص کو اپنی جگہ بڑا چوکس رہنا پڑتا۔ اس صورت حال نے مرزائیوں میں منافقت کا ذہن پیدا کیا۔ اس طرح قادیان کی چھوٹی سی بستی جس کی آبادی بارہ چودہ ہزار نفوس سے زیادہ نہ تھی' سیاسی داؤ پیچ کا اکھاڑہ بن گئی' ہر مہرے پر مرزا محمود کا ہاتھ تھا۔ وہ مہروں کو ہٹاتا' بڑھاتا اور پیٹتا کوئی اس کا ہاتھ روک نہ سکتا تھا' ایسے شاطر کو میدان کھلا مل جائے پھر اس سے کون بازی جیتے۔

آسانیاں

میرے لئے اس صورت حال نے مشکل کی بجائے آسانیاں پیدا کر دیں مجھے پٹے ہوئے مہروں کو جمع کرنے کا موقعہ مل گیا۔ میں نے سوچا کہ یہی پٹے ہوئے مہرے اپنی بساط کی رونق بن سکتے ہیں۔

مرزا محمود کی مخالفت

قادیان کے غیر مرزائی یعنی مسلمان ' ہندو اور سکھوں کو تو (نام نہاد) خلیفہ نے مخالف بنا ہی لیا تھا۔ وہ تو سب کے سب خار کھائے بیٹھے ہی تھے۔ خود مرزائیوں کو (نام نہاد) خلیفہ صاحب سے نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ بعض شریف لوگ جو واقعی نبوت کے دھوکے میں بیعت کر بیٹھے تھے زندگی کے "نازک گوشوں" میں زخمی ہو گئے' ان میں بعض ایسے بھی تھے جو نمایاں حیثیت کے مالک تھے' ظلم کو برداشت نہ کر سکے' چیخ اٹھے اور مقابلے پر آمادہ ہوئے مگر.....
مرزا محمود کا سخت گیر نظام' سرکار کی پشت پناہی' آگے کوئی سہارا نظر نہ آیا تو پیچ و تاب کھا کر

خاموش ہو گئے مگر زخمی سانپ کی طرح اندر ہی اندر بیچ و تاب کھاتے رہے۔

قادیان میں جب پہلے پہل مجلس احرار نے قدم رکھا' مشکلات ہی مشکلات تھیں۔ مٹھی بھر غریب مسلمان احرار کی ننھی فوج تھی یہ لوگ غریب تو تھے مگر بڑی خوبیوں کے مالک تھے یہ لوگ بڑے بہادر اور جانثار تھے' میاں عبداللہ مسلمانوں کی مسجد کے امام اور بڑے باہمت اور سمجھدار باحیثیت مسلمان تھے۔ مرزائیوں کے محلے میں ان کا اپنا دو منزلہ مکان بھی تھا۔ ان کے علاوہ ماسٹر عبداللہ ایک باحیثیت آدمی' بڑے ہمدرد اور احرار کے خدمت گزار تھے۔ شیخ برادری کے چند گھر تھے غرضیکہ قادیان کی مسلمان آبادی جس میں نائی۔ دھوبی۔ چھوٹے دکاندار۔ درزی۔ رنگریز جو بھی تھے احرار کے ہمدرد کارکن اور رضا کار سبھی کچھ یہی لوگ تھے۔ ان لوگوں کا خلوص' ختم نبوت کا پختہ عقیدہ' احرار کا بہترین سرمایہ تھا۔ یہی ہماری فوج تھی اور یہی ہمارا خزانہ تھا۔ انہی غریبوں میں عبدالحق نامی ایک نوجوان احرار کے جلسوں کا گلی کوچوں میں ٹین بجا کر اعلان کیا کرتا تھا۔ ایک اور سمجھدار نوجوان ڈاکٹر عبدالسلام تھا ان کا پختہ مکان مرزائیوں کے محلے میں تھا یہ نوجوان بڑا دلیر تھا ابتدا میں اس کی جرات اور دلیری نے احرار کو قادیان میں پاؤں جمانے میں بڑا کام دیا۔

قادیان کا تاریخی مسلمان

مولوی معراج الدین مرحوم مرزا غلام احمد آنجہانی کے زمانے سے مرزائیت کے خلاف صف آرا تھے۔ غربت کے باوجود مولوی معراج الدین مرزائیت کا مقابلہ کرتے رہے بارہا انہیں مرزائی بہادروں نے پیٹا' ڈرایا' دھمکایا مگر وہ ڈٹے رہے۔ مولوی معراج الدین تو پھر بھی مولوی کہلاتے تھے مگر یہ حقیقت معلوم کر کے مسلمانان پاکستان حیران ہوں گے کہ قادیان کے نائی اور سقے بھی رد مرزائیت کے سلسلے میں اچھے خاصے مناظر تھے۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود مرزائیوں کو ایسا الجھاتے تھے کہ انہیں لاجواب ہو کر میدان مناظرہ سے بھاگنے میں عافیت معلوم ہوتی۔ چند موٹے موٹے مسائل اور وزنی اعتراضات قادیان کے مسلمانوں نے رٹ رکھے تھے انہی سے وہ اپنے ایمانوں کو بچائے ہوئے تھے پھر یہ بات بھی ہے کہ ان لوگوں کے بزرگوں نے مرزا قادیانی کو اپنی آنکھوں کے سامنے نبی بنتے دیکھا (نام نہاد) خلیفہ کی حرکتوں سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ قصر خلافت میں کیا کیا گل کھلتے ہیں۔ مرزائیوں نے مسلمانوں پر رعب تو جما رکھا تھا مگر قادیان کے مسلمان مرزائیوں کو پکا کافر اور مرتد سمجھتے تھے۔ یہی اسلامی جذبہ اور بنیادی عقیدے کی پختگی تھی جس نے احرار کے مبلغوں اور کارکنوں کو بہت سہارا دیا تھا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کشمیری خاندان میں چودھری امام دین کشمیری اور ان کے بڑے

بھائی بہت جری اور حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص فدائیوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ اسی خاندان کا ایک پڑھا لکھا نوجوان خواجہ عبدالحمید مرزائیوں کی نئی پود کا خوب واقف تھا وہ مرزائیوں ہی کے سکول میں تعلیم حاصل کر کے میٹرک کے امتحان میں پاس ہوا۔ یہ نوجوان گل نور کا دوست اور میرا دوست راست تھا۔ بڑا ذہین اور معاملہ فہم نوجوان تھا وہ جب پاکستان آیا تو سیدھا لودھراں چلا گیا۔ یہاں اس نے اچھا خاصا اثر و رسوخ پیدا کر لیا۔ میونسپلٹی کا انتخاب ہوا تو عبدالحمید لودھراں میونسپلٹی کا صدر منتخب ہو گیا۔ (بفضلہ تعالیٰ ابھی تک زندہ سلامت ہیں' عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لودھراں کے روح رواں ہیں۔ قادیان کے حالات و واقعات پر مشتمل آپ کے قیمتی مضامین ہفتہ وار لولاک فیصل آباد۔ ہفتہ وار ختم نبوت کراچی اور چٹان میں شائع ہوتے رہتے ہیں سنہ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بعض کتابچے بھی شائع کئے اللہ رب العزت ان کو سلامت رکھے۔ مرتب) قادیان کے مسلمانوں کی یہ مختصر سی فہرست ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مرزا محمود کے مقابلے میں احرار کی طاقت بظاہر آٹے میں نمک کے برابر تھی۔

مرکزی امداد

چودھری افضل حق مرحوم و مغفور لاہور میں بیٹھ کر قادیان کی ڈائری سے حالات کا مطالعہ کر رہے تھے' مولانا عنایت اللہ انہیں تبلیغی میدان کی کیفیت سے آگاہ کرتے اور کبھی کبھار لاہور آ کر مرحوم سے ہدایات حاصل کر کے قادیان واپس چلے جاتے تھے چودھری صاحب نے تبلیغی میدان کو وسعت دینے کا پروگرام بنا لیا۔ ایک مکان مولانا عنایت اللہ صاحب کے نام پر خریدا جا چکا تھا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ احرار قادیان کے باشندے بن گئے دل میں خلوص اور ارادے نیک ہوں تو قدرت امداد کرتی ہے۔ انہی دنوں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے دہلی کی تبلیغ کانفرنس میں مسلمانان دہلی سے قادیان کے محاذ کے لئے امداد کی اپیل کی۔ ایک مخیر اور نیک دل معزز خاتون نے زمین خریدنے کے لئے چھ ہزار روپے کا چیک بھیج دیا۔ زمین خرید لی گئی۔ کچھ اور رقم آئی تو کچھ اور زمین خرید لی گئی۔ غرضیکہ احرار نے مضبوطی سے کفرستان میں جھنڈا گاڑ دیا۔

قادیان میں احرار کا مدرسہ اور کارخانہ

مسلمانوں کے بچے مرزائی سکولوں میں پڑھنے کے لئے مجبور تھے۔ احرار نے ایک مدرسہ کھول دیا اب یہ مشکل سامنے آئی کہ کاروبار کے لئے مرزائیوں کے تعاون کی ضرورت رہتی

تھی۔ یہ سوال بڑا ٹیڑھا تھا۔ احرار کا ذہن ابتدائی منزلیں طے کر رہا تھا۔ کامیابی کے بغیر تعمیری کام کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جا سکتی۔ آئے دن کی پکڑ دھکڑ سے فرصت ملے تو تعمیری کام بھی ہو سکتے ہیں۔ بہرحال مجبوری سب کچھ کرا دیتی ہے۔

ہینڈ لوم یعنی دستی کھڈیاں

بالا تجربہ کار مسلمان نوجوانوں کو کام پر لگانے کے لئے احرار کو دیسی کپڑے کا کارخانہ بھی جاری کرنا پڑا۔ چنانچہ ہینڈ لوم پر کپڑا بھی تیار ہونے لگا اس طرح کچھ تعمیری کام شروع ہو گیا۔ مرزا محمود نے یہ دھندا پہلے سے کر رکھا تھا۔ مرزائیوں کی آبادی بڑھی تو ان کے ہاں بھی ہینڈ لوم پر کپڑا بننے لگا۔ مگر کہاں غریب جماعت اور کہاں قادیان کا رجواڑہ۔ ہمارا ان کا اس میدان میں مقابلہ ہی کیا تھا۔ تاہم احرار نے اچھی طرح پاؤں پسار لئے۔

مولانا محمد حیات

چودھری صاحب مرحوم و مغفور نے تبلیغی محاذ کو زیادہ مضبوط کرنے کے لئے احرار کے بہترین مناظر مولانا محمد حیات صاحب کو قادیان بھیج دیا۔ مولانا محمد حیات درویش منش انسان اور بلند پایہ مناظر ہیں۔ قادیانی مبلغ ان کے نام سے گھبراتے تھے۔ مولانا محمد حیات کی سادہ اور پاکیزہ زندگی قابل رشک ہے۔ انہیں دیکھ کر سلف صالحین کا زمانہ یاد آتا ہے۔ مناظروں کے علاوہ مولانا موصوف نے قادیان میں درس و تدریس کا کام بھی جاری کیا۔ ان کی زندگی بہت ہی مختصر ہے کھدر کی قمیض کرتہ اور ٹوپی۔ سردی کا موسم آیا کمبل اوڑھ لیا۔ قادیان میں احرار کا مقابلہ بڑی سج دھج والی جماعت سے تھا۔ ہم نے مولانا کو مجبور کیا کہ وہ گرم کوٹ بنوا لیں مولانا نے انکار کر دیا۔ تب حضرت شاہ صاحب سے کہلوایا گیا۔ مولانا نیم رضا ہوئے۔ مہینوں سالوں کی کوششوں کے بعد مولانا محمد حیات ایک روز کوٹ میں نظر آئے مگر مولانا اس طرح محسوس کرتے تھے کہ ان کے جسم کو پرائی امانت سے ڈھانپ رکھا ہے یعنی اپنا کوٹ مولانا کو پرایا نظر آتا تھا۔ ایسے نیک خصال اور سادہ مزاج لوگ کہاں ملتے ہیں۔ مولانا محمد حیات بڑے بہادر اور حوصلہ مند انسان ہیں وہ بارہا جیل جا چکے ہیں مگر ان کی زبان پر قربانیوں کا تذکرہ بہت کم آتا ہے۔ بہرحال مولانا محمد حیات صاحب کی قادیان میں موجودگی سونے پر سہاگے کا کام دے گئی۔ احرار کے دفتر میں مرزائی مناظر آ کر مات کھا جایا کرتے تھے مگر ان کے دلوں پر مہریں لگ چکی تھیں اس لئے وہ شکست کھا کر شکست کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ (مولانا محمد حیات تقسیم کے بعد قادیان سے مرزا محمود کے مجرمانہ فرار کے بعد پاکستان تشریف لائے کچھ عرصہ سندھ میں

زراعت کا کام کیا مرزائیت نے پاکستان میں پر پرزے نکالنے شروع کئے تو حضرت امیر شریعت
رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری ان کو ملتان لائے۔ عالمی مجلس تحفظ
ختم نبوت کے بانی ارکان میں سے تھے۔ اس وقت نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں قادیانیت
کے محاذ پر کام کرنے والے تمام مبلغین و مناظرین بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے شاگرد ہیں مولانا
لال حسین اختر مناظر اسلام کی رحلت کے بعد چھ ماہ تک عالمی مجلس کے امیر مرکزیہ رہے۔ ربوہ
میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا مرکز قائم ہوا تو فاتح قادیان سے فاتح ربوہ بن کر یہاں بھی
تشریف لائے۔ اور زندگی کے آخری لمحات تک ربوہ میں مرزائی قیادت کے لئے سوہان روح
بنے رہے۔ تھوڑا عرصہ بیمار رہ کر شکر گڑھ کے دیہات میں اپنے بھائیوں کے ہاں انتقال فرمایا
ایک کامیاب مگر سستی شہرت سے کوسوں دور مرد قلندر نے پوری زندگی قادیانیت کے احتساب
میں گزار دی۔ (مرتب)

مرزا محمود کی بوکھلاہٹ

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں مرزا محمود جیسے کائیاں آدمی ہیں وہ بھی حالات کا بغور مطالعہ کر
رہے تھے۔ ان کی سی آئی ڈی بڑی مستعد تھی جھوٹی سچی رپورٹوں کی بھرمار ہوئی تو وہ سیدھے
لاہور پہنچے تاکہ حکومت کو مداخلت بیجا پر ابھار سکیں۔ چنانچہ وہ حفظ ماتقدم کے طور پر سید عطاء
اللہ شاہ صاحب بخاری پر قادیان میں داخلے کی پابندی لگوا دینے میں کامیاب ہو گئے' احرار نے
اندر اور باہر دونوں محاذوں پر جنگ شروع کر دی۔ باہر بھی جلسے ہوئے اور قادیان کے لئے الگ
پروگرام بن گیا۔ یعنی ہر جمعہ باہر سے ایک عالم جاتا اور راستے ہی میں یعنی بٹالہ پہنچ کر پکڑا جاتا
اس طرح صاحبزادہ سید فیض الحسن' مولانا محمد قاسم شاہجہانپوری۔ قاضی احسان احمد صاحب شجاع
آبادی کے علاوہ کارکنوں نے قادیان کا رخ کیا۔ جانباز اور ان کے دوسرے ساتھی گرفتار ہونے
لگے۔ مرزا محمود کی تدبیر کا الٹا اثر ہوا بالآخر یہ پابندی ڈھیلی پڑ گئی حضرت امیر شریعت سید عطاء
اللہ صاحب بخاری قید ہو چکے تھے مرزا محمود کا بس چلتا تو وہ انہیں جیل سے باہر آنے کا موقعہ
ہی نہ دیتا۔ مگر برطانوی قوم بڑی ترکیب اور احتیاط سے چلنے والی قوم ہے اس نے مرزا صاحب کی
کھلم کھلا امداد تو کی مگر قانون سے آگے قدم نہیں بڑھایا۔ ضلع گورداسپور میں رد مرزائیت کی
تحریک دیہاتوں تک پھیل چکی تھی۔ قادیان سے باہر بٹالہ احرار کا مضبوط قلعہ تھا۔ میاں حاجی
عبدالرحمن صاحب رئیس بٹالہ اور ان کا خاندان احرار کی پشت پناہی پر موجود تھا۔ میں جب بھی
زیادہ پریشان ہوتا یا تھک جاتا تھا تو دو ایک روز کے لئے بٹالہ چلا آتا۔ حاجی صاحب کا گھر میرا
ریسٹ ہاؤس تھا تازہ دم ہو کر پھر دارالفساد قادیان میں پہنچ جاتا۔ حضرت شاہ صاحب قید سے رہا

ہو کر جب امرتسر تشریف لے آئے تو قادیان کے لوگوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر قادیان تشریف لانے کی دعوت دوں۔ میرا قادیان سے اس غرض کے لئے آنا تھا کہ مرزا محمود نے قادیان اور لاہور کے ڈانڈے ملا دیئے۔ پالی پر پیاں آنے جانے لگے۔ حتیٰ کہ اس تنگ روی کے نتیجے میں حکومت پنجاب نے حضرت شاہ صاحب پر قادیان میں داخلے کی پابندی لگا دی حکم ہوا کہ قادیان مرزائیوں کا مقدس مقام ہے (یعنی مرزائیوں کا کعبہ ہے) آٹھ میل کے رقبے میں بخاری صاحب کو داخل ہونے کی ممانعت ہے۔ دراصل یہ پابندی مرزا محمود اور حکومت کا اعتراف شکست تھی اس حکم سے علاقے بھر میں اداسی چھا گئی۔ مگر اس کا یہ رد عمل ہوا کہ اس علاقے میں شاہ صاحب کی محبوبیت اور مرزائیت کے خلاف جذبے میں اضافہ ہو گیا۔

قادیان سے آٹھ میل دور شاہ صاحب کی تقریر

جب قادیان کے گرد و پیش کی آبادیوں میں مرزائیت کے خلاف بے پناہ نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ قادیان کے مسلمانوں نے مطالبہ کیا کہ وہ اس پر راضی ہیں کہ شاہ صاحب آٹھ میل دور کسی جگہ تشریف لے آئیں۔ ہم سب وہاں حاضری دے کر بخاری صاحب کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوں گے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ مسانیاں میں یک روزہ تبلیغ کانفرنس کا بندوبست کیا جائے یہ گاؤں سیدوں کی بستی ہے۔ سادات کی رگ عصبیت بھڑک اٹھی ان میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ ہمارے معزز سید بھائی پر حکومت نے قادیان میں داخل ہونے کی پابندی لگائی ہے۔ ہمارے ہاں کانفرنس کا اہتمام ہو تو ہم خود بندوبست کریں گے لیجئے کام بن گیا۔ اور گرد کے علاقے سے مسلمان جوق در جوق آ پہنچے مجھے یاد ہے کہ قادیان کے مسلمانوں کا قافلہ مسانیاں کے لئے پیدل ہی چل پڑا۔ کوئی دوست ایک اونٹ بھی لے آیا۔ کبھی مجھے اور کبھی مولانا عنایت اللہ کو اونٹ پر سوار کرایا گیا بہرحال جب ہم مسانیاں پہنچے تو دیکھا چاروں طرف سے مسلمانوں کے گروہ چلے آ رہے ہیں۔ بہت بڑا اجتماع ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحب نے یہاں بہت ہی پیارے انداز میں مسئلہ ختم نبوت بیان فرمایا۔ علاقے کے مسلمانوں میں بڑے پاکیزہ جذبات پیدا ہو گئے۔ مرزائیت کی تبلیغ کا سیلاب رک گیا۔ حضرت شاہ صاحب نے کفر کے اس سیلاب کے سامنے ایسا بند باندھا کہ مرزائیت توڑ نہ سکی۔

دوسرا جلسہ

قادیان کے مغرب کی جانب جب مسانیاں کے کامیاب جلسے کا چرچا ہوا تو مشرقی جانب

کے مسلمانوں نے اپنے ہاں جلسے کے انعقاد کا بندوبست کیا۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں التجا کی گئی کہ وہ موضع بھانبڑی میں تشریف آوری کی منظوری دیں۔ تاکہ علاقے بھر میں اعلان کیا جا سکے۔ منظوری کے بعد میں ایک روز کے لئے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ کافی عرصے سے پابندی لگ رہی ہے' آپ کب تک قادیان کے گرد گھومتے رہیں گے؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ جن ہاتھوں نے کفر کا یہ پودا لگایا ہے وہ حفاظت بھی کر رہے ہیں۔

پابندی کی وجہ

مرزائیوں نے حکومت پنجاب کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر سید عطاء اللہ شاہ بخاری قادیان میں داخل ہوں گے تو سخت فساد ہو گا۔ حکومت نے اس خدشے کا یقین کر لیا اور مسلسل پابندی لگتی رہی۔ حکومت اور مرزائی دونوں کو یقین ہو گیا کہ اب بخاری صاحب قادیان نہیں آئیں گے۔ خود بھی قادیان میں پراپیگنڈا کیا کہ اب ہم نے بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ شاہ صاحب کو قادیان سے دور ہی رکھا جائے اور دیہات میں جلسے کر کے ہمیں بہت کامیابی ہوئی ہے۔ جب مرزائیوں اور حکومت کو یقین ہو گیا کہ احرار پابندی برداشت کر گئے ہیں۔ پابندی کی میعاد ختم ہونے پر نئی پابندی نہ لگائی گئی۔ تب میں نے فیصلہ کیا کہ شاہ صاحب بھانبڑی کے جلسے میں آئیں تو کسی کو بتائے بغیر انہیں اچانک قادیان میں لے آؤں اور قادیان کے گلی کوچوں میں پھرا کر اچانک جلسہ بھی کر لیا جائے اور پھر شاہ صاحب کو واپس امرتسر بھیج دیا جائے۔ گو میرا پروگرام بڑا خطرناک تھا مگر اس پروگرام کے بغیر مرزائیوں کے جھوٹے پراپیگنڈے کا ہمارے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

موضع بھانبڑی میں جلسہ عام

میں اس ارادے سے بھانبڑی پہنچ گیا۔ رات کو زبردست جلسہ ہوا۔ شاہ صاحب نے تقریر فرمائی تو مجمع جھوم جھوم گیا۔ کافی دیر تک تقریر ہوئی جلسے کے بعد اسی گاؤں میں رات گزاری میں نے اپنے ساتھیوں کو اپنے ارادے سے خبردار نہیں کیا۔ صبح اذان ہوئی تو میں نماز کے فوراً بعد اس لاری والے کے پاس پہنچا جس لاری میں بٹالے سے حضرت شاہ صاحب بھانبڑی تشریف لائے تھے۔ میں نے ڈرائیور سے کہا کہ اگر سیدھے راستے کی بجائے قادیان کی طرف سے ہو کر بٹالے چلو تو کیا لو گے۔ ڈرائیور رات کو شاہ صاحب کی تقریر سن چکا تھا اس نے جواب دیا مولوی صاحب ایک پیسہ فالتو لینا حرام ہے میری تو جان بھی حاضر ہے جونہی اس نے رضامندی کا اقرار کیا میں شاہ صاحب کے پاس پہنچا میں نے ان کو نہیں بتایا کہ میرا ارادہ کیا ہے۔

شاہ صاحب عادتاً اگلی سیٹ پر بیٹھا کرتے تھے۔ میں نے ہمت سے کام لیا اور شاہ صاحب سے پہلے ڈرائیور کی برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لاری چل پڑی۔ شاہ صاحب سے ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ شاہ صاحب کی تقریر بھی دلپذیر ہوتی ہے ان کی باتیں بھی دلچسپ ہوتی ہیں۔

قادیان کا موڑ

باتوں باتوں میں وہ موڑ آگیا جہاں سے ایک سڑک بٹالے کو جاتی ہے اور دوسری قادیان کو۔ ڈرائیور نے میری طرف دیکھا میں نے اسے اشارہ کیا کہ ہمت کرو۔ ہماری باتیں جاری ہیں۔ لاری نے فراٹے بھرنے شروع کیے حتیٰ کہ ہم قادیان کے قریب پہنچ گئے۔ لاری آہستہ ہوئی۔ کیونکہ ہم قادیان کے قریب پہنچ گئے تھے۔ جونہی لاری نے ریلوے لائن کراس کیا لاری ذرا اچھلی' شاہ صاحب فرمانے لگے ارے ہم کہاں آگئے؟ ہمارے راستے میں ایسی ریلوے لائن تو تھی نہیں۔ لاری نشیب کی جانب اتری تو سامنے مرزا محمود کے ماموں ڈاکٹر محمد اسماعیل صبح کی سیر کے لئے ٹہلتے ہوئے نظر آئے۔ میں نے شاہ صاحب سے عرض کیا شاہ صاحب یہ ہیں مرزا محمود کے ماموں اور ادھر دیکھئے یہ ہے منارۃ المسیح' شاہ صاحب کا چہرہ مارے خوشی کے چمک اٹھا۔

قادیان میں داخلہ

ہماری لاری جب قادیان کی آبادی میں جا کر رکی تو مسلمانوں' ہندوؤں اور سکھوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ خبر قادیان کے کونے کونے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ شاہ صاحب کو چودھری امام الدین کے گھر پر مرزائیوں کے قریب لے گئے۔ جوان' بوڑھے' عورتیں اور بچے تک شاہ صاحب کی زیارت کے لئے گھروں سے نکل آئے اور چودھری امام الدین کی بیٹھک کے سامنے جمع ہو گئے۔ قادیان کے مسلمانوں نے عید کی سی خوشی منائی۔ ہندو' سکھ اور مسلمان دوڑے چلے آ رہے تھے۔ یہاں کا پروگرام بھی میرے ذہن میں تھا۔ مرزائیوں میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو حضرت شاہ صاحب کو کسی بہانے قریب سے دیکھنا چاہتے تھے باقی وہ جو مرزا صاحب کے خاص الخاص معتبر تھے۔ ہم نے اپنے ہجوم کو کم کیا اور لوگوں کو منت سماجت سے بیٹھک کا دروازہ خالی چھوڑنے کو کہا تاکہ مرزائی راہگذر حضرت شاہ صاحب کی زیارت کر سکیں۔

قادیان کی پولیس

قادیان کی پولیس چوکی کا ایک سکھ تھانیدار انچارج تھا حضرت شاہ صاحب کی اچانک

تشریف آوری سے تھانیدار بے چارہ گھبرا گیا۔ دوڑا دوڑا آیا اور مجھ سے دریافت کرنے لگا انی ماسٹر صاحب "کیا غضب کر دیا آپ حضرات نے' میں تو مارا جاؤں گا خدا کے لئے بتاؤ کیا پروگرام ہے؟ میں نے کہا سردار جی کیوں گھبراتے ہو۔ یہ تو سرراہ چائے کا پروگرام ہے بس جونہی چائے سے فارغ ہوئے حضرت شاہ صاحب اسی لاری سے بٹالے روانہ ہو جائیں گے اور کوئی بات نہیں۔ تھانیدار دوڑا دوڑا مرزائیوں کے پاس پہنچا اور انہیں بتایا کہ وہ جا رہے ہیں۔ مرزا محمود مطمئن ہو گئے۔ اگر میں پروگرام کا کوئی بھی حصہ اپنے ساتھیوں کو بتا دیتا تب بھی کام خراب ہو جاتا۔ میں نے ایک دوست سے کہا کہ شاہ صاحب تھوڑا سا آرام کریں گے۔ اتنے میں تم کھانا تیار کراؤ۔ شائد ہم ان کو کھانا کھلا کر روانہ کریں۔ پولیس والے باہر لاری کے پاس جمع ہو گئے تاکہ روانگی کے وقت کوئی گڑ بڑ نہ ہو۔ جب دو گھنٹے گذر گئے تو تھانیدار صاحب پھر تشریف لائے۔ میں نے کہا کھانا تیار ہو رہا ہے بس گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد کھانا کھلایا اور پروگرام ختم ہوا۔ گھبرایئے نہیں وہ بے چارہ پھر لاری کے پاس جا پہنچا۔ مرزا محمود کو پھر تسلی ہو گئی۔

قادیانی محل کی سیر

کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ اب آپ باہر تشریف لے آئیں وہ باہر آنے کی تیاری کرنے لگے میں نے عبدالحق کو الگ لے جا کر آہستہ سے کہا تم مسلمان محلوں میں اعلان کر دو کہ "احرار کی مسجد میں حضرت شاہ صاحب تقریر فرمائیں گے۔ مسجد میں جلدی پہنچ جاؤ۔" عبدالحق بھاگا بھاگا گیا اور ٹین اور ڈنڈا لے کر بازار میں اعلان کے لئے نکل گیا۔ میں نے شاہ صاحب سے عرض کیا باہر تشریف لے آیئے وہ باہر آئے تو لاری کی جانب جانے کی بجائے ہم نے مرزائیوں کی انار کلی کا رخ کیا یہ سڑک سیدھی قصر خلافت کو جاتی تھی۔ پولیس باہر لاری کے پاس تھی۔ مرزا محمود کے خواب خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ حضرت شاہ صاحب اس جانب کا رخ کر سکتے ہیں۔ ایک ہجوم شاہ صاحب کے جلو میں آ رہا تھا۔ اگر محمود کو وقت سے پہلے پتہ چل جاتا تو وہ ضرور کوئی حرکت کر بیٹھتے مگر انہیں تو تب پتہ چلا جب حضرت شاہ صاحب ان کے محل کے سامنے تھے۔ میں نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا اوپر قصر خلافت پر بھی نگاہ ڈالئے اور دیکھئے آپ کا مد مقابل اس کھڑکی میں چلمن کے پیچھے بیٹھا ہے۔ شاہ صاحب مستانہ وار بڑھے چلے گئے محل کے نیچے سے ہماری مسجد کا راستہ تھا۔ یہ بہت شارٹ کٹ تھا مگر ہم کبھی اس راہ سے گذرے نہ تھے نہ ہی مسلمانوں کو ادھر سے گذرنے کا حوصلہ تھا۔

ہم سب مسجد میں جا پہنچے مسجد میں چند منٹ کے اندر تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ حضرت شاہ صاحب نے مسحور کن لے میں تلاوت قرآن پاک شروع کی تو سامعین پر وجد طاری تھا ختم نبوت پر تقریر شروع ہو گئی۔

مرزا محمود کی مجلس مشاورت

شاہ صاحب کی بہت قریب سے زیارت کے بعد مرزا محمود کے طوطے اڑ گئے۔ جاسوسوں پر بھی طعن ہوتی رہی مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا وہ بہت ہوشیار آدمی ہیں وہ سمجھ گئے کہ احرار نے میدان مار لیا۔ وہ پروپیگنڈا جس نے حکومت پنجاب کو گمراہ کر رکھا تھا' شاہ صاحب کی تشریف آوری اور قصر خلافت کی راہ سے گذرنے کے باعث جھوٹا ثابت ہو گیا۔ مرزا محمود نے آخری کوشش کی اور اپنے لٹھ بند رضا کاروں کو حکم دیا کہ مسجد میں چلے جاؤ جلسے میں گھس جاؤ اور اعتراضات کر کے جلسہ درہم برہم کر دو۔

لٹھ بند مرزائی رضا کاروں کا مسجد میں داخلہ

اچانک مسجد کے دروازے پر مرزائی نوجوانوں کا ہجوم نظر آیا حضرت شاہ صاحب کو خدا نے بڑی سمجھ بوجھ اور اعلیٰ صلاحیتوں سے نواز رکھا ہے۔ جونہی حضرت شاہ صاحب نے مرزائی نوجوانوں کو دروازے میں دیکھا۔ فرمایا کہ راستہ دیدو اندر آنے دو ان نوجوانوں کو بعض مسلمان نوجوانوں نے نے جلسے میں مرزائیوں کی جانب دیکھا مگر شاہ صاحب کی فراخ حوصلگی دیکھ کر وہ سب خاموش رہے۔ شاہ صاحب نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم آگے سمٹ کر آ جاؤ اور ان حضرات کے لئے جگہ دیدو۔ مرزائی نوجوان تو لڑنے آئے تھے مگر حضرت شاہ صاحب کے اخلاق کی بلندی نے انہیں ٹھنڈا کر دیا۔ پھر جو شاہ صاحب نے تقریر شروع کی تو چند منٹ بعد مرزائی نوجوان جھومنے لگے ایک جگہ حضرت شاہ صاحب نے تقریر کرتے ہوئے لفظ مرزائی استعمال کیا تو ایک مرزائی نوجوان چیخ کر بولا کہ شاہ صاحب ہمیں مرزائی مت کہئے ہم احمدی ہیں۔ شاہ صاحب نے انہیں احمدی کہنا شروع کر دیا۔ مگر شاہ صاحب نے تقریر فرمائی۔ علم و عرفان کے موتی بکھیرے اور مسئلہ اس خوبصورتی اور پیارے انداز میں سمجھایا کہ سامعین عش عش کر اٹھے۔ تقریر کے خاتمے پر حضرت شاہ صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے' ہمارے مرزائی بھی پھنس گئے ان کو دعا میں شامل ہونا پڑا۔ حضرت شاہ صاحب نے درد بھرے دل سے دعا مانگی عجیب سماں تھا جلسہ ختم ہوا ہم سب دوسرے راستے سے یعنی بازار کی راہ سے لاری تک پہنچ گئے۔ لاری بستی سے باہر کھڑی تھی۔ لاری چلنے لگی تو تکبیر کے نعروں کے ساتھ

مجلس احرار، ختم نبوت اور حضرت امیر شریعت زندہ باد کے نعرے لگے۔ خدا جانے مرزا محمود کا کیا حال ہوا ہو گا؟ یہ ہماری پہلی فتح تھی اور مرزا محمود کی پہلی شکست۔

جلسے کے گہرے اثرات

قادیان میں حضرت شاہ صاحب کے جانے اور جلسہ کرنے کا یہ اثر ہوا کہ اخبارات نے مقالے لکھے جلسوں میں حکومت کی مرزائیت نوازی اور مرزائیوں کے جھوٹے پراپیگنڈہ کا تذکرہ ہوا تو حکومت مجبور ہو گئی۔ کہ وہ خود کو غیر جانبدار ثابت کرے۔ اس واقعے سے یہ بھی ہوا کہ اوپر کا دباؤ کم ہو گیا مگر اندر خانے خود کاشتہ پودے کی آبیاری جاری رہی۔ ہمارے حوصلے بلند ہو گئے۔ ہمارے مبلغ کھلے میدان میں جلسہ کر کے مسئلہ ختم نبوت سمجھانے لگے۔ جوں جوں فضا ساز گار ہوتی گئی تبلیغ کا کام زوروں پر شروع ہو گیا۔ احرار نے ایک لاؤڈ سپیکر بھی خرید لیا اس لاؤڈ سپیکر کے ذریعے قادیان کے گلی کوچوں میں حق کی آواز پہنچنے لگی مولانا عنایت اللہ صاحب اور مولانا محمد حیات رات کو کسی مناسب مقامات پر لاؤڈ سپیکر لگا کر مسئلہ ختم نبوت پر تقریر کر لیا کرتے۔ اس سے یہ فائدہ بھی پہنچا کہ مرزا محمود بھی اپنا ایمان تازہ لیا کرتے تھے۔ وہ بھی اپنے محل میں بیٹھے بیٹھے کلمہ حق سن لیتے تھے۔

مرزائیوں کے ٹھاٹھ

مگر ان سب باتوں کے باوجود مرزائیوں کا اس قدر رعب تھا کہ پولیس بھی ان سے مرعوب تھی اور قادیان کے غیر مرزائیوں پر بھی ایسا رعب تھا کہ انہیں ہر وقت مرزائیوں کے عتاب کا دھڑکا لگا رہتا۔ "خاندان نبوت" کا تو اس قدر رعب تھا کہ انہیں دیکھ کر امت مرزائیہ بھی کانپ جاتی تھی۔ مرزا محمود کے چھوٹے بھائی میاں محمد شریف اس معاملے میں بڑے دلیر تھے۔ وہ کچھ دن شاید فوج میں بھی گزار آئے تھے۔ ویسے وہ چھوٹے بھائی ہونے کی وجہ سے ناز پروردہ بھی تھے ان میں اچھی خاصی اکڑفوں تھی۔ مسلمانوں پر بھی ان کا اچھا خاصا رعب تھا۔ مرزا محمود کبھی پیدل باہر نہیں نکلتے تھے۔ وہ قصر خلافت کے دروازے پر کار میں بیٹھتے۔ یہ جس طرح آپ بڑے وزیروں یا گورنروں کو دیکھتے ہیں آگے آگے موٹر سائیکل پھر کاریں اور پھر گورنر صاحب یا وزیر اعظم یا صدر صاحب۔ انہی کی نقالی میں مرزا صاحب بھی بڑے طمطراق سے گزرتے تھے۔ اپنی موٹر سائیکل یا جیپ کاریں نہ سہی سائیکل سوار ہی سہی انہی کو آگے لگا کر ہٹو بچو سرکار۔ حضور اقدس۔ حضرت خلیفہ صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ لوگ دو رویہ کھڑے ہو جاتے۔ کسی کھڑکی کا دروازہ بند ہو جاتا کوئی نیک بخت زیارت کے لئے پٹ کھول کر رکھتی۔

یوں تو کئی برسوں سے ساری بستی پر مرزائیوں نے رعب جما رکھا تھا۔ یہ رعب بھی بہت زبردست رکاوٹ تھی۔ جب تک یہ رعب اٹھ نہ جائے لوگ دل کی بات زبان پر کیسے لائیں اگر کسی کو اختلاف ہو تو وہ اس کے اظہار کی جرات کہاں سے لائے؟ تاہم رعب میں اس روز جنبش ضرور آئی جس روز حضرت شاہ صاحب نے قادیان پہنچ کر قصر خلافت سے گزر کر جلسہ عام میں مسئلہ ختم نبوت پر تقریر کی۔ مگر یہ تو حضرت شاہ صاحب کی بزرگی اور کرامت تھی کہ وہ ان مرزائیوں کو جو مرنے اور مارنے کے لئے لٹھ لے کر آئے تھے مسئلہ ختم نبوت اچھی طرح سمجھا کر دل و دماغ میں بٹھا کر گئے ان کے تشریف لے جانے کے بعد مرزا محمود نے پراپیگنڈا کے زور سے دوبارہ ہوا باندھنے کے جتن کئے۔ میری نگرانی بہت سخت ہو گئی مگر میں وہاں کرتا ہی کیا تھا جس پر مجھے قادیان سے نکلوایا جاتا۔

مرزائیوں کا حج

مرزا محمود کی سی آئی ڈی یعنی گل نور صاحب نے میرے ہاں ڈیرے ڈال لئے جس سے مجھے کچھ مشکل بھی پیش آئی۔ مرزائیوں کا سالانہ جلسہ جسے وہ دراصل حج سمجھتے تھے۔ (مرزا محمود نے قادیان کے سالانہ جلسہ کو ظلی حج قرار دیا اور حقیقت الرویاء نامی کتاب میں کہا کہ مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہو گیا اب رشد و ہدایت کے لئے قادیان کا ظلی حج مقرر ہو گیا ہے اب جو قادیان سے رابطہ نہیں رکھے گا کاٹا جائے گا' مرتب) سر پر آ رہا تھا کم و بیش پانچ سات ہزار مرزائی بیرون جات سے قادیان میں آیا کرتے تھے ہمیں یہ دقت در پیش تھی کہ جب مرزائیوں کا تین دن جلسہ ہو گا تو ہمیں حق کی آواز بلند کرنا چاہئے مولانا عنایت اللہ صاحب سے مشورہ ہوا کہ ہم بھی لٹریچر تقسیم کریں اور ہو سکے تو جلسہ بھی کریں۔ مرکز کے پاس مرزائیوں کے مقابلہ میں اتنا فنڈ نہ تھا کہ مرزائیوں کے لٹریچر کا لٹریچر سے مقابلہ کیا جائے

رب جی یا رب قادیان

ایک برہمن نوجوان مسمی برہمچاری اور چند ہندو دوست میرے مکان پر آیا کرتے تھے برہمچاری صاحب میرے مکان کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے رب جی' رب جی کا ورد کیا کرتے تھے ان کے دوستوں نے ورد سے متاثر ہو کر انہیں رب جی کہنا شروع کر دیا۔ میں نے ایک روز برہمچاری صاحب سے کہا کہ آپ نے خود بھی اپنے کو رب جی کہلوانا پسند کیا ہے یہ تو اچھی بات نہیں برہمچاری صاحب نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں میں قادیانی رب جی ہوں۔ رب جی کہلوانا اتنا خطرناک نہیں جتنا خواہ مخواہ نبی بن جانا خطرناک ہے۔ رب جی

کہلانے والا مر جائے تو قضیہ ختم ہو جاتا ہے مگر نبی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ آپ نہیں دیکھتے ہمارے اس قادیان میں کیسا فساد کھڑا ہو گیا ہے۔ میں یہ سن کر خاموش ہو گیا اس لئے کہ میرے نزدیک مرزا غلام احمد کی نبوت بھی ایک سیاسی مذاق تھا جس سے مسلمانوں کے دل مجروح ہوئے اور ایک عالمگیر فساد کھڑا ہو گیا۔ مگر اس بستی میں ہر قسم کی گنجائشیں موجود تھیں۔ جونہی جلسہ قریب آیا رب قادیان نے بے ہودے جھاڑے ایک لمبا ترشول چوغا ماتھے پر تلک اور منہ پر داڑھی عجیب ہیئت بنائے وہ میرے مکان پر آدھمکے۔ میں نے کہا بھئی برہمچاری آج تو بڑے ٹھاٹھ ہیں کہنے لگا ہمارے نبی کا عرس ہونے والا ہے یہ سب تیاریاں اس دن کے لئے ہیں۔

رب قادیان تھانے میں

چند روز بعد میں اپنے مکان پر موجود تھا مجھے ایک دوست نے اطلاع دی کہ تھانے میں رب جی نے آپ کو بلایا ہے میں تھانے پہنچا تو دیکھا کہ باہر کچھ لوگ کھڑے ہیں اندر رب جی بھی موجود ہیں اور ان کے برابر والی کرسی پر ناظر امور عامہ نور چند اور مرزائی بزرگ تشریف فرما ہیں۔ قصہ یہ ہوا کہ "رب قادیان" ایک ستول بغل میں دبائے ہاتھ میں بچے چور گرم والی گھنٹی لئے مرزائیوں کے جلسہ کے قریب جا دھمکے اور انہیں اپدیش دینے لگے مرزائیوں نے اسے تفریح کا سامان سمجھا کسی منچلے مرزائی نے رب قادیان پر اعتراض کیا کہ رب پاؤں سے لنگڑا بھی ہوتا ہے؟ برہمچاری نے حاضر جوابی کا شاندار ریکارڈ قائم کر دیا۔ ایسا الزامی جواب دیا کہ مرزائی بھاگ گئے۔ کسی نے پھر اعتراض کیا کہ ذرا اپنے ٹیڑھے پاؤں کی طرف تو دیکھئے۔ رب قادیان نے اس پر ایک آسمانی وقوعہ کہہ سنایا۔ غرضیکہ برہمچاری نے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ نبوت وغیرہ محض دھوکہ ہے اس میں اگر حقیقت ہوتی تو ہم اسے سب سے پہلے قبول کرتے۔ دوسرے دن پھر برہمچاری جلسے کے قریب جا حاضر ہوئے۔ مرزا صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے حواریوں کو سمجھا کر برہمچاری کا دماغ درست کرو۔ یہ حضرات برہمچاری سے الجھے تو معاملہ تھانے تک جا پہنچا۔ مجھے دیکھتے ہی برہمچاری نے کہا کہ دیکھئے ماسٹر صاحب مجھے تبلیغ سے روکا جا رہا ہے۔ مرزائی اپنے نبی کی تبلیغ کا کام کر سکتے ہیں مگر مجھے خود اپنی تبلیغ سے روکا جا رہا ہے۔ میں خاموشی سے فریقین کی باتیں سنتا رہا۔ مرزائیوں نے تھانیدار سے کہا کہ صاحب ہماری رپورٹ لکھئے یہ برہمچاری خود کو رب قادیان کہہ کر ہماری دل آزاری بھی کرتا ہے اور نقص امن کا اندیشہ بھی پیدا کر رہا ہے اس کی ضمانت لیجئے۔ اس پر تھانیدار میری جانب دیکھا۔ میں نے مرزائی نمائندے کی تائید کر دی۔ برہمچاری نے حیرانی سے میرا منہ تکنا شروع کیا۔

تھانیدار صاحب بھی حیران تھے کہ میں مرزائیوں کی تائید کیوں کر رہا ہوں۔ جب وہ رپورٹ درج کرانے لگے تو میں نے اپنی تائید کی وجہ بتائی۔ پھر تو رپورٹ کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ میرے ہمراہ ہمارے مخلص کارکن حافظ محمد خاں تھانہ میں موجود تھے میں نے تھانیدار صاحب سے کہا کہ ہمارے حافظ صاحب یہ رپورٹ لکھوانے آئے ہیں کہ غلام احمد نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرکے اسلام اور پیغمبر اسلام کی توہین کی ہے اور یہ مرزائی حضرات کھلے بندوں اس نبوت کاذبہ کی تبلیغ کر رہے ہیں ان سب کی ضمانتیں ہونا چاہئیں۔ تھانیدار صاحب نے قلم سنبھالا اور فریقین سے کہا کہ دونوں رپورٹوں کی نوعیت ایک سی ہے آپس میں بات کر لیجئے پھر رپورٹ لکھوائیے۔ مرزائیوں نے مجھ سے بات کی برہمزوری کو رضامند کیا گیا۔ سمجھوتے کے بعد فریقین رپورٹ لکھوائے بغیر تھانے سے واپس آ گئے۔ برہمزوری کو ہم نے سمجھایا کہ ابھی ان کے جلسے کے قریب نہ جاؤ ذرا پرے ہی رہو اور بہتر یہ ہے کہ تم اب خاموش ہی رہو کیونکہ یہ لوگ لسار پر آمادہ ہو گئے تو مٹھی بھر لوگ ان کا کیسے مقابلہ کریں گے؟ بہر حال باہر سے آئے ہوئے مرزائیوں میں سے بعض بھولے بھالے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ بھئی یہ "ربی" بعض باتیں تو بڑے مزے کی کر رہا تھا اور جو مذبذب تھے یا جن مسلمانوں کو باہر سے ہموار کرنے کے لئے لایا گیا تھا انہیں قادیان کا سارا کھیل ہی فراڈ معلوم ہوا بہرحال ربہ قادیان' قادیان سے باہر جلسے کرنے لگا۔ اور اس کے جلسوں میں اچھی خاصی حاضری بھی ہونے لگی۔ برہمزوری صاحب بڑے سلجھے ہوئے انسان ہیں وہ پاکستان کی سیر کر گئے ہیں یہاں وہ سید مظفر علی شاہ شمسی کے مہمان تھے ایک روز میرے ہاں بھی چائے پر تشریف لائے تھے

ہفت روزہ اخبار

ہم نے انہی دنوں قادیان سے ہفت روزہ اخبار بھی جاری کیا۔ اس میں خواب تو میں لکھا کرتا تھا اور مضامین عالم سیاہ پوش لکھا کرتے تھے۔ ڈکلریشن ربہ قادیان کے نام کا تھا۔ مجھے دو تین خواب آئے کہ مرزا محمود نے تھا ہو کر شاید بد دعا کی اسی وقت برہمزوری سے اخبار کی ضمانت طلب کر لی گئی ہمارے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی کہ ضمانت داخل کر دیتے۔ اخبار بند ہو گیا ورنہ مجھے خواب آنے لگے تھے۔ میرے خواب مرزا محمود کے رؤیا کے جواب میں آیا کرتے تھے ہم پھر نہتے ہو گئے۔ الفضل مرزا صاحب کے رؤیا شائع کرتا رہا۔ مرزا محمود کے خوابوں کو سمجھنا بڑا مشکل کام ہے۔ ہمیں قادیان کی نئی خیز زمین نے اس قابل بنا دیا تھا کہ مرزا محمود کے خواب کی صحیح تعبیر بتا سکیں۔ مذہبی حیثیت کا وہ رعب جو مرزائیوں نے بڑی محنت سے جما رکھا تھا اسے ربہ قادیان کے اعلان نے مجروح کر دیا مگر مادی طاقت کا رعب علیٰ حالہ قائم تھا احرار کے

بعضوں نے قربانی اور حوصلہ مندی سے اس رعب کو کم تو کر دیا۔ مگر جب تک بے رنگی نہ ہو بنی ہوئی ہوا کا اکھڑنا محال ہے۔ قصر خلافت میں گڑبڑ ہوئی اندر کی باتوں کو باہر لانا خلاف مصلحت بھی ہے اور اخلاق اور شرافت بھی ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

اچانک حادثہ

مجھے اپنے مکان میں بیٹھے قادیان کے اندرونی حالات کی اکثر خبریں مل جایا کرتی تھیں۔ میں اب قادیانی فضاؤں کو سونگھ کر بتا سکتا تھا کہ درجہ حرارت کیا ہے۔ مولانا عنایت اللہ صاحب دورے پر تشریف لے گئے حافظ محمد خاں اپنے وطن دس پندرہ روز کے لئے رخصت پر چلے گئے۔ باقی مبلغ بھی باہر مناظروں پر چلے گئے۔ میں اپنے مکان میں اکیلا تھا میرے پاس گل نور بیٹھا تھا کہ ایک نوجوان دھڑام سے میرے صحن میں آ گیا۔ وہ اچانک وارد ہوا ہاتھ میں لاٹھی سانس کچھ پھولا ہوا۔ کم بخت نے خود ہی ڈیوڑھی کا دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی۔ میں گل نور کے لئے چائے بنا رہا تھا۔ چائے دانی میں چائے ڈال کر انگیٹھی پر دودھ رکھنے لگا تھا کہ یہ واقعہ ہوا۔ گل نور نے کہا حنیف کیا ہوا؟ حنیف نے جواب دیا گل "تساڈے نبی دا پتر لمبا پا کے آیا واں۔" ("میں تمہارے نبی کے بیٹے کو لمبا لٹا آیا ہوں")۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا "ارے ظالم یہ کیا کیا تو نے؟" اور پھر ایسی خباثت کر کے یہاں کیوں چلا آیا؟ حنیف اٹھارہ بیس سال کا نوجوان تھا اور ایک گداگر کا بیٹا تھا اس کا باپ جمعرات کو "فضل مولا" کی صدا لگا کر مسلمانوں کے گھر سے روٹیاں مانگ کر لے جایا کرتا تھا۔ اس حنیف کا ایک بڑا بھائی تھا مگر وہ قادیان میں بہت کم رہا کرتا تھا۔ ہم نے سنا کہ وہ ڈاکو تھا۔ بہرحال لوگ اس کی بہادری اور جرأت کی داستانیں سنایا کرتے تھے شاید ایسا ہی ہو میں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اس واقعے سے میرے تو حواس باختہ ہو گئے میں نے خیال کیا کہ جاسوس میرے پاس موجود ہے اور یہ کمبخت حنیف گڑبڑ کر کے میرے ہی گھر کو خانہ انوری سمجھ کر آ گیا اب گل نور نے چشم دید گواہ بن جانا ہے میں خواہ مخواہ ملوث ہو کر دھر لیا جاؤں گا۔ واقعہ یہ ہوا کہ اس سے قبل حنیف کو غریب سمجھ کر مرزا شریف احمد نے ڈانٹا بھی اور شاید ایک آدھ چپت بھی رسید کیا۔ یہ بات بہت دن بعد جب حنیف اس مقدمہ میں پھنسا ہوا تھا اس نے خود مجھے بتائی۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ بات درست بھی تھی یا نہیں کیا معلوم کمبخت نے جھوٹ بولا ہو واللہ اعلم بالصواب۔ میں کچھ دیر تو گھبرایا رہا مگر چند منٹ بعد میں سنبھل گیا۔

گل نور کی آزمائش

میں نے گل نور سے کہا کہ دیکھو بھئی گل نور میرے تمام ساتھیوں نے مجھے بھگانا چاہا اور

تمہارے خلاف بہت کچھ کہا اور کھلے لفظوں میں کہا کہ گل نور، مرزا محمود کی سی آئی ڈی ہے مگر
نہیں معلوم ہے کہ میں نے انہیں کیا جواب دیا آج اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ میں صحیح
سمجھا تھا یا وہ لوگ درست کہتے تھے۔ گل نور کھڑا ہو چکا تھا وہ بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ بے شک
آج میں بھی آپ کو یقین دلادوں گا کہ آپ ہی نے ٹھیک سمجھا تھا بات ختم ہو گئی۔ میں نے کہا گل
نور اب ہم کیا کریں؟ اس کم بخت کے بچے نے تو غضب ہی کر دیا۔ یہ اگر ہمارے مکان سے
پکڑا جائے تو پھر اگر میں قرآن بھی سر پر رکھ کر کہوں کہ میرا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں ہے
کون یقین کرے گا اور تو اور میرے اپنے ساتھی بھی یقین نہ کریں گے۔ یار بڑا غضب ہو گیا
کوئی ترکیب بتاؤ۔ گل نور نے حنیف سے دریافت کیا کہ واقعہ کیا ہے اور بتاؤ کہ وہاں کون کون
تھا۔ حنیف نے بتایا کہ صاحبزادہ شریف احمد سائیکل پر سوار آرہے تھے میں میاں عبداللہ کے
مکان کے باہر چبوترے پر بیٹھا تھا یہ دیکھئے میری ران پر پھوڑا نکلا ہوا ہے اور اس لاٹھی کے
سہارے چل کر وہاں تک پہنچا تھا میں اٹھ کر بازار کی جانب چلنے لگا پیچھے سے صاحبزادہ صاحب
اچانک تشریف لے آئے وہ چند روز قبل مجھے بے عزت کر چکے تھے میں لنگڑاتا ہوا چلا جا رہا تھا
کہ پیچھے سے آواز آئی اوحرامزادے راستہ چھوڑ کر چلو' صاحبزادہ صاحب میرے سر پر آگئے۔
جونہی میں نے ان کی صورت دیکھی اور پہچانا مجھے پہلا واقعہ بھی یاد آگیا اور تازہ گالی نے بھی
مجھے گرما دیا۔ مجھے اپنا زخم بھی بھول گیا۔ جونہی وہ مجھ سے آگے بڑھنے لگے میں نے گھما کر اسی
پر لاٹھی رسید کی وہ چکرا کر گرے منہ دوسری طرف تھا میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دو ایک اور رسید
کردیں۔ اور لپک کر گلی میں سے ہوتا ہوا دوسری جانب بھاگ نکلنے کی بجائے ادھر چلا آیا۔ مجھے
میاں صاحب نے بھی نہیں پہچانا اور نہ اس وقت وہاں کوئی اور موجود تھا میں نے کہا ظالم تو نے
ہمیں تو پھنسا دیا۔ حنیف نے مجھے دیکھ کر کہا " واہ مولوی جی تساں ڈر دے او' آکھو تے ہن
میدان وچ جا کھلوواں کم بخت کی جرات نے ہم دونوں کو گرویدہ کر لیا۔ گل نور نے مشورہ دیا کہ
"استرے سے حنیف کے زخم لگا دیئے جائیں اور پھر کہا جائے کہ میاں شریف احمد نے چاقو
سے حملہ کیا۔ تب حنیف نے بھی لاٹھی استعمال کی۔ " حنیف نے کہا کہ لائیے میں خود ہی زخم
لگا لیتا ہوں۔ میں نے اسے کہا ٹھہر جا کم بخت پہلے چائے تو پی لے۔ گل نور سے کہا کہ لو آغا تم
بھی چائے پیو۔ اور پھر جس طرح کہو کر لیا جائے گا' ابھی تک بازار میں صرف شور اور ہنگامہ
تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس نے مارا کیوں مارا اور ملزم کدھر گیا۔ یا ملزم کون ہے؟ چائے
کے بعد میں نے گل نور سے کہا آغا ارے بھئی اگر کوئی ادھر آنکلا تو غضب ہو جائے گا۔ خدا
کے لئے تم پیچھے سے نکل جاؤ میں حنیف کو استرا دیتا ہوں یہ خود ہی زخم لے گا۔ آغا نے حنیف
کو تاکید کر دی کہ دیکھنا زیادہ گہرے زخم نہ لگا لینا ایک زخم ذرا گہرا ہو اور دو تین معمولی زخم

ہوں۔ بس گزارہ ہو جائے گا۔ لو میں جا رہا ہوں یہ کہا اور جانے لگا میں نے اسے پھر تاکید کی کہ راز افشا نہ ہو وہ چلا گیا۔

حنیف کی گمشدگی

اس کے جاتے ہی حنیف نے مجھے کہا لاؤ استرا۔ میں نے اسے کہا کہ خبردار کسی زخم کی ضرورت نہیں ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی کا ارتکاب کرنا چاہتے ہو؟ گل نور بیگانہ آدمی ہے آؤ میں تم کو دوسری جگہ پہنچاؤں میرے مکان سے کچھ فاصلہ پر اسی کوچے میں ایک مسلمان دکاندار کا گھر تھا وہ بتانے گیا تو مجھے کہہ گیا کہ "میں اپنے مکان کے باہر کنڈی لگا کر اوپر سے چک ڈال چلا ہوں دھیان رکھنا رات کی گاڑی سے نہ آسکا تو کل آؤں گا۔" میں نے حنیف سے کہا کہ میرے پیچھے آؤ۔ چک اٹھا کر دروازہ کھلوا نے اندر داخل کر کے کہا کہ پچھلے کمرے میں چلے جاؤ۔ میں نے اوپر سے چک ڈال دی اور اپنے مکان واپس آگیا۔ کچھ دیر بعد ہڑتال ہو گئی۔ مرزائی مسلح ہو کر میدان میں آگئے قادیان بھی حرکت میں آگیا مسلمان گھبرا گئے۔ رات کو مرزائیوں نے میرے مکان کے دونوں جانب لٹھ بند مرزائی رضاکاروں کا پہرہ لگا دیا۔ پولیس بھی گلی کوچوں میں گشت کرنے لگی۔ غریب جان سے مارا جائے۔ مرزائی سرِبازار تھانیدار کی پگڑی اچھالدیں' غریبوں کی آبرو لٹ جائے کوئی نہیں پوچھتا مگر بڑے آدمی کی نکسیر پھوٹ جائے تو ہڑتال ہو جاتی ہے بستی بھر میں ہڑ باڑی ہوتی ہے۔ خلاف قانون چھریاں چاقو لاٹھیاں اور اسلحہ ہاتھ میں لے کر بے گناہوں کو دھمکایا جائے' قانون خاموش رہتا ہے حکام کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ اس "واقعے" سے قادیان میں سناٹا چھا گیا۔ رات کی تاریکی نے دہشت کے اثرات کو زیادہ گہرا کر دیا۔ صبح ہوئی تو بٹالہ سے پولیس کی گارد کے ہمراہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی تشریف لے آئے۔ میں نے علی الصبح چوبارہ کی کھڑکی کھول کر باہر جھانکا تو دیکھا کہ قادیان کا تھانیدار گلی میں سے گزر رہا ہے میں نے تھانیدار کو آواز دی کہ سردار صاحب کیا ماجرا ہے۔ تھانیدار نے گھبرا کر میری طرف دیکھا اور کہا کہ آپ کو نہیں معلوم بڑا غضب ہو گیا۔ چھوٹے میاں صاحب کو کسی نے مارا ہے۔ میں نے کہا ایسے واقعات تو یہاں ہر روز ہوتے ہیں کبھی گاردیں باہر سے نہیں آئیں کبھی پہرے نہیں لگتے بڑا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ میاں صاحب کو چوٹ آگئی ہے تو تھانے میں رپٹ لکھوا دی جائے۔ ساری بستی کو پریشان کرنے کے کیا معنی۔ تھانیدار نے مجھے اشارے سے کہا خاموش رہو۔ تھانیدار چلا گیا۔ صبح کا وقت تھا میں نے مسلمان ہمسایوں کو آوازیں دے کر باہر بلایا اور انہیں کہا کہ تمہیں کیا سانپ سونگھ گیا ہے۔ ارے بھئی کیا ہو گیا۔ ایک شخص کو کسی نے مارا اس پر یہ سناٹا کیوں ہے؟ کام کاج شروع کرو

اپنی دکانیں کھولو کیا قیامت آگئی ہے۔ میں نے زور زور سے بلند آواز میں باتیں شروع کر دیں۔ لوگ چلنے پھرنے لگے اس کے بعد بازار میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ عجیب عجیب قسم کی باتیں سننے میں آئیں بہرحال حالات نارمل ہو گئے دن نکل آیا صبح سویرے الفضل نکلا جس میں درج تھا کہ کسی شخص نے میاں شریف احمد کو سرِ بازار لاٹھیوں سے پیٹ ڈالا۔ میں نے اندر کا کمرہ جہاں بیٹھ کر گل نور اور حنیف نے چائے پی تھی مقفل کر دیا اور خود اوپر چلا گیا تھا۔ دن کے وقت گل نور آیا مجھ سے دریافت کرنے لگا کہ حنیف کا کیا بنا۔ میں نے اسے کہہ دیا کہ حنیف نے زخم گہرے کر لئے تھے میں نے اسی وقت اسے گورداسپور کے ہسپتال بھجوانے کا بندوبست کر دیا تھا۔ وہ صبح ہسپتال میں داخل ہو گیا ہو گا گل نور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

الفضل کا ضمیمہ

شام کو الفضل کا ضمیمہ نکلا جس میں درج تھا کہ ملزم نے اپنے جسم پر خود ہی زخم لگا لئے تھے اور اب وہ گورداسپور کے ہسپتال میں داخل ہے میں نے یہ خبر پڑھی تو مجھے بے اختیار ہنسی آئی کہ سی آئی ڈی بڑی ہوشیار ہے مجھے رات کو گل نور پھر ملنے آیا اس کی زبانی معلوم ہوا کہ مرزائیوں کی ایک موٹر سول ہسپتال گورداسپور روانہ ہو چکی ہے۔ صبح موٹر بے نیل و مرام واپس آگئی۔ گل نور صبح کے وقت آیا تو میں نے اسے بتایا کہ حنیف کے ساتھی بڑے بیوقوف اور بے حوصلہ لوگ ہیں گورداسپور کی بجائے اسے بٹالے لے گئے اس خبر کو پا کر الفضل نے ضمیمہ لگانے کی بجائے تصدیق کر لینا ضروری خیال کیا چنانچہ مرزائی کارندے بٹالے کے ہسپتال میں حنیف کے زخموں کی مرہم پٹی دیکھنے کے لئے ہسپتال کا کونہ کونہ تلاش کرتے رہے بات ٹھنڈی پڑ گئی۔

حاجی عبدالرحمن کا گھر

دوسرے دن میرے ہمسائے نے بٹالے سے واپسی پر مکان کھولا تو اسے معلوم نہ تھا کہ آفت کا پرکالہ حنیف اس کی پچھلی کوٹھڑی میں موجود ہے وہ شام کو حقہ لے کر میرے مکان کے باہر آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسے دیکھا تو وہ بڑا مطمئن تھا۔ میں نے سمجھا اس نے ابھی تک حنیف کی "زیارت" نہیں کی۔ میں نے اسے اوپر بلا لیا۔ چھوٹے میاں صاحب کی مرمت کا قصہ شروع ہوا تو وہ خدا کا شکر ادا کرنے لگا اور کہنے لگا کہ اچھا ہوا میں یہاں موجود نہ تھا۔ میں نے اسے کہا کہ بھئی سچ بھی میاں صاحب کو کس نے مارا اس نے کہا ابھی مرزائیوں کا آپس ہی کا قصہ ہو گا۔ وہ اطمینان سے حقے کے کش لگاتا رہا اور باتیں کرتا رہا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس طرح اچانک یہ واقعہ ہوا۔ بے چارہ بڑا کانذار تو تھا ہی گھبرا گیا۔ منتیں کرنے لگا میں نے اسے تسلی

دی اور کہا کہ تمہاری طرح میں بھی خواہ مخواہ پریشان ہو رہا ہوں کم بخت نے ہمیں بلاوجہ خراب کیا۔ میں اس کے مکان پر پہنچا اندر جا کر آواز دی کوئی جواب نہ ملا مجھے بڑا فکر ہوا۔ کوٹھڑی میں داخل ہو کر دیکھا تو وہ سو رہا تھا اسے جگایا اور عرض کیا کہ یہاں سے کھسک جاؤ۔ وہ مان گیا۔ اس نے کہا کہ میری تھوڑی سی امداد کرو مجھے بٹالے کسی اچھے ٹھکانے پر پہنچا دو جہاں جا کر میں خود پولیس کے سامنے پیش ہو کر صحیح صحیح بات بتا کر اقرار کروں گا کہ میں نے میاں صاحب کی توہین کی ہے۔ حاجی عبدالرحمٰن بڑے دلیر بڑے ہی بہادر انسان ہیں چنانچہ حنیف ان کے ہاں راتوں رات پہنچا۔ صبح کو وہ تھانے میں حاضر تھا۔ مقدمہ چل پڑا۔ حاجی صاحب نے حنیف کی ضمانت کرا دی اس قصے میں ہم بالکل بے قصور تھے خلیفہ محمود کو بھی اپنے معتبر آدمی کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا کہ حنیف نے سب کچھ خود ہی کیا ہے مگر وہ کمبخت ضمانت پر رہا ہوا تو تیسرے دن بٹالے سے سیدھا میرے ہاں پہنچا۔ گل نور اس وقت بھی موجود تھا۔ حنیف نے آتے ہی زناٹے دار سلام کیا ہم نے پوچھا کہو بھئی اب کیا ہے؟ کہنے لگا اجی اب کوئی بات نہیں میں پیش ہو گیا تھا مقدمہ چل پڑا ہے۔ حاجی صاحب نے ضمانت کا بندوبست کر دیا ہے ایک وکیل کا بندوبست بھی ہو گیا ہے۔ حاجی صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں میری بڑی خاطر تواضع ہوتی رہی وہ بڑے دلیر آدمی ہیں لوگوں کو بلا بلا کر مجھے دکھاتے رہے اور کہتے تھے کہ یہ "صاحبزادہ حنیف" ہے میں اور گل نور اس کی باتیں سن کر ہنسنے لگے۔ میں نے اسے کہا کہ بابا تم وہیں رہتے یہاں آ کر کیا لینا تھا یہ تو مرزائیوں کا قلعہ ہے مگر حنیف نہ مانا کہنے لگا مولوی جی میں اس لئے یہاں واپس آیا ہوں کہ لوگ یہ نہ کہیں حنیف بھاگ گیا۔

اخبارات میں مقدمے کی روئداد

اخبارات نے حنیف کے مقدمے کی سرخیاں خوب جمائیں اس قسم کے عنوان سے خبریں شائع ہوئیں۔

"صاحبزادہ محمد حنیف اور صاحبزادہ محمد شریف کا مقدمہ"

مجھے یاد ہے بعض اخباروں نے صاحبزادگی پر تبصرہ بھی لکھا کہ دونوں صاحبزادگان نذر نیاز ہی پر گذارا کرتے ہیں۔ ایک اعلیٰ پیمانے پر نذر وصول کرتا ہے ایک گھٹیا طریقے سے نذرانے کی بجائے خیرات پر اکتفا کرتا ہے بہرحال قدرت نے ایک فقیر کے بیٹے کے ہاتھوں ہوا خیزی کا سامان کر دیا۔

مقدمہ چل رہا تھا مگر حنیف چوٹیں بچا کر قادیان چلا آتا تھا۔ میں نے حنیف سے کہا کہ میاں حنیف تم کام کیا کرو۔ ماشاء اللہ جوان ہو دست و بازو سے کما کر کھانا چاہئے۔ اس نے کہا

کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کاروبار کروں۔ آموں کا موسم آگیا۔ حنیف نے آم خرید کر (چھابڑی) خوانچہ لگا لیا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا حنیف بڑا دلیر تھا وہ خوانچہ لیکر مسلمانوں کے محلوں سے ہوتا ہوا مرزائی محلوں میں پہنچ کر شرطیہ مٹھا کی آواز لگانے لگا کوئی خریدتا یا نہ خریدتا مرزائیوں نے محسوس کیا کہ ہمارے حضرت صاحب کا مخالف قادیان میں کھلے بندوں دندناتا پھرتا ہے غضب ہو گیا یہاں تو تھانیداروں کو ہماری منشا اور اجازت کے بغیر بازاروں میں چلنے پھرنے کی اجازت نہ تھی۔ اسی غصے میں مرزا محمود کے ایلچی تھانے پہنچے تھانیدار نے حنیف کو بلا بھیجا وہ میرے پاس آیا میں بھی ساتھ چلا گیا۔ تھانیدار نے کہا کہ تم مرزائی محلوں میں کیا لینے جاتے ہو؟ حنیف نے کہا جناب میں کچھ لینے نہیں جاتا بلکہ شرطیہ مٹھا آم دینے جاتا ہوں۔ تھانیدار نے منع کیا اور کہا کہ مرزائی خفا ہوتے ہیں۔ تم ادھر مت جایا کرو۔ میں نے بھی حنیف کو منع کیا اور کہا کہ مرزائی خفا ہوتے ہیں تم ادھر مت جایا کرو۔ مگر میں نے تھانیدار سے دریافت کیا کہ شاہراہ عام پر حلال روزی کمانے سے کسی غریب کو منع کرنا اس لئے کہ کوئی امیر اس سے ناراض ہے۔ یہ بات انصاف کے بالکل خلاف ہے مسلمان قوم نے اگر حکومت سے یہی مطالبہ کر دیا کہ مرزائیوں نے ختم نبوت کے مسئلے اور عقیدے سے انکار کر کے ہمارے ہادی' ہمارے آقا و مولا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے جس سے ہمارے دل زخمی ہوتے ہیں انھیں ہمارے شہروں اور محلوں میں سے گذرنا نہ چاہئے۔ تب حکومت کیا جواب دے گی؟ چھوٹے صاحبزادے کے جسم پر چوٹ آئی تو قیامت بپا ہو گئی مسلمانان عالم کے دل مجروح ہوئے تو سرکاری مشین میں کوئی حرکت نہ آئی۔ تھانیدار صاحب کے پاس کوئی جواب نہ تھا مگر انتظامی معاملے میں وہ اپنی جگہ درست فرما رہے تھے میں خود بھی یہ چاہتا تھا کہ چپقلش نہ ہو مگر اتنا ضرور ہوا کہ اس واقعے کے بعد مرزائیوں کی اکڑفوں اور کروفر میں بہت کمی آگئی اور رعب تقریباً رخصت ہو گیا۔ مرزائی عام آدمیوں کی طرح رہنے لگے ان سے پہلے ان کے پاؤں زمین پر ٹکتے نہ تھے۔ حنیف غریب کو چھ ماہ قید کا حکم ہوا۔ وہ جیل پہنچ گیا اسی جیل میں حضرت شاہ صاحب بھی قید بھگت رہے تھے۔ حنیف کچھ دن کے لئے ان کا "مشقتی" بن گیا۔

مرزائیوں میں انتشار

خلیفہ محمود کے ہاتھوں زخم کھا کر کچھ لوگ میدان میں آ ہی گئے عبدالرحمن مصری ان میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے وہ خود بھی بہت بھلے تھے ان کی اولاد بھی تقریباً نیک ہی تھی مصری صاحب کا ایک لڑکا تو ہمارا اچھا خاصا دوست اور عجیب و غریب طبیعت کا نوجوان تھا۔ (ان

کا نام بشیر احمد مصری ہے قرآن مجید کے حافظ ہیں۔ عربی' انگلش اور اردو پر عبور حاصل ہے۔
مرزا محمود کی بداخلاق باختگی کا شکار ہوئے تو عبدالرحمٰن مصری اسکا والد لاہوری مرزائی بن گیا اور
بشیر احمد مصری اپنے بیٹے کو لاہوری مرزائیوں کی عبادت گاہ لندن ووکنگ کا امام بنا دیا۔ عالمی
مجلس تحفظ ختم نبوت کے بزرگ راہنما مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر اپنے تبلیغی شہرہ آفاق دورہ
پر انگلستان تشریف لے گئے تو حافظ بشیر احمد مصری کی دعوت پر ۱۱ فروری ۱۹۷۸ بروز اتوار تین
بجے تبلیغ اسلام کے لئے ووکنگ مسجد میں گئے۔ آپ کی تقریر کے دوران بشیر احمد مصری نے اپنے
قبول اسلام کا اعلان کیا اور مسجد مسلمانوں کے سپرد کر دی جو اس وقت سے لیکر اس وقت تک
تبلیغ اسلام کا مرکز ہے کچھ عرصہ بعد بشیر احمد مصری امریکہ چلے گئے۔ آج کل انگلستان میں ہیں۔
۱۰ جون ۸۸ کو مرزا طاہر نے مباہلہ کا ڈھونگ رچایا تو بشیر احمد مصری کو بھی مباہلہ کا پمفلٹ بھیجا
جس کا بشیر احمد مصری نے جواب تحریر کر کے مرزائیت کی اخلاق باختگی و عیاشی کو طشت ازبام کر
دیا۔ جناب بشیر احمد مصری کے پمفلٹ " قبولیت چیلنج مباہلہ " کا اردو انگلش اڈیشن عالمی مجلس
تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان پاکستان سے بارہا شائع ہو چکا ہے۔ مرتب۔

وہ خلیفہ صاحب کے سخت خلاف تھا ان کے اور بہت سے ساتھی میدان میں نکل آئے
خلیفہ صاحب کے حواریوں نے انہیں ڈرایا اور دھمکانا چاہا۔ احرار نے دشمن کے دشمن کو
دوست بنا لیا پراپیگنڈا ہوتا رہا۔ خلیفہ محمود کی پریشانیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ ہمارے مبلغوں کو
دیکھ کر مرزائی حضرات دانت پیس کر رہ جاتے تھے۔ مولانا عنایت اللہ صاحب ان دنوں بڑے
دوروں پر تھے۔ احرار کے جلسے کھلے میدان میں ہونے لگے۔ نماز عید بھی مرزائیوں کے مقابل
الگ ادا کی جاتی۔ اس میں شک نہیں مرزائی تعداد میں ہم سے بہت زیادہ تھے۔ ان کے ہاں
دولت کی فراوانی تھی پراپیگنڈا کے وسائل لامحدود تھے مگر رونق اور پاکیزہ جذبے کے اعتبار سے
تحریک حق کا غلبہ ہوتا جا رہا تھا اب میری گمنامی بھی ختم ہو چکی تھی۔ مجھ پر قادیان میں راہ چلتے
انگلیاں اٹھنے لگیں گل نور با قاعدہ مجھ سے چپکا ہوا تھا اور حق تو یہ ہے کہ وہ عجیب و غریب نوجوان
تھا مجھے گل نور کی زبانی معلوم ہوا کہ دربار خلافت مجھ سے بہت خفا ہے اس لئے مجھے مشورہ دیا
کہ میں اب قادیان چھوڑ دوں تو بہتر ہے۔ وہ بڑی ترکیب سے مجھے ہراساں کر رہا تھا۔ ایک روز
کہنے لگا کہ آپ چند روز کے لئے باہر چلے جائیں آپ کا یہاں رہنا درست نہیں۔ میں نے کہا
کیوں بھئی کیا بات ہے؟ کوئی بات اس کی زبان پر آ کر رک جاتی تھی۔

گل نور کا بھائی خلیفہ صاحب کی اردلی میں تھا وہ محل کے اندر بھی آیا جایا کرتا تھا۔ گل
نور کا وہی ذریعہ معلومات تھا۔ گل نور خود اندرونی حالات سے کما حقہ واقفیت نہ رکھتا تھا وہ مجھ پر
بھوت کی طرح سوار رہتا مگر اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ مجھے اندر کی ایک آدھ اطلاع صحیح

پہنچائے ورنہ اسے اپنا اختیار اٹھ جانے کا خدشہ تھا۔ مرزائی تو وہ تھا ہی پھر کس طرح ممکن تھا کہ وہ مجھے پریشان کرنے میں سعادت نہ سمجھتا ہو۔ میں نے جب اسے زیادہ کریدنا شروع کیا تو اس نے کہا کہ آپ کے خلاف سازش ہوئی ہے آپ کو بتا چکا ہوں کہ حضرت صاحب خفا ہیں میں نے کہا کہ میں یہاں اس لئے تو نہیں آیا کہ انہیں خوش دیکھوں وہ خفا ہیں تو میرے لئے بہت خوشی اور تسلی کی بات ہے پھر گل نور نے مجھے قادیان کے ظلم و ستم اور قتل و غارت کے قصے سنائے' میں اس کا مطلب سمجھ گیا میں نے مولانا عنایت اللہ صاحب سے کہا کہ کل جمعے میں خطبے سے پہلے مجھے بھی خطبہ دینا ہے۔

جمعہ کا دن

جب مجھے معلوم ہوا کہ مرزائیوں کے ارادے اچھے نہیں تو مجھے بھی مدافعت کی سوجھی۔ ہماری مسجد جہاں نماز جمعہ ادا کی جاتی تھی مرزائیوں کی عبادت گاہ کے بالکل سامنے واقع تھی۔ بیچ میں گلی' سامنے ہماری مسجد تھی۔ مسجد کا ملحقہ مکان مرزائیوں کا اپنا مکان تھا اس مکان میں مرزا محمود کا شارٹ ہینڈ رپورٹر ہماری مسجد کی تقریروں کو نوٹ کیا کرتا تھا۔ میں نے خطبے سے پہلے تقریر کرتے ہوئے ایک بے جوڑ سی بات کی میں نے کہا کہ یہ الہامات کی بستی ہے۔ مجھے ایک الہام ہوا ہے وہ سن لیجیے "آج کی بات یاد رکھئے گا کہ میری اور مرزا محمود کی زندگی ایک ہی ڈور سے بندھی ہے ادھر میں مارا جاؤں گا۔ اسی وقت زود چار منٹ کے وقفے سے مجھے مروانے والے کی موت واقع ہو گی۔" اس بے جوڑ جملے کے بعد میں نے اپنی تقریر کے ربط کو درست کر کے بولنا شروع کیا۔ مجھے نماز جمعہ کے بعد بعض دوستوں نے کہا کہ آپ نے یہ کیا بات کی تھی؟ میں نے ہنس کر ٹال دیا دوسرے دن مجھے حاجی عبدالرحمن صاحب نے بٹالے بھیجا۔ میں جب سٹیشن کی جانب پیدل روانہ ہوا تو دو مرزائی والنٹیر میرے باڈی گارڈ بن گئے۔ وہ مجھ سے کچھ تھوڑے فاصلے پر تھے مگر میرے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ بٹالے سے واپسی پر میں تانگے میں بیٹھ کر آ رہا تھا تو دو مرزائی سائیکل سوار تانگے کے پیچھے پیچھے آئے اس کے بعد کافی عرصہ میری حفاظت ہوتی رہی۔ تب گل نور کی معنی خیز گفتگو کا یقین آیا۔ اگر گل نور کی اطلاع درست نہ تھی تو میری حفاظت کے کیا معنی تھے؟ اس عرصے میں مرزا محمود کے مخالفین کی تعداد بڑھنے لگی۔ طبیعت شکی ہو تو اپنے خیر خواہ بھی مشکوک نظر آتے ہیں مرزائیوں کے بلیک بورڈ پر کئی بے گناہوں کے نام لکھے جانے لگے۔

مرزائیوں کے خطرناک ارادے

میں اپنے مرزائی ہمسایوں سے گہری واقفیت پیدا کرنا چاہتا تھا مگر وہ نیا قسم کے آدمی

تھے۔ سارا دن دوکان پر کتر بیونت میں لگے رہتے۔ تب میں نے یہ مناسب سمجھا کہ عورتوں کا کام عورتوں کے ہی سپرد کیا جائے۔ بیوی کو قادیان لا بٹھایا۔ عورتیں کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہوں آپس میں بہت جلد گھل مل جاتی ہیں۔ مجھے اس سلسلے میں کافی کامیابی ہوئی۔ ہمارے ہاں زنانہ جلسے بھی ہونے لگے۔ ہمسایوں سے تو بہت ہی بے تکلفی ہو گئی۔ قادیان کی فضا ہمارے لئے سازگار اور مد مقابل کے لئے کافی خراب ہو گئی ان دنوں گل نور کی آمدورفت ذرا کم ہو گئی۔ وہ مجھے ملتا تو تھا مگر پہلے سے کم۔ کچھ عرصے سے میری حفاظت کرنے والے بھی غائب تھے۔ بظاہر مجھے کوئی خطرہ بھی محسوس نہ ہوتا تھا کہ... ایک ایسا دن آیا جب میں اپنے مکان پر تنہا تھا حتیٰ کہ تبلیغی دفتر میں نہ مولانا صاحب تھے اور نہ کوئی اور مبلغ موجود تھا۔ شام کے وقت میں باہر سے گھوم پھر کر آیا تو مجھے یہ شام بھی اداس اداس سی معلوم ہوئی عشاء کے بعد سونے کی کوشش کی مگر نیند نہیں آئی۔ میں اوپر بالا خانے میں تھا دس گیارہ بجے کمرے سے باہر آیا۔ ہمسایوں کی دیوار کے ساتھ دارالقضا تھا۔ میں پیشاب کر کے باہر نکلنے لگا۔ دیکھا تو آسمان پر گہرے بادل چھا رہے تھے کچھ ترشح بھی ہو رہی تھی۔ مجھے دارالقضا کی دیوار کے پاس ہی جہاں ایک اینٹ نکل جانے سے سوراخ ہو گیا تھا مدہم سے آواز آئی یہ زنانہ آواز تھی۔ آہستہ آہستہ جیسے سرگوشیوں کی دبی ہوئی آواز ہو کوئی لڑکی کہہ رہی تھی "مولوی جی مولوی جی بھاگ جاؤ مولوی جی جلدی سے بھاگ جاؤ ہمارے مکان میں سات آٹھ آدمیوں کو بٹھا رکھا ہے یہ آدھی رات کو تمہیں مار ڈالیں گے۔" یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے؟ لڑکی نے پھر آواز دی تو میں نے اسے آہستہ سے کہا بچی میں نے سن لیا ہے تم جلدی سے چلی جاؤ کوئی تمہارے پیچھے نہ آ جائے اور تم کو دیکھ نہ لے۔ بادل گرجنے لگے میں کمرے میں آ گیا بارش تیز ہو گئی یوں سمجھئے کہ بادل ٹوٹ پڑا چھاجوں مینہ برستا رہا۔ جل تھل ہو گیا۔ آنکھ جھپکنے کی مہلت نہ ملی۔ تھوڑی دیر کے لئے میرے دل میں خوف تو پیدا ہوا تھا۔ مگر پھر دل نے کہا کہ جان پیاری تھی تو یہاں آئے ہی کیوں تھے بارش نے زیادہ شدت اختیار کی تو اور تسلی ہو گئی۔

صبح اذان ہوئی تو بکھرے ہوئے بادل بھی نرم پڑ گئے۔ اور بارش بھی بند ہو گئی۔ گلی میں پانی کی نہر چل رہی تھی۔ صبح میں نے تصدیق بھی کر لی کہ معاملہ تو واقعی خراب تھا مگر یار لوگ شائد بارش کے تھمنے کا انتظار کرتے رہے کہ صبح ہو گئی' میں جس کے بھروسے پر قادیان میں رہتا تھا وہ میرا سب سے بڑا محافظ تھا۔ اس گھر کی دو لڑکیاں مسلمان تھیں میری بیوی کی موجودگی میں وہ تائب ہو چکی تھی ایمان تو اس گھر کی بڑی بی کا بھی "ڈانواں ڈول" تھا مگر وہ مرزائیت کے خلاف قدم اٹھانے سے ہچکچاتی تھی۔

خوفناک سازش

مرزا محمود اور اس کے حواریوں نے تنگ آ کر بڑے پیمانے کی سازش کا اہتمام کیا اس سازش میں "بڑے بزرگوں" کا مشورہ شامل تھا۔ قادیان میں سکھوں کی آبادی بھی تھی۔ ایک سکھ ڈاکٹر پرائیویٹ پریکٹیشنر بھی موجود تھا۔ ایک دن باہر سے ایک گیانی صاحب تشریف لائے بڑے باوقار آدمی تھے۔ اچھے کپڑوں میں ملبوس بات کرنے کا ڈھنگ بھی نہایت معقول ان حضرت نے قادیان میں ڈیرہ ڈال لیا ہندو اور سکھ دوستوں نے ان سے میرا تعارف کرایا تو مجھے گیانی صاحب کی آنکھوں میں سازش کے ڈورے نظر آئے۔ میں نے انہیں کریدا تو وہ کچھ گھبرائے مگر ہوشیار آدمی تھے بہت جلد سنبھل گئے اور مجھے مطمئن کرنے میں ایک حد تک کامیاب ہو گئے بات ختم ہو گئی۔ مجھے خیال بھی نہیں رہا کہ قادیان میں باہر سے کوئی گیانی صاحب تشریف لائے ہیں وہ سکھوں ہی میں اٹھتے بیٹھتے اور انہیں سے زیادہ میل جول رکھتے تھے۔

آزمائش کی رات

شام کو نماز مغرب کے فوراً بعد مولانا عنایت اللہ صاحب' چودھری امام دین' دو تین اور ذمہ دار اور ہمدرد میرے مکان پر آئے بڑے غصے میں آتشیں جذبی ہو گئیں۔ اور بھنویں تنی ہوئیں مولانا اور چودھری امام دین نے مجھے آتے ہی غصے میں کہا کہ دیکھئے صاحب اب آپ ہمیں نہ روکئے گا۔ ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے ہمیں ان سکھوں سے آج ہی نپٹ لینا ہے ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں مگر اپنے بزرگوں کی قبریں نہیں اکھڑوا سکتے۔ وہ کھڑے کھڑے مجھ سے بات کر رہے تھے۔ میں نے انہیں بیٹھ کر آرام سے بات کرنے کے لئے کہا میں ان کی گفتگو سن کر سخت پریشانی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ بات یہ ہوئی کہ شام کے وقت باہر سے آئے ہوئے سکھوں نے مسلمانوں کی قبریں کھود کر مردوں کی ہڈیاں باہر بکھیر دیں وہ واپس ہو رہے تھے کہ دور سے کسی مسلمان نے انہیں دیکھا جو ادھر سے گزر رہا تھا۔ یہ اطلاع خاص اہتمام سے مولانا تک پہنچائی گئی چودھری امام الدین وغیرہ کو ہمراہ لے کر مولانا عنایت اللہ قبرستان پہنچے تو واقعہ صحیح اور اطلاع درست پائی۔ امام الدین غصے میں آ گیا۔ وہ جرنیلی طبیعت کا بہادر انسان تھا یہ تو غنیمت ہوا کہ وہ قادیان کے سکھوں سے بھڑ نہیں گیا مولانا کو ہمراہ لے کر میرے پاس پہنچا۔ کسی اور کو اس حادثہ کی اطلاع نہ تھی۔ میں اس خبر سے بہت ہی پریشان ہوا میں خاموشی سے اسی حیرانی کے عالم میں سوچ رہا تھا کہ یہ حضرات پھر بولنے اور کہنے لگے آپ کی سیاست کی وجہ سے ہم خاموش نہیں رہ سکتے ہم آج اس قصے کو ختم کر کے چھوڑیں گے۔

میں نے اپنے لئے ایسے موقعوں پر ایک خاص ڈھب پر چلنے کا فیصلہ کر رکھا ہے جب اس طرح جذبات برانگیختہ ہوں تو جذباتی رد عمل کو فوراً روکنے کا فیصلہ کرنے سے نقصان ہوتا ہے۔ برانگیختہ جذبات دل و دماغ کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ صحیح مشورہ اس وقت سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے ان حضرات سے کہا کہ یہ ذلت تو واقعی ناقابل برداشت ہے۔ اس کا تو ابھی فیصلہ کر لینا چاہئے۔ آپ ذرا تشریف رکھیں تاکہ بدلہ لینے کا مناسب اور کامیاب پروگرام بنا لیا جائے میرے مسلسل مطمئن ہو کر بیٹھ گئے' باتیں ہوتی رہیں' میں معنوی غصے میں تیزی دکھا کر انہیں کسی قدر ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آخری فیصلہ یہ ہوا کہ جو ہندو اور سکھ باہر نالے گئے ہوئے ہیں وہ رات کو ساڑھے آٹھ نو بجے گھر پہنچیں گے انہیں بھی آ لینے دیا جائے تاکہ کوئی باہر نہ رہ جائے۔ ان سے فیصلہ کن لڑائی صبح کو لڑی جائے گی۔ سب آمادہ ہو گئے۔ میں نے ساتھ ہی یہ کہا کہ اس غصے میں کوئی سازش کارفرما نہ ہو۔ کہیں ہم غلطی نہ کر بیٹھیں۔ سب نے کہا نہیں صاحب سکھوں نے یہ نامعقول حرکت کی ہے سازش وازش کچھ نہیں ہے' میں نے انہیں جب وہ گھر جانے لگے سمجھایا کہ رات خاموشی سے گذاریئے اور صبح اکٹھے ہو کر میرے پاس چلے آیئے تاکہ جو کچھ ہو مشورے سے ہو۔ وہ سب چلے گئے۔ میں رات بھر کروٹیں لیتا رہا۔ یا الٰہی یہ کیا مصیبت آ گئی۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ بڑی گہری اور کامیاب سازش معلوم ہوتی ہے۔ دعائیں مانگتا رہا اور پروردگار کے حضور التجائیں کرتا رہا کہ تو ہی اس مصیبت کے وقت سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے' ہم عاجز بندے بالکل بے بس ہو کر رہ گئے ہیں صبح نماز کے بعد دعائیں مانگتا رہا کہ غیبی امداد ہی نجات دلا سکتی ہے۔ عقل عاجز آ چکی ہے۔ میں فارغ ہو کر بیٹھا ہی تھا کہ مولانا عنایت اللہ صاحب ہانپتے آئے اور کہنے لگے کہ غضب ہو گیا تھا۔ اللہ نے بچا لیا اپنے حبیب کے صدقے میں ہمیں بروقت گمراہی سے بچا لیا۔ ماسٹر صاحب ہم بڑی گہری سازش کا شکار ہو گئے تھے۔ مجھے تسلی ہو گئی اور میں نے بے تابی سے دریافت کیا کہ بتایئے مولانا کیا قصہ ہوا؟

خطرناک کہانی

مولانا عنایت اللہ اذان سے قبل رفع حاجت کے لئے دور کھیتوں میں نکل جایا کرتے تھے وہاں سے واپسی کے دو راستے تھے ایک قبرستان کی جانب سے اور دوسرا اوپر سے یعنی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چونکہ قبرستان کا واقعہ مولانا کے دل و دماغ پر سوار تھا وہ قبرستان کے راستے سے گھر واپس آ رہے تھے ابھی اندھیرا تھا کہ مولانا کو قبرستان میں دور سے دو تین آدمی نظر آئے وہ دبے پاؤں درختوں کی آڑ میں وہاں پہنچے تو دیکھا کہ گیلانی صاحب اور دو مرزائی

موجود ہیں۔ ان میں سے ایک غالباً ناظر امور عامہ یا کوئی اور ذمہ دار مرزائی تھا۔ مولانا درختوں کی اوٹ میں اور آگے بڑھے ان تینوں میں آہستہ آہستہ گفتگو ہو رہی تھی پھر وہ کہیں میں تکرار کرتے ہوئے الجھے۔ گیانی صاحب فرماتے تھے کہ لائیے بقایا رقم دلوائیے مرزائی کہتے تھے کہ کام مکمل نہیں ہوا جو دیا ہے اسی پر صبر کیجئے۔ گیانی صاحب نے فرمایا کہ میں اپنا کام کر چکا ہوں سامنے سکھوں کے گاؤں میں اپنے آدمیوں کو تیار بٹھا کر آیا ہوں۔ قادیان کے مسلمان ہی کم بخت میدان میں نہ اتریں تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مولانا دبے پاؤں واپس لوٹے اور مسجد سے فارغ ہو سیدھے میرے پاس پہنچے اور مجھے یہ ساری داستان سنائی' تب میں نے مولانا سے عرض کیا کہ حضور والا کیا ہوتا اگر میں بھی جذبات کی رو میں بہہ جاتا۔ الحمد للہ کہ ہم کو خدا نے کڑی آزمائش اور گہری سازش سے بچا لیا۔ اگر قادیان میں سکھ مسلم فساد ہو جاتا تو ہندوستان کے کونے کونے میں یہ آگ پھیل جاتی۔ اور مرزائیت دامن بچا کر صاف نکل جاتی۔

میں نے اس واقعے کے بعد چودھری صاحب مرحوم کی خدمت میں لاہور ایک خط لکھا اور عرض کیا کہ قادیان میں سکھ مسلم فساد کی طرح ڈالی جا رہی تھی اللہ نے بچا لیا۔ خبردار رہئے گا۔ برطانوی شاطر سکھ مسلم فساد کا بیج بو رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہاں کی ناکامی کے بعد کسی اور جگہ بھی گل کھلایا جائے گا۔ مسجد شہید گنج کے حادثے سے کچھ دنوں پہلے قادیان میں یہ واقعہ ہوا تھا۔

ہمارا کام اور تیزی پکڑ گیا

گیانی صاحب تو دوسرے ہی دن نو دو گیارہ ہو گئے ہمارے لئے میدان زیادہ ہموار ہو گیا۔ باہر حضرت شاہ صاحب اور مجلس احرار کے دوسرے راہنماؤں نے جلسے کانفرنسیں اور تقریروں سے مرزائیت کا پوسٹ مارٹم کر دیا۔ قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی کا تاریخی بکس ہر جلسے میں موجود تھا۔ وہ مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں کو بے نقاب اور مرزائی لٹریچر سے مذہبی فریب کا پردہ چاک کر رہے تھے۔ مولانا لال حسین اختر اور مولانا محمد حیات نے بھرے جلسے میں بار بار مرزائی مبلغوں کو مناظرے کے لئے للکارا' مرزائیت دبک کر رہ گئی مگر برطانوی امداد سے مرزائیت کے پاؤں سرکاری دفاتر میں جم گئے۔ کلیدی آسامیوں پر مرزائیت کے اڈے پختہ ہو گئے ادھر مرزا محمود تو گھر بیٹھے تھے مگر سر ظفر اللہ کا طوطی بولنے لگا یہ گوشہ احرار کی دسترس سے باہر تھا۔ عوام محفوظ ہو گئے مگر خواص کو مرزائیت کے اژدھے نے ڈسنا شروع کر دیا۔ یہ کام بڑی احتیاط اور رازدارانہ انداز میں جاری رہا۔ مرزا محمود کا گردو پیش خراب ہو گیا' وہ گھبرا کر کسی محفوظ پہاڑ کی چوٹی تلاش کرنے لگے۔

نئی سازش

گل نور کو مجھ پر زیادہ اعتبار جمانے کے لئے اندر کی خبریں بتانے کے سوا چارہ کار نہ تھا ایک روز اس نے بتایا کہ کوئی سرکاری افسر موٹر میں آ کر واپس ہوا ہے یہ کوئی بڑا افسر تھا جو لاہور سے قادیان گیا تھا۔ میں نے اپنے طور پر پتہ لیا تو بات کی تصدیق ہو گئی کچھ دن بعد لاہور سے ہمارا ایک مخالف لیڈر قادیان پہنچا وہ بھی قصر خلافت کی سیر اور "حضرت صاحب" کی زیارت سے فیضیاب ہو کر واپس ہو گیا۔ اس خبر کی تصدیق ہو گئی' میں ان خبروں میں زیادہ دلچسپی نہ لیتا تھا۔

مسجد شہید گنج کا حادثہ

اچانک خبر ملی کہ سکھوں نے مسجد شہید گنج کو گرا دیا ہے۔ پنجاب میں آگ لگ گئی ہے۔ میں دوڑا دوڑا لاہور آیا۔ حالات خراب ہو چکے تھے۔ احرار کے قائد شہید گنج کی الجھن میں پھنسا دیئے گئے۔ مجلس احرار جس کا پنجاب میں طوطی بول رہا تھا کڑی آزمائش سے دو چار تھی۔ بہادر اور نیک دل رہنماؤں نے ناسازگار حالات کا جرأت اور مردانگی سے مقابلہ کیا مگر قادیان کی تقدیر کا پانسہ پلٹ گیا پہلے ہم نے انہیں دبا رکھا تھا۔ پھر انہوں نے ہم کو رگیدنا شروع کیا۔ لاہور اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں احرار کے خلاف جو قد آدم پوسٹر شائع ہوئے تھے انہیں میں نے قادیان کے ریلوے سٹیشن سے مختلف شہروں کو بک ہوتے دیکھا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ خطرناک کھیل کیسے کھیلا جا رہا ہے۔ میرا روز کا یہ کام تھا کہ کسی ترکیب سے ان بلٹیوں کے نمبر محفوظ کروں جن بلٹیوں کے ذریعے یہ پوسٹر قادیان سے بک ہوتے تھے میں مسجد شہید گنج کی تباہی اور مسلمانوں کی آپس میں سر پھٹول کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا اور نہ چاہتا ہوں کہ گڑے مردے اکھیڑے جائیں۔ میری ایڈی ٹی مرزائیت کے محاذ پر قادیان تک محدود تھی۔ غرضیکہ اس سازش سے احرار کے خلاف خوفناک آندھی اٹھی جو احرار کی ہر دلعزیزی' وقار اور محبوبیت کی چادر کو اڑا کر لے گئی۔ آندھی گذر گئی تو لوگوں نے آنکھیں مل مل کر دیکھنا شروع کیا وہ آج بھی دیکھ رہے ہیں مسجد گنج بھی نوحہ کناں ہے شاید مسلمان   اب بھی سمجھیں کہ مسجد شہید گنج کیا تھی ہے؟ ایک دل گداز واقعہ' عبرت انگیز سانحہ' برطانوی سیاست کا ایک شاہکار جو سیاست کا رخ بدل کر چلتا بنا لاالجھو یا اولوالا بصار۔

- جتی ہوئی بازی ہر جائے تو دل ٹوٹ جاتا ہے۔ حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ مگر احرار تو خدا جانے کس مٹی کے بنے ہیں۔ بیگانوں نے زخمی کیا اپنوں نے مارا۔ بھرنے کی راہیں ناہموار

ہو گئیں قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں مگر چلتے رہے۔ اس قافلے نے تھک ہار کر بیٹھ جانے والوں کو مڑ کر نہیں دیکھا۔ تیز نہ چلا جا سکا تو رک رک کر چلتے رہے۔ اندازہ تو لگایئے کہاں مخالفت کے سینے پر چڑھ کر بیٹھے تھے کہاں مخالف نے موقعہ پا کر خود بھی بھرپور وار کیا اور لطف یہ ہے کہ اپنوں سے بھی پڑ گیا۔ بہرحال یہ صبر آزما منزل احرار کے لئے بڑی ہی کٹھن تھی وقت گذر گیا تاآنکہ پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ آبادیوں کا جبری تبادلہ ہوا تو قادیان کے مسلمانوں پر دوہری مصیبت آئی۔ مولانا محمد حیات صاحب ان دنوں قادیان میں امیر جماعت کی حیثیت سے قیام فرما تھے۔ مرزائیوں کی بن آئی انہیں تو سر ظفر اللہ کے بھیجے ہوئے ہوائی جہاز بھی قادیان پر پرواز کر کے حوصلہ اور سہارا دیتے رہے باہر سے مسلمانوں کے لئے لاریاں اور ٹرک آئے وہ بھی مرزائیوں نے سنبھال لئے مرزا محمود تو برقعہ اوڑھ کر زنانہ سواریوں کے ہمراہ چل دیئے۔ فریب عقیدت مندوں کی وہاں بھی درگت ہوئی بہرحال مرزائیوں کا کعبہ اپنی جگہ قائم رہا۔ مرزا محمود کو ولایت واپس جانے سے قبل انگریز گورنر نے دوسرا کعبہ (ربوہ) اس سے بھی زیادہ محفوظ عطا کر دیا۔

پاکستان میں تحریک ختم نبوت

قادیان کی سرگذشت کہتے وقت بعض اہم گوشے سہواً نظر انداز ہو گئے مجلس احرار کو قادیان میں مستقل طور پر قدم جمانے میں جس بزرگ اور قابل احترام ہستی نے ہمارا ساتھ دیا مجھے سب سے پہلے ان کا ذکر کرنا چاہئے تھا۔

پیر شاہ چراغ

قادیان کے مسلمانوں کو مرزائیت سے محفوظ رکھنے کے لئے مخدوم و محترم پیر چراغ شاہ صاحب نے نہایت دانشمندی اور تدبر سے کام کیا۔ قادیان میں پیر صاحب کی اپنی جائیداد موجود تھی۔ مرزائیوں کے باغ کے بالکل متصل آبادی کے ایک کونے پر پیر صاحب موصوف کا چھوٹا سا باغ بھی تھا۔ پیر صاحب نے مرزائیوں سے بگاڑ پیدا نہ کیا بلکہ بڑی احتیاط سے لڑائی جھگڑے یا بحث مباحثے کے بغیر پیر صاحب مسلمانوں کو پیار و محبت اور حسن اخلاق سے اپنے گرد جمع رکھتے تھے پیر صاحب حکمت بھی کرتے تھے دور دراز سے لوگ علاج معالجے کی خاطر پیر صاحب کے پاس آتے رہتے تھے۔ قادیان کی بستی میں ارائیں، پکھوڑی اور کمہار برادری کے اکثر لوگ ان کے معتقد اور مرید تھے پیر صاحب کے معتقدین نے دل و جان سے احرار کا ساتھ دیا۔ احرار نے قادیان میں جو زمین خریدی پیر صاحب اس کے ثالث بھی تھے۔

ابتدا میں جب قادیان میں مجلس احرار کی بنیاد رکھی گئی تو مولوی علی محمد صاحب جو شیخ

برادری کے معزز رکن تھے مجلس احرار قادیان کے صدر بنے آپ نے آخر تک مجلس سے ہمدردی کا ثبوت دیا۔ آجکل مولوی علی محمد صاحب لائل پور (فیصل آباد) میں قیام پذیر ہیں۔ ایک شریف نوجوان فیض اللہ صاحب قادیان کے زرگر خاندان کا چشم و چراغ تھا اس بہادر نوجوان نے بڑی جرات سے احرار کا ساتھ دیا۔ اور مخلصانہ خدمت کی۔ آجکل فیض اللہ صاحب غالباً چنیوٹ میں قیام فرما ہیں۔ باہمت نوجوان ہیں میں نے سنا ہے کہ وہ چنیوٹ میونسپلٹی کے میونسپل کمشنر بھی ہیں۔

میاں لطیف الرحمٰن صاحب مجلس احرار قادیان کے جائنٹ سیکرٹری تھے۔ چودھری محمد طفیل مجلس احرار قادیان کے آفس سیکرٹری تھے۔ مجھے اس وقت یہی چند نام یاد تھے۔ کافی مدت گزر چکی حالات بالکل بدل گئے۔ نہ وہ قادیان رہی نہ قادیان والے ہی رہے۔ عرصے کی بات ہے کہ جو کچھ حافظے میں محفوظ تھا نوک قلم پر آگیا۔

ہمارے دل میں قادیان کے مسلمانوں کی اس لئے عزت و توقیر تھی کہ وہ کفر کے دہانے پر اپنے ایمانوں کو مضبوطی سے سنبھالے بیٹھے تھے غریب تو تھے مگر دولت ایمان سے مالا مال تھے۔ عورتیں، مرد بوڑھے، بچے بھی مخلص تھے مجلس احرار سے ان سب کو بے پناہ عقیدت تھی۔

تحریک تحفظ ختم نبوت اور پاکستان

کفر کا پودا جس نے برطانوی اقتدار کے سائے میں پرورش پائی تھی برطانوی استعمار کی موجودگی میں کیوں کر مرجھا جاتا۔ تاہم ناسازگار حالات میں مجلس احرار نے رد مرزائیت کے محاذ پر بے جگری سے جنگ لڑی۔ جب بھی مجلس کو موقع ملا مرزائیت کے قلعے پر امن یلغار کی مگر ہر بار یہی ہوا کہ برطانوی استعمار روک بن کر سامنے آیا مجلس احرار کو مرزائیت کی بجائے برطانوی استعمار سے ٹکرانا پڑا۔ ہر بار احرار کو لہولہان کر دیا گیا۔ احرار کی جدوجہد سے مسلمانوں میں بیداری اور مرزائیت کے خلاف جذبہ تو پیدا ہوا مگر حکومت کے سہارے مرزائیت کی تبلیغ کے لئے دوسری راہیں نکل آئیں۔ عوام کی بجائے مرزائیت نے سرکاری دفاتر کا رخ کیا اور مسلمانوں کی دکھتی ہوئی رگ کو جا پکڑا سر ظفر اللہ نے جب وہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بنے اونچے درجے کے مسلمان ملازمین پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ سر ظفر اللہ کی تبلیغ کا ڈھنگ بہت موثر تھا اس نے براہ راست ایمان پر حملہ نہیں کیا بلکہ بہت انوکھی ترکیب سے مسلمان ماتحتوں کو ہموار کیا اس نے مرزائیوں کو اپنے اثر و رسوخ سے ترقیاں دلوائیں۔ یہ

ترقیاں بڑی حیرت انگیز تھیں۔ ترقی یافتہ مرزائیوں نے سر ظفر اللہ کی نوازشات کے گیت گائے۔ دوسرے مسلمان ' سرکاری ملازمین ان ترقیوں کو دیکھ کر سوچ میں پڑ گئے شکایت بیکار تھی۔ وہ مسلمان جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ اپنے ماتحت مسلمانوں کی دستگیری نہ کرتے تھے لیکن مرزائیوں کے ہاں نقشہ بالکل الٹ تھا مرزائی سرکاری ملازمین نے سر ظفر اللہ کی قصیدہ خوانی کے ساتھ ساتھ مسلمان ملازمین کو بہکانا پھسلانا شروع کیا۔ ایک آدھ مسلمان کا ہاتھ پکڑا اور اسے بام ترقی پر پہنچا دیا۔ بعض کی سفارش کی اور ملازمت دلوادی اس طرح مسلمانوں ہی میں مرزائیت کے مبلغ پیدا کر لیے۔ جب یہ کام بڑی تیز رفتاری سے ہونے لگا اور یہ روح فرسا خبریں احرار کے کیمپ تک پہنچیں احرار نے پیچ و تاب کھایا مگر وہ اس معاملے میں بے بس تھے بڑے بڑے عہدہ دار مسلمان احرار کی باتوں پر بہت کم متوجہ ہوتے تھے۔ جو لوگ متوجہ ہوئے انہیں ظفر اللہ کی طرح حوصلے سے میدان میں اترنے کی جرات نہ ہوئی۔ ہر مسلمان سر ظفر اللہ کے عقیدے پر بیزاری اور نفرت کا اظہار کر سکتا ہے مگر جہاں تک مرزائیت کی تبلیغ کا کام ہے یہ ماننا پڑے گا کہ سر ظفر اللہ نے بڑی جرأت سے کام کیا وہ اس میدان کے بہت بہادر مبلغ ہیں اس قسم کی جرات مرزا محمود میں بھی نہیں ہے۔ وہ بھی کسی نازک جگہ پھنس جائیں تو مصلحت کوشی سے دائیں بائیں جھانکنے لگتے ہیں مگر یہ بات سر ظفر اللہ میں بالکل نہیں ہے وہ بے دریغ طبیعت کے انسان ہیں۔ چنانچہ ریلوے ممبر کی حیثیت سے جب انہوں نے مواصلات کا کام سنبھالا تو مرزائیوں کے لئے بڑی اور چھوٹی ہر قسم کی ملازمتوں کے دروازے کھل گئے۔ سر ظفر اللہ نے اپنے اثر و رسوخ سے بے پناہ کام لیا۔ مرزائیوں کو جگہ جگہ نوکر کروایا اور اس قدر ترقیاں دلوائیں کہ آج ریلوے کے اونچے عہدوں پر آپ کو مرزائی نظر آئیں گے۔ یہ بھی ہوا کہ بعض مسلمان افسر بھی محض سر ظفر اللہ کو خوش رکھنے کے لئے مرزا محمود کو حضرت صاحب کہہ کر "ایمان تازہ" کرنے لگے اور بعض ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

احرار کیا کرتے؟

مرزائی افسروں کا یہ عالم کہ وہ تو خم ٹھونک کر حوصلے سے میدان میں اتر آئے مگر اپنے مسلمان افسروں سے تعلق نہ تبلیغ دین سے ہمدردی۔ جب کبھی دین کی حفاظت کی بات آئے تو بزدلی سے طرح دے جائیں۔ تب احرار کے لئے اس کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا کہ وہ اس بے بسی کے عالم میں جہاں بھی انہیں معلوم ہو کہ کسی مسلمان ملازم کا ایمان تذبذب اور آزمائش میں ہے وہاں اپنے مبلغوں کو بھیجیں اور انہیں ہدایت کر دیں کہ احتیاط سے کام کریں۔ مرزائیت کے لٹریچر کا جواب دو' ان کے مبلغوں کو للکارو اور مرزائیت کے جال میں پھنسنے والوں کو

حتی الوسع بچانے کی کوشش کرے۔ ہزار دشواریوں کے باوجود ہمارے بعضوں کو بسا اوقات حیرت انگیز کامیابی بھی ہوئی۔ قاضی احسان احمد صاحب نے ایسے مشکل مرحلوں میں بڑی ہمت سے کام لیا اور بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا انہیں بڑے آدمیوں سے باتیں کرنے اور اپنی صحیح بات ذہن نشین کرا دینے کا ڈھنگ آتا ہے مگر مرزائیت کی "سرکاری فوج" یعنی سرکاری مرزائی ملازمین کے مقابلے میں جو دفتروں پر خوبصورتی سے قبضہ کر چکے تھے ہمارے پاس اتنے مبلغ نہ تھے کہ وہ ہر شہر میں مستقل اڈہ جما کر بیٹھیں اور مرزائیت کی ریشہ دوانیوں کا سدباب کریں ادھر انگریز کی سلطنت مرزائیت کا عروج اور ادھر احرار کی بے بسی اور قدم قدم پر مشکلات کا سامنا ان ناسازگار حالات میں ہر مبلغ اور احرار کے ہر کارکن اور راہنما کے دل سے یہی دعا نکلتی تھی کہ خدایا ایک بار برطانوی سامراج کو سر سے ہٹا اور پھر ہمیں توفیق دے کہ ہم مرزائیت کے جال کو تار تار کر سکیں۔ دعا قبول ہوئی برطانیہ چلا تو گیا مگر اپنے خود "کاشتہ" پودے کی جڑیں اس قدر مضبوط کر کے گیا کہ دنیا حیرت میں رہ گئی۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر

پاکستان کے ابتدائی حالات کسی سے پوشیدہ نہیں مسلمانان پنجاب اپنے ہی خون میں نہا کر جس طرح پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہوئے اس خونچکاں داستاں کو دہرانے کا یہ موقعہ نہیں مقصد یہ ہے کہ غافل قوم کو معلوم تو ہو کہ جب زخمی اور مجروح دل مہاجر واہگہ پار کر کے پاکستان میں روزانہ ہزارہا کی تعداد میں داخل ہو رہے تھے وہ جس حال میں تھے اور جو ان پر گزری تھی اس صورت حال سے دشمن بھی ترس کھانے پر مجبور تھا مگر ان دنوں یہ مرزائی کیا کرتے تھے؟ مجھے خدا توفیق دے کہ میں تفصیلاً عرض کر سکوں کہ ان مرزائیوں نے مسلمانوں کو انتہائی پریشانیوں میں مبتلا پا کر کس طرح اپنے ہاتھ رنگے اور مرزائی افسروں نے کارخانوں، دکانوں، ملوں، کوٹھیوں اور مکانوں پر مرزائیوں کا کس طرح قبضہ کرایا۔

حکومت کی پریشانی

نیا ملک نئے حاکم نئی رعایا حالات کی ناسازگاری حکمرانوں کی ناتجربہ کاری اس پر مستزاد یہ کہ روزانہ ہزارہا مسلمانوں کے قافلے مسلمانوں کی حدود میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ قافلے اپنے ساتھ درد ناک داستانیں لے کر آ رہے تھے۔ بھائی کہتا تھا میری جوان بہن کو کافر اٹھا کر لے گئے۔ ماں بیٹی کی عصمت لٹ جانے کا حال سنا رہی تھی۔ یتیم بچے ماں باپ کے ذبح ہو جانے کا ہولناک واقعہ بتا کر ہچکیاں لے رہے ہیں جوان بیوائیں خاوند کے شہید ہو جانے پر نالاں ہیں۔

بوڑھے والدین اکلوتے بیٹوں کی دردناک موت پر آنسو بہا رہے ہیں ڈرے اور سہمے ہوئے مسلمانوں نے گروہ در گروہ جب خالی ہاتھ پاکستانی شہروں کا رخ کیا تو حکومت کی نئی مشینری ان قافلوں کو سنبھال نہ سکی۔ تباہ حال لوگوں نے سڑکوں کے کنارے اور میدانوں میں ڈیرے ڈال لئے۔ اس بدحالی میں سینکڑوں مہاجر مرنے لگے وہ جس راہ سے گزرتے مرنے والوں کی قبریں بنا کر راہ گذر کی نشاندہی کا غمگین اشارہ چھوڑ جاتے۔ ان روح فرسا حالات میں امت مرزائیہ نے دوسرے طریقے پر سوچنا شروع کیا۔ باقاعدہ سکیم بنا کر مرزائی لیڈروں اور مرزائی افسروں نے اس ہنگامی دور سے فائدہ اٹھایا۔ سر ظفر اللہ خاں وزارت خارجہ کے عہدہ جلیلہ پر فائز امام تھے خلیفہ محمود نے انگریز گورنر سے کہا کہ جاتے جاتے ہمیں مستقل اڈہ بنا کر دے جاؤ۔ ازلی اور ابدی بہی خواہوں کو سہارا دو۔ گورنر نے ربوہ کا محفوظ مقام امت مرزائیہ کے لئے کوڑیوں کے دام میں یعنی برائے نام قیمت پر فروخت کروا ڈالا۔

چنیوٹ جو ربوہ سے بالکل قریب صرف دو تین میل کے فاصلہ پر آباد ہے وہاں کا ایریا مرزائیوں کے لئے مختص کرنے کے متعلق افسروں کو ہدایت ہوئی۔ یہاں صرف احمدی آباد کئے جائیں گے غرضیکہ جہاں بھی بس چلا مرزائیوں نے قبضہ جما لیا۔ مسلمان قوم اپنے زخموں پر پٹیاں باندھنے میں مصروف تھی مگر یہ مرزائی ماڈل ٹاؤن سے لے کر کراچی کے ساحل تک بلندیوں پر آشیانے بنانے میں کامیاب ہو گئے' ملوں اور کارخانوں میں معمولی حیثیت کے مرزائی کو حصہ دار بنا دیا گیا۔ کچے مکانوں کے مالک کوٹھیوں میں جا بسے اس لئے کہ وہ مرزائی تھے۔ مگر بعض مستحق مسلمان مہاجر آج بھی دس سال کی طویل مدت گذر جانے کے بعد سر چھپانے کو جگہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ مقامی مرزائیوں نے زمینوں اور مکانوں پر قبضہ کر لیا ظفر اللہ کے رشتہ داروں نے وہ مقامی تھے یا مہاجر زمینوں پر ناجائز قبضہ جمایا۔ آج بھی ڈسکے کی تحصیل میں کہیں نہ کہیں مقامی مرزائیوں کا قبضہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسی بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں ایک مرزائی مہاجر نے مختلف قصبوں میں الاٹ منٹ کرائیں کوئی تحقیقات کرے تو مرزائیوں کی لوٹ مار کا پتہ چلے مگر تحقیقات کون کرے جو ذمہ دار لوگ ہیں وہ اقتدار کی جنگ میں مصروف ہیں انہیں فرصت نہیں عوام کو سب کچھ معلوم ہے مگر وہ بچارے بے بس ہیں۔

متروکہ جائیداد کی تقسیم میں ربوے کی سفارشیں بہت کامیاب ثابت ہوئیں بڑا افسر اگر مسلمان ہے اور اہلمد مرزائی ہے تو سمجھئے کہ مرزائی ہی کی حکومت ہے ہمارے مسلمان افسر الاماشاء اللہ اس ذہن سے کبھی سوچتے ہی نہیں۔ ان میں عصبیت نام کو نہیں مرزائی اور مسلمان متروکہ جائیداد کے حصول میں الجھے تو مرزائی اس لئے کامیاب ہو جاتا تھا کہ اس کی پہنچ اور رسائی مضبوط ہوتی تھی۔ ہم ایسے مرزائیوں کو جانتے ہیں جو چھوٹے سے مکان کے مالک تھے مگر

آج وہ بہت بڑی مل میں حصے دار ہیں۔ لوہر ملی حترکہ پہ یوں ہاتھ مارا ادھر ہندوستان میں آنے جانے کی کوئی پابندی نہ تھی پاکستان اور قادیان کے ڈانڈے ملا لئے حکومت پاکستان اس لئے خاموش تماشائی بن کر رہ گئی کہ کیبنٹ میں سر ظفر اللہ خاں کا طوطی بولتا تھا کسی میں جرات نہ تھی کہ مرزائیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔

واقعات کی رفتار

پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر مرزائیوں کی بن آئی۔ یعنی پاکستان کیا بنا' بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ مسلمان مہاجر کی امنگیں اور آرزوئیں خواب پریشان بن کر رہ گئیں مرزائی پاکستان پر چھا گئے ادھر یہ صورت حال ادھر احرار مصیبت کے منہ آ گئے احرار کے خلاف مرزائیوں نے پراپیگنڈا کیا لیگیوں کو اکسایا۔ عوام طعنہ زنی پر اتر آئے حتیٰ کہ سنجیدہ طبقے کے لیگی بھی احرار سے کہتے سنے گئے کہ یہ لوگ یہاں کیا لینے آئے ہیں؟ مرزائیوں کے بہکانے پہ عوام نے فرسودہ اور بے بنیاد قصے دہرائے ہندوؤں کے "غلام بھارت کے ایجنٹ" اسلام کے دشمن جانے کن کن خطابات سے نوازا گیا جب یہ طعنہ زنی ہو رہی تھی میں اس وقت خوش قسمتی یا بدقسمتی سے پاکستان میں موجود نہ تھا بلکہ بھارت میں ڈیرہ لگائے اور دھونی رمائے بیٹھا تھا مسلمانوں کو معلوم ہے کہ میں لدھیانے میں "پناہ گیروں" کے کیمپ کا انچارج تھا (تقسیم ہند کے حالات جاننے کے لئے سرخ لکیر دیکھئے) مجھے تین ماہ نامساعد حالات میں خود حال مہاجرین کے ساتھ ٹھہرنے اور خدمت کرنے کا موقعہ ملا۔ کیونکہ مسلم لیگ کے راہنما تو قوم کو اس کے حال پر چھوڑ کر پاکستان چلے آئے تھے۔ تاکہ مال حترکہ کی "صحیح فہرست" تیار ہو سکے۔ تین ماہ بعد جب میرا کیمپ خالی ہو گیا تب مجھے پاکستان پہنچنے کا موقعہ ملا۔ یہاں پہنچا تو دیکھا کہ مسلم لیگی بھائی مست و سرشار ہو کر "اردو" بول رہے ہیں مگر ان بھائیوں نے میرا کچھ لحاظ کیا۔ جس کا مجھے آج بھی صدمہ ہے۔ میں اپنے عزیز ساتھیوں اور بزرگوں کے ہمراہ مسلم لیگ کے طعنوں میں برابر کا شریک ہونا چاہتا تھا مگر اپنے بھائیوں کے طعنوں سے محروم رہا۔ بہرحال احرار کو پاکستان میں چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا۔ احرار نے صبر سے وقت گزارا وہ زیادہ پریشان اس لئے تھے کہ مرزائیت کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی جا رہی ہیں اور مرزا محمود نے قادیان کی بجائے ربوہ کے قلعے کو زیادہ مضبوط کر لیا تھا۔ احرار کو یہ بھی معلوم ہوا کہ آزاد کشمیر میں بھی مرزائیوں کو کلیدی آسامیوں پر بٹھا دیا گیا ہے آنکھوں کے سامنے ملک و ملت کی تباہی کو دیکھ رہے تھے مگر حالات کی ناسازگاری اور جذباتی قوم کی بے رخی کی وجہ سے خاموشی کے سوا چارہ نہ تھا۔

تازیانہ

میں آپ بیتی لکھ رہا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں برسر اقتدار آ کر مرزائیوں کے دماغ کس طرح عرش پر پہنچ گئے تھے۔ ایک روز میں مرکزی دفتر احرار کے برآمدے میں کھڑا تھا کہ چند مرزائی نوجوان سامنے سڑک پر سے گزرے جونہی دفتر کی جانب دیکھا اور مجھے برآمدے میں مجلس احرار کے بورڈ کے قریب کھڑا پایا۔ مرزائی نوجوان رک گئے میری جانب دیکھا پھر بورڈ پر نگاہ ڈالی۔ ان میں سے ایک نے بڑے غرور اور تمکنت سے کہا "اوہو مجلس احرار ابھی تک موجود ہے۔" پھر بلند آواز سے کہا "بہت اچھا۔" مرزائی نوجوان چلے گئے میں بتا نہیں سکتا کہ میرے دل پر مرزائی نوجوانوں کے اس غرور اور تمکنت اور توہین آمیز لہجے نے کیا اثر کیا۔ میرے جذبات کو سخت ٹھیس لگی۔ دماغ کھولنے لگا میں کافی دیر برآمدے ہی میں کھڑا سوچتا رہا کہ یہ پاکستان تو مسلمانوں نے اپنے لئے بنایا تھا یہاں مرزائیوں کا راج ہوتا جا رہا ہے۔ مرزا محمود تو بڑے ہوشیار آدمی ہیں اگر سلطنت مل گئی تو وہ پاکستان پر مکمل قبضہ جمالیں گے ان مسلمانوں کو کس طرح سمجھایا جائے کہ وہ مرزائیت کے جال سے بچیں ان دنوں احرار کو ایسے خطرناک طریقے پر بدنام کیا گیا کہ قوم کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی ان حالات میں مرزائیت کے خلاف بات کرنا فائدے کی بجائے نقصان کا باعث تھا۔ مگر احرار کے لئے یہ بھی مشکل تھا کہ وہ بے خبر قافلے کو گہرے کنویں کی طرف قدم بڑھاتا دیکھیں اور خاموش رہیں یہ خاموشی مجرمانہ خاموشی تھی جسے احرار مناسب نہ سمجھتے تھے۔

حضرت امیر شریعت کی رہنمائی

مجلس احرار کے اراکین عہدہ داریوں کی الجھنوں میں کبھی نہیں الجھے جس رفیق کو جس عہدے پر بٹھا دیا وہی کام کرتا رہا باقی دوست اس کا ہاتھ بٹاتے رہے اتحاد کا یہ حال کہ ایک نے دوسرے کو کبھی یہ نہ پوچھا کہ تمہارا کس سے کیا تعلق ہے؟ یکجہتی کا یہ حال کہ ایک طرح سوچنا اور مل کر عمل کرنا عادت ثانیہ بن گئی۔ حضرت شاہ صاحب امرتسر میں بھرا گھر چھوڑ کر لاہور تشریف لائے یہاں سے اٹھے تو دور افتادہ علاقے یعنی خانگڑھ ضلع مظفر گڑھ میں ڈیرہ ڈال دیا۔ جب میں لدھیانے سے لاہور چلا آیا تو حضرت شاہ صاحب نے مجھے خان گڑھ بلا بھیجا وہ مجھے کوئی حکم دینا چاہتے تھے دو روز ان کی خدمت میں ٹھہرا رہا۔ میں نے دریافت کیا شاہ جی کیا حکم ہے؟ فرمانے لگے دیکھو بھئی میری بات مانو میں نے عرض کیا فرمایئے تو سہی حکم تو کیجئے حکم ہوا میں نے اچھی طرح غور کر لینے کے بعد فیصلہ کیا ہے تم صدر بن جاؤ میرے لئے شاہ صاحب کے ہر حکم کی تعمیل باعث مسرت اور سعادت تھی مگر میں صدارت کے لئے خود کو آمادہ نہ پا کر خاموش ہو گیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا بس تم مان ہی جاؤ اسی طرح کام ٹھیک چل سکے گا مجھے انکار کی

جرأت نہ ہوئی لاہور میں مجلس احرار کی کونسل کا اجلاس ہوا اور احراروں کی ملا میرے گلے میں ڈال دی گئی اس کے بعد مجھے شاہ صاحب نے پالیسی کے بارے میں ایک خط لکھا یہ تاریخی خط مجلس احرار کی نئی عمارت کا بنیادی پتھر بن گیا اس خط میں حضرت شاہ صاحب نے اعلان کیا کہ مسلم لیگ قوت حاکمہ ہے مجلس احرار میدان سیاست مسلم لیگ کے سپرد کر کے اپنی جدوجہد کو خالصتاً تبلیغ کے لئے وقف کرتی ہے احرار کے جس کارکن کو سیاسی کام کرنا مقصود ہو اسے مسلم لیگ کا ساتھ دینا چاہئے۔ اس اعلان کو عام کرنے کے لئے مجلس احرار نے ۱۹۴۹ء میں عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا۔ ہزارہا سرخ پوش احرار رضاکاروں نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ بھرے اجلاس میں حضرت شاہ صاحب کی تجویز منظور ہو گئی۔ یعنی مجلس احرار اور مسلم لیگ کش مکش ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی سچ تو یہ ہے کہ مجلس احرار نے بڑی جرات دلیری اور حوصلہ مندی سے مسلم لیگ کی فتح کا اقرار کیا اور اسے قوت حاکمہ تسلیم کر لیا۔ یہ ایک حقیقت بھی تھی۔ مگر احرار نے بڑی جرات دلیری اور حوصلہ مندی سے مسلم لیگ کی فتح کا اقرار کیا اور اسے قوت حاکمہ تسلیم کر لیا یہ ایک حقیقت بھی تھی۔ مگر احرار کا یہ صاف دلی کا اعلان مسلم لیگ کو راس نہ آیا اس کے سامنے سے "ٹارگٹ" (نشانہ بازی کا تختہ) ہٹ گیا۔ لیگی لیڈر اپنی نالائقیوں، کوتاہیوں اور بدعنوانیوں پر پردہ ڈالنے اور عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے احرار کے خلاف پراپیگنڈا کر کے اپنی جان چھڑا لیا کرتے تھے۔ اب احرار تو سامنے سے ہٹ گئے لیگیوں کو تیراندازی کی عادت پڑ چکی تھی سامنے احرار نظر نہ آئے تو وہ آپس میں الجھ پڑے۔ لیڈر نے لیڈر کی پگڑی اچھالی اور کارکنوں نے کارکنوں کے گریبانوں میں ہاتھ ڈال دیئے ہمیں مسلم لیگ کی اس تباہی سے کوئی خوشی نہ تھی ہم سمجھتے تھے کہ وہ جماعت جو پاکستان کو معرض وجود میں لانے کی ذمہ دار ہے اس کو قائم رہنا چاہئے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملکی نظام کو احسن طریقے پر چلائے اس لئے کہ بنانے والے بگاڑنے سے پرہیز کریں گے انہیں دکھ ہو گا کہ کل جسے محنت سے بنایا ہے اسے تباہ نہ ہونا چاہئے مگر مسلم لیگ کے ذمہ داروں نے نہایت ہی غیر ذمہ دارانہ حرکتیں شروع کیں مسلم لیگ کو مجلس احرار سے میدان سیاست میں مخالفت تھی جب احرار نے سیاست سے کنارہ کشی اور توبہ کر لی تو مخالفت ختم ہو گئی احرار کو تبلیغی میدان میں آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ تبلیغی کانفرنسیں ہونے لگیں۔ احرار رہنماؤں نے چند مہینوں میں فضا ساز گار بنا لی اور پنجاب کے کونے کونے میں مسلمانوں کو بیدار کیا۔ مرزائیت بے نقاب ہونا شروع ہوئی مرزائی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک ہونے لگا مسلمانوں نے احرار کی بات سنی اسے جانچا تولا اور پرکھا۔ حق دلوں میں اترنے لگا مرزائیوں کے پراپیگنڈے نے احرار کو جس مقام سے گرایا تھا وہ مقام احرار کو دوبارہ حاصل ہو گیا۔ احرار کے سخت جان اور آتش بیان مقررین نے مرزائیت کی

دھجیاں بکھیرنا شروع کر دیں تھیں اور مذہبی امن کے مسلم لیگیوں نے احرار کا ساتھ دیا۔ مرزائیت کا مقابلہ اس لئے مشکل تھا کہ مرزائیت کا کھونٹا بڑا مضبوط تھا چوہدری سر ظفر اللہ خاں وزارت خارجہ کا قلمدان سنبھالے بیٹھے تھے۔ وہ ہمارے مسلمان وزیروں حتیٰ کہ وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین پر بھی بھاری تھے۔ چوہدری صاحب نے ساری کیبنٹ پر رعب جما رکھا تھا خواجہ ناظم الدین بیچارے نیک قسم کے بزرگ تھے وہ بظاہر با حوصلہ نظر آتے تھے مگر اندر خانے سر ظفر اللہ خاں سے مرعوب تھے غرضیکہ مرکز میں سر ظفر اللہ کا طوطی بولتا تھا ربوہ کی اہمیت بڑھنے لگی مرزائیوں کے سالانہ جلسے پر مرزائی سرکاری ملازم دندنا کر جانے لگے وہ اپنے ہمراہ مسلمان ماتحتوں کو بھی لے جاتے بعض دلیر مرزائی افسر اپنے بڑے افسروں تک کو یہ بھرا دے کر لیجانے میں کامیاب ہو گئے کہ چلئے سر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ سے ملاقات کر لیجئے گا چنانچہ ریلوے کے ایک بہت بڑے افسر کو ہانک کر ربوے لے گئے ایک مرزائی ریلوے افسر جس کا ہیڈ کوارٹر غالباً لائلپور تھا ریل کا پورا ڈبہ دورے کے بہانے ربوہ لے گئے اور اسی میں مرزائیوں کو سوار کرا لیا یہ دھاندلی کھونٹے کے زور پر تھی احرار میں ابھی اتنی جان اور مقبولیت نہ آئی تھی کہ وہ بڑے مرزائی افسروں کے منہ آتے یا اگر شور مچاتے تو شنوائی کی امید ہوتی۔ مگر مجلس احرار کے معزز رہنما جو کچھ ہو رہا تھا اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے اور ٹھنڈا سانس لے کر خاموش ہو جاتے ابھی صرف یہ کیفیت تھی کہ کھویا ہوا مقام حاصل ہو گیا عام تبلیغ کانفرنس ہونے لگیں۔ لوگ تحفظ ختم نبوت میں زیادہ دلچسپی لینے لگے مگر احرار میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اعلیٰ حکام یا مسلمان وزرائے کرام کو متوجہ کر سکتے تاہم مرزائیت کے خلاف تبلیغ کے لئے میدان صاف ہو گیا۔

مجلس احرار اسلام

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں' مجلس احرار اسلام جو اس محنت کی بہت بڑی داعی تھی ۱۹۴۹ء میں اپنی سیاسی حیثیت ختم کر کے صرف اسی محاذ پر کوشاں تھی اور اس کے بے شمار کارکن سیاسی کام کرنے کے لئے مسلم لیگ میں شامل ہو چکے تھے' اگرچہ احرار کا یہ فیصلہ ایک بہت بڑی سازش کا نتیجہ تھا حکومت کے افسروں میں بیورو کریسی کے نمائندوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ ملک میں مسلم لیگ پر زوال کا آغاز ہو چکا ہے رد عمل کے طور پر لوگ دن بدن مسلم لیگ سے بدظن ہو کر قدرتی طور پر کسی اور جماعت کی حمایت کے لئے مجبور تھے احرار کلمہ حق بلند کرنے کے عادی تھی ان کے کلمہ حق کا آغاز ہو چکا تھا۔ مجلس احرار ملک کی اپوزیشن جماعت کی حیثیت سے مقبول ہو رہی تھی۔ اور اگر احرار لیڈر سازش کا شکار نہ ہوتے تو مسلم لیگ کے بعد احرار

ہی ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت اور ملک کی اپوزیشن پارٹی بن جاتے۔ لیکن وہ بیوروکریسی کی مستوی اولاد کی چالوں کو نہ سمجھ سکے' اور نہایت سادہ لوحی کا مظاہرہ کر کے سیاسی طور پر مات کھا گئے۔

میں وی او تھے ای پایا

مجھے یاد ہے کہ لاہور میں احرار کانفرنس ہوئی۔ دس ہزار رضا کار جمع تھے۔ جب کارکنوں کا خاص اجلاس منعقد ہوا تو اس میں جماعت کی سیاسی حیثیت ختم کرنے کی قرارداد پیش کی گئی۔ اس کے الفاظ بڑے خوبصورت تھے۔ کہ جماعت آئندہ تبلیغی کام کرے گی۔ کارکنوں اور رضاکاروں کو سخت صدمہ تھا۔ لیکن کوئی پیش نہیں جا رہی تھی۔ حضرت امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ پہلے تو کارکنوں اور رضاکاروں کے حق میں رہے۔ آخر انہیں بھی باقی لیڈروں نے خدا جانے کیا کہہ کر رام کر لیا۔ رات کو احرار کونسل کا اجلاس ہوا تجویز پیش کی گئی کہ جماعت کو سیاسی طور پر ختم کر دیا جائے۔ تبلیغی کام کرے' اور جس نے سیاسی کام کرنا ہو' وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے کرے شاہ صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بھائی اپنی اپنی رائے دو غالباً ڈسکہ ضلع سیالکوٹ کا ایک کارکن کھڑا ہو گیا اس نے کہا شاہ جی میں ایک بات سنانا چاہتا ہوں اور اس کے بعد اپنی رائے عرض کروں گا۔ ایک فقیر تھا نعت خوانی وغیرہ کر کے گداگری کیا کرتا تھا۔ اس کا ساتھی مر گیا اب اسے کسی دوسرے ساتھی کی ضرورت پڑی اس نے ایک راہ گیر کو کچھ معاوضہ پر ساتھ رکھ لیا۔ راہ گیر نے عرض کیا میری ڈیوٹی کیا ہو گی۔ نعت خواں نے کہا جو مصرعہ میں پڑھوں تو اسی طرح اسے دہرا دیا کرنا راہ گیر نے کہا بہت اچھا صبح سویرے ایک امیر کے دروازے پر جا کر اس نے کچھ پڑھنا شروع کیا اور یہ مصرعہ پڑھا لوتا بھریا نور والے منڈھ ہونے دے پایا۔ راہ گیر کو مصرعہ تو پڑھنا نہ آیا' اس نے جھٹ کہا "میں وی او تھے ای پایا" جنرل کونسل کے تمام منتظمین ہنس پڑے کارکن نے یہ لطیفہ سنا کر سب کو ہنسا دیا۔ لیکن خود بڑی سنجیدگی اور گلوگیر آواز سے کہنے لگا شاہ جی آپ ہم سے کیا رائے پوچھتے ہیں جو فیصلہ آپ کا وہ ہمیں منظور ہے۔ ہماری سمجھ میں یہ فیصلہ نہیں آ رہا لیکن اگر آپ کا حکم ہے تو ہمیں منظور ہے۔ بہرحال مجلس احرار اسلام سیاسی حیثیت سے ختم کر دی گئی۔ اس فیصلے کے غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ اس فیصلہ کا خیر مقدم افسر شاہی کے بیٹے خواجہ ناظم الدین نے بذریعہ تار کیا اور نوائے وقت کے مشہور آفاق ایڈیٹر حمید نظامی نے مقالہ تحریر کر کے لکھا کہ یہ نادان گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا۔

فیصلہ کے روشن پہلو

اگرچہ سیاسی طور پر یہ فیصلہ غلط تھا لیکن اس فیصلے کے کچھ روشن پہلو بھی تھے۔ مجلس احرار کے سلجھے ہوئے سیاسی کارکن مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اگرچہ مسلم لیگ کے لیڈروں نے احرار لیڈروں پر اپنے دلوں کے دروازے بند رکھے لیکن کارکن اور رضا کار لیگ میں کافی اثر و رسوخ حاصل کر گئے مسلم لیگ اور احرار کی چپقلش ختم ہو گئی۔ تعصب کم ہو گیا اب مجلس تحفظ ختم نبوت اور احرار کے رہنما جو بات عوام کو قادیانیت کے فتنہ سیاہ کے متعلق کہتے تھے وہ لوگ بلا تعصب سننے لگے۔ خود مسلم لیگ میں ایک بہت بڑا حلقہ اس خطرے کو سوچنے اور سمجھنے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ تحریک تحفظ ختم نبوت عوام میں مقبول ہونے لگ گئی۔ دوسرے طرف تحفظ ختم نبوت کی تحریک کے رہنماؤں نے اہل حدیث' بریلوی اور شیعہ مکاتب فکر کے علمائے کرام کا تعاون حاصل کرنا شروع کر دیا پورے مغربی پاکستان میں عظیم کانفرنسیں ہوئیں۔ لاکھوں کے اجتماع حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سحر آفریں تقریریں' قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کی مدلل اور پر جوش تقریروں نے عوام کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کی خاطر ہر قربانی کے لئے آمادہ کر دیا۔

قادیانی درویش

ماسٹر تاج الدین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مجلس احرار کے ترجمان روزنامہ "آزاد" نے تحریک تحفظ ختم نبوت کو اچھا خاصا سہارا دیا۔ احرار کے کیمپ میں اطلاع ملی کہ دس بیس مرزائی روزانہ پاکستان سے قادیان جاتے ہیں۔ انہیں کوئی نہیں روکتا مسلمان اگر بھارت جانا چاہیں تو انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ہم نے اس پر احتجاج کیا مگر بہرے قانون نے ہماری بات نہ سنی۔ مرزائیوں نے ربوے سے اعلان کیا کہ قادیان میں ۳۱۳ درویش مستقل طور پر قیام کریں گے۔ اس بہانے مرزائیوں نے پھر قادیان کا رخ کیا۔ آزاد نے پھر ایک نوٹ لکھا کہ بھئی یہ ۳۱۳ کی گنتی کبھی مکمل بھی ہوگی! تب دربار خلافت سے الفضل کے ذریعے اعلان ہوا کہ یہ لوگ قادیان میں ٹھہرتے نہیں یہ درویش کہلائیں گے۔ آئندہ کے لئے یہ پروگرام ہے کہ دس درویش یہاں سے جائیں گے جب وہ قادیان پہنچیں گے تو پہلے دس درویش واپس آ جائیں گے۔

یہ مرزائی دس دس کی تعداد میں درویش بن کر قادیان جاتے رہے اب کون چیک کرے کہ ادھر سے کوئی واپس بھی آتا ہے کہ نہیں غرضیکہ مرزائیوں کی بھارت میں آمدورفت کے لئے پھاٹک کھلا رہا ان مرزائیوں کی راہ میں نہ کوئی سنگ گراں تھا اور نہ کوئی قدغن۔ احرار نے

اس پر بار بار احتجاج کیا مگر شنوائی نہ ہوئی۔

کشمیر کا راستہ

یہی صورت حال کشمیر میں تھی ایسی خبریں سننے میں آتی رہیں کہ مرزائی اس پار سے اس پار آتے جاتے رہتے ہیں مگر ہم نے اس پر توجہ نہ دی۔ آزاد کشمیر سے اطلاع موصول ہوئی کہ وہاں مسلمانوں کی آپس میں دھڑا بندی اور چپقلش ہو رہی ہے۔ احرار کا ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے جہاں اس قسم کی گڑبڑ ہو اس میں اکثر بیگانہ ہاتھ ہوتا تھا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اکثر کلیدی آسامیوں پر مرزائی حضرات کا قبضہ ہے ہمیں اس اطلاع سے سخت تشویش ہوئی۔ آزاد کشمیر میں بعض واقعات ایسے رونما ہوئے جنہیں دبا دیا گیا۔ ہم بھی انہیں نظر انداز ہی کر رہے ہیں۔ انہی دنوں کوہاٹ میں ایک خطرناک حادثہ پیش آیا اس کا تعلق فوج سے تھا یہاں ایک مرزائی فوجی افسر نے خودکشی کر لی تھی اس واقعہ کی خبر "الفلاح" پشاور میں شائع ہوئی۔ ہم نے اس خبر کو پڑھا تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آزاد میں الفلاح کے حوالے سے یہ خبر شائع ہو گئی تو جس نے اس خبر کو پڑھا سنانے میں آگیا۔ مسلمانوں نے مرزائیوں کو غیر معتبر سمجھنا شروع کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا محمد عبداللہ ایڈیٹر الفلاح کو مقامی حکام نے بلا کر کہا کہ آپ نے یہ خبر کیوں شائع کی۔ مولانا نے کہا کہ یہ صحیح خبر ہے اس لئے میں نے اسے شائع کر دیا تھا۔ بہرحال انہیں کہا گیا کہ ایسی خبریں شائع کرتے وقت ذرا احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ اس طرح سرکاری مشینری مرزائیت کے زیر اثر کام کر رہی تھی۔ یعنی مرزائیوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی بجائے الٹا مولانا کو بلا کر مہذب الفاظ میں تنبیہہ کر دی۔ احرار نے اس خبر کو ایک بار شائع کیا اس پر کوئی نوٹس نہیں تھا اور نہ اس کا تذکرہ تبلیغ کانفرنسوں میں کیا اس لئے کہ اوپر کا طبقہ مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں پر توجہ نہ دیتا تھا اور سر ظفر اللہ کے اقتدار نے مرکز میں مضبوط پریک لگا رکھا تھا جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں سر ظفر اللہ نے مرزائیت کے لئے بڑے حوصلے سے کام کیا اور بے پناہ کام کیا۔

گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر

ملک تقسیم ہونے لگا تو امت مرزائیہ کو اپنی انفرادیت کے پراپیگنڈے کی سوجھی مرزائی یہ جتانا چاہتے تھے کہ وہ ایک علیحدہ اقلیت ہیں جسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے چنانچہ مرزائیوں نے اپنی اہمیت جتانے کے لئے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں مرزائی فوجی افسروں کی فہرست شائع کی اس پمفلٹ کے ذریعے مرزائیوں نے خوب پراپیگنڈا کیا۔ روزنامہ "آزاد" میں مرزائی

فوجی افسروں کی فہرست شائع ہوئی تو سر ظفر اللہ خاں نے کان کھڑے کئے اور مرکزی حکومت کی مشینری حرکت میں آ گئی۔ مرکز نے تار ہلایا تو گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر نے مجھے گورنمنٹ ہاؤس میں بلا بھیجا۔ میں تیاپ کے گھوڑے دوڑاتا ہوا حاضری کے لئے تیاری کرنے لگا۔ مجھے کبھی یہ خیال آتا کہ سردار صاحب مذہبی قسم کے آدمی ہیں مرزائیت کے سلسلے میں ہمیں تھپکی دیں گے اور حوصلہ دلائیں گے کبھی خیال آتا کہ ہم نے سیاست سے کنارا کر لیا ہے لیگ کے لئے کام کا میدان کھلا ہے شائد تعاون کے بارے میں کوئی مشورہ ہو گا۔ کبھی خیال آتا کہ نشتر صاحب نے مذہبی ماحول میں پرورش پائی ہے یہ پرانے خلافتی ہیں سر ظفر اللہ خاں کی مرزائیت نوازی دیکھ کر ان کی رگ حمیت پھڑک اٹھی ہو گی شائد احرار کے لئے اپنی تنخواہ میں سے سر ظفر اللہ کی طرح کچھ رقم وقف کر دیں گے یا مالی امداد کا وعدہ فرمائیں گے کبھی یہ گمان ہوتا کہ حضرت شاہ صاحب سے انہیں بڑی عقیدت رہ چکی ہے شائد عقیدت کی رگ پھڑک اٹھی ہو اور میری معرفت خیریت دریافت فرمانے کو بلایا ہے بہر حال میں تصورات کی دنیا میں خوش خوشی کے قلعے بناتا ہوا گورنمنٹ ہاؤس میں حاضر ہوا۔ نشتر صاحب شریف' ملنسار اور بڑے ہی خلیق انسان ہیں جونہی میں نے کارڈ بھیجا مجھے فوراً بلا لیا محبت سے ملے مگر علیک سلیک کے فوراً بعد وہ صرف گورنر رہ گئے۔ آزاد اخبار کی کاپی دکھا کر فرمانے لگے یہ آپ کا اخبار ہے؟ جی' ہاں۔ یہ فہرست آپ نے شائع کی ہے؟ میں نے عرض کیا جی فرمانے لگے معلوم ہے آپ نے اس فہرست کو شائع کرکے کتنا بڑا جرم کیا ہے اور اس سے پاکستان کو کس قدر نقصان پہنچا ہے؟ میرے تو طوطے اڑ گئے یاالٰہی وہ فہرست جسے مرزائیوں نے ہزار ہا کی تعداد میں شائع کرکے دفتروں میں تقسیم کیا' شہروں میں بانٹا اور جس فہرست کے خود مرزائیوں نے خوب ڈھول پیٹے اسے مجلس احرار نے شائع کر دیا تو کیا جرم کیا؟ میں نے سنبھل کر عرض کیا کہ سردار صاحب میں نے اسے کچھ اہمیت نہیں دی اس سے کیا نقصان ہوا ہے؟ یہ تو بے ضرر سی چیز ہے اخبارات میں ایسا کچھ چھپتا ہی رہتا ہے فرمانے لگے کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ اس سے کیا نقصان ہوا؟ میں نے باادب عرض کیا کہ مجھے سمجھائیے تاکہ آئندہ کے لئے احتیاط کی جائے سردار صاحب نے دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ ان کے صوبہ سرحد میں میجر جنرل نذیر صاحب تمام سرحد کے انچارج فوجی افسر ہیں۔ یہ بتا کر فرمانے لگے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ صوبہ سرحد بارودی صوبہ ہے۔ مرزائیوں والی بات وہاں چل نکلے تو خدا جانے کیا قیامت آ جائے دوسری بات سردار صاحب نے یہ فرمائی کہ اس بات کا پراپیگنڈا کابل ریڈیو بھی کرتا رہا ہے۔ خدا کے لئے پاکستان کی رسوائی کا تو سامان نہ کیجئے۔ چنانچہ سردار صاحب کی پہلی بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا مگر دوسری بات نے مجھے کسی قدر اکسایا۔ میں خود اسے پسند نہ کرتا تھا کہ ہمارا نام

لے کر کابل ریڈیو ہمارے ہی ملک کے خلاف پراپیگنڈا کرے۔ ویسے کابل والوں کو شاید اس فہرست سے زیادہ لمبی اور تازہ فہرست کا علم ہی ہو مگر مجھے آخری بات نے ضرور متاثر کیا اور میں نے سردار صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ میں حتی الوسع احتیاط سے کام لوں گا۔ سردار صاحب نے یہ بھی آخر میں فرمایا کہ انہیں مرکز سے ایکشن لینے کی ہدایت ہوئی تھی مرکز کا نام سن کر سر ظفراللہ خاں کا تصور میری آنکھوں کے سامنے "موجود ہوا۔

اس واقعے سے میں کسی قدر مایوس ہوا مجھے یہ شک گذرا کہ مرکز مرزائیت کے اشاروں پر چل رہا ہے مسلمان وزیر محض وزیر ہیں وہ سر ظفراللہ کے آڑے نہیں آسکتے سر ظفراللہ کی پوری مشینری پر لگائیں ہیں وہ کسی پرزے کو ادھر ادھر ہلنے نہیں دیتے اور جس طرح چاہتے ہیں چلاتے ہیں۔ اس وقت تو صرف شک ہی تھا مگر آخر میں یہ شک یقین میں بدل گیا۔

دوسری ملاقات

پہلی ملاقات میں سردار صاحب نے مجھے بحیثیت ملزم بلایا تھا مگر ان کا سلوک شریفانہ تھا دوسری بار میں خود حاضر ہوا اور مرزائی افسر کی خودکشی کا ذکر ہوا تو سردار صاحب نے "انقلاب" کا وہ پرچہ جسے میں اپنے ہمراہ لے گیا تھا ملاحظہ فرمایا جس میں اس واقعہ کی خبر درج تھی چنانچہ انہوں نے پشاور سے اخبار منگوا کر شاید اپنے پاس کسی مثل میں رکھنا یا اسے اوپر بھیج دیا۔ بہرحال اس واقعے کی اطلاع پاکر سردار صاحب کو مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں کے بارے میں کھٹک ضرور پیدا ہوئی۔ شاید اسی کھٹک نے سردار صاحب کو جب وہ گورنری چھوڑ کر مرکز میں منسٹر بنے تو مولوی منسٹر کا خطاب دلوایا۔

فرقان بٹالین

ربوہ مرزائیوں کا قلعہ بن گیا پہاڑیوں کے دامن میں دریا کے کنارے پر چل سے اس پار چنیوٹ سے بالکل قریب بہت بڑا قطعہ زمین مرزائیوں کو جب تقریباً مفت کے دام پر دستیاب ہو گیا تو مرزا محمود نے خود کو قادیان سے زیادہ محفوظ' زیادہ طاقتور اور زیادہ باوقار محسوس کیا جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں' مرزا صاحب اعلیٰ درجے کے سکیم ساز ہیں انہیں اس قلعے میں محفوظ بیٹھ کر سلطنت کے خواب آنے لگے۔ خواب کیا وہ جاگتے ہوئے اپنی آنکھوں سے اپنی سکیموں کو کامیاب ہوتے دیکھنے لگے ربوے میں مرزائی نوجوانوں کو فوجی ٹریننگ دینے لگے فوج میں اپنے آدمیوں کو داخل کرنے لگے۔ میں یہاں کسی تفصیل میں نہیں جاؤں گا مجھے صرف ایک واقعہ عرض کرنا ہے۔ کشمیر میں گڑبڑ کے بعد مرزا محمود نے اپنی انفرادیت قائم رکھنے اور انفرادیت سے

فائدہ اٹھانے کے لیے مرزائی نوجوانوں کی فرقان بٹالین فوجی محاذ پر پہنچا دی ادھر الفضل نے فرقان بٹالین کا پراپیگنڈا کیا ادھر احرار نے خطرے کا الارم کیا اور حکومت اور عوام کو خبردار کیا کہ دیکھو مرزا محمود کس طرح فوج کو متاثر کر رہا ہے پراپیگنڈا اس قدر تیز ہوا کہ احرار رہنماؤں نے پشاور سے لے کر کراچی تک کے ڈانڈے ملا دیئے۔ مجبور ہو کر انگریز کمانڈر ان چیف کو فرقان بٹالین توڑنا پڑی مگر یہ مرزائی بٹالین اب تک یہ ثابت نہ کر سکی کہ وہ سرکاری رائفلیں کہاں ہیں جو انہیں بٹالین میں استعمال کے لئے دی گئی تھیں۔ ان رائفلوں کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوئیں مگر اس وقت کی حکومت ان اعتراضات کو ٹھنڈا شربت سمجھ کر پی گئی۔ بٹالین ربوے واپس گئی تو اس کا استقبال ہوا اور اس کے بعد ربوے کی پہاڑیوں کی اوٹ میں فوجی پریڈ ہونے لگی۔ ان پریڈوں کے اثرات کا یہ نتیجہ ہوا کہ مرزا محمود صاحب کو بڑے مزیدار خواب آنے لگے۔

کارتوس ختم ہو گئے

فوجی رائفلیں تو خیر فوجی ہوتی ہیں امت مرزائیہ کے پاس لائسنس کا اسلحہ بھی کافی ہے۔ لائسنس کے اسلحہ کے لئے چونکہ کارتوس کی تعداد مقرر ہے اس لئے ان سے گزارہ نہیں چلتا۔ خصوصاً اس صورت میں جب بٹالین بازی اور فوجی تیاریوں کا شوق حد سے بڑھ جائے تو گنتی کے کارتوس کام نہیں دیتے۔ ربوے میں کسی مسلمان کو بلا اجازت داخل ہونے کی ممانعت ہے۔

(موصوف نے یہ مسودہ ۵۸ء میں تحریر فرمایا اب اللہ رب العزت کا فضل ہے کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی طرف سے قائم کردہ آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان میں شامل تمام مکاتب فکر کی کاوشوں سے ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کی کامیابی کے بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مساجد، مدارس، دفاتر وہاں پر قائم ہیں ہر سال اکتوبر میں عالمی مجلس کے زیر اہتمام آل پاکستان ختم نبوت کانفرنس بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوتی ہے۔ ربوہ کی سیکنڈی کے تمام محکموں کا سرکاری عملہ مسلمان ہے۔ اب وہ دن گئے جب خلیل خان فاختہ اڑایا کرتے تھے)

ممانعت نہ بھی ہو کس کا دماغ پھرا ہے کہ وہ پرائے قلعے میں داخل ہو کر خطرہ مول لے اور اندر جا کر دیکھے کہ اس نئی بستی میں جو خشک پہاڑیوں کی آغوش میں واقع ہے کیا ہو رہا ہے بہرحال انسانی آنکھوں نے کسی نہ کسی طرح اندر جا کر دیکھ ہی لیا کہ ربوہ دراصل مرزائیوں کی چھاؤنی ہے۔ کارتوس ختم ہوئے تو مرزائیوں کو دیسی ہتھکنڈوں کی سوجھی کارتوس بنانے کی مشینیں عام طور پر دستیاب ہو جاتی ہیں۔ ان کے ہاں بھی وہ مشین لگ گئی ہوگی۔ یہ بات ہم اس لئے

کہتے ہیں کہ ایک روز مرزائیوں نے چنیوٹ کے آتش باز سے جس کے پاس بارود کا لائسنس تھا ایک من دس سیر اور شائد دو چھٹانک بارود خرید لیا۔ بارود کی فروخت کا رجسٹر ہوتا ہے جس میں بارود کا وزن اور خریدار کا نام درج کیا جاتا ہے۔ احرار کو پتہ چلا تو انھوں نے کسی نہ کسی طرح رجسٹر کے اندراجات دیکھے کسی تفتیش کے سلسلے میں تھانیدار سے بات ہوئی تو معاملہ طول پکڑ گیا تھانیدار نے تحقیقات شروع کر دی پولیس ربوے میں بھی جا گھسی معلوم ہوا کہ وہاں بارود خرید لیا گیا ہے۔ اس خریداری کا جواز ہمیں کوئی آج تک بتا نہ سکا۔ خواجہ ناظم الدین بھی آئیں بائیں شائیں کر کے بات کو ٹالتے رہے عوام بیدار ہو گئے مگر حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں اور ان کے خوفناک ارادے عریاں ہونے لگے احرار کے مبلغ احرار کے بلند پایہ رہنما مرزائیوں کا لٹریچر اور مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں کے ثبوت کے پلندے لے کر تبلیغ کانفرنسوں میں مرزائیوں کا تاروپود بکھیرنے لگے مگر مرزائی بے پروا ہو کر اپنے کام میں لگے رہے وہ ہمارے وزراء کو گھیر گھار کر ربوے پہنچانے کی فکر میں تھے وزراء حکومت کے نشے میں مست تھے الا ماشاء اللہ احرار کلیجہ پکڑے پھرتے تھے کہ ملک و ملت کو کس طرح مرزائیت کے چنگل سے چھڑایا جائے۔

ہندوستانی فوج پاکستان کی سرحد پر

اچانک یہ روح فرسا خبر آئی کہ پاکستان کی سرحد پر بھارتی فوجیں آ جمی بیٹھی ہیں اس خبر سے سمجھدار اور سنجیدہ طبقے میں بے چینی پیدا ہوئی۔ بزدل ڈرے اور بہادروں نے "ھنگڑا" شروع کیا کہ اب جرأت اور مردانگی کے جوہر دکھانے کا موقعہ آیا۔ پاکستانی فوج نے یہ سمجھا کہ شکار چل کر دروازے پر آ گیا ہے ایسے میں جنگ کے سوا کسی دوسری بات کا چرچا نہ تھا۔ اس سلسلے میں احرار نے اپنی بساط سے بڑھ کر کام کیا حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری۔ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی صاحبزادہ فیض الحسن شاہ ' مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی ' مولانا محمد علی جالندھری ' شیخ حسام الدین اور دوسرے عام احرار رفیقوں نے پاکستان کے سرحدی شہروں اور دیہاتوں میں دفاع کانفرنسوں کا ایک جال بچھا دیا۔ خلوص سے کام کیا جائے تو نتائج بھی اچھے برآمد ہوتے ہیں۔ احرار کی دفاع کانفرنسوں میں زبردست اجتماعات ہوئے احرار کے بہادر اور مخلص رضا کاروں نے پاکستانی سرحدوں کے چپے چپے پر دفاعی تیاریوں کا پراپیگنڈہ کیا ان کانفرنسوں میں یہ بھی کہا گیا کہ ففتھ کالمنسٹوں سے خبردار رہیے۔ ہمارے اجتماعات یعنی دفاع کانفرنسوں میں ہر مکتب خیال کے لوگوں نے نہایت پاکیزہ جذبے سے شرکت کی حتیٰ کہ سرکاری افسر بھی احرار کی دفاع کانفرنسوں سے متاثر ہوئے اور بعض مقامات

پر مخلص افسروں نے دفاع کانفرنسوں میں باقاعدہ شرکت بھی کی۔

خوشگوار اثرات

مرزائیوں نے احرار کے خلاف جو زہریلا پراپیگنڈا کر رکھا تھا جس کے اثرات مسلم لیگ کے کیمپ میں بھی سرایت کر چکے تھے آہستہ آہستہ کمزور پڑنے لگا حتیٰ کہ احرار کی مخلصانہ خدمت نے نوابزادہ لیاقت علی خاں مرحوم کو رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ مرحوم نے اپنے خاص ایلچی کے ذریعے تبادلہ خیال کے لئے بلا بھیجا بات ہوتی رہی تعلقات بہت بہتر ہونے لگے۔ نوابزادہ مرحوم بڑی احتیاط سے گفتگو کرتے تھے۔ قاضی احسان احمد نے ایک روز ان کے سامنے مرزائیت کا پٹارہ کھول کر رکھ دیا۔ مرحوم بہت ذہین انسان تھے مسائل کو بہت جلد سمجھ لیتے تھے قاضی صاحب نے اس بڑی لمبی اور تفصیلی ملاقات کے بعد متعدد بار انہیں مرزائی ریشہ دوانیوں سے خبردار کیا وہ احرار کے بالکل قریب آگئے انہیں یقین ہو گیا کہ احرار کے خلاف سب سے زیادہ اور خطرناک قسم کا پراپیگنڈا صرف مرزائیوں نے کیا ہے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ احرار کے سوا باقیوں سے مرزائی اچھی طرح نپٹ لیتے ہیں۔ آخری دنوں میں مرحوم طے کر چکے تھے کہ وہ احرار سے مکمل تعاون کریں گے اور تعمیری کاموں میں احرار کی خدمات حاصل کر لی جائیں گی۔ یہاں نوابزادہ مرحوم کا ذکر ضمناً آگیا ہے میں یہ عرض کر رہا تھا کہ احرار نے تبلیغ میدان میں اچھی خاصی طاقت حاصل کر لی تھی۔

صاحبزادہ فیض الحسن شاہ رحمتہ اللہ علیہ

جہاں تک دفاعی کانفرنسوں کے ذریعے عوام کو بیدار اور خبردار کرنے کا تعلق تھا احرار کے بڑے رہنماؤں سے لے کر آخری رضاکار تک سب نے انتہائی جانفشانی سے کام کیا۔ دفاع کے عملی میدان میں رضاکاروں نے مکمل تعلیم حاصل کر لی مگر محاذ کی تیاری میں صاحبزادہ فیض الحسن صاحب نے گوجرانوالہ میں فوجی ٹریننگ کیمپ کے ذریعے بے مثال خدمت کی۔ مرزائیوں نے جب انہیں کشمیر کے محاذ پر آتے جاتے دیکھا تو فوجی افسروں کو بھڑکایا اور بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش کی خلوص اور دیانت داری بڑی شے ہے فوجی افسروں نے اس حکم کے اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب کے لائے ہوئے رضاکار بہت مخلص بہادر اور مستعد ثابت ہوتے ہیں باقیوں پر ہمیں بھروسہ بہت کم ہے۔ مرزائیوں کا یہ پراپیگنڈا بھی ناکام ہوا مجھے تفصیل یاد نہیں کہ صاحبزادہ صاحب نے رضاکاروں کے علاوہ کس قدر مالی امداد پہنچائی۔ ان دنوں صاحبزادہ صاحب خاکی کپڑوں میں ملبوس فوجی جرنیل معلوم ہوتے تھے۔ الحمدللہ احرار نے اس

گوشے میں کسی سے کم خدمت نہیں کی۔

پنجاب اسمبلی کے انتخابات

انتخابات کے بغیر جمہوری نظام کا دھندا نہیں چلتا مگر ہمارے ہاں کے انتخابات نعمت کے بجائے لعنت ثابت ہوئے ہیں۔ انتخابات کے دنوں میں جو کچھ ہوتا ہے اسے دیکھ کر شریف اور خوددار انسان کا میدان انتخاب میں کھڑا رہنا تقریباً محال ہو جاتا ہے۔ یوں انسان ضرورت سے مجبور ہو کر بیت الخلاء کے ایک دو چکر ہر روز کاٹتا ہے اور کامیاب واپسی پر دلی سکون محسوس کرتا ہے۔ بیٹھے بٹھلے لوگ موجودہ انتخابات میں "طوعاً و کرھاً" حصہ لیتے ہیں۔ ہر ہر قدم پر اس میدان میں روحانی کوفت کا سامنا ہوتا ہے۔ زندہ ضمیر پر اس قدر بوجھ پڑتا ہے کہ اگر قدرت نے اس میں لچک نہ رکھی ہو تو یہ بہت جلد دم توڑ دے۔

ایک امیدوار کو وہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔ ایک ووٹر وہ سب کچھ کرتا ہے جو اسے کرنا نہیں چاہیے۔ فریقین ایک دوسرے کو خوب جانتے اور پہچانتے ہیں۔ مگر منافقت کے نئے چولے پہن لینے میں ذرا عار محسوس نہیں ہوتی۔ انتخابات کے دنوں میں دولت اور آبرو دونوں ناچتی ہیں۔ ایمان اگر ہو تو اس کا الگ کچومر نکلتا ہے ووٹ دیتے وقت جو رتیں دس دس خاوند بدلتی ہوں تو نمائندے یہی ہوں گے جن کا آج رونا رویا جاتا ہے۔ بہرحال ہم نے عرض کیا کہ رائے کا حق جو ایک نعمت ہے لعنت بن کر رہ گیا ہے صورت حال یہ ہو تو امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری انتخابات میں کیونکر حصہ لیں؟ اور کون ہے جو انہیں مجبور کرے اور کہے کہ آپ ہاتھ ڈالئے "یہ کار خیر" ہے اس کار خیر کو شاہ صاحب نے خوب دیکھ اور پرکھ لیا ہے۔ ہزار قسم کے لغویات الیکشن ہی کے موسم میں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی اور یہی مجبوری تھی جس کے پیش نظر حضرت شاہ صاحب نے مجلس احرار کے رفیقوں کو یہ حکم دیا کہ اس سیاست پر تین حرف بھیجو۔ یہ دھندا مسلم لیگ ہی کو چلانے دو۔ آؤ مل کر دین کی خدمت اور تحفظ ختم نبوت کے میدان میں بنیادی مسئلے کی تبلیغ کریں۔ دنیا ٹھیک ہونے سے رہی عاقبت کو تو بچائیں بات کہاں سے کہاں جا نکلی۔ یہ عرض کر رہا تھا کہ پنجاب اسمبلی کے انتخابات کا اعلان ہوا۔ امیدوار اچکنوں اور شیروانیوں پر برش پھیرنے لگے جنہیں خدا نے زیادہ توفیق دے رکھی تھی وہ نئے سوٹ سلوانے لگے۔ مجلس احرار کا واضح اعلان موجود تھا کہ اسے سیاست سے کوئی واسطہ نہیں مگر انتخابات کے بارے میں ایک شرط تھی کہ مرزائی اگر مسلمانوں کی نمائندگی سے باز رہیں تو پھر ہمارے سیاستدان جانیں اور ان کا کام اور اگر مرزائیوں نے مسلمانوں کے ووٹ پر میدان انتخاب میں قدم رکھا تو احرار تیار کھڑے ہیں۔ وہ کھیت

مرزائیوں کا مقابلہ کریں گے۔ تجویز میں چونکہ احرار کارکنوں کو ہدایت موجود تھی کہ اگر سیاست میں احرار کا کوئی کارکن حصہ لینا چاہے تو اسے مسلم لیگ کے کیمپ میں کام کرنا چاہئے۔ اس بنا پر احرار نے انتخابات کے موقع پر مسلم لیگ کو واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ ہمیں تو الیکشن لڑنا نہیں ہے ہمارے سیاسی کام کرنے والے مسلم لیگ کا ساتھ دیں گے۔ بشرطیکہ مسلم لیگ جو مسلمانوں کی نمائندگی کی دعویدار ہے مرزائیوں کو مسلم لیگ کا ٹکٹ نہ دے احرار کی یہ شرط بڑی وزنی اور بڑی جاندار تھی۔ گمان غالب یہی تھا کہ مسلم لیگ مرزائیوں کو ٹکٹ نہ دے گی۔ بحیثیت صدر مجلس احرار اسلام پاکستان میں نے مسلم لیگ کے رہنماؤں کو مجلس احرار کی پوزیشن ذہن نشین کرادی تھی۔ اخبار آزاد میں باقاعدہ اعلان بھی ہوتا رہا کہ دیکھنا مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے۔ مرزائی غیر مسلم ہیں مسلم لیگ کا ٹکٹ مرزائی کے ہاتھ میں جانے نہ پائے اگر خدانخواستہ مسلم لیگ نے کسی مرزائی کو اپنا ٹکٹ دیا تو احرار اس مرزائی (مسلم لیگی) کی سخت مخالفت کریں گے۔ ایسے مرزائی امیدوار کے مخالف جو بھی مسلمان امیدوار کھڑا ہوگا۔ احرار حتی المقدور اس کی امداد کریں گے امیدوار مسلمان ہونا چاہئے۔ ختم نبوت پر اس کا صحیح عقیدہ ہو۔ خواہ وہ کسی جماعت سے متعلق ہو۔ احرار کا مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ مرزائی امیدوار کے مقابلے میں اس کی امداد کی جائے گی۔ اس واضح اعلان کے بعد اگر پھر بھی مسلم لیگ کے رہنما مغالطے میں رہیں تو احرار کیا کریں؟

قائد ملت لیاقت علی مرحوم کی تشریف آوری

نوابزادہ مرحوم ہفتہ بھر کے تقاضوں اور سخت انتظار کے بعد لاہور تشریف لائے تو مسلم لیگ کے سوکھے دھانوں میں گویا پانی آگیا۔ نوابزادہ مرحوم بڑی باوقار شخصیت کے مالک تھے ان کا اچھا خاصہ رعب تھا الیکشن باز خوشامدیوں کے ٹھٹھ لگ گئے۔ انھیوں سے ناپ کر خریدی ہوئی کاروں کی قطاریں سڑکوں پر دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ الیکشن کے امیدوار بڑی ٹھاٹھ سے تشریف لائے ہوئے تھے غرضیکہ لاہور میں بڑے بڑے لوگ آموجود ہوئے مخلص مگر غریب مسلم لیگی وہاں بھی دھکے کھا رہے تھے۔ بعض حضرات امیدوں بھرا دل تسلی کے ہاتھ سے سنبھالے پھرتے تھے۔ لوگوں نے بڑے پیر کی ختمیں بھی مانی ہوں گی۔ ہمیں اب تک وہ نظارہ بھول نہیں۔ ایک دوست ہمیں بطور تبرک اپنی موٹر میں بٹھا کر لے گئے تھے۔ بہرحال ٹکٹوں کی تقسیم سے پہلے ہم نے نوابزادہ مرحوم کے معتمد علیہ کی معرفت پیغام بھیجا کہ "ہماری گذارشات نہ بھولئے گا دیکھئے مسلم لیگ کا ٹکٹ مرزائی کو نہ دیجئے گا مرزائیوں کو الیکشن کے لئے کھلا چھوڑ دیجئے۔ ہم ان سے نبٹ لیں گے۔ ہمیں تسلی دی گئی کہ کسی مرزائی کو مسلم لیگ کا ٹکٹ نہ دیا جائے گا

آپ مطمئن رہیں۔ چونکہ وعدہ خان لیاقت علی خاں مرحوم کا تھا۔ اس لئے ہم مطمئن ہو گئے وہ تین روز درخواستوں کی جانچ پڑتال ہوتی رہی اس عرصے میں میں نے میاں ممتاز محمد خان دولتانہ اور مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری جناب یوسف خٹک سے ملاقات کی۔ میں مطمئن تھا میں نے احباب کو مطمئن کر دیا صورت حال یہ تھی کہ مسلم لیگ اگر مرزائی کو ٹکٹ نہیں دیتی تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ مرزائی کو مسلمان نہیں سمجھتی ہمیں اپنی فتح سامنے نظر آ رہی تھی

مسلم لیگ نے ٹھوکر کھائی

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں ٹکٹوں کی تقسیم کے بارے میں یہ طے ہو چکا تھا کہ مسلم لیگ کسی مرزائی کو اپنا انتخابی نمائندہ نامزد نہ کرے گی فرداً فرداً درخواستوں پر غور ہوا مسلم لیگ کے راہنماؤں کی مجبوریت کو خطرہ لاحق تھا کسے قبول اور کسے رد کریں؟
ذمہ دار اور بااثر لوگوں کی ناراضگی اور مخالفت کیسے قبول کی جائے؟ باہمی مشورہ ہوا میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کے مشورے سے خان لیاقت علی خاں مشکلات کے اس بھنور سے نکل گئے' طے یہ ہوا کہ ہر ضلع کی مسلم لیگ سیٹوں کی تعداد کے مطابق پورے ضلع کے امیدواروں کو نامزد کر کے سفارش کرے تاکہ خان لیاقت علی خاں مرحوم منظوری کی آخری مہر ثبت کر کے نامزد امیدواروں کے ناموں کا اعلان کر دیں گویا کہ ون پنج سسٹم کے ذریعے ٹکٹوں کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا۔

تین مرزائی امیدوار آ گئے

جب ضلع وار فہرستیں آ گئیں تو نوابزادہ صاحب نے منظوری دیکر امیدواروں کے ناموں کا اعلان کر دیا۔ ان فہرستوں کے ذریعے تین مرزائی ٹکٹ بھی مسلمان سیٹوں میں بندھ گئے۔ جونہی ان مرزائیوں کے ناموں کا اعلان ہوا احباب نے مجھے دفتر میں آ گھیرا۔ وہ سخت برہم تھے انہوں نے فیصلے کے چیلنج میں مسلم لیگ اور اس کے لیڈروں کے ہمراہ مجھے بھی ڈال لیا اور بچھنے لگے مجھے مسلم لیگ کی اس حرکت پر تاؤ تو بہت آیا مگر میں ٹھنڈی طبیعت کا انسان ہوں ایسے موقعوں پر زیادہ محتاط ہو جاتا ہوں۔ میں نے مختلف زاویوں سے سوچنا شروع کیا۔ ظاہر ہے کہ مسلم لیگ کا موجودہ فیصلہ ہماری منشا کے خلاف اور مرزائیوں کی خواہش کے عین مطابق تھا۔ میرے سامنے ماضی کا تجربہ تھا میں جانتا تھا کہ جب بھی احرار اور مرزائیوں کی ٹکر کا موقعہ آیا۔ برطانوی کل پرزوں نے ہمیں براہ راست زور آزمائی کا کبھی موقع نہ دیا۔ بلکہ ہمیشہ یہی ہوا کہ برطانوی حکومت بیچ میں آ گئی مرزائیوں کو اپنے پیچھے کھڑا کر لیا۔ خود ڈھال بن گئی احرار نے

غصے میں برطانوی پہاڑ سے ٹکرا لی۔ زخمی ہو کر نڈھال ہوئے جونہی زخموں کا اندمال ہوا سنبھلے اور پھر ٹکرا لی۔ یہی کچھ ہوتا رہا۔ مرزائیت پھلتی پھولتی رہی برطانوی مالی نے اپنے پودے کو خوب پالا پوسا اس تجربے نے مجھے دوسرے طریقے پر چلنے اور مختلف زاویہ نگاہ سے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب موجود تھے' وہ کسی مسلمان کا مکان چالیس روپیہ ماہوار پر لے کے ملتان میں آباد ہو چکے تھے۔ میں اگر ملتان جاتا تو اس نازک مرحلے پر دو دن کی غیر حاضری میں مسلم لیگ کی اس بے حسی کا بہت برا نتیجہ نکل سکتا تھا۔ یعنی یہ کہ احرار کارکن مسلم لیگ سے بیزاری کا اعلان کر دیتے۔ مرزائیوں کی بن آتی احرار کو مسلم لیگ سے لازماً جنگ کرنا پڑتی۔ میں نے احباب سے کہا کہ مجھے مہلت دو۔ ہم تنہا جنگ و پیکار کا فیصلہ نہیں کر سکتے اس لئے ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلانا ہو گا یا کم از کم حضرت شاہ صاحب سے مشورہ لازمی ہے۔ میں تنہا یہ ذمہ داری نہیں لے سکتا کہ مسلم لیگ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جائے احباب نے میری بات مان لی۔ مسلم لیگ کے راہنماؤں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ گروپ سسٹم میں تین مرزائی بھی آ گئے ہیں' میں نے یوسف خٹک صاحب کو فون کیا۔ ان دنوں خٹک صاحب نوابزادہ لیاقت علی خاں مرحوم کے نفس ناطقہ تھے۔ میں نے انہیں کہا خٹک صاحب! ہمارا آپ کا تعلق ختم ہو گیا جس کا مجھے بیحد افسوس ہے حیران ہو کر خٹک صاحب نے فرمایا کیا کہا ماسٹر صاحب! میں نے معاملے کو صاف الفاظ میں کہہ ڈالا۔ خٹک صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور دریافت کیا کہ کیا نام ہیں؟ ان مرزائیوں کے مبلغ مولوی عصمت اللہ اور ان کے ساتھیوں کے نام بتائے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ آپ نے عصمت اللہ جیسے جغادری مرزائی کو ٹکٹ دیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے اس شخص پر کس قسم کے شبہات اور الزام ہیں ہم نہ چاہتے تھے کہ جس مسلم لیگ سے کل پیار کیا تھا۔ آج اس سے جنگ کریں مگر اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ آپ وعدہ سے منحرف ہو چکے ہیں۔ ہماری ایک شرط تھی جسے آپ نے ٹھکرا دیا۔ یہ غرور آپ کو بہت مہنگا پڑیگا۔ میں نے خٹک صاحب سے بڑی تیز کلامی کی۔ یوسف خٹک خلیق انسان ہیں وہ فرمانے لگے خدا کے لئے کوٹھی پر آ جاؤ۔ ورنہ میں خود لینے آؤں گا۔ میں بھی نوابزادہ صاحب سے بات کرتا ہوں ابھی کچھ نہیں ہوا۔ اس بارے میں سوچ سمجھ کر مناسب طریقہ اختیار کر لیا جائیگا۔ بتاؤ آتے ہو کہ نہیں؟ میں تو سر کے بل جانے کے لئے تیار تھا۔ یہ بلاوا میری منشا کے عین مطابق تھا۔ میں کوٹھی پہنچا تو میاں ممتاز دولتانہ موجود نہ تھے۔ خٹک صاحب مجھے نوابزادہ صاحب سے بالمشافہ گفتگو کے لئے مجبور کر رہے تھے۔ میں کہتا تھا کہ جو غلطی ہوئی ہے اس کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ نہ بابا میں نہیں ملتا۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ ٹکٹ واپس نہ لئے جائیں تو کیا کوئی ایسی صورت نکل سکتی ہے۔ جس سے احرار مطمئن ہو جائیں اور تعلق نہ ٹوٹے۔ میں نے انکار کیا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا

کہ اگر کوئی صورت قابل قبول نکل سکی تو کل دس بجے احباب سے دریافت کر کے بتا سکوں گا۔ یہ کہہ کر میں واپس چلا آیا احباب کو جمع کیا انہیں نفع و نقصان سب کچھ سمجھایا۔ ماضی کے واقعات کو دہرایا اور آخری بات یہ کی کہ مقصد تو یہ ہے کہ مرزائیوں کو شکست دی جائے۔ اس کے لئے اگر مسلم لیگ ہماری کم از کم بات مان لے یعنی غیر جانب دار ہو جائے۔ تو کام بن جائے محبت' خلوص اور بھروسے کی بات ہے۔ احباب نے مجھے کھلی اجازت دیدی اور کہا کہ مناسب فیصلہ کر ہی لینا چاہئے۔

دس بجے سے پہلے ہی خٹک صاحب کا فون آ گیا ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے فرمایا کہ "کہئے" کیا فیصلہ ہو؟ میں نے کہا کہ فیصلہ تو آپ نے کر ہی دیا ہے اب کیا فیصلہ ہو گا۔ بھئی خٹک صاحب میرے دوست بہت بگڑ رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مسلم لیگ والوں کا اعتبار ہی کیا ہے۔ ادھر بات کرتے ہیں۔ ادھر مکر جاتے ہیں۔ مسلم لیگ کے لیڈروں نے وعدہ کیا تھا کہ مرزائیوں کو ہرگز ٹکٹ نہ دیں گے۔ اب ایک چھوڑ تین کو ٹکٹ دیئے ہیں

خٹک صاحب نے بڑی محبت سے مجھے کہا کہ میری خاطر آپ آ جائیں اور بات کر لیں میں تو دل سے چاہتا تھا کہ بات طے ہو جائے' چنانچہ میں گیا تو یہ طے ہوا کہ ٹکٹ تو بڑی عیاری سے مرزائیوں نے حاصل کر ہی لئے ہیں۔ مگر مسلم لیگ ان کی کوئی مدد نہ کریگی۔ احرار کو حق ہے کہ وہ ان کی مخالفت کریں۔ میں یہی چاہتا تھا۔ یہ ہو گیا۔

چک جھمرہ میں مرزائیوں کی غنڈہ گردی

احرار نے مرزائیوں کے خلاف انتخابی مہم کا آغاز کر دیا۔ احرار کے سحر آفرین مقرر اور اردو و پنجابی کے شاعروں نے مرزائیت کی متعفن لاش کا پوسٹ مارٹم کرنا شروع کیا کانفرنس اور جلسے ہونے لگے۔ مولانا محمد علی جالندھری جیسے عالم' انتہائی جفاکش' بڑے منتظم اور سچے کی بات کہنے والے بہترین مقرر ہیں۔ پنجابی زبان میں ان کی تقریر ماسٹر پیس ہوتی ہے وہ اردو میں بہت اچھی تقریر کرتے ہیں۔ مگر اردو کی تقریر میں پنجابیت کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں وہ جس انداز میں اپنا مافی الضمیر سمجھاتے ہیں۔ یہ انہی کا حق ہے۔ ان کی تقریر عام فہم ہوتی ہے مگر جب وہ تقریر کرتے ہوئے چھا جاتے ہیں تو جاہل بھی جھومتا ہے۔ عالم پر بھی وجد طاری ہوتا ہے بعض اوقات تو احباب ان کا منہ تکتے لگتے ہیں۔ کہ یہ سیدھا سادھا دیہاتی مولوی محمد علی بول رہا ہے۔

مولانا محمد علی جالندھری کے ساتھ سفر کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے جب اپنا پروگرام بناتے ہیں تو اسے اس قدر تائیٹ کرتے ہیں کہ اگر گاڑی لیٹ ہو جائے تو سارا کھیل

خراب ہو جاتا ہے۔ مگر مولانا اپنے پروگرام کو ایسی صورت میں بھی ادھورا نہیں چھوڑتے دس میل سائیکل پر سفر کرنا پڑے تو وہ تیار ہیں دو چار میل پیدل چلنا پڑے تو انہیں انکار نہیں کھانے کو ملے یا نہ ملے تو جو کچھ ہو کبھی ناک بھوں نہیں چڑھاتے۔ ہمارے ان مرد مجاہد نے چک جھمرے کا پروگرام بنایا۔ ٹائم ٹیبل دیکھا ہو گا۔ بیچ میں چک جھمرہ نظر آیا۔ فیصلہ کر لیا' جاتے جاتے یہاں بھی ایک تقریر کر جائیں۔ اطلاع کے مطابق جلسے کا اعلان ہو گیا۔ چک جھمرہ کی منڈی پر مولوی عصمت اللہ مرزائی کا ایسا رعب تھا کہ منڈی کے شریف مسلمان آزردہ تھے عصمت اللہ کے منہ آتے گھبراتے تھے حد یہ ہے کہ مالکوں سے دریافت کئے بغیر مولوی عصمت اللہ نوکر کو حکم دیتے تھے کہ کرسی اٹھا لاؤ' چارپائی کھینچ کر لے آؤ ہم ذرا آرام کریں گے کسی کو انکار کی جرات نہ تھی یہی مولوی عصمت اللہ چک جھمرے کی سیٹ کا مسلم لیگی امیدوار تھا۔

مولانا محمد علی حسب اعلان جلسہ گاہ میں پہنچے۔ یہ جلسہ بازار ہی میں ہو رہا تھا بیچ میں تخت پوش بچھا کر کچھ دریاں وغیرہ بچھا لی گئی تھیں۔ جونہی مولانا نے سٹیج پر پہنچ کر تلاوت شروع کی۔ عصمت اللہ صاحب آ دھمکے فرمانے لگے یہاں جلسہ نہیں ہو سکتا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضرور تقریر کروں گا۔ مجھے تقریر سے کون روک سکتا ہے مولانا نے یہ سمجھا کہ مولوی عصمت اللہ کوئی بہت ہی شریف آدمی ہے آداب محفل سے آشنا ہے اور قانون کی پابندی اپنے پر یہ فرض سمجھتا ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ یہ شخص قتل کی وارداتوں میں ماخوذ رہ چکا ہے اور چک جھمرے میں اس نے اپنا رعب جما رکھا ہے۔ مولوی عصمت اللہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ مولانا محمد علی نے کھدر کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ چادر سے پکڑ کر نیچے اتار لیا۔ لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا سب احباب کا مشورہ یہ ہوا کہ جلسہ ملتوی کر دیا جائے۔ جب ساتھی یہ فیصلہ کر لیں تو مولانا ضدی تو نہ تھے کہ اڑ جاتے اور لفنگے پن کا اسی وقت خاطر خواہ جواب دیتے۔ جلسہ ختم ہو گیا۔ بہرحال مولانا نے عصمت اللہ سے کہہ دیا کہ یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا۔ اور ہم فلاں دن جلسہ کر کے اس کا آپ کو جواب دیں گے۔

لیگی راہنماؤں کی بےخبری

دو دن بعد نوابزادہ لیاقت علی خاں مرحوم کے انتخابی دورے کا پروگرام اخبارات میں شائع ہوا وہ لیگی امیدواروں کے حلقہ ہائے انتخاب میں ایک ایک تقریر کرنا چاہتے تھے۔ اس پروگرام میں چک جھمرہ کا دورہ شائع ہوا تو میں دوڑا دوڑا نوابزادہ مرحوم کے پاس پہنچا۔ خٹک صاحب نے فرمایا۔ رات زیادہ دیر تک جاگتے رہے۔ وہ اس وقت سو رہے ہیں۔ میں نے چک جھمرے کے دورے کا ذکر کیا اور خٹک صاحب سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ اگر نوابزادہ صاحب چک

بھرو جائیں گے تو ہمارا اور مسلم لیگ کا ناطہ ٹوٹ جائے گا۔ لوہڑان صاحب سے انچارج کے بغیر ہماری طرف سے کہہ دیجئے اگر دورہ منسوخ کر دیں تو انہیں یقین ہو جائے کہ یہ تعاون ملی ہے اور لوہڑان صاحب بات کے پکے ہیں میں یہ کہہ کر واپس چلا آیا دو گھنٹے بعد خٹک صاحب نے مجھے فون پر کہا کہ آؤ جلدی آؤ اور ایک خوشخبری سن جاؤ۔ کوٹھی پہنچ کر معلوم ہوا کہ چک جھمرہ کے اعلان پر لوہڑان صاحب بہت برہم ہوئے فرماتے تھے کہ دوروں کا پروگرام بنا کر پہلے لوگوں سے کیوں شرمندہ کراتے ہو؟ احرار والے کیا کہیں گے۔ لیگ کے رہنما کیسی باتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ دورہ صرف چک جھمرے کا منسوخ کر دیا باقی دورہ اس طرح رہنے دیا۔ اگر سارا دورہ منسوخ کر دیا جاتا تو ہمارا کام ادھورا رہ جاتا۔ اب ہمیں عصمت اللہ کی نشست پر کام کرنے کا موقعہ مل گیا۔ چک جھمرے میں احرار کے پہلے جلسے کا واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

چک جھمرے میں دوسرا جلسہ

مولوی عصمت اللہ مرزائی کی اس نامعقول حرکت کی اطلاع جب مرکز میں پہنچی تو احرار کا سارا کیمپ تلملا اٹھا احرار کے لئے اچنبھے اور حیرت کی بات تھی کہ وہ جلسہ کریں اور کوئی ہونے نہ دے مرزائی بچارے کی تو بات ہی کیا تھی لاہور کے تمام کارکن اور رضا کار جمع ہوئے میٹنگ ہوئی وہیں فیصلہ ہوا کہ چک جھمرہ میں جلسہ ہو گا اور مجھے حکم ہوا کہ صدر صاحب! تم کو وہاں چل کر تقریر کرنا ہے ہمارے ہاں بھی کبھی رہنماؤں کی بجائے نوجوان سالاروں کی لیڈری بھی چل جایا کرتی ہے۔

تیاری ہو گئی ایک روز پہلے اعلان ہو گیا کہ چک جھمرے کے کھلے میدان میں احرار کا جلسہ عام ہو گا تقریباً سو رضا کاروں کا دستہ ریل کے ذریعے چل پڑا لائل پور کے رضا کار اور ہمارے دوسرے معزز رفیق خواجہ جمال الدین بٹ کی سرکردگی میں چک جھمرے کے لئے سوار ہو گئے جونہی گاڑی چک جھمرہ کے اسٹیشن پر پہنچی سٹیشن کی فضا تحفظ ختم نبوت زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی میں ابھی گاڑی میں تھا کہ باہر ایک واقعہ بھی ہو گیا۔ مولوی عصمت اللہ کے بیٹے چند غنڈوں کو ہمراہ لیکر ریلوے اسٹیشن پر فساد کی نیت سے آ گئے جب احرار رضا کاروں نے تحفظ ختم نبوت کا نعرہ لگایا تو مرزائیوں نے کہا "مردہ باد" ختم نبوت کے خلاف اس قسم کا باجیانہ نعرہ سننے کے لئے احرار کا ادنیٰ رضاکار بھی تیار نہ تھا۔ حکم ہوا " بزن " دونوں مرزائی پلیٹ فارم پر لیٹے ہوئے ہائے ہائے کر رہے تھے۔ باقی غنڈوں نے جب دیکھا کہ احرار رضاکار باز کی طرح جھپٹ پڑے ہیں وہ دم دبا کر بھاگ گئے۔ گاڑی سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا ایک جگہ ہمارے کچھ رضا کار جمع ہو رہے ہیں۔ دریافت پر واقعہ معلوم ہوا تو میں نے انہیں ڈانٹ ڈپٹ

کر واپس بلا لیا۔ ہمارا ہجوم سٹیشن سے باہر نکلا تو احرار کے چند فدائی پھولوں کے ہار بھی لے آئے سلامی کے طور پر دو چار فائر بھی ہوئے۔ عصمت اللہ کے لڑکے فوراً جا کر واپس چلے گئے یاد ہیں رہے ہم بازار سے ہوتے ہوئے جلسہ گاہ کی جانب جلوس کی شکل میں نکل پڑے سنا ہے کہ عصمت اللہ نے اپنے قماش کے چند ساتھیوں کو باہر سے مع رائفلوں کے بلا لیا تھا۔ انہیں بھی قریب ہی کہیں کسی مکان میں چھپا رکھا تھا ہماری اس سلامی میں بندوقوں سے جو فائر ہوئے تو عصمت اللہ کے وہ ساتھی بھی رفوچکر ہو گئے۔ عصمت اللہ نے تو انہیں شاید یہی کہا ہو گا کہ چند احراری مولوی آ رہے ہیں۔ ان کی خاطر تواضع کرنا مقصود ہے مگر بندوقوں کے فائر ہوئے تو وہ تو دو گیارہ ہو گئے۔ جلسہ گاہ میں کافی لوگ آ گئے۔ کیونکہ عصمت اللہ کا رعب خاک میں مل چکا تھا تاہم بہت سے لوگ اب بھی دور دیواروں پر بیٹھے تھے کہ شاید جلسے میں عصمت اللہ حملہ کرے تو دور ہی سے بھاگ نکلنے میں آسانی ہو۔ جلسہ شروع ہوا۔ میں نے عصمت اللہ نے جو نازیبا حرکت کی تھی پہلے اس کی مذمت کی۔ پھر اصل موضوع پر اپنی عادت کے خلاف بقول شخصے ٹھوک بجا کر تقریر کر ڈالی۔ میں نے آخر میں مولوی عصمت اللہ کو چیلنج کیا کہ تم مسلم لیگ کا ٹکٹ عیاری سے آنکھ بچا کر اٹھا لائے ہو اگر تم واقعی مسلم لیگ کے امیدوار ہو تو نوابزادہ لیاقت علی خاں کو اپنے حلقے میں ایک گھنٹے کے لئے لے آؤ۔ اگر تم ان کو لے آؤ تو ہم ہتھیار ڈال دیں گے۔ اور تمہارے مخالف امیدواروں سے کہیں گے کہ وہ درخواستیں واپس لے لیں۔

جلسہ بہت ہی کامیاب ہوا۔ عصمت اللہ کی ہوا اکھڑ گئی۔ اس کا رعب جاتا رہا۔ علاقے کے آدمیوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ عصمت اللہ کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ لوگوں نے عصمت اللہ کو اعتراض کر کر کے تنگ کر دیا۔ ہر شخص نے عصمت اللہ سے کہا کہ احرار کی بات تو سچ معلوم ہوتی ہے تم اگر سچے ہو تو نوابزادہ صاحب کو لاتے کیوں نہیں؟ چک جھمرے کا دورہ شائع ہو چکا تھا۔ تم جاؤ اور انہیں کہو کہ میں مسلم لیگ کا امیدوار ہوں آپ نے میرے حلقے میں دورے کا اعلان کیا تھا۔ اب اگر آپ نہ جائیں گے تو ہوا خیزی ہو گی۔ احرار نے میرے خلاف پراپیگنڈا کر رکھا ہے جاؤ اور جا کر انہیں لاؤ۔ ورنہ کام خراب ہے تمہیں اب کوئی ووٹ نہ دے گا۔

عصمت اللہ دوڑا دوڑا خٹک صاحب کے پاس پہنچا۔ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ سے التجائیں کیں سب نے اسے مایوس کن جواب دیا بلکہ ڈانٹ ڈپٹ کر وہاں سے نکالا۔ وہ مسلم لیگ کی امیدواری کے رعب میں لائل پور کے کپتان پولیس کے ہاں پہنچا۔ وہاں سے بھی ٹکا سا جواب ملا۔ اس کے بعد عصمت اللہ مرزائی جس نے شریف مسلمانوں کو تنگ کر رکھا تھا۔ کے

ہوئے پتنگ کی طرح چک جھمرہ میں چکر کاٹتا نظر آیا۔

یک نہ شد دو شد بلکہ سہ شد

یعنی احرار تو یہ مطالبہ کر چکے تھے کہ کسی ایک مرزائی کو مسلم لیگ ٹکٹ نہ دے اس مطالبے کا یہ حشر ہوا کہ اکٹھے تین مرزائیوں کو مسلم لیگ کی نمائندگی کا ٹکٹ مل گیا۔ مرزائیوں نے اس پر بس نہ کیا۔ مرزا محمود کو مغالطہ بہت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ سارے خاندان کے مغالطے کا حصہ مرزا محمود کے والد بزرگوار استعمال کر چکے تھے مگر اس مرتبہ مرزا محمود نے مغالطہ کھا ہی لیا۔ تین ٹکٹ مسلم لیگ کے وصول کر لینے کے بعد الیکشن کی گاڑی میں آٹھ بے ٹکٹ مرزائی سوار کرا دیئے۔ احرار کو مرزائیوں کے اس دوغلے پن سے نقصان کی بجائے فائدہ ہوا کام تو بڑھ گیا۔ مگر پراپیگنڈا بہت وزن دار ہو گیا مرزائیوں کے اس بے اصولے پن کو بے نقاب کیا گیا تو عوام کے علاوہ مسلم لیگ کا سارا کیمپ مرزائیوں کے خلاف باتیں کہنے لگا۔ احرار کے تمام راہنما بلکہ خود حضرت امیر شریعت بھی حلقہ ہائے انتخاب کا دورہ کرنے لگے۔ احرار کی بات دو طرح سے وزن دار تھی سب سے بڑا اثر تو اسلام کے بنیادی عقیدے کا تھا اس اثر میں دوسری کشش یہ تھی کہ احرار نے انتخاب کے میدان میں اپنے لئے کچھ نہیں مانگا۔ احرار نے انتخابات سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تھا۔ اب اس خلوص اور نیک نیتی کے خلاف مرزائی کیا کر سکتے تھے؟ ان کے پاس دولت تھی مرزائی حکام کا اثر تھا۔ خلافت کی دعائیں اور مرزا محمود کے آئے دن کے عمدہ عمدہ خواب تھے۔ احرار اللہ کی خوشنودی کے لئے میدان میں اتر آئے تھے۔ وہ سنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل پیرا ہو کر عشق رسول ﷺ کی باتیں کرتے تھے۔ جدوجہد کا میدان کھلا تھا فتح اللہ دے۔

مرزائیوں کے حوصلے

عصمت اللہ مرزائی مولانا محمد علی جالندھری پر رائفل چلا رہا تھا اسے شاید یہ خیال ہو گا کہ یہی مولانا صاحب ہیں جن کی وجہ سے اس کی ہوا نکل گئی۔ عصمت اللہ خطرناک قسم کے لوگوں میں سے ہے اس کے تعلقات بھی اس قسم کے تھے۔ مولانا محمد علی صاحب چک جھمرہ کے حلقہ انتخاب میں دورے پر نکلے وہ ایک گاؤں سے تقریر کے بعد اگلے پروگرام پر جا رہے تھے انہیں راہ میں ٹھہرنا پڑا۔ عصمت اللہ اور اس کے ساتھیوں نے مولانا محمد علی صاحب کا پیچھا کیا۔ یہ لوگ جیپ یا کار میں سوار تھے۔ اور مسلح بھی تھے مولانا نے اتفاقیہ پروگرام بدلا مگر عصمت اللہ کی پولنگ نشاندہی کے مطابق دوسرے گاؤں میں جہاں مولانا کو جانا تھا جا پہنچی وہاں لوگوں سے

دریافت کیا کہ مولوی صاحب تو نہیں آئے؟ نفی میں جواب پا کر حصمت اللہ کی پارٹی ناکام واپس ہو گئی انہیں کیا معلوم کہ مولانا کو وہ راستے کے چھوٹے گاؤں میں چھوڑ آئے ہیں۔

جب مولانا پروگرام کے مطابق بڑے گاؤں میں پہنچے تو گاؤں والوں نے بتایا کہ حصمت اللہ اپنے مسلح ساتھیوں کی معیت میں آپ کے تعاقب میں گیا تھا۔ مایوس ہو کر واپس ہو گیا ہے۔ اس طرح مولانا محمد علی کو محافظ حقیقی نے بچا لیا۔ جو خدا اپنے حبیب کی حفاظت کے لئے مکڑی کے کمزور جالے سے کام لے سکتا ہے۔ وہ غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کیوں نہیں بچا سکتا۔

— رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

سیالکوٹ یعنی سر ظفر اللہ کی جنم بھومی دردناک اور حوصلہ شکن واقعہ

سیالکوٹ تحریک کشمیر کا سنٹر تھا۔ اس لئے سیالکوٹ کو اب بھی احرار کی چھاؤنی کے نام سے پکارا جاتا ہے احرار کے جانباز ساتھی اب بھی ۔شاں پر بھاری ہیں غالباً ۴۸ء اور ۴۹ء کے درمیانی وقفے کی بات ہے مسلم لیگ کی حکومت جوبن پر تھی۔ مسلم لیگ والوں کو ہر غیر لیگی کیڑا مکوڑا نظر آتا تھا۔ بزرگان لیگ گھروں سے نکلتے ہی آدم بو آدم بو کا ورد کرتے تھے۔ اپنی حکومت اپنا راج مسلم لیگیوں کے پاؤں زمین پر نہ لگتے تھے۔ ہمارے یہ عزیز بھائی اس وہم میں مبتلا تھے کہ کسی صورت احرار کا خاتمہ کر دیا جائے مرزائیوں نے انہیں اس طرح بھڑکا رکھا تھا کہ توبہ بھلی ایک روز مجھے ٹیلی فون پر سیالکوٹ سے یہ روح فرسا خبر ملی کہ شیخ عبدالکریم نائب صدر مجلس احرار کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس گرفتاری سے شہر میں ہراس پھیلا ہوا ہے کہتے ہیں کہ عبدالکریم کے گھر سے ٹرانسمیٹر پکڑا گیا ہے اور یہ کہ وہ ہندوستان سے نامہ و پیام کر رہا تھا لیگیوں اور عام شہریوں کا ایک ہجوم عبدالکریم کے مکان پر جمع ہو گیا۔ پولیس نے اس کو گرفتار کر لیا۔ لوگوں نے شیخ عبدالکریم کا منہ کالا کیا' تھوکا' مارا پیٹا اور جانے کیا کچھ کیا۔

قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں اس ٹرنک کال سے میرا کیا حال ہوا ہو گا۔ میرے دل پر کیا گزری ہو گی؟ مجھ کو یقین تھا کہ یہ تہمت ہے' جھوٹا الزام ہے میرے عزیز ساتھی کو محض جماعتی تعصب کی وجہ سے ذلیل کیا گیا ہے۔ میں نے فون پر جواب دیا کہ میں پہلی لاری سے آ رہا ہوں جلسہ عام کا اعلان کر دو میں تقریر کروں گا۔ میں سیالکوٹ اسی شام پہنچ گیا۔ لوگ سہمے ہوئے تھے' ساتھی پریشان تھے۔

شیخ عبدالکریم نہایت نیک' بہت ہی شریف ساتھی ہے۔ اس کا بھائی عبداللہ مرحوم تقسیم ملک کے وقت فسادات میں شہید ہو گیا تھا۔

رام تلائی میں جلسہ عام

رات کو رام تلائی کی جلسہ گاہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تھی اور احراری دولوں آ گئے۔ سیالکوٹ حق دار لوگوں کی بستی ہے یہاں کا مسلمان بڑا بہادر ہے۔ احرار سے انھیں محبت ہے ایک وقت تھا جب سارا شہر احراری تھا۔ واقعہ یہ نہ تھا جو مشہور کیا گیا ٹرانسپیٹر کا افسانہ قطعاً جھوٹا تھا۔ ایک شریف مسلمان کو اسی دھوکے میں منہ کالا کر کے بازار میں گھسیٹا گیا۔ اس واقعہ سے میرے دل کو صدمہ تھا۔ میں نے اس جلسے میں حکومت اور مسلم لیگ دونوں کو خطاب کیا اور کہا کہ احرار کہلانا اگر جرم ہے تو ایک شہر کے نائب صدر کا کیا قصور ہے۔ میں ان سب کا صدر ہوں اور حاضر ہوں میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اس طرح احراریوں کو بازار میں گھسیٹنا 'مارنا' پیٹنا اگر پاکستان کی جڑوں کو مضبوط کرتا ہے تو لو میں خود کو پیش کرتا ہوں جو سلوک عبدالکریم سے کیا گیا ہے مجھ سے بھی کرو' میں لکھ کر دیتا ہوں کہ مجھے مار بھی دو گے تو میرے وارث یا مجلس احرار تم پر دعویٰ نہ کرے گی۔

پاکستان ہماری جانوں سے زیادہ عزیز ہے اسے بہرحال مضبوط ہونا چاہئے۔ جلسہ گاہ میں شریف اور سمجھدار اور مسلم لیگیوں نے بھی توبہ توبہ کرنا شروع کی مجھے اس ایک واقعے کی فکر نہ تھی میرے پاس مختلف مقامات سے اطلاعات آ رہی تھیں کہ احرار کارکنوں کی فہرستیں تیار ہو رہی ہیں۔ مسلم لیگ کی حکومت مساجدوں کو آباد کرنے کی بجائے احرار کو برباد کرنے کی فکر میں گھلی جا رہی تھی۔ اس واقعے کے بعد میں نے ذمہ دار افسران اور اعلیٰ حکام سے تبادلہ خیال کیا اور انھیں سمجھایا کہ مسلم لیگ کے اقتدار کا نشہ چار دن بعد اتر جائے گا۔ احرار وطن کے خادم ہیں انھیں بیگانہ وار دیکھنا اچھا نہیں۔ یہ ناانصافی اور ظلم ہے اور ظلم کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا واقعہ

احرار کی تبلیغ کانفرنسیں مرزائیت کے زہر کا تریاق ثابت ہوئیں۔ مرزائیت بے نقاب ہونے لگی۔ اس عرصے میں خلیفہ محمود نے صلاح مشورے کئے۔ ان مشوروں میں مرکزی حکومت کا سہارا بھی لیا گیا۔ بالآخر مرزائیت لنگ لنگوٹ کس کر میدان میں اتر آئی یعنی مرزا محمود نے کھلے بندوں مرزائیت کی تبلیغ کا فیصلہ کر لیا۔

سیالکوٹ میں مرزائیوں کا جلسہ عام

مسلمانوں کے لئے یہ اعلان باعث حیرت و استعجاب تھا خصوصاً سیالکوٹ کے جیالے

مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ ان کی غیرت اسلامی کو چیلنج کیا گیا ہے' مگر مرزا محمود نے بہت ہوشیاری سے کام لیا۔ اس جلسے کی پشت پناہی مرزا محمود ربوہ سے خود فرما رہے تھے۔ مرکز میں سر ظفر اللہ کی ہمدردیاں موجود تھیں۔ آپ اندازہ تو لگایئے کہ جلسے کے لئے کس شہر کو منتخب کیا گیا۔ سر ظفر اللہ خاں دوہرے جذبے سے سرشار ہو گئے ایک تو یہ کہ مرزائیت کیل کانٹے سے لیس ہو کر پہلی بار میدان میں اتر رہی ہے دوسرے یہ کہ جلسہ ان کی جنم بھومی میں ہو رہا ہے چنانچہ ربوہ میں فیصلہ ہوا کہ صدارت کے فرائض سر ظفر اللہ خان کے چھوٹے بھائی اسد اللہ خاں انجام دیں گے۔

غالباً جنوری ۱۹۵۰ء کا ذکر ہے جب گوجرہ ضلع لائل پور میں احرار کی تبلیغ کانفرنس ہو رہی تھی۔ ہمیں وہیں کانفرنس کے پنڈال میں معلوم ہوا کہ سیالکوٹ میں مرزائی جلسہ عام کر رہے ہیں الہٰی! اب کیا ہو گا؟ یہ کیسا پاکستان ہے جس میں برسرعام "لا نبی بعدی" کے ارشاد کو جھٹلایا جائے گا ہم سخت پریشان ہوئے ہمیں گوجرہ ہی میں مرزائیوں کا پوسٹر دکھایا گیا جس میں مسلمانوں کو جلسہ عام میں شمولیت کی دعوت کے ساتھ یہ بھی درج تھا کہ اس جلسہ میں ختم نبوت کا اقرار اور اعلان کیا جائے گا۔ ختم نبوت پر تقریریں ہوں گی۔ اس پوسٹر کے جواب میں سیالکوٹ کے احرار نے اعلان کیا کہ دعوت منظور ہے اگر مرزائی واقعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں تو چشم ما روشن دل ماشاد اور اگر یہ بات غلط ہے اور مرزائیوں نے منافقت سے کام لیا تو احرار اس کا جواب دیں گے یہ پوسٹر بھی مرزائیوں کے برابر چسپاں ہو گیا۔ شہر میں ایک ہلچل ہوئی اور یہ قدرتی بات تھی۔

مرزائیوں کی جانب سے فساد کا پروگرام

مرزائیوں نے اعلان کر دیا کہ کوئی مرزائی عورت جلسے میں نہ آئے مرزا محمود نے الفضل کے ذریعے تمام اضلاع کے مرزائیوں کو کہلا بھیجا کہ سیالکوٹ چلے آؤ چنانچہ جلسے کے دن کبوتروں والی مسجد سے مرزائیوں کا بہت بڑا ہجوم لاٹھیوں' تلواروں اور بندوقوں سے مسلح ہو کر مظاہرہ کرتا ہوا نکلا تاکہ سیالکوٹ میں ہراس پھیل جائے لوگ مرعوب ہو جائیں اس طرح یہ غازیان مرزائیت دندناتے ہوئے جلسہ گاہ میں پہنچے اس جلسہ گاہ کے ایک کنارے پر زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے ڈسپنسری کھولی گئی جس میں فسٹ ایڈ کا تمام سامان موجود تھا اس ڈھنگ سے مرزائیوں نے پاکستان میں تبلیغ مرزائیت کا افتتاح کیا۔

جلسہ شروع ہوا

اسد اللہ خان برادر سر ظفر اللہ خاں نے کرسی صدارت کو رونق بخشی اور اللہ دتہ

جالندھری نے تقریر شروع کی۔ جب اللہ دتہ جالندھری نے یہ کہا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو ختم ہو گئی اب غلام احمد کی نبوت جاری ہے تو جلسہ گاہ کے ایک کنارے سے حافظ محمد صادق راہنمائے احرار سیالکوٹ نے اعتراض کیا اور فرمایا کہ مولوی اللہ دتہ صاحب آپ نے اس جملے سے نبی کریمؐ کی توہین کی ہے آپ تو کہتے تھے اور آپ نے پوسٹر میں لکھا بھی کہ آپ ختم نبوت پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ اب آپ منافقت سے کام لے رہے ہیں مسلمانوں نے بیک زبان حافظ صاحب کی تائید کی صدر جلسہ اسد اللہ خان نے متکبرانہ انداز میں کہا "نہیں سننا چاہتے ہو تو جلسے سے چلے جاؤ حافظ صاحب نے کہا کہ آپ نے دعوت دے کر مسلمانوں کو بلایا اب آپ کہتے ہیں کہ چلے جاؤ آپ نے ہمیں جلسہ عام میں بلا کر بے عزتی کی ہے ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک مسلح مرزائی نے ایک مسلمان پر چاقو سے حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا ایک اور مرزائی نے لاٹھی چلائی جس سے ایک اور مسلمان زخمی ہو گیا۔

سٹی مجسٹریٹ اور پولیس گارد کی آمد

اتنے میں سٹی مجسٹریٹ اور پولیس بھی آ موجود ہوئی۔ حافظ صاحب نے مجسٹریٹ صاحب سے کہا کہ ان لوگوں نے یہ جلسہ محض فساد کے لئے منعقد کیا ہے۔ ان کے ارادے بد ہیں یہ نبی کریمؐ کا نام لے کر جلسہ عام میں توہین کرتے ہیں آپ اس جلسہ کو بند کرا دیجئے۔ بڑی رد و کد کے بعد جلسہ بند کرا دیا گیا مگر حافظ محمد صادق' سالار بشیر' عبدالغفور بٹ اور عبدالمجید کو گرفتار کر لیا گیا۔ فضا ختم نبوت زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ ان گرفتاریوں پر سیالکوٹ میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی مگر احرار کارکنوں اور رضا کاروں نے رات بھر پہرہ دیا لوگوں کو صبر کی تلقین کی۔ مرزائیوں کی یہ سکیم کہ وہ شہر شہر جلسہ عام میں مسلمانوں کو مرتد کرنے کی تبلیغ کریں گے ناکام ہو گئی۔ سیالکوٹ کے احباب نے گربہ کشتن روز اول کے مصداق پہلے ہی جلسہ میں مرزائیوں کی عیاری اور منافقت کو بے نقاب کر دیا۔

تیسرا واقعہ

انتخابی مہم شروع ہوئی جیسا کہ عرض کیا گیا تین مرزائی تو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے تھے آٹھ مرزائی بے ٹکٹ یعنی مرزائیت کے ٹکٹ پر کھڑے ہو گئے۔ احرار کو گیارہ حلقوں میں کام کرنا پڑا لائل پور اور سیالکوٹ میں مقابلہ سخت تھا۔ سیالکوٹ میں سر ظفر اللہ خاں کے ہم زلف شاہنواز صاحب خان بہادر مشتاق احمد مسلم لیگی امیدوار کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے شاہنواز صاحب کو پاکستان میں دولت کمانے کا خوب موقعہ ملا۔ کچھ دولت کا

بھروسہ' بکو معزلف کا سہارا' اس میاں صاحب نے اپنے علاقے میں خوب اودھم مچایا۔ اس علاقے میں ہمیں کئی ایک جلسے کرنے پڑے۔

ایک جلسہ میں سید فیض الحسن شاہ صاحب' مولانا محمد حیات صاحب اور مجھے شامل ہونیکا موقع ملا۔ یہاں شاہنواز صاحب کے بھائی اپنی ساتھیوں کو لے کر آدھمکے وہ بار بار پستول دکھاتے تھے۔ علاقے کے مسلمان ان سے مرعوب تھے جس گھر میں ہم ٹھہرے تھے۔ وہ مسلمانوں کا گھر تھا اس کے رشتہ دار مرزائی تھے یہی شاہنواز ان کے برادری والے تھے دیہاتوں میں برادریوں کا سلسلہ بہت چلتا ہے صاحب خانہ نے ہمیں کہا کہ آپ اب جلسہ ملتوی ہی کر دیں۔ جلسہ گاہ میں گڑبڑ کے بعد دیہاتیوں کی آپس میں چلنے لگی مگر ہم نے انہیں لڑنے نہیں دیا شاہنواز کے بھائی نے صاحبزادہ کو بھی مرعوب کرنا چاہا اس روز ہمیں معلوم ہوا کہ صاحبزادہ کے سینے میں کتنا بہادر اور جری دل ہے مرزائی پستول دکھا رہا تھا۔ صاحبزادہ صاحب' حقارت کی ہنسی سے اسے ذلیل کر رہے تھے۔ کہ بھگدڑ نہ ہوئی۔ معاملہ رفع دفع ہو گیا جلسہ برخاست کر کے ہم نے وہیں اعلان کیا کہ یہاں چند روز کے بعد پھر جلسہ ہو گا جسے اٹھتا ہے یا زور آزمائی کرنا ہے اسے چوکنا رہنا چاہئے۔ اس روز ضرور آ جائے ہم نے باقاعدہ دن تاریخ اور وقت کا اعلان کر دیا۔ اس عرصہ میں ہم نے ارد گرد کے دیہاتوں میں جلسے کر کے بے پناہ پراپیگنڈہ کیا چنانچہ تاریخ مقررہ پر جب دوبارہ اسی گاؤں میں جلسہ ہوا جہاں مرزائیوں نے دھاندلی مچائی تھی۔ تو ہجوم اس قدر تھا کہ لوگ دور دور تک کھیتوں میں پھیلے ہوئے تھے اس تاریخی جلسے میں شرکت کے لئے دس دس میل کے فاصلے سے لوگ کافی تعداد میں آ گئے۔

سیالکوٹ کے احرار کارکن اور رضاکار بھی پہنچ گئے' چاروں طرف سے مسلمان گروہ در گروہ نعرے لگاتے ہوئے آ رہے تھے۔ مرزائی حضرات دیکھنے کو نظر نہ آئے ان کی تمام کروفر ختم ہو گئی۔ جلسہ بہت ہی کامیاب ہوا اس جلسے کی کامیابی کے بعد مرزائیت کے پاؤں اکھڑ گئے۔ احرار نے مرزائیت کے خلاف ٹھوس پراپیگنڈہ کے لئے پروگرام بنا لیا۔ احرار کے لئے فضا سازگار ہوتی چلی گئی۔ بعض حلقوں سے مطالبہ ہوا کہ احرار کے نمائندے اسمبلی میں ضرور جانا چاہئیں۔ مگر احرار نے صرف انکار کیا اور بار بار اعلان کیا کہ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کی نمائندگی کا حق مرزائیوں کو نہ سونپا جائے۔ یہ غیر مسلم ہیں۔

دو اہم گرفتاریاں

شیخ حسام الدین صاحب مجلس احرار کے مسلمہ جرنیل ہیں۔ وہ جس قدر صاف دل ہیں اسی قدر سخت مزاج بھی ہیں طبیعت بے دریغ ہے جو دل میں ہو وہی زبان پر آتا ہے اور ضرور

آتا ہے۔ دنیا انصاف سے کام لے تو یہ بہت بڑا وصف ہے' اعلیٰ درجے کی خوبی ہے' مومن کی بہترین نشانیوں میں سے ایک ہے۔ مگر آج کی دنیا اس کی متحمل نہیں۔ یہ سیاسی منافقت کی دنیا ہے شیخ صاحب مسلم لیگ کے بارے میں اپنے خیالات اور ارادے چھپا کر نہ رکھتے تھے وہ جو کچھ پرائیویٹ صحبتوں میں کہتے تھے اسے جلسہ عام میں بھی ضرور کہتے تھے یہی بات مسلم لیگی لیڈروں کی طبیعت پر گراں گزری یہ ان دنوں کی بات ہے جب مجلس احرار زیر عتاب تھی اور مسلم لیگ کا طوطی بولتا تھا عوام انہی مسلم لیگیوں کو جنہیں آج برا بھلا کہہ رہے ہیں فرشتوں سے کم نہ سمجھتے تھے مجلس احرار پاکستان کے سیکرٹری صاحبزادہ سید مخدوم شاہ بخاری لاہور میں قیام فرماتے تھے۔ بھارت میں ان کے کاروبار کی شاخ موجود تھی وہ اکثر دہلی آیا کرتے تھے مخدوم شاہ صاحب بہت کم گو مگر بہت ہی ذہین اور باعمل انسان ہیں وہ بڑے بہادر نوجوان ہیں پیر ہونے کے باوجود وہ پیری مریدی سے بھاگتے رہے مجاہدانہ سیرت کے سید ہیں ہمیں معلوم ہے کہ قبائل کے ساتھ مل کر آزادی کی جنگیں بھی لڑتے رہے ہیں فقیرا پی تک سے ان کی واقفیت ہے تقدیر انہیں کوہاٹ سے لاہور لے آئی یہاں احرار کے مرکز کے علاوہ ان کا اپنا کاروباری دفتر بھی موجود تھا مخدوم شاہ صاحب ہمارے سیاسی کام میں بہت کم ہاتھ بٹاتے تھے مسلم لیگ کے لیڈروں کے بارے میں ان کی رائے بھی اچھی نہ تھی مگر چونکہ وہ مقرر نہ تھے اور یوں بھی کم گو تھے اس لئے کسی کو موقعہ نہ تھا کہ ان پر مخصوص اتہامات چپک سکے۔ مسلم لیگ کی اپنی حکومت تھی اپنا راج تھا حکم ہوا ان دونوں احرار لیڈروں کو پکڑ لو۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان دونوں کا بھارت آنا جانا ہے یہ بھارت کے جاسوس ہیں اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ دونوں حضرات یعنی شیخ حسام الدین اور سید مخدوم شاہ بخاری جیل بھیج دیئے گئے یہی نہیں کہ دو بے گناہوں کو پکڑا گیا اس سے آگے یہ ہوا کہ احرار کے خلاف مسلم لیگ کے کیمپ سے طوفان بدتمیزی اٹھا۔ گلی کوچے میں یہ پراپیگنڈہ ہوا کہ احرار وطن کے غدار ہیں۔ کسی منصف مزاج کو یہ توفیق نہ ہوئی جو مسلم لیگی حکومت سے یہ پوچھتا کہ ان دونوں نے کیا غداری کی ہے؟ میں نے آزاد میں اداریہ لکھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں صلاح مشورہ سے کرتے ہیں اگر یہ دو ذمہ دار احرار لیڈر غدار ہیں تو اس غداری میں ہم سب کو شامل کیجئے ہمیں آپ نے کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ نواب افتخار حسین صاحب (نواب صاحب ممدوٹ) کی حکومت تھی نواب صاحب بہت بھلے اور شریف آدمی ہیں ملاقات ہو جائے تو اخلاق سے پیش آتے ہیں بات معقول کرتے ہیں۔ خاندانی شرافت بدرجہ اتم موجود ہے گو آج کل وہ بہت کچھ بدل چکے ہیں تاہم بہت غنیمت انسان ہیں ہم نے نواب صاحب موصوف کے ہاں دستک دی' ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو عرض کیا حضور نواب صاحب! میرے دو شریف ساتھیوں کو آپ نے بلاوجہ پکڑ لیا ہے میں دریافت کرنے آیا ہوں ان کا کیا

قصور ہے؟ اگر وہ غدار ہیں اور واقعی بھارت کے جاسوس ہیں تو انہیں چوراہے میں کھڑا کر کے گولی مار دیجئے اور لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیجئے تاکہ دیکھنے والے عبرت پکڑیں اور اگر یہ نہیں اور یقیناً نہیں تو حضور والا انہیں چھوڑ دیجئے۔ حکم ہوا ہم تحقیقات کریں گے کیا معاملہ ہے۔ میں واپس چلا آیا اور میں نے اپنے محولہ بالا بیانات کا آزاد کے ذریعے اعلان کیا اور حکومت کی ناانصافی کو کھلم کھلا چیلنج کیا۔ بعض اخبارات نے میری تائید میں مقالے لکھے۔ کچھ دنوں صبر سے انتظار کیا۔ جب دیکھا کہ معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ میری درخواست سرد خانے میں محفوظ ہو گئی۔ تب میں نے پھر حوصلہ کیا اور نواب صاحب سے پھر درخواست کی وہ فرمانے لگے تحقیقات ہو رہی ہیں میں انہیں چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ اطمینان ہو جانے دیجئے دو چار دن کی بات ہے چنانچہ مجھے دو چار دن بعد حاضر ہونے کی گنجائش نکل آئی۔ میں پھر حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ کاغذات منگوائے ہیں۔ ابھی کاغذات آئے نہیں۔ میں نے عرض کیا میں دریافت کر جایا کروں۔ حکم ہوا بڑی خوشی سے آؤ۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا نواب صاحب بڑے خلیق اور ملنسار انسان ہیں۔

مجھے روزانہ حاضری کا پاسپورٹ مل گیا تقریباً تین ساڑھے تین مہینے نہ میں نے تھکن محسوس کی اور نہ نواب صاحب کے ماتھے پر بل آیا میں نے ایک روز تنگ آکر نواب صاحب سے عرض کیا کہ نواب صاحب اگر آپ میرے رفیقوں کو رہا کر سکتے ہوں تو مجھے جواب دیجئے۔ وہ فرمانے لگے پولیس روڑے اٹکا رہی ہے میں نے یہ سنا تو پولیس کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ میاں انور علی سے ملا تو معلوم ہوا کہ مثل تو نواب صاحب کے پاس ہے۔ میں پھر نواب صاحب کے پاس حاضر ہوا تو وہ فرمانے لگے کہ مثل ابھی نہیں آئی۔ میں نے بیچ کا پردہ ہٹا دیا اور عرض کیا کہ حضور میں دریافت کر آیا ہوں میاں صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے مثل سفارش کر کے بھیج دی ہے کہ انہیں رہا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے نواب صاحب بہت خفا ہوئے اپنے سیکرٹری کو بلایا اور غصے میں فرمایا کہ رہائی کا قصہ تو بعد میں ہو گا پہلے انور علی سے تو نپٹ لوں۔ میں نے نواب صاحب سے عرض کیا کہ حضور آپ بعد میں جو دل چاہے کیجئے گا پہلے رہائی کا حکم تو دیجئے۔ میں نے نواب صاحب کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اصل حقیقت کے آشکارا ہو جانے سے کچھ ندامت محسوس کر رہے تھے بہرحال کارندوں کو حکم ہوا مثل کو تلاش کرو۔ مجھے روزانہ حاضری دینا پڑی۔ جماعت زیر عتاب تھی قوم نشے میں تھی، حاکم بدمست تھے۔ ایسے میں اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ میں اپنے رفیقوں کو جس طرح ہو سکے جیل سے باہر نکالوں سب کو علم ہو چکا تھا کہ دونوں احرار بے گناہ ہیں۔

شیخ صاحب جیل میں بیمار پڑ گئے

میانوالی جیل سے اطلاع ملی کہ شیخ صاحب بیمار ہیں۔ شیخ صاحب کے بھائی صاحبان اور ان کا بچہ کلیجہ پکڑے میرے پاس پہنچے اور مجھے تار دکھائی۔ میں دوڑا دوڑا نواب صاحب کی کوٹھی پر پہنچا۔ نواب صاحب نے مجھے اندر کمرے میں بلا لیا۔ چائے آگئی چائے کی پیالی میری طرف بڑھا کر نواب صاحب فرمانے لگے لو ماسٹر صاحب چائے پیو میں نے انکار کیا وہ فرمانے لگے کیوں؟ میں نے تار نکال کر میز پر رکھ دی اور ساتھ ہی ان سے عرض کیا کہ یہ چائے میرے لئے لہو کے گھونٹ ہیں۔ میرا عزیز رفیق آپ کی جیل میں بیمار ہے۔ میں یہ چائے کیسے پیوں۔ نواب صاحب نے اسی وقت سٹینو کو بلایا حکام جیل سے دریافت کیا کہ شیخ صاحب کی خیریت کی اطلاع دیں مجھے فرمایا کہ دو دن کے اندر انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ یہ دو دن بھی گزر گئے۔ اس کے بعد میں نے خود پتہ لیا کہ مشکل کہاں ہے۔ معلوم ہوا سٹینو کے کمرے میں مثلوں کے انبار لگے ہیں۔ انہی مثلوں میں ہماری تقدیر بھی پڑی ہے۔ بہرحال سٹینو کو ڈانٹ بھی پلائی اور تلاش میں اس کا ہاتھ بھی بٹایا۔ ایک روز مثل مل ہی گئی۔ رہائی کے احکامات جاری ہوئے اور ہمارے بے گناہ ساتھی چار مہینے جیل کی ہوا کھا کر واپس آئے مسلم لیگ کو پھر بھی لوگ زندہ باد کہتے رہے احرار کو تب بھی مردہ باد کہا گیا۔

نوٹ = شیخ صاحب اور مخدوم شاہ صاحب کی گرفتاری کا واقعہ اس وقت عمل میں آیا۔ جب مجلس احرار پر عتاب نازل تھا۔ ان کی رہائی کے وقت ہم وہ عظیم الشان کانفرنس منعقد کر رہے تھے۔ جس میں احرار نے سیاسیات سے کنارہ کشی کا اعلان کیا۔

بلا مقابلہ نشستوں کی پیشکش

کسی مسلم لیگی دوست نے انتخابات کے بارے میں مجھ سے تبادلہ خیال کیا۔ باتوں باتوں میں یہ بحث چل نکلی کہ احرار کتنی نشستیں حاصل کر سکتے ہیں؟ میں نے چند حلقوں کا حوالہ دیکر کہا کہ ان نشستوں پر لیگی اور مرزائی دونوں مل کر بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ بحث دوستانہ انداز میں بے تکلفی سے ہو رہی تھی۔ بات کو پر لگے وہ مسلم لیگ کیمپ تک پہنچتے پہنچتے کچھ کی کچھ بن گئی۔ خان لیاقت خاں مرحوم کی موجودگی میں مشورہ ہوا اور بالآخر یہ طے ہوا کہ احرار سے دریافت کر لیا جائے کہ وہ کون کون سی سیٹ چاہتے ہیں۔ مسلم لیگ وہاں سے اپنا امیدوار واپس لے لیگی۔ احرار کو بلا مقابلہ کامیابی حاصل ہو سکے گی۔ میر خلیل الرحمن صاحب زبانی گفتگو کے لئے میرے پاس تشریف لائے۔ وہ بے انتہا شریف مخلص ترین مسلم لیگی ہیں۔ ان کا ایک خاص ذہن ہے میرے دل میں ان کا بے حد احترام ہے۔ وہ نہایت عمدہ تمہید کے بعد فرمانے لگے کہ آپ بے تکلفی سے فرمایئے کہ کس کس سیٹ پر آپ کی نگاہ ہے میں نے انہیں کہا کہ

آپ نے ہم کو ابھی تک سمجھا نہیں جس کا مجھے افسوس ہے ہم تو اپنے سامنے صرف ایک مقصد رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کسی مرزائی کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں۔ میر صاحب نے فرمایا کہ ہمیں اس قسم کی اطلاع ملی تھی کہ احرار کچھ سیٹوں کے بارے کہہ رہے ہیں کہ یہ انہیں ملنی چاہئیں۔ میں نے اس سے بے تکلفی کی بحث کا ذکر کرنے کے بعد معاملے کو ختم کر دیا۔ میر صاحب دوسرے دن پھر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ صاحبزادہ فیض الحسن صاحب اگر پسند فرمائیں اور بتا دیں کہ وہ کس سیٹ پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں۔ ہم وہ سیٹ خالی کر دیں گے۔ میں نے میر صاحب کو جواب دیا کہ صاحبزادہ صاحب ہرگز کوئی سیٹ قبول نہ فرمائیں گے۔ وہ ہمارے مخلص ساتھی ہیں۔ جب ہم نے فیصلہ ہی کر لیا ہے کہ الیکشن میں حصہ نہیں لینا تو اب کسی سیٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم میں صاحبزادہ صاحب سے دریافت کر لیتا ہوں انہیں لاہور بلواتا ہوں وہ انشاء اللہ کل تشریف لے آئیں گے۔ ان سے دریافت کر لیا جائے گا۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ آپ کو انہیں اسی وقت جواب دے دینا چاہئے تھا ہم جو کچھ کر رہے ہیں خود نشستیں حاصل کرنے کے لئے نہیں کر رہے۔ ہمارا ایک مقصد ہے جس کا ہم بار بار اعلان کر چکے ہیں۔ میں نے صاحبزادہ صاحب کو ٹٹولا اور عرض کیا کہ صاحبزادہ صاحب آپ کو بلا مقابلہ سیٹ مل جائے گی۔ حکم فرمایئے تو آگے بات کروں۔ صاحبزادہ صاحب نے برہم ہو کر فرمایا آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ ایک سیٹ کیا ہم کو ساری سیٹیں خالی ملیں تو قبول نہ ہوں گی صاحبزادہ صاحب کی گفتگو سے میرا دل بے حد مطمئن ہوا میرے دل میں ان کا احترام اور زیادہ ہو گیا۔ لوگ ایک ایک سیٹ کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلتے اور کیسے کیسے چولے بدلتے ہیں۔ میں نے میر صاحب سے عرض کر دیا کہ صاحبزادہ صاحب انکار فرما گئے ہیں۔ قصہ ختم ہو گیا۔

یوم تشکر

انتخابات ختم ہو چکے تو نتیجے کے انتظار میں خون خشک ہونے لگا۔ ہر امیدوار امید لگائے بیٹھا تھا مسلم لیگ خوش اور مطمئن تھی مسلم لیگ کے مخالف ہراساں تھے۔ مسلم لیگ کی اپنی حکومت تھی اس لئے مسلم لیگ کی "دعاؤں" میں بڑا اثر تھا۔ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ان "زود اثر دعاؤں" پر بڑا بھروسہ تھا اور یقین تھا (ہمارا اپنا کوئی امیدوار نہ تھا) مگر انتخابات کے نتیجہ پر احرار کی نگاہیں اس طرح لگ رہی تھیں جس طرح ۳۰۲ کے بے گناہ ملزم کے ورثاء آخری عدالت کا فیصلہ سننے کے لئے مضطرب ہوں۔ مرزائیوں کی کیفیت یہ تھی کہ وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بھی کھڑے تھے۔ اس کے علاوہ بھی چند نشستوں پر مقابلہ کر رہے تھے۔ مرزا محمود

اور اس کے حواریوں کی پوری قوت اور توجہ انتخاب پر مرکوز تھی دولت، اثر و رسوخ اور بے پناہ پراپیگنڈا کیا گیا۔ وہ بھی ہماری طرح انتخابات کے نتیجے کو موت و حیات کا فیصلہ سمجھے ہوئے تھے۔ انتظار کی گھڑیاں بھی جا رہی تھیں۔ جوں توں کر کے وقت گذر گیا نتیجے نکلنے شروع ہوئے تو احرار کی توجہ مرزائیوں کی سیٹوں پر مرکوز تھی انہیں اس سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ دوسری سیٹوں پر کیا ہوتا ہے۔

پہلا نتیجہ بہت ہی دل خوش کن تھا۔ یعنی ایک مرزائی امیدوار کی ضمانت ضبط ہو گئی احرار نے سجدہ شکر ادا کیا۔ یکے بعد دیگرے نتیجوں کا اعلان ہوتا رہا الحمد للہ کہ تمام سیٹوں پر مرزائی امیدوار خواہ وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے تھے یا آزاد ممبر کی حیثیت سے کھڑے ہوئے تھے ہار گئے یعنی مرزائی سو فیصد شکست کھا گئے اور احرار سو فیصد کامیاب ہوئے۔ اعلان ہوا یوم تشکر منایا جائے گا لاہور والوں نے احرار کے یوم تشکر کا شاندار نظارہ دیکھا ہے۔ احرار رضا کاروں نے کس سج دھج سے میدان میں قدم رکھا۔ کانفرنس کا کتنا بڑا پنڈال تھا۔ اور لوگوں کا کتنا بڑا اجتماع تھا۔ یہ نظارہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا اسے ضبط تحریر میں لانا کم از کم میرے بس کی بات نہیں۔ مسلمانوں نے چراغاں کیا، مساجد میں دعائیں مانگی گئیں، غرضیکہ مرزائیت کی اس کھلی شکست نے ختم نبوت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ مرزائیوں پر اوس پڑ گئی اقتدار میں حصہ دار ہوتے ہوئے وہ فقیروں اور بینواؤں کے گروہ احرار سے بری طرح شکست کھا گئے۔ غلامان محمدؐ کو سرخروئی نصیب ہوئی اور باغیان مصطفیٰؐ خائب و خاسر ہوئے۔

تحریک کا دوسرا دور

فتح و کامرانی کے نشے میں جو قوم غافل ہو کر بیٹھ جائے اس کی فتح کچھ عرصہ بعد شکست میں بدل جایا کرتی ہے۔ تاریخ میں اس کی بیشمار مثالیں موجود ہیں۔ احرار اس حقیقت سے باخبر تھے فیصلہ ہوا کہ بنیادی عقیدے کی تبلیغ کا وسیع جال بچھا دیا جائے تاکہ پاکستان میں مرزائیت کے پنپنے کی تمام راہیں مسدود کر دی جائیں۔ تبلیغ کے لئے زیادہ سے زیادہ مبلغوں کی ضرورت تھی تبلیغی نظام کے لئے کافی روپیہ درکار تھا۔ حضرت شاہ صاحب خدا انہیں مکمل صحت عطا کرے۔ اٹھے دورہ شروع کیا شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ گھومے پھرے۔ کراچی تک پہنچے تحفظ ختم نبوت کے لئے دامن پھیلایا الحمد للہ کہ بامراد واپس لوٹے۔ مبلغوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی، صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب، مولانا محمد علی جالندھری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے علاوہ مولانا لال حسین اختر اور مولانا محمد حیات ایسے بلند پایہ مقرر اور مناظر پہلے سے موجود تھے۔ اب دوسرے مبلغوں کا اضافہ ہوا تو کام وسیع ہو گیا۔

اخراجات بھی بڑھ گئے' مولانا محمد علی جالندھری اعلیٰ درجہ کے منتظم ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ادارہ کس طرح چلایا جاتا ہے ضابطے کی پابندی ان کی عادت ثانیہ ہے اس لئے وہ دوسروں کو بھی ضابطے کی پابندی پر مجبور کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تبلیغی ادارے کو مولانا کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت نے سنبھال لیا تبلیغ کا ملک بھر میں وسیع جال بچھ گیا۔ مرزائیت کے مذہبی اور سیاسی پہلو بے نقاب ہونے لگے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ ہم مرزائیت کی راہ روک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ مگر ہمارے دیکھتے دیکھتے مرزائیت غوطہ لگا کر دوسرے کنارے کھڑی نظر آتی تھی۔ ہم نے کھلے میدان میں کام شروع کیا۔ مرزائی سرکاری ملازم سرکاری دفاتر میں مرزائیت کا لٹریچر پہنچاتے تھے مثلاً کسی محکمہ میں اگر ہیڈ کلرک یا سپرنٹنڈنٹ مرزائی ہے تو وہ اپنی میز پر "الفضل" کے علاوہ تبلیغی لٹریچر بھی موجود رکھتا تھا۔ ماتحتوں میں اسے بڑی خوبصورتی سے تقسیم کرتا تھا۔ بیچارے ماتحت مسلمان اعلیٰ افسر کو خوش رکھنے کے لئے رواداری سے کام لیتے اور لٹریچر پڑھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ وہ پڑھے لکھے مسلمان جو اپنے مذہب سے پوری واقفیت نہ رکھتے تھے۔ مرزائیوں کے چکر میں آ جاتے۔ بعض ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے' ربوہ کے سالانہ اجتماع پر مرزائی سرکاری ملازم' مسلمان ملازموں کو بڑی ترکیبوں سے اپنے ہمراہ لے جاتے تھے لوٹ بلچے سے دام خرچ کر کے سرکس دیکھنے چلے جاتے ہیں یہاں تو کرایہ' رہائش اور خورد و نوش کے علاوہ بھی بہت کچھ مفت میں تھا۔ بعض بدنصیب اسی چکر میں پھنس جاتے تھے۔ احرار کو ہر ہر گوشے پر نگاہ رکھ کام کرنا پڑتا۔ اس طرح اسلام اور مرزائیت کی کشمکش تیز ہو گئی۔ حد یہ ہے کہ احرار کو اس قدر محنت کرنا پڑی کہ ہفتے میں کانفرنس یا جلسے کے بعد ایک دن بھی خالی نہ رہا۔ یہ تو ہوا ایک دن میں دو کانفرنس یا دو جلسے ہو گئے مگر ایسا دن شاذ ہی آیا ہو گا جس دن صوبے کے کسی شہر یا قصبے میں جلسہ یا تبلیغی کانفرنس منعقد نہ کی ہو۔

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں

۱۹۵۲ء میں دو باتیں ایسی وقوع پذیر ہوئیں جس سے مسلمانوں کے دل ہل گئے۔ اور ان کی روحیں کانپ اٹھیں' پہلی بات یہ ہوئی۔ کہ خواجہ ناظم الدین نے ملک کے آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی ایک رپورٹ تیار کروائی۔ جو بی پی سی رپورٹ کے نام سے موسوم تھی' اس بنیادی اصولوں کی رپورٹ میں نظریہ پاکستان کے تحفظ کے تقاضا کے مطابق ملک کے لئے جداگانہ انتخاب تجویز کیا گیا تھا جداگانہ انتخاب کی صورت میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے اقلیتوں کے واسطے صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں میں نشستیں مخصوص کی گئیں' چنانچہ اس بی پی سی رپورٹ میں اقلیتوں کا ایک چارٹ بھی شائع کیا گیا' جس میں ہندو' سکھ' عیسائی' پارسی اور

اچھوت بطور اقلیت درج تھے۔ لیکن قادیانیوں کو جو پورے عالم اسلام کے فیصلوں اور فتووں کی روشنی میں خارج من اسلام ایک نئی امت تھے۔ انہیں اقلیتوں کے چارٹ میں درج نہ کیا گیا' ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ خواجہ ناظم الدین کی حکومت نے انہیں مسلمانوں میں شامل کر دیا تاکہ وہ مار آستین بن کر مسلمانوں کے حقوق پر ڈاکہ زنی کرتے رہیں۔ اونچے درجے کی ملازمتیں ان کے نوجوانوں کو ملتی رہیں۔ جہاں سے ان کی مرضی ہو انتخاب لڑ کر اور عوام کو اسلام کے نام پر دھوکہ دے کر اسمبلیوں میں پہنچ جائیں اور جب نمائندگی اور خدمت کا موقعہ آئے تو صرف اپنی جماعت کی خدمت کریں' اور صرف اپنوں کے کام آئیں۔ جیسا کہ ان کے ہاں رواج ہے۔ دوسری بات یہ پیش آئی کہ خلیفہ ربوہ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے ایک خطبہ میں قادیانیوں کو اشتعال دلاتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ ایسی صورت حال اختیار کرو کہ تمہارے مخالف' ۱۹۵۲ء کے گزرنے سے پہلے پہلے تمہارے قدموں میں گرنے پر مجبور ہو جائیں۔ بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانے کے خواب کشمیر میں قادیانی سلطنت کا خام خیال سارے پاکستان پر قبضہ کی باتیں وہ کرتے ہی رہتے تھے' اب جب مخالفوں یعنی علمائے حق کو قدموں پر جھکانے کی دھمکی دی بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ دن آ پہنچے ہیں کہ قادیانی مقتولوں کے خون کا بدلہ لیا جائے گا مولانا ابو الاعلیٰ مودودی' امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری' مولانا احتشام الحق تھانوی' مفتی محمد شفیع اور مولانا عبدالحامد بدایونی سے لیا جائے گا ان چیزوں سے مسلمانوں میں آگ لگ گئی۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے دسمبر ۱۹۵۲ء چنیوٹ کی سالانہ کانفرنس میں فرمایا کہ مرزا محمود تیرا ۱۹۵۲ء گزر گیا۔ خدا نے ہمیں تیرے قدموں پر گرنے سے بچایا ہے۔ اب ۱۹۵۳ء ہمارا ہے دیکھ اب ہمارا اللہ تجھ سے اور تیری جماعت سے کیا کرتا ہے۔

خان لیاقت علی خان کی خواہش

خان لیاقت علی خان مرحوم و مغفور کو اپنے آخری دور حیات میں چوہدری ظفر اللہ خان کی حقیقت کا علم ہو چکا تھا اور وہ اس طرح ہوا کہ لیاقت علی خان مرحوم ضلع سیالکوٹ کے ایک قصبہ ناروال کے ریلوے اسٹیشن پر اپنی گاڑی میں ٹھہرے ہوئے تھے' مجلس تحفظ ختم نبوت کے سابق صدر قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی ضلع سیالکوٹ کے تبلیغی دورہ پر پہنچے ہوئے تھے' جب قاضی صاحب مرحوم کو معلوم ہوا کہ خان لیاقت علی خان مرحوم ناروال کے پلیٹ فارم پر گاڑی میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور رات وہیں قیام ہے۔ تو قاضی صاحب اپنا قادیانیت سے بھرا ہوا مشہور ٹرنک ساتھ لے کر پہنچ گئے' وقت مانگا تو ۱۵ منٹ کے لئے ملاقات کا وقت مل گیا۔ قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک صحیح مبلغ کا دماغ اور زبان عطا کی ہوئی تھی۔

خاں صاحب سے قادیانیت کے موضوع پر گفتگو کی۔ قادیانیت کی مذہبی اور دینی حیثیت واضح کرنے کے بعد قادیانیت سے ملک اور اسلام کو جو سیاسی خطرات تھے' وہ بیان کیے۔ جب گفتگو کرتے آدھ گھنٹہ گذر گیا تو نواب صدیق علی خان جو لیاقت علی خاں مرحوم کے پولیٹیکل سیکرٹری تھے۔ اندر داخل ہوئے اور عرض کیا کہ قاضی صاحب کی ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ اور باہر ملاقاتی ملاقات کے لئے بہت بے چین ہیں۔ لیاقت علی مرحوم نے فرمایا کہ سب کی ملاقاتیں منسوخ ان سب کو پھر کوئی دوسرا وقت دیا جائے گا اور اب میں کسی اور سے ملاقات نہیں کروں گا۔ قاضی صاحب سے فرمایا کہ آپ جلدی نہ کریں۔ مجھے اطمینان سے یہ قضیہ سمجھائیں اب جتنا وقت لیں گے دیا جائے گا۔ قاضی صاحب نے فرمایا۔ کہ قادیانی امت اور اس کا ایک فرد چوہدری ظفر اللہ خاں سب سے پہلے اپنے خلیفہ کے فرمانبردار اور وفادار ہیں۔ نہ کہ آپ کے یا مملکت پاکستان کے۔

دو مثالیں

پھر قاضی صاحب نے مثال کے طور پر دو واقعات کا ذکر کیا۔ پہلا علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا کہ وہ کسی زمانہ میں کشمیر کمیٹی کے جنرل سیکرٹری اور خلیفہ قادیان مرزا محمود اس کمیٹی کے صدر تھے۔ بعد میں علامہ اقبال نے اس کمیٹی سے یہ کہہ کر استعفیٰ دیا۔ کہ مجھے یقین ہو گیا ہے۔ کہ ہر قادیانی اولین طور پر اپنے خلیفہ کا وفادار ہے۔ اور دوسرے کسی شخص یا مقصد کا وفادار نہیں ہو سکتا' دوسری مثال قاضی صاحب نے یہ دی کہ کچھ عرصہ پہلے فلسطین کا مسئلہ یو' این' او میں پیش ہو رہا تھا اب ظاہر ہے کہ پاکستان کی ہر قیادت نے عربوں کی ہمیشہ حمایت کی ہے۔ یہاں تک کہ اسرائیل کے وجود نامسعود کو تسلیم ہی نہیں کیا ہے۔ پاکستان کی اسی پالیسی کی وجہ سے چوہدری ظفر اللہ خاں کو جو یو' این' او میں پاکستان کے نمائندہ تھے' عربوں کی ڈٹ کر حمایت کرنا تھی لیکن چوہدری ظفر اللہ خان نے پلیک میٹنگ کی اور عربوں کو کہا کہ میں آپ کی تب مدد کر سکتا ہوں' جب میرا خلیفہ ربوہ مرزا محمود مجھے آپ کی مدد کرنے کا حکم دے ان بے چاروں ضرورت کے ماروں نے خلیفہ ربوہ سے بذریعہ تار امداد کی درخواست کی۔ خلیفہ ربوہ نے 'یو' این' او میں عرب ڈیلیگیشن کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ میں نے آپ کی درخواست کے مطابق چوہدری ظفر اللہ خان کو ہدایت کر دی ہے۔ کہ وہ تمہاری مدد کرے' اس تار پر عرب ڈیلیگیشن نے ربوہ کے خلیفہ صاحب کو شکریہ کا تار بھیجا خدا کی قدرت یہ دونوں تار ربوہ کے دفتروں سے کسی نہ کسی طرح اڑ کر ہمارے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ اور ان تاروں سے پتہ چلا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں تنخواہ پاکستان کے خزانہ سے حاصل کرتا ہے۔ نوکر آپ کا ہے لیکن وفاداری بشرط

استواری خلیفہ ربوہ سے ہے اور کام اپنی جماعت کا کر رہا ہے۔ اسے کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ آپ کی بجائے خلیفہ ربوہ کا تعارف عربوں سے کراتا" لیاقت علی خاں مرحوم نے تاروں کو دیکھا اور درخواست کی کہ آپ یہ دونوں تار مجھے دے سکتے ہیں۔ قاضی صاحب نے دونوں تار دے دیئے۔

چنانچہ لیاقت علی خاں مرحوم کی شہادت کے بعد چندریگر صاحب نے قاضی احسان احمد صاحب کو پشاور گورنمنٹ ہاؤس میں کہا کہ جو باتیں چوہدری ظفر اللہ خاں کے متعلق آپ اور خاں صاحب مرحوم کے درمیان ہوئی تھیں وہ خاں صاحب مرحوم نے من وعن مجھے بتا دی تھیں' اس تفصیل سے بتانا یہ مقصود ہے کہ جب لیاقت علی خاں کو حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارت سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا لیکن وہ چاہتے تھے کہ اس کا تھوڑا سا عوام میں طلسم توڑا جائے تاکہ اسے آسانی کے ساتھ وزارت سے نکال باہر کیا جائے۔
مجھے یاد ہے۔ چنیوٹ کانفرنس کے بعد لاہور میں ایک بہت بڑے جلسہ سے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ خطاب فرما رہے تھے سر ظفر اللہ خان کا ذکر آیا تو حضرت شاہ صاحب نے یہ مصرعہ پڑھتے ہوئے اس امر کی طرف ایک بلیغ اشارہ فرمایا تھا۔ وہ مصرعہ یہ تھا۔ پہلے بھی مشکل میں تھا اب یار تو مشکل میں ہے۔ لیکن خدا کی قدرت کہ لیاقت علی خاں اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے فرنگی کی حکمت عملی کام کر گئی اور لیاقت علی خاں شہید کر دیئے گئے۔

چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہٹانے کی تحریک پورے ملک میں جاری تھی۔ انہیں دنوں کچھ اور واقعات رونما ہوئے جنہوں نے جلتی پر تیل کا کام دیا وہ واقعات بھی قادیانیوں کے بزعم خویش تبلیغی جنون کا نتیجہ تھے' خصوصاً قادیانی افسروں کا رویہ نہایت ہی جارحانہ ہو چکا تھا۔ سیالکوٹ کی طرح قادیانیوں نے لائل پور میں جلسہ کیا۔

لائل پور میں ہنگامہ

اس ضمن میں لائل پور کے ہنگامے کا مختصراً ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا اگر قادیانی صاحبان اس معمولی واقعہ کو اپنی کرامت اور پیشین گوئی کی فتح قرار نہ دے لیں کیونکہ یہ واقعہ بھی ۱۹۵۲ء کے موسم سرما کا ہے اتوار کا دن تھا ۲ بجے دن کے قریب اچانک اطلاع ملی کہ جوہڑانوالی گراؤنڈ میں قادیانی سیرت کے نام پر جلسہ کر رہے ہیں اور زیادہ حیرت اس پر ہوئی کہ اس جلسہ کے لئے انہوں نے شہر میں منادی بھی کروائی اطلاع ملتے ہی خواجہ جمیل دین صدر مجلس احرار کے ہاں بٹ موٹر ورکس پر احرار کارکنوں کا اجتماع شروع ہو گیا جب سب ساتھی

انتہائی غصے اور اشتعال میں تھے ہر ایک کا اصرار یہ تھا کہ ہم قادیانیوں کا کھلے بندوں جلسہ نہیں ہونے دیں گے قادیانی اگر جلسہ کرنا چاہتے ہیں تو اپنی عبادت گاہ میں کر لیں۔ مسلمانوں کے سواد اعظم کو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں ان کو پھر کھلے بندوں جلسہ کی کیسے اجازت دی جا سکتی ہے۔ اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ بوہڑ انوالی گراؤنڈ میں آج اسلامیان لائل پور کی طرف سے ڈیڑھ بجے سیرت کا جلسہ کیا جانا چاہئے۔ اس جلسہ میں مرزا غلام نبی جانباز نظم پڑھیں اور راقم الحروف (مولانا تاج محمود) کو کہا گیا کہ میں تقریر کروں اس فیصلہ کا لاؤڈ سپیکر لگا کر شہر میں اعلان کر دیا گیا۔

یہ سب کچھ ۱۲ بجے سے ڈیڑھ بجے تک صرف ڈیڑھ گھنٹہ میں ہوا۔ احرار کی طرف سے شہر میں منادی کا ہونا تھا کہ ہزاروں آدمی بوہڑانوالی گراؤنڈ کی طرف جانا شروع ہو گئے۔ میں نے وضو کیا اور ظہر کی نماز ادا کی اور جلسہ گاہ میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جلسہ گاہ پانی پت کا میدان بنا ہوا ہے۔ ہوا یہ کہ ۲۰۰ کے قریب احرار رضاکار بوہڑانوالہ گراؤنڈ کے ایک کنارے پر پنڈال بنا رہے تھے اور لاؤڈ سپیکر فٹ کیا جا رہا تھا اس اثنا میں جو مسلمان احرار کے جلسے کو سننے کے لئے پہنچے وہ ایسے ہی ذرا دیکھنے کے لئے قادیانیوں کے جلسہ کے باہر جا کر کھڑے ہو گئے قادیانی جلسہ میں بولنے والے مقرر نے کوئی بات مسلمانوں کے جذبات کے خلاف کی مرزا غلام نبی جانباز نے احتجاج کیا قادیانیوں نے سٹیج کے نیچے کوئی دو تین سو کے لگ بھگ لاٹھیاں چھپا رکھی تھیں وہ نکال لیں اور جلسہ کے حاشیہ پر کھڑے ہوئے مسلمانوں پر برسانا شروع کر دیں مسلمانوں نے بسم اللہ پڑھ کر وہی لاٹھیاں چھین لیں اور قادیانی سورماؤں کی پٹائی کر دی' اب دس ہزار مسلمانوں کا جم غفیر قادیانیوں کی اس اشتعال انگیزی کے خلاف احتجاج کر رہا تھا اتنے میں خان حبیب اللہ خاں ایس پی اور احمد خاں ترین ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر موقعہ پر پہنچ گئے۔ مرزائیوں کی طرف سے میاں محمود اختر ایڈووکیٹ تین دوسرے قادیانیوں سمیت گرفتار کر لئے گئے۔ وزن کے لئے مسلمانوں کی طرف سے مجھے دس ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ جانباز صاحب چوہدری محمد عالم بٹالوی اور چوہدری محمد اکبر بٹالوی شامل تھے۔ ہمیں وہاں تھانہ اور تھانہ سے جیل بھیج دیا گیا۔ قادیانیوں نے ضمانت پر رہائی حاصل کر لی اور ہم نے ضمانت دینے سے انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں زبردست اشتعال پھیل گیا۔ بالآخر حکومت نے اپنے ذرائع سے ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم کو بیچ میں ڈال کر ہمیں ضمانتیں دینے پر آمادہ کر لیا۔ ماسٹر صاحب کا حکم ملتے ہی ہم نے ضمانتیں دے دیں۔ اور باہر آ گئے۔ فریقین کا چالان عدالت میں پیش ہوا مقدمہ چلا لیکن مقدمہ شیطان کی آنت کی طرح لمبا کیا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں ہم لوگ گرفتار ہو کر جیلوں میں چلے گئے اور یہ مقدمہ خود بخود ہی کہیں دفن کر دیا گیا اور

اس مقدمہ میں محمد اعظم سیشن جج (مرزائی) کو پولیس نے خانہ نمبر ۲ میں چالان کیا تھا اور گرفتار نہ کیا تھا حالانکہ مرزائیوں کے جلسہ کا بانی مبانی وہی تھا۔ اور اس نے جلسہ میں اپنے ریوالور سے گولیاں بھی چلائی تھیں۔

جہانگیر پارک کراچی میں قادیانیوں کا جلسہ عام

(حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ ملک بھر کی طرح کراچی میں بھی تقریر کر آئے تھے۔ وہاں تحریک ختم نبوت کے لئے ماحول سازگار تھا چنانچہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بزرگ راہنما' مناظر اسلام' مولانا لال حسین اختر رحمتہ اللہ علیہ کو کراچی میں جماعت کا انچارج بنا کر بھیجا گیا)

ماسٹر تاج الدین فرماتے ہیں

کہ کراچی کی اہمیت سب پر واضح ہے حکومت کا دارالخلافہ ہونے کے علاوہ کراچی میں سر ظفر اللہ خاں کے وزیر خارجہ ہونے کی وجہ سے مرزائیت کا زبردست لٹریچر تقسیم ہونے لگا۔ بعض دوسرے اہم عہدوں پر بھی مرزائی مسلط تھے حکومت کی مشینری قادیانی اشاروں پر رقص کرتی تھی۔ سندھ میں جناب فاروقی صاحب چیف سیکرٹری کی کلیدی آسامی پر مسلط تھے۔ کراچی پر سندھ کا بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ اس طرح پاکستان کا مرکز دراصل قادیانیوں کا گڑھ تھا۔ جب تک مجلس نے وہاں اپنا دفتر قائم نہ کر لیا۔ لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ مرزائیت کی امربیل کس طرح شجر اسلام پر چھا کر بسنت منا رہی ہے۔

کراچی میں قادیانیوں کا تاریخی جلسہ

سیالکوٹ اور لائل پور سے شکست کھانے کے بعد مرزائیت نے کراچی میں سر جا نکالا۔ یہی ان کا آخری اور مضبوط قلعہ تھا۔ پاکستان میں مرزائیت کا دارومدار خلیفہ محمود کی دماغی قابلیت اور سر ظفر اللہ خاں کے بل بوتے پر تھا ورنہ مرزائیت میں نہ ہی کوئی کشش ہے اور نہ جاذبیت۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ کراچی میں کھلے بندوں تبلیغ مرزائیت کے لئے جلسہ عام منعقد ہو جس میں سر ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان تقریر فرمائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں مسلم لیگ کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں ارتداد پھیلانے کے لئے آمادہ و تیار ہو گئے۔ غیر ملکی سفارت خانوں میں دعوت نامے بھیجے گئے حکومت کی ساری مشینری حرکت میں آ گئی۔ پولیس سے رضا کاروں کا کام لیا گیا۔ اس جلسے میں سر ظفر اللہ خاں کی تقریر کا عنوان تھا" زندہ اسلام " (یعنی مرزائیت زندہ اسلام اور اصل اسلام مردہ اسلام) کراچی کی دیواروں پر جب اس جلسے کے قد آدم پوسٹر

چسپاں ہوئے۔ تو کراچی کے اسلامی حلقوں میں بڑی ہلچل ہوئی مولانا لال حسین صاحب کے پاس دیندار طبقہ اور مذہب سے محبت رکھنے والے مسلمانوں کا تانتا بندھ گیا۔ جلسہ گاہ کے ارد گرد پولیس کی گاردوں نے خاردار تاروں کا کام دیا۔ چنانچہ اس جلسے کا باقاعدہ اعلان ہوا۔ ہزاروں میں پوسٹر لگائے گئے۔ مسلمانوں کو اس دعوت پر وہاں جانا ہی تھا مگر حکومت کو اس غیر معمولی طریقے پر متحرک دیکھ کر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں۔ جلسہ گاہ کے ارد گرد لوگوں کے ٹھٹھ لگ گئے۔ کچھ لوگ جلسہ گاہ میں داخل ہونا شروع ہوئے مگر سب کی زبان پر یہی بات تھی کہ ان قادیانیوں کا اسلام زندہ ہے تو ہمارا اسلام کیا معاذ اللہ مردہ ہے؟

جلسے کا آغاز اور گڑ بڑ

مولانا لال حسین صاحب جلسے میں موجود تھے وہ سننا چاہتے تھے کہ کیا ارشاد ہوتا ہے اور زندہ اسلام پیش کرتے ہوئے سر ظفر اللہ خاں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کس طرح کوشش فرماتے ہیں۔ جلسے کا آغاز مسلمانوں کی طرح مرزائیوں نے بھی کلام پاک کی تلاوت سے شروع کیا مگر مرزائیوں کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی یعنی مرزائی مبلغ نے قرآن مجید کی آیت ہی غلط پڑھی مولانا لال حسین نے اٹھ کر ٹوکا اور فرمایا کہ خدا کے لئے قرآن تو صحیح پڑھئے۔ بس مولانا کا یہ کہنا تھا کہ مرزائی پل پڑے' پولیس چڑھ دوڑی اور لٹھ گھمانے لگی' لوگوں کے سر پھوڑ ڈالے' پکڑ دھکڑی شروع ہو گئی۔ گڑ بڑ میں جلسہ تو برخاست ہوا مگر ساتھ ہی اعلان ہوا کہ کل پھر اسی جگہ جلسہ ہو گا۔ شہر میں مرزائیوں اور مقامی حکومت کی اس ملی بھگت اور دھاندلی پر غم و غصے کا اظہار ہوا۔ اب مسلمانوں میں یہ بات چل رہی تھی کہ کفر کو ارتداد پھیلانے کی کھلی اجازت کس نے دے رکھی ہے؟

اے ٹی نقوی چیف کمشنر کراچی

نقوی صاحب کو منٹ منٹ کی خبر پہنچائی جا رہی تھی سب کو سر ظفر اللہ خاں کی خوشنودی مقصود تھی۔ چنانچہ نقوی صاحب نے اعلان کیا کہ اب اگر کسی نے قادیانیوں کے جلسے میں گڑ بڑ کی تو سختی سے کام لیا جائیگا۔ اور شرپسند عناصر کو کچل کر رکھ دیا جائیگا۔ ظاہر ہے کہ یہ اعلان مولانا لال حسین اختر اور ان کے رفقاء کے لئے تھا۔ مولانا لال حسین نے دوسری جگہ جلسے کا اعلان کیا اور احتیاط سے کام لیتے ہوئے یہ چاہا کہ مسلمانوں کو مرزائیوں کے جلسے سے دور رکھا جائے تاکہ کسی قسم کا بہانہ بنا کر سر ظفر اللہ مسلمانوں کو گزند نہ پہنچا سکے۔

حکومت بھی حرکت میں آئی

شہر کے مسلمانوں نے خواجہ ناظم الدین کو پچاسوں تاریں بھیجیں کہ مرزائیوں کے جلسے کی یہ نئی بدعت ہمارے شہر میں نہ پھیلا ہے۔ پاکستان کے مرکزی شہر میں اس طرح کھلم کھلا ارتداد پھیلانے کی اجازت دینا صریح ظلم ہے خواجہ صاحب کی خدمت میں وفود بھی بھیجے گئے۔ معززین شہر نے ان سے زبانی بھی عرض کیا کہ آپ دیندار حاکم ہیں۔ آپ نے اپنے ماتحتوں کو ارتداد پھیلانے کی کس طرح اجازت دے رکھی ہے؟ خواجہ صاحب نے بات تو سمجھ لی مگر اب سوال یہ تھا کہ قادیانی بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے؟

ان دنوں سردار عبدالرب نشتر جواب مسلم لیگ کے صدر ہیں مرکز میں وزیر تھے' کابینہ میں رات کے جلسے کا چرچا تھا' خواجہ صاحب نے بالآخر فیصلہ کیا کہ وہ سر ظفر اللہ خاں کو بلا کر یہ کہیں کہ آپ کابینہ میں شامل ہیں۔ بحیثیت وزیر خارجہ آپ کی ذمہ داریاں بہت نازک ہیں۔ مسلمانوں میں اشتعال ہے۔ آپ اس جلسے میں نہ جائیں۔ یہاں میں ایک بات بتانا چاہتا ہوں احرار کی تبلیغ کانفرنسوں میں احرار کے راہنما بار بار حکومت سے کہہ رہے تھے کہ ہر مرزائی سرکاری ملازم خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا چپڑاسی ہو یا وزیر خارجہ اس کی پوزیشن مشکوک ہے۔ سب سے پہلے وہ ربوہ کا وفادار ہے۔ اس کے بعد حکومت پاکستان کی وفاداری کا نمبر آتا ہے اگر کسی وقت یہ مشکل درپیش آئی کہ ایک حکم ربوہ سے جاری ہوتا ہے اس کے خلاف حکومت پاکستان نے کوئی حکم جاری کیا تو مرزائی ملازم ربوے کا حکم مانیگا۔ اور حکومت پاکستان کے حکم کو پس پشت ڈال دے گا۔ احرار نے یہ بات مرزائیت کے لٹریچر اور مرزا محمود کے ذہن کے مطالعہ کے بعد کہی تھی۔ مگر ان کے پاس اس کا کوئی واضح ثبوت موجود نہ تھا۔ خدا بڑا کارساز ہے اس کی خوشنودی اور رضاجوئی کے لئے قدم اٹھایا جائے تو وہ ضرور امداد کرتا ہے۔

خواجہ ناظم الدین نے سر ظفر اللہ خان کو روکا

کراچی شہر کے معززین کے وفود اور تاروں کا یہ اثر ہوا کہ خواجہ صاحب نے سر ظفر اللہ کو بلایا اور سردار عبدالرب نشتر کی موجودگی میں ان سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ عوام کے اشتعال اور ناراضگی کے پیش نظر آپ جلسہ میں شرکت نہ کریں۔ تاکہ حکومت کی پوزیشن خراب نہ ہو۔ چوہدری صاحب نے خواجہ ناظم الدین کو کورا جواب دیا اور کہا کہ وہ وزارت خارجہ سے استعفیٰ دے سکتا ہے لیکن جماعت کے جلسہ میں جانا منسوخ نہیں کر سکتا۔ خواجہ ناظم الدین اپنی ذاتی نیکی اور شرافت کے باوجود بشری سے اکھڑے' اور خاموش ہو گئے۔ اگر اسی دن ہی ظفر اللہ خاں سے استعفیٰ طلب کر لیتے تو آج تک یہ ملک مسلم لیگ کے قبضہ اقتدار میں ہوتا اور بعد میں ملک جتنی سیاسی بیماریوں اور اخلاقی جاہ کاریوں کا شکار ہوا ہے۔ وہ نہ ہوتا۔

چنانچہ ظفر اللہ خاں لوہے کی ٹوپی سر پر پہن کر اور پاکستان کی پولیس کی سنگینوں کے شدید ترین پہرے میں جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے تھے۔ بیرونی سفیروں اور نمائندوں کو کیا معلوم تھا کہ مرزائیت کیا بلا ہے؟ وہ سر ظفر اللہ کی دعوت پر جلسہ گاہ میں پہلے سے موجود تھے اعلیٰ درجہ کی کاروں کی قطاریں لگ گئی تھیں۔ اور بڑے بڑے جغادری مرزائی جلسے میں موجود تھے۔

سخت گڑبڑ

سر ظفر اللہ خاں جونہی تقریر کے لئے اٹھے مختم نبوت زندہ باد اور تاجدار ختم نبوت کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ پولیس حکم کی منتظر تھی' لاٹھی چلی۔ کچھ دھکم پیل شروع ہوئی سر ظفر اللہ خاں اور ان کے ساتھیوں کو بھاگ جانے کی سوجھی۔ تو میری کار میں اور میں تیری کار میں۔ ڈرائیور چلا رہا ہے کہ ہمارے صاحب کو تو آنے دیجئے مگر صاحب وہاں تو نفسا نفسی کا عالم تھا بھاگم بھاگ کردان جاری تھی۔ جگہ جگہ پولیس متعین تھی گلی کوچوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اور مرزائیوں کا نہایت اہتمام سے منعقد کیا ہوا یہ جلسہ عام مرزائیت کے تابوت میں کیل ٹھونک کر ختم ہو گیا۔ پچاسوں مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا دوسرے دن صبح سویرے اس جلسے کی روئداد پہنچ کر ملک بھر میں جا پہنچی۔ جب یہ خبر لاہور پہنچی تو یہاں سخت ہلچل ہوئی مجلس احرار لاہور نے جلسہ عام کا اعلان کیا۔ اخباروں کے ذریعے کراچی کے جلسے کا سب کو علم ہو چکا تھا۔ لاہور میں احرار کی جانب سے باغ بیرون دہلی دروازہ میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا ہم نے لاہور کے اس جلسے میں سخت احتجاج کیا اور حکومت کو مرزائیت نوازی پر مطعون کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ یا تو سر ظفر اللہ سے وزارت خارجہ کا قلمدان چھین لیجئے اور یا اسے منع کر دیجئے کہ وہ زعیم اسلام اور مربی اسلام کی روش کیا چھوڑ دے۔

احرار نے جو بات کہی تھی اس کا زندہ ثبوت سر ظفر اللہ خاں نے خواجہ ناظم الدین کی حکم عدولی اور مرزا محمود کے حکم کی بجا آوری سے بہم پہنچا دیا۔ اب تبلیغی کانفرنسوں میں کراچی کے جلسے کا خوب چرچا ہونے لگا۔

لیگ لیڈروں کا خوف

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں تحریک کے جلسے اجتماع اور کانفرنسیں ہو رہی تھیں لوگ ختم نبوت کے سوائے اور کسی موضوع کو سننا ہی نہیں چاہتے تھے اس موضوع پر کوئی جلسہ ہوتا لاکھوں لوگ اکٹھے ہو جاتے اس صورت حال سے لیگ لیڈروں نے اپنے دل میں ایک قسم کا خوف محسوس کرنا شروع کر دیا ان حضرات کو یہ محسوس ہونے لگا کہ ختم نبوت کی آڑ میں احرار اور تحفظ ختم نبوت والے قبولیت عامہ کا شرف حاصل کر رہے ہیں گو اس وقت وہ مسلم لیگ کے

ساتھ ہیں' لیکن ہو سکتا ہے کہ الیکشن کے موقع پر وہ مسلم لیگ سے متصادم ہو جائیں تو لیگ کی شکست یقینی ہے۔ اس واہمہ نے مسلم لیگ کو بعض نہایت غلط فیصلے کرنے پر مجبور کر دیا۔

چنانچہ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ بنفس نفیس مسلم لیگ کے جلسوں کا پروگرام بنا کر نکلے ان کے ساتھ پرجوش مقررین کی ایک کھیپ بھی ہوتی۔ لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ وہ جہاں جاتے لوگ جلسہ میں ان سے ختم نبوت کے متعلق سوال کرتے' دولتانہ صاحب ختم نبوت کی تائید کرتے لیکن نہایت ہی بعض ممیز طریقہ سے تحریک کو غلط بتانے کی تاویلیں کرتے' اس پر ہوٹنگ ہوتا۔ مسلم لیگ کے جلسوں میں اس بدمزگی نے لیگ لیڈروں کے واہمہ کو اور بھی تقویت پہنچائی دولتانہ صاحب کی اس مہم کا آخری جلسہ لاہور شاہی مسجد کے سامنے حضوری باغ میں تھا جو کچھ اس جلسہ میں ہوا اس نے مسلم لیگی لیڈروں کو بعض اہم فیصلے کرنے پر مجبور کر دیا صوبائی مسلم لیگ کی جنرل کونسل کا اجلاس لاہور میں بلایا گیا۔ صاحبزادہ محمود شاہ گجراتی اور مصطفی شاہ گیلانی نے قادیانیوں کے خلاف زور و شور سے مطالبہ کی حمایت کی' ظفر اللہ خان کی علیحدگی کا بھی کہا گیا اور مرکز کو بتا دیا گیا کہ وہ پنجاب کے نمائندے کی حیثیت نہیں رکھتا افسوس ہے کہ لیگ کے کارکنوں کے اخلاص اور جرات مندانہ بیانات کے باوجود میاں ممتاز خاں دولتانہ اور ان کے بعض ساتھی یہ سب کچھ سیاست کے طور پر کر رہے تھے۔ اصل ان کے دلوں میں جو گرہ لگ گئی تھی وہ اس کی فکر میں تھے۔ اور وہ گرہ یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح تحریک تحفظ ختم نبوت کے لیڈروں کو کچل دیا جائے۔ تاکہ مسلم لیگ کی مقبولیت عامہ کو جو نقصان پہنچ رہا ہے' اس کی تلافی کی کوئی صورت نکل آئے اور مسلم لیگ آئندہ انتخابات میں بلا روک ٹوک کامیاب ہو سکے۔

سازشیں

میاں محمد ممتاز خاں دولتانہ جب اپنے تھڑدے ساتھیوں کے مشوروں اور اپنے اندرونی واہمہ سے تحریک تحفظ ختم نبوت کو کچل دینے کے فیصلہ پر پہنچ گئے۔ تو انہوں نے اپنے دل کے اس روگ کو خان قربان علی خاں کے سامنے پیش کر کے مشورہ چاہا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں لیگ کی عزت برقرار رکھنے میں مدد کریں اور اسے مرنے اور شکست کھانے سے بچائیں' اور اس کی عملی شکل یہی ہے کہ تحریک کے رہنماؤں کو کچل دیا جائے۔ خان قربان علی خاں دھڑلے کے پولیس افسر تھے انہوں نے پنجاب پولیس کی بڑی خدمت کی تھی اور پنجاب پولیس کے وقار کو سربلند رکھنے کے بڑے زبردست علمبردار تھے۔ انہوں نے دولتانہ صاحب کو کورا جواب دیا اور مشورہ دیا کہ اپنے سیاسی پلیٹ فارم سے احراریوں کا مقابلہ کریں

اور انھیں سیاسی وجوہ اور دلائل سے شکست دیں۔ مگر دولتانہ صاحب کو تو خدا نے دماغ ہی ایسا دیا ہوا تھا دل کا خانہ خالی تھی وہ اس جرأت کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ بالآخر پوری کابینہ کو ہم خیال کیا گیا اور خان قربان علی خان سے متفقہ طور پر درخواست کی گئی۔ خان صاحب نے اس شرط پر کابینہ کی درخواست مان لی کہ پھر کوئی لیڈر میرے کام میں مزاحم نہ ہو میں جو کچھ چاہوں گا کر گزروں گا۔

مری میں اجلاس

کابینہ اور خان قربان علی خاں کی اس سازش کے بعد دولتانہ صاحب نے مری میں صوبہ کے اعلیٰ افسروں کا ایک اجلاس طلب کیا۔ جس میں آئی جی۔ ای آئی جی پولیس، چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری، کمشنرز اور بعض اضلاع کے ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس موجود تھے۔ اس میٹنگ میں صوبہ کے امن و امان کا مسئلہ پیش کیا گیا اور بتایا گیا کہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے راہنما صوبہ کے امن و امان کو تہ و بالا کر دینا چاہتے ہیں۔ لہذا اس کا سدباب کرنے کے لئے اس تحریک اور اس کے راہنماؤں کو کچلنا ضروری ہے۔ مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت کی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کر دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ تمام اراکین نے صدقت اور احسنت کی آواز بلند کر کے تائید اور تحسین کر دی صرف ایک افسر یعنی آئی یو خاں صاحب کمشنر نے اٹھ کر مختصر تقریر کی اور کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ جو فیصلہ آپ کو قادیانیوں کے متعلق کرنا چاہئے تھا وہ فیصلہ آپ احرار کے متعلق کر رہے ہیں۔ آئی۔ یو خان نے قادیانیوں کی جارحیت کے چند واقعات کا تذکرہ بھی کیا۔ لیکن آئی یو خاں صاحب کی کسی نے نہ سنی اور فیصلہ تحریک کو کچل دینے کا ہو گیا۔

تدبیر کند بندہ و تقدیر کند خندہ

میاں ممتاز خاں دولتانہ، خاں قربان علی خاں، آئی جی پولیس میاں انور علی ڈی آئی جی، سی آئی ڈی اور دوسرے اس وقت کے ارباب اختیار نے ایک فیصلہ کر لیا لیکن وہ اللہ کے فیصلے سے غافل تھے انھیں یہ معلوم ہی نہ تھا کہ آسمان کا فیصلہ زمین کے فیصلہ سے مختلف ہے تاریخ گواہ ہے کہ آسمان کا فیصلہ ہی ہمیشہ زمین کے فیصلوں پر غالب آیا کرتا ہے۔ مری کی ٹھنڈی ٹھنڈی فضاؤں میں گرم گرم فیصلوں سے فارغ ہو کر یہ لوگ لاہور پہنچے اور پورے صوبہ میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا تحریک کے قائدین پر امن رہنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کھلے میدانوں اور پارکوں کی بجائے مسجدوں میں جلسے کرنا شروع کر دیئے ان کا خیال تھا کہ دفعہ ۱۴۴

مسجد کے اجتماع پر نافذ نہیں ہو سکتی لیکن دلچسپ یہ بات رہی کہ وہ تو انگریزوں کی کافر دفعہ ۱۴۴ تھی جو مسجد میں داخل نہیں ہوا کرتی تھی اب تو مسلمان حکمرانوں کی صاحب ایمان دفعہ ۱۴۴ تھی جو بلا دھڑک مسجدوں میں بھی داخل ہو سکتی تھی چنانچہ وہ مسجد میں داخل ہو گئی۔

۲ جون کراچی کنونشن

۱۷۔ ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک کراچی میں قادیانیوں نے ایک جلسہ عام کیا تھا سواد اعظم کے جذبات اور احساسات مجروح تھے' سر ظفر اللہ خان پولیس کی سنگینوں کے پہرے میں لوہے کی ٹوپی سر پر پہنے ہوئے جلسہ گاہ میں پہنچا۔ زندہ اور مردہ مذہب کے عنوان سے تقریر کرتے ہوئے اسلام کو مردہ اور احمدیت کو زندہ اسلام کہہ ڈالا۔ اسلامیان کراچی کی غیرت نے اسے برداشت نہ کیا' احتجاج ہوا' پولیس نے لاٹھی چارج کیا' عوام نے پولیس کا ظلم و تشدد برداشت کیا لیکن قادیانیوں کا جلسہ درہم برہم کر دیا گیا۔ کراچی کی تاریخ میں یہ جلسہ ایک بہت بڑا سانحہ تھا۔

۲ جون ۱۹۵۲ء کو مولانا لال حسین اختر کی مساعی جمیلہ سے تھیوسوفیکل ہال کراچی میں کل مسلم پارٹیز کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ اس کانفرنس کے دعوت ناموں پر مولانا لال حسین اختر کے ساتھ مولانا احتشام الحق تھانوی (دیوبندی) مولانا عبدالحامد بدایونی (بریلوی)۔ مولانا مفتی جعفر حسین مجتہد (شیعہ) مولانا محمد یوسف (اہل حدیث) نے بھی دستخط کئے۔ اس کانفرنس میں پہلی مرتبہ مندرجہ ذیل تین مطالبات بھی متعین کئے گئے۔

۱۔ قادیانی ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جائیں۔

۲۔ چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ کے عہدہ سے الگ کر دیا جائے۔

۳۔ تمام کلیدی آسامیوں سے قادیانی افسروں کو علیحدہ کیا جائے۔

اسی اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مندرجہ مذکورہ مطالبات کو منوانے کے لئے ایک آل مسلم پارٹیز کنونشن بھی طلب کی جائے۔

کانفرنس کی صدارت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے فرمائی' ایک بورڈ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ جس کے ذمہ یہ تھا کہ وہ کل مسلم پارٹیز کنونشن کے جملہ انتظامات کا ذمہ دار ہو گا' اس بورڈ کے ممبران مندرجہ ذیل حضرات منتخب ہوئے۔

۱۔ سید سلیمان ندوی صدر تعلیمات اسلامی بورڈ

۲۔ مفتی محمد شفیع ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ

۳۔ مولانا عبداللہ بدایونی

۴۔ مولانا مفتی محمد یوسف کلکتوی

۵۔ مولانا مفتی صاحب داد صاحب

۶۔ مولانا سلطان احمد صاحب

۷۔ علامہ احمد نورانی صاحب

۸۔ مولانا لال حسین صاحب اختر

۹۔ الحاج ہاشم گزدر صاحب

۱۰۔ مولانا مفتی جعفر حسین صاحب مجتہد ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ

۱۱۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی (کنوینر)

مندرجہ مذکورہ بورڈ کا ایک اجلاس ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو الحاج ہاشم گزدر کے مکان پر ہوا۔ اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ آل مسلم پارٹیز کنونشن میں مندرجہ ذیل جماعتوں کو دعوت نامے جاری کئے جائیں۔

۱۔ جمیعۃ العلمائے اسلام پاکستان

۲۔ جمیعۃ العلمائے پاکستان

۳۔ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

۴۔ مجلس احرار اسلام پاکستان

۵۔ تنظیم اہل سنت والجماعت پاکستان

۶۔ جمیعت اہل حدیث پاکستان

۷۔ جماعت اسلامی پاکستان

۸۔ حزب اللہ۔ مشرقی پاکستان

۹۔ ادارہ تحفظ حقوق شیعہ۔

۵ اگست ۱۹۵۲ء کو کراچی میں ایک مشترکہ میٹنگ ہوئی اور فیصلہ ہوا کہ ماضی قریب میں کل پاکستان سطح کی ایک آل پارٹیز کنونشن بلائی جائے۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کو کنونشن بلانے کا مجاز قرار دیا گیا۔ مولانا موصوف نے ۱۰ دسمبر ۱۹۵۲ء کو پاکستان بھر کی دینی جماعتوں کے نمائندوں کا کنونشن بلانے کے دعوت نامے جاری کر دیئے کہ:

"آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کا اجلاس کراچی میں ۱۶ تا ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو منعقد ہو گا"

خانہ خدا اور حکومت پاکستان کا فرض

ماسٹر تاج الدین فرماتے ہیں کہ پنجاب' سندھ اور سرحد میں جگہ جگہ جلسے ہونے لگے۔

رد مرزائیت کے سلسلے میں پہلے سے تحریک جاری تھی۔ احرار کی تبلیغ کانفرنسوں نے مسلمانوں کو خاصا بیدار کر رکھا تھا۔ مگر مسجد میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ سے ایک اہم سوال پیدا ہو گیا۔

رمضان المبارک کی آمد

اس عرصے میں پنجاب کے کونے کونے میں وسیع پیمانے پر تبلیغ کانفرنسیں ہوتی رہیں۔ ماہ رمضان المبارک کے آغاز سے چند روز پہلے ہمارے لاہور کے رفقاء دفتر میں جمع ہوئے اور باتوں باتوں میں رمضان المبارک کا ذکر آیا تو سب نے وہی بات کی جو عام طور پر کی جاتی ہے یعنی یہ کہ اب ایک ماہ کے لئے چھٹی ہے۔ اب کوئی کام نہ ہو سکے گا۔ مجھے معاً چوہدری افضل حق مرحوم کا ارشاد یاد آیا کہ یہ برکتوں والا مہینہ کس طرح ہماری غفلت شعاری سے تحریک کشمیر کے لئے نقصان کا باعث ہوا تھا۔ چنانچہ اس موضوع پر بحث ہوتی رہی کہ ہمیں تحریک ختم نبوت کو جاری رکھنے کے لئے کس طرح پراپیگنڈا کرنا چاہئے فیصلہ ہوا کہ اپنے ہم خیال آئمہ مساجد اور خطیب حضرات کو توجہ دلائی جائے کہ وہ مسئلہ ختم نبوت پر تقریر فرمائیں۔ میں نے شیخ صاحب سے عرض کیا کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے زعمائے احرار کی مجلس مشاورت بلوانا مشکل ہے اور نہ اس وقت حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے سے مقصد حل ہو سکے گا۔ زعماء احرار جہاں کہیں بھی ہیں اپنا فرض ضرور ادا کریں گے ہمیں یعنی مجھے اور شیخ صاحب کو رمضان المبارک کے چاروں جمعے خاص مقامات پر جہاں جامع مساجد کے خطیب حضرات ہمارے ہم خیال ہیں خود جانا چاہئے اس مرتبہ پرانے تجربے سے سبق حاصل کر کے ہمیں مناسب قدم اٹھانا چاہئے۔ طے ہوا کہ پہلے جمعے تو حضرت مولانا احمد علی مدظلہ کے ہاں اجازت لیکر خطبے سے قبل رد مرزائیت کے سلسلہ میں ہم دونوں تقریر کریں۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم دونوں مولانا کے ہاں حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب نے جیسے کہ ہمیں توقع تھی خود تحریک کے بارے میں ارشاد فرمایا اور ہمیں بھی اجازت دی کہ ہم اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ روزہ دار کو گرمی کے دنوں میں لمبی چوڑی تقریر کے بعد جان پر بن جاتی ہے مگر ہمیں ایک نشہ تھا مسئلے کی برکت تھی کہ آگے بڑھنے کا حوصلہ ہوا۔ دوسرے جمعے ہم نے اوکاڑہ کی عید گاہ میں تقریر کی۔ اعلان ہو چکا تھا۔ عید گاہ میں بہت بڑے اجتماع کو خطاب کرنے کا موقع ملا۔ شیخ صاحب کی موٹر میں اوکاڑہ پہنچے شام کو تقریر کر کے لاہور واپس آ گئے مگر سفر میں ہمارا کچومر نکل گیا۔ تیسرا جمعہ سرگودھا کے لئے وقف تھا فیصلہ یہ تھا کہ باغ میں جمعہ سے قبل جب عام ہو جائے۔ ہم نے کہا: اچھا کہ ہم سحری کھا کر چل پڑیں گے اور انشاء اللہ صبح آٹھ بجے

سرگودھا پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم جامع مسجد کے سامنے جا حاضر ہوئے' احباب پریشانی کے عالم میں ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی ہماری موٹر پہنچی ان سب حضرات نے موٹر کو گھیر لیا اور بتایا کہ جس باغ میں جلسے کا اعلان تھا وہاں حکومت نے دفعہ ۱۴۴ لگا دی ہے پولیس تانگے میں لاؤڈ سپیکر پر بازاروں میں اعلان کر رہی ہے کہ باغ مذکورہ میں جلسہ نہیں ہو سکتا وہاں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے۔ سرگودھا کے احرار مصر تھے کہ " جلسہ وہیں ہو گا جہاں کا اعلان ہو چکا ہے۔ حکومت نے عین وقت پر بدنیتی سے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا ہے تاکہ ہمیں ذلیل و خوار ہونا پڑے۔ یا ہم عوام کی نگاہ میں ذلیل و خوار ہوں ہم جلسہ کریں گے اور قربانی دیں گے۔ حکومت ہمیں مذہبی تبلیغ سے روک نہیں سکتی"۔
ہم نے اس صورت حال پر غور کیا اور احباب سے عرض کیا دس منٹ کے لئے ہمیں سوچ لینے دیجئے تاکہ ہم کوئی مناسب فیصلہ کر سکیں۔ اس معاملے میں مجھے میرے دوست بہت نرم مزاج سمجھتے ہیں۔ میں جلدی سے بھڑک نہیں جاتا۔ مجھے گرمی بہت کم آتی ہے آتی بھی ہے تو آہستہ آہستہ مگر جب آ جاتی ہے تو پھر آ ہی جاتی ہے۔ میں اس مرحلہ پر تصادم نہ چاہتا تھا اس کی وجوہات تھیں مجھے مجلس احرار کا صدر بنا دیا گیا تھا اگر میں پکڑا جاؤں تو ساری جماعت پر فرض ہو جاتا کہ وہ سول نافرمانی کرتی۔ مجھے جماعت نے سول نافرمانی کا پروانہ نہیں دے رکھا تھا۔ میں تنہا یہ اقدام کیسے کرتا؟ ہمارے سے کے لئے ہمراہ مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری شیخ حسام الدین موجود تھے۔ مگر وہ تو جرنیل قسم کے بزرگ ہیں انہیں تو مخالف کی صورت دیکھتے ہی تاؤ آ جاتا ہے مجھے اس نازک مرحلے پر انہیں بھی ٹھنڈا کرنا تھا۔ بہرحال دس منٹ بعد ہم دونوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ حکومت الجھنا چاہتی ہے ہمیں اس وقت طرح دے جانا چاہئے' ہمارے ہمراہ لاہور سے رضا کاران احرار کے سالار سعید اقبال بھی سرگودھا پہنچ چکے تھے ہم نے ان سے کہا کہ سالار صاحب تم کار لے جاؤ اور سرگودھا کے بازاروں میں اعلان کرو کہ " باغ جہاں جلسہ ہونا تھا وہاں حکومت نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی ہے اس لئے باغ میں کوئی مسلمان نہ جائے جنہیں احرار رہنماؤں سے ملاقات کرنی ہو وہ جامع مسجد میں آ جائیں ہم وہیں بات کریں گے اور جو کہنا چاہتے ہیں وہیں کہہ لیں گے۔ کوئی سیاسی بات تو ہے نہیں جس کے لئے کھلے میدان کی ضرورت ہو۔ مذہب کی بات ہے خدا کا پیغام ہے آ جاؤ۔ خانہ خدا ہی میں آ کر سن جاؤ۔
لوگوں کو تاکید کر دی گئی کہ ممنوعہ علاقے میں جمع ہو کر قانون شکنی سے پرہیز کریں۔
اس اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ہزارہا مسلمانوں کا ہجوم جامع مسجد میں جمع ہو گیا۔ ہمیں جامع مسجد سرگودھا میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ سے اجازت لینا تھی۔ وہ بہت ہی

مہربان اور شفیق بزرگ ہیں۔ تحریک تحفظ ختم نبوت سے انہیں دلی لگاؤ ہے اس بارہ میں انہوں نے کسی سے کم جدوجہد اور قربانی نہیں کی۔ وہ رد مرزائیت کے سلسلہ میں پیش پیش تھے۔

تقریباً دس بجے جامع مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ میں نے عوام کو صورت حال سے خبردار کیا۔ اور عوام کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ میں ابھی تقریر کر ہی رہا تھا کہ سرگودھا کے پولیس کپتان مع دوسرے افسروں کے مسجد کے باہر آ کھڑے ہوئے اور وہیں سے شیخ عبداللہ صاحب کو باہر بلا بھیجا۔ اور انہیں نوٹس دیا کہ مسجد کے اندر رد مرزائیت کے سلسلے میں کوئی تقریر نہیں ہو سکتی۔ میں تقریر کر رہا تھا میں نے دیکھا کہ سرگودھا کے احرار سرگوشیوں میں مصروف ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کوئی کاغذ ہے میں نے تقریر کرتے ہوئے دریافت کر لیا کہ کیا قصہ ہے؟ معلوم ہوا کہ جامع مسجد کے اندر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے۔ اسی کے متعلق نوٹس ہے۔ میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ میں نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ برطانوی راج میں دفعہ ۱۴۴ مسجد سے باہر رہا کرتی تھی مگر پاکستان کی برکت سے دفعہ ۱۴۴ نے اب کلمہ پڑھ لیا ہے اس لئے مسجد کے اندر چلی آئی ہے۔ میرے بعد شیخ حسام الدین صاحب نے تقریر کی اور دفعہ ۱۴۴ کی قانونی پوزیشن پر روشنی ڈالتے ہوئے احتجاج کیا اور حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے جذبات سے یوں بے دریغ کھیلنا چھوڑ دے۔ یہ سودا حکومت کو مہنگا پڑیگا۔ ہم قانون شکنی کے لئے یہاں نہیں آئے۔ اگر ہمیں یہ کام کرنا ہوتا تو ہم ۱۴۴ کی دھجیاں باہر میں تقریر کر کے اڑا سکتے تھے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا حقیقت یہ ہے کہ حکومت خود سول نافرمانی کر رہی ہے۔ حکومت کی اپنی نیت اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور نادان حکام بلاوجہ مسلمانوں کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔ تقریر ختم ہوئی خطبہ شروع ہوا۔ ہم نے وہیں نماز جمعہ ادا کی مگر اس قدر گرمی تھی کہ زبانیں تالو سے جا لگیں۔ ہم مسجد سے فارغ ہو کر شیخ عبداللہ صاحب کی دوکان پر آ گئے۔ شیخ صاحب نے کمرے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بجیرے بجلی کے مگر ہم تقریر، جلسہ اور ہجوم کی وجہ سے پسینے میں شرابور اور گرمی سے بے حال ہو رہے تھے دوپہر ہی کو ہم سرگودھا سے چل پڑے موٹر کی کھڑکیاں بند کیں تو اندر حمام بن گیا۔ کھڑکیاں کھولیں تو لو کے بھوکے طمانچے مارتے تھے۔ چنیوٹ سے کچھ فاصلہ پر تھے کہ زبانوں پر کانٹے پڑ گئے۔ آواز نکالنا دوبھر ہو گیا تھا کہ ہمیں دور سے کنوئیں پر رہٹ چلتا نظر آیا۔ ہم نے موٹر کو پٹڑی پر ڈال دیا اور کنوئیں کے چھوٹے سے تالاب میں کپڑوں سمیت داخل ہو گئے۔

آدھ گھنٹے بعد ہمیں ہوش آیا دوبارہ سفر شروع کیا۔ جب ہم انار کلی کے چوک میں

پہنچے تو افطاری کا نقارہ بجا' وہیں سکھترے سے روزہ افطار کیا۔ چوتھا جمعہ گوجرانوالہ کے لئے وقف تھا۔ جامع مسجد میں باقاعدہ اعلان ہوا کہ ہم دونوں تقریر کریں گے۔ ہم گوجرانوالہ پہنچ کر سیدھے صاحبزادہ فیض الحسن کے ہاں پہنچے کچھ دیر آرام کیا۔ صاحبزادہ صاحب کا پروگرام باہر کا تھا مگر وہ ہماری وجہ سے ٹھہر گئے بلکہ جامع مسجد کے جلسہ میں شمولیت کے لئے تشریف لائے۔ یہاں مولانا عبدالواحد کا دم غنیمت ہے وہ ہر جلسے میں مرزائیت پر بہت کھل کر تقریر فرماتے تھے جلسے کا اعلان ہوا صاحبزادہ نے صدارت نبھائی اور صدارتی تقریر میں بہت کھری کھری باتیں کہہ ڈالیں ہم دونوں نے تقریر کی اور تقریر کے بعد دفتر احرار میں چلے آئے گوجرانوالہ میں احرار کا دفتر بارونق بازار میں تھا تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد ہم وہاں سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ پولیس ہمیں گرفتار کرنا چاہتی تھی' گوجرانوالہ میں ہمیں معلوم ہو جاتا تو ہم وہاں ٹھہر جاتے اور پولیس کو لاری لے کر ہمارے پیچھے دوڑنے کی زحمت گوارا نہ کرنا پڑتی مریدکے پہنچے تو شیخ صاحب نے فرمایا کہ میں نے مولوی محمد صدیق کو چاولوں کی بوری کے لئے کہہ رکھا ہے۔ آیئے اس سے پتہ لیں۔ اگر اب چاول مل جائیں تو ہمراہ لیتے چلیں' ہم مولوی صدیق کے ہاں پہنچے۔ پولیس خلاف قانون رفتار سے سڑکوں پر موٹر دوڑا کر واپس ہو گئی۔ ہمارے فرشتوں کو بھی پتہ نہ تھا کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے' ہم مریدکے سے لاہور آ گئے۔ بعد میں پولیس کی بھاگ دوڑ اور وارنٹوں کا پتہ چلا۔ ہم انتظار کرتے رہے۔ میاں ممتاز محمد دولتانہ کی حکومت نے ہمیں نماز عید پڑھنے کی مہلت تو دے دی۔ عید کے دوسرے دن سرگودھا اور گوجرانوالہ سے دو وارنٹ آ گئے مگر لاہور میں ہم پر ہاتھ ڈالتے ہوئے حکومت گھبراتی تھی۔ آخر کب تک! ایک روز حوصلہ کر کے مجھے اور شیخ صاحب کو پکڑ لیا۔ ہماری یہ گرفتاری سرگودھا کے وارنٹوں پر ہوئی تھی چنانچہ کوتوالی پہنچے وہاں سے ہمیں چیرنگ کراس کے تھانے کی اس بارک میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ پاکستان میں وزیر بننے سے قبل مسلم لیگ کی تفریحی تحریک میں ایک رات گذار چکے تھے۔ مجھے خیال تھا کہ رات کو سوتے وقت شاید ہمیں بھی وزارتوں کے سنہری خواب آئیں مگر وہ تو قسمت کے پھیر ہیں جسے اللہ دے۔ رات گذری صبح ہوئی تو ہمیں پولیس کی لاری میں ادھر ادھر گھما کر سرگودھا کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا گیا۔ دوپہر بعد ہم سرگودھا کی مختصر اور چھوٹی سی جیل میں بند تھے۔

صاحبزادہ سید فیض الحسن کی گرفتاری

ہم دونوں یعنی مجھے اور شیخ حسام الدین کو گرفتار کرنے کے فوراً بعد صاحبزادہ سید

فیض الحسن کو گوجرانوالہ سے گرفتار کر لیا۔ صاحبزادہ صاحب سجادہ نشین آلو مہار شریف بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ بی۔ اے تک تعلیم پائی ہے۔ ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہیں' بہترین خطیب اور محبوب ترین پیر ہیں۔ آپ کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ پیران عظام میں یہی ایک پیر ہیں جنہوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ رد مرزائیت کے سلسلے میں بارہا جیل گئے۔ صاحبزادہ صاحب بڑے ہی خوش خلق' منکسار اور احرار کے رہنماؤں میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں احرار کارکنوں اور رضا کاروں سے انہیں بیحد محبت ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے حریت پسندی اپنے والد محترم سے ورثے میں پائی ہے۔ ہم نے انہیں رضا کاروں کی وردی میں ملبوس اور فرش محمدی پر راتیں گذارتے اور رضا کاروں کے ہمراہ مظاہرہ کرتے دیکھا ہے۔

ہمیں اقرار ہے کہ صاحبزادہ صاحب کی احرار میں شمولیت سے ایک خاص مکتب خیال کے مسلمان گروہ در گروہ احرار میں شامل ہوئے اور احرار کو بڑی تقویت حاصل ہوئی میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جونہی صاحبزادہ صاحب کو گرفتار کر کے جیل پہنچایا گیا ان کے مریدوں اور احرار کارکنوں کے بہت بڑے ہجوم نے جیل کا دروازہ گھیر لیا۔ مریدین کا یہ حال تھا کہ صاحبزادہ صاحب کا ایک مرید تقریباً دیوانہ ہو کر جیل کے دروازے پر یورش کر رہا تھا جیل وارڈ اسے بار بار روکتے تھے۔ تنگ آ کر اس دیوانے نے جیل کی دیواروں پر ٹکریں مارنا شروع کر دیں۔ وہ چلا کر دہائی دے رہا تھا کہ ظالمو! رسول" مقبول کے نواسے کو جیل میں بند کر کے اللہ کے عذاب کو کیوں دعوت دے رہے ہو؟ یا انہیں رہا کرو یا مجھے اندر لے چلو۔ یہ خالص عقیدت اور غیر سیاسی ذہن کی بیباکانہ جرات تھی۔ احرار کارکن اور رضاکار جانتے تھے کہ انہیں صاحبزادہ کے پاس پہنچنے کے لئے کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ بہرحال گوجرانوالہ' سیالکوٹ اور دیگر اضلاع میں ان گرفتاریوں سے آگ بھڑک اٹھی ایک شور اٹھا کہ اسلامی حکومت غیر اسلامی حرکتوں پر اتر آئی ہے۔ جگہ جگہ جلسے ہوئے حتیٰ کہ مساجد میں علماء کرام نے ان گرفتاریوں پر احتجاج کرنا شروع کیا۔

حضرت مولانا ابو الحسنات کی تائید

بعض بلند پایہ شخصیتیں ایسی ہیں جو خود کو شہرت کے مقام سے دور رکھتی ہیں دنیا ان کی خوبیوں سے کماحقہ واقفیت نہیں رکھتی۔ زیادہ قریب رہنے والے چند لوگ ان بزرگوں کی عظمت کو جانتے ہیں۔ مگر عوام بالکل بے خبر رہتے ہیں۔

آپ کو ایسی بلند پایہ حضرات میں حضرت مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری خطیب

جامع مسجد وزیر خاں کا نام نامی سرفہرست نظر آئے گا۔ مجھے پاکستان کے قیام سے بہت قبل بارہا ان کے ارشادات سننے کا موقع ملا۔ میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے جب بھی مسجد وزیر خاں میں گیا ان کا خطبہ سنا' وہ اختلافی مسائل میں بہت کم الجھتے ہیں۔ان کا انداز بیان بھی اچھوتا ہوتا ہے وہ صاحب زبان ہیں اور بہت دلچسپ اور عام فہم تقریر فرماتے ہیں جو کچھ کہنا ہو بے دریغ فرما دیتے ہیں ایچ پیچ نہیں ڈالتے۔ تحریک سے قبل بارہا مسجد وزیر خان میں جانا ہوا۔ مگر میری ان کی ملاقات کبھی نہ تھی۔ غائبانہ تعارف تھا حضرت مولانا ابوالحسنات نے جب یہ سنا کہ احرار کے راہنماؤں کو خانہ خدا میں دفعہ ۱۴۴ لگا کر گرفتار کیا گیا تو وہ بہت برہم ہوئے۔ نماز جمعہ میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے مولانا نے حکومت کے اس ناروا' نامناسب اور خلاف اسلام اقدام کو بے نقاب کرتے ہوئے سخت احتجاج کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھے احرار کی جن باتوں سے اختلاف ہوتا ہے ان کے خلاف کہتا ہوں اور کبھی یہ پروا نہیں کرتا کہ احرار خفا ہوں گے۔ جسے حق سمجھتا ہوں اسے بے دریغ کہہ دیتا ہوں مجھے احرار کی سرخ وردیوں پر اعتراض تھا میں نے بھرے جلسے میں اعتراض کیا مگر احرار جو صحیح قدم اٹھاتے ہیں میں ان کی تائید کرتا ہوں۔

رد مرزائیت کے سلسلے میں احرار کو حق بجانب سمجھتا ہوں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں حتی المقدور کوشاں رہے۔ یہ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

مسجد میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ پر اعتراض

حضرت مولانا ابوالحسنات نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ مسجد خدا کا گھر ہے خدا کے گھر میں خدا کا اپنا قانون رائج ہے۔ کوئی دنیوی قانون مسجد پر نافذ نہیں ہو سکتا۔ دفعہ ۱۴۴ کو مسجد کے اندر نافذ کرنا قطعاً غیر اسلامی فعل ہے۔ حکومت اس قانون کو مساجد پر نافذ نہیں کر سکتی۔ اگر وہ ایسا کرے گی تو وہ بلاوجہ ہم سے الجھے گی۔ ہم حکومت کی کسی دھمکی سے مرعوب نہ ہوں گے۔ آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ بیان فرمایا آپ نے فرمایا کہ ہارون رشید اپنی بیگم سے خفا ہو کر جذبات میں بہہ گئے اور تیز کلامی میں بیگم سے فرما دیا کہ آفتاب غروب ہونے سے قبل اگر تم میری سلطنت کے حدود سے باہر نہ چلی جاؤ گی تو تم پر طلاق عائد ہو گی۔

جب غصہ فرد ہو گیا۔ جذبات کی آندھی گذر گئی تو ہوش آیا اور دست تاسف ملنے لگے۔ خلیفہ ہارون رشید بیگم کو طلاق نہ دینا چاہتے تھے۔ شتر سواری کا زمانہ تھا ہوائی جہاز

کسی کے خواب و خیال میں نہ تھے وہ سخت پریشان ہوئے۔ علماء کو طلب فرمایا اور ان سے دریافت کیا کہ اب کیا صورت ہو سکتی ہے؟ سب نے بے بسی کا اظہار کیا۔ بیگم کے ہمدرد اور خود خلیفہ کے درباری حیران تھے کہ اب کیا ہوگا بات سارے شہر میں پھیل گئی' یہ زمانہ حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کا تھا جب آپ سے کسی نے کہا کہ اس طرح ہارون رشید ایک مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ بیگم پریشان ہے اور حاضر ہو کر امداد کی خواہاں ہے۔

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا بیگم کو پریشان نہ ہونا چاہئے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا لوگ حیران تھے کہ علماء حضرات مایوس ہو چکے ہیں۔ طلاق سے بچنے کی کوئی راہ نظر نہیں آئی امام صاحب کس طرح بیگم کو ہارون الرشید کی سلطنت سے باہر بھیج سکیں گے بیگم نے عرض کیا کہ مجھے کیا حکم ہے۔ میں کیا کروں؟

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کوئی فکر نہ کرو۔ غروب آفتاب سے کچھ عرصہ پیشتر ڈولی میں بیٹھ کر تیار رہنا۔ تمہیں ہارون الرشید کی سلطنت سے باہر پہنچا دیا جائے گا دنیا حیران تھی کہ گوشہ گمنامی میں بیٹھنے والا فقیر منش عالم دین طلاق سے بچنے کی کونسی راہ نکالے گا۔ جب مغرب کا وقت قریب آگیا تو بیگم کے حواس پر آں ہو گئے۔ وہ پریشانی کے عالم میں ڈولی میں بیٹھی اور حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں پہنچی۔ آپ نے بیگم سے فرمایا "آؤ میرے ساتھ چلو" آپ بیگم کو مسجد میں لے گئے۔ جب بیگم مسجد میں داخل ہوئی تو امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بیگم اب تم ہارون الرشید کی سلطنت سے باہر آگئی ہو۔ اللہ کے گھر میں اللہ کی حکومت ہے یہاں ہارون الرشید کے احکامات کا کوئی دخل نہیں۔ اس واقعے کو بیان فرمانے کے بعد حضرت مولانا ابوالحسنات نے حکومت کو متنبہ کیا اور مسلمانوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کر دیا اس کے بعد ہر مسجد میں ہر خطیب نے حکومت کو آنکھیں دکھائیں۔

حکومت کی گمراہی

پنجاب میں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کی حکومت تھی۔ حکومت اپنی سیاست کو مسجد کے اندر تو لے گئی مگر واپسی کی راہیں بند ہو گئیں۔ وقار کی دیوار بیچ میں حائل ہو گئی ہمیں گرفتار نہ کر لیا ہوتا تو واپسی کی گنجائش تھی۔

مگر ہماری گرفتاری کے بعد حکومت اپنی شکست تسلیم کر کے ہمیں ہیرو بننے کا موقعہ کیسے دے۔ حکم ہوا ان ملاؤں کو ڈپٹی کمشنر کی معرفت مرعوب کرو اور انہیں منع کرو کہ خطبات میں مرزائیت کا ذکر نہ کریں۔ اس نامعقول حکم نے جلتی پر تیل کا کام کیا غریب اور

مظلوم ملّاں کے پاس انگریز چھوڑ ہی کیا گیا تھا لے دے کر خانہ خدا اور مسند رسول ؐ ہی باقی تھی اس پر بھی انگریزی خوانوں نے یورش کی تو ملاں کے ماتھے پہ شکن آگئی حکومت کے اس حکم اور سرِ کفر کی دھجیاں قضائے آسمانی میں بکھرنے لگیں تو حکومت کو ہوش آیا تب حکومت کرنے اور تاڑ چلیں کرنے پر اتر آئی اس نے ہر چند چاہا کہ احرار کے خلاف غداری کا پروپیگنڈا کر کے انہیں اکیلا کر دیا جائے اور پھر سختی اور تشدد سے انہیں کچل دیا جائے اول تو وہ تنہا بھی بڑے سخت جان واقع ہوئے ہیں ۔ برطانوی اقتدار انہیں دبا اور مٹا نہ سکا یہ بیچارے رنگروٹ احرار کو کیا مٹاتے مگر مشکل یہ ہوئی کہ ہر مسلمان نے دل کی بات کہی اور حکومت کو جتا دیا کہ ہم احرار کی حمایت نہیں کر رہے ۔ ہم تو مذہب کے بنیادی مسئلے کی حمایت کرتے ہیں یہ حمایت جاری رہے گی اور حکومت مسلمانوں کو اس مقام سے ہٹانے میں کبھی کامیاب نہ ہو گی ۔

حکومت نے بڑھایا ہوا قدم واپس لیا: پنجاب میں آگ لگ چکی تھی سرحد اور سندھ بھی اس آگ کی لپیٹ میں آگئے حضرت مولانا ابوالحسنات نے حزب الاحناف کے سالانہ جلسے میں ہماری گرفتاریوں کے خلاف سخت احتجاج کرتے ہوئے ایک تجویز پیش کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ مرزائیت کی بیجا حمایت اور اسلام دشمنی سے باز آ جائے اسی روز تقریر کرتے ہوئے مولانا موصوف نے فرمایا کہ ہم اس صورت حال کو زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتے ۔ احرار کا سارا کیمپ آتش زیر پا تھا ۔ اخبارات نے مقالے لکھے میاں دولتانہ بہت گھبرائے ۔ چنانچہ حکومت نے ایک بیان جاری کیا کہ مساجد پر کوئی پابندی نہیں یعنی حکومت نے بڑھایا ہوا قدم واپس لے لیا ۔

ان بیانات کے باوجود عوام میں غم و غصے کی سر روز بچی تھی خالی بیانات سے لوگ کیونکر مطمئن ہوتے جب تک حکومت گرفتار شدگان کو رہا نہ کرتی ہماری رہائی کے لئے حکومت لیں و پیش کر رہی تھی ۔

مقدمہ اور سزا: سرگودھا جیل میں میرے اور شیخ حسام الدین کے علاوہ شیخ محمد عبداللہ بھی ایک روز گرفتار ہو کر تشریف لے آئے ان کے ہمراہ پراچہ بھی گرفتار ہو گئے پہلے ہم دو تھے اب چار ہو گئے مقدمہ چلتا رہا گو اس مقدمہ میں کچھ جان نہ تھی مگر ہم دلچسپی نہ لیتے تھے باہر احباب نے زور دیا کہ مقدمہ کی پیروی ہونی چاہئے ۔ چنانچہ شیخ ظہیرالدین انصاری ایڈووکیٹ سرگودھا نے پیروی شروع کی ۔ پیروی کے لئے اکثر احباب جیل آجایا کرتے تھے اس بہانے احباب سے ملاقاتیں ہوتی رہیں ۔ ایک روز معلوم ہوا کہ حکومت نے ٹیلیفون پر حکام جیل کو مطلع کیا ہے کہ گرفتار شدہ راہنماؤں کو رہا کر دیا جائے گا ۔ مگر دو چار دن بعد اس خبر کی تردید ہو گئی بہرحال ہم چٹیاں بھگتتے رہے ۔ تا آنکہ مقدمے کے فیصلے کا وقت آگیا ہمارا کیس اے ڈی ایم کے سپرد تھا

فیصلے کے دن احباب کا ہجوم جیل سے باہر آ موجود ہوا وہ یہ سمجھتے تھے کہ رہائی لازمی ہے۔ اے ڈی ایم نے جب ہمیں چھ چھ ماہ قید سخت کا حکم سنایا تو ہمارے تمام رفیق جو فیصلہ سننے کے لئے آئے ہوئے تھے کچھ پژمردہ ہوئے۔ ہم نے اے ڈی ایم صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کیا کہ سزا تو آپ نے چھ ماہ کی سنادی ہے۔ کاش حکومت ہمیں چھ ہفتے جیل میں رکھ سکے۔

شیخ حسام الدین اور پراچہ صاحب سزا کا حکم سننے کے بعد کیمبل پور جیل تبدیل کر دیئے گئے۔ ہم دونوں سرگودھا جیل میں قید کاٹنے لگے۔ کلاس کا جھگڑا پیدا ہوا تو میں نے بی کلاس کی بجائے اے کلاس کے لئے مطالبہ کیا۔ ابھی حکومت پنجاب فیصلہ نہ کر سکی تھی کہ ایک رات بارہ بجے کے قریب سپرنٹنڈنٹ جیل نے ہمیں آجگایا اور اسباب باندھنے کے لئے کہا۔ ہم سمجھ گئے کہ ہمیں کسی بڑی جیل میں منتقل کیا جائے گا۔

جیل سے باہر آئے تو دیکھا دو پک اپ کاریں اور دو انسپکٹر پولیس اور پولیس گارد موجود ہے۔ حکم ہوا علیحدہ علیحدہ سوار ہو جاؤ الگ الگ جیل میں جانا ہو گا مجھے میانوالی اور شیخ صاحب کو جھنگ روانہ کر دیا گیا یعنی میاں دولتانہ کی حکومت ہمیں اکٹھا نہ رکھنا چاہتی تھی اور سزا کے بعد بھی انتقامی جذبہ کارفرما تھا۔ راتوں رات ہمیں دو مختلف جیلوں میں پہنچا دیا گیا۔ صبح چار بجے کے قریب میانوالی جیل کا پھاٹک کھلا اور میں اس جیل میں اکتیس سال کے بعد دوسری مرتبہ داخل ہوا۔ ۱۹۲۱ء میں تحریک خلافت کے سلسلہ میں مجھے پہلی بار اس جیل میں قید کاٹنے کا موقع ملا تھا ان دنوں میں بھی جوان تھا اور حضرت شاہ صاحب کی جوانی بھی پھوٹی پڑتی تھی حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب پانی پتی' مولانا سید حبیب' مولانا اختر علی خاں' مولانا عبدالمجید سالک' مولانا احمد سعید' مولانا حبیب الرحمن مرحوم و مغفور' مولانا محمد بخش' سردار منگل سنگھ' ڈاکٹر ستیہ پال اور دیگر کانگریسی زعماء اس جیل میں محبوس تھے وہ تحریک خلافت کا زمانہ تھا۔ جیل میں خوب رونق تھی مگر اس مرتبہ میں یک و تنہا تھا طبیعت پر کچھ بوجھ ضرور ہوا۔ مگر بے بسی تھی جیل خانہ کوئی باغ جناح نہیں کہ دل گھبرایا تو گھر واپس چلے آئے جیل میں کوئی ذمہ دار افسر موجود نہ تھا۔ سپرنٹنڈنٹ اور جیلر اپنے بنگلوں پر استراحت فرما رہے تھے چھوٹے داروغہ نے ہمیں ڈیوڑھی ہی میں کرسی دے دی اور خود دفتر کے کاغذات کو الٹ پلٹ کرنے لگے مجھے جس پولیس انسپکٹر کے ہمراہ میانوالی بھیجا گیا تھا۔ وہ نہایت شریف انسان تھا اس نے چلتے وقت سرگودھا کے انچارج سپرنٹنڈنٹ سے بہ تجمل تذکرہ دریافت کر لیا کہ یہ کس کلاس کے قیدی ہیں؟

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے بتایا کہ کل صبح ان کی کلاس کے احکامات مجھے مل جائیں گے وہ میں میانوالی بھیج دوں گا۔ آپ میری جانب سے کہہ دیجئے گا کہ یہ اے کلاس کے قیدی ہیں۔ مجھے ٹیلیفون پر اطلاع مل چکی ہے۔ مگر جب تک کاغذات نہ آجائیں میں ان کے ٹکٹ پر کچھ بھی

درج نہیں کر سکتا۔ چنانچہ انسپکٹر پولیس نے چھوٹے داروغہ کو تاکید کر دی۔ مگر یہ بے ضابطہ بات تھی۔ جیل کی دنیا باہر کی دنیا سے بالکل مختلف ہے جیل مینوئل جیل کی الہامی کتاب ہے اس سے باہر کی کوئی بات قابل قبول نہیں ہوتی جب ڈیوڑھی میں بیٹھے بیٹھے کافی دیر ہو گئی تو میں نے داروغہ سے کہا کہ اذان کا وقت ہو رہا ہے۔ مجھے نماز کا بندوبست بھی کرنا ہے۔ آپ نے مجھے یہاں کیوں بٹھا رکھا ہے اندر لے چلئے میں اب یہاں نہیں بیٹھوں گا۔ سوچ سوچ کر داروغہ نے فیصلہ کیا کہ ذمہ دار افسران کی تشریف آوری سے قبل وہ مجھے ہسپتال کے ایک کمرے میں جگہ دیں گے۔ چنانچہ مجھے اندر لے جا کر ہسپتال کے کمرے میں جو بی کلاس قیدیوں کے لئے وقف تھا پہنچا دیا گیا۔ یہاں مولانا عبدالستار خاں نیازی کے دو عزیز نوجوان کسی قتل کے سلسلے میں سات سات سال کی سزا بھگت رہے تھے یہ دونوں نوجوان نہایت خلیق اور رئیس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے مقدر انہیں جیل لے آئی تھی۔ مجھے ان لوگوں نے عزت و احترام سے بٹھایا۔ نماز کے بعد میں نے ان سے کہا کہ رات بھر جاگا ہوں۔ سفر کی وجہ سے طبیعت میں کسل ہے اجازت ہو تو آپ ہی کی چارپائی پر کچھ دیر آرام کر لوں۔

چنانچہ میں تھوڑے بیچ کر سو گیا دن نکل آیا چائے تیار ہو گئی تو ان نوجوانوں نے مجھے جگا دیا اور چائے پلائی اس کے بعد وہ دونوں مجھ سے کہنے لگے کہ آپ تو مرزا ابراہیم کے پاس اے کلاس وارڈ میں چلے جائیں گے۔ کاش آپ ہمارے پاس رہتے میں نے ان کے محبت آمیز سلوک سے متاثر ہو کر جواب دیا کہ میرے بس میں ہو تو میں آپ کے ساتھ اگر سی کلاس میں رکھا جاؤں تو خوش ہوں گا ایک گھنٹے کے بعد جمعدار آ گیا۔ میرا نام لے کر پکارا اور کہا چلئے چکر میں آپ کو بلایا ہے۔ اسباب بھی لے چلئے۔ میں نے اسباب اٹھایا اور میں ان کے ہمراہ ہو لیا۔

انتقام

میں جب چکر میں پہنچا تو وہاں ہیڈ وارڈر اور داروغہ صاحب تشریف لے آئے مجھے حکم ہوا کہ اسباب ہمارے حوالے کر دیجئے۔ میں نے کہا وہ کیوں؟ جواب ملا کہ گودام میں جمع ہو گا۔ میں چونکہ جیل کے رسم و رواج سے واقف تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ مجھے تمام اخلاقی قیدیوں میں سی کلاس کا قیدی بنا کر رکھا جائے گا چنانچہ میں نے خود ہی ان سے کہا کہ اسباب سنبھال لیجئے اور درج کر لیجئے۔ میں نے سر سے قراقلی کی ٹوپی بھی اتار کر ان کے حوالے کی' جیل کی چادر لپیٹ کر کپڑے اتار دیئے اور جیل کے کپڑے پہن لئے ایک چٹائی دو چادریں اور ایک لوٹا عطا ہوا۔ زندگی مختصر ہو گئی اب کوئی جھنجھٹ باقی نہ تھا۔ داروغہ اور ہیڈ وارڈر نے سرگوشیوں میں فیصلہ کر لیا کہ مجھے کہاں رکھا جائے گا جیل کے سپاہی کو حکم ہوا کہ ان کو پھانسی کی کوٹھریوں میں

لے جاؤ میں سپاہی کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا شام ہونے والی تھی قیدی بند ہو چکے تھے میرے لئے ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا میں اندر داخل ہوا تو سپاہی نے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سپاہی آیا اور کہنے لگا کہ ہاتھ سے گھڑی اتار کر اسے دیجئے۔ داروغہ صاحب کا حکم ہے آپ کی گھڑی گودام میں رکھی جائے گی۔ مجھے غصہ آیا کہ ان بدبختوں کو میری گھڑی پر کیا بم کا شبہ ہے؟ مگر یہ سمجھا کہ یہ تو جیل کا قانون ہے میں نے گھڑی اتار کر سپاہی کے حوالے کی۔

جون کا مہینہ میانوالی کی گرمی' دیواریں تنور کا مزا دیتی تھیں تو چٹائی پر بیٹھنے سے آدمی کا تختہ بن گیا انتہائی گرمی نے سونے نہ دیا اتنے میں ساتھ والی کوٹھڑی سے حوالاتی نے پکارا بابا جی اس عمر میں کیا کر بیٹھے؟ خود قتل کیا یا قتل میں شریک ہوئے تھے میں نے جواب دیا کہ یونہی تو پکڑ کر نہیں لے آئے کچھ تو ہوا ہے دوسرے نے کہا بابا اس ضعیفی میں ایسا کرتے یہ کام تو ہم جوانوں کا ہے میں نے کہا کہ بھئی مجھے بھی جوانی یاد آگئی تھی۔ اب تو ہو گیا جو ہونا تھا۔ ان بے فکرے نوجوانوں میں سے ایک نے گانا شروع کیا انہی میں ایک پڑھا لکھا نوجوان تھا وہ کوئی سکول ماسٹر تھا۔ رات کو ایسی گرمی میں نیند کیا آتی۔ خدا خدا کر کے دن نکلا جیل کھلی تو میں چٹائی اٹھا کر باہر صحن میں آگیا۔ فجر کی نماز کوٹھڑی کے اندر ہی ادا ہوئی سب کوٹھڑیاں کھل گئیں۔ میرے ساتھی تھے تو قاتل اور ڈاکو مگر بڑی ادا کے لوگ تھے وہ مجھ سے ہمدردی کرنے لگے۔ بعض نے یہ سمجھا کہ پولیس نے کسی جھوٹے مقدمے میں پھنسا کر قید کرا دیا۔ مگر جب میں نے انہیں بتایا کہ سزا کل چھ مہینے ہوئی ہے تو وہ ہنسنے لگے کیونکہ ہیں والے چہرے نے ہاتھ بڑھا کر رکھ لیا۔ ان دو تین دنوں میں گرمی کی وجہ سے مجھے قطعاً بھوک نہ لگی۔ پانی پی کر گذارا کرتا رہا قیدیوں کو جیل میں تولا جاتا ہے مجھے تولنے کے لئے قیدیوں کی قطار میں کھڑا کر لیا گیا اور پھر ہسپتال لے گئے۔ قیدیوں کا وزن ہونے لگا جب میری باری آئی اور ڈاکٹر نے میری جانب دیکھا تو فرمایا کہ بھئی تم تو بیمار ہو۔ تم ہسپتال میں کیوں نہیں آجاتے میں نے جواب دیا کہ ڈاکٹر صاحب میں قیدی ہوں حکم کے بغیر ہسپتال کیسے چلا آتا؟ ڈاکٹر نے پھر کہا کہ نہیں تم کو ہسپتال آجانا چاہئے اس کے بعد ڈاکٹر دوسرے قیدیوں کی طرف متوجہ ہوا اور مجھے بھول گیا جو وارڈر مجھے ہسپتال لے گیا تھا اس نے چلا کر کہا کہ چلو جو وزن کرا چکے ہیں وہ لائن میں کھڑے ہو جائیں میں لائن میں آگیا وہ سب قیدیوں کو ہانک کر وارڈ کی طرف لے گیا ہمیں پھر کوٹھڑیوں میں پہنچا دیا گیا ہسپتال کی امید بندھ کر ٹوٹ گئی میرے دل میں یہ شرک آگیا تھا کہ ڈاکٹر مجھے پھانسی کی کوٹھڑی کی گرمی اور مصیبت سے بچا لے گا۔ خدا نے اس کی توجہ کو میری طرف سے ہٹا دیا۔ تب میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی کہ خدا کا بھروسہ چھوڑ کر ڈاکٹر کا بھروسہ کر کے دیکھ لیا؟

میں اپنی کوٹھڑی میں خاموش لیٹا رہا۔ دو تین راتیں اس طرح گذریں تین چار دن کے بعد حکم ہوا چلو چکر میں مشقتیں ملیں گی۔ جب میں چکر جمعدار کے پاس پہنچا تو وہ کافی دیر میری مشقت کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں لکھنا آتا ہے میں نے اثبات میں جواب دیا۔ جمعدار نے کہا نہیں۔ ابھی منشی گیری نہیں مل سکتی تم نئے قیدی ہو بالآخر میرے ٹکٹ پر مرمت کی مشقت لکھ دی گئی۔ میں نے دریافت کیا کہ کاہے کی مرمت کرانے کا حکم ہوا پھٹے ہوئے کپڑوں کی مرمت کیا کرنا۔ یہ سب سے آسان کام ہے۔ ڈاکٹر نے ٹکٹ پر سب سے ہلکی مشقت کی سفارش کی ہے میں نے چکر جمعدار سے گفتگو کی اور اسے کہا کہ سپرنٹنڈنٹ سے ملاقات تو کرا دیجئے۔ اس کے بعد جن کپڑوں کی مرمت چاہو گے عذر نہ ہوگا دل چاہے تو باہر سے رزیوں کی پھٹی ہوئی پتلونیں مرمت کے لئے منگوا لینا مجھے کوٹھڑی میں واپس بھیج دیا گیا جو سپاہی مجھے چھوڑنے آیا میں نے اس سے ملاقات کے بارے میں کہا اس نے کہا کل صبح میں جمعدار سے بات چیت کروں گا۔

خداوندانِ جیل

نہ ہو بندہ کوئی بندے کے بس میں

چکر جمعدار نے مجھے سپرنٹنڈنٹ جیل سے ملاقات کی اجازت دلوا کر صبح آٹھ بجے ایک وارڈر کے ہمراہ ڈیوڑھی کے دروازہ پر بھجوا دیا جیل میں قیدیوں کو مجسم "کیو" بنا دیا جاتا ہے وہ چلتے ہیں تو قطار میں کھڑے ہوتے ہیں کھڑے ہوں تو قطار بنانا پڑتی ہے مجھے تین اخلاقی قیدیوں کے ہمراہ سپرنٹنڈنٹ جیل کے دفتر کے سامنے دھوپ میں' قطار میں کھڑا کر دیا گیا ایک کھڑکی کے سامنے جس پر جالی لگی ہوئی تھی ہم چاروں کھڑے رہے۔ میانوالی میں جون کے مہینے صبح آٹھ بجے لاہور کے بارہ بجے دوپہر کا گمان ہوتا ہے۔ دھوپ میں اچھی خاصی شدت ہوتی ہے۔ قیدی بیچارے کی اوقات ہی کیا ہے کہ وہ فریاد کی جرأت کر سکے میری حالت یہ تھی کہ تین چار روز سے بھوکا' نیند کا مارا ہوا عمر کے لحاظ سے بھی ضعیف اور ناتواں تھا۔ قریب کوئی درخت نہ تھا۔ سپاہی کی منشا یہ تھی کہ ہم ہاتھ پاؤں بھی نہ ہلائیں دم بخود مودب کھڑے رہیں جب اس عذاب میں کھڑے کھڑے دو گھنٹے گذر گئے تو مجھے آنکھوں کے سامنے تاروں کا رقص نظر آنے لگا۔ پیاس سے برا حال ہو گیا میں نے سپاہی سے کہا کہ مجھے واپس لے چلو اس نے جواب دیا باقیوں کی ملاقات ہو جائے یہ لوگ عرض کر لیں تو سب کو اکٹھے واپس جانا ہوگا۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر شعب دیل مجھ رہا تھا میں نے سپاہی کو بمشکل رضامند کر لیا کہ وہ مجھے پانی پی لینے کی اجازت دے۔ سپاہی نے مجھے اس شرط پر کنوئیں تک جانے کی اجازت دی کہ میں ناک کی سیدھ سیدھا

چلا جاؤں اور پانی پی کر سیدھا واپس چلا آؤں۔

میانوالی جیل کا پانی پنجاب کی تمام جیلوں سے بہتر ہے۔ دھوپ کی شدت برداشت کرنے کے بعد ٹھنڈا پانی اللہ کی نعمتوں کا اقرار کرا لیتا ہے۔ پانی پی کر دم میں دم آیا تو پھر دھوپ میں آکر کھڑا ہو گیا۔ میں نے سپاہی سے کہا دریافت کرو کہ کب ملاقات ہو گی؟ اس نے اشارے سے کہا آہستہ بولو۔ میں نے اور بلند آواز سے کہا کہ دھوپ میں کب تک کھڑے رہیں گے۔ ملاقات نہیں ہوتی تو واپس لے چلو۔ سپاہی مجبور ہو گیا کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تو صاحب موجود نہ تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کھانا کھانے گئے ہیں۔ آدھ گھنٹہ بعد آئیں گے آدھے گھنٹے کے لئے ہمیں سرس کے فلاں درخت کے نیچے دم لینے کی اجازت مل گئی سرس کے درخت میں پتے ہی کتنے ہوتے ہیں جو دھوپ کو روک سکیں۔ تقریباً بارہ بجے ہوں گے کہ فریاد کی اجازت ہوئی۔ میں سب سے پیچھے تھا آواز آئی کیا عرض کرنا چاہتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں نہ قاتل ہوں نہ ڈاکو۔ آپ نے مجھے ۳۰۲ کے ملزموں میں کس گناہ کی پاداش میں بند کر رکھا ہے۔ میں پڑھا لکھا آدمی ہوں ایک روزنامہ کا چیف ایڈیٹر' ایک جماعت کا صدر۔ اخبارات کی انجمن کا رکن ہوں۔ حکومت نے جو ڈیفنس کمیٹی بنائی ہے اس کی رکنیت کا فخر بھی حاصل ہے۔ آج سے نہیں اکتیس سال پیشتر اسی جیل میں سپیشل کلاس کے قیدی کی حیثیت سے قید کاٹ چکا ہوں۔ ڈاکو اور قاتل میری سوسائٹی کے لوگ نہیں ہیں وہاں رہنا نہیں چاہتا ان تمام گذارشات میں سپرنٹنڈنٹ کو صرف ایک بات پر تعجب ہوا وہ تھی اکتیس سال پہلے قید کاٹنے کی بات صاحب بہادر بڑے حیران ہوئے فرمانے لگے پھر آپ سی کلاس میں آگئے؟ میں نے عرض کیا بڑے وزیر یعنی میاں ممتاز دولتانہ میرے کرم فرما ہیں یہ ان کی ذرہ نوازی ہے ورنہ میں تو اس قابل بھی نہیں ہوں ----- سپرنٹنڈنٹ صاحب کچھ خفیف ہوئے مجھے فرمایا کہ میں کیا کر سکتا ہوں آپ کے ہمراہ تو کلاس آئی نہیں آپ کو کلاس لیکر آنا چاہئے تھا میں نے عرض کیا کہ میں ایک مجبور قیدی ہوں۔ یہاں خود نہیں آیا بلکہ لایا گیا ہوں۔۔ پابدستے دیگرے دست بدستے دیگرے۔ آپ میری کلاس کے لئے سرگودھا جیل سے' دریافت فرما لیجئے۔ سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ آپ ایک درخواست لکھیں' بھیج دوں گا۔ میں نے درخواست لکھنے سے انکار کیا اور واپسی کی اجازت چاہی۔ صاحب نے فرمایا بہت اچھا واپس چلے جاؤ۔ میں وارڈر کے ہمراہ اپنی کوٹھڑی میں آکر بیٹھ گیا اور دل سے فیصلہ کر لیا کہ اب نہ کوئی درخواست لکھنا ہے اور نہ کوئی سہارا ڈھونڈنا ہے صبر سے قید کاٹنا چاہئے رات گذری' صبح تالے کھلے تو ہم سب جو اس وارڈ میں تھے باہر ہوا میں چٹائیاں بچھا کر بیٹھ گئے۔

۳۰۲ کے ملزم جو بڑے کڑیل جوان تھے میرے گرد آکر بیٹھ گئے اب وہ میرا احترام کرتے

تھے۔ دو ملزموں کو حکم سننے کے لئے عدالت میں جانا تھا ان میں سے ایک نے یہ سمجھ کر یہ بوڑھا قیدی نمازیں پڑھتا ہے۔ تسبیح کرتا ہے یہ کوئی نیک انسان ہے اس سے دعائیں کرائیں۔ وہ میری چارپائی پر آ بیٹھا اور میرے پاؤں دبانے لگا میں نے اسے منع کیا تو وہ اور زیادہ زور سے دبانے لگا اور بالآخر مجھے کہا کہ بابا دعا کرو کہ میں بری ہو جاؤں میں نے اسے سمجھایا کہ جو تمہارے دل کو لگی ہے وہ میرے دل کو نہیں جس خلوص سے تم اپنے لئے دعا مانگو گے میں اس درد، خلوص اور عجز سے کیوں دعا مانگنے لگا؟ اللہ کے سامنے جھکو اور صدق دل سے اقرار کرو کہ آئندہ خدا کی منشاء کے مطابق زندگی گزارو گے سچے دل سے توبہ کرو وہ قبول کرنے والا ہے مجھے کیا معلوم تم نے کیا کیا ہے۔ تم خود ہی دعا مانگو۔ وہ وضو کر کے آیا چارپائی میرے قریب بچھائی اور دعا کے لئے مجھے پھر مجبور کرنے لگا۔ میں نے ہرچند سمجھایا کہ نہ میں کوئی بزرگ ہوں نہ عالم دین میں تو ایک گناہگار اور عاجز انسان ہوں تم نہیں دیکھتے کہ تمہارے سامنے پھنسا بیٹھا ہوں بھلا میں تمہارے لئے کیا دعا کروں گا اور کیا قبول ہوگی اس نوجوان نے زبردستی میرے دونوں ہاتھ دعا کے لئے دراز کر دیئے۔ خدا جانے اس نوجوان نے کس خلوص سے دعا مانگی تھی کہ وہ عدالت میں جاتے ہی بری ہو گیا اور وہیں شور مچانے لگا کہ واہ بابا تمہاری دعا نے بیڑا پار کر دیا اس نوجوان کے رشتہ داروں نے دریافت کیا کہ کس بابا نے بیڑا پار کر دیا نوجوان نے میرا نام بتایا اور جیل کی مصیبت کا افسانہ سنایا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت مجلس احرار میانوالی کا ایک کارکن اپنے ذاتی کام سے عدالت سے باہر موجود تھا اس نے جب رہا ہونے والے کے منہ سے میرا نام سنا تو اس نے کرید کرید کر دریافت کرنا شروع کیا اور حلیہ دریافت کیا تو اسے یقین ہو گیا کہ پھانسی کوٹھڑی میں مجھے بند کیا گیا ہے وہ دوڑا دوڑا دفتر احرار میں پہنچا میٹنگ ہوئی احرار کے صدر نے ایک زبردست جلوس نکال کر مظاہرہ کیا اور ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی کا رخ کیا ڈپٹی کمشنر سے کہا کہ آپ نے ہمارے لیڈر سے ناروا بدسلوکی کی ہے۔ ہم احتجاج کرنے آئے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر نے سپرنٹنڈنٹ کو فون پر کہا کہ آپ نے کیا غضب کر دیا ہے یہ لوگ تو سارے علاقے میں آگ لگا دیں گے۔ ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی سے یہ جلوس سیدھا جیل کی طرف چل پڑا۔

میانوالی بہادر پٹھانوں کا علاقہ ہے پٹھان جب ڈھول بجا کر میدان میں اتر آتے ہیں تو عقل و خرد بھاگ کھڑی ہوتی ہیں ادھر یہ کچھ ہو رہا تھا ادھر میں جیل کی سختیاں اور مصیبتیں کاٹ کر ہسپتال کے کمرے میں بجلی کے پنکھے کے نیچے پلنگ دراز تھا اور محمد رمضان کی درد بھری کہانی سن رہا تھا کہ وہ کس طرح قتل کے قضیے میں رشتہ داروں کی مہربانی سے پھانسی کے تختے پر پہنچا۔ محمد رمضان میرے احساسات کی دنیا میں درد بھری باتوں کی مضراب سے چوٹ لگا رہا ہے ہوا یہ کہ جب میں سپرنٹنڈنٹ جیل سے ملاقات کر کے مایوس لوٹا تو میرے دل کو از خود اطمینان ہو گیا تھا

میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ ہسپتال کا لمبردار آیا اور اس نے آکر میرا نام لیا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے بلایا ہے اپنا اسباب بھی لے چلو۔ میں نے چٹائی بغل میں لپیٹ کر دبائی اور لوٹا اٹھا کر اس کے ہمراہ ہو لیا۔ ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں داخل ہوا تو انہوں نے مجھے کرسی پر بیٹھ جانے کو کہا بڑی شفقت سے معائنہ کیا' نسخہ لکھا' دوائی تجویز کی اور کہا کہ تم اب ہسپتال میں داخل ہو۔ مجھ سے میرا پتہ دریافت کیا خود اٹھے اور ایک کمرہ جس میں لمبردار اور قیدی رہتے تھے۔ خالی کرنے کا حکم دیا اور میرے پاس آکر بیٹھ گئے اس عرصے میں چکر جمعدار نے قیدیوں اور لمبرداروں کے لئے جگہ کا بندوبست کر لیا تو قیدی اور لمبرداروں نے کمرہ خالی کرنا شروع کیا جب کمرہ خالی ہو گیا تو میں اس کمرے میں چلا آیا جو میرے لئے تجویز کیا گیا تھا جب میں کمرے میں داخل ہوا تو وہاں سے آخری قیدی جو بہت بوڑھا تھا اپنا بستر لپیٹ رہا تھا مجھے اس بوڑھے پر ترس آیا میں نے اسے کہا۔ "بڑے میاں! ذرا ٹھہرو میں ڈاکٹر صاحب سے عرض کرتا ہوں۔ اگر وہ مان گئے تو آپ کو اسی کمرے میں ٹھہرنے کی اجازت مل جائے گی۔"

میں دوبارہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ اس بوڑھے قیدی کو اگر آپ میرے پاس رہنے دیں تو میں تنہائی کی مصیبت سے بچ جاؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب مان گئے وہ کافی دیر مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ مجھے اپنا تعارف خود ہی کرانا پڑا۔ کمرے میں بجلی کا پنکھا بھی موجود تھا اور پلنگ بھی موجود تھا تھکا ہارا اور گرمی کا مارا میں پلنگ پر دراز ہو گیا میرا بوڑھا ساتھی محمد رمضان عمر قید کی سزا بھگت رہا تھا اس کی قید ختم ہو چکی تھی مگر اب وہ دانت اسے جیل میں لئے بیٹھا تھا اتنے میں جیل کا وارڈر میرے کمرے میں آیا اور مجھے کہا کہ چلئے آپ کی ملاقات ہے میں نے دریافت کیا کون آیا ہے؟ وہ کہنے لگا بہت سے لوگ ہیں چل کر دیکھ لیجئے جونہی میں نے ڈیوڑھی میں قدم رکھا۔ میانوالی کے احرار راہنما اور کارکن دوڑ کر مجھے لپٹ گئے۔ مجھے عام اخلاقی قیدیوں کے کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر میرے احرار رفیق سخت مشتعل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے افسران جیل کو برا بھلا کہنا شروع کیا میں نے بیچ بچاؤ کر کے انہیں صبر کی تلقین کی اور انہیں واپس بھیج دیا۔ اس ملاقات کے بعد جیل کی فضا میرے حق میں زیادہ سازگار ہو گئی۔

ہمیں قید ہوئے ابھی ایک ماہ نہ گذرا تھا کہ ایک روز ڈیوڑھی سے اطلاع ملی کہ رہائی آگئی ہے چلئے بوڑھا محمد رمضان رہائی سے خوش اور جدائی سے غمگین ہو رہا تھا۔ ملے جلے جذبات سے اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا کہ خدا کو منظور ہوا تو میں بھی ایک روز رہا ہو ہی جاؤں گا میں اس کے پاس بیٹھ گیا مجھے اس بوڑھے قیدی سے بے حد ہمدردی تھی۔ وہ نہایت ہی شریف انسان تھا میں نے اسے کہا کہ میاں رمضان اس میں کوئی شک نہیں کہ میاں دو تانے

صاحب کی حکومت میں میرے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا گیا ہوا مگر یہ سیاسی رنجش کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ انہیں میری ذات سے کوئی عناد نہیں۔ تمہاری خاطر میں ان سے ملوں گا جس روز بھی ملاقات ہوئی۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان سے پہلی بات یہ کہوں گا کہ محمد رمضان کو رہا کر دو۔ میں وعدہ کر کے جا رہا ہوں۔ ان شاء اللہ میں بھولوں گا نہیں لو خدا حافظ۔ اللہ کو منظور ہوا تو باہر ملاقات ہوگی۔

اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

میں ہسپتال میں دوستوں سے مختصر و پوذی پر آ گیا۔ دفتر میں داخل ہوا تو میرے داخلے کے فوراً بعد سی آئی ڈی کا انسپکٹر ایک وارنٹ کی تعمیل کے لئے آ دھمکا میں نے دریافت کیا کیا وارنٹ ہے تو معلوم ہوا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس سرگودھا نے آزاد کے ایک آرٹیکل کے خلاف دعویٰ کیا کہ اس آرٹیکل سے سپرنٹنڈنٹ کی شہرت کو دھکا لگا ہے اور یہ کہ اس دھکے سے سرکاری کام میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ میں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خلاف یہ لکھا تھا کہ ان حضرت پر مرزائیت کی ہمدردی کا جنون سوار ہے اور کہ یہ مرزائیت کی حمایت میں لٹھ لئے پھرتے ہیں۔ آخر میں میں نے یہ لکھا تھا کہ جب ایک ذمہ دار افسر نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے خلاف پراپیگنڈہ ہو رہا ہے کہ آپ مرزائی ہیں تو سپرنٹنڈنٹ نے فرمایا کہ میں مرزائی نہیں میری بیوی مرزائی ہے اس جرم کی پاداش میں سپرنٹنڈنٹ پولیس سرگودھا نے حکومت سے اجازت حاصل کی اور دعویٰ کر کے وارنٹ حاصل کر لیا۔

ٹھیک اس وقت جب میں رہا ہو رہا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس کا دعویٰ میری رہائی کی راہ میں حائل تھا اخبار میں ایڈیٹر اور پرنٹر پبلشر دونوں برابر کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ میں نے لکھ دیا کہ اس لیڈنگ آرٹیکل کا میں تنہا ذمہ دار ہوں۔ میں نے لکھا ہے مجھے اقرار ہے۔ اور اگر جرم ہے تو میں اس کی سزا بھگتوں گا۔ شیخ صاحب کو بری الذمہ قرار دیا جائے انہیں تو اس سے کچھ واسطہ نہیں کہ میں نے کیا لکھا ہے۔ مگر ضابطے نے ان کو بھی زنجیر میں باندھ لیا۔ مجھے انسپکٹر پولیس نے کہا ضمانت دے دیجئے۔ قابل ضمانت جرم ہے۔ میں نے کہا کہ آپ مجھے لینے کے لئے کار لیکر آئے ہونگے۔ میں ریل میں دھکے کھاؤں کرایہ پلے سے خرچ کروں اور آپ کار میں تنہا تشریف لے جائیں۔ یہ بات بہت خسارے کی ہے۔ میں ضمانت نہ دوں گا۔ مجھے عدالت میں پیش کرنے کے لئے لاہور لے چلئے۔ کپتان صاحب نے لاہور میں دعویٰ کیا ہے۔ اب لاہور ہی میں ان کی زیارت ہوگی۔

چنانچہ مقامی پولیس کے ایک تھانیدار اور تین سپاہی پک اپ جیپ کار میں شام کے

وقت میانوالی سے مجھے لیکر روانہ ہوئے۔ راستے میں ہمیں مغرب اور عشاء کے لئے خوشاب اور سرگودھا ٹھہرنا پڑا۔ جب ہم سرگودھا پہنچے تو لب سڑک ایک تھرڈ کلاس ہوٹل میں چائے پی۔ میں سفر میں کھانا کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ ہوٹل سے کچھ فاصلے پر میدان میں جلسہ عام ہو رہا تھا۔ اس روز شیخ عبداللہ رہا ہو کر سرگودھا پہنچے تھے۔ وہ ہاروں میں لدے ہوئے تھے۔ مجھے ایک بار تو یہ خیال آیا کہ جلسے میں پیغام بھیج دوں کہ ایسا جانب بھی تشریف رکھتے ہیں۔ پھر خیال آیا کہ تھانیدار نہایت شریف آدمی ہے عزت و احترام سے لئے جا رہا ہے۔ اسے خواہ مخواہ جواب دہ ہونا پڑیگا۔

جلسے میں تقریر کرتے ہوئے میرا اور شیخ صاحب کا نام بھی لیا گیا۔ مگر تھانیدار بالکل غیر سیاسی آدمی تھا بہت سیدھا سادہ سید تھا۔ میں نے تھانیدار سے کہا کہ یہ جگہ خطرناک ہے۔ اگر جلسہ گاہ میں کسی کو پتہ چل گیا کہ میں یہاں موجود ہوں تو سارا جلسہ اٹھ کر ادھر ہی دوڑ پڑے گا۔ چلئے کوئی دیکھ لے گا۔ تو آپ مشکل میں پڑ جائیں گے۔ ہم جب سرگودھا سے روانہ ہو کر لاہور پہنچے تو نولکھا تھانے کی مسجد میں فجر کی جماعت ہو چکی تھی۔ میں نے تھانیدار سے کہا کہ مجھے تھانے میں سپرد کرنے سے پیشتر نماز ادا کر لینے دیجئے۔ چنانچہ نماز ادا کر کے تھانے پہنچے تو سب کو ناواقف اور لاوارد پایا۔ مجھے حوالدار نے نہ یہ پوچھا کہ کون ہو؟ کیسے ہو اور نہ بیٹھ جانے کو کہا۔ اس سلوک کے جواب میں میں نے بھی مناسب رویہ اختیار کیا اور کہا کہ حوالات میں بند کرنا ہو تو کر دیجئے۔ جو کچھ کرنا ہے کیجئے۔ میں رات کا جاگا ہوا ہوں۔ مجھے نیند آ رہی ہے حوالدار نے کہا ابھی بہت کچھ لکھنا پڑھنا ہے۔ افسران سے دریافت کرتا ہے۔ اس کے بعد حوالات میں بند کئے جاؤ گے۔ میں نے کہا تو بہت اچھا' یہ لو میں سونے لگا ہوں' وہیں بستر کی ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ اتنے میں ایس ایس پی مرزا نعیم الدین کا فون آیا کہ میں آ رہا ہوں۔ ماسٹر صاحب موجود ہیں۔ تب تھانے میں ہلچل ہوئی۔ مگر ان کی تشریف آوری سے قبل مجھے معلوم ہوا کہ لاہور میں گذری رات بڑا خوفناک ہنگامہ ہوا مسلم لیگ کا اجلاس لکشمی بلڈنگ میں منعقد ہوا۔ باہر سے لوگوں کے ہجوم نے لکشمی بلڈنگ کو گھیر لیا۔ خشت باری ہوئی۔ لیڈران کرام کو بڑی مشکل سے کوٹھیوں تک پہنچنا نصیب ہوا۔

کاریں ٹوٹ گئیں۔ سب سے بڑی شرمناک یہ بات ہوئی کہ مستورات بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ بیگم جی اے خاں کی کار پر حملہ ہوا کہ شیشے توڑ ڈالے گئے اور انہیں اور ان کے ڈرائیور کو زخمی کر دیا گیا۔ وہ ہسپتال پہنچ گئیں۔ مجھے تھانے ہی میں لوگوں کی سرگوشیوں سے اس واقعہ کا پتہ چل گیا۔ میں رہا ہو کر دفتر پہنچا۔ تھوڑی دیر آرام کیا اور سیدھا میو ہسپتال بیگم جی اے خاں کو دیکھنے کے لئے گیا۔ وہ میری ہم وطن اور میرے عزیز دوستوں کی بہن ہیں۔ مجھے ان سے

دوہری ہمدردی تھی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں جیل سے آ رہا ہوں اور آج صبح پہنچا ہوں تو وہ حیران ہوئیں۔ فرمانے لگیں کہ تمہارے ذمے تو لگایا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ تم ہی نے کیا ہے' میں نہ مانتی تھی۔

بہرحال میں واپس لاہور آیا تو اس ہنگامے نے حالات خراب کر دیئے تھے۔ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ تھا۔ پانچ آدمی اکٹھے مل کر چل نہیں سکتے تھے۔ شہر میں ہراس پھیلا ہوا تھا اور ایسا ہونا لازمی تھا۔

ملتان کا فائرنگ کیس

غالباً ۹ جولائی ۱۹۵۱ء کو پاکستان میں یوم انہماء منایا گیا۔ لاہور کے بعد ملتان کو اچھی خاصی اہمیت حاصل ہے چنانچہ ملتان میں بھی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی طرف سے جامع مسجد جنازگاہ میں زیر صدارت جناب شوکت حسین سجادہ نشین دربار پیر صاحب جلسہ عام منعقد ہوا۔ حاضری بہت زیادہ تھی۔ مسجد کے وسیع میدان میں جب لوگ نہ سما سکے تو مسجد سے باہر دور تک پھیل گئے اس عظیم الشان تاریخی جلسے میں مولانا ہدایت اللہ صاحب (خیر المدارس) اور مولانا عبدالقادر کے علاوہ تمام ذمہ دار حضرات نے مطالبات کو دہرایا اور حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ ان بنیادی اور جائز مطالبات کو فوراً تسلیم کرے ورنہ نتائج کی ذمہ داری اس پر عائد ہو گی وغیرہ وغیرہ جلسے کے بعد یہ عظیم الشان اجتماع جلوس کی شکل میں نکل پڑا۔

جلوس اور گڑبڑ

میری رائے ہے کہ مذہب ہو یا سیاست' عوامی اجتماعات کو صرف جلسوں تک محدود رکھنا چاہئے۔ جلسے بسا اوقات سرپھٹول اور دھینگا مشتی کا اکھاڑہ بن جاتے ہیں۔ مگر جلسوں کو اس لئے قابو میں رکھا جا سکتا ہے کہ شرارتی عنصر عوام کے سامنے ہوتا ہے اور شرارت اس طرح منظر عام پر آتی ہے کہ حاضرین اسے دیکھ لیتے ہیں۔ اور جان جاتے ہیں کہ کون شرارت کرا رہا ہے اور کیونکر شرارت کی جا رہی ہے اس لئے شرارتوں پر قابو پا لیا جاتا ہے۔

بہرحال جلسے کبھی خطرناک صورت اختیار نہیں کرتے مگر جلوس...... اللہ محفوظ رکھے' جلوس کو قابو میں رکھنا نیک نیت اور ذمہ دار لوگوں کے اپنے بس کا روگ نہیں' شرارتی یا مخالف لوگ شرارت نہ کر سکیں تو اور بات ہے ورنہ دو تین شیطان سارے جلوس کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کافی ہیں۔ تین آدمیوں میں سے دو آدمی اپنے تیسرے ساتھی کو مارنا شروع کر دیں۔ تو یہ مارپیٹ ان تین تک محدود نہیں رہ سکتی۔ فوراً ہٹو' بچو' پکڑیو' جانے نہ پائے کا شور

ہوتا ہے اس دھینگا مشتی میں لوگ ایک دوسرے پر گرتے ہیں۔ اور گالی گلوچ سے معاملہ بڑھ کر دنگا اور فساد کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ وہ تینوں شیطان یہ سب کچھ کرا کے پانفروش کی دوکان پر کیپٹن سگریٹ کا نرخ دریافت کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ یا اگر خود پولیس نے انہیں اس کار خیر کے لئے متعین کیا ہے تو تھانے میں بیٹھ کر اس شاندار کارنامہ کی ڈائری مرتب کرنے میں مصروف ہونگے اور سنہری سرٹیفکیٹ کے خواب دیکھنے لگیں گے۔ انگریز بہادر کے دور میں یہی کچھ ہوتا تھا۔ تعزیہ کے جلوس پر پتھر پھنکوا دیا اور شیعہ سنی فساد کا ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ ہولی کے دنوں میں سربازار کسی تیز مزاج مسلمان پر رنگ پھنکوایا' گلال ملایا اور ہندو مسلمانوں کا منہ کالا کرا دیا' برطانیہ کے دور اقتدار میں جلوسوں اور تہواروں پر یہ داؤ آسانی سے چل جایا کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ میں ذاتی طور پر ہر قسم کے جلوسوں کے سخت مخالف ہوں' جلوسوں کو قابو میں رکھنا بے انتہا مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہوتا ہے جلوس اسی وقت پر امن طریقہ پر نکل سکتا ہے جب کسی امن دشمنی اور شرارت کی ضرورت نہ ہو یا جرات نہ ہو۔ ورنہ گنجائش ہر وقت موجود ہے' جلوس نکالنے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ انتہائی ضرورت کے علاوہ کبھی جلوس نہ نکالنا چاہئے۔

ملتان کے جلوس میں گڑبڑ ہوئی

جلسہ عام ختم ہوا تو لوگوں نے جلوس نکال لیا۔ یہ کام جلسہ عام کے سربراہوں کا تھا کہ وہ جلسے سے قبل فیصلہ کرتے کہ آیا انہیں جلوس نکالنا ہے یا نہیں اگر نکالنا ہے تو وہ کونسی برگزیدہ اور باثر شخصیت ہے جو جلوس کی رہنمائی کریگی۔ ذمہ دار حضرات اس جلوس کو کس طرح کنٹرول کریں گے کن کن راہوں سے جلوس گذرے گا۔ راستہ زیادہ لمبا' تنگ اور خطرناک تو نہیں ہے ان احتیاطی تدابیر کے بعد جلوس کو نہایت احتیاط سے کم از کم وقت اور زیادہ مختصر اور محفوظ راستے سے نکال کر بخیر و خوبی ختم کر دیا جاتا۔

بہرحال جلوس نکلا اور بڑا ہی پر امن جلوس تھا' عوام اور خواص سوائے مرزائیوں اور مرزائیوں کے پٹھوؤں کے' اس جلوس کے لئے چشم براہ تھے حتیٰ کہ جب جلوس حرم دروازے پہنچا تو وہاں شہر کوتوال موجود تھے۔ وہ آگے آئے جلوس سے خطاب کیا اور فرمایا کہ میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ میں بھی مسلمان ہوں اور مسلمانوں کے جائز مطالبات کا موئید ہوں۔ کوتوال کی اس فراست نے فضا کو اور زیادہ سازگار اور پر امن بنا دیا۔ جلوس آگے چل پڑا۔

نادانستہ الجھاؤ

جب یہ جلوس تھانہ کپ کے قریب پہنچا تو اس تھانے کے متعلقہ تھانیدار نے حفاظت کے لئے تھانے پر مسلح گارد متعین کر رکھی تھی۔ یہ ضابطے کی بات تھی۔ مگر بندوقیں اور سنگینیں مست دیوانوں کو سرخ پھریرا دکھا کر خواہ مخواہ مشتعل کر دینے کی بات تھی۔ بہرحال یہاں تک غنیمت تھا۔

جلوس چلا۔ جب تھانہ کے دروازے پر آگیا تو چند نوجوانوں اور تھانے والوں میں کچھ تیز کلامی ہو گئی۔

یہاں ایک بات سمجھنے کی ضرورت ہے

جب جلوس چلتا ہے تو اس کی رفتار یکساں نہیں رہتی۔ آگے چلنے والے ذرا رفتار کو سست کر دیں تو پیچھے سے دھکا آتا ہے جو آخری سرے تک پہنچتا ہے اور غیرارادی طور پر یہ بھی ہوتا ہے کہ جلوس میں بعض افراد کے پاؤں اکھڑ جائیں۔ پاؤں اکھڑتے ہی جسم کا توازن درست نہیں رہتا سنبھل گئے تو سنبھل گئے ورنہ گر پڑے جلوس میں ایک آدمی کے گرنے سے درجنوں اوندھے منہ ہو جاتے ہیں۔ یہی صورت تھانہ کپ کے سامنے ہوئی' تھانے کے باہر لکڑی کا پرانا بوسیدہ سا جنگلہ تھا' کچھ لوگ بے قابو ہو کر جنگلے پر گرے۔ جنگلہ کمزور تھا۔ جنگلہ ٹوٹنے سے جو تڑاخ کی آواز نکلی۔ وہ بالآخر گولی کی آواز پر ختم ہوئی۔ ۲ مسلمانوں کو تحفظ ختم نبوت کے جلوس کے موقعہ پر خون میں نہا کر جنت الفردوس کو سدھارنا تھا سو وہ خوش نصیب سدھار گئے۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ چین اور راحت نصیب کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ مگر اس واقعے نے نہ صرف ملتان بلکہ سارے پاکستان میں آگ لگا دی۔ ملتان شہر میں ہڑتال ہو گئی۔ تمام شہر بند ہو گیا۔ مخدوم صاحب اور دیگر علماء نے اسی وقت ڈپٹی کمشنر سے ملاقات کی۔ ڈپٹی کمشنر صاحب اس حادثے کے وقت باہر دورے پر تھے۔ مگر کچھ دیر بعد تشریف لے آئے تھے۔ ان سے مطالبہ کیا گیا کہ شہیدوں کی لاشیں ہمارے سپرد کیجئے لاشیں مل گئیں۔

ہسپتال سے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا جلوس شہیدوں کے جنازوں کو لے کر قبرستان پہنچا۔

مطالبات

ملتان کے ۲ مسلمانوں کی شہادت نے ایک کہرام مچا دیا' مسلمانوں نے پولیس کی فائرنگ پر شہر میں مکمل ہڑتال کر کے غم و غصے کا اظہار کیا ہڑتالیں عام طور پر بہت برے نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں' ہڑتال کے دن چونکہ کاروبار بند ہوتا ہے' اس لئے عوام کو چلنے پھرنے یا بیٹھ کر

ہڑتال کے موضوع پر گفتگو کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا اس لئے شرارتی عنصر کے لئے لوگوں کو بھکانا یا مشتعل کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ مجھے اس بارہ میں ہمیشہ تامل ہوتا ہے۔ میں ہڑتال کے حق میں نہیں ہوں البتہ جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہے تو ہڑتال کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے مثلاً ملتان کے خونی حادثے کے بعد ہڑتال ناگزیر تھی۔ ۲ فدایان ختم نبوت کو سپرد خاک کرنے کے بعد کس کا دل گردہ تھا کہ وہ کاروبار میں مشغول ہوتا زخمی اور مجروح دل مسلمان کیونکر دوکانیں کھولتے صف ماتم بچھی ہو تو دنیاداری کے سوجھتی ہے؟ چنانچہ مکمل ہڑتال ہو گئی۔ ہڑتال کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہڑتال کیوں ہے اور اب ہم کیا چاہتے ہیں؟

پولیس کی فائرنگ کے بعد مسلمانان ملتان نے مطالبہ کیا کہ ہمارے ساتھ جو ظلم ہوا ہے اس کی تحقیقات ہونا چاہئے۔

مسلمانان ملتان کے تین مطالبات

۱۔ عدالت عالیہ ہائی کورٹ کے معزز جج صاحبان کی معرفت تحقیقات کی جائے اور حکومت تحقیقاتی کمیشن کا اعلان کرے۔

۲۔ شہیدوں کے ورثاء کو خون بہا دلوایا جائے

۳۔ تھانہ کپ کے انچارج کو معطل کیا جائے

ان ہر سہ مطالبات کی حمایت پریس نے پر زور تائید کی۔ اس بارہ میں سرحد' پنجاب' بہاولپور اور سندھ میں جلسے ہوئے اور مطالبات کی تائید کی گئی۔ ملتان فائرنگ کے فوراً بعد مجلس عمل کی تشکیل ہو چکی تھی ظاہر ہے کہ مجلس عمل اس سلسلے میں خاموش نہ رہ سکتی تھی اور اس پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ چنانچہ جب ملتان کی ہڑتال نے طول کھینچا تو مجلس عمل نے فیصلہ کیا کہ حضرت مولانا ابوالحسنات رحمتہ اللہ علیہ کی سرکردگی میں ذمہ دار حضرات کا ایک وفد ملتان جا کر [illegible] جائزہ لے اور مطالبات پر زور دے کر سردست ہڑتال کھلوا دے تاکہ فضا ساز گار ہو۔ اور تحقیقات کرائی جا سکے۔

وفد کی روانگی

۲۱ جولائی کو مجلس عمل کا وفد زیر سرکردگی حضرت مولانا ابوالحسنات ملتان کے لئے روانہ ہوا اس وفد میں مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش' صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب اور مولانا محمد علی جالندھری شامل تھے۔ ریلوے اسٹیشن ملتان پر بہت بڑے ہجوم نے وفد کا استقبال کیا۔ اسٹیشن سے باہر آئے تو جلوس نے نعرے لگائے۔ ان نعروں میں پولیس افسر کی معطلی کا نعرہ بھی لگ رہا

تھا۔ یہ وفد جیپ کار میں بیٹھ کر سیدھا مخدوم شوکت حسین صاحب کے ہاں پہنچا۔ مخدوم صاحب سے تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ مخدوم صاحب بھی پولیس کے رویہ سے سخت نالاں تھے۔ نماز ظہر کے بعد وفد مشورے میں مصروف تھا کہ ملتان کے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا ہجوم نعرے لگاتا ہوا دربار حضرت پیر صاحب میں آموجود ہوا اس جلوس کو حضرت مولانا ابوالحسنات نے خطاب کیا اور مطمئن کر کے واپس بھیج دیا۔ شام تک وہ اور جلوس آ گئے' شہر میں مکمل ہڑتال تھی لوگ غم و غصے کے اظہار کے لئے جلوس مرتب کر کے راہنماؤں کو اپنے جذبات سے خبردار کرنا چاہتے تھے۔ حضرت مولانا ابوالحسنات نے خطاب کیا اور مطمئن کر کے واپس بھیج دیا۔ شام تک وہ اور جلوس آ گئے' شہر میں مکمل ہڑتال تھی لوگ غم و غصے کے اظہار کے لئے جلوس مرتب کر کے راہنماؤں کو اپنے جذبات سے خبردار کرنا چاہتے تھے۔

دوسرے دن : دوسرے دن صبح کے وقت مخدوم صاحب کی معیت میں وفد کے ارکان نے زخمیوں سے ملاقات کی ان زخمیوں میں ایک بچہ بھی تھا جس کے سر میں چھروں کے زخم تھے وہ زخموں کی ٹیس سے بے قرار ہو کر چلاتا اور اٹھ اٹھ کر دوڑتا تھا۔ یہ منظر دلخراش اور ناقابل برداشت تھا۔ غمگین جذبات لیکر وفد اپنی جائے رہائش یعنی دربار حضرت پیر صاحب میں واپس آ گیا اور باہمی مشورے سے طے ہوا کہ سب سے پہلے ہڑتال کھلوانے کا بندوبست ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضرت مولانا ابوالحسنات نے مشورہ دیا کہ بازاروں کے چودھریوں اور مکھیا لوگوں کو بلایا جائے اور ان سے بات کی جائے جلسہ عام میں لوگوں کو سمجھانا خالی از خطرہ نہیں۔ اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے ہر بازار کے چودھری اور ذمہ دار حضرات کو دربار حضرت پیر صاحب میں بلا لیا گیا۔ چودھری صاحبان اپنے اپنے بازاروں اور منڈیوں سے ذمہ دار ساتھیوں کو اپنے ہمراہ لے آئے حضرت مخدوم صاحب کا اندر والا صحن جو کافی وسیع ہے بھر گیا۔ اس قسم کے حادثات کے بعد لوگ اپنے مخلص رہنماؤں کو غیر نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ سرگوشیوں میں باتیں ہونے لگیں۔ حاضرین کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا ابوالحسنات صاحب نے صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب سے کہا کہ آپ ان بپھرے ہوئے شیروں کو خطاب کریں۔ ان کے دل زخمی ہیں ان سب کی دلداری اور صحیح رہنمائی ہم پر فرض ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے نہایت ہی پیارے اور موثر انداز میں چودھری صاحبان اور نمائندگان شہر کو خطاب کیا آپ نے فرمایا کہ واقعہ تو ہو چکا مرنے والوں کو واپس نہیں بلایا جا سکتا اب سوچنا چاہئے کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟

دو راستے : ہمارے سامنے دو ہی راستے کھلے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم سب یہاں سے اٹھیں۔ ہم وفد کے اراکین آگے آگے چلیں اور آپ سب حضرات ہمارے پیچھے چلیں اسلحہ ہمارے پاس تو ہے نہیں راستے سے اینٹ پتھر جو کچھ بھی میسر آئے اٹھالیں اور تھانہ کینٹ پر دھاوا بولدیں۔ ان

کے پاس بندوقیں رائفلیں اور پستول موجود ہیں۔ وہ ہم سب کو موقعہ پا کر ہلاک کر دیں گے یہ منظور ہے تو چلئے ہم آپ سے آگے ہوں گے۔ لوگوں کی سرگوشیاں ختم ہو گئیں۔ بد ظنی کے خانے بند ہو گئے۔ اعتقاد' اعتماد اور محبت کے خانے کھل گئے' تیور درست ہو گئے گردنیں جھک گئیں صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم نے مطالبہ کیا تھا کہ ہائی کورٹ کے جج صاحبان واقعے کی تحقیقات کریں یہ مطالبہ حکومت نے تسلیم کر لیا۔ اب اگر آپ تحقیقات کے لئے تیاری نہیں کرتے تو حکومت اور پولیس دونوں مل کر پراپیگنڈہ کریں گے کہ یہ لوگ کوئی معقول بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اگر آپ تحقیقات کا بندوبست کرنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے قانونی سہولت اور امداد موجود ہے۔ ملتان بار ایسوسی ایشن نے طے کیا ہے کہ وہ آپ کی ہر ممکن امداد فرمائیں گے اور ان کا مشورہ ہے کہ ایک دفتر قائم کر لیا جائے جہاں شہر کے عینی شاہد آئیں اور انہیں اپنے بیانات لکھائیں' جن بیانات کو بار ایسوسی ایشن کے اراکین مناسب سمجھیں گے۔ مسٹر کیانی جج ہائی کورٹ کی خدمت میں پیش کریں گے مگر تحقیقات میں حصہ لینے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ آپ حالات کو سازگار کرنے میں امداد فرمائیں اس امداد کی صورت یہ ہے کہ آپ ہڑتال ختم کر دیں۔ آپ حضرات آپس میں فیصلہ کر لیں اور ہمیں بتا دیں کہ آپ کیا پسند کرتے ہیں۔ ہم سب جو مجلس عمل کی جانب سے آئے ہیں بہرحال آپ کا ساتھ دیں گے۔ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔

صاحبزادہ صاحب کی اس تقریر کا خاطر خواہ اثر ہوا اور چوہدری صاحبان نے فیصلہ کیا کہ وہ کل صبح ہڑتال ختم کر دیں گے چنانچہ دوسری صبح ملتان شہر نے ہڑتال ختم کر دی۔ مجلس عمل کا وفد تبادلہ خیال اور ہڑتال کھلوا کر لاہور واپس آ گیا۔ ملتان میں مسلمانوں پر گولی چلنے کے واقعے نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور پاکستان بھر میں تحفظ ختم نبوت کا جذبہ تیز تر ہو گیا حضرت مولانا ابوالحسنات کی قیادت میں مجلس عمل کی عظیم الشان کانفرنسیں منعقد ہونے لگیں۔ ان کانفرنسوں کی خصوصیت یہ تھی کہ پاکستان میں ہر مکتب خیال کے علماء اور رہنما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے اور مجلس عمل کانفرنسوں میں جہاں حضرت مولانا ابوالحسنات عوام کو خطاب کرتے تھے وہاں حضرت مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی (اہلحدیث) علامہ مفتی حافظ کفایت حسین صاحب شیعہ اور سید مظفر علی شمسی (ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان) حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری (مجلس تحفظ ختم نبوت) حضرت صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ صاحب سجادہ نشین آلو مہار شریف' حضرت مولانا نور الحسن شاہ صاحب (تنظیم اہل سنت) مولانا نصر اللہ خاں صاحب عزیز (جماعت اسلامی) حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحب (جمعیت العلماء اسلام) مولانا غلام محمد ترنم (جمعیت العلماء پاکستان) حضرت مولانا عبدالغفور صاحب ہزاروی' مولانا غلام

دین صاحب مولانا محمد بخش صاحب مسلم عظیم آبادی شیخ حسام الدین صاحب' حضرت مولانا ظفر علی خان صاحب (روزنامہ زمیندار) حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی (سرحد)

غرضیکہ ہر مکتب خیال کے جید علماء اور مسلمانوں کے مسلمہ رہنما اسلام کے بنیادی مسئلے پر عوام کو ایک ہی پلیٹ فارم سے خطاب کرنے لگے اس کا بدیہی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ مسلمانوں نے باہمی اختلافات کی خلیج کو پاٹ دیا اور پیار و محبت سے آقائے نامدار' احمد مختار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر کٹ مرنے کے لئے دیوانہ وار میدان میں نکل آئے۔

مجلس عمل کے ہر رہنما نے عوام کو پر امن رہنے اور تحریک کو صحیح لائن پر چلانے کی تاکید کی۔ یہی وجہ ہے کہ مرزائیوں کی اشتعال انگیزی اور حکومت کی مجرمانہ خاموشی کے باوجود مسلمان کسی ایک مقام پر بھی مشتعل نہ ہوئے جوش پر قابو تھا اس لئے کوئی ناخوشگوار واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔

مولانا تاج محمود رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ملتان کے شہیدوں کے غم میں ۱۱۔۱۲ روز تک ملتان میں مکمل ہڑتال رہی۔ کوئی پولیس' کوئی مجسٹریٹ کوئی وزیر' کوئی سیاسی لیڈر اور کوئی شخص اس ہڑتال کو کھلوا نہیں سکا۔ مجلس عمل کے علمائے کرام کا ایک وفد لاہور سے ملتان پہنچا۔ جس میں مولانا داؤد غزنوی' ماسٹر تاج الدین انصاری۔ مولانا ابو الحسنات' سید مظفر علی شمسی اور مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش شامل تھے ملتان سے اس وفد میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا محمد علی جالندھری شریک ہوئے۔ اس وفد نے اہلیان ملتان کی دلجوئی کی۔ انہیں تسلی دی اور ان کی طرف سے مطالبہ کیا کہ تھانہ کپ کے قریب فائرنگ کے حادثہ کی آزادانہ تحقیقات کرائی جائے۔ اسی وفد کی اپیل پر ملتان کی ہڑتال ختم ہوئی۔ اور حکومت نے ہائی کورٹ کے ایک جج جسٹس کیانی مرحوم کو اس فائرنگ کی تحقیقات کے لئے متعین کر دیا۔

یہ وہ واقعات تھے۔ اور یہ وہ طوفان تھا جو قادیانیوں کی اسلام دشمن اور توہین انبیاء و آل بیت اطہار تعلیمات پر مشتمل سرگرمیوں اور سیاسی خطرناک عزائم کے رد عمل کے طور پر ملک میں اٹھ کھڑا ہوا تھا صدیوں کے باہمی دشمن اور مخالف علما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ ملک کا بچہ بچہ جلسوں اور جلوسوں میں آبروئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مرنے' مٹنے اور پھانسی تک جانے کا متمنی تھا۔ جب ووکانہ اور یہودو گولکی کے فرزندوں نے یہ حالات دیکھے۔ تو انہیں اپنا حشر اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگا۔

علی حسین گردیزی کا استعفیٰ

سب سے پہلے دولتانہ وزارت کے اراکین میں سے ملتان کے علی حسین گردیزی نے دولتانہ صاحب کی خدمت میں استعفیٰ پیش کرنے کی درخواست کی۔ اور اس کی وجہ تھانہ کپ ملتان پر فائرنگ اور اس کے نتیجہ میں بپا ہونے والا ماتم اور قیامت تھی' ملتان کا بچہ بچہ اور خود گردیزی صاحب کے اہل و عیال جو بہرحال ایک شریف خاندان کے افراد تھے۔ اس روح فرسا واقعہ سے سخت متاثر اور متالم تھے۔ گردیزی صاحب کا اپنی قوم اور اپنے گھر والوں کے جذبات اور احساسات سے متاثر ہونا لازمی امر تھا۔

دولتانہ صاحب نے جب دیکھا۔ کہ میری وزارت کی عمارت کی دیواریں گرنے لگی ہیں۔ تو وہ شکست ماننے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے اس وقت کی مرکزی حکومت کے ساتھ تعلقات اچھے نہ تھے۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے حقوق کے تعین کی بحثیں چھڑی ہوئی تھیں۔ پنجاب ہی ایک ایسا یونٹ تھا جس کی مرضی کے بغیر مغربی پاکستان سے کچھ منوایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے خواجہ ناظم الدین اور ان کے بنگالی گروپ اور دولتانہ صاحب اور ان کے پنجابی گروپ کے درمیان سخت کشیدگی تھی۔ ان حالات میں دولتانہ صاحب نہ تو مرکز سے کوئی بات منوا سکتے تھے اور نہ ہی تحریک کو کچل دینے کی ہمت اور طاقت اپنے اندر موجود پاتے تھے۔ وہ جو کچھ کر سکتے تھے۔ انہوں نے کر کے دیکھ لیا۔ افسروں سے سازش کر کے انہوں نے جو سب سے بڑا ہتھیار استعمال کیا وہ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ اور جلوسوں کی رکاوٹ تھی' احرار بڑے آزمودہ کار تھے۔ انگریزوں کے خلاف تیرہ آزمائی اور قربانیوں نے انہیں ایجی ٹیشن کا استاد بنا دیا تھا چنانچہ احرار نے دولتانہ صاحب اور ان کے چچا خان قربان علی خاں کی ساری سازش کو صرف ایک ہی جواب سے ختم کر کے رکھ دیا۔ احرار نے حکومت کے تمام اقدامات کو نظر انداز کر کے مسجدوں میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کو مداخلت فی الدین قرار دے کر سارے ملک میں اس کا پروپیگنڈہ کر دیا احرار کا یہ جوابی حملہ ایسا کامیاب ہوا کہ دولتانہ حکومت نے ۲ جون ۵۲ء کے فیصلوں سے ۱۵ جولائی ۵۲ء کو باعزت پسپائی کا فیصلہ کر لیا۔

فیصلے بدلنے پڑے

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ دولتانہ وزارت کے ۲ جون کے فیصلہ کی روشنی میں جب پورے صوبہ میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہوا تو تحریک کے رہنماؤں نے فیصلہ کیا۔ کہ جلسے جاری رکھے جائیں۔ لیکن پبلک پارک میں نہیں بلکہ مساجد میں کئے جائیں۔ پالیسی یہ تھی کہ اگر احرار جلسہ کریں خواہ مسجد میں ہو تو اسے دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا۔ اگر کوئی اور جماعت یا گروہ جلسہ کرے گا تو اسے اجازت ہوگی اور دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی نہیں سمجھا جائے گا۔ حکومت

کی اس پالیسی کے تحت صاحبزادہ فیض الحسن شاہ گوجرانوالہ کی جامع مسجد اور ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین صاحب کو سرگودھا کی جامع مسجد میں تقریر کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ شیخ صاحب اور ماسٹر صاحب کو بڑی جلدی جلدی مقدمہ چلا کر غالباً چھ چھ ماہ کے لئے سزا بھی دے دی گئی۔ ماسٹر تاج الدین انصاری میانوالی جیل میں اور شیخ حسام الدین کو جھنگ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ لیکن اب حالات کے انقلاب کے ساتھ پالیسی تبدیل ہونے لگی گردیزی صاحب کے استعفیٰ کی درخواست نے دولتانہ صاحب کے دل و دماغ بدل دیئے۔ دولتانہ صاحب بڑے سمجھ دار سیاسی لیڈر ہیں۔ انہوں نے گردیزی صاحب کو سمجھایا کہ آپ استعفیٰ نہ دیں بلکہ یہ سارا بحران ہی کسی طرح ختم کرایا جائے۔ تحریک ختم نبوت اور اس کے رہنماؤں کا جو فیصلہ ہم نے مری میں کیا تھا اس کو واپس لے لیا جائے۔ اور آپ ہی اس سلسلہ میں قربان علی سے بات کریں۔ گردیزی صاحب قربان خاں صاحب کے پاس تشریف لے گئے انہیں جا کر دولتانہ صاحب کی تجویز بتائی اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ تم سیاسی لوگ پنجاب پولیس کے وقار کو خراب کرنا چاہتے ہو یہ کام تمہارا تھا۔ تم سیاسی پلیٹ فارم سے ان کا جواب دیتے لیکن جب احرار اور تحریک کو کچل دینے کا فیصلہ ہو گیا۔ تو اب میں ان کو کچل کر ہی دم لوں گا۔

جملہ معترضہ

خان قربان علی خاں کو دولتانہ صاحب چچا صاحب فرمایا کرتے تھے اور خاں صاحب دولتانہ صاحب کے کٹر حامی تھے لیکن اس کے اسسٹنٹ میاں انور علی جو اس زمانہ میں ڈی آئی جی' سی آئی ڈی تھے وہ دولتانہ صاحب کے مخالف اور نواب افتخار حسین ممدوٹ کے مداح اور حامی تھے۔ لیکن احرار دشمنی میں دونوں شریک اور برابر تھے۔ سرکاری ریکارڈ اور منیر انکوائری رپورٹ میں ان دونوں کی رپورٹیں اٹھا کر پڑھی جائیں تو میرے اس خیال کی بالکل تصدیق ہو گی۔ ان دونوں صاحبان نے تحریک ختم نبوت کے رہنماؤں کے لئے آکثر و بیشتر سی آئی ڈی کے مرزائی افسر متعین کئے ہوئے تھے۔ اور مرزائی جو سچی اور جھوٹی رپورٹیں گھڑتے رہے۔ یہ دونوں ان رپورٹوں میں اپنے دل کا غیض اور نفاق شامل کر کے صوبائی اور مرکزی حکومتوں کو بھیجتے رہے۔

ایک عجیب واقعہ

تحریک کے کارکنوں اور راہنماؤں کے خلاف کس طرح کی رپورٹیں اور من گھڑت افسانے تراشے جاتے تھے۔ اس کی ایک عجیب و غریب مثال سنئے۔ ایک دفعہ لائل پور کے ایس پی خان عبداللہ خاں نے مجھے طلب کیا۔ اور بڑی گرم سردی کا اظہار فرمانے لگے۔ خانصاحب

سے بڑی سبے تکلفی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ خانصاحب کیا ہوا' کہنے لگے' بڑا افسوس ہے کہ آپ ملک کے دشمنوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں میں نے کہا کون دشمن اور کس سے میں نے ملاقات کی ہے جو آپ کو ناگوار گزری ہے۔ کہنے لگے بہرحال آپ نے ملک کے کسی دشمن سے ملاقات کی ہے۔ تحقیقات ہو رہی ہیں تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ دو دن بعد قاضی احسان احمد شجاع آبادی مرحوم لائل پور تشریف لے آئے مجھے ملے اور کہا غضب ہوا میں نے عرض کیا۔ قاضی صاحب کیا ہوا فرمایا یہاں ایس پی کون ہے کوئی قادیانی ہے میں نے کہا کہ قادیانی تو نہیں ہے۔ مسلمان ہے' قصہ کیا ہے؟ فرمایا بہت بڑی سازش ہوئی ہے لائل پور سے پولیس نے رپورٹ کی ہے کہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولانا تاج محمود دونوں فلاں تاریخ کو اتنے بجے لائل پور کاٹن ملز گئے۔ اور وہاں انہوں نے کاٹن ملز کے مالک لالہ ہری دھر سے ملاقات کی۔ جو کہ حال ہی میں دلی سے آئے تھے۔ اور اس نے کوئی چیز ان دونوں کے حوالے کی۔ اب حکومت اس بات کی تحقیقات کر رہی ہے۔

قاضی صاحب نے یہ بھی بتایا کہ میں ملتان کے ایس پی کی تسلی تو کر آیا ہوں۔ لیکن چونکہ رپورٹ لائل پور سے ہوئی ہے۔ اس لئے یہاں کے ایس پی سے ملنا ضروری ہے میں نے قاضی صاحب کو اپنی اور ایس پی لائل پور کی گفتگو سنائی۔ اور ہم دونوں خان عبیداللہ خان ایس پی لائل پور کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے رپورٹ منگوا لی اور بتایا کہ فلاں تاریخ فلاں وقت آپ لوگ کاٹن ملز گئے۔ اور ہمارا آدمی جو آپ لوگوں کی نگرانی پر تھا۔ اس نے دیکھا کہ آپ دونوں مل مالک سے ملے قاضی صاحب نے اپنا بیگ کھولا۔ کراچی کے اخبارات نکالے ان میں شہ سرخیوں سے خبر چھپی ہوئی تھی۔ کہ خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی کراچی پہنچ گئے یہ خبر اس پولیس والی ڈائری سے ایک روز قبل کی تاریخ تھی۔ پھر قاضی صاحب نے وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین کا خط نکالا۔ اس خط میں لکھا تھا۔ کہ براہ کرم آپ کل صبح ۱۰ بجے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کی کوٹھی پر وزیر اعظم سے ملاقات کریں۔ یہ وہی تاریخ اور وہی وقت تھا جس وقت پولیس کا ڈائری نویس ہماری دونوں کی دلی کے مل مالک ایک ہندو سے ملاقات کرا رہا تھا۔ خان عبیداللہ خان ایس پی لائل پور وزیر اعظم کے پی اے صاحب کے دستخطوں کی چٹھی پڑھ کر بہت حیران اور کھسیانا ہوا قاضی صاحب نے فرمایا خانصاحب یہ الزام کوئی معمولی سا الزام نہیں ہے۔ یا تو الزام ثابت کرو اور ہم دونوں کو منٹو پارک میں کھڑے کر کے گولی مار دو۔ اور یا اس کے ڈائری لکھنے والے کو جو یقیناً قادیانی ہے۔ یہاں کے گھنٹہ گھر کے چوک میں کھڑا کر کے گولی مروا دو۔

اس واقعہ کے بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ دولتانہ وزارت کے زمانہ کے یہ

دونوں افسر سرکار برطانیہ اور اس کے خود کاشتہ پودے کی نمک خواری کا کس طرح حق ادا کر رہے تھے

حد یہ کہ انگریز ملک سے چلا گیا ہے اور پاکستان معرض وجود میں آ چکا تھا۔ لیکن خفیہ فائلیں، نگرانیاں اور پہرے انہی لوگوں کے جاری تھے۔ جو انگیزوں کے مخالف تھے۔ گویا ان بیورو کریسی کے فرزندوں کے نزدیک پاکستان بھی برطانوی حکومت کی کوئی کالونی یا صوبہ ہی تھا اگرچہ اب کچھ فرق پڑ گیا ہے۔ لیکن ابھی تک نوکر شاہی کے سوچنے کا انداز کماحقہ نہیں بدلا ہے۔

صوبہ سرحد میں خان برادران بلوچستان میں عبدالصمد اچکزئی اور پنجاب میں احرار انگریز دشمنی میں سرفہرست تھے۔ گو اول الذکر دونوں کانگریس میں شامل تھے۔ اور احرار نہ صرف یہ کہ کانگرس کے حامی ہی نہ تھے۔ بلکہ کانگریس انہیں اسلام کے حق میں کٹر خیر کہتے اور مسلمانوں کی علیحدہ جماعت قائم کر لینے کی وجہ سے فرقہ پرست مسلمان کہتی تھی اور حقیقت بھی یہی تھی کہ احرار پنجاب میں مسلمانوں کے کانگریس میں شامل ہونے کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھے۔

صوبہ سرحد میں کانگریسی وزارت بن گئی تھی۔ لیکن پنجاب میں کانگریسی وزارت نہیں بن سکی تھی اور اس کی وجہ احرار تھے۔ پنجاب میں آزادی پسند مسلمان احرار میں تو شامل ہوئے تھے۔ لیکن کانگریس میں شامل نہیں تھے بہرحال یہ تینوں گروہ انگریز دشمن ضرور تھے۔ خان برادران انگریز کی معنوی اولاد کے باعث قائد اعظم سے نہ مل سکے۔ حالانکہ سرخ پوشوں کا فیصلہ تھا کہ قائد اعظم کے ساتھ مل کر پاکستان کی خدمت کریں گے۔ خان عبدالقیوم نے بیوروکریسی کے ان فرزندوں سے سازش کر لی اور ان کو بری طرح نکال دیا۔

پنجاب میں دولتانہ بھی انہی فرزندان بیوروکریسی کے ہتھے چڑھ گئے اور تحریک کے رہنماؤں کو نکال دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ لیکن دولتانہ نہ بیوقوف تھا اور نہ ہی بہادر اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ عبدالقیوم نے سرخ پوشوں پر الزام لگایا کہ یہ لوگ پاکستان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ اور قائد اعظم کے مخالف ہیں۔ لیکن احرار پر تو یہ الزام لگ ہی نہیں سکتا تھا۔ احرار تو سیاسی حیثیت ختم کر کے مسلم لیگ میں شامل ہیں۔ ملک کے دفاع کے لئے کام کر رہے ہیں دولتانہ صاحب کو الٹا یہ فکر پڑ گئی کہ احرار کا نعرہ ختم نبوت زندہ باد ہے۔ اگر میں نے انہیں کچلنے کی پالیسی جاری رکھی تو یہ شہید اسلام ہوں گے۔ میں اور میرے ساتھی یزیدان عصر قرار پائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنا اختیار کیا ہوا موقف بدلنے لگا۔ چنانچہ میاں دولتانہ صاحب نے ۱۵ جولائی کو اعلیٰ حکام کی ایک میٹنگ بلائی جس میں چیف سیکرٹری۔ ہوم سیکرٹری، آئی جی پولیس

اور ای آئی جی پولیس شامل ہوئے اور فیصلہ کیا گیا کہ عوام کی مخالفت کے طوفان کو دولتانہ وزارت کے خلاف کم کرنے کے لئے صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب کو رہا کر دیا جائے' ہوم سیکرٹری سید غیاث احمد نے ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ کو لاہور طلب کیا اور تنہائی بتایا کہ حکومت تحریک کے رہنماؤں کا مقابلہ کرنے سے "بڑوں کا بڑا تشدد" کی پالیسی اختیار کر چکی ہے۔ اس لئے اس نے صاحبزادہ فیض الحسن شاہ اور ان کی ساتھیوں کو رہا کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے گوجرانوالہ واپس جا کر صاحبزادہ صاحب اور ان کے ساتھ گرفتار شدہ اٹھارہ رضا کاروں کو رہا کر دیا۔ یہ رہائیاں ۱۵ جولائی کے فیصلہ کے مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۵۲ء کو ہوئیں۔ اس ضمن میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجرات میں اور مولانا عبداللطیف صاحب کو جہلم میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ نئی پالیسی کے تحت انہیں بھی بعد ساتھ گرفتار ہونے والے رضا کاروں کو رہا کر دیا گیا البتہ شیخ حسام الدین اور ماسٹر تاج دین انصاری جو سزایاب ہو چکے تھے وہ جیلوں میں رہ گئے۔

لطیفہ کی یہ بات ہے کہ ہوم سیکرٹری نے ڈی سی گوجرانوالہ کو صاحبزادہ فیض الحسن کی رہائی کے متعلق ایک تحریری حکم بھی بھیجا جس میں لکھا کہ چونکہ تحریک ختم نبوت کے دو بڑے سرغنے ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین قابو آ چکے ہیں اور انہیں سزائے قید بھی دی جا چکی ہے۔ امید ہے کہ باقی لیڈروں کا دماغ خود بخود درست ہو جائے گا۔ اس لئے آپ صاحبزادہ فیض الحسن شاہ کو رہا کر دیں۔ حالانکہ ۱۵ جولائی کی میٹنگ میں قبلہ دولتانہ صاحب اور اس کے مشیر سارے نظربندوں اور قیدیوں کو رہا کر دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ (گوجرانوالہ) مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری (گجرات) اور مولانا عبداللطیف صاحب (جہلم) کو رہا کر دینے کے بعد ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین کو رہا کرنے میں تھوڑی سی پیچیدگی تھی۔ اول الذکر گرفتار شدہ حضرات کے مقدمے زیر سماعت تھے لیکن ماسٹر صاحب اور شیخ صاحب دونوں کو عدالت سے باقاعدہ چھ چھ ماہ کی سزا ہو چکی تھی۔ اب ان کی رہائی کے لئے معقول بنیاد کی ضرورت تھی یہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مذکورہ گرفتاریوں کے بعد مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا غلام غوث ہزاروی دونوں رہنماؤں نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ہدایات کے مطابق تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام اور مشائخ عظام سے رابطہ قائم کر لیا تھا اور ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو برکت علی محمڈن ہال میں میٹنگ کے لئے ایجنڈا اور دعوت نامے جاری ہو چکے تھے۔ حکومت کو ان تمام سرگرمیوں کا علم تھا اور وہ جانتی تھی کہ حالات تحریک کے حق میں اور اس کے خلاف جا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک طرف حکومت اپنے داؤ پیچ لڑانے میں مصروف تھی اور دوسری طرف تحریک کے رہنما

اپنی تدبیروں میں مصروف تھے۔

کل پارٹیز کنونشن منعقدہ ۱۳ جولائی ۵۲ء سے ایک ہفتہ پہلے ۵ جولائی ۵۲ء کو مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا اختر علی خاں ایڈیٹر زمیندار تحریک وغیرہ کی صورت حال پر تبادلہ خیال کرنے کے لئے میاں انور علی ڈی آئی جی پولیس سے ملے اس ملاقات کا محرک کون ہوا اور کیوں ہوا۔ ظاہر ہے کہ ایسے مرحلے پر مولانا غلام غوث ہزاروی کو تو ملاقات کی نہ ضرورت تھی اور نہ شوق کہ وہ ایک بے اختیار قسم کے افسر سے ملاقات کرتے جو تحریک اور قادیانی مسئلہ کے متعلق کچھ نہیں کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ وہ اپنے خبث باطن کا اظہار فائلوں پر اوٹ پٹانگ قسم کی رپورٹیں کر کے کرتا رہتا تھا اور تو وہ کچھ کر ہی نہیں سکتا تھا' ہو سکتا ہے کہ مولانا اختر علی خاں اس ملاقات کے محرک بنے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مولانا کو بھی میاں انور علی ہی نے مولانا غلام غوث ہزاروی کو لانے کے لئے کہا ہو لیکن مولانا اختر علی خاں مرحوم ہو چکے ہیں ان کے متعلق کوئی بدگمانی کرنا درست نہ ہو گا۔ سیدھی بات یہی ہو سکتی ہے کہ مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا اختر علی خاں دونوں میاں انور علی ڈی آئی جی کو ملے اور اس لئے ملے کہ دیکھیں حکومت کس پانی میں ہے اور ۱۳ جولائی ۵۲ء کے کنونشن کے متعلق اس کے کیا ارادے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اتنی بات تو ان خفیہ رپورٹوں میں جو منیر انکوائری رپورٹ میں درج ہیں تسلیم کر لی گئی ہے کہ میاں انور علی ڈی آئی جی' سی آئی ڈی اور میر نور احمد ڈائریکٹر تعلقات عامہ کے ذمہ یہ بات تھی کہ وہ کنونشن میں شریک ہونیوالے مندوبین کو کنونشن میں شریک ہونے سے سمجھا کر' پھسلا کر' ڈرا کر' روکیں تاکہ کنونشن کامیاب نہ ہو اور ایسا وہ کرتے بھی رہے تھے۔

غرضیکہ ۵ جولائی ۵۲ء کو جب مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا اختر علی خاں' میاں انور علی ڈی آئی جی صاحب سے ملے تو بحث یہ ہوئی کہ یہ کشمکش جو تحریک کے رہنماؤں اور حکومت کے درمیان پیدا ہو گئی ہے اس میں زیادتی کس کی ہے؟ مولانا غلام غوث ہزاروی نے دلائل پیش کئے کہ قادیانیوں کی جارحیت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ پاکستان کے مسلمان اپنے دینی اور قومی تحفظ کے لئے رد عمل کے طور پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اس مسئلہ کا فیصلہ کرایا جائے۔ خواجہ ناظم الدین' سردار عبدالرب نشتر اور دوسرے مرکزی رہنما حقیقت حال کو سمجھ چکے ہیں۔ عوام انتہائی صبر و تحمل دلائل اور معقولیت کے ساتھ مطالبہ کرتے رہے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔

خواجہ ناظم الدین کی تقریر

خواجہ ناظم الدین نے ۱۴ اگست ۱۹۵۲ء سے پہلے مولانا اختر علی خاں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ۱۴ اگست کو ختم نبوت کے مسئلے کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ فیصلہ ایسا ہو گا جو مسلمانوں کی امنگوں اور انصاف کے مطابق ہو گا اور یہ بھی فرمایا کہ اس فیصلہ سے مسلمان مطمئن ہو جائیں گے۔ لیکن ۱۴ اگست کو جو تقریر خواجہ صاحب نے ریڈیو سے فرمائی وہ نہایت ہی مایوس کن اور حوصلہ شکن تھی تحریک کو شر و فساد کہا گیا تحریک کے رہنماؤں کو دھمکیاں دی گئیں جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات اور احساسات میں تیزی آگئی۔ عوام مختلف شبہات کا شکار ہونے لگے۔ وہ یہ سمجھے کہ ملک کی اصل قوت حاکمہ مسلم لیگ یا اس کے راہنما نہیں بلکہ اصل قوت پس پردہ کوئی اور ہی ہے۔ جو اسلام کی تمام قدروں کو روند کر اور تمام مسلمانوں کو نظر انداز کر کے بھی قادیانیوں کے مفاد کا تحفظ کر رہی ہے۔ پھر رہی سہی کسر مرزا محمود نے خونی مُلّا کے آخری دن کی دھمکی دے کر اور چوہدری ظفر اللہ خاں نے جہانگیر پارک میں لوہے کی ٹوپی پہن کر مسلمانوں کو چیلنج کر کے نکال دی۔ مولانا نے فرمایا مسلمانوں کا ملک ہے۔ حکومت بھی مسلمان ہے اور ہم بھی مسلمان ہیں ہمارے درمیان یہ تلخی بڑھنی نہیں چاہئے ہم نے نہ کبھی بدامنی کی ہے نہ ہم بدامنی کو جائز سمجھتے ہیں۔ یہ تو حکومت خواہ مخواہ مداخلت فی الدین اور مسجد کی بے حرمتی کر کے صورت حال کو خراب کر رہی ہے۔ ہمارا مشورہ حکومت کو یہ ہو گا کہ وہ اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرے گرفتار شدگان کو رہا کر دے مسلمانوں کے مطالبات پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرے ہمارا مطالبہ حکومت پاکستان سے ہے اور پنجاب کی صوبائی حکومت ہمیں پرامن مطالبہ کرنے سے نہ روکے۔ میاں انور علی نے وہی باتیں کیں جو ایک فرعون مزاج پولیس افسر کو کرنی چاہئیں تھیں میاں صاحب نے کہا کہ حکومت گرفتار شدگان کو رہا کرنے پر غور کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ صاحبزادہ فیض الحسن شاہ' ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین معافی نامہ لکھ کر دے دیں کہ وہ آئندہ ان سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیں گے جن کی وجہ سے انہیں گرفتار کیا گیا ہے۔ مولانا غلام غوث اور مولانا اختر علی خاں میاں صاحب کی تجویز پر تھوک کر واپس آگئے یہ اپنی جگہ مطمئن تھے کہ حکومت کے دماغ پر جو کچھ ملک میں ہو رہا ہے۔ اس کا بڑا بوجھ ہے اور وہ کنونشن کو نہیں روکے گی۔ میاں انور علی اپنی جگہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے بغلیں بجاتے ہوئے اوپر رپورٹ کی کہ وہ میرے پاس آئے تھے اور میں نے ان کو یہ جواب دیا ہے ان حالات میں ۱۳ جولائی کی کنونشن ہوئی۔ اور کامیاب ترین کنونشن ہوئی۔ جس سے حکومت اور میاں انور علی کی ساری تعلّی ختم ہو گئی۔ ۱۵ جولائی یعنی کنونشن کے دو روز بعد دولتانہ صاحب نے اعلیٰ حکام کی میٹنگ بلائی اور صاحبزادہ فیض الحسن شاہ اور ایسے دوسرے تمام گرفتار شدگان کی

رہائی کا فیصلہ کر دیا گیا۔ جو ابھی سزا یاب نہ ہوئے تھے۔ لیکن فضا سخت گرم تھی گرفتار شدگان کی رہائیوں کے بعد بھی حکومت کے حق میں اچھا رد عمل نہ ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین ابھی جیل میں تھے۔ اس کے علاوہ قادیانی مسئلہ ابھی جوں کا توں پڑا ہوا تھا۔

دولتانہ صاحب سے ملاقات

جب میاں انور علی ڈی آئی جی' سی آئی ڈی نے رپورٹ کی کہ میرے پاس مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا اختر علی خاں آئے تھے اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے۔ کہ حکومت اور تحریک کے رہنماؤں کے درمیان خواہ مخواہ کی غلط فہمیاں ہیں' گئی ہے اور حکومت کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ یہ رپورٹ وزیر اعلیٰ دولتانہ صاحب کو پہنچی وہ پہلے ہی چاہتے تھے کہ کسی صورت میری اس مصیبت سے جان چھوٹے۔ انہیں پنجاب کی وزارت اعلیٰ بڑی مشکل سے ملی تھی اور اب تحریک ختم نبوت کی بدولت نہ صرف وہ وزارت اعلیٰ خطرے میں تھی بلکہ انہیں شہر شہر' قریہ قریہ اور گلی گلی کوسا جا رہا تھا۔ رائے عامہ ان کے خلاف ہو رہی تھی۔ انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا۔ اتفاق سے حضرت امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری مرحوم ان دنوں لاہور آئے ہوئے تھے کسی کے ہاں شادی وغیرہ کی تقریب تھی' دولتانہ صاحب وہاں مدعو تھے اور حضرت شاہ صاحب' صاحبزادہ فیض الحسن شاہ اور غازی محمد حسین بھی اس تقریب میں وہاں پہنچے ہوئے تھے ان حضرات کی کھڑے کھڑے مختصری ملاقات ہو گئی۔ اور مختصر سا تذکرہ ہو گیا دولتانہ صاحب نے بھی کہا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ اس بنا پر کیا گیا ہے کہ امن و امان کا مسئلہ ہمارے پیش نظر ہے۔ شاہ صاحب اور صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ امن و امان آپ ہی کی ذمہ داری نہیں ہمارا سب کا فرض ہے اور ہم تو ملک کے امن و امان کو قائم رکھنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ البتہ قادیانیت جو ملک اور اسلام دونوں کے لئے خطرہ ہے اس خطرہ سے عوام اور حکومت کو آگاہ کرنا اور اس مسئلہ کا مناسب حل بھی ہماری قومی ملی اور دینی ذمہ داری ہے۔

میر نور احمد کی آمد

جس ملاقات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ کوئی باقاعدہ ملاقات نہیں تھی بلکہ اتفاقی ملاقات تھی اور اس میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ گلہ گزاری اور ایسے ہی لحاظ ملاحظہ کی بات چیت تھی لیکن اس گفتگو کا ایک فائدہ فریقین کو پہنچا کہ دونوں کو ایک دوسرے کے معاندانہ خیالات کا پتہ چل گیا۔ دوسرے روز میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے میر نور احمد صاحب ڈائریکٹر محکمہ تعلقات عامہ کو

حضرت کے پاس بھیجا اور دولتانہ صاحب کی ۱۹ جولائی ۱۹۵۲ء والی ملاقات کا ذکر کیا کہ آپ نے جو بات میاں صاحب سے رات کی ہے اور آپ سے پہلے مولانا غلام غوث ہزاروی نے ۵ جولائی کو میاں انور علی سے کی ہے کیا واقعتاً یہی آپ کی پالیسی ہے کیونکہ حکومت کو آپ حضرات کے متعلق جو رپورٹیں ملتی رہتی ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ جان بوجھ کر بدامنی کرانا چاہتے ہیں' اس ملاقات میں حضرت شاہ صاحب کے علاوہ مولانا محمد علی جالندھری' صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ اور غازی محمد حسین سالار احرار شامل تھے۔ میر صاحب کو تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ یہ سب سی آئی ڈی اور ہوم ڈیپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے مرزائی افسروں کا کھیل ہے کہ وہ ہمارے خلاف جھوٹی اور شرانگیز رپورٹیں بھیجتے رہتے ہیں ہم ملک میں بدامنی کے سخت خلاف ہیں ہمارے ملک کو نقصان پہنچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اصل بات تو یہ ہے کہ مرزائی اس ملک کے دشمن ہیں وہ ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں کبھی بلوچستان کے صوبے کو احمدی صوبہ بنانے کا اعلان کرتے ہیں کبھی کشمیر پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھتے ہیں۔ ملک کی تمام کلیدی آسامیوں پر ان کا قبضہ ہے۔ بھوکے ننگے ہو کر یہاں آئے تھے اب کروڑوں روپیہ کے مالک ہیں۔ ملک میں کسی دوسرے فرقہ یا برادری کا مخصوص شہر نہیں ہے' ربوہ صرف مرزائیوں کا شہر ہے جہاں کسی دوسرے عقیدہ کا کوئی آدمی رہ ہی نہیں سکتا۔ بارود اور اسلحہ چوری کر کے جمع کر رہے ہیں۔ ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ ملک کو امریکہ برطانیہ کی لونڈی بنا کر رکھ دیا ہے' کشمیر کا مسئلہ ظفر اللہ کی وجہ سے الجھ گیا ہے اور اب مرزائی افسر اور مرزائی مبلغ جارحانہ رویہ اختیار کر کے تبلیغ کر رہے ہیں' بے شمار جگہ ان کی جارحانہ تبلیغ کی بدولت فساد ہو چکے ہیں۔ اسلام میں تحریک ارتداد کی تبلیغ' توہین انبیاء و اہل بیت اطہار کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ فسادی اور ملک دشمن ہمیں بتایا جاتا ہے میر نور احمد نے کہا کہ جو کچھ آپ یہاں کہتے ہیں کیا یہ پبلک طور پر کہنے کو بھی تیار ہیں۔ ان حضرات نے کہا ہم ہر جگہ یہ کہنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ اخبارات کے لئے ایک بیان کا مسودہ تیار ہوا۔ جس میں لکھا گیا کہ احرار مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے کی جدوجہد ایک مدت سے کر رہے ہیں۔ ان کا دوسرا مطالبہ چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ کے عہدہ سے علیحدہ کرانا ہے۔ انہوں نے ان مطالبات کے لئے ہمیشہ پرامن جدوجہد کی ہے۔ اس سلسلہ میں نہ انہوں نے تشدد' بدنظمی اور امن کے خلاف کوئی کام کیا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا ارادہ رکھتے ہیں وہ اپنی تحریک کو پرامن چلا رہے ہیں اور جاری رکھیں گے۔ وہ ملک میں امن کو نہ صرف اپنا شہری بلکہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ وہ پاکستان کے ہر شہری خواہ اس کا کسی مذہب اور فرقہ سے تعلق ہو کی جان مال اور آبرو کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ یہ بیان "روزنامہ آفاق لاہور" ۲۱ جولائی میں تفصیل کے ساتھ شائع

ہوا اس بیان کی اشاعت کے دوسرے ہی روز یعنی ۲۲ جولائی کو وزیر اعلیٰ صاحب کا حسب ذیل بیان سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شائع ہوا۔

مجلس احرار اسلام پنجاب کے لیڈروں نے اپنی پالیسی کے متعلق ایک تازہ اعلان کیا ہے جس میں یقین دلایا ہے کہ وہ قانون اور انتظام کے قیام میں میری حکومت کے ساتھ مکمل تعاون کریں گے۔ میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں مجلس احرار کے لیڈروں نے اس حقیقت پر بجا طور پر زور دیا ہے پاکستان میں مسلم اکثریت کا قومی ہی نہیں بلکہ مذہبی فریضہ بھی ہے کہ وہ بلا امتیاز عقیدے و ذات اس ملک کے ہر شہری کے جان و مال ' آبرو اور شہری حقوق کے تحفظ کے ضامن ہوں۔

کچھ مدت سے پنجاب کے مختلف اضلاع میں احراری کارکنوں کے عام جلسوں اور مظاہروں پر قیود عائد ہیں ان قیود کے عائد کرنے کا واحد مقصد یہ تھا کہ صوبے میں امن و امان اور انتظام محفوظ رہے۔ اب احرار لیڈروں کے اعلان کے پیش نظر یہ ضروری معلوم نہیں ہوتا ہے کہ جہاں تک اس جماعت کے ممبروں کا تعلق ہے ان قیود کو جاری رکھا جائے لہٰذا متعلقہ حکام کے نام ہدایات جاری کی جا رہی ہیں۔ کہ وہ احکام زیر دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری کو واپس لے لیں یا ان میں مناسب ترمیم کر لیں۔"

دولتانہ صاحب کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ پانی میں بہتے ہوئے جس کمبل کو پکڑنا چاہتے تھے اب اس سے جان چھڑانے کی فکر میں تھے۔ احرار کے لیڈروں کے بیان میں اور دولتانہ صاحب کے بیان میں تھوڑا سا فرق ہے احرار لیڈروں نے اپنے عقیدے کا اظہار خلوت اور جلوت دونوں طرح کر دیا یعنی وہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے اور سر ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کروانے کی جدوجہد جاری رکھیں گے اس بات سے وہ کبھی اور کسی صورت باز نہیں آ سکتے البتہ بدامنی تشدد اور ملک کو نقصان پہنچانا نہ ان کے مقصد میں ہے نہ انہوں نے ایسا پہلے کیا ہے اور نہ اب کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن دولتانہ صاحب نے اپنی سیاسی اور قانونی ضرورتوں کے لئے اسے یوں دہرایا کہ احرار نے یقین دلایا ہے کہ وہ میری حکومت کے ساتھ امن اور انتظام کے قیام میں مکمل تعاون کریں۔

شیخ صاحب اور ماسٹر صاحب کی رہائی

۲۲ جولائی ۱۹۵۲ء کو ہوم سیکرٹری جناب سید غیاث الدین احمد کی طرف سے تمام اضلاع کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو بذریعہ وائرلیس اطلاع دے دی گئی کہ چونکہ مجلس احرار پاکستان نے

چیف منسٹر صاحب سے ایک وعدہ کیا ہے اور چیف منسٹر صاحب نے اس وعدے کو قبول کر لیا ہے اس لئے عام جلسوں کے انعقاد کے جو احکام زیر دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری کئے گئے تھے۔ واپس لے لئے جائیں۔ قارئین نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ احرار نے کیا بیان دیا۔ چیف منسٹر صاحب نے اس کا مطلب کیا بیان کیا اور ہوم سیکرٹری نے اس کی تفسیر کیا کر دی! احرار نے تو اپنا موقف بیان کیا کہ مطالبات جاری رکھیں گے اور تشدد ہماری پالیسی ہمارا طریقہ کار نہیں تھی امن کے مسئلہ میں حکومت سے تعاون ہو گا۔ دولتانہ صاحب نے بیان داغ دیا کہ احرار نے یقین دلایا ہے کہ احرار میری حکومت سے مکمل تعاون کریں گے اور ہوم سیکرٹری ایک قدم اور آگے بڑھ گئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو مطلع کیا کہ احرار نے چیف منسٹر سے ایک وعدہ کیا ہے اور انہوں نے وہ وعدہ قبول کر لیا ہے لہٰذا دفعہ ۱۴۴ واپس لے لو۔ اس کو کہتے ہیں شاندار پبلسٹی' کسی زمانہ میں جب انگریزوں اور جرمن کی جنگ ہو رہی تھی اور جرمن برطانیہ کا کچھ مرتقل رہا تھا تو ہمارے ایک جماعتی ساتھی نے نظم لکھی تھی جس کا ایک مصرعہ تھا۔

؏ قدم جرمن کا بڑھتا ہے فتح برٹش کی ہوتی ہے

بس کچھ ایسا ہی حساب کتاب دولتانہ صاحب اور تحریک کے لیڈروں کی لڑائی کا ہوا اور بالآخر ان شاندار اور خوبصورت جعلی بیانوں سے ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین کو رہا کرنے کی گراؤنڈ مہیا کی گئی اور ان دونوں رہنماؤں کو ۲۶ جولائی ۱۹۵۳ء کو میانوالی اور جھنگ جیل سے رہا کر دیا گیا۔ اور باقی سزائیں ازراہ کرم نوازی معاف کر دی گئیں۔

دولتانہ صاحب کا گناہ

میں کہیں آگے چل کر اس پر مفصل بحث کروں گا کہ تحریک ختم نبوت کے متعلق نہایت ہی گھناؤنا اور بہت بڑا الزام جو سیاہ دل شیطانوں نے سفید جھوٹ کی شکل میں گھڑا۔ وہ یہ تھا کہ تحریک ختم نبوت کا بانی مبانی دولتانہ صاحب تھے مولوی صاحبان اور اخبارات کو استعمال کیا گیا اور ایک مقدس نام کی تحریک دولتانہ صاحب نے اپنے سیاسی حریف خواجہ ناظم الدین کو پریشان اور ناکام کرنے کے لئے شروع کرائی تھی۔ لیکن اس موقعہ پر اشارۃً میں صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ تحریک دولتانہ صاحب کی نہ تھی بلکہ تحریک بالکل اخلاص پر مبنی تھی۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کے مطالبے کے اولین مجوز حکیم الامت علامہ محمد اقبال تھے۔ اور جیسا کہ ہمارا ایمان ہے کہ حضورؐ کی ساری امت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہو سکتی تمام علمائے کرام، مشائخ عظام اس مطالبہ کی تائید، تصدیق میں متفق تھے۔ احرار اس مسئلے کے اٹھانے میں پیش پیش تھے ان کی کوئی سیاسی غرض نہ تھی وہ تو سیاسیات ہی کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل تھے۔ دولتانہ'

تحریک کا حامی نہ تھا بلکہ تحریک کے اقدامات سے سخت خائف اور تحریک کی کامیابی پر حسد کرتا تھا۔ اس نے تحریک کو کچلنے کے لئے نہایت خوفناک سازش کی لیکن اس کی توقع اور اندازے کے برعکس چونکہ مسئلے کا تعلق تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ تھا جس طرح حضور ؐ کی حیات طیبہ میں حضور ؐ کو معجزانہ کامیابیاں نصیب ہوئی تھیں اسی طرح چودہ سو برس کے بعد حضور ؐ کے غلاموں اور نام لیواؤں کو بھی کامیابیاں نصیب ہو رہی تھیں اس لئے اس کے پہلے ہی اقدام کے بعد جب پورے صوبہ میں ہلچل مچ گئی' ملتان کے شہیدوں کے خون نے تمام مسلمانوں کو اپنی رگوں کے خون بہانے پر آمادہ کر دیا۔ منبرو محراب سے حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کی کہانی از سر نو شروع ہو گئی۔ تو دولتانہ صاحب نے پسپائی اختیار کر لی۔

تحریک ختم نبوت کے خلاف اتہام طرازی کرنے والوں کی نگاہ میں دولتانہ صاحب کا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ کہ انہوں نے ظلم و تشدد کا اٹھایا ہوا قدم واپس کیوں لے لیا۔ حد یہ ہے کہ اس اتہام طرازی میں اس وقت کی بیوروکریسی اور نوکر شاہی کے ہیڈ گورنر جنرل ملک غلام محمد بیوروکریسی کے فرزند ارجمند سکندر مرزا سے لیکر عدلیہ کے ہیڈ سابق چیف جسٹس منیر تک سب شامل ہیں' خواجہ ناظم الدین کی جگہ برسر اقتدار آنے والے اور دولتانہ صاحب کی جگہ سنبھالنے والوں نے تو یہ پراپیگنڈا کرنا ہی تھا۔ ان کی کرسیوں کا مقصود یہی تھا باقی ربوہ والوں نے صرف اس منفی پروپیگنڈے میں حصہ ہی نہیں لیا بلکہ لاکھوں روپیہ خرچ کیا تاکہ تحریک عوام میں بدنام ہو۔ تحریک کے لیڈروں کا اخلاص اور ان کی قربانیاں ضائع چلی جائیں۔

ملک غلام محمد' سکندر مرزا' جسٹس منیر اور ربوہ کی سرکار تک سب کی خواہش یہ تھی کہ دولتانہ نے جو قدم اٹھایا تھا' وہ اسے واپس نہیں لینا چاہیے تھا۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ احرار کو کچل دیتے۔ تحریک کے لیڈروں کو پھانسی لگا دیتا۔ اور محمد فداہ ابی و امی کی ناموس پر پروانہ وار قربان ہونے والوں کو گولیاں مار دیتا۔ خود قیامت تک کے لئے یزید ثانی کا لقب پا لیتے۔ قوم کے غضب کا شکار ہو جاتا۔ لیکن اپنے مفاد اپنے ضمیر اور جمہوریت کی آواز نہ سنتا بلکہ ربوہ سے ہدایات حاصل کر کے عمل کرتا رہتا۔ بس یہ پہلا گناہ تھا دولتانہ صاحب کا۔

احرار اور تحریک تحفظ نبوت کے رہنما تو گنہگار تھے ہی جو سرکار برطانیہ کے خود کاشتہ پودے کو اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے۔ جو بیوروکریسی کے فرزندان ارجمند کے آہنی پنجہ کو مروڑ کر یہاں جمہوریت اور اسلام کا علم بلند کرنا چاہتے تھے۔ اب دولتانہ صاحب نے بھی ان کی خلاف ورزی کر دی تو وہ بھی احرار کے ساتھ ہی مغضوب قرار دے دیئے گئے اور آگے چل کر ان سے اس سلسلہ میں اور بھی بڑی بڑی غلطیاں ہوئیں جس کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ آئندہ چل کر آئے گا۔ پھر کیا ہوا احرار اور دولتانہ صاحب دونوں کو مجرم قرار دے دیا گیا اور یہی ربوہ والوں

کی مرضی کے مطابق بدترین قسم کا جھوٹ گھڑا گیا اور فضول قسم کے دلائل اس من گھڑت افسانہ کے حق میں تراشے گئے۔ اور قادیانیوں کا لاکھوں روپیہ اس جھوٹ کو پھیلانے میں صرف ہوا۔ ملک غلام محمد سے لیکر جسٹس منیر تک نے اس کارِ خیر میں خوب خوب حصہ لیا۔ (ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم کی جیل کی روائیداد آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ ان حضرات کی گرفتاریوں کے بعد کیا ہوا ملاحظہ ہو مولانا تاج محمود کے قلم سے۔)

گرفتاریاں

یہ گرفتاریاں کیا ہوئیں صوبہ میں قیامت آ گئی۔ عوام میں ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ روزنامہ آزاد میں ایک کارٹون شائع ہوا ایک مسجد ہے۔ اس کا دروازہ بند ہے۔ دروازہ کے باہر ایک بزرگ مولانا کھڑے ہیں۔ ان کے دونوں لبوں میں سوراخ کر کے ایک بہت بڑا تالا لگا ہوا دکھایا گیا تھا گویا وہ۔ آہ نہ کر یوں کو ہی عشق ہے دل کی نہیں..... کی تصویر بنا کھڑا ہے۔ ان گرفتاریوں پر پورے صوبہ میں یوم احتجاج منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ پورے صوبہ میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ یوم احتجاج منایا گیا۔ یوم احتجاج کے موقعہ پر ملتان میں ایک زبردست جلوس نکالا گیا۔ یہ جلوس جب قلعہ کہنہ کے قریب پہنچا تو تھانہ والوں نے خواہ مخواہ واہمہ میں مبتلا ہو کر گولی چلا دی جس سے کئی آدمی شہید ہو گئے۔ پھر کیا تھا کسی شاعر نے ملتان کے شہیدوں پر نظم لکھتے ہوئے کہا۔ ملتان کے شہید ملتان رو رہا ہے۔ اس سانحہ کے بعد ملتان میں ہڑتال ہو گئی عظیم ماتم منایا گیا۔ ۱۱۔۱۲ دن تک ملتان میں مکمل ہڑتال رہی۔ ملتان کے علی حسین گردیزی بھی دولتانہ وزارت میں ایک وزیر تھے۔ ان کی والدہ بیوی بچوں اور دوسری خاندان کی خواتین نے گردیزی صاحب کو لاہور فون کیا۔ اور مطالبہ کیا کہ ہمارا ملتان کربلا بن چکا ہے ہمارے گھر کے ارد گرد ماتم ہو رہے ہیں۔ آپ مہربانی کر کے وزارت سے استعفیٰ دے کر واپس آئیں گردیزی صاحب نے میاں دولتانہ سے عرض کیا دولتانہ صاحب کا پتہ پہلے ہی پانی ہو رہا تھا۔ انہوں نے گردیزی صاحب سے فرمایا کہ قربان علی خاں سے کہو کہ ایکشن ختم کرے، لیکن قربان علی خاں نے کہا ہرگز نہیں میں کبھی بھی اس ایکشن سے دست بردار نہیں ہو سکتا اس طرح پنجاب پولیس کا وقار خاک میں مل جائے گا۔ میں مزید گرفتاریاں کروں گا اور اس تحریک کو کچل کر دم لوں گا۔ دوسری طرف پورے صوبہ میں ملتان کے شہیدوں کا خون رنگ لانے لگا۔ جلسے جلوس قرار دادیں، جمعہ کے خطبوں میں شہدا کو خراج تحسین اور دولتانہ وزارت کو یزیدی حکومت ثابت کرنے کا بیان ایک طوفان بپا ہو گیا۔

لاہور میں میٹنگ

مولانا محمد علی جالندھری ملتان سے لاہور پہنچ گئے حضرت شاہ صاحب کو بھی لاہور بلالیا
گیا۔ تاکہ کوئی فیصلہ کر لیا جائے۔ دفتر میں لاہور اور بیرون جات کے سینکڑوں کارکن اور رہنما
نہایت رنجیدہ اور مضطرب ہو کر جمع تھے۔ جس گاڑی پر شاہ جی نے آنا تھا وہ لاہور پہنچی تو شاہ جی
اس میں نہ تھے سخت مایوسی ہوئی۔ شبہ ہوا کہ شاہ جی کو راستے میں کہیں گرفتار نہ کر لیا گیا ہو"
طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں کہ شاہ جی کا بھیجا ہوا آدمی لاہور دفتر میں پہنچ گیا۔ اور مولانا
محمد علی جالندھری کے نام شاہ جی کا ایک خط لے آیا۔ افسوس کہ شاہ جی کا وہ خط محفوظ نہیں رہ
سکا اس میں شاہ جی نے لکھا تھا کہ حکومت کے تیور بگڑے ہوئے ہیں۔ اس نے غالباً ہمیں کچل
دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حضور سرور کائنات کی ختم نبوت اور ناموس پر قربان ہو جانے سے بڑھ
کر سعادت کی بات ہمارے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتی وہ اگر ہمیں مٹانے کے لئے تیار ہیں تو ہم
حضور کے نام پر مٹنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن یہ افسر انگریز کی معنوی اولاد ہے۔ یہ ہم پر جھوٹے
الزام لگا کر ہماری تاریخ خراب کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے لاہور اور ملک کے چند
چیدہ چیدہ علمائے کرام سے ایک فتویٰ پر دستخط حاصل کر لئے جائیں کہ ختم نبوت کی اسلام میں
کیا اہمیت ہے۔ مرزا قادیانی کے دعاوی اور اس کی امت کے جارحانہ رویہ سے اسلام اور ملک
دونوں کو کیا خطرات درپیش ہیں۔ اور ان کے خلاف جدوجہد کرنے اور اس راہ پر قربان ہو
جانے کی شرعاً حیثیت کیا ہے؟ اس فتویٰ پر مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام کے دستخط حاصل
کر کے اسے محفوظ کر لیا جائے۔ اور پھر اللہ پر توکل کر کے جو جدوجہد شروع ہے۔ اسے جاری
رکھا جائے جو اللہ کو منظور ہو گا وہ ہو جائے گا۔ حضرت شاہ صاحب کے خط کی روشنی میں مولانا
محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مناسب
خیال کیا کہ مختلف مکاتب فکر کے چند چوٹی کے علمائے کرام کو ایک جگہ مدعو کیا جائے۔ اور ایک
قرارداد منظور کر لی جائے۔ کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے' اہل حدیث حضرات
میں سے مولانا داؤد غزنوی' شیعہ صاحبان میں سے علامہ حافظ کفایت اللہ اور دیوبندی حضرات
مولانا احمد علی لاہوری اور مفتی محمد حسن صاحب (اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں کی قبروں پر اپنی
رحمت کی بارش نازل فرماتا رہے) اس میٹنگ کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بریلوی صاحبان میں سے
کسی بزرگ کا اس میدان میں آنا بڑا مشکل نظر آتا تھا۔ بالآخر مولانا محمد علی جالندھری اور
مولانا غلام غوث ہزاروی جامع مسجد وزیر خان کے خطیب اور بریلوی مکتب فکر کے مشہور عالم
دین حضرت مولانا ابوالحسنات کے پاس گئے۔ مولانا نے پرانے اختلافات کے پیش نظر انکار فرما
دیا' ان دونوں بزرگوں نے اجازت چاہی مولانا محمد علی جالندھری نے کہا کہ مولانا ایک بات ذہن
میں رکھیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا اور اس میں مرزائی مسلمانوں کو مرتد کر رہے ہیں'

حکومت کے مناصب جلیلہ پر قابض ہیں۔ اور اب وہ اس ملک میں خونی انقلاب برپا کرنے کی باتیں کرتے اور مرزائی اسٹیٹ قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ ان حالات میں ہم جو کچھ کر سکتے تھے ہم نے نعرہ حق بلند کر دیا ہے۔ حکومت ہمیں مٹانا چاہتی ہے۔ اور ہم حضورؐ کے نام پر مٹنے کا فیصلہ کئے بیٹھے ہیں ایسے حالات میں آپ کی خدمت میں آئے اور آپ نے انکار فرما دیا قیامت کے دن ہم حضورؐ سرور کائنات شافع محشر کی خدمت میں آپ کی شکایت کریں گے کہ آپ کی امت کے اکثریتی فرقہ کے راہنما نے ایسے نازک وقت میں ہمیں کورا جواب دے دیا تھا۔

مولانا ابوالحسنات رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا آپ تشریف رکھئے اگر ایسے حالات ہیں تو آپ قیامت کے روز میری حضورؐ کے پاس شکایت نہ کرنا میں ہر ممکن تعاون کے لئے تیار ہوں آپ جہاں مجھے بلائیں گے میں اس مقدس مقصد کے لئے وہاں حاضر ہوں گا۔ نہ صرف میں آؤں گا بلکہ میری ساری جماعت تعاون کرے گی۔

۱۸ اگست ۱۹۵۲ء کو لاہور مجلس عمل کا اجلاس

۱۸ اگست کو دفتر زمیندار میں مجلس عمل کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا اور طے پایا کہ دو کمیٹیاں بنائی جائیں ایک پراپیگنڈے کا کام کرے اور دوسری کمیٹی فنڈ جمع کرے تاکہ تحریک کو پر امن طریقے پر چلانے میں آسانیاں ہوں۔ پوسٹر اور پمفلٹ شائع کئے جائیں اور ملک کے ہر گوشے تک پیغام پہنچایا جا سکے۔ ۱۸ تاریخ کو ماسٹر صاحب اور شیخ صاحب کو اہل ملتان نے جلسہ عام کے لئے دعوت دی یہ دونوں حضرات ملتان پہنچے اور رات کو مخدوم شوکت حسین کی صدارت میں جلسہ عام کو خطاب کیا۔ گولی چلنے کے واقعہ اور جیل کے باہر آنے کے بعد ان کو مجلس عمل کے رکن کی حیثیت سے پہلی بار عوام کو خطاب کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد پنجاب کے مشہور شہروں میں یعنی سیالکوٹ گوجرانوالہ اور راولپنڈی' شیخوپورہ وغیرہ میں مجلس عمل کے زیر اہتمام عظیم الشان کانفرنسیں منعقد ہوئیں جن میں تاریخی اجتماعات ہوئے۔ مطالبات کو دہرایا گیا عوام کو پر امن جدوجہد کی تلقین کی گئی۔ اور حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے متفقہ مطالبات کو منظور کرے۔ راولپنڈی میں جو کانفرنس منعقد ہوئی اس میں مجلس عمل کے تمام ذمہ دار اراکین نے شمولیت کی۔ ابھی کانفرنس جاری تھی کہ خواجہ ناظم الدین صاحب کا پیغام آیا ڈپٹی کمشنر راولپنڈی کی وساطت سے خواجہ صاحب نے مولانا ابوالحسنات صدر مجلس عمل اور مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی کو دستور کے سلسلے میں کراچی بلوا بھیجا اور تاکید فرمائی کہ ہوائی جہاز کے ذریعے فوراً تشریف لائیں چنانچہ ہر دو حضرات راولپنڈی

سے لاہور پہنچے اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کو ہمراہ لے کر ہوائی جہاز کے ذریعے کراچی تشریف لے گئے۔ کراچی میں خواجہ ناظم الدین صاحب نے علماء کرام سے بیک وقت ملاقات کرنے کی بجائے ہر مکتب خیال کے علماء سے علیحدہ علیحدہ ملاقات کی۔ مولانا مودودی علیحدہ ملے۔ مولانا ابوالحسنات اور مولانا بدایونی سے الگ ملاقات کی اور مولانا محمد داؤد غزنوی سے تبادلہ خیال کیا۔ غرضیکہ اس ملاقات میں برطانوی ڈپلومیسی کا مظاہرہ باقاعدگی سے ہوتا رہا۔ یہ ملاقاتیں ۱۸ نومبر تک ہوتی رہیں۔ خواجہ صاحب دستور پر دستخط کرنے کے لئے اصرار فرما رہے تھے۔ مولانا ابوالحسنات اور مولانا بدایونی کی ملاقات میں دستور کے علاوہ سر ظفر اللہ خاں کی علیحدگی کے مطالبے پر زور دیا گیا تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آپ مطالبہ تو کر رہے ہیں کہ سر ظفر اللہ کو علیحدہ کر دیا جائے مگر آپ اس مشکل کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اگر ہم سر ظفر اللہ کو علیحدہ کر دیتے ہیں تو ہمارے کتنے کام بگڑ جائیں گے۔ ان کے بغیر ہم کن مشکلات میں گرفتار ہو جائیں گے۔ خواجہ صاحب کے اس ارشاد پر مولانا ابوالحسنات نے فرمایا کہ خواجہ صاحب ہم تو اللہ کے نیک بندے سے ملنے اور اپنی آرزو بیان کرنے آئے تھے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ ہم سر ظفر اللہ کے بندے سے ملاقات کر رہے ہیں' مولانا نے بگڑ کر فرمایا کہ چلئے مولانا بدایونی صاحب یہاں سر ظفر اللہ خاں ہیں تو سب ٹھیک ہے ورنہ سب کام چوپٹ ہو جائیں گے۔ اس پر خواجہ صاحب کچھ خفیف ہوئے اور مولانا سے نرم نرم باتیں کرنے لگے۔

۲۳ اگست لاہور کا جلسہ عام

۱۳ اگست ۱۹۵۲ء کو خواجہ ناظم الدین کے قادیانیوں کے متعلق متوقع اعلان کے نہ ہونے اور ۱۳ اگست ۱۹۵۲ء اور ۲۱ اگست ۱۹۵۲ء کو مجلس عمل کے وفد کی ملاقاتوں کے دوران خواجہ صاحب کا مطالبات ماننے سے معذوری کا اظہار کرنا' اتنا بڑا سانحہ تھا۔ کہ اس کے بعد تمام واقعات اس سانحہ کے رد عمل میں رونما ہوتے چلے گئے۔ دوسرے لفظوں میں ۲۱ اگست ۱۹۵۲ء تک مجلس عمل اور ملک کی تمام دینی قوتوں کا مد مقابل اور مخالفت کا نشانہ صرف قادیانی تھے۔ لیکن ۱۳ اگست کو متوقع اعلان کے نہ ہونے اور ۱۳' ۲۱ اگست کی ملاقاتوں کی ناکامی کے بعد اب صورت حال یہ ہو گئی کہ مجلس عمل اور ملک کی تمام دینی قوتوں کے بغض و غضب کا نشانہ قادیانی اور خواجہ ناظم الدین کی حکومت دونوں بن گئے۔ اس لئے ہم نے اس وفد کی ملاقات اور اس کی ناکامی کے حالات اور پورے پس منظر کو ذرا وضاحت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ آئندہ کے حالات کی رفتار اور عامۃ المسلمین اور خواجہ ناظم الدین کی حکومت کے مابین تلخی کی صورت حال کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے۔ وفد جب لاہور واپس پہنچ گیا۔ تو انہوں نے ۲۳

اگست کو لاہور دہلی دروازہ میں جلسہ عام کرنے کا اعلان کیا۔ اس جلسہ کے لئے اخبارات میں شائع ہونے والے اشتہار کی عبارت درج ذیل تھی۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام بتاریخ ۲۳ اگست بروز ہفتہ ساڑھے آٹھ بجے شب باغ بیرون دہلی دروازہ میں زیر صدارت حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں مجلس عمل کے وفد کی رپورٹ پیش کی جائے گی۔ اور آئندہ کے لئے پروگرام اور طریق کار کا اعلان کیا جائے گا۔ اسمائے گرامی مقررین حضرات ا۔ ماسٹر تاج الدین انصاری۔ ۲ مولانا امین احسن اصلاحی ۳۔ شیخ حسام الدین۔ ۴۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ (۵) مولانا غلام محمد ترنم (۶) علامہ علاؤالدین صدیقی (۷) مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش ۸۔ مولانا اختر علی خاں۔ ۹۔ سید مظفر علی شمسی۔ ۱۰۔ مولانا عبدالحلیم قاسمی۔ ۲۳ اگست کی رات کو یہ عظیم جلسہ مولانا ابوالحسنات کی صدارت میں منعقد ہوا۔ بے پناہ حاضری تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا لاہور بلکہ پورا پنجاب امڈ کر آگیا ہے۔ اس جلسہ میں مجلس کے راہنماؤں نے تقریریں کیں۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کراچی سے واپسی کے بعد راہنماؤں کے دلوں میں خواجہ ناظم الدین اور ان کی حکومت کے خلاف گرہ بندھ چکی تھی۔ ان کے ارادے خوفناک ہو چکے تھے لیکن عام شہرت حاصل کرنے والے سیاسی لیڈروں کی طرح ان میں شوخی اور چھچھورا پن پیدا نہیں ہوا تھا حالانکہ اس وقت تحریک عروج پر تھی۔ لاکھوں کے اجتماع ہوتے تھے۔ ایسے حالات میں دماغی توازن پر قابو رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن کیا کہنے ان بزرگوں کے ذرا گرمی سردی کا اظہار نہیں کیا بڑی ٹھنڈی میٹھی اور متوازن تقریریں کیں۔ البتہ حقائق کو چھپایا نہیں صاف صاف باتیں بتا دیں۔ لیکن ان میں مبالغہ آمیزی کا رنگ نہ تھا۔ نہ اشتعال انگیزی تھی اور نہ ہی مایوسی پیدا کرنے والی کوئی بات۔ یہی بزرگوں کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ ایسی تحریک جس کا تعلق مذہب کے نازک جذبات سے تھا۔ اور جس تحریک میں لیڈر کی ذرا سی غلطی ملک اور ملت کی بربادی کا باعث بن سکتی تھی۔ یہ بزرگ بڑے محتاط اور ٹھنڈے دل و دماغ سے باتیں کرتے رہے عوام کو صحیح صورت حال سے آگاہ بھی کر گئے مشتعل بھی نہیں ہونے دیا۔ لیکن ان کی آتش شوق اور جذبہ قربانی کو ماند پڑنے بھی نہیں دیا گیا۔ جلسہ کی پوری کارروائی ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

آل مسلم پارٹیز کنونشن کی مجلس عمل کے زیر اہتمام باغ بیرون دہلی دروازہ میں ایک عظیم الشان اجتماع ہوا صدارت کے فرائض مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صاحب صدر مجلس

عمل نے انجام دیئے۔ جلسہ گاہ میں ایک لاکھ سے زائد فرزندان توحید و جاں نثاران شمع رسالت جمع تھے۔ مولانا سید ابوالحسنات نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا۔ میں نے آپ کے سامنے آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ تلاوت کی اس آیت پاک کی تلاوت اس لئے کی ہے کہ آج سے کچھ ماہ پیشتر اس خطہ ارضی میں ختم نبوت کا نام لینا جرم قرار دیا گیا تھا۔ اور اس جرم کی پاداش میں کئی فرزندان توحید اور جاں نثاران شمع رسالت کو جیل کی کوٹھڑیوں میں بند کر دیا گیا مولانا کا اشارہ ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین۔ صاحبزادہ فیض الحسن شاہ اور ان کے ہمراہ رضاکاروں کی گرفتاریوں کی طرف تھا۔ میں نے آج اس آیت کو پڑھ کر پھر اسی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آپ حضرات ہمارے کراچی جانے اور واپس آنے کے حالات سننے کے لئے بے تاب ہیں۔ مسلمان فخر الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی خاطر جان قربان کرنا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ اس معاملہ میں مولوی ہی پیش پیش نہیں بلکہ میرے نزدیک تو جنہیں پنجابی اصطلاح میں ماجے اور گامے کہا جاتا ہے۔ وہ شاید محمد عربی کی عزت و ناموس کی خاطر سب سے زیادہ قربانی کر جائیں۔ اس معاملہ میں پڑھے لکھے آدمی کی طرح اگر مگر کی پالیسی ٹھیک نہیں' جب تاج و تخت ختم نبوت پر کوئی گستاخانہ حملہ ہو تو عشق و محبت تقاضا یہی ہوتا ہے کہ

۔۔ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

جب ناموس رسالت پر آنچ آئی ہو تو مسلمان کا فرض ہو جاتا ہے کہ گھر اور خاندان اولاد مال و جان سب کچھ نام مصطفیٰ پر قربان کر دے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر آج یہاں انگریز کی حکمرانی ہوتی تو اس سلسلہ میں ہمارا قدم جو اٹھتا وہ اس سے بالکل مختلف ہوتا۔ مگر آج حکومت کے عہدیدار ہمارے اپنے ہیں آج مسند اقتدار پر وہ لوگ براجمان ہیں جو گنبد خضریٰ کے مکین کے نام لیوا ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو محمد عربی پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کے مقابلے میں ہمیں سوچ کر قدم اٹھانا پڑتا۔ ہم بے چینی اضطراب اور ہیجان پھیلا کر ان کے راستہ میں رکاوٹیں پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ہم یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ ایک اسلامی ملک کے خارجہ معاملات ایک ایسے آدمی کے سپرد کر دیئے جائیں جو محمد عربی کا باغی اور ملک و ملت کا دشمن ہو اور جس کی وفاداریاں پاکستان کی بجائے ہندوستان سے وابستہ ہیں۔ جو قادیان کی رسالت سے ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کر کے مسلمانان پاکستان سے غداری کر رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ ہمارے ارباب اقتدار سوچیں' سمجھیں اور خطرہ محسوس کریں۔ آپ نے فرمایا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ مرزائیت کے خلاف تحریک صرف لاہور' ملتان اور لائل پور (پنجاب)

میں ہے ارباب حکومت کان کھول کر سن لیں۔ کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے اور ظفر اللہ خاں کی علیحدگی کا مطالبہ پورے پاکستان کا مطالبہ ہے۔

آپ نے کراچی میں ہونے والی ملاقاتوں کا مفصل واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کراچی میں اول تو ہمیں وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کرنے کے لئے کئی روز انتظار کرنا پڑا۔ خدا خدا کر کے بازیابی نصیب ہوئی۔ وزیر اعظم سے ملاقات کے دوران مرزائیت کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کی گئی کہ مرزائی وزیر خارجہ نے غیرت سے جوناگڑھ کے معاملہ میں وکالت کی تو اس میں مکمل کامیابی حاصل ہوئی۔ اور آج جوناگڑھ ایک انچ بھی ہم سے جدا نہیں ہے۔ حیدر آباد تو ہمارے لئے ظفر اللہ کی وزارت خارجہ کی بدولت ایسے ہو گیا ہے جیسے لاہور کے لئے بازل ٹاؤن جب چاہیں آئیں اور جائیں۔ چوہدری صاحب نے کشمیر تو ہمیں ایسا کر دیا کہ آج کشمیر کے ہمارے قبضہ سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو فضا سامعین کے قہقہوں سے گونج اٹھی۔ آپ نے فرمایا۔ ہم نے وزیر اعظم سے کہہ دیا ہے۔ کہ اب مسلمان زیادہ دیر تک صبر نہیں کر سکیں گے۔ پانچ سال انہی پریشانیوں میں گذر گئے۔ ہمیں یونہی ٹرخایا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم جب مرزائیوں اور مرزائی وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں کا ذکر کر رہے تھے تو خواجہ صاحب نہایت خاموشی کے ساتھ ہماری معروضات سنتے رہے۔ اور بعد میں فرمایا کہ میں نے مفصل حالات سن لئے ہیں۔ میں کسی مناسب وقت میں اس کا جواب دوں گا۔

مولانا نے فرمایا کہ اس کے بعد ہم نے کابینہ کے دوسرے وزراء سے ملاقاتیں کیں ہم کراچی سے مطمئن ہو کر واپس آ گئے ہیں۔ لیکن اس اطمینان کو حقیقی اسی صورت میں بتایا جا سکتا ہے۔ جب آپ حضرات مجلس عمل پر مکمل اعتماد رکھتے ہوئے اس کی ہدایات پر عمل کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اگر آپ نے منظم ہو کر مجلس عمل کی ہدایات پر عمل کیا۔ تو ہم اپنے مطالبات میں بہت جلد کامیاب ہو جائیں گے۔

مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش

مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش نے اس عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جہاں تک وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملاقات اور کراچی میں ہماری کارکردگی کا تعلق ہے۔ صاحب صدر نے اس کی وضاحت کر دی جہاں تک مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کا تعلق ہے یہ مطالبہ جب وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ درست فرماتے ہیں۔ لیکن یہ معاملہ دستور سازی سے متعلق ہے۔ اور مجلس دستور سازی اس کا فیصلہ کرے گی ہم نے ایک سوال کیا کہ اس سلسلہ میں آپ کی ذاتی مدد کیا ہو گی۔ وزیر اعظم نے جواب دیا

کہ میں پوری لیڈر کی حیثیت سے اس موقعہ پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب یہ معاملہ دستور ساز اسمبلی میں جائے گا۔ اس وقت عرض کروں گا۔

مولانا میکش نے فرمایا کہ جب ہم نے وزیر اعظم سے مطالبہ کیا کہ مرزائی پاکستان کی کلیدی اسامیوں پر قابض ہو کر اس کو لوٹ رہے ہیں۔ اور مسلمانان پاکستان کا حق غصب کر رہے ہیں۔ اسی طرح حکومت نے ربوہ میں مرزائیوں کا اڈہ قائم کر دیا ہے۔ اور وہاں مرزائیوں کو کوڑیوں کے مول قیمتی زمین دے دی گئی ہے۔ خواجہ صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ معاملہ صوبائی حکومت سے متعلق ہے۔ اسی معاملہ میں وہی کوئی قدم اٹھا سکتی ہے۔ مولانا نے فرمایا ہم نے جب سوال کیا۔ کہ مرزائی وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں اپنے عہدہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے ماتحت عملہ کو مرتد بنا رہا ہے۔

خواجہ صاحب نے کہا کہ حکومت پاکستان میں کوئی سیکرٹری یا انڈر سیکرٹری مرزائی نہیں ہے۔

تو ہم نے وزیر اعظم کو مثال کے طور پر بتایا کہ وزارت خارجہ کا فلاں انڈر سیکرٹری جو پہلے مسلمان تھا۔ اب وہ اپنی ترقی اور وزیر خارجہ کی خوشنودی کی خاطر دائرہ اسلام سے نکل کر مرزائی بن گیا ہے۔ یہ بات سن کر وزیر اعظم نے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا۔ مولانا نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ کہ جہاں تک حکومت تک پیغام لے جانے کا تعلق تھا۔ وہ ہم نے پورا کر دیا ہے اب عوام کا فرض ہے کہ وہ ان مرزائیوں کی فہرست مرتب کریں۔ جنہوں نے مختلف چیزیں الاٹ کرا رکھی ہیں۔ اور مہاجرین کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کراچی سے واپسی کے بعد ہم نہ تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہم پوری طرح کامیاب ہو کر آئے ہیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ناکام آئے ہیں۔

آپ نے ملاقاتوں کے ذکر میں یہ بھی فرمایا کہ ہم نے ایک وزیر سے ملاقات کی۔ اور مرزائیت سے انہیں مطلع کرنا چاہا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ میرے باپ نے مجھے مذہبی تعلیم سے بے بہرہ رکھا مجھے اس مسئلہ سے کوئی واقفیت نہیں ہے ہم اس کی یہ بات سن کر ششدر رہ گئے۔ آپ نے فرمایا ہم اگر جدوجہد جاری رکھیں۔ تو اپنے مقصد میں بہت جلد کامیاب ہو سکیں گے۔

مولانا تاج الدین انصاری

آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ شائد بھول گئے ہوں لیکن مجھے اپنے الفاظ ابھی تک یاد ہیں۔ میں نے اس باغ میں ایک جلسہ میں (جو ہنگامہ

کراچی پر احتجاجاً منعقد ہوا تھا) تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔ اور میرے دل کی آواز تھی۔

جب مرزائیوں نے مسلمانوں کا ناطقہ بند کر دیا مرزائیوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو کر مسلمانوں کا دم گھٹنے لگا اور مرزائی وزیر خارجہ کفر و ارتداد پھیلانے کے لئے سرکاری لاؤ لشکر ساتھ لے کر کراچی کے ایک جلسہ عام میں آدھمکا شمع رسالت کے پروانوں نے صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ یہ محمد عربی اور ملک کا باغی ہے اسے مسلمانوں میں تقریر کرنے اور کفر و ارتداد پھیلانے کی اجازت کیوں دی گئی۔

جن مسلمانوں نے اس سلسلہ میں کوئی رکاوٹ پیدا کی تھی انہیں لاٹھیوں سے پیٹا گیا۔ ان پر اشک آور گیس پھینکی گئی۔ کراچی کے مسلمان بلبلا اٹھے ان کی مظلومیت کا حال دیکھ کر ہمارے سینوں میں ایک آگ بھڑک اٹھی۔ ہم نے یہاں لاہور میں ایک اجلاس عام منعقد کر کے صدائے احتجاج بلند کی میں نے اس اجتماع میں ایک بات کہی تھی کہ وزیر خارجہ پاکستان اس ملک کا باغی اس مملکت کا دشمن ہے چور ہے، ڈاکو ہے۔ اگر یہ بات جھوٹی ہے تو حکومت مجھے سزا دے اور اگر میں سچا ہوں تو پھر مرزائی وزیر خارجہ کو لگام دی جائے اور اس کی زبان گدی سے نکال باہر کی جائے۔

آپ نے فرمایا۔ اب آپ لوگ ہی فیصلہ کریں۔ کہ کس کی زبان بند کی گئی (ماسٹر صاحب کا اشارہ اپنی گرفتاری کی طرف تھا) اب اگر سرکاری حکم کی موجودگی میں مرزائی وزیر خارجہ کسی کھلے اجلاس میں تقریر کرے گا۔ تو ہم اسے قطعاً برداشت نہ کریں گے (ماسٹر صاحب کا اشارہ اعلان اور حکم نامے کی طرف تھا جس میں افسروں پر اپنے فرقے کی تبلیغ وغیرہ کی پابندی عائد کی گئی تھی) اب دو ہی صورتیں ہیں یا سر ظفر اللہ خاں وزارت خارجہ پر رہے گا اور یا یہ سرکاری حکم نامہ۔

ماسٹر صاحب نے فرمایا۔ کہ یہ سرکاری حکم نامہ ہماری کامیابی کی پہلی منزل ہے کیا یہ معجزہ نہیں۔ کہ ہم پہلے جب ان وزراء کے پاس جایا کرتے تھے تو عمائدین حکومت ہمیں یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے۔ کہ ابھی مسئلہ کشمیر حل کرنا باقی ہے اور یہ وزیر خارجہ ہمارا کیس لڑ رہا ہے مگر اب تو یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ وزیر خارجہ کی چھ چھ گھنٹے کی تقریروں سے کشمیر تو ہم سے دور ہوتا چلا گیا۔ جس قدر ظفر اللہ خاں بولتا تھا۔ کشمیر ہم سے اتنا ہی دور ہو جاتا تھا۔

آپ نے فرمایا کہ ہم نے خواجہ ناظم الدین سے کہہ دیا ہے کہ مرزائی وزیر خارجہ آپ کی بغل میں چھپی چھری ہے یہ آپ کے ساتھ پھرتا ہے لیکن یہ موقعہ پا کر آپ کو ضرور نقصان پہنچائے گا۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار نہیں وہ آپ کا خیر خواہ بھی نہیں ہو سکتا ہم ہر وقت حکومت کو خبردار کرتے رہے ہیں لیکن ہماری معروضات پر توجہ نہیں دی گئی۔

آپ نے فرمایا کہ آج حکومت یہ آرڈیننس (سرکاری حکم نامہ کہ کوئی وزیر اور سرکاری افسر اپنے فرقہ کی تبلیغ نہ کرے) نافذ کر رہی ہے میں سمجھتا ہوں یہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہوا ہے آپ نے سرکاری کیمونک کا تذکرہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ حکومت کے اس پریس کیمونک نے ثابت کر دیا ہے کہ اگر آپ بیدار رہے اور پرامن جدوجہد جاری رہی تو یقین کیجئے کہ خدا کے حبیب کی آبرو بچ سکتی ہے۔ اب جو شخص اس میدان سے منہ موڑے گا وہ خدا اور اس کے رسول سے منہ موڑے گا۔ آپ نے ذکر فرمایا یہ اتنی بڑی قوم کے لئے شرم کی بات ہے کہ وہ یہ سوچے کہ اب یہ کوئی وزارت خالی کرتا ہے یا نہیں اور اب مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جاتا ہے یہ ایک طے شدہ بات ہے اور مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جائے گا اور ظفر اللہ وزارت پر متمکن نہ رہ سکے گا اسے وزارت سے الگ ہونا پڑے گا۔

شیخ حسام الدین

محترم تاج الدین انصاری صدر مرکزیہ کی موثر تقریر کے بعد شیخ حسام الدین نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

مسئلہ کی اہمیت' معاملہ کی نزاکت اور کراچی کی کیفیت آپ لوگوں تک مختلف انداز میں تفصیل کے ساتھ پہنچ چکی ہے ہم نے کراچی سے واپس آ کر مجلس عمل کا اجلاس منعقد کیا بعد ازاں ملتان کا پروگرام مرتب کیا گیا۔ ملتان میں کچھ لوگ تو پہلے جام شہادت نوش کر چکے تھے اور ان کے بعد جن لوگوں نے تحقیقاتی کمیشن کے سامنے شہادتیں دی تھیں۔ مقامی پولیس نے انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ ان کو غنڈہ ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے باشندگان ملتان میں خوف و ہراس پیدا کیا۔ تشدد کا پہلو موجودہ حالات میں ٹھیک نہیں ہے آپ نے فرمایا۔ آج ہم جن حالات میں گذر رہے ہیں وہ انتہائی نازک اور ایسا خوفناک راستہ ہے کہ ادھر سے کبھی کسی کا گزر نہیں ہوا ہے آج اگر فولیاں گروہ یا جماعتیں دشمن کو کمزور تصور کریں تو یہ سب سے پہلی کمزوری ہے' دشمن انگریز کی سیاست کا پالا ہوا مرغا ہے جسے انگریز کی منافقانہ سیاسی ضرورتوں نے جنم دیا ہے۔ انگریز کی شاطرانہ چالوں پر ناچنے والے مرزا غلام احمد کی ملعون سیاست نے جہاد بالسیف کو حرام قرار دیا۔

آپ نے فرمایا۔ اس عیار دشمن کے مقابلہ کے لئے ہمیں جذبات سے کام لینے کی بجائے نہایت تدبر سے کام لینا ہے یہ جذبات کی جنگ نہیں یہ عقل کی لڑائی ہے۔

آپ نے فرمایا اب حکومت اپنا یہ اعلان کر کے ایک دلدل میں پھنس گئی ہے اب اگر وہ اٹھے گی تو دلدل سے نکلنا ناممکن ہو گا۔ اب ایک صورت ہے کہ وہ لیٹ جائے۔ حکومت کے

لئے ضروری ہے کہ وہ قوم کے مطالبات تسلیم کرے۔

آپ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہماری حکومت بھی آج وہاں پہنچ گئی ہے۔ جہاں سے ہم چلے تھے حکومت کا موجودہ اعلان اس امر کی دلیل ہے کہ ہمارا آغاز سفر درست تھا اب حکومت اپنی وعدہ کو پورا کرتی ہے یا نہیں اس کا جواب آنے والا وقت دے گا۔

حکومت کے اس اعلان کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزائیوں کی موجودہ صورت حال اور ظفراللہ کے طرز عمل کو حکومت تشویش ناک نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ اب ان میں سے کسی نے (وہ ظفراللہ ہو یا کوئی اور!) اگر ایسے جرم کا ارتکاب کیا اور بندوں میں کفر وارتداد کی تبلیغ کی تو حکومت اس کے خلاف سخت کاروائی کرے گی۔

آپ نے فرمایا ہمیں قوی امید ہے کہ حکومت اپنے پریس کمیونک پر سختی سے عمل کرائے گی اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزا دے گی۔ آپ نے اپنی تقریر کے اختتام پر فرمایا۔

حکومت سے ہماری جو بات چیت ہوئی ہے اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ جو کچھ محسوس کر رہی ہے وہ اسے کہنے سے گریز کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہمیں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے پر امن جدوجہد جاری رکھنی چاہئے یہ بات ٹھیک ہے کہ آج قوم میں عجیب قسم کا اشتعال پایا جاتا ہے وہ حکومت کے موجودہ طرز عمل سے مطمئن نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں۔ اگر آپ کا کام دنگا جھگڑے اور قربانی کے بغیر انجام پا جائے۔ تو پھر کسی قربانی کی ضرورت کیا ہے۔

آپ نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اپنا پر امن مطالبہ جاری رکھیں ایک وقت آئے گا کہ حکومت ہمارے تمام مطالبات کو مکمل طور پر تسلیم کرے گی۔

آپ کی تقریر کے بعد حضرت مولانا اختر علی صاحب کا ایک مفصل پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ بعد ازاں اجلاس دعائے خیر پر اختتام پذیر ہوا۔

نازک مسئلہ

مجلس عمل ختم نبوت کو مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں میں سب سے زیادہ تشویش اور پریشانی اس بارہ میں تھی کہ یہ بیماری فوجوں میں نہ پھیل جائے مگر یہ ایسا نازک مسئلہ تھا جسے چھیڑنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ قارئین کرام کو معلوم ہے کہ جب ہم نے مرزائی فوجی افسروں کی وہ فہرست جسے خود مرزائیوں نے ایک خوبصورت ٹریکٹ کی صورت میں شائع کر کے حکومت کو مرعوب کرنا چاہا تھا۔ روزنامہ "آزاد" میں شائع کی تھی تو گورنر پنجاب کو مرکزی حکومت نے

مجبور کر دیا تھا کہ وہ آزاد اخبار کے ایڈیٹر کو بلا کر متنبہ کریں مجلس عمل اس بارہ میں احتیاط سے کام لے رہی تھی تاہم اس طرف سے آنکھیں موند لینا کسی صورت میں مناسب نہ تھا۔ سر ظفر اللہ خاں کے ہم زلف میجر جنرل نذیر صاحب پاکستانی فوج میں چوتھے ستون کی حیثیت سے موجود تھے۔ خلیفہ محمود کو بہت ممکن ہے یہ وہم بھی ہو کہ موقعہ پا کر ایک روز میجر جنرل نذیر صاحب پاکستان کے کمانڈر انچیف ہی بن جائیں۔ خدانخواستہ ان کی یہ آرزو پوری ہو جاتی تو پاکستان کی قسمت پھوٹ جاتی مگر.......

تدبیر کند بندہ، تقدیر زند خندہ

اچانک ایک صبح معلوم ہوا کہ کچھ فوجی افسر خوفناک سازش میں ملوث ہو کر پکڑے گئے ہیں۔ یہ دہشت ناک خبر پاکستان کے کونے کونے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی لاہور میں یہ کیفیت تھی کہ گلی کوچوں اور چوک چوک پر لوگوں کے جھمگٹے لگ گئے۔ واقعہ بہت اہم تھا دوسرے دن لوگوں نے معلوم کرنا چاہا اس سازش میں کون کون پکڑا گیا؟ جب یہ معلوم ہوا کہ میجر جنرل نذیر صاحب اس سازش میں شامل ہیں تو ہمارے حواس پراں ہو گئے اور ہر پاکستانی نے محسوس کیا کہ سازش کامیاب ہو جاتی تو کیا ہوتا؟

"آزاد" میں اس سازش کے بارے میں مسلسل آرٹیکل لکھے گئے۔ ہم نے میجر جنرل نذیر کی شمولیت پر لکھا کہ مرزائیوں کی تنظیم کے ہم قائل ہیں ہم خوب جانتے ہیں کہ کوئی ذمہ دار مرزائی خلیفہ محمود سے مشورہ کئے اور پوچھے بغیر شادی بھی نہیں کرتا اس نیک کام کے لئے اجازت لینا پڑتی ہے۔ بھلا ملکی نظام کے خلاف خوفناک سازش میں میجر صاحب ازخود چپکے سے کیسے شامل ہو گئے؟ یہ عجیب بات ہے کہ خلیفہ محمود کو معلوم نہ سر ظفر اللہ خاں کو خبر اور سر موصوف کے ہم زلف پاکستان کا تخت الٹنے میں شامل ہو گئے۔ بہرحال وہ پکڑے گئے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ واقعی سازش میں شریک تھے۔ عدالتی تحقیقات کے بعد انہیں برخاست عدالت بٹھا کر حکم ہوا کہ اب فوجی چھاؤنی کی بجائے ٹھنڈے ٹھنڈے گھر تشریف لے جائیں۔ یعنی انہیں فوج سے علیحدہ کر دیا گیا۔ ہمیں جو کھٹک تھی وہ درست ثابت ہوئی کہ ان مرزائیوں کو کلیدی آسامیوں پر بٹھانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ مرزائی فوجی کپتان کا قصہ آپ سن چکے ہیں کہ وہ سرکاری اسلحہ چرا کر لئے جا رہا تھا کہ اٹک کے پل پر پکڑا گیا اور سرحدی علاقے میں ایک فوجی کپتان کی خودکشی کا واقعہ جو الفتح میں شائع ہوا اس سے بھی آپ باخبر ہیں ان حالات میں مجلس عمل کس طرح مطمئن ہو کر بیٹھ جاتی' مجلس عمل نے دن رات ایک کر کے پاکستانی عوام اور حکومت دونوں کو خبردار کیا اور اس حد تک مرزائیت کے خلاف صحیح پراپیگنڈہ کیا کہ مرزائیت کے ناسور پر جو خوبصورت پٹیاں بندھی ہوئی تھیں وہ ایک ایک کر کے اتار

دالیں۔ مسلمانوں نے مرزائیت کو جب اصل روپ میں دیکھا تو وہ چلا اٹھے' یہ پہلا موقعہ تھا جب مسلمانوں کے ہر مکتب خیال کے لوگوں نے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اسلام کے بنیادی مسئلے کے لئے یکجہتی کا عملی ثبوت دیا۔

مرزائیوں کا پراپیگنڈہ

راولپنڈی میں کسی جھگڑے کی بنا پر ایک مرزائی مارا گیا ایک مسلمان پکڑا گیا' مرزائیوں کے ڈھنڈورچی الفضل نے زمین' آسمان کے قلابے ملا دیئے' بے انتہا پراپیگنڈہ کیا کہ یہ مسلمان احراری ہے احرار نے ہمارا آدمی مروا دیا۔ مرنے والا نہ تو کوئی مقرر تھا اور نہ مبلغ بہت ہی بے ضرر سا آدمی تھا مارنے والا یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ احرار کہاں بکتے ہیں مگر مرزائیوں نے جھوٹا پراپیگنڈہ اس زور سے کیا کہ توبہ بھلی۔

دوسرا واقعہ

اوکاڑے کے قریب ایک گاؤں کے مرزائی سکول ماسٹر کو کسی نوجوان نے قتل کر ڈالا۔ روزانہ قتل کی وارداتیں ہوتی ہیں ایک ایک دن میں کئی کئی قتل ہوتے ہیں اسی دنیا میں مرزائی بھی رہتا ہے مگر کسی مرزائی کو کوئی مد دے یا مرزائی کو مرزائی ہی مار ڈالے۔ خلیفہ محمود کا ڈھنڈورچی الفضل احرار کے خلاف پراپیگنڈے کا تہیہ کرکے بیٹھا رہتا ہے۔ کوئی مرزائی خربوزے کے چھلکے پر سے پھسل جائے۔ الفضل کو شور مچاتا ہے کہ احراریوں نے دھکا دے کر ٹانگ توڑ دی۔ چونکہ اس پراپیگنڈے کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی اس لئے اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا چنانچہ تفتیش اور تحقیق کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ جو مرزائی ابھی قتل ہوا ہے اسے مارنے والا کوئی احراری نہ تھا۔

جب مجلس عمل میدان میں آگئی تو احرار کا سوال جاتا رہا۔ مجلس عمل میں احرار کی حیثیت ۱-۱۰ سے زیادہ نہ تھی۔ احرار پر مرزائیوں کو براہ راست حملہ کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی اور رد مرزائیت کے بارے میں جو قدم اٹھایا جاتا اسے مجلس عمل ذمہ دارانہ حیثیت میں خود اٹھاتی۔

وزیراعلیٰ سے پہلی ملاقات

مجلس عمل نے مناسب سمجھا کہ صوبہ پنجاب کے وزیراعلیٰ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ سے ملاقات کرکے انہیں بتائے کہ مطالبات کیا ہیں ان مطالبات کی اہمیت کیا ہے؟ اور مجلس عمل کا طریق کار کیا ہوگا؟ چنانچہ میاں صاحب سے ملاقات کا وقت مقرر ہوا اور ان کی کوٹھی پر

مجلس عمل کے وفد نے مولانا ابوالحسنات کی قیادت میں ملاقات کی۔ اس ملاقات میں مطالبات کی شائع شدہ فہرست پیش کرتے ہوئے مطالبات کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی۔

اس گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ ہمارے مطالبات اسلام کے بنیادی مسئلے سے متعلق ہیں ان کا موجودہ سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں۔ ان مطالبات میں تنسیخ و ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرارداد مقاصد کی موجودگی میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان مطالبات کو تسلیم کرلے۔ ہماری تحریک نہایت پر امن ہے۔ ہمارا مقصد امن عامہ میں خلل اندازی ہرگز نہیں ہے۔ میاں صاحب نے وفد کی باتیں بہت غور سے سنیں اور آخر میں یہ فرمایا کہ میری ذمہ داری یہ ہے کہ امن کو بحال رکھوں اس فرض کی ادائیگی مجھ پر لازم ہے۔ میں کسی صورت بدامنی نہیں ہونے دوں گا بحیثیت مسلمان ان مطالبات سے مجھے ہمدردی ہے۔

میرا وعدہ

ماسٹر تاج الدین فرماتے ہیں جونہی میاں صاحب نے مجھے وفد کے ہمراہ جیل سے باہر آنے کے بعد پہلی مرتبہ دیکھا وہ میری طرف بڑھے میں نے اندازہ لگایا وہ اس سلوک سے جو میرے ساتھ جیل میں روا رکھا گیا تھا۔ ندامت محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ مجھ سے مصافحہ کرتے ہی فرمانے لگے میں مجبور تھا۔ آپ کو بہت زحمت اٹھانا پڑی۔ میں نے گذرے واقعات کا تذکرہ ختم کرنے کے لئے ان سے کہا کہ میاں صاحب! چھوڑیئے اس قصہ کو' وقت گذر گیا مجھے کوئی شکوہ نہیں۔ میری گذارش سنئے جو ہو چکا اسے دہرانے کی ضرورت نہیں اور جو ہوتا ہے وہ ہوتا رہے گا ایک نیک کام تو کیجئے؟ میاں صاحب نے فرمایا کہئے کیا بات ہے؟ میں نے ان سے عرض کیا کہ جیل سے رہائی کے وقت میں نے ایک بوڑھے عمر قیدی سے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی میری میاں صاحب سے ملاقات ہو گی۔ میں تمہاری رہائی کی سفارش ضرور کروں گا۔ پہلے تمہاری رہائی کا بندوبست کروں گا پھر اور بات ہو گی۔ میں وعدہ کا پکا ہوں اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ محمد رمضان نامی ایک مظلوم بوڑھا عمر قید کی چودہ سالہ میعاد کبھی کی پوری کر چکا اس کا کوئی سفارشی نہیں جو اسے رہا کراتا۔ جیل والوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ایک بے ضرر قیدی کو رہا کریں۔ میاں صاحب میں کچھ خرابیاں بھی ہوں گی مگر بعض اوصاف ایسے ہیں جنہیں سراہنا لازم ہے۔

اسی وقت میاں صاحب نے سیکرٹری کو بلایا اور رہائی کا حکم لکھوا دیا۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے محمد رمضان کی رہائی کے حکم سے بے حد مسرت ہوئی۔

وفد کے ارکان میں سے حضرت مولانا ابوالحسنات' مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی اور

مولانا بیگس نے گفتگو اور تبادلہ خیال میں زیادہ حصہ لیا مجلس عمل کے مطالبات وزیر اعلیٰ کے پاس پہنچ گئے تاکہ وہ مرکز کو ان مطالبات سے مطلع کر سکیں اور ہم سب میاں دولتانہ کے ہاں سے رخصت ہو کر واپس آ گئے۔

حکومت کی جانبدارانہ سخت گیری

۱۹۵۳ء کے وسط میں حکومت پنجاب نے جانبداری سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو دبانا اور مرزائیوں کی حرکات کو نظرانداز کرنا شروع کر دیا' آہستہ آہستہ حکومت کی گرفت سخت ہوتی گئی۔ ہمیں امید نہ تھی کہ میاں دولتانہ کی حکومت مغلوب الغضب ہو کر ہمارا پیچھا مساجد کے اندر تک کرے گی مگر انتقامیہ کی مشین تحریک تحفظ ختم نبوت کے خلاف بہت تیزی سے گھومنے لگی۔ جہاں کہیں جو مرزائی افسروں کا بس چلا وہ وابستگان تحریک کو کچل دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے بالآخر جب پکڑ دھکڑ کی سختی سے الٹا اثر ہوا اور تحریک زیادہ تیز ہو گئی تو حکومت کو چاہئے تھا کہ وہ اپنا رویہ بدلتی مسلمانوں کے خلاف یک طرفہ کارروائی جاری رکھنے کی بجائے اسے مرزائیوں سے پوچھ گچھ کرنا چاہئے تھی انہی دنوں جب حکومت نے سختی شروع کی تو مرزائیوں نے مسلمانوں کی دل آزاری میں ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ الفضل نے ان دنوں سخت نیش زنی سے کام لینا شروع کیا۔ مسلمانوں کو ہر ممکن طریقے سے مشتعل کرنے کا سامان پیدا کیا مگر حکومت نے مرزائیوں کی جانب سے آنکھیں بالکل موند لیں تا آنکہ ملتان کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

ہم ابھی سرگودھا جیل میں تھے کہ ایک روز آنے جانے والے قیدیوں نے یہ وحشت اثر خبر سنائی کہ ملتان میں گولی چل گئی اور بیشمار آدمی شہید ہو گئے ہیں۔ ہنگاموں' جلسوں' جلوسوں اور گولی چلنے کی خبروں میں غلو بھی اور پراپیگنڈہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جس شہر میں واقعہ گذرا ہو اس شہر والے حقیقت حال سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے۔ افواہیں پھیلتی ہیں اور ان افواہوں کو صحیح سمجھا جاتا ہے' افواہ پھیلانے والے سے کوئی نہیں پوچھتا کہ میاں تم کو کیسے معلوم ہوا کہ پچاسوں آدمی مارے گئے جس کسی نے جو کہا اسی پر فوراً یقین کر لیا جاتا ہے۔ راوی کا معتبر ہونا ضروری نہیں خیال کیا جاتا۔

چنانچہ ملتان کے بارے میں بھی کہا گیا کہ پچاسوں مسلمان شہید ہو گئے۔ اول تو یہ خبریں ہم تک باہر سے آنے والے قیدیوں کی معرفت موصول ہوئیں ہم ان خبروں پر نہ تو زیادہ اعتبار کر سکتے تھے اور نہ ان خبروں کو جھٹلا سکتے تھے بہر حال اس اندوہناک حادثے کی اطلاع سے ہمیں بڑا دکھ ہوا جیل میں بند تھے' ملتان کیسے پہنچتے کیا کرتے اور کیا نہ کرتے۔ بس کھا کر رہ گئے ہم

نے اندازہ لگا لیا کہ مسلمانوں کا برسراقتدار طبقہ یا تو حکومت کی مشینری پر قابض تھی۔ وہاں مرزائیوں کا قبضہ ہے یا یہ کہ وہ خود بھی مرزائیوں سے مرعوب ہو کر سر ظفراللہ خاں کی خوشنودی حاصل کر رہا ہے۔ بہرحال اندر بیٹھے کیا معلوم کہ ہمارے عزیز بھائیوں پر ملتان میں کیا گذری۔ باہر آئے تو معلوم ہوا کہ چھ مسلمان شہید ہو گئے اور اس خونی حادثے پر مسلمانان پاکستان نے خون کے آنسو بہائے۔

۲۳ اگست لاہور کے جلسہ عام کے بعد

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں۔ ۲۳ اگست ۱۹۵۲ء کو دہلی دروازہ کے باہر مجلس عمل کا جو جلسہ ہوا تھا اس کی روئیداد ہم لکھ چکے ہیں۔ اس جلسہ کے بعد سرحد پنجاب سندھ اور بلوچستان میں مجلس عمل کے زیر اہتمام جلسے کانفرنسیں ہونا شروع ہو گئیں۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں لاہور کی مجلس عمل کی بنیاد پر مجالس عمل بھی قائم کر دی گئیں۔ مختلف مذہبی فرقوں کے اتحاد کے روح پرور اور ایمان افروز نظاروں نے پورے ملک کے مسلمانوں کو اطمینان اور سکون بخشا۔

۱۔ مجالس عمل کے زیر اہتمام پشاور سے کراچی تک کی فضا گونج اٹھی۔ حکومت کے خفیہ محکمہ کی رپورٹ مندرجہ انکوائری رپورٹ کے مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء سے ۱ مارچ ۱۹۵۳ء تک صرف صوبہ پنجاب کی حدود میں ۳۹۰ کانفرنسیں اور جلسے ہوئے۔ صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان میں جو کچھ ہوا وہ اس کے علاوہ تھا۔ اس سے آپ تحریک کی تیاری اور عوام کو حکومت کا دماغ درست کرنے کے لئے جو تربیت دی جا رہی تھی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ قادیانیوں کے خلاف اس قسم کی فضا تیار ہو گئی کہ عوام جلسوں میں جمعہ کے خطبوں میں سوائے مسئلہ ختم نبوت کی تائید اور مرزائیت کی تردید کے اور کچھ سننا ہی نہیں چاہتے تھے۔

۲۔ یہاں تک کہ ۲۶ اگست ۱۹۵۲ء کو جہلم اور کھیوڑہ کے درمیان پاکستان ایئر فورس کا ایک طیارہ پہاڑیوں سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا۔ اس جہاز میں ۱۸ مسافر سوار تھے جو سب کے سب سرکاری افسر تھے کوئی شہری مسافر شامل نہ تھا ہلاک ہو گئے نواب زادہ اعتزازالدین آئی جی سپیشل پولیس اور ہلاک ہونے والے فوجی افسروں کا عوام کو بے حد صدمہ ہوا۔ اس سے پہلے ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو جنگ شاہی میں ہوائی جہاز کا حادثہ پیش آ چکا تھا جس میں میجر جنرل افتخار، بریگیڈیئر شیر خان اور مصر، الجیریا اور مراکش کے نمائندے بھی اسی جہاز میں ہلاک ہو گئے تھے۔ عوام ان دونوں حادثوں کو قادیانیوں کی تخریب کار سرگرمیوں سے منسوب کر رہے تھے پہلے ہی فضا بہت گرم تھی اس حادثے کے بعد عوام کا غیظ و غضب اور زیادہ ہو گیا۔ پڑھے لکھے لوگ بھی کھلے بندوں ان حادثوں کا ذمہ دار سرکاری مشینری میں گھسے ہوئے مرزائیوں کو ٹھہرا رہے تھے۔ چنانچہ لاہور

کے ایک مشہور شاعر جناب شریف جالندھری کی نظم تازہ ہوائی حادثہ ملاحظہ فرمایئے۔ اس نظم سے ہمارے خیالات کی تائید ہوتی ہے۔

ہوائی حادثہ

وطن کی آبرو دستہ تھا جس آگئی کیوں کر
گھٹا ماتم وشوں کی وطن پہ چھا گئی کیوں کر
بہر فلک خوں ہمیں بار دگر ولوائی کیوں کر
ستم! تازہ دلوں پہ موت آکر اٹھائی کیوں کر
وطن کا ذرا ذرہ کو استفسار ہے اب تک
وفور غم میں ہر فرد جوان خونبار ہے اب تک
ابھی باقی تھا غم ارض وطن کے نوجوانوں کا
ابھی عنوان قائم تھا سسکتی داستانوں کا
ابھی نقشہ تھا قائم کچھ شکستہ آشیانوں کا
قہار منزل رفتہ تھا باقی کاروانوں کا
دفعتہً برق غم کڑکی فضائیں تھرتھرا اٹھیں
جھپٹ کر موت یوں آئی ہوائیں تھر تھرا اٹھیں
ابھی تک شیر خاں کی موت پہ آنسو بہاتے ہیں
ابھی تک افکار قوم کی باتیں سناتے ہیں
وطن پہ غازیوں کے اب بھی احسان یاد آتے ہیں
انہی کے نام پہ ہم قوم کو اب بھی جگاتے ہیں
ہوائی حادثے مرگ مفاجات کس طرح بھولے
جوانان وطن کی یہ شہادت کس طرح بھولے؟

مالی نظام ایک اہم ترین مسئلہ تحریک کے لئے اخراجات کا تھا اس نے کل اب تک ملک میں جو کام ہوا تھا اس کے لئے بنیادی طور پر اخراجات کا بڑا حصہ مجلس تحفظ ختم نبوت اور مجلس احرار اسلام برداشت کرتی تھی۔ جو کام ہو رہا تھا وہ دراصل ایک اہم ترین دینی مسئلہ کی تبلیغ تھی اور مذکورہ جماعتیں خصوصاً مجلس تحفظ ختم نبوت کے تمام فنڈز خالصتاً تبلیغی مد کے تھے لیکن مجلس عمل کے سرگرم ہونے کے بعد ملک گیر تحریک بپا ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ مذکورہ

فنڈز مستقل نہ تھے اس لئے مجلس عمل نے اپنا علیحدہ فنڈ قائم کیا۔ پنجاب مجلس عمل کے خزانچی مولانا اختر علی خاں ایڈیٹر زمیندار تھے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک بھرپور اپیل شائع کی اور روپیہ کی فراہمی کی سہولت کے لئے ایک روپیہ اور پانچ روپیہ کی نوٹ نما رسیدیں شائع کی گئیں ان رسیدوں کو پہلی نظر دیکھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا کہ مجلس عمل تحریک تحفظ ختم نبوت نے اپنے نئے نوٹ جاری کر دیئے ہیں لیکن دراصل وہ نوٹ نہ تھے نوٹ نما رسیدیں تھیں۔ چنانچہ اس طریقہ سے ایک بہت بڑا فنڈ مجلس عمل کے پاس جمع ہو گیا۔

مولانا اختر علی خان کی اپیل

حضرات! آل مسلم پارٹیز کنونشن نے استیصال مرزائیت کی جس مقدس مہم کا بیڑہ اٹھایا ہے وہ کسی فوری اور ہنگامی مصلحت کی پیداوار نہیں۔ بلکہ تحفظ ناموس رسالت کے لئے ایک ابتدائی تحریک ہے جس کو سب سے پہلے زمیندار نے ۱۹۰۷ء میں شروع کیا تھا۔ مجھے مسرت ہے کہ جس فتنہ کی جانب آج سے ۴۵ برس پہلے مولانا ظفر علی خاں نے ملت اسلامیہ کی توجہ دلائی تھی اس کی دسیسہ کاریوں کے تمام پردے اب چاک ہو چکے ہیں اور فرزندان توحید کے تمام فرقے آپس کے اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انگریز کے اس خود کاشتہ پودے کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ایک زبان ہو چکے ہیں جس کے منحوس سایوں نے مسلمانوں کے جوش جہاد کی چنگاریوں کو سرد کرنا چاہا۔

لیکن غالب کے الفاظ میں مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ

ہر چند سبکدوش ہوئے بت شکنی سے
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

فتنہ مرزائیت کے استیصال کا کام اتنا وسیع ہے کہ اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ابھی مسلمانوں کو بہت زیادہ صبر و استقلال اور ایثار و قربانی کا ثبوت دینا پڑے گا۔

اس میں شک نہیں کہ جہاں تک اخلاقی فتح کا تعلق ہے وہ مکمل ہو چکی ہے اور تحریک تحفظ ختم نبوت کی ایک ہی ضرب نے قادیانیوں کے اخلاقی قوام (MORALE) کا شیرازہ پریشان کر کے رکھ دیا ہے چنانچہ خلیفہ قادیان نے اعلان کیا ہے کہ اگر قادیانیوں کو اقلیت قرار دے دیا گیا تو وہ نہ صرف احمدی کہلانا چھوڑ دیں گے بلکہ صدر انجمن احمدیہ کا مال بھی دیا جائے گا لیکن ظاہر ہے کہ مسلمان محض اخلاقی شکست پر مطمئن نہیں ہو سکتے ان کا اپنی قومی حکومت سے مطالبہ یہ ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ سر ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ کی گدی سے الگ کر دیا جائے اور کسی مرزائی کو کلیدی آسامی پر قابض ہونے کی اجازت

نہ دی جائے۔

حضرات! ان قومی مطالبات کی تکمیل کے لئے کل مسلم پارٹیز کونشن نے جو عظیم الشان پروگرام مرتب کیا ہے اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے کم از کم ایک کروڑ روپیہ کی ضرورت ہے۔ جو پاکستان کے آٹھ کروڑ فرزندان توحید کے لئے چند ماہ کے اندر اندر مہیا کرنا مشکل نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں پاکستان کے مسلمانوں نے قومی تحریکوں کی مالی تقویت کے لئے آج تک بخل سے کام نہیں لیا اور استیصال مرزائیت کی تحریک تو ایسی ہے کہ اسے مضبوط و مستحکم بنانا دین و دنیا دونوں میں سرفراز ہونا ہے۔ حضرات! آپ لوگوں نے قومی تحریکوں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ لیکن اس وقت ملت اسلامیہ کو حضور آقائے دو جہاں سرور کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کا سوال درپیش ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ پاکستان کا کوئی مسلمان ایسا نہیں ہو گا جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج و تخت کو میلہ ——— اسودعنسی کی معنوی اولاد کی یورش سے محفوظ رکھنے کے لئے آگے نہیں بڑھے گا اور تحریک تحفظ ختم نبوت کو مضبوط بنا کر یہ ثابت نہیں کر دے گا کہ وہ اپنے آقا و مولا کی عزت و ناموس کی خاطر مال و منال تو کیا چیز ہے سر دھڑ کی بازی بھی لگانے کو تیار ہے۔

لہذا اسلامیان پاکستان سے میری اپیل ہے کہ وہ اپنا روپیہ تحفظ ختم نبوت کی مد میں براہ راست پنجاب کوآپریٹو بینک لاہور میں جمع کرائیں اور اس کی اطلاع مجھے بھی دے دیں میں نے اپنی طرف سے پانچ سو روپے کی حقیر رقم اس فنڈ میں جمع کر کے اس کام کی ابتداء کر دی ہے اب اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا آپ کا کام ہے۔ درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست۔

(۴) ۵ جون ۱۹۵۲ء سے ۲ جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور میں صوبہ مسلم لیگ کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ اس اجلاس کے لئے جنرل کونسل کے ممبران کی طرف سے متعدد قراردادیں مسئلہ ختم نبوت کے سلسلہ میں موصول ہوئی تھیں۔ راولپنڈی کے مشہور مسلم لیگی رہنما سید مصطفیٰ شاہ خالد گیلانی نے مسئلہ ختم نبوت کی تائید و حمایت میں قرارداد پیش کی۔ جو ۸ ووٹوں کی مخالفت اور ۲۸۲ ووٹوں کی حمایت سے منظور ہوئی۔

(۵) ۳۰ اگست ۱۹۵۲ء کو حضوری باغ لاہور میں مسلم لیگ کا ایک جلسہ ہوا اور اس جلسہ میں میاں دولتانہ صاحب نے جو صدر مسلم لیگ پنجاب اور وزیر اعلیٰ پنجاب تھے ایک تقریر کی اور اس میں مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیوں کے متعلق ایک اہم تقریر کی اور کہا کہ ختم نبوت کے مسئلے میں میرا وہی عقیدہ ہے جو ایک مسلمان کا ہونا چاہئے۔ میرے نزدیک وہ تمام لوگ خارج از اسلام ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتے۔ میں اس سے

بھی آگے بڑھ کے کہتا ہوں کہ عقیدہ ختم نبوت پر کوئی بحث اٹھانا خود کفر کے مترادف ہے۔ کیونکہ بحث کی گنجائش صرف اس مسئلے میں ممکن ہے جس میں کسی قسم کا شبہ وارد ہوتا ہو لیکن عقیدہ ختم نبوت ہمارے ایمان کا جزو ہے۔ اس لئے ہر بحث اور ہر منطق سے بالاتر ہے۔ مرزائیوں کے خلاف جو نفرت پیدا کی گئی اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہے کیوں کہ ان کے رجحانات علیحدگی پسندانہ ہیں وہ زندگی کے ہر شعبے میں ہم سے علیحدہ ہیں اور انہوں نے اپنی ذاتی سیاسی اور مجلسی سرگرمیوں کو صرف اپنی جماعت تک محدود کر رکھا ہے۔ قادیانی افسر اپنی جماعت کے آدمیوں کی طرف داری کے مجرم ہیں کیونکہ انہوں نے بہت سی الاٹمنٹس محض اسی بنیاد پر کی ہیں کہ الاٹی مرزائی تھا۔ گویا انہوں نے اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز استعمال کیا۔

دولتانہ صاحب نے مسئلہ ختم نبوت کی محض تائید ہی نہیں کی۔ بلکہ جذبات پر قابو پالے کے بعد کچھ مخالفانہ باتیں بھی کہیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ دوستو یہ بتانے کی گنجائش نہیں ہے کہ دنیا میں تھوڑی تعداد کی قومیں بڑی تعداد کی قوموں سے محض اس بنا پر جدا ہوا کرتی ہیں کہ وہ ان سے ان کی بڑائی کی وجہ سے مرعوب ہوا کرتی ہیں۔ کیا باہر کی قومیں ہماری اس خواہش کو تو نہ لے اڑیں گی کہ یہ مسلمان بھی عجیب و غریب قوم ہے کہ ہر فرقے سے خائف رہتی ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں ہم نے کم تعداد میں ہونے کی وجہ سے مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں اقلیت قرار دے دیا جائے اور آج اکثریت میں ہو کر ہم مطالبہ کر رہے ہیں کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دے دیا جائے میں پھر آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے سے آپ کی عظیم الشان قوم کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ یوں تو آپ ان لوگوں کو بڑی بڑی کلیدی ملازمتوں سے ہٹانے کا نعرہ لگا رہے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ اسمبلیوں میں نہ جائیں اور صورت بھی یہی ہے۔ کہ ان کا اسمبلیوں میں پہنچنا مشکل ہے مگر کیا یہ درست نہیں کہ آپ نے انہیں اقلیت بنا دیا تو ان کے وہ حقوق محفوظ ہو جائیں گے جو آپ انہیں نہیں دینا چاہتے ایک اور بڑا سوال یہ درپیش ہے جس کے متعلق میں اکثر پوچھتا رہتا ہوں اور وہ سوال یہ ہے کہ اگر احمدیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ وہ تو مسلمان ہیں تو آپ انہیں کیونکر کافر کہہ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ اور کئی باتیں اور اندیشے ایسے ہیں جن کی موجودگی میں جلد بازی سے کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہے۔

(روزنامہ زمیندار ۳ ستمبر ۱۹۵۲ء)

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے علاوہ دوسرا بڑا مطالبہ چوہدری ظفر اللہ خاں کی وزارت خارجہ سے علیحدگی کا مطالبہ تھا اس مطالبے کے لئے عوامی دباؤ جاری تھا لیکن چوہدری ظفر اللہ خاں کے ضمیر کو جھنجوڑنے کے لئے مولانا محمد علی جالندھری نے ان سے براہ راست مطالبہ کیا' یہ مطالبہ اخبار آزاد میں چوکھٹے کی شکل میں شائع ہوتا رہا۔ یہ مطالبہ درج ذیل تھا۔

" جناب چوہدری سر ظفراللہ خان صاحب جو مرکزی کابینہ میں پنجاب کے نمائندہ ہیں پنجاب کے ایک نمائندہ اجتماع جس میں تمام مذہبی ادارے' علمائے کرام' صوفیائے عظام' زعمائے ملت ممبران اسمبلی اور کونسلران مسلم لیگ نے بالاتفاق رائے چوہدری صاحب کی علیحدگی کا مطالبہ کیا ہے۔

☆ تمام اخبارات نے اس مطالبہ کی تائید کی

☆ تمام شہروں کی مساجد میں علیحدگی کا مطالبہ کیا گیا ہے

☆ کیا یہ چوہدری صاحب کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ نہیں۔

☆ کیا چوہدری صاحب کو خود بخود مستعفی نہیں ہو جانا چاہئے۔

☆ چوہدری صاحب ایسے مدعی قابلیت اس پر غور کریں گے۔

(مولانا محمد علی جالندھری ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت (پاکستان) اور مجلس عمل میں شامل مختلف فرقوں کے علمائے کرام تو اپنے اپنے فرقوں کے جلسوں اور مجلس عمل کے مشترکہ اجتماعات میں ختم نبوت کی تائید و حمایت کر ہی رہے تھے۔ چینی ممالک میں بھی مسئلہ ختم نبوت کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگی۔ چنانچہ ان ہی دنوں چین سے جا علمائے کرام کا ایک وفد پاکستان آیا۔ میاں افتخارالدین مرحوم نے انہیں دعوت عصرانہ دی۔ اس محفل اور اجتماع کی کارروائی بھی ملاحظہ فرمایئے۔

" چین میں کسی جھوٹے نبی کو ماننے والا ایک فرد بھی موجود نہیں۔ تمام مسلمان حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی پر ایمان رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے چین کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص ایسا جھوٹ بھی بول سکتا ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہے "۔

یہ ہیں وہ ارشادات جو چینی مسلمانوں کے وفد کے ایک ممتاز رکن مولانا طہ نے چائے کی ایک دعوت کے موقعہ پر فرمائے۔ یہ دعوت آزاد پاکستان پارٹی کے سربراہ میاں افتخارالدین مرحوم نے الحاج محمد عطا اور دوسرے چینی مسلمانوں کے اعزاز میں دی۔ اس دعوت میں مقامی علماء ماہرین تعلیم' سیاسی کارکنوں اور اخباری نمائندوں نے شرکت کی۔ (از روزنامہ آزاد ۲۴ ستمبر ۱۹۵۲ء) ء ستمبر کے آخری ہفتہ میں پھر یہ افواہ گرم ہوئی کہ حکومت چوہدری ظفراللہ خاں کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کرنے کے بعد مرکز میں ہی وزیر صنعت و حرفت بنا رہی ہے یہ بات بھی مسلمانوں کو قبول نہ تھی۔ چنانچہ اس پر ملک بھر میں احتجاج اور اظہار ناراضگی شروع ہو گیا۔ اسلامیان لاہور کا ایک اجتماع جامع مسجد نیلا گنبد میں زیر صدارت حضرت مفتی محمد حسن مرحوم منعقد ہوا اور اس میں درج ذیل قرارداد منظور کی گئی۔ جامع مسجد نیلا گنبد لاہور کا یہ

عظیم الشان اجتماع "آل مسلم پارٹیز کنونشن" کی مجلس عمل کے فیصلے کے مطابق اس اندوہناک خبر پر سخت اضطراب اور پریشانی کا اظہار کرتا ہے کہ حکومت پاکستان اس سوال پر غور کر رہی ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ کے عہدہ سے الگ کر کے کابینہ کے اندر یا باہر کسی اہم ترین آسامی پر فائز کر دیا جائے۔ یہ کارروائی مسلمانان پاکستان کے متفقہ مطالبہ کی صریح توہین ہو گی۔ لہذا یہ اجتماع عظیم یہ امر واضح کر دینا اپنا فرض خیال کرتا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کی برطرفی کے متفقہ مطالبہ کو نظرانداز کرتے ہوئے اگر حکومت نے چوہدری صاحب کو کابینہ کے اندر یا باہر کسی عہدہ پر فائز کیا تو اس سے ملک میں زبردست احتجاج اور اضطراب و بے چینی پیدا ہو گی اور ایسے حالات کی تمام تر ذمہ داری حکومت پاکستان پر عائد ہو گی۔

(روزنامہ آزاد ۲۴ ستمبر ۱۹۵۲ء)

اس کے علاوہ مجلس عمل نے ملک بھر میں ایک سرکلر جاری کر دیا اور ۳ اکتوبر کے دن یوم احتجاج منانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس سرکلر کا متن بھی شریک اشاعت کیا جاتا ہے۔

"اخبارات میں اس مضمون کی اطلاع شائع ہوئی ہے کہ حکومت پاکستان کے ارباب حل و عقد چوہدری ظفر اللہ خاں قادیانی کی وزارت سے برطرفی کے متعلق جمہور مسلمین کے عام اور متفقہ مطالبہ کو اس صورت میں تسلیم کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں کہ چوہدری صاحب موصوف کو وزارت خارجہ کے منصب جلیلہ سے ہٹا کر وزارت صنعت و حرفت کے عہدے پر فائز کر دیا جائے اس اخباری اطلاع کی بناء پر نیز اس بناء پر کہ حکومت پاکستان نے تحفظ ختم نبوت کے متعلق عامۃ المسلمین کے اہم مطالبہ کو منظور کرنے کے بارے میں زبانی جمع خرچ کرنے کے علاوہ ابھی تک کوئی عملی اقدام نہیں کیا آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب کی مجلس عمل عامۃ المسلمین سے اور بالعموم ان مذہبی انجمنوں سے جو اس کنونشن میں شامل ہیں۔ بالخصوص اپیل کرتی ہے کہ جمعۃ المبارک مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو پنجاب کے طول و عرض میں حکومت پاکستان کی ظفر اللہ نوازی کے خلاف یوم احتجاج منایا جائے اس روز تمام شہروں' قصبوں' اور دیہات میں جلسے منعقد کر کے اس مضمون کی قرار دادیں منظور کرائی جائیں کہ عامۃ المسلمین ظفر اللہ خاں قادیانی کی ذات پر کسی قسم کا اعتماد نہیں کرتے اور اسے ایک عہدے سے ہٹا کر ذمہ داری کے دوسرے عہدے پر فائز کرنے کے مجوزہ اقدام کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور حکومت کی اس روش کے خلاف پر زور صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں کہ وہ ظفر اللہ کی برطرفی کے متعلق عامۃ المسلمین کے متفقہ اور پر زور مطالبہ کو تسلیم کرنے اور جامہ عمل پہنانے میں لیت و لعل سے کام لے رہی ہے۔ نیز مجلس عمل کی تجویز یہ ہے کہ منظور شدہ احتجاجی قرار دادوں کی نقول بغرض اطلاع اس مضمون کے محضر نامے تیار کر کے ان پر زیادہ سے

زیادہ اشخاص کے دستخط ثبت کرانے کی مہم زور شور کے ساتھ ابھی سے شروع کر دی جائے اور ۳ اکتوبر کے بعد یہ محضرنامے ہزارہا دستخطوں کے ساتھ تیار کر کے ناظم اعلیٰ مجلس عمل آل مسلم پارٹیز کونشن میں پہنچا دیئے جائیں محضرناموں کی شکل بصورت ذیل ہو۔

" ہم دستخط کنندگان ذیل ظفر اللہ خاں قادیانی پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس شخص کو وزارت خارجہ کے منصب سے برطرف کر دیا جائے اور آئندہ اسے پاکستان میں ذمہ داری کا کوئی عہدہ نہ دیا جائے۔ اس عبارت کے نیچے دستخط ثبت کرائے جائے اور ناخواندہ اشخاص کے نشان انگوٹھے چھپ لگوائے جائیں۔

مجلس عمل اپیل کرتی ہے کہ یوم احتجاج پورے نظم و ضبط کے ساتھ انتہائی پرامن اور باوقار طریق سے منایا جائے۔ ابوالحسنات احمد صدر مجلس عمل آل مسلم پارٹیز کونشن پنجاب۔ محمد داؤد غزنوی ناظم اعلیٰ مجلس عمل

ماہ دسمبر میں تحریک نے نئی کروٹ لی

مجلس عمل کی میٹنگ میں غور و فکر کے بعد یہ طے ہوا کہ حضرات پیران عظام کی عملی ہمدردیاں حاصل کی جائیں اس سلسلے میں ایک تحریر لکھی گئی جس میں تحفظ ختم نبوت کے بنیادی مطالبات کو دہرایا گیا اور اعلان کیا گیا کہ حکومت ان مطالبات کو جن کی پشت پر ہر مکتب خیال کے مسلمانوں کی ہمدردیاں موجود ہیں' فوراً تسلیم کرے۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ سجادہ نشین حضرات کرام سے دستخط حاصل کرنے کے لئے وفد میں مجلس عمل کے کون کون حضرات تشریف لے جائیں۔ چنانچہ طے ہوا کہ حضرت مولانا ابوالحسنات' صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب اور مولانا عبدالغفور صاحب ہزاروی اس کار خیر کو سرانجام دیں۔ الحمدللہ کہ تینوں بزرگ ہستیوں نے پیران عظام کے دستخط حاصل کر لئے اور مجلس عمل نے اس تجویز کو پوسٹر کی صورت میں شائع کر کے پاکستان بھر میں مشتہر کیا ان پوسٹروں کا خاطر خواہ اثر ہوا حکومت منہ دیکھتی رہ گئی۔ اس پوسٹر کو پمفلٹ کی شکل میں مجلس عمل کے سیکرٹری جنرل سید مظفر علی شمسی نے شائع کیا جو یہ ہے۔

پنجاب کے نامور مشائخ کرام کی حمایت

حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں صاحب

سجادہ نشین و نبیرہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیر شریف

حضرت شیخ المشائخ شیخ الاسلام الحاج خواجہ قمرالدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف

حضرت سرکار چشت الحاج سید غلام محی الدین صاحب نائب سجادہ گولڑہ شریف
حضرت شیخ طریقت ابوالبرکات سید فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلال پور شریف و امیر حزب اللہ
حضرت شیخ طریقت سالک حقیقت سید علی حسین صاحب سجادہ نشین ثانی صاحب علی پور سیداں شریف
حضرت سالک مسالک طریقت سید الخادم مخدوم سید شوکت حسین صاحب حسنی الحسینی الگیلانی سجادہ نشین حضرت پیر پیراں موسیٰ پاک شہید ملتان شریف و سرپرست مجلس عمل نے اپنے اعلان میں مندرجہ ذیل بیان پر دستخط ثبت فرمائے اور میدان عمل میں آگے آنے کے وقت ہر قسم کی قربانی کا وعدہ فرمایا

حضرت دیوان صاحب سجادہ نشین سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیر شریف نے علیحدہ ایک ولولہ انگیز مضمون تحریر فرمایا۔ جس کی نقل مندرجہ ذیل ہے :۔
سبحان من تمت حکمتہ و عمت نعمتہ الحمد للہ والصلوٰۃ علی رسولہ و علی آلہ واصحابہ اجمعین
الحمد للہ! میں مسلمان ہوں اور حضور نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ حلقہ بگوش اور امتی ہوں۔ میرا ایمان و اعتقاد ہے کہ قرآن منزل من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام پاک میں کوئی اعتقاد ایسا نہیں چھوڑا جو انسان کی نجات کے لئے شرط ٹھہرایا گیا ہو اور وہ صاف و صریح الفاظ میں بیان نہ کر دیا گیا ہو۔ قرآن کی یہی غایت خلقا ہے اگر کسی نئی شرط اعتقاد یا کسی نئے نبی کی بعثت و ظہور پر ایمان لانا ضروری ہوتا تو لازم تھا کہ قرآن اس کو بھی واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کر دیتا۔
تمام مخالفین اسلام اور قادیانی مل کر قرآن کی ایک آیت یا اس کے کسی جز سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ حضور نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ السلام کے بعد کسی زمانے میں کوئی نبی ہوگا اور اس پر ایمان لانا نجات کے لئے شرط اعتقاد ہے ایسا عقیدہ فرمان الٰہی اور قرآن کے کھلے ہوئے اعلان
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔
کے قطعی منافی ہے جس کی قرآن میں گنجائش نہیں۔
اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت جس کا نام قرآن ہے وہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو چکی ہے اس کے خلاف قول و عمل کرنے والا خواہ وہ قادیانی ہو یا کوئی اور بلا اختلاف کفر و ارتداد کے حکم میں آتا ہے
اشتہار زیر نظر میں جو حالات اور واقعات اور ان سے برآمد شدہ خطرات و نتائج

فتنہ قادیانیت کے متعلق بیان کئے گئے ہیں اور اس حقیقت کے ماتحت جو معلومات کے گئے ہیں اتنی وسیع شہادت اور کثیر مشاہدات کی موجودگی میں ان سے انکار عقل و فکر سے بعید ہے اور مذہب و سیاست کے بھی منافی ہے

مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان موجودہ ارباب حکومت اپنی حیثیت محض ایک اجنبی ثالث کی اختیار نہیں کر سکتے اور پاکستان کی اکثریت اس حیثیت کو تسلیم نہیں کر سکتی اس لئے وہ دین کی حفاظت اور حدود اللہ کی نگہداشت کی ذمہ داریوں سے بچ نہیں سکتے کیونکہ وہ خود مدعی اسلام ہیں اور اس قوم کی اکثریت کے منتخب کئے ہوئے نمائندہ ہیں جس کا متفقہ مطالبہ ہے کہ پاکستان کا آئین صرف وہی سازگار ہو سکتا ہے جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہو

کوئی دوسرا قانون برداشت نہیں کیا جائے گا۔ یہ چیز ذہنوں سے فراموش نہیں ہو سکتی کہ پاکستان کا بنیادی مطالبہ اور اس کا وجود مکمل نظام شریعت کی امیدوں کے ساتھ وابستہ ہے اور اسی ایمان کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے اس میں تاخیر و تاویل روز افزوں بددلی کا موجب ہو گی اور اندیشہ ہے کہ اس کی ضرب پاکستان پر نہیں' ارباب حکومت کے اقتدار پر پڑے گی۔ اگر خدانخواستہ یہی لیل و نہار رہے تو ایک فتنہ مرزائیت ہی نہیں بلکہ اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بے اندازہ اور بے قیاس فتنے پیدا ہوں گے جو خدا نہ کرے' پاکستان کی سالمیت ہی کو فنا کر سکتے ہیں۔

بنا بریں میں آل مسلم پارٹیز کونشن

کی مجلس عمل پر اور خصوصاً صدر مجلس عمل مولانا ابوالحسنات صاحب پر اظہار اعتماد کرتا ہوں اور کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ خیر اندیش فقیر دیوان سید آل رسول علی صاحب سجادہ نشین سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیر شریف ہر دو حضرات مشائخ عظام نے عرس سیال شریف کے موقع پر مندرجہ ذیل مضمون مرتب فرما کر دستخط کئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امت محمدیہ (کثرھا اللہ) کا تیرہ صدیوں سے یہ متفق علیہ عقیدہ ہے کہ سرور کائنات و فخر موجودات سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور سلسلہ نبوت و رسالت آپ کی ذات گرامی پر ختم ہو چکا ہے اور قصر نبوت جو آپ کی بعثت سے پہلے ناتمام تھا وہ آپ کی بعثت مبارک سے مکمل ہوا اور آپ کے بعد کوئی شخص کسی معنی سے نبی کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ امت محمدیہ کے اس عقیدہ کے خلاف مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس امر کا مدعی ہوا کہ اسے وحی ہوتی ہے اور اس کی وحی کو (معاذ اللہ) وہی درجہ حاصل ہے جو قرآن کریم کا درجہ ہے اور اسے نبی اللہ نہ ماننے والے (معاذ اللہ)

ویسے ہی کافر ہیں جیسا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے والے کافر ہیں اور اسی عقیدہ کی بنا پر اس نے اپنے ماننے والوں کی بطور ایک امت کے الگ تنظیم کی اور نہ ماننے والوں کو دشمن قرار دے کر دینی اور دنیاوی معاملات میں مقاطعہ کا حکم دیا۔

بنا بریں ہم دستخط کنندگان ذیل کی رائے میں مرزائی جماعت (جو اپنے آپ کو احمدیہ جماعت کہتی ہے) مسلمانوں سے الگ ایک دوسری قوم ہے ہم یہ صورت حال قطعاً برداشت نہیں کر سکتے کہ امت محمدیہ کے اندر دوسری امت کے طور پر مرزائی شامل ہوں اور اسلامی مملکت کی فوج اور سول محکموں میں امت مسلمہ کے طور پر شریک ہوں اور اپنی جتھہ بندی کے ساتھ مزید مرزائیوں کو ملازمتوں میں داخل کریں اور مسلمانوں کو دھکیل کر مرزائیوں کی ترقی کے لئے راستہ صاف کریں اور اس بارے میں ان کی سازشیں اس حد تک پہنچ جائیں کہ وہ پاکستان میں مرزائیوں کی حکومت قائم کرنے کے منصوبے تیار کر رہے ہوں۔

ہم دستخط کنندگان ذیل کی رائے میں تمام محکموں پر مرزائیوں کے چھا جانے اور مرزائی حکومت کے منصوبے تیار کرنے کا سب سے بڑا باعث چوہدری ظفر اللہ خان کا عہدہ وزارت خارجہ پر متمکن ہونا ہے جو سرکاری ملازمتوں میں مرزائیوں کو گھسانے اور اپنی سرکاری پوزیشن کو مرزائیت کی تبلیغ میں استعمال کرنے کے لئے پہلے ہی حد درجہ بدنام تھے اور اب اس عہدہ پر فائز ہونے سے مرزائیت کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ بن گئے ہیں اور نہ صرف پاکستان بلکہ وزیر خارجہ ہونے کی حیثیت سے متعدد مسلم ممالک کی تائید و حمایت کے جب مواقع اسے ملے تو اس سے فائدہ اٹھا کر باہر کے مسلم ممالک میں بھی تبلیغ مرزائیت کا دائرہ وسیع کرنا شروع کر دیا ہے اور چوہدری ظفر اللہ کے اس طرز عمل سے جو آگ مرزائیت کے خلاف پاکستان میں بھڑک رہی ہے وہ بیرون پاکستان میں بھی نہ بھڑک اٹھے اس لئے ہم دستخط کنندگان ذیل دستور ساز اسمبلی کے اراکین اور وزارت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ

"مرزائی جماعت کو امت محمدیہ سے الگ غیر مسلم فرقہ قرار دے کر چوہدری ظفر اللہ کو عہدہ وزارت سے برطرف کر دے اور مرزائیوں کو فوج اور سول محکموں کی کلیدی آسامیوں سے علیحدہ کر دے اور مرزائیوں کو ان کی اپنی آبادی کے تناسب سے زیادہ ملازمتوں میں حصہ نہ دے۔" اس سلسلہ میں ہم آل مسلم پارٹیز کنونشن کے ان فیصلوں کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں جو قادیانیوں کو قانونی حیثیت سے غیر مسلم اقلیت قرار دینے' چوہدری ظفر اللہ کو عہدہ وزارت سے برطرف کرنے' قادیانیوں کو تمام کلیدی آسامیوں سے علیحدہ کر دینے اور ایسے قادیانی لٹریچر کے ضبط کر دینے کے متعلق ہے جس میں انبیاء کرام اور اہل بیت اطہار کی توہین کی گئی ہے اور آل مسلم پارٹیز کنونشن کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مجلس عمل پنجاب کی مساعی کو ہم

پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور مجلس عمل کے اراکین اور بالخصوص صدر مجلس عمل حضرت مولانا ابوالحسنات صاحب پر کامل اعتماد کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے تمام احباب و یاران طریقت سے امید کرتے ہیں کہ وہ مجلس عمل کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں گے اور اس تحریک کو کامیاب بنانے میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں فرمائیں گے

فقیر قمرالدین سجادہ نشین سیال شریف

مسافر چند روزہ غلام محی الدین عفی عنہ گولڑہ

الفقر ابوالبرکات کان اللہ سجادہ نشین جلال پور شریف و امیر حزب اللہ علی حسین بقلم خود علی پور سیداں فقیر شوکت حسین ملتان

مرزائیوں کے ہاں بڑی ہلچل ہوئی مرزا محمود قادیانی سخت پریشان ہوا۔ تحریک نے ایک نئی کروٹ لی۔ پاکستان کے گوشے گوشے میں تحریک سے دلچسپی لی جانے لگی۔ تحریک کی مخالفت کے لئے مرزائیوں اور حکومت کے دامن بالکل خالی ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ سجادہ نشین حضرات کے اعلان نے مرزائیوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ پیر صاحب گولڑہ شریف' پیر سیال شریف' پیر جوڑا شریف اور دیوان صاحب سرگودھا کے وسیع حلقہ اثر میں تحریک تحفظ ختم نبوت پورے شباب پر آگئی

لاہور کنونشن

۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو اتوار کے دن صبح آٹھ بجے آل مسلم پارٹیز کنونشن کا ہنگامی اجلاس برکت علی محمڈن ہال لاہور میں زیر صدارت حضرت مفتی محمد حسن صاحب منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف' دیوان صاحب اجمیر شریف' غرضیکہ پیران عظام اور حضرات علماء کرام بتعداد کثیر ہر گوشے سے تشریف لائے۔ اس اجتماع میں تقریباً سات سو جید علماء اور پیران عظام نے شرکت کی اجتماع کے دعوت نامے پر حسب ذیل حضرات کے اسمائے گرامی درج تھے۔

مولانا غلام محمد ترنم' مولانا مفتی محمد حسن' مولانا احمد علی مولانا محمد علی جالندھری۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی۔ مولانا سید نورالحسن بخاری۔ سید مظفر علی شاہ۔

یہ دعوت نامہ مولانا غلام غوث ہزاروی کے دستخط سے جاری ہوا تھا۔

اجلاس میں تمام مدعوین پہنچے ہوئے تھے' ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تمام فرقوں کے چوٹی کے رہنما موجود تھے یہ نظارہ بڑا ہی رقت انگیز اور ایمان افروز تھا۔

شاہ جی کی آمد

تمام مندوبین ہال میں آ کر بیٹھ گئے اور آخر میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ پہنچے۔ تمام حضرات احتراماً کھڑے ہو گئے۔ شاہ جی کو اسٹیج کے سامنے کرسیوں کی پہلی قطار میں جگہ دی گئی۔ شاہ جی بیٹھنے لگے تو کسی نے بتایا کہ آپ کے دائیں طرف صاحبزادہ غلام محی الدین سجادہ نشین گولڑہ شریف تشریف فرما ہیں۔ شاہ جی پھر اٹھے اور احتراماً صاحبزادہ صاحب کے پاؤں کی طرف دونوں ہاتھ بڑھا دیئے' صاحبزادہ صاحب نے فوراً شاہ جی کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اوپر کو اٹھا کر شاہ جی سے گلے ملے اس وقت شاہ جی اپنے پیرو مرشد حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کا یہ مصرعہ بار بار پڑھ رہے تھے۔

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیں کتھے جا لڑیاں

اس اجلاس میں تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء کرام نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اجلاس میں چار پیش شدہ مطالبات کی حمایت کی۔ وہ چار مطالبات یہ تھے۔

ا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔
۲۔ ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ کے عہدہ سے علیحدہ کیا جائے۔
۳۔ تمام کلیدی آسامیوں پر متعین قادیانی افسروں کو علیحدہ کر دیا جائے۔
۴۔ ربوہ کی بقیہ اراضی پر مہاجرین کو آباد کیا جائے۔

مسئلہ ختم نبوت کی برکتوں کا ظہور ہو رہا تھا۔ صدیوں کے مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام ایک جگہ جمع تھے۔ حضور کی ختم نبوت کے تحفظ اور منکرین ختم نبوت کے استیصال کے لئے ایک دوسرے کی تائید کر رہے تھے۔

صاحبزادہ گولڑہ شریف اور راولپنڈی کے مشہور عالم دین مولانا غلام اللہ خاں کا اختلاف کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ لیکن حضرت پیر گولڑہ شریف نے اعلان کیا۔

" حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے تحفظ کے لئے میں مولانا غلام اللہ خان کے جوتے بھی اٹھانے کے لئے تیار ہوں!" علماء کرام اور مشائخ عظام کا یہ تاریخی اور مثالی اجتماع تھا

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری

۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء برکت علی ہال میں منعقد ہونے والا آل مسلم پارٹیز کنونشن دراصل حضرت امیر شریعت سید عطاللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی تجویز کے مطابق بلایا گیا تھا مختلف الخیال علماء

مشائخ کا ایک جگہ اکٹھا کرنا آگ' پانی کو یکجا کرنے سے بھی مشکل تھا۔ یہ حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت ہی تھی اور ان کے اخلاص کی برکت تھی کہ ایک ناممکن بات وقوع پذیر ہو گئی۔ یہاں ایک بات اشارتاً عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج کل جو حالات مملکت پاکستان کے ہیں وہ کسی شخص پر مخفی نہیں ہیں۔ اس ملک میں مسلمانوں اور اسلام ہر دو کا وجود خطرہ میں ہے بے دین اور دیندار مسلمانوں کی کشمکش اپنے عروج پر ہے اس وقت بھی ضرورت ہے کہ علماء مشائخ کو یکجا جمع کیا جائے اس کی ضرورت ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ لیکن ایسا ہو نہیں رہا بلکہ علماء آپس میں الجھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہی وقت ان کے اتحاد کا تھا ایسا کیوں نہیں ہو رہا؟ اصل وجہ یہ ہے کہ اسلام کے علمبردار ہونے کے مدعی تو موجود ہیں۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسا بے نفس سراپا' اخلاص اور بھرپور شخصیت کا مالک ان میں موجود نہیں ہے۔

اپنی تجویز کے مطابق منعقد ہونے والے آل مسلم پارٹیز کنونشن کی منتخب کردہ مجلس عمل کو کامیاب بنانے میں حضرت شاہ جی نے بھرپور حصہ لیا۔ آپ نے پیرانہ سالی اور صحت کی خرابی کے باوجود طوفانی دورے کئے' اپنی شعلہ نوائی سے پورے ملک کے عوام کو تحریک کے حق میں بیدار اور منظم کر دیا۔

چنانچہ تھانہ کیپ کی فائرنگ تحریک کے رہنماؤں کی گرفتاریوں اور اس پر صوبہ بھر میں قیامت خیز جلسوں جلوسوں' لاہور میں آل مسلم پارٹیز کنونشن کے انعقاد حکومت پنجاب کی شکست اور پسپائی کے بعد حضرت شاہ صاحب نے اپنی تازہ سرگرمیوں کا آغاز اس جلسہ سے کیا جو ملتان میں تھانہ کیپ کے حادثہ کے سلسلہ میں حضور سرور کائنات کی ذات اقدس پر قربان ہو جانے والے چھ شہیدوں کی یاد میں بلایا گیا تھا۔ لاکھوں کا اجتماع اور بخاری کی تقریر آج اس کیفیت کا کون تصور کر سکتا ہے؟ شاہ صاحب نے ملتان کے شہدائے ختم نبوت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ "شہدائے ملتان نے تحفظ ناموس رسالت کے لئے خون بہا کر تاریخ اسلام کو رنگین بنا دیا ہے۔

"حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تحفظ ختم نبوت کے لئے سات ہزار حافظ قرآن صحابہ کرام کو قربان کروا دیا تھا۔" "میں شہدائے ملتان کے والدین کو مبارکباد دیتا ہوں جن کے نذرانے سرکار دو عالمؐ کے حضور قبول کر لئے گئے ہیں۔"

"یوں تو ہزاروں بچے جنم لیتے اور مرتے ہیں مگر ان شہیدوں کی موت حیات جاوداں بن کر آئی ہے۔"

عوام میں اتنا جذبہ اور جوش تھا کہ شاہ صاحب کی تقریر سننے والا ہر سامع تمنا کر رہا تھا کہ

اے کاش ناموس مصطفیٰ کے لئے میں بھی ان شہیدوں کے ہمراہ قربان ہو گیا ہوتا۔

شاہ جی کی تقریر

حضرت شاہ صاحب نے اس اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قرآن مجید کی یہ آیت پاک تلاوت فرمائی

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○

ترجمہ = "کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ محض ایمان لانے سے ہی نجات حاصل کر لیں گے اور ان کی کوئی آزمائش نہ ہوگی۔ حالانکہ وہ تمام لوگ آزمائے جا چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ پس معلوم کرے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو حق و صداقت پر ہیں۔ اور ان لوگوں کو جو کذاب اور مفتری ہیں۔"

آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اسلام کے بنیادی عقیدہ کو گزند پہنچانے کی ناپاک کوشش کی۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کذب اور مفتری سے کسی قسم کا مناظرہ کر کے دعویٰ نبوت کے جواز میں دلیل طلب نہیں کی اگر کیا تو یہ کیا کہ سات ہزار سے زائد حافظ قرآن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ناموس رسالت اور تاج و تخت ختم نبوت پر قربان کروا دیے۔ اور اس طرح مسلمانوں کی متاع دین و ایمان کو ایک عیار اور مکار کی دست برد سے بچا لیا۔ اور آئندہ کے لئے ملت اسلامیہ کو سبق دیا کہ جو شخص اس قسم کی ناپاک کوشش کرے اس کے متعلق اسلام اور ملت اسلامیہ کا فیصلہ کیا ہے۔

ملتان کے غیور اور صاحب ایمان مسلمانوں نے بھی اس دور پر آشوب میں جب کہ کفر و ارتداد کی سیاہ گھٹاؤں نے ایمان و ایقان کو پریشان کر رکھا تھا۔ اسلام کی لاج رکھ لی اور اپنے جگر گوشوں کو شمع رسالت پر پروانہ وار نثار کر کے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان آج بھی فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی خاطر گولیوں کی بارش میں مسکرا سکتا ہے۔ شاہ جی نے اپنے مخصوص انداز میں ترنم سے یہ شعر پڑھا۔

رتبہ شہید ناز کا گر جان جایئے
قربان جانے والے کے قربان جایئے

اور اپنے ایثار و اخلاص سے جمہور مسلمین کے دینی مطالبہ میں روح پھونک دی۔

حضرت شاہ صاحب نے نہایت ہی رقت آمیز اور جذبات انگیز لہجہ میں فرمایا خدا کی قسم

نچھاور ہوں تم پر اے شہیدان ناموس رسالت' سلام ہو تم پر اے ختم المرسلین کی عزت و ناموس پر قربان ہونے والو' مبارک ہیں تمہارے والدین جن کے نذرانے سرکار رسالتمآب میں شرف قبولیت حاصل کر گئے۔ شاہ صاحب نے آخر میں فرمایا یوں تو اس دنیا میں ہزاروں بچے جنم لیتے اور مرجاتے ہیں ہزاروں کلیاں کھلتی ہیں اور باد سموم کی تھپیڑوں کی تاب نہ لا کر مرجھا جاتی ہیں۔ مگر وہ موت جو حق اور راستی کی راہ میں آئے حیات جاوداں بن کر آتی ہے۔ (روزنامہ آزاد ۲۸ جولائی ۱۹۵۲ء)

کنونشن کا دوسرا اجلاس

مولانا تاج الدین انصاری فرماتے ہیں کہ

دوسرا اجلاس بعد از دوپہر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ہال سے باہر فدایان ختم نبوت کا بے پناہ ہجوم تھا۔ اس اجلاس میں تین مطالبات متفقہ طور پر پیش کیے گئے۔ مطالبات یہ تھے

۱۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے برطرف کیا جائے۔

۳۔ کلیدی آسامیوں سے مرزائی افسروں کو ہٹا دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ علماء کرام اور عوام عظام کا یہ تاریخی اجتماع بہت ہی نتیجہ خیز ثابت ہوا' حکومت کی جانب سے یہ پراپیگنڈہ ہوتا تھا کہ احرار وطن دشمن ہیں۔ انھیں بھارت سے روپیہ ملتا ہے۔ یہ مرزائیوں کے بہانے اپنا کھویا ہوا اثر و رسوخ دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس گمراہ کن اور لغو پراپیگنڈے نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں تھیں۔ اس پراپیگنڈہ کو مرزائی اپنے اثر و رسوخ سے مسلم لیگ کے کیمپ سے ملاتے تھے مسلم لیگ کی حکومت تھی۔ سر ظفر اللہ کا طوطی بولتا تھا۔ خواجہ ناظم الدین دیندار ہونے کے باوجود اس پراپیگنڈہ سے متاثر تھے۔ مگر جب آل مسلم پارٹیز کے اس تاریخی اجتماع میں علماء کرام اور عوام عظام نے احرار سے بھی زیادہ سخت رویہ اختیار کیا۔ اور بگی لپٹی رکھے بغیر حکومت کو واضح الفاظ میں سمجھا دیا کہ یہ مطالبات ساری قوم کے مطالبات ہیں۔ اگر ان مطالبات کو تسلیم نہ کیا گیا تو حکومت کو رائے عامہ سے ٹکر لینا ہو گی۔ تو حکومت نے کان کھڑے کیے۔ خواجہ ناظم الدین نے بھی ہوش سنبھالا اور غلط اور گمراہ کن پراپیگنڈے کا زور ٹوٹ گیا۔ اس شاندار اجتماع کے بعد تحریک کا رخ بدل گیا۔ کوئی مسجد ایسی نہ تھی جس میں رد مرزائیت کے سلسلے میں جلسہ یا وعظ نہ ہوا ہو۔ کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں اجتماع کے بعد یہ مطالبات نہ دہرائے گئے ہوں۔ ساتھ ساتھ ہم لوگوں کی

رہائی کا مطالبہ بھی زور پکڑ گیا۔ تاآنکہ حکومت مجبور ہو گئی۔ اور اس نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس تاریخی اجلاس کی کیفیت ہی عجیب تھی۔ تحفظ ختم نبوت کے لئے بے پناہ جذبہ موجود تھا۔ مخلص بیانوں نے عشق رسول ؐ میں سرشار ہو کر حرمت رسول پر کٹ مرنے کے لئے کیا کچھ نہ کہا ہو گا۔

اس اجلاس کے انعقاد سے قبل حکومت تذبذب میں مبتلا تھی۔ کبھی وہ یہ خیال کرتی کہ سب مکتب خیال کے علماء اور پیران عظام اگر ایک جگہ جمع ہو گئے اور کوئی فیصلہ کر بیٹھے تو حکومت مفلوج ہو کر رہ جائے گی۔ اس لئے اس اجتماع پر پابندی لگا دی جائے پھر خیال آیا کہ اگر پابندی لگا دی گئی تو یہ پراپیگنڈہ ختم ہو جائے گا کہ یہ سوال احراریوں نے طالع آزمائی کے لئے کھڑا کیا ہے اس لئے کہ پابندی ان لوگوں پر لگائی جائے گی جنہیں احرار کے خلاف یا کم از کم احرار سے آج تک دور رکھنے کی کوشش کی گئی ہے غرضیکہ اس تذبذب میں حکومت کے اعلیٰ عہدیدار اور وزراء مشورے کرتے رہے اور کوئی فیصلہ نہ کر سکے تاآنکہ اجلاس کی متعین تاریخ سر پر آ پہنچی۔ تب حکومت نے براہ راست مداخلت کی ٹھانی یعنی یہ کہ سرکاری کارندے اجلاس میں شریک ہوں۔ احرار کے تجربہ کار سالاروں اور رضاکاروں نے جرات' جوانمردی اور سیاسی فراست کا ثبوت دیا اور کسی سرکاری آدمی کو ہال کے اندر جانے نہ دیا۔ اس پابندی پر جھگڑے کا احتمال تھا مگر بپھرے ہوئے مسلمانوں اور مذہبی رہنماؤں کے اجتماع نے حکومت کو ایسا مرعوب کیا کہ وہ رک گئی۔ یہ اجتماع بہت دوررس نتائج کا حامل ہوا۔ اور سارا پنجاب سرحد اور سندھ بے حد متاثر ہوا۔ اور مسئلہ تحفظ ختم نبوت پوری آب و تاب سے مسلمانوں کا قومی اور مذہبی مسئلہ قرار پا گیا۔ ان حالات میں یہ چرچا عام ہو گیا کہ اس گراں قدر بوجھ کو تنہا احرار کے کندھوں پر نہ ڈالا جائے۔ ساری ملت تحفظ ختم نبوت کے مقدس فرض کی ادائیگی میں بقدر استطاعت حصہ لے اور تنہا احرار کو مرزائیوں اور حکومت کی ملی بھگت کا ہدف بننے کا موقعہ نہ دے۔

اس بارے میں ذمہ دار حضرات نے تگ و دو شروع کر دی۔ اب سوال یہ تھا کہ مسلمانوں کی کس کس جماعت کو دعوت دی جائے۔ اندیشہ یہ تھا کہ آج تک اختلافی مسائل کے جھمیلوں میں مسلمانوں نے جو گروہ بندی یا الگ الگ جماعتیں بنا رکھی ہیں۔ یہ کیونکر ایک دوسرے کے قریب آئیں گی۔ مگر برکت علی محمڈن ہال کے مشترکہ اجتماع نے حوصلہ دلایا کہ مسئلہ ختم نبوت ہی ایک ایسا متفقہ اور بنیادی مسئلہ ہے جس میں شیعہ' سنی اہلحدیث دیو بندی' بریلوی سب کے سب متفق ہیں۔ سرکار مدینہ ہی کے نام کی برکت سے مسلمانوں کی تمام جماعتوں کو خواہ وہ کسی بھی مکتب خیال سے تعلق رکھتی ہوں' آسانی سے جمع کیا جا سکتا ہے

آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا قیام

مسلمان جماعتوں کا جب یہ جذبہ انتہائی عروج کو پہنچ گیا کہ سب کو مل کر ختم نبوت کے بنیادی مسئلے پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے تو اس کونشن کی تجاویز کی روشنی میں مندرجہ ذیل جماعتوں کے نمائندوں کا اجتماع منعقد ہوا۔ جمیعت علماء پاکستان' جمیت علماء اسلام مجلس احرار۔ جماعت اسلامی۔ جماعت اہل حدیث مجلس تحفظ ختم نبوت۔ تنظیم اہل سنت والجماعت ادارہ تحفظ حقوق شیعان پاکستان' اخباری نمائندگان۔ مولانا اختر علی خاں۔ مولانا میکش پہلا اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری کارخانہ حاجی دین محمد باداتی باغ میں منعقد ہوا۔ ابتدائی گفتگو نہایت ہی خوشگوار ماحول میں ہوئی۔ نمائندگان نے اپنی جماعتوں سے اجازت حاصل کر لی تھی کہ وہ ذمہ دارانہ حیثیت سے اس گفتگو میں شمولیت فرمائیں گے۔ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی علالت طبع کے باوجود اس اجلاس میں شامل ہوئے۔

مجلس عمل کی مکمل تشکیل

صدر = حضرت مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری (جمیعت العلماء پاکستان) نائب صدر۔ مولانا محمد طفیل صاحب (جماعت اسلامی) ناظم اعلیٰ مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی جمیعت اہلحدیث ناظم ــ سید مظفر علی شمسی (ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان) ہر جماعت سے دو دو نمائندے لئے گئے۔ جن کی فہرست درج ذیل ہے

۱۔ مجلس تحفظ ختم نبوت۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ مولانا محمد علی جالندھری
۲۔ جمیعت العلماء پاکستان۔ مولانا ابوالحسنات صاحب مولانا غلام محمد
۳۔ جمیعت العلماء اسلام۔ مولانا محمد طفیل صاحب' مولانا عبدالحلیم
۴۔ جمیعت اہلحدیث' مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی۔ مولانا عطاء اللہ حنیف
۵۔ جمیعت المشائخ صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب
۶۔ جماعت ناجیہ۔ مولانا محمد امین صاحب ترنگزئی
۷۔ انجمن حزب الاحناف مولانا غلام دین صاحب۔ مولانا ارشد خیالوی
۸۔ جماعت اسلامی۔ مولانا نصر اللہ خان عزیز۔ مولانا محمد طفیل صاحب
۹۔ تنظیم اہل سنت والجماعت مولانا نور الحسن شاہ بخاری۔ مولانا عبدالعلیم
۱۰۔ مجلس احرار اسلام ماسٹر تاج الدین انصاری' شیخ حسام الدین

اخبارات کی جانب سے مولانا اختر علی خاں اور مولانا میکش

جونہی مجلس عمل نے میدان عمل میں قدم بڑھایا' مسلمانوں کے اس اقدام سے قادیانی محل کی دیواریں متزلزل ہونے لگیں۔ خلیفہ محمود نے اس صورت حال کو بھانپا اور جب محسوس

کیا کہ مسلمانوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ رد مرزائیت اور تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں مل کر کام کریں گے تو وہ بوکھلا گئے اور اول فول بکنا شروع کیا۔ انہیں یہ محسوس ہوا کہ ان کے بلوائی تربیت پر مایوسی اور ہراس چھا رہا ہے تو اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے انہیں کراچی اور سر ظفر اللہ خاں کو ربوے آنا جانا پڑا' خاموش بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے کی بجائے انہوں نے مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ مرزا محمود کو الہامی خواب آنے لگے۔

طریق کار

خلیفہ محمود اپنی کامیابی کے لئے ایک پروگرام مرتب کرتے ہیں اور انہیں لباس عمل پہنانے کے لئے اعلان کرنا چاہتے ہیں تو وہ کھل کر بات نہیں کرتے۔ بلکہ الفضل کے ذریعے اپنا ما فی الضمیر استعاروں میں بیان فرماتے ہیں۔ پروگرام کے مطابق انہیں خواب آتا ہے وہ اپنے خواب کو رویا و کہتے ہیں۔ان کے ماننے والے اور عقیدت مند جانتے ہیں کہ خلیفہ محمود قادیانی نبی کا کامیاب بیٹا ہے۔ الفضل ان خوابوں کو نہایت اہتمام سے چھاپتا ہے۔ مرزائی حضرات اس خواب کا مطلب سمجھ جاتے ہیں اور بیگانے شور مچا کر حکومت کو متوجہ کرتے ہیں کہ دیکھئے مرزا محمود کیسے خطرناک خواب بیان فرما رہے ہیں حکومت سنتی ہے تو اسے مرزا محمود کے کھونٹے کی جانب دیکھنا ہوتا ہے اگر عوام کے احتجاج میں زیادہ زور ہوا تو حکومت بحالت مجبوری قانون کو حرکت میں لانا چاہتی ہے قانونی مشیر سے دریافت کیا جاتا ہے کہ مرزا محمود اور اس کا آرگن قانونی گرفت میں آ سکتا ہے جواب ملتا ہے قانون عاجز ہے۔ مرزا محمود یا الفضل قانون کی گرفت سے باہر ہیں۔ خواب کی بات ہی کیا خواب گیا بات گئی۔ اس طرح مروجہ قانون منہ تکتا رہ جاتا ہے اور مرزا محمود اپنا پروگرام سمجھا اور چلا لیتے ہیں۔

مرزا محمود کو خواب آیا

مجلس عمل کے قیام سے قبل جب احرار نے مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں کو طشت ازبام کر کے یہ ثابت کر دکھایا کہ امت مرزائیہ' ملت اسلامیہ کی بدترین دشمن ہے وہ اسلام کے بنیادی مسئلے کو تسلیم نہیں کرتی تو مرزائیوں نے بھی احرار کے خلاف اتہامات کا طوفان کھڑا کر رہا۔ کبھی احرار کو پاکستان کا دشمن بتایا اور کبھی بھارت کا ایجنٹ بتا کر عوام میں احرار کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی مگر حق کی فتح ہوئی اور مرزائیوں کے اوچھے وار ناکام ہو گئے۔ امت مرزائیہ مسلمانوں کی نگاہوں میں کھٹکنے لگی۔ تا آنکہ مرزائیوں کے کیمپ میں ہراس پھیل گیا اور مرزا محمود خود بھی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ مرزا محمود

نے محسوس کیا کہ زمین ان کے پیروں تلے سے نکلی جا رہی ہے اور یہ کہ مرزائی کیمپ پر مردنی چھا گئی ہے تو خلیفہ صاحب نے خوابوں کا پروگرام چالو کر لیا۔ خواب بیان کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس خواب کا پس منظر بیان کر دیا جائے حالات ایسے ہو گئے تھے کہ امت مرزائیہ کو پاکستان کی سرزمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تنگ نظر آنے لگی مرزا محمود نے اپنے خطبوں میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مرزائیوں کو پاکستان سے باہر رشتے ناطے تلاش کرنا چاہئیں تاکہ مصیبت کے وقت پاکستان سے جانا پڑے تو باہر کے رشتہ داروں کے ہاں ٹھکانہ مل سکے۔ ان پیش بندیوں نے امت مرزائیہ کو بالکل بے حوصلہ کر دیا۔ اب مرزا محمود کو نئی ترکیب سوجھی اس نے بھارت کا سہارا لینا چاہا۔ ظاہر ہے کہ بھارت اور پاکستان دو ہمسایہ ملک ہیں' سرحدیں ملتی ہیں۔ چنانچہ مرزا محمود نے ایک روز بڑا عجیب و غریب خواب دیکھا۔ مرزا محمود نے خود ہی فرمایا کہ کیا دیکھتا ہوں' میں ایک چارپائی پر لیٹا ہوا ہوں اتنے میں مہاتما گاندھی جی میری طرف آئے اور چارپائی پر میرے ساتھ لیٹ گئے تھوڑی دیر لیٹے۔ پھر اٹھ کھڑے ہوئے میں نے دیکھا کہ ان کا جسم کس قدر موٹا ہے۔

خواب کی تعبیر

خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے مرزا محمود نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ "پاکستان اور بھارت دونوں ملک پھر اکٹھے ہو جائیں گے ان دونوں ملکوں کی علیحدگی عارضی ہے۔" دیکھا مرزا محمود نے کتنی خوفناک پیشین گوئی کی اور کس خوبصورتی سے اپنے پاوا کی امت کو تسلی دی کہ پاکستان میں اگر آج مرزائیوں کی ریشہ دوانیاں طشت ازبام ہو چکی ہیں تو کیا ہوا ہم بھارت سے تعلق پیدا کر لیں گے اور یہ پاکستان ہے کیا بلا یہ تو رہے گا نہیں۔ چند دنوں کی بات ہے دونوں ملک ایک ہو جائیں گے اس قسم کی باتیں ملک سے غداری اور صریح بغاوت کا پیش خیمہ ہیں مگر مرزا محمود کو کسی نے ٹوکا تک نہیں۔ کسی نے یہ تک نہیں پوچھا کہ مرزا صاحب آپ کے منہ میں کتنے دانت ہیں؟ اس خواب کا خاطر خواہ اثر ہوا مرزائیوں کو ایک امید بندھی کہ پاکستان تھوڑے عرصے میں ختم ہو جائے گا' گاندھی جی مرزا محمود کی چارپائی پر لیٹ کر پیار کر گئے ہیں۔ مرزا محمود نے بادل نخواستہ ان کے ساتھ رہنا قبول کر لیا۔ اب مرزائیوں کا بھارت سے پکا یارانہ ہو جائے گا گھبرانے کی بات نہیں ہے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ حوصلے سے چند دن گذارا کرو۔ غرضیکہ خواب بیان کرتے ہوئے مرزائیوں کو خلیفہ محمود نے جگا لیا اور مطلب حل کر لیا۔

مرزا محمود نے مرزائیوں کو اکسایا

مرزا محمود کے پہلے خواب یعنی گاندھی جی کے قرب والے خواب سے امت مرزائیہ نئے انداز فکر سے لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں اتر آئی۔ لیکن مناظروں کا چیلنج کہیں ظفر اللہ خاں کا دورہ اور کہیں مرزائی افسروں کے سہارے غرضیکہ مرزائیوں نے اودھم مچانا شروع کیا جس کمانے پیٹے مرزائی کو دیکھو پستول لٹکائے پھرتا ہے اور جس مبلغ کو دیکھو لٹھ لئے پھرتا ہے۔ اچھی خاصی ہلچل شروع ہو گئی۔

مرزا محمود نے ایک خوفناک تقریر کی اس تقریر میں مرزا محمود نے بڑے حوصلے سے امت مرزائیہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے پیارو کی امت! ۱۹۵۲ء گزرنے نہ پائے مرزائیت کے ہر مخالف کو مجبور کردو کہ وہ مرزائیت کے سامنے جھک جائے اور ہتھیار ڈال دے اس تقریر سے کافی حد تک تلخی پیدا ہوئی اور حالات بگڑ گئے جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ حکومت مرعوب تھی سر ظفر اللہ خاں سب پر بھاری تھے حکومت کے کل پرزے مرزائیت کے مقابلے میں شل ہو چکے تھے۔ مرزا محمود کو نہ کوئی نوٹس جاری ہوا اور نہ حکومت نے مرزا صاحب کو اس قسم کی فساد انگیز تقریر کرنے سے منع کیا۔ اگر کوئی مسلمان عالم کہیں اتنی سی بات کہہ دیتا کہ ۱۹۵۲ء گزرنے نہ پائے۔ ختم نبوت کے منکر جانے نہ پائیں اور انہیں اس قدر مجبور کر دیا جائے کہ وہ اسلام کے سامنے جھک جائیں اور ہتھیار ڈال دیں اور فاسد عقیدے سے تائب ہو جائیں تو ایک قیامت بپا ہو جاتی۔ حکومت کی مشینری فوراً حرکت میں آجاتی اور مسلمان عالم کو خانہ خدا کی بجائے جیل میں قیدیوں کے سامنے وعظ کہنے پر مجبور ہو جانا پڑتا۔ "آزاد" ایسی تقریریں شائع کر دیتا تو وہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا اور اس کے ایڈیٹر کو جیل کی ہوا کھانا پڑتی۔ حکومت نے ایک آنکھ موند رکھی تھی۔ اسے بالکل نظر نہ آتا تھا کہ مرزائی کیا گل کھلا رہے ہیں اس کا عتاب صرف مسلمان جماعتوں پر تھا۔

مرزائی سرکاری ملازمین کو ہدایت

خلیفہ محمود ایک قدم اور آگے بڑھے اور الفضل کے ذریعے مرزائی سرکاری ملازمین کے نام ہدایات جاری کیں جن کا مفہوم یہ تھا کہ ملازمت کے یہ معنی نہیں کہ اس ذریعے سے صرف روٹی کمائی جاوے بلکہ اس ذریعے سے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مرزائیت کی کیا خدمت ہوئی یعنی مرزائی سرکاری ملازمین کو سرکاری ملازمت میں رہتے ہوئے مرزائیت کے مبلغ کا کام بھی کرنا چاہئے۔ یہ ہدایت ایسی تھی جس پر حکومت کو فوراً نوٹس لینا چاہئے تھا۔ تبلیغ کانفرنسوں میں علماء حضرات نے احتجاج کیا۔ اخبارات بے مقالے لکھے "آزاد" نے مسلسل لوادیے لکھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے حکومت کیوں خاموش ہے اور مرزا محمود کو کیوں کھلی چھٹی دے رکھی ہے مگر

حکومت کی مشینری میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی اور خلیفہ محمود من مانی کارروائیاں کرتے رہے۔

ایک خطرناک واقعہ

اٹک کے پل پر پولیس کے علاوہ فوجی پہرہ بھی موجود رہتا ہے آنے جانے والوں کی سختی سے دیکھ بھال کی جاتی ہے ایک روز پل کے پہرہ داروں نے ایک مشکوک ٹرک کو روک لیا۔ تلاشی لینے پر اس ٹرک سے تھری ناٹ تھری کی رائفلیں برآمد ہوئیں۔ یہ رائفلیں ایک مرزائی کپتان چرا کر لے جا رہا تھا۔ ٹرک پکڑا گیا اور فوجی کپتان کو حراست میں لے لیا گیا اس کے بعد ضابطے کے مطابق مرزائی فوجی کپتان کو فوج کے سپرد کر دیا گیا ہو گا۔ تاکہ اس کے خلاف فوجی عدالت میں کارروائی ہو۔ ہمیں اتنا دور جانے کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہمیں یہ حق پہنچتا تھا کہ ہم دریافت کرتے کہ اس فوجی کپتان کا کیا حشر ہوا مگر اس واقعے سے جب یہ اخبارات میں شائع ہوا تو ایک سنسنی پھیل گئی ہم نے اسے ایک بار شائع کیا حکومت کو متوجہ کرنے کے بعد اسے اخبارات میں اچھالنا خلاف مصلحت سمجھا مجلس عمل نے ایسی تمام شکایات پر غور کیا اور فیصلہ یہ ہوا کہ مرزائیت نے ملکی نظام کو جس طریقے سے سبوتاژ کرنا شروع کیا ہے اس کا تدارک ہونا چاہئے۔ چنانچہ وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین صاحب کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ مجلس عمل کا ایک وفد آپ سے ملاقات کی اجازت چاہتا ہے موقعہ دیجئے کہ وفد حاضر خدمت ہو سکے۔ تاریخ اور وقت مقرر ہو گیا۔ وفد نے ملاقات کی اور حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے مطالبہ کیا کہ حکومت کو مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں پر توجہ دینا چاہئے۔ خلیفہ محمود اور اس کے کارندے حدود سے آگے قدم بڑھا رہے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ملک و ملت کو گزند پہنچائیں گے اور خطرناک پروگرام کو جامہ عمل پہنانے میں کامیابی حاصل کر لیں گے اس ملاقات میں جب فوجی ٹرک اور مرزائی کپتان کے بارے میں شکایت کی گئی کہ وہ سرکاری اسلحہ چرا کر لئے جا رہا تھا کہ پکڑا گیا تو خواجہ صاحب فرمانے لگے کہ آپ حضرات کس قسم کے افسانے سنا رہے ہیں بھلا ایسی حرکت بھی ہو سکتی ہے تب وفد نے انہیں یقین دلایا اور کہا کہ یہ خبر تمام اخباروں میں شائع ہو چکی ہے یہ کوئی افسانہ نہیں جسے ہم نے گھڑا ہے اور آپ کو گمراہ کرنے کے لئے سنا رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ حیرانی ہے کہ ایسے سنگین واقعات سے آپ کو بے خبر رکھا جاتا ہے" خواجہ صاحب نے اپنے سیکرٹری کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ کہیں بھی ایسا کوئی واقعہ ہوا؟ ہمیں اس قسم کی کوئی خبر سرکاری ذرائع سے پہنچائی گئی ہے؟ سیکرٹری بڑا مستعد اور باخبر نوجوان تھا اس نے کہا کہ "ہاں حضور! اٹک کے پل پر ایک ٹرک پکڑا گیا جس میں چوری کا اسلحہ تھا اور ایک کپتان اس اسلحے کو چرا کر لے جا رہا تھا۔ واقعہ درست ہے۔ اس پر ہمیں کچھ سہارا مل گیا اور

ہم نے باقی شکایات کا دوبارہ تذکرہ کیا اور ہر شکایت پر ذمہ داری سے ثبوت مہیا پہنچانے کا وعدہ کیا۔ بشرطیکہ حکومت فوراً تحقیقات کا وعدہ کرے۔ خواجہ صاحب نے آخر میں فرمایا کہ ہم اپنے طریقے سے تحقیقات کریں گے۔

دوسرا خطرناک واقعہ

چونیاں ضلع لاہور کے ایک مرزائی ریلوے افسر نے ریلوے کا بہت سا سرکاری مال چرا کر ربوہ بھجوا دیا۔ وہ بہت سا پیتل اور سکہ بھی چرا چکا تھا جسے اس نے گودام سے نکلوا کر باہر چھپا رکھا تھا یہ خبر کسی طرح پولیس کے کانوں تک پہنچ گئی۔ پولیس نے چھاپہ مارا مال برآمد کر لیا اور مرزائی ریلوے افسر کو دھر لیا گیا۔ تحقیقات شروع ہو گئی ہمیں ریلوے کے باقی مال کے چرائے جانے کی چنداں پرواہ نہ تھی۔ مرزائی ربوہ کی تعمیر میں مصروف تھے جب سرکار نے انھیں لاکھوں کروڑوں روپے کی زمین کوڑیوں کے دام عطا کر دی تو تھوڑا سامان بھی سرکاری گوداموں سے ربوہ پہنچ جائے تو کیا قیامت آ جائے گی؟ مگر ہمیں حیرانی تو یہ تھی کہ سکہ کس غرض کے لئے ربوہ لے جایا جا رہا ہے؟ ہمارا دھیان فوراً اس بارود کی طرف منتقل ہو گیا جو چنیوٹ سے مرزائیوں نے خریدا تھا۔

قارئین کرام بھولے نہ ہونگے کہ ایک روز چنیوٹ کے لائسنس دار سے تقریباً سوا من بارود مرزائیوں نے خریدا۔ جب احرار نے شور مچایا کہ مرزائی اس بارود کو ربوے کس کام کے لئے لے گئے ہیں۔ حکومت تحقیقات کرے۔

اس بارود کا قصہ اخبارات میں بھی شائع ہوا اور لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں سب کچھ ہوا مگر ہماری حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی جب چونیاں میں سرکاری سکہ چوری ہوا تو چنیوٹ اور چونیاں کے واقعات نے صحیح صورت حال سمجھ لینے میں آسانی پیدا کر دی۔ بارود سے کارتوس اور سکے سے گولی بنتی ہے۔

مرزا محمود کا اعلان کہ ۱۹۵۲ء گزرنے نہ پائے۔ بہادر مرزائیو! تیاری کر لو۔ ہم نے بات کو سمجھا اور کوشش کی کہ مسلمان قوم بھی سمجھے اور خبردار ہو جائے حکومت نہیں سنتی تو نہ سنے ہم اپنا فرض تو ادا کر لیں۔ مسلم لیگ کی "خالص اسلامی" حکومت نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور کانوں میں تیل ڈال لیا کہ مجلس عمل کی آواز سنائی نہ دے مگر مجلس عمل نے قوم کو بیدار کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کانفرنسوں کا ایک جال بچھ گیا "زمیندار" اور "آزاد" کے صفحات تحفظ ختم نبوت کے لئے وقف تھے۔ مجلس عمل کی قیادت میں جو کانفرنسیں ہوئیں ان میں حاضری کا اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔ فدایان ختم نبوت کا ہجوم سنبھالے نہ سنبھلتا تھا۔ یہ کانفرنسیں

کراچی سے لے کر پشاور تک کے سرحدی علاقے تک منعقد ہونے لگیں پنجاب جہاں مرزائیت کا مرکز تھا تحفظ ختم نبوت کی تحریک کا مرکز بن گیا۔ راولپنڈی' جہلم' گجرات' گوجرانوالہ' سیالکوٹ لاہور' شیخوپورہ' لائل پور' سرگودھا' منٹگمری' ملتان' ڈیرہ غازیخاں کے اضلاع میں کوئی شہر یا قصبہ ایسا باقی نہ رہا جہاں رد مرزائیت کے سلسلے میں عظیم الشان کانفرنسیں نہ ہوتی ہوں۔ جوں جوں تحریک زور پکڑتی جا رہی تھی مرزا محمود بھی چوکس ہو کر مرزائیوں کے مورال کو قائم رکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی حرکت کرتے رہتے تھے مگر مجلس عمل کے رہنما ٹھوس بنیادوں پر تحریک چلا رہے تھے ان تبلیغ کانفرنسوں میں چند اعتراضات پیش کیے جاتے تھے جن کا مرزائیوں کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور حکومت زبان حق کو بند کرتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ ان اعتراضات کی وضاحت یہ تھی مثلاً مجلس عمل کے رہنما کہتے تھے کہ سر ظفراللہ خاں وزیر خارجہ ہیں یا مرزائیت کی مبلغ وہ بیرونی ممالک اور پاکستانی سفارت خانوں کے ذریعے بیرونی دنیا میں مرزائیت کو متعارف کرا رہے ہیں' پاکستان کے خزانے سے تنخواہ وصول کر کے انہیں اسلام کے خلاف تبلیغ کا کیا حق ہے ؟ مرزائیت کی تبلیغ کرنا مقصود ہے تو سر ظفراللہ خاں مستعفی کیوں نہیں ہو جاتے۔ مسلمان قوم مطالبہ کر رہی ہے

۱۔ سر ظفراللہ خاں سے قلمدان وزارت چھین لیا جائے۔

۲۔ سر ظفراللہ خاں پاکستان گورنمنٹ سے زیادہ خلیفہ محمود کے وفادار ہیں۔ چونکہ ان کی وفاداری کا مرکز ربوے میں ہے اس لئے وزارت خارجہ کی اہم ترین ذمہ داری ایسے شخص کو سونپا جانا تو سخت خسارے کا باعث ہوگا

۳۔ خلیفہ محمود کے ارادے بڑے خطرناک ہیں اور ہمیں اندیشہ ہے کہ ربوہ مرزائیوں کا مضبوط قلعہ بنتا جا رہا ہے۔ خدا جانے اس کے اندر کیا کچھ ہو رہا ہے اس لئے کسی غیر مرزائی کو ربوے میں رہنے کی اجازت نہیں سرکاری کارندے بھی ربوہ میں بلا اجازت داخل نہیں ہو سکتے۔ تب کس طرح معلوم ہو سکے گا کہ اندر کوئی سازش تو جنم نہیں لے رہی؟

۴۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ چنیوٹ سے سواحن کے قریب بارود کس لئے خرید کر ربوے میں لے جایا گیا وہاں آتش بازی کی دوکان تو ہے نہیں پھر اس بارود کا مصرف کیا سمجھا جائے؟

۵۔ مرزائی افسر نے ربوے کا مال چرا کر ربوے پہنچایا اور اب وہ سکہ چرا کر لے جا رہا تھا۔ بتایئے اس سکے سے گولیوں کے سوا اور کیا بنایا جا سکتا تھا؟

۶۔ خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان کے حکم کے مقابلے میں یعنی جب خواجہ صاحب نے سر ظفراللہ کو مرزائیوں کے جلسہ عام میں جانے سے منع کیا تو سر ظفراللہ خاں نے خلیفہ محمود کے حکم کی تعمیل کی اور دندنا کر اسلام کے خلاف تبلیغ کرنے کے لئے جلسہ عام میں جا پہنچے۔

ہمیں بتایا جائے کہ ایسے شخص کو اہم کلیدی عہدہ کیوں سپرد کر رکھا ہے؟

۷۔ مرزا محمود نے مسلمان قوم کو بری طرح للکارا ہے اور مرزائیوں کو اکساتے ہوئے کہا ہے کہ یہ عام گزرنے نہ پائے۔ مرزائیت کے مخالفوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دو اس قسم کی اشتعال انگیز باتیں کرنے والے کی حکومت گوشمالی کیوں نہیں کرتی؟

۸۔ جس ملک کی بنیاد قرارداد مقاصد ہے وہاں مرزائیت کی تبلیغ کے کیا معنی وغیرہ وغیرہ یہ ٹھوس باتیں عظیم الشان کانفرنسوں میں کی جاتی تھیں۔ نہ تو مرزائیوں کے پاس اس کا کوئی جواب تھا اور نہ حکومت میں یہ جرأت تھی کہ مرزا محمود یا سر ظفر اللہ خاں کے خلاف کوئی قدم اٹھاتی حکومت سر ظفر اللہ کے سامنے عاجز تھی اور ہمارے نیک دل وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان کی عمارت کو سر ظفر اللہ خاں سنبھالے کھڑے ہیں۔ اگر انہیں برطرف کر دیا گیا تو ساری عمارت ہی خدانخواستہ دھڑام سے نیچے آگرے گی۔

یہ وہم یقین کا درجہ اختیار کر گیا تھا۔ بہرحال عوام چلاتے رہے مجلس عمل خبردار کرتی رہی اور حکومت بے بسی کے عالم میں چپ چاپ بیٹھی تماشہ دیکھتی رہی یہ صورت حال مرزائیوں کے لئے حوصلہ افزا تھی۔ چنانچہ خلیفہ محمود نے اپنے قلعے کو مضبوط کرنا شروع کیا۔ ربوہ مرزائیوں کی چھاؤنی بن گیا پہاڑیوں کی اوٹ میں باقاعدہ مسلح پریڈ ہونے لگی مجلس عمل کو معلوم ہوا تو مجلس عمل نے خواجہ ناظم الدین کو پھر خبردار کرنا چاہا۔ چنانچہ ان سے ملاقات کا وقت مانگا گیا۔ اجازت مل گئی تو مجلس عمل کے وفد نے خواجہ صاحب سے پھر ملاقات کی اور انہیں سابقہ شکایات کے ساتھ یہ بھی کہا کہ مرزائی فوجی پریڈ کر رہے ہیں ہمیں آپ کلہاڑی رکھنے کی اجازت نہیں دیتے اور ان کے پاس تھری ناٹ تھری کی رائفلیں موجود ہیں۔ ربوہ مرزائیوں کا بہت مضبوط قلعہ بن گیا ہے۔

خواجہ صاحب کی سادگی

خواجہ ناظم الدین بھلے اور شریف مگر کمزور آدمی تھے وزارت عظمیٰ کو چلانا ان کے بس کا روگ نہ تھا ٹھیک گاڑی چل رہی ہو۔ گاڑی بان کسی بچے کو گاڑی ہانکنے کو بٹھا دے تو گاڑی چلتی رہتی ہے۔ بچہ نہ بھی ہو اور گاڑی بان سو جائے تب بھی بیل چلتے رہتے ہیں مگر مشکل وہاں آتی ہے جب کوئی موڑ آجائے پاکستان کی گاڑی چل رہی تھی۔ خواجہ صاحب کی جگہ کوئی اور سادہ مزاج ہوتا وہ بھی کام چلا لیتا مگر مرزائیوں کی ریشہ دوانیاں اور حکومت پر قبضہ کرنے کے خواب نے پاکستان کی گاڑی کو ایک ایسے موڑ پر لاکر کھڑا کیا جہاں ایک ہوش مند' تجربہ کار اور باحوصلہ انسان کی ضرورت تھی۔ یہ حوصلہ خواجہ ناظم الدین میں موجود نہ تھا اور نہ وہ اس خطرناک

صورت حال کو ٹھیک طرح سمجھتے تھے چنانچہ جب ہم نے یہ عرض کیا کہ مرزائیوں نے ربوہ کو مضبوط قلعہ بنا لیا ہے تو خواجہ صاحب نے چونک کر فرمایا "یہ بالکل غلط ہے۔ ہم سرگودھا کی سڑک پر سے موٹر میں گذرتے ہیں۔ ہم نے راہ چلتے ربوہ دیکھا ہے۔ وہاں تو کوئی قلعہ نہیں" بے علم سے بچوں کی ایک چھوٹی سی چار دیواری ہے۔ آپ کو کس نے بتایا کہ وہاں قلعہ بن گیا ہے؟ ہمیں خواجہ صاحب کی سادگی اور معاملہ فہمی پر ہنسی بھی آئی اور دکھ بھی ہوا کہ یہ ہمارے وزیراعظم ہیں قلعہ کا مفہوم بھی نہیں سمجھتے' چنانچہ ہم نے انہیں سمجھایا کہا امت مرزائیہ ربوہ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی ہے باہر والوں کو کچھ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ ہم نے اس شکایت پر یہ بھی عرض کیا کہ وہاں بلا لائسنس کا اسلحہ بھی موجود ہے اور مسلح پہرہ ہوتی ہے اگر آپ چاہیں تو آج ہی چھاپہ مارنے کا بندوبست کیجئے اور ہمارے ہمراہ کسی کو بھیج دیجئے کل کے لئے ہم ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ اس لئے حکومت کی مشین پر سر ظفراللہ خاں چھائے ہوئے ہیں۔ وہ مرزا محمود کو خبردار کریں گے اگر ایسا نہ بھی ہو تو مرزا محمود کی اپنی سی آئی ڈی یعنی سرکاری مرزائی ملازم مرزا محمود کو قبل از وقت اطلاع کر کے احتیاطی تدابیر کر لینے کا موقعہ دیں گے تب ہم جھوٹے ثابت ہوں گے۔

خواجہ صاحب نے اس بارہ میں مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم اپنے طور پر تحقیقات کا بندوبست کریں گے۔ ہم نے اسی وقت معذرت کی اور کہا کہ آپ کی تحقیقات حالات موجودہ مکمل نہ ہوں گی۔ بہر حال اس ملاقات میں بھی صرف اتنا ہوا کہ ہم نے خواجہ صاحب ایسے نیک انسان کو صرف خبردار کیا مگر ہم جانتے تھے کہ اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکے گا۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب کے منظور شدہ فیصلے

جو ۱۳ جولائی کے یوم مطالبات برائے منظوری پیش کئے جائیں اور ان کی منظوری کے بعد وزیراعظم پاکستان' وزیراعلیٰ پنجاب کو بھیجے جائیں۔

شیخ محمد عبدالرشید صدیقی

وائی بورڈ

قرارداد نمبرا

محرک:۔ مولانا غلام محمد صاحب ترنم

موید:۔ حضرت علامہ کفایت حسین صاحب

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے چونکہ اسلام کے بنیادی اور اجماعی عقیدہ ختم نبوت کا انکار کر کے دعویٰ نبوت کیا ہے اور اپنے نہ ماننے والوں کو اس طرح کافر قرار دیا ہے جیسے کہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر کافر ہیں۔

۲۔ غلام احمد قادیانی نے اپنی امت کو مسلمانوں سے علیحدہ اقلیت تصور کیا ہے اور جس طرح حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی نہ ماننے کی وجہ سے عیسائی کافر ہیں اسی طرح غلام احمد کے نبی نہ ماننے کی وجہ سے تمام اہل اسلام کو کافر قرار دیا ہے گویا جس طرح عیسائی اور مسلمان ایک قوم نہیں اسی طرح مسلمان اور مرزائی بھی ایک قوم نہیں اس لئے کوئی مرزائی بڑے سے بڑے مسلمان کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ چنانچہ چوہدری ظفر اللہ نے قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھا اور مسلمانوں کے کسی معصوم بچہ تک کا بھی جنازہ نہیں پڑھتے۔

۳۔ جس طرح کسی مسلمان کے ہندو، سکھ یا عیسائی ہو جانے کو مسلمان مرتد تصور کرتے ہیں اس طرح مرزائی، اس شخص کو جو مرزائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائے مرتد قرار دے دیتے ہیں۔

۴۔ مسلمانوں کے تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

۵۔ اسلام کا مدار عقیدہ توحید اور ختم نبوت پر ہے، اگر کوئی فرقہ توحید و رسالت کا اقرار کرے لیکن رسول کریم صلعم کی ذات گرامی پر ختم نبوت ہونا تسلیم نہ کرے۔ بلکہ تسلسل نبوت کا قائل ہو، وہ اسلام سے خارج متصور ہوتا ہے۔ برہمو سماج حضور نبی کریمؐ کو نبی تو مانتے ہیں لیکن آپ کے بعد تسلسل نبوت کے قائل ہونے کی وجہ سے خارج از اسلام سمجھے جاتے ہیں ایسے ہی غلام احمد اور اس کی امت برہمو سماج وغیرہ کی طرح تسلسل نبوت کے قائل ہونے کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

۶۔ پاکستان کی بنیاد دو قوموں کے نظریہ پر رکھی گئی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دنیا کے سب اہل مذاہب مانتے ہیں۔ لیکن انبیاء کی نسبت اختلاف پایا جاتا ہے اور نبوت کی تقسیم سے قوم جدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ یہود میں سے کسی نے عیسیٰ علیہ السلام کو نبی تسلیم کر لیا تو وہ یہودی نہ رہا۔ حالانکہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار نہیں کیا۔ کسی عیسائی نے حضرت محمدؐ الرسول اللہ کو نبی مان لیا تو عیسائیت سے انکار کیا۔ اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کا اس نے انکار نہیں کیا۔ اسی طرح جب کسی مسلمان نے مرزا غلام احمد کی نبوت کو قبول کر لیا تو وہ مسلمان نہ رہا۔ اگرچہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتا ہو اسی لئے نقاش پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے انگریزی دور اقتدار میں مطالبہ کیا تھا کہ مرزائیوں کو اہل اسلام سے جدا غیر مسلم اقلیت قرار دیا

جائے۔ جس طرح ہندو سے سکھ جدا کر دیئے گئے ہیں (تفصیل حرف اقبال از لطیف شیرازی میں موجود ہے۔) چنانچہ حضرت علامہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کی رکنیت اور دیگر ذمہ داریوں سے مرزائیوں کو غیر مسلم ہونے کی وجہ سے خارج کر دیا تھا۔

ے۔ مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیانی نے وزارتی مشن کی آمد کے زمانہ میں اپنی جماعت کو علیحدہ تسلیم کرانے کا مطالبہ کیا تھا۔ جس کا اس نے خود ذکر کیا "میں نے اپنے ایک نمائندہ کی معرفت ایک بڑے ذمہ دار انگریز افسر کو کہلوا بھیجا کہ پارسیوں اور عیسائیوں کی طرح ہمارے حقوق بھی تسلیم کئے جائیں۔ جس پر افسر نے کہا کہ وہ تو اقلیت ہیں اور تم ایک مذہبی فرقہ ہو اس پر میں نے کہا کہ پارسی اور عیسائی بھی تو مذہبی فرقہ ہیں۔ جس طرح ان کے حقوق علیحدہ تسلیم کئے ہیں اسی طرح ہمارے بھی کئے جائیں۔ تم ایک پارسی پیش کر دو میں اس کے مقابلہ میں دو دو احمدی پیش کرتا جاؤں گا۔"

بنا بریں یہ کنونشن مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہوئے حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ ان کو علیحدہ غیر مسلم اقلیت قرار دیتے ہوئے ان کے حقوق مسلمانوں سے جدا کر کے مسلمانوں کے حقوق دستبرد سے محفوظ کرے۔

قرارداد نمبر ۲

محرک = مولانا محمد بخش مسلم بی اے

موید = مولانا داؤد غزنوی صدر جمعیت اہلحدیث

آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب (منعقدہ لاہور) کا یہ اجلاس اس حقیقت کو پورے زور سے واضح کر دینا اپنا ایمانی، قومی، ملی اور ملکی فرض تصور کرتا ہے کہ ختم نبوت یا رد مرزائیت کے مضمون پر کسی فرد یا جماعت کا اظہار کرنا خواہ وہ مسجد میں ہو یا کسی جلسہ عام میں نہ صرف جائز بلکہ اسلام کا اہم ترین فریضہ ہے کہ مسلمان جماعت خواہ وہ احرار ہوں یا غیر احرار اس حق سے محروم کرنے صریحاً مداخلت فی الدین تصور کرتا ہے اور ہم اسے کسی صورت میں برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ نیز ہم اس امر کو مذموم سمجھتے ہیں کہ حکومت نے مرزائیوں اور احرار کو یکساں قرار دیا ہے۔ امن عامہ کے پیش نظر حکومت کا یہ فرض ہے کہ دفعہ ۱۴۴ اٹھا کر گرفتار شدگان کو رہا کر کے فضا کے تکدر کو دور کرے ورنہ کسی جماعت یا فرد پر پابندی جملہ اہل اسلام پر پابندی سمجھی جائے گی۔

قرارداد نمبر ۳

محرک = مولانا بہاؤالحق صاحب قاسمی امرتسری
موید = حضرت علامہ علاؤالدین صاحب صدیقی صدر
شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب' چوہدری سر ظفراللہ خاں وزیر خارجہ کی پاکستان کے ساتھ وفاداری کو مشکوک جانتا ہے۔ نیز یقین رکھتا ہے کہ چوہدری سر ظفراللہ خاں نے وزارت خارجہ کے عہدہ کو مرزائیت کی تبلیغ اور اسلامی ملکوں میں مرزائیت کے دفتر کھلوانے اور ملازمتوں پر مرزائیوں کو قابض کرانے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے اور یہ کہ پاکستان اور ہندوستان کو صرف قادیان کی وجہ سے ہی اکھنڈ بنانے پر مذہبی عقیدہ رکھتے ہیں اور مسئلہ کشمیر کے حل کرانے میں ان کی ناکامی نہ صرف ان کی نااہلیت کی وجہ سے ہے بلکہ برطانیہ سے سر ظفراللہ خاں اور ان کی جماعت کی قدیم مذہبی وفاداری کو اس میں بہت بڑا دخل ہے اس لئے پاکستان' اسلامی ممالک اور کشمیر کے مفاد کا تقاضا ہے کہ چوہدری ظفراللہ خاں کو وزارت خارجہ سے جلد از جلد علیحدہ کر دیا جائے۔

قرارداد نمبر ۳

اراضی ربوہ کی واپسی کا مطالبہ

محرک = مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش
موید = قاضی مرید حسین ایم۔ اے۔ ایل۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن۔ مرزائی پارٹی کی گذشتہ تاریخ کے پیش نظر قادیان میں دن دہاڑے قتل کرانا' مکانات کا جلانا' مخالفین کو اخراج از شہر کی سزا' دیوانی' فوجداری مقدمات میں جرمانہ' قرقی جائیداد' سزائے بیدزنی دینا اور باوجود ان سب باتوں کے پولیس کا گواہ مہیا کرنے سے عاجز رہنا اور قانون کا شل ہو جانا جس پر اس انگریزی زمانہ کی عدالتوں کے فیصلہ جات گواہ ہیں۔ اس خیال کو تقویت پہنچاتا ہے کہ ربوہ کی آبادی جو اب صرف قادیانیوں کی بنائی جا رہی ہے۔ اب جس کے ارد گرد کے بارہ مواضعات کی متروکہ اراضی جو مہاجرین کو الاٹ ہوئی تھی ان سے چھین کر مرزائیوں کے حوالے کی جا رہی ہے۔ جس میں کسی دیگر فرقہ کی کوئی آبادی نہیں ہو گی۔ گذشتہ حالات واقعات کے اعادہ کا باعث بنتی جا رہی ہے۔ اس لئے یہ کنونشن حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ تعمیر شدہ عمارتوں کے علاوہ باقی خالی زمین واپس لے کر دیگر فرقوں کو آباد کر کے آنے والے خطرات کا سدباب کرے۔

قرارداد نمبر ۵

محرک مولانا محمد یوسف صاحب سیالکوٹی

موید = مولانا عبدالستار نیازی ایم ایل۔ اے

آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب (منعقدہ لاہور) کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ تمام وہ مطالبات جو تجاویز کی شکل میں منظور کیے گئے ان کی تائید میں ۱۸ جولائی کا جمعہ یوم مطالبات منایا جائے اور تمام مساجد اور علماء اکابر ملت سے استدعا کرتا ہے کہ اس کنونشن کی منظور کردہ قرار دادوں کی تائید کر کے اپنے فیصلوں کی اطلاع حکام ضلع اور صوبہ کے وزیر اعظم صاحب کی خدمت میں بھیج دیں۔

سر سے کفن باندھ کر اس قربانی کو پیش کریں گے۔ اگر جیلوں میں جانے کا سوال پیدا ہوا تو ہم جیلوں کو بھر دیں گے۔

قرارداد نمبر ۶

محرک مولانا محمد ذاکر صاحب ایم۔ ایل۔ اے

موید = علامہ محمد یعقوب صاحب

آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب کا یہ اجلاس پاکستان کی سالمیت کو اپنا ملی و ملی فریضہ تصور کرتا ہے اور مملکت پاکستان سے اس ولی محبت کے پیش نظر مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو متنبہ کرتا ہے کہ چونکہ مرزائیوں کی وفاداری پاکستان کے ساتھ مشکوک ہے اور ان کے مذہبی سیاسی رہنما مرزا محمود کے عزائم سے جیسا کہ ان کے خطبات اور دیگر تدابیر سے عیاں ہے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاکستان پر اپنا تسلط جمانا چاہتے ہیں اور اسی کے لئے مکمل تیاریاں بھی کر رہے ہیں جن کی تکمیل کے لئے انہوں نے ربوہ کو مسلمانوں سے بالکل الگ مخصوص مرکز بنا رکھا ہے۔ تعلیم یافتہ مسلمان بالعموم اور ملازم طبقہ بالخصوص اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنا پر مرزائیوں کو پاکستان اور ملت اسلامیہ کے لئے نہایت درجہ خطرناک تصور کرتا ہے۔

حکومت کو چاہیے کہ مرزائیوں پر کڑی نگرانی رکھے اور ان کی خطرناک سرگرمیوں کی تفتیش و تحقیقات کے لئے ایک مجلس تحقیقات متعین کرے جس کے ارکان میں غیر سرکاری مسلمان عناصر بھی شامل ہوں۔

نیز جو مرزائی ذمہ دار عہدوں پر فائز ہیں۔ ان کو اپنے منصب کی آڑ میں تبلیغ مرزائیت سے روکنے کا فوری اقدام کرے۔

مسلم لیگ سے مطالبہ

کل مسلم پارٹیز کنونشن کا یہ اجلاس ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت مسلم لیگ کی جنرل کونسل اور صوبہ کی قانون ساز اسمبلی کو متوجہ کرتا ہے کہ وہ اپنے قریبی اجلاس میں فتنہ مرزائیت کے سدباب کے سلسلہ میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے اور چوہدری ظفراللہ کی وزارت خارجہ سے علیحدہ کرنے کی تجویز کو پاس کر کے مرکزی مسلم لیگ اور مرکزی گورنمنٹ کو روانہ کر کے پنجاب کے تمام مسلمانوں کی ترجمانی کرنے کے فرائض سرانجام دے۔

مولانا اختر علی خاں کراچی میں

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں

پنجاب سرحد اور سندھ میں کانفرنسیں جلسے وغیرہ زوروں پر ہو رہے تھے مجلس عمل نے جولائی ۱۹۵۲ء کے اواخر میں مولانا اختر علی خاں خازن مجلس عمل کو کراچی ایک خاص مشن پر بھیجا۔ اصل بات یہ تھی کہ پنجاب کے گذشتہ واقعات اور ان کے نتیجہ میں مجلس عمل کی تشکیل کے بعد مجلس عمل کے رہنماؤں نے سنجیدگی سے یہ محسوس کیا کہ مندرجہ ذیل چار مطالبات

۱۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ سر ظفراللہ خاں کو وزارت خارجہ کے منصب سے علیحدہ کیا جائے۔

۳۔ تمام کلیدی آسامیوں پر متعین مرزائیوں کو علیحدہ کیا جائے۔

۴۔ ربوہ کی باقی ماندہ زمین کو واپس لیکر مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے اور ربوہ کھلا شہر قرار دیا جائے۔

میں سے اول الذکر تین مطالبات کا تعلق مرکزی حکومت سے ہے۔ صوبائی حکومت نہ تو ظفراللہ خاں کو کابینہ سے علیحدہ کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی اور دوسرے قادیانی افسر کو کسی کلیدی عہدہ سے علیحدہ کرنے کی مجاز ہے اسی طرح اقلیت قرار دینے کا تعلق دستور ساز اسمبلی سے ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ صوبائی حکومت اپنا نقطۂ نظر یا اپنی تائید مرکز کو پہنچا دے۔ چنانچہ صوبائی لیڈروں نے اپنے صوبائی مسلم لیگ کے اجلاس میں اس مقصد کے لئے ایک ریزولیوشن قادیانیوں کے متعلق منظور کر ہی دیا تھا۔ ممکن ہے صوبائی حکومت کو کچھ اور

فرصت مل جاتی تو وہ اس مضمون کی ایک قرارداد صوبائی اسمبلی سے بھی منظور کروا کر تائید مزید کر دیتی۔ بہرحال یہ ایک حقیقت تھی کہ اول الذکر مطالبات اس وقت تک تسلیم نہیں کئے جا سکتے تھے جب تک کہ مرکزی حکومت ان مطالبات کے متعلق اپنی رائے درست نہ کر لیتی اور پھر مطالبہ نمبرا۔ کو دستور ساز اسمبلی کے ذریعہ حل کیا جاتا اور ۲۔ ۳ کو انتظامیہ کے طور پر مان لیا جاتا۔ البتہ صرف چوتھا مطالبہ ایسا تھا جس کا تعلق صوبائی حکومت سے تھا۔ یعنی ربوہ کی بقیہ زمین کی واپسی اور اسے عام مسلمانوں میں رہائشی مقاصد کے لئے تقسیم کر کے ربوہ کو کھلا شہر بنانے کا مسئلہ اس کے علاوہ کچھ مقامی شکایات بھی تھیں۔

یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ جب تک مرکز قادیانی مسئلہ کے مضر پہلوؤں پر یقین نہ کر لیتا اور ان کے متعلق حوصلہ شکن پالیسی اختیار نہ کر لیتا اس وقت تک غالباً صوبائی حکومت کے لئے بھی چوتھا مطالبہ ماننا ناممکن تو نہیں البتہ مشکل ضرور تھا۔ اگر مرکزی حکومت ملک کے سواد اعظم کے مطالبات کو درست تسلیم نہ کرتی اور برابر مرزائیت کی حوصلہ افزائی والی پالیسی پر گامزن رہتی اور صوبائی حکومت مرزائیوں کے خلاف اقدامات شروع کر لیتی تو صوبائی اور مرکزی حکومت کے درمیان ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو مختلف پالیسیوں کے اختیار کرنے کی وجہ سے من چہ گویم طنبورہ من چہ می سرائید کی کیفیت کے علاوہ بے شمار الجھنیں پیدا ہو جاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوبائی حکومت آخری وقت تک مرکزی حکومت کی اس مسئلہ کے سلسلہ میں کسی واضح ہدایت کی عدم موجودگی میں مسلسل گومگو کی پالیسی میں رہی۔ اور بالآخر ہوا جو کچھ ہوا۔

مرکزی حکومت سے رابطہ

اس لئے مجلس عمل نے صوبائی حکومت کے علاوہ مرکزی حکومت سے رابطے کو ضروری خیال کرتے ہوئے مولانا اختر علی خاں کو کراچی بھیجا تھا۔ مولانا اختر علی خاں نظریہ ظاہر کچھ غیر جانبدارانہ سے ذاتی قسم کے دورہ کی شکل میں کراچی گئے لیکن یہ سب کچھ طے شدہ امر تھا۔ مولانا کا اس وقت زمیندار اخبار کی وجہ سے تحریک' عوام اور سرکاری حلقوں پر بڑا اثر و رسوخ تھا اس لئے کراچی انہیں بھیجنا مفید سمجھا گیا۔ مولانا لال حسین اختر کراچی میں تھے۔ مرزائیوں کے جہانگیر پارک والے جلسہ سے کراچی کے مسلمانوں میں قادیانیوں کے خلاف بے پناہ جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ مولانا لال حسین اختر اس جذبے کو منظم کرنے کے لئے مسلسل کوشش کر رہے تھے۔ جب مولانا اختر علی خاں کراچی پہنچے تو مولانا لال حسین اختر نے مجلس تحفظ ختم نبوت کی

طرف سے ان کے اعزاز میں نگار ہوٹل میں ایک شاندار عصرانہ دیا اس تقریب میں کراچی کے علمائے کرام۔ معززین اور اخبارات کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس عصرانہ کی مختصر روئداد ملاحظہ فرمایئے۔

کراچی۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے روزنامہ زمیندار لاہور کے ایڈیٹر مولانا اختر علی خاں کے اعزاز میں نگار ہوٹل میں عصرانہ دیا گیا جس میں مقامی مدیران جرائد کے علاوہ سید حسین امام' مسٹر محمد ہاشم گزدر رکن دستور ساز اسمبلی' مولانا عبدالحامد بدایونی' مولانا احتشام الحق مولانا مفتی محمد شفیع' مولانا لال حسین اختر' عبدالمجید سالک' مولانا نورانی میاں اور کراچی کے معزز تاجران اور علماء کرام نے شرکت کی آغاز: سب سے پہلے مولانا لال حسین اختر ناظم مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی نے فتنہ مرزائیت کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے 'روزنامہ زمیندار حضرت مولانا ظفر علی خاں مدظلہ العالی اور مولانا اختر علی خاں کی ان خدمات کو سراہا جو انہوں نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبہ کے سلسلہ میں سرانجام دی ہیں۔

مولانا نے فرمایا۔ زمیندار لاہور بجا طور پر یہ فخر کر سکتا ہے کہ اس نے ہمیشہ قادیانی فتنہ کو بیخ و بن سے اکھیڑنے میں ہر ممکن جدوجہد کی ہے آپ نے فرمایا۔ مولانا اختر علی خاں بھی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اخبارات کی روایات کو زندہ رکھا ہے آپ امت مسلمہ کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اس موثر اخبار سے مسلسل کام لے رہے ہیں۔

مولانا نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے مرزائیوں کے ناقوس خصوصی الفضل کی ۱۵ جولائی کی اشاعت میں سے اس مضمون کے چند اقتباسات پڑھ کر سنائے جس میں پاکستان کے پانچ علماء کرام کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔ انہوں نے حکومت کے اس رویہ پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا کہ اس نے الفضل کی اس ذلیل اور مجرمانہ تحریر کا کوئی محاسبہ نہیں کیا!

مولانا عبدالحامد بدایونی

مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی نے ختم نبوت کے بارے میں حکومت پنجاب کے رویہ پر سخت تنقید کی' انہوں نے فرمایا کہ یہ مسئلہ محض مجلس احرار کا نہیں' بلکہ تمام مسلمانان عالم کا متفقہ مسئلہ ہے جو لوگ مسئلہ ختم نبوت کو احرار کا شغل قرار دیتے ہیں۔ وہ بالکل غلط راہ پر ہیں آپ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ مرزائی خود بھی اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں سے ایک علیحدہ گروہ ہے۔ جو اپنے آپ کو "احمدی" کہلاتا ہے۔ جن لوگوں نے باؤنڈری کمیشن کی رپورٹ کو اچھی طرح پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مرزائیوں کے مرزا بشیر الدین محمود نے کمیشن کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ ہم مسلمان

سے گورداسپور کی علیحدگی کی تمام تر ذمہ داری مرزائیوں پر عائد ہوتی ہے۔

احتشام الحق تھانوی

آپ کے بعد مولانا احتشام الحق تھانوی نے زمیندار اور کراچی کے اس معزز پریس کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے فتنہ مرزائیہ کے قلع قمع کرنے کے لئے قوم کی صحیح ترجمانی کے فرائض سرانجام دیئے۔

مولانا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے' وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ آپ نے مفتی اعظم مصر کے فتوے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مفتی مصر نے مرزائیوں کے متعلق فتویٰ دیکر اسلام کے بنیادی احکام کو واضح فرمایا ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ حکومت بہت جلد مرزائیوں میں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرے اور ملک میں بڑھتی ہوئی پریشانی کا انسداد کرنے اور پاکستان کے زیر ترتیب دستور میں اس امر کی قطعی تصریح کر دی جائے کہ مرزائی غیر مسلم اقلیت ہیں۔

انہوں نے آخر میں فرمایا کہ فتنہ مرزائیت کو ختم کرنے کی تحریک آج سے نہیں بلکہ ۱۹۰۷ء سے چل رہی ہے۔ اور زمیندار نے ۱۹۲۳ء سے علماء کے وفد کا رد مرزائیت کے سلسلہ میں ساتھ دیا تھا۔

حسین امام

آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مسئلہ ختم نبوت صرف مجلس احرار کا مسئلہ نہیں ہے' بلکہ ہم مسلم لیگی اسے دنیائے اسلام کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ ہم متحد و متفق ہو کر فتنہ رذیلہ مرزائیت کو ختم کر کے دم لیں گے آپ نے فرمایا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے کیا کر رہے ہیں؟ وہ ظفر اللہ سے کیوں دبتے ہیں۔ اگر ظفر اللہ کفر کی تبلیغ جرأت سے کرتے ہیں۔ تو ہمارے وزراء تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں مسلمانوں کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ اگر ہمارے وزراء مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیں گے تو عوام کی نظروں میں ان کا وقار باقی نہیں رہ سکے گا۔ اس وقت تمام جمہور مسلمان اس بات پر متفق و متحد ہیں کہ فتنہ مرزائیت کو ختم کر دیا جائے اور

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

مولانا اختر علی خاں

آپ نے اپنی تقریر کے آغاز میں فرمایا کہ سب سے پہلے میں علماء کرام کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے فتنہ مرزائیت کے انسداد کے لئے جدوجہد جاری رکھی ہے آپ نے یقین دلایا کہ میری اور زمیندار کی خدمات دین اسلام کی ترقی اور ختم نبوت کے تحفظ کے لئے وقف ہیں۔ آپ نے فرمایا میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دیئے جانے کے مطالبہ کی حمایت میں اپنی تمام قوت صرف کروں گا!

آپ نے فرمایا اب دو ہی صورتیں ہیں یا مرزائیت زندہ رہے گی یا ہم زندہ رہیں گے اب تمام مسلمانوں نے مرزائیت کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس سلسلہ میں فرزندان توحید سر دھڑ کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کریں گے۔

آپ نے فرمایا کہ میں حیران ہوں کہ پاکستان کے وزراء خاموش کیوں ہیں؟ وہ واضح الفاظ میں اعلان کریں کہ وہ مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کریں گے یا قادیانیت کا ساتھ دیں گے۔ ان کو ایک راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔

پاکستان کے وزراء اگر جمہور مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم نہ کریں گے تو یہ ان کرسیوں پر بیٹھنے کے حقدار نہیں ہوں گے!

آپ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا اب وقت آگیا ہے کہ مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے الگ کر دیا جائے" اس کی وجہ سے مرزائی ناجائز فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ جب تک حکومت سر ظفر اللہ کو علیحدہ نہیں کر دیتی اس وقت تک نہ پاکستان ترقی کر سکتا ہے اور نہ اسلام۔

آپ نے فرمایا! اگر مرزائیت کی مخالفت کرنے سے کوئی آدمی احراری ہو جاتا ہے تو میں سب سے پہلا احراری ہوں۔

آپ نے فرمایا ماسٹر تاج الدین انصاری صدر مرکزیہ مجلس احرار اسلام پاکستان اور شیخ حسام الدین ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام ختم نبوت پر مسجد میں تقریر کریں تو انہیں جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جائے اور مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ لاہور میں دفعہ ۱۴۴ کے باوجود مسلمانوں کے خلاف جلسہ عام میں اشتعال انگیز تقریر کریں تو ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی۔

خواجہ ناظم الدین سے ملاقات

مولانا اختر علی خاں نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان اور دوسرے وزراء سے ملاقاتیں کیں اور ان ملاقاتوں میں انہیں عوام کے جذبات سے آگاہ کیا۔ مجلس عمل کا نقطۂ نگاہ بھی عرض کیا اور ان پر زور دیا کہ چونکہ مطالبات بالکل درست ہیں اس لئے انہیں مان لیا جائے اسی میں آپ کی عزت ہے۔ اسی میں مسلم لیگ کا بھلا اور اسی میں ملک کا مفاد ہے۔ خواجہ ناظم الدین مولانا اختر علی خاں کی مخلصانہ اور دوستانہ عرضداشت سے بہت متاثر ہوئے انہوں نے تسلیم کر لیا کہ مطالبات درست ہیں اور وعدہ کر لیا کہ ۱۴ اگست قریب ہے۔ میں ۱۴ اگست کو اس کے متعلق اعلان کر دوں گا۔ عوام کو مطمئن رہنا چاہئے ۱۴ اگست کا اعلان ان کی خواہش کے مطابق ہو گا۔ اور مدت کی ساری بے چینی جاتی رہے گی۔ مولانا اختر علی خاں اور خواجہ ناظم الدین کی اس ملاقات کی خبر "روزنامہ زمیندار اشاعت" ۴ اگست ۱۹۵۲ء کو شائع ہوئی جو من و عن درج کی جاتی ہے۔

کراچی... ڈاک سے مولانا اختر علی خاں کی قیادت میں تحریک تحفظ ختم نبوت کا ایک وفد وزیر اعظم پاکستان الحاج خواجہ ناظم الدین سے ملاقاتی ہوا۔ مولانا اختر علی خاں نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ وزیر اعظم کی خدمت میں مرزائیت کے متعلق مسلمانوں کے احساسات و جذبات پیش کئے۔ اور کہا کہ مسلمانوں کے یہ مطالبات ہیں۔

۱۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ ظفر اللہ خاں کو وزارت سے الگ کر دیا جائے۔

۳۔ کلیدی اسامیوں پر متمکن مرزائیوں کے اعداد و شمار شائع کئے جائیں۔

۴۔ ربوہ کی اراضی مرزائیوں سے واپس لی جائیں۔

مولانا اختر علی خاں نے کہا کہ ربوہ میں جو اراضی مرزائیوں کو کئے گز کے حساب سے دی گئی ہے۔ وہ علاقہ گولی مار کے ۵۵ ہزار مہاجروں کو دے دیا جائے تاکہ وہ اسی اراضی پر مکانات بنا کر آرام اور امن کی زندگی بسر کر سکیں۔

وزیر اعظم نے وفد کی معروضات کو نہایت اطمینان اور ہمدردی سے سنا اور فرمایا۔

وزیر اعظم کا جواب

وزیر اعظم نے تمام معروضات سننے کے بعد فرمایا۔

مجھے ملک کے جذبات و احساسات کا پورا علم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمان کیا چاہتے ہیں۔ لیکن میں انہیں اپیل کروں گا کہ حکومت ان کے جذبات کا پورا پورا احترام کرتی ہے۔

لیکن ان کے مطالبات کو پورا کرنے کے راستے میں کچھ آئینی دشواریاں ہیں۔ ان دشواریوں کو دور کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس لئے مسلمانوں کو توقف اور اطمینان سے کام لینا چاہئے۔

امن و قانون کو برقرار رکھنے میں حکومت سے تعاون کرنا چاہئے۔ ہم جو بھی فیصلہ کریں گے وہ متفقہ ہو گا۔ اور مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہو گا۔ آپ نے قدرے زور دار الفاظ میں فرمایا ہمارا فیصلہ علمائے کرام اور عمائے اسلام کی مرضی کے عین مطابق اور قانون شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو گا۔ مسلمانوں کو اطمینان اور امن سے حالات کا جائزہ لینا چاہئے۔ اور قانون کا احترام کرنا چاہئے۔

آپ نے فرمایا کہ ۱۴ اگست تک اپنی بنیادی حکمت عملی کا اعلان کر دیں گے۔ ۱۴ اگست تک حکومت اپنے موقف کی وضاحت کر دے گی مجھے امید ہے کہ یہ وضاحت ملک کی رائے عامہ کو مطمئن کر دے گی۔

وزیر اعظم الحاج خواجہ ناظم الدین کے ارشادات گرامی سننے کے بعد مولانا اختر علی خاں نے جواباً کہا۔ ہم نے بہت زیادہ توقف' اطمینان اور صبر کیا' ہم نے انتہائی افسوسناک واقعات پر بھی صبر کیا ہے۔ ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے لیکن ہمارے ملک کے وزیر اعظم جو انتہائی وضعدار ہیں جن کے دل میں اسلام کی بے حد محبت ہے اور جو اس تاریک دور میں باشندگان پاکستان کے لئے واحد روشنی کی کرن ہیں۔ اگر یہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو مزید توقف کرنا چاہئے اور صبر سے کام لینا چاہئے۔ تو ہم اپنے زاہد و عابد اور شب زندہ دار وزیر اعظم کو یقین دلاتے ہیں کہ مسلمان ان سے پورا پورا تعاون کریں گے صبر و ضبط اور نظم و نسق کا پورا ثبوت مہیا کریں گے۔ مسلمان ان کی حکومت سے پورا تعاون کریں گے۔

مولانا اختر علی خاں کا بیان ہے کہ وزیر اعظم الحاج خواجہ ناظم الدین ملکی حالات اور وفد کی معروضات سے بے حد متاثر نظر آتے تھے۔

مولانا اختر علی خاں کی ملاقات سے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ کے عہدہ سے علیحدہ کرنے اور قادیانیوں کے متعلق اصولی طور پر اقلیت کا مطالبہ مان لینے کا فیصلہ کر لیا۔

جب چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزیر اعظم سے مولانا اختر علی خاں کی ملاقاتوں اور وزیر اعظم کے خیالات اور مشوروں کا علم ہوا تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر کراچی سے لاہور اور لاہور سے ربوہ پہنچے۔ ربوہ پہنچنے کا مقصد مرزا محمود خلیفہ ربوہ سے مشورہ کرنا تھا۔ چوہدری صاحب کے سامنے دو صورتیں تھیں۔ (۱) ۱۴ اگست کو وزیر اعظم اعلان کر دیں کہ عوام کے مطالبہ کے پیش نظر چوہدری ظفر اللہ خاں کو علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ (۲) چوہدری صاحب ۱۴ اگست سے پہلے پہلے

خود ہی رضاکارانہ طور پر وزارت سے مستعفی ہو جائیں۔

اغلب یہی ہے کہ وزیراعظم کی طرف سے چوہدری صاحب کے سامنے یہ دونوں حالتیں پیش کی گئی ہوں گی اور چوہدری صاحب فیصلہ سے قبل ربوہ سے مشورہ کے لئے ڈرامائی انداز میں ربوہ پہنچ گئے۔ اس سلسلہ میں روزنامہ آزاد لاہور اشاعت ۳ اگست ۱۹۵۳ء میں جو خبر شائع ہوئی تھی ملاحظہ فرمائیں۔

روزنامہ آزاد لاہور کی خبر

لاہور۔ یکم اگست۔ نہایت معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ چوہدری ظفراللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان جنہوں نے آج مسجد نور بیرون دہلی گیٹ میں پروگرام کے ماتحت جمعہ کے موقع پر تقریر کرنا تھی۔ پراسرار طریق سے ربوہ تشریف لے گئے ہیں معلوم ہوا ہے چونکہ مرزائیوں کے "امیرالمومنین" مرزا بشیرالدین محمود نے آج کل ربوہ میں قیام پذیر ہیں۔ چوہدری ظفراللہ خاں اپنے استعفیٰ کے متعلق آخری مشورہ کرنے اور استعفیٰ دینے کے لئے "تاریخ" اور "دن" کے تعین کے لئے مرزا محمود کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ مرزا محمود کی اجازت اور حکم نامہ کے بعد سر ظفراللہ خاں وزارت خارجہ سے استعفیٰ دے کر کرسی وزارت کسی مسلمان کے لئے خالی کر دیں گے ...... سیاسی حلقوں کی رائے ہے کہ سر ظفراللہ کے وزارت خارجہ سے استعفیٰ کے بعد عنقریب پاکستان کی مرکزی کابینہ میں نمایاں قسم کی تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ ملک کے حالات کے پیش نظر اس مسئلہ پر نہایت اہتمام کے ساتھ غوروفکر کی جارہی ہے کہ سر ظفراللہ خاں کے بعد وزارت خارجہ کا عہدہ کس کے سپرد کیا جائے۔ بعض حلقوں کی رائے ہے کہ سر فیروز خاں نون کا رخصت لے کر انگلستان جانا اوران کی جگہ مشرقی بنگال میں نئے گورنر کے تعین کا پس منظر یہی ہے کہ سر فیروز خاں نون کو وزارت خارجہ کے عہدہ پر متمکن کر دیا جائے گا۔ بعض حلقوں میں سردار عبدالرب نشتر کا نام بھی لیا جا رہا ہے۔ لیکن ابھی تک ان میں سے کسی کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ حکومت عنقریب خود اعلان کر دے گی ...... چوہدری صاحب سے جب ایک اخباری نمائندے نے سوال کیا کہ لاہور میں آپ کی آمد کا مقصد کیا ہے؟ تو چوہدری صاحب نے اس پر روشنی ڈالنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے اس سوال کا بھی جواب دینے سے انکار کر دیا کہ آپ کتنے دن لاہور میں قیام پذیر رہیں گے۔ رتن باغ لاہور میں تعلیم الاسلام کالج کے طلباء کے ایک وفد کو آپ نے شرف ملاقات بخشا طلباء نے زار و قطار رو کر چوہدری صاحب کی خدمت میں عرض کی۔ حضور! آپ کے استعفیٰ کے بعد ہمارا کیا بنے گا؟ چوہدری صاحب نے قرآن کی آیت پڑھ کر لڑکوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ہماری جماعت پر یہ سخت

ابتلاء اور آزمائش کا دور ہے۔ ہمیں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے اس سلسلہ میں حضرت صاحب خصوصی دعاؤں میں مشغول ہیں۔ انشاء اللہ بہتری ہو گی!

چوہدری ظفر اللہ خان کا استعفیٰ

بہرحال یہی امر واقع ہے کہ وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین نے چوہدری صاحب کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور قادیانیوں کو اگرچہ فوری طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا وہ اعلان نہیں کر رہے تھے تاہم اصولی طور پر اس مطالبہ کو تسلیم کر لینے کا وہ اعلان کر دینا چاہتے تھے البتہ ان کا خیال یہ تھا کہ فیصلہ صرف پاکستان میں ہی نہیں ہونا چاہئے بلکہ پورے عالم اسلام کا متفقہ ہونا چاہئے اگر پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا جائے اور ترکی انڈونیشیا یا کسی دوسرے اسلامی ملک کی حکومت انہیں مسلمان ہی قرار دے تو صورت حال کیا ہو گی۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ عالم اسلام کی بنیاد پر کوئی متفقہ فیصلہ کیا جانا چاہئے۔

چوہدری ظفر اللہ خاں کے کراچی سے ربوہ جاتے ہی ملک میں چوہدری صاحب کے استعفیٰ کی افواہیں پھیلنے لگیں۔ کراچی کے اخبارات نے چوہدری صاحب کے استعفیٰ کی خبریں بھی شائع کر دیں چنانچہ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل خبر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

کراچی ۸ اگست = آج کراچی کے تمام اخبارات نے اس خبر کو نمایاں طور پر شائع کیا کہ مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا ہے مرکزی کابینہ کا اجلاس خاص طور پر طلب کیا گیا جس میں سر ظفر اللہ کے استعفیٰ پر خصوصی غور کیا گیا۔ اگرچہ خواجہ ناظم الدین صاحب وزیر اعظم پاکستان نے چوہدری کو ترغیب دی ہے کہ آپ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں لیکن چوہدری صاحب اس بات پر راضی نہیں ہو رہے ہیں باخبر سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ چوہدری صاحب کے مستعفی ہونے کا فیصلہ قطعی ہے۔ چوہدری صاحب نے یہ اقدام مرزا بشیر الدین کے مشورہ کے تحت کیا ہے۔ پچھلے دنوں جب لاہور سے ہوتے ہوئے اپنے استعفیٰ کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے ربوہ گئے تو مرزا محمود کے ساتھ ایک بند کمرے میں دو گھنٹہ تک بحث و مذاکرہ ہوتا رہا بالآخر مرزا محمود نے چوہدری صاحب کو مجبور کر دیا تھا کہ اب ملک کے حالات ایسی صورت اختیار کر گئے ہیں کہ اس وقت مستعفی ہو کر جماعتی کام کرنا زیادہ مناسب ہے۔ بعض حلقوں کی رائے ہے کہ چوہدری صاحب نے پروگرام کے مطابق لاہور میں کئی روز تک قیام کرنا تھا مگر جب وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین صاحب نے یہ "اعلان حق" کیا کہ ۱۴ اگست کو حکومت مرزائیوں کے متعلق اپنی واضح پالیسی کا اعلان کر دے گی تو چوہدری ظفر اللہ

خاں، مرزا محمود سے مشورہ کرنے کے بعد اسی وقت کراچی روانہ ہو گئے۔ اور اس بدنامی سے بچنے کے لئے ... کہ اگر حکومت نے مسلمانان پاکستان کے متفقہ مطالبہ کو منظور کرتے کر لیا اور مجھ سے وزارت خارجہ کی کرسی چھین کر کسی دوسرے رکن کے سپرد کر دی تو اس طرح میری توہین ہو گی بہتر یہی ہے کہ ایسے حالات پیدا ہونے سے پیشتر ہی اس وزارت کو چھوڑ دیا جائے چوہدری صاحب کے استعفیٰ کی خبر سن کر مرزائی حلقوں میں بے حد اضطراب پایا جاتا ہے۔ ان کا یہ اضطراب اس بنا پر ہے کہ اگر چوہدری صاحب سے وزارت خارجہ کا منصب چھین لیا گیا تو سلسلہ احمدیہ کا وہ کام جو آج تک اس عہدہ کے باعث انجام پاتا تھا اب وہ آخری دم توڑتا نظر آتا ہے اور اب آئندہ ایسے مواقع کا دستیاب ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے ان حالات کے پیش نظر مرزائیوں کے مشہور مبلغین اور قائدین چوہدری صاحب سے مسلسل ملاقاتیں کر کے انہیں مجبور کر رہے ہیں کہ آپ اپنا استعفیٰ واپس لے کر مرزائیوں کے اضطراب کو دور کریں۔ آج چوہدری صاحب کے استعفیٰ کی خبر سن کر مسلمانوں میں ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ آج انہیں اپنے مطالبہ کی کامیابی کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔ (روزنامہ آزاد ۱۵ اگست ۱۹۵۲ء) لیکن چوہدری ظفر اللہ خاں خواجہ ناظم الدین سے نہ نکالے گئے۔

پوری قوم کی نگاہیں ۱۴ اگست پر لگی ہوئی تھیں کہ اس قومی دن کے موقعہ پر خواجہ ناظم الدین ان کے مطالبات کو مان لیں گے۔ لیکن اندر ہی اندر اس قسم کے حالات پیدا ہو گئے جن حالات میں خواجہ ناظم الدین بے دست و پا ہو کر رہ گئے اور وہ چوہدری ظفر اللہ کو نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

لیاقت علی خاں مرحوم خواجہ ناظم الدین سے زیادہ مضبوط اور ذی رائے وزیر اعظم تھے انہوں نے بھی ایک مرحلہ پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ چند وزرا کو مرکزی کابینہ سے نکال دیں گے۔ جن میں چوہدری ظفر اللہ خاں شامل تھے حال ہی میں سرحد کی مشہور شخصیت سردار بہادر خاں نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ لیاقت علی خاں مرحوم راولپنڈی میں اپنی زندگی کی اہم ترین تقریر کرنے گئے اور شہید کر دیئے گئے۔ آج بچے بچے کی زبان پر ہے کہ لیاقت علی خان مرحوم کی شہادت کا خاص پس منظر تھا۔ انہوں نے ظفر اللہ خاں کو وزارت سے ہٹانا چاہا لیکن خود راستے سے ہٹا دیئے گئے۔ خواجہ ناظم الدین ایک شریف کمزور وزیر اعظم تھے اور پھر کوئی ذی رائے لیڈر بھی نہیں تھے۔ جس طاقت نے لیاقت علی خان کو گولی مرواری تھی اس طاقت نے اب خواجہ ناظم الدین کو بغیر گولی مارے ہی ٹھنڈا کر دیا۔ اور محض سیاسی دباؤ ڈال کر انہیں ظفر اللہ کو نکالنے سے روک دیا گیا۔ ظفر اللہ خاں اگست کے پہلے ہفتہ ربوہ پہنچے تھے اور مرزا محمود سے استعفیٰ کے متعلق اجازت اور مشورہ لینے آئے تھے۔ مرزا محمود یہ کس طرح مان سکتے تھے

کہ ظفر اللہ خاں وزارت خارجہ سے استعفیٰ دے دیں اور اس کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ مرزا محمود نے ظفر اللہ خاں کو ڈٹے رہنے کا مشورہ دیا۔ اور خود سرکار امریکہ اور برطانیہ سے خفیہ رابطہ پیدا کیا۔ پاکستان کی سیاست میں امریکہ اور برطانیہ کی مداخلت کا اندازہ لیاقت علی خاں مرحوم کی موت سے کیا جا سکتا ہے۔ اس مداخلت کا اعتراف خواجہ ناظم الدین نے انکوائری کورٹ میں اپنی شہادت کے دوران بھی کیا۔ انہوں نے اپنی شہادت میں صاف صاف تسلیم کیا کہ ظفر اللہ خان کو نکالنے کے بعد امریکہ کی طرف سے ایک دانہ اناج پاکستان کو نہیں مل سکتا تھا۔ اور کشمیر کے مسئلے میں بھی امریکہ نے کوئی مدد نہ کرنے کی دھمکی دی تھی چنانچہ مرزا محمود خلیفہ ربوہ کی فریاد پر امریکہ اور برطانیہ دونوں نے خواجہ ناظم الدین پر دباؤ ڈالا۔ اور خواجہ صاحب گول ہو گئے۔

ظفر اللہ کا پینترا

چوہدری ظفر اللہ خاں کی یہ ہمیشہ پالیسی رہی کہ وہ حکومت پاکستان کے اعلیٰ مناصب پر فائز ہوتے ہوئے بھی بڑے دھڑلے سے مرزائیت کی تبلیغ کیا کرتے تھے اور کھلم کھلا مرزائیوں کی مدد کیا کرتے تھے وہ اپنی اس روش سے کبھی باز نہ آئے۔ انہیں معلوم تھا کہ میرا کھونٹا مضبوط ہے جب انہیں معلوم ہو جاتا کہ میرے نکالنے کا سوال ٹل گیا ہے اور میں اب خطرہ میں نہیں ہوں تو وہ اپنی دیدہ دلیری اور مسلمان وزرا کی بے غیرتی پر مہر ثبت کرنے کے لئے اس طرح کا بیان دے دیتے۔ ذیل میں ہم چوہدری ظفر اللہ خاں کے وہ الفاظ نقل کر رہے ہیں جو انہوں نے احمدیہ ہال کراچی میں اس موقعہ پر کہے تھے ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد " مجھے قائد اعظم محمد علی جناح نے وزیر خارجہ مقرر کیا تھا جناب میں اس عہدہ کو انعام غیبی سمجھتا ہوں اور اس سے مستعفی ہونا میرے لئے کفران نعمت کے مترادف ہے۔ جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو پریشان نہ ہونا چاہئے۔ وزارت خارجہ سے میرے مستعفی ہونے کی اطلاع سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ میں کسی مخالفت یا شور و شغب کے خوف سے ہرگز مستعفی ہونے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ میں دھمکیوں اور مخالفتوں سے مرعوب ہونے کا عادی نہیں ہوں لیکن اس معاملہ کی ایک آئینی صورت بھی ہے۔ وہ یہ کہ وزیر اعظم پاکستان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کابینہ کے جس رکن سے چاہیں استعفیٰ طلب کر سکتے ہیں اس کا امکان بھی بہت کم ہے اس لئے کہ میرے اور خواجہ ناظم الدین کے درمیان بہت گہرے روابط ہیں۔ وہ اس ہنگامہ اختلاف سے پہلے جس خلوص اور فراخ دلی کے ساتھ مجھ سے پیش آیا کرتے تھے اب بھی پیش آ رہے ہیں لیکن اگر وہ میرے خلاف پھیلی ہوئی ناراضگی سے پیدا شدہ

صورت حالات کا دلیری سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں تو اس صورت میں وہ مجھ سے استعفیٰ بھی طلب کر سکتے ہیں۔ اگر یہ صورت پیش آئی تو میں فوراً وزارت خارجہ سے کنارہ کش ہو جاؤں گا اور پھر یہاں ٹھہروں گا بھی نہیں۔ میرے ایک دوست نے حال ہی میں مجھے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ تم ان قدر ناشناسوں میں کہاں پڑے ہوئے ہو۔ چھوڑو اس وزارت خارجہ کو اور یہاں پہنچ آؤ۔"

چوہدری ظفر اللہ خاں کی اس تقریر کے ایک ایک لفظ سے چوہدری صاحب کی پختہ زناری اور خواجہ ناظم الدین اور اس کے ہمراہیوں کی بزدلی' منافقت اور بے غیرتی کا واضح ثبوت ملتا ہے وہ اس وزیر اعظم کے ساتھ اپنے گھرے روابط بتا رہا تھا جس کے جہانگیر پارک والے جلسہ میں شمولیت کے منع کرنے پر یہ باز نہیں آیا تھا۔ ساری قوم ناراض' مضطرب اور برافروختہ تھی اور یہ اسے صورت حالات کا دلیری سے مقابلہ کرنے یعنی اپنی قوم کو گولیوں سے بھون دینے کے مشورے دے رہا تھا۔ استعفیٰ کی صورت میں ملک چھوڑ دینے کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں اور پاکستان کی پوری باغیرت قوم کو قدر ناشناسی کا طعنہ سنایا جا رہا تھا۔

۱۴ اگست ۱۹۵۲ء

جوں جوں ۱۴ اگست کا دن قریب آتا جا رہا تھا عوام ایک عجیب قسم کا اضطراب محسوس کر رہے تھے۔ مرزائیت کے متعلق چونکہ عوام کو معلوم تھا کہ اس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں جب تک پاکستان میں انگریز' امریکہ کا اثر موجود ہے۔ مرزائیت کا مستقبل محفوظ ہے۔ لیکن دوسری طرف ختم نبوت کے مسئلہ کی اہمیت اور اس مسئلہ پر پوری قوم کی یکجہتی اور اتفاق' خواجہ ناظم الدین کی دینداری اور شرافت سے کچھ امید بندھ چلی تھی کہ مطالبات ضرور مان لئے جائیں گے عوام کے اضطراب کو مدنظر رکھتے ہوئے مجلس عمل نے فیصلہ کیا کہ مجلس عمل کا ایک وفد ۱۴ اگست سے قبل خواجہ ناظم الدین صاحب سے کراچی میں پہنچ کر ملاقات کرے اور ان سے درخواست کرے کہ وہ عوام کے اس دینی مطالبہ کو مان لیں اور ۱۴ اگست کی تقریر میں اس کا اعلان کر دیں۔

چنانچہ ۱۳ اگست ۱۹۵۲ء کو یہ وفد وزیر اعظم سے کراچی میں ملا۔ اس وفد میں ماسٹر تاج الدین انصاری' مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری' مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش' شیخ حسام الدین۔ اور مولانا عبدالحامد بدایونی شامل تھے۔ اس وفد نے آل مسلم پارٹیز کے تین مطالبات تحریری طور پر خواجہ صاحب کو پیش کئے۔ خواجہ صاحب اس وفد کی ملاقات سے پہلے امریکہ بہادر کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے تھے انہیں معلوم تھا کہ وہ اگلے دن یعنی ۱۴ اگست کو اپنی تقریر

میں کیا کہنے والے ہیں۔ اس لئے انہوں نے وفد کو ٹرخا دیا اور کہا کہ کل ۱۴ اگست یوم پاکستان ہے بعض مصروفیتوں میں الجھا ہوا ہوں بہتر یہ ہے کہ یوم پاکستان کے گذر جانے کے بعد آپ تشریف لائیں تاکہ اطمینان کے ساتھ باتیں ہو سکیں۔ وفد واپس چلا آیا اور کراچی میں ٹھہرا رہا تاکہ ۱۴ اگست کی تقریب گزر جانے کے بعد وزیر اعظم سے دوبارہ ملاقات کر سکے ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا انہوں نے ۱۴ اگست سے پہلے ملاقات کر لی تھی۔ اپنے مطالبات کی یاددہانی کرا دی تھی۔

خواجہ ناظم الدین کی تقریر

۱۴ اگست کو جشن آزادی کے سلسلہ میں وزیر اعظم پاکستان کی تقریر ہوئی مولانا اختر علی خاں کے اعلان کی روشنی میں ساری قوم اس بات کی منتظر تھی کہ خواجہ صاحب انگریز کی یادگار یعنی ظفر اللہ خاں کو کابینہ سے علیحدہ کرنے اور مرزائیوں کے متعلق قوم کے مطالبہ کو تسلیم کر لینے کا اعلان کریں گے لیکن یہ بات ان کے بس کا روگ ہی نہ تھی۔ ۱۵ اگست ۱۹۵۲ء کے اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوئیں۔

۱۴ اگست جہانگیر پارک میں ایک عظیم الشان اجتماع سے خواجہ ناظم الدین نے خطاب کیا۔ مسلمانان کراچی بے پناہ جوش عقیدت اور جذبہ اسلامی کے تحت جہانگیر پارک میں جمع ہوئے تھے کہ آج وزیر اعظم پاکستان مسلمانوں کے مطالبہ اور اپنے کئے گئے وعدہ کے مطابق مرزائیوں کے متعلق اپنی واضح پالیسی کا اعلان کریں گے۔ مگر جب تقریر میں مرزائیوں کے ذکر کا فقدان پایا بلکہ اس تقریر میں جب لوگوں نے وزیر اعظم کے منہ سے یہ الفاظ سنے کہ "جلسے اور مظاہرے اس بات کو ظاہر نہیں کرتے ہیں کہ ان کے مطالبے کے ساتھ عوام کی اکثریت بھی شامل ہے۔" خواجہ صاحب نے اخبارات کی مہم اور مجلس عمل کی مساعی کے متعلق مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ان چیزوں سے ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ بس پھر کیا تھا۔

کراچی کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ مسلمانان کراچی نے اسی شب آرام باغ میں ایک عظیم الشان احتجاجی جلسہ منعقد کیا' جس کی صدارت کے فرائض مولانا احتشام الحق تھانوی نے سرانجام دیئے۔ یہ اجتماع اپنی نوعیت کا تاریخی جلسہ تھا۔ حضرت مولانا عبدالحی' ایم اے ایل ایل بی وکیل۔ نوابزادہ ولایت علی خاں۔ مولانا صدیق وہاب اور مولانا احتشام الحق تھانوی نے اپنی تقاریر میں خواجہ ناظم الدین کے مایوس کن رویہ کی پرزور مذمت کی۔ اور زبردست احتجاج کرتے ہوئے حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ وہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے اور سر ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ سے الگ کرے۔ جب تک مسلمانوں

کے خلاف دینی مطالبات منظور نہیں کر لئے جاتے اس وقت تک وہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

مرکزی حکومت کا اعلان

خواجہ ناظم الدین اور ان کی حکومت کو معلوم تھا کہ ۱۳ اگست کی تقریر عوام کی امیدوں اور توقعات کے برعکس ہے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس صورت حال سے عوام پہلے سے زیادہ ناراض اور برافروختہ ہو جائیں گے اور ملک میں تحریک بھڑک اٹھے گی انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ آل مسلم پارٹیز کا وفد بھی کراچی میں موجود ہے۔ اور وہ ایک روز میں پھر ملاقات کرنے والا ہے۔ اس لئے حکومت نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے ۱۵ اگست کو ایک اعلان جاری کیا۔ اس اعلان کا مقصد مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنا اور آل مسلم پارٹیز کی کچھ تسلی و تشفی کرنا تھا۔ حکومت کے اعلان کی عبارت درج ذیل تھی۔

" حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا ہے کہ صوبائی یا مرکزی وزارتوں کا کوئی رکن ان اشخاص میں جن کے ساتھ اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ کسی فرقہ وار عقیدے کی تبلیغ کے لئے اپنی سرکاری پوزیشن کو استعمال نہ کرے گا۔ ہر گورنر کو ہدایت کی گئی ہے کہ یہ فیصلہ تمام متعلقہ وزیروں تک پہنچا دیں اور حکومت توقع رکھتی ہے کہ آئندہ کوئی وزیر اس قاعدے کی خلاف ورزی نہ کرے گا۔

حکومت پاکستان کو اکثر اس امر کی شکایات موصول ہوئی ہیں کہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے بعض افسر جو ایک خاص فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اپنے ماتحتوں اور ان دوسرے اشخاص کے درمیان جن کے ساتھ سرکاری حیثیت میں ان کا واسطہ پڑتا ہے اپنے فرقہ وار عقائد کی تبلیغ کے لئے اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔ حکومت اس معاملے کو سخت نامناسب خیال کرتی ہے چنانچہ اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ناپسندیدہ سرگرمی کو فی الفور ختم کر دیا جائے۔ اور آئندہ کے لئے اس قابل اعتراض طریقے سے فرقہ وار عقائد کی تبلیغ کو ممنوع قرار دیا جائے۔

گورنمنٹ سروس کانڈکٹ رولز (قواعد کردار ملازمان سرکاری) میں اس منشا کے مطابق ترمیم کر دی گئی ہے۔

حکومت اعلان عام کر دینا چاہتی ہے کہ جو شخص خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو اس قاعدے کی خلاف ورزی کرے گا۔ اس کے خلاف شدید کارروائی کی جائے گی۔ پاکستان کی صوبائی اور ریاستی حکومتوں کو بھی اس قسم کے اقدام کی ہدایت کی گئی ہے۔"

چور کی داڑھی میں تنکا

حکومت کے اس اعلان کا مسلمانوں نے تو کوئی خاص اثر نہ لیا۔ اگرچہ سرکاری حلقے اسے عوام کی بہت بڑی فتح سے تعبیر کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ اب قادیانی سرکاری افسر جارحانہ تبلیغ نہیں کر سکیں گے لیکن عوام اسے حکومت کی ایک چال اور سلا دینے والی تھپکی سے زیادہ نہیں سمجھ رہے تھے۔

البتہ چور کی داڑھی میں تنکا کی مشہور مثل کے مصداق چوہدری ظفر اللہ خاں بول اٹھے۔ چوہدری ظفر اللہ اور دوسرے کلیدی آسامیوں پر متعین سرکاری افسران جانتے تھے کہ اگرچہ سرکاری اعلان میں ظفر اللہ خاں اور مرزائی افسروں کا نام نہیں لیا گیا لیکن اس اعلان کا روئے سخن انہیں کی طرف ہے۔ اس لئے انہوں نے جھٹ ایک بیان داغ دیا۔ وہ بیان کیا تھا' سرکاری اعلان کا ترکی بہ ترکی جواب اور تردید تھی گویا خواجہ ناظم الدین اور ان کی حکومت کے منہ پر چپت تھی۔ جسے وہ کمال درجہ کی بے غیرتی سے برداشت کر گئے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں نے اس موقعہ پر جو بیان دیا اور اسے بڑے اہتمام سے شائع کرایا گیا۔ وہ بیان حسب ذیل ہے۔

"میں ان تعلیمات اسلامی کے مطابق جو قرآن مجید میں درج ہیں اور جن کا نمونہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں موجود ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے آزادی ضمیر پر پورا اعتقاد رکھتا ہوں۔ میرے خیال میں سرکاری اثر و نفوذ کا استعمال بھی براہ راست دباؤ تشدد ہی کی مانند آزادی ضمیر میں مداخلت کا حکم رکھتا ہے۔ بلکہ اسلام نے تو ہر مسلمان پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں قول و فعل سے احکام اسلامی کی تعلیم کا ثبوت دے' یہ وہ فرض ہے جس کی طرف سے مسلمانوں نے اپنے دور زوال میں افسوسناک غفلت برتی' جس کے نتائج ان کی انفرادی اور قومی زندگیوں پر بالکل واضح ہیں۔

خود میرے عقائد میرے جاننے والوں سے (خواہ وہ مجھے شخصاً جانتے ہوں یا میری شہرت کی وجہ سے واقف ہوں) کبھی پوشیدہ نہیں رہے گو پچھلے دنوں بعض حلقوں میں ان کو بگاڑ کر پیش کرنے اور ان کے متعلق غلط بیانی کرنے کی مسلسل کوشش کی گئی ہیں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں میں اس امر کو خلاف دیانت اور خلاف تعلیمات اسلامی سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے سرکاری عہدہ و اختیار کو بالواسطہ یا بلاواسطہ استعمال کر کے اپنے مذہبی عقائد کو دوسروں پر زبردستی منڈھ دے۔ یا اسی قسم کے اثر و نفوذ سے کام لے کر کسی شخص کو اس کے حقیقی عقائد کے ترک پر مجبور کرے۔ میں جس جماعت سے تعلق رکھتا ہوں اس میں اصولوں کی وسیع تعبیر دی جاتی ہے اور اس کو مسلمہ اصول سمجھا جاتا ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ اس جماعت کا کوئی

فرد اس صحیح اور مفید اصول کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو مجھے یقیناً بے حد حیرت اور انتہائی اذیت ہو گی۔

یہ صحیح ہے کہ جہاں تک ہمارے محدود وسائل اجازت دیتے ہیں، ہمارے خیالات و عقائد کی وسیع تبلیغ کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس فریضے کی بجا آوری میں کیا جاتا ہے جو صحیح الخیال لوگوں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ جن عقائد کو دل سے صحیح سمجھیں ان کی مسلسل اور مخلصانہ نشر و اشاعت اپنے قول و فعل سے کرتے رہیں تاکہ راستبازی پھیل جائے اور نیکیاں قائم ہو جائیں۔ اگر اس مقصد کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ جس سے جبر اور دباؤ اور ناواجب وسائل کے استعمال کی بو آتی ہو تو خود یہ مقصد ہی فوت ہو جائے گا جس شخص کے متعلق ایسا طریقہ استعمال کیا جائے گا اس کا رد عمل لازماً مخالفانہ ہو گا اور وہ محسوس کرے گا کہ اس کو آزادی اور خوشدلی سے بنیادی صداقتوں کا مطالعہ اور ان پر غور و خوض کرنے کی دعوت نہیں دی جا رہی ہے بلکہ ایک ایسے عقیدے کے ظاہری قبول پر مجبور کیا جا رہا ہے جس کو اس کا ضمیر تسلیم نہیں کرتا۔

اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ جس جماعت کے خلاف بعض حلقے جو عظیم اکثریت ہونے کے دعویدار ہیں۔ برابر غلط بیانی اور جبر و ظلم میں مصروف ہیں۔ اس جماعت کے ارکان اس قسم کے طور طریقے اختیار نہیں کر سکتے۔ جب انہیں ایسی باتوں کے لئے اتہام، استہزاء اور نفرت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے جو ان کے عقائد میں بھی شامل نہیں اور جن پر انہوں نے کبھی عمل بھی نہیں کیا تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ان طور طریقوں کو اختیار اور استعمال کرنا شروع کر دیں گے جو نہ صرف اسلام کے بلکہ عقل صحیح کے بھی خلاف ہیں اور جن سے ان کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ پھر ایسی حالت میں شدید سزا اور شدید مذمت سے بچنے کی کیونکر توقع رکھ سکتے ہیں۔

حکومت کی طرف سے جو اعلان کیا گیا ہے میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے باشندگان پاکستان کے تمام طبقے اس اعلان کو ہر دم پیش نظر رکھیں گے اور دین و ایمان کے متعلقہ امور میں سکون و متانت اور سنجیدگی و رواداری کی فضا قائم کرنے میں معاون ہوں گے جن موضوعات سے انسانی ذہن کا تعلق ہے اور جن کا اثر ذہن قبول کرتا ہے ان میں بلند ترین موضوعات ایمان و اعتقاد ہیں۔ اس دائرے میں انتہائی حزم و احتیاط لازمی ہے مبادا اللہ کی نظروں میں ہم اس گناہ کے مرتکب قرار پائیں کہ ہم نے کسی شخص کو ایسے عقیدے کے اعلان پر مجبور کیا جسے اس کا ضمیر قبول نہیں کرتا۔ اور ان عقائد سے انکار کی ترغیب دی جن کو اس کا قلب و ضمیر مخلصانہ قبول کرتا تو کوئی شخص جو اس قسم کے فعل کا مرتکب ہے وہ وزیر ہو حاکم ہو

یا کوئی غیر سرکاری فرد ہو حقیقت میں سوا مشن فلسطین کی نہیں بلکہ منافقین کی جماعت پیدا کرنے کا خواہاں ہے۔"

مجلس عمل کی پالیسی

ماسٹر تاج الدین فرماتے ہیں۔

مولانا اختر علی خاں کراچی سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے ظفر اللہ خاں کے متعلق خواجہ ناظم الدین کی ملاقات سے اخذ کردہ نتائج و مواعید کو اخبار زمیندار میں شائع کر دیا اس کے شائع ہوتے ہی مسلمانوں میں خوشی دوڑ گئی لیکن قبل از وقت خبر کے افشاء سے دشمن چوکنا ہو گیا۔ ربوہ سے لندن و امریکہ تک کی ڈوریں ہلنے لگیں۔ اور خواجہ ناظم الدین ایسے کمزور انسان کو پھانسنے کے لئے یہ جال تیار ہونے لگا مجلس عمل ان حالات میں سوائے اس کے اور کیا کر سکتی تھی کہ خواجہ صاحب کو ان کے اپنے وعدہ پر قائم رہنے کی تسلی اور حوصلہ دے چنانچہ

مجلس عمل کے وفد کی روانگی

۱۱ اگست کو مجلس عمل کا وفد خواجہ صاحب سے ملاقات کے لئے کراچی پہنچا اس وفد میں حضرت مولانا ابوالحسنات، شیخ حسام الدین، مولانا بخش، مولانا عبدالحامد بدایونی شامل تھے، مجھے وفد میں شامل ہونے کا موقعہ ملا۔ میں اس وفد میں بھی شامل ہوا، خواجہ صاحب نے مصروفیت کی وجہ سے فرمایا کہ کل کی بجائے پرسوں ملاقات ہو سکے گی چنانچہ ۱۳ اگست کو خواجہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو وفد نے انہیں مجلس عمل کی جانب سے میمورنڈم پیش کیا۔

مختصر سی گفتگو کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا کہ مفصل گفتگو تو میں آپ سے ۱۴ اگست کو کر سکوں گا۔ آپ ۱۴ کو ضرور تشریف لے آئیں۔ انشاء اللہ دل کھول کر گفتگو ہو گی۔ ہم ۱۴ اگست تک کے لئے ٹھہر گئے۔

۱۴ اگست کا جلسہ

۱۴ اگست کے جلسے کی اہمیت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس دن پاکستان کے کونے کونے میں عظیم الشان جلسے منعقد ہوتے ہیں کراچی کے جلسہ عام کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس دن حکومت کی جانب سے وزیراعظم بعض اہم ملکی مسائل پر حکومت کی پالیسی کا اعلان کرتے ہیں۔ ملک بھر میں اس مرتبہ سر ظفر اللہ خاں کی علیحدگی کے بارے میں عام چرچا تھا۔ خواجہ صاحب نے چونکہ مولانا اختر علی سے وعدہ فرمایا تھا اس لئے مسلمانوں کی آنکھیں کراچی کے جلسے پر لگی ہوئی تھیں۔ عظیم الشان جلسہ ہوا۔ مگر خواجہ صاحب خلاف امید اس مطالبہ کو گول کر گئے اور

تحفظ ختم نبوت کے بارے میں ایک لفظ تک نہ فرمایا۔ حاضرین جلسہ سخت مایوس ہوئے۔ جلسے میں گڑبڑ ہوئی لوگوں نے اٹھ اٹھ کر جانا شروع کیا منتظمین یعنی سرکاری لوگوں نے عوام کو بٹھانا چاہا۔ لوگ مانتے نہ تھے۔ خواجہ صاحب گھبرا تو چکے تھے اس صورت حال نے جلسے کو اور بھی بدمزہ کر دیا' نہایت افسردگی کے عالم پہ جلسہ ختم ہو گیا حقیقت یہ ہے کہ بڑی بھد ہوئی۔

ہمیں اس جلسے میں جانے کے بجائے دوسرے پروگرام پر عمل کرنا تھا یعنی ہم باقی وزراء سے ملاقاتوں کا پروگرام بنا کر چل پڑے۔ ہم نے ۱۴ اگست کو جناب مشتاق احمد گورمانی' سردار عبدالرب نشتر' فضل الرحمن کو خطوط لکھ ملاقات کا وقت مانگا۔ ان حضرات نے ۱۴ اگست کی بجائے ۱۵ اگست کو ملاقات کا وعدہ فرمایا چنانچہ سردار عبدالرب نشتر سے طویل ملاقات ہوئی۔ خوب بحث ہوئی۔ سردار صاحب کو مسئلے سے ہمدردی تھی۔ وہ مرزائیوں کو کافر سمجھتے تھے مگر انہیں طریق کار سے کسی قدر اختلاف تھا وہ یہ فرماتے تھے کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دلوانا خسارے کی بات ہے بلکہ اسی طرح رہنے دیجئے مگر کوشش کیجئے کہ انہیں کسی حیثیت پر آنے نہ دیا جائے احرار نے انہیں شکست دیکر حال ہی میں "یوم تشکر" منایا تھا اسی طرح ان کو نمائندگی سے محروم کیجئے۔ اگر آپ نے انہیں اقلیت قرار دلوایا تو انہیں نمائندگی دینا پڑے گی خواہ ایک ہی حیثیت دی جائے۔ مگر ان کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا۔ ہم انہیں سمجھاتے تھے کہ یہ بے اصولے پن کی بات ہے مسلمانوں کے اندر بحیثیت مسلمان رہتے ہوئے ان مرزائیوں نے کلیدی آسامیوں پر بحیثیت مسلمان قبضہ کر رکھا ہے حتیٰ کہ وزارت خارجہ پر مرزائی قابض ہے علاوہ ازیں آپ ہمیں یہ سمجھائیے کہ جب مسلمان ووٹروں کی فہرست بنے گی تو ان مرزائیوں کو کس کھاتے میں ڈالئے گا؟ اگر آپ انہیں مسلمانوں کی فہرست میں درج کرتے ہیں تو یہ فرما دیجئے کہ اسلام کے کس اصول اور ضابطے کے مطابق آپ ان کافروں کو مسلمانوں کی فہرست میں درج کرائیں گے۔

ہم یہ بھی کہتے تھے کہ اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد اور بیرونی ممالک میں مرزائیوں نے مسلمانوں کو جو دھوکہ دے رکھا ہے اس کا خاتمہ ہو جائے گا جب اسلامی دنیا کو معلوم ہو گا کہ مرزائی مسلمانوں سے علیحدہ ایک الگ قوم ہے تو مرزائیت کے اڈے ختم ہو جائیں گے۔ بحالات موجودہ مرزائی بہت مزے میں ہیں۔ وہ پاکستان اور اسلام کے نام پر بیرونی دنیا کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اور اسلام ہی کے نام پر کفر کا جال پھیلا رہے ہیں یہ انتہائی نامناسب بات ہے۔ اس مصیبت سے اسی صورت چھٹکارا مل سکتا ہے کہ مرزائیوں کو مسلمانوں کی فہرست میں درج نہ ہونے دیا جائے۔ صبح ۹ بجے سے ۱ بجے دوپہر تک نشتر صاحب سے مفصل گفتگو ہوتی رہی۔ گو مقصد میں ہم ایک تھے مگر انداز فکر بالکل جدا ہم مرزائیوں کو علیحدہ کر کے مرزائیت کا گلا گھونٹ

دینا چاہتے تھے۔ سردار صاحب بیچ میں رکھ کر دم نکال دینے کے حق میں تھے۔

خواجہ ناظم الدین سے ملاقات

۱۷ اگست کی صبح خواجہ ناظم الدین کی حکومت نے ایک کمیونک شائع کیا جس میں وزراء اور حکام کو مذہبی اجتماعات اور جلسوں وغیرہ میں جانے سے روکا گیا اور سرکاری عہدوں اور وزارتوں کے نام سے ایسے اجتماعات میں شمولیت کو ممنوع قرار دیکر قابل مواخذہ گردانا۔ یہ کمیونک دراصل خواجہ صاحب کے دلی جذبات کی کمزوری جھلک تھی خواجہ صاحب مرزائیت کے خلاف تھے۔ خواجہ صاحب دل سے چاہتے تھے کہ سر ظفر اللہ خان کی بلائے ناگہانی از خود ٹل جائے۔ اسے یا تو دوسری دنیا سے بلاوا آجائے یا وہ معذور ہو کر خود ہی گھر چلا جائے۔ مگر خواجہ صاحب میں یہ حوصلہ ہی نہ تھا کہ وہ آگے بڑھیں اور سر ظفر اللہ خان کو دھکا دیکر باہر نکال دیں۔ ایک نیک نمازی' شریف انسان مگر بہت ہی کمزور'۔ کبھی تو کہا کہ بزدل کا ایمان ہی کیا۔ کسی نے ذرا ڈرایا تو ڈر گئے اور دھمکایا تو دبک گئے۔ بچارے چاہتے تو تھے کہ علماء کرام کی بات مان لی جائے مگر دائیں' بائیں دیکھ کر صبر کر جاتے تھے۔

اس کمیونک کے جواب میں سر ظفر اللہ خان نے سب سے پہلے بیان دیا اور بہت مزیدار بیان دیا۔ یعنی وہ یہ سمجھ کر کہ کمیونک صرف انہی کی ذات گرامی پر اثر انداز ہوتا ہے اسے ماننے پر مجبور تھے اس لئے کہ عہدے سے مستعفی ہونے پر آمادہ نہ تھے۔ مگر جب یہ محسوس کرتے تھے کہ اس کمیونک سے وہ ریشہ دوانیاں اور پراپیگنڈہ جو وہ بحیثیت وزیر خارجہ کر لیتے تھے ان پر قدغن لگ گئی ہے تو بل کھا کر کہتے تھے کہ مذہبی آزادی کا دور ہے ہر شخص اپنے عقیدے پر قائم رہنے کا حق رکھتا ہے غرضیکہ سر ظفر اللہ خان نے کمیونک پر بل کھاتے ہوئے تسلیم اور انکار کے ملے جلے جذبات کا مظاہرہ کیا ہمیں چونکہ خواجہ صاحب نے ۱۷ ار کی شام کو بلا بھیجا تھا اس لئے ہمارا وفد شام کو خواجہ صاحب کی کوٹھی پر حاضر ہوا۔ جہاں سر ظفر اللہ خان اور سردار بہادر خان کے علاوہ باقی وزرا موجود تھے۔ ملاقات ہوئی اور یہ ملاقات تقریباً دو گھنٹے جاری رہی۔ اس ملاقات میں سردار عبدالرب نشتر بڑی خوبصورتی سے ہماری تائید فرماتے تھے۔

ہمیں یہ خیال تھا کہ اس ملاقات میں مولانا اختر علی خان والی بات کی صفائی ہو جانا چاہئے چنانچہ ہم نے خواجہ صاحب پر اچانک سوال کر دیا کہ آپ نے مولانا اختر علی خان صاحب سے فرمایا تھا کہ سر ظفر اللہ خان کو علیحدہ کر دینے کا مطالبہ مان لیا جائے گا۔ خواجہ صاحب نے کسی توقف کے بغیر فوراً جواب دیا کہ میں نے ان سے اخبار میں شائع کرنے کو کب کہا تھا؟ اس تتمے سے ہم نے اندازہ لگا لیا کہ مولانا اختر علی خان بالکل درست تھے۔ خواجہ صاحب نے وعدہ ضرور

فرمایا تھا مگر...... اخبار میں شائع کر دینے سے بات کھڑی ہو گئی اور سر ظفر اللہ خاں نے اودھم مچا دیا اور خواجہ صاحب کو استعفیٰ دلوایا اور معلوم ہوتا ہے کہ اوپر سے ایسا دباؤ ڈلوایا کہ خواجہ صاحب لیفٹے پر قائم نہ رہ سکے۔ قبل از وقت اگر خوشی سے بے قابو ہو کر بات منہ سے نکل جائے یا راز افشا ہو جائے تو بنا بنایا کام بگڑ جایا کرتا ہے۔ ہمیں اس صورت حال پر ایک پرانا واقعہ یاد آ گیا۔

بھگت سنگھ کی پھانسی

بھگت سنگھ کو کون نہیں جانتا کہ یہ نوجوان سردار کشن سنگھ کا لخت جگر جوان اور بھارت سبھا کا سب سے بڑا ہیرو تھا۔ جس نے اسمبلی ہال کے بھرے اجلاس میں بم پھینک کر انگلستان کے وقار کی چولیں ڈھیلی کر دی تھیں۔ بھگت سنگھ پکڑا گیا۔ اسے جب پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا تو ہندوستان میں کہرام مچ گیا۔ کانگریس کیمپ میں آگ لگ گئی اور کانگریس کے راہنماؤں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوا۔ ہندوؤں یا مسلمان سب کے دلوں میں عام طور پر بھگت سنگھ ایسے بہادر نوجوان سے ہمدردی تھی۔ ہندوستان میں جگہ جگہ احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کی بھرمار ہوئی۔ انگریز بہادر بھی گھبرایا مگر وہ صورت حال سے نپٹنے کے لئے تیار تھا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ ان دنوں جوش کا یہ عالم تھا کہ لوگ اجلاس کے باہر دھرنا مار کر بیٹھ گئے اس اجلاس میں سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ مہاتما گاندھی جو عدم تشدد کے دیوتا مانے جاتے تھے۔ اس بات پر مصر تھے کہ "میں تو کسی قسم کے تشدد کی تائید میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔ مگر جب قوم کسی مطالبے پر اتر جائے تو نیتا جھک جایا کرتے ہیں۔ بہت لمبی چوڑی بحث کے بعد گاندھی جی کو آمادہ کیا گیا کہ وہ وائسرائے سے مل کر پھانسی کی سزا کو عمر قید میں تبدیل کرائیں۔ چنانچہ گاندھی جی وائسرائے سے ملے' اندر جو بات ہوتی ہے وہ مشکل سے اندر رہ سکتی ہے بات کے پر ہوتے ہیں بات اندر سے باہر آ ہی جایا کرتی ہے۔ برطانیہ نے اپنے جاسوس قدم قدم پر بٹھا رکھے تھے چنانچہ وائسرائے نے گاندھی جی سے پوچھتے ہی یہ فرمایا کہ آپ تو عدم تشدد کے پرچارک ہیں۔ آپ تشدد کرنے والوں کی حمایت میں کیسے تشریف لے آئے؟ گاندھی جی کو سیاسی زبان کے استعمال کا ڈھنگ خوب آتا تھا گاندھی نے کہا کہ میں ورکنگ کمیٹی کی آرزو لیکر آیا ہوں اور اس سے میرے مشن کو تقویت حاصل ہوتی ہے میں خون خرابے کے دروازے کو بند کرنے کے لئے اس تجویز کے حق میں ہوں کہ بھگت سنگھ کی پھانسی کی سزا بدل دی جائے۔ وائسرائے مان گیا۔ گاندھی جی نے ورکنگ کمیٹی کو مطلع کر دیا۔ خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مگر اسی میٹنگ میں یہ طے ہوا کہ باہر بات نہ جانے پائے تا آنکہ حکومت سزا کی تبدیلی کا

خود اعلان نہ کر دے۔ ڈاکٹر ستیہ پال ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔ بھگت سنگھ کی پھانسی کا چرچا پنجاب میں بہت زیادہ تھا۔ بھگت سنگھ بھی پنجابی تھے۔ ڈاکٹر ستیہ پال راتوں رات لاہور پہنچے اور یہ مژدہ جاں فزا گھر گھر سنایا مگر میں نہیں کسی خاص دوست کو نہیں بلکہ جلسہ عام میں اعلان کر دیا۔ گورنر پنجاب کو معلوم ہوا تو اس نے وائسرائے کی خدمت میں استعفیٰ لکھ کر بھیج دیا اور لکھ دیا کہ اب بات سنبھالئے اس پنجاب میں اب کوئی انگریز حکمرانی نہیں کر سکتا۔ وائسرائے مجبور ہو گئے۔ اور پھانسی کا حکم بحال رکھا گیا۔ بھگت سنگھ کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا۔

ڈاکٹر ستیہ پال کے محب وطن ہونے میں کس کو شک ہے؟ مگر قبل از وقت راز کے افشا ہونے سے بنا بنایا کام بگڑ گیا۔ یہی صورت حال خواجہ ناظم الدین کے وعدے کی ہوئی۔ مولانا اختر علی خان جس خلوص سے تحریک ختم نبوت میں کام کر رہے تھے۔ مصروفیت کے باوجود وہ باہر کانفرنسوں میں تشریف لے جاتے اور اس راہ میں اپنی جیب سے روپیہ خرچ کرتے۔ اخبار زمیندار اسی تحریک کے لئے وقف تھا سچ تو یہ ہے کہ اس تحریک کو چار چاند لگانے میں مولانا اختر علی خان نے کسی دوست سے کم حصہ نہیں لیا۔ خواجہ ناظم الدین کے وعدے کو مولانا نے مرد آہن کا وعدہ سمجھا حالانکہ ان کا وجود سیاسی روئی سے بنایا گیا تھا۔ وہ دور سے بڑے مضبوط انسان نظر آتے تھے مگر ہاتھ لگانے سے معلوم ہوتا تھا کہ سارا جسم پلپلا ہے۔ بہر حال جس طرح اللہ کو منظور تھا وہی ہوا۔

اس ملاقات میں' میں نے سرکاری کمیونک کا ذکر کرتے ہوئے خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ خواجہ صاحب آپ اپنے کمیونک کی تعریف تو بہت فرماتے ہیں مگر اس کمیونک کی سیاہی خشک ہونے سے قبل سر ظفر اللہ خاں نے بیان دینا ضروری سمجھا ان کی یہ حرکت کمیونک سے انحراف اور ضابطے کے خلاف ہے۔ وزیر اعظم کے اعلان کو کوئی وزیر استعفیٰ دیئے بغیر چیلنج نہیں کر سکتا اور نہ اپنی منشاء کے مطابق اس کی تشریح و توضیح کا حق رکھتا ہے۔ میرا اعتراض ختم نہیں ہوا تھا کہ سردار عبدالرب نشتر نے خواجہ صاحب کو سہارا دیتے ہوئے مسکرا کر فرمایا ماسٹر صاحب ! آپ یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ جس شخص کو چابک مارا جائے وہ فریاد بھی نہ کرے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ اس کمیونک کی زد براہ راست چوہدری صاحب پر پڑتی ہے سارا جھگڑا تو انہی کی ذات کا ہے اس کمیونک کے دور رس نتائج ہونگے اور آپ دیکھیں گے کہ حالات پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اس کمیونک سے آپ کی بہت سی شکایات کا ازالہ ہو جائے گا۔

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں۔ اس ملاقات میں خواجہ ناظم الدین نے اپنی ۱۳ اگست کی تقریر کی روشنی میں وفد کو مایوس کن جوابات دیئے اور تقریباً وہی باتیں دہرائیں جو چوہدری ظفر اللہ خاں نے اپنے بیان میں کی تھیں۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے والے

مطالبہ کے دلائل کا کوئی جواب نہ دیتے ہوئے صرف یہ کہا کہ یہ مسئلہ میری ذات کے دائرہ اختیار میں نہیں بلکہ دستور ساز اسمبلی کے دائرہ اختیار میں ہے۔ اس میں میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔ چوہدری ظفر اللہ خاں کو بھی میں وزارت سے نہیں نکال سکتا۔ اسے قائد اعظم نے وزیر خارجہ بنایا تھا میں اسے کس طرح نکال دوں۔ باقی ربوہ کی زمین والا مسئلہ یہ صوبائی حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ اس کے متعلق صوبائی حکومت سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ غرضیکہ خواجہ ناظم الدین صاحب نے ۱۳ اگست کی تقریر کی روشنی میں وفد کو حوصلہ شکن جواب دیا اور وفد بھی اتمام حجت کے لئے ملاقات کر کے اور دل میں گرہ باندھ کر اور کچھ اور ہی ٹھان کر لاہور واپس آ گیا۔ حکومت کی پالیسی اب بالکل واضح ہو چکی تھی۔

یہ مرحلہ تحریک کے رہنماؤں کے لئے بڑا کٹھن اور تکلیف دہ تھا۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ادھر خواجہ ناظم الدین نے مطالبات تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ادھر جسٹس ایم آر کیانی نے ملتان فائرنگ کی تحقیقات کرنے کے بعد جو بڑی مایوس کن رپورٹ دی تھی اسے اخبارات میں شائع کر دیا گیا۔ خواجہ ناظم الدین کا مطالبات تسلیم کرنے سے انکار اور جسٹس ایم آر کیانی کی رپورٹ یکے بعد دیگرے اخبارات میں شائع ہوئیں۔ عوام پہلے ہی ناراض اور اشتعال میں تھے۔ ان دونوں خبروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور لوگ حکومت سے بالکل مایوس ہو گئے۔

ہم یہاں جسٹس ایم آر کیانی کی وہ رپورٹ درج کر رہے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ تاریخ کس طرح پلٹے کھاتی ہے یہ رپورٹ اسی جسٹس کیانی کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہے جو بعد میں ایوب خاں کی آمریت کے خلاف جنہے مسکراتے طعن و تشنیع کے تیر پھینکتے اور اس کی سطوت و جلال کے خلاف نقد و جرح کی آگ برسانے لگ گیا تھا۔

یہ رپورٹ خالصا ایک ایسے جج کی لکھی ہوئی رپورٹ ہے جو قطعاً اپنا کوئی ضمیر نہ رکھتا ہو اس ۱۰۰ فیصد پولیس کے حق میں فیصلہ کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں جس طرح پولیس چاہتی تھی اس طرح کی یہ رپورٹ لکھ دی گئی لیکن جب سکندر مرزا کا تخت و تاج امٹ گیا اور اس کے بنائے ہوئے خاکے بگڑ گئے۔ تو جسٹس کیانی جو سکندر مرزا کے ہم مسلک اور ہمراز تھے کے دل کو ٹھیس لگی پھر ان کا ضمیر جاگ اٹھا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ دور ایوبی کا جمود سب سے پہلے جس شخص نے توڑا۔ وہ جسٹس ایم آر کیانی ہی تھے۔ اس برہمی کے اسباب خواہ کچھ ہوں اور ان کی جونسی بھی رگ پھڑک اٹھی ہو۔ بہرحال انہوں نے ہی ایوب خاں کی آمریت کے قلعہ میں پہلا شگاف کیا۔

جسٹس ایم آر کیانی کی رپورٹ

مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۲ء کی صبح کو ملتان کے ایک اجتماع پر پولیس کی فائرنگ کے متعلق حکومت پنجاب نے جو کمیشن مقرر کیا تھا۔ اس کی تحقیقات کے نتائج میں لاہور ہائیکورٹ کے فاضل جج مسٹر کیانی کی رپورٹ کو حکومت نے آج شائع کیا ہے مسٹر جسٹس کیانی کی تحقیقات کے مطابق فائرنگ اس وقت عمل میں لائی گئی جب کہ ایسا کرنا قطعاً ضروری ہو گیا ہے لیکن اس فائرنگ سے مناسب حد تک ہی نقصان ہوا۔ کمیشن کی رپورٹ حسب ذیل ہے

۱۸ جولائی ۱۹۵۲ء کی صبح کو ملتان شہر کے پولیس تھانہ کپ کے ارد گرد لوگوں کے ایک بھاری ہجوم نے جمع ہو کر مصطفیٰ خاں سب انسپکٹر کو تبدیل کیے جانے کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا کیونکہ ان کے بیان کے مطابق سب انسپکٹر مذکور نے وقوعہ کے پہلے دن شام کو مجمع منتشر کرنے میں سختی برتی تھی۔ بعض وجوہ کی بنا پر ہجوم مشتعل ہو گیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اشتعال میں تھانہ کی اندرونی عمارات پر اینٹیں برسانا شروع کر دیں اور آگ لگانے کی بھی کوشش کی جس کے نتیجہ میں پولیس کو موقع پر موجود سینئر فرسٹ مجسٹریٹ نے گولی چلانے کا حکم دیا۔ فائرنگ دس پندرہ منٹ تک جاری رہی۔ اس دوران میں ۷۰ گولیاں چلائی گئیں۔ جن میں ۶۷ گولیاں بندوق کی تھیں اور تین گولیاں ریوالور کی تھیں جنہیں اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس استعمال میں لایا تھا۔

فائرنگ کے نتیجہ میں موقع پر ہی تین اشخاص جاں بحق ہو گئے۔ تین زخموں کی وجہ سے بعد میں چل بسے اور پندرہ اشخاص زخمی ہوئے ان اشخاص میں سے چودہ اشخاص کو بندوق کی گولی لگنے کے زخم تھے۔ اور ایک شخص مسمی بشیر الدین کو شاید سنگین کے دو گہرے زخم آئے تھے پولیس کے سات آدمی جن میں ایک انسپکٹر بھی شامل ہے اینٹوں سے زخمی ہوئے۔ جو غیر موثر لاٹھی چارج کے دوران میں ان پر برسائی گئی تھیں۔ عوام کے اس مطالبہ پر کہ ایک غیر جانبدار ٹربیونل کے ذریعہ اس واقعہ کی تحقیقات کرائی جائے حکومت نے اس واقعہ کی تحقیقات پر مجھے مامور کر کے حسب ذیل چار سوالات کا جواب مہیا کرنے کے لئے کہا۔

۱۔ ۱۸۔ جولائی ۱۹۵۲ء کی صبح کو ملتان کے پولیس تھانہ کپ میں کس مقصد کے لئے اور کیسے ایک بھاری ہجوم جمع ہو گیا؟

۲۔ اس ہجوم پر پولیس نے کیسے گولی چلائی؟

۳۔ آیا گولی چلانے میں پولیس حق بجانب تھی؟

۴۔ آیا فائرنگ پر کنٹرول کیا گیا اور یہ صورت حال کی مقتضیات کے مطابق تھی؟

متذکرہ رپورٹ سے ان تفصیلات کی بھی وضاحت ہوتی ہے جو مسٹر جسٹس کیانی نے فریقین متعلقہ کے قانونی مشیروں کی معیت میں موقع واردات پر ملاحظہ کیں۔ رپورٹ میں

فاضل جج کے سامنے جو شہادتیں پیش ہوئی ہیں۔ ان پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فریقین کی جانب سے جو شہادتیں پیش ہوئی ہیں۔ ان سے میں نے بادی النظر میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ یہ ہے کہ شہر میں یہ افواہ پھیلائی گئی تھی کہ ۱۸ جولائی کی شام کو جو جلوس نکالا گیا اس پر سب انسپکٹر نے سختی برتی تھی' مبینہ زخمیوں میں سے ایک شخص کو چارپائی پر ڈالے ہسپتال لے جاتے ہوئے دیکھا گیا۔ جس پر شاید اس کے وفات پا جانے کی افواہ پھیل گئی۔ چنانچہ ۱۹ جولائی کی صبح کو ہڑتال کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اور لوگوں نے احتجاج کے طور پر پولیس تھانے کے گرد جمع ہونا شروع کر دیا۔ جلوسوں پر پابندی کی خلاف ورزی کرنے کے نتیجے جس کے نتیجہ میں پہلے دن شام کو ناخوشگوار حادثہ پیش آیا تھا عوام نے ایک شخص کا منہ کالا کر کے اسے گدھے پر سوار کیا اور کئی قسم کی مضحکہ خیز حرکات بھی کیں۔ جن میں چالان وغیرہ کا جلانا بھی شامل تھا۔ مظاہرین نے کافی ہنگامہ آرائی پیدا کر دی۔ اور ان کے ساتھ کم از کم یہ مطالبہ پیش ہوا کہ سب انسپکٹر کو تبدیل کر دیا جائے۔

عوام کا اطمینان

مسٹر عبدالغفور انوری (پی ایس) کے کہنے کے مطابق یوسف شاہ انسپکٹر جو عوام میں مقبول تھا اگر وہ مزید کمک مانگنا مناسب خیال کرتا تو اس کے خیال میں ہجوم کے تیور بدل جاتے اس کے ساتھ ہی انسپکٹر مذکورہ نے مجمع کو مطمئن کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس نے ہجوم کو یقین دلایا کہ کہ سب انسپکٹر کے رویہ کے خلاف تحقیقات کی جائے گی۔ آیا اس نے سید اعجاز حسین کو مخدوم کے پاس بھیجا یا سید اعجاز حسین خود بخود مخدوم کے پاس چلا گیا۔ لیکن اس بات میں ذرا شک نہیں کہ اسے ٹیلیفون پر ایک پیغام بھیجا گیا جس میں اس سے استدعا کی گئی کہ موقع پر خود آ کر عوام کو مطمئن کریں۔ مخدوم کا یہ کہنا کہ انسپکٹر مذکور نے ٹیلی فون پر اس بات سے اتفاق کیا کہ سب انسپکٹر کا تبادلہ کیا جائے بے معنی ہے کیونکہ اگر انسپکٹر کی یہی رائے تھی تو اسے اس کے متعلق اپنے اعلیٰ افسروں کو مشورہ دینا چاہئے تھا۔

ظاہر ہے کہ اگر مخدوم موقعہ پر خود آ جاتا تو وہ مجمع کو منتشر ہونے پر رضا مند کر لیتا اور اس طرح سے تحقیقات کے لئے ایک پر امن فضا پیدا ہو جاتی فریق ثانی پر الزام عائد کرنے کی غرض سے مخدوم یہ بات کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ اس نے سب انسپکٹر کے تبادلہ کے متعلق انسپکٹر کی اپنی رائے کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے آدمی بھیجے تھے۔ ہسپتال سے انسپکٹر کی طرف سے گواہوں کا نتیجہ بھیجنے سے مخدوم کا انکار رشتہ کہ بیان کی غمازی کرتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ انسپکٹر یہ بتانے میں حق بجانب ہے کہ مخدوم نے گفتگو کا سلسلہ فوراً منقطع کر دیا۔ جرح

کے وقت انسپکٹر مذکورہ کے سامنے جو رائے ظاہر کی گئی کہ اگرچہ وہ مخدوم کی موجودگی کا طلبگار تھا تاہم اے ڈی۔ سی اس اقدام کو غیر واجب خیال کرتا تھا اس بات سے بھی انسپکٹر کے بیان کی صداقت تسلیم ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ آغا محمد رضا نے اس بات کو مان لیا ہے کہ اس نے عوام کے نمائندوں کو یہ کہہ کر کہ اگر وہ ترغیب سے منتشر نہیں ہوتے تو انہیں منتشر کیا جائے گا۔ لیکن اس بات سے فقط یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایسے مصمم ارادے کا مالک تھا جو ایک ایگزیکٹو افسر کے شایان شان ہے اب صورت حال اس نہج پر آ گئی کہ عوام نے سب انسپکٹر کو تبدیل کئے جانے کی خواہش کا اظہار کیا کیونکہ لوگوں کا خیال تھا کہ اس نے ناجائز کاروائی کی ہے اے ڈی۔ سی پہلے جوڈیشل انکوائری کرنا چاہتے تھے کیونکہ کسی افسر کے حق میں مناسب نہیں تھا کہ اسے پہلے اپنی بیگناہی ثابت کرنے کا موقع دیئے بغیر اس کے خلاف کوئی تحریری کاروائی کی جائے اس ریکارڈ سے جو چیز ثابت ہوئی ہے' یہ ہے کہ پہلے دن شام کو سب انسپکٹر کا طرز عمل اس کے فرائض کے مطابق تھا' ہجوم کا مطالبہ جس کی حمایت عبدالغفور الوری' شیخ کریم بخش کمدوں اور مخدوم شوکت کر رہے تھے سراسر بے جا تھا۔

مشتعل ہجوم

بہرحال اس مرحلہ تک کسی آدمی کو شبہ تک نہیں ہو سکتا تھا کہ ہجوم پہلے کی نسبت کہیں زیادہ مشتعل ہو جائے گا اگرچہ یہ ناواجب مطالبہ تھا مگر ہجوم کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ سب انسپکٹر کو تبدیل کیا جائے دوسرے' افسروں میں سے جب ۱۰ باری باری تھانے میں آنے شروع ہوئے کبھی بھی کسی افسر کی بے حرمتی نہیں کی گئی تھی۔

آغا محمد رضا سے جرح کے دوران میں یہ سوال کیا گیا کہ آیا یہ ممکن ہے کہ ابتدا میں ہجوم کی طرف سے غیر ارادی طور پر دباؤ پڑنے کے باعث تھانہ کے جنگلے کا کم از کم ایک حصہ ٹوٹ گیا ہو خواہ یہ امکان قابل قبول ہو یا نہ ہو۔ مگر سوال سے فی الاصل یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہجوم کے دباؤ سے جنگلے کا یہ حصہ ٹوٹ جانے کے بعد ہجوم نے غصہ و اشتعال میں آ کر دوسرے حصوں کو بھی گرا دیا ہو۔ اس کے بعد انتہا پسند دستیاب ہو گئیں اور انہیں بے محابا پولیس پر برسانا شروع کر دیا یہ مان لیا جائے کہ پہلے پہل ہجوم کی طرف سے غیر ارادی طور پر دباؤ پڑنے کے باعث جنگلے کا ایک حصہ گر گیا تو اس واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے بعد ہجوم کو منتشر کرنا ضروری تھا۔ اب یہ سوال ہے کہ آیا اس موقعہ پر لاٹھی چارج موثر ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اصل میں کوئی لاٹھی چارج نہیں ہوا لیکن جب سے پولیس کے آدمیوں کو جو چوٹیں آئیں تو ایسی صورت حال کی کوئی وجہ نہ تھی یہ دلیل پیش کی جا سکتی تھی کہ لاٹھی چارج پہلے ہی کیا جانا چاہئے تھا۔ لیکن میرے خیال میں لاٹھی چارج کا کوئی موقعہ ہی نہ تھا۔ یہ ظاہر کی گئی تھی کہ

اگر ہجوم کو واضح طور پر بتایا جاتا کہ سب انسپکٹر کو اراداً تحقیقات کے بغیر تبدیل نہیں کیا جائے گا تو مزید کوئی صورت حال پیدا نہ ہو پاتی لاٹھی چارج کے بے سود ثابت ہونے پر یہ واقعات کچھ فوری طور پر رونما ہوئے جب اصل میں گولی چلائی گئی اس وقت اور کوئی صورت نہیں رہی تھی۔ اس طرح اگر کسی نجی شخص کے مکان پر حملہ ہوتا تو مالک مکان کے لئے اپنی حفاظت کا حق پیدا ہو جاتا غیر قانونی اجتماعوں سے متعلق قانون مجسٹریٹ یا پولیس کے افسر کو نہایت وسیع اختیارات دیتا ہے دفعہ ۱۲۷ ضابطہ فوجداری کے ماتحت کوئی مجسٹریٹ یا تھانے کا افسر اعلیٰ کسی بھی پانچ آدمیوں یا اس سے زیادہ کے اجتماع کو جس سے نقص امن کا احتمال ہو، منتشر ہونے کا حکم دے سکتا ہے اور اس کے بعد اس قسم کے اجتماع میں شریک ہونے والوں کا فرض ہو گا کہ حکم کے بموجب وہ منتشر ہو جائیں۔ دفعہ ۱۲۸ کی رو سے اگر مذکورہ نوعیت کے حکم پر اس قسم کا اجتماع منتشر نہ ہو۔ یا اس قسم کا حکم دیئے بغیر اس اجتماع سے یہ ظاہر ہو کہ وہ منتشر نہ ہونے پر تلا ہوا ہے تو کوئی بھی مجسٹریٹ یا تھانے کا افسر اعلیٰ اس قسم کے اجتماع کو جبراً منتشر کرنے کے لئے کارروائی کر سکتا ہے اس قسم کے معاملات میں سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا ضرورت سے زیادہ قوت استعمال کی گئی ہے۔

ان حالات میں نہ لاٹھی چارج کارگر ہوتا نہ اشک آور گیس۔ مزید براں یہ محض ایک مقام عامہ سے ایک غیر قانونی اجتماع کو منتشر کرنے کا معاملہ ہی نہیں تھا یہ معاملہ ایک ایسے اجتماع کا تھا جو پولیس کے ایک دستے کی خود اپنی حدود و حفاظت میں گھس آیا تھا اور پولیس پر اینٹیں برسانے لگا تھا یہ اجتماع ایسا تھا جو جبراً تھانے کی حدود میں غیر قانونی طور پر گھس آیا تھا اور جس نے اس کے دو دروازے توڑ ڈالے تھے اور شاید اسے آگ لگانے کی بھی کوشش کی تھی یہ اجتماع ایسا تھا جو فتنہ و شر کی صلاحیت سے پر تھا اگر پانچ یا دس منٹ تک یہ اجتماع جنگلے کو توڑ دیتا اور صحن کو اینٹوں سے بھر دیتا تو یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ وہ آئندہ پانچ یا دس منٹ کے اندر کیا کچھ نہ کرتا اس قسم کی ایک فتنہ بدوش صورت حالات کے امکانات کو سنہری ترازو میں نہیں تولا جا سکتا! لہٰذا کارروائی کرنے میں مزید تاخیر کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

فائرنگ

اس امر کے پیش نظر کہ ستر گولیاں چلائی گئیں۔ لیکن موتیں صرف چھ ہوئیں۔ حالانکہ ۳۰۳ کی گولیوں سے بہ آسانی ستر اموات سے زائد ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا واضح ہو جاتا ہے کہ پہلے گولی بلا نشانے کے چلائی گئی جس سے اجتماع کو کافی حد تک تنبیہہ ہو سکتی تھی خواہ گولی چلانے والوں کی یہ نیت نہ بھی ہوتی۔ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ نقصان ضرورت سے زیادہ نہیں ہوا۔

حکومت نے جو سوالات میرے سپرد کئے تھے اس سے ان سب کا جواب پیدا ہو جاتا ہے۔

صاحبزادہ نصرت علی عوام کے جونیئر وکیل نے اپنے استدلال میں اشارۃً کہا کہ "عوام سرکاری
کارکنوں کی ساتھ نرمی سے گمراہ ہوا" یہ میں پہلے ہی دیکھ چکا ہوں کہ اٹھارہ جولائی کی شام کی آمد
سے پہلے پر امن ایک پورے مہینے سے قائم تھی کیونکہ اسے صلح جوئی کے رویے سے تعبیر کرتے
ہیں دوسرے اسے اگر جذب کی کیفیت پر محمول کرتے ہیں اور اچھا نظم و نسق صلح جوئی اور
مضبوطی کے خوشگوار امتزاج ہی کا نام ہے لیکن جہاں حکومت کا ایک خاص رویہ جو اس رویئے
سے پیدا ہوا ہو جو اس کی رعایا کا ایک طبقہ دوسرے کے متعلق رکھتا ہو جیسا کہ اس معاملے میں
ہے صلح جوئی کے متعلق دونوں طبقوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ اگر صاحبزادہ نصرت علی کے قول
کے مطابق جن سے مجھے اتفاق ہے پہلی ترقی کو صرف نتائج میں کس قدر دخل ہے تو حکومت
اس امر پر غور کر سکتی ہے کہ کیا ان مقدمات کو واپس لے لینا جو اجتماع میں شریک ہونے والوں
میں سے بعض کے خلاف پولیس درج کر چکی ہے بہی خواہی کی ایک علامت ہو گا؟"

جناب کیانی کی اس رپورٹ کو ملک بھر کے اخبارات نے شہ سرخیوں سے شائع کیا تحریک
کے کارکنوں پر بلاوجہ اشتعال کو عدالتی تحفظ دیکر صوبائی حکومت خود کو عوام کی نظروں میں گرا
رہی تھی۔ ادھر خواجہ ناظم الدین کی ۱۴ اگست کی مایوس کن تقریر اور پھر ۲۱ اگست کو مجلس عمل
کے وفد سے ملاقات کے دوران حوصلہ شکن جوابات کے بعد وفد لاہور واپس آگیا تو مجلس عمل
کے رہنماؤں نے اپنی پالیسی بڑی معتدل' نرم لیکن خوفناک حد تک خطرناک ارادوں اور عزائم
پر مشتمل اختیار کر لی۔

ان عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پہلے مناسب سمجھا گیا کہ تحریک ختم نبوت کے
ایک نئے دور کا آغاز کیا جائے' مجلس عمل کے راہنما یہ چاہتے تھے کہ کسی دھماکہ خیز اقدام سے
پہلے بڑے معتدل اور دھیمے انداز میں ملک کے طول و عرض میں عوام کو تحریک ختم نبوت کے
حق میں اچھی طرح باخبر کر دیا جائے اور ان کو ایسے طریقے سے منظم کر دیا جائے کہ حکومت کی
کسی ترغیب یا ترہیب کا کوئی حربہ عوام کو تحریک سے منقطع نہ کر سکے۔

اصل میں مجلس عمل کے رہنماؤں کو خواجہ ناظم الدین کی ۱۴ اگست والی تقریر کا بہت زیادہ
افسوس اور صدمہ تھا۔ خواجہ ناظم الدین کے متعلق مخالفت کے باوجود عمومی تاثر یہی تھا کہ وہ
ایک شریف اور مسلمان قسم کے آدمی ہیں لیکن جو بزدلی اور ہیرا پھیری انہوں نے چوہدری ظفر
اللہ خان اور قادیانیوں کے مسئلہ میں دکھائی اس کا کسی کو تصور تک نہیں تھا۔ خصوصاً مجلس عمل
کا وفد جس عوامی تائید اور حمایت کے ساتھ لاہور سے روانہ ہو کر کراچی پہنچا تھا اس کے ساتھ
خواجہ ناظم الدین کا رویہ بذات خود ایک بہت بڑے حادثے کی حیثیت رکھتا تھا۔ مجلس عمل کے اس
وفد کی عوامی تائید و حمایت کے نقشے کا ذکر کر دینا خالی از دلچسپی نہیں ہو گا۔ وفد کی کراچی روانگی

سے پہلے لاہور میں جو جلسہ عام منعقد ہوا اس کی رپورٹ یہ ہے۔

۹۔ اگست کا جلسہ عام

۹ اگست کو کل مسلم پارٹیز کنونشن کی مجلس عمل کے زیر اہتمام موچی دروازہ لاہور میں ایک بے مثال اجتماع منعقد ہوا تھا اس عظیم اجتماع میں ایک لاکھ فرزندان اسلام نے شرکت کی تھی اور اس کھلے اجلاس میں ۱۳ اگست سے پہلے پہلے خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کرنے کے لئے ایک وفد منتخب کیا گیا وفد میں وہی حضرات شامل تھے جن کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے صوبائی حکومت اور مرکزی حکومت کی خفیہ پولیس جلسہ میں موجود ہوگی انٹیلی جنس بیورو کے نمائندوں نے یقیناً مرکزی حکومت کو خبردار کیا ہوگا کہ وفد آرہا ہے اور کس قدر عوامی تائید و حمایت سے مسلح ہو کر آرہا ہے لیکن اس کے باوجود نشہ اقتدار میں چور کرسی نشینوں نے عوامی بوریا نشین نمائندوں کا پورا پورا احترام نہ کیا اور انہیں انتہائی مایوس کر کے واپس بھیج دیا گیا۔

۹ اگست کے عظیم الشان جلسے کا ذکر آیا۔ تو اس جلسہ میں خطیب امت حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی ہونے والی تاریخی تقریر کا بھی تذکرہ آ جانا چاہئے تذکرہ کیا وہ تقریر ہی ان یادداشتوں میں محفوظ ہو جانی چاہئے "جس نے اسلامیان لاہور کے دل گرما دیئے تھے۔

شاہ جی رحمتہ اللہ کی تقریر

لاہور۔ ۱۰ اگست ۱۹۵۲ء۔ گزشتہ شب موچی دروازہ کے باغ میں شمع رسالت کے ایک لاکھ سے زائد پروانوں کے ایک عظیم الشان اجتماع میں نعرہائے ختم نبوت زندہ باد کے درمیان ساڑھے گیارہ بجے شب حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنے مخصوص انداز میں تقریر شروع کی۔ انہوں نے مرزائیوں کے دجل و تلبیس کا تار و پود بکھیرتے ہوئے فرمایا کہ قادیانی نبی کے امتیوں نے ربوہ میں ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی ہے اور ان کے اس نظام کے تحت ربوہ میں اسلحہ تیار ہو رہا ہے زمین دوز قلعے تعمیر ہو رہے ہیں اپنی الگ عدالتیں قائم کی گئی ہیں جن میں مجرموں کو سزائیں دی جاتی ہیں اور نظربندی کی سزاؤں کے علاوہ جرمانے بھی وصول کئے جاتے ہیں۔ ان عدالتوں میں باقاعدہ مقدمات سنے جاتے ہیں۔ بعض "قومی مجرموں" کی جائیدادیں بھی ضبط کی جاتی ہیں۔ دریائے چناب کے کنارے ربوہ کو ایک قلعہ بند شہر بنایا جا رہا ہے۔ آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ پاکستان کی آزاد حکومت میں اس متوازی حکومت کا قیام ناقابل برداشت ہے۔ انہوں نے اس پر اظہار افسوس کیا کہ ارباب حکومت سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی خاموش ہیں آخر یہ کیا ماجرا ہے شاہ صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا

کہ ہم اپنے ملک میں اس اندھیر گردی کو کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ حضرت امیر شریعت سید بخاری نے اپنی وجدانی کیفیت میں ختم نبوت کے مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں حکومت کے ارباب بست و کشاد اور مسلمانوں سے کہوں گا کہ وہ لاہور میں بیٹھ کر ان حالات سے بے خبر نہ رہیں جو بڑی سرعت کے ساتھ ایسا رخ اختیار کر رہے ہیں جن سے بعد میں ہمارے لئے نپٹنا مشکل ہو جائے گا' میں پوچھتا ہوں کہ آپ میں سے کتنے ایسے لوگ ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ ربوہ کے نبی کو ماننے والے ان دنوں کیا لکھ رہے ہیں' ان کا لٹریچر کس ڈگر پر شائع ہو رہا ہے ان کے ترجمان " الفضل " کی ان تحریروں اور مقالات پر بھی نگاہ رکھئے جن کے بین السطور میں انتقام' خون' فساد' بغاوت کے آثار پائے جا رہے ہیں مجھے میرا ملک بے حد عزیز ہے اگر اس کے استقلال کے لئے بخاری کا خون بھی کام آجائے تو یہ سعادت ہو گی۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ میرے عزیز ملک پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے دشمن کیوں چھا رہے ہیں مرزوہ کائنات کی ختم المرسلینی پر حملے کرنے والے میرے ملک کی کلیدی آسامیوں پر بیٹھے میرے ملک کو تباہی کے گڑھے میں ڈالنے کے منصوبے تیار کرتے ہیں مجھے بتاؤ ایسا کیوں ہے کیا مجھے اپنے وطن عزیز کے استقلال کے لئے اسے برداشت کر لینا چاہئے؟

مجھے بتایا جائے کہ میری حکومت دشمن کی ریشہ دوانیوں اور کارستانیوں سے بے خبر کیوں ہے؟ اگر وہ مرزائی فرقہ کی ہر حرکت کو جانتی ہے اور اس کی نگاہ میں ہے تو مجھے بتایا جائے کہ ربوہ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے خلاف کوئی تحقیقات کیوں نہیں کی گئیں۔ مجھے کہنے دیجئے کہ اگر آپ حکومت کرنا چاہتے ہیں تو باخبر رہ کر حکومت کیجئے اور اگر درویشی اختیار کرنے کا ارادہ ہے تو دونوں جہان سے بے خبر ہو جایئے

آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ابھی تک ہم مکمل طور پر آزاد نہیں ہوئے ہم ابھی تک ڈومینین ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر ہم ایک آدمی کے وفادار نمائندے تھے مگر اللہ کی شان ہے۔ کہ ہم آج ایک عورت کے وفادار نمائندے ہیں۔ خدا کرے ہماری گورنر جنرلی کا دور جلد گزر جائے اور ہم بھی ایک بہادر اور آزاد ملک کہلا سکیں آپ نے فرمایا کہ جب میں محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان میں ابھی کفر کا قانون ہے ابھی وہی تعزیرات پاکستان ہے۔ وہی پولیس ایکٹ اور وہی پرانی ڈگر' تو میرا کلیجہ خون ہو جاتا ہے' ہمیں جلد سے جلد اس نام نہاد دولت مشترکہ سے اپنا رشتہ توڑ کر اپنی کامل و اکمل آزادی کا اعلان کرنا ہو گا۔ شاہ صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے میاں ممتاز دولتانہ وزیراعلیٰ پنجاب سے بزرگانہ انداز میں شکوہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ غضب یہ ہے کہ میرے صوبے کا ہونہار وزیراعلیٰ ہر بار یہ کیوں کہتا ہے کہ " احمدیوں اور احراریوں کا یہ جھگڑا ہے۔ "

میں کیوں کر بتاؤں کہ یہ جھگڑا احراری اور احمدی کا نہیں۔ یہ مرزائی اور کملی والے کے پجاریوں کا مسئلہ ہے یہ عالم اسلام کا سوال ہے' یہ جس قدر بخاری کا مسئلہ ہے اسی قدر ممتاز دولتانہ کے گھر کا مسئلہ ہے' میں حیران ہوں کہ اسے محض ہمارے نام سے منسوب کیوں کیا جاتا ہے میں اس مرحلہ پر کہنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ تمہارے نزدیک مجلس عمل کا مسئلہ نہیں مسلمانان عالم کا سوال نہیں اور یہ محض احراریوں کا مسئلہ ہے تو سن لو۔ کہ میں اسے اپنا مسئلہ کہنے میں معذرت محسوس کرتا ہوں کہ ایک ایک احراری ختم ہو جائے مگر آن محمدؐ اور ناموس رسولؐ پر کسی بدبخت کو انگلی اٹھانے کی اجازت نہیں دے گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ احراری فتنہ فساد' خونریزی سے اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتے ہیں میں اور میرے رفیقان کار ہزار بار اس جذبہ کی مذمت کر چکے ہیں۔ جو خونریزی کا جذبہ ابھارے اور اس ملک کے امن کو پارہ پارہ کرنے کا موجب بنے

شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہم پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم الیکشن لڑنا چاہتے ہیں ہم اس لئے میدان میں آئے ہیں کہ مسلم لیگ کو ختم کیا جا سکے۔ میں یہ بکواس سنتے سنتے تھک گیا ہوں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ مجلس احرار کا کوئی کارکن اپنے جماعتی ٹکٹ پر' آزاد یا کسی اور ٹکٹ پر کسی صورت بھی الیکشن میں حصہ نہیں لے گا' میں یہاں تک کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر مسلم لیگ نے مجلس احرار کے کسی کارکن کو کبھی بھی ٹکٹ دیا تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اسے ناکام کرنے کے لئے اپنی آخری کوشش کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا نام درمیان میں نہ ہوتا تو ہم کبھی آپ سے بات بھی نہ کرتے اور آج اسی کملی والے کے صدقے تمہارے آستانوں پر جانا پڑتا ہے۔ تمہارے سامنے جھکنا پڑ رہا ہے۔ یاد رکھو کہ محمدؐ کی ناموس کو بچانے کے لئے ہم تمہارے سامنے جھک جائیں گے ایک ایک مسلمان تمہارے آستانوں پر جھک جائے گا گڑگڑائے گا تا آنکہ ہر طریقہ استعمال کر کے تمہاری مدد حاصل کرے گا۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ بدگمانی کرنے سے باز آجاؤ۔ تمہیں اور تمہاری بڑائی کو یہ فعل زیب نہیں دیتا۔ ہم پر یقین کرو کہ ہم تمہارے راستے میں کبھی نہیں آئیں گے تم ہمیں ہر اعتبار سے مخلص پاؤ گے۔ یاد رکھو کہ تم کو ہم اپنے مخلص رفیق نہیں مل سکیں گے

سول ملٹری گزٹ کا ذکر

شاہ صاحب نے کہا کہ "ڈان" کی طرح لاہور میں ایک اخبار "سول" راہ چلتے امن پسندوں کو بھونکتا ہے میں حکومت سے کہوں گا کہ اس کے منہ کو لگام دے۔ یاد رکھو کہ جس خبیث نے محسن کائنات کے خلاف کچھ کہا وہ مٹ جائے گا۔ یہ اخبار برابر بدگمانیاں پھیلا رہا ہے اور ظاہر ہے کہ بدگمانیاں کبھی بھی اچھے نتائج پیدا نہیں کیا کرتیں۔

مسلمانو! پاکستان کے ایک ایک مقام پر "ڈان" جلایا جا رہا ہے اور اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب (سول) بھی جلایا جائے گا۔ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کرنے والی کسی تحریر کو دیکھ نہیں سکتے۔ ہم یقیناً ہر اس اخبار کو جلائیں گے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ کرے گا اور مسلمانوں میں اس نے انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ مگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ حضور کا ہر دشمن ہمارا بدترین دشمن ہے۔

اس مرحلہ پر زمیندار کو خراج تحسین پیش کیا۔ آپ نے اپیل کی کہ کوئی شخص "سول" نہ خریدے اور اس اخبار کا پوری طرح بائیکاٹ کیا جائے۔ آپ نے حکومت کو متنبہ کیا کہ اگر اس نے سول "ڈان" اور الفضل کے منہ میں لگام نہ دی تو یاد رکھو۔ ان کی فتنہ پردازی سے امن کو شدید خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ یاد رکھو کہ ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت سے زیادہ کوئی چیز بھی عزیز نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ مجھے بتایا جائے کہ میکلوڈ روڈ پر کس نے ہنگامہ کیا۔ کیا وہ مسلمان تھے؟ انہیں کہاں سے آئیں۔ کیا تم نے قریب قریب کے مکانات کی تلاشیاں لی تھیں کیا تم سمجھتے ہو کہ مسلمان اپنے گھروں سے انیٹیں ساتھ لے کر آئے تھے؟ ایک جانب سے آواز آئی کہ انیٹیں محمد حسین ٹین ساز کے مکان سے برسائی گئیں۔ اس سے پیشتر شیخ حسام الدین نے بھی اپنی تقریر میں چیلنج کیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان دنوں محمد حسین کی سرگرمیاں کیا ہیں۔ حکومت نے آج تک اسے کیوں گرفتار نہیں کیا۔

حضرت امیر شریعت نے مسلمانوں سے کہا۔ کہ اگر وہ ختم نبوت کی تحریک کو کامیاب کرنا چاہتے ہیں تو امن کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ گالی گلوچ اور سنگ باریٔ سے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جس دستور ساز اسمبلی اور لیگ کونسل سے آپ قانون کے ذریعہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دلانا چاہتے ہیں۔ انہیں آپ اگر تشدد کا نشانہ بنائیں۔ تو مجھے بتایئے کہ آپ اپنے مقصد میں کیونکر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ آخر میں آپ نے میاں ممتاز دولتانہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پچھلے دنوں ایک من کا میرا بارود " ربوہ " کیوں گیا۔ جب پولیس نے تحقیقات کی تو اسے مرزا بشیر نے بتایا کہ ہمارے رضاکاروں نے تربیت حاصل کرنا تھی۔ میں پوچھتا ہوں کہ رضاکاروں کی اس تربیت کے کیا معنی ہیں۔ مسلم نیشنل گارڈز نے کے ہم میں کتنا بارود مشق کے لئے خریدا تھا؟ یہ کیا اندھیر ہے کہ آپ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور خاموش ہیں۔

چار من سکہ حال ہی میں چونیاں سے ربوہ لے جایا گیا۔ آخر اس سکہ کی ضرورت کیا تھی؟ میں مطالبہ کرتا ہوں کہ اس کی تحقیقات کی جائے کہ ان تیاریوں کے پس پردہ کیا جذبہ اور کیا

پروگرام کار فرما ہے۔ تصویر کے نقاب کو ذرا سا اور سرکایئے۔

آپ نے وزیر اعظم سے کہا کہ آپ نے ہم سے تو ضمانت لے لی ہے اور اس کے بعد ہم کو ختم کر رہے ہیں۔ مجھے بتایئے کہ مرزا بشیر الدین سے بھی ضمانت لے لی ہے اگر ایسا ہے تو اس کا کوئی بیان شائع کیوں نہیں ہوا۔ یہ کیا مذاق ہے کہ مطعون تو ہم دونوں ہیں مگر ایک پر زیادتی اور دوسرے کو کھلی چھٹی دی جا رہی ہے۔" اسی جلسہ میں شاہ صاحب سے پہلے مشہور شیعہ لیڈر سید مظفر علی شمسی نے بھی تقریر کی تھی جس کے چند جملے ملاحظہ ہوں۔

حضرت امیر شریعت سے پہلے شیعہ قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے سید مظفر علی شمسی نے " الفضل " کی منافرت انگیزی اور کذب بیانی کا تار پود بکھیر دیا۔ آپ نے کہا کہ مرزائی بالخصوص ان کا ترجمان " الفضل " سنی اور شیعہ فرقوں کو لڑانے کی کوشش میں مصروف عمل ہے۔ کہ سنیوں اور شیعوں کے درمیان اختلافات ہیں۔ اس لئے شیعوں کو اس معاملہ میں سنیوں کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔ لیکن " الفضل " کی کوششیں خاک میں مل جائیں گی۔ اسے یہ کہہ کر مایوس کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر ختم نبوت کے تحفظ اور ناموس رسول ؐ کی خاطر شیعوں کو زندہ دیوار میں چن دیا جانا ضروری ہو تو سمجھ لو تمہیں کہ تمام شیعہ یہ قربانی بھی خنداں پیشانی سے پیش کریں گے۔ لیکن ناموس رسول پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ ختم نبوت کے سلسلے میں ہم سنیوں کے دوش بدوش کھڑے ہو کر بڑی سے بڑی قربانی پیش کریں گے۔

صاحبزادہ فیض الحسن ' شیخ حسام الدین ' مولانا محمد بخش مسلم ' مولانا غلام دین ' مولانا احمد سعید قادری ' مرتضیٰ احمد خاں میکش اور مولانا غلام محمد ترنم نے بھی تقریریں کیں۔

کراچی جانے والے وفد کو ایک صحیح مسئلہ کے سلسلہ میں کس قدر عوامی تائید حاصل تھی۔ اس کا کچھ اندازہ آپ نے حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم الشان جلسہ اور اس میں ہونے والی شاہ جی کی تقریر سے لگا لیا ہو گا۔

وفد کی عوامی تائید کا ایک دوسرا نمونہ بھی ملاحظہ فرمایئے جس سے صورت حال کا بالکل ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو جاتا ہے۔ روزنامہ زمیندار جو اس وقت پنجاب اور مغربی پاکستان کا عظیم ترین اور مقبول ترین اخبار تھا۔ نے موچی دروازہ کے مندرجہ مذکور جلسہ کے متعلق ایک اداریہ شائع ہوا وہ اداریہ من و عن یہاں محفوظ کیا جا رہا ہے۔

قادیانیت کے کاسہ سر پر آخری ضرب

آل مسلم پارٹیز کنونشن کے زیر اہتمام لاہور میں جو عظیم الشان جلسہ ہوا۔ اس کی کامیابی نے ایک مرتبہ پھر ثابت کر دیا ہے کہ استیصال مرزائیت کی تحریک کوئی " پولیٹیکل سٹنٹ " نہیں جس کے تار لاہور کے " اینگلو انڈین میرزائی " اخبار کے الفاظ میں پنجاب کے چند " سرکاری

افسر" اور " فتنہ پرداز ملا " بنا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ تحریک عوام کی رگ رگ میں سرایت کرنے کے بعد ان کے ایمان کا جزو بن چکی ہے۔ اس کا مقصد پاکستان کو انگریز کے ایک " خود کاشتہ پودے " کے منحوس سایوں سے نجات دلانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

" سول اینڈ ملٹری گزٹ " یہ ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے کہ تحریک ختم نبوت " احرار " نے شروع کی ہے اور ان کے پیش نظر سیاسی اقتدار حاصل کرنا ہے۔ اس کے جواب میں کئی مرتبہ لکھا جا چکا ہے کہ استیصال میرزائیت کی تحریک کی داغ بیل سب سے پہلے ۱۹۱۴ء میں " زمیندار " نے ڈالی تھی اور " احرار " نے بھی اسی سے مستعار لی ہے لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اس تحریک کے بانی مبانی " احرار " ہیں تو کیا تحفظ ناموس رسالت " کوئی ایسا عیب ہے کہ اسے نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے ؟ پاکستان تو کیا دنیائے اسلام میں شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و ناموس کی خاطر گردن تک کٹانے کے لئے تیار نہ ہو۔ اگر یہی عقیدہ احرار کا ہے تو مولانا اختر علی خاں کے الفاظ میں کسی کو بھی یہ کہنے میں تامل نہیں ہو سکتا کہ پاکستان کا ہر مسلمان " احراری " کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ مجلس احرار اسلام اس تحریک کے ذریعے سے " سیاسیات " میں آگے بڑھنے کے خواب دیکھ رہی ہے تو اس کی تردید بھی کئی مرتبہ ہو چکی ہے۔

پرسوں کے جلسہ میں بھی مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے پر زور الفاظ میں اعلان کیا۔" سول اینڈ ملٹری گزٹ " جو قادیانیوں کا ترجمان ہے۔ برابر پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ احرار اس تحریک کے ذریعہ سے سیاسیات میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہم سیاسیات پر تین حرف بھیج چکے ہیں اور اس بات کا عہد کر چکے ہیں کہ مجلس احرار کا کوئی رکن انتخابات میں کبھی حصہ نہیں لے گا۔ "

لیکن اس وضاحت کے باوجود اگر کوئی قادیانی یا قادیانیت نواز اخبار یہی رٹ لگائے جا رہا ہے کہ استیصال میرزائیت کی تحریک کا مقصد " حصول اقتدار " ہے تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا دکھائی دیتا ہے۔ میرزائی چونکہ خود پاکستان میں اپنی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور اس غرض کے لئے وہ ربوہ میں متوازی نظم و نسق قائم بھی کر چکے ہیں۔ اس لئے ان کا خیال ہے کہ جو مسلمان ان کے عزائم کو خاک میں ملانے پر کمربستہ ہیں۔ ان کے پیش نظر بھی " سیاسی اقتدار " ہے۔ حالانکہ اگر یہ مقصود بھی ہو تو اس کے لئے اور بھی راہیں تلاش کی جا سکتی ہیں پنجاب کے مسلمان کثرت رائے سے اپنے اعتماد کا مستحق مسلم لیگ کو قرار دے چکے ہیں اور صورت ایسے حالات ہی پیدا نہیں ہوئے کہ

یہ اضطراب زائل ہو سکے۔

ان حالات میں یہ کہنا شرارت اور منافقت کی انتہا ہے کہ تحریک ختم نبوت کا مقصد مسلمانوں کے کسی خاص گروپ کو منظر عام پر لانا ہے البتہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ یہ تحریک ۱۹۵۲ء ہی میں شباب پر کیوں آئی؟ اس کا جواب واضح ہے مسلمانوں نے برابر پانچ سال تک انتظار کیا کہ ان کی قومی حکومت میرزائیوں کی ان سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرے گی جو "زمیندار" گذشتہ ۳۵ برس سے مختلف مواقع پر بے نقاب کرتا آیا ہے لیکن انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس نے توجہ نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ حالات روز بروز دگرگوں ہوتے جا رہے ہیں۔

چنانچہ ایک طرف اگر چودھری ظفراللہ کی انگریز نوازی کے طفیل مسئلہ کشمیر ابھی تک گفت و شنید ہی کے "شیطانی چکر" سے آزاد نہیں ہو سکا۔ تو دوسری طرف میرزائیت کی تحریک برابر تقویت پکڑتی چلی جا رہی ہے۔ اگر بروقت توجہ نہ کی گئی تو خلیفہ قادیان کے اس نصب العین کو پورا ہونے سے کون روک سکے گا؟ کہ:۔۔

"ہمارے پیش نظر تبلیغ ہی نہیں ہے ملکوں کو فتح کرنا بھی ہے۔"

چنانچہ خلیفہ قادیان کے انکشاف کے مطابق میرزائی فوج میں اپنا تناسب پورا کر چکے ہیں۔ اب وہ سرکاری دفاتر پر مسلط ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ پاکستان اور آزاد کشمیر کی بہت سی کلیدی آسامیاں پہلے ہی ان کے قبضہ میں ہیں ظاہر ہے کہ اگر ان کی نگرانی نہ کی گئی تو خلیفہ قادیان کے لئے اس سکیم کو بروئے کار لانا دشوار نہیں رہے گا کہ بلوچستان کی آبادی چونکہ کم ہے اس لئے سب سے پہلے اسی کو "احمدی صوبہ" بنایا جائے۔

غرض یہ حالات ہیں جن کے ماتحت فرزندان توحید نے "سفینہ سوختہ" ہو کر یہ عہد و پیماں باندھا ہے کہ وہ تحریک تحفظ ختم نبوت کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کر کے چھوڑیں گے۔ خواہ اس راہ میں ان کی جان بھی چلی جائے۔ ان کے پیش نظر کوئی "سیاسی غرض" نہیں ہے بلکہ وہ قائد اعظم کے فرمان کے مطابق صرف اتنا چاہتے ہیں کہ جس ملک کو انہوں نے اپنا اور اپنے بال بچوں کا خون دے کر حاصل کیا ہے اسے غیر ملکی ایجنٹوں اور انگریز کے گماشتوں کی ریشہ دوانیوں کی نذر نہ ہونے دیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اس نصب العین کو حاصل کس طرح کیا جائے؟ ظاہر ہے یہ مقصد تشدد و فساد یا ہنگامہ آرائی کے ذریعے سے پورا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس غرض کے لئے آئینی جدوجہد جاری رکھنا ضروری ہے۔ ہمیں مسرت ہے کہ آل مسلم پارٹیز کنونشن کے جلسہ عام میں بھی اس اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور عوام نے مجلس کے اس فیصلہ کی تصدیق کر دی ہے کہ

اس کا ایک وفد عزت مآب الحاج خواجہ ناظم الدین سے اولین فرصت میں ملاقات کرے اور ان پر زور دے کہ وہ عوام کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے نہ صرف چوہدری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ کے عہدے سے برطرف کر دیں بلکہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دے کر اور ان کو کلیدی آسامیوں سے محروم کرنے کے لئے بھی جلد سے جلد کوئی قدم اٹھائیں۔ اس سلسلہ میں عوام نے جو قرار داد اتفاق رائے سے منظور کی ہے اس کا ایک ایک لفظ اس قابل ہے کہ حکومت پاکستان اس پر غور کرے اس قرارداد میں قادیانیوں کے ہیڈ کوارٹر ربوہ میں صرف ایک فرقہ کی آبادکاری کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ قادیانیوں کی یہ نو آبادی پاکستان کی مملکت کے اندر ایک جداگانہ متوازی ریاست کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ لہٰذا حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو قیامت بننے سے پہلے ہی دبا دے۔ بلکہ یہ مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ سرکاری ملازمتوں کی تقسیم میں خصوصی مراعات دینے کی جو پالیسی اختیار کی گئی ہے۔ اسے فوراً ترک کر دیا جائے' یہ قرار داد چونکہ ایک کھلے جلسہ میں منظور کی گئی ہے اس لئے ظاہر ہے اسے مسلمانوں کی تمام جماعتوں کی یکساں تائید حاصل ہے۔ لہٰذا حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ اس قومی مطالبہ پر جلد سے جلد غور کرے تاکہ مسلمانوں کا اضطراب سکون و اطمینان کی کیفیت سے بدل سکے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ایک مقامی اخبار نے یہ افواہ پھیلانے سے بھی دریغ نہیں کیا کہ وزیراعظم پاکستان اپنے وعدے کے مطابق ۱۴ اگست کو قادیانیوں کے بارے میں حکومت پاکستان کی حکمت عملی واضح نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد وزیراعظم کو بدنام کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ وہ قادیانیوں کی شرانگیزیوں سے بخوبی واقف ہیں۔ لہٰذا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس معاملہ کو کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں ہونے دیں گے روزنامہ زمیندار ۳ اگست ۱۹۵۲ء

۵ دسمبر ۱۹۵۲ء کو مولانا احتشام الحق تھانوی کنوینر مجلس عمل نے پاکستان کے چوٹی کے علمائے کرام اور مختلف دینی جماعتوں کے نمائندوں کے نام دعوت نامے جاری کئے اور کراچی میں کل پاکستان آل مسلم پارٹیز کنونشن کا اجلاس ۱۶' ۱۷' ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو طلب کیا۔

۱۹ دسمبر کو دفتر روزنامہ زمیندار لاہور میں مجلس عمل کی میٹنگ ہوئی جس میں طے پایا کہ آل پاکستان مجلس عمل کے زیر اہتمام ۱۸ جنوری کو آخری فیصلے کے لئے مجلس عمل میں شامل تمام جماعتوں کے نمائندے کراچی میں جمع ہوں گے۔ انہی دنوں حضرات علماء کرام دستور کے سلسلے میں کراچی آنے والے تھے اگر مجلس عمل ان تاریخوں کے علاوہ جنرل اجلاس کا بندوبست دوسری تاریخوں میں کرتی تو مجلس عمل کو بلاوجہ زیر بار ہونا پڑتا۔ علاوہ ازیں حضرات علماء کرام کو

دوبارہ زحمت سفر اٹھانا پڑتی۔ دور دراز مقامات سے ان حضرات کی تشریف آوری مشکل ہو جاتی۔

۱۶ جنوری ۱۹۵۳ء کو بعد از نماز جمعہ حاجی مولا بخش سومرو کی کوٹھی پر آل مسلم پارٹیز کنونشن کا اجلاس شروع ہوا۔ حاجی مولا بخش سومرو کی کوٹھی قائد اعظم محمد علی جناح کے مقبرہ کے بالمقابل حرکت کے اس پار واقع ہے۔ حاجی صاحب موصوف مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور حاجی اللہ بخش سابق وزیر اعلیٰ سندھ مرحوم کے بھائی ہیں۔ اس کنونشن میں مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے ڈیڑھ پونے دو سو کے قریب علمائے کرام اور رہنمایان عظام شریک ہوئے جو مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔

اس اجلاس میں مرزائیت اور تحفظ ختم نبوت کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔ ۱۷ جنوری کو بعد نماز مغرب سب جیکٹس کمیٹی کا اجلاس ہوا اور مختلف تجاویز پر تفصیلی غور ہوتا رہا اور باہم مشاورت جاری رہی۔ ۱۸ جنوری کو کنونشن کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جن نمائندہ اکابرین نے شرکت کی ان کے۔ اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری لاہور
۲۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری لاہور
۳۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب شیرانوالہ گیٹ لاہور۔
۴۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور
۵۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی لاہور
۶۔ حضرت پیر صاحب سرسینہ شریف امیر حزب اللہ ڈھاکہ
۷۔ مولانا راغب حسن ایم اے ڈھاکہ
۸۔ مولانا عزیز الرحمٰن ناظم حزب اللہ ڈھاکہ
۹۔ مولانا اطہر علی صاحب ڈھاکہ
۱۰۔ مولانا سخاوت الانبیاء ڈھاکہ
۱۱۔ مولانا محمد علی جالندھری ملتان
۱۲۔ مولانا محمد یوسف بنوری صدر مدرس دارالعلوم ٹنڈو الہ یار
۱۳۔ مولانا شمس الحق معارف قلات۔
۱۴۔ مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی
۱۵۔ مولانا سید سلیمان ندوی صدر تعلیمات اسلامی بورڈ کراچی
۱۶۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ کراچی

۱۷۔ مولانا ظفر احمد عثمانی سیکرٹری تعلیمات اسلامی بورڈ کراچی
۱۸۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی ایم ایل اے صدر جمعیت اہل حدیث لاہور
۱۹۔ مولانا محمد اسماعیل ناظم جمعیت اہل حدیث گوجرانوالہ
۲۰۔ مولانا محمد یوسف کلکتوی صدر جماعت اہل حدیث کراچی
۲۱۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کنوینر آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کراچی
۲۲۔ مولانا عبدالحامد بدایونی صدر جمعیت العلمائے پاکستان سندھ کراچی
۲۳۔ مولانا مفتی صاحب داد خاں مدرس عربی سندھ مدرسہ۔ کراچی
۲۴۔ مولانا شمس الحق صاحب ناظم جمعیت العلمائے اسلام کراچی
۲۵۔ مولانا محمد ادریس صاحب صدر مدرس جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور۔
۲۶۔ مولانا سلطان احمد صاحب امیر جماعت اسلامی سندھ کراچی
۲۷۔ حاجی محمد امین امیر جماعت نائب خلیفہ حاجی ترنگ زئی صاحب
۲۸۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی
۲۹۔ مولانا حافظ کفایت حسین
۳۰۔ سید مظفر علی شمسی

اس اجلاس میں ۸ قراردادیں منظور کی گئیں

۱۔ چونکہ خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان کے رویے کے پیش نظر اس امر کی کوئی امید نہیں کہ مرزائیوں کے متعلق مطالبات تسلیم کر لئے جائیں گے اس لئے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ان حالات میں مطالبات کو تسلیم کرانے کی غرض سے "راست اقدام" ناگزیر ہو گیا ہے۔

۲۔ چونکہ حکومت مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ اس لئے ایسی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہو گیا ہے کہ فرقہ مرزائیہ کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیا جائے ان تدابیر میں سے ایک یہ ہے کہ فرقے سے کامل مقاطعہ کیا جائے۔

۳۔ چوہدری ظفراللہ خاں کی برطرفی کا مطالبہ اب تک منظور نہیں کیا گیا اس لئے کنونشن خواجہ ناظم الدین سے استعفیٰ طلب کرتی ہے۔ تاکہ مسلمانان پاکستان اپنے دینی عقائد پر عمل کر سکیں اور اسلامی روایات کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

۴۔ مذکورہ بالا مطالبات کو عملی صورت دینے کی غرض سے کنونشن تجویز کرتی ہے کہ وہ معززو معتقدر مسلمانوں اور مختلف مذہبی جماعتوں کے نمائندوں کو جنرل کونسل کا ممبر بنائے۔

۵۔ جنرل کونسل اپنے پندرہ ممبروں کو منتخب کرے جو مجلس عمل کے ممبر قرار پائیں۔

۹۔ جنرل کونسل مندرجہ ذیل آٹھ اصحاب کو مجلس عمل کا ممبر منتخب کرتی ہے۔

۱۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری۔ (بریلوی)

۲۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (احرار)

۳۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (جماعت اسلامی)

۴۔ مولانا عبدالحامد بدایونی (بریلوی)

۵۔ حافظ کفایت حسین (شیعہ)

۶۔ مولانا احتشام الحق تھانوی (دیوبندی)

۷۔ ابوصالح محمد جعفر پیر صاحب سرسینہ شریف (مشرقی پاکستان و (حنفی)

۸۔ مولانا محمد یوسف کلکتوی (اہل حدیث)

جنرل کونسل ان ممبروں کو اختیار دیتی ہے کہ وہ بقیہ سات ممبروں کو اپنی مرضی سے نامزد کرلیں۔

۹۔ مجلس عمل کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ مطالبات منوانے کے لئے لائحہ عمل تیار کرے۔

۱۰۔ مجلس عمل کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ کوئی عملی پروگرام اختیار کرنے سے پہلے ایک نمائندہ وفد مرتب کرے جو مرکزی حکومت سے ملاقات کرکے اس کو لوگوں کے آخری فیصلے سے مطلع کردے اس وفد کو اختیار ہوگا کہ کابینہ کو آخری جواب کے لئے مزید وقت دے دے

یہ تجاویز قراردادیں منظور ہونے کے بعد اجلاس ختم ہوگیا۔ البتہ اس دن مغرب کی نماز کے بعد مجلس عمل کے لئے نامزد آٹھ ممبران نے ایک میٹنگ کی اور جنرل کونسل کی قرارداد اور ہدایت کے مطابق مندرجہ ذیل سات ممبران کو مجلس عمل کے لئے نامزد کرکے مجلس عمل کی مقررہ گنتی یعنی ۱۵ ممبران پورے کردیئے

۱۔ پیر غلام مجدد سرہندی سندھ

۲۔ مولانا نورالحسن بخاری ملتان

۳۔ ماسٹر تاج الدین انصاری لاہور

۴۔ مولانا اختر علی خاں لاہور

۵۔ مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ

۶۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ گوجرانوالہ

۷۔ حاجی محمد امین صاحب خلیفہ حاجی ترنگ زئی سرحدی

اس اجلاس میں دوسرا اہم فیصلہ یہ کیا گیا کہ جنرل کونسل کی ہدایت کے مطابق خواجہ ناظم الدین سے آخری ملاقات کرنے کے لئے ایک وفد مقرر کیا گیا۔

اس وفد میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی۔ رئیس وفد پیر صاحب سرسینہ شریف۔ ماسٹر تاج الدین انصاری۔ سید مظفر علی شمسی اور غیر ممبران میں سے مولانا لال حسین اختر مشیر خصوصی کی حیثیت سے وفد کے ساتھ شامل کئے گئے۔ ۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء کو اس وفد نے خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کی جس کا جنرل کونسل کی طرف سے اختیار دیا گیا تھا۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی
ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوة

باب دوئم

۱۲ جنوری ۱۹۵۳ء سے ۱۰ مارچ ۱۹۵۳ء تک

نوٹ : اس باب میں بھی حضرت مولانا تاج محمود اور حضرت ماسٹر تاج الدین انصاری مرحومین کے مبارک ہاتھوں سے جمع کئے ہوئے موتیوں کو اس ترتیب سے اکٹھا کیا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی ضائع نہ ہونے پائے۔

ماسٹر تاج الدین انصاری فرماتے ہیں

پس ۲۱ - ۱۷ - ۱۸ - جنوری کو کراچی میں یہ عظیم الشان اور تاریخی اجتماع ہوا۔ مندرجہ ذیل اکابر نے اس میں شرکت کی۔

۱۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب صدر جماعت اسلامی

۲۔ حاجی محمد امین صاحب امیر جماعت ناجیہ

۳۔ خلیفہ حاجی ترنگ زئی صاحب پشاور

۴۔ حضرت پیر سرسینہ شریف امیر حزب اللہ ڈھاکہ

۵۔ مولانا راغب حسن ایم اے ڈھاکہ

۶۔ مولانا عزیز الرحمٰن ناظم حزب اللہ ڈھاکہ

۷۔ مولانا اطہر علی صاحب ڈھاکہ

۸۔ مولانا سخاوت الانبیاء ڈھاکہ

۹۔ مولانا محمد یوسف بنوری۔ کراچی

۱۰۔ مولانا شمس الحق افغانی وزیر معارف قلات

۱۱۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹ

۱۲۔ مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور

۱۳۔ مولانا مفتی محمد حسن صاحب جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

۱۴۔ مولانا محمد ادریس صدر مدرس جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

۱۵۔ مولانا ظفر احمد عثمانی سیکرٹری تعلیمات اسلامی بورڈ۔ کراچی

۱۶۔ مولانا سید سلیمان ندوی صدر

۱۷۔ مولانا مفتی محمد شفیع ممبر

۱۸۔ مولانا سلطان احمد امیر جماعت اسلامی حلقہ کراچی و سندھ

۱۹۔ مولانا مفتی صاحبداد خان مدرس عربی سندھ مدرسہ کراچی

۲۰۔ مولانا عبد الحامد بدایونی صدر جمعیت علمائے پاکستان

۲۱۔ مولانا محمد یوسف کلکتوی صدر جمعیت اہل حدیث کراچی

۲۲۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی ایم ایل اے صدر جمعیت اہلحدیث

۲۳۔ مولانا محمد اسمٰعیل ناظم جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان

۲۴۔ مولانا محمد علی جالندھری مجلس تحفظ ختم نبوت

۲۵۔ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۲۶۔ مولانا محمد شفیع ناظم جمعیت علمائے اسلام کراچی
۲۷۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کنوینر آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن
۲۸۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر مجلس عمل۔

قراردادیں

۱۸۔ جنوری کو کنونشن کے آخری اجلاس میں حسب ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔

ا۔ چونکہ خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کے رویے کے پیش نظر اس امر کی کوئی امید نہیں کہ مرزائیوں کے متعلق مطالبات تسلیم کر لئے جائیں گے۔ اس لئے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ان حالات میں مطالبات کو تسلیم کرانے کی غرض سے "راست اقدام" ناگزیر ہو گیا ہے۔

۲۔ چونکہ حکومت مرزائیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ اس لئے ایسی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہو گیا ہے کہ فرقہ مرزائیہ کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیا جائے۔ ان تدابیر میں سے ایک یہ ہے کہ اس فرقے سے کامل مقاطعہ کیا جائے۔

۳۔ چونکہ مرزائی وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خاں کی برطرفی کا مطالبہ اب تک منظور نہیں کیا گیا اس لئے کنونشن خواجہ ناظم الدین سے استعفٰی کا مطالبہ کرتی ہے تاکہ مسلمانان پاکستان اپنے دینی عقائد پر عمل کرنے اور اسلامی روایات کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

۴۔ مذکورہ بالا مطالبات کو عملی صورت دینے کی غرض سے کنونشن تجویز کرتی ہے کہ وہ معزز و مقتدر مسلمانوں اور مختلف مذہبی جماعتوں کے نمائندوں کو جنرل کونسل کے ممبر بنائے۔

۵۔ جنرل کونسل اپنے پندرہ ممبروں کو منتخب کرے جو مجلس عمل کے ممبر قرار پائیں۔

۶۔ جنرل کونسل مندرجہ ذیل آٹھ اصحاب کو مجلس عمل کا ممبر منتخب کرتی ہے۔

ا۔ مولانا سید ابوالحسنات قادری رحمتہ اللہ علیہ
۲۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ
۳۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔
۴۔ مولانا عبدالحامد بدایونی۔
۵۔ حافظ کفایت حسین
۶۔ مولانا احتشام الحق تھانوی۔
۷۔ ابو صالح محمد جعفر پیر صاحب سرسینہ شریف مشرقی پاکستان۔
۸۔ مولانا محمد یوسف کلکتوی۔

اور ان ممبروں کو اختیار دیتی ہے کہ بقیہ سات ممبروں کو اپنی مرضی سے نامزد کریں۔

۷۔ مجلس عمل کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ مطالبات کو منظور کرانے کے لئے لائحہ عمل مرتب کرے۔

۸۔ مجلس عمل کو ہدایت دی جاتی ہے کہ کوئی عملی پروگرام اختیار کرنے سے پیشتر ایک نمائندہ وفد مرتب کرے جو مرکزی حکومت سے ملاقات کرکے اس کو لوگوں کے آخری فیصلے سے مطلع کردے۔ اس وفد کو اختیار ہوگا۔ کہ کابینہ کو آخری جواب دینے کے لئے مزید وقت دے دے۔

اس دن نماز مغرب کے بعد مجلس عمل کے آٹھ ممبروں کا اجلاس ہوا اور مندرجہ ذیل سات مزید ممبر شامل کر لئے گئے۔

۱۔ پیر غلام مجدد سرہندی

۲۔ مولانا سید نور الحسن بخاری

۳۔ مولانا تاج الدین انصاری

۴۔ مولانا اختر علی خاں

۵۔ مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالوی

۶۔ صاحبزادہ فیض الحسن

۷۔ حاجی محمد امین سرحدی

اسی اجلاس میں مجلس عمل نے ایک وفد مرتب کیا تاکہ خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کرے چنانچہ ایک وفد جس کے رئیس مولانا عبدالحامد بدایونی اور جس کے شرکاء۔

۱۔ پیر صاحب سرسینہ شریف

۲۔ سید مظفر علی شمسی سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ لاہور۔

۳۔ ماسٹر تاج الدین انصاری تھے۔

مجلس عمل کا ایک وفد خواجہ صاحب سے ۲۲ جنوری ۵۳ء کو ملا۔ اس مرتبہ خواجہ صاحب نے متاثر ہوکر یہ مہربانی کی کہ اپنی کیبنٹ کے معزز اراکین کو بھی بلا لیا سر ظفراللہ خاں کے علاوہ باقی سب حضرات تشریف لے آئے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے ایک اعتراض کیا اور کہا کہ سر ظفراللہ خاں انہی لوگوں کو سفارتوں میں آگے لاتے ہیں جو مرزا محمود کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا دیکھئے مولانا! وہ بات نہ کیجئے جو پایہ ثبوت کو نہ پہنچ سکے۔ ہم اپنے عقیدے پر پکے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضور نبی کریمؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے۔ میرا اس پر ایمان ہے۔ میرے ایمان اور سر ظفراللہ خاں کے ایمان میں بین فرق ہے۔ مگر میں ان کے

خوف غلط باتیں نہیں سن سکتا۔

مولانا بدایونی صاحب نے فرمایا۔ حضور والا اگر میں نام بتادوں تو۔ ؟ خواجہ صاحب نے فرمایا بتایئے کوئی ایسا واقعہ؟ مولانا نے ایک ایک سفارت خانے کے افسر کا نام لیا۔ کیبنٹ کے ایک وزیر نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات ہم نے بھی سنی ہے اور یہ درست معلوم ہوتا ہے۔ تب خواجہ صاحب پر زیادہ اثر ہوا۔ وہ ہمیں زیادہ تسلی توجہ دے رہے تھے مگر انہیں یہ یقین ہو گیا کہ مسلمان شکایات کرنے میں حق بجانب ہیں۔ اس ملاقات میں چونکہ سردار بہادر خاں تشریف نہ لا سکے اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کے بنگلے پر بھی حاضری دیں۔ چنانچہ فون پر ان سے بات ہوئی۔ اور ملاقات کا وقت مقرر کر کے ہم ان سے بھی جا ملے وہ بڑے صاف قسم کے انسان ہیں فرمانے لگے کہ میری سر ظفر اللہ خاں سے اچھی خاصی دوستی ہے مگر میں اپنے عقیدے کا پکا ہوں۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ آپ وزیر مواصلات ہیں آپ کی موجودگی میں مرزائیوں کو ریلوے کے محکمے میں پھلنے پھولنے کا بہت موقع ملا ہے۔ سردار بہادر خاں نے فرمایا کہ آج تک سر ظفر اللہ خاں نے مجھ سے کسی مرزائی کی سفارش نہیں کی پھر میں کیسے مان لوں کہ ان کے اثر و رسوخ سے مرزائیوں کا ریلوے میں تسلط ہو رہا ہے۔ ہم نے ان سے ایک واقعہ کا تذکرہ کیا۔ واقعہ یہ تھا کہ ریلوے میں غالباً بتیس (۳۲) بی ٹی کی اسامیاں خالی تھیں۔ درخواستیں مانگی گئیں۔ جب ان اسامیوں کو پر کیا جانے لگا تو تیس مرزائی لے لئے گئے۔ اور صرف دو یا تین مسلمانوں کو لیا گیا ان میں بھی ایک ہوشیار نوجوان نے مرزائیوں کی سی انگریزی داڑھی رکھ لی اور ملازم ہو کر حلیہ درست کر لیا۔ سردار بہادر نے تحقیقات کا وعدہ فرمایا۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا۔ جو "آزاد" میں شائع ہو چکا تھا۔ اس ملاقات میں ہمیں معلوم ہوا کہ سر ظفر اللہ خاں کتنے ہوشیار اور کس احتیاط سے کام کر رہے ہیں۔

سردار بہادر نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے یاد ہے کہ سر ظفر اللہ خاں نے صرف ایک دفعہ مجھے ایک مرزائی افسر کے تبادلے کے بارے میں کہا تھا اور میں نے انکار کر دیا تھا۔ مگر بعد میں مجھے وہ تبادلہ اس لئے منسوخ کرنا پڑا کہ خود مسلمانوں نے میری چوکھٹ گھسا ڈالی اور یکے بعد دیگرے میرے پاس آ کر اس تبادلے کی منسوخی کے لئے اس قدر تنگ کیا کہ میں نے تبادلہ منسوخ کر دیا۔ آپ کے مسلمان ہی مرزائی افسر کے لئے ہاتھ باندھے رہے تھے۔ فرمایئے میں کیا کرتا؟ ہم نے حالات کی نزاکت کو اچھی طرح بھانپ لیا کہ یہ مرزائی کس طرح مسلمان وزیروں کو ہموار کرتے ہیں۔ اور کس طرح چیدہ چیدہ مگر نامعقول قسم کے مسلمانوں کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔

ریلوے میں بڑے بڑے افسر جنہیں مسلمان سمجھا جاتا تھا۔ اچانک معلوم ہوا کہ انہیں

ایک ایک کر کے کس طرح ربوے کی سیر کرائی اور پھر اندر ہی اندر انھیں کس ترکیب سے مرتد بنانے کی کوشش ہوئی۔ اس خطرناک صورت حال نے ہمیں اور چوکنا کر دیا۔ کوئی گوشہ نیک اور درون رکھنے والے مسلمانوں سے خالی نہیں چنانچہ ایک ذمہ دار مسلمان افسر نے ہمارے کیمپ میں اطلاع بھیجی کہ فلاں مسلمان افسر بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے اس کا ایمان ڈانواں ڈول ہو رہا ہے۔ کسی اچھے مبلغ کو بھیجئے۔ تاکہ ایک باحیثیت مسلمان افسر کے ایمان کو بچایا جا سکے۔ قاضی احسان احمد صاحب اپنے بکس سمیت ان کے بنگلے پر تشریف لے گئے۔ ان کی واپسی پر معلوم ہوا کہ افسر مذکورہ کی باتوں سے ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مرزائیت کی روحانیت یا اصلیت کا زیادہ قائل نہیں بلکہ وہ موجودہ ماحول میں مرزائیت کے لئے فضا ساز گار پا کر مرزائیت کی طرف مائل ہے مگر قاضی صاحب نے انھیں ایمان کی قدروقیمت بتادی مبلغ کا کام تبلیغ کرنا ہے' نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے واپسی پر قاضی صاحب سو فیصد مطمئن نہ تھے مگر اتنا تو ہوا کہ افسر مذکور نے بہکی بہکی باتیں کرنا ترک کر دیں۔ یہ واقعہ میں نے اس لئے عرض کیا کہ قارئین کرام اندازہ لگا سکیں کہ ہم نے کن حالات میں اور کیسی دشواریوں میں رد مرزائیت کا کام کیا۔ مجلس عمل مرزائیت کے پھیلائے ہوئے جال کو کاٹنے اور سمیٹنے کی فکر میں تھی۔ مرزا محمود کو معلوم ہوا تو وہ بڑے متفکر ہوئے اور سر ظفر اللہ خان کی معرفت انھوں نے اپنے مبلغوں کی ایک فوج جس میں اللہ دتہ جالندھری وغیرہ شامل تھے کراچی بھیج دی۔ ان مرزائیوں نے مسلمان وزراء پر "تبلیغ" کا ہلہ بول دیا وہ ایک ایک وزیر کی کوٹھی پر جانے لگے۔

سردار نشتر نے تو ان سے باقاعدہ دو دو ہاتھ کئے۔ وہ اچھے خاصے مولوی ہیں اور ایسے ماں باپ کی آغوش میں پرورش پائی ہے جہاں دین کا باقاعدہ چرچا ہوتا تھا۔ ان سے مرزائی گھبراتے تھے۔ اگر سردار عبدالرب نشتر نے اپنی گورنری کے زمانے میں "الشہاب" ضبط نہ کی ہوتی۔ (الشہاب وہ کتاب تھی جو شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قتل مرتد کے بارے میں لکھی تھی) تو ہم سردار صاحب کو اپنا سردار مان لیتے۔ الشہاب کی ضبطی کا داغ ان کی گورنری کے دامن پر لگ ہی گیا۔ بہرحال وہ مذہبی ذہن کے وزیر تھے اس لئے کیبنٹ اور مرزائی کیمپ میں انھیں مولوی نشتر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مرزائی مبلغوں نے غلام احمد کی کتابوں کا پلندہ بغل میں دبا کر ہر مسلمان منسٹر کا پیچھا کیا۔ سب سے پر لطف اور مختصر مذاکرہ فضل الرحمن صاحب وزیر تعلیم سے ہوا۔ مرزائیوں نے تبلیغ کے لئے ملاقات کی اجازت چاہی۔ سر ظفر اللہ کے ہوتے ہوئے کون کہتا کہ معاف کرو بابا ہم تمہیں اور تمہارے پیغمبر کو جانتے ہیں۔ چار و ناچار موقع دینا ہی پڑتا تھا فضل الرحمن صاحب کے ہاں جب مرزائی مبلغ پہنچے تو وہ چوکس ہو کر بیٹھ گئے

جب مرزائی مبلغ کتابوں کا پلندا کھولنے لگے تو فضل الرحمن صاحب نے فرمایا کہ "دیکھئے مولوی صاحبان ہم زیادہ باتیں کرنا نہیں جانتے اور نہ زیادہ بحث میں پڑنا چاہتے ہیں۔ آپ میری ایک بات سن لیں اور وہ یہ ہے کہ اگر دنیا بھر کے مسلمان جو غلام احمد کو نبی نہیں مانتے کافر ہیں تو میں کافر ہوں۔ خدا کے لئے مجھے کافر ہی رہنے دو۔ میں مسلمانوں کے ساتھ کافر رہنا چاہتا ہوں اب آپ فرمایئے آپ اور کیا کہتے ہیں۔

مرزائیوں نے بغلیں جھانکنا شروع کیں اور چندے کو پھر سے باندھ کر رخصت چاہی۔ فضل الرحمن صاحب نے کہا کہ آپ شوق سے جا سکتے ہیں مرزائی مبلغوں کے اس دورے میں یہ سب سے بڑھیا قسم کی ملاقات تھی۔

دراصل سر ظفر اللہ خاں وزیروں کی نبض پر ہاتھ رکھ چکے تھے ہمیں کیبنٹ کے مسلمان وزراء میں سے صرف ایک وزیر کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ وہ ربوے تشریف لے گئے تھے یا کسی ترکیب سے وزیر صاحب کو ربوے بھجوایا گیا تھا۔ مگر ہرچند کوشش کے بعد یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ وزیر کون تھا؟ مجلس عمل کی جدوجہد کے بعد یہ سلسلہ رک گیا۔ اور ایسا بریک لگ گیا کہ مرزائی مبلغوں کو مسلمان وزراء کے بنگلوں پر جانے کی جرات نہیں ہوئی۔

انڈیا ہاؤس

ہندوستان تقسیم ہوا تو ہندوستان کی غیر منقولہ جائیداد جو بیرونی ممالک میں تھی وہ بھی تقسیم ہوئی۔ بغداد میں انڈیا ہاؤس کے نام کی شاندار عمارت پاکستان کے حصے میں آئی۔ چونکہ وزارت خارجہ کا قلمدان سر ظفر اللہ خاں کے پاس تھا اور بیرونی سفارت خانے انہی کے ماتحت تھے اس لئے بغداد کی اہمیت کے پیش نظر مرزائیوں نے بغداد کا رخ کیا اور مسلمانوں کو نکال کر مرزائیوں نے انڈیا ہاؤس پر قبضہ جما لیا اور اسے مرزائیت کا مستقل اڈہ بنا لیا۔ مسلمان بہت سیخ پا ہوئے۔ وہ جب احتجاج کرنے پر اتر آئے اور بات مرکز تک پہنچی تو انڈیا ہاؤس پر مرزائیوں کے قبضے کا چرچا ہوا۔ صورت ایسی ہوئی کہ یہ علاقہ مرزائیوں کی دستبرد سے باہر ہو گیا میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ کس مسلمان سفیر نے حوصلہ کیا اور مسلمانوں کی دلداری کی کہ انڈیا ہاؤس پر مرزائیوں کا قبضہ نہ رہا۔ انہی دنوں مجلس عمل نے جس حد تک ہو سکا بیرونی سفارت خانوں پر دھیان دیا اور یہ جاننا چاہا کہ امت مرزائیہ جو اندرون ملک میں مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر جو کچھ نظر آتا ہے بھیجتی ہے وہ ہر جہاں وزارت خارجہ کی دیوار ہے خدا جانے کیا اندھیرا ہو گا معلوم ہوا کہ مرزائی لٹریچر سرکاری ذرائع سے بیرونی ممالک میں بھیجا جا رہا ہے۔ اس صورت حال نے مسلمانان پاکستان کو مجبور کر دیا کہ وہ سر ظفر اللہ خاں کی علیحدگی کا مطالبہ کرتے

سے کریں۔ اور سارا زور اس پر لگا دیں کہ کسی صورت میں سر ظفراللہ خاں سے وزارت خارجہ کا قلمدان چھین لیا جائے رد مرزائیت کے سلسلے میں مجلس عمل کے راہنما حالات کا تجزیہ کرنے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر سر ظفراللہ آج وزارت خارجہ سے علیحدہ ہو جاتے ہیں تو مرزائیت کی کمر ٹوٹ جائیگی۔ آدھی فتح صرف اس مطالبے کے تسلیم کر لئے جانے میں مضمر ہے عام اندازہ یہی تھا کہ سر ظفراللہ کی علیحدگی سے مرزائیت کا پچاس فی صد زور ختم ہو جائے گا اور اقلیت قرار دیئے جانے پر بقایا کا صفایا ہو گا۔

قابلیت کا پراپیگنڈہ

سرکاری کیمپ اور وناقی قسم کے مسلمانوں نے پراپیگنڈہ کیا کہ کشمیر کا کیس جس خوبصورت اور تندہی سے ظفراللہ خاں لڑ رہے ہیں یہ انہی کا حق ہے اس پایہ کا دوسرا آدمی پاکستان میں موجود نہیں ہے۔ کشمیر چاہتے ہو تو سر ظفراللہ خاں کی مخالفت کا نام نہ لو۔ سر موصوف بڑے نامور وکیل اور بہت بڑے اثر و رسوخ کے مالک ہیں۔ یہ پراپیگنڈہ بظاہر سرکاری کیمپ اور پڑھے لکھے مسلمانوں کی طرف سے ہو رہا تھا مگر اس پراپیگنڈہ کی تہہ میں مرزائیت کار فرما تھی اور مرزائیوں کی پراپیگنڈہ مشین سر ظفراللہ خاں کی شہرت کو ہوا دیکر چار چاند لگانے میں مصروف تھی۔

مجلس عمل نے حقیقت کو بے نقاب کرنا شروع کیا اور مسلمانوں کو اس بارہ میں سنجیدگی سے غور کرنے کی اپیل کی۔ انہیں جب یہ سمجھایا گیا کہ ابتداء میں میدان کھلا تھا۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارت کا کوئی مضبوط مورچہ نہ تھا ایک ہی ہلے میں مظلوم کشمیریوں کی جان چھڑائی جا سکتی تھی مگر یہ قیمتی وقت باتوں میں ضائع کر کے بھارت کو موقعہ دیا گیا کہ وہ اپنے غاصبانہ قبضہ کو مضبوط بنا لے۔ چنانچہ ادھر باتیں اور صرف باتیں ہوتی رہیں قانونی موشگافیوں میں وقت ضائع کیا گیا ادھر بھارت بے کھٹک مورچے بنا گیا۔ کھلے میدان میں دو دو ہاتھ ہو جاتے تو بھارت کے سورما دُم دبا کر راہ لیتے اب سیمنٹ کے مورچوں سے ٹکر مارنا ہوگی۔

سر ظفراللہ خاں کی لمبی تقریر

حفاظتی کونسل کا اجلاس ہوا تو پاکستان کی نگاہیں کونسل کے اجلاس پر مرکوز ہو گئیں کہ دیکھیں اب ہمارے وزیر خارجہ کس طرح سوئی پھیر کر حفاظتی کونسل کو مسحور کرتے ہیں اور کسی ترکیب سے کشمیر کو اپنی جھولی میں ڈال کر لے آتے ہیں اور پاکستان کو فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ "لو نا قدر شناسو میرے خلاف تم شور مچاتے رہے ہو یہ لو کشمیر لے آیا ہوں۔ سر ظفراللہ خاں

نے حفاظتی کونسل میں بہت لمبی تقریر کی اس قدر لمبی تقریر کہ حفاظتی کونسل کے بعض ارکان اپنی نشستوں پر سو گئے اور بعض اخبارات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔

اس تاریخی تقریر کے بعد پراپیگنڈے کا ایک طوفان اٹھا۔ سر ظفراللہ خان کے حامیوں نے فخریہ انداز میں کہا کہ دیکھا ہمارے شیر کی گرج جس محفل میں دم مارنے کی گنجائش نہ تھی۔ وہاں ہمارا نمائندہ آٹھ گھنٹے گرجتا رہا اور مخالف کے دانت کھٹے کر دیئے جن کے دانت کھٹے ہو گئے تھے۔ یعنی فریق مخالف ان کا نمائندہ یعنی مسٹر فیروز اٹھے اور آدھ گھنٹے میں ہمارے شیر کی گرج کا تیا پانچہ کر کے رکھ دیا بیرونی ممالک میں چونکہ پاکستان کا کوئی پراپیگنڈہ نہ تھا۔ اور ہم دنیا کو اپنی مظلومیت سمجھا نہ سکے تھے اور نہ یہ وضاحت کر سکے تھے کہ کشمیر پر بھارت نے خلاف انصاف وعدل دھاندلی چلا کر قبضہ کر رکھا ہے۔ بیرونی ممالک کے نمائندوں نے ہمارے قابل وکیل کی لمبی تقریر کا کوئی اثر نہ لیا اور ہم جیسے گئے تھے ویسے ہی گھر کو واپس آ گئے تھے۔

ولایت کے اخباروں نے سر ظفراللہ کا قصیدہ کہا ان کی تصویریں چھپیں اور مرزائی ان تصویروں کو لئے پھرے اور سر ظفراللہ خان کی قابلیت کے ڈھنڈورے پیٹتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سر ظفراللہ خان کی لمبی تقریر نے ہمیں لمبے راستے پر ڈال دیا اور ہمارا نہایت ہی قیمتی وقت برباد ہوا ہمیں نقصان اور بھارت کو فائدہ پہنچا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ بیرونی ممالک میں پراپیگنڈہ کیا جاتا۔ ہمدردی حاصل کی جاتی تعلقات بڑھائے جاتے۔ یہ کام وزارت خارجہ کا تھا۔ مگر وزارت خارجہ جہاں بھی موقعہ میسر آتا تھا مرزائیت کے دعظ کہتی رہی بیرونی ممالک میں مرزائیت کے اڈے مضبوط کئے گئے۔ سر ظفراللہ کی اس روش کے خلاف اسلامی پریس نے بارہا احتجاج کیا مختصر یہ کہ سر ظفراللہ خان کی لمبی تقریر پاکستان کو کشمیر کے بارے میں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی۔ بلکہ مضراور تخت نقصان رساں ثابت ہوئی اس لئے کہ نتیجہ بھارت کے حق میں مفید ثابت ہوا اسے سوچنے بچانے کے لئے وقت کی ضرورت تھی سر ظفراللہ خان نے اس ضرورت کو لمبی تقریر اور مقدمے کو طول دیکر پورا کر دیا۔

۵۲ء گذر گیا

مرزا محمود نے خدا جانے کس کس سے مشورہ لیا اور کس بل بوتے پر یقین کے ساتھ اعلان کیا کہ اسی سال مسلمانوں کو زیر کر کے پاکستان پر مرزائیت کا جھنڈا گاڑ دینا ہے۔ اس اعلان نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ جہاں کہیں مسلمانوں نے سرکاری دفاتر میں مرزائی ملازموں کو دندناتے دیکھا انہیں مرزا محمود کے اعلانات نے مرعوب کیا ہم نے بعض کو یہ کہتے بھی سنا کہ اب کیا ہو گا مجلس عمل کے لئے لازم ہو گیا کہ وہ اس خطرناک پراپیگنڈے کا اثر

نہ کل کرے۔
اس پراپیگنڈے کا اصلی کھونٹا سر ظفراللہ خاں تھے۔ اس لئے تمام تر توجہ پراپیگنڈے کی بنیاد پر مرکوز کر دی گئی۔ اور خواجہ صاحب وزیر اعظم پاکستان سے مجلس عمل کے ایک وفد نے اسی بارہ میں ملاقات کی

خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضور ہم نے پہلی ملاقات میں آپ سے عرض کیا تھا کہ امت مرزائیہ کی وفاداریوں کی تار ربوے میں بندھی ہے اگر کبھی احکامات کا تصادم ہوا تو آپ کے حکم کو پس پشت ڈال کر ربوے کا حکم مانا جائیگا ہو سکتا ہے کہ ایسا وقت بھی آجائے کہ ملک نازک دور سے گذر رہا ہو اور ہر فرد کی وفاداری اور جانثاری از بس ضروری ہو۔ جان کی بازی لگا دینے کا تقاضا ہو تو امت مرزائیہ اپنے خلیفہ سے دریافت کریگی۔ اگر خدانخواستہ خلیفہ صاحب کا دماغ اوندھا ہو گیا اور وہ اڑ گئے اور فرما دیا کہ خاموش رہو یا دوسرا طریقہ اختیار کرو تب کیا ہو گا پاکستان کی کلیدی آسامیوں اور نازک ذمہ داری کے محکموں میں آپ نے مرزائیوں کو چوہدری بنا کر بٹھا رکھا ہے فرمایئے اس وقت کیا ہو گا۔ خواجہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ ایسی بے بنیاد باتیں اور مفروضے پیش کر کے ابتری اور بزدلی نہ پھیلاؤ وفد نے واقعہ پیش کیا کہ ابھی کل ہی کی تو بات ہے کہ چوہدری ظفراللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان نے خلیفہ محمود کے حکم اور پروگرام کے مطابق کراچی میں یعنی راجہ ہال میں تبلیغ مرزائیت کے لئے جلسہ عام کیا اس میں پہلے ہی روز گڑ بڑ ہوئی دوسرے دن آپ سے معزز شہریوں کے وفود نے۔ اخبارات نے احتجاج کیا آپ نے مناسب سمجھا کہ سر ظفراللہ خاں اس جلسے میں نہ جائیں۔ مگر کیا وہ مرزا محمود کے مقابلے میں آپ کا حکم مان گئے تھے؟

خواجہ صاحب کے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا وہ آئیں بائیں شائیں کر کے ٹالنے لگے۔ وفد نے اس ملاقات میں ایک اور شکایت کی اور وہ یہ تھی کہ اس جلسے کے لئے جو قد آدم پوسٹر شائع ہوئے اور الفضل وغیرہ میں جو پراپیگنڈہ ہوتا ہے اس میں سر ظفراللہ خاں کے نام کے ساتھ ان کا عہدہ ضرور لکھا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سر ظفراللہ خاں نہیں بلکہ وزیر خارجہ پاکستان تبلیغ مرزائیت کے ڈھنڈورچی ہیں۔ پاکستان اس لئے معرض وجود میں نہیں آیا کہ اس کا وزیر خارجہ اینٹی اسلام پراپیگنڈہ کا علمبردار ہو اور مسلمان خاموشی سے مرزائیت کو پھیلنے کا موقعہ دیں۔ اس ملاقات کے نتیجہ میں حکومت کی جانب سے اعلان ہوا کہ کوئی سرکاری افسر یا وزیر اس قسم کے جلسوں میں نہ جائے یہ حکم بھی ہمارے مطالبے کے مطابق نہ تھا۔ انصاف کا تقاضا اس سے بہت زیادہ تھا۔ قرارداد مقاصد کے ملک میں اسلام کے خلاف ہر قسم کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہونا چاہئے تھا۔ مگر ہم نے یہی غنیمت سمجھا کہ ہماری تگ و دو سے پاکستان کے

وزیر اعظم نے اتنا تو محسوس کر ہی لیا کہ سر ظفر اللہ خاں حدود سے آگے بڑھ کر مرزائیت کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

۱۹۵۲ء کو اگر قادیانی دھمکیوں کا سال کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا۔ ۱۹۵۲ء میں مرزا محمود خلیفہ ربوہ بڑے زوروں پر تھا' اسے پکڑیں گے اسے مار دیں گے قسم کے الہامات اور بیانات شائع کر رہے تھے۔ یہ تو وہ مدت سے ہی کہتے چلے آ رہے تھے کہ احمدیت کو غلبہ حاصل ہو گا اور قادیانیوں کی حکومت بنے گی۔ اور یہ بھی کہ جب ہماری حکومت بنے گی تو موجودہ مسلمانوں کی عزت چوہڑوں چماروں جیسی بنا دی جائے گی لیکن ۱۹۵۲ء میں تو انہوں نے حد کر دی ۱۵ جولائی ۱۹۵۲ء کے الفضل میں شائع کرایا گیا کہ وقت آن پہنچا ہے بعض قادیانی مبلغوں کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔ یہ اعلان "یہ خونی ملا کے آخری دن" کے عنوان سے شائع ہوا قادیانی مبلغوں عبدالرحمان خاں صاحبزادہ عبداللطیف اور نعمت اللہ جنہیں افغانستان میں' امیر عبدالرحمان امیر حبیب اللہ خاں اور امیر امان اللہ خاں والیان افغانستان کے دور اقتدار میں بجرم ارتداد شرعی سزا کے مطابق سنگسار کرایا گیا تھا ان کے خون کا بدلہ لیا جائے گا ملا عطا اللہ شاہ بخاری' ملا بدایونی' ملا شفیع' ملا احتشام الحق اور پانچویں سوار ملا مودودی سے اس طرح پانچ مقتدر علمائے کرام کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کیا گیا۔ اور ان کا تذکرہ بڑے ہی حقارت آمیز طریقہ سے کیا گیا۔

۱۹۵۲ء گذرنے نہ پائے

مرزا محمود نے یہ بھی اعلان کر دیا بلکہ ایک گونہ اپنی جماعت کو حکم دے دیا کہ ملک میں ایسے حالات پیدا کر دو کہ ۱۹۵۲ء سے پہلے پہلے دشمن تمہارے قدموں میں آ کر گرنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ اعلان بھی الفضل میں شائع کرایا گیا غرضیکہ یہ پورا سال اپنے مخالفین پر بجلیاں گرانے آگ برسانے انہیں ہاتھیوں کے پیروں تلے روندوانے اور تہس نہس کروا دینے کی مواعید میں گذرا لیکن عجیب اتفاق ہے کہ یہ سال مرزا محمود کی پیش گوئیوں کے برعکس خیریت سے گذر گیا ان پانچوں علمائے کرام میں سے کوئی بھی تو نہ صلیب چڑھایا گیا۔ اور نہ ہی تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ اور نہ ہی کسی کی گردن اتارے جانے کا مژدہ جاں فزا ربوہ پہنچ سکا۔ البتہ ضلع ساہی وال کے بعض "متشدد" مسلمانوں نے ان مرزائی مبلغوں کے منہ ضرور کالے کئے جو مسلمانوں کے دیہات میں زبردستی تبلیغ کرنے پر مصر تھے۔ اسی طرح قادیانی صاحبان کی مختلف شہروں میں سیرت کے نام پر منعقد کی جانے والی کانفرنسوں کو بھی الٹا دیا گیا۔ اور کسی شہر میں کوئی جلسہ یا کانفرنس کامیاب نہ ہو سکی۔

الٹی میٹم

مجلس عمل کی تشکیل کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق ۲۲ جنوری کو مجلس عمل کا ایک وفد وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کو آل پارٹیز مسلم کنونشن کا ریزولیشن اور مجلس عمل کا ایک ماہ کا نوٹس دینے کے لئے شام کے وقت پیر صاحب سرسینہ شریف کی سرکردگی میں ملا۔ اس دن چونکہ اس بارے میں ملاقات کا آخری موقع تھا وہ سمجھتے تھے کہ وہ بہت نیک آدمی ہیں مذہبی ذہن کے انسان ہیں مگر طبیعت کے کمزور اور گردوپیش کے حالات سے مرعوب ہو جانے والے بزرگ ہیں علیک سلیک کے بعد گفتگو شروع ہوئی خواجہ صاحب نے وفد کے ہمراہ پیر صاحب سرسینہ شریف کو دیکھا تو وہ کچھ گھبرائے شاید وہ یہ سمجھتے ہوں کہ اب بنگال میں بھی مرزائیت کے خلاف آواز اٹھے گی اور اپنے گھر میں مرزائیت نوازی کا چرچا ہو گا وفد نے خواجہ صاحب کو متعدد ملاقاتوں کا حوالہ دے کر بتایا کہ ہم کب کب حاضر ہوئے اور کیا کچھ عرض کیا مرزائی کس طرح آگے بڑھے۔ اور سر ظفر اللہ خاں کی وساطت سے وہ کلیدی اسامیوں پر کس طرح چھا گئے ۔ مسلمانوں نے کتنی بار احتجاج کیا آپ کے پاس کس طرح فریاد کی مگر آپ نے سنی ان سنی کر دی آپ کے لئے لازم تھا کہ آپ پہلے ہی دن صاف طور پر فرما دیتے کہ اس بارے میں آپ بے بس ہیں حالات پر آپ کا قابو نہیں تاکہ ہم بار بار آپ کو زحمت نہ دیتے خود پریشان نہ ہوتے اور آپ کی باتوں سے تسلی پا کر قوم کو اطمینان نہ دلاتے۔ جب بھی ہم سے بات کی آپ نے مطالبات کو درست تسلیم کیا مگر ان مطالبات میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی ایسا قدم نہ اٹھایا جس سے تسلی ہوتی اور ہم مسلمانوں سے کہہ سکتے کہ مطالبات کو پورا کرنے میں کچھ وقت لگے گا حکومت کو مہلت ملنا چاہئے۔ اس کے برعکس خلیفہ محمود اور اس کے حواری ربوہ کو زیادہ سے زیادہ محفوظ اور ریشہ دوانیوں کا قلعہ بناتے جا رہے ہیں اخبار الفضل میں آئے دن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اور مرزائیوں کے حق میں فضا بنائی جا رہی ہے مسلمانوں کو تبلیغ حق کے لئے مسجدوں تک میں روکا گیا۔ اسلامی ملک میں جس کے سربراہ آپ ایسے متدین وزیر اعظم ہوں مسلمانوں پر طرح طرح کی پابندیاں ہیں مگر مرزائیوں کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔ ہم نے آپ سے ابتدا ہی میں عرض کیا تھا کہ سر ظفر اللہ خاں حکومت کے اسی حد تک وفادار ہیں جس حد تک حکومت کے احکامات خلیفہ محمود کے احکامات سے نہ ٹکرائیں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جب آپ نے سر ظفر اللہ خاں صاحب کو جہانگیر پارک کے جلسہ عام میں جانے سے روکا تو سر موصوف نے آپ کے حکم کی پرواہ نہ کی اور روکنے اور منع کرنے کے باوجود وہ جلسہ عام میں اسلام کا منہ چڑانے اور مسلمانوں کی دل آزاری کے لئے جا حاضر ہوئے۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کو مایوس کر دیا ہے۔ آخر میں خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ کے ساتھی بھی آپ کے وفادار ساتھی نہیں ہیں انہیں بھی اسلام سے زیادہ اپنی کرسیاں عزیز

ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ وقت پر یہ بھی آپ کا ساتھ نہ دیں گے سر ظفراللہ خاں اور ان کے ہمدرد تو آپ کا تختہ الٹ کر رکھ دیں گے وہ وقت کے منتظر ہیں جب بھی موقعہ ملا وہ آپ کے اقتدار کو ختم کر دیں گے کچھ عجب نہ ہو گا اگر وہ آپ کی ہستی ہی کا خاتمہ کر دیں۔ ان گذارشات کے سننے کے بعد خواجہ صاحب کچھ متفکر نظر آ رہے تھے مگر وہ بری طرح جکڑے جا چکے تھے ان پر واقعی سر ظفراللہ خاں نے رعب بٹھا رکھا تھا۔

پیر صاحب سرسینہ شریف نے خواجہ صاحب کو تیس دن کا الٹی میٹم دیا وہ فرمانے لگے کہ الٹی میٹم کیسا؟ پیر صاحب نے فرمایا کہ یہ فیصلہ تو کل مسلم کنونشن کا فیصلہ ہے۔ مسلمانوں کی جانب سے آپ کو یہ مطالبات مان لینا چاہئیں۔ خواجہ صاحب نے پیر صاحب سے بنگالی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ میری بات سنیں۔ یہ کہہ کر وہ پیر صاحب کا ہاتھ پکڑ کر ہم سے کچھ دور لے گئے گفتگو ہم نہ سن سکے مگر ہم یہ دیکھ رہے تھے کہ پیر صاحب بات سن کر سر ہلا کر انکار کر رہے تھے۔ چند منٹ کے بعد پیر صاحب اور ہم سب خواجہ صاحب کے ہاں سے واپس آ گئے۔ یہ ملاقات سیکرٹریٹ میں ہوئی تھی۔

مطالبات نہ ماننے کی وجہ

خواجہ ناظم الدین صاحب نے فرمایا کہ میں اگر قادیانیوں کے خلاف آپ کا مطالبہ مان لوں تو امریکہ ہمیں ایک دانہ گندم کا نہیں دے گا اور دوسرا یہ کہ وہ کشمیر کے مسئلہ میں ہماری کوئی مدد نہیں کرے گا۔ ملک میں پہلے ہی قادیانی مسئلہ کے سلسلہ میں اشتعال اور غصہ موجود تھا۔ جب عوام کو یہ معلوم ہوا کہ تین مطالبات کے حق میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے راہنما متفق ہو گئے۔ سنی اور شیعہ میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہوا دیوبندی اور بریلوی کا ایک ہی فتویٰ صادر ہو گیا۔ اور سب راہنماؤں نے متفقہ طور پر خواجہ ناظم الدین سے مطالبہ کیا۔ لیکن خواجہ صاحب نے مطالبات کے تسلیم کرنے سے معذرت کی ہے۔ اور یہ کہ راہنماؤں نے اسے ایک ماہ کا الٹی میٹم دے دیا ہے۔ تو اب عوام میں غصہ اور غضب کی ایک نئی لہر اٹھ کھڑی ہوئی۔ عوام کو اندازہ تھا۔ کہ ایک ماہ گذر جائے گا۔ لیکن خواجہ ناظم الدین یہ مطالبات تسلیم نہیں کریں گے۔ اس لئے عوام مرنے مارنے کی تیاری میں لگ گئے اگرچہ مطالبات کے تسلیم نہ کئے جانے کی ناراضگی پورے ملک میں تھی لیکن پھر بھی اس ناراضگی کا اثر مغربی پاکستان میں زیادہ تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مشرقی پاکستان کے لوگ قادیانیوں اور ان کے عقائد کے متعلق بہت کم جانتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ تحریک کے راہنماؤں نے بھی زیادہ کام مغربی پاکستان میں کیا تھا۔ مشرقی پاکستان میں بہت کم کام ہوا تھا بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوا تھا۔

پنجاب میں صحیح معنوں میں کام ہو چکا تھا اور مسئلہ بھی پنجاب ہی سے اٹھا ہوا تھا پنجاب کے لوگ ہی اس فتنہ اور اس کے زہر سے کماحقہ آگاہ تھے۔ تاہم سرحد سندھ اور بلوچستان میں بھی کافی کام ہوا تھا اس لئے دوسرے درجہ کا اثر اور تیاری ان صوبوں میں تھی۔

زمیندار اخبار

"زمیندار اخبار" اس زمانہ میں متحدہ پاکستان کا عظیم اخبار تھا جس طرح موجودہ دور میں جنگ، مشرق اور امروز، بڑی کثرت سے شائع ہوتے ہیں اسی طرح اس زمانہ میں زمیندار چھپتا تھا بڑے سے بڑے شہروں سے لیکر چھوٹے سے چھوٹے دیہات تک زمیندار اخبار کا طوطی بولتا تھا۔

الٹی میٹم دینے کے بعد لیڈر تو رضا کاروں کی تنظیم اور دوسری تیاریوں میں مصروف ہو گئے زمیندار اخبار روزانہ ایک چوکھٹا شائع کرتا تھا جس کی عبارت حسب ذیل ہوا کرتی تھی۔ " مجلس عمل کے نوٹس کی میعاد میں صرف........ دن باقی حکومت اور وزراء کے جذبہ ایمان کا امتحان مجلس عمل کے وفد نے ۲۲ جنوری کو عزت مآب الحاج خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان سے ملاقات کر کے علمائے پاکستان کی طرف سے مسلمانان پاکستان کے حسب ذیل مطالبات پیش کئے تھے۔

۱۔ چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ کے عہدہ سے الگ کر دیا جائے۔

۲۔ مرزائیوں کو الگ اقلیت قرار دیا جائے

۳۔ سرکاری محکموں کے مرزائی افسروں پر یہ پابندی عائد کی جائے کہ وہ اپنے سرکاری عہدہ کا ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں میں مرزائیت کی تبلیغ نہ کریں۔

ان مطالبات کے لئے ایک ماہ کا نوٹس دیا گیا تھا۔ اب اس نوٹس کی میعاد میں صرف اتنے دن باقی رہ گئے ہیں امید ہے کہ حکومت پاکستان مسلمانوں کی رائے عامہ کے صبر کو آزمانے کی بجائے ان مطالبات پر سنجیدگی سے غور کرے گی۔ اور جلد از جلد اپنے فیصلہ سے آگاہ کرے گی۔"

"یہ چوکھٹا" روز شائع ہوتا جیسے جیسے نوٹس کی میعاد میں دن کم ہوتے جاتے لوگوں کے خون میں تیزی اور سرسراہٹ پیدا ہوتی جاتی۔

کراچی سے واپسی

کراچی سے واپسی پر لاہور پہنچے میٹنگیں ہوئیں اور مشہور شہروں میں عظیم الشان جلسے

ہوتے رہے۔ روزنامہ زمیندار نے تیس دن کے الٹی میٹم کو دیدہ زیب چوکھٹوں میں شائع کرنا شروع کیا۔ پراپیگنڈے کا یہ طریقہ بہت ہی کامیاب رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ "زمیندار" اور مولانا اختر علی خاں نے رفاقت اور فرض کا حق ادا کر دیا۔ روزنامہ آزاد تو تحریک کے لئے وقف تھا ہی۔ صوبہ پنجاب کے مسلمان دونوں اخباروں کا کثرت سے مطالعہ کرتے تھے۔ جوں جوں دن گذر رہے تھے اور "زمیندار" میں چوکھٹے کے ذریعہ اعلان ہوتا تھا کہ اب الٹی میٹم کی میعاد ختم ہونے میں صرف اتنے دن باقی ہیں لوگوں کی توجہ اور دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی مجلس عمل کے راہنما جگہ جگہ جلسہ عام کے ذریعے تحریک کو تیز تر کرتے جا رہے تھے۔ حکومت کی مشین بھی افسران بالا کے مشورے سے روک تھام کی تجویزیں سوچ رہی تھی۔

پرامن رہنے کی تلقین

مجلس عمل یہ سمجھ چکی تھی کہ تحریک کی کامیابی کا انحصار پرامن ذرائع سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ہر جلسے میں ہر ذمہ دار مقرر نے لوگوں سے واضح الفاظ میں کہا کہ ہر قیمت پر پرامن رہو۔ اگر ذرا بھی گڑبڑ ہوئی تو تحریک کو نقصان پہنچے گا۔ لوگوں کو ذہن نشین کرایا گیا کہ جو شخص بھی امن شکنی یا اشتعال انگیزی کی بات کرے سمجھ لو کہ وہ تحریک کا دشمن اور بھگانے کا آدمی ہے۔ ہم جانتے تھے کہ مرزائیوں کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ مسلمانوں اور حکومت کا تصادم کرا دیں حکومت کی مشینری میں بھی بعض مرزائی کلیدی آسامیوں پر قابض تھے ہمیں اس مشین پر بھی شک تھا کہ امن برقرار رکھنے کی بجائے یہ بھی اپنا چکر چلائے گی۔ تاہم عوام نے مجلس عمل کی ہدایات کو دل کے کانوں سے سنا اور اس پر عمل کیا انتہائی اشتعال انگیزی کے باوجود لوگ پرامن رہے۔

خواجہ صاحب لاہور تشریف لائے

اچانک معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب کراچی سے سرگودھا اور لاہور کے دورے پر تشریف لا رہے ہیں تحریک پورے شباب پر آ چکی تھی اور مجلس عمل نے اپنے حق میں فضا اس قدر ساز گار کر لی تھی کہ مخالف عنصر دب کر رہ گیا اور کسی کو مخالفت کی جرات نہ ہوتی تھی۔ مجلس عمل کی میٹنگ ہوئی اور فیصلہ کیا گیا کہ خواجہ صاحب کی تشریف آوری پر ہڑتال کی جائے۔ حالات کا تقاضا تھا کہ ہڑتال کے ذریعہ محترم خواجہ صاحب پر حقیقت حال واضح کر دی جائے وہ سرکاری غلط سلط رپورٹوں کی وجہ سے کسی مغالطہ میں نہ رہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ چند مولوی صاحبان تحفظ ختم نبوت کا ڈھونگ رچائے ہوئے ہیں بلکہ وہ یہ جان لیں کہ یہ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے

اور ساری قوم بنیادی مطالبے میں تحریک کی پشت پر موجود ہے۔ فیصلہ ہوا کہ عدیم المثیل ہڑتال کی جائے۔ حضرت مولانا ابوالحسنات مولانا اختر علی خاں صاحب اور مظفر علی شاہ شمسی کے علاوہ میں بھی (ماسٹر صاحب) اس سب کمیٹی کا رکن تھا جو منڈیوں کے چوہدریوں سے مل کر تمام منڈیاں بند کرانے کی اپیل کرے چنانچہ مولانا اختر علی خاں صاحب کی کار میں ہم سب منڈیوں کے چوہدریوں سے ملے سب نے اطمینان دلایا کہ شاندار طریقے پر ہڑتال ہو گی۔ اسی دن ہم نے ایک پیامبر سرگودھا بھی بھیج دیا تاکہ وہاں بھی خواجہ صاحب کی تشریف آوری پر ہڑتال ہو جائے ہمیں یقین نہ تھا کہ معمولی پیغام پر بغیر پراپیگنڈے کے سرگودھا میں ہڑتال کامیاب ہو سکے گی۔ مگر جب کوئی تحریک خصوصاً وہ تحریک جو ٹھوس بنیاد پر اٹھے عوام اور خواص اشارے کے منتظر رہتے ہیں جونہی خواجہ صاحب سرگودھا پہنچے شہر میں الو بول گیا کوئی دوکان کھلی نہ رہی اچانک ہڑتال کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف کا سامنا بھی ہوا مگر سب نے خندہ پیشانی سے مکمل ہڑتال کر دکھائی خواجہ صاحب بہت سٹ پٹائے کوئی نوکر بازار سے کوئی چیز خریدنے کے لئے گیا تو دیکھا سارا شہر بند ہے حکام اس ہڑتال کو چھپانا چاہتے تھے مگر خواجہ صاحب کے اپنے آدمی نے بتا دیا کہ سرگودھا میں احتجاج کے طور پر آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہڑتال ہے۔

۱۷ فروری

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں۔

۲۴ فروری ۱۹۵۳ء کو اچانک معلوم ہوا کہ خواجہ ناظم الدین کراچی سے بذریعہ طیارہ سرگودھا پہنچ رہے ہیں اور ملک خضر حیات کے ساتھ مل کر ملک صاحب کے علاقہ میں شکار کھیلیں گے۔ چنانچہ اس اطلاع کے مطابق خواجہ صاحب سرگودھا پہنچ گئے۔ ملک صاحب انہیں اپنی جاگیر میں سارا دن شکار اور تفریح کراتے رہے شام کو خواجہ صاحب لاہور پہنچ گئے۔ جونہی یہ خبر معلوم ہوئی کہ خواجہ صاحب ۲۶ فروری کو سرگودھا اور اسی شام کو لاہور پہنچیں گے۔ مجلس عمل نے موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے۔ لاہور میں احتجاجی ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ مجلس عمل کی اپیل پر اسلامیان لاہور نے لبیک کہتے ہوئے اتنی مکمل ہڑتال کی کہ لاہور کی تاریخ میں اتنی زبردست اور مکمل ہڑتال کبھی نہیں ہوئی ہو گی۔

سرگودھا آنے کی وجہ

بعد میں معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب سرگودھا ملک خضر حیات کے مہمان محض تفریح کے لئے نہیں بنے تھے بلکہ اس میں بھی ایک سیاسی حکمت تھی اور وہ سیاسی راز یہ تھا کہ خواجہ ناظم

الدین اور میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے درمیان رسہ کشی موجود تھی اس رسہ کشی کا تعلق تحریک ختم نبوت سے نہ تھا۔ بلکہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں پیرٹی (مساوی حقوق) کا جو جھگڑا تھا اور جس میں پنجاب کے ہاتھ میں لیڈر شپ تھی اس جھگڑے کے سلسلہ میں خواجہ ناظم الدین اور میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے تعلقات درست نہ تھے۔ بلکہ سخت کشیدہ تھے۔ اب دوسری بدقسمتی یہ ہوئی کہ خواجہ ناظم الدین کو یہ وہم ڈال دیا گیا کہ تحریک ختم نبوت بھی دراصل ممتاز محمد خاں دولتانہ کا ایک حربہ ہے جو خواجہ صاحب کو مرعوب کرنے کے لئے شروع کی گئی ہے۔ تاکہ رعب تحریک ختم نبوت کا دیا جائے اور مسئلہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کا حل کیا جائے۔

خواجہ صاحب جواب آں غزل کے طور پر سرگودھا آئے اور ملک خضر حیات کے مہمان ٹھہرے اس سے محبت کی پینگیں بڑھانے کا مظاہرہ سیر و شکار کی صورت میں کیا گیا۔ جس کا مطلب میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کو مرعوب کرنا تھا اور اس موقعہ پر افواہ بھی پھیلائی گئی کہ خواجہ صاحب کے اس دورہ کا مقصد ممتاز دولتانہ کو وزارت اعلیٰ کے عہدہ سے علیحدہ کر کے اس کی جگہ ملک خضر حیات کو پنجاب کا وزیر اعلیٰ بنانا ہے۔ اول تو خواجہ ناظم الدین کا یہ وہم ہی سرے سے غلط تھا کہ تحریک دولتانہ صاحب کی چلائی ہوئی تھی اور وہ اسے بطور سیاسی حربہ کے خواجہ صاحب کے خلاف استعمال کر کے اس سے خواجہ صاحب کو مرعوب کرنا چاہتے تھے۔

دوسرا ممتاز محمد خاں دولتانہ اس وقت بڑی مضبوط پوزیشن میں تھے پنجاب کے ممبران کی واضح اکثریت میاں صاحب کی حامی تھی مسلم لیگ میں انہیں مضبوط مقام حاصل تھا۔ اس سے وہ خواجہ صاحب کے دورہ سے کیا مرعوب ہوتے۔ بہرحال خواجہ صاحب نے ایک داؤ پھینکا کہ شاید مطالبات تسلیم کئے بغیر صرف دولتانہ صاحب کو مرعوب کرنے سے ہی کام نکل آئے اور آئی ہوئی بلا سر سے ٹل جائے۔ لیکن یہ خواجہ کی ایک محض حسرت ہی تھی کوئی صحیح اندازہ اور صحیح تدبیر نہ تھی۔ اس لئے اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا البتہ مجلس عمل نے خواجہ صاحب کے آنے سے خوب فائدہ اٹھایا۔ ہڑتال ہوئی مظاہرہ ہوا اور دہلی دروازہ کے باہر باغ میں عظیم الشان جلسہ ہوا جو تقریباً سارا دن جاری رہا۔ آخری تقریر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ہوئی صدر جلسہ امیر جماعت نائب خلیفہ حاجی ترنگ زئی حضرت مولانا محمد امین صاحب سرحدی تھے۔ اس جلسہ کا وہ منظر بڑا ہی عجیب تھا جب حضرت شاہ جی کی تقریر کے دوران حضرت مولانا ظفر علی خاں کو ان کا بیٹا مولانا اختر علی خاں جلسہ گاہ میں لے کر پہنچا حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی مولانا ظفر علی خاں سے جلسہ گاہ میں ملاقات ہوئی یہ ملاقات مسجد شہید گنج کے سانحہ کے بعد پہلی مرتبہ ہو رہی تھی۔ حضرت شاہ جی نے مولانا ظفر علی خاں

کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ مصافحہ کیا اور نعرہ تکبیر کے بعد مولانا ظفر علی خاں کے لئے نعرہ لگوایا کہ ۱۹۳۰ء میں ستارہ صبح نکال کر میرے جگر میں عشق رسولؐ کی آگ لگانے والا ظفر علی خاں " زندہ باد "

تحریک آزادی کا بے باک سالار مولانا ظفر علی خاں " زندہ باد " مرزائیت کے کاسہ سر پر کاری ضربیں لگانے والا ظفر علی خاں " زندہ باد " فضا نعروں سے گونج اٹھی مجمع میں شاید ہی کوئی آنکھ ہو جو پرنم نہ ہوگئی ہو۔ شاہ جی نے دوبارہ تقریر شروع کی مولانا ظفر علی خاں پیچھے کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے بڑھاپا اور کمزوری تھی۔ برسوں کے بعد شاہ جی کی آواز سنی مرزائیت پر بیٹھے بیٹھے شعر ہو گیا۔ مولانا ظفر علی خاں نے شعر پڑھا۔ شاہ جی نے اسے بلند آواز کے ساتھ مجمع میں پہنچا دیا۔ شعر یہ تھا۔

اپنا اپنا ہے مقدر اپنا اپنا ہے نصیب
کوئی مرزائی بنا اور کوئی مسلمان ہو گیا

رقت انگیز منظر

شاہ جی پورے جوبن پر تھے بے انداز مجمع گوش بر آواز عشق رسولؐ کی بھٹی گرم اکابر اور اساطین ملت جلوہ افروز' شہر میں مکمل ہڑتال اور سناٹا تحریک ختم نبوت کے لئے مسلمان جانیں دینے کے لئے آمادہ کسی نے کہا کہ خواجہ ناظم الدین لاہور پہنچ گئے شاہ جی نے فرمایا ساری باتوں کو چھوڑیئے لاہور والو کوئی ہے' اور یہ کہتے ہوئے اپنے سر سے ٹوپی اتار لی اور ٹوپی کو ہوا میں لہراتے ہوئے نہایت ہی جذبات انگیز الفاظ میں فرمایا جاؤ میری اس ٹوپی کو خواجہ ناظم الدین کے پاس لے جاؤ۔ میری یہ ٹوپی کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکی اسے خواجہ صاحب کے قدموں پر ڈال دو۔ اس سے کہو ہم تیرے سیاسی حریف اور رقیب نہیں ہیں ہم الیکشن نہیں لڑیں گے۔ تجھ سے اقتدار نہیں چھینیں گے۔ ہاں ہاں جاؤ اور میری ٹوپی اس کے قدموں میں ڈال کر یہ بھی کہو کہ اگر پاکستان کے بیت امال میں کوئی سور ہیں تو عطاء اللہ شاہ بخاری تیرے سوروں کا رہ ریوڑ چرانے کے لئے بھی تیار ہے مگر شرط صرف یہ ہے کہ تو حضور فداہ ابی وامی کی ختم رسالت کی حفاظت کا قانون بنا دے کوئی آقا کی توہین نہ کرے آپ کی دستار ختم نبوت پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔ شاہ جی بول رہے تھے اور مجمع بے قابو ہو رہا تھا۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ چشم فلک نے اس جیسا سماں بھی کم دیکھا ہوگا۔ عوام و خواص سب رو رہے تھے۔ شاہ جی پر خاص وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔ جلسہ ختم ہوا مغرب بعد مجلس عمل کا ایک وفد حضرت شاہ صاحب کی تجویز کے مطابق خواجہ ناظم الدین سے ملنے کے لئے گورنمنٹ ہاؤس گیا اس وفد میں

مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری۔ مولانا اختر علی خاں۔ ماسٹر تاج الدین انصاری سید مظفر علی شمسی اور حافظ غلام حسین شامل تھے۔ لیکن نتیجہ ڈھاک کے وہی تین پات خواجہ صاحب نے حسب سابق معذرت کی اور مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

لاہور میں مکمل ہڑتال

ماسٹر تاج الدین فرماتے ہیں۔

خواجہ صاحب لاہور تشریف لائے تو لاہور میں وہ تاریخی ہڑتال ہوئی جس کی نظیر نہیں۔ لاہور پروپیگنڈے کا مرکز ہے جو تحریک لاہور والوں کو متاثر کرے اسے ملک قبول کر لیتا ہے۔ مجلس عمل نے تاریخی ہڑتال کے لئے پروگرام بنا لیا تھا۔ باغ بیرون دہلی دروازہ میں جلسہ عام ہوا بے پناہ ہجوم تھا باغ کا گوشہ گوشہ پر ہو گیا تھا تل دھرنے کو جگہ باقی نہ بچی لوگوں کو مسئلے کی اہمیت اور حالات بتانے کے بعد انہیں بہرحال پر امن رہنے کی تلقین کی گئی۔ جلسہ عام ہو رہا تھا مگر مجھے اور شمسی صاحب کو شہر میں گشت کر کے حالات پر قابو رکھنے کی ڈیوٹی پر لگا دیا گیا گھوم پھر کر واپس آئے تو ایس ایس پی مرزا نعیم الدین صاحب کا پیغام آیا کہ مرزائیوں کے کالج کے سامنے کچھ گڑبڑ ہے۔ اسے فوراً سنبھالئے اور پولیس سے تعاون کیجئے۔

مرزائیوں کا کالج

D. A. V. کالج کی عظیم الشان بلڈنگ پر مرزائیوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ اسلامیہ کالج کے طلباء مارے مارے پھریں مسلمانوں کے بچوں کو کالجوں میں جگہ نہ ملے مگر چند مرزائیوں کے لئے ہندوؤں کا سب سے بڑا تاریخی کالج مرزائیوں کی سپردگی میں چلا جائے۔ اندھیر نہیں تو کیا ہے؟ عرض یہ کر رہا تھا کہ اس کالج کے سامنے گڑبڑ تھی قصہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جلسے میں شمولیت کے لئے ادھر سے نعرے لگاتا ہوا گذرا تو کسی مرزائی لونڈے نے ان پر پتھر پھینک دیا ہجوم وہیں رک گیا ادھر سے نعرے لگے ادھر سے اینٹ پتھر برسے پولیس نے بیچ بچاؤ کر دیا اور درمیان میں کھڑے ہو کر حد فاصل کھینچ دی۔ اتنے میں شمسی صاحب موقع پر جا پہنچے اور مسلمانوں کو صبر کی تلقین کرکے چلے آئے وہ شہر میں جہاں کہیں بھی ہجوم دیکھتے انہیں جلسہ گاہ میں پہنچنے کی تاکید کرتے۔ اس طرح یہ ہڑتال کا دن بخیر وخوبی گذر گیا۔ رات کو نسبت روڈ پر جلسہ عام تھا جس میں حضرت مولانا ابو الحسنات۔ مولانا محمد علی جالندھری۔ مظفر علی شمسی۔ علامہ حافظ کفایت حسین صاحب اور یہ غلام جلسہ عام میں خطاب کرنے والے تھے۔ مجھے حضرت مولانا ابو الحسنات صاحب نے بلا کر فرمایا کہ جلسے میں میرے ساتھ چلنا میں ان کے

در دولت پر حاضر ہوا نماز عشاء کے بعد جب ہم جلسہ گاہ کے قریب پہنچے تو حاضرین سڑک میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ہمارے لئے پلیٹ فارم تک پہنچنا مشکل ہو گیا جوں توں کر کے لوگوں کو راستہ دینے کے لئے کہا تو کچھ آگے بڑھے ابھی پلیٹ فارم ہم سے دور تھا۔ پلیٹ فارم کے گرد کچھ ہنگامہ سا نظر آیا مگر دور کھڑے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ کیا معاملہ ہے۔ ہمت کر کے ہم اور آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ جلسہ گاہ کے قریب ایک مرزائی کا مکان ہے وہاں سے جلسہ گاہ پر خشت باری ہوئی جس سے چند آدمی زخمی ہوئے اور ایک مسلمان بچی بری طرح زخمی ہو کر خون میں لت پت ہو گئی ہے اس واقعے سے ہم سخت پریشان ہوئے لوگوں میں اشتعال تھا مگر جذبات پر پھر بھی قابو تھا میں نے آگے بڑھ کر تڑ دیکھا نہ تاؤ لوگوں کو خطاب کیا اور انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ طائف میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زخمی ہو کر بد دعا تک نہ کرنا بیان کرنے کے بعد میں نے زخمی لڑکی کے ورثا کو تسلی دی اور عوام کو صبر کی تلقین کی جلسہ قابو میں آگیا اور باقاعدہ کارروائی شروع ہو گئی۔ حضرت مولانا ابوالحسنات صاحب نے عالمانہ انداز میں برجستہ تقریر فرمائی مظفر علی شمسی اور دیگر مقررین کے بعد مولانا محمد علی جالندھری نے پنجابی میں نہایت ہی شاندار مدلل اور پر مغز تقریر کی جلسے پر سکوت طاری تھا۔ یہ جلسہ رات کے بارہ بجے بخیریت اختتام پذیر ہوا۔

خواجہ صاحب سے ملاقات

خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان گورنمنٹ ہاؤس میں تشریف فرما تھے مولانا ابوالحسنات صاحب نے ملاقات کے لئے وقت مانگا خواجہ صاحب نے وفد کو ملاقات کی اجازت دی جب ہم رات کے وقت گورنمنٹ ہاؤس پہنچے تو ہمارے ناموں کی پرچی ہوئی میرے نام پر کلک ہوئی مگر جب مولانا ابوالحسنات نے فرمایا کہ مجھے تنہا ملنا مقصود نہیں وفد ملاقات کرے گا۔ خواجہ صاحب گورنر کے کمرے سے نکل کر ہمارے کمرے میں تشریف لائے باتیں شروع ہوئیں۔ مولانا اور خواجہ صاحب کی بات ہو رہی تھی کسی مرحلے پر مولانا نے میری طرف دیکھا اور کسی بات کی تصدیق چاہی میں نے خواجہ صاحب سے بات کی تو وہ فرمانے لگے تاج الدین صاحب مجھے آپ سے بات نہیں کرنا ہے میں تو مولانا سے بات کر رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا بہت بہتر خواجہ صاحب میں خاموشی سے بیٹھ کر آپ کی باتیں سنوں گا۔ مولانا نے اس ملاقات میں خواجہ صاحب سے فرمایا کہ آپ یہ کیوں نہیں دیتے کہ آپ کو ان مطالبات کے قبول کر لینے میں کیا مشکل حائل ہے ہم اس مشکل کا حل تلاش کریں گے ہمیں آپ سے ہمدردی ہے آپ نیک آدمی ہیں فرمایئے تو سہی آخر مشکل کیا ہے۔

خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آپ ہماری مشکلات کو نہیں سمجھ سکتے آپ تو مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں یہ ہم کو معلوم ہے کہ ملک کن مشکلات میں پھنسا ہے اور نجات کی صورت کیا ہے۔ مولانا نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ ان مطالبات کو آج مان لیں تو پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کے نام کے کس طرح ڈنکے بجتے ہیں پھر کسی کی طاقت بھی ہے جو آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ ساری قوم آپ کی پشت پر ہوگی۔

خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں مطالبات کو مان لوں تو میں پھولوں سے لد جاؤں گا اور میرے نام کے زندہ باد کے فلک بوس نعرے لگیں گے مگر ملک مشکلات میں پھنس جائے گا۔ مولانا نے دریافت کیا وہ کیسے ؟

خواجہ صاحب نے فرمایا کہ مولانا صاحب آپ تو کہتے ہیں کہ سر ظفراللہ خاں کو نکال دو آپ کو معلوم ہے ملک کی غذائی صورت کیا ہے ! اگر ہم کو غلہ نہ ملا تو ملک بھوکوں مر جائے گا۔

مولانا نے فرمایا اس بات کا سر ظفراللہ خاں کی علیحدگی سے کیا تعلق ہے ؟

خواجہ صاحب نے نہایت سادگی اور صاف دلی سے فرمایا کہ مولانا صاحب ظفراللہ خاں ہی امریکہ سے غلہ دلوا سکتے ہیں اگر انہیں علیحدہ کر دیا گیا تو گندم کا ایک دانہ نہ ملے گا۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بیچ ہی میں بول اٹھا اور خواجہ صاحب سے بہ ادب عرض کیا کہ خواجہ صاحب یہ دلیل تو مطالبات کے حق میں جاتی ہے اگر بقول آپ کے آج یہ صورت ہے کہ سر ظفراللہ خاں کی وجہ سے ہم کو امریکہ سے گندم ملے گی تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ سر ظفراللہ خاں پاکستان سے زیادہ طاقتور ہیں۔ اس صورت حال کو اگر چند دن اور برداشت کیا گیا تو ہماری زندگی سر ظفراللہ خاں کی مٹھی میں ہو گی کیا یہ بہتر نہیں کہ جس قدر جلد اس بلا سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ اسی قدر پاکستان اور ملت پاکستان کے حق میں مفید ہے ؟ خواجہ صاحب خاموش ہو گئے آخر میں فرمایا کہ ہڑتال سنا ہے لاہور میں بھی ہوئی ہے پولیس والوں نے زبردستی دوکانیں بند کرائی ہیں۔ یہاں کے حکام کا اس میں ہاتھ ہے۔ ایسا سادہ مزاج اور نیک انسان جسے بند کمروں میں بٹھا کر یہ تک خبر نہ ہونے دی جائے کہ باہر شہر میں کیا ہو رہا ہے بھلا ملکی سیاست کو کیا چلا سکتا تھا۔ نیکی اور بات ہے پالیٹکس اس سے بالکل مختلف شے ہے۔ خواجہ صاحب پریشانی کے عالم میں لاہور سے کراچی تشریف لے گئے۔

۱۶ فروری کی رات کو ملاقات میں خواجہ ناظم الدین نے اگرچہ وفد کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن انہیں بالکل مایوس نہ کرنے کے لئے اتنا کہہ دیا کہ آپ اگر مجھ سے پھر بھی ملنا چاہیں تو مل سکتے ہیں۔ یہ محض اس لئے تھا کہ تحریک کے راہنماؤں سے سلسلہ گفتگو منقطع نہ ہو جائے۔ اس کی وجہ کیا تھی۔ غالباً وہ کوشش تھی جو خواجہ ناظم الدین اور ان

کی حکومت کے کل پرزے اندر ہی اندر مجلس عمل کے مختلف راہنماؤں کو نرم کرنے یا انھیں تحریک سے علیحدہ کرنے کے لئے سرانجام دے رہے تھے۔ بہرحال ۱۶ فروری کی ملاقات میں مطالبات منظور نہ ہونے کے بعد اب صاف دکھائی دے رہا تھا کہ مجلس عمل اور حکومت کے درمیان ٹکر ناگزیر ہو گئی ہے۔

کیا مسلمان فساد کرنا چاہتے تھے؟

تیست روز کا واقعہ آپ نے پڑھا گنجان آبادی میں جہاں بہادر مسلمان مہاجر رہتے ہیں مرزائیوں کا ایک گھر ہو۔ اس گھر سے تھوڑے فاصلے پر ہزارہا مسلمان جلسہ گاہ میں موجود ہوں۔ تحریک تحفظ ختم نبوت شباب پر ہو۔ مرزائی اپنے گھر سے اینٹیں برسائیں۔ مسلمان زخمی ہوں۔ ایک معصوم بچی کا سر پھٹ جائے۔ فرمایئے وہاں فساد کیوں نہ ہو؟ فساد ہونا چاہئے تھا مشتعل ہو کر ہزارہا کا ہجوم مرزائیوں کے گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔ نوعمر مسلمان بچی آنکھوں کے سامنے بلبلا رہی ہو مگر بہادر اور غیور مسلمان زبان نہ ہلائیں ہاتھ تک نہ اٹھائیں آخر کیا وجہ؟ اے کاش اس وقت کی حکومت کے دل میں ذرہ برابر دیانت ہوتی تو وہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے راہنماؤں کے قدم چوم لیتی جن راہنماؤں نے لوگوں کو اس حد تک پرامن رہنے پر آمادہ کر لیا انھیں فسادی اور امن دشمن لکھنا بڑے دل گردے کا کام ہے یہی ایک واقعہ اس بات کی منہ بولتی شہادت ہے کہ تحریک چلانے والے بہرحال تحریک کو پرامن رکھنا چاہتے تھے اور عوام نے پرامن رہ کر خلوص نیت کا ثبوت بہم پہنچا دیا۔ حکومت اور اس کی مشینری جو چاہے سو کہے اسے کون روک سکتا تھا۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں   جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

تحریک چلانے والوں نے تو لوگوں کو اس حد تک متنبہ کیا کہ اگر کسی مرزائی کی نکسیر بھی پھوٹ گئی تو ہم تحریک کو ملتوی کر دیں گے پھر کیا کسی مرزائی پر ہاتھ اٹھایا گیا؟ ہمارے بعد جو کچھ کرایا گیا وہ سب پر ظاہر ہے کہ کس طرح کرایا گیا۔ اب اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ آج تک جتنی بھی تحریکیں اٹھیں ان میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی ہو گی مگر اس مقدس تحریک میں اشتعال دلانے کے باوجود لوگ حتی الوسع مشتعل نہ ہوئے۔

الٹی میٹم کی تاریخیں

جوں جوں دن ختم ہوتے جا رہے تھے مسلمان بے قرار اور ان کی حکومت ہر آن سوچتی تھی کہ اب کیا ہو گا؟ حکومت فرض کی حدود پھلانگ کر من مانی کارروائی کرنا چاہتی تھی۔ مرکز اور

صوبے ہمارے تو خلاف تھے ہی مگر وہ آپس میں بھی منافقت سے کام لے رہے تھے کاش حکومت مسئلے کی اہمیت اور مسلمانوں کے جائز مطالبات پر ہمدردانہ غور کرتی اور مطالبات کو تسلیم کر لینے پر آمادہ ہو جاتی اس کے برعکس حکومت کا زاویہ نگاہ یہ تھا کہ ان مطالبات کو بھی پشت ڈال کر مسلمانوں کو سختی سے دبا دیا جائے اس کی پوری توجہ قوم کے جذبات کو کچل کر تشدد کے ذریعے تحریک کو دبا دینے پر مبذول ہو گئی۔ آخر میں حکومت کی مشینری دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اوپر کے لوگ مسئلے کی اہمیت کو نظر انداز کر کے تحریک سے ٹکرا جانا چاہتے تھے۔ دوسرے درجے کے لوگ مسئلے سے پوری ہمدردی کا اظہار کرنے لگے آہستہ آہستہ سرکاری دفاتر میں مرزائیوں کی ریشہ دوانیاں بے نقاب ہو گئیں اور مسلمان سرکاری ملازم ان ریشہ دوانیوں سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہیں تحریک تحفظ ختم نبوت سے گہرا لگاؤ ہو گیا۔ دفاتر میں جہاں کہیں بھی مرزائی افسر کلیدی آسامی پر موجود تھا اس نے مرزائیوں کو حتی الوسع مراعات سے نوازا اور مسلمان غریب منہ دیکھتا رہ گیا

شیخ حسام الدین دہلی روانہ ہو گئے

تقسیم کے بعد کوآپریٹو سوسائٹیوں کا حساب کتاب بڑی تیزی سے گھپلا ہو گیا اس سلسلے میں حکومت پاکستان نے شیخ حسام الدین کی خدمات حاصل کیں یہ ایک ایسی شخصیت تھی جو بھارت جا کر مسلمانوں کی چھوڑی ہوئی رقوم کے بارے میں ٹھیک ٹھاک کر اپنے اثر و رسوخ سے خاطر خواہ تصفیہ کرا سکتی تھی۔ چنانچہ حکومت نے شیخ صاحب کو چوبیس گھنٹے کے اندر پاسپورٹ مہیا کر دیا اور انہیں پاکستان کی جانب سے تصفیہ کے لئے بھیج دیا۔ شیخ صاحب موصوف نے حضرت مولانا ابوالحسنات صدر مجلس عمل کی خدمت میں اس صورت حال کو پیش کر کے اجازت چاہی مولانا موصوف نے انہیں دہلی جانے کی اجازت دے دی اس اجازت کا اندراج آج بھی صدر مجلس عمل مولانا ابوالحسنات محمد احمد صاحب قادری کی ڈائری میں موجود ہے۔ شیخ صاحب دہلی تشریف لے گئے اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے آخری ایام میں حصہ لینے سے محروم رہے۔ جب تحریک کے تمام راہنما گرفتار ہو کر جیلوں میں چلے گئے تو شیخ صاحب دہلی سے واپسی پر بارڈر پر گرفتار کر لئے گئے اور تحریک کے راہنماؤں کے ساتھ لاہور جیل میں آ گئے ان کی گرفتاری کے بعد حکومت نے مشہور کر دیا کہ تحریک کا ایک راہنما بھارت سے ساز باز کرتا ہوا پکڑا گیا اس پر سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ لعنت اللہ علی الکاذبین کہ۔۔۔۔

کراچی میں تحریک تحفظ ختم نبوت

کراچی لشکری شہر ہے دراصل اسے مہاجروں کی بستی سمجھنا چاہئے یوپی پنجاب اور

بھارت کے دور افتادہ علاقوں سے لاتعداد مہاجر آئے اور کراچی میں آباد ہو گئے جن کی رسائی تھی یا جو ہوشیار قسم کے لوگ تھے وہ پیر جما کر رئیس بن گئے مگر غریب بے سہارا اور خود دار مہاجروں کو کراچی ایسے مرکزی شہر میں مشکل سے جھونپڑیاں نصیب ہوئیں کراچی کے اصل باشندے تقسیم ملک کے بعد آٹے میں نمک کے برابر رہ گئے۔ آج بھی کراچی میں یوپی کے مسلمان ناقابل فراموش عنصر کی حیثیت سے آباد ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ کراچی کی پالیٹکس پر یوپی والوں کا اچھا خاصا اثر ہے۔ مجلس عمل کی جانب سے مولانا عبدالحامد بدایونی کراچی میں موجود تھے اور مجلس کے مبلغ مولانا لال حسین اختر کا ہیڈ کوارٹر بھی کراچی ہی میں تھا مگر کراچی کی اہمیت کے پیش نظر جتنا پراپیگنڈا وہاں ہونا چاہئے تھا اس کا عشر عشیر بھی نہ ہو سکا۔ مجلس عمل نے اس بارے میں غور و فکر کے بعد ہر دو ذمہ دار حضرات یعنی مولانا بدایونی صاحب اور مولانا لال حسین اختر صاحب کو مشورے کے لئے لاہور بلوایا اور صورت حال کا جائزہ لیا۔ مولانا لال حسین اختر باقاعدہ رضاکاروں کی بھرتی کر چکے تھے اندرون شہر اور نئی آبادیوں میں کافی رضاکار موجود تھے۔ مگر مرکز میں جلسہ عام نہ ہونے کی وجہ سے تحریک کا خاص چرچا جو ہونا چاہئے تھا وہ نہ ہو سکا مولانا بدایونی کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ وہ کراچی میں جلسوں کا بندوبست فرمائیں۔ خصوصاً الٹی میٹم کے خاتمے کے قریب تین دن کے لئے آرام باغ میں عام جلسے ہو جانا ازبس ضروری ہیں مولانا موصوف نے ذمہ داری لے لی اور کراچی تشریف لے گئے۔ اس عرصہ میں مولانا لال حسین اختر صاحب نے کراچی کے بااثر علماء حضرات سے گفتگو کی اور انہیں تحریک تحفظ ختم نبوت کے پراپیگنڈے کے لئے درخواست کی مولانا احتشام الحق اور مفتی محمد شفیع صاحب دونوں حضرات کا ایک خاص حلقہ اثر ہے جس میں ان حضرات کے سوا کسی اور کا گذر نہیں بدقسمتی سے ان دونوں حضرات کے تعلقات خوشگوار نہ تھے۔ بڑے لوگوں کی ناخوشگواری بھی عوام کی خوش گواری سے بہتر ہوتی ہے ان حضرات کے ہاں اختلاف کی حدیں مقرر ہوتی ہیں۔ مولانا لال حسین اختر کی ڈیوٹی تھی کہ وہ دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہو کر تحریک کے لئے مشورہ اور امداد حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

مولانا بدایونی کراچی میں بریلوی حضرات کے صف اول کے راہنما مانے جاتے تھے وہ عوام میں کام کرنا ہی جانتے تھے اور بہت ہی باہمت بزرگ تھے اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت میں مولانا بدایونی پیش پیش تھے۔ اس طرح کراچی میں گو تحریک کی رفتار دھیمی تھی مگر عوام بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے اور ان کا تقاضا تھا کہ عام جلسے مختلف علاقوں میں ہونا چاہئیں۔ مولانا بدایونی مولانا لال حسین اختر نے الٹی میٹم کے اختتام کی تین تاریخوں کے لئے جلسہ عام کے اجازت حاصل کر لی اور لاہور اطلاع بھیج دی کہ مجلس عمل کے مرکزی

راہنما آرام باغ کے جلسوں کو خطاب کرنے کے لئے کراچی تشریف لے آئے۔

لاہور میں جلسہ عام

۵ فروری ۱۹۵۳ء کو بیرون باغ موچی دروازہ لاہور میں زیر صدارت حضرت مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری عظیم الشان جلسہ عام منعقد ہوا جس میں مجھے اور مولانا عبدالغفور صاحب ہزاروی سید مظفر علی شاہ شمسی۔ مولانا عبدالغفور صاحب مولانا غلام محمد صاحب ترنم۔ حافظ خادم حسین صاحب اور مولانا غلام دین صاحب کو عوام سے خطاب کرنے کا موقعہ ملا اس جلسے میں بے پناہ حاضری تھی باغ بھر گیا تو سڑک کے کنارے لوگوں کے سروں کی قطار نظر آتی تھی تاحد نگاہ عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود تھا۔ عوام کے جذبات کا یہ عالم تھا وہ مقرر کی زبان سے نرم بات سن کر ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ اس جلسے میں عوام کو زیادہ سے زیادہ پر امن رہنے کی تلقین کی گئی اور حکومت کو متنبہ کیا گیا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے۔

اس جلسے کی مکمل روئداد ۶ فروری کے آزاد میں شائع ہوئی تھی جسے آج کی صحبت میں ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

لاہور کے جلسہ عام میں زعمائے ملت کی ارباب حکومت سے آخری باتیں

باغ بیرون موچی دروازہ لاہور کے عظیم الشان جلسہ عام میں سیال شریف گولڑہ شریف دیوان شریف علی پور شریف کے سجادہ نشین حضرات اور دیگر مشائخ عظام کی طرف سے تحریری طور پر تحفظ ختم نبوت کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لئے حلف اٹھایا گیا اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے مرزائیوں کے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کیا۔

پروگرام بن چکا ہے

آپ نے فرمایا کہ مجلس عمل اپنا پروگرام مرتب کر چکی ہے اور اب دنیا کی کوئی طاقت اسے آگے قدم بڑھانے سے روک نہیں سکتی اور ہمارا ایمان ہے کہ مرزائیوں کو شکست ہو گی اور جو طاقت بھی ہمارے اس پروگرام میں حائل ہو گی ہم اسے بھی ہٹا دیں گے۔ جب تمام کلمہ گو اور محمد عربیؐ کے نام لیوا اکٹھے ہمارے ساتھ ہیں تو کون کم بخت کور چشم ایسا ہے جو غلامان محمد عربیؐ کا راستہ روکے گا اور باغیان محمد عربیؐ کا ساتھ دے کر جہنم مول لے گا۔

نغمہ مضراب ہے ساز

تقریر ختم کرتے ہوئے ماسٹر صاحب نے یہ مصرعہ پڑھا

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہیں ساز

اور کہا کہ شکووں پرانی ہو چکی ہیں۔ اور انہیں زنگ لگ چکا ہے ہم وہی جھنکار پھر سننا چاہتے ہیں۔ تقریر کے آخر میں آپ نے عامتہ المسلمین سے پرامن رہنے کی اپیل کی اور مجلس عمل کے حکم کا منتظر رہنے کی تلقین فرمائی۔

غازی علم الدین صاحب ثانی

ماسٹر تاج الدین انصاری کی تقریر سے متاثر محترم غازی علم الدین صاحب ثانی نے سٹیج پر آکر اعلان کیا کہ میں اس عظیم الشان اجتماع میں غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر حکومت نے مرزائیوں کے سلسلے میں مسلمانوں کے مطالبات تسلیم نہ کئے تو ارباب حکومت کو اقتدار کی کرسیاں خالی کرنا ہوں گی اور اگر زعماء ملت کو گرفتار کیا گیا تو میں گرفتار ہونے والوں کی صف اول میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کروں گا۔

مولانا عبدالغفور ہزاروی

مولانا عبدالغفور ہزاروی نے تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وقت تقریروں کا نہیں ہے جیسا کہ صاحب صدر اور ماسٹر تاج الدین انصاری فرما چکے ہیں میں کسی وزیر کی ذات پر نکتہ چینی نہیں کر رہا میں مجلس عمل کے پروگرام پر عمل کروں گا اور ایک مسلمان کی حیثیت سے اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں تعاون کروں گا۔

آپ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ کھانے کو غریبوں کو آٹا نہیں ملتا صرف بڑے بڑے پیٹ رکھنے والے ہی آٹا کھا گئے اس لئے کہ صرف بڑے پیٹ والوں کو ہی آٹا میسر آتا ہے اس پر بھی غریب چپ رہے۔ ملک کی کاروباری زندگی میں تعطل پیدا ہوا تو ہم خاموش رہے۔ حتیٰ کہ دستوری سفارشات پیش ہوئیں۔ ہم کچھ نہ بولے اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس سلسلے میں ہم نے اپنی رائے کا اظہار کیوں نہ کیا تو میرے پاس اس کا جواب یہ ہے کہ جس کا دستور ہے جب اس کی شخصیت ہی محفوظ نہیں تو دستور کیا معنی رکھتا ہے۔ جب نبوت ہی محفوظ نہیں ناموس ختم رسالت ہی کے تحفظ کا بندوبست جس دستور میں نہیں کیا گیا۔ اسے دستور کہنا خود دستور کی توہین ہے مسلمان اس دستور میں صرف ایک بات مانگتا ہے محمد عربی ﷺ کی شخصیت اور ان کے مقام و منصب کی عزت و ناموس کا تحفظ۔ منصب ختم نبوت پر ڈاکے نہ پڑنے دو۔ ہمیں عہدے نہیں چاہئیں۔ یہ عہدے اور وزارتوں کی گدیاں خواجہ ناظم الدین اور ان کے ساتھیوں کو مبارک ہوں۔ وہ اگر اس اسلامی ملک کے اسلامی آئین میں منصب ختم نبوت کے تحفظ کا

بندوبست کر دیں تو ہم اور سارے پاکستانی مسلمان ان کے حامی اور معاون ہیں اور اگر وہ اس تحفظ کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے تو اس کے نتائج کی ذمہ داری کو قبول کریں جو یقیناً خواجہ ناظم الدین پر ہو گی۔

آپ نے کہا ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور کے جوتوں کے طفیل پاکستان ملا ہے اور ایسے ہزاروں اور کروڑوں پاکستان نبی کریمؐ کے کفش مبارک کے صدقے مل سکتے ہیں بشرطیکہ ان کی نام لیوا اور ان کے امتی کہلانے والے ناموس محمدؐ پر دنیا کا مال و متاع حتیٰ کہ متعلقین تک قربان کرنے کو تیار ہو جائیں۔

طلباء کراچی کا درس

کراچی میں طلباء پر پولیس فائرنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ جس پاکستان میں قوم کے نونہالوں کو لیس میں کمی کا مطالبہ کرنے پر گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا ہو وہاں یہ بات بھی بعید از عقل نہیں کہ ناموس مصطفیٰ کے تحفظ کا مطالبہ کرنے والوں پر گولیوں کی بارش کی جائے۔ لیکن ہم گولیوں سے ڈرنے والے نہیں کراچی کے طلباء نے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ اے مولویو اور اے مسلمانو! ہم فیس میں کمی کا مطالبہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے تو کیا تم ناموس مصطفیٰ کے تحفظ کی خاطر قربانی دینے سے گھبراتے ہو؟

مولانا نے فرمایا کہ خواجہ ناظم الدین یا ممتاز کا نام طاقت نہیں۔ طاقت عوام کا نام ہے اور عوام کی طاقت کے سامنے حکومت کو جھکنا ہی پڑے گا۔ اگر تحفظ ختم نبوت کے لئے عامۃ المسلمین نے اپنی اس جمہوری طاقت کا مظاہرہ نہ کیا تو وہ قیامت کے روز محمد عربیؐ کو کیا منہ دکھائیں گے اور کس منہ سے شفاعت کے امیدوار ہوں گے۔

نتائج کی ذمہ داری

مولانا عبدالغفور صاحب نے فرمایا کہ ہم ملک میں بدامنی نہیں چاہتے لیکن ۲۲ر فروری کے بعد صورت حال کی ذمہ داری ارباب حکومت پر ہو گی۔ سول نافرمانی ہو یا بغاوت پہلے ان نتائج کی ذمہ داری خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ پر ہو گی۔

مولانا نے فرمایا کہ یہاں تحریک چلے گی تو گنبد خضرا میں کالی کملی والاؐ پوچھے گا کہ کون کون اس مقدس تحریک میں شامل ہیں جو میرے منصب کی عزت و ناموس کے تحفظ کے جذبہ سے سرشار ہیں۔ مولانا نے حاضرین سے پوچھا کہ تم میں سے ناموس مصطفیٰؐ کے تحفظ کے لئے کون جان دے گا حاضرین نے ہاتھ اٹھا کر عہد کیا کہ ہم ناموس مصطفیٰؐ کے تحفظ کے لئے اپنے

خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے۔

سید مظفر علی شمسی

سید مظفر علی صاحب شمسی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ وقت گزر چکا ہے اور باتیں کی جا چکی ہیں۔ مجھے تو آج اس حکومت سے آخری بار یہ کہنا ہے کہ ہم ذلت کی بجائے عزت کی موت مرنے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خواجہ ناظم الدین اور مسلم لیگ کے باغیوں کو جیل بھیجا جا سکتا ہے۔ خان عبدالغفار خان کو ملک کا باغی ہونے کے الزام میں قید کیا جا سکتا ہے لیکن محمد عربیؐ کے باغیوں کو اقتدار کی گدی اور وزارت کی مسند پر بٹھایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم بتادیں کہ آج زمانہ بدل رہا ہے اور ایک نئی تاریخ کا باب کھل رہا ہے خواجہ ناظم الدین اور اس کی حکومت پر ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ ہم محمد عربیؐ کے باغیوں کو اس ملک کی مسند وزارت پر قابض ہوتے برداشت نہیں کریں گے۔ کیا پاکستان اس لئے بنایا گیا تھا کہ یہاں محمد عربیؐ کے دشمن اور ان کی توہین کرنے والے دندناتے پھریں۔

منصب ختم رسالت کا اقرار

سید مظفر علی صاحب شمسی نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ آج رسول خدا اپنی امت سے اپنے منصب ختم رسالت کا اقرار مانگتے ہیں۔ حضورؐ امت سے اپنا حق طلب فرما رہے ہیں۔

حضورؐ نے ہمیں اسلام دیا' قرآن بخشا اور ہمارے سینے نور ایمان سے منور کئے۔ آج اسی قرآن' اسلام اور خود تاجدار مدینہ کی ذات اقدس پر دشمنان رسول حملہ آور ہیں۔ آج دیکھنا ہے کہ حضورؐ کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے کون آگے بڑھتا ہے۔

ہم حضورؐ کے نام کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے زندہ ہیں اور اس عظمت کی خاطر ہم مرنے کو تیار ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ شمع رسالت کے پروانوں کو تحریک تحفظ ختم نبوت میں حصہ لینے کے لئے رضاکارانہ طور پر اپنے ناموں کا اعلان کرنا چاہئے اور ختم نبوت کے محافظوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرانا چاہئے۔

دیگر مقررین

جلسہ میں مولانا محمد بخش مسلم' مولانا غلام محمد ترنم' مولانا حافظ خادم حسین اور مولانا غلام دین صاحب نے بھی تقریریں کیں۔

جلسہ کے آخر میں سیال شریف، گولڑہ شریف، دیوان شریف، اجمیر شریف، علی پور شریف کے سجادہ نشین حضرات اور دیگر مشائخ عظام کے عہد نامے پڑھ کر سنائے گئے۔ جن میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے عہد کئے گئے تھے۔

اس جلسے کے بعد رضا کاران ختم نبوت کی بھرتی کا کام شروع ہوا ہر ضلع میں رضا کاروں کی بھرتی کے دفتر کھل گئے۔ مسلمان جب بھی سرکار مدینہ ﷺ کی آبرو پر قربان ہونے کے لئے میدان میں آیا ہے اسے کوئی طاقت انتہائی جبر و تشدد کے باوجود دبا نہیں سکی۔ ایک دن مجھے دفتر میں رضا کاروں کے حلف نامے دیکھنے کا اتفاق ہوا میری حیرت کی انتہا باقی نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ ان حلف ناموں کو مسلمان نوجوانوں نے اپنے خون سے پر کیا ہے۔ یہی وہ نوجوان تھے۔ جو ظلم و ستم کی آندھی کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے تھے۔

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں مجلس عمل نے تحریک میں حصہ لینے والے رضا کاروں کا سربراہ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کو مقرر کر دیا تھا۔ صاحبزادہ صاحب نے رضا کاروں کی تنظیم اور ترتیب کا کام شروع کر دیا تھا۔ جونہی ۱۸ فروری کی گفتگو ناکام ہوئی صاحبزادہ صاحب نے فوراً اعلان کیا۔ کہ ملک بھر کی مجالس عمل سے گذارش ہے۔ کہ ۲۰ فروری ۱۹۵۳ء تک رضا کاروں کے حلف ناموں کی نقول مجھے براہ راست بھیج دیں۔ تساہل ہرگز نہ ہو۔ صاحبزادہ صاحب نے اپنے سرکلر میں یہ بھی وضاحت کر دی کہ پچاس ہزار رضاروں میں بھی ابھی تھوڑی سی کمی ہے۔ وہ بیس تاریخ تک نہ صرف یہ کہ پوری کر دی جائے۔ بلکہ مجھے ملک سے ایک لاکھ رضاروں کی فہرست پہنچنی چاہئے۔ جہاں مرکزی مجلس عمل کی طرف سے حلف نامے نہ پہنچیں وہاں کی مجالس عمل خود حلف نامے چھپوائیں۔

لاہور، لائلپور، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، ساہیوال، راولپنڈی، سرگودھا اور دوسرے تمام شہروں اور قصبوں میں حالت یہ تھی۔ کہ رضا کار اپنے اپنے بھرتی کے مراکز پر آتے جسم میں بڑے دلیری سے زخم لگاتے اور خون سے حلف نامے پر دستخط یا انگوٹھا ثبت کر دیتے تھے۔

رضا کاروں کا وہ جذبہ کچھ نہیں دیدنی تھا۔ بس ایسے معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ان نوجوانوں کے سینوں میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے دل دھڑکنے لگ گئے ہیں اور یہ دنیا و مافیہا سے منہ موڑ کر خواجہ غریب ﷺ کی حرمت پر قربان ہو جانا چاہتے ہیں۔

یہ جوش و خروش ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ بلتستان کے مسلمانوں کا ایک وفد مولانا محمد علی تو مسلم حکمران اعلیٰ جمہوریہ پاکستان پارٹی سے ملا اور انہوں نے بلتستان کے مسلمانوں کی طرف سے مولانا کو یہ یقین دلایا کہ اگر حکومت پاکستان مرزائیوں کو مسلمانوں کے سروں پر مسلط کرنا چاہتی ہے تو اسے پہلے سات

کروڑ مسلمانوں کو گولیوں سے اڑانا ہو گا یہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے مسلمانوں سے منقطع بھی ہونا پڑے گا۔

راولپنڈی میں مجلس عمل کا ایک ہنگامہ خیز جلسہ زیر صدارت مولانا عارف اللہ شاہ قادری منعقد ہوا اس میں مختلف مکاتب فکر کے مقررین نے کہا کہ مسلمان بھوکے پیاسے اور ننگے رہ سکتے ہیں۔ لیکن محمد عربی ؐ کی توہین کسی صورت برداشت نہیں کر سکتے۔ مقررین نے یہاں تک کہا کہ ہم پھانسی کے تختوں پر چڑھ کر ارباب حکومت کو نبوت کے معنی سمجھائیں گے۔

گوجرانوالہ میں آل مسلم پارٹیز کنونشن کی مجلس عمل کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان اجلاس مشہور اہل حدیث رہنما مولانا محمد اسماعیل مرحوم کی صدارت میں ہوا۔ مقررین نے حکومت کو متنبہ کیا کہ باتوں کا وقت گیا۔ عمل کا دور آ گیا ہم ماضی کی روشنی میں مستقبل کے گیسو سنواریں گے۔ خواجہ ناظم الدین اور ان کے ساتھی بائیس فروری تک اپنے اعمال بھلے درست کر لیں۔ ورنہ پاسبان رسالت کی حفاظت کرنے والوں کو اقتدار کی کرسیوں سے ہٹا دیا جائے گا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب جو ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں منعقد ہونے والی کنونشن میں بہ نفس نفیس خود موجود تھے۔ اور بعد میں کئی لغزشوں کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے موچی دروازہ کے باہر ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ۳۳ علمائے کرام کی پیش کردہ ترامیم و تجاویز پر تبصرہ کیا آپ نے فرمایا مسئلہ دستور کے متعلق علمائے کرام اور دینی جماعتوں نے جس اتحاد و اتفاق اور یگانگت کا ثبوت دیا ہے وہ عدیم المثال ہے مگر سیاسی جماعتیں خود غرضی اور اقتدار کے لئے لڑتی جھگڑتی رہیں اور جن مسائل سے ملک کا مفاد وابستہ تھا۔ اس طرف انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ آپ نے فرمایا یہ کہنا غلط ہے کہ ملک میں پرامن طریق پر انقلاب نہیں لایا جا سکتا۔ قوم نے پرامن مطالبات کا جو مظاہرہ کیا ہے۔ وہ قابل داد ہے آپ نے مرزائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے سلسلہ میں قوم نے جو مطالبات کئے ہیں۔ وہ بنیادی اور اہم ہیں' مرزائی مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ مرزائیوں کے مسئلہ کے ساتھ ملک کے معاشی اور معاشرتی مسائل کا بھی تعلق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں قوم کے متفقہ مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو بہت ممکن ہے۔ یہ مسئلہ ہندو مسلم فسادات سے بھی نازک صورت اختیار کر جائے آپ نے فرمایا۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمان اور مرزائی سوال پیدا ہونے اور اس کے رونما ہونے والے حالات سے پہلے ہی قوم کے مطالبات تسلیم کرے۔ مولانا مودودی صاحب کے اس بیان پر لاہور کے مشہور مرزائی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ:

"تمام فرقے اسلامی ہیں۔ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے وہ مسلمان ہے۔ اور ملک

میں قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان تصادم کی جو آگ بھڑکائی جا رہی ہے۔ وہ انصاف کے خلاف ہے۔ اور مولانا مودودی کا یہ کہنا کہ اگر حکومت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیا تو عین ممکن ہے کہ ملک میں قادیانی اور غیر قادیانی فسادات شروع ہو جائیں اشتعال انگیزی کے مترادف ہے"

حضرت مولانا احمد علی مرحوم و مغفور نے اپنی جامع مسجد شیرانوالہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مطالبات کی صداقت کو واضح کرنے کے لئے متعدد بار محترم القام سحر البیان خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی کراچی تشریف لے گئے۔ اور مرزائیت کے قلعہ کو پاش پاش کرنے والا توپخانہ بھی ساتھ لے گئے۔ جو ایک وزنی ٹرنک میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا ہے۔ اس توپخانہ کے گولوں سے انہوں نے مرزائیت کے قلعہ کی اینٹوں کو ہوا میں اڑا کر دکھایا ہے۔ حق کی فتح اور باطل کی اس شکست کا مظاہرہ مرکزی حکومت کے دوسرے ذمہ دار افسروں کے علاوہ خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان نے بھی دیکھا ہے۔

پچھلے ماہ جنوری میں پورے پاکستان کے مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام کا ایک کنونشن کراچی میں ہوا جس میں لاہور کی طرح مرزائیوں کے متعلق مطالبات متفقہ طور پر منظور کئے گئے۔ اور مرکزی حکومت کے ذمہ دار لوگوں کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک وفد مرتب کیا۔ اس وفد کو وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ مجلس عمل کے نمائندہ وفد نے وزیر اعظم کو مسلمانان پاکستان کی طرف سے ایک الٹی میٹم دے دیا۔ کہ اگر ایک ماہ تک ہمارے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے۔ تو ہم راست اقدام کریں گے۔ اور اس کے جو نتائج نکلیں گے مرکزی حکومت ان کی ذمہ دار ہو گی۔ میں پوچھتا ہوں کہ پاکستان اس واسطے بنایا تھا کہ اس میں محمد رسول اللہ والا اسلام نافذ ہو یا مرزائیوں کے لئے مرزاستان بنایا تھا۔ کہ اس میں غلام احمد کی شریعت کا نفاذ ہو۔ کہ قادیانی عقائد و خیالات کو علمائے کرام زیادہ سمجھتے ہیں۔ یا غلام محمد اور ناظم الدین۔ کیا غلام محمد اور ناظم الدین عالم دین ہیں۔ جب عالم نہیں تو یہ مفتی کس طرح ہو گئے۔ کہ مرزائیوں کے متعلق ہم ان کا فیصلہ مانیں۔

مولانا نے فرمایا خدا کا شکر ادا کرو اگر علمائے دین نہ ہوتے تو آج سارا پنجاب مرتد ہو گیا ہوتا۔ انہوں نے انگریز کے زمانہ میں اس دشمن اسلام فرقہ کی ہانگ دہل مخالفت کی۔ ان بزرگوں کی وجہ سے آج ہمارے ایمان سلامت ہیں۔ یاد رکھو اگر مسلمانوں کے مطالبات کو تسلیم نہ کیا گیا۔ تو اس کا انجام بہت برا ہو گا۔ جب مستقبل کا مورخ پاکستان کی تاریخ لکھے گا۔ تو موجودہ برسراقتدار لوگوں پر لعنت بھیجے گا۔ اور اللہ والوں کی ان پر پھٹکار ہو گی۔

اگر یہ برسراقتدار ناموس رسالت کی حفاظت نہیں کر سکتے تو اقتدار کی کرسیاں چھوڑ

دیں۔ پاکستان میں ان سے بہتر نظام قائم کرنے والے موجود ہیں۔ غرضیکہ مجلس عمل میں شریک جماعتوں کے سربراہ اور دوسرے علمائے کرام نہایت ہی ولولہ انگیز لہجہ سے مسئلہ ختم نبوت کی تائید میں تقریریں کر رہے تھے۔ کسی فرقہ کسی نمائندہ یا کسی بھی عالم دین کی زبان سے ایک لفظ اختلاف کا نہیں نکل رہا تھا۔ جماعت اسلامی کے سربراہ سے لیکر ان کے ترجمان تسنیم تک اس تائید میں شامل اور شریک تھے۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ حکومت کے مطالبات نہ ماننے اور علمائے کرام کے ایک ماہ کا الٹی میٹم دے دینے کے بعد اب عوام اور حکومت کی خوفناک ٹکر ناگزیر ہے۔ اسی طرح اس الٹی میٹم والے ایک ماہ کے دوران کسی شخص کو یہ وہم تک نہ تھا کہ الٹی میٹم ختم ہونے کے بعد اور حکومت کے ساتھ عوام کی جنگ شروع ہوتے ہی کچھ ایسی شخصیتیں اور جماعتیں جو بااصول ہونے کی مدعی ہیں۔ پیچھے سے تحریک ختم نبوت کا ساتھ چھوڑ جائیں گی اور ایسا موقف اختیار کر لیں گی جس سے حکومت اور مرزائیوں دونوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اور اتنی عظیم تحریک اور اس میں کی گئی قربانیاں اور بہایا ہوا خون بظاہر رائیگاں چلا جائے گا۔

تحریک تحفظ ختم نبوت کے راہنما ملک کے کونے کونے میں گونج گرج رہے تھے۔ نوٹس کی معیاد بڑی تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ نہ حکومت مطالبات کو ماننے کے لئے آمادہ تھی اور نہ ہی تحریک کے راہنما سرمو پیچھے ہٹنے کو تیار تھے۔ دونوں طرف کچھ اس طرح کی کیفیت تھی۔

ملک الموت کو ضد ہے کہ میں جان لے کے ٹلوں
سربسجدہ ہے مسیحا کہ میری بات رہے

فریقین کو یقیناً کچھ نہ کچھ اندازہ تھا کہ تصادم کے بعد کیا کچھ ہو گا۔

اگرچہ حکومت کو ناز تھا کہ اس کے پاس فوج ہے پولیس ہے۔ خزانے ہیں اور دوسرے وسائل ہیں جن سے لوگوں کو دبایا جا سکتا ہے۔ توڑا اور خریدا جا سکتا ہے۔ لیکن مجلس عمل کے راہنماؤں۔ کارکنوں اور رضاکاروں کو مسئلہ کی سچائی اور اہمیت پر مکمل یقین تھا۔ پھر مسئلہ انتہائی نازک تھا۔ جس کا تعلق براہ راست حضورؐ فداہ ابی و امی کی ذات اقدس اور حرمت پاک سے تھا۔ یہ میدان مسلمانوں کا ایک بار نہیں ہزار بار آزمایا ہوا تھا کہ مسلمان رسولؐ اللہ کی ذات کے لئے ہر چھوٹی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار ہے اس لئے تحریک کے راہنما بخوبی جانتے تھے کہ جس طرح مسلیمہ کذاب کے فتنہ کے مقابل حضرت صدیق اکبرؓ نے شیدایان ختم نبوت کے خون کی قربانی پیش کی تھی۔ اسی طرح اس کے مماثل اور مشابہ فتنہ کے استیصال کے لئے اب بھی شیدایان ختم نبوت کو اپنا خون بہانا ہو گا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جلدی نہیں کر رہے تھے۔ بڑے تدبر سے اتمام حجت کر رہے تھے۔ ہر وہ گوشہ جہاں بات پہنچانا اتمام حجت کے لئے ضروری

تھا۔ وہاں بات پہنچائی جا رہی تھی۔ پہلے چند بزرگوں کے خیالات بطور نمونہ عرض کئے جا چکے ہیں۔ ذیل میں ہم خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک خطاب روزنامہ آزاد لاہور سے من و عن نقل کر رہے ہیں۔ قاضی صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتیں دی ہوئی تھیں۔ انہوں نے تحریک آزادی کے بعد تحریک ختم نبوت میں بے پناہ کام کیا تھا۔ اصل میں وہ تحریک ختم نبوت کے محاذ کی زبان تھے۔ ملک کے برسراقتدار لوگوں میں سے ہر شخص تک وہ پہنچے اپنا بھاری بھرکم صندوق لیکر پہنچے اور پھر ایسے دلنشین انداز اور مدلل طریقہ پر ختم نبوت کا کیس پیش کیا کہ ہر شخص کو مسئلہ کی اہمیت اور نوعیت کا کما حقہ' علم ہو جاتا۔ بڑے بڑے لوگوں کو انہوں نے ختم نبوت اور قادیانیت کا مسئلہ سمجھایا اور انہیں اتنا متاثر کیا کہ وہ لوگ ہمیشہ کے لئے قاضی صاحب کے مداح اور معتقد بن گئے۔

جملہ معترضہ کے طور پر ایک واقعہ عرض کئے دیتا ہوں۔ جب خواجہ ناظم الدین سے قاضی احسان احمد صاحب کی متعدد ملاقاتیں اور گفتگوئیں ہو چکیں خواجہ صاحب کو مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت کا علم ہوا اور ساتھ ہی انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزائی افسروں کی سرگرمیاں سخت قابل اعتراض ہیں تو انہوں نے ایک سرکلر کیا کہ کوئی سرکاری افسر اپنے فرقہ کی تبلیغ میں حصہ نہیں لے گا۔ یہ سرکلر خاص طور پر مرزائیوں کی جارحانہ تبلیغی سرگرمیوں کے خلاف جاری ہوا تھا۔ جیسا کہ اوپر ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان دنوں قاضی صاحب مرحوم کوئٹہ پہنچے اور وہاں کے پولیٹیکل ایجنٹ میاں امین الدین سے ملے۔ میاں امین الدین لاہور کے مشہور کشمیری راہنما میاں امیر الدین کے بھائی تھے میاں امیر الدین میاں صلاح الدین جو کہ علامہ اقبال کے داماد ہیں کے والد تھے۔

دونوں بھائیوں کی طبیعت میں بڑا فرق ہے۔ میاں امیر الدین عوامی قسم کے راہنما تھے اور میاں امین الدین متکبر قسم کے صاحب لوگ تھے۔ قاضی صاحب نے ان سے ملاقات کا وقت مانگا۔ ۵ منٹ وقت ملا آپ بھاری صندوق جو قادیانیوں کی کتابوں اور رسالوں سے بھرا ہوا تھا اٹھا کر اندر پہنچ گئے میاں صاحب کی گردن اکڑی ہوئی تھی بولے کہ مختصر بات کریں میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ میں آپ سے ایک پاکستان گیر فتنہ کے متعلق بات کرنے آیا ہوں جس کے عزائم میں یہ بات شامل ہے کہ وہ بلوچستان پر قبضہ کر لینا چاہتا ہے اور اسے احمدی صوبہ بنانے کا متمنی ہے۔ میاں صاحب نے بڑی رعونت سے کہا کہ آپ احمدیوں کی فکر نہ کریں ہم اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور بلوچستان کو کوئی خطرہ نہیں ہے قاضی صاحب نے فرمایا میں تو بتانے آیا ہوں کہ خطرہ ہے۔

مرزائی سرکاری افسر تنخواہ حکومت کے خزانہ سے وصول کرتے ہیں اور کام اپنی جماعت

کا کرتے ہیں۔ میاں صاحب نے بڑے عجیب طریقے سے منہ بنا کر کہا کہ آپ اس کو چھوڑیئے ہم نے اس کا بندوبست کر دیا ہے۔ ہم نے سرکلر کر دیا ہے کہ کوئی سرکاری افسر اپنے فرقہ کی تبلیغ نہ کرے قاضی صاحب نے فرمایا کہ وہ سرکلر کرانے والا تو آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ میاں صاحب نے کہا کہ وہ کیسے قاضی صاحب نے فرمایا کہ میں اس سلسلہ میں خواجہ صاحب سے کئی ملاقاتیں اور بحثیں کر چکا ہوں تب جا کر یہ سرکلر ہوا اب مرحلہ اس سرکلر پر عمل درآمد کا ہے۔ جو اب آپ حضرات کی ذمہ داری ہے اور میں آج اسی ذمہ داری کی طرف توجہ دلانے کے لئے حاضر ہوا ہوں میاں صاحب کی اکڑی ہوئی گردن میں خم آ گیا اور ذرا متواضع ہو کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ فرمایئے۔ قاضی صاحب نے صندوق لیا حوالے پڑھنے شروع کر دیئے قادیانیوں کے کافرانہ عقائد۔ انبیا و اولیا کی توہین پر مشتمل عبارتیں ملک کے خلاف عزائم اور عمل سنانا شروع کیا جوں جوں قاضی صاحب پڑھتے جاتے میاں صاحب کی گردن اور کمر میں خم بڑھتا جاتا قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مسئلہ ختم نبوت اس ذات عالی صفات کا مسئلہ ہے جس کے جلال اور جمال کی عظمت کا صدقہ میں نے اس دن میاں امین الدین گورنر بلوچستان کے گریبان میں ہاتھ ڈال لیا میں اسے شفقت سے کھینچتا تھا پھر پیچھے لیجا کر کھینچتا تھا۔ اور وہ بیچارہ خاموش' آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور کہتا تھا۔

قاضی صاحب ہمیں ان چیزوں کی پہلے بالکل خبر نہ تھی۔ اڑھائی گھنٹے ملاقات ہوئی اور سمجھا کر واپس آ گئے۔ بہرحال تذکرہ حضرت قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا آ گیا تھا کہ اللہ نے ان کو بے پناہ صلاحیتیں بخشی تھیں اور وہ تحریک کی اصل جان تھے۔ اس لئے انہوں نے فروری کے مہینے میں یہ بیان اخبار میں شائع کرا دیا اور اسے اتمام حجت کے لئے ملک بھر میں ارسال کرایا گیا۔ اس کتابچہ کا عنوان تھا" مجلس عمل راست اقدام پر کیوں مجبور ہے۔

ملتان۔ خطیب پاکستان قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی نے مجاہدین مجلس عمل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

عزیزان من اس وقت مجلس عمل آخری انتہا اپنے برسراقتدار گروہ تک پہنچا چکی ہے۔ یقیناً آپ حضرات میں سے کچھ ایسے بھی ہوں گے۔ جو حالات سے کماحقہ آگاہ نہ ہوں پاکستان بننے کے بعد تمام مسلمان فرقے اور جماعتیں حفاظت و استحکام پاکستان کے ساتھ تعمیری پروگرام پر عامل تھیں اور وہ ہنگامی صورت حالات جو پوری ملت کو گھیرے ہوئے تھی۔ اس کا مقابلہ کر رہے تھے۔

لیکن مرزائی گروہ خواہ وہ قادیانی ہوں یا لاہوری۔ ملت اسلامیہ کے اس انہماک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نوزائیدہ مملکت پر قابض ہونے کے پروگرام بنا رہے تھے۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کے سامنے صرف وہ مصدقہ واقعات عرض کروں کہ اس گروہ نے ملک و ملت اور مذہب کی بربادی کا کیا پروگرام بنا رکھا ہے؟ پاکستان کے متعلق تو مرزا بشیر الدین محمود کا واضح بیان ہے کہ

☆ ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے ہم پھر کوشش کریں گے کہ یہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائے۔ (الفضل ۱۷ مئی ۴۷ء)

اس بیان کو بارہا چیلنج کیا گیا۔ لیکن مرزا محمود اور ان کے متبعین آج تک اس کی تردید یا تاویل نہیں کر سکے کیونکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرزا غلام احمد کی بعثت کا تقاضا ہے کہ اکھنڈ ہندوستان بنے۔ پوری ملت اسلامیہ کے متعلق مرزا محمود اور ان کے متبعین کا عقیدہ یہ ہے۔

کل مسلمان خواہ انہوں نے مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو۔ وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ (آئینہ صداقت ص ۳۵)

میرے ہاتھ میں الفضل ۲۱ اگست ۱۹۱۷ء کا پرچہ ہے اس میں مرزا محمود واشگاف اعلان کرتے ہیں کہ:

☆ مسلمانوں کا خدا اور ہے اور ہمارا خدا اور

☆ ان کا اسلام اور ہے ہمارا اور

☆ ان کا رسول اور ہے ہمارا رسول اور

☆ ان کا حج اور ہے ہمارا حج اور

☆ غرض کہ ہر بات میں ہمیں ان سے اختلاف ہے!

اس عقیدہ پر علیحدہ شہر بسانے شروع کئے گئے۔ علیحدہ کالونیاں آباد ہونے لگیں۔ حتیٰ کہ علیحدہ ماہ و سال بھی بنا لئے گئے!

لیکن ملت کے حقوق کو غصب کرنے کے لئے بظاہر اپنے آپ کو ہی صرف مسلمان بتلایا گیا!

اور یہ انوکھی دلیل دی جاتی رہی کہ عقیدہ وہی تسلیم کیا جائے' جو کوئی شخص لوگوں میں بیان کرے!

حالانکہ یہ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمومنین!

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ۔

اذا جاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ۔

ایک شخص کہتا ہے' میں اللہ پر ایمان لایا۔ یوم آخرت پر ایمان لایا۔ بارگاہ ایزدی سے جواب ملتا ہے۔ کہ تو مومن نہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی حلفیہ گواہی دیتا ہوں۔ لیکن اسے جواب ملتا ہے کہ تو منافق اور جھوٹا ہے۔

اگر آج صرف ملزم کے بیان پر ہی فیصلہ ہونے لگے اور باقی دلائل وشواہد پر غور نہ کیا جائے تو شاید پوری دنیائے انسانیت ماتم کدہ بن جائے' ایک طرف تو آج یہ کہا جا رہا ہے کہ مرزائیوں کے اس فریب پر یقین کر لو۔ کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اس طرف توجہ نہ کرو کہ وہ ساتھ ہی یہ کہتے ہیں۔

ا۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیراحمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا کوئی اپنا اختیار نہیں۔ (انوار خلافت ص ۹۰ مصنفہ مرزا محمود)

۲۔ احمدیوں کی غیراحمدیوں سے قوم جدا ہے گوت جدا ہے' ان کی بالکل وہی پوزیشن ہے اور یہ اسی طرح مسلمانوں سے علیحدہ ہیں جس طرح ہندوں سے مسلمان۔ (ملائکۃ اللہ ص ۴۳ مصنفہ مرزا محمود)

۱۹۴۸ء میں جب مرزا محمود نے پر پرزے جھاڑ کر ارتداد کی تبلیغ شروع کی اور وہ تبلیغ جارحانہ اقدام کے ساتھ زن' زر' زمین کا لالچ بھی اپنے ساتھ لئے ہوئے تھی۔ جسے صحیح معنوں میں اغواء تو کہا جا سکتا ہے' لیکن تبلیغ نہیں۔ مملکت پاکستان کے تمام محکموں میں انگریز کے صحیح جانشین مرزائی افسروں نے مسلمان ملازمین پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ تو اس وقت زعماء ملت نے نوٹس لینا شروع کیا۔ مگر یہ مرزائی افسر انگریز نہایت خوبصورتی سے کلیدی آسامیوں پر مسلط کر گیا تھا۔ اس کی تاریخ بھی دلچسپ ہے۔

☆ انگریز نے جب کسی اسلامی ملک کو غارت کرنا ہوتا تھا۔ تو وہ متحدہ ہندوستان میں حقوق کی بحث جاری کرا دیتا تھا۔

☆ مسلمان پریس ' پلیٹ فارم سے نیک نیتی کے ساتھ شور مچاتے تھے کہ فلاں محکمہ میں رام راج ہے انگریز بظاہر اس شور سے متاثر ہو کر ہندو افسر کی جگہ مرزائی کو متعین کر دیتا تھا۔ مسلمان خوش ہو جاتا تھا کہ ہندو کی جگہ مسلمان آگیا ہے۔

اور انگریز مطمئن ہوتا تھا کہ میرا مہرہ ٹھکانے پر پہنچ گیا ہے۔

آج ہر جگہ کلیدی آسامیوں پر قادیانی نظر آرہے ہیں تو یہ اسی سازش کا نتیجہ ہے؟

جب مسلمان زعماء نے پاکستان میں مرزائیوں کے عقائد و عزائم سے ملت کو آگاہ کرنا شروع کیا۔ تو ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ مرزا بشیرالدین محمود نے خطبہ نکاح دیتے ہوئے کہا کہ:

☆ تم پوچھتے ہو کہ ہمیں قادیان کب ملے گا؟ میں کہتا ہوں کہ تمہیں ربوہ میں بھی رہنے دیا جائے گا یا نہیں۔ اس لئے بیرونی ممالک میں لڑکیوں کی شادیاں کرو۔ تاکہ برا وقت آنے پر تمہیں باہر پناہ مل سکے۔!

یہ ان دنوں کی بات ہے' جب لیاقت علی خاں گولیوں سے شہید کروائے گئے تھے مگر ان کی شہادت کے بعد وقتی بشیرالدین محمود' ظفراللہ خاں کو اسٹیج پر بٹھا کر اسلامیان پاکستان کو چیلنج کرتا ہے کہ:۔

☆ ہم فتح یاب ہوں گے اور تم میرے یا میرے جانشین کے سامنے اس طرح پیش کئے جاؤ گے جس طرح ابوجہل کی پارٹی محمد رسول اللہ ؐ کے سامنے پیش کی گئی تھی۔

یقیناً چند ماہ پیشتر پاکستان سے باہر بھاگنے والے محمود کی یہ جسارت خالی از علت نہ تھی لیکن ارباب بصیرت نے پھر بھی یہ سوچا کہ ہم اپنے وزراء کو مطلع کریں۔ کیونکہ یہی مرزا محمود اپنی کتاب عرفان الٰہی میں کہہ چکا ہے کہ:۔

☆ پہلا مسیح جو آیا' اسے اس کے مخالفین نے صلیب پر چڑھایا مگر اب جو مسیح آیا ہے وہ اس مقصد کو لے کر آیا ہے کہ اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارے!

اس عقیدہ کی تکمیل میں مرزائیوں کے آرگن الفضل نے ۱۵ جولائی ۵۲ء کی اشاعت میں پانچ ذی عزت علماء کا نام لے کر ان کے قتل کا پروگرام پیش کیا جس کا عنوان تھا "خونی ملا کے آخری دن"۔

مگر ہماری بے بس وزارتیں مرزا محمود کے منہ میں لگام نہ دے سکیں!

مرزا محمود نے اپنی پارٹی کو پروگرام دیا کہ:۔

☆ ایسے حالات پیدا کر دو کہ کوئی مسلمان مرزائیت کے خلاف لب کشائی نہ کر سکے! (الفضل ۱۸ جنوری ۵۲ء) مگر پھر بھی پاکستان کی ضرورت سے زیادہ شریف حکام ٹس سے مس نہ ہوئے!

مرزا محمود نے علی الاعلان حکومت کے تمام محکموں پر قبضہ کرنے کا پروگرام بھی الفضل میں شائع کر دیا۔ لیکن اس پر بھی ہماری محبوب وزارتیں کوئی نوٹس نہ لے سکیں۔ جب پوری ملت پاکستان نے ان کو علیحدہ اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تو یہ انوکھی دلیل دی گئی کہ:۔

☆ کیا کبھی اکثریت بھی اقلیت سے ڈرتی ہے؟

حالانکہ چور اقلیت میں ہیں۔ پوری دنیاء انسانیت ان کے ڈر کے مارے اپنی پونجیاں مقفل بھی رکھتی ہے اور مناسب پہرے کا انتظام بھی کرتی ہے۔ ایک کتا پاگل ہو جائے تو سارا

شمر حفاظت کی سوچتا ہے پورے قصبہ کو تباہ کرنے کے لئے صرف ایک چنگاری کافی ہوتی ہے دودھ کے پورے مٹکے کو پیشاب کا ایک قطرہ ناپاک کر دیتا ہے جب دلائل کا جواب نہ بن پڑا تو یہ عذر تراشا گیا کہ :۔

☆ مسلمانوں میں فرقہ وارانہ نزاع کا دروازہ نہ کھولو۔!

جب آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب' سرحد' بھاولپور' سندھ' کراچی وغیرہ مقامات پر منعقد ہوئیں اور تمام فرقوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ :۔

☆ مرزائیوں نے اسلام کے اصول بدل دیئے ہیں۔

☆ وہ ایک علیحدہ مرتد گروہ ہے۔ اور اس گروہ کے افراد کلیدی آسامیوں پر وزارت خارجہ سے لے کر باقی تمام شعبوں پر چھائے ہوئے ہیں۔

اور وہ اپنے عہدے لکھ لکھ کر مسلمانوں کی متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

تو ہماری مرکزی وزارت نے بتایا کہ :۔

☆ ہم ایک کمیونک شائع کر رہے ہیں کہ کوئی مرزائی افسر عہدہ کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ترویج ارتداد نہیں کرے گا۔

انہیں بتایا گیا کہ رشوت ستانی کے خلاف قوانین موجود ہونے کے باوجود اس کا دور دورہ ہے' لیکن اس فریب کو بھی کچھ وقت کے لئے قبول کر لیا گیا۔ حالانکہ اس کمیونک کے شائع ہوتے ہی ظفر اللہ خاں نے اسے چیلنج کیا تھا اور اب تو حکومت سندھ کے چیف سیکرٹری سے لے کر انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات تک' کسٹوڈین سے لے کر ڈوفی سینیٹوریم کے انچارج تک عہدے لکھ لکھ کر حکومت کے کمیونک کی مٹی پلید کر رہے ہیں!

لیکن وزارتیں ہیں کہ تک تک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بنی ہوئی ہیں۔

☆ یہی وزارتیں "الشہاب" علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کو ضبط کر لیتی ہیں! جو انگریز کے زمانہ میں بھی ضبط نہ ہوئی تھی

☆ یہی وزارتیں "جدید نبوت مصلح موعود" جس میں مرزائیوں کی کتابوں کے مصدقہ حوالہ جات ہیں' کو ممنوع الاشاعت قرار دیتی ہیں۔

☆ ترجمان ملت اخبار زمیندار اور آزاد کو نوٹس پر نوٹس دیتی ہیں۔

لیکن مرزائی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کریں یا سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی۔ ان کے لئے نہ کوئی قانون ہے اور نہ کوئی تنبیہ۔!

مجلس عمل نے جس متانت و دانائی کے ساتھ ملکی مشکلات کا احساس کرتے ہوئے افہام و تفہیم پر عمل کیا ہے' وہ یقیناً قابل صد مبارکباد ہے' حتیٰ کہ مسلمان یہاں تک بھی سوچنے لگ

گئے کہ مجلس عمل بھی کچھ نہیں کر لی۔ اور مرزائیوں کی ریشہ دوانیاں روز بروز ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہیں۔ اب ہماری وزارتوں کے لئے دو ٹوک فیصلہ کرنے کا وقت آگیا ہے میں بصد عاجزی دست بدعا ہوں کہ خدا ہمیں ابتلاء سے بچائے' لیکن حفاظت ناموس سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اگر ہمیں اپنی جانوں کی ناچیز قربانی بھی دینی پڑے تو خدا ہر مسلمان کو یہ سعادت نصیب فرمائے' ہم اپنے وزراء کو خطاب کرتے ہوئے یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں۔

نہ تجھی تو پھر اس میں ہے کس کی خطا یہ گلہ ہے میری ہی طرف سے بجا
میرے عشق کا رنگ تو خوب رہا مگر آپ میں بوئے وفا ہی نہ تھی

نوٹس کی میعاد ختم ہو گئی۔ ۲۲ فروری ۱۹۵۳ء کراچی میں مجلس عمل کا آخری اجلاس ہونا طے پایا۔ ۲۲ فروری سے ایک دن پہلے کراچی کے علمائے کرام کا ایک وفد جو مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا احتشام الحق تھانوی' مولانا مفتی محمد شفیع' مولانا عبدالحامد بدایونی اور پنجاب مجلس عمل کے رکن مولانا اختر علی خاں پر مشتمل تھا۔ خواجہ ناظم الدین سے ملا۔

سردار عبدالرب نشتر مرحوم بھی ملاقات کے وقت موجود تھے۔ خواجہ صاحب کو یاد دلایا گیا کہ آج ۲۱ فروری ہے۔ نوٹس کو ایک ماہ گزر گیا ہے اب آپ مطالبات کے متعلق کوئی دو ٹوک فیصلہ کریں۔ خواجہ صاحب نے وہی پرانی باتیں دہرا دیں اور معذرت کی۔ ملاقات کے دوران مولانا احتشام الحق تھانوی نے کاغذ کے پرزہ پر کچھ لکھا اور دوسروں کو دکھایا۔ مولانا عبدالحامد بدایونی کے علاوہ باقی سب نے رضامندی کے لئے سر ہلا دیئے اگرچہ اس راز سے آج تک کسی رہنما نے پردہ نہیں اٹھایا کہ پرزے پر کیا لکھا گیا تھا جو مولانا بدایونی مرحوم کے علاوہ باقی لوگوں نے قبول کر لیا تھا۔

ایک روایت ہے کہ خواجہ ناظم الدین اس بات پر رضامند ہو گئے تھے کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے متعلق وہ غور کرنے کو تیار ہو جائیں گے البتہ سر ظفراللہ خاں کو نکالنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے اس لئے مجلس عمل کے راہنما سر ظفراللہ خاں کی برطرفی کے مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں۔ لیکن مولانا بدایونی اس کے لئے رضامند نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تمام خرابیوں کی جڑ سر ظفراللہ خاں کو سمجھا جاتا تھا۔

اگر یہ واقعہ درست ہے اور بظاہر درست ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ منیر انکوائری رپورٹ کے صفحہ ۱۴۸ پر یہ واقعہ درج ہے اور آج تک کسی شریک وفد کی طرف سے اس واقعہ کی تردید نہیں کی گئی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعض علمائے کرام کا خواجہ ناظم الدین کے ساتھ اس وقت خفیہ رابطہ قائم ہو چکا تھا۔ اس امر کی تصدیق ایک اور بات سے بھی ہوتی ہے۔ ۲۲ فروری یعنی

اگلے روز پنجاب کے راہنما کراچی پہنچ گئے اور اس روز مولانا عبدالحامد بدایونی مرحوم نے خواجہ ناظم الدین کو ٹیلی فون پر مطلع کیا کہ پنجاب کے راہنما پہنچ گئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ کل والے علمائے کرام میں سے کوئی اس میں شامل نہ ہو۔

مولانا بدایونی کا یہ فقرہ بھی منیر انکوائری رپورٹ کے صفحہ مذکور پر درج ہے۔ اس فقرہ سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت تحریک کے شروع ہونے سے پہلے ہی تحریک کے لیڈروں کے درمیان کوئی فرق پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

اس کے علاوہ اور دلائل و شواہد بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس عمل کے کچھ ممبران پارٹی مفاد کے خلاف خواجہ ناظم الدین سے رازونیاز رکھے ہوئے تھے چنانچہ خواجہ ناظم الدین نے منیر انکوائری کمیشن کے سامنے مولانا مظہر علی اظہر کے ایک سوال کے جواب میں اس امر کو تسلیم کیا ہے۔ ذیل میں ہم مولانا مظہر علی اظہر کا سوال اور خواجہ ناظم الدین کا جواب درج کر رہے ہیں۔

سوال کیا مجلس عمل کے کسی رکن نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ مجلس عمل کا کوئی اور رکن راست اقدام کے الٹی میٹم کے خلاف تھا۔

جواب۔ جہاں تک مجھے علم ہے کسی نے رضاکارانہ طور پر یہ معلومات پیش نہیں کیں مجھے جو باتیں معلوم ہوئی تھیں ان کے پیش نظر میں نے مجلس عمل کے بعض ارکان سے اس بات کی تصدیق کی کہ یہ معلومات درست ہیں؟

تو انہوں نے اس کی تصدیق کی ان ارکان میں ایک مولانا احتشام الحق ہیں۔ از روزنامہ نوائے وقت ۳ دسمبر ۱۹۵۳ء خواجہ ناظم الدین کے اس واضح اور صریح انکشاف کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

بہرحال نوٹس کی میعاد ختم ہو گئی اتمام حجت ہو گیا۔ مجلس عمل کے راہنما کراچی پہنچنا شروع ہو گئے۔ مولانا ابوالحسنات صدر مجلس عمل نے لاہور سے روانگی کے وقت تحریک کے رضاکاروں اور کارکنوں کے لئے جو آخری ہدایات جاری کیں وہ یہ تھیں۔

۱۔ مجلس عمل کی اپیل پر آج تک جس قدر رضاکار حلف نامے پر کر چکے ہیں وہ سربکف تیار رہیں۔

۲۔ ہر ضلع کے صدر مقام سے قافلے کے رضاکاروں کی تعداد پانچ ہو گی اور ہر قصبے سے دو رضاکار قافلے میں شرکت کریں گے۔

۳۔ عہدیداران ختم نبوت اپنے یہاں سے روانہ ہونے والے رضاکاروں کے زاد راہ کا انتظام کریں گے۔

۴۔ ہر قسم کی ہنگامہ آرائی و بدامنی سے بہر صورت اجتناب کریں اور کسی قسم کے اشتعال سے مشتعل نہ ہوں اور بہرحال اس مقدس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے نظم و ضبط اور صبر و تحمل سے کام لیں۔

۵۔ اپنے یہاں کے ہر ضلع و قصبہ کے حساب سے قافلوں کی ترتیب دے لیں۔

ان ہدایات پر فوراً عمل کیا جائے میں کراچی جا رہا ہوں مزید ہدایات کا انتظار کیجئے۔

(مولانا ابوالحسنات صدر مجلس عمل) جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ۲۲ فروری کو حسب پروگرام مجلس عمل کے راہنما کراچی پہنچ گئے۔

اور جاتے ہی مولانا عبدالحامد بدایونی کے توسط سے ایک وفد خواجہ ناظم الدین سے ملا۔

اس وفد میں مولانا ابوالحسنات' مولانا عبدالحامد بدایونی' ماسٹر تاج الدین انصاری سید مظفر علی شمسی مولانا لال حسین اختر شامل تھے۔ خواجہ ناظم الدین نے مولانا اختر علی خان جو ایک روز پیشتر ملنے والے وفد میں شامل تھے ان کے متعلق بھی اصرار کیا کہ انہیں بھی بلا لیا جائے تاکہ وہ بھی اس وفد میں موجود ہوں۔ مولانا اختر علی خان کراچی سے روانہ ہو کر بہاولپور پہنچ چکے تھے وہاں انہوں نے اخبارات کے نمائندوں کی جماعت پی این ای سی کا قیام عمل میں لانا تھا۔ انہیں وہاں فون کیا گیا۔ مولانا اختر علی خان نے کہا کہ میری کل ملاقات ہو چکی ہے اور آج کی ملاقات میں مولانا ابوالحسنات ماسٹر تاج الدین انصاری اور دوسرے دوست ہیں آپ ان سے مل لیں اور اگر میری حاضری لازمی ہے تو پھر اپنا وائی کنگ طیارہ بھیج دیا جائے میں کراچی واپس آجاؤں گا۔ نہ خواجہ صاحب نے وائی کنگ بھیجا اور نہ مولانا واپس پہنچے۔ وفد کی ملاقات ہوئی۔ سردار نشتر مرحوم اس ملاقات میں بھی موجود تھے اب کے ارکان وفد کو ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ انکار کیا گیا بلکہ یہ کہہ دیا گیا کہ یہ بھی وعدہ نہیں کیا جاتا کہ اس مسئلہ کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کریں گے۔

ماسٹر تاج الدین فرماتے ہیں کہ:۔

خواجہ صاحب لاہوری مرزائیوں کے بارے میں تذبذب میں تھے مجلس عمل کا موقف تھا کہ دونوں کو لے لیں ایک صرف کلمہ ہے دوسرا نیم چڑھا ہے۔ سردار عبدالرب نشتر فرماتے تھے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانا بڑے خسارے کی بات ہے اگر ایسے کیا گیا تو ہمیں مرزائیوں کے حقوق تسلیم کرنا ہونگے اور انہیں ایک دو سیٹیں دینا پڑیں گی جب ہم نے اس کی شرعی پوزیشن بتا کر مطالبہ کیا کہ اب فرمایئے آپ کو یہ حق بحیثیت

مسلمان کہاں پہنچا ہے کہ آپ مرزائیوں کو اس خانے میں درج کرائیں جہاں صرف مسلمانوں کا نام درج ہو سکتا ہے۔ جداگانہ انتخاب میں سب سے پہلے مرزائیوں کو الگ کرنا چاہئے تب جداگانہ انتخاب صحیح معنوں میں جداگانہ انتخاب ہوگا۔ سردار صاحب اسلامی نقطہ نگاہ سے قطع نظر صرف سیٹوں کے قاعدے کی بات کرتے تھے۔ بہرحال کوئی بات طے نہ ہو سکی اور خواجہ صاحب اپنی بے بسی اور معذوری کا اظہار کرتے رہے بات ختم ہوئی تو خواجہ ناظم الدین جو واقعی علماء حضرات کی عزت کرتے تھے دروازے تک حضرت مولانا ابوالحسنات اور وفد کو چھوڑنے آئے اور موٹر کا دروازہ کھول کر کھڑے ہوگئے مولانا کو خود سوار کرایا اور یہ حضرات ایک دوسرے سے کافی عرصے کے لئے جدا ہو گئے۔ حضرت مولانا ابوالحسنات خواجہ صاحب کے اعلیٰ اخلاق سے متاثر ہو کر فرماتے تھے کہ کتنا نیک انسان ہے مگر خدا جانے مطالبے کی مختصر اور سیدھی سی بات اس شریف آدمی کی سمجھ میں کیوں نہیں آرہی اگر یہ شخص آج بھی کوئی ایک بات مان لے تو ہم سمجھوتے کی صورت پر غور کر سکتے ہیں یہی باتیں کرتے ہوئے وفد دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت بندر روڈ پر واپس آیا' مولانا بدایونی اپنی کوٹھی پر تشریف لے گئے مولانا بدایونی نے دوسرے دن (۲۳ فروری) کو پھر فون کیا اور کہا کہ خواجہ صاحب کے پی۔ اے نے پیغام دیا ہے کہ ہم مولانا صاحب اور ان کے دوسرے ساتھیوں سے دوبارہ ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے پیغام کا انتظار کیجئے۔ مولانا ابوالحسنات نے فرمایا کہ ہم ہر وقت تیار ہیں ہمارا سر تو نہیں پھرا کہ خواہ مخواہ جنگ خریدیں۔ خواجہ صاحب ان مطالبات میں سے کسی ایک کو آج مان لیں تو ہم بقایا کو دوسرے وقت کے لئے التوا میں رکھ سکتے ہیں۔ بہرحال ہمارے وفد کو خواجہ صاحب کے پیغام کا انتظار تھا۔

۱۷، ۱۸، ۱۹ فروری کے لئے آرام باغ میں جلسہ عام کا بندوبست کیا گیا ان تاریخوں میں تو اجازت نہ مل سکی مگر فروری کی ۲۴، ۲۵ اور ۲۶ کے لئے اجازت مل گئی۔

کراچی میں جلسہ عام

۲۴ فروری ۵۳ء کو آرام باغ میں آل پارٹیز مجلس عمل کی جانب سے عظیم الشان جلسہ عام کا اہتمام ہوا۔ یہ جلسہ حضرت مولانا ابوالحسنات کی صدارت میں بعد از نماز عشاء شروع ہوا سید عطاء اللہ شاہ بخاری' صاحبزادہ سید فیض الحسن' سید مظفر علی شمسی' مولانا لال حسین اختر' مولانا محمد علی جالندھری' مولانا احتشام الحق تھانوی' مولانا بدایونی صاحب اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے کراچی کے مسلمانوں کو خطاب کیا۔

کراچی کس کی ہے۔

اس جلسے میں ہم نے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی پوزیشن بتائی۔ مطالبات پر روشنی ڈالی اور حکومت کے رویہ کا ذکر کیا۔ ہر مقرر نے حکومت سے درخواست کی کہ وہ حالات کی نزاکت کو سمجھے اور ان مطالبات کو جن کی پشت پر ساری مسلمان قوم کھڑی ہے جو مطالبات اسلام کے بنیادی عقیدے سے متعلق ہیں فوراً تسلیم کرے اور بلاوجہ مسلمانوں کے جذبات سے نہ کھیلے جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا اور اعلان ہو گیا کہ کل پھر جلسہ ہوگا۔

۲۵ فروری دوسرے دن

چونکہ پراپیگنڈا ہو چکا تھا اس لئے بے پناہ ہجوم آگیا اس دن سید مظفر علی شمسی کو خواجہ صاحب نے بلوا بھیجا تھا خواجہ صاحب کو حکومت کی مشینری نے ورغلا کر ان کے دماغ میں یہ غلط بات بٹھا دی تھی کہ حضور والا یہ کراچی تو آپ کی ہے۔ باہر سے آئے ہوئے چند ملاؤں کو کون پوچھتا ہے شمسی نوجوان تھے اس کے خون میں حرارت تھی سید زادہ تاڑ گیا۔ دوسرے دن کے جلسے میں نہایت پیارے انداز میں اپنی نوجوانی کے مطابق شمسی صاحب نے تقریر کی اور حاضرین جلسہ پر ایسا اثر پیدا کیا کہ مجمع پر وجد طاری تھا مگر اس جلسے میں شمسی صاحب نے خواجہ اور ان کے غلط حواریوں کے چیلنج کا ذکر تک نہ کیا اس جلسے کا خاطر خواہ اثر ہوا صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب دوسرے دن تقریر کے لئے سٹیج پر تشریف لائے تو ایک رضا کار نے ان کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈال دیا۔ صاحبزادہ نے ہار کو توڑا اور سٹیج پر بیٹھتے ہوئے لوگوں کی جانب پھینک کر فرمایا میرے عزیز یہ وقت ہار پہننے کا نہیں سرور کونین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کو خطرہ درپیش ہو اور میں ہار پہنوں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لاؤ ہمیں پابہ زنجیر کر کے دیکھو کہ ہمارے ماتھے پر شکن بھی آتا ہے۔ اس کے بعد اپنے مخصوص انداز میں صاحبزادہ نے موتی بکھیرنے شروع کئے۔ جلسے پر ایک سکوت طاری تھا اور صاحبزادہ صاحب حسب عادت ساون بھادوں کی طرح برس رہے تھے۔ صاحبزادہ کی تقریر نے مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کو اس طرح ابھارا کہ بسا اوقات لوگوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس طرح رات کے ۱۲ بجے تک جلسہ ہوتا رہا اور جب خاتمے کا وقت آیا تو شمسی صاحب نے اعلان کیا کہ کل میری تقریر کے لئے تیار ہو کر آنا جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہو گیا۔

خواجہ ناظم الدین کی حکومت نے پلٹا کھایا

ادھر مجلس عمل کسی مناسب سمجھوتے کی راہیں تکتی رہی اور اس وہم میں جتلا ہو گئی کہ خواجہ صاحب اب بلاتے ہیں اور اب مطالبات کے بارے میں کوئی مناسب اور درمیانی راہ تلاش کی جاتی ہے ادھر خواجہ صاحب نے نئے انداز میں سوچنا شروع کر دیا انتظامیہ مشن کے وہ کل پرزے جنہیں برطانوی انجینئر مناسب طریقے پر فٹ کر گیا تھا گھومنے لگے اور مشورہ ہوا کہ کوئی بات نہ کی جائے اور مجلس عمل کے تگڑے بدھوں کو باندھ کر جیل میں بند کر دیا جائے دوسرے دن قصہ ہی ختم ہو جائے گا ساتھ ہی یہ بھی فیصلہ ہوا کہ کچھ علماء کو ہموار کیا جائے جو اس تحریک کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں۔ مگر اس بارے میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔ تاہم اتنا ضرور ہوا کہ دو چار عالم کسی نہ کسی طرح بلوائے گئے اور پیار و محبت اور لالچ سے یا ڈرا دھمکا کر دو چار کو آمادہ کر لیا گیا کہ ہم مجلس عمل پر ہاتھ ڈال رہے ہیں تم وقت پر ہماری ہمنوائی کرنا یا ترکیب سے سہارا دینا۔ جس سے تمہاری پوزیشن بھی خراب نہ ہو اور حکومت کا بھی کام بن جائے اس گفتگو کے بعد خواجہ ناظم الدین صاحب نے اعلان کیا کہ بااثر علماء میرے ساتھ ہیں لوگوں نے حیرانی سے خواجہ صاحب کے اس بیان کو پڑھا اور معلوم کرنا چاہا کہ وہ علماء حضرات کون ہیں جو اسلام کے بنیادی مسئلے کی مخالفت کے لئے مسلمانوں کو نظر انداز کر کے حکومت کا ساتھ دینا چاہتے ہیں مگر جستجو کے باوجود یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ خواجہ صاحب نے کن علماء کے بارے میں اشارہ فرمایا ہے یہ بھید بھی بعد میں کھلا۔ جب ان علماء کے سب سے بڑے علمبردار نے اپنے سرکاری گزٹ میں ناواجب طور پر بڑی "ہیکڑی" سے فرمایا کہ یہ اشارہ ان کی جانب تھا۔ بہر حال وقت پر سب کو سانپ سونگھ گیا اور کسی کو مخالفت کی جرأت نہ ہو سکی۔ اور خواجہ صاحب کسی ایک عالم دین کو تحریک کی مخالفت میں اپنے دائیں یا بائیں لا کر کھڑا نہ کر سکے۔

تیسرا اور آخری فیصلہ کن تاریخی جلسہ

تلاوت کلام کے بعد جناب عبدالرحیم جوہر بھٹی نے اپنے کلام بلاغت نظام سے حاضرین جلسہ کو محظوظ فرمایا ان کی تاریخی نظم (میں نہیں کہتا) نے بہت داد وصول کی اس دن حضرت مولانا ابوالحسنات اس قدر تھک گئے تھے کہ انہوں نے شرکت سے معذوری کا اظہار فرمایا مگر ہم مصر تھے کہ اس آخری جلسے میں چند منٹ کے لئے شرکت از بس ضروری ہے۔ مولانا موصوف بہت ہی مہربان انسان ہیں وہ حتی الوسع انکار نہیں کرتے اور اپنی جان پر خندہ پیشانی سے تکلیف برداشت کر لیتے ہیں چنانچہ کچھ عرصہ کے لئے وہ سٹیج پر تشریف لے آئے اس جلسے میں رہنمایان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے یکے بعد دیگرے تقریریں

گیا یہ جلسہ ذرا دیر سے شروع ہوا اس لئے کہ مجلس عمل کا آخری اجلاس جو دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت میں منعقد ہو رہا تھا۔ بہت طول کھینچ گیا۔ مولانا احتشام الحق تھانوی تذبذب کا اظہار فرما رہے تھے وہ پروگرام کے ہر پہلو پر غور فرمانے کے اعتراضات کرتے تھے۔ اس طرح بحث و مباحثہ میں بہت وقت گزر گیا۔ جماعت اسلامی کے نمائندے جناب سلطان احمد صاحب اپنے دلی جذبات کو کچھ دیر چھپاتے رہے مگر بالآخر وہ کھل کر سامنے آ گئے اور فرمانے لگے اگر آپ اب بھی پروگرام کو ملتوی کر دیں اور ۹ مارچ کو ہمیں پروگرام بنانے کا موقعہ دیں تو ہم ذمہ داری لیتے ہیں کہ ہم ۹ مارچ کو اسمبلی ہال پر ایسا ہنگامہ کر دکھائیں گے کہ باید و شاید۔ کم از کم پچیس ہزار لوگ اس ہنگامے میں شمولیت کر سکتے ہیں اور یہ ہنگامہ تاریخی یادگار رہے گا شرکاء نے ان کے خیالات پر تعجب کا اظہار کیا اور مجھے یاد ہے میں نے ان کی خدمت میں صفائی سے عرض کیا کہ ہم ہرگز ہنگامہ نہیں چاہتے ہم تو تحریک کو پرامن طریقے پر چلانا چاہتے ہیں اور اب تاریخ کا مزید التوا بھی میرے یا آپ کے اختیار سے باہر ہے جب پروگرام بننے لگا اور طے ہوا کہ پانچ پانچ رضاکار غیر آباد راستوں سے وزیراعظم اور گورنر جنرل کی کوٹھیوں پر جائیں تو جماعت اسلامی کے نمائندے مولانا سلطان احمد نے فرمایا کہ یہ طریقہ درست نہیں میرا مشورہ ہو گا کہ رضاکار بارونق سڑکوں پر سے جانا چاہئیں اور ان کا جلوس شہر کے آباد حصوں سے گزرنا چاہئے ہم نے عرض کیا کہ اس طرح ہنگامہ اور بدامنی کا اندیشہ ہے عوام کو کس طرح سنبھالا جائے گا اور اگر پولیس نے خود ہی اپنے آدمیوں کو جلوس میں داخل کر کے فساد کرا دیا تو تحریک کو دھکا لگے گا مولانا سلطان احمد صاحب تنہا شخص تھے جو اس وقت بھی ہنگامہ پسندی کا اظہار فرماتے تھے مگر وہ کسی کو اپنا ہم خیال نہ بنا سکے اور بالآخر انہیں مجلس عمل کے مجوزہ پروگرام کی تائید کرنا پڑی آخرکار جماعت اسلامی کے اپنے ذمہ دار نمائندے نے آخری اجلاس پر مہر تصدیق ثبت کر کے گھر کی راہ لی اور اپنے جانشین ساتھیوں میں آرام سے جا بیٹھے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ انہیں گرفتار کرنے کوئی نہیں آیا حالانکہ پولیس ان کا گھر جانتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ یہ مجلس عمل کے رکن ہیں جب کہ تحریک کے دیگر راہنما رات ہی کو دھر لئے گئے تھے۔

کراچی تیری ہے کہ میری؟

آرام باغ کا آخری اور تاریخی جلسہ جب عروج پر پہنچ گیا تو لوگوں نے شور مچایا کہ شمسی صاحب تقریر کریں۔ چنانچہ شمسی صاحب سٹیج پر تشریف لائے تو انہوں نے تحریک ختم

نبوت کے نوٹوں کے بارے میں اپیل کی لوگ آگے بڑھ بڑھ کر نوٹوں کے عوض روپے ادا کرنے لگے جلسہ درہم برہم ہونے لگا تو کہا کہ یہ کام جلسے کے بعد سہی اب تقریر سنو تحریک کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے شمسی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں حاضرین کو مسحور کرنا شروع کیا۔ جلسے میں مکمل خاموشی اور سکوت تھا کہ شمسی صاحب نے فرمایا کیوں بھئی کراچی والو خواجہ ناظم الدین صاحب نے تو ہمیں پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھا وہ فرماتے ہیں کہ کراچی سے تمہارا کیا تعلق ہے یہ ہماری راجدھانی ہے میں آپ سے صرف ایک سوال دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ میں اور میرے بزرگ یہاں واقعی اجنبی ہیں کیا تاریخ اپنے کو دھرا رہی ہے اور کراچی میں کوفے کا منظر دوبارہ پیش ہوگا۔ ہم یہاں سوداگری کرنے نہیں آئے ہم تو اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ سرکار مدینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاج نبوت خطرے میں گھرا ہے ہم خواجہ صاحب کی حکومت سے تاج و تخت ختم نبوت کی حفاظت کی یقین دہانی کے لئے حاضر ہوئے ہیں ہمیں وزارت نہیں چاہئے دولت نہیں مانگتے ہم اسلام کے بنیادی مسئلے کی خاطر خواجہ صاحب کے دربار سے بھیک مانگنے آئے ہیں وہ فرماتے ہیں یہ کراچی میری راجدھانی ہے اگر آپ خواجہ کے ساتھ ہیں تو خیر ہم تنہا اس راہ میں ہر مصیبت برداشت کریں گے اور اگر آپ ہمارے ساتھ قربانی دینے کو تیار ہیں تو آپ حضرات میں سے جو شخص قربانی دینے کے لئے ہمارے رضاکاروں کی فہرست میں نام لکھوانا چاہتا ہے وہ سٹیج پر آکر اپنا نام لکھا دے تاکہ حکومت کے نمائندے جو یہاں جلسے کے چاروں طرف موجود ہیں اور خواجہ صاحب کے خاص ایلچی جو جلسہ گاہ کے ایک کونے میں موجود ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ کراچی کس کی ہے شمسی صاحب کی اس اپیل پر ہزارہا مسلمان اس طرح سٹیج کی طرف بڑھے جیسے باز تیزی سے شکار پر جھپٹتا ہے جلسے میں ایک ہلڑ مچ گیا اور دس پندرہ منٹ شیدایان ختم نبوت کا سٹیج کے گرد اژدھام لگا رہا۔ بالآخر شمسی صاحب نے بمشکل لوگوں کو سمجھا بجھا کر دوبارہ جلسے میں بٹھا دیا تقریر دوبارہ شروع ہوئی تو شمسی صاحب نے حاضرین جلسہ سے جو کم و بیش ایک لاکھ سے کیا کم ہوں گے پھر کہا کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کراچی خواجہ صاحب کی نہیں بلکہ فدایان ختم نبوت کی ہے وہ ذرا ہاتھ تو کھڑا کریں جلسہ گاہ میں چاروں طرف ہاتھ لہرانے لگے اور ختم نبوت زندہ باد کے فلک بوس نعرے لگنے شروع ہو گئے تو شمسی صاحب نے تب خواجہ صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ خواجہ صاحب اب بتاؤ کہ کراچی میری ہے یا آپ کی؟

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے جذبات سے بھرپور تقریر کی اور عشق مصطفےٰ کا حق ادا کر دیا کوئی آنکھ نہ تھی جو عشق مصطفےٰ میں پرنم نہ تھی اور کوئی دل ایسا

نہیں تھا جو عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تڑپ نہیں رہا تھا۔

اس جلسے میں جوش کا یہ عالم تھا کہ لوگ اسی وقت جیل جانے کو آمادہ و تیار تھے ماسٹر تاج الدین نے خواجہ صاحب سے التجا کی کہ وہ مطالبات پر غور فرمائیں ابھی رات باقی ہے صبح ہمیں بلا لیجئے اور تسلی بخش جواب سے قوم کو سرفراز فرمایئے ہم حکومت سے الجھنے کے لئے نہیں آئے ہماری اب بھی یہی دعا ہے کہ صبح کو طلوع ہونے والا آفتاب سمجھوتے کی فضا میں نمودار ہو اور خدا آپ کو قوم کے متفقہ مطالبات کو ماننے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ حضرت امیر شریعت کی خطابت اور مولانا محمد علی جالندھری کے دلائل نے قوم کے دل و دماغ کو جلا بخشی تقریباً رات کے ایک بجے جلسہ دعا کے بعد ختم ہوا اور راہنما دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت بندر روڈ کراچی میں واپس آ گئے۔

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں

اس بات کی نشاندہی ضروری ہے کہ جب ۲۶ فروری اور ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کی درمیانی رات مجلس عمل کے زیر اہتمام آخری پبلک جلسہ ہو رہا تھا اور اس میں مولانا ابو الحسنات' ماسٹر تاج الدین انصاری' مولانا عبدالحامد بدایونی' حضرت امیر شریعت 'مولانا محمد علی جالندھری اور سید مظفر علی شمسی تقریریں کر رہے تھے تو مرکزی حکومت کے دو سیکرٹری مسٹر سکندر مرزا اور مسٹر جی احمد دونوں جلسہ میں موجود تھے ان دونوں کو جلسہ سے کیا دلچسپی تھی؟ حالانکہ ایک ڈیفنس سیکرٹری اور دوسرا غالباً کیبنٹ سیکرٹری تھا۔ پھر معاملہ یہاں تک ہی نہیں انہی دونوں صاحبان نے رات ڈھائی تین بجے کے قریب خواجہ ناظم الدین کو جو سو رہے تھے جگایا اور اطلاع دی کہ امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری نے تحریک کے آغاز کا اعلان کر دیا ہے اور صبح سے تحریک ختم نبوت شروع ہو جائے گی۔

سوچنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ ڈیوٹی ان صاحبان کی نہ تھی جلسہ کی رپورٹ لینا اور مجلس عمل کے پروگرام اور فیصلوں سے وزیراعظم کو آگاہ کرنا انٹیلی جنس بیورو والوں یا حکومت کی دوسری خفیہ برانچوں کا کام تھا۔ سی آئی ڈی یا انٹیلی جنس والے یا کمشنر کراچی براہ راست ذمہ دار تھے کہ صورت حال سے باخبر رہیں اور خبردار رکھیں متعلقہ محکموں کے کسی افسر نے خواجہ ناظم الدین کو راتوں رات اطلاع نہیں دی نہ ہی یہ جرات کی کہ انہیں نیند سے بیدار کیا جائے مسٹر سکندر مرزا اور مسٹر جی احمد کو کیا پڑی ہوئی تھی کہ یہ دونوں غیر متعلق ہونے کے باوجود ساری تگ و دو کرتے پھرے خواجہ صاحب کو جگایا۔ کابینہ کا اجلاس طلب کرایا۔ گرفتاریوں کا فیصلہ کرایا اور تحریک ختم نبوت کو کچل دینے

کی منصوبہ بندی کر کے گھروں کو گئے۔

اصل میں سکندر مرزا شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے اور جی احمد یقینی طور پر قادیانی تھا۔ قادیانی صاحب نے اپنی روایتی تقیہ سے کام لے کر سکندر مرزا کو وسوسے کا شکار کیا اور سمجھایا کہ اس وقت جو کچھ قادیانیوں کے خلاف ہو رہا ہے وہی کچھ کل کو شیعوں کے خلاف ہوگا۔ اگر شیعہ سنیوں کے مظالم اور برے سلوک سے بچنا چاہتے ہیں اور ایک آبرومند اقلیت کی حیثیت سے رہنا چاہتے ہیں۔ تو یہی وقت اس کے مداوا کا ہے۔ اگر موجودہ تحریک کو سبوتاژ کر دیا جائے اس تحریک کے علمبرداروں کو جو فسادی ہیں کچل دیا جائے تو نہ صرف ہم محفوظ ہو جائیں گے بلکہ آئندہ کے لئے اقلیتوں کو تنگ کرنے کا راستہ بھی بند ہو جائے گا کٹر شیعہ ہونے کے باوجود سکندر مرزا' صاحب ٹائپ آدمی تھے ان کے متعلق مشہور تھا کہ وہ بالکل انگریزی دل و دماغ بود و باش اور رہن سہن رکھتے تھے انگریز صاحبوں کی طرح ان کے ہاں بھی کھانے کا گھنٹہ بجتا تھا مقررہ وقت پر گھنٹہ بجتے ہی سب لوگ کام کاج چھوڑ دیتے اور کھانا کھاتے۔ غرضیکہ انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ شیعہ سنی کے اختلافات اور مرزائی مسلمان کے اختلاف میں کیا فرق ہے۔ انہیں یہ بات اپیل کر گئی کہ مرزائی سواد اعظم کے مقابل ایک اقلیت ہیں سواد اعظم مذہبی تعصب کی بناء پر ان کے خلاف شور بپا کئے ہوئے ہے اور یہ اس وقت بڑے مجبور اور مظلوم ہیں ان کی مدد انسانی' پاکستانی اور قومی فریضہ ہے۔ خصوصاً ایک شیعہ کو تو ان کی مدد ضرور کرنی چاہئے کیونکہ ملک کا سواد اعظم شیعوں کے بھی خلاف ہے اور شاید قادیانیوں کے بعد ان کی بھی یہی سلوک کے لئے باری آجائے۔

اس گٹھ جوڑ میں سکندر مرزا اور مسٹر جی احمد کے علاوہ ایک تیسرے مرکزی سیکرٹری مسٹر ایم بی احمد بھی شامل تھے اور تینوں سازشی سیکرٹری صاحبان نے اپنے موقف اور اپنی سازش کو کامیاب بنانے کے لئے ملک غلام محمد گورنر جنرل پاکستان کی پناہ اور اس کا اعتماد حاصل کر رکھا تھا۔

ملک صاحب کو اپنی گورنر جنرلی کی حفاظت کے لئے ان سیکرٹریوں کی خوشامد اور ان کا تعاون درکار تھا اور خواجہ ناظم الدین اس راز سے واقف ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ملک کے وزیراعظم ہونے کے باوجود اتنے کمزور تھے اور ان افسروں کے ہاتھ کا کھلونا بنے ہوئے تھے ملک غلام محمد نے اپنے زمانہ اقتدار میں عجیب عجیب حرکتیں کیں ان حرکتوں میں سے ایک حرکت کا تذکرہ تو آپ نے سن ہی لیا ایک حرکت اور بھی ملاحظہ کریں۔ ملک غلام محمد بیچارے عمر رسیدہ اور جسمانی صحت کے لحاظ سے ناکارہ قسم کے آدمی تھے لیکن اپنے عہدہ کو

چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے اپنی کرسی اور عہدہ کی حفاظت کیلئے عجیب و غریب حرکتیں کرتے رہتے تھے۔ اسے ہروقت کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں فوج یا اور کوئی پارٹی میری حکومت کا تختہ الٹ کر مجھے اقتدار سے محروم نہ کر دے اس خوف سے وہ مختلف کیمپوں سے خفیہ خبریں حاصل کیا کرتا تھا چنانچہ کراچی میں مقیم ایک مشہور پیر صاحب کو اس نے اس ڈیوٹی پر متعین کیا کہ فلاں کیمپ کے لوگوں کے خیالات مجھے معلوم کر کے بتاؤ کہ وہ میرے متعلق کیا سوچ رہے ہیں اس خدمت کے لئے ان پیر صاحب کو گورنر جنرل کے خفیہ فنڈ سے معقول معاوضہ ملتا تھا۔ عجیب اتفاق کہ اس کیمپ والوں کو معلوم ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت غلام محمد صاحب نے پیر صاحب کو ہم پر متعین کر رکھا ہے اس کیمپ کے بعض ذہین لوگوں نے پیر صاحب سے اس راز کا تذکرہ کیا اور انھیں کہا کہ آپ جو کچھ ملک غلام محمد سے تنخواہ لیتے ہیں اس سے دوگنا خدمت ہم آپ کی کیا کریں گے۔ جو باتیں آپ سے وہ ہمارے متعلق دریافت کرے آپ وہ ہمیں بتا دیا کریں۔ پیر صاحب پہلے یک طرفہ خدمت کیا کرتے تھے پھر انھوں نے دو طرفہ خدمت سرانجام دینا شروع کر دی۔

بہرحال میں اس موقعہ پر اس بات کی نشاندہی کرنا چاہتا تھا کہ قادیانیوں نے دو مرکزی سیکرٹریوں سے فائدہ اٹھایا انھوں نے پہلے سکندر مرزا کو گانٹھا اور پھر ان تینوں نے ملک غلام محمد کو شیشہ میں اتارا اور خواجہ ناظم الدین کو مرعوب کرنے کے لئے اس کی مکمل حمایت حاصل کر لی۔

بعد کے واقعات سے ثابت ہو گا کہ تحریک کو کچلنے کے لئے جتنا ظلم ہوا اس میں مذکورہ تین مرکزی سیکرٹریوں۔ ملک غلام محمد اور جنرل اعظم جو خود یا ان کی بیگم صاحب قادیانی بتائے جاتے ہیں ان کا براہ راست ہاتھ تھا۔

ورنہ تحریک کامیاب ہوتی اور ہزاروں بے گناہوں غلط نہ مارے جاتے نہ ہی مسلم لیگ کا اقتدار اس طرح تباہی کے گھاٹ اترتا اور نہ ہی آج ملک کا یہ نقشہ ہوتا جس صورت حال سے محب وطن اور سمجھدار لوگوں کے دل دہل رہے ہیں۔

خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے میں آگے چل کر تفصیلاً ذکر کروں گا کہ ان دشمنان ختم نبوت اور مرزائیوں کے ہمدردوں کا کیا حشر ہوا۔

سکندر مرزا کا جوان بیٹا انہی دنوں ہوائی حادثے میں ہلاک ہو گیا ملک غلام محمد جس عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کر مرا اس سے خدا دشمن کو بھی محفوظ رکھے۔ جب بعد از ذلت بسیار مر گیا تو خدا نے اس کے وجود اور اس کی قبر کو آئندہ نسلوں کے لئے عبرت بنا دیا۔

وہ ملک کا گورنر جنرل تھا۔ لاہور کی مشہور ککے زئی برادری کا رئیس آدمی تھا لیکن اسے دفن ہونے کے لئے کہیں جگہ نہ مل سکی اسے کراچی کے عیسائیوں کے قبرستان میں دفن ہونے کے لئے جگہ ملی آج بھی ہزاروں لوگ روزانہ ڈرگ روڈ سے گذرتے ہوئے عیسائیوں کے قبرستان میں اس کی منحوس قبر کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں سکندر مرزا صاحب کی سنئے آپ اس قسم کی غداریوں کی بدولت ترقی کرتے کرتے صدر مملکت پاکستان بن گئے جب صدر مملکت بن گئے سہروردی صاحب اس وقت وزیر اعظم تھے۔

ظاہر ہے سکندر مرزا کسی سیاسی جماعت کی مدد یا کسی عوامی تائید سے تو صدر مملکت بنے نہیں تھے وہ تو نوکر شاہی اور بیرونی طاقتوں کی سازشوں سے پروان چڑھے تھے مسلم لیگ ان کے خنجر سے زخمی تھی عوامی لیگ بھی ان کی موئید نہ تھی بائیں بازو کی جماعتیں انہیں ملک کی روشن پیشانی کا سیاہ داغ سمجھتی تھیں۔

سکندر مرزا کو اب عوام میں کسی مقبول گروہ کی ضرورت تھی ان کی نگاہ انتخاب احرار اور مجلس عمل پر پڑی کیونکہ احرار اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے لوگ جیلوں سے تازہ تازہ نکلے تھے اور اپنے مستقبل کے متعلق ڈانواں ڈول تھے سکندر مرزا نے مجلس عمل کے ایک مقتدر شیعہ راہنما سید مظفر علی شمسی کو درمیان میں ڈالا اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو پیغام بھیجا کہ آپ لوگ مجھ سے ملیں۔ میں قادیانیوں کا مسئلہ حل کئے دیتا ہوں۔ احرار کا وہ گروہ جو شیخ حسام الدین مرحوم اور ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم کی قیادت میں سیاسی کام کرنا چاہتا تھا وہ شہید سہروردی صاحب کے ساتھ شامل ہو جانے کی مشاورتیں کر رہا تھا سکندر مرزا نے شیخ صاحب اور ماسٹر صاحب دونوں کو کراچی میں بلایا اور اپنے خوبصورت جال میں پھنسانے کے لئے بڑے جتن کئے لیکن مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ ڈسا نہیں جا سکتا یہ حضرات سکندر مرزا کے دام فریب میں نہ آئے اور سہروردی صاحب کی جماعت میں شریک ہو گئے۔ سکندر مرزا نے شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے بڑے جتن کئے لیکن شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ ملاقات کے لئے آمادہ نہ ہوئے سکندر مرزا نے اپنے ہوائی جہاز کی پیشکش کی لیکن شاہ جی نہ مانے آخر سکندر مرزا نے خود ملتان پہنچنے کا پروگرام بنایا اور شاہ جی سے استدعا کی کہ کمشنر صاحب کے ہمراہ کمشنر ہاؤس ملتان میں مجھ سے مل لیں شاہ جی تو پھر بھی نہیں مان رہے تھے لیکن کارکنوں کے کہنے پر خاموش ہو گئے اتنا فرمایا کہ میں اس دشمن خدا و رسول سے تحفظ ختم نبوت کی بھیک نہیں مانگوں گا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا سکندر مرزا جس ٹرین سے ملتان آ رہے تھے جب وہ بہاولپور پہنچی تو اسے خبر ملی کہ لاہور میں ڈاکٹر خاں صاحب قتل ہو گئے ہیں۔ سکندر مرزا سیدھا لاہور چلا

گیا۔ ملتان کا پروگرام منسوخ ہو گیا اور یوں ملاقات ہی نہ ہو سکی بالآخر سکندر مرزا کا بھی حشر صدر ایوب نے کیا وہ دنیا نے دیکھا ماں باپ ار طیارے پر سوار کر کے پہلے کوئٹہ اور پھر بیرون ملک بھیج دیا گیا جلا وطنی میں باقی زندگی بسر ہوئی اور بڑی عبرتناک بسر ہوئی اور آخر کار وہ شخص جو کراچی سے فون پر تحریک کو کچلنے والے افسروں سے پوچھتا تھا کہ مجھے بتاؤ کتنے لوگوں کو گولی سے اڑایا گیا ہے اپنا حساب دینے کے لئے اپنے رب کے حضور پہنچ گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

۶۔ فروری کا جمعہ

قارئین ایک بار پھر واپس چلیں

ملک بھر میں جلسے منعقد ہو رہے تھے اور ان میں ایمان افروز تقریروں کا سلسلہ شروع تھا۔ ۶ فروری کو جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ سارے ملک کے خطیب صاحبان نے ختم نبوت کے موضوع پر تقریریں کیں اور مجلس عمل کی طرف سے قرار دادیں منظور کروائیں جامع مسجد وزیر خاں لاہور میں مولانا ابو الحسنات بڑی جرات اور روانی کے ساتھ فرما رہے تھے۔

"ہمارا پروگرام تعمیری ہے تخریبی نہیں اگر خواجہ ناظم الدین وقت کی نزاکت کے پیش نظر ملت کے مطالبات تسلیم کر لیں! تو ہم سے زیادہ اس حکومت کا خیر اندیش اور کی خواہ اور کون ہو سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا؟ میں پوچھتا ہوں کہ خواجہ ناظم الدین صرف ظفراللہ خاں کو وزارت سے نکالنے میں اتنے خوفزدہ کیوں ہیں۔ آخر انہیں گھوندو کو وزارت سے علیحدہ کرنے کی جرات کیسے ہوئی تھی۔ انہیں بنگال کے مسلم لیڈر فضل الرحمٰن کو نکالنے کا حوصلہ کہاں سے مل گیا تھا۔ خواجہ صاحب ظفراللہ خاں کو نکالنے سے پہلے ملت سے قربانیاں کیوں مانگ رہے ہیں آپ نے کہا میں ایک بار پھر خواجہ ناظم الدین کو دعوت فکر دیتا ہوں کہ وہ اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ کیا ملت اسلامیہ ختم نبوت کے مسئلہ کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار نہیں ہے۔

آخر میں ایک بار پھر اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ علمائے کرام اپنا اٹھایا ہوا قدم واپس نہیں لیں گے جب تک کہ مطالبات کو تسلیم نہیں کر لیا جاتا۔

(از روزنامہ زمیندار ۸ فروری ۱۹۵۳ء)

مجلس عمل کے راہنماؤں کی گرفتاری کراچی سنٹرل جیل سے لاہور

منٹگمری جیل تک

از ماسٹر تاج الدین انصاری

۲۶، ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب کراچی میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہنما دفتر مجلس تحفظ نبوت کراچی سے گرفتار کر لئے گئے۔ کراچی جیل سے لاہور جیل تک حالات کی بڑی مربوط اور دلچسپ داستان حضرت ماسٹر تاج الدین انصاری نے قلم بند فرمائی ہے۔ اس کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے گرفتاریوں کے بعد تحریک کی رفتار کی رپورٹ کو روک کر پہلے اسے پیش کیا جارہا ہے (مرتب)

گرفتاری

مسلسل دو دن خواجہ صاحب کے بلاوے کا انتظار کرنے کے بعد ہمیں مایوسی تھی۔ علاوہ ازیں خواجہ صاحب نے منشی صاحب سے جو بات کی اس سے ظاہر ہو چکا تھا کہ حکومت ہر شعبہ نمائندے کو تحریک تحفظ ختم نبوت میں شامل ہونے سے روکنا چاہتی تھی مقام حیرت ہے حکومت کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مسلمان من حیث القوم اس تحریک سے دلی لگاؤ رکھتے ہیں ان حالات میں ہمارے لئے اب یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ زبانی گفتگو کی بجائے حکومت ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی جھنکار میں گفتگو کرنا زیادہ پسند کرے گی دو تین راتوں کے تھکے ماندے ہم سب دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت میں آکر دراز ہو گئے۔ ہم میں سے اکثر سو چکے تھے کہ دفتر کے بند دروازے پر تحکمانہ انداز میں کسی نے دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹا کر فرمایا کہ دروازہ کھولو ورنہ اسے توڑ دیا جائے گا دروازہ لوہے کی سلاخوں کا بنا ہوا بہت ہی مضبوط تھا دروازے کے قریب عبدالرحیم جوہر سو رہے تھے وہ اٹھے اور کہا کہ تحمل کرو دروازے پر تالا لگا ہوا ہے۔ چابی لاکر کھولتا ہوں۔ اس قدر بے تابی کیوں ہے یہاں کوئی بھاگنے والی اسامیاں نہیں ہیں ہم تو انتظار میں ہی تھے آپ حضرات تو بڑی دیر سے تشریف لائے ہیں۔ پولیس افسران اس پر جلدی کھولو کی رٹ لگا رہے تھے جوہر صاحب نے مولانا لال حسین اختر کو جگایا کیونکہ چابی ان کے پاس تھی اتنے میں اور دوستوں نے شور شرابا سن کر کروٹ لی۔ حضرت شاہ صاحب بھی جاگ پڑے مگر وہ ابھی لیٹے ہوئے تھے۔ تالا کھول کر جب دروازہ کھولا گیا تو بہت سے پولیس اور سول افسران اندر داخل ہوئے ان میں سے ایک افسر نے داخل ہوتے ہی فون کنکشن پر ڈنڈا رسید کر کے کنکشن کاٹ دیا۔ ایک پولیس افسر نے پستول تھام لیا۔ غرضیکہ اچھا خاصہ ڈرامہ کرنے کے بعد انہیں اس وقت خفت محسوس ہوئی جب صاحبزادہ کو جگایا۔ صاحبزادہ صاحب نے آنکھ کھولی اور فورس دیکھتے ہی

بھانپ لیا کہ گرفتاریاں ہوں گی۔ وہ سنبھل کر چارپائی پر بیٹھ گئے اور ازراہ مذاق فرمانے لگے کہ آپ کو جن کی تلاش ہے وہ بزرگ اس کونے میں استراحت فرما رہے ہیں صاحبزادہ صاحب نے مولانا ابوالحسنات صاحب کی چارپائی کی جانب اشارہ کیا میں (ماسٹر تاج الدین) اپنے کمرے سے یہ تماشہ دیکھ رہا تھا چنانچہ میں نے جلدی جلدی اپنا بستر لپیٹا سامان سنبھالا اور لوٹا اٹھا کر استنجے کے لئے بیت الخلاء کی جانب جانے لگا میں ابھی دو ہی قدم گیا تھا کہ ایک پولیس افسر میری طرف آیا اور کہنے لگا مولوی صاحب آپ کہیں نہیں جا سکتے میں ہنس پڑا اور پاس کھڑے ہوئے افسر سے کہا کہ آپ نے کبھی سیاسی لوگوں کو اس سے قبل گرفتار نہیں کیا؟ اگر گرفتار ہونا نہ چاہتے تو ہم سب یہاں سے بہت آسانی کے ساتھ جا سکتے تھے آپ حضرات باہر دروازہ کھٹکھٹاتے رہتے اور جب اسے توڑ کر اندر آتے تو آپ کو مایوسی ہوتی آئیے میں آپ کو دوسرا راستہ بتادوں جو دوسری سڑک پر نکلتا ہے۔ آپ جس سڑک پر پہرہ لگائے کھڑے ہیں یہ اس بلڈنگ کا ایک حصہ ہے افسران حقیقت حال آشکارا ہونے پر شرمندہ ہوئے اور فوراً اپنا رویہ بدل لیا۔ ہم نے اپنا اسباب درست کر لیا تو افسران سے کہا کہ نیچے سے کچھ سپاہی منگوائیے جو اسباب اتار دیں۔ ہم سب دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت سے نیچے اترے تو دیکھا کہ دفتر کی سڑک اور چوک میں مسلح پولیس کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ پولیس نے اچھا خاصا مظاہرہ کر رکھا تھا کاریں۔ لاریاں تیار کھڑی تھیں۔ ہم سب تیار ہو رہے تھے تو ایک پولیس افسر نے کہا کہ مولوی نیاز صاحب کہاں ہیں؟ ہمارے کسی رفیق نے سادگی سے کہہ دیا کہ آپ آرام باغ ہو کر نہیں آئے وہ تو وہاں جلسہ گاہ میں سامان کی نگرانی کے لئے ٹھہر گئے تھے۔ چنانچہ پولیس ان کو آرام باغ سے گرفتار کر کے لے آئی۔ جلسہ سے فارغ ہوتے ہی مولانا محمد علی جالندھری ملتان کے لئے اپنے پروگرام کے مطابق سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔ دفتر سے گرفتار ہونے والے ہم آٹھ ارکان تھے۔ حضرت مولانا ابوالحسنات' حضرت امیر شریعت' حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن' جناب عبدالرحیم جوہر' جناب نیاز مدھیانوی' مولانا لال حسین اختر' اسد نواز ایڈیٹر حکومت اور تاج الدین انصاری ۔ جب ہم کراچی جیل میں داخل ہوئے تو ڈیوڑھی پر افسران جیل موجود تھے۔ وہ ہمارے ناموں کا اندراج کر رہے تھے۔ کہ مولانا عبدالحامد بدایونی بھی تشریف لے آئے۔ انہیں مقامی پولیس ان کے گھر سے گرفتار کر کے لے آئی گویا اب ہماری تعداد نو ہو گئی۔ صبح کی اذان ہوئی تو ہم نے جیل والوں سے کہا کہ ہمیں اندر بھیجئے گا تاکہ ہم نماز کا بندوبست کریں۔ اور آپ اندراج کرتے رہیں۔ جیل کے افسران نے جلدی جلدی کام ختم کیا اور ہم نے اندر کے پھاٹک پر بسم اللہ مجریہا و مرسہا کہتے قدم رکھا۔ اندر گئے۔ وضو کیا اور نماز

باجماعت ادا کی اس کے بعد ہم نے اپنے مستقل مسکن کا تقاضہ کیا۔ افسران جیل نے اے
کلاس وارڈ جہاں کبھی مولانا محمد علی' شوکت علی مرحوم تحریک خلافت میں گرفتار کر کے رکھے
گئے۔ اس وارڈ میں ہمیں پہنچا دیا۔ تھکے ماندے تو تھے ہی زمین پر ہی بستر بچھا کر سو گئے۔
دن نکل آیا باہر کا دروازہ کھلا تو وارڈ میں اچھی خاصی چہل پہل ہو گئی جہاں حضرت سید
عطاء اللہ بخاری موجود ہوں صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب ایسے خوش مزاج سجادہ
نشین تشریف فرما ہوں شمسی صاحب ایسا خوش مزاج طبع اور سراپا ہنگامہ نوجوان موجود ہو
وہاں جیل چیز ہی کیا ہے کون محسوس کرتا ہے کہ ہم کہاں ہیں جیل کے افسران بڑی احتیاط
اور نہایت بارعب طریقے سے قیدیوں کی وارڈ میں آیا کرتے ہیں۔ پہلے شور ہوتا ہے صاحب
آ رہے ہیں مشقتی قیدی اور پہرہ دار چوکس ہو کر باادب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ باہر ہی سے
کڑک دار آواز میں کسی قیدی یا ملازم کو ڈانٹ ڈپٹ کی آواز آتی ہے۔ تب وارڈ میں ایک
سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ ایسے خاموش اور سہمے ہوئے ماحول میں جب جیل کا کوئی افسر
وارڈ میں داخل ہوتا ہے تو بڑے دل گردے کے قیدی بھی ایک بار سنبھل کر کھڑے ہو
جاتے ہیں۔ ہم فقیروں پر چونکہ ایسی وارداتیں زندگی بھر گزرتی رہیں اس لئے ہمیں گفتگو
کرنا بھی آتی تھی اور ہم جیل کے آداب سے بھی واقف تھے۔ آیئے آیئے السلام علیکم
خیریت ہے دولت خانہ کہاں ہے۔ غرضیکہ بے تکلفی کے مہذب سوالات میں افسران جیل کو
بے تکلف دوست بنا لیا جاتا ہے۔ تصنع اور منافقانہ گفتگو کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اس
صورت حال میں فریقین کو تکلیف کا سامنا نہیں ہوتا۔ نہ قیدی کو شکایت پیدا ہوتی ہے۔
اور نہ افسر بالا پریشان ہوتا ہے۔ جیل افسران کے نزدیک اب ہم جانے پہچانے قیدی تھے صبح
کے ناشتے کے لئے ڈبل روٹیاں آ گئیں چائے آ گئی۔ یہی لپٹن چائے جو کیکر کی مسواک کا
کام بھی دے دیتی ہے اور جسے خالص چائے کے نام سے عام طور پر پیا جاتا ہے۔ ناشتے کے
بعد کھانا آ گیا۔ دوسرے دن سپرنٹنڈنٹ صاحب تشریف لائے ان کے ہاتھ میں خوبصورت
تسبیح تھی وہ کچھ پڑھتے ہوئے آ رہے تھے ہم پڑھ کر فارغ ہوئے بیٹھے تھے۔ اتفاق کی بات
ہے کہ وہ مولانا بدایونی صاحب کے معتقدین میں سے تھے۔ غالباً ان کی بیوی بڑے مولانا سے
بیعت تھی۔ بہرحال وہ مولانا سے بہت بے تکلف ہو گئے۔ ہمارا بوجھ بھی ہلکا ہوا۔ ہم نے
باورچی خانے کے لئے درخواست کی اور راشن مانگ لیا تاکہ اپنا کھانا خود ہی پکا لیا کریں۔ وہ
مان گئے معمار آ گیا۔ انگیٹھیاں آ گئیں دو تین دن میں باورچی خانہ بن گیا۔ ہم ابھی جیل میں
جم کر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ مولانا صرالی جو کراچی کے مشہور واعظ ہیں مع مولانا
عبدالرحمٰن صاحب خطیب اور میاں محمد صاحب سجادہ نشین داتا گنج بخش تشریف لے آئے یہ

تینوں حضرات کراچی میں گرفتار ہوئے اور شہر کراچی میں اچھا خاصہ کرنے کے بعد پکڑے گئے

کراچی میں تحریک کا زور

مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں کی گرفتاریوں کے بعد کراچی میں ہڑتال ہو گئی تب خواجہ صاحب بھی شاید سٹ پٹائے ہوں گے۔ مسلمانوں میں بے پناہ جوش تھا۔ پہلے ہی دن تقریباً چار ہزار مسلمانوں نے گرفتاریوں کے لئے خود کو میدان میں پیش کر دیا۔ کراچی کے حکام بہت ہوشیار ہوئے وہ جب لوگوں کو گرفتار کر چکے تو انھیں معلوم ہوا کہ ان کے بعد اور بھی آئیں گے۔ شاید دوسرے دن اس سے بھی زیادہ لوگوں کو گرفتار کرنا پڑے کچھ لوگوں کو وہ لاریوں میں بھر کر جیل بھیج چکے تھے۔ کراچی میں اے۔ ٹی نقوی کی حکومت تھی۔ انہوں نے بڑی عیاری کا فیصلہ کیا کہ گرفتار شدگان کو لاریوں میں بھر کر کراچی سے آٹھ دس میل دور غیر آباد علاقے میں چھوڑ دیا جائے۔ یہ ترکیب کو بڑی ظالمانہ تھی۔ مگر بہت کارگر ثابت ہوئی جیل میں اپنے لوگوں کے لئے گنجائش ہی کہاں تھی باہر کی کچھ ہوا اور اندر بھی یہی داؤ کھیلا گیا جن لوگوں کو پہلے دن گرفتار کیا تھا۔ انھیں کہا تمہارے ملاقاتی آئے ہیں چلو دروازے پر مل کر ملاقات کر لو۔ دروازے پر لے جا کر ان لوگوں سے فارم پر دستخط کرائے اور جیل سے باہر نکال دیا پہلے دن قید ہونے والوں میں شیعہ نوجوان کافی تعداد میں پکڑے گئے تھے مگر ان سب کو جیل سے باہر نکال دیا گیا۔ قید ہونے والوں اور گرفتار ہونے والوں سے آنکھ مچولی ہوتی رہی اس طرح لوگوں کا آہستہ آہستہ جوش ٹھنڈا ہونے لگا۔ جب انہیں گرفتار ہی نہ کیا جائے تو وہ کیا کریں گے؟ دس پندرہ روز میں نقوی صاحب نے کراچی کو ٹھنڈا کر لیا۔ باہر رہنماؤں میں سے کون تھا جماعت اسلامی جس نے "شتری رضیا" پی رکھا تھا۔ یا چند وہ بزرگ جنہیں خواجہ ناظم الدین نے گرفتار نہ ہونے دیا۔ بلکہ ترکیب سے باتوں باتوں میں ہمنوا بنانے کی کوشش کی ہمیں اب کچھ معلوم نہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے پنجاب پر کیا گزر رہی ہے۔ اچانک آٹھ۔ نو مارچ کو خان محمد عبداللہ سرکاری طور پر ہمارے پاس اندر بھیجے گئے وہ گھبرائے ہوئے تھے فرمانے لگے غضب ہو گیا ہم سب ان کے گرد جمع ہو گئے اور دریافت کیا کہ خان صاحب کیا غضب ہو گیا؟ خان بہادر صاحب نے فرمایا کہ لاہور میں گولی چل رہی ہے اور میں وہیں سے سیدھا آ رہا ہوں میں نے لوگوں کو خون میں لت پت ہوتے اور سڑکوں پر دم توڑتے دیکھا ہے میں مسجد وزیر خان میں بھی ہو آیا ہوں خدا کے لئے بتایئے یہ کیا ہوا ہے کیوں ہوا ہے؟؟ اسے روکئے صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب نے بے ساختہ جواب دیا کہ خان بہادر صاحب حکومت نے عقل کو پابہ زنجیر کر کے جیل میں بند کر دیا اور جذبات کو کھلا چھوڑ دیا یہ سب کچھ جو آپ دیکھ کر آئے ہیں اس

حماقت کا نتیجہ ہے ہم یہاں بند ہیں اب ہم اس بے بسی کے عالم میں کیا کر سکتے ہیں تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے ہمارے ہوتے ہوئے کسی کی نکسیر بھی پھوٹی ؟ خان بہادر صاحب نے فرمایا کہ آپ کوئی بیان دیکر تحریک کو بند کر سکتے ہیں ہم نے ان سے عرض کیا کہ ہمارے بیانات جو جیل سے جائیں گے انہیں کون سنے گا اور کون اعتبار کرے گا۔ کیسی زبردستی ہے کہ ہمیں قید بھی کر رکھا ہے اور اپنی منشاء کے مطابق حماقت کرنے کے بعد ہم سے یہ توقع ہے کہ ہم لوگوں کو اندر بیٹھ کر سمجھائیں حکومت کو چاہئے کہ باہر بے گناہ لوگوں پر گولیاں چلانے کی بجائے یہاں آکر ہم کو توپوں سے اڑا دے تاکہ حکومت کا کلیجہ بھی ٹھنڈا ہو جائے۔ سر ظفر اللہ خاں بھی خوش ہو جائیں اور ہمیں بھی یہاں بے بسی کے عالم میں اپنے بھائیوں کی دکھ بھری خونی داستان سن کر آنسو نہ بہانے پڑیں۔ خان بہادر صاحب اپنا سا منہ لیکر واپس چلے گئے مگر ہمیں اندوہ و غم میں مبتلا کر گئے ہمارے ہاتھ ہر نماز میں بلکہ ہر وقت باہر والوں کے لئے دعا کے لئے اٹھتے ہم اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ باہر بربادی کا کھیل کھیلا جا رہا تھا اور ہم بے بسی میں گھل گھل رہے تھے۔ ہمیں مسلمان حکومت سے یہ توقع نہ تھی کہ ظلم تو شاید انگریز بھی نہ کرتا۔ اسے بھی خیال آ ہی جاتا کہ بہت بدنامی ہوگی مگر مسلم لیگ کی حکومت اپنے عوام کو لا الہ کا مطلب سمجھا رہی تھی۔ قیامت کے دن تھے۔ راتوں کو نیند نہ آتی تھی وقت گزر گیا مگر اس کے تصور سے آج بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

جیل کی مصیبت

بہت سے ساتھیوں میں ایک ساتھی بھی کیریکٹر کی پستی کا مظاہرہ کرے زندگی ویران ہو جاتی ہے بہادر کافر سے محبت کرتا ہوں مگر بزدل مسلمان سے مجھے سخت نفرت ہے اس لئے کہ اسلام بہادروں کا مذہب ہے مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس جامے کو کبھی بزدل بھی پہن لیتے ہیں۔ تو دنیا کو دھوکہ ہوتا ہے۔ گرفتار ہو کر آنے والا ایک ساتھی بزدل بھی تھا اور احمق بھی انتہا درجے کا تھا۔ اس نے پہلے تو عقیدے کا چولا بدلا پھر جب اسے معلوم ہوا کہ دوسری بیرکوں کے لوگ رہا کئے جا رہے ہیں تو اس نے ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہا مگر ہم سب سراپا محبت تھے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد کے شریک ہم پر تہمت لگانا بھی مشکل تھا۔ وہ لڑنے جھگڑنے کا موقعہ تلاش کر رہا تھا مگر جب اسے کوئی موقعہ میسر نہ آیا تو اسے معافی والی وارڈ میں پہنچنے کی بڑی اچھوتی ترکیب سوجھی ہم یہاں اے کلاس میں ہیں اور جو رضا کار باہر سے آ رہے ہیں وہ بی کلاس میں ہیں اگر آپ اس وارڈ سے بی کلاس وارڈ میں نہیں جا سکتے تو مجھے اجازت دیجئے کہ میں وہاں چلا جاؤں میرا ضمیر بوجھ محسوس کرتا ہے بی تو یہ ہے کہ اگر ہم اس دلچسپ اور عجیب و غریب ساتھی

کے حالات سے واقف نہ ہوتے تو اس ظالم نے ہمارا تو پتہ صاف کر دیا تھا۔ بڑا عجیب داؤ مارا۔ ہم نے اسے کہا کہ ایک وارڈ سے دوسرے وارڈ میں جانا قیدیوں کے اختیار کی بات نہیں ہے۔ سی کلاس تو یہاں بیٹھے بیٹھے بھی تبدیل کی جا سکتی ہے ہمارے اس جواب سے اس بیچارے کا بنا بنایا قلعہ مسمار ہو گیا اور خاموش ہو کر بیٹھ گیا مگر دو دن بعد اس نے ہم سے خواہ مخواہ الجھنا شروع کیا اور یہ کوشش کی کہ افسران جیل سے بالا بالا گفتگو کر کے باہر کھسک جائے تحفظ ختم نبوت کی ہوا اور اسکے اثرات جیل پہنچے تھے منشی صاحب بڑی خوبیوں کے نوجوان ہیں وہ بیگانوں کو اپنا بنانے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں افسران جیل کو منشی صاحب نے بہت جلد بے تکلف دوست بنا لیا تھا افسران نے منشی صاحب سے کہا کہ اپنے ساتھی کو سنبھالو یہ ناک رگڑنے پر آمادہ ہے۔ منشی صاحب نے افسران جیل کے سامنے حقیقت بیان کر دی کہ یہ شخص تو ریل جیل میں اندر چلا آیا ہے اور بدقسمتی سے ہمارے ساتھ منسلک ہو گیا ہے۔ خدا کے لئے اسے جس قدر جلد ہو سکے چلتا کرو یہ ایک مستقل لعنت ہے مگر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت بھی اس مرد عجیب و غریب سے دل لگی کر رہی تھی معافی نامے پر معافی نامہ چلا جا رہا ہے اور حکومت انہیں قائل کرتی جا رہی ہے۔ ہمیں اندر جو کوفت ہو رہی تھی وہ بتدریج کم ہو گئی اور ہم نے سمجھ لیا کہ خوبصورت مکان پر حکومت کی جانب سے کالی ہنڈیا لٹکا دی گئی ہے تاکہ مکان نظر بد سے بچا رہے تاہم یہ شخص ہم میں بالکل بیگانہ تھا۔

صبر و استقامت کا پہاڑ

حضرت مولانا ابوالحسنات پہلی بار جیل گئے تھے ہمارے لئے تو جیل نئی بات نہ تھی مگر حضرت مولانا ایسا نازک اور نفیس مزاج بزرگ جسے لوگ دیکھنے کو ترستے ہوں جن کے معتقدین کا ان کی دکان پر تانتا بندھا رہے جدھر آنکھ اٹھے لوگ عقیدت سے جھک جائیں پہلی بار پکڑے گئے تھے۔ اور سنگ آمد و سخت آمد کے مصداق قید بھی ایسی جس کی میعاد کی کچھ خبر نہیں اس پر ستم یہ کہ مولانا ابوالحسنات کا ایک ہی بیٹا جسے والدہ محبت بھری گود بھی بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئی۔ جسے حضرت مولانا نے بڑے ناز اور پیار سے خود ہی پالا پوسا ہو اس جان سے پیارے لخت جگر اور اکلوتے جوان بیٹے کا کچھ پتہ نہیں کہ شہید ہو گیا ہے پکڑا گیا تو کتنی قید ہوئی۔ مولانا موصوف کے علاوہ ہم سب نے سرگوشیوں سے مولانا کے صاحبزادے خلیل احمد کا تذکرہ کیا اور بار بار آپس میں باتیں کیں کہ اگر خلیل احمد شہید ہو گئے یا لمبی قید میں چلے گئے تو مولانا کا کیا حال ہو گا؟ بے چارے پہلی بار جیل آئے ان کی آزمائش بھی ایسی سخت ہوئی کہ جسے معمولی انسان برداشت نہ کر سکے۔ مگر ہم سب کو حیرت ہوئی کہ مولانا کی پیشانی پر بل تک نہ آیا

مولانا نے کبھی ذکر تک نہ کیا گھر سے کوئی اطلاع ابھی نہ آئی۔ کچھ معلوم نہیں کہ خلیل پر کیا گزری۔ خلیل زندہ بھی ہے یا نہیں مگر مولانا ابوالحسنات نہ گھبراتے ہیں نہ الگ بیٹھ کر آنسو بہاتے ہیں اور نہ ان کی زبان پر خلیل صاحب کا تذکرہ آتا ہے ہم سب اس صورتحال کو دیکھ کر حیران تھے حضرت امیر شریعت شاہ صاحب بخاری نے بارہا فرمایا کہ " اگر میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو خدا جانے میرا کیا حال ہوتا مگر بھئی مولانا ابوالحسنات صاحب تو بڑی کوہ وقار شخصیت ثابت ہوئے مولانا ہم میں بیٹھ کر خوش گپیاں اڑاتے یا الگ بیٹھ کر تسبیح و وظائف میں معروف رہتے۔ اللہ جسے حوصلہ دے اور صبر عطا کرے جیل خانہ فخر و غرور کا مقام نہیں یہاں بڑے بڑوں کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں۔ مولانا اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ جس کے نام پر آج تک روٹیاں توڑتے رہے اس کے نام کی لاج رکھنے کا وقت آیا تو اب گھبرانا کیا نمک حرامی تو نہ ہونا چاہئے۔ اللہ اللہ کس جرأت اور حوصلے کے علماء آج بھی موجود ہیں۔ ہم نے حضرت مولانا کو صبرو استقامت کا پہاڑ اور شرافت و خلق کا بہترین نمونہ پایا۔ مولانا موصوف بڑے ہی صاف دل انسان ہیں قریب ہونے سے آدمی کے جوہر کھلتے ہیں ورنہ دور رہ کر اکثر دھوکہ ہوتا ہے۔ ایک روز ہم سب نے مشورہ کیا کہ ہم مولانا کو خلیل صاحب کے بارے میں صاف صاف بتادیں کہ وہ آزمائش میں مبتلا ہے ابھی کوئی معتبر اطلاع نہیں ہے۔ خدا کرے کہ وہ زندہ ہو اس طرح کی گفتگو کر کے ہم مولانا کو حوصلہ دلائیں۔ کہ موت کا وقت تو مقرر ہے جسے مرنا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ وغیرہ وغیرہ ان خیالات کو لئے ہم مولانا صاحب کی کوٹھڑی میں جا دھمکے اور باتوں باتوں میں لاہور کا ذکر کیا پھر خلیل صاحب کا تذکرہ آیا۔ تو سوچی سمجھی سکیم کے مطابق ہم جب تسلی بخش الفاظ استعمال کر چکے تو مولانا موصوف نے نہایت آرام سے فرمایا کہ بھئی بات تو ٹھیک ہے خلیل میرا اکلوتا بیٹا ہے اور مجھے اس سے بے پناہ محبت ہے اس لئے کہ میں ہی اس کا باپ ہوں اور میں نے ہی ماں بن کر اسے پالا ہے۔ یوں بھی اولاد سے کسے محبت نہیں ہوتی مگر اس مقام پر صبر کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے پھر اس نیک کام میں اگر خلیل قربان بھی ہوتا ہے تو سعادت دارین ہے۔ وہ بھی تو ماؤں کے لخت جگر تھے جو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو میں شہید ہوئے ان میں خلیل بھی ہے تو میرے لئے فخر کی بات ہے اللہ ہماری حقیر قربانی کو قبول فرمائے۔ مولانا کا صبر اور بے نظیر حوصلہ و استقامت دیکھ کر ہمارے حوصلے دگنے ہو گئے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس روز کے بعد ہم سب مولانا کی اور زیادہ بے حد عزت کرنے لگے ہمارے دوسرے بزرگ اور رفیق تو بارہا جیلیں بھگتے ہوئے تھے۔ انہیں تو اس قید و بند کو خندہ پیشانی سے کاٹ ہی لینا تھا۔ مگر مولانا جن کی پہلی آزمائش تھی اگر گھبراتے یا پریشانی کا اظہار کرتے تو یہ فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ مولانا کے دل میں دوہرا جذبہ تھا وہ عالم دین بھی تھے

اور سید زادے بھی تھے آقائے نامدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مخلص عالم دین کے فرائض بھی سامنے تھے۔ اور یہ بات بھی تھی کہ ان کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو خطرے میں تھی یہ دہرا جذبہ کار فرما تھا کہ مولانا ابوالحسنات آخر دم تک صحیح مقام پر ڈٹے رہے اور ان کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی اللہ جسے توفیق دے۔

انتقام

لاہور میں کوئی چلی خون خراب ہوا جو نہ ہونا تھا وہ ہو چکا تو مرکز نے اپنی خفت مٹانے کے لئے ہم بے بس لوگوں کو نشانہ ستم بنانے کی ٹھان لی۔ ہمیں جیل میں ٹھونس کر مرکزی وزارت جس پر سر ظفر اللہ خاں چھائے ہوئے تھے۔ دانت پیسنے لگی وہ ہمیں زندہ دیکھنا نہ چاہتی تھی جو کوئی لاہور میں چلی اسے تشنہ سمجھا گیا اس لئے کہ ہم ابھی زندہ تھے۔ اور یہ ظالم محسوس کرتے تھے کہ اگر یہ لوگ بھی زندہ باہر آ گئے تو عوام کو خونی قاتلوں کی نشاندہی کریں گے۔ اس طرح زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ اس بارہ میں مرکز نے مشورہ کیا کہ مجلس عمل کے راہنماؤں کو ایسی موت مارا جائے کہ اپنے دامن پر داغ بھی نہ آئے اور قضیہ بھی پاک ہو جائے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ ہمیں ایک ایک کر کے سندھ کی دور افتادہ دیہاتی حوالاتوں میں بند کر دیا جائے۔ جب انسان کے دماغ میں انتقام کا جذبہ پیدا ہو جائے تو عقل و خرد انصاف اور خدا کے خوف کے خانے بند ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نظربندوں کو جیل ہی میں نظربند رکھا جا سکتا ہے انہیں پولیس کے تھانوں کی حوالاتوں میں بند کرنا قانون کی منشاء کے خلاف تھا۔ مگر صاحب جو کچھ لاہور میں ہوا۔ یہ کیا قانون اور حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا۔ یا صریح ظلم تھا؟ خود ہی حاکم خود ہی بازپرس کرنے والے تب کس کا کیا اور باقی تھا کہ قانون کی عظمت کا خیال رکھا جاتا۔ ہم بالکل بے خبر تھے۔ کراچی جیل میں ہم اکٹھے تھے اور سمجھتے تھے کہ نظربندی کا ایک ایک سال ہمیں اسی جیل میں گزارنا ہے' اس لئے صاحب سپرنٹنڈنٹ تشریف لائے تو ہم نے ان سے عرض کیا کہ ایک پاخانہ ناکافی ہے اور اس پاخانہ کی ساخت بھی نہایت نامعقول ہے اس میں پردہ نہیں ہے ہم مولوی لوگ اس بے پردہ پاخانے میں تکلیف اور دقت محسوس کرتے ہیں ایک پاخانہ اور بنا دیجئے بات معقول تھی صاحب مان گئے پاخانہ بن گیا۔ پاخانہ بن گیا دوسرے پاخانہ کو درست کیا جا رہا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کچھ پریشانی کے عالم میں تشریف لائے۔ اور مولانا بدایونی کو الگ لے گئے اور سرگوشیوں میں ان سے کچھ فرما کر واپس تشریف لے گئے مولانا بدایونی صاحب نے ہم سب کو بلا کر بتایا کہ لو بھئی ہم سب کا کھیل خراب ہونے والا ہے۔ حکومت بدلہ لینے پر اتر آئی ہے ہمیں سندھ کی دیہاتی حوالاتوں میں بند کیا جائے گا۔ اور قید تنہائی میں رکھا جائے

گا۔ ہم سے بدسلوکی بھی ہو گئی۔ ہم سب نے خبر کو کس قدر فکرمندی سے سنا۔ جیل میں اصل تکلیف ساتھیوں سے علیحدگی اور قید تنہائی ہوتی ہے۔ کھانے پینے کی کوئی بات نہیں بہرحال ہم متفکر ضرور ہوئے مگر جیل کی زندگی تو بے بسی کی زندگی ہوتی ہے صبر کے سوا کیا چارہ تھا۔
دوسرے دن سپرنٹنڈنٹ صاحب تشریف لائے۔ اور فرمانے لگے میں نے آپ کو اے کلاس دے رکھی تھی۔ اپنے اختیارات سے میں جانتا تھا کہ آپ حضرات معزز قیدی ہیں اور اے کلاس کے مستحق ہیں۔ مگر اب میرے یہ اختیارات ختم ہو رہے ہیں۔ آپ اپنی کلاس کے لئے درخواست کیجئے ہم سب نے انکار کیا تو وہ واپس چلے گئے۔ شام کو ہم نے میٹنگ کی اور دیہاتی جوانوں کے تذکرے کے بعد سوچنا شروع کیا۔ کہ اگر ہم کو الگ الگ کر دیا گیا تو اے کلاس ہی انتقامی کارروائی کے راستے میں رکاوٹ ہو سکتی ہے اس لئے درخواستیں حکومت کو بھیجنا ہی مناسب ہو گا حضرت امیر شریعت نے انکار کر دیا کہ مجھے کوئی درخواست نہیں کرنا ہے۔ اس حکومت نے ہمیں گرفتاری اس لئے کیا ہے کہ ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ تب آپ کلاسوں کے بارے میں کیوں درخواست کرتے ہیں اس بات کا فیصلہ دوسرے دن پر چھوڑ دیا گیا۔ تیسرے دن سپرنٹنڈنٹ صاحب پھر تشریف لائے جیل افسر قیدیوں کو بتایا نہیں کرتے۔ کہ ان کی تبدیلی ہو رہی ہے اس خبر کو راز میں رکھا جاتا ہے آخری دن بھی قیدی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ مگر سپرنٹنڈنٹ بھلا آدمی تھا۔ اس نے ہمیں قبل از وقت خبردار کیا اور یہ مشورہ بھی دیا کہ حکومت سے مصالحت کی بات کر لو تو اچھا ہے اس گفتگو میں کچھ تیزی بھی ہو گئی حکومت سے مصالحت کا لفظ سننا بھی ہم کو گوارہ نہ تھا۔ جس حکومت کی آستینوں سے بے گناہ مسلمانوں کا خون ٹپک رہا ہو ہم اس سے کس طرح مصالحانہ گفتگو کر سکتے تھے؟

ذلیل قسم کا انتقام

اب ہمارے لئے کراچی جیل ریلوے کے پلیٹ فارم کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہمارا حال ان مسافروں کا سا تھا۔ جو گاڑی کے انتظار میں بیٹھے ہوں ہم پر دو طرح کی اداسی تھی سب سے زیادہ لاہور میں گولی چلنے کا غم اور چند ساتھیوں کا ایک دوسرے سے جدا ہو جانا۔ ہم نے افسران جیل سے کرید کرید کر جاننا چاہا کہ ہمیں کدھر بھیجا جا رہا ہے۔ مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا جیل والے خود بھی نہیں جانتے تھے کہ کن قیدیوں کا ٹھکانا کہاں بننے والا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں شمسی صاحب بڑے جوڑ توڑ کے نوجوان ہیں۔ وہ برابر جستجو میں لگے رہے کہ حکومت ہم کو کہاں بھیج کر انتقام کی آگ بجھانا چاہتی ہے۔ مگر وہ بھی ناکام ہو گئے۔ البتہ یہ ہوا کہ شمسی

صاحب نے کراچی کے ایک ایسے رہنما سے نامہ پیام کیا جسے حکومت بہت اچھی نظروں سے دیکھتی تھی۔ حشمی صاحب نے یہ تو معلوم کر لیا کہ واقعی ہمیں الگ الگ تین چار ٹولیوں میں باہر بھیجا جا رہا ہے مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ کون کس کے ساتھ ہو گا حشمی صاحب اور میں ایک کوٹھری میں رہتے تھے وہ مجھ سے بہت مانوس تھے۔ اس لئے حشمی صاحب نے ایک ٹھوکر کھائی اور باہر کہلا بھیجا کہ اگر ہم کو باہر بھیجنا ہے اور دو دو تین تین کی ٹولیوں میں بھیجنا ہے تو مجھے ماسٹر صاحب کے ہمراہ رکھنے کی کوشش کیجئے یہی حشمی صاحب کی غلطی تھی۔ ستم حاکموں کو خبردار کرنا کہ کون کس کے ساتھ رہ کر خوش ہے۔ "آ بیل مجھے مار" کے مترادف تھا چنانچہ اس خواہش کا الٹا اثر ہوا۔

کراچی جیل سے روانگی

ایک روز ہم آپس میں گھل مل کر بیٹھے مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے اور وارڈ اور افسران جیل قطار اندر قطار تشریف لے آئے اور فرمایا کہ بستر باندھ لیجئے باہر لاریاں آ چکی ہیں پولیس گارد بھی آ گئی ہے۔ اب دیر نہ کیجئے ہم نے دریافت کیا کہ کیا ہم سب جو اس وارڈ میں موجود ہیں۔ سب کے سب جا رہے ہیں حکم ہوا تین آدمی یعنی مولانا عبدالحق' سید محمد میاں سجادہ نشین گنج بخش لاہور اور مولانا قاری عبدالرحمن صاحب رہیں گے باقی سب بستر باندھ لیں ہم نے جلدی جلدی بستر باندھے کھانے پینے کا سامان اپنے مشقتیوں کی جھولی میں ڈال دیا۔ اور تیار ہو کر نماز ظہر کے لئے کھڑے ہو گئے نماز سے فارغ ہو کر ہم اپنے تین ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے جنہیں ہم کراچی جیل میں چھوڑ کر آگے جا رہے تھے تینوں کی آنکھوں میں آنسو تھے ہم نے کلیجے پر پتھر رکھا۔ ان سے جدا ہوئے اور پھاٹک پر پہنچ گئے اس وقت تک کچھ معلوم نہ تھا کہ ہم کو تقدیر کدھر لے جا رہی ہے حشمی صاحب کو خیال تھا کہ وہ میرے ساتھ ہوں گے مگر یہی حشمی صاحب کی بھول تھی اور مجھے یقین تھا کہ حشمی صاحب کو اب میرے ہمراہ ہرگز نہ چھوڑا جائے گا۔ بلکہ اس سے الٹ ہو گا۔ چنانچہ ہماری روانگی کے وارنٹ پولیس افسر کے حوالے کر دیئے گئے پھاٹک کھلا تو ہم سب کو ایک ہی لاری میں سوار کرا دیا گیا جیل کے آفیسر شریف آفیسر تھے ہمیں پھاٹک تک چھوڑنے آئے۔ لاری نے کراچی سے واپسی کا سفر شروع کیا اب ہمارے لئے یہ دریافت کر لینا بہت آسان تھا کہ کون کدھر جا رہا ہے خیال تھا کہ ہر جیل ساتھی تھانے پر سوداگروں کے مال کی طرح ایک ایک کو یا دو دو نظربندوں کو اتار دیا جائے گا۔ اس طرح حکومت وقت تحریک ختم نبوت کے خادموں سے انتقام لے گی۔ مگر پولیس افسر نے بتایا کہ تین کے سوا باقی سب سکھر جیل میں بھیجے جا رہے ہیں مجھے فوراً خیال آیا کہ میرا نامہ اعمال بھی بڑا

ذرین ہے شاید مجھے اپنے دیرینہ رفقاء سے الگ کیا جائے گا۔ میرا خیال درست ثابت ہوا مجھے معلوم ہو گیا کہ میں (تاج الدین انصاری) حیدر آباد سنٹرل جیل میں رکھا جاؤں گا میرے ہمراہ مولانا لال حسین اختر اور نیاز لدھیانوی بھی حیدر آباد ہی میں رکھے جائیں گے باقی حضرات یعنی حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا ابوالحسنات۔ مولانا عبدالحامد بدایونی۔ سید مظفر علی شمسی۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ عبدالرحیم جوہر جہلمی۔ اور اللہ نواز صاحب مدیر حکومت ان سات حضرات کو سکھر لے جایا جائے گا میں لاری میں مولانا ابوالحسنات صاحب سے دور بیٹھا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ بھئی ماسٹر جی ادھر آ جاؤ اب تو ہم اکٹھے ہی رہیں گے میں اٹھ کر مولانا کے قریب جا بیٹھا۔ دو روز پہلے مجھے ہلکا ہلکا بخار بھی ہو گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ مولانا غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے ہمراہ سکھر جا رہا ہوں میں جانتا تھا کہ حضرت مولانا مجھ سے محبت فرماتے ہیں اب اگر میں ان سے یہ عرض کر دوں کہ میں آپ سے الگ کیا جا رہا ہوں تو مولانا کو صدمہ ہو گا مگر میں اس حقیقت کو کتنی دیر چھپا سکتا تھا۔ ادھر ادھر کی باتوں میں میں نے ان سے عرض کیا کہ ہمیں تو حیدر آباد سنٹرل میں بھیجا جا رہا ہے تو مولانا نے فرمایا کہ یہ تو بڑی گڑبڑ ہوئی کم بختوں نے جیل میں بھی اکٹھے رہنے نہیں دیا بڑے گھٹیا قسم کے لوگ ہیں بھلا اس سے کیا ہوتا ہے؟ تھوڑا سا صدمہ اور سہی۔ بہرحال لاری فراٹے بھرتی ہوئی حیدر آباد کی طرف جا رہی تھی اور ہم آپس میں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ اور حسرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ بھی رہے تھے۔ عصر کی نماز کے لئے ایک پتھریلے میدان میں لاری کھڑی ہوئی پاس ہی پانی موجود تھا۔ نماز ادا کی چل پڑے نماز مغرب بھی راستے ہی میں ادا کرنا پڑی۔ "لہ لہ

"میں کچھ دیر کے لئے ٹھہرنے کی مہلت ملی پولیس افسر نے دکاندار کو چائے بنانے کا حکم دیا اور اس کا بل بھی اپنے پاس سے ادا کیا یہ ادائیگی اس سفر خرچ کی رقم سے تھی جو پولیس افسر کی تحویل میں تھا۔ تاہم افسر مذکور بہت خلیق اور اچھے مسلمان تھے۔ اور ہم سے محبت کا سلوک کر رہے تھے۔ یہی افسر کراچی تک ان لاریوں پر ڈیوٹی دیتے رہے جو کراچی کے رضا کاروں کو لاری میں بھر بھر کر دور دراز سنسان علاقوں میں چھوڑ آتے تھے۔ اس افسر پر تحریک میں شامل ہونے والے دس بارہ سال کی عمر کے ایک بچے کے پاکیزہ جذبات کا بڑا گہرا اثر تھا اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے پولیس افسر نے بتایا کہ جب ہم رضا کاروں کو آٹھ دس میل کے فاصلہ پر اتار رہے تھے تو ان میں ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا وہ آخر دم تک ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا۔ جب رضا کاروں کو اتار کر لاری واپس ہونے لگی تو افسر مذکور جو خود بھی صاحب اولاد تھے نے بچے کی طرف دیکھا کہنے لگا آؤ بیٹا تم لاری میں سوار ہو جاؤ بچے نے جواب دیا وہ کیوں؟ افسر نے کہا کہ تم بچے ہو اتنا لمبا سفر بھوک پیاس میں کیسے کر سکو گے تھک جاؤ گے تو ہم تمہیں شہر

میں اتار دیں گے بچے نے بڑی جرأت سے جواب دیا کہ ہمارے ساتھی بھی تو اتنا لمبا سفر کسی طرح طے کریں گے میں تو قید ہونے کے لئے آیا تھا۔ میری اماں نے مجھے اجازت دی کہ جاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر مسلمان قربان ہو رہے ہیں تم بھی جاؤ میں تو اماں کی اجازت سے آیا ہوں مگر تم ہمیں قید ہونے نہیں دیتے اور شہر سے باہر چھوڑ کر جا رہے ہو بچے نے بات ختم کرتے ہی پھر نعرہ لگایا" تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد" پولیس افسر نے لاری ڈرائیور کو کہا چلو بھی یہ بچہ نہیں مانتا ابھی لاری چالیس پچاس گز چلی ہو گی کہ پولیس افسر کو پھر خیال آیا کہ معصوم بچہ اتنا طویل سفر کیسے کر سکے گا۔ انسانی ہمدردی' اسلامی ہمدردی' یا پدرانہ شفقت کے جذبات نے پھر مجبور کیا پولیس افسر نے لاری رکوا دی اور پیدل واپس آ کر بچے سے پھر کہا آؤ بیٹا ضد نہیں کیا کرتے ساتھی رضاکاروں نے بھی بچے کو سمجھایا کہ بیٹا تم واپس چلے جاؤ ہم تو تمہیں شہر ہی میں منع کرتے تھے۔ مگر تم اچھل کر لاری میں سوار ہو گئے تھے۔ اب تم واپس چلے جاؤ بچہ بگڑ کر پھر بولا صاحب آپ زیادہ ایمان دار ہیں اور مجھے آپ کمزور سمجھتے ہیں بہر حال وہ بچہ نہیں مانا۔ اس واقعہ کا پولیس افسر کے دل پر اب تک اثر موجود تھا۔

دن کی روشنی رات کی آغوش میں گم ہو گئی۔ اور ہم عشاء کے وقت حیدر آباد جیل کے قریب پہنچے تو پولیس افسر نے کہا کہ میں بلا وجہ آپ کو تکلیف نہ ہونے دونگا فرض کی ادائگی میں کوتاہی نہ کرونگا۔ رات کے وقت جیل میں آپ کو کون کھانا دے گا۔ میں آپ کو جیل کے باہر محفوظ جگہ پر بٹھا کر کھانا کھلاتا ہوں اور پھر جیل کے حکام سے بات کرتا ہوں۔ راستے میں صاحبزادہ صاحب کی طبیعت خراب ہوئی۔ انہیں لاری ہی میں قے ہوئی۔ باہر نکلے تو ہلکا سا بخار بھی ہو گیا۔ پولیس افسر نے بازار سے کھانا منگوایا پھر جیل افسران سے بات کی ڈاکٹر کو بلوایا تاکہ صاحبزادہ صاحب کے لئے دوائی کا بندوبست کریں ہم جیل کی بیرکوں کے سامنے کھلے میدان میں نماز سے فارغ ہوئے۔ تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مریض رات کے وقت سفر کے قابل نہیں ہے۔ ان کو ہسپتال میں ٹھہرنا ہو گا۔ یا جیل کی کوٹھڑی میں صبح کو مریض سفر کے قابل ہو جائے گا۔ پولیس افسر نے کہا میں ایک کو چھوڑ کر باقیوں کو نہیں لیجا سکتا۔ باقی نظر بندوں کو بھی جیل ہی میں ٹھہرائیے تاکہ صبح سب کو اپنے ہمراہ لے جا کر سکھر جیل میں چھوڑ کر آؤں۔ تینوں (یعنی ماسٹر تاج الدین' مولانا لال حسین اختر اور نیاز لدھیانوی) حیدر آباد جیل میں ٹھہریں گے۔ فیصلہ ہوا کہ ہم سب کو حیدر آباد جیل میں رات گزارنا ہو گی میں خوش ہوا کہ ایک رات اور اکٹھے رہنے کا موقع میسر آ گیا۔

چنانچہ رات کے تقریباً دس بجے ہم سب حیدر آباد سنٹرل جیل میں داخل ہو گئے۔ میری (ماسٹر تاج الدین) صحت تین چار روز پہلے سے خراب تھی سفر نے اور زیادہ مضمحل کر دیا۔

جوں ہی ہمیں ایک وارڈ میں پہنچایا گیا وارڈر چابیاں لے کر آگیا اور ہمیں کوٹھریوں میں بند کر کے تالے ڈال دیئے گئے۔ جاگتے سوتے رات کٹ گئی۔ صبح ہوئی کوٹھریاں کھلیں تو حکم ہوا کہ سکھر جانے والے آٹھ نظربند اپنا اسباب سنبھال لیں۔ باہر پولیس کی لاری آگئی ہے جلدی جلدی وضو کیا نماز ادا کی۔ اور ہماری عارضی جدائی کا تکلیف دہ وقت قریب آگیا۔ ہم سب بناوٹی مسکراہٹیں تلاش کرنے کی کوشش میں تھے۔ مگر جب دل پژمردہ ہوں تو بناوٹ سے بھی کام نہیں چلتا۔ ہم سب ایک دوسرے کی کیفیت دل کی کن انکھیوں سے بھانپ رہے تھے مولانا ابوالحسنات اور دیگر حضرات ہم سے بغل گیر ہوئے۔ شمسی صاحب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جسے وہ پی نہ سکے۔ آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے شمسی صاحب کے رخساروں پر ڈھلکنے لگے۔ بہرحال اسے صدمہ تھا کہ وہ زیادہ ساتھیوں کے ہمراہ جا رہا تھا میں (تاج الدین) نے شمسی صاحب کو تسلی دی وہ مولانا لال حسین اختر اور نیاز صاحب سے بغل گیر ہوتے رہے کہ ٹھنڈا سانس لیکر حضرت شاہ صاحب بھی اپنی جگہ سے اٹھے مگر نہایت ہی غمگین حضرت صاحب ہمارے بہادر سردار ہمارے مدتوں کے رفیق اور غم گسار جوں ہی وہ میرے قریب آئے میں نے محسوس کیا کہ یا تو میرے پاؤں ڈگمگا رہے ہیں یا حضرت شاہ صاحب کے ایسے موقع پر شاہ صاحب بڑے حوصلے اور بردباری سے کام لیکر خود کو سنبھال لیا کرتے ہیں چنانچہ میرے قریب آنے سے پہلے فرمانے لگے۔ اوہو! تمہارے لئے دو ایک پان تو لگا دوں پریشانی میں یہ ضروری کام بھی بھول گیا دیکھا شاہ صاحب نے خود کو کیسے سنبھالا اور مجھے کتنا خوبصورت سہارا دیا وہ پان بھی لگا رہے تھے اور کچھ فرماتے بھی جاتے تھے۔ غرضیکہ میں نے پان وصول کرتے ہی معانقہ کیا فی امان اللہ فی امان اللہ کی صدا بلند ہوئی اور ہمارا کارواں دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ جب ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا اور یہ سب حضرات حیدر آباد سنٹرل جیل سے باہر جانے لگے تو ہمیں ایسے محسوس ہوا جیسے دل پر آرے چلتے ہوں۔ اسی کا نام تو جیل ہے اسی مجبوری اور بے بسی کو قید کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مجھے اس روز بخار تو تھا ہی اختلاج کا ہلکا سا دورہ بھی پڑا۔ میں نے اپنے دونوں رفیقوں سے کہا آپ حضرات میرے ہمراہ میری کوٹھڑی میں رات کے وقت بند ہونے پر رضامند ہوں تو میں جیل افسران سے ایک جگہ بند ہونے کے لئے کہوں میرے ہمدرد اور شریف ساتھی بخوشی راضی ہو گئے۔ رات کے وقت مجھے تکلیف بڑھ گئی نیاز صاحب میرے ہاتھ پاؤں دباتے رہے مگر مجھے نیند نہ آئی نیاز لدھیانوی میرا ہم وطن ہونے کے علاوہ میرا پیر بھائی بھی ہے وہ میری خدمت کرتا رہا۔ مولانا لال حسین اختر بار بار کہتے تھے کہ میں بھی ہاتھ یا پاؤں دباؤں مگر میں نے ہر بار انکار کیا۔ میرے دل میں مولانا لال حسین اختر کا بڑا احترام ہے وہ عالم دین ہونے کے علاوہ زبردست مناظر ہیں میرے ایسے گنہگار انسان کے لئے یہ کس طرح مناسب تھا کہ میں

مولانا کو اسکی خدمت کی اجازت رہتا۔ نیاز سو گیا میں جاگتا رہا یوں توں کر کے رات گزر گئی صبح ہوئی تو اسی احاطے کے بی کلاس قیدیوں نے ہمیں چائے کی دعوت دی دو لیڈر اس احاطے میں قید کاٹ رہے تھے کچھ دیر چائے کے بعد ان سے گپ شپ ہوتی رہی تیسرے دن اس احاطہ کا پہرہ سخت ہو گیا نہ کسی کو باہر جانے کی اجازت تھی اور نہ کوئی بیرکوں میں گھوم پھر سکتا تھا۔ ایک وارڈر اندر تعینات ہو گیا اور دوسرا دروازہ پر پہرہ دینے لگا۔ نمبرداروں کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی۔ بی کلاس کے دوسرے قیدی گھبرا گئے۔ اور اس اچانک تبدیلی پر متفکر ہوئے۔ ان کی آزادی میں بھی خلل پڑ گیا ہم سے مل کر وہ جتنا خوش ہوئے تھے اس قدر پریشان بھی ہوئے۔ اخیر کسی نمبردار نے بتایا کہ مجھے جو تین نظربند مولوی اس احاطے میں آئے ہیں انھیں بہت خطرناک تصور کیا جاتا ہے ان کو سب سے الگ رکھا جائے گا۔ ان پر نمبردار پہرہ بھی علیحدہ لگا دیا گیا ہے اسے ہدایت ہے کہ یہ کسی سے ملنے نہ پائیں ہم اس صورت حال سے واقف ہونے کے بعد خود ہی محتاط ہو گئے اپنی کوٹھری سے پرے جانے کی ہمیں ضرورت بھی کیا تھی دو تین دن بعد ہمارا نمبردار خبر لایا کہ ہمارے لئے ایک خاص احاطے میں بندوبست ہو رہا ہے ہمیں وہاں منتقل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ شام کے وقت وارڈر نے آ کر اطلاع دی کہ اسباب اکٹھا کر لیجئے۔ آپ کو دوسری وارڈ میں جانا ہے چنانچہ ہمیں جیل کی ڈیوڑھی کے متصل وارڈ کے ملحقہ احاطے میں لے جایا گیا۔ یہاں بہت بڑا احاطہ تھا جس کے ایک کونہ پر دو کوٹھریاں تھیں ان کوٹھریوں کی پشت پر ایک غسل خانہ اور ایک پاخانہ بنا ہوا تھا یہاں عام طور پر ۳۰۲ کی ملزم عورتوں کو رکھا جاتا تھا۔ آڑے وقت میں مرد بھی کوٹھریوں میں بند کر دیئے جاتے تھے بہرحال ہم اس نئے گھر میں آباد ہو گئے۔ یہاں آنے سے پیشتر ہمیں معلوم ہوا کہ اسلامی ملک کی خالص مسلمان سرکار نے ہمیں بی یا اے کلاس کی بجائے سی کلاس میں رکھنے کا حکم صادر فرمایا ہے قہر درویش برجان درویش میں اور نیاز ایک کوٹھری میں بند ہو گئے اور مولانا لال حسین اختر ساتھ والی کوٹھری میں ڈیرہ جما کر بیٹھ گئے' سابق صوبہ سندھ (یہ تحریر ون یونٹ کے زمانہ کی ہے) میں نظربندوں کو خواہ وہ اعلیٰ کلاس میں ہوں یا ادنیٰ میں' پلنگ ضرور ملتا ہے ہمیں بھی تین پلنگ مل گئے۔ گویا ہم عام قیدیوں کا کھانا کھا کر پلنگ پر لیٹنے کے حق دار تھے۔ میری صحت گرنا شروع ہوئی ڈاکٹر بیچارا آتا اور دیکھ کر چلا جاتا ہم تین نظربندوں پر سات پہرہ دار تھے تین دن کے لئے تین رات کے لئے اور ان پر ایک جمعدار رکھا تھا اس علاقے میں گیہوں کی بجائے سی کلاس کے قیدیوں کو چاول کی روٹی ملتی ہے سالن بھی ماشاء اللہ قابل دید سالن ہوتا ہے چاول کی روٹی کو سیدھا کھڑا کر کے آپ اس پر اگر چھوٹے بچے کو کھڑا کر دیں تو ان کی خم نہیں کھاتی مغرور افسر کی گردن معلوم ہوتی ہے۔ میرے دانتوں میں تکلیف ہو گئی۔ مجھ سے یہ روٹی توڑی نہ جاتی تھی

تھوڑی بہت زہر مار کر لیا کرتا تھا۔ بھوک کو سہارا دینے کے لئے دال پی لیا کرتا تھا۔ یا سبزی کو دھو کر کھا لیتا تھا۔ دھوئے بغیر اس سبزی کا کھانا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ صحت اور زیادہ گر گئی۔ میرے رفیقوں نے اس صورت حال پر تشویش کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر نے میرے لئے دودھ لگا دیا مجھے دودھ پینے کی عادت نہ تھی میں چائے اور پان کا عادی تھا۔ مگر یہاں آکر مزاج درست ہو گئے اور میں سب کچھ بھول گیا۔ یوں بھی اللہ کا مجھ پر کرم ہے۔ طبیعت پر قابو ہے طبیعت میں محتاجی نہیں۔ وقت گزرتا گیا۔ حکومت کی بدسلوکی نے ارادے میں اور پختگی پیدا کر دی۔ برطانوی دور میں بارہا قید کاٹی ہے مگر ہم سے یہ سلوک اس نے بھی نہیں کیا قانون کے مطابق کڑا ضابطے کے مطابق سزا دیگر شریفوں کی طرح برتاؤ کیا۔ مگر صاحب کافر اور آج کے مسلمانوں میں فرق تو ہونا چاہئے چنانچہ یہ فرق ہم نے محسوس کر لیا اور بہت اچھی طرح محسوس کر لیا کہ یہ لوگ (لیگی) جو اسلام اسلام پکارتے ہیں ان کا اسلام سے کتنا تعلق ہے۔

بھوپت ڈاکو

ایک روز صبح سویرے جب ہمارے پہرہ دار بدل گئے اور نئے وارڈر آئے تو تھوڑی باہر اجنبی آوازیں سنائی دیں میں فارغ ہو کر باہر آیا۔ تو دیکھا کہ ایک داڑھی والا نوجوان حوالاتی دو سپاہیوں کے ہمراہ میری کوٹھڑی کے باہر کھڑا ہے۔ نیاز اور مولانا کچھ فاصلے پر کھڑے ہیں۔ میں نے اس نوجوان کو دیکھا تو مجھے ایسے معلوم ہوا کہ کہیں اسے میں نے ایک آدھ دفعہ دیکھا ہے۔ مگر حافظے نے کچھ کام نہ دیا۔ جیل کے سپاہی اس نوجوان کو ڈیوڑھی سے لائے تھے ہمارے وارڈ میں اسے رفع حاجت کے لئے اور منہ ہاتھ دھونے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وہ فارغ ہو کر واپس جانے لگا تو میں نے اپنے رفیقوں سے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے وہ بھی میری طرح گومگو کی حالت میں تھے۔ جب وہ واپس جا رہا تھا۔ تو ہم نے پہرہ داروں سے پوچھا کہ بھئی یہ شخص کون ہے ایک نے کہا مودودی صاحب ڈیوڑھی پر لوگ کہتے تھے کہ یہ بہت مشہور ڈاکو ہے۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ بھوپت ہے ابھی وہ ہم سے زیادہ دور نہ گیا تھا میں نے بے تکلفی سے اس کی جانب دیکھ کر کہا ارے بھئی ذکر کہیں آ جاؤ۔ وہ مسکرا کر سپاہیوں کے ہمراہ چلا گیا کچھ دن پہلے بھوپت ڈاکو کی فوٹو ڈان میں چھپی تھی اور اس کی گرفتاری کا بھی ذکر تھا۔ بہرحال وہ چلا گیا اور شام کو معلوم ہوا کہ اسے جیل کے درمیانی حصے میں نہایت احتیاط اور زبردست پہرے میں رکھا گیا ہے حیدر آباد سنٹرل جیل ان دنوں خطرناک لوگوں کا سنٹر تھا۔ یعنی اس جیل میں ہم سے کچھ فاصلے پر ایک بیرک میں فوجی جرنیل بھی بند تھے۔ راولپنڈی سازش کیس کے تمام ملزم اسی جیل میں تھے ان پر بھی بہت کڑا پہرا تھا۔

انسپکٹر جیل کی تشریف آوری

جیل میں ڈپٹی کمشنر یا سیشن جج آجائے تو جیل والے اٹینشن ہو جاتے ہیں مگر جب انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات دورے پر تشریف لائیں۔ تو قیدیوں نمبرداروں وارڈروں اور افسران جیل میں اچھی خاصی بھاگڑ مچ جاتی ہے۔ قیدی خوش ہوتے ہیں کہ اب قید میں رعایت اور رہائی ملے گی البتہ جیل والوں کو مصیبت کا سامنا ہوتا ہے باورچی خانے سے لے کر پاخانے کی صفائی کا اہتمام ہوتا ہے۔ نمبرداروں اور قیدیوں کو اچھے کپڑے پہنائے جاتے ہیں وارڈر اپنی وردیاں اور پیٹیاں چمکا لیتے ہیں افسران سہمے سہمے نظر آتے ہیں البتہ سیاسی قیدی بے نیاز ہوتے ہیں کوئی آئے کوئی جائے انہیں اپنا وقت گزارنا ہوتا ہے شور ہوا کہ صاحب "ماڑی" پر تشریف لے آئے سندھ میں ڈیوڑھی کو ماڑی کہتے ہیں۔ اندر آ کر وہ وارڈوں میں تشریف لے گئے۔ ہمیں چونکہ الگ تھلگ رکھا ہوا تھا ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ انسپکٹر جنرل صاحب تشریف لے آئے ہیں اچانک جب وہ ہماری وارڈ کے دروازے پر آ گئے تو ہمیں معلوم ہوا کہ کوئی بڑا افسر گشت کے لئے آیا ہے زنانہ وارڈ اور ہمارے وارڈ کا باہر والا دروازہ ایک ہی تھا۔ اندر دو دروازے الگ الگ تھے۔ اور دونوں کا صحن بھی الگ الگ تھا۔ صاحب زنانہ وارڈ میں تشریف لے گئے پھر ہمارے ہاں کا دروازہ کھلا۔ تو ایک سادہ مزاج نہایت شریف انسان بغیر کسی کروفر کے ہماری طرف بڑھا اور نہایت خندہ پیشانی سے کہا السلام علیکم۔ مولوی صاحبان کیسے مزاج ہیں ہم نے ابتدا میں یہ سمجھا کہ کوئی معزز جیل وزیٹر ہے مگر جب جیل افسران کی قطار کو ان کے پیچھے کچھ فاصلہ پر مودب کھڑے دیکھا تو ہم نے سمجھا کہ یہی انسپکٹر جنرل صاحب ہیں وہ ہم سے بار بار دریافت کرتے رہے کہ آپ کو کوئی تکلیف ہو تو بتایئے ہم سب نے یہی جواب دیا کہ ہم بہت اچھے ہیں ہمیں کوئی تکلیف نہیں مگر وہ اصرار کرتے رہے کہ کوئی تکلیف ہو تو فرمایئے میں ہر جائز امداد کروں گا ہم نے اس جیل میں پہلے دن یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ کوئی درخواست نہیں کرنا اور نہ کسی چیز کے لئے ہاتھ پھیلانا ہے۔ صبر اور شکر سے اللہ کے بھروسے وقت گزار دینا ہے۔ جب ہم نے کوئی درخواست یا آرزو پیش نہ کی تو وہ کچھ دیر خاموش کھڑے رہے پھر احاطے میں گھوم پھر کر ہماری کوٹھڑیوں کے گردوپیش کو دیکھتے رہے جب وہ پاخانے کی طرف گئے تو سپرنٹنڈنٹ کو آواز دی۔ اللہ بخش یہ پاخانہ بے پردہ ہے۔ یہ مولوی صاحبان ہیں تمہیں خود دیکھنا چاہیے تھا کہ یہ ان لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہے کل اسے درست کراؤ ہم پھر آ کر دیکھیں گے پھر ہماری جانب متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ کھانا وغیرہ ٹھیک ہے۔ کوئی شکایت تو نہیں ہم نے پھر وہی جواب دیا کہ اللہ کا شکر ہے ہمیں کوئی شکایت نہیں صاحب نے بار بار ہماری طرف دیکھا وہ

چاہتے تھے کہ ہم کوئی جائز مطالبہ کریں تو وہ اسے فوراً پورا کرا دیں بہر حال وہ واپس ہونے لگے تو ہم انہیں الوداع کہنے کے لئے آگے بڑھے وہ چار قدم چلے تھے کہ وہ نہایت اخلاق سے فرمانے لگے اچھا مولوی صاحبان آپ تشریف رکھیں میں جا رہا ہوں آپ نے تو خدمت کا کوئی موقعہ ہی نہیں دیا ہم نے ان کی بلند اخلاقی کی تعریف اور شکریہ ادا کیا۔ اور اپنی کوٹھریوں کے سامنے کھڑے ہو کر صاحب کی خوش اخلاقی اور شریفانہ گفتگو کی تعریف کرتے رہے نہ ہم نے ان سے کچھ لیا اور نہ وہ ہمیں کچھ دے گئے مگر محض اخلاق اور ہمدردانہ گفتگو سے وہ ہمیں اپنی تعریف کے لئے مجبور کر گئے۔

خواجہ ناظم الدین کی برطرفی

صبح نماز کے بعد ہم تینوں نہانے کے عادی تھے جس روز مولانا لال حسین اختر سب سے پہلے غسل خانہ میں داخل ہو جائیں تو مجھے اور نیازؔ کو تقریباً ایک گھنٹہ غسل خانہ کے باہر خزانے کے پہرہ دار کی طرح انتظار میں ٹہلنا پڑتا تھا۔ مولانا موصوف انتہا سے زیادہ صفائی پسند ہیں مولانا غسل خانے میں داخل ہو کر چٹخنی لگا لیتے تھے تو سب سے پہلے وہ ٹینکی کی ٹونٹی دھوتے تھے پھر فرش دھوتے تھے اس کے بعد پھر لوٹا دھونے کا نمبر آتا تھا پھر صابن کو بھی دھو لیتے تھے۔ تب کہیں مولانا صاحب جسم مبارک کو دھوتے اور خوب دھوتے تھے۔ نہانے کے بعد اگر انہیں خیال ہو جائے کہ کوئی غلط چھینٹ پڑ گئی ہے تو غسل از سر نو ہوتا تھا ہم دونوں کی کوشش ہوتی تھی کہ ہم مولانا سے پیشتر ہی دس پندرہ منٹ میں فارغ ہو جائیں اس کے بعد مولانا لال حسین اختر کو کھلی چھٹی دے دیں مولانا کے گلاس کو اگر آپ باوضو بھی ہاتھ لگا دیں وہ تب بھی گلاس کو باقاعدہ "مانجیں" گے غرضیکہ اس بارہ میں وہ خطرناک حد تک محتاط ہیں۔ میں غسلخانہ میں تھا کہ باہر انہوں نے شور مچایا کہ جلدی باہر آؤ ایک تازہ خبر ہے بڑی اہم خبر ہے میں نے جلدی جلدی پانچ لوٹے جسم پر انڈیلے اور غسلخانے سے باہر آ گیا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ خواجہ ناظم الدین صاحب تخت وزارت سے لڑھک گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخر وہی ہوا جو ہم آخری ملاقات میں خواجہ سے کہہ آئے تھے۔ گورنر جنرل نے ایک ہی جھٹکے میں خواجہ کا پتہ کاٹ کر رکھ دیا۔ اور معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب کی گدی پر بٹھانے کے لئے امریکہ سے کسی محمد علی کو بلا لیا ہے اب وہ ہمارے وزیر اعظم بن گئے ہیں۔ ہمیں خواجہ صاحب کی علیحدگی سے کوئی خوشی نہیں ہوئی بلکہ افسوس ہوا کہ ایک نیک انسان محض بزدلی کی وجہ سے گمنامی کے گڑھے میں گر گئے۔ اور خواہ مخواہ اپنے دامن پر شہیدوں کے خون کا داغ سمیٹ کر لے گیا۔

انسپکٹر جنرل کی دوبارہ تشریف آوری

پندرہ بیس روز کے بعد انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات جناب زیڈ اے احمد صاحب دوبارہ تشریف لائے اب وہ ہمارے جانے پہچانے تھے اور ہم بھی ان کے لئے نئے نہ تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ صبر سے کام لینا اور کچھ نہ کہنا فیصلہ یہ ہوا کہ صرف میں ان سے بات کروں گا۔ علیک سلیک کے بعد وہ فرمانے لگے میں آپ کے کمرے تو دیکھوں ہم تھے تو سی کلاس کے قیدی مگر ہمارے بستر بہت صاف ستھرے ان پر پلنگ پوش بھی موجود تھے کمرے میں صفائی رکھنے کا ہم تینوں کو بہت خیال رہتا تھا جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے فرمانے لگے ماشاء اللہ خوب صفائی ہے مگر کرسیاں کہاں ہیں میں نے عرض کیا کہ کرسیاں کیسی؟ انہوں نے مجھے خطاب کرنے کی بجائے دور کھڑے ہوئے سپرنٹنڈنٹ جیل کو آواز دی اللہ بخش ادھر آؤ۔ مولوی صاحبان کے لئے کرسیاں میز کہاں ہیں یہ غفلت کیوں ابھی منگواؤ ہم یہاں کھڑے ہیں یہ فرما کر وہ تشریف لائے پاخانے کی طرف گئے اسے درست دیکھ کر کچھ مطمئن ہوئے ہم نے ایک چار پائی باہر نکال کر کہا جرنیل صاحب چارپائی پر تشریف رکھیں وہ فرمانے لگے کوئی حرج نہیں آیئے کچھ باتیں کر لیں۔ دن بھر آپ کا کیا شغل ہے ہم نے عرض کیا معمول کے مطابق نماز اور تسبیح کے علاوہ یہاں اور شغل بھی کیا ہے۔ اللہ اللہ کرتے ہیں گناہوں کی معافی چاہتے ہیں ہمیں اب اور کرنا بھی کیا ہے۔ فرمانے لگے صحت قائم رکھنے کے لئے کوئی ورزش چاہئے میں نے کہا یہ آپ کے بس کی بات ہے ہم تو نظربند ہیں وہ کچھ سوچ کر فرمانے لگے آپ کو شام کے وقت دوسری بیرک میں بھیجنا بھی مناسب نہیں دوسروں کو آپ کے پاس بھی نہیں لایا جا سکتا۔ تب کیا ہونا چاہئے؟ کچھ ہونا تو چاہئے فیصلہ ہوا کہ احاطے میں باغبانی کی جائے مشقتیوں کو حکم ہوا کہ وہ پتھریلی زمین کو کھود کر اس میں نئی مٹی ڈلوا دیں جس میں چمن بنا لیا جائے۔ اور ضرورت کے مطابق سبزی ترکاری اگائی جائے۔ یہ کام ہماری منشاء کے مطابق تھا اتنے میں ایک میز اور تین کرسیاں تین ڈولیاں آ گئیں۔ جرنیل صاحب اس مغالطے میں تھے کہ ہم بی کلاس کے نظربند ہیں نہ تو سپرنٹنڈنٹ کو حوصلہ ہوا کہ وہ صاحب سے کہتا کہ حضور یہ تو سی کلاس کے لوگ ہیں۔ انہیں کرسیاں اور میز کیسے دی جائیں۔ اور نہ ہمیں تکلف میں یہ کہنے کی جرات ہوئی کہ آپ جن نظربندوں پر شفقت فرما رہے ہیں وہ حکومت کی نگاہ میں تھرڈ کلاس سمجھے گئے ہیں۔

گفتگو

جرنیل صاحب ہمارے ساتھ ٹہلتے ہوئے فرمانے لگے کیوں مولوی صاحب وزارتوں کا انفاخ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے میں نے عرض کیا آپ بڑے آدمیوں کے بارے میں ہم سے زیادہ جانتے ہیں اندر بیٹھے ہمیں کیا معلوم باہر کیا ہو رہا ہے۔ ڈان پڑھ کر کچھ معلوم ہو جاتا

ہے وہ بھی اخباری بات ہوتی ہے۔ اندر خانے خدا جانے کیا ہوتا ہے جرنیل صاحب بار بار یہ
ارشاد فرماتے تھے کہ ہمارے مرکز میں کیا ہو رہا ہے۔ جب جرنیل صاحب نے زیادہ اصرار کیا تو
میں نے عرض کیا کہ حضور والا میں نے جو سمجھا ہے وہ موٹی سی بات ہے مرکزی سیاست کی
باریکیوں کو تو میرے ایسا سی کلاس کا قیدی کیا سمجھے گا۔ مجھے اس اکھاڑے کا نقشہ اس طرح سمجھ
میں آتا ہے جیسے ساون کا جھولا ڈالا ہوا ہو اور اسے انہوں نے گھیرے میں لے رکھا ہو ایک
جھولا جھولتی ہے باقی مل کر ملہار گاتی ہیں تھوڑی دیر بعد جب خیال آتا ہے کہ جھولنے والی تو
مزے میں رہی ہماری باری کب آئیگی اس خیال کے آتے ہی گانے والیاں آگے بڑھ کر ٹانگ
پکڑ لیتی ہیں اور جھولی کو کھینچ کر پرے پھینک دیتی ہیں یہ سلسلہ اس طرح جاری رہے گا۔ جب
تک ان سب کی باری ختم نہ ہو جائے یا برسات کا موسم ختم نہ ہو جائے۔ میری بات سن کر
جرنیل صاحب بہت دیر تک ہنستے رہے غرضیکہ وہ بے تکلف ہو گئے کوئی آدھ گھنٹہ بعد جب وہ
واپس جانے لگے تو ہم اٹھا کر دو چار قدم ساتھ ہوئے جرنیل صاحب نے پھر فرمایا۔ کہ آپ نہ
کچھ کہتے ہیں اور نہ ہمیں خدمت کا موقعہ دیتے ہیں مولانا لال حسین اختر سے رہا نہ گیا۔ وہ بول
اٹھے اور فرمایا کہ صاحب ہمیں ایک تکلیف ہے؟ مولانا نے جب اتنا کہا تو میرے جسم میں جھر
جھری سی ہوئی۔ دماغ چکرا گیا کہ یہ بھی سب سے زیادہ سمجھدار ساتھی نے لٹیا ہی ڈبو دی۔ مگر
میں کیا کر سکتا تھا۔ جرنیل صاحب نے فوراً مولانا لال حسین اختر صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ
کر دریافت کیا فرمایئے۔ مولانا جلد فرمایئے مولانا نے کہا کہ آپ ہم دونوں سے جو دل چاہے
سلوک کریں مگر ماسٹر صاحب ہمارے بزرگ ہیں ہم اس حال میں انہیں نہیں دیکھ سکتے چاول کی
روٹی یہ کھا نہیں سکتے ان کی عمر کا بھی خیال فرمایئے اور انہیں دانتوں میں بھی تکلیف ہے اور
اختلاج بھی ہے حکومت نے انتقاماً ہم کو سی کلاس میں رکھا ہے مگر بحیثیت انسان ہمارے کچھ
حقوق ہیں ہم سے جائز سلوک ہونا چاہئے غور فرمایئے کہ ہم پنجاب کے رہنے والے چاول کی
روٹی کیسے کھائیں کیونکر ہضم کریں۔

ہم تو خیر کسی طرح گزارہ کر لیں گے مگر ان کو ہم اس مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے جرنیل
صاحب پر حقیقت حال واضح ہوئی تو ان پر ایک رنگ آئے اور ایک رنگ جائے میری طرف
دیکھ کر جرنیل صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ کو سی کلاس میں رکھا گیا ہے میں نے کہا
جی ہاں کوئی حرج نہیں ہمارے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہمیں منظور ہے اب بات آپ پر
ظاہر ہو گئی ہے تو گزارش بھی سن لیجئے ہمیں کچھ نہیں چاہئے کھانے کو جو ملتا ہے وہی غنیمت ہے
مگر میرے ایسے اختلاج قلب کے مریض کو کوٹھڑی میں بند کرنا ایک سزا ہے جو میرے حکم میں
درج نہیں۔

جرنیل صاحب نے اللہ بخش کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ آپ ان کو کیوں بند کرتے ہیں کھلا رکھو بلاوجہ تکلیف دینے کے کیا معنی؟ ڈاکٹر بھی کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ تب جرنیل صاحب ڈاکٹر کی جانب متوجہ ہوئے تم نے اپنا فرض ادا کیا جب یہ آئے تو کیا وزن تھا۔ اور اب کیا وزن ہے۔ ان کو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ڈاکٹر بے چارہ کانپ گیا۔ صاحب نے چاول روٹی بند کر کے گندم کی روٹی منظور کر دی اور ہم چاول کی روٹی کے دیدار سے محروم ہو گئے۔ سب سے بڑی تکلیف بند ہونے کی تھی وہ ختم ہو گئی۔ پہلی رات صحن کی کھلی فضا میں چارپائی بچھائی تو جنت کی ہوا نے لوریاں دیں۔ خوشی میں آسمان کے ستاروں کو دیکھتے رہے۔ نیز کو صاحزادہ ضیاتوی کا سارا کلام ازبر تھا۔ نظم پر نظم چلی جا رہی تھی۔ غرضیکہ مصیبت کے دن کس قدر راحت میں بدل گئے۔

بھوپت ہمارے پڑوس میں آگیا

ایک دن صبح سویرے دو تین قیدی اور ایک جمعدار کچھ سامان اٹھائے ہمارے احاطے میں داخل ہوئے دریافت پر معلوم ہوا کہ بھوپت اور دو اور قیدی ساتھ والی بیرک میں آ رہے ہیں سامان کے بعد بھوپت بھی آگیا اس کے ساتھی بھی آ گئے اور ہمارے پڑوس کی بیرک میں جس کے احاطے کا دروازہ ہمارے احاطے میں کھلتا تھا بند کر دیئے گئے۔

بھوپت کو چار روپے دس آنے یومیہ خوراک کے لئے ملتے تھے کھانا پکانے کے لئے باورچی اور ایک وارڈر باہر سے ان کے لئے خورد و نوش کا سامان لانے کے لئے مقرر تھا۔ یہ بیں تفاوت رہ از کجا تا بکجا افسران جیل سبھی مسلمان تھے ویسے وہ محسوس کرتے تھے کہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے اسیر جو باحیثیت مسلمان ہیں انہیں تو حکومت نے سی کلاس دے رکھی ہے مگر ایک ڈاکو وہ بھی کافر اے کلاس سے اوپر اس درجے میں رکھا گیا ہے جس میں فوجی جرنیل رکھے گئے تھے ہمیں اس نارو اسلوک کا قطعی قلق نہ تھا۔ ہم نے بھوپت کی سہولت کو بہت پسند کیا ہمارا انداز فکر بالکل مختلف تھا۔ بھوپت بہادر انسان تھا ہم پسند کرتے تھے کہ اس سے بہتر سلوک کیا جائے ہمارے دل میں از خود بھوپت کے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گیا چنانچہ اسی جذبہ کے تحت ہم نے افسران جیل سے درخواست کی کہ بھوپت کی وارڈ کا دروازہ جو ہمارے احاطے میں کھلتا ہے کھلا رکھا جائے اور بھوپت کو اجازت دی جائے کہ وہ ہمارے پاس آ سکے اور ہم اس کے پاس جا سکیں۔ ہماری درخواست پر ہمدردانہ غور ہوتا رہا کئی دن گزر گئے اس دروازہ پر ایک وارڈر چابی لئے کھڑا تھا۔ جب بھوپت کا باورچی ڈیوڑھی سے سودا سلف لینے کے لئے نکلتا تو

تالا کھول دیا جاتا اور باورچی کو باہر نکال کر دوبارہ تالا لگا دیا جاتا۔ ایک روز تالا کھلا تو بھوت دروازے پر آ گیا اور وارڈر سے کہنے لگا تالا نہ لگاؤ ہم مولوی صاحبان سے ملنے کے لئے جا رہے ہیں مل کر ابھی آ جائیں گے بھوت کا رعب تو تھا ہی بے چارہ وارڈر منہ دیکھتا رہ گیا بھوت ہم سے مل کر بہت خوش ہوا۔ ہم نے چاہا کہ اس کی مدارت کریں مگر ہمارے پاس رکھا ہی کیا تھا۔ ہم نے بھوت سے رسمی طور پر پوچھا کہ تھا کہ چائے پیو گے یا دودھ ہمارے پاس اس وقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے بھوت بڑا سیر چشم انسان ہے بغیر کچھ کھائے پئے وارڈر کے حال پر رحم کھا کر بھوت اپنے وارڈ میں چلا گیا دوسرے دن شام کو بھوت نے باہر کھڑے ہوئے وارڈر سے کہا کہ تالا کھولو ہم مولوی صاحبان کے پاس جائیں گے وارڈر نے انکار کیا۔ اور صاف صاف کہدیا کہ ہم آپ کی خاطر نوکری سے ہاتھ نہیں دھو سکتے۔ بھوت نے اندر کھڑے کھڑے بلند آواز سے وارڈر کو ڈانٹا ہم نے شور سنا تو ہم دروازے کے قریب آ گئے۔ بھوت نے وہیں سے آواز دی دیکھو مولوی صاحب یہ تالا نہیں کھولتا ہم دیوار کود کر باہر آ سکتے ہیں ایسی دیواریں ہم کو نہیں روک سکتیں میں نے بھوت کو منع کرتے ہوئے کہا کہ تھا کہ ایسا خیال بھی نہ کرو یہ جیل خانہ ہے۔ یہاں قانون ہی ایسے ہیں دیوار کودنا سخت جرم ہے اس غریب وارڈر پر خفا ہونا بھی ناانصافی ہے اس کی تو ڈیوٹی ہے ہم نے افسران جیل سے درخواست کی ہے کہ وہ ہم کو تمہارے ساتھ ملنے کی اجازت دے دیں چاہو تو تم بھی جب وہ تمہارے پاس آئیں یہی درخواست کرو وہ مان جائیں گے تو پھر آسانی ہو گی جیل والوں سے بگاڑ پیدا کر کے تکلیف کا سامنا ہو گا۔ ارے مولوی صاحب ہمارے پیچھے گارد دیں اور پولیس کے بڑے بڑے افسر رائفلیں لیکر گھیرا ڈالے رہے ہم ان سے تو ڈرے نہیں یہ جیل کے سپاہی جو ٹھیک سے بندوق سنبھالنا بھی نہیں جانتے یہ ہم کو آپ کے پاس آنے سے روکیں گے۔ بھوت کی ایسی باتیں سن کر ہم کچھ پریشان ہوئے اس لئے کہ بھوت اگر واقعی دیوار کود کر ہمارے پاس آ جاتا ہے تو ہم بھی برابر کے مجرم گردانے جاتے ہم لاکھ کہتے کہ ہم نہ چاہتے تھے مگر ہمارے اس بیان کو کون تسلیم کرے گا۔ بہرحال ہم نے باہر کھڑے وارڈر کو بھی ہموار کیا اور اسے کہا کہ بھوت بے دریغ طبیعت کا بہادر انسان ہے اس سے الجھنا اچھا نہیں ہم اسے بالکل ہی ہموار کر لیں گے۔ تم اس سے تو تو میں میں کا تذکرہ ڈیوڑھی میں نہ کرنا بلاوجہ بات کا بتنگڑ بن جائے گا وہ بے چارہ مان گیا اور ہم نے بھوت کو بھی منا لیا ملاقات نہ ہو سکی بھوت اپنی بیرک میں واپس چلا گیا۔ مگر واپسی پر تاؤ کھا کر بڑبڑاتا رہا۔ اور بار بار کہتا تھا کہ ہم تھک گئے تھے۔ ورنہ ہم کو کوئی زندہ کیسے پکڑ سکتا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ مان گیا

سپرنٹنڈنٹ جیل شیخ اللہ بخش بہت بھلے آدمی تھے وہ ہم سے زیادہ میل جول تو نہ رکھتے

تھے۔ مگر ہماری سہولت کا بہت خیال رکھتے تھے ہمارے کچھ روپے جیل کے خزانے میں جمع تھے ڈاکٹر جن چیزوں کی اجازت دے دے ہم اپنی رقم سے باہر سے منگوا سکتے تھے سپرنٹنڈنٹ نے وارڈر مقرر کر دیا تھا۔ جو ہمارے پرچے کے مطابق چیزیں منگوا دیتا تھا ڈاکٹر نے اجازت دے دی تو ہم نے چائے کے برتن اور سامان باہر سے منگوا لیا ایک روز ہم نے ان سے کہا کہ بھوپت کو ہمارے پاس آنے دیں بہادر انسان اسلام بڑی جلدی قبول کر لیتا ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ وہ اچھا اثر قبول کر لے قلب ماہیت خدا کے ہاتھ میں ہے اسے تبدیل کرتے دیر نہیں لگتی سپرنٹنڈنٹ صاحب کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ پھر فرمایا کہ ضابطہ اور ہدایات تو اجازت نہیں دیتے مگر آپ نے بات ایسی کہی ہے۔ کہ میں انکار بھی نہیں کر سکتا میں دیکھوں گا کہ اس بارہ میں کیا کر سکتا ہوں بھوپت کا وارڈر بدل دیا گیا ایک شریف اور سمجھدار وارڈر آ گیا بھوپت نے ایک روز وارڈر سے کہا کہ ہم مولوی صاحبان سے ملاقات کریں گے۔ تالا کھولو وارڈر نے کہا کہ میں تالا تو کھول دیتا ہوں مگر جلدی آ جانا۔ ارے کھولو تو سہی تم کو کوئی کہا تو نہیں جائے گا ہم دروازے کے قریب ہی ٹہل رہے تھے۔ بھوپت کو لئے ہم اپنے کمرے میں آ بیٹھے۔ بھوپت کی گفتگو میں جرات و مردانگی کا اثر نمایاں تھا۔ وہ خوش طبع انسان تھا۔ اس کا انداز گفتگو بڑا ہی دلچسپ تھا۔ پہلے دن ہم نے مناسب سمجھا کہ بھوپت کو جلدی واپس بھیج دیں چنانچہ ہم نے خود ہی کہا کہ ٹھاکر روزانہ آنے کے لئے ضروری ہے کہ جلدی واپس چلے جاؤ ماڈی کی کھڑکی ہمارے وارڈ کے صحن میں کھلتی ہے ایسا نہ ہو دفتر والوں میں سے کوئی آپ کو ادھر آتا جاتا دیکھ لے بھوپت اٹھا اور ہم سے ہاتھ ملا کر واپس ہو گیا۔

بھوپت سے ملاقات کا سلسلہ

اب بھوپت کا معمول تھا کہ دو دن میں ایک دو مرتبہ ہمارے پاس آتے اور کافی دیر ٹھہر کر جاتے ہم نے اس سے معلوم کرنا چاہا کہ وہ ڈاکو کس طرح بن گیا۔ اس نے ہمیں سب کیفیت کہہ سنائی بھوپت ابتدا میں معمولی سپاہی تھا۔ مگر وہ بہادر تھا۔ سپاہی گیری اس کی نگاہ میں بھی نہ تھی جاگیرداروں نے جب کانگریس کے خلاف محاذ قائم کیا تو انہیں ایسے بہادر انسانوں کی سخت ضرورت تھی بھوپت کو سمجھایا گیا کہ کانگریس بنیا لوگوں کی جماعت ہے یہ لوگ گاندھی ٹوپی اور کھدر پہن کر ٹھاکروں کو شودر بنا کر رکھنا چاہتے ہیں یہ صوفی سی اکسا دینے والی بات بھوپت کے دماغ میں اس طرح پیوست ہوئی اور اسے کانگریسیوں سے ایسا بغض و عناد ہوا کہ وہ سرکاری رائفل اٹھا کر میدان میں نکل آیا پولیس نے پیچھا کیا بھوپت کا نشانہ بہت اچھا ہے اس کا ہاتھ رائفل پر پٹھانوں کی طرح اٹھتا ہے بارہا پولیس کو مخبروں نے اطلاع دی کہ بھوپت

فلاں علاقے میں موجود ہے پولیس نے گھیرا ڈال لیا مگر بھوپت نے ہر بار گھیرے کو توڑ ڈالا اور صاف بچ کر نکل گیا جاتا ہوا ایک دو سپاہیوں کو ڈھیر کر گیا۔ ایک بار ایک رئیس نے بھوپت کو اپنے پاس بلایا مخبر نے پولیس افسران کو اطلاع دی بھاری تعداد میں پولیس نے ریاست کا ہیڈ کوارٹر گھیر لیا۔ بھوپت اس وقت محل میں تھا۔ بھوپت نے رئیس سے کہا کہ میں باہر نکل کر ان سے لڑ مرتا ہوں۔ میری وجہ سے آپ کی بے عزتی ہو گی مجھے یہ منظور نہیں رئیس جہاں اپنی آبرو بچانا چاہتا تھا وہاں اسے بھوپت کی جان بھی عزیز تھی۔ اس لئے کہ بھوپت کانگریسیوں کے لئے سخت پریشانی اور ہوا خیزی کا باعث تھا۔ بھوپت نے ہمیں بتایا کہ پولیس کا گھیرا موجود رہا اور وہ صاف نکل گیا۔ ہم نے دریافت کیا کہ وہ کیسے بھوپت نے ہمیں اس شرط پر گھیرے سے بچ نکلنے کا قصہ سنایا کہ ہم اسے راز سمجھیں آج بھی وہ راز اسی طرح ہمارے سینے میں محفوظ ہے۔

ہم نے سمجھنا چاہا کہ بھوپت کا چال چلن کیسا ہے اب وہ ہم سے بہت بے تکلف ہو چکا تھا اس نے ہمیں بتایا کہ میرے تمام ساتھی جو ایک ایک کر کے مارے گئے تھے تو بڑے بہادر مگر انہیں شراب کی لت تھی اور ایک ساتھی تو محض اس لئے مارا گیا کہ اس کا ایک عورت سے ناجائز تعلق تھا بھوپت نے کہا کہ حکومت کو للکارنے کے بعد پولیس سے مقابلہ بھی کرنا اور شراب پی کر مدہوش ہو جانا یا عورتوں سے تعلق رکھنا یہ دو کام ایک ساتھ نہیں چل سکتے بھوپت بھی کبھار پیتا تھا۔ وہ بھی بہت کم اسے بد چلنی کی بد عادت نہ تھی۔ بھوپت نے ایک واقعہ سنایا کہنے لگا ایک روز مجھے معلوم ہوا کہ فلاں گاؤں میں کانگرس کا جلسہ ہے۔ وہاں ضلع کے ایک کانگرسی رہنما نے تقریر کرنا تھی۔ وہ جگہ جگہ بھوپت کے خلاف لوگوں کو اکساتا تھا۔ اور عوام سے کہا کرتا تھا کہ بھوپت کو پکڑ لو بھوپت جلسے سے کچھ وقت پہلے گاؤں کے قریب کھیتوں میں جا کر بیٹھ گیا جب اسے یقین ہو گیا کہ جلسہ شروع ہے تو وہ رائفل کندھے پر ڈال کر گاؤں کے اندر پہنچ گیا۔ جلسے سے باہر کھڑے ہو کر اندازہ لگایا کہ کس طرح سٹیج تک رسائی ہو۔ اس جلسے میں وہی کانگرسی لیڈر تقریر کر رہا تھا۔ لوگوں نے چندہ بھی جمع کر کے سٹیج پر پہنچایا تھا۔ بھوپت سٹیج کے عقب سے آیا اور ایک دم سٹیج پر پہنچ کر کہنے لگا بھوپت آ گیا ہے۔ گاؤں والو میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا۔ مجھے صرف اس کانگرسی لیڈر سے نپٹنا ہے۔ اس نے ہوا میں رائفل سے فائر کیا۔ بھوپت کے نام کی بڑی دھوم تھی جان کس کو پیاری نہیں سٹیج درہم برہم ہو گئی۔ بھوپت نے جمع شدہ چندہ بھاگتے ہوئے لوگوں کی جانب پھینکا اور کہا کہ غریبو یہ روپیہ لیتے جاؤ۔ بیچارہ کانگرسی لیڈر قابو آ گیا کچھ دلیر لوگ فاصلے پر کھڑے تھے بھوپت نے کانگرسی لیڈر کو مارا نہیں صرف اتنا کہا اب اس علاقے میں قدم نہ رکھنا دوسری دفعہ اگر میں نے سن پایا کہ تم لوگ ادھر کا رخ کرتے ہو تو میں تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ یہ کوئی معمولی کانگرسی لیڈر تھا جو بھوپت کی

شکل دیکھ کر اور نام سن کر کانپ گیا۔

کریکٹر کی بات

اک روز ہم نے بھوپت سے کہا کہ جب تم ڈاکے ڈالتے تھے تو تمہیں کبھی رحم نہیں آیا۔ وہ ہنس پڑا کچھ دیر سوچ کر کہنے لگا کہ ایک دفعہ ایک سوکار کے گھر پہ ڈاکہ ڈالا یہ بڑا سود خور تھا اور مجھے معلوم ہوا کہ اس نے اردگرد کے گاؤں قناش بنا رکھے ہیں تب مجھے خیال آیا کہ اس کے پاس رقم بھی کافی ہو گی میرے ہمراہ دو اور جوزی وار تھے ان میں سے ایک بہت سخت مزاج اور کسی قدر بے رحم بھی تھا مکان کے دروازے پر پہنچ کر ہم نے نوکر کو باہر بلایا اور کہا کہ سیٹھ سے ایک ضروری کام کے لئے ملنا ہے نوکر اندر گیا میں اور میرا ساتھی اس کے پیچھے پیچھے مکان کے اندر چلے گئے باہر ایک ساتھی دروازے پر رائفل لے کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ہوا میں فائر کر دیا۔ گاؤں والوں نے سمجھ لیا کہ بھوپت آ گیا ہے۔ سب نے دروازے بند کر لئے میں نے اندر جاتے ہی سیٹھ کے سینے پر رائفل کی نالی رکھ دی اس غریب کی بہادری کیا تھی نوکر کو ایک کونے میں کھڑا کر کے کہہ دیا کہ اگر تم ہلو گے تو گولی مار دی جائے گی۔ نوکر کی کیا مجال تھی کہ ہل جاتا یا اونچا سانس بھی لیتا ہم نے پیٹیاں کھلوائیں مال کا ڈھیر لگ گیا۔ اس سیٹھ کی ایک نوجوان خوبصورت کنواری لڑکی تھی وہ بھی صحن میں سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ مجھے اس سیٹھ پر غصہ بھی تھا کیونکہ وہ کانگرس کو چندہ بھی دیا کرتا تھا۔ میں نے اس سے چندے کی رسیدیں بھی دیکھیں میں نے سیٹھ سے کہا تیار ہو جاؤ کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہو؟ سیٹھ نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ مجھے چاہے مار دو بچی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ کنیا ہے اور میرے سوا اس کا کوئی نہیں ہے بھوپت نے اس لڑکی کی طرف دیکھا تو وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگی میرے پتا پر رحم کرو۔ بھوپت کہتا ہے کہ انسانی ہمدردی کے جذبات نے مجھ پر قابو پا لیا۔ میں نے اس سے کہا تم ہماری بہن ہو ہم اب نہ تم کو ماریں گے اور نہ تمہارے پتا کو میرے ساتھی نے دل میلا شروع کیا۔ میں اس سمے ڈاکو نہیں تھا۔ بلکہ مجھ پر انسانیت کا غلبہ تھا میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ لکھو بھر لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا کہ اس سونے کے زیور میں تمہارا بھی کوئی زیور ہے اس نے کہا ہاں میں نے کہا تم اپنا زیور نکال لو میرے لالچی ساتھی نے لڑکی کو گھور کر دیکھا۔ میں نے اسے ڈانٹ بتائی اور کہا کہ میں نے اسے بہن کہا ہے اور تم آنکھیں دکھا رہے ہو سب کچھ یہیں چھوڑ دو چلو واپس چلو واپس آتے ہوئے ہم نے سیٹھ سے کہا کہ غریبوں کا خون چوسنا چھوڑ دو اور دیکھو خبردار اگر کانگرس کو کبھی چندہ دیا۔

بھوپت زندگی میں صرف ایک بار گھبرایا

ہمیں جیل خانے میں فرصت تھی بھوپت ہمارے لئے ایک ناول تھا۔ جس سے ہم راز سنتے تھے۔ بھوپت زیادہ باتونی نہ تھا۔ نہ کبھی اپنی دلیری پر فخر کرتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ مولوی صاحب میری شہرت اور میرے نام نے مجھے بڑا کام دیا۔ لوگوں کو صرف یہ معلوم ہونا چاہیے تھا۔ کہ میں بھوپت ہوں پھر میرے لئے راستہ ہموار ہو جاتا تھا۔ بعض مقامات کے پولیس افسر بھی بھوپت کا ساتھ دیتے تھے عوام کو بھوپت سے ہمدردی تھی دیہاتی لوگ چوپالوں میں بیٹھ کر بھوپت کی داستانیں سنایا کرتے تھے۔ جس سے عوام میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ بھوپت نے بتایا کہ ایک دن میں اکیلا تھا۔ گاؤں کے باہر ایک جھونپڑی تھی۔ میں اس میں ذرا ستانے کے لئے ٹھہر گیا تھا۔ شام ہوئی تو پولیس نے میرا کھوج لگا رکھا تھا مگر اسے جھونپڑی کے قریب آنے کی جرات نہ ہوئی۔ پولیس کی گارد نے گھیرا ڈال لیا۔ میں نے جھونپڑی میں صورت حال کا مطالعہ کیا۔ جب دیکھا کہ بالکل گھر گیا ہوں۔ تب مجھے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ لڑ بھڑ کر جان دے دوں جھونپڑی سے کچھ فاصلے پر کانٹوں کی باڑ تھی۔ میں نے جھونپڑی سے نکلتے ہی رائفل اٹھا کر فائر کرنا چاہا مگر کارتوس مس ہو گیا پھر کوشش کی رائفل کو نہ چلنا تھا اور نہ چلی میں اسی طرح رائفل سنبھال کر دوڑا اور باڑ کی اوٹ میں جا بیٹھا میں نے سمجھ لیا کہ اب آخری وقت ہے رائفل بھی جواب دے چکی ہے۔ اور اکیلا ہوں مگر پولیس کو گھوم کر آگے آنے کی جرات نہ ہوئی وہ شاید یہ سمجھی کہ میں ان کو دھوکے سے قریب لا کر مارنا چاہتا ہوں اچانک میرے دل میں یہ بات آئی کہ کہ کتنے سے باڑ تک لانے میں جس نے امداد دی ہے کیا وہ یہاں سے بچ نکلنے میں امداد نہ دے گا۔ اس خیال کے آتے ہی میں اٹھا اور ایک دم چھلانگیں لگاتا ہوا گھیرے کے کمزور حصے کی طرف لپکا۔ مجھ پر فائر بھی ہوتے رہے مگر سب نشانے خطا گئے کچھ فاصلے پر درخت تھے جن کی اوٹ سے ہوتا ہوا پولیس کی دست برد سے نکل گیا مولوی صاحب اس روز میں گھبرا گیا تھا اس کے بعد کبھی موقع نہیں آیا۔

تبلیغ

بھوپت جب بھی ہمارے پاس آیا اتفاق کی بات ہے اس وقت ہم اکثر نماز میں مشغول ہوتے تھے وہ جوتا اتار کر ادب سے بیٹھ جاتا تھا اور ہمیں بڑے غور اور عقیدت سے دیکھا رہتا تھا۔ کچھ دن بعد کہنے لگا مولوی صاحب میرا دل چاہتا ہے میں بھی آپ کی طرح نماز پڑھوں۔ میں نے کہا نماز یہ عقیدے کی بات ہے عقیدہ پہلے اور نماز کا نمبر بعد میں آتا ہے بھوپت نے ایک روز پھر اسی سلسلے میں گفتگو کی ہم نے اسے کبھی کچھ نہیں کہا البتہ گفتگو میں ہمارا انداز ایسا ہوتا تھا جس سے وہ متاثر ہوتا تھا۔ ہم میں کوئی بھی دریدہ دہن نہ تھا۔ ہم بھوپت کے سامنے احتیاط

سے گفتگو کرتے تھے۔ اور حتی الوسع اسلامی روایات اور ہدایت پر عمل کرتے تھے بہرحال بھوپت بہت متاثر ہوا اسلام کے بارے میں اس نے مولانا لال حسین اختر سے کچھ باتیں دریافت کیں۔ میں نے بھوپت سے کہا کہ ٹھاکر اسلام بہادروں کا مذہب ہے۔ اسے بزدلوں کے حلق میں ٹھونسا نہیں جاتا یہ بہادروں کے دل میں خود اترتا ہے سوچ سمجھ کر قبول کرنا کیونکہ بھلے لوگ بار بار مذہب بدلا نہیں کرتے وہ اسلام کی طرف مائل تھا اس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی ایک روز اسے معلوم ہوا کہ پاکستان گورنمنٹ اسے بھارت حکومت کے حوالے کرنے والی ہے۔ بھوپت نے ہمیں صاف صاف کہ دیا کہ مجھے یہ فیصلہ قبول نہیں میں یہاں سے یا تو نکل بھاگوں گا۔ یا اس وقت جب مجھے بھارتی پولیس کے حوالے کیا جائے گا اس پولیس سے لڑ مروں گا۔ ہم نے اسے بہت تسلی دی ایک روز اسے شک ہوا کہ اسے ضرور بھارت کے حوالے کر دیا جائے گا۔ بھوپت نے داڑھی منڈوا ڈالی ہم نے دریافت کیا ٹھاکر تم نے یہ کیوں کیا وہ کہنے لگا۔ مولوی صاحب دشمن بے عزتی کرنے پر آتا ہے تو داڑھی پر ہاتھ ڈالتا ہے میں یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا اس لئے میں نے داڑھی کا صفایا کر دیا۔ ارے ٹھاکر تمہیں کیا وہم ہو گیا ہے۔ یقین کرو تمہیں بھارت کے حوالے ہرگز نہیں کیا جائے گا۔ تم یہاں کے شہری بن جاؤ اور شریفانہ زندگی گزارنے کا عہد کر لو۔ پھر کسی کو کیا ضرورت ہے کہ تمہیں ملک بدر کیا جائے۔ یا بھارت کے حوالے کر دیا جائے۔ کچھ دنوں بعد بھوپت کو پھر ہم سے دور دوسری بیرکوں میں بھیج دیا گیا۔ وہاں اس نے باقاعدہ اسلام کا مطالعہ شروع کیا وہ جیل میں مسلمان ہو چکا تھا۔ باہر آ کر مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی صحبت میں رہنے لگا اور باقاعدہ مسلمان ہو گیا اب وہ ایک شریف شہری مسلمان ہے اور کسب حلال سے گزارہ کرتا ہے۔

ہمارا مشغلہ

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ہمیں اجازت تھی کہ اپنی وارڈ کے ایک حصے میں جسے مشقتیوں نے کھود رکھا تھا سبزی ترکاری لگائیں۔ کوٹھڑیوں کے دروازے پر رانجل لگی ہوئی تھی مگر وہ نصف سوکھ چکی تھی۔ احاطے کے ایک کونے میں رانجل کا ذخیرہ تھا۔ وہ بھی خاتمے کے قریب تھا۔ ہم نے رانجل کو کھود ... میں کھاد ڈالی۔ ذخیرے کو روزانہ پانی دیا وہ آہستہ آہستہ ہرا ہونے لگا۔ جیل افسران سے ہمیں کدو کریلے بھنڈی توری اور ٹینڈے کے بیج مہیا کر دیئے ہم نے باقاعدہ نشان لگا کر زمین بنایا۔ بیج بوئے اور وہ اگ آئے صبح و شام ہم سینچنے کی تیاری کرتے تھے محنت کا پھل ضرور ملتا ہے۔ ہم نے اپنی بوئی ہوئی فصل خود کاٹی ہمارے اس وارڈ میں نیم کے دو تنومند درخت تھے ان میں سائے کا کہیں نام نہ تھا۔ برسات کا موسم آیا تو

ہم نے پتھریلی زمین کو کھود کر تین بڑے بڑے گڑھے بنائے' باہر سے نیم کے تین پودے منگوائے انھیں اس نیت سے لگایا کہ ہم نہیں تو جب بھی کوئی اور اس وارڈ میں ٹھہرایا جائے گا۔ اسے ان درختوں کے نیچے آرام اور سکون ملے گا۔ تو ہمارا یہ کام شاید نیکیوں ہی میں لکھا جائے۔ جب ہم پیڑ لگا رہے تھے۔ تو افسران جیل نے ہمیں مسکراتے ہوئے کہا کہ مولوی صاحب آپ ان درختوں کے سائے میں نہیں بیٹھ سکیں گے۔ ہم نے انھیں ہارون رشید کے وقت کا ایک واقعہ سنایا۔ کھجور کا پیڑ بڑی دیر بعد پھلتا ہے۔ ایک بوڑھا شخص کھجور کا درخت بو رہا تھا۔ ہارون رشید نے اسے کہا کہ بابا تم عجیب انسان ہو یہ کھجور کا درخت جب پھل لائے گا۔ تب تم مرچکے ہو گے۔ بوڑھے نے یہ جواب دیا۔ یہ درست ہے آقا مگر میں نے جو کھجوریں کھائی ہیں یہ بھی تو کسی نے اگائی تھیں۔ کسی کی اگائی ہوئی کھجوریں میں نے کھالیں میری اگائی ہوئی کھجوریں جو آئندہ دنیا میں آئے گا وہ کھائے گا۔ ہارون الرشید بوڑھے کی بات سن کر بہت خوش ہوئے اور وزیر کو حکم دیا کہ اس بوڑھے کو ایک ہزار اشرفیوں کا توڑا دے دو۔ بوڑھا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا آقا بے غرض خدمت کو کتنی جلدی پھل آتا ہے میری بوئی ہوئی کھجوریں ابھی اگی بھی نہیں کہ مجھے پھل مل گیا۔ اس پر خلیفہ اور خوش ہوا اور حکم دیا کہ ایک ہزار اشرفی اور بطور انعام دے دو۔ ہمیں جیل والوں یا مسلم لیگ کی حکومت سے کوئی انعام لینا مقصود نہیں تھا ہم جیل خانے میں یہ درخت اس لئے لگا رہے تھے کہ یہاں مجبور لوگ سائے میں آرام کر سکیں جیل کی دنیا کیا ہے انسان نے انسان کو حیوان سمجھ رکھا ہے۔ شدت کی گرمی میں جب جیل کی کوٹھریاں تپتی ہوئی بھٹی کا نمونہ پیش کرتی ہیں مجبور انسانوں کو ان کوٹھریوں میں رات کے وقت بند کر دیا جاتا ہے۔ قیامت کی ان طویل راتوں میں جب ڈنگر ڈھوروں کو مکانوں کے صحن یا کھلے میدان میں باندھا جاتا ہے مجبور انسانوں کے ساتھ حیوانوں سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے کوٹھری کی لو اور شدت گرمی سے تپتی ہوئی دیوار سے دور رہو کی صدا آتی ہے۔ بے بس قیدی آدھی رات گئے آہنی دروازے کی سلاخیں پکڑ کر آسمان پر چمکتے ہوئے ٹھنڈے ستاروں کو دیکھنا چاہتا ہے مگر دیکھ نہیں سکتا پانی کے برتن پیاس بجھانے کے لئے ابلا ہوا پانی پیش کرتے ہیں آپ نے بارہا دیکھا ہو گا کہ ڈنگر ڈھور بھی گرمی کے موسم میں ٹھنڈا پانی پیتے ہیں پیاس کے باوجود گرم پانی کو منہ لگا کر چھوڑ دیتے ہیں مگر قیدی مجبور ہے کہ صبر سے کام لے' ہمارے جیل خانے یورپ کے ٹھنڈے علاقوں کی نقل میں تعمیر ہوئے ہیں مگر ایک بار جیسے کیسے بن گئے اسی ڈگر پر چل رہے ہیں کسی ایسے شخص کو جیل کا وزیر بنا دینا جس نے زندگی میں کبھی جیل کا مزہ نہ چکھا ہو ناانصافی اور غیر دانشمندانہ فعل ہے جیل کی اصلاح کمیٹیوں میں بھی وہی لوگ جاتے ہیں جو قید' قیدی اور جیل خانے کو باہر سے دیکھتے رہے ہیں۔ تب جیل کی اصلاح

کیسے ممکن ہے؟ جیل خانوں کی اصلاح کا کام ان لوگوں کے سپرد ہونا چاہئے جن خوش نصیبوں نے سی کلاس کے مزے لوٹے ہوں۔ یہاں مجھے مسلم لیگیوں کی قید کا زمانہ یاد آگیا۔ اللہ اللہ دو تین اٹھوارے مزے سے جیل میں گزار کر یہ لوگ جب باہر آئے تو انھیں جیل کے ذکر اذکار سے فرصت نہ تھی کافی دن ڈینگیں مارتے رہے جس طرح شہرت پسند حاجی بات بات میں کبھی عدن کی بندرگاہ کبھی جہاز میں قے کا قصہ کبھی بازار میں کھجوریں دیکھیں تو احباب کو عرب کی کھجوروں کا قصیدہ کہہ سنایا۔ مطلب کھجوروں کی تعریف سے نہیں بلکہ اپنے حج کا تذکرہ مقصود ہوتا ہے تاکہ جاتے وقت لوگ حاجی صاحب کہا کریں۔ ان مسلم لیگیوں کا بھی یہی حال تھا حالانکہ ان بے چاروں کو نہ قید کاٹنا پڑی نہ جیل کی وہ دال کھانا پڑی جو دس منٹ میں پانچ رنگ بدلتی ہو نہ ان حضرات کو موسم گرما اور لو کے تھپیڑوں سے پالا پڑا اور نہ ڈھوروں کی طرح مدتوں کوٹھڑیوں میں بند ہونا پڑا جیل کے دروازے میں داخل ہوتے ہی پلٹ پلٹ کر دیکھتے رہے کہ کب واپسی کا موقع ملے گا اب آپ غور فرمایئے کہ ان حضرات کو جیل کی اصلاح کا کیسے خیال آ سکتا تھا خیال آئے بھی تو انھیں کیا معلوم کہ گرفتاران بلا پر کیا گزرتی ہے بات کہاں سے کہاں جا پہنچی میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہم تینوں ساتھی اپنے صحن کی کیاریوں میں باغبانی اور کاشتکاری میں وقت گزار رہے تھے ورزش کر لیا کرتے تھے ہمیں بارہا راولپنڈی سازش کیس کے جرنیلوں کا خیال آیا کہ ان میں ہمارے جانے پہچانے دوست بھی تھے ہمیں سب سے زیادہ خیال کرنل فیض کا تھا انھیں آپ کیمونسٹ کہئے یا کوئی رائے قائم کیجئے وہ بہت اچھے دوست ہیں شاعر اور ادیب ہونے کے علاوہ مخلص ہمدرد اور خاکسار پایا۔ مجھے وہ ایک بار ایسی جگہ ملے جب میں انھیں دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا تقسیم کے بعد میں لدھیانہ کیمپ کا انچارج تھا۔ رات دن کیمپ کی حفاظت اور انتظام میں منہمک رہتا تھا ہزاروں مجبور ہم وطن میرے ہر وقت کے ساتھی تھے باہر سے یعنی پاکستان سے نہ کوئی آتا تھا اور نہ کسی نے ہم سے آ کر کبھی دریافت کیا کہ جی رہے ہو یا مر گئے ہو۔ اچانک ایک دن معلوم ہوا کہ لاہور سے کچھ لوگ آئے ہیں وہ کیمپ کا معائنہ فرمائیں گے میں آٹے کی تقسیم سے فارغ ہوا ہی تھا کہ فیض صاحب جنرل [illegible] کے ساتھ مجھ سے بغل گیر ہوئے ہم دونوں کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا "تم کہاں" بہرحال مجھے اس روز ان کی اچانک ملاقات نے بے حد متاثر کیا ان کے خیال کچھ بھی ہوں فیض صاحب ایک مخلص بہادر شریف انسان ہیں فیض اس جیل میں موجود تھا مگر بڑی سخت قدغن تھی ہمیں ان کی آواز تک سنائی نہ دیتی۔ حالانکہ ہماری اور ان کی بیرک میں فاصلہ نہ تھا مگر کسی نے سچ کہا ہے کہ "دیوار کے پیچھے پردیس" ہم ایک دوسرے کے لئے واقعی پردیسی تھے

اچانک ملاقات

جس رات کراچی میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا جلسہ عام تھا اس رات بڑا ہجوم تھا ایسے ہجوم میں جیب تراشوں کو ہاتھ کی صفائی سے دیالی بچانے کا اچھا خاصہ اطمینان بخش موقعہ میسر آ جاتا ہے میری جیب میں چشمہ تھا جس پر چمڑے کا خول تھا جیب تراش نے سمجھا مال ہے اس دھوکے میں مال کی بجائے وہ میری آنکھیں نکال کر لے گیا جلسہ ختم ہوا تو گھتے کھلتے دفتر پہنچے تو دیکھا چشمہ ندارد جیب تراش مال کے خیال میں اندھا ہو گیا اور میں چشمے کی محرومی سے نظر کھو بیٹھا جیل میں چند ماہ گذر چکے تو ایک روز آئی جی صاحب نے جب وہ معائنہ کے لئے تشریف لائے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ روزنامہ آزاد کے ایڈیٹر ہیں قیدیوں کی اصلاح پر کچھ لکھئے ہم اسے کتابی صورت میں شائع کریں گے۔ تب میں نے چشمے کی چوری اور اپنی بے بسی کا اظہار کیا وہ فرمانے لگے ہم آپ کو چشمے کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ چنانچہ باہر سے چشمے کے دکاندار اور ڈاکٹر کو آنکھوں کے معائنہ کے لئے بلایا گیا اس عرصے میں جرنیلوں یعنی راولپنڈی سازش کے بعض قیدیوں نے نگاہ کا نمبر درست کرانے اور نئے چشمے منگوانے کی درخواست کی باہر سے معائنہ کے لئے ڈاکٹر آیا مجھے اطلاع دی گئی کہ کورٹ روم میں ڈاکٹر نے سیاہ پردے وغیرہ کا بندوبست کر لیا ہے دوسرے قیدیوں نے بھی آنکھوں کا معائنہ کرانا ہے آپ بھی چلئے باری باری ڈاکٹر سب کا معائنہ کرے گا۔ میں اپنی وارڈ سے تیار ہو کر وارڈن کے ہمراہ کورٹ روم کے باہر کھڑا ہوا کورٹ روم وارڈ کا وہ حصہ تھا جہاں جرنیلوں کا مقدمہ زیر سماعت تھا جیل والوں نے قیدیوں کو ایک دوسرے سے جدا رکھنے کے لئے یہ بندوبست کیا تھا کہ ڈاکٹر کے پاس ہر قیدی دس منٹ ٹھہرتا تھا جب ایک چلا جاتا تھا تب دوسرا آتا تھا مگر جب بعض قیدیوں پر زیادہ وقت لگ گیا تو نظام درہم برہم ہو گیا۔ چنانچہ میری باری آ گئی مجھے ڈاکٹر موٹے موٹے حروف کا بورڈ دکھا ہی رہا تھا کہ ایک وارڈن کرنل فیض اور ان کے ایک ساتھی کو لے کر اندر آ گیا جوں ہی میں نے بورڈ سے نظر ہٹائی فیض صاحب میرے سامنے تھے وہ مسکراتے ہوئے میری طرف بڑھے اور بغل گیر ہوتے ہی کہنے لگے ماسٹر صاحب آج بھی لدھیانہ کیمپ والی بات ہے خوب ملاقات ہوئی۔ غرضیکہ میری آنکھوں کا چند منٹ دونوں طرح معائنہ ہوتا رہا یہ اتفاقیہ ملاقات تھی جسے وارڈن وارڈ اور ہم سب نے مل کر پی لیا۔ نہ وارڈن کہہ سکتا تھا کہ یہ لوگ اچانک ملاقات کرنے میں کامیاب ہوئے اور نہ داروغہ صاحب خبردار ہوئے کہ آنکھوں کے معائنے میں دو دلوں کا ملاپ بھی ہو گیا اور نہ ہم نے کانوں کان خبر ہونے دی کہ کیا خوشگوار حادثہ پیش آیا۔ بہرحال پابندیوں کے باوجود اچانک ملاقات ہو گئی۔

دوسری ملاقات

خوراک کی خرابی کی وجہ سے ہم تینوں یعنی ماسٹر تاج الدین، مولانا لال حسین اختر اور نیاز لدھیانوی کے دانت خراب ہو گئے۔ جیل کے ڈاکٹر نے معذوری کا اظہار کیا تو افسران جیل نے باہر سے دانتوں کے ڈاکٹر کو بلا بھیجا۔ ہمارے علاوہ ہمارے جرنیلوں میں سے اکثر کو دانتوں کی شکایت تھی اس لئے انہی کی بیرک میں ڈاکٹر آ گیا اور ہمیں بھی وہیں بلا کر ڈاکٹری معائنہ کے لئے پیش کیا گیا اس بارک میں پہنچے تو ہم سے پہلے جرنیل صاحبان بھی موجود تھے۔ یعنی ہم سب ایک ہی جگہ جمع ہو کر ڈاکٹر کو دانتوں کا معائنہ کراتے رہے زبانوں پر تالے تو نہ تھے کہ ہم ایک دوسرے سے بات نہ کرتے وقت کو غنیمت سمجھ کر باتیں بھی ہوتی رہیں۔ ایک فوجی جرنیل نے ہم سے کہا کہ مولوی صاحبان ہم آپ کی تحریک کے سخت مخالف تھے۔ ہم نے یہ رائے قائم کی تھی کہ آپ نے بلاوجہ مذہبی جھگڑا کھڑا کر کے ملک میں انتشار پھیلا رکھا ہے مگر اب ہمیں معلوم ہوا کہ یہ مرزائی کیا بلا ہیں۔ میجر جنرل نذیر قادیانی کے علاوہ اب جو ہم گواہوں پر غور کرتے ہیں جو ہمارے خلاف گذر رہے ہیں تو ہمیں مرزائیوں کے بارے میں اپنی رائے بدلنا پڑی ہمیں اب معلوم ہوا کہ یہ گروہ پاکستان میں کس طرح کام کر رہا ہے اور اس کے ارادے کیسے خطرناک ہیں ہمیں ان جرنیلوں سے تبادلہ خیال کرنے میں بے حد مسرت محسوس ہوئی ہماری معلومات میں اضافہ ہوا اور اس بارے میں ہمارا یقین اور پختہ ہو گیا کہ مرزائی ملک و ملت کے بارے میں نہایت خطرناک ارادے رکھتے ہیں اور مرزائیت کے اثرات پاکستان کے ہر گوشے میں موجود ہیں۔ ہمیں ڈاکٹر کے انتظار میں تقریباً ایک گھنٹہ اس بارک میں ٹھہرنا پڑا۔ کیونکہ ڈاکٹر باری باری سب کو دیکھ رہا تھا ہم بعد میں پہنچے تھے اس لئے ہماری باری سب کے بعد میں آئی۔

رمضان المبارک

جیل میں روزے رکھنے کا لطف آ جاتا ہے ۱۹۳۰ء میں جب میں تحریک خلافت میں گرفتار ہو کر میانوالی جیل میں تھا ان دنوں بھی جیل میں رمضان المبارک گزارنے کا موقعہ ملا تھا۔ ابتداء میں جب سیاسی قیدیوں کے لئے کوئی کلاس نہ تھی عام قیدیوں کا کھانا ملتا تھا شام کو جو کی روٹی ملتی تھی وہ کچھ دیر بعد سوکھ جاتی تھی ہم اس روٹی کو توڑ کر مٹی کے پیالے میں ڈال لیتے تھے۔ پیالے میں پانی بھر لیتے تھے۔ سحری کے وقت بھیگے ہوئے ٹکڑے نکال کر کھا لیا کرتے تھے اور بچا ہوا پانی پی کر الحمد للہ کا ورد کیا کرتے تھے مگر یقین جانئے کہ روزے رکھنے کا وہ لطف باہر رہ کر عمدہ کھانوں میں بھی میسر نہیں آیا۔ قلب کو اطمینان حاصل تھا زندگی میں ایک سکون تھا دل مسرور تھا صحت بھی اچھی تھی شاید جوانی بھی سہارا دے رہی ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خیالات میں یکسوئی تھی مقصد کے حصول میں خلوص اور دل کو یقین تھا کہ زندگی کا یہی حصہ

قابل یاد اور باعث اطمینان ہے مگر اب وہ صورت نہیں ہے۔ البتہ تحریک تحفظ ختم نبوت میں دل بہت مطمئن تھا مگر جسم ساتھ نہیں دیتا تھا۔ شاید عمر کا تقاضا ہو کہاں میں پچیس برس کی جوانی اور کہاں ساٹھ پینسٹھ سال کا بڑھاپا تاہم رمضان المبارک کا مہینہ بہت خوب گذرا حیدر آباد جیل میں افسران جیل نے رمضان المبارک کا بہت احترام کیا۔ کھانا ہمیں سحری کے وقت تازہ ملتا تھا مگر تھا وہی سی کلاس کا الم غلم تاہم تازہ روٹی بہت غنیمت تھی۔ شام کو تمام قیدیوں کو برف بھی ملتی تھی شربت کے لئے گڑ بھی مل جاتا اور افطاری کے لئے کھجوریں ملتی تھیں یعنی قیدیوں کی عیش تھی اس عیش میں ہم برابر کے شریک تھے مولانا لال حسین اختر نماز تراویح پڑھاتے تھے تو میں اور نیاز دو مقتدی تھے نیاز ہمارا موذن تھا نیاز کی آواز میں جوانی کی گھن گرج تھی جیل کی بارک پر ایک وارڈن اذان دیا کرتا تھا۔ بعض ایسے غلط موذن بھی آجایا کرتے تھے جو اذان بھی غلط دے دیا کرتے تھے اس غلطی پر مولانا لال حسین اختر بہت برہم ہوتے تھے اور اپنے وارڈنوں کو بلا کر فرمایا کرتے تھے کہ اس بے وقوف کو بلا کر لاؤ یہ اذان غلط کہتا ہے چنانچہ ہم نے جیل افسران سے کہا کہ ہمارا موذن حاضر ہے نیاز صاحب کو اجازت دیجئے یہ اذان دے آیا کریں گے اس کی اذان سارے جیل میں سن جایا کرے گی شاید قریب کے علاقے والے بھی مستفیض ہو سکیں۔ مگر افسران جیل نے ہماری خدمت کو قبول نہیں کیا بہرحال ماہ رمضان بخیریت گذر گیا عید آگئی۔ عید کے لئے ہم نے بڑے جتن کئے کہ کسی طرح عید کے دن تمام قیدیوں کو ایک احاطے میں نماز کی ادائیگی کا موقعہ مل جائے گا مطالبے میں اس لئے جان نہ تھی کہ جیل میں نماز عید ہوتی نہیں عید آزادیوں کی نعمت ہے جیل مجبوریوں کی دنیا ہے یہاں جمعہ اور عید کا گذر نہیں ہوتا۔ بمشکل یہ طے ہوا کہ کچھ اخلاقی قیدی ہماری وارڈ میں بھیج دیئے جائیں گے تمام افسران جیل اور چھوٹے ملازم بھی ہمارے پاس آجائیں گے۔ مولانا لال حسین اختر نے عید کا خطبہ دیا نماز پڑھائی عید کے دن ہم ایک دوسرے کے گلے ملتے رہے ہمیں زیادہ افسوس اس بات کا ہوا کہ جرنیلوں تک کو عید کے دن ہم سے ملنے نہ دیا۔ اس بارے میں ہم نے افسران جیل سے التجائیں بھی کیں مگر انہوں نے معذوری کا اظہار کیا۔

تحریک ختم نبوت کے دوران جیل میں آنے والی اس عید پر سید مظفر علی شمسی نے ایک مضمون تحریر فرمایا جو ہفت روزہ لولاک فیصل آباد ۲۱ دسمبر ۱۹۷۴ء سے پیش خدمت ہے

ایک عید جو ہم نے جیل میں گذاری

(سید مظفر علی شمسی)

[illegible] کا ذکر ہے تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں کراچی جیل سے ایک ماہ کے بعد ہمیں

حیدر آباد جیل میں منتقل کیا گیا۔ میرے ہمراہ امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم، حضرت مولانا سید ابوالحسنات مرحوم، مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی ممبر اسلامی مشاورتی کونسل صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب سجادہ نشین آلو مہار شریف، مولانا عبدالرحیم جھنگی اور غازی اللہ نواز ایڈیٹر حکومت بھی تھے۔

حیدر آباد سے ایک دن بعد ہمارا چالان سکھر سنٹرل جیل بھیج دیا گیا اور ہمیں ایک جیل گاڑی میں سوار کرا کے سکھر لایا گیا (جیسے بخاری صاحب مرحوم سقر کہا کرتے تھے) یہ نئی جیل کہلاتی ہے جو سکھر شہر سے دو میل کے فاصلہ پر کراچی لاہور روڈ پر ایک نہر کے کنارے آباد ہے گرمی میں سخت گرم اور سردیوں میں سخت سرد اس کا مزاج ہے۔ دروازہ پر افسران جیل نے ہمارا استقبال کیا اور ہمارے سامان کی تلاشی لینے کے بعد ہمیں پانچ دروازے پار کرا کے ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پہنچا دیا گیا۔ جو طول و عرض میں آٹھ مربع فٹ تھی باہر سے دروازہ بند کر کے تالا چڑھا دیا گیا۔

اب ہم ساری دنیا سے نہیں بلکہ جیل کی آبادی سے بھی کٹ گئے تھے۔ پہلی شب ہم پر بہت ہی کٹھن گذری مسور کی دال جس میں تیل کا تڑکا اور چاول کی روٹی غذا مقرر ہوئی۔ کمرہ کی کھڑکی بند تھی روشندان ندارد صرف ایک چھوٹا سا دروازہ ہی تھا جس کا بڑا قفل ہمیں اندر سے نظر آتا تھا۔ ہوا کبھی کبھی آتی تھی جسے ہم سب باری باری تقسیم کر لیتے تھے۔ اور جب بھی دم گھٹنے لگتا تو سب ہی دروازہ کے ساتھ جھریں چھتا کر منہ رکھ لیتے تھے خواجہ ناظم الدین مرحوم کی حکومت نے ہمیں بی کلاس سے بھی بدتر درجہ عطاء فرمایا تھا۔

پہلی رات کٹ گئی پھر در و دیوار مانوس ہو گئے فضا آشنا ہو گئی۔ شاہ صاحب مرحوم نے فرما دیا کہ اب یہاں سے مر کر ہی چھٹکارا ہے۔ صبر و شکر کے ساتھ سب نے بستر کے ساتھ بستر جوڑے اور موت کا انتظار کرنے لگے کئی ماہ اندر ہی گذر گئے۔ میں نے ایک دن صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ سے کہا کہ آج اگر سپرنٹنڈنٹ جیل آئے تو اسے کہیں کہ دوپہر کے وقت ہمیں چند منٹ کے لئے سامنے والے باغ میں بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ سکھر میں ان دنوں گرمی ۱۲۵ درجہ تھی۔ مرغی کے انڈے کو اگر ریت میں دبا کر رکھ دیا جائے تو پانچ منٹ میں وہ ابل جاتا تھا رات کو سرخ آندھی چلتی تھی جو کئی کئی دن مسلسل چلا کرتی اور سر، منہ، آنکھیں اور سارا بدن سرخ ہی سرخ ہو جاتا تھا۔

اب ذرا باغ کی کیفیت بھی ملاحظہ فرمائیے جو ہماری نظروں میں باغ تھا۔ ریت کا ایک چھوٹا سا قطعہ جس پر صرف دو درخت تھے ان میں ایک تو ٹنڈ منڈ اور دوسرے کے البتہ کچھ برگ و بار تھے جس سے کچھ کالی چھاؤں ہو جاتی تھی۔

سپرنٹنڈنٹ جیل سکھنڈ رو ایک پاؤدری بزرگ تھے اور بڑے ہی نیک اور شریف النفس انسان تھے۔ انہوں نے ہماری درخواست منظور فرمالی اور ایک بجے سے دو بجے تک ہمیں باہر بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ تصور فرمایئے کہ اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ہمارا کیا حال ہوگا جو ہم نے کڑکتی ہوئی دوپہر میں باہر آنے کی خواہش کی۔

ہم سب جب باہر آکر بیٹھے تو اگرچہ سایہ اتنا نہ تھا جو ہمارے لئے کافی ہوتا مگر ہم نے اپنے آپ کو جنت میں پایا۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی اس سایہ کو "کالا سایہ" کہا کرتے تھے مگر اس جنت میں بھی گرمی اور لو العیاذ باللہ یونہی دن گذرتے گئے اور ماہ رمضان آگیا۔ سحری کے وقت جنگل کا ساگ جیل کا تڑکا اور چاول افطاری کے لئے بھی بیگن اور یہی من و سلوا صبر و شکر کے ساتھ روزے رکھتے تھے۔

ڈیڑھ ماہ کے بعد ہمارے گھر والوں کو پتہ چلا کہ ہم سکھر جیل میں ہیں۔ ۲۰ رمضان کو مجھے لاہور سے خط آیا کہ میری چھوٹی ہمشیرہ جاں بلب ہے اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ اس بچی کو میں نے ہی پرورش کیا تھا اور میں نے ہی اس کی شادی کی تھی۔ والدہ مرحومہ کے انتقال کے وقت یہ دو برس کی تھی اور والد مرحوم کی رحلت کے وقت اس کا سن چھ برس کا تھا۔

اس کی علالت کا پڑھ کر دکھ ہوا مگر سوائے صبر و شکر کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ تیسرے روز پتہ چلا کہ مسٹر نقوی چیف کمشنر کراچی کو لکھا گیا تھا کہ وہ ہمشیرہ کی علالت کے باعث مجھے چند دنوں کے لئے پیرول پر رہا کردیں۔ گھر والوں کی یہ خواہش مسترد ہوگئی۔

ایک رات مجھے اچانک درد گردہ شروع ہوگیا اور اس نے ایسی شدت اختیار کرلی کہ میں ساری رات بے ہوش رہا جیل کی زندگی بھی عجیب ہے۔ بخاری صاحب مرحوم نے لاکھ احتجاج کیا۔ صدائیں بلند کیں مگر ڈاکٹر کہاں۔ مولانا ابوالحسنات مرحوم نے شور مچایا مگر کون سنے میرے ساتھی مجھ سے بھی زیادہ تکلیف میں تھے ان سے میری حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ مگر سب کے سب مجبور تھے سوائے بارگاہ رب العزت میں تاجدار ختم نبوت کے واسطہ سے التجا کے علاوہ اور کوئی علاج نہ تھا۔ صبح ہوئی سات بجے ڈاکٹر صاحب تشریف لائے۔ دوائی دی الحمدللہ تین چار دن کے بعد صحت ہوگئی۔

عید الفطر میں پانچ دن رہ گئے تھے۔ قیدیوں کے گھروں سے عید کارڈ آرہے ہیں ادھر سے بھی جواب لکھے جارہے ہیں۔ چاند رات کو حکام جیل نے اعلان کیا کہ کل صبح تمام قیدیوں کو پلاؤ ملے گا۔ ہمارے مشقتی قیدی بڑے خوش ہوئے مگر ہم نے وہی سحری و افطاری والی خوراک بحال رکھی۔ صبح ہوئی تمام قیدیوں نے ایک جگہ نماز عید ادا کی۔ صرف ہم "خطرناک اسیروں" کو کسی سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم نے بھی نماز عید ادا کی نماز سے فارغ ہوئے تو

اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل خطوط لیکر آئے انہوں نے ہماری ڈاک ہمارے سپرد کی مجھے بھی اپنی بیمار بہن کا خط ملا جسے میں نے ہاتھوں ہاتھ لیا پڑھا اور رکھ دیا اس میں لکھا تھا۔

" میرے بھیا۔ اس امتحان میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی اب قریب المرگ ہوں۔ بخار دامن نہیں چھوڑتا ایک سو چار درجہ حرارت سے گرتا نہیں۔ کھانسی زوروں پر ہے محبوب بھائی ڈاکٹر صاحب کو لائے تھے ایکس رے میں ٹی بی کی ابتدائی منزل ہے ماں باپ نے مجھے آپ کے سپرد کیا تھا اور اب موت مجھے لئے جا رہی ہے کاش کہ میرے آخری وقت آپ میرے پاس ہوتے۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر جو مصائب برداشت کر رہے ہیں اللہ آپ کو استقلال بخشے اور قیامت کے دن آپ کی قربانی ہمیں دربار رسالت میں سرخرو کرے۔

آپ بیماری سے قید کاٹیں۔ اگر زندگی رہی تو مل لوں گی۔ ورنہ میری قبر پر تو آپ ضرور آئیں گے۔ سب بچے سلام کہتے ہیں اب ہاتھ میں طاقت نہیں لہذا خط ختم کرتی ہوں۔ (بھیا سلام) آپ کی بہن

اس خط سے میرے دل میں ایک ہوک اٹھی شاہ صاحب آبدیدہ ہو گئے۔ سب نے عزیزہ کی صحت کے لئے دعا کی۔ اس خط کا مطلب وہی سمجھ سکتا ہے جو وطن سے دور ہو اور پھر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہو۔

ہمارے تمام خطوط سنسر ہوتے تھے مگر اس خط کو سنسر نہ کیا گیا۔

قیدی کی عید اس کے گھر والوں کی صحت و سلامتی کی خاطر ہوتی ہے مگر ہم سب کے دلوں میں ایک سمندر موجزن تھا اور دعا تھی کہ پروردگار! تاجدار ختم نبوت کے صدقہ میں ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب کرے یہی ہماری عید ہو گی۔ لولاک ۲۶ دسمبر ۶۹ء

ہمارا شریف انسپکٹر جنرل

ماسٹر تاج الدین فرماتے ہیں۔ مسٹر زبیدہ زید احمد خدا انہیں خوش رکھے بہت ہی بلند کریکٹر کے مسلمان ہیں عید کے دن جب ہمارے بڑے بڑے افسر اپنے جیسوں سے ملنے کے عادی ہیں کلبوں میں جاتے ہیں اور کوٹھیوں پر ماتحتوں کے سلام وصول کرتے ہیں انسپکٹر جنرل جیل خانہ قیدیوں سے عید ملنے کے لئے تشریف لے آئے وہ دوسرے وارڈوں میں بھی گئے اور مسکراتے ہوئے جب ہمارے وارڈ میں تشریف لائے اور دور سے عید مبارک کہتے ہوئے ہماری طرف بڑھے ان کی بلند اخلاقی کا ہم پر بے حد اثر ہوا۔ انہیں ہم مجبور قیدیوں سے کیا لینا تھا ہمارے دل میں اس وقت بھی یہی خیال آیا کہ یہ سب رسول مقبول نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات بابرکات کا صدقہ ہے ورنہ کون پوچھتا ہے قیدی تو قیدی ہوتا ہے اور پھر سی کلاس کے تھرڈ کلاس قیدی۔ عید کے دن شہر کے لوگ جیل کے قریب سے نہیں گذرتے مبادا ان کی خوشی پژمردہ ہو جائے اور مسرتوں پر اداسی چھا جائے۔ آپ شاید یہ خیال کرتے ہوں کہ ہمیں اپنے عزیز و اقارب یا دوست احباب کی یاد نے ستایا نہ ہوگا۔ آہ یہ بے بسی کے لمحے جس پر گذرتے ہیں وہی جانتا ہے۔ ہمیں بارہا خیال آیا کہ ہمارے دوست ہمارے اہل و عیال آج یقیناً اداس ہوں گے مگر ایک تصور ایک روح فرسا خیال آیا جس نے ہمیں چونکا دیا۔ ہم نے شہیدوں کا خیال کیا ان کے ورثا کے تصور نے ہمیں تڑپا دیا۔ وہ مائیں جن کے جوان بیٹے شہید ہو کر جنت کو سدھار گئے۔ آج کس حال میں ہوں گی وہ یتیم بچے جن کے سہارے اٹھ گئے وہ جوان بیوائیں جن کے سہاگ لٹ گئے۔ ان خیالات کے ہجوم سے دل بیٹھنے لگا۔ تب قدرت نے سہارا دیا اور وہ یہ خیال تھا کہ یہ سب کچھ تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کی خاطر ہوا اور اس مبارک اور مقدس "جرم" کی پاداش میں آج ہم جیل میں بیٹھے ہیں اس خیال کے آتے ہی اپنی خوش نصیبی پر مطمئن ہو گئے اس روز خواجہ ناظم الدین اور ان کے ساتھیوں نے بھی عید منائی ہو گی۔ ان کے ضمیر نے انہیں کیا کہا ہو گا۔ اللہ بہتر جانتا ہے وہ ان بھیدوں اور غیب کے جاننے والا ہے۔ بہرحال قیدیوں اور نظربندوں کی عید آئی اور گذر گئی۔

— ہرچہ آید بر سر فرزند آدم بگذرد

اسلامی مساوات کی روح کو کچلنے اور انسانیت کی تذلیل کی خاطر برطانوی دور میں جیل کے اندر [illegible] میں جب درجہ بندی کا آغاز ہوا۔ سیاسی رہنماؤں نے ٹھوکر کھائی اور اس خلاف انسانیت فعل کو بطیب خاطر قبول کر لیا۔ ہمارے سیاسی رہنماؤں کو درجہ بندی قبول کرنے کی بجائے قیدیوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے اور مساوات قائم کرنے کی کوشش کرنا چاہئے تھی۔ بہرحال درجہ بندی قائم ہو گئی اور اب وہ ایک مستقل صورت اختیار کر چکی ہے ہم سی کلاس میں وقت گزار رہے تھے مگر افسران جیل نے خود محسوس کیا اور ہمیں درخواست لکھنے پر آمادہ کرنا چاہا ایک بار ہم درخواست بھی کر چکے تھے مگر ہماری درخواستوں کو حکومت وقت کا انتقامی جذبہ چاٹ گیا اب ان درخواستوں کا کھوج لگانا بھی مشکل تھا۔ بار بار درخواستیں کرنا وہ بھی ان لوگوں سے جن سے ہم سخت بیزار تھے ہمیں گوارا نہ تھا زیادہ اصرار ہوا تو ہم نے احتجاج کے طور پر بہتر سلوک کے لئے لکھا جیل کے افسران نے بڑی ہمت سے کام لیا اور چند روز بعد کراچی سے بہتر کلاس کی منظوری آ گئی۔ اب ہمیں ملاقات اور خط لکھنے کی سہولت مل گئی۔ اخبار بھی علی الصبح مل جاتا تھا جس سے ہم باہر کی دنیا کا اندازہ لگا کر سمجھ لیتے تھے کہ باہر کیا ہو رہا ہے اب ہمیں کچھ کچھ معلوم ہونے لگا کہ ہمارے بعد ہمارے بھائیوں پر کیا گذری ایک جیل کے

قیدی جب دوسری جیل میں جاتے ہیں تب قیدیوں کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ دوسری جیل کا کیا حال ہے ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے معززان مولانا ابوالحسنات اور حضرت امیر شریعت اور دوسرے ساتھی کوزی جیل میں ہیں مگر یہ خبر بعد میں غلط ثابت ہوئی پھر معلوم ہوا کہ انہیں سکھر جیل میں رکھا ہوا ہے بھوپت سکھر جیل بھی رہ آیا تھا اس نے بتایا کہ سکھر جیل کی جس بارک میں وہ رہتا تھا اس میں سخت گرمی ہوتی تھی۔ کمرہ سیمنٹ شدہ لو سے اتنا گرم ہو جاتا ہے کہ دیوار کے قریب بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارے رفقاء کو اس بارک میں رکھا گیا تھا۔ اس کا صحن بھی بہت چھوٹا تھا۔ بہرحال اس مجبوری میں صبر کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ ابھی چند ہی روز گذرے ہوں گے کہ ایک روز ڈان میں یہ خبر شائع ہوئی کہ انکوائری کورٹ کا بندوبست ہو گیا ہے۔ چیف جسٹس پنجاب کی سرکردگی میں فسادات پنجاب کی تحقیقات ہوگی یہ خبر ۶ جون ۱۹۵۳ء کو ڈان میں شائع ہوئی دو دن بعد ڈان میں ایک اور خبر شائع ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ سر ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ قادیانی لاہور جا رہا ہے اس خبر سے ہمارا ماتھا ٹھنکا جیل میں ہم تینوں نظر بند مشورہ کر لیتے تھے اور تو کوئی مشیر تھا نہیں ہمیں یہ خیال گذرا کہ سر ظفر اللہ قادیانی کا ٹھیک اس وقت لاہور جانا جبکہ تحقیقاتی کمیٹی کا اعلان ہوا ہے خطرے کا باعث ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی موجودہ حیثیت سے تحقیقات پر اثر انداز ہو ہمارے تمام ساتھی جیل میں ہیں باہر مرزائی بھی کھلے بندوں دندنا رہے ہیں اور حکومت پنجاب جو خوان خرابے کی ذمہ دار تھی وہ بھی بحیثیت حکومت موجود ہے ہمارے برخلاف خدا جانے کیا کچھ کیا جائے ہمیں اس صورت میں کیا کرنا چاہیے مگر اس مجبوری میں ہم کر بھی کیا سکتے تھے۔ جرح و قدح کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ میں بحیثیت صدر احرار جسٹس منیر کو جو تحقیقات کمیٹی کے صدر اور پنجاب کے چیف جسٹس ہیں ان کو ایک خط تحریر کروں۔ چنانچہ ایسے ہوا جیل حکام کی معرفت ان کو خط تحریر کیا۔ یہ خط تحقیقاتی عدالت کے ریکارڈ میں اب بھی موجود ہوگا اس کا مفہوم یہ تھا کہ عین اس وقت جب کہ تحقیقاتی عدالت کا اعلان ہوا ہے ظفر اللہ کا لاہور پہنچنا ہمارے لئے خطرے کا باعث ہو سکتا ہے ہمیں معلوم نہیں کہ وہ ایسے وقت میں لاہور کیوں آیا ہے۔ ہم کو حق تو نہیں حاصل کہ ہم ان سے یہ کہیں کہ آپ تحقیقات کے دوران میں لاہور نہ آئیں اور نہ روکنے کے مجاز ہیں مگر ان کی شخصیت اور حیثیت کے رعب کی وجہ سے ہمیں خدشہ ضرور لاحق ہے کہ ہمارے خلاف کیا گل کھلایا جانے والا ہے خط کا تقریباً یہی مفہوم تھا۔

عدالت کا نوٹس

میرے نام تحقیقاتی عدالت کی جانب سے ایک مراسلہ حکام جیل کی معرفت موصول ہوا

کہ احرار ایک فریق شمار کیا گیا ہے مجھ سے عدالت نے دریافت کیا کہ تمہیں فریق بننا منظور ہو تو عدالت کو مطلع کرو۔ میں چیف جسٹس کے نام خط لکھنے والا تھا کہ ڈان میں ایک اور خبر شائع ہوئی اور وہ یہ تھی کہ حکومت پنجاب نے مجلس احرار کو خلاف قانون جماعت قرار دیکر مجلس کے تمام دفاتر پر تالے ڈال دیئے ہیں مجھے اس خبر سے سخت صدمہ ہوا اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ حکومت پنجاب سکھا شاہی کا ریکارڈ مات کر دینے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ میں نے حکومت پنجاب کے اس اقدام کے خلاف چیف جسٹس کو خط لکھا جس میں لکھا کہ آپ نے اپنے اطلاع نامہ میں مجھ سے یہ دریافت فرمایا ہے کہ آیا مجھے تحقیقاتی عدالت کے سامنے بحیثیت فریق حاضر ہونا منظور ہے اور ساتھ ہی حکومت پنجاب نے جو اس تحقیقاتی عدالت میں ایک فریق کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس نے دوسرے فریق (یعنی ہمیں) انتقام کا نشانہ بنایا ہے اور ہمارے دفاتر سربمہر کر دیئے ہیں تحقیقات کے دوران ایک فریق کا دوسرے فریق کو انصاف حاصل کرنے کی راہ میں مشکلات پیدا کرنا۔ دوسرے فریق کو ہراساں کرنا ناانصافی اور زیادتی ہے حکومت پنجاب کے اس نامناسب اقدام پر میرا احتجاج قبول فرمایئے۔

اچانک ایک روز جیل کے داروغہ نے ایک اردلی بھیجا کہ اسباب باندھ کر تیار ہو جاؤ آپ کو لاہور بھیجا جا رہا ہے اب مجھے اپنے عزیز معزز رفقاء سے ملنے کی خوشی تھی لاہور میں میرا گھر بھی تھا۔ مگر میں اپنے دو عزیز ساتھیوں کی جانب دیکھتا تھا تو میرا دل بیٹھتا تھا۔ میں نے جیل کے افسران سے درخواست کی کہ میرے ان دو ساتھیوں کو دوسرے بی کلاس قیدیوں کے پاس بھیج دیجئے۔ میں ہی خطرناک نظربند تھا جو اس محفل سے اٹھ رہا ہوں اب ان دو نظربندوں پر اس قدر عتاب ' احتیاط اور پابندی کی کیا ضرورت ہے میری یہ درخواست زیر غور فہرست میں رکھ لی گئی۔ دوسرے دن مجھے حکم ہوا کہ پولیس ڈیوڑھی پر آگئی ہے ڈیوڑھی پر چلنے میں نے بڑی حسرت سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور خدا حافظ کہتے ہوئے ان سے جدا ہوا۔ جیل کے دروازے پر ایک تھانیدار اور دو حوالدار سپاہی موجود تھے قیدی اگر خود شرافت کا ثبوت بہم پہنچائے تو وارڈن اور پولیس والوں کا دماغ نہیں چل گیا کہ وہ بدسلوکی کریں۔ بعض پولیس والے دماغی طور پر ناکارہ ہوتے ہیں مگر ایسے بہت کم ہوتے ہیں میری طبیعت میں یوں بھی بہت نرمی ہے۔ جگہ جگہ لڑنا بیوقوفی سمجھتا ہوں۔ ایک جگہ دل کھول کر لڑ لینا چاہئے قدم قدم پر ہر شخص سے الجھنے والا بڑا خراب ہوتا ہے۔ مجھے نہایت آرام سے لاہور لایا گیا دوسرے دن لاہور ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو بھولی بسری یاد تازہ ہو گئی۔ پولیس والوں کو جیل کا راستہ معلوم نہ تھا۔ میں انہیں دہلی دروازے کی طرف نہ لے جانا چاہتا تھا وہ مجھ سے دریافت کرتے تھے کہ جیل کس راستے سے جانا ہو گا میں نے انہیں اوپر کا راستہ بتایا اور خود ہی کہا کہ شہر کے اندر جاؤ گے تو بڑی

مشکل کا سامنا ہو گا مجھے سب لوگ جانتے ہیں بڑا بدنام شخص ہوں سنسان راہوں سے زنانہ جیل کے قبرستان تک لے چلو۔ جیل کے دروازے پر پہنچے تو پہلے سے اطلاع ہو چکی تھی زیوڑھی ہماری دیکھی بھالی تھی افسر نئے تھے مگر تھے بھلے۔ دفتر میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ موجود تھے۔ وہ اخلاق سے پیش آئے۔ لمبی چالی اور حکم ہوا کہ دیوانی گھر میں ڈیرا لگا دیجئے۔ میں نے کہا مجھے تو فوجداری میں پکڑا گیا ہے دیوانی گھر کے کیا معنی وہ ہنس کر فرمانے لگے۔ وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ دیوانی گھر میں کیوں بھیجے جا رہے ہو۔ اچھا بھئی لے چلو اسباب اٹھوا کر اندر پہنچے جونہی دیوانی گھر کا باہر کا دروازہ کھلا بلند قہقہوں اور مسرتوں کے ہجوم میں کھو گیا۔ مولانا ابو الحسنات، حضرت امیر شریعت، صاحبزادہ فیض الحسن، مولانا محمد علی جالندھری، شیخ حسام الدین۔ غرضیکہ جدھر نگاہ اٹھتی ہے دوست احباب اور غمگسار نظر آتے ہیں۔ دیوانی احاطے میں مکانیت تو بہت کم ہے صرف دو بڑے کمرے مگر صحن بہت کھلا تھا۔ باغیچہ کیاریاں درخت پھول پھلواری اس پر لطف یہ کہ یہاں جو معزز ہستیاں موجود تھیں وہ باغ و بہار اور ایمان کو تازہ کرنے والی خوش خلق اور محبوب ہستیاں تھیں۔ ایک بار تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ خواب دیکھ رہا ہوں آنکھ کھلے گی اور میں سندھ کی دور افتادہ جیل میں ہوں گا آہستہ آہستہ جب باتیں شروع ہوئیں تو مجھے یقین آ گیا کہ میں واقعی لاہور آ گیا ہوں۔

مرکزی راہنماؤں کی گرفتاری کے بعد کے حالات

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں کہ مزید گرفتاریوں اور فریقین یعنی مجلس عمل اور حکومت دونوں کی طرف سے کیا کیا معرکہ آرائیاں ہوئیں یہ بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں حکومت کے اندر جو کچھ ہو رہا تھا اسے بھی قارئین کرام کے پیش کر دیا جائے یہ سب معلومات حکومت کی خفیہ فائلوں کی کارروائی ہے۔ جو ہم تک منیر انکوائری کمیشن کے توسط سے پہنچ پائی ہے۔

اس کارروائی سے آپ اندازہ لگائیں گے کہ محکمہ سی آئی ڈی اور انٹیلی جنس بیورو کے کارندے کس قسم کی رپورٹیں مرتب کر رہے تھے ان کا مبلغ معلومات کیا تھا اور ان میں سے بعض افسروں کا جذبہ کتنا قابل مذمت تھا ملاحظہ ہو از انٹیلی جنس بیورو حکومت پاکستان کراچی ۲۳ فروری ۱۹۵۳ء ذرائع خبر رسانی کی ایک رپورٹ سے کسی قدر قرین حقیقت معلوم ہوتی ہے مظہر ہے کہ تحریک ختم نبوت کے علم بردار پنجاب اور کراچی میں ۲۲ فروری ۱۹۵۳ء سے اپنے پانچ مطالبات کے سلسلے میں سول نافرمانی کی ایک تحریک جاری کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ان کے مطالبات یہ ہیں۔

۱۔ عزت مآب چوہدری ظفراللہ خاں کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے۔

۲۔ قادیانیوں کو ایک اقلیت قرار دیا جائے۔

۳۔ قادیانیوں کو جو اراضی ربوہ میں دی گئی ہے وہ ان سے واپس لے کر مہاجرین کی آباد کاری میں صرف کی جائے۔

۴۔ قادیانیوں کو حکومت کے کلیدی عہدوں سے الگ کر کے ان کی جگہ مسلمان مقرر کیے جائیں۔

۵۔ دستور پاکستان خالص اسلامی خطوط پر وضع کیا جائے۔

۶۔ اس شورش کے سلسلے میں پہلا شخص جو پنجاب میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرے گا۔ وہ غالباً صاحبزادہ فیض الحسن ہو گا۔ جس کے تیس ہزار مرید ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے تمام مرید اس تحریک میں اس کی پیروی کریں گے۔

۳۔ کراچی میں مولانا لال حسین اختر کے بجائے جو ایک اطلاع کے مطابق اب نامقبول ہو چکا ہے کیونکہ اس نے پچھلے سال کوئی چوبیس ہزار روپیہ صرف کر دینے کے باوجود کوئی کامیابی حاصل نہیں کی ایک شخص محمد جوہر نائب ناظم اعلیٰ جماعت ختم نبوت اس شورش کے آغاز کے منصوبوں کی تکمیل کرے گا لیکن محمد جوہر اس عمل کو شروع کرنے میں مشکلات محسوس کر رہا ہے کیونکہ رضاکار کافی تعداد میں دستیاب نہیں ہوتے۔ آئندہ چند روز کے دوران میں اس کی واحد کوشش یہی ہو گی کہ زیادہ سے زیادہ رضاکار بھرتی کرے' جو اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر سکیں۔ کل اس نے ایک شخص نیاز احمد کو بولٹن مارکیٹ کی میمن مسجد جمعہ کے نمازیوں کے سامنے تقریر کرنے کے لئے بھیجا۔ لیکن نیاز احمد تقریر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ خداداد اور قائد آباد کالونیوں کے بعض باشندوں کے متعلق اطلاع ملی ہے کہ وہ بطور رضاکار بھرتی ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی پوری تعداد اب تک معلوم نہیں ہو سکی۔ تجویز یہ ہے کہ آئندہ چند روز کے اندر جہانگیر آباد میں جو عثمانیہ کالونی کے قریب ہے رضاکاروں کو بھرتی کرنے کی غرض سے ایک جلسہ منعقد کیا جائے۔

۴۔ معلوم ہوا ہے کہ مولانا محمد علی جالندھری نے ہدایت جاری کی ہے اور رضاکاروں کو حکم دیا ہے کہ ۲۱ اور ۲۲ فروری ۱۹۵۳ء کی درمیانی نصف شب کے وقت روانگی کے لئے تیار ہو جائیں۔

۵۔ ذریعہ خبر رسانی کی اطلاع مذکورہ بالا ان اقدامات کے متعلق ہے۔ جن کا منصوبہ کراچی میں تیار کیا جا رہا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوا کہ پاکستان کے دوسرے مقامات پر کیا منصوبے تیار کئے گئے ہیں۔ لہٰذا استدعا کی جاتی ہے کہ تمام صوبوں کی سی' آئی' ڈی از راہ نوازش ضروری اقدام

کی غرض سے فوری تحقیقات کرے"

مندرجہ ذیل انتہائی خفیہ۔ نہایت فوری اور مرموز حروف میں ایک تار فارن کراچی کی طرف سے ۱۹ فروری ۱۹۵۳ء کو پنجاب میں موصول ہوا۔

ا۔ زمیندار اور آزاد لاہور میں عنوانات مضامین اور تبصروں کے ذریعے سے احمدیوں کے خلاف شورش کو برابر تیز کیا جا رہا ہے۔ بعض تازہ مثالیں یہ ہیں۔ "زمیندار" مورخہ ۱۲ '۱۷ فروری میں علی الترتیب مقالہ افتتاحیہ اور احمدیوں کے خلاف مضامین درج ہیں اور ۳۔ ۸ اور ۱۱ فروری کے "آزاد" میں ایک سلسلہ مضامین اور نظمیں شائع ہوئی ہیں۔ اس سے پہلے "آزاد" میں جو قابل اعتراض مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی طرف صوبائی حکومت کو توجہ دلائی جا چکی ہے۔

۲۔ اب ایک اطلاع ہمارے علم میں آئی ہے۔ کہ احمدیوں کے مخالف عناصر پنجاب میں اپنی شورش کو تیز تر کرنے کی غرض سے ۲۲ فروری سے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کریں گے مرکزی حکومت کو مسرت ہو گی اگر صوبائی حکومت اس اطلاع پر اپنے خیالات ظاہر کرے اور مرکزی حکومت کو یقین ہے کہ اخبارات کو شورش کی آگ بھڑکانے سے روکنے کی ضروری تدابیر اختیار کی جائیں گی۔"

اس تار کے موصول ہونے پر چیف منسٹر ہوم سیکرٹری اور مسٹر انور علی نے (جواب مسٹر قربان علی خاں کی جگہ انسپکٹر جنرل پولیس تھے) گفت و شنید کی۔ جس کا نتیجہ ۲۰ فروری ۱۹۵۳ء کو مسٹر انور علی نے ان الفاظ میں قلمبند کیا۔

اس کیس پر آج صبح میں نے اور ہوم سیکرٹری نے چیف منسٹر صاحب سے گفتگو کی چیف منسٹر صاحب نے مسودے میں جو ترمیمات تجویز کیں وہ کر دی گئی ہیں۔ کیا چیف سیکرٹری صاحب از راہ کرم اس پر دستخط کر دیں گے۔ تاکہ اسے فوراً جاری کر دیا جائے۔

۲۔ چونکہ پرسوں اتوار ہے۔ اس لئے ممکن ہے۔ کراچی میں مسودے پر کارروائی میں تاخیر ہو جائے اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ تار موصولہ ۱۹ فروری ۱۹۵۳ء کے جواب میں ایک مرموز تار بھیج دیا جائے۔ مسودہ شامل ہے۔

۳۔ چیف منسٹر صاحب کی تجویز ہے کہ ذیل کے خطوط پر مزید کارروائی کی جائے۔

(i) گذشتہ مہینے دو مہینے کے اندر صوبے میں جو مکروہ واقعات رونما ہوئے ہیں اور جن کا ذکر حکومت پاکستان کی چٹھی میں کیا گیا ہے۔ ان کی مناسب اشاعت ہونی چاہیے۔ چیف منسٹر کی خواہش ہے کہ ہوم سیکرٹری 'آفاق' مغربی پاکستان اور احسان کے ایڈیٹروں کو طلب کر کے انہیں مناسب ہدایات دیں۔ ان کی یہ بھی خواہش ہے کہ ڈی پی آر صاحب سول اینڈ ملٹری گزٹ کے

ایڈیٹر سے بات کر کے ان کو مشورہ دیں کہ وہ صورت حالات کے متعلق زیادہ مقصدی انداز میں ایسے مضامین لکھیں جن سے عوام بہت زیادہ بے رخی کا اظہار نہ کریں۔

(ii) آل پارٹیز مسلم کنونشن کے جن کارکنوں نے اس شورش کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ ان کو ہوم سیکرٹری صاحب طلب کریں اور بتائیں کہ ان کی شورش اب پرامن نہیں رہی اور ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ جن سے عوام کے دلوں میں حقیقتاً خوف و دہشت کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ ان کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ اگر امن و قانون کی حدود کو توڑا گیا تو صوبائی حکومت اس کے لئے براہ راست اس شورش کے علم برداروں کو ذمہ دار قرار دے گی۔

(iii) چیف سیکرٹری صاحب ڈائریکٹر تعلقات عامہ کو ہدایت دیں کہ وہ مولانا ابوالحسنات مولانا ترجم اور مولانا محمد بخش مسلم کو طلب کر کے انھیں ایسی تقریریں کرنے سے پرہیز کا مشورہ دیں جن میں عوام کو قانون و انتظام کی خلاف ورزی پر اکسایا گیا ہو۔ ڈائریکٹر تعلقات عامہ مولانا اختر علی خاں کو علیحدہ طلب کر کے ان سے مناسب گفتگو کریں۔

۳۔ ہوم سیکرٹری نے اس یادداشت کو پڑھ لیا ہے اور وہ اس کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ چیف سیکرٹری از راہ کرم ڈائریکٹر تعلقات عامہ کو ہدایت دے دیں۔ "

جو مرموز سائفر تار ۱۸ فروری کو کراچی سے موصول ہوا تھا۔ اس کے جواب میں چیف سیکرٹری نے ۲۱ فروری کو مندرجہ ذیل تار ارسال کیا۔

" جس شورش کی دھمکی دی گئی ہے وہ غالباً کراچی میں شروع کی جائے گی۔ لیکن اس کے اثرات اس صوبے (پنجاب) اور دوسرے صوبوں میں بھی رونما ہو سکتے ہیں۔ صوبائی حکومت صورت حال سے برابر مطلع ہے۔ آپ کی راہنمائی حاصل کرنے کی غرض سے مفصل چٹھی آج ارسال کی جا رہی ہے "

اس تار کے ساتھ چیف منسٹر کی منظوری سے مندرجہ ذیل چٹھی بھی ارسال کی گئی " نمبر 2249 B D S B پنجاب سول سیکرٹریٹ لاہور ۲۱ فروری ۱۹۵۳ء مکرمی محمد صاحب از راہ کرم غیاث الدین کی ڈی او چٹھی نمبر B D S B مورخہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۲ء بنام حمید الدین احمد احرار شورش کے موضوع پر لکھی گئی تھی۔ بغرض حوالہ پیش نظر رکھ لیجئے۔

۲۔ کچھ وقت کے لئے شورش کی رفتار نرم پڑ گئی تھی۔ لیکن حال ہی میں عوام کی دلچسپی کو تیز کرنے کی کوششیں خاصی شدت کے ساتھ دوبارہ جاری کر دی گئی ہیں۔ صوبے بھر میں بے شمار کانفرنسیں اور جلسے منعقد کئے گئے ہیں اور آتش ریز تقریریں کی گئی ہیں۔ ملاؤں کی تائید و حمایت حاصل کر لی گئی ہے اور احمدیوں کے خلاف زہر اگلا جا رہا ہے۔ گوجرانوالہ میں مطبوعہ اشتہارات نشر کئے گئے جن میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ احمدیوں سے اچھوتوں کا سا سلوک کیا جائے

اور کھانے پینے کی چیزوں کی دکانوں پر ان کے لئے علیحدہ برتن رکھے جائیں۔ کچھ مدت ہوئی ضلع گوجرانوالہ میں اس امر پر بھی زور دیا گیا ہے کہ احمدیوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ صرف پولیس کی مداخلت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایسے واقعات نہ ہونے پائے۔ احمدیوں نے جو اس نئی حرکت سے بہت زیادہ مضطرب ہو گئے تھے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو درخواست دی کہ انہیں اپنا علیحدہ قبرستان بنانے کے لئے زمین الاٹ کی جائے۔ یکم فروری ۱۹۵۳ء کو سرگودھا میں مسلمانوں کے قبرستان میں ایک احمدی کی میت کی تدفین کے خلاف مزاحمت کی گئی پولیس موقع پر پہنچ گئی۔ جس سے صورت حال پر قابو پا لیا گیا۔ احمدیوں کے مجلس مقاطعہ کی تلقین کھلم کھلا کی جا رہی ہے۔ منٹگمری میں ایک مقرر نے کہا کہ احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ کیا جائے اور ان کو عوامی کنوؤں سے پانی بھرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ شورش کا لہجہ قطعی طور پر نہایت پست اور جنگل صورت اختیار کر گیا ہے۔ صوبے بھر میں رضاکاروں کی بھرتی کے لئے ایک مہم کا آغاز کر دیا گیا ہے اور صاحبزادہ فیض الحسن پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا ہے رضاکاروں سے ایک حلف نامے پر دستخط کرائے جاتے ہیں۔ کہ اگر رسول پاکؐ کی عزت کے لئے جان دینے کی ضرورت پڑے گی تو وہ اس میں دریغ نہ کریں گے کہا جاتا ہے کہ بعض رضاکاروں نے حلف نامہ اپنے خون سے لکھ کر پیش کیا ہے۔ لاہور میں کوئی ڈیڑھ سو اشخاص بھرتی ہوئے ہیں۔ صوبے کے دوسرے حصوں میں اب تک جو رضاکار بھرتی ہوئے ہیں ان کی تعداد کا اندازہ پانچ سو کے قریب کیا جاتا ہے۔ صوبہ بھر میں پچاس ہزار رضاکاروں کو بھرتی کرنا مقصود ہے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری (صدر آل پاکستان مجلس احرار) سید مظفر علی شمسی (سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ) اور صاحبزادہ فیض الحسن کا رویہ خصوصاً جارحانہ ہو رہا ہے۔

۴۔ آل مسلم پارٹیز کنونشن جو گذشتہ ماہ جولائی میں احراریوں نے مرتب کی تھی۔ اس کا ایک اجلاس ۱۶ جنوری سے ۱۸ جنوری تک کراچی میں منعقد ہوا جس میں حسب معمول مطالبات کی قراردادیں منظور کی گئیں۔ اس کنونشن کے مندوب جب سے پنجاب واپس آئے ہیں۔ ان کا طرز عمل پہلے کی نسبت زیادہ سرکشانہ ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کراچی میں علماء کی کانفرنس نے احمدیوں کو ایک اقلیت اقرار دینے کی جو حمایت کی۔ اس سے ان لوگوں کو بہت تقویت پہنچی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ وزیراعظم نے جن سے وہ ملاقات کر چکے ہیں۔ ان کے مطالبات سے ہمدردی ظاہر کی۔ لہٰذا انہوں نے صاحب موصوف کو الٹی میٹم دے دیا ہے۔ کہ وہ ۲۲ فروری کو راست اقدام کریں گے۔ وہ ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ کراچی کے عوام ان کے حامی ہیں اور اگر تحریک شروع کی گئی تو وہ جوق در جوق اس کی حمایت کریں گے وہ مرکزی حکومت کے ارکان پر

الزام عائد کر رہے ہیں کہ انہوں نے وعدے کیے لیکن ان کا ایفانہ کیا۔ کراچی سے مندوبین کی واپسی کے بعد اس شورش میں ایک نئے پہلو کا اضافہ ہو گیا ہے یعنی عزت مآب وزیراعظم پاکستان کے خلاف بدگوئی اور دشنام طرازی کی مہم شروع کر دی گئی ہے۔ شورش کے ابتدائی مرحلوں میں سر ظفر اللہ خاں کی موقوفی کا مطالبہ کیا جاتا تھا لیکن اب بعض مقررین یہ کہہ رہے ہیں کہ عزت مآب وزیراعظم کو اپنے عہدے سے مستعفی ہو جانا چاہیے۔

۴۔ کہا جاتا ہے کہ "ڈائریکٹ ایکشن" کراچی میں شروع کیا جائے گا اور اس کے لیے رضا کار پنجاب اور دوسرے صوبوں سے بھیجے جائیں گے "ڈائریکٹ ایکشن" احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ کی شکل اختیار کرے گا' دھمکی بھی دی گئی ہے کہ اگر دفعہ ۱۴۴ کے ماتحت احکام جاری کیے گئے تو ان کی خلاف ورزی کی جائے گی۔ مطالبات حسب ذیل ہیں۔

(i) سر ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے۔

(ii) احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

(iii) جو احمدی حکومت کے کلیدی عہدوں پر قابض ہیں ان کو ان عہدوں سے موقوف کیا جائے۔

۵۔ اس شورش کو جماعت اسلامی' اہلسنت والجماعت' اہلحدیث اور شیعوں کی حمایت حاصل ہے پیر صاحب گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی) پیر صاحب سیال شریف (ضلع سرگودھا) پیر صاحب علی پور سیداں (ضلع سیالکوٹ) پیر شوکت حسین (سجادہ نشین ملتان) اور دیگر حضرات نے اس شورش کو برکت کی دعا دی ہے۔ سرمایہ جمع کیا جا رہا ہے اور ایک روپے کے نوٹ چھاپ کر فروخت کیے جا رہے ہیں۔ بازاری اور غنڈہ عناصر نے بھی شورش پسندوں کی تائید اختیار کر لی ہے۔ آزاد پاکستان پارٹی کی شاخ نے شورش پسندوں کو ایک ہزار روپے کی رقم عطا کی ہے۔

۶۔ جب یہ معلوم ہوا کہ عزت مآب وزیراعظم ۱۹ تاریخ کو لاہور آ رہے ہیں۔ تو ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا۔ جس میں اعلان کیا گیا کہ وزیراعظم کے دورہ کی تاریخ کو ہڑتال کی جائے۔ اور مکانوں کی چھتوں پر کالی جھنڈیاں لگائی جائیں۔ مقررین نے احتیاطاً اس بات پر زور دیا کہ تشدد سے کام نہ لیا جائے۔ لیکن عملاً وہ عوام کے احساسات کو مشتعل کرنے میں برابر مصروف رہے۔ بعض مقررین نے اپنی تقریروں میں کہا کہ نافرمانی شروع ہونے کی حالت میں پولیس جن ملازموں کو گرفتاریاں کرنے کا حکم دے انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ روز قیامت انہیں ان افعال کے لیے جوابدہی کرنی پڑے گی جو ان کے فرائض مذہبی کے منافی ہوں گے ۱۹ تاریخ کی صبح کو سکولوں کے لڑکوں اور بازار کے لونڈوں کے دستے ادھر ادھر بھیج دیئے گئے اور دکانداروں کو

دکانیں بند کرنے کی ہدایت کی گئی۔ بہت سے لوگ اپنی دکانیں کھلی رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کو دھمکایا گیا۔ اور غریب ان لوگوں اور دوسرے لوگوں کے سامنے جو بازاروں میں چکر کاٹ رہے تھے عاجز آ کر دکانیں بند کرنے پر مجبور ہو گئے چند سکول بھی بند کر دیئے گئے۔ دو ایسے واقعات بھی ہوئے۔ جن میں تشدد اور خونریزی تک نوبت پہنچ گئی۔ ایک واقعہ دیال سنگھ کالج کے باہر اور دوسرا تعلیم الاسلام (احمدیوں کی درسگاہ) میں رونما ہوا جب ان کالجوں کے طلبہ نے ہڑتال کرنے سے انکار کیا۔ تو طرفین کی طرف سے خشت باری ہوئی۔ اور لوگ زخمی ہوئے۔ سر ظفر اللہ خاں کا ایک جنازہ بھی نکالا گیا اور متعدد چھوٹے چھوٹے جلوس بازاروں میں چکر لگانے لگے۔ پابند قانون شہری ان مظاہروں کو پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن محض اس خوف سے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرتے تھے کہ مبادا ان کو بھی احمدی قرار دے دیا جائے۔

۷۔ کہا گیا ہے کہ کراچی میں "ڈائرکٹ ایکشن" شروع کرنے کے لئے آخری تاریخ ۲۲ مقرر کی گئی تھی احرار لیڈروں نے عوام کے غیظ و غضب کو اس حد تک مشتعل کر دیا ہے کہ اب ان کے لئے پیچھے ہٹنا بہت مشکل ہے وہ بڑی تند اور ہیجان انگیز تقریریں کرتے رہے ہیں۔ اور انہیں محض اپنی عزت سلامت رکھنے کی خاطر بھی ۲۲ تاریخ کو کوئی نہ کوئی ڈرامائی اقدام کرنا پڑے گا۔

۸۔ لاہور میں قریب قریب ہر شب کو جلسے ہو رہے ہیں۔ جن میں احمدیوں کے خلاف عوام کے احساسات کو مشتعل کرنے کے لئے تقریریں کی جاتی ہیں۔ ۱۹ تاریخ کو بعض دکانداروں کے منہ کالے کر دیئے گئے۔ کیونکہ انہوں نے دکانیں بند کرنے سے انکار کیا تھا۔ دیال سنگھ کالج کے قریب مظاہرین نے ایک موٹر کار کو بھی کسی قدر نقصان پہنچایا۔ ۱۸ تاریخ کو نارتھ ویسٹرن ریلوے کی ورکشاپ میں ایک احمدی جو کئی روز سے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ غصے میں بھر گیا اور اس نے ایک غیر احمدی کو لوہے کی ایک سلاخ مار کر بیہوش کر دیا۔ اس وقت سے یہ احمدی مفرور ہے اور اس کا کوئی اتہ پتہ معلوم نہیں لاہور میں ایک ڈپو ہولڈر نے ایک احمدی عورت کے ہاتھ گیہوں فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور آخر اس وقت مہربان ہوا جب عورت نے یہ وعدہ کر لیا کہ احمدیوں کے خلاف جو تحریک شروع کی جائے گی۔ وہ اس میں شامل ہو گی سنت نگر کے پرائمری سکول کے ایک طالب علم کو اس کے ہم جماعتوں نے گھیر لیا۔ اس کو تھپڑ مارے اور مرزائی کتا کے نعرے لگائے۔

۹۔ یہ شورش صرف اس صوبے تک محدود نہیں۔ نہ وہ مطالبات جن پر بظاہر یہ شورش مبنی ہے۔ صوبائی حکومت کے دائرہ اختیار میں داخل ہیں۔ اس لئے حکومت کو اس صورت حالات کا مداوا کرنے میں سخت دقت محسوس ہو رہی ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اگر مرکزی حکومت ان

مطالبات کے متعلق ایک مضبوط پالیسی اختیار کرنے کا اعلان کرے۔ تو صوبائی حکومت کے ہاتھ کافی مضبوط ہو جائیں گے۔ وہ پالیسی کچھ بھی ہو لیکن اس کے اعلان کے بعد کسی کو اس بارے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے گا۔ کہ حکومت پاکستان کا ارادہ کیا ہے۔ اور وہ کیا رویہ اختیار کرنا چاہتی ہے۔ صوبائی حکومت محسوس کرتی ہے کہ وہ صوبے کے اندر اس پالیسی پر عمل درآمد کرنے کے لئے کافی طاقتور ہے۔

آپ کا مخلص

دستخط ایچ۔ اے سید

بخدمت جی۔ احمد۔ اسکوائر سیکرٹری حکومت پاکستان۔ وزارت داخلہ کراچی

اسی دن مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس نے چیف سیکرٹری کو یہ یادداشت لکھ کر ارسال کی۔

" حکومت غالباً اس تقریر کی روداد پر مطلع ہونے کی خواہاں ہو گی۔ جو مولوی محمد علی جالندھری نے ۱۵ فروری [illegible] کو لاہور کے ایک جلسے میں کی۔ ایک بات خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے کہ ایک دفعہ زور خطابت میں اس مقرر نے اعتراف کیا۔ کہ وہ اور ان کی جماعت تقسیم ملک کے خلاف تھے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جن وجوہ کی بناء پر وہ تقسیم کے خلاف تھے۔ وہ لوگوں پر ظاہر ہونے چاہئیں۔ لیکن اگر اب تک انہیں ان کا شعور حاصل نہیں ہوا تو ایک یا دو سال کے اندر انہیں سب معلوم ہو جائے گا۔ اس نے حکومت کی شدید مذمت کی اور اس کے حملوں کا سب سے بڑا ہدف وزیر اعظم پاکستان تھے۔ اس جلسے میں مقررین نے پنجاب اور صوبہ سرحد کے چیف منسٹروں کو بھی برا بھلا کہا۔ وزیر اعظم پاکستان کو کھلم کھلا مرزائی کہا جا رہا ہے۔ ایک اور جلسے میں عطاء اللہ شاہ بخاری نے ان کو بدھو الذین احمقون کہا۔ ان تقریروں کی خصوصیت صرف تحقیر تھی۔

۲۔ جس زمانے میں غذا کی کمی ہو۔ بیروزگاری عام ہو کاروبار کی کساد بازاری ہو اور کشمیر کے متعلق عام خیال یہ ہو کہ اس کو ہم کھو چکے ہیں۔ جو شخص بدنظمی اور ابتری پھیلانے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا دوست نہیں ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ احرار اور دیگر علماء جو ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں عوام کی توجہ کو ان عظیم مسائل کی طرف سے جو آج ملک کو درپیش ہیں۔ منحرف کرنے میں خاص طور پر کامیاب ہوئے ہیں۔ اس ابتری کی وجہ سے عوام کا وہ عزم کمزور ہو جائے گا۔ جو ان مسائل کا مقابلہ اور ان کا ازالہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ہمارے پاس اس امر کی شہادت موجود ہے کہ احرار نے آزاد پاکستان پارٹی کی شاخ بہاولپور سے روپیہ لیا۔ یہ لوگ پاکستان کی بیخ کنی کر رہے

ہیں۔ حکومت کو کمر ہمت باندھ کر اس خطرے کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ حکومت پڑھے لکھے طبقے کی ہمدردی کھو چکی ہے اور اب غیر ملکی لوگ بھی یہ ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ حکومت غالباً اس بحران کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی جو معاوضے پیدا کر رکھا ہے۔ "لندن ٹائمز" کے نمائندے نے حکومت پنجاب کے ایک افسر سے یہ کہا۔ کہ مرکزی حکومت کمزور ہے اور موجودہ مسائل کے موثر مداوا کی قوت نہیں رکھتی۔ رات لاہور کے برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر نے مجھے بتایا کہ ان کے پاس ایسی اطلاعات موصول ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کی صورت حال بے حد تشویش انگیز ہے اور ایک عام ہنگامہ عنقریب برپا ہونے والا ہے۔ حسین شہید سہروردی۔ ملک خضر حیات خاں اور نواب ممدوٹ برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر سے ملاقات کر چکے ہیں ہم نے مرکزی حکومت کو صورت حال کی نزاکت سے مطلع کر دیا ہے امید ہے کہ وہ کوئی مضبوط طرز عمل اختیار کرے گی۔

۳۔ مولوی محمد علی جالندھری پہلے بھی قابل اعتراض تقریریں کرتا رہا ہے اور اس قسم کے احکام جاری کئے گئے تھے۔ کہ اس نے منٹگمری میں جو تقریر کی تھی اس کی بناء پر اس کے خلاف زیر دفعہ ۱۵۳ الف مقدمہ چلایا جائے۔ میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ یہ کیس اب کس مرحلے میں ہے۔"

یہ واضح تھا کہ "ڈائریکٹ ایکشن" کسی وقت بھی صورت اختیار کرے گا۔ مسٹر انور علی نے پولیس کے تمام سپرنٹنڈنٹوں اور سی۔ آئی۔ ای کے گروپ افسروں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ چوکنے رہیں اور صورت حال کا مطالعہ احتیاط سے کرتے رہیں۔ ان افسروں سے استدعا بھی کی گئی کہ رضاکاروں کی بھرتی کے متعلق معلومات فراہم کریں اور بعد میں جو اعداد و شمار موصول ہوئے وہ مظہر تھے کہ صوبہ بھر میں پچپن ہزار سے زیادہ رضاکار ہو چکے ہیں۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت از صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۴) سی آئی ڈی کی ان خفیہ رپورٹوں کو پڑھ کر دکھ ہوتا ہے کہ کتنی ناقص اور ادھوری معلومات دیتی ہیں۔ سی آئی ڈی کی اطلاعات نہیں کسی دیوانے شخص کی قیاس آرائیاں معلوم ہوتی ہیں ان اطلاعات اور معلومات پر کوئی سربراہ مملکت ملک کے اندرونی حالات اور نظم و نسق کا خاک اندازہ لگا سکے گا اور فیصلہ کر سکے گا۔ ان تمام اطلاعات میں صرف ایک ہی بات حسب حال اور درست تھی جو انسپکٹر جنرل پولیس کو لاہور کے برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر نے دی تھی اور جس کا ذکر اوپر آئی جی صاحب کی رپورٹ بنام چیف سیکرٹری میں کیا ہے۔ برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر نے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ ان کے پاس ایسی اطلاعات موصول ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ملک کی صورت حال بے حد تشویش انگیز ہے اور ایک عام ہنگامہ برپا ہونے والا ہے برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر کو اس کی انٹیلی جنس نے کتنی صحیح رپورٹ کی

ہوئی تھی۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ خبر نہیں پیش گوئی معلوم ہوتی ہے یہ بحث اس لئے چھیڑی گئی ہے کہ سی آئی ڈی کی مذکورہ رپورٹوں کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ اگر ملک کے اندر جو کچھ ہو رہا تھا۔ اس کے متعلق ان لوگوں کا مطالعہ مشاہدہ اور معلومات یہ ہیں تو ملک کے متعلق بیرون ملک جو کچھ ہوتا ہوگا پاکستان کا دشمن ملک انڈیا جو کچھ سازشوں کے جال بنتا ہوگا اس کے متعلق ان کی معلومات کا ایک اور واقعہ یاد آگیا۔ جن دنوں آغا شورش کاشمیری کراچی میں ختم نبوت کے سلسلہ میں نظربند تھے اور ان کی بھوک ہڑتالیں اور ہنگامے جاری تھے۔ آخر آغا صاحب کی آخری لمبی بھوک ہڑتال کے بعد حکومت نے انہیں رہا کردیا ان دنوں وہ سول ہسپتال کراچی میں تھے راقم الحروف (مولانا تاج محمود) ان کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ رہائی کے بعد کراچی کے مشہور صنعت کار حافظ حبیب اللہ پراچہ تقریباً روزانہ ہمارے پاس آتے اور حال پوچھ کے چلے جاتے ایک روز انہوں نے ہمیں بتایا کہ میں چونکہ ایک زمانہ میں ہانگ کانگ رہا ہوں اور وہاں میرا وسیع کاروبار تھا۔ اس تعلق کی بنیاد پر مجھے وہاں کا ایک انگریزی اخبار اب تک یہاں کراچی آتا ہے۔

غالباً اس کا نام ہانگ کانگ ٹائم بتایا تھا پراچہ صاحب نے بتایا کہ آج جو اخبار ہانگ کانگ سے آیا ہے۔ اس میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ آئندہ مارچ کے قریب پاکستان میں ایک زبردست تحریک چلنے والی ہے۔ پراچہ صاحب نے غالباً یہ بتایا تھا کہ اخبار میں ہے تحریک ختم نبوت چلنے والی ہے۔ جس کی وجہ سے پورا پاکستان ہنگاموں کی لپیٹ میں آجائے گا۔ اور حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔ یہ دسمبر ۱۹۶۸ء کے آخری ہفتہ کی بات ہے اس وقت صدر ایوب خاں کے خلاف کسی وسیع تحریک کے چلنے اور چلانے کا کسی کو خواب و خیال تک نہ تھا۔ لیکن انگریزوں کی خفیہ تنظیم کا کمال ملاحظہ ہو گویا خبر نہیں پیشگوئی کردی تھی۔ خدا کرے کہ ہمارے ملک کی انٹیلی جنس اور سی آئی ڈی کی تنظیم کی اصلاح کردی گئی ہو۔

ان پڑھ اور قیاس آرا قسم کے افسروں کی بجائے پڑھے لکھے حقائق اور واقعات کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے والے لوگ برسرکار ہوں تاکہ ملک کے خلاف کوئی ایسی سازش بار آور نہ ہو سکے۔

قادیانی جو کچھ اس ملک میں کر رہے ہیں اس کو دیکھتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ شاید ہمارے ملک کی انٹیلی جنس اور سی آئی ڈی کا اگر وہ درست کام کر رہا ہے تو برسراقتدار لوگ بابر بہ عیش کوش میں ان رپورٹوں سے غافل ہیں۔

ابھی حال ہی میں جب مرزا ناصر احمد خلیفہ ربوہ افریقہ اور یورپ کے دورہ سے واپس آئے تو انہوں نے مرزائیوں سے بیس لاکھ روپے کے قریب چندہ کی اپیل کی اور کہا کہ یہ رقم

بیرونی ممالک میں تعلیم اور تبلیغ کے لئے درکار ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ موجودہ حکومت ہمیں زرمبادلہ ہماری خواہش کے مطابق نہیں دیتی لیکن حکومت کا کیا ہے حکومتیں ایک رات میں بدل جایا کرتی ہیں۔ تم فوراً روپیہ دے دو جس رات حکومت بدل جائے گی اس صبح کو میں یہ رقم فوراً بھیج سکوں گا۔ مرزا ناصر احمد نے یہ رقم زیادہ سے زیادہ نومبر ۱۹۷۰ء تک طلب کی ہے۔ اگرچہ مرزائیت کی تنظیم کا کمال ہے کہ انہوں نے دو ہفتوں میں مطلوبہ رقم جمع کر کے خلیفہ کے حوالے کر دی ہے۔

لیکن بات اتنی اہمیت کی ہو رہی ہے نومبر سے پہلے رقم جمع کرنا چاہتا ہے۔ روپیہ باہر جائے گا۔ زرمبادلہ ملتا نہیں لیکن اسے یقین ہے۔ حکومتیں بدل جایا کرتی ہیں اور ایک رات میں بدل جایا کرتی ہیں۔ اس پر راقم الحروف نے لولاک میں ایک اداریہ سپرد قلم کیا کہ ہمیں اس جملہ سے سازش کی بو آتی ہے یہ کہیں صدر یحییٰ خان کی حکومت کا تختہ تو راتوں رات الٹنا نہیں چاہتا لیکن اس ملک میں کوئی اس طرح کی بات کرنا۔ قبرستان میں اذان دینے کے مترادف ہے

غور کرے حکومت اس جملہ کے مفہوم اور مطلب کو سمجھے اور ربوہ سے اس کی وضاحت کرائے کہ راتوں رات حکومت بدل جایا کرتی ہے کا مفہوم کیا ہے۔ کیا نومبر ۱۹۷۰ء سے پہلے ملک میں کوئی گل کھلنے والا ہے جس میں مرزا ناصر احمد یا اس کے سرپرستوں امریکہ اور برطانیہ کا ہاتھ ہو گا۔ یہ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر بات آ گئی تھی۔

آمدم برسر مطلب بہرحال ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کی صبح کو کراچی میں تحریک ختم نبوت کے رہنماؤں کی گرفتاریاں ہو گئیں۔ ان گرفتاریوں سے پہلے کا کچھ پس منظر بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ کس طرح مرکزی حکومت کے تین سیکرٹری ملک غلام محمد گورنر جنرل کی تائید سے سازشوں میں مصروف تھے۔ اور کس طرح مسلم لیگ کی حکومت ان افسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بنی ہوئی تھی الٹی میٹم کے دن پورے ہو گئے لیکن انہیں چار روز مزید انتظار کرنے کو کہا گیا تاکہ مشرقی پاکستان کے نمائندے بھی شرکت کر سکیں۔

۲۶ فروری کو مجلس عمل کا آخری اجلاس ہونا تھا اور اس میں فیصلہ کو عملی جامہ پہنا کر اس کا اعلان کرنا تھا۔ اسی لئے ۲۶ اور ۲۷ فروری کی درمیانی شب آرام باغ میں جلسہ عام بھی بلایا ہوا تھا تاکہ پروگرام کا اعلان عام ہو جائے آثار و قرائن اور خفیہ اطلاعات سے حکومت تمام حالات کا اندازہ لگا چکی تھی اور ان انتظار کے چار دنوں میں بعض لیڈروں کو تحریک سے توڑنے میں بھی کامیاب ہو چکی تھی ۲۶ فروری کی صبح کو مجلس عمل کا اجلاس تھا۔ ۲۶ فروری کی شام کو خواجہ ناظم الدین نے اپنی کابینہ کا اجلاس طلب کیا۔ آخر تحریک کی صورت حال کا آخری جائزہ

لیا جا سکے اور کوئی آخری فیصلہ بھی کیا جا سکے۔

کابینہ کے اس اجلاس میں مرکزی وزراء کے علاوہ سرحد اور پنجاب کی حکومتوں کے سربراہوں کو بھی طلب کیا گیا تھا۔ چنانچہ خواجہ شہاب الدین گورنر سرحد اور خان عبدالقیوم خاں وزیر اعلیٰ سرحد دونوں اجلاس میں شریک ہوئے پنجاب کے دونوں سربراہ آئی آئی چندریگر گورنر اور میاں محمد ممتاز خاں دولتانہ اجلاس میں شریک نہ ہوئے البتہ انہوں نے اپنے نمائندوں مسٹر محمد حسین چٹھہ وزیر مال' مسٹر غیاث الدین مرحوم ہوم سیکرٹری' میاں انور علی انسپکٹر جنرل پولیس کو اجلاس میں شرکت کرنے کے لئے بھیج دیا۔ مسٹر آئی آئی چندریگر اور میاں ممتاز دولتانہ صاحب نے اپنے نمائندوں کو یہ ہدایت کی تھی۔ کہ وہ اجلاس میں حکومت پنجاب کا نقطہ نگاہ پیش کر دیں کہ یہ مطالبات غیر معقول ہیں اور سختی سے ان کی مزاحمت ہونی چاہئے کابینہ کا اجلاس رات ۹ بجے تک کئی گھنٹے جاری رہا لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اور اجلاس دوسرے روز پر ملتوی ہو گیا۔ بعد میں جب سکندر مرزا اور مسٹر علی احمد نے خواجہ ناظم الدین کو جلسہ ختم ہونے کے بعد جگایا اور اجلاس فوری طلب کیا گیا۔

کابینہ کے اس اجلاس میں بھی سرحد اور پنجاب کے نمائندے شریک ہوئے اس کے علاوہ گورنر سندھ' سیکرٹری وزارت داخلہ ڈپٹی چیف آف سٹاف اور کمشنر کراچی بھی اجلاس میں شامل ہوئے اس اجلاس میں مندرجہ ذیل باتوں کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۔ اس شورش کے تمام نمایاں لیڈر بشمول مولانا اختر علی خان ایڈیٹر روزنامہ زمیندار لاہور گرفتار کئے جائیں۔

۲۔ روزنامہ آزاد لاہور' روزنامہ زمیندار لاہور اور روزنامہ الفضل ربوہ کی اشاعت روک دی جائے۔

۳۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد کو تنبیہہ کی جائے کہ وہ ربوہ سے باہر نہ جائیں نہ کوئی ایسا فعل کریں جس سے ہیجان و اشتعال پیدا ہونے کا احتمال ہو۔

۴۔ رضاکاروں کو کراچی آنے سے روکا جائے اور ان کے خلاف اسی اسٹیشن پر کارروائی کی جائے جہاں سے وہ سوار ہو رہے ہوں۔

مجلس عمل کے الٹی میٹم کی رو سے اصولی طور پر ۲۲ فروری کو تحریک کا آغاز ہو جانا چاہئے تھا۔ صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب پنجاب سے پہلا جتھہ لے کر کراچی چلے گئے تھے ان کے بعد دوسرا جتھہ لے کر سالار معراج الدین بھی روانہ ہو گیا ہے۔ یہ دونوں جتھے سلامتی کے ساتھ کراچی پہنچ گئے۔

پنجاب اور سرحد میں بڑی ہلچل اور بے چینی تھی۔ لوگوں کو مجلس عمل کے پروگرام کا

انتظار تھا۔ تفصیل کے ساتھ کوئی اطلاع نہیں آ رہی تھی۔ درحقیقت مجلس عمل کے راہنما، مشرقی پاکستان کے ممبران کے منتظر رہے۔ اور ۲۲ کی بجائے چار روز تاخیر سے ۲۶ فروری کو اجلاس منعقد ہوا۔

۲۷ فروری صبح کو مجلس عمل کے راہنماؤں کی گرفتاریاں ہو گئیں۔ لیکن اخبارات وغیرہ میں خبر نہ آ سکی۔ ٹیلیفون کے رابطہ سے صرف محدود لوگوں کو معلوم ہو سکا۔ اگلے دن ۲۸ فروری کو جب پنجاب کے مختلف شہروں میں گرفتاریاں ہوئیں تو لوگوں کو پتہ چلا کہ اب تحریک شروع ہو گئی ہے۔

صوبائی حکومتوں میں پنجاب کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی کیونکہ پنجاب ہی دراصل اس تحریک کا گڑھ تھا۔ مسٹر محمد حسین چٹھہ وزیر مال مسٹر غیاث الدین احمد ہوم سیکرٹری اور مسٹر انور علی آئی جی پولیس کراچی کے فیصلوں سے آگاہ اور مسلح ہو کر ۲۷ فروری کو لاہور پہنچ گئے۔ مسٹر انور علی آئی جی پولیس نے مرکزی فیصلوں کی روشنی میں اپنا پروگرام بنایا اور چند تجاویز مرتب کیں اسی روز یہ تجاویز ایک اجلاس میں پیش ہو کر منظور ہوئیں اس اجلاس میں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب مسٹر محمد حسین چٹھہ وزیر مال' ہوم سیکرٹری' انسپکٹر جنرل پولیس' اے جی' ای' سی آئی ڈی' ایس پی (A) سی آئی ڈی شریک تھے۔ اور اس اجلاس میں منظور ہونے والی تجاویز حسب ذیل تھیں۔

(۱) تحریک کے تمام سرگرم کارکنوں کو آج رات یعنی ۲۷ اور ۲۸ فروری کی درمیانی رات صوبہ بھر میں گرفتار کر لیا جائے۔

۲۔ لاہور کے علاوہ باقی اضلاع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو اپنی صوابدید کے مطابق زیر دفعہ ۳ پنجاب سیفٹی ایکٹ گرفتاریاں کرنی چاہئیں۔ لاہور میں صوبائی حکومت گرفتاریوں کی مجاز ہو گی۔

۳۔ جو لوگ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ میں گرفتار کئے جائیں گے ان کی نظربندی میں مناسب توسیع حکومت پنجاب کرے گی۔

۴۔ مرکزی کابینہ نے فیصلے کے مطابق روزنامہ زمیندار' روزنامہ آزاد اور روزنامہ الفضل کی اشاعت ممنوع قرار دے دی گئی۔

۵۔ ہوم سیکرٹری صاحب خواجہ نذیر کمال دین (لاہوری مرزائی) نگران اعلیٰ روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ (مرزائی اخبار) کو طلب کریں اور انہیں سمجھائیں کہ ان گرفتاریوں پر خوشی کا اظہار نہ کیا جائے۔ اور آئندہ ایک یا دو ماہ انتہائی ضبط و تحمل سے کام لیا جائے۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ اصلاح خلیفہ بشیر الدین محمود کو تنبیہہ کر دیں۔ کہ وہ اپنی

جماعت کے ممبران کو خصوصاً اپنی سیکرٹیریٹ کے عملے کو ہر قسم کی اشتعال انگیزی سے باز رہنے کی تلقین کر دیں۔

۶۔ جو رضاکار لاہور سے روانہ ہوں ان کے متعلق سندھ پولیس اور کراچی پولیس کو اطلاع کر دی جائے تاکہ وہ راستے میں ان کی گرفتاریوں کا بندوبست کر سکیں۔

۷۔ ہوم سیکرٹری پریس کانفرنس طلب کر کے پالیسی اور اقدامات وغیرہ کی تفصیلات بتائیں اور عوام سے صبر و تحمل اور نظم و ضبط کی اپیل کریں۔

۸۔ تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو ایک گشتی چٹھی کے ذریعہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے اقدامات کا پس منظر بتائیں اور ان سے استدعا کی گئی کہ عوام میں سے معقول لوگوں کا تحریک کے خلاف تعاون حاصل کیا جائے۔

چنانچہ ان فیصلوں کی روشنی میں ۲۷ فروری کی شام مختلف اضلاع کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو سرگرم راہنماؤں کی گرفتاریوں کے احکام بذریعہ وائرلیس بھیج دیے گئے۔ جن میں مولانا محمد علی جالندھری ملتان' قاضی احسان احمد شجاعبادی' مولانا غلام اللہ خاں راولپنڈی' مولانا عبداللہ صاحب' مولانا لطف اللہ صاحب کشمیری' مولوی محمد اسماعیل گوجرانوالہ' قاضی منظور احمد سیالکوٹ' ولی محمد جرنیل سیالکوٹ' شیخ محمد سعید خانیوال' مولوی عبیداللہ صاحب لائل پور' غازی محمد حسین' تاندلیانوالہ' مرزا غلام نبی جانباز لائل پور' مولوی عبداللہ صاحب سرگودھا اور قاضی محمد امین شیخوپورہ شامل تھے۔

۲۷۔ ۲۸ فروری کی درمیانی رات ۲ بجے کے قریب ان لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ صرف سیالکوٹ کے ولی محمد جرنیل کو سیالکوٹ پولیس نے نامعلوم وجوہ کی بناء پر گرفتار نہ کیا۔

اگرچہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے راہنماؤں کی گرفتاریوں کی خبر ۲۷ فروری ہی کو بذریعہ ٹیلی فون کراچی سے لاہور پہنچ چکی تھی لیکن جب ۲۸ فروری کو پنجاب کے راہنماؤں کی گرفتاریوں کی خبر عوام کو معلوم ہوئی تو اس وقت انہیں یہ معلوم ہوا کہ تحریک ختم نبوت شروع ہو چکی ہے۔ پھر کیا تھا پنجاب کے تمام شہروں میں ہڑتالیں ہو گئیں۔ صبح سویرے ہی بازاروں گلیوں کوچوں میں دس دس بیس بیس آدمیوں کی ٹولیاں بن کر لوگ کھڑے ہو گئے۔ تحریک ختم نبوت اور مرزائیت کا مسئلہ ہر شخص کا موضوع سخن بن گیا۔ لوگوں کو انتہائی قلق اور صدمہ ہوا کہ حکومت نے مطالبات کو تسلیم کرنے کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ مٹ جانے اور مٹا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

لاہور' راولپنڈی' سیالکوٹ' لائل پور' ملتان' سرگودھا' منٹگمری' گوجرانوالہ' گجرات' جہلم تقریباً تمام شہروں اور قصبوں میں مکمل ہڑتالیں ہو گئیں۔ اور وسیع پارکوں اور میدانوں میں مجلس

عمل کے جلسے منعقد ہوئے۔ لیکن ۲۸ فروری کے جلسوں اور ان میں ہونے والی تقریروں کا مضمون۔ لب و لہجہ۔ انداز سب کچھ بدل چکا تھا۔ اس سے پہلے ہونے والے جلسوں میں تقریریں ہوئی تھیں۔ تبلیغ ہوتی تھی۔ مرزائیوں کا کفر زیر بحث آتا تھا۔ قرآن مجید اور حدیث پاک کی روشنی اور دلائل میں مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت اور ثبوت بیان ہوا کرتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ ہوتا تھا۔ لیکن اب تقریریں نہیں مقررین آگ برسا رہے تھے۔ مرزائیت کے خلاف گولہ باری شروع تھی۔ اب چار مطالبات (۱) مرزائیوں کو اقلیت قرار دو (۲) مرزائیوں کو کلیدی آسامیوں سے علیحدہ کرو (۳) چوہدری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے الگ کرو (۴) ناظم الدین پاکستان کی وزارت عظمیٰ کے منصب سے استعفیٰ دیں۔ لاہور دہلی دروازہ کے باہر جلسہ ہوا۔ بیرونجات سے ہزاروں کی تعداد میں رضاکار لاہور پہنچنے لگے مرکزی راہنماؤں کی گرفتاریوں کی خبر سن کر ۲۷ فروری کو جو جتھہ لاہور سے غازی علم دین (ادارہ خدمت خلق والے) کی زیر سرکردگی روانہ ہوا تھا اسے ۲۸ فروری کو لودھراں ریلوے اسٹیشن پر اتار کر گرفتار کر لیا گیا۔

تقریباً ہر جگہ ۲۸ فروری کے جلسوں میں تحریک ختم نبوت کے شروع کر دینے کا اعلان ہوا۔ جتھوں کی روانگی۔ اخراجات کی فراہمی تحریک چلانے والے ڈکٹیٹروں اور انچارجوں وغیرہ کے فیصلے ہوئے۔ نیز یہ طے کر لیا گیا کہ اگر پہلا ڈکٹیٹر گرفتار کر لیا جائے تو اس کے بعد تحریک کا سربراہ کون ہوگا۔ ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ مجلس عمل کا فیصلہ یہ تھا کہ گرفتاریاں کراچی میں دی جائیں گی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ تینوں مطالبات ایسے تھے جن کا تعلق مرکزی حکومت سے تھا۔ تحریک کے سلسلہ میں جو قیامت صوبہ میں بپا تھا اس سے صوبائی حکومت تو متاثر تھی اور آہستہ آہستہ اپنی گردن چھڑانی بھی چلی آئی تھی لیکن مرکزی حکومت ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔ جس کی ایک وجہ صوبائی اور مرکزی حکومتوں میں اختلاف تھا۔ وہ اختلاف اگرچہ دوسرے سیاسی مسائل کی وجہ سے تھا۔

لیکن اس کا اثر تحریک پر پڑ رہا تھا پھر ایک ظلم یہ ہوا کہ حمید نظامی مرحوم نے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو کہا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ دولتانہ صاحب کروا رہے ہیں تاکہ مرکزی حکومت کو گرایا اور پچھاڑا جائے۔ حمید نظامی کے اس قصہ کے پیچھے نواب ممدوٹ اور دولتانہ کا اختلاف اور باہمی دشمنی تھی۔ حمید نظامی صاحب ممدوٹ کے ساتھی اور دولتانہ کے دشمن اور دولتانہ صاحب سے زخم خوردہ تھے۔ دولتانہ نے نوائے وقت کو بند کیا تھا اور کئی چرکے نظامی صاحب کی ممدوٹ کی حمایت کے جرم میں پہنچائے تھے۔ اب جب دولتانہ کی وزارت کے دور میں ختم نبوت کی تحریک منظم ہوئی اور چل نکلی تو ممدوٹ صاحب اور نظامی صاحب کے دولتانہ

صاحب کو گرانے اور پچھاڑنے کا وقت آن پہنچا۔ ویسے بھی نوائے وقت میں مرزائیوں کے شیئرز تھے۔ مال روڈ لاہور کی ایک دوائیوں کی بہت بڑی دوکان فضل دین اینڈ سنز کے مالکان اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے اور وہ نوائے وقت کے حصہ دار تھے۔ خود نظامی صاحب پر بھی میاں انور علی آئی جی پولیس نے انکوائری کمیشن کے سامنے یہ الزام عائد کیا کہ وہ لاہوری مرزائی ہیں۔ گو اگلے روز نظامی صاحب نے کمیشن کے سامنے تردیدی درخواست دی کہ وہ نہ لاہوری اور نہ قادیانی مرزائی ہیں لیکن نوائے وقت پر مرزائیوں کا اثر تو یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی۔

فیصلہ یہ تھا کہ مجلس عمل مرکزی حکومت سے ٹکر نہ لے اور اس کی شکل یہ ہو گی کہ تمام جتھے کراچی جائیں گے اور وہاں گرفتاریاں دی جائیں گی لیکن یہ مجلس عمل کا صرف فیصلہ تھا۔ اس فیصلہ کی پبلسٹی نہ ہوئی تھی۔ جب تحریک کا آغاز ہوا تو تمام جتھے لاہور جانا شروع ہو گئے۔

لاہور کے حالات

ماسٹر تاج الدین انصاری فرماتے ہیں کہ جب ناظم الدین مسلم لیگی حکومت نے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے سرکردہ راہنماؤں کو کراچی میں گرفتار کر لیا۔ تو لاہور میں جو اس تحریک کا مرکزی مقام تھا۔ جذبات کی آندھی چلی۔ لوگوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اب انہیں سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔ لاہور میں تحریک کے راہنماء مولانا ابو الحسنات ماسٹر تاج الدین' سید مظفر علی شمسی' ملتان سے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری' مولانا محمد علی جالندھری اور دیگر ملک کے تحریک کے چوٹی کے راہنما جب کراچی جانے لگے تو وہ اس جذبہ کے تحت گئے تھے کہ اب یا تو حکومت مطالبات تسلیم کرے گی۔ یا ناکام واپس نہیں لوٹنا۔

ان حضرات کے کراچی میں گرفتار ہوتے ہی ملک بھر میں سخت مظاہرے احتجاج جلوسوں اور ہڑتالوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لاہور کی تمام بڑی مساجد اور بازاروں سے جلوس نکلنے شروع ہو گئے۔

مولانا ابو الحسنات صدر مجلس عمل کے صاحبزادے مولانا خلیل احمد قادری جو اس وقت میو کالج میں زیر تعلیم تھے۔ اپنے والد کی جامع مسجد وزیر خاں میں پہنچے۔ لوگوں کا انبوہ کثیر پہلے سے جمع تھا۔ مولانا خلیل احمد کو نعروں کی گونج فضا میں سٹیج پر لایا گیا۔ اس سے پہلے انہیں کبھی تقریر کا موقعہ نہ ملا تھا۔ مگر ضرورت ایجاد کی ماں ہے کے مصداق اللہ کا نام لے کر خطاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کون بول رہا ہے۔ وہی کچھ کہا جو لوگ سننا چاہتے تھے دل کو چوٹ لگی ہو اندر خلوص ہو تو زبان پر جو کچھ آتا ہے وہ لوگوں کے کانوں کی راہ سے دل میں اترتا

چلا جاتا ہے۔ فریاد کی کوئی لے نہیں۔ نالہ پابند فریاد نہیں۔

کام چل نکلا مسجد وزیر خان میں جلسے پر جلسہ ہونے لگے اب سارے شہر کا رخ مسجد وزیر خان کی طرف تھا۔ باہر سے گرفتاری دینے کے لئے جو قافلے مختلف اضلاع سے آتے وہ بھی سیدھے مسجد وزیر خان کا رخ کرتے تھے۔ مولانا خلیل احمد کے ہمراہ احرار کے بچے کھچے کارکن سالار اور رضاکار بھی ہر وقت موجود تھے مسلمانوں میں عام جوش تھا جامع مسجد وزیر خاں تحریک کا ایسا مرکز بن گئی جس کے خلاف حکومت وقت کو خطرناک منصوبہ بندی سے کام لینا پڑا۔

متضاد خواہشات کا تصادم

مجلس عمل نے ابتداء ہی سے اس حقیقت کو اپنا لیا تھا کہ تحریک کی کامیابی کا انحصار پرامن ذرائع اور قیام امن پر موقوف ہے۔ چنانچہ مجلس عمل کی جس قدر بھی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ ان میں ہر مقرر نے عوام کو سمجھایا کہ فساد انگیزی اور بدامنی تحریک کی ناکامی کا باعث ہے جو شخص بھی فساد و بدامنی کی بات کرتا ہے وہ ہمارا نہیں بلکہ مرزائیوں کا ممد و معاون ہے اور اس مقدس تحریک کا دشمن ہے اس بات کو اس طرح عوام کے ذہن نشین کرایا گیا کہ انہیں ہر خطرے سے کماحقہ آگاہ کر دیا گیا۔ تحریک کے قائدین چاہتے تھے کہ عوام بہرحال پرامن رہیں حکومت غلطی کرے یا مرزائی اشتعال انگیزی سے کام لیں عوام کو صبرو تحمل سے کام لینا چاہئے اور بردباری کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ جب پنجاب میں تحریک کے پروگرام کی عملہ شکل پر غور ہو رہا تھا تو مجلس عمل کے سامنے یہ سوال بھی آیا کہ کراچی جانے کی کیا ضرورت ہے۔ مرکز سے مطالبات اپنی جگہ مگر ربوہ میں خالصتہ مرزائی آبادی کا مسئلہ تو پنجاب سے تعلق رکھتا ہے اس مسئلہ پر پنجاب حکومت سے فیصلہ کن قضیہ چھیڑ لیا جائے کہ اسلام کے نام پر بننے والے اسلامی ملک میں اسلام کے مخالفوں اور ختم نبوت کے منکروں کو علیحدہ ریاست بنانے کا کیا حق حاصل ہے۔

مجلس عمل نے اپنے تمام مطالبات پر غور و فکر کر کے ان کی ترجیحات طے کیں اور اصولی و بنیادی مطالبات مرکزی حکومت سے تعلق رکھتے تھے اس لئے مرکز سے بات کرنے کا طے ہوا۔

مجلس عمل کو بدامنی ہرگز منظور نہ تھی اس کا مطمع نظر یہ تھا کہ امن بحال رہے اور تحریک پرامن چلائی جائے جس میں بدامنی کا قطعاً اندیشہ نہ ہو۔ کراچی میں جب مرکزی مجلس عمل نے ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کرنا چاہا تو اس وقت جماعت اسلامی کے نمائندے نے گرفتاری دینے والے پانچ پانچ رضاکاروں کے جتھوں کو شہر کے بارونق بازاروں سے گذرنے کا مشورہ دیا تھا۔

تو مجلس عمل کے قائدین جن کا دل و دماغ ان بارے میں بالکل صاف تھا فوراً کہا کہ اس طریق کار سے بدامنی کا اندیشہ ہے لہٰذا یہ تجویز اس وقت رد ہو گئی تھی۔ مگر مرزائی اور حکومت کا انداز فکر مجلس عمل کے قائدین سے بالکل مختلف تھا وہ بدامنی اور اشتعال انگیزی کے ذریعہ پرامن تحریک کو کچلنے کا جواز پیدا کرنے کی راہیں تلاش کرنے میں منہمک تھے۔ چنانچہ امن برقرار رکھنے کی بجائے انہیں دوسرے انداز سے کام کرنا پڑا چوک دالگراں لاہور کا واقعہ سب پر عیاں ہے کہ کس طرح قرآن پاک کے اوراق اور پھٹی ہوئی گردپوش کو ایک "بزرگ" دہلی دروازے کے باغ میں مجمع عام میں پیش کر کے کیا کچھ ارشاد فرما رہے تھے اور کس طرح عوام کو بھڑکا رہے تھے۔ لاہور کے پرامن شہریوں کو کس طرح اشتعال دلایا جا رہا تھا۔ اب کیوں کیا گیا؟ یہ کوئی راز نہیں نیت واضح تھی اور نتیجہ سامنے موجود تھا غضب تو یہ ہے کہ "بزرگ" کو نہ کسی نے پکڑا اور نہ جیل میں بند کیا۔ جمالو بچاری خدا جانے تھی یا نہ تھی مگر یہ "بزرگ" جمالو کا کام کر گیا لاہور نے تب بھی صبر کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دیا پھر کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ مجلس عمل کے راہنماؤں کی ہدایت پر اہل لاہور نے انتہائی بردباری اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔

لاہور میں حالات کی رفتار

۲۲ فروری ۵۳ء کو چوہدری معراج الدین سالار اعلیٰ مجلس احرار کی نگرانی میں رضاکاروں کی بھرتی کے لئے بیرون دہلی دروازہ میں کیمپ کھول دیا گیا تھا۔ بھرتی کا اعلان ہوتے ہی پنجاب کے گوشہ گوشہ سے لوگ جوق در جوق۔ فوج در فوج آنے لگے کیمپ کے دروازے پر فدایان ختم نبوت کا ہجوم رہتا تھا لوگ آتے تھے اور نام درج کرا کر واپس ہو جاتے تھے۔

۲۷ فروری بروز جمعہ بیرونجات سے شمع رسالت کے پروانوں کا بے پناہ ہجوم رضاکاروں میں بھرتی ہونے اور نام لکھانے کے لئے آموجود ہوا۔ چوہدری صاحب اور ان کے رفقاء نے بڑی مستعدی سے انہیں سنبھالا اور اندراج کا کام جلدی جلدی ختم کرنے کی فکر کی۔ ابھی یہ کام تیزی سے جاری تھا کہ مجلس عمل کے قائدین کی کراچی میں گرفتاری کی اطلاع آئی۔ گرفتاری کی خبر نے جذبات کی بھڑکی ہوئی آگ پر تیل کا کام کیا یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح منٹوں میں شہر کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ اسی وقت رضاکاروں نے شہر کی تمام اہم مساجد میں تقریباً یہ اطلاع پہنچا دی اور خطیب حضرات اور ائمہ کرام سے مجلس عمل کی جانب سے یہ درخواست کی کہ وہ لوگوں کو پرامن رہنے اور صبر و تحمل سے کام لینے کی سخت تاکید فرمائیں۔ حکومت کے اس نامناسب اور غیر دانشمندانہ فعل سے مسلمان بھڑک اٹھے ہیں اور وہ سخت ناراضگی اور برہمی کا

اظہار کر رہے ہیں اس لئے آپ حضرات عوام کو پرامن رہنے کی تلقین کریں لاہور ایسا شہر ہے جس کا فیصلہ سارے ملک کو متاثر کرتا ہے اگر لاہور کسی تحریک کو قبول نہیں کرتا تو سیاستدانوں کی رائے یہ ہے اور تجربہ سے بھی ثابت ہوا ہے کہ وہ تحریک کبھی پروان نہیں چڑھتی اور اگر لاہور کسی تحریک کو اپنا لے تو اس کی کامیابی میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لاہور کی عوام جب کچھ کرنے پر آجائیں تو بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی لاہور والوں کو آگے چلنے سے نہیں روک سکتی۔ تحریک مقدس ختم نبوت اپنے اندر اتنی کشش رکھتی تھی کہ لاہور نے اس تحریک کو دل میں جگہ دی۔ مخالف بھی بادم بخود تھا یا رائے بدلنے پر مجبور ہو گیا۔ ہمارا یقین ہے کہ حبیب کبریا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور نام کی برکت سے فضا اس قدر ساز گار تھی کہ اس مقدس تحریک کو چلانے کے لئے محنت یا زیادہ پراپیگنڈہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ تحریک کو سنبھالنا اور پرامن رکھنا بے حد ضروری تھا۔ جونہی کراچی میں تحریک کے راہنماؤں کو گرفتار کیا گیا اور یہ اطلاع لاہور پہنچی تو لاہور آتش فشاں پہاڑ کی طرح ابل پڑا سارے شہر میں غم وغصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ دوسرے شہروں نے بھی لاہور کی طرح اس صدمہ کو محسوس کیا اور حکومت کی اس نادانی کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کیا۔ گوجرانوالہ' سیالکوٹ' فیصل آباد' شیخوپورہ چونکہ ملحقہ اضلاع تھے اس لئے ان شہروں میں جذبات نسبتاً زیادہ برانگیختہ تھے۔ حکومتی نامناسب وغیرہ دانشمندانہ اقدام سے تحریک پورے شباب پر آ گئی۔ حد یہ ہے کہ بغیر کسی اعلان کے باغ بیرون دہلی دروازہ لاہور میں لوگوں کا بے پناہ ہجوم ہو گیا اور اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ جلسہ عام منعقد کر کے عوام کے جذبات کو نظم میں رکھا جائے۔ اس اجتماع کو مولانا خلیل احمد قادری حافظ خادم حسین اور چوہدری معراج دین نے خطاب کیا اور انہیں پرامن رہنے کی تلقین کی۔ لوگوں کو پرامن منتشر ہو کر گھروں کو واپس چلے جانے کا کہا گیا۔ چونکہ جذبات کو حکومتی اقدام نے ٹھیس پہنچائی تھی۔ عوام یہ چاہتے تھے کہ جابرانہ اور غیر منصفانہ فعل کی پرزور مذمت کے ساتھ موثر اقدام بھی کیا جائے مگر مجلس عمل کے راہنماؤں نے انہیں سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

مجلس مشاورت

لوگ منتشر ہو کر گھروں کو چلے گئے تو عامی مجلس تحفظ ختم نبوت بیرون دہلی دروازہ لاہور کے موجودہ دفتر میں مجلس مشاورت ہوئی جس میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری' حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی' حضرت مولانا خلیل احمد قادری حضرت مولانا حاجی محمد امین ترنگزئی اور دوسرے حضرات نے شرکت فرمائی ان حضرات کی اس مجلس مشاورت میں بحث وتمحیص کے بعد فیصلہ

ہوا کہ مرکزی مجلس عمل کی ایکشن کمیٹی کے تین ذمہ دار ارکان یعنی مولانا داؤد غزنوی، مولانا اختر علی خاں، مولانا مودودی لاہور میں موجود ہیں ہمیں ان کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور ان ذمہ دار حضرات سے مشورے کے بعد مناسب اقدام کرنا چاہئے۔ باہمی مشورہ کے بغیر قدم اٹھانا نامناسب سمجھا گیا۔ چنانچہ وفد کی صورت میں الحاج خادم حسین اور مولانا خلیل احمد قادری، مولانا محمد داؤد غزنوی کے پاس گئے مگر وہ فیصل آباد گئے ہوئے تھے۔ اس لئے ان سے ملاقات نہ ہو سکی پھر یہ دونوں حضرات مولانا مودودی صاحب کے ہاں اچھرہ تشریف لے گئے۔ بعد نماز مغرب ان سے ملاقات ہوئی مولانا نے تبادلہ خیال کے بعد فرمایا کہ مجھے کراچی سے مولانا احتشام الحق کا فون آنے والا ہے یہ فون آ جائے تو کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے جب مولانا مودودی نے فیصلے کو مولانا احتشام الحق تھانوی کے فون سے باندھ دیا۔ تو ان حضرات نے آخری فیصلہ دوسرے دن پر ملتوی کر دیا اور شہر واپس تشریف لائے چنانچہ اچھرے سے لوٹ کر یہ حضرات مولانا اختر علی خاں کے دفتر روزنامہ زمیندار میں حاضر ہوئے اور مطلع کیا کہ مولانا مودودی کی وجہ سے فیصلہ کل پر انحصار رکھتا ہے اب ہم آپ تینوں حضرات کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔

عظیم الشان جلسہ عام

27 فروری بعد نماز جمعہ جب عوام کا سب سے بڑا ہجوم کراچی میں راہنماؤں کی گرفتاری کی اطلاع پا کر باغ بیرون دہلی دروازہ جمع ہوا تھا تو اسے چوہدری معراج الدین نے منتشر کرتے ہوئے اسی جگہ جلسہ عام ہونے کا اعلان کیا تھا چنانچہ شام کے چھ بجے اس باغ کے تمام حصے کچھا کھچ بھر گئے۔ اس حد تک کہ ہجوم سڑک کے کنارے تک آ گیا۔ اتنا بڑا اجتماع اس سے قبل دیکھنے میں نہ آیا تھا اس جلسے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے خطاب کرتے ہوئے لوگوں کو پرامن رہ کر تحریک چلانے کی ہدایت کی تھی اور ہر ممکن قربانی کا بھی عہد لیا تھا۔ میٹنگ کے فیصلے کے مطابق پچیس رضاکاروں کا ایک جتھہ زیر قیادت غازی علم الدین رات کی گاڑی سے کراچی کے لئے روانہ کر دیا اس جتھے کو کراچی کے راستہ میں ہی گرفتار کر لیا گیا۔ 27-28 فروری کی درمیانی شب حافظ خادم حسین، مولانا غلام محمد ترنم اور مولانا اختر علی خان کو گرفتار کر لیا گیا۔ مگر مولانا اختر علی خاں کو چند گھنٹے بعد رہا کر دیا۔ ان کا بڑا عجیب قصہ ہوا وہ اب مرحوم ہو گئے ہیں۔ ان کے متعلق کیا کہا جائے۔ بس عجیب طبیعت کے راہنماء تھے۔ اگرچہ مولانا ظفر علی خاں جیسے بہادر اور مجاہد لیڈر کے بیٹے تھے لیکن بڑی ہی جذباتی اور غیر مستقل قسم کی طبیعت پائی تھی۔

23 جولائی 1953ء کو برکت علی محمڈن ہال میں آل پارٹیز کنونشن ہونے کے بعد یہ تحریک

ختم نبوت کے معاون ہوئے اور اس تحریک کے ساتھ تعاون کا حق ادا کر دیا۔ "زمیندار" اخبار نے جو اس وقت ملک کا سب سے بڑا اخبار تھا۔ ختم نبوت کی تائید میں بے پناہ اور بے مثال خدمات سرانجام دیں۔ اور مولانا ظفر علی خان کے جانشین اور وارث کی حیثیت سے اس میں کسی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ تحریک کے پرزور حامی رہے کانفرنسوں اور جلسوں میں بڑی ولولہ انگیز تقریریں کرتے رہے۔

مجلس عمل کے فنڈ لیتے تھے ایک ایک روپیہ دو دو روپیہ اور پانچ پانچ روپے کے مجلس عمل کی طرف سے نوٹ چھپوائے جن پر خازن کی حیثیت سے مولانا اختر علی خان کے دستخط ثبت تھے۔

اس دوران مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے مولانا کو ہر طرح تحریک سے جدا کرنے کی کوششیں کیں۔ لیکن مولانا نے پرواہ نہیں کی۔

۲۱ فروری کے بیرون دہلی دروازہ کے جلسہ میں جب شاہ جی تقریر کر رہے تھے تو اپنے والد مولانا ظفر علی خان کو جلسہ گاہ میں لے آئے اور شاہ جی سے ملاقات کرائی یہ ملاقات شہید گنج کی تحریک کے بعد پہلی ملاقات تھی اس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ غرضیکہ بڑے اخلاص اور عقیدت کے ساتھ تحریک کا ساتھ دیا۔

۲۷۔ فروری ۱۹۵۳ء کو مرکزی راہنماؤں کی گرفتاریاں ہو گئیں تو مجلس عمل کے راہنماؤں کی دو فہرستیں تھیں ایک وہ جنہیں گرفتار کیا جانا تھا اور ایک وہ جنہیں نامعلوم مصلحتوں کے تحت گرفتار نہیں کیا جانا تھا۔

مولانا اختر علی خان کے متعلق خاص طور پر مرکزی کابینہ نے فیصلہ کیا تھا کہ انہیں بھی گرفتار کر لیا جائے چنانچہ یہ اکیلے ممبر تھے جو ۲۷ فروری کو لاہور میں گرفتار کئے گئے۔ میاں انور علی آئی جی پولیس تھے۔ جو نہایت ہی گھناؤنا کردار ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے مولانا اختر علی خان کو گرفتاری کے بعد تھانے لے گیا۔ جرمانہ دیا اور ان سے ایک لکھی لکھائی تحریر پر دستخط کرا لئے۔ بعد کے واقعات یہ بتاتے ہیں کہ دستخط دھوکہ سے کروائے گئے۔ مولانا کو سول لائنز کے تھانہ ہی سے رہا کر دیا گیا اور ساتھ ہی سارے شہر میں یہ مشہور کر دیا کہ مولانا معافی مانگ کر رہا ہوئے ہیں۔ غرضیکہ یہ حالات تھے جن میں تحریک شروع ہوئی۔

۲۸ فروری

ماسٹر تاج الدین فرماتے ہیں ۲۸ فروری کو رضاکاران ختم نبوت کے کیمپ پر پولیس نے چھاپہ مارا تمام کاغذات اور سامان ضبط کر لیا۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد اور مولانا ابراہیم صاحب

نے مولانا مودودی صاحب کے مکان پر اچھرے میں میٹنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور فوراً علماء حضرات کو مطلع کیا گیا۔ بعض ذمہ دار علماء کے پاس یہ دونوں حضرات خود بھی گئے۔ مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی فیصل آباد سے واپس تشریف لے آئے تھے۔ ان سے ملاقات کی مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کو دعوت دی۔ مولانا اختر علی خاں کو مطلع کیا اور مولانا مفتی محمد حسن کو خود حاضر ہو کر دعوت دی۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے فرمایا کہ میٹنگ میں میری حاضری ضروری نہیں۔ آپ حضرات میٹنگ کریں۔ جو فیصلہ ہو مجھے منظور ہو گا۔ اگر گرفتاری کا فیصلہ ہو تو مجھے جب اور جس وقت حکم کریں گے میں حاضر ہوں۔

مولانا مودودی صاحب کے مکان پر میٹنگ

پروگرام کے مطابق دن کے گیارہ بجے مولانا مودودی کے مکان پر مندرجہ ذیل حضرات جمع ہوئے۔ مولانا محمد داؤد غزنوی' مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ سید خلیل احمد قادری' مولانا مودودی' مولانا امین احسن اصلاحی مولانا عبدالستار خاں نیازی' چوہدری ثناء اللہ بھٹہ۔ مجلس مشاورت کی کارروائی شروع ہوئی تو مولانا مودودی نے تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ میں سردست تحریک سے اس لئے معذرت چاہتا ہوں کہ عوام میں تاحال تحریک کے لئے پوری ہمدردی کے جذبات نہیں ہیں اس لئے میں تحریک میں اس وقت حصہ نہیں لینا چاہتا۔ لمبی چوڑی تقریر جو عمدہ الفاظ سے مرصع تھی اس کا مفہوم تقریباً یہی تھا۔ اس تقریر کے جواب میں مولانا خلیل احمد قادری نے فرمایا کہ مولانا ذرا باہر تشریف لے چلیں۔ اور عوام کے جذبات کا اندازہ لگائیں۔ تاکہ آپ کی غلط فہمی دور ہو جائے عوام دل و جان سے تحریک کے ہمدرد اور ہر ممکن قربانی کے لئے تیار ہیں مولانا مودودی نے پھر فرمایا کہ مجھے تحریک سے ہمدردی ہے۔ مگر میں شامل ہونا نہیں چاہتا اس پر مولانا خلیل احمد نے کہا کہ یہ فیصلہ تو آپ کو ایکشن کمیٹی میں شامل ہونے سے قبل کرنا چاہئے تھا۔ اب آپ بہت نازک وقت میں کنارہ کشی کر رہے ہیں بڑی ردوکد کے بعد مولانا مودودی زچ ہو گئے تو فرمایا کہ اچھا یوں سمجھئے کہ جمعیۃ علماء اسلام' جمعیۃ اہل حدیث اور جماعت اسلامی پیچھے رہ کر کام کریں۔ لٹریچر وغیرہ شائع کریں اور جمعیۃ علماء مجلس احرار اور ادارہ تحفظ حقوق شیعہ چونکہ اقدام کر چکے ہیں اس لئے وہ محاذ پر لڑتے رہیں ہم ان کے لئے پراپیگنڈہ کریں گے۔ اس پر مولانا محمد اسماعیل نے فرمایا کہ جمعیۃ اہلحدیث تو اقدام کر چکی ہے اور اس کے علماء فیصل آباد وغیرہ میں گرفتاری بھی دے چکے ہیں اور جمعیۃ علماء اسلام کے صدر مولانا احمد علی لاہوری جلسہ عام میں تقریر کر کے محاذ کھول چکے ہیں۔ جمعیۃ علماء تو اب پیچھے نہیں رہ سکتی۔ اس پر مولانا مودودی نے کھسیانے ہو کر فرمایا کہ بہت اچھا جناب یہ سب کچھ درست ہے

مگر جماعت اسلامی تو آگے آنے کے لئے تیار نہیں ہے اسے تو پیچھے رہ کر اپنے ڈھب سے کام کرنا ہے۔ جماعت لٹریچر وغیرہ چھپانے کی غرض سے مولانا مودودی نے جماعت اسلامی کو غنی گلاب سنگھ کا چھاپہ خانہ ثابت کر دیا۔

تب دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے حاضرین نے ایک دوسری تجویز رکھی وہ یہ تھی کہ مرکز کے ارکان کی موجودگی میں ایک کمیٹی بنا دی جائے جس کو اختیار دیا جائے کہ وہ مناسب اقدام کرے چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہو گیا اور مندرجہ ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنا دی گئی عبدالستار خاں نیازی' مولانا محمد طفیل' مولانا بہاؤالحق قاسمی' مولانا احمد علی لاہوری' اور مولانا خلیل احمد قادری' مولانا خلیل احمد کو اس کمیٹی کا کنوینر بنا دیا گیا۔

ایکشن

اس کمیٹی نے باغ بیرون دہلی دروازہ میں عظیم الشان جلسہ عام کا فیصلہ کیا اور یہ بھی طے کیا کہ لاہور میں شہر میں گرفتاری کے لئے مجلس عمل کی جانب سے پچیس رضاکاروں کا جتھہ مولانا غلام دین کی قیادت میں روانہ کیا جائے۔ یہ جتھہ جلوس کی شکل میں مختلف بازاروں سے ہوتا ہوا۔ چیرنگ کراس کے تھانے تک جائے اور خود کو پرامن طریقہ سے گرفتاری کے لئے پیش کرے۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق بعد نماز ظہر تقریباً تین بجے تلاوت قرآن پاک کے بعد باقاعدہ جلسہ شروع ہو گیا۔ تقریباً ساڑھے تین بجے مولانا غلام دین نے اس عظیم الشان اجتماع کو خطاب فرمایا آپ نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو سخت تاکید کی کہ آپ سب حضرات پرامن رہ کر تحریک کو جاری رکھیں امن برباد کرنے کی دشمن سازش کرے گا اور اس طرح تحریک کو سخت دھکا لگے گا۔ آپ اپنی صفوں میں اتحاد اور امن برقرار رکھیں اور تحریک کو پرامن طریقے پر جاری رکھیں۔ بدامنی پھیلانے والا اس تحریک کا اسلام کا اور سرکار مدینہ ؐ کا باغی سمجھا جائے گا ہماری اس مقدس تحریک کی کامیابی کا دارومدار امن برقرار رکھنے پر ہے۔ لوگوں نے ہاتھ کھڑے کر کے پرامن رہنے اور ہر ممکن قربانی دینے کا اعلان کیا۔

مولانا کی قیادت میں پچیس رضاکاروں کی چیرنگ کراس کی جانب روانگی ہوئی۔ کم و بیش ایک لاکھ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو دہلی دروازہ سے روانہ ہوا اور چیرنگ کراس پر جا کر رک گیا۔ جلوس کا نظم و ضبط حیرت انگیز تھا جذبات پر قائدین کا مکمل کنٹرول تھا۔ اس پرامن جلوس نے مخالفین کو دم بخود کر دیا اور حکومت پریشان ہو گئی کہ یہ کون سی طاقت ہے جو انسانوں کے اس متحرک جنگل کو سنبھالے ہوئے ہے۔ نماز عصر کا وقت آ گیا میدان جس قدر لوگ سما سکتے تھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے مولانا غلام دین نے نماز پڑھائی اور خود کو معہ

رضاکاروں کے گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔

سالار معراج الدین کی گرفتاری

حکومت جانتی تھی کہ رضاکاران ختم نبوت کے نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سالار اعلیٰ کو گرفتار کر لیا جائے چنانچہ چوہدری صاحب کو گرفتار کر کے سنٹرل جیل میں بند کر دیا گیا۔ (قارئین آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹوں میں سالار صاحب کراچی جیتھہ لیکر گئے تھے اور وہاں سے گرفتار ہوئے حالانکہ وہ نہ صرف غلط بلکہ سی آئی ڈی کی نااہلی کی دلیل تھی مرتب)

مولانا غلام دین کو گرفتار کر کے سنٹرل جیل بھیج گیا تو اندر سالار معراج الدین مولانا غلام محمد ترنم، حافظ خادم حسین پہلے سے موجود تھے۔ مولانا کے ہمراہ جو رضا کار گرفتار ہوئے تھے انہیں حکومت نے لاری میں بٹھایا اور جیل میں بند کرنے کی بجائے چھانگا مانگا اور ادھر ادھر لاہور کے دور علاقوں میں چھوڑتے ہوئے کہا کہ لاہور کی بجائے اور جدھر جانا چاہتے ہو چلے جاؤ۔ اب تم آزاد ہو۔

سالار محمد حسین بٹ

چوہدری معراج الدین کی گرفتاری کے بعد سالار محمد حسین بٹ سالار سعید اقبال اور دوسرے ساتھیوں کے کندھوں پر بوجھ آن پڑا انہوں نے اس ذمہ داری کو سنبھالا اور خوب سنبھالا۔ پنجاب بھر سے ٹرینوں بسوں اور ویگنوں کے ذریعے گرفتاری کے لئے رضاکار دھڑا دھڑ مسجد وزیر خاں پہنچنے لگے۔ ان کی رہائش و خوراک کا تمام تر نظم ان حضرات کے ذمہ تھا۔ ان حضرات نے بطریق احسن اس ذمہ داری کو پورا کیا۔

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں ۲۸ فروری کو دہلی دروازہ کے باہر ایک جلسہ عام منعقد ہوا بے پناہ ہجوم تھا۔ نوجوان مقررین نے تقریریں کیں اور رضا کاروں کو ترتیب دیا گیا اور جلوس کی شکل میں سول سیکرٹریٹ کی طرف پرامن طور پر چلتے ہوئے مال روڈ پر پہنچے تو منتظمین نے یہ اعلان کر دیا کہ جلوس گورنمنٹ ہاؤس کی طرف جائے گا رضا کار گلے میں ہار پہنے ہوئے تھے۔ صف بستہ اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ پچاس ساٹھ ہزار عوام رضاکاروں کے ہمراہ تھے۔ جب رضاکار چیرنگ کراس پر پہنچے تو وہاں تمام افسر موجود تھے اور وہاں جلوس کو روک لیا گیا۔

ایک نہایت ہی اہم بات یہ ہے کہ تحریک پرامن تھی بات تھی اور اگر پرامن نہ تھی تو

کیا اتنی مقدس تحریک کو پرامن کیوں نہ رکھا گیا یہ وہ سوال ہے۔ جو حکومت ' مرزائی اور بعض حالات سے ناواقف لوگ اٹھاتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ تحریک مقدس تھی مذہبی تھی پرامن تھی۔ گالی گلوچ کوئی غلط نعرہ کوئی تشدد کوئی توڑ پھوڑ اور کوئی غلط بات پروگرام میں سرے سے شامل ہی نہیں تھی۔ تحریک میں صرف دفعہ ۱۴۴ کو توڑنا اور گرفتار ہو جانا شامل تھا۔

لیکن یہ کہ تحریک پرامن ہو اور رضاکار صرف سول نافرمانی کر کے جیل چلے جائیں یہ بات حکومت کے لئے ناقابل برداشت تھی اگر تحریک کو پرامن رہنے دیا جاتا تو اندازہ ہے کہ کم ازکم پچاس لاکھ رضاکار گرفتار ہوتے اور حکومت کو اتنے نظربندوں کے لئے جیلوں اور خوراک وغیرہ کا انتظام کرنا پڑتا۔ جو کہ حکومت کے لئے ناممکن تھا۔ حکومت زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ رضاکاروں کو اپنی تحویل میں لے سکتی تھی اور اتنے سے ہی اس کا تختہ الٹ گیا تھا۔ پچاس لاکھ رضاکاروں کو وہ کہاں لے جاتی۔ حکومت نے پہلے دن ہی کینگی کا فیصلہ کیا اور تحریک کو پرامن نہ رہنے دینے کے لئے اور اسے تشدد کی راہ پر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ جب چیرنگ کراس پر جلوس پہنچ گیا تو اسے روک لیا گیا۔ نہ رضاکاروں کو گرفتار کیا جاتا ہے اور نہ انہیں گورنمنٹ ہاؤس تک پہنچ جانے کا موقعہ دیا جاتا تھا۔

حالانکہ وہ گورنمنٹ ہاؤس پہنچ کر راست اقدام کا فرض ادا کرنا چاہتے تھے۔ یعنی گورنر صاحب سے مل کر خود انہیں مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت قادیانیوں کی سرگرمیاں وغیرہ بتانا چاہتے تھے حکومت کا اخلاقی فرض تھا کہ دو کاموں میں سے ایک سرانجام دیتی۔

جب چیرنگ کراس پر ہجوم کو روک لیا گیا اور رضاکاروں کو گرفتار کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ تو وہاں نعرہ بازی ہوئی۔ ختم نبوت زندہ باد۔ مرزائیت مردہ باد کے ساتھ ساتھ پنجاب پولیس مردہ باد کے نعرے بھی لگائے گئے اور یہ بات زیادتی کے باوجود ایک قدرتی امر تھا اور ایسا ہوا آخر لوگ جوش میں تھے وہ کیا کرتے۔

اب جب پولیس مردہ باد ہوئی اور عوام کی پریشانی اور جوش و خروش حد سے بڑھ گیا تو حکومت نے دوسری کینگی یہ کی کہ رضاکاروں کو کہا گیا کہ اچھا آیئے گرفتاری دے دیجئے ٹرک لائے گئے اور ان میں رضاکاروں کو سوار کر کے لاہور سے باہر ۲۰۔ ۲۰۔ ۲۵۔ ۲۵ میل دور لے جا کر ٹرکوں سے اتار کر جنگلوں میں چھوڑ دیا گیا۔ ان بے چاروں کے پاس نہ پیسے نہ خرچ نہ کھانے کو کھانا وہاں سے وہ پیدل چل کر راتوں رات پھر لاہور پہنچے اور لاہور تحریک کے کیمپ میں پہنچ کر حکومت کی بدنامی۔ رسوائی اور اشتعال انگیزی کا اشتہار بن گئے

یاد رہے کہ جونہی ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو کراچی اور ۲۸ فروری کی شب کو لاہور میں تحریک کے راہنماؤں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ تو پورے ملک کی طرح لاہور شعلہ جوالا بن گیا۔

لاہور میں دکانیں بند ہو گئیں۔ جنرل پولیس۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ایس ایس پی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا حکومت بے ہوش ہو گئی اور وہ پر امن تحریک کو تشدد کے راستے پر ڈالنے کی راہیں سوچنے اور سازشیں تیار کرنے لگی۔ کیونکہ پر امن تحریک سے پولیس تنگ اور حکومت بے بس ہو جاتی ہے۔ پر امن تحریک زیادہ دیر چل سکتی ہے۔ تحریک کا الاؤ زیادہ دیر روشن رہے تو حکومت کے اوسان جواب دے جاتے ہیں اس صورت میں ضروری تھا کہ پر امن تحریک کو تشدد کی راہ پر ڈالا جائے۔ پولیس خود تشدد کی نیو اٹھا کر اپنے تشدد کا راستہ نکالتی ہے۔ چنانچہ جلوس کے فوراً بعد کمشنر' ہوم سیکرٹری' آئی جی پولیس' ڈی آئی جی' ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ایس ایس پی سول لائن کے تھانہ میں جمع ہوئے۔ اور آنکھوں دیکھی صورت حال پر نہایت بے قراری کے عالم میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا اعلان کر دیا عام جلسوں اور جلوسوں کو ممنوع قرار دے دیا۔ اور شہر بھر میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کی منادی کرا دی گئی۔ حالانکہ خود حکومتی مشینری یہ جانتی اور سمجھتی تھی کہ ختم نبوت کے فدا کاروں کے جذبات کو دفعہ ۱۴۴ کے ذریعہ نہیں روکا جا سکتا۔ حکمران کا پروگرام ہی یہی تھا۔ کہ یہ لوگ دفعہ ۱۴۴ کی یقیناً خلاف ورزی کریں گے گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں گی۔ اشتعال پھیلے گا اور تشدد کرنے کا حکومتی شہزادوں کے لئے راستہ کھل جائے گا۔

یکم مارچ

وہاں دروازے کے باہر ایک بہت بڑا اجتماع ہوا حد نظر تک عوام جمع تھے۔ حضرت مولانا احمد علی رحمتہ اللہ اپنی پیرانہ سالی اور بیماری کے باوجود جلسہ گاہ میں آئے اور فرمایا کہ آج رضاکاروں کا جتھہ لے کر گرفتاری کے لئے میں جاؤں گا۔ مولانا نے حکومت کو تنبیہہ کی کہ وہ ہوش کے ناخن لے اور عوام سے ٹکرا جانے کے نتائج سوچ لے تمام مسلمان تحریک ختم نبوت میں حضور علیہ السلام پر اپنی جانیں قربان کر دینے کو سعادت سمجھتے ہیں۔ اور وہ ہر قربانی پیش کرنے کے لئے آمادہ ہوئے ہیں۔ مولانا نے رضاکاروں کو صبر و تحمل اور اللہ کی راہ میں سختیاں برداشت کرنے کی تلقین کی مولانا نے عوام کو نظم و ضبط برقرار رکھنے تحریک کے مخالفوں کی اشتعال انگیزیوں سے بچنے کی نصیحت فرمائی اور قافلہ لے کر گورنمنٹ ہاؤس روانہ ہو گئے۔
آج پولیس نہایت ہی اوچھے ہتھکنڈوں پر اتری ہوئی تھی۔ جلوس کی ابتدا ہی میں پہنچ کر مداخلت اور اشتعال انگیزی کرنے لگی۔ عوام کو معلوم ہو چکا تھا کہ انہوں نے کل والے پر امن رضاکاروں کے ساتھ کیسا ظالمانہ سلوک کیا ہے لہذا لوگ مشتعل ہو گئے۔ کیونکہ پولیس جلوس کو آگے بڑھنے ہی نہیں دینا چاہتی تھی۔ کہا یہ جاتا تھا کہ ۲۸ فروری یعنی پہلے روز شہر میں دفعہ

۱۴۴ کا نفاذ تھی لیکن آج دفعہ ۱۴۴ ٹوٹ چکی ہے لہٰذا اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔
حالانکہ حکومت کو علم تھا کہ پورا ملک اس دفعہ ۱۴۴ کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔

بہرحال جلوس کو ابتداء ہی میں روک لیا گیا اور حضرت مولانا پبلک سیفٹی ایکٹ دفعہ نمبر ۳۰ رضاکاروں کو ۷-۳ بقا کے تحت گرفتار کر لیا گیا اور باقی رضاکاروں کو کل کی طرح پھر ٹرکوں اور لاریوں میں بھر کر شہر سے باہر دور مقامات پر جا کر چھوڑ دیا گیا۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب کا جلوس اگر نکلنے دیا جاتا اور اسے گورنمنٹ ہاؤس تک پہنچ جانے دیا جاتا اور وہاں گرفتاریاں ہو گئیں تو پھر سارا دن شاید کوئی اور جلوس نہ نکلتا لیکن اس جابرانہ کارروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ تحریک کے منتظمین کے علاوہ چھوٹے بڑے جلوس نکالنے لگ گئے۔ چنانچہ یکم مارچ کو حضرت مولانا احمد علی صاحب والے جلوس کے علاوہ تین چار عظیم جلوس نکالے گئے جن کے ساتھ ہزارہا رضاکار کفن پہنے ہوئے اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے تھے لیکن ان سب جلوسوں کو سختی سے منتشر کر دیا گیا دو دو ہزار رضاکاروں میں سے صرف ۱۵۔ ۱۵ ۔ ۲۰ ۔ ۱۰ رضاکاروں کو کسی الٹی سیدھی دفعہ کے تحت گرفتار کیا گیا اور باقی رضاکاروں کو ٹرکوں اور لاریوں میں بھر کر باہر چھوڑ آئے جس سے حالات میں تلخی تندی اور تیزی آتی چلی گئی اور دراصل حکومت کا منشاء یہ تھا کہ تحریک پر امن کی بجائے بدامنی۔ اشتعال اور جوش کی راہ پر آ جائے۔ تاکہ اسے سختی کے ساتھ کچل دینے کا بہانہ ہاتھ آ جائے بہرحال یکم مارچ کا دن گزر گیا لاہور کی تاریخ میں اتنے جلوس اور اتنے اجتماعات اور ان میں بے پناہ جوش و خروش شاید کبھی نہ ہوا ہوگا۔

یکم مارچ کی شام تک یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حکومت نے مجلس عمل کے لیڈروں کا جو چیلنج قبول کیا تھا۔ اس میں ہار چکی ہے۔ محض روباہی اور ذلیل حربوں سے تحریک کو ناکام بنانے کی راہیں سوچ رہی ہے۔

حضرت شیخ التفسیر امام لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے پہلے ملتان سنٹرل جیل بھیج دیا گیا۔ ملتان سے آپ کو انکوائری کمیشن مقرر ہونے پر لاہور سنٹرل جیل منتقل کیا گیا جس کے متعلق مولانا مجاہد الحسینی بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۵۳ء میں مجھے چند دنوں کے بعد لاہور کے سیاست خانہ سے نکال کر "بم کیس وارڈ" میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ ایک روز اخبارات میں خبر چھپی کہ ملتان سنٹرل جیل میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کی حالت یکایک سخت خراب ہو گئی ہے۔

تحریک تحفظ ختم نبوت میں حصہ لینے والے ان ممتاز راہنماؤں کو مسلسل قے اور اسہال کی تکلیف تھی۔ ڈاکٹران حضرات کی جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ چند روز بعد اطلاع ملی کہ حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کو لاہور جیل میں منتقل کیا جا رہا ہے چنانچہ ایک روز اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل نے (جو حضرت لاہوری کے مرید تھے) مجھے یہ خوش خبری دی کہ حضرت شیخ التفسیر رحمتہ اللہ علیہ کو بغرض علاج لاہور سنٹرل جیل میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ میں نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل میر محمد حیات سے درخواست کی کہ حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کو ہمارے وارڈ "بم کیس احاطہ" میں رونق افروز کیا جائے۔

چنانچہ حسب پروگرام جب حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ سنٹرل جیل میں منتقل ہوئے تو "بم کیس وارڈ" کو آپ کی ذات سے شرف بخشا گیا۔ یہ وارڈ تاریخی نوعیت کا حامل تھا' بھگت سنگھ اور دت وغیرہ تحریک آزادی کے جن نوجوانوں نے اسمبلی میں بم پھینک کر انگریزوں کو نقصان پہنچایا تھا۔ یہ وارڈ ان کے لئے تعمیر کیا گیا تھا اور "بم کیس" کے عنوان سے انہی کے نام موسوم ہوا۔ حضرت مولانا احمد علی جب سنٹرل جیل میں تشریف لائے تو کڑکڑاتی گرمی کا سخت موسم تھا گرمی کی شدت کے باعث پورا ماحول آتش فشاں تھا!

بم کیس وارڈ حضرت کے معتقدین اور مریدوں کے لئے شوق و عقیدت کا مرکز بن گیا!

نماز عصر کے بعد میں نے جیل کے ذمہ دار افسروں سے رابطہ قائم کر کے حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے لئے چارپائی کا انتظام کرنے کو کہا۔ کیونکہ تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں گرفتار ہونے والے تمام نظربندوں کے بستر پختہ زمین کے فرش پر ہی دراز کئے جاتے تھے۔ ان بستروں کے درمیان جب میں نے حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی چارپائی بچھائی۔ تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اسے دیکھتے ہی دریافت کیا' یہاں صرف ایک چارپائی کیوں بچھائی گئی ہے! میں نے عرض کیا۔ یہ حضرت کے لئے ہے! آپ نے فرمایا...... یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جان نثاران محمد صلی اللہ علیہ وسلم نیچے فرش پر ہوں اور احمد علی ان کے درمیان چارپائی پر آرام کرے....؟

آپ نے یہ چند جملے...... کچھ اس انداز میں فرمائے کہ حاضرین کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ تعمیل ارشاد میں آپ کا بستر خصوصی اہتمام کے ساتھ زمین پر ہی بچھا دیا گیا اور پائنتی کی جانب اپنا بستر رکھا تو حضرت نے اسے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر سرہانے کی جانب کر دیا۔

نماز مغرب کے بعد راقم الحروف نے علیحدگی میں ملتان جیل میں یکایک صحت خراب ہونے کے اسباب معلوم کئے تو حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

ایک روز شام کے کھانے کے بعد سب کی حالت غیر ہو گئی۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے دیگر ساتھیوں نے جیل کے حکام سے جب پرزور مطالبہ کیا کہ

ہمارا طبی معائنہ ہونا چاہئے اور جیل کی خوراک بند کر دینے کا فیصلہ کیا تو ان سب کو مختلف جیلوں میں تبدیل کر دیا گیا اور مجھے یہاں سنٹرل جیل لاہور پہنچا دیا گیا ہے۔

جیل کے ارباب اختیار کے بقول اگر ہماری صحت کا بگاڑ خرابی میت۔ (فوڈ پوائزن) کے باعث تھا تو طبی معائنہ کرانے میں کیا قباحت تھی۔۔۔؟ اور پھر چند روز کے بعد مختلف جیلوں کے دوسرے نظربندوں نے بھی قے اور اسہال کی تکلیف کا شکوہ کیا۔

وسیع پیمانے پر ایک ہی شکایت کا اظہار درحقیقت تحریک تحفظ ختم نبوت کے نظربندوں خصوصاً ممتاز راہنماؤں کے خلاف کسی سازش کا غماز تھا۔! حضرت شیخ التفسیر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ملتان کی تکلیف کے بعد میرے اعصاب میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔ اور گھٹنے میں مسلسل درد نے اگرچہ سخت پریشان کر رکھا ہے! لیکن حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے خطرناک صعوبتیں وجہ سکون قلب اور باعث راحت جان ہیں۔ مولانا ظفر علی خان نے ہمارے انہی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا!

شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ قریباً ایک ماہ بم کیس وارڈ میں رونق افروز رہے بعد ازاں وزیر اعلیٰ پنجاب ملک فیروز خاں نے خرابی صحت کی بنا پر حضرت کی رہائی کے احکام جاری کر دیئے! اور پھر زندگی بھر آپ کو صحت و تندرستی کی وہ پہلی حالت نصیب نہ ہو سکی! اسی طرح قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی مسلسل بیمار رہ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ شجاع آبادی فرماتے ہیں ۳۲ سال ہوئے میرا بایاں بازو ٹوٹ گیا تھا۔ جوڑنے کے بعد وہ تقریباً سیدھا رہتا تھا اس میں لچک نہ تھی۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کیساتھ میں بھی ملتان جیل میں تھا۔ ایک روز حضرت نے فرمایا۔

قاضی صاحب نماز آپ پڑھایا کریں۔ میں نے معذرت کی کہ حضرت میرا یہ بازو خم نہیں کھاتا۔ وضو میں بھی مشکل پڑتی ہے اور ہاتھ باندھنے میں بھی حضرت نے میرا بازو تھام کر ٹوٹی ہوئی جگہ پر دست مبارک پھیر کر دو تین مرتبہ یہ جملہ فرمایا "اچھا یہ ٹھیک نہیں ہوتا" پھر فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر کریں گے ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد نماز کا وقت آیا۔ میں وضو کرنے بیٹھا تو بالکل بے دھیانی میں ناک صاف کرنے کے لئے میرا بایاں ہاتھ بے تکلف ناک تک پہنچ گیا۔ یک دم میرے ذہن میں آیا کہ آج میرا بازو صحیح کام کرنے لگ گیا ہے میں نے ہلا جلا کر دیکھا تو

وہ صحیح کام کر رہا تھا۔ یقین ہو گیا کہ یہ حضرت کی توجہ کی برکت اور کرامت کا نتیجہ ہے۔

مولانا تاج محمود رحمتہ اللہ اور مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین صاحب اختر رحمتہ اللہ قطب دوراں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ تحریک ختم نبوت کے ساتھیوں کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ۔

"میں ختم نبوت کے ساتھیوں سے محبت کرتا ہوں اور پھر فرمایا کہ میں کیا ان سے تو خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم محبت فرماتے ہیں"

نوجوانوں کے ساتھ بہت محبت سے ملتے اور قدم قدم پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ مولانا عبدالستار نیازی کو تحریک ختم نبوت کے دوران پھانسی کی سزا ملی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل ہوئی اور پھر آخر رہا ہو گئے۔ مولانا نیازی کہتے ہیں 'میری رہائی کے بعد حضرت لاہوری میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔ آپ کی نشست کا نیچے انتظام کیا ہوا تھا۔ واپس جانے لگے تو فرمایا 'مولانا اوپر کے کمرے میں مجھ کو اپنی چارپائی تک بھی لے چلو تاکہ مجھے قدم قدم کا ثواب ملے۔ میں ایک مجاہد سے ملنے آیا ہوں۔ مولانا نیازی سے یہ کہہ کر حاضرین کو مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ حضرات! آپ بھی اپنے آپ کو تلوار کی دھار پر لائیے اور دل سے کہئے۔ "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔"

یکم مارچ کو بھی مولانا محمد یوسف سیالکوٹی نے باغ بیرون دہلی دروازہ میں عظیم الشان جلسے میں مسلمانوں کو خطاب کیا۔ اور پچاس رضاکاروں کا دستہ لے کر گرفتاری کے لئے جلوس کی شکل میں نکلے مگر مولانا کو گرفتار نہ کیا گیا۔ البتہ پچاس رضاکار جو مولانا کے ہمراہ تھے انہیں پولیس نے گرفتار کر لیا مسجد وزیر خاں میں ہزارہا رضاکار موجود تھے۔ چنانچہ مولانا موصوف شام کو دوبارہ پچاس رضاکاروں کا دستہ لے کر نکلے مگر اس مرتبہ بھی یہی ہوا۔ کہ رضاکاروں کو گرفتار کر لیا گیا اور مولانا پر کسی نے ہاتھ نہیں ڈالا۔ گرفتاریوں کی گنگا الٹی بہنے لگی رضاکاروں کی کمی ہوتی تو یہ ترکیب گرفتار کرنے والوں کے راس آتی مگر مسجد وزیر خاں میں اس قدر رضاکار موجود تھے کہ یہ سلسلہ مہینوں جاری رہتا تو بھی گرفتار کرنے والے تھک جاتے۔ جیلوں میں جگہ نہ رہتی اور پرامن تحریک سے زچ ہو کر حکومت ہتھیار ڈال دیتی۔ تحریک کے راہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ اب پچاس کی بجائے سو سو رضاکاروں کے دستے صبح و شام گرفتاری کے لئے پیش کئے جائیں گے گرفتار کرنے والوں نے بحالت مجبوری رضاکاروں کو گرفتار کر کے لاہور سے دور لے جا کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ فریقین نے اپنے اپنے فیصلہ پر صبح و شام عمل کیا۔

آج کے جلوسوں کی کارروائی کو روکنے اور تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لئے کمشنر۔ آئی۔

سی ۔ آئی ۔ ڈی ۔ جی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے علاوہ ہوم سیکرٹری سمیت شیطانی ٹولہ ہمراہ رہا اور جلوس کی کارروائی براہ راست دیکھی۔

دفتر زمیندار پر پولیس کا چھاپہ

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں مولانا ظفر علی خاں ان دنوں کرم آباد میں مقیم تھے۔ ان کی طبیعت ناساز تھی علم و ادب کا یہ چراغ ٹمٹا رہا تھا۔ مولانا اختر علی خاں تقریباً ہر ہفتے ان کی مزاج پرسی کرنے کرم آباد حاضر ہوتے تھے چنانچہ مولانا یکم مارچ کو کرم آباد میں مقیم تھے۔ کہ آدھی رات گئے پولیس نے دفتر زمیندار پر چھاپہ مارا۔ مولانا تو وہاں پر موجود نہ تھے اس لئے پولیس رعب داب جما کر ناکام واپس ہوئی اس شام جب کہ رضاروں کے عام جلوس سڑکوں پر گشت لگاتے پھرتے تھے مولانا اختر علی خاں کے کسی مہمان نے جلوس والوں کو اکسایا اور کہا کہ تم کدھر گھوم پھر رہے ہو ذرا تم مولانا اختر علی خاں سے تو پوچھو کہ وہ اب جیل میں کیوں نہیں جاتے جاؤ ان کے دفتر انہیں باہر لاؤ اور انہیں کہو کہ وہ جلوس کی قیادت کریں۔ جلوس زمیندار دفتر کی طرف چل پڑا یہ جلوس بہت بڑا تھا جب جلوس دفتر زمیندار کے قریب پہنچا تو پھر کسی نے سوچی سمجھی سکیم کے تحت مختصر سی تقریر کر کے شرکاء کو مشتعل کیا کچھ لوگ دفتر زمیندار کے اندر جانا چاہتے تھے۔ اخبار کا عملہ اندر سہم گیا اور انہوں نے دروازے بند کر لئے باہر جس نے جو چاہا کہا اور جس نے جو سمجھا رائے زنی کی۔ جب مخالف کو موقعہ مل جائے تو کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ اس طرح روزنامہ زمیندار اور مولانا اختر علی کی ہوا تیری کا بندوبست ہو گیا۔

حالانکہ مولانا اختر علی خاں کو مجلس عمل کے راہنماؤں کی ہدایت کے مطابق باہر رہ کر کام کرنا تھا۔ عوام اور تحریک کے راہنماؤں کے درمیان رابطے اور تحریک کے شباب کو برقرار رکھنے اور تحریک کی آواز کونے کونے میں پہنچانے کے لئے روزنامہ زمیندار کی اشاعت کی غرض سے مولانا اختر علی خاں کا گرفتار نہ ہونا ہی بہتر تھا۔ چنانچہ کراچی سے گرفتاری کی فضا میں جو سو گئے کر ماسٹر تاج انصاری نے فون اور خط کے ذریعے اختر علی خاں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ گرفتار ہونے کی بجائے باہر رہ کر تحریک کے شباب کو قائم رکھیں۔ روزنامہ زمیندار اور مولانا ظفر علی خاں کے لگائے ہوئے چرکوں سے مرزائیت کراہ رہی تھی۔ مگر ہائیں ہمہ مولانا گرفتار ہوئے شام کو رہا ہو گئے اس لئے حکومت کو ان کے معافی مانگنے کے پراپیگنڈہ کا موقعہ ملا۔ چنانچہ موقعہ پا کر مرزائی اور حکومت نے یہ ساز باز کر کے عوام کو مشتعل کرنے کی نامراد کوشش کی وہ یہ چاہتے تھے کہ اس واقعہ سے زمیندار نے مشتعل ہو کر تحریک کی مخالفت شروع کر دی تو بھی ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے اور تحریک کے لوگ ان کی ہمدردی سے محروم ہو جائیں

گے اور یہ کہ تحریک کے راہنماؤں اور ان کے درمیان نفرت کی دیوار حائل ہو جائے گی۔

۲ مارچ کو مولانا اختر علی جو گرفتاری سے رہائی کے بعد اپنے آبائی گاؤں کرم آباد چلے گئے تھے۔ واپس لاہور پہنچ گئے۔ انہیں یہ معلوم کر کے انتہائی صدمہ ہوا کہ ان کے متعلق عوام میں معافی مانگ لینے کا پراپیگنڈہ کیا گیا مولانا نے اعلان کیا کہ وہ ۳ مارچ کو رضاکاروں کا جتھہ لے کر سول نافرمانی کریں گے اور اپنی گرفتاری پیش کریں گے۔

یکم مارچ کے بعد جو حالات درپیش آئے اور حکومت جس طرح ذلیل حربوں کو آزمانے لگی اس کی روشنی میں مناسب یہ سمجھا گیا کہ تحریک کا کیمپ دہلی دروازہ کی بجائے جامع مسجد وزیر خاں میں منتقل کر دیا جائے تمام رضاکار جامع مسجد میں پہنچ گئے۔ وہیں سے قافلوں اور جتھوں کا پروگرام بنتا۔

اس اثنا میں مولانا عبدالستار خاں نیازی جامع مسجد وزیر خاں میں پہنچ گئے۔ اور اسی طرح حضرت مولانا بہاؤالحق قاسمی بھی جامع مسجد وزیر خاں کے اس مرکز میں تشریف لے آئے' اور ان دونوں بزرگوں نے تحریک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی مولانا نیازی شعلہ مزاج اور بے باک قسم کے مردمجاہد اور مولانا بہاؤالحق قاسمی نہایت دھیمے مقام اور گہری سوجھ بوجھ کے عالم دین تھے۔ تیسرے اور چوتھے نمبر پر مولانا خلیل قادری اور چوہدری ثناء اللہ بھٹہ تھے۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی بھی کسی نہ کسی طرح لاہور پہنچ گئے اور وہ جامع مسجد وزیر خاں کے علاوہ کسی مخفی مقام پر ٹھہر گئے۔ ان پانچ بزرگوں نے لاہور میں تحریک ختم نبوت کی کمان کی۔ دماغ مولانا غوث ہزاروی کا تھا۔ شعلہ بیانی مولانا نیازی کی تھی۔ اور ہدایات و کارکردگی مولانا قاسمی' مولانا قادری' چوہدری ثناء اللہ بھٹہ اور دوسرے سینکڑوں کارکنوں کی تھی۔ ہزاروں رضاکاروں کو ٹھہرانا۔ ان کے لئے کھانے کا انتظام کرنا۔ انہیں ترتیب و تنظیم سے روانہ کرنا۔ پولیس سے تصادم کے بعد جو نت نئی پیچیدگیاں پیدا ہوتی تھیں انہیں حل کرنا غرضیکہ تحریک کیا تھی یہ لوگ آگ کے ایک سمندر یا پانی کے ایک سیلاب یا ہوا کے ایک طوفان کی قیادت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

۳ مارچ کو تیسرے پہر جامع مسجد وزیر خاں سے مولانا اختر علی کا جلوس نکلا صفیں بندھی ہوئی تھیں کوئی دو لاکھ انسانوں کا سمندر ہو گا۔ جو مولانا کے ہمراہ چیرنگ کراس پر جا پہنچا۔ ہزاروں رضاکار پھول پہنے ہوئے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے گرفتاری کے لئے ہمراہ تھے وہاں وہی کل والا فیصلہ تھا۔ آئی جی' ڈی آئی جی' ایس پی اور باقی حکومت کی پوری مشینری جمع تھی وہ اس ضد پر تھے کہ ہم رضاکاروں کو گرفتار نہیں کریں گے۔ صرف مولانا کو گرفتار کریں گے۔ حکومت کا مطالبہ تھا کہ باقی لوگ منتشر ہو جائیں اور مولانا اختر علی خاں اکیلے گرفتاری پیش کر

دیں۔

عوام نے ہرچند کہا کہ جب حکومت نے مطالبات تسلیم نہیں کیے اور مجلس عمل کے لیڈروں کو گرفتار کرلیا ہے تو اب حوصلہ کر کے عوام کے راست اقدام کے چیلنج کو قبول کرے یا ہمیں گورنمنٹ ہاؤس گورنر صاحب کی خدمت میں جانے دیا جائے۔ اور یا ہمیں گرفتار کیا جائے بالآخر اس کشمکش میں پولیس نے ڈنڈا برسانا شروع کیا بے شمار لوگ زخمی ہو گئے پولیس کی پرامن ہجوم پر اس ڈنڈا بازی سے عوام زیادہ مشتعل ہو گئے تو انہوں بھی جواباً روڑے مارنے شروع کر دیئے جس سے دو سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر ذوالقرنین اور مسٹر ٹیلر اور متعدد سپاہی بھی معمولی زخمی ہو گئے اس خرابی بسیار کے بعد انہوں نے پھروہی کمینہ حربہ کہ رضاکاروں کو ٹرکوں میں بھر کر لاہور سے دور دراز بے آباد علاقوں میں چھوڑ آئے۔

۲ مارچ شام کے وقت کی اس جھڑپ کے بعد حکومت پنجاب کے افسران بہادر دل چھوڑ گئے۔ مولانا اختر علی کو جیل بھیجنے کے بعد انہوں نے تھانہ سول لائن میں اعلیٰ سطح کی ایک میٹنگ منعقد کی جس میں کمشنر ڈی سی۔ ایس پی۔ آئی جی۔ اور ہوم سیکرٹری سب شریک ہوئے اور انہوں نے طے کیا کہ پوزیشن یہ ہے کہ حکومت پنجاب کی رائے کو کوئی مانتا نہیں مرکزی حکومت کو کوئی پریشانی نہیں۔ اور دولتانہ صاحب سے بالا بالا میاں انور علی ڈی آئی جی صاحب خواجہ ناظم الدین صاحب کے پاس جو بڑ مار آئے تھے۔ وہ صرف بڑ ہی تھی عملاً وہ کچھ کر نہیں سکتے اگر قلم پر اتر آئیں اور مشین گنیں کھول دیں تو اپنی قوم ہے۔ اور پھر ہمیں اپنا حشر بھی سوچنا پڑے گا۔ لہٰذا ہمیں کیا ضرورت ہے کہ میاں انور علی صاحب کی بڑ کے جھوٹے وقار میں پھنسے رہیں بہتر یہی ہے کہ اس مصیبت کی ذمہ داری فوج پر ڈال دیں۔

یہاں سے ملک کی بدقسمتی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے ۱۹۵۳ء کا مارشل لاء موجودہ مارشل لاء یہ سب مارشل لاء تھانہ سول لائنز کی اس میٹنگ سے جنم لے رہے ہیں۔ کتنی بے بسی ہے کہ کوئی یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ حکومت کی مشینری اس طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکتی اپنی قوم کو اجتماعی طور پر قتل کرنے کی بجائے اور اس ملک سے جمہوریت کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی بجائے عوام کے مطالبات تسلیم کر لئے جائیں۔ جس میں ملک کی بھلائی قوم کی بھلائی۔ مذہب کی بھلائی اور خود مرزائیوں کی بھی بھلائی مضمر ہے۔ حکومت مزے سے حکومت کرتی رہے۔ اسلام کا بول بالا ہو جائے۔ عوام خوش ہوں کہ ان کا جمہوری حق ان کو مل گیا افسر خوش ہوں کہ ان کے گلے سے بلا ٹل گئی علماء خوش ہوں کہ ان کی عزت و احترام کو بچا لیا گیا اور مرزائی بھی خوش ہوں کہ وہ اس ملک میں ایک اقلیت کے طور پر محفوظ ہو جائیں گے۔ لیکن درست فیصلہ کی بجائے فیصلہ کیا ہوتا ہے۔ کہ حالات بہت زیادہ خراب ہیں۔ سول حکومت

حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا فوج کو طلب کیا جائے۔ اور اس کے لئے جنرل آفیسر کمانڈنگ دہم ڈویژن مسٹر اعظم خاں سے درخواست کی گئی۔ وہ خود تو میٹنگ میں نہ آئے البتہ انھوں نے لیفٹیننٹ کرنل شریں خاں اور بعض دوسرے افسروں کو میٹنگ میں بھیجا کرنل شریں خاں ابھی حال ہی میں میجر جرنل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ سرحد کشمیر کے انچارج تھے۔ پکے قادیانی ہیں اب مسلمانوں کا مقدر کہ فوج کا نمائندہ کے طور اعظم خاں صاحب نے انھیں بھیجا۔ اب یہ بحث چھڑ گئی کہ آیا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ فوج مانگ سکتا ہے یا کہ نہیں۔

کرنل صاحب کا مطالبہ یہ تھا کہ فوج کی طلبی کی درخواست حکومت پنجاب کو دینا چاہئے کیونکہ فوج کے اخراجات کی ادائیگی کا قصہ بھی ہو گا۔ بہرحال تھوڑی رد وکد کے بعد آئی جی پولیس اور ہوم سیکرٹری صاحب نے ایک درخواست صوبائی حکومت کی طرف سے تحریر کر دی۔ کرنل صاحب نے جب یہ کام کر لیا تو وہ واپس تشریف لے گئے۔ لیکن افسروں کی بدحواسی کا یہ عالم کہ انھوں نے درخواست میں یہ نہیں لکھا کہ کتنی فوج آئے۔ کہاں آئے اور سول انتظامیہ کی کس طریق کار سے امداد کرے معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ فوج کے حوالے کرنے کی صورت کر دی گئی۔ اور خود معطل ہو کر بیٹھ جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

قصہ سول لائن میں پنجاب کے اعلیٰ حکام کی یہ میٹنگ جس میں فوج کو بلانے کا فیصلہ کیا گیا اور جو بالآخر پاکستان میں پہلے مارشل لاء کے نفاذ کا باعث ہوا۔ میاں انور علی صاحب آئی جی پولیس کے کردار کا ایک حصہ تھا۔ جو وہ اس تحریک میں ادا کر رہے تھے۔ اسی دن شام کو میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب کی کوٹھی پر کابینہ کا ایک اجلاس ہوا جس میں آئی جی پولیس، ہوم سیکرٹری صاحب اور بعض دوسرے افسران شریک ہوئے۔ کابینہ نے افسروں کے فیصلوں پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

ان فیصلوں کی رو سے باقی ماندہ شہر میں بھی دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی اور فوج کو طلب کر لیا گیا۔

درمیان میں ایک بات

میاں ممتاز خاں دولتانہ اور چوہدری کرسی کے فرزندان ارجمند (نوکر شاہی) کے درمیان سازش مکمل ہو کر صوبہ بھر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کی گئی اور مسجد میں بھی دفعہ ۱۴۴ کو داخل ہو جانے کے ذلیل ترین اختیارات دے دیئے گئے۔ تو مسجدوں میں دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے سلسلہ میں صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب گوجرانوالہ میں۔ ماسٹر تاجدین انصاری اور شیخ حسام الدین مرحوم سرگودھا میں گرفتار کر لئے گئے تھے۔ کاش لیلائے جمہوریت کے عاشقوں اور مشتاقوں نے

کبھی اس امر پر غور کیا ہوتا کہ یہاں جمہوریت کس کے ہاتھوں قتل کی گئی۔ اور کن کن ہتھیاروں سے اسے ذبح کیا جاتا رہا۔ انگریزوں کی معنوی اولاد (نوکر شاہی) انگریزوں کے پرانے مخالفوں سے انتقام لے رہی تھی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ قوم خلافاً لہ جیداً کے مصداق گمراہی اور تباہی میں بہت دور نکل آئی ہے اور کوئی امید حالات کے درست ہونے کی نظر نہیں آ رہی۔ ورنہ اگر یہاں عدل و انصاف کے مطابق کبھی عوام کی بالا دستی قائم ہوتی اور ان کے حقیقی نمائندوں کو موقعہ ملتا تو بعض افسروں کو دردناک سزائیں ملتیں۔ ذیل میں اس قسم کے ایک ذلیل ذہنیت رکھنے والے پولیس افسر کی ایک مفصل رپورٹ سے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

احرار نے قیام پاکستان کی مخالفت کر کے پنجاب کے مسلمانوں میں اپنی ساکھ کو کھو دیا تھا لیکن اب انہوں نے اپنا مقام قریب قریب دوبارہ حاصل کر لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے سیاسی طور پر مسلم لیگ کی ہم زبانی اختیار کر لی اور اس کے ساتھ مرزائیت کے خلاف ایک وسیع مہم جاری کر دی۔ اول الذکر سے انہیں ایک عوامی برسر اقتدار جماعت کی حمایت حاصل ہو گئی اور آخر الذکر رویے نے انہیں مسلمان عوام میں ہر دلعزیز بنا دیا۔ جو اسلام میں ایک نئی نبوت کے عقیدے کے خلاف تضحیک و طنز کو بے انتہا پسند کرتے ہیں۔"

مسلم لیگ کو اس تحریک سے کاملاً علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے۔ ان کے ایم ایل اے اور عہدہ داروں کو چاہئے کہ نہ صرف احرار کے جلسوں کی صدارت نہ کریں بلکہ اپنے رویے سے عوام کو اس امر کا واضح ثبوت دے دیں کہ وہ کسی طریقے سے بھی احراریوں کی مدد نہیں کریں گے۔ بدقسمتی سے عام مسلمانوں کا ذہنی رجحان احمدیوں کے خلاف ہے اور مسلم لیگ کے کارکن بعض اوقات میں اپنے اثر و نفوذ کو محفوظ رکھنے کی خاطر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کے جذبات سے کھلم کھلا ہم آہنگی اختیار کریں یہ حقیقت ہے کہ مسلم لیگ کے ٹکٹ مل جانے کے باوجود کوئی احمدی اسمبلی کے انتخاب میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ سمجھی جاتی ہے کہ احراری مقررین کا عوام پر بہت اثر ہے۔

ایسا انتظام ہونا چاہئے اور بہتر ہے یہ انتظام مقامی مسلم لیگ کے ذی اثر ممبران کے ذریعہ سے ہو کہ پبلک مقامات احرار کے جلسوں کے لئے نہ دیئے جائیں۔

احراریوں میں ایک ایسا گروہ موجود ہے جو اپوزیشن پارٹیوں سے مل کر کام کرنے کا حامی ہے اس گروہ کے لیڈر شیخ حسام الدین ہیں لیکن ماسٹر تاج الدین انصاری ہمیشہ اعتدال کا مشورہ دیتے ہیں اور موجودہ مرحلے پر مسلم لیگ سے کھلم کھلا علیحدگی کے خلاف ہیں۔ اب تک ماسٹر تاج الدین انصاری کا گروہ زیادہ قوی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب احرار کو معلوم ہو گا کہ اب عوام میں کافی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں تو علی الاعلان مسلم لیگ سے منقطع ہو کر اپنی آزاد

پارٹی قائم کرلیں گے (مسٹر قربان علی آئی جی پولیس کے استفسار پر سی آئی ڈی کے مسٹر خدا بخش سپرنٹنڈنٹ پولیس کی خفیہ رپورٹ) ان خفیہ رپورٹوں سے آپ ان افسروں کی ذہنیت کا اندازہ لگائیں کہ یہ کون سے فرائض انجام دے رہے تھے۔ تمام سرکاری ملازمین افسران اسٹیٹ کے ملازم ہوتے ہیں۔ ان کا کام سپرد شدہ اپنی ڈیوٹیوں کو سرانجام دینا ہوتا ہے۔ ان کا کام یہ نہیں کہ وہ کسی سیاسی جماعت کو برسراقتدار رکھے اور کسی دوسری جماعت کو برسراقتدار آنے سے روکنے کے لئے کام کریں۔ لیکن ۱۹۴۸ کی مسلم لیگ اور اس کے لیڈر بیوروکریسی کے فرزندوں سے ساز باز کر کے جمہوریت کی جڑیں کاٹنے میں مصروف تھے۔ ان شریف آدمیوں سے کوئی پوچھے کہ اگر ملک کے عوام احرار کو پسند کرتے تھے۔ اور ان کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ تو اس سے تمہیں کیا تکلیف تھی یہ وہ بنیادی اسباب ہیں جن کے باعث جمہوریت کا گلا کاٹا گیا۔ مسلم لیگ کے لیڈر خوش ہوتے رہے کہ یہ افسر ہمیں برسراقتدار رکھنے اور جمہوریت پسندیدہ لوگوں کو نیچا دکھانے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ ان افسروں نے سوچا کہ اگر ان بے جان لاشوں کو ہم اپنی کوشش سے برسراقتدار رکھنا ہے۔ تو کیوں نہ خود ہی اقتدار سنبھال لیں۔ انہوں نے مسلم لیگیوں کے حصہ اسفل پر دو لاتیں رسید کیں اور سکندر مرزا سے رشید آئی جی پولیس تک سب کے سب برسراقتدار آگئے۔ جب ملک میں یہ اندھیر مچ گیا تو صدر ایوب صاحب آگئے اور اب رسم چل نکلی ہے دیکھیں کہاں تک پہنچے۔

۵۔ یقین ہے کہ جب یہاں عوام کی بادشاہت ہوگی اور جمہوریت کو ذبح کرنے والے مجرموں کی تلاش ہوگی تو ان افسروں کی قبریں ضرور کھودنی پڑیں گی۔ جنہوں نے اس دور میں سازشوں کے جال پھیلا کر عوام اور ملک سے بدترین غداری کی تھی۔ یہ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر ساری تفصیل اس لئے بیان کی گئی ہے کہ جب ۳ جولائی ۱۹۵۳ کو پنجاب کے تمام دینی اور روحانی راہنما جمع ہو گئے اور پورے ملک میں حکومت کے خلاف آگ لگ گئی کراچی اور پنجاب کے دینی راہنماؤں کے رابطے کی صورتیں پیدا ہونے لگیں تو مسلم لیگ کے راہنماؤں کو اپنا زوال نظر آنے لگا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اس مرحلہ پر جو بات کہی جاتی تھی اس کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ کہا جاتا تھا کہ مطالبات کو منوانے کا یہ کوئی دستوری اور جائز طریقہ نہیں ہے۔ دستوری اور جائز طریقہ یہ ہے کہ عوام اپنے نمائندوں سے عرض کرتے نمائندے اس مسئلہ کو اسمبلی میں پیش کرتے اسمبلی میں تجویز اور تائید کے بعد یہ مطالبات پورے ہو جاتے۔

نظر بظاہر یہ بات معقول ہے لیکن یہ بات کہنے والوں سے میں دریافت کرتا ہوں کہ جب ایوب خاں کمانڈر انچیف پاکستان ' اور اس کے ساتھیوں نے راتوں رات ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس دن ایوب خاں کو تو کسی نے یہ نصیحت نہیں کی تھی کہ اگر آپ نے قوم کے اندر کچھ خرابیاں دیکھی ہیں تو ان کی اصلاح کا یہ طریقہ نہیں کہ آپ زبردستی ملک پر قبضہ کر لیں اور ملکی دستور کو توڑ دیں قوم کے نمائندوں کو بے اثر کر کے گھر بھیج دیں۔

ان بوجھ بجھکاوں کو اس دن تو یہ درس یاد ہی نہ رہا کہ خان صاحب کو کہتے کہ آپ پہلے نمائندوں کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ جناب ممبر صاحبان ملک میں یہ خرابیاں ہیں آپ انھیں اسمبلی میں پیش کر کے ان کا اعلان کرا دیں اس دن تو خیر سے بقول جسٹس کیانی سب سے حیران کن بیان جناب چیف جسٹس محمد منیر کا ہی تھا جنھوں نے مارشل لاء کے پہلے ہی دن ایوب خاں صاحب کی تائید میں بیان دے دیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ جو کچھ ایوب خاں نے کیا ہے وہ از روئے قانون درست ہے اب کیا ہوا ہے ایوب خاں۔نے مارشل لاء لگا کر چلایا ملک کو اسمبلی دی۔ دستور دیا۔ الیکشن کرایا بے پناہ کام کیے۔ ملک نے ترقی کی دنیا میں پاکستان کا نام روشن ہو گیا ۱۹۶۵ء میں صدر ایوب کی زیر کمان بھارت کی کمر توڑ دی گئی۔ عوام بعض باتوں سے ناراض ہو گئے۔ انھوں نے ایوب خاں کے خلاف وہ کچھ کہا اور وہ کچھ کیا جو تحریک ختم نبوت کے راہنماؤں نے نہ قادیانیوں کے حق میں کہا تھا اور نہ کیا تھا۔ حالانکہ ایوب خاں مسلمان تھا ملک کا وفادار تھا۔ اس نے ملک کی بے پناہ خدمت بھی کی تھی صرف یہی کہ اس کے بیٹوں نے اسے بدنام کیا۔ اور اس میں چند خامیاں تھیں۔ لیکن قادیانی تو مرتد اور واضح اسلام سے خارج تھے۔ اسلام اور ملک دونوں کے غدار تھے۔ ایوب خاں کے خلاف عوام کے جلسوں جلوسوں جلاؤ گھیراؤ اور منافرت انگیزی پر تو جسٹس منیر صاحب نہیں بولے اور نہ ہی اس کے چلے جانے پر انھوں نے کوئی آنسو بہایا۔ حالانکہ ایوب خاں نے جسٹس منیر کو بے حد نوازا تھا۔ اور ان پر ایوب خاں کا حق نمک و نعمت بھی مسلم تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ملک کی جمہوریت کے قتل کا مرتکب جہاں اس وقت کے سیاستدانوں اور بعض افسروں کو گردانتا ہوں تحقیقاتی عدالت کو بھی ان کے ساتھ شامل اور شریک سمجھتا ہوں۔

مولانا ابوالحسن

۱۷ مارچ کو حافظ آباد سے مولانا ابوالحسن عیسیٰ معہ رضاکاروں کے تشریف لے آئے۔ مولانا موصوف اس دن گرفتاری دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھیں موقعہ دیا گیا جب وہ جلوس کی

شکل میں جیل کی طرف جا رہے تھے انہیں راستے میں گرفتار کر کے لاریوں میں بٹھایا اور باہر لے جا کر چھوڑ دیا۔ چنانچہ موصوف حافظ کھوکھر واپس جا کر دہیں سے گرفتار ہوئے۔

۳ مارچ کو شہر میں فوج گشت کر رہی تھی۔ اور اس نے باغ جناح اور بعض دوسری جگہوں پر اپنے کیمپ قائم کئے تھے۔ جامع مسجد وزیر خاں سے رضاکاروں کے قافلے گرفتاری کے لئے گورنمنٹ ہاؤس کو جاتے رہے۔ جن کے ہمراہ ہزاروں عوام بھی جلوس کی شکل میں جاتے رہے ۳ اور ۴ مارچ کی درمیانی شب جامع مسجد وزیر خاں میں ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا جس میں تحریک ختم نبوت کی صورت حال پر اور حکومت کے رویہ پر مولانا عبدالستار خاں نیازی نے ایک معرکۃ الآرا تقریر کی اس تقریر سے حکومت کے ایوان ہل گئے۔ اور انہوں نے مولانا کی گرفتاری کا فیصلہ کر لیا لیکن وزیر خاں کی مسجد میں داخل ہو کر مولانا کی گرفتاری ناممکن ہو چکی تھی۔

ماسٹر تاج الدین فرماتے ہیں۔ ۳ مارچ سے ہی شہر میں کرفیو لگ چکا تھا مگر صورت حال یہ تھی کہ باہر سڑکوں پر تو عوام کرفیو کی عملداری میں تھے اور اندرون شہر میں کرفیو پولیس پر لاگو تھا۔ تمام کاروبار بند لوگ شہر میں آزادانہ گھوم پھر رہے تھے۔ مگر پولیس کا رویہ سخت ہو گیا۔ شہر کے اندر و باہر ہراس پھیل گیا۔ مسلمان عوام پولیس تشدد کے باوجود تنگی اور کشیدگی کی فضا میں بے قابو نہ تھے۔ مسجد وزیر خاں میں جو تقریریں ہو رہی تھی اگر ان تقریروں میں ذرا سا عوام کو اکسا دیا جاتا تو پورے شہر میں بلوہ ہو سکتا تھا۔

تحریک ختم نبوت پر تشدد کا الزام لگانے والے کیا اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرات کر سکتے ہیں کہ لاہور میں گنے چنے چند گلی بھر مرزائیوں کے گھرانے تھے جنہیں ختم کر دینا کونسی بڑی بات تھی مگر اس خطرناک دور میں جب کہ جگہ جگہ ختم نبوت کے پروانوں کی نعشیں بکھری پڑی تھیں مسلمان آتش زیرپا تھا مگر کسی ایک مسلمان نے لاہور شہر کے محلوں میں قابو آئے ہوئے مرزائیوں کو ہاتھ تک نہ لگایا بلکہ مجلس عمل کی ہدایت کے مطابق مرزائیوں کی حفاظت کی کسی مرزائی کی نکسیر تک نہ پھوٹی۔ اس حقیقت کے پیش نظر اب بھی اگر کوئی مرزائی یہ کہے کہ ختم نبوت کی تحریک مرزائیوں کے قتل اور فساد انگیزی کی تحریک تھی تو اس سے بڑی ناانصافی اور کیا ہو سکتی ہے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کا لاہور میں بڑا مرکز دہلی دروازہ کا پارک تھا جہاں ہر روز جلسہ ہائے عام منعقد ہوتے تھے۔ اور صبح و شام ہوتے تھے اس کے متصل مرزائیوں کی گلی تھی اس گلی میں مرزائیوں کے چار پانچ گھر ہیں۔ اسی میں مسلمانوں کی قدیم مسجد پر مرزائیوں نے قبضہ کر کے اسے اپنی عبادت گاہ بنا لیا ہے مگر ان مرزائیوں کی جانب کسی نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ تحریک کے دوران میں جب بھی ان مرزائیوں کا ذکر آیا راہنماؤں

نے عوام کو یہی ہدایت کی کہ یہ لوگ ہمارے ہمسائے بطور امانت کے ہیں ہم پر ان کی حفاظت لازم ہے ہماری تحریک جسموں کے خلاف نہیں بلکہ باطل عقیدے کے خلاف ہے۔

دہلی دروازے کی بیسیوں دکانوں کے درمیان ایک مرزائی کی دکان ہے اس دکان پر کسی مسلمان نے دھاوا نہیں بولا۔ مظاہرہ نہیں کیا حالانکہ اس مرزائی دکان اور جلسہ گاہ کے درمیان چند گز کا فاصلہ ہے مگر ان حقائق کے باوجود زبردست لوگ اگر ہم زیر دستوں پر زبان طعن دراز کریں یا بلاوجہ جھوٹے الزامات لگائیں تو انہیں کیا کہا جائے۔ بلاشبہ ملک کے بعض مقامات پر اس تحریک میں چند مرزائی کام آئے۔ مگر وہاں ان مقامات پر ہر جگہ شرارت و فتنہ فساد انگیزی کا باعث خود مرزائی تھے۔ بہرحال سخت ہنگاموں میں بھی لاہور کے مرزائی اس تحریک میں محفوظ رہے اس سے بڑھ کر مجلس عمل کی اور کیا کارگزاری ہو سکتی ہے۔ اس کی امن پسندی اور کامیابی سے کیا اب بھی ان حقائق کے ہوتے ہوئے کسی دیانتدار مورخ کے لئے انکار ممکن ہے؟

۳ مارچ

صبح و شام سینکڑوں رضاکاروں کے دستے گرفتاری کے لئے نکلنے لگے دن بھر سارا شہر تحریک سے وابستہ رہتا۔ شہر میں تمام کاروبار بند ہو گیا۔ سیکرٹریٹ۔ لوکوشیڈ اور حکومت کے دوسرے ادارے بھی تقریباً معطل ہو گئے۔

مولانا بہاؤ الحق قاسمی"

موصوف خوش بیان مقرر' جید عالم' اخلاق و محبت کا مجسمہ اور سیاسیات کے پیچ و خم سمجھنے والے بزرگ تھے۔ شہرت سے کوسوں دور بھاگنے والے۔ بے لوث خدمت کے عادی تھے۔ مجلس عمل کے اکثر راہنما جب گرفتار کر لئے گئے تو مولانا بہاؤ الحق قاسمی میدان میں اتر آئے۔ آپ نے ۲۷ فروری کی ابتدائی مجلس مشاورت میں جو سوہن دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور میں منعقد ہوئی تھی۔ حصہ لیا۔ اس کے بعد وہ واپس گھر نہیں گئے۔ بلکہ مسجد وزیر خاں میں ڈیرہ ڈال دیا۔ مولانا صلاح و مشورہ میں شریک ہوتے اور مسجد وزیر خاں کے اجتماعات میں تقریر کرتے۔ حالات جو نہی مخدوش ہوئے اور پولیس انتظامیہ' حکومتی عجلت پسند ارکان اور مرزائی تیزی سے سارے نظام کو درہم برہم کرنے کے درپے تھے۔

۳ مارچ کو فوج جناح گارڈن پہنچ گئی اور اس نے صبح کو سول لائنز اور کارپوریشن کے مجوزہ علاقہ میں گشت شروع کر دیا۔ اندرون شہر فوج نے بھی مداخلت مناسب نہ سمجھی۔ باوجود

پولیس بھی حرکت میں آ گئی نہ معلوم کون کون سی ایجنسیاں اور ان کے گماشتے تحریک مقدس کو ناکام بنانے کی خاطر دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی کا سامان کرنے لگے۔ ادھر اندرون شہر سارا دن جلوس نکلتے رہے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے دیوانہ وار رقص کرتے رہے۔ انارکلی میں اکتیس آدمی ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں پکڑے گئے۔ نیلا گنبد کی طرف سے ہال روڈ کی طرف جب جلوس آ رہا تھا تو اس پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا اور ظلم یزید کی یاد تازہ کر دی۔

نوشین مارکیٹ کے قریب جلوس پر بے پناہ مظالم روا رکھے گئے۔ ڈی ایس پی۔ ایم اے چوہدری اس ظلم کی کمان کر رہا تھا۔ اس کی شخصیت اور کردار سے دنیا واقف ہے کہ یہ صاحب کون تھے۔ دو اور جلوس بھی نکلے ان پر بھی ظلم و ستم کی انتہاء کر دی گئی ان دونوں جلوسوں پر لاٹھی چارج کے احکامات "عزت مآب" آئی۔ جی۔ آئی پولیس نے صادر فرمائے تھے۔ ان مظالم کے باوجود بھی جب تحریک کے کارکنوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور تحریک کو پرامن جاری رکھا تو میکلوڈ روڈ سے شکری روڈ کی طرف آنے والے جلوس پر فائرنگ کی گئی۔ اور اس کی قیادت و سیادت آغا سلطان احمد انسپکٹر تو لکھا کر رہے تھے کیا دنیا نہیں جانتی کہ یہ کون بزرگ تھے قارئین! خدا گواہ ہے کہ پرامن تحریک کو کچلنے کے لئے مسلم لیگی قیادت۔ ظفر اللہ خان کی شیطانیت، مرزائی و مرزائی نواز افسروں کی کینہ فطرت کا ایک ایسا لاوا آتش تیار کیا گیا جس میں تحریک کے کارکنوں کو بھون ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اور رب العزت کی کروڑ رحمتیں ہوں۔ صاحب ختم نبوت کے گنبد خضرا پر صلی اللہ علیہ وسلم جن کی روحانی پشت پناہی اور اللہ رب العزت کی رحمت کے سوا ان کارکنوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود اپنی منزل کی طرف خون سمندر پار کر کے بھی رواں دواں رہے۔

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں ۴ مارچ کو حسب سابق پرامن رضاکاروں کا ایک بہت بڑا جلوس روانہ ہوا اور چوک دالگراں کے راستے ریلوے اسٹیشن جانا چاہتا تھا یہ رضاکار زیادہ تر دیہات سے آئے ہوئے تھے۔ پھولوں کے ہار پہنے ہوئے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے بالکل پرامن جا رہے تھے۔ چوک دالگراں میں انہیں روکا گیا اور منتشر ہونے کے لئے کہا گیا۔ رضاکاروں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا' حکام نے گرفتاری سے انکار کیا اور ان کے منتشر ہونے پر اصرار کیا پولیس نے آنسو گیس کے گولے چھوڑے۔ لاٹھی چارج کیا لیکن وہ رضاکار جن کی تعداد ایک (۱۰۰۰) ہزار کے قریب تھی۔ بڑی ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہے۔ اور ظلم سہ کر بھی منتشر نہ ہوئے بالآخر جب ظلم حد سے گذر گیا اور پولیس نے اکیلے اکیلے رضاکاروں کو ڈنڈوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔ تو رضاکار زمین پر دھرنا مار کر بیٹھ گئے جب زمین پر

بیٹھے ہوؤں پر بھی ڈنڈے برسائے گئے تو وہ زمین پر لیٹ گئے۔

سید حسنات احمد سٹی مجسٹریٹ ' سید فردوس شاہ ڈی ایس پی اور ملک خاں بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس تینوں افسر برابر ظلم کر رہے تھے اور رضاکاروں کو ٹھوکریں مار مار کر زخمی اور لہولہان کر رہے تھے۔ پولیس رضاکاروں کو گھسیٹ گھسیٹ کر لا رہی تھی اور اٹھا اٹھا کر ٹرکوں پر ڈال رہی تھی اس اثنا میں ایک بوڑھے رضاکار جس کے گلے میں حمائل شریف پڑی ہوئی تھی اسے فردوس شاہ ڈی ایس پی نے گھسیٹا پیٹا اور پاؤں سے ٹھوکریں ماریں حمائل شریف غلاف میں سے نکل کر دور جا پڑی اور ورق ورق ہو گئی بوڑھے کو زبردستی ٹرک میں ڈال دیا گیا۔ اور قرآن مجید بازار کے ساتھ بہنے والی گندی نالی میں گر پڑا۔ اس صورت حال کو چوک دالگراں کے لوگ دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ اس واقعہ کی تصدیق منیر انکوائری رپورٹ کے مطابق گواہ نمبر ۳۱ محمد نذیر صاحب گواہ نمبر ۳۳ محمد حنیف صاحب گواہ نمبر ۳۴ محمد رفیق صاحب گواہ نمبر ۳۷ سراج دین صاحب نے بھی کی۔

تحریک ختم نبوت کے بعد کے زمانہ کو آج کل کے یا عام حالات پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ ظلم و تشدد سے تحریک کو کچلا گیا وسیع پیمانے پر پکڑ دھکڑ ہوئی۔ پولیس نے جس کو چاہا پکڑ کر اندر کر دیا۔ لوگوں کو ڈرایا گیا۔ منیر انکوائری کورٹ نے تحقیقات شروع کی تو کوئی شخص گواہی دینے کو تیار نہ تھا اس خوف و ہراس کے ماحول میں اور پھر گواہی بھی پولیس کے خلاف کس کو جراءت ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود چار معتبر گواہوں نے اس واقعہ کے متعلق چشم دید گواہ ہونے کی حیثیت سے گواہی دی۔ نہ صرف قرآن مجید کی بے حرمتی کی بلکہ ایک معصوم بچے کو وہیں چوک دالگراں میں اس قدر پیٹا گیا کہ وہ وہیں جاں بحق ہو گیا۔ اس کی لاش پولیس نے ہضم کر لی ان چاروں گواہوں نے اس معصوم لڑکے کی موت کی بھی تصدیق کی اور ڈٹ کر گواہی دی لیکن قربان جائیں چیف جسٹس محمد منیر کے 'چونکہ اس بچے کے قاتلین اور دوسرے کئی بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام کرنے والے ملک خاں بہادر خاں سپرنٹنڈنٹ پولیس اس واقعہ کو تسلیم نہیں کرتے اور موقعہ پر موجود مجسٹریٹ سید حسنات احمد بھی ان واقعات کی تصدیق نہیں کرتے لہذا وہ لکھتے ہیں۔ " ہم تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی مسلمان پولیس افسر خواہ وہ کتنا لامذہب کیوں نہ ہو کہ وہ کتاب اللہ کو ٹھوکر مار سکتا ہے اور اس شدید ترین کافرانہ حرکت کا مجرم بن سکتا ہے۔ ہمارے سامنے بحث میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ کتاب اللہ نادانستگی کی حالت میں پامال کر دی گئی...... اس لئے ہم قبول نہیں کر سکتے کہ کسی نے قرآن مجید کو ٹھوکر ماری تھی یا کسی لڑکے کو مار مار کر ہلاک کیا تھا " (تحقیقاتی رپورٹ ۱۵۱)

بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ قرآن مجید کو فردوس شاہ ڈی ایس پی کی ٹھوکر لگی تھی اور قرآن مجید پارہ پارہ ہو کر گندی نالی میں گر گیا تھا۔ یکی دروازے کے تندور کا ایک نوجوان محمد اشرف عرف کاکا چوک دالگراں کے قریب کسی دوکان یا ورکشاپ میں ملازم تھا۔ یہ پھٹے ہوئے ورق اس نے جمع کئے اصل حمائل شریف گندی نالی سے نکالی اور دلی دروازہ کے باہر ہونے والے جلسہ میں لے گیا۔

محمد شریف کاکا میرے ساتھ قلعہ میں قید رہا ہے۔ وہ سید فردوس شاہ کے قتل کے الزام میں گرفتار ہوا۔ اور اسی کے پاس سے شاہ صاحب موصوف کا ریوالور برآمد ہوا تھا میں تحریک ختم نبوت کے متعلق جب اپنے ذاتی واقعات کے بارے میں لکھوں گا تو وہاں اشرف کاکا کے حالات بھی مفصل آئیں گے اس نے ان تمام واقعات کی تصدیق کی تھی۔ قرآن مجید کی بے حرمتی اور معصوم بچے کے قتل ناحق کے واقعہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر بلکہ سارے ملک میں آناً فاناً پہنچ گئی۔ لوگ قابو سے باہر ہو گئے۔ اس قیامت خیز واقعہ کے علاوہ اس روز ایک اور بدترین واقعہ یہ ہوا کہ چند مرزائی نوجوان جیپ میں سوار فوجی وردیوں میں ملبوس فوجی قسم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر بڑی تیز رفتاری سے شہر میں گشت کرتے رہے جہاں کہیں کوئی جلوس یا باہر سے آئے ہوئے رضاکاروں کی کوئی ٹولی انہیں نظر آتی اس پر اندھا دھند گولیاں چلاتے۔ اور قتل عام کرتے رہے۔ پولیس حواس باختہ تھی اور فوج خدا جانے کہاں تھی لاکھوں کی آبادی کے شہر میں یہ قتل عام ہو رہا تھا اور کوئی ان کو روکنے یا پکڑنے والا نہ تھا۔

اور اس جیپ میں بیٹھ کر کھلے بندوں فائرنگ کرنے والوں کے متعلق شہادتیں ہوئیں مسٹر گبن ممبر صوبائی اسمبلی تک نے اپنی شہادت میں اس واقعہ کی تصدیق کی۔ لیکن جو کچھ جج صاحبان نے اپنے انصاف رقم قلم سے اس واقعہ کے متعلق لکھا ذرا وہ بھی پڑھ لیں۔ "یہ بیان کہ بعض احمدی فوجی وردیاں پہنے ایک جیپ میں سوار ہو کر لوگوں کو اندھا دھند گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ ہمارے سامنے موضوع شہرت بنایا گیا۔ اور اس کی تائید میں متعدد گواہ پیش کئے گئے۔ اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پراسرار گاڑی میں بعض نامعلوم آدمی اس دن شہر میں گھومتے رہے۔ لیکن ہمارے سامنے اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ اس گاڑی میں احمدی سوار تھے یا وہ گاڑی کسی احمدی کی ملکیت تھی۔" (تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ ص ۱۸۱) دیکھا آپ نے جسٹس منیر صاحب کا انصاف متعدد شہادتیں پیش ہوئیں اور انہوں نے واقعہ کی تصدیق کی لیکن عدالت نے یہ نکتہ پیدا کر لیا کہ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس گاڑی میں احمدی سوار تھے۔

ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی عقل اس بات کو سمجھ سکتی ہے کہ کوئی مسلمان یہ قتل عام نہیں کر سکتا تھا۔ فوج اس واقعہ کی ذمہ داری نہیں لیتی ظاہر ہے کہ یہ مرزائی تھے۔ جو اصلی فوجی تھے۔

یا جعلی اور انھوں نے کرنل شیر خان انچارج فوج کے مرزائی ہونے سے فائدہ اٹھایا۔ اور تحریک کو گزند پہنچانے کے لئے یہ قتل عام کیا۔

قرآن مجید کی بے حرمتی۔ معصوم بچے کا قتل اور فوجی وردیوں میں ملبوس مرزائیوں کا قتل عام، یہ تین واقعات تھے جس سے لاہور کے عوام بے حد مشتعل ہو گئے۔

دہلی دروازہ کے باہر جلسہ ہوا بے پناہ لوگ جمع ہو گئے تھے۔ لوگ مارے غصہ کے پاگل ہو رہے تھے کہ مصری شاہ کے ایک مولوی صاحب جن کا نام محمد سلیم اور دوسرے ان کے ہمراہ سیالکوٹ کے مولوی محمد یوسف تھے۔

علام الغیوب خدا کی ذات ہے۔ اصل کیا تھا اسے وہ علیم اور خبیر ذات ہی جانتی ہے لیکن واقعات کو بلا رعایت لکھ دینا ضروری ہے۔ مولوی محمد سلیم صاحب اپنی ظاہری دینی وجاہت اور پوزیشن کے باوجود دراصل پولیس کے آدمی تھے وہ کسی نہ کسی حیثیت سے پولیس کی کسی تنظیم کے ممبر بھی تھے۔ مولانا عبدالستار خان نیازی کے مقدمہ میں سرکاری گواہ بھی تھے انہی مولانا صاحب نے اجتماع عام میں پھٹے ہوئے قرآن مجید کے ورق لوگوں کو دکھائے اور انھیں مشتعل کیا۔ اور جب ان کا پارہ انتہائی درجہ پر پہنچا تو جلسہ ختم کر دیا گیا لوگ وزیر خان کی مسجد میں چلے گئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جلسہ کے لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم مسجد وزیر خاں کے قریب پہنچا تو آگے سے کوئی تھانیدار صاحب معہ چند سپاہیوں کے آ رہے تھے لوگوں نے جلسہ میں قرآن مجید کی بے حرمتی کے متعلق جو کچھ سنا تھا اس سے متاثر ہو کر انہیں مروہ باد کہا وہ ڈر گئے اور بھاگ کر پچھلی گلی میں لوگوں کے گھروں میں گھس گئے۔ وہاں سے تھانیدار صاحب نے کوتوالی میں فون کیا کہ ہم مسجد وزیر خاں کے نواحی مکان میں گھر گئے ہیں اور ہماری جان کو خطرہ ہے ہمیں یہاں سے چھڑایا جائے بدقسمتی کہ فردوس شاہ ڈی ایس پی کوتوالی میں موجود تھا۔ وہ ایک دستہ پولیس کا لے کر مسجد وزیر خان میں پہنچ گیا۔ جب وہ مسجد وزیر خان کے سامنے چوک دروازہ میں پہنچے تو رضاکاروں نے کہا یہ ہے وہ بے ایمان جس نے قرآن مجید کو ٹھوکر ماری تھی بس پھر کیا تھا وہ سارا ہجوم فردوس شاہ صاحب پر پل پڑا اس زمانہ میں مسجد وزیر خان کے سامنے کھلی جگہ میں چھوٹی چھوٹی چھپریاں ہوتی تھیں جن کے نیچے لوگ مختلف دوکانیں کیا کرتے تھے لوگوں نے ان چھپروں کے بانس نکال لئے اور فردوس شاہ کو مارنا شروع کر دیا ہجوم زیادہ تھا الا کی سیدھی ضرب نہیں ماری جا سکتی تھی لوگوں نے بانسوں اور لاٹھیوں سے چوک مار مار کر شاہ صاحب کا قیمہ کر دیا۔ شاہ صاحب چوک دروازے کے قریب گندے نالے میں گر کر ختم ہو گئے۔ خدا کی قدرت ان کی ٹھوکر سے قرآن مجید گندی نالی میں گرا تھا اور لوگوں کی ٹھوکروں سے ان کی لاش بھی گندے نالے ہی میں جا گری جہاں کافی دیر پڑی رہی یہاں تک کہ پولیس

نے ہی وہاں سے آکر انہیں نکالا۔

فردوس شاہ کے قتل کا باعث

۴ مارچ کو ایک اہم اور خوفناک واقعہ ظہور پذیر ہوا مستی دروازے کا باوردی تھانیدار مشتعل ہجوم میں گھر گیا۔ یہ اطلاع جب لاہور کے سالار سعید اقبال کو ملی تو وہ چند رضاکاروں کو لیکر فوراً موقع پر پہنچ گیا ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ ادھر کیا لینے آئے ہو۔ ہمارے بھائیوں پر لاٹھیاں برسانے ہو ہمارے ساتھ کیا انصاف کرو گے۔ تھانیدار بے بس سا نظر آ رہا تھا۔ سعید اقبال صاحب نے لوگوں کو منتشر کیا تھانیدار کو سیڑھی کے ذریعے پچھلے دروازے کی چھت پر چڑھا دیا اور بڑی مستعدی سے اس کی وردی تبدیل کروا کر سفید کپڑوں میں اسے واپس پہنچا دیا۔

کوتوالی میں یہ اطلاع پہنچی کہ تھانیدار گھر گیا ہے تو فردوس شاہ ڈی ایس پی نے نہ آؤ دیکھا اور نہ تاؤ گارد کو لیا اور جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔ اس سے قبل چوک وال گراں میں قرآن مجید کو ٹکڑے مار کر شہید کر کے اس کے اوراق کو گندی نالی میں ڈال دینے کا وقوعہ ہو چکا تھا اور مبینہ طور پر اس کا ملزم فردوس شاہ کو گردانا جا رہا تھا۔ فردوس شاہ وہاں پر پہنچے تو کسی نے کہہ دیا کہ یہی وہ شخص ہیں جس نے قرآن مجید کی بے حرمتی کی تھی۔ یہ افواہ اڑائی تھی کہ فردوس شاہ قتل کر دیا گیا۔ مرزائی اور حکومت یہی چاہتی تھی انہیں بدامنی کرانا مطلوب تھی چنانچہ خدا دے اور بندہ لے پولیس کو تشدد کرنے مسلمانوں پر بے تحاشا گولیاں چلانے کا بہانہ میسر آ گیا۔

یہ سب کچھ مرزائی اور حکومت کے کارندے کر رہے تھے۔ فردوس شاہ کا قتل تحریک مقدس کی سفید چادر پر ایک ایسا بدنما داغ ہے جو مرزائی اور مرزائی نواز انتظامیہ نے لگایا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تحریک کے ذمہ دار حضرات تو پہلے سے ہی گرفتار تھے۔ تحریک کے لوگوں کا اس المناک واقعہ سے قطعاً تعلق نہ تھا۔

۴ مارچ: کو کابینہ کا اجلاس ہوا جس میں چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری، آئی جی، ڈی آئی جی بھی شریک ہوئے۔ آئی جی پولیس نے ایک تقریر پڑھ کر کابینہ کے اجلاس میں سنائی جو مولانا عبدالستار خاں نیازی نے کی تھی۔ فوج نے بظاہر ہیڈ کوارٹر کے حکم کے تحت گشت لگانا بند کر دیا۔ بلکہ ایک یا دو کمپنیاں جناح گارڈن سے واپس چھاؤنی بھی چلی گئی تھیں۔

آج پورا دن جلوس نکلتے رہے اور پولیس ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کرتی رہی۔ یہ خاک و خون میں تڑپ کر بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا تحفظ کر گئے اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک راستہ متعین کر گئے کہ اگر قانون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و

ناموس سے گریزاں ہو تو مسلمان اپنے خون و جگر سے یہ فریضہ ادا کر کے دکھاتے ہیں۔ اب شہروں اور لاریوں سے رضاکاروں کے بے شمار دستے لاہور میں داخل ہو رہے تھے۔ سرگودھا کے رضاکاروں کے دستے پر نولکھا تھانہ کے سب انسپکٹر محمد عابد نے لاٹھی چارج کیا۔ فردوس کی نعش تھانہ میں لائی گئی تو ہوم سیکرٹری' آئی جی' ڈی آئی جی' ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ موقع پر پہنچ گئے۔ اتنے میں جنرل اعظم جنرل آفیسر کمانڈنگ وغیرہ بھی ان سے آ ملے جس وقت یہ افسر صورت حال پر غور کر رہے تھے تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کہا کہ فردوس شاہ کے قتل کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب لاہور فوج کے سپرد کر دیا جائے جو افسر اس وقت موجود تھے انہوں نے کرفیو نافذ کرنے کا اعلان کر دیا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم پر شہر میں پولیس نے گشت شروع کیا۔ پولیس کا کئی جلوسوں سے سابقہ پڑا۔ انہوں نے دل کھول کر فائرنگ کی اور مسلمانوں نے سینے کھول کر پولیس کے مظالم کو برداشت کیا دونوں طرف سے مقابلہ جاری رہا۔ پولیس گولیوں اور سنگینوں کے استعمال سے تحریک کو ٹھنڈا کرنے پر عمل کر رہی تھی۔ مسلمان خون جگر دے کر تحریک کی آبیاری کر رہے تھے۔ قدرت مسکرا رہی تھی کہ حق و باطل کے اس عظیم معرکہ میں پولیس کس طرح دنیا و آخرت کی اپنی رسوائی کا سامان کر رہی تھی۔ بھاٹی دروازے کے قریب ایک جلوس گزر رہا تھا۔ انتظامیہ نے اسے کرفیو کی خلاف ورزی قرار دیکر بھون ڈالا۔ نولکھا بازار میں بھی ایک جلوس پر گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی۔ سرکلر روڈ بیرون دہلی دروازہ کے ایک جلوس پر گولیاں چلائی گئیں۔ چوہدری محمد حسین ایس پی نے میکلوڈ روڈ کے ایک جلوس پر اندھا دھند فائرنگ کر کے اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا۔ نسبت روڈ پر انسپکٹر آغا سلطان احمد نے فائرنگ کی اور کئی لوگوں کے جلوس پر گولیاں چلائیں' اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس موچی دروازہ نے ایک اور جلوس پر گولیاں چلا کر شرکاء کے قلب و جگر کو چھید ڈالا۔ غرضیکہ پورا شہر سراپا احتجاج تھا۔ کرفیو نافذ ہونے کے باوجود اس کا نام و نشان نہ تھا۔ پولیس باؤلے کتے کی طرح شرکاء جلوس مظاہرین پر اندھا دھند فائرنگ کر رہی تھی۔ چشم فلک نے لاہور میں حق و باطل کا یہ معرکہ دیکھا کہ حق والے کس طرح اپنے سینوں پر گولیاں کھا کر جام شہادت نوش کر رہے تھے۔ رات بھر دور دور تک عجیب و ہولناک شور اور اندھا دھند فائرنگ کی آوازیں آتی رہیں' مسلمان اذانیں دے کر رحمت کردگار کے طلب گار تھے۔ پولیس فرعون کا جدی نائبی کردار ادا کر رہی تھی۔ آدھی رات سے کچھ بعد چیف منسٹر کی کوٹھی پر ایک اجلاس منعقد ہوا۔ وہاں ہوم سیکرٹری' آئی جی' ڈی آئی جی' ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ' ایس پی اور جنرل اعظم اور بعض دوسرے فوجی افسران شریک اجلاس ہوئے یہ اجلاس صبح تین بجے تک جاری رہا۔ آئی جی نے جنرل اعظم کو بتلایا کہ ہزارہا

گولیاں برسا رہا مسلمانوں کا سینہ چھلنی کرنے کے باوجود تحریک کو گولیوں سے کچلنا ہمارے لئے ممکن نہیں مدھم ہونے کی بجائے تحریک میں مزید شدت پیدا ہو رہی ہے۔ شدید خدشات کا اندیشہ ہے اب پولیس کی گولیوں میں جان نہیں رہی یا مسلمان کا ایمان اتنا سخت جان واقع ہوا ہے کہ اس پر یہ اثر نہیں کرتیں۔ اب فوج کو توپ و تفنگ سمیت رہی سہی کسر نکالنے کے لئے میدان میں آنا چاہئے۔ بھارت کی سرحد پر بمباری کی بجائے مسلمانوں کے سینوں کو میدان زار بنا کر ان کو لالہ زار بنایا جائے ادھر تحریک کے کارکنوں میں غیر معمولی جذبہ اس طرح موجزن تھا کہ وہ ختم نبوت کے تحفظ کی جنگ گویا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی براہ راست نظر کرم سے لڑ رہے تھے۔ مسلمان اپنی جانوں پر کھیل کر ثابت کر رہے تھے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا رشتہ اتنا مقدس رشتہ ہے کہ اس میں مال عزت و آبرو اولاد تو درکنار جان بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (الحدیث) کا مسلمان عملی مظاہرہ کر رہے تھے۔

فردوس شاہ ڈی ایس پی کے قتل کے بعد افسروں کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ غیظ و غضب سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں کوہائی جمع ہوئے ان میں ہوم سیکرٹری سید غیاث الدین احمد' آئی جی پولیس میاں انور علی' سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس مرزا نعیم الدین۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کرنل عالم' آفیسر کمانڈنگ فرسٹ بلوچ رجمنٹ آفیسر جنرل کمانڈنگ اعظم خاں شامل تھے۔

خاص افسروں کی اس میٹنگ میں فیصلہ کیا گیا کہ تحریک کو تشدد کے ساتھ کچل دیا جائے اور ڈی ایس پی کے قتل کا انتقام لیا جائے۔ چنانچہ کافی بحث کے بعد شہر میں فوری طور پر کرفیو کا اعلان کر دیا گیا اور ساتھ ہی اندھا دھند فائرنگ بھی شروع کر دی گئی۔ دہلی دروازے کے باہر چوک میں رضاکاروں کے ہجوم پر اندھا دھند فائرنگ ہوتی رہی۔ میکلوڈ روڈ پر چوہدری محمد حسین سپرنٹنڈنٹ پولیس' مال روڈ پر ملک حبیب اللہ بھاٹی دروازہ لوہاری بازار اور موچی دروازہ کے قریب فائرنگ کرواتے رہے اور مسلمانوں کے قتل عام میں لگے رہے حد یہ ہے کہ اس قتل عام میں براہ راست خود میاں انور علی بھی شریک رہے۔

رات گئے تک یہ قتل جاری رہا لاشے گرتے رہے اور تڑپتے رہے۔ کلمہ طیبہ کی آوازیں بلند ہوتی رہیں اور بے پناہ ظلم و تشدد کی بدولت خاموش ہوتی رہیں اور اس طرح فردوس شاہ کے قتل کا انتقام بے گناہ مسلمانوں سے لیا جاتا رہا۔

جب رات ہو گئی لوگ اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور حکومت کے ظلم و تشدد سے جو مصیبت مسلط ہو کر ان کو گھیرے ہوئے تھی نجات حاصل کرنے کے لئے بلند آواز کے

ساتھ اذانیں پڑھنے لگے۔ لاہور میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں فائرنگ سے شہید ہونے والوں کا ماتم نہ بپا ہو اور رو بلا کے لئے اذان کی آواز نہ گونج رہی ہو۔ چنانچہ اس رات کے متعلق منیر انکوائری رپورٹ میں جج صاحبان نے لکھا کہ غرض پورا شہر شور و غوغا کا ایک ہنگامہ زار بنا ہوا تھا۔ رات بھر دور دور تک مہیب و ہولناک شور کی آوازیں سنائی دیتی رہیں (منیر انکوائری رپورٹ ص ۱۴۰) میاں ممتاز خان دولتانہ کی صدارت میں اجلاس ہوتے تھے۔ تحریک کو کچلنے اور عوام کی ناراضگی کے سیلاب کو روکنے کے لئے مشورہ ہوتے تھے لیکن صحیح بات کسی کی زبان پر نہ آئی تھی کہ مرکزی حکومت اور اس کے سربراہ خواجہ ناظم الدین کو لاہور بلایا جائے اور اسے بتایا جائے کہ اب اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے۔ جو ہم عوام پر ڈھائیں لیکن مطالبہ تسلیم کرنا' عوام کی بات ماننا اور قادیانیوں کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا تو کسی کے اختیار میں ہی نہ تھا اور نہ اس پر کوئی بات ہوتی تھی اگر کسی کو اختیار حاصل تھا تو صرف یہ کہ اپنے عوام کو صد فیصد درست ہونے کے باوجود گولیوں اور سنگینوں سے خاموش کرا دو ۴ مارچ کو پولیس قتل عام کرتی رہی۔ سارا دن گولی چلتی رہی رضاکار باقاعدہ جتھے بناتے اور پھولوں کے ہار پہنے کلمہ طیبہ پڑھتے مختلف راستوں سے نکلتے تھے۔ پولیس اور فوج انہیں روکتی وہ گرفتاری پیش کرتے تھے لیکن انہیں گرفتار کرنے کی بجائے گولیاں ماری جاتی تھیں۔

۵ مارچ: اس روز پہلے سے کہیں زیادہ ظلم روا رکھا گیا اس ظلم تشدد اور بے گناہوں کے قتل عام کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام سرکاری دفاتر بند ہو گئے' سول سیکرٹریٹ کے تمام چھوٹے بڑے ملازموں نے بھی ہڑتال کر دی اور اپنے اپنے دفتروں سے باہر نکل آئے' ایشیا کی تاریخ کا یہ پہلا اور انوکھا واقعہ تھا کہ عوام کے مطالبات اور احتجاج میں کسی ملک کا صوبائی سیکرٹریٹ بند ہو گیا ہو اور اس کے چھوٹے بڑے تمام ملازمین بھی تحریک میں شریک ہو گئے ہوں' اس بات کا اعتراف میاں انور علی آئی جی پولیس نے بھی اپنی شہادت میں کیا ہے۔

لاہور کے عوام تحریک ختم نبوت کے رضاکاروں اور حضور ختم المرسلین کے شیدائیوں پر ہونے والے مظالم کو دیکھ کر صبر اور ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھے اور سول نافرمانی کی تحریک بغاوت میں تبدیل ہوتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ لوگ اپنے گھروں سے نکل آئے اور سینے تان کر کھڑے ہو گئے۔

اب حکومت کے سامنے کوئی چارہ نہ تھا کہ عوام کے اس نئے اقدام کو ناکام کرے چنانچہ پولیس نے اپنے کرائے کے غنڈوں اور ٹاؤٹوں سے اونچی بھوں کو آگ لگوائی پولیس کی اپنی ایک گاڑی بھی جلوا دی گئی۔ کچھ مرزائیوں کی دوکانیں جلوائی گئیں اور چند دوکانیں لٹوائی گئیں۔ ان واقعات کا مقصد یہ تھا کہ فوج کو یقین دلوایا جا سکے کہ یہ تحریک کوئی دلیل اور پرامن

تحریک نہیں ہے۔ تاکہ فوج شرح صدر کے ساتھ طاقت استعمال کرسکے نیز پولیس کے جوان جو چار مارچ کے ظلم و تشدد پر نادم اور افسوس کناں تھے اور مزید گولی چلانے پر آمادہ نہ تھے۔ انہیں بھی مزید مظالم ڈھانے پر آمادہ کیا جاسکے۔

چنانچہ یہ اسکیم بنانے والے کامیاب ہوئے اور غنڈوں کے ان چند واقعات کے بعد پولیس نے تین دن تک بے پناہ ظلم ڈھایا اور بے گناہوں کو گولیوں اور سنگینوں سے قتل کیا۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ غنڈہ گردی' لوٹ مار' ساڑ پھونک اور توڑ پھوڑ کی یہ کاروائیاں تحریک ختم نبوت کے رضاکاروں نے کی ہوں یا عوام نے رضاکاروں پر ظلم ہوتا دیکھ کر اشتعال میں آکر یہ سب کچھ کیا ہو۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ اگر تحریک ختم نبوت سے تعلق رکھنے والے رضاکار یا عوام ان واقعات کا ارتکاب کرتے تو وہ شروع سے لے کر آخر تک ہوتا۔ صرف ایک دن ۵ مارچ کو صبح سے دوپہر تک ان واقعات کا ہونا اور پھر بالکل بند ہو جانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ واقعات کرنے والے کسی اسکیم کے تحت ان جرائم کا ارتکاب کر رہے تھے۔ رضاکار صرف دفعہ ۱۴۴ توڑ کر گرفتاری دینا چاہتے تھے۔ وہ پہلے دن سے لے کر آخری دن تک ایسا کرتے رہے۔ حکومت نے یا ان کی گرفتاری لی اور یا ان کی جان لے لی۔ اگر توڑ پھوڑ' ساڑ پھونک اور مار دھاڑ بھی پروگرام میں شامل ہوتی تو وہ صرف ایک دن چند گھنٹے جاری رہ کر بند نہ ہو جاتی جو رضاکار کرفیو توڑتے رہے اور مارشل لاء لگ جانے کے بعد بھی توڑتے رہے۔ گرفتاری یا جان دینے کے لئے سینہ تان کر جتھے نکالتے رہے اگر تشدد کے یہ واقعات بھی ان کے پروگرام میں شامل ہوتے وہ انہیں شروع سے آخر تک ہر قیمت اور ہر قربانی پر سرانجام دیتے رہتے۔

لیکن یہ صبح سے دوپہر تک کے واقعات اور صرف ایک دن کے لئے پولیس کے اپنے منظم کرائے ہوئے واقعات تھے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ پولیس اور فوج کے جوان تحریک کے رضاکاروں کو ان واقعات کا ذمہ دار قرار دے کر انہیں غنڈے سمجھ کر شرح صدر کے ساتھ گولی چلاتے رہیں اور قتل کرتے رہیں۔

چنانچہ ۴ مارچ اور ۵ مارچ کو پولیس نے شرح صدر کے ساتھ گولی چلائی۔ سنگینیں استعمال کیں۔ ریڈیو کے اعلانات میں تحریک کے رضاکاروں کو غنڈے کہا جاتا رہا پولیس کے جوان بزعم خویش غنڈوں کو قتل کرتے رہے۔

محتاط اندازہ کے مطابق ۱۰ ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور ان کی نعشیں ٹھکانے لگائی جاتی رہیں بعض ذمہ دار سیاسی لیڈروں نے اس کی تصدیق کی' ملک فیروز خان نون نے پبلک طور پر بیان دے کر اسی بات کی تصدیق اور تائید کی۔

سب سے زیادہ ظلم گوالمنڈی کے علاقہ میں جہاں عبدالکریم مرزائی اے ایس آئی اور خان بہادر سپرنٹنڈنٹ بارڈر پولیس گولی چلانے میں مصروف رہے گوالمنڈی کے قتل عام کی تحقیقات تحقیقاتی عدالت میں بھی خاص طور پر پیش ہوئی۔ اس قتل عام کے متعلق پندرہ چشم دید گواہ عدالت میں پیش ہوئے اور انہوں نے شہادتیں دیں حکومت نے اس واقعہ کی تفتیش انکوائری کورٹ کے علاوہ کرائی لیکن بدقسمتی کہ تفتیش کرنے والوں میں عطاء محمد لون۔ ڈی آئی جی (مرزائی) مسٹر عبدالحئی مجسٹریٹ مرزائی اور ایک فوجی شامل تھے۔ فوجی افسر کا نام بھی معلوم نہ ہو سکا میرا یقین ہے کہ وہ یقیناً مرزائی ہو گا اور اگر وہ مرزائی نہ بھی ہو۔ جہاں دو سول کھاک قسم کے افسر مرزائی ہوں وہاں تیسرے فوجی افسر نے کیا کرنا تھا۔ ان تینوں افسروں نے اس سارے قتل عام کو ہی خرد برد کر دیا اور تقریباً یہی کارروائی تحقیقاتی عدالت نے بھی کی۔ ۵ مارچ کے قتل عام کا دن گذر جانے کے بعد جب رات آئی تو وہ بھی گذشتہ رات کی طرح بڑی وحشت ناک اور مہیب رات تھی۔ ساری رات لوگوں نے جاگ کر گذاری اپنے مکانوں کی چھتوں سے ردبلا کے لئے اذانیں پڑھتے رہے۔

۵ مارچ کے حالات و واقعات منیر انکوائری کی نظر میں

”ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کرفیو لگا کر حکم دیا کہ ۵ اور ۶ مارچ کی درمیانی شب کو ساڑھے تین بجے شام سے چھ بجے صبح تک اور ۶ سے ۱۱ مارچ تک ۶ بجے شام سے ۷ بجے صبح تک کوئی شخص کسی سڑک' بازار' گلی' کھوئی گلی۔ شارع عام یا کسی پبلک مقام پر باہر نہ نکلے۔ اس حکم کا اطلاق پورے شہر پر ہوتا تھا صرف سول لائنز کا ایک حصہ مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ اس رقبے کے اندر کسی پبلک مقام پر پانچ یا پانچ سے زیادہ اشخاص کا اجتماع اور دن اور رات کے کسی حصے میں بھی اسلحہ اٹھا کر چلنا بھی دو مہینے کے لئے ممنوع قرار دیا گیا تھا۔“

صبح کو گورنر نے کابینہ کا ایک اجلاس منعقد کیا جس میں چیف سیکرٹری' ہوم سیکرٹری' جنرل آفیسر کمانڈنگ دہم ڈویژن' بعض سٹاف افسر' ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی طلب کئے گئے اس جلسے میں جو وزراء و حکام شریک ہوئے ان سے گورنر نے کہا کہ قوت کا استعمال نہایت مضبوطی سے کرو۔ کیونکہ میرا بمبئی کا تجربہ یہی ہے کہ اگر فساد کے ابتدائی مرحلوں پر بلوائی کثیر تعداد میں ہلاک کر دیئے جائیں تو بلوہ وہیں ختم ہو جاتا ہے اس اجلاس میں طویل بحث و مباحثہ کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے۔

۱۔ چونکہ لاہور کی صورت حال بدتر ہو چکی ہے اور شہر بھر میں عام ہنگامہ بپا ہے۔ اس لئے اولاً پولیس کو چاہئے کہ فسادات کو فرو کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ جتنی قوت کا استعمال ضروری

ہو۔ اس سے کام لے کر شدید اقدام کرے۔ پولیس کے گشتی دستوں کی امداد کے لئے فوجی دستے بھی مامور ہوں گے جو اپنے کمانڈروں کے ماتحت رہیں گے۔

۲۔ اگر پولیس کسی خاص حصہ شہر کی حالت پر قابو پانے سے عاجز ہو۔ تو جو سینئر پولیس افسر وہاں موجود ہو اس کو چاہئے کہ اس حصے کی صورت حالات کا انتظام اپنے ساتھ کے فوجی کمانڈر کے حوالے کر دے۔

۳۔ اگر مندرجہ بالا تدابیر قانون و انتظام کی بحالی میں ناکام رہیں اور پولیس فوج کی اس جزوی امداد سے بھی عام صورت حالات پر قابو نہ پا سکے تو فوج سے کہا جائے گا کہ وہ شہر کا چارج لے لے۔

۴۔ پولیس کے حوصلوں کو بلند رکھنے کی ہر تدبیر عمل میں لائی جائے پولیس کے آدمیوں کو بتا دیا جائے کہ جو لوگ بہادری کا ثبوت دیں گے اور اپنے فرائض کو امتیاز اور دیانتداری سے انجام دیں گے ان کو مناسب انعامات دیئے جائیں گے ان کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ اگر ادائے فرض کے دوران میں کوئی جانی نقصان ہو گیا تو وارث کو کافی معاوضہ عطا کیا جائے گا سید فردوس شاہ مرحوم کے وارثوں کو حکومت کسی کالونی کے ضلع میں دو مربعے اراضی عطا کرے گی۔

۵۔ جہاں تک ممکن ہو طالب علموں کو بلوائیوں سے الگ رکھنے کی کوشش کی جائے۔

۶۔ ہز ایکسیلینسی گورنر آج تمام سیاسی جماعت کے نمائندہ معزز شہریوں سے خطاب کریں گے کہ وہ شہر میں عقل و ہوش کو بحال کرنے میں اپنے اثر کو استعمال کریں۔

چیف سیکرٹری سے کہا گیا کہ وہ ایک بیان کا مسودہ تیار کریں جو ان معزز شہریوں کے دستخطوں سے جاری کیا جائے جو آج سہ پہر کے وقت مدعو کئے گئے ہیں لیکن چونکہ چیف سیکرٹری صاحب سیکرٹریٹ میں بلا لئے گئے تھے جہاں کلرکوں نے ہڑتال کر رکھی تھی۔ اس لئے اس بیان کا مسودہ ہوم سیکرٹری نے تیار کیا ہوم سیکرٹری کے لکھے ہوئے مسودے کے متعلق گورنر نے یہ رائے دی کہ اس میں مطالبات کی اس قدر زیادہ مذمت کی گئی ہے کہ نمائندگان عوام سے اس کی منظوری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ سیکرٹریٹ سے واپسی پر چیف سیکرٹری نے بھی مسودہ تیار کرنے کی کوشش کی لیکن بالآخر یہ خیال ترک کر دیا گیا۔

سہ پہر کے جلسے میں گورنر اور چیف منسٹر کے ایما پر انسپکٹر جنرل پولیس نے صورت حالات کی مفصل کیفیت بیان کی ان کے بعد وہ اور مقررین مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مسٹر احمد سعید کرمانی ایم ایل اے نے تقریریں کیں۔ مولانا نے صورت حالات کو حکومت اور عوام کے درمیان خانہ جنگی سے تعبیر کیا اور بتایا کہ جب تک حکومت عوام کے مطالبات کے متعلق غور کرنے پر آمادگی ظاہر نہ کرے گی میں کسی اپیل میں شریک نہیں ہو سکتا۔ مسٹر کرمانی نے کہا کہ

اس تحریک کی قیادت اب زیادہ تر بازاری غنڈوں اور دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص کے ہاتھ میں ہے اور تعلیم یافتہ لوگ اس کے ساتھ نہیں ہیں جب مسٹر کیانی تقریر کر چکے تو چیف سیکرٹری ہوم سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس نے باہر جانے کی اجازت طلب کی۔ تاہم یہ اجلاس جاری رہا۔ مولانا مودودی ایک اپیل کا مسودہ تیار کرنے میں مصروف ہو گئے لیکن وہ مسودہ گورنر اور چیف منسٹر نے قبول نہ کیا۔

گورنر ہاؤس میں شام کو ایک اور اجلاس ہوا جس میں وزرا جنرل آفیسر کمانڈنگ بریگیڈیئر حق نواز' بریگیڈیئر ایف آر کلو' چیف سیکرٹری' ہوم سیکرٹری' انسپکٹر جنرل پولیس ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس اور ملک حبیب اللہ سپرنٹنڈنٹ پولیس سی آئی ڈی شامل تھے صورت حالات پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ لاقانونیت کا آخری واقعہ ڈھائی بجے بعد دوپہر ہوا تھا جس میں پولیس کے ایک دستے پر حملہ کیا گیا تھا اور پولیس کی ایک گاڑی جلا دی گئی تھی۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو اب گولی چلانے سے پرہیز کیا جائے۔ گورنر نے کہا کہ کرفیو کی خلاف ورزی کے معمولی واقعات پر توجہ نہ کی جائے اور حکام میں سے ایک نے یا خود گورنر نے یہ تجویز بھی کی کہ گولی چلانا بند کر دیا جائے۔ فائرنگ کو نرم کر دینے کا فیصلہ ان پولیس افسروں کے لئے بے حد پریشان کن ثابت ہوا جو صورت حالات پر قابو پانے میں مصروف تھے۔ صبح کے احکام تو یہ تھے کہ پولیس کو مضبوط تدابیر اختیار کرنی چاہئیں چنانچہ مسٹر ایس این عالم اور ملک حبیب اللہ کی کمان میں پولیس کے گشتی دستے انہی ہدایات کے ساتھ بھیج دیئے گئے تھے جب شام کے احکام کوتوالی کے مرکز میں پہنچے اور وہاں سے ان افسروں کو پہنچائے گئے جو عملی اقدامات میں مصروف تھے تو وہ بالکل ششدر بصورت رہ گئے اور ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کریں پولیس کی بکھری ہوئی ٹولیاں بالکل پریشانی کی حالت میں تھیں۔ رات کے وقت صرف ایک موقع پر گولی چلائی گئی جب ریلوے ملازمین کے ایک ہجوم نے ہڑتال کر دی تھی اور ایک سگنل اور ایک ٹرین کو تباہ کرنے میں مصروف تھا۔ (منیر انکوائری رپورٹ ص ۱۶۳ تا ۱۶۴)

۶ مارچ: کو لاہور میں بعض واقعات ظہور پذیر ہوئے مثلاً خلیفہ شجاع الدین کی معیت میں بعض لوگ مسجد وزیر خاں میں آئے اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے تحریک کو بند کرنے کا مشورہ دیا اور یہ کہ انہیں تحریک سے ہمدردی ہے۔ لیکن توپوں کے دہانوں کے سامنے سینہ سپر مجاہدین رضاکاران ختم نبوت کے لئے یہ باتیں حوصلہ شکن اور خلاف توقع تھیں۔

عوام نے انہیں مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ دروازے پر بعض لوگوں نے ان پر فقرے بھی ممکن ہے چست کئے ہوں کہ آپ کی اب آنکھ کھلی ہے اتنے دنوں سے تحریک جاری ہے

آپ حضرات کیا ہمارا تماشہ دیکھتے رہے اور اب ہمارے کئے کرائے پر پانی پھیرنے کے لئے تشریف لائے ہیں ہاں بہر حال خلیفہ شجاع الدین کے لئے احترام لوگوں کے دل میں پہلے سے موجود تھا اس لئے ان حضرات کو مسجد کے اندر آتے ہوئے زیادہ مشکل کا سامنا نہ ہوا۔ مسجد کے حجرے میں خلیفہ شجاع الدین' شیخ سردار محمد' احمد سعید کرمانی خورشید اور بیگم سلمیٰ تصدق تشریف لائے مولانا عبدالستار خان نیازی' مولانا بہاؤ الحق قاسمی' مولانا خلیل احمد قادری اور دیگر مجلس عمل کے راہنماؤں نے ان سے گفتگو کی یہ گفتگو تلخ ماحول میں ہوئی۔ شکوک و شبہات پیدا ہو جائیں تو اچھے نتیجہ کی توقع نہیں رکھنی چاہئے اس وفد سے کہا گیا کہ آپ حضرات جو ہمیں فہمائش کے لئے گھروں سے نکلے ہیں راستہ میں آپ نے لیگی حکومت سے بھی کچھ فرمایا ہوتا کہ اپنی رعایا سے یہ سلوک اور اچھوں پر گولیوں کی یہ اندھا دھند موسلا دھار بارش نامناسب ہے۔ آپ ہمیں کیا فرمانے آئے ہیں' کیا ہمارا مطالبہ اسلام کا بنیادی مطالبہ نہیں ان سوالات کے بعد کچھ مایوسی سی چھا گئی مولانا بہاؤالحق قاسمی نے بیگم سلمیٰ تصدق سے فرمایا کہ بیگم صاحب یہ مسلم لیگ کا جلسہ تو نہیں کہ آپ کھلے بندوں بے پردہ ہو کر مسجد میں تشریف لے آئی ہیں آپ نے قدم رنجہ فرمانا ہی مناسب خیال کیا تو پردہ کا بھی خیال فرما لیا ہوتا باہر صحن مسجد میں عوام اس بے پردگی پر سخت معترض تھے چنانچہ جب اس قضیئے نے طول پکڑا تو مجلس عمل کے راہنماؤں کو یہ فکر ہوا کہ ان لیگی راہنماؤں تا مکین کرام کو واپسی کے لئے پارسل کیا جائے چنانچہ اسی وقت ایک رضاکار کہیں سے برقعہ لے آیا جو بیگم صاحب کو اوڑھایا گیا مسجد کے برآمدے میں ایک بغلی دروازہ تھا اس دروازے سے لیگی وفد کو بڑی احتیاط سے واپس باہر پہنچایا گیا۔

۶ مارچ کے حالات جسٹس منیر کی نظر میں

مسٹر جسٹس منیر نے اپنی انکوائری رپورٹ میں ۶ مارچ کے واقعات جو مارشل لاء کا باعث بنے وہ ص ۱۴۹ سے ۱۵۷ کے صفحات پر تحریر کئے ہیں منیر نے تحریک کے رہنماؤں پر جو الزامات تشدد کے عائد کئے ہیں اور تحریک کے شرکاء کے لئے جو غلیظ زبان استعمال کی ہے اس پر کسی تبصرہ کے بغیر وہ ۸ صفحاتی رپورٹ پیش ہے اس پر تبصرہ اس لئے نہیں کیا کہ وہ اپنی بدباطنی تحریک دشمنی کی جواب دہی کے لئے اس بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں جو بارگاہ سب کچھ جانتی ہے اسے کسی گواہی و تبصرے کی ضرورت نہیں وہ علیم بالذات الصدور ہے منیر نے لکھا ہے کہ۔

۶ مارچ کو جمعہ کا دن تھا اور صبح سویرے ہی سے تمام اطراف سے جلوس مسجد وزیر خاں میں دھڑا دھڑ پہنچ رہے تھے۔ حکومت کے دفاتر نے کام بند کر دیا لوکو اور کیرج کی ورکشاپیں بند ہو گئیں اور مزدور پوری تعداد میں تحریک سے اظہار ہمدردی کے طور پر باہر نکل آئے خیال میں

بھرے ہوئے ہجوم نے کوتوالی کا محاصرہ کر لیا۔ لوگ اس عمارت پر پتھر پھینک رہے تھے اور
مطالبہ کر رہے تھے کہ جن سینئر پولیس افسروں نے گولی چلائی ہے وہ ان کے حوالے کر دیئے
جائیں چونکہ تازہ ترین احکام یہ تھے کہ گولی چلانے سے حتی الامکان احتراز کیا جائے اس لئے
ہجوم کو دور رکھنے کی غرض سے اشک آور گیس کے بم کوتوالی کی چھت سے پھینکے گئے لیکن جونہی
اشک آور گیس ہوا میں تحلیل ہو گئی ہجوم دوبارہ کوتوالی پر یورش کرنے لگا جس وقت انسپکٹر جنرل
پولیس کوتوالی کی طرف آ رہے تھے ایک ہجوم نے جو کاروں تانگوں اور سائیکلوں پر سوار اشخاص
کو روک رہا تھا ان کی موٹر کار کو بھی ریلوے سٹیشن کے قریب روکا انہوں نے نولکھا تھانہ کے
قریب ایک ٹینک دیکھا جس کے گرد کوئی محافظ حلقہ نہ تھا لیکن کچھ فوجی سپاہی موجود تھے اور
لوگ اس ٹینک کے ارد گرد گھوم رہے تھے سرکلر روڈ کے ایک زیریں پل کے پاس ان کو ایک
اور ہجوم نے روکا جس کی قیادت ایک داڑھی والا آدمی کر رہا تھا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح آگے
نکل گئے۔ انہوں نے ایک اور ہجوم کو دیکھا جو ایک گھوڑا گاڑی کا تعاقب لاٹھیوں سے کر رہا
تھا۔ آخر اس نے گاڑی کو جا لیا اور گھوڑے کو کھول دیا۔ کوتوالی کے قریب پہنچ کر انہوں نے سنا
کہ ہجوم یہ نعرے لگا رہا ہے۔ شاہی پولیس زندہ باد پاکستانی فوج زندہ باد۔ پولیس کانسٹیبلری اور
بارڈر پولیس مردہ باد۔ کوتوالی میں آئی جی نے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس مرزا نعیم الدین سے ملاقات
کی اور دونوں نے واقعات کے متعلق تبادلہ خیالات کیا۔ مرزا نعیم الدین نے اس گفتگو کے
دوران میں کیا کہا اس کے متعلق میاں انور علی انسپکٹر جنرل پولیس اور مرزا نعیم الدین سینئر
سپرنٹنڈنٹ پولیس کے بیانوں میں ایک شدید اختلاف ہے اس نکتہ پر میاں انور علی کی شہادت
درج ذیل ہے۔

" انہوں نے (مرزا نعیم الدین نے) کہا کہ لوگوں کا کسی نہ کسی وجہ سے یہ خیال ہے کہ
حکومت غلطی پر ہے اور نہ صرف غیر ہمدرد ہے بلکہ عملاً مخالف ہے ان حالات میں قوت کا
استعمال عام احساسات کو تیز و تند کر رہا ہے اور تلخ کلامی میں اضافے کا باعث ہو رہا ہے انہوں
نے کہا کہ اب تک حکومت نے مطالبات کے متعلق اپنا رویہ متعین نہیں کیا نہ اس امر کے
آثار نظر آتے ہیں کہ حکومت ان پر غور کرنے کے لئے تیار ہے مرزا نعیم الدین کے نزدیک اس
وجہ سے صورت حالات زیادہ دشوار ہو رہی ہے وہ اس امر کے خواہاں تھے کہ اپنا خیال چیف
منسٹر کی خدمت میں پیش کریں اور کہیں کہ محض سختی کرنے سے صورت حالات پر قابو پانے کی
کوئی صورت نہیں' وہ چاہتے تھے کہ حکومت پنجاب لوگوں کو اس بات کا یقین دلائے کہ وہ اتنی
غیر ہمدرد اور سنگدل نہیں جتنا اس کو ظاہر کیا جا رہا تھا اور وہ مطالبات کا فیصلہ کرانے کے لئے
اپنی پوری کوشش صرف کر رہی ہے ان کے نزدیک اس قسم کی اپیل سے حکومت کے خلاف

تلخی اور عناد کے جذبات فرو ہو جائیں گے جو بحالت موجودہ واضح طور پر تیز تر ہو رہے ہیں۔ (گورنمنٹ ہاؤس پہنچنے کے بعد) میں نے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کو چیف منسٹر کی خدمت میں پیش کر دیا اور انہوں نے وہاں بھی وہی باتیں دہرائیں جو مجھ سے کی تھیں۔ لیکن مرزا نعیم الدین نے آئی جی سے اپنی گفت وشنید کے متعلق جو بیان دیا وہ درج ذیل ہے۔

"میں کوئی سات بجے صبح کوتوالی پہنچا اور کوئی آدھ گھنٹے کے بعد انسپکٹر جنرل پولیس بھی وہاں پہنچ گئے۔ میں نے صورت حالات کے متعلق انسپکٹر جنرل سے بات چیت کی اور ان کو بتایا کہ صورت حالات نہایت خطرناک ہے اور حکومت کی کمزور پالیسی اب پولیس کے حوصلوں کو بھی پست کر رہی ہے حالانکہ حکومت کی مشینری کا یہی پرزہ (یعنی پولیس) اب اس کی حمایت میں کھڑا ہے میں نے ان پر زور دیا کہ وہ بڑا سیکرٹری اور عزت مآب چیف منسٹر صاحب پر اس امر کی صراحت کر دیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ اگر حکومت اپنی پالیسی میں ترمیم نہ کرے گی تو میں استعفیٰ دے دوں گا انسپکٹر جنرل نے مجھ سے اتفاق کیا اور ہم دونوں گورنمنٹ ہاؤس کو گئے۔"

ان دونوں بیانوں کا مقابلہ کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں مسٹر انور علی کے بیان کے مطابق مرزا نعیم الدین قوت کے استعمال کے خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ حکومت مطالبات کے متعلق اپنے رویے کی وضاحت کرے اور اعلان کرے کہ وہ غیر ہمدرد اور تنگدل نہیں اور حتی الوسع کوشش کر رہی ہے کہ مطالبات کے متعلق کوئی فیصلہ کرے۔ وہاں مرزا نعیم الدین کا بیان یہ ہے کہ میرے نزدیک حکومت کمزور پالیسی پر عمل کر رہی ہے جس سے پولیس کا حوصلہ پست ہو رہا ہے اور اگر یہ پالیسی تبدیل نہ کر دی گئی تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔ علاوہ بریں مرزا نعیم الدین نے اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ وہ گورنمنٹ ہاؤس میں چیف منسٹر کے سامنے حاضر کیے گئے اور انہوں نے چیف منسٹر سے کیا کہا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر انور علی کے قول کے مطابق مرزا نعیم الدین نے کوئی ایسی بات ضرور کی تھی۔ اگرچہ مرزا نعیم الدین اس سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن مسٹر چندریگر اور مسٹر دولتانہ کی شہادتوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اب سلسلہ حکایت پھر شروع ہوتا ہے۔ انسپکٹر جنرل پولیس اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کوتوالی سے چیف منسٹر کی کوٹھی پر پہنچے۔ جہاں انہیں معلوم ہوا کہ وہ گورنمنٹ ہاؤس چلے گئے ہیں۔ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ تمام دوکانیں بند ہیں اور آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں شرارت کی نیت سے ادھر ادھر گھوم رہی ہیں۔ چیف منسٹر کی کوٹھی سے یہ دونوں گورنمنٹ ہاؤس گئے۔ گورنمنٹ ہاؤس پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ چیف منسٹر اور دوسرے تمام وزراء وہاں موجود تھے ان کے علاوہ لاہور کارپوریشن کے ممبر جن میں بعض خواتین مثلاً بیگم تصدق حسین

اور بیگم جی اے خان بھی تھیں۔ کارپوریشن کے ممبر اور نواب مظفر علی خان قزلباش بھی حاضر تھے۔ عطاء اللہ جہانیاں بھی بعض طالب علم ورکروں کے ساتھ وہاں موجود تھے۔

چیف سیکرٹری اور ہوم سیکرٹری صبح سیکرٹریٹ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ سیکرٹریٹ کے ملازم احاطے میں جمع ہیں اور فائرنگ کو روکنے اور مطالبات کو تسلیم کرنے کا مطالبہ بلند آہنگی سے کر رہے ہیں۔ مسٹر عالم ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس بھی وہاں پہنچ گئے تھے ان تینوں نے کلرکوں سے بات چیت کرنے کی کوشش کی لیکن ان میں سے کسی نے ان کی ایک نہ سنی وہ ہر دلیل کے جواب میں یہی کہتے رہے کہ ہمارا مطالبہ پورا کیا جائے یعنی فائرنگ بند کی جائے اور مطالبات پورے کئے جائیں اور یہ مطالبہ ٹیلیفون پر گورنر اور چیف منسٹر کو پہنچا دیا جائے جب چیف سیکرٹری نے یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کے کیس کی پوری نمائندگی حکومت سے کر دیں گے اور ہوم سیکرٹری نے یہ دھمکی دی کہ اگر انہیں باہر نکلنے کی اجازت نہ دی گئی تو فوج اور پولیس آکر کارروائی کرے گی جب جاکر کہیں سیکرٹری کی موٹر کاروں کو چلنے کا موقع دیا گیا جن کو کلرکوں نے گھیر کر روک رکھا تھا جب سیکرٹری گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچے تو انہوں نے اس کو شور و شغب کا ہنگامہ زار پایا۔ جو کچھ وہاں ہو رہا تھا اس کی کیفیت ہوم سیکرٹری نے ذیل کے الفاظ میں بیان کی ہے۔

کثیر التعداد لوگ جن میں لاہور کے کونسلر بھی شامل تھے۔ وہاں موجود تھے اور جو شائستگی کی فضا گورنمنٹ ہاؤس میں ہوا کرتی ہے وہ بالکل مفقود تھی۔ ہز ایکسیلنسی گورنر۔ چیف منسٹر اور ارکان کابینہ ہز ایکسیلنسی کے دفتر میں جمع تھے میں نے اندر جاکر مختصراً ان کو بتایا کہ سیکرٹریٹ میں کیا واقعات پیش آئے تھے۔ شہر میں جو مختلف واقعات رونما ہو رہے تھے ان کی اطلاعات موصول ہونے لگیں۔ گورنر کی کوٹھی کی بجلی کاٹ دی گئی تھی اور کسی نے ٹیلیفون پر مسٹر ایس ایس جعفری سی ایس پی کا یہ پیغام وصول کیا کہ انارکلی کی بعض دکانیں جل رہی ہیں۔ یہ اطلاع بھی ملی کہ ٹیلیگراف آفس اور ٹیلیگراف ایکسچینج کے ملازموں نے ہڑتال کر دی ہے انسپکٹر جنرل پولیس اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس نے جو کوتوالی سے آئے تھے۔ یہ بتایا کہ کوتوالی کم و بیش محاصرے میں ہے اور صورت حالات نہایت تشویش انگیز ہے۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے مجھے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کی رائے بتائی کہ شہر کا انتظام صرف قوت کے استعمال سے بحال نہ کیا جا سکے گا۔ اس لئے عوام کی تسکین کے لئے بھی کچھ کرنا چاہئے اور حکومت کو ایک بیان شائع کرنا چاہئے۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے یہ بھی کہا کہ میں اس رائے کو گورنر صاحب اور چیف منسٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں۔ کچھ دیر بعد ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس لاہور رینج بھی گورنمنٹ ہاؤس پہنچ گئے۔"

شہر کی صورت حال نہایت سرعت کے ساتھ نازک نقطے پر پہنچ رہی تھی۔ ریلوے کے ملازمین نے انجن شیڈ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا اور کسی انجن کو باہر نکلنے کا موقع نہیں دیتے تھے لاہور اور مغلپورہ کے درمیان ریلوے کی پٹڑی توڑ دی گئی تھی اور شاہدرہ سے آنے والی ایک ٹرین راستے میں رک لی گئی تھی۔ وائی ایم سی اے عمارت کے قریب آٹومیٹک ٹریفک سگنل کو ایک ہجوم نے جلا دیا تھا اور اب کمرشل بلڈنگ کو لوٹنے والا تھا۔ کچھ متعدد سرکاری بسیں جلا دی گئی تھیں۔ چیف انجینئر الیکٹرسٹی کو کارکنوں نے ایک ایک رسمی نوٹس دے دیا تھا کہ اگر گورنمنٹ ہاؤس اور سول اور آر اسٹیٹ میں رہنے والے وزیروں اور افسروں نے رضامندی کے ساتھ بجلی نہ کاٹ دی تو شہر بھر میں اندھیرا کر دیا جائے گا۔ ایک شخص چیف انجینئر کی طرف سے یہ اطلاع لے کر آیا اور اس نے مطالبہ کیا کہ اس نوٹس کا فوری جواب دیا جائے۔ لیکن اس وقت گورنمنٹ ہاؤس کی بجلی کاٹ دی گئی اور سیکرٹ فون بیکار ہو گیا۔

جب ہوم سیکرٹری گورنر کے سیکرٹری کے کمرے میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ گورنر چیف منسٹر اور بعض وزرا کراچی کو ٹیلیفون کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ہوم سیکرٹری نے اس کمرے کے حاضرین سے بات چیت کی اور ان کو بتایا کہ صورت حالات پر اسی صورت میں قابو پایا جا سکتا ہے کہ مندرجہ ذیل کارروائی کی جائے۔

ا۔ مجلس احرار پاکستان اور جماعت اسلامی خلاف قانون انجمنیں قرار دی جائیں۔

۲۔ ایسے علماء اور مولویوں کو جو عقل کی بات سن سکیں اور قانون و انتظام کی بحالی میں حکومت کی امداد کرنے پر آمادہ ہوں۔ ترغیب دی جائے کہ باہر نکلیں اور ختم نبوت کے نام سے جو لاقانونیت پھیل رہی ہے اس کی علی الاعلان مذمت کریں۔ (۳) مرکزی کابینہ سے استدعا کی جائے کہ وہ اپنے ایک وزیر کو فی الفور لاہور بھیجیں۔ (۴) شہر مکمل طور پر فوج کے حوالے کر دیا جائے۔

ہوم سیکرٹری نے مشورہ دیا کہ مرکز سے فی الفور گفتگو کی جائے کیونکہ اندیشہ ہے کہ ٹیلیفون کسی وقت بھی بیکار ہو جائے۔ انہوں نے خطری ٹرنک لائن پر کراچی سے ٹیلیفون کا رابطہ قائم کرایا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ دفعتہً منقطع ہو گیا۔ ہوم سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس بھی اس کمرے میں آ گئے تھے۔ اس وقت باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد گورنر نے ہوم سیکرٹری کو طلب کیا اور ان کو انگریزی میں کچھ نکات بتا کر کہا کہ ان کے مطابق اردو میں ایک بیان کا مسودہ تیار کریں۔ ہوم سیکرٹری نے جواب دیا کہ میں اردو میں مسودات لکھنے کی مہارت نہیں رکھتا اس لئے یہ کام مسٹر ذوالقرنین خان سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سپرد کیا جائے۔ چنانچہ چیف منسٹر کی ہدایات کا مفہوم ہوم سیکرٹری نے گورنر اور چیف منسٹر کے سامنے مسٹر ذوالقرنین خان کو سمجھا دیا

چیف منسٹر نے کہا یہ مسودہ فوراً لکھ کر پیش کیا جائے۔ کیونکہ وہ کراچی سے ٹیلیفون پر بات کرنے والے ہیں مسٹر ذوالقرنین خان نے بیان کا جو ابتدائی مسودہ تیار کیا وہ یہ تھا۔

"وزیر اعلیٰ پنجاب اپنی اور اپنی وزارت کی جانب سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان کی حکومت تحفظ ختم نبوت کے لیڈران سے فوری گفت و شنید کے لئے تیار ہے اور وہ عوام سے درخواست کرتے ہیں کہ ملک میں امن و امان قائم کرنے میں وہ ان کا ہاتھ بٹائیں۔ وہ عوام کو اطمینان دلاتے ہیں کہ پولیس اور فوج کوئی متشددانہ کارروائی بالخصوص فائرنگ نہیں کریں گی۔ تاوقتیکہ ان کو کسی کے جان ومال کی حفاظت کے لئے ایسا کرنا نہ پڑے' صوبائی حکومت مرکزی حکومت سے گفت و شنید کر رہی ہے اور میاں ممتاز محمد خان دولتانہ بہ حیثیت صدر صوبہ مسلم لیگ' پاکستان کے صدر کے سامنے پنجاب کے عوام کی طرف سے یہ مطالبات فوری توجہ کے لئے پیش کر رہے ہیں۔

جب چیف منسٹر نے اس بیان کو پڑھا تو انہوں نے کہا کہ یہ بالکل غیر موثر ثابت ہو گا چنانچہ انہوں نے ذیل کے الفاظ بڑھا دینے کا حکم دیا۔

"پنجاب کے عوام کی طرف سے " کے بعد " اپنی تائید کے ساتھ " اور آخر میں " کیونکہ یہ قوم کے متفقہ مطالبات ہیں" کے الفاظ بڑھا دیئے جائیں۔

یہ بیان سائیکلو سٹائل کیا جا رہا تھا کہ چیف منسٹر نے اس میں ذیل کے الفاظ کا اضافہ کرنے کی خواہش کی۔

"صوبائی حکومت کا ایک وزیر طیارے کے ذریعے ان مطالبات اور ہماری تائید کے ساتھ آج ہی کراچی بھیجا جا رہا ہے۔ ہماری پر زور سفارش ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان کو وزارت سے مستعفی ہونے پر فوراً مجبور کیا جائے۔"

گورنر اور چیف منسٹر دونوں کی خواہش یہ تھی کہ یہ بیان نماز جمعہ سے پہلے ہوائی جہاز سے مسجدوں میں گرایا جائے۔ گورنر نے چیف منسٹر اور کابینہ کی موجودگی میں ہوم سیکرٹری کو حکم دیا یہ بیان ٹیلیفون پر خلیفہ شجاع الدین کو سنا دیں۔ جو اسی دن یا ایک دن پہلے ایک مطبوعہ اشتہار کے رو سے مجلس عمل کے چوتھے ڈکٹیٹر مقرر کئے گئے تھے۔ ہوم سیکرٹری نے حکم کی تعمیل میں یہ بیان خلیفہ شجاع الدین کو پڑھ کر سنا دیا اور گورنر کی خواہش کے مطابق اس کی نقلیں بھی خلیفہ صاحب کی کوٹھی پر بھجوا دیں۔ گورنر صاحب خلیفہ صاحب کو مطمئن کرنے کے لئے بہت فکرمند معلوم ہوتے تھے کیونکہ انہوں نے کئی دفعہ دریافت کیا کہ آیا خلیفہ صاحب کو بیان کی کاپیاں ارسال کر دی گئی ہیں یا نہیں۔ گورنر نے انسپکٹر جنرل پولیس کو ہدایت کی کہ اس بیان کو لاؤڈ سپیکر والی گاڑیوں سے شہر بھر میں نشر کیا جائے۔ گورنر اور چیف منسٹر کے حکم کے مطابق اس

بیان کا ترجمہ فی الفور اضلاع میں بھی پہنچا دیا گیا۔

اس طرح کے واقعات کو دیکھ کر "سینٹ بارتھولومیو ڈے" یاد آتا تھا حتیٰ کہ ڈیڑھ بجے بعد دوپہر مارشل لا کا اعلان کر دیا گیا۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ایک دن قبل ایک احمدی مدرس قتل کر دیا گیا تھا۔ ۶ مارچ کو ایک احمدی محمد شفیع بمبا والا مغلپورہ میں ہلاک کر دیا گیا اور کالج کے ایک احمدی طالب علم کو بھاٹی دروازے کے اندر لوگوں نے چھرے مار مار قتل کر دیا ایک اور احمدی (یا مفروضہ احمدی) مرزا کریم بیگ کو فلیمنگ روڈ پر چھرا مار دیا گیا اور اس کی نعش ایک چتا میں پھینک دی گئی جو فرنیچر کو آگ لگا کر تیار کی گئی تھی۔ احمدیوں کی جو جائیدادیں اور دکانیں اس دن لوٹی یا جلائی گئیں۔ وہ یہ تھیں۔ پاک ریز شفاء میڈیکل اور سوکو۔ موسیٰ اینڈ سنز کی دکان راجپوت سائیکل ورکس، ملک محمد طفیل اور ملک برکت علی کے چوب عمارتی کے احاطے اور گودام، میسن روڈ پر ملک عبدالرحمٰن کا مکان اور مزنگ روڈ، ٹمپل روڈ پر پانچ احمدیوں کے مکان جن میں شیخ نور احمد ایڈووکیٹ کا مکان بھی شامل تھا۔ تیسرے پہر ایک ممتاز ایڈووکیٹ مسٹر بشیر احمد امیر جماعت احمدیہ لاہور کا مکان گھیر لیا گیا۔ ہجوم اس مکان میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ مسٹر بشیر احمد نے اپنے دفاع میں چند گولیاں چلائیں ایک خاص فوجی عدالت نے ان کے اس فعل پر مقدمہ چلایا۔ لیکن وہ بری کر دیئے گئے۔ ۶-۷ مارچ کی رات کو عبدالحکیم مالک پائونیر الیکٹرک اینڈ بیٹری سٹیشن کے مکان پر چھاپا مارا گیا اور ان کی بوڑھی والدہ قتل کر دی گئی۔

مسٹر دولتانہ کی راہنمائی اور بیرونجات مسلم لیگوں کی پیروی

جب ۶ مارچ کو چیف منسٹر کا بیان شائع ہو گیا۔ تو اس کے بعد صوبے کی بہت سی مسلم لیگوں نے مطالبات کی تائید میں قرار دادیں منظور کیں۔ اس طرح ۱۶ مارچ کو میاں چنوں مسلم لیگ نے ایک قرار داد منظور کی کہ اس مطلب کا ایک قانون منظور ہونا چاہئے کہ کوئی شخص اپنے لئے نبی کا لفظ استعمال نہ کرے گا اور اگر کرے گا تو جرم کا مرتکب ہوگا۔ ۷ مارچ ۱۹۵۳ء کو سٹی مسلم لیگ وزیر آباد نے دو قراردادیں منظور کیں۔ جن میں سے ایک قرار داد میں ہر کونسلر کا فرض قرار دیا گیا کہ وہ مقامی مجلس عمل کی مالی امداد کرے گا اور بوقت ضرورت تحریک ختم نبوت کی حمایت میں اپنی جان تک دینے سے دریغ نہ کرے گا۔ قرار داد میں یہ اعلان بھی کیا گیا کہ سٹی مسلم لیگ من حیث الجماعت مجلس عمل کے پروگرام اور اس کی سرگرمیوں میں مداخلت نہ کرے گی۔ دوسری قرار دادوں میں فیصلہ کیا گیا کہ بذریعہ تار وزیر اعظم پاکستان اور وزیر اعظم پنجاب کو اطلاع دی جائے کہ مجلس عمل کے مطالبات تین دن کے اندر تسلیم کئے جائیں ورنہ سٹی مسلم لیگ کے ممبر مستقل طور پر مستعفی ہو جائیں گے اور اپنے حلقہ انتخاب کے

ایم ایل اے حضرات سے درخواست کریں گے کہ چوہدری ظفر اللہ خان کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد کے حق میں حمایت حاصل کرنے کی تحریک شروع کر دیں۔ اسی قرارداد میں یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ حکومت نے مسلمانوں کے مذہبی مطالبات کو دبانے کے لئے جو جابرانہ تدابیر اختیار کی ہیں وہ سخت قابل مذمت ہیں۔ اسی دن سٹی مسلم لیگ جلال پور جٹاں نے ایک قرارداد منظور کی جس میں تحریک ختم نبوت کی اور وزیر اعلیٰ کے بیان مورخہ ۶ مارچ کی غیر مشروط حمایت کی گئی اور کہا گیا کہ اس بیان کے مطابق وہ جو بھی قدم اٹھائیں گے۔ لیگ اس کی تائید کرے گی قرار داد میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ لیگ کے ممبر اپنے ہائی کمان کے احکام کے منتظر ہیں اور حصول مقصد کے لئے عملی قدم اٹھانے پر آمادہ ہیں۔ دوسری قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ مجلس عمل کے مطالبات کو حتی الامکان جلد سے جلد تسلیم کرے۔ ۸ مارچ کو مسلم لیگ گکھڑ نے تین قراردادیں منظور کیں ایک کا مطلب یہ تھا کہ لیگ کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے اس کے ممبروں کا فرض ہے کہ عوام کا ساتھ دیں اور ختم نبوت کی تحریک میں حصہ لیں۔ دوسری قرارداد میں لیگ نے اپنے صدر میر محمد بشیر کا شکریہ ادا کیا تھا۔ جنہوں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا اور تمام کونسلروں سے بھی اسی مطلب کی اپیل کی اور تیسری قرارداد میں حاکم علی ٹھیکیدار کو صدر مقرر کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ وہ میر محمد بشیر کی گرفتاری کے بعد رضاکاروں کے مہیا کرنے کے لئے ضروری انتظامات کریں' سٹی مسلم لیگ کاموکی نے ۱۰ مارچ ۱۹۵۳ء کو احمدیوں کو اقلیت قرار دینے اور چوہدری ظفر اللہ خان کو برطرف کرنے کے مطالبات کی حمایت کی۔

مسٹر دولتانہ نے ۶ مارچ کا بیان واپس لے لیا

۱۰ مارچ ۱۹۵۳ء کو مسٹر دولتانہ نے حسب ذیل اعلان کیا۔

"اس مہینے کی ۶ تاریخ کو میں نے اپنی اور اپنی وزارت کی طرف سے اہل پنجاب سے اپیل کی تھی کہ قانون و انتظام کے قیام میں امداد دیں۔ میں نے ان کو یقین دلایا تھا کہ میری حکومت تحفظ ختم نبوت کے لیڈروں سے فی الفور گفت و شنید شروع کرنے پر آمادہ ہے اور میرے وزراء مطالبات کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر کے سفارش کریں گے کہ ان کو تسلیم کر لیا جائے۔

یہ اپیل اس وقت کی گئی تھی جب لاہور میں قانون کے دشمن لوٹ' آتش زنی اور ضروری سروسوں کو ٹھپ کرنے میں مصروف تھے۔ پاکستان کے مخالف تفرقہ پرداز گروہ پاکستان کی سلامتی اور استواری کو نقصان پہنچانے کی غرض سے تحریک تحفظ ختم نبوت سے فائدہ اٹھا کر

نظم حکومت کو درہم برہم کرنے اور مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے لئے بدنظمی کی آگ کو بھڑکا رہے تھے۔

میری اپیل کا مقصد یہ تھا کہ صوبے کے باشندے قانون و انتظام کے قیام کے لئے کوشش کریں۔ تاکہ دشمنان پاکستان اس قابل نہ رہیں کہ پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ایک مذہبی تحریک کے پردے میں اندرونی تفرقوں کو مشتعل کر کے لاقانونیت پھیلا دیں لیکن بدقسمتی سے نتیجہ یہ ہوا کہ میری اپیل کے باوجود لاقانونیت جاری رہی اور لاہور میں صورت حالات پر قابو پانے کے لئے مارشل لا نافذ کرنا پڑا۔ موجودہ حالات میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے لیڈروں سے گفت و شنید کرنے اور مطالبات پر غور کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ہر حکومت کا پہلا فرض یہ ہے کہ قانون کی اطاعت اور شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کا پختہ بندوبست کرے۔ صوبائی حکومت اور مرکزی حکومت دونوں کا عزم یہ ہے کہ لاقانونیت جہاں بھی سر اٹھائے گی اسے دبا دیا جائے گا اور صوبے میں قانون و انتظام کو بحال کیا جائے گا حکومت موجودہ خطرے کو جو ملک کی سلامتی اور سالمیت کو درپیش ہے ہر ممکن ذریعے سے کام لے کر دبا دے گی

میں اس صوبے کے لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ جہاں کہیں قانون و انتظام کو خطرہ درپیش ہو۔ وہاں اس کی بحالی کے لئے حکومت سے تعاون کریں اور ایسا انتظام کریں کہ دشمنان پاکستان ملک کی سلامتی اور سالمیت کو نقصان پہنچانے کے لئے مسئلہ ختم نبوت کو استعمال نہ کر سکیں۔"

مجلس عاملہ پنجاب مسلم لیگ نے اس بیان کی تائید کی اور اپنے اجلاس منعقدہ ۱۱ مارچ ۵۳ء میں یہ اعلان کیا کہ مجلس عاملہ اس اپیل کی دلی حمایت کرتی ہے جو باشندگان پنجاب سے کی گئی ہے اور مزید برآں پنجاب کے ہر مسلم لیگی کارکن کو ہدایت کرتی ہے کہ اس بیان کی ہدایات پر وفاداری سے عمل کریں۔ منیر انکوائری رپورٹ ص ۱۴۹ تا ص ۱۵۰

۶ مارچ کے حالات

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں صبح ہوئی جمعہ کا دن تھا۔ ۴ اور ۵ مارچ کے ظلم اور تشدد کے رد عمل میں حکومت کے تمام دفاتر بند ہو گئے۔ ریلوے ورکشاپوں اور دوسرے کارخانوں کے مزدوروں نے ہڑتالیں کر دیں تعلیمی درسگاہیں بند ہو گئیں۔ شہر اور بیرونجات سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جتھوں، قافلوں اور جلوسوں کی شکل میں لاہور پہنچنے لگے۔ ریلوے ورکشاپوں اور دوسرے کارخانوں کے مزدوروں اور تحریک ختم نبوت کے رضاکاروں کا ایک بہت بڑا اجتماع

دہلی دروازہ کے باہر کوتوالی کے سامنے چوک میں جمع تھا۔ یہ سب لوگ مطالبہ کر رہے تھے کہ ہم سب کو گرفتار کر لیا جائے اور بے گناہ مسلمانوں کے قاتل پولیس افسروں کو گرفتار کر کے ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ یہ لوگ انتہائی طور پر پرامن تھے۔ حکومت کے اپنے ریکارڈ اور شہادت کے مطابق یہ لوگ شاہی پولیس زندہ باد پاک فوج زندہ باد' بارڈر پولیس مردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہو گا کہ بارڈر پولیس جسے لوگ ملیشیا پولیس بھی بول دیتے ہیں۔ ملک خاں بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس کی سرکردگی میں لاہور میں لائی گئی تھی اور سب سے زیادہ ظلم بھی ملک صاحب نے اور ان کے جوانوں نے کیا تھا۔

ملک خان بہادر وہی پولیس افسر ہیں جنہوں نے شہید گنج کے حادثے میں بھی مسلمانوں پر گولیاں چلائیں تھیں اور سینکڑوں مسلمانوں کو موت کی نیند سلا کر انگریزوں کے نیک نامی اور عوام میں بدترین بدنامی حاصل کر چکے تھے اور ختم نبوت کی تحریک کو کچلنے کے عوض انہیں اور جنرل اعظم خاں دونوں کو ۵۔۵ مربعہ جات عطا ہوئے تھے۔

اگرچہ تحریک ختم نبوت کے دوران دس ہزار فدایان ختم نبوت پر شاہی پولیس' فوج اور بارڈر پولیس تینوں نے گولیاں چلائی تھیں لیکن لوگ بارڈر پولیس کے ظلم سے اتنی اذیت محسوس کر رہے تھے کہ وہ شاہی پولیس اور پاک فوج کو زندہ باد کہنے پر مجبور تھے۔

ادھر صوبائی سول سیکرٹریٹ آج پھر بند رہا تمام چھوٹے بڑے ملازمین نے مکمل ہڑتال کی اور سیکرٹریٹ کی چار دیواری کے اندر جمع ہو کر مطالبہ کرنے لگے کہ شہر میں فائرنگ اور ظلم کو فوری طور پر بند کر دیا جائے اور تحریک کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔

حافظ عبدالمجید چیف سیکرٹری' سید غیاث الدین احمد ہوم سیکرٹری اور مسٹر ایس این عالم ای۔ آئی۔ جی پولیس تینوں سیکرٹریٹ پہنچے انہوں نے ملازمین کو کام پر جانے اور ہڑتال ترک کرنے کے لئے ہر طرح کہا لیکن سب نے متفقہ طور پر یہی جواب دیا کہ جب تک فائرنگ بند نہیں ہوتی اور مطالبات تسلیم نہیں کر لئے جاتے اس وقت تک ہم ہڑتال ترک نہیں کریں گے اور محکمہ بجلی کے تمام ملازمین نے چیف انجینئر کو نوٹس دے دیا کہ شہر میں ہونے والے ظلم کو بند کیا جائے ورنہ ہم ہڑتال کرتے ہیں اور اس کے بعد بجلی کی سپلائی کا انتظام ناممکن ہو گا۔ چیف انجینئر کو اپنے محکمہ کے ہزاروں ملازمین کا مطالبہ گورنمنٹ ہاؤس گورنر صاحب کی خدمت میں تحریری طور بھیجنا پڑا۔ اسی طرح ٹیلیگراف آفس اور ٹیلیفون ایکسچینج کے ملازمین نے کام چھوڑ دیا اور اپنے دفتروں اور کمروں سے باہر نکل آئے۔ غرضیکہ سب سرکاری ملازمین نے ہڑتال کر دی۔ اور مطالبہ یہی تھا کہ شہر میں ہونے والی اندھا دھند فائرنگ اور بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام کو بند کرو اور مطالبات تسلیم کرو کوتوالی کے باہر چوک میں پچاس ہزار اور ایک لاکھ

کے درمیان کا مجمع پولیس کے ۴ اور ۵ مارچ کے مظالم کے خلاف سراپا احتجاج بنا ہوا تھا اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر رہا تھا۔ صبح سات بجے کے دوران مرزا نعیم الدین سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور اور میاں انور علی آئی جی پولیس پنجاب کوتوالی پہنچ گئے مرزا نعیم الدین نے آئی جی کو بتایا کہ کل اور پرسوں کے تاریخی ظلم کے بعد اب ہم مزید کوئی ظلم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اگر آج بھی ہمیں ظلم کرنے کا وہی حکم ہے تو کم از کم میرا استعفیٰ حاضر ہے۔

مرزا نعیم الدین نے آئی جی پولیس سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ مجھے وزیر اعلیٰ کے پاس پیش کیا جائے تاکہ میں اسے اپنے ان خیالات سے آگاہ کر سکوں۔ مرزا صاحب نے کہا کہ حکومت اس وقت سخت غلطی پر ہے ایک صحیح بات کو تسلیم نہ کر کے اپنے عوام کو قتل کر رہی ہے۔ عوام اس ظلم کے سامنے کبھی سر نہیں جھکائیں گے۔ حکومت جتنا ظلم کرے گی عوام اتنا ہی اور ابھریں گے اور جس کا زندہ ثبوت کوتوالی کے باہر ہونے والا مظاہرہ ہے ۴ اور ۵ مارچ کو بے تحاشا گولی چلانے اور قتل عام کا نتیجہ ہے کہ لوگ باہر سینے تان کر کھڑے ہوئے ہیں اور مطالبہ کر رہے ہیں کہ یا انہیں گرفتار کر لیا جائے یا انہیں گولی مار دی جائے۔

آئی جی پولیس مرزا نعیم الدین کو ہمراہ لیکر دولتانہ کی کوٹھی پہنچے وہاں معلوم ہوا کہ وہ گورنمنٹ ہاؤس گئے ہوئے ہیں وہ دونوں بھی گورنمنٹ ہاؤس پہنچ گئے اور وہاں مرزا نعیم الدین نے اپنے استعفیٰ اور ۴، ۵ مارچ کو بربریت کی انتہا کا ذکر دہرایا اور دولتانہ صاحب سے کہا کہ عوام کو قتل سے دبایا نہیں جا سکتا۔ یا تو عوام کو مطمئن کرنے اور ان کے ساتھ کوئی معقول رویہ اختیار کرنے کی پالیسی اختیار کی جائے اور یا کم از کم میرا استعفیٰ قبول کر لیا جائے۔

مرزا نعیم الدین کے اس مشورہ اور استعفیٰ کی دھمکی سے پہلے گورنمنٹ ہاؤس کی فضا یہ تھی کہ وہاں حکومت کے نوابوں اور حاشیہ برداروں کی ایک عجیب جمع تھی۔ جو تحریک کو روکنے کی خواہشمند تھی حکومت کی ہاں میں ہاں بھی ملاتی تھی لیکن عملی طور پر کچھ کر نہیں سکتی تھی۔

جناب چندریگر گورنر پنجاب اور جناب دولتانہ صاحب وزیر اعلیٰ اور دوسرے وزراء اور اعلیٰ حکام بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ مرزا نعیم الدین نے جب خدا لگتی اور سچی بات کہی اور استعفیٰ کی دھمکی دی تو ان سب کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ یہ استعفیٰ صرف مرزا نعیم الدین کا ہی نہیں بلکہ یہ ساری شاہی پولیس کی طرف سے تحریک کے مطالبات کی تائید اور فائرنگ بند کرنے کا مطالبہ ہے۔ گورنر صاحب نے اس وقت کراچی سے رابطہ قائم کرنا چاہا تو فون کٹ چکا تھا۔ گورنر صاحب نے سیکرٹ فون (خفیہ فون) استعمال کرنا چاہا تو اس اثناء میں گورنمنٹ ہاؤس کی بجلی کے تار کاٹے جا چکے تھے اور سیکرٹ فون سے بات نہ ہو سکی۔ اب ملٹری ٹرنک کال سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن تھوڑی دیر بعد وہ سلسلہ بھی فیل ہو

گیا۔

جمعہ کی نماز کا وقت قریب ہو رہا تھا۔ عوام کا سب سے بڑا اجتماع جامع مسجد وزیر خاں میں ہونے والا تھا۔ مولانا عبدالستار خاں کی تقریر کے علاوہ یہ بھی اعلان ہو چکا تھا کہ خلیفہ شجاع الدین سپیکر پنجاب اسمبلی جمعہ کی نماز کے بعد جتھہ لے کر گرفتاری کے لئے نکلیں گے۔ اور دفعہ ۱۴۴، کرفیو، مارشل لاء جو کچھ بھی ہو گا۔ اس کو توڑ دیں گے۔ اس خبر نے بھی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔ خلیفہ شجاع الدین لاہور کے صحیح نمائندے تھے اور جس انداز میں وہ گرفتاری دینا چاہتے تھے وہ حکومت کے خلاف بغاوت کی صورت کو پیدا کرنے کے مترادف تھی۔

اب ان سب عوامل اور محرکات میں دو طرح کے عوامل اور محرکات کام کر رہے تھے۔ ایک وہ جو پرامن احتجاج اور فائرنگ بند کرانے، مطالبات تسلیم کرانے یا گرفتاریاں پیش کرنے کے لئے جدوجہد پر مشتمل تھے، دوسرے وہ عوامل تھے جو آگ لگانے، بسیں جلانے، پولیس کی گاڑیوں کو جلانے، غنڈہ گردی کے واقعات، توڑ پھوڑ، ساز پھونک وغیرہ کی کارروائیوں پر مشتمل تھے اول الذکر کا مقصد حکومت پر مطالبات منوانے کے لئے دباؤ ڈالنا تھا۔ آخرالذکر کا مقصد تحریک کو بدامنی کی راہ پر ڈال کر (۱) عوام کو تحریک سے منقطع کرنا۔ (۲) حکومت کے لئے تحریک کے رضاکاروں اور حامیوں کے خلاف تشدد کرنے کا جواز مہیا کرنا۔ (۳) بالآخر ملک کو فوج اور مارشل لاء کے حوالے کروانا تھا۔

بہرحال گورنمنٹ ہاؤس میں ارباب اختیار بے بسی اور بے کسی کی حالت میں بیٹھے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ مرکزی حکومت کو ان پر رحم آ جائے اور وہ خود بخود انہیں اس مصیبت سے نکالے کیونکہ گورنر صاحب سے لے کر آئی جی پولیس تک کوئی شخص مرکز سے بھی بات کرنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا اور اس کی وجہ دولتانہ صاحب اور خواجہ ناظم الدین کے اختلاف اور غلط فہمیاں تھیں مرکزی حکومت یہ فرض کر چکی تھی کہ جو کچھ پنجاب اور لاہور میں ہو رہا ہے۔ وہ دولتانہ صاحب، مرکزی حکومت اور خواجہ ناظم الدین کو نیچا دکھانے کے لئے کر رہے ہیں۔ مرکزی حکومت کو اول تو مرزائیوں کے متعلق کسی فیصلہ کی جرأت ہی نہ تھی لیکن اگر وہ اس سلسلہ میں کچھ سوچتے بھی تو انہیں دولتانہ کی فتح نظر آتی تھی دولتانہ کی رقابت اور بیرونی طاقتوں کے ظالمانہ دباؤ کے تحت یہ خونین ڈرامہ ہوتا رہا۔ پاکستان کے حاکموں کے ہاتھوں پاکستان کی عوام قتل ہوتی رہی۔

مرزا نعیم الدین ایس ایس پی لاہور نے جب دولتانہ صاحب اور چندریگر صاحب کو استعفیٰ کی دھمکی دی اور صحیح صحیح واقعات اور حالات بتائے تو دونوں صاحبان نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اب ظلم اور سختی سے تحریک کو نہیں دبایا جا سکتا بلکہ مرزا نعیم الدین کے مشورہ

کے مطابق کوئی معقول رویہ اختیار کرنا پڑے گا۔

پولیس کے سربراہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور جواب دے دیا کہ اب پولیس عوام پر اس سے زیادہ ظلم نہیں ڈھا سکتی۔

چنانچہ دولتانہ صاحب اور چند دیگر کی اسے حکمت عملی سمجھا جائے۔ یا نیک نیتی سے خون خرابہ بند کرانے کی ایک معقول اور سنجیدہ کوشش کہ انہوں نے ایک بیان تیار کروایا اور اسے جمعہ سے قبل سائیکلو سٹائل کروا کر مسجد میں پھینک دینے اور تقسیم کر دینے کا حکم دیا۔

گورنر اور وزیر اعلیٰ کے اس بیان کے لئے آمادگی اس قربانی اور عوامی اتحاد کی وجہ سے ہوئی جو سرکاری ملازمین اور باقی تمام لوگوں نے اختیار کر لی تھی اور یک زبان ہو کر مطالبہ کیا تھا کہ گولی چلانا بند کرو مطالبات تسلیم کرو حالانکہ ایک دن پہلے ۵ مارچ کو گورنمنٹ ہاؤس میں جب گورنر صاحب نے شہر کے معززین اور حکومت کے پٹھوؤں کا اجتماع بلایا تو اس میں اسی قسم کا بیان دینے کی تجویز مولانا مودودی صاحب نے پیش کی تھی۔ لیکن وہ تجویز اس وقت نہ مانی گئی۔

۵ مارچ کو گورنمنٹ ہاؤس میں ہونے والی میٹنگ میں مولانا مودودی صاحب کی پوزیشن بھی عجیب تھی۔ وہ دراصل تو مجلس عمل کے ممبر تھے لیکن نامعلوم وجوہات کی بناء پر انہیں گرفتار نہ کیا گیا۔

حالانکہ مجلس عمل کے ممبروں کی گرفتاری کے ساتھ ان کی گرفتاری لازمی بات تھی ۲۸ فروری اور یکم مارچ کو تحریک کے کارکنوں اور کچھ لوگوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ آگے آئیں اور تحریک کی باگ ڈور سنبھالیں۔ تو انہوں نے شرعی جھوٹ بول دیا کہ ہم نے اپنے ذمہ ایک ڈیوٹی لی ہوئی ہے اور اس تقسیم کار کے بعد ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی کوئی تقسیم کار نہ ہوئی تھی۔ محض چمڑی بچانے کے لئے یہ عذر تراشا گیا۔

۵ مارچ کو گورنر صاحب نے معززین کو یاد فرمایا تو وہاں ختم نبوت کی تحریک کے لیڈر کی حیثیت سے پہنچ گئے۔ جب وہاں تقریر کے لئے کہا گیا اور حکومت نے امن کی اپیل کے لئے کہا تو فرما دیا کہ حکومت کے سامنے دو راستے ہیں۔ یا تو مطالبات کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور گفت و شنید شروع ہو اور یہ جس طرح تشدد کے ساتھ تحریک کو کچلا جا رہا ہے۔ اس طرح کچل دو۔ دوسری صورت میں امن کی اپیل کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

۵ مارچ کو ہی جماعت اسلامی کا خصوصی اجلاس ہوا اس کے بعد جو بیان دیا گیا۔ اس کا ماحصل بھی اسی سے ملتا جلتا تھا۔ یعنی عجیب پوزیشن اختیار کر رکھی تھی دراصل چاہتے یہ تھے کہ جماعت اسلامی کو تحریک ختم نبوت کی کوئی نیک نامی ہاتھ میں آ جائے تو اسے سمیٹ لے لیکن

اس کے لئے اگر کوئی تکلیف ' مصیبت یا قربانی کرنا پڑے تو اس سے دامن بچا لیا جائے بہرحال دولتانہ صاحب کا بیان چھاپا گیا اور تقسیم کر دیا گیا۔ ریڈیو سے ریلے ہوا اور بیرونجات میں بھی پہنچا دیا گیا۔

عوام کے اس وقت دو ہی مطالبات تھے فائرنگ بند کرو۔ مطالبات تسلیم کرو۔

دولتانہ صاحب کے اس بیان اور اعلان میں فائرنگ کے بند کر دینے کا واضح اعلان تھا اور مطالبات کی تائید تھی۔ اس بیان کا اہل لاہور اور بیرونجات میں خاطر خواہ اثر ہوا۔ عوام کو خیال ہونے لگا کہ حکومت ظلم و تشدد کے بعد راہ راست پر آنے لگی ہے لوگوں کے اشتعال میں کمی ہونے لگی۔

لیکن عین جمعہ کی نماز کے وقت ایک بجے دن لاہور میں مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا۔ اور لاہور کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ کہیں اس سے پہلے اس بات کا ذکر آ چکا ہے کہ تحریک کو برباد کرنے میں کون کون سرکاری کارندے شامل تھے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حکومت کی صفوں میں تین طبقے جو تحریک کی مخالفت کر رہے تھے اور تینوں کی مخالفت کا انداز اور کیفیت مختلف تھی پہلا گروہ غلام محمد گورنر جنرل ' سکندر مرزا سیکرٹری دفاع ' جی احمد سیکرٹری داخلہ ' میاں انور علی آئی جی پولیس ' جنرل اعظم خاں جی او سی لاہور اور تمام مرزائی افسر۔

دوسرا گروہ = خواجہ ناظم الدین اور مرکزی کابینہ

تیسرا گروہ = میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ اور اس کا صوبائی گروہ

خواجہ صاحب کی مخالفت دو وجہ سے تھی پہلی وجہ بیرونی دباؤ اور ملک غلام محمد اور ان کے ساتھی افسروں کی پالیسی۔ دوسری دولتانہ صاحب کی رقابت اور وہ دلی چپقلش جو دولتانہ صاحب اور ناظم الدین صاحب کے درمیان موجود تھی' جوں جوں تحریک ختم نبوت شروع ہوئی گئی۔ نواب ممدوٹ مرحوم اور حمید نظامی مرحوم نے اس چپقلش سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی حمید نظامی مرحوم نے ڈاکٹر اشتیاق حسین مرکزی وزیر اطلاعات کو وہ تمام مضامین اور تراشے مہیا کئے جو ان دنوں اخبارات میں چھپ رہے تھے۔ تحریک کے بہانہ کی وجہ سے ہر اخبار اپنی مقبولیت بڑھانے اور ملک کے ایک اہم مسئلہ میں اپنا زیادہ سے زیادہ حصہ بنانے کے لئے تحریک کے حق میں لکھ رہا تھا لیکن اس سب کچھ کو دولتانہ کی شہ بنا کر خواجہ ناظم الدین کو گرانے کی سازش بنا کر پیش کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ صاحب کے شکوک پختہ ہو گئے۔

حد یہ ہے کہ زمیندار اخبار جو مولانا ظفر علی خاں کے زمانے سے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اپنے روز اول سے ہی مرزائیوں کے خلاف لکھتا چلا آ رہا تھا۔ اس کے وہ مضامین جو مرزائیوں

کے خلاف تحریک کے زمانہ میں شائع ہوئے دولتانہ کی سازش قرار دیئے گئے۔ شبلی بی کام ایک مرزائی نوجوان "زمیندار" میں بطور نائب ایڈیٹر گھسا ہوا تھا۔ یہی جھوٹی رپورٹیں اور کہانیاں افسانے تراشتا رہا اور مخبری کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ حالانکہ مرزائیت کے خلاف لکھنا زمیندار کا جزو ایمان تھا اور تحریک کے دنوں سے ہی نہیں روز اول سے ہی وہ لکھتا چلا آ رہا تھا۔

نواب ممدوٹ صاحب جب وزیر اعلیٰ پنجاب تھے۔ ان کے عہد سے ہی جو اخبارات مسلم لیگ اور حکومت کی تائید کرتے تھے۔ انہوں نے شکوہ کیا کہ حکومت کی تائید کی وجہ سے ہماری فروخت اور آمدنی پر برا اثر پڑتا ہے۔ حکومت نے ان اخبارات کو مختلف فنڈز سے امداد دینے کا رواج شروع کیا۔

نواب ممدوٹ صاحب کے بعد دولتانہ صاحب وزیر اعلیٰ پنجاب بنے تو انہوں نے بھی مسلم لیگ اور حکومت کی تائید حاصل کرنے کے لئے اس قدیم رواج کو قائم رکھا اور اخبارات کی مالی امداد ہوتی رہی اس فہرست میں روزنامہ زمیندار' روزنامہ احسان' روزنامہ آفاق' مغربی پاکستان شامل تھے اور کئی سالوں سے ہو رہی تھی۔

لیکن برا ہو اس عداوت کا کہ دولتانہ صاحب کے دور میں ان اخباروں کو جتنی مالی امداد ملی وہ تحریک ختم نبوت کے کھاتے میں لکھ دی گئی۔ یہی حال محکمہ اسلامیات کا ہے۔ حکومت پنجاب نے محکمہ اسلامیات میں کچھ علماء رکھے جنہیں تبلیغ اسلام' اصلاحی تقریروں وغیرہ کے سفر خرچ اور الاؤنس دیئے جاتے تھی۔ اب ان حضرات میں سے بعض علماء نے تحریک ختم نبوت میں بھی حصہ لیا۔ بدقسمتی سے یہ امداد بھی دولتانہ کی تحریک پروری کا حصہ شمار ہو گئی۔

حالانکہ اس سارے الزام کے رد کے لئے صرف اتنی ہی بات کافی ہے کہ تحریک ختم نبوت کے سب سے بڑے داعی احرار تھے اور ان کا ترجمان اخبار روزنامہ آزاد تھا۔

احرار زبردست قسم کے عوامی مقرر بھی تھے اگر یہ رقوم جو اخبارات کو امداد کے طور پر اور علماء کو سفر خرچ کے طور پر دی جا رہی تھی تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں ہوتیں تو ان میں سے بڑا حصہ روزنامہ آزاد کو ملتا اور سب سے زیادہ سفر خرچ اور الاؤنس احرار کے مقرروں کو دیئے جاتے لیکن احرار کے کسی مقرر کو کوئی پیسہ دیا جانا ثابت نہیں۔ اور نہ ہی آزاد اخبار کو ایک پائی دی جانی ثابت ہو سکی۔

مارشل لاء

۲ تاریخ کو لاہور میں مارشل لاء کا اعلان ہو گیا فوج نے شہر کے بیرونی حصہ پر پہرے لگا

رہیے۔ مارشل لاء کے اعلان سے ایک بار تو شہر پر سناٹا چھا گیا۔ مگر مولانا بہاء الحق قاسمی' مولانا خلیل احمد قادری اور مولانا عبدالستار خان نیازی کی جرأت مندانہ اور ولولہ انگیز تقریروں سے یہ سناٹا بھی جرأت اور حوصلہ مندی کے جذبات میں گم ہو گیا۔ شہر کے اندرونی حصے میں تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں اور باہر فوج پہرہ دے رہی تھی۔ مارشل لاء کا نفاذ خطرناک حالات میں از بس ضروری ہوتا ہے۔ آج جب کہ حالات یکسر بدل چکے ہیں مارشل لاء کا مشورہ دینے والے بھی نہ رہے۔ مارشل لاء لگانے والے بھی انجام کو پا چکے ہیں۔ ان حالات میں تھوڑا سا بھی غور کیا جائے۔ تو کیا مارشل لاء کا فیصلہ صحیح تھا؟ کیا ایسا تو نہیں کہ مرزائی اور مرزائی نواز انتظامیہ نے از خود حالات کو دگرگوں کرنے کا ناٹک رچایا۔ پھر مارشل لاء لگوا کر منتخب حکومت کے مستقبل اور تحریک کے لوگوں کی جانوں سے کھیل کر اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا۔ تحریک ختم نبوت اگر بنیادی طور پر غلط تھی تو مسلم لیگ اور اس کی حکومت کا فرض تھا کہ وہ کھلے بندوں اس مطالبہ سے انکار کرتے۔ مطالبہ کرنے والے سمجھ لیتے کہ اب انہیں کیا طریقہ اختیار کرنا ہے باہر مسلم لیگ تائید کرتی تھی۔ اس کے حق میں قراردادیں پاس کیں۔ اندر مسلم لیگ کے صدر خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان مطالبے کو جائز قرار دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ اس راہ میں مشکلات حائل ہیں' انکار کی جرأت نہیں البتہ تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ ہے اس صورت حال کی موجودگی میں کیا یہ درست نہیں کہ تحریک چلانے والے اپنے موقف پر مطمئن تھے اور ان کا یہ خیال کرنا کہ جو نہی مطالبے کی پشت پر قوم کی متفقہ آواز ہوگی اس مطالبے کے منظور کئے جانے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہوگی۔ تب مجلس عمل کو کس طرح مجرم گردانا جا سکتا ہے۔ اور جو بدسلوکی اور بربریت کا مظاہرہ تحریک میں حصہ لینے والوں پر روا رکھا گیا اس کے جواز کے لئے حکومت کے پاس کیا دلیل ہے حکومت کی اس بارے میں روش قطعی نامناسب تھی۔ لاٹھی چارج' گرفتاری اور پولیس کی مار دھاڑ' خلاف حق و انصاف تھی چہ جائیکہ حکومت لاہور پر مارشل لاء نافذ کر دیتی۔ پاکستانی فوج سے عوام کو دلی محبت و انس ہے اور یہ عوام اور فوج دونوں کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے پاکستان کا بچہ بچہ اپنی فوج پر فخر محسوس کرتا ہے۔ فوج کے تصور ہی سے ہر پاکستانی مطمئن ہو جاتا ہے جب کہ یوم استقلال کے موقعہ پر عوام کو اپنی فوج کے مارچ پاسٹ کا موقع ملا۔ کس طرح عوام فلک بوس نعروں سے جھوم جھوم جاتے ہیں۔ پھر کیا اس وقت کی حکومت کا یہ فعل دانشمندانہ تھا کہ اس نے اسی فوج کو اپنوں ہی کے سامنے لا کھڑا کر دیا اور بہادر قوم کی اپنی محبوب اور بہادر فوج سے مڈبھیڑ کرا دی حکومت نے سخت حماقت کی اور بالآخر اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔ اس وقت کی حکومت کے ذمہ دار اب کہاں ہیں نہ وہ مرکز رہا اور نہ وہ صوبائی حکومت رہی مسلمان عوام اب بھی موجود ہیں۔

اسلام موجود ہے اسلام کا بنیادی مسئلہ ختم نبوت موجود ہے۔ اس کے خدام اور رضاکار' محافظ و نگہبان موجود ہیں اور موجود رہیں گے لیکن فوج کی وردی اور احترام کو سب پہلے پاکستان میں جن لوگوں نے داغدار کرنا چاہا وہ یحیٰی بد اندیش قیادت اور عیار مرزائی تھے۔ دونوں اپنے انجام بد کو سامنے رکھیں اور اپنے گریبان میں جھانکیں کہ کیا گولی کی سنسناہٹ سے حق کی آواز کو دبایا جا سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ اور اس پر مجھے مزید دلائل کی بھی ضرورت نہیں بہرحال جو کچھ ہونا تھا ہو کر رہا۔

مارشل لاء کے بعد

مسجد وزیر خاں میں صبح و شام تقریریں ہوتیں۔ ہزارہا مسلمان مسجد میں ہر وقت موجود ہوتے تھے۔ مولانا بہاؤالحق قاسمی' مولانا عبدالستار خاں نیازی' مولانا سید خلیل احمد قادری رات کے جلسے کے بعد مسجد سے چلے جایا کرتے تھے اور ملحقہ محلے میں رات بسر کرتے تھے۔ مسجد کے ایک جانب ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جہاں سے یہ حضرات چلے جایا کرتے تھے شہر کے دروازے اندر سے عوام نے بند کر رکھے تھے۔ بہرحال بیرون شہر فوج کا قبضہ تھا اور اندرون شہر پر مجلس عمل اور شہر والے قابض تھے۔ جب شہر کے کسی گوشے پر گولی چلتی تو شہر کے ہر گوشے سے نعرہ تکبیر کی صدائیں بلند ہونے لگتیں۔ راتیں دن بن گئیں اور مسلمان خود موت کی تلاش میں نکل آیا۔

دو دن بعد فوج کے ہیڈ منسٹر کو خدا جانے کس نے مشورہ دیا کہ مسجد وزیر خاں پر قبضہ کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ پانی کے نل کاٹ دیئے جائیں تاکہ اندر رہ کر لوگ تنگ آ کر شہر کے دروازے کھول دیں۔ پانی بند کر دیا جلسے پھر بھی ہوتے رہے پھر بجلی کا کنکشن کاٹ دیا گیا۔ تب گیس کے ہنڈوں سے مسجد جگمگانے لگی اور یہ انتظام چند منٹوں میں ہو گیا۔ اب پولیس اور فوج آگے قدم بڑھانا چاہتی تھی۔ فوج نے محاصرہ تنگ کرنا شروع کیا۔

۸ مارچ : کو فوج نے مسجد کو پوری طرح محاصرہ میں لے لیا مگر اس کے باوجود مسجد میں جلسے ہو رہے تھے۔ مسجد میں رضاکاروں کے جتھے کے جتھے موجود تھے۔ مقرر آتے اور خفیہ دروازے سے تقریر کر کے چلے جاتے پولیس اور افواج کے لئے یہ صورتحال تشویشناک تھی وہ جلد سے جلد مسجد پر قبضہ کرنے کی راہیں تلاش کر رہی تھی فوج نے خفیہ دروازے کا پتہ کر کے اس پر بھی پہرہ بٹھا دیا۔ مسجد میں مولانا خلیل احمد قادری اور مولانا بہاؤالحق قاسمی موجود تھے۔ مولانا بہاؤالحق قاسمی نے رضاکاروں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ اب گرفتار ہونے کے لئے ہم سب کو بڑے دروازے کو کھول کر خود کو پیش کرنا ہو گا۔ نہیں معلوم کہ فوج ہمارے لئے کیا ارادے

رکھتی ہے آپ سب حضرات مجھے آگے جانے دیں میں باہر جاتا ہوں اگر مجھے گولی ماردی گئی تو آپ اپنے لئے خود فیصلہ کرلیں کہ آپ نے کس طرح گرفتاری یا قربانی دینی ہے۔ رضاکاروں نے جن میں سے اکثر و بیشتر بیرون لاہور کے تھے۔ مولانا کا فیصلہ قبول نہ کیا اور بڑی رد و کد کے بعد یہ طے ہوا کہ پرامن طریقے سے پانچ پانچ رضاکار باہر نکلیں اور خود کو قربانی کے لئے پیش کر دیں اور مولانا سب سے بعد جائیں تب مولانا نے پہرہ داروں کو اس فیصلے سے مطلع کیا باہر والوں نے سب کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا مولانا بہاؤ الحق قاسمی نے رضاکاروں سے فرمایا کہ آپ سب حضرات وضو کریں اور باوضو ہو کر باہر نکلیں۔ پہرہ داروں نے تقاضا شروع کیا کہ جلدی باہر آؤ۔ مولانا نے انہیں سمجھایا کہ رضاکار وضو کر رہے ہیں جونہی وضو سے فارغ ہوئے سب کے سب پانچ پانچ کرکے باہر آتے جائیں گے۔ یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ تمام رضاکار گرفتار ہو چکے اور انہیں لاریوں میں بٹھا کر جیل پہنچا دیا گیا۔ آخر میں مولانا کو گرفتار کیا گیا مولانا کو جیل میں لیجانے کی بجائے پولیس کے حوالے کر دیا گیا اور پولیس مولانا کو شاہی قلعے لے گئی مسجد خالی ہو گئی۔

مولانا خلیل احمد قادری کی گرفتاری

مولانا کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کے وارنٹ گرفتاری نکل چکے ہیں اور شام کے وقت ایک میجر کے ہمراہ فوجی سپاہی مولانا کی گرفتاری کے لئے آئے تھے۔ مسجد میں یہ فیصلہ ہوا کہ مولانا کو پرامن طریقے سے گرفتار ہو جانا چاہئے چنانچہ مولانا گرفتار ہونے کے لئے رضاکاروں سمیت موچی دروازہ پہنچ گئے جہاں فوج کی پارٹی موجود تھی۔ مگر مولانا کے وہاں پہنچنے سے قبل فوجی افسر واپس جا چکے تھے اس لئے مولانا دوبارہ مسجد میں واپس آ گئے۔ لاء کالج لاہور کے پروفیسر جناب قدوائی صاحب جو مولانا ابوالحسنات کے عقیدت مندوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ مسجد وزیر خاں میں تشریف لائے اور مولانا خلیل احمد قادری سے فرمایا کہ میجر جنرل اعظم خاں (قاتل اعظم) سے مل کر آیا ہوں آیئے میں ان سے آپ کی ملاقات کرا دوں شاید مصلحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ مولانا ابوالحسنات اس سے قبل کشمیر محاذ پر امداد لیکر گئے تھے اور انہیں غازی کشمیر کا خطاب بھی ملا تھا۔ فوج کے حلقوں میں مولانا ابوالحسنات کا احترام پایا جاتا تھا۔ قدوائی صاحب کی چکنی چپڑی باتوں کو سن کر مولانا خلیل احمد قادری ان کے ہمراہ میجر جنرل اعظم (قاتل اعظم) سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے مسجد کا انچارج مولانا بہاؤ الحق قاسمی کو بنا دیا۔ قدوائی صاحب اور مولانا خلیل احمد جونہی مسجد سے باہر آئے باہر ایک میجر دو کپتان اور چند فوجی موجود تھے ان فوجیوں نے مولانا خلیل احمد کو حراست میں لیا اور سیدھے شاہی قلعے میں لے

گئے۔ تعداد اپنی ڈیوٹی ادا کر کے بخیریت اپنے گھر تشریف لے گئے۔ مولانا خلیل احمد صاحب سے ایک فوجی کرنل نے چند سوالات کئے جن کا جواب سن کر حکم ملا ان کو شاہی قلعے کی حوالات میں بند کر دیا جائے۔

مولانا عبدالستار خاں نیازی

مسجد کا معرکہ فوج نے فتح کر لیا۔ مولانا بہاؤالحق قاسمی اور مولانا خلیل احمد گرفتار ہو گئے تو اب مولانا عبدالستار خاں نیازی کی تلاش شروع ہوئی۔ وہ چونکہ اس وقت مسجد میں موجود نہ تھے۔ تقریر کر کے اپنی آرام گاہ پر پہنچ چکے تھے پولیس نے شہر کو کھنگال ڈالا مگر انہیں نیازی صاحب کا کچھ پتہ نہ چلا فوج نے شہر کی ناکہ بندی کر لی۔ شہر لاہور کے لوگ بڑے منچلے اور بہادر ہیں۔ گلی کوچوں میں جاتے ہوئے پولیس کے افسران اور سی آئی ڈی کے کارندے گھبراتے تھے۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ مخدوش حالات میں قدم بڑھانا دل گردے کا کام ہے ان دنوں پولیس کو بیگانہ وار دیکھا جاتا تھا۔ مولانا عبدالستار خاں نیازی کا کھوج نکالنا قدرے مشکل امر ہو گیا۔ اور پھر طرفہ یہ کہ مولانا نیازی کے علاوہ مولانا محمد یوسف سیالکوٹی اور دوسرے حضرات کی بھی تلاش جاری تھی۔

شہر کے چاروں طرف ناکہ بندی تھی مگر لاہور شہر کوئی قصبہ تو نہ تھا کہ اسے آسانی سے گھیرے میں لے لیا جاتا۔ میلوں میں پھیلے ہوئے شہر لاکھوں کی آبادی کہاں کہاں پہرہ بٹھایا جاتا۔ پولیس کو خیال تھا کہ مولانا عبدالستار خاں نیازی رات کی تاریکیوں میں گم نہ ہو جائیں۔ مگر مارشل لاء اور کرفیو کی موجودگی میں رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھانا جان جوکھوں کا کام تھا۔ علاوہ ازیں مولانا عبدالستار خاں نیازی ایسا جری انسان اس طرح چوروں کی طرح دبک کر روپوشی کے لئے کیونکر تیار ہو جاتا۔ پولیس اور فوج کی اس تیاری سے پہلے ہی مولانا لاہور کے کنارے ایسی جگہ تشریف لے جا چکے تھے جہاں سے جب چاہتے بغیر کسی خوف و خطر لاہور کو چھوڑ سکتے تھے۔ پولیس و فوج نے ادھر انتظامات کئے۔ ادھر مولانا نے رخت سفر باندھا اور بلا روک ٹوک شہر کراس کر گئے۔

اب فوج و پولیس نے شہر کی تلاشی لینا شروع کی جس قدر تلاشی ہوتی اتنی داستانیں تیار ہوتی گئیں۔ مولانا بلند پایہ کریکٹر کے انسان ہیں۔ ان کی جرأت رندانہ سے متعلق جتنی داستانیں تیار ہوتیں لوگ اعتبار کر لیتے۔ پولیس و فوج کی مسلسل جدوجہد کے باوجود مولانا نہ ملے تو کسی نے مشہور کر دیا کہ وہ کراچی میں تقریریں کر رہے ہیں۔ کسی نے کہا میں نے ان کو پنڈی دیکھا ہے غرضیکہ کراچی سے پشاور تک کے شہروں کا نام لیا گیا۔ پھر افواہ ہوئی کہ وہ شہر ہی

میں موجود ہیں

انہیں فلاں محلے میں دیکھا گیا ہے تب اس محلے والوں کی شامت آئی ہر شخص کو بلا کر ڈرایا دھمکایا۔ اور بے عزت کیا گیا۔ پولیس افسران دانت پیستے اور آپے سے باہر ہو جاتے بالآخر جب پولیس ناکام ہوئی تو اس کے غصہ کا پانی نشیب کی جانب بہ نکلا یعنی پولیس نے احرار کارکنوں کی پرانی لسٹ نکال کر میز پر رکھ لی اور جس شخص کو چاہا گرفتار کر لیا۔ جن کمزور لوگوں کو پکڑ کر تشدد کا شکار بنایا ان سے جو چاہا کہلوایا اور اس غلط طریقے سے پولیس خود ہی پریشانی میں مبتلا ہو گئی ایک افسر اور اس کے ماتحتوں نے ایک کہانی تیار کر کے افسر بالا کو پیش کی دوسرے افسر اور اس کے ماتحتوں نے اس سے مختلف تراشا' افسران بالا نے دونوں کو رد کر دیا اور پھر نئے سرے سے تفتیش شروع کی اس طرح افسانہ در افسانہ بنتا رہا۔ اور معزز شہریوں کی وہ بے عزتی کی کہ خدا کی پناہ۔ ایک پولیس افسر نے تو شرافت' انسانیت اور اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر وہ حرکتیں کیں کہ تہذیب نے سر پیٹ لیا قدرت یہ تماشا دیکھ رہی تھی اور ڈھیل دے رہی تھی۔ ہنگامہ ختم ہو گیا تو اس پولیس افسر کے برے دن آ گئے۔ معطل ہوئے تنزلی ہوئی اور اب گھر بیٹھے ہیں۔ جب یہ دل آزار ڈرامہ ہو رہا تھا تو فرشتوں نے بھی یزدان سے عرض کیا ہو گا کہ ہم نہ کہتے تھے کہ یہ خاکی مخلوق بد تہذیبی کا مظاہرہ کرے گی۔ تحریک تحفظ ختم نبوت میں حصہ لینے والے علماء سے شاہی قلعے میں جس شرافت کا سلوک ہوا۔ عہد فرنگ میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی غرض یہ کہ مولانا عبدالستار نیازی کی تلاش تھی وہ ملتے نہ تھے۔ لوگوں کو قلعے لے جا کر کہا جاتا تھا کہ جب تک نیازی صاحب نہیں ملتے تمہارے ساتھ یہی سلوک ہو گا۔ بتاؤ وہ کس راہ سے نکلے اور انہیں کون شہر سے باہر لے گیا۔

جب پولیس کو سراغ ملا بھی تو کیا ملا کہ چوہدری عبدالرحمن نمبردار جو بہت ہی شریف اور معزز انسان تھا انہیں پکڑ لیا اور ان کے رشتہ دار بھی دھر لئے گئے۔ انہیں قلعے میں لے جایا گیا۔ اور پولیس نے اپنی دیرینہ عادت کے مطابق "انتہائی شرافت" کا سلوک کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ مولانا نیازی انہی کے گھر میں رہے ہیں اور انہی لوگوں نے مولانا کو شہر سے باہر نکلنے میں امداد دی ہے۔ چوہدری عبدالرحمن صاحب پر یہ الزام تھا کہ وہ عبدالستار خاں نیازی کو ہمراہ لیکر لاہور سے باہر چھوڑ آئے ہیں۔ چوہدری صاحب آنکھوں سے معذور تھے۔ وہ کسی سہارے کے بغیر گھر سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ جب بھی انہیں اپنے مکان سے باہر بازار یا مسجد تک آنا ہوتا تھا وہ کسی ہوشیار بچے یا جوان کا ہاتھ پکڑ کر چل سکتے تھے ان چوہدری صاحب سے دریافت کیا گیا کہ نیازی صاحب کہاں کہاں رہے اور کس طرح شہر سے باہر نکلے۔ اسی افسانے کو حقیقت کا لباس پہنانے کی کوشش کی گئی۔ مگر یہ لباس چوہدری عبدالرحمن کی معذور آنکھوں کی وجہ سے نٹ

نہیں بیٹھتا تھا۔ بہرحال حاکم لوگ جو چاہیں کہیں اور جو دل چاہے کریں خصوصاً ایسے وقت میں جب شہری آزادی دو عملی کی گرداب میں پھنسی ہو انہیں ہر قسم کے اختیارات مل جاتے ہیں اس قلعے میں ان دنوں مسلمانوں اور انکے علماء سے کیا کچھ ہوا۔ اس حقیقت سے یا وہ لوگ واقف ہیں جن پر گزری یا گزارنے والوں کو معلوم ہے اور سب سے بہتر وہ خدا جانتا ہے جو حاضر و ناظر ہے آزمائش کا وقت تھا' جو گزر گیا اب دردناک قصوں کو دھرانے سے کوئی فائدہ نہیں' اس لئے تحریک کے اس تکلیف دہ باب کو بند ہی رہنے دیا جائے تو اچھا ہے' لاہور کے قلعہ میں جہاں تحریک ختم نبوت کے کارکنوں' راہنماؤں اور علماء کو رکھا جاتا تھا کمزور دل انسان چند روز میں گھبرا کر چیخ اٹھتا تھا۔ مگر معزز علماء اور رضاکاروں نے دو دو تین تین ماہ صبر و استقامت سے گزار دیئے۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ

میاں صاحب نے ۱۹۵۳ء میں تحریک مقدس ختم نبوت کے خلاف بحیثیت وزیر اعلیٰ جو کچھ کیا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ میاں صاحب نے اس تحریک کو دبانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ حتیٰ کہ ہر مسجد کے خطیب کو نوٹس قسم کے متعلقوں کے ذریعے روکا گیا کہ وہ مرزائیت کا تذکرہ تک نہ کریں۔ ظفراللہ کا نام نہ لیں اور ختم نبوت کے بارے میں اپنے خطبوں میں کچھ نہ کہیں جب اس سے بھی کام نہ چلا تو افسران کے ذریعے ڈرایا دھمکایا گیا۔ تحریک کے راہنماؤں کو گرفتار کیا' سزائیں دیں جب ملک میں آگ لگی تو بحالت مجبوری ان راہنماؤں کو رہا کرنا پڑا ان سب باتوں کے باوجود ایک گمراہ پراپیگنڈہ کیا گیا کہ اس کی پشت پر دولتانہ کا ہاتھ تھا حالانکہ دولتانہ تو درکنار دولت کا بھی اس تحریک پر سایہ نہ پڑا تھا' اس گمراہ شرانگیز پروپیگنڈا سے مقصود یہ تھا کہ تحریک بھی کمزور پڑ جائے دولتانہ بھی بدنام ہو۔ تاکہ ایک تیر سے دو شکار کئے جا سکیں اس قسم کا پروپیگنڈہ تین گروہوں نے کیا (۱) مرزائی جن کو ایسا کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ تحریک کی زندگی ان کی موت تھی اور تحریک کی موت میں مرزائیوں کی زندگی کا راز تھا۔

(۲) دوسرے وہ مسلم لیگی اقتدار کے پیچھے منہ اٹھا کر بھاگنے والے جو اپنے مستقبل کی فکر میں دولتانہ کے ذاتی دشمن تھے جو انہیں برسر اقتدار نہ دیکھ سکے اور خود اقتدار کے لئے ہاتھ مار رہے تھے

(۳) سرکاری ملازمین کا وہ سازشی گروہ تھا جو دولتانہ کی بجائے کسی اور گروہ سے ہمدردی رکھتا تھا

بہرحال یہ تو پروپیگنڈہ بے ہودہ طرز پر بڑی تیزی سے پھیلایا گیا مگر اس کی جانب عوام نے قطعاً

توجہ نہ دی اور اسے درخور اعتناء نہ سمجھا اس لئے یہ پروپیگنڈہ اس وقت اپنی موت آپ مر گیا۔

تحریک مقدس ختم نبوت کا دوسرا دور شروع ہوا جو ۱۹۵۲ء سے لے کر مارچ ۱۹۵۳ء تک کا ہے تو یہ تحریک کسی جماعت، مذہبی یا سیاسی گروہ کی تحریک نہ تھی بلکہ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت جس میں نو مسلمان جماعتیں شامل تھیں اس تحریک کو چلا رہی تھیں ان نو جماعتوں میں سے کوئی ایک جماعت بھی دولتانہ کی ہمنوا نہ تھی مگر بد طینت و بد روح لوگوں نے پھر بھی یہی کہا کہ اس تحریک کی پشت پر دولتانہ کا ہاتھ ہے حالانکہ ہاتھ کی بجائے دولتانہ حکومت کا کوڑا تھا پولیس ہر وقت تحریک کو ختم کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی جب تحریک نے زور پکڑا اور مسلم لیگ کے راہنما ہر شہر اور ہر قصبے میں تحریک کی وجہ سے زچ ہو گئے اور خود ایماندار لیگی بھی یکے بعد دیگرے تحریک میں حصہ لینے لگے تو مسلم لیگ کے صوبائی راہنما اپنی شاخوں کی شمولیت کی وجہ سے بے حد مجبوریوں اور الجھنوں میں پھنس گئے میاں دولتانہ نہ بیوقوف تھا نہ بہادر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ تحریک کے حق میں ہوا زیادہ تیز ہوئی تو اپنے ساتھیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے وہ راہ کا روڑا بننے کی بجائے اپنی عافیت تلاش کرنے لگے بعض مواقع پر عوام کی ترجمانی بھی کرنی پڑی۔ مگر نیم دلی سے نہ کہ ایمانداری سے۔ جب خواجہ ناظم الدین امریکہ جانے والی گاڑی پر تکہ کرسی کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے' سفر امریکہ کا ارادہ تک کا اور سیٹر تک ظفر اللہ قادیانی کو پکڑا دیا۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے کہ حادثہ کا شکار ہو گئے۔ حالات نے پلٹا کھایا۔ پر امن تحریک میں حصہ لینے والوں پر اس لئے بیجا تشدد ہوا کہ عوام ناقابل برداشت تشدد سے بلبلا اٹھیں یا تو بھاگ کھڑے ہوں یا خود تشدد پر اتر آئیں۔ مگر جب مسلمانوں نے زخمی ہو کر، مر کر، عزیز جانیں دے کر، بھی تشدد کا جواب تحمل اور بردباری اور صبر سے دیا تو دولتانہ حکومت نے یقین کر لیا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت اس تحریک کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مطالبات بحالت مجبوری مان لئے جانے کی امیدیں دلانے لگے اور کراچی سے شام و پیام کی باتیں کرنے لگے۔ بے پناہ قربانی کے جذبہ نے تحریک کو آندھی کی شکل دے دی جس سے حکومت کی تمام مشینری متاثر ہو گئی تو صوبائی و مرکزی حکومتی ارکان نے مارشل لاء کے ذریعے نہتے عوام کو کرش کرنے کا پروگرام بنایا۔ جب فوج آ گئی آگے چل کر حالات نے نیا رخ اختیار کیا وزارت اعلیٰ کی کرسی پر فیروز خان نون براجمان ہو گئے۔ میاں صاحب اپنی بزدلی کے باعث دو طرفہ شکار ہو گئے مسلمانوں نے انہیں تحریک کے مخالفوں کی فہرست میں درج کر لیا اور ان کے ذاتی مخالفوں نے یہ طعنہ دیا کہ تحریک دولتانہ نے چلوائی تھی گویا دولتانہ کی اتنی بڑی جیب تھی جس میں نو جماعتیں سما گئیں۔ نو جماعتوں اور ساری مسلمان قوم کو یہ خبر نہ ہو سکی کہ وہ دولتانہ کی جیب میں ہیں۔

حقیقتاً یہ الزام دولتانہ پر نہیں بلکہ تمام مسلمان جماعتوں اور ساری قوم پر اتہام ہے کہ یہ سب لوگ دین کی خاطر اللہ جل شانہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے جانیں قربان نہیں کر رہے تھے بلکہ سب کو میاں دولتانہ کی خوشنودی مطلوب تھی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تحریک ختم نبوت کا مقابلہ مسلم لیگی حکومت نے کیا مسلمان قوم سے جو بدسلوکی ہوئی اس کی تمام تر ذمہ داری لیگی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ دولتانہ صاحب اس وقت بھی لیگی تھے اور آج بھی لیگی ہیں اگر صوبائی اور مرکزی حکومت کی چپقلش تھی یا دولتانہ و خواجہ کھٹ پٹ تھی تو یہ لیگ کا گھریلو تنازعہ تھا اور اقتدار کی رسہ کشی' ابن الوقتی تو اس جماعت کے خمیر میں شامل ہے اس رسہ کشی کا تحریک سے تعلق یا واسطہ نہ تھا' دنیا پاگلوں اور احمقوں سے کبھی خالی نہیں رہتی' اس قسم کے کوتاہ مغز اور جاہل آج بھی موجود ہیں اور کل بھی موجود رہیں گے جو ایک لغو اور نامعقول بات کہتے جائیں گے لوگ اسے مانیں یا نہ مانیں دنیائے انسانیت کے سامنے آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ تحریک کسی کے اشارے پر نہیں بلکہ صرف اور صرف عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ' رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے مقدس مشن کے لئے تھی اس میں شریک ہونے والے دنیا و آخرت میں سرخرو ہوئے اور اس کے دشمن اپنے انجام سے دوچار ہوئے۔

باب سوئم

تحریک سے متعلق علاقائی رپورٹیں

۱۔ لائل پور (فیصل آباد)	مولانا تاج محمود مرحوم
۲۔ میانوالی	مولانا محمد عبداللہ بھکر
۳۔ جہلم	مولانا قاضی مظہر حسین چکوال
۴۔ ملتان	فقیر اللہ وسایا
۵۔ مظفر گڑھ	"
۶۔ راولپنڈی	"
۷۔ سیالکوٹ	"
۸۔ گوجرانوالہ	"
۹۔ منٹگمری (ساہیوال)	"
۱۰۔ بہاولنگر	"
۱۱۔ شیخوپورہ	جناب سید امین گیلانی
۱۲۔ ننکانہ صاحب	جناب قدیر شہزاد
۱۳۔ قصور	جناب سید محمد طیب ہمدانی
۱۴۔ چونیاں	جناب حاجی میاں محمد محبوب الٰہی
۱۵۔ اندرون سندھ	فقیر اللہ وسایا
۱۶۔ صوبہ سرحد	"
۱۷۔ صوبہ بلوچستان	"

لائل پور کی رپورٹ

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں۔ چنیوٹ سالانہ آل پاکستان ختم نبوت عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں تقریباً سارے احرار لیڈر شریک تھے اس موقعہ پر پارٹی کی ایگزیکٹو کمیٹی کا بند کمرہ میں ایک اجلاس منعقد ہوا۔ راقم الحروف بھی اس اجلاس میں شریک تھا اجلاس میں شیخ حسام الدین مرحوم نے بی۔ پی۔ سی رپورٹ جو انگریزی زبان میں چھپا ہوا ایک کتابچہ تھا پیش کیا اور ممبران کو آگاہ کیا کہ ملک کے لئے دستور بنانے کے سلسلہ میں بنیادی اصولوں کو طے کرنے والی کمیٹی نے ملک کے لئے جداگانہ طریقہ انتخاب تجویز کیا ہے جداگانہ انتخابات کی صورت میں اقلیتوں کے حقوق متعین ہوتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس میں اقلیتوں اور ان کی نمائندگی وغیرہ کا ایک شیڈول بھی شامل کیا ہے اس شیڈول میں ہندوؤں' عیسائیوں' پارسیوں وغیرہ کو اقلیت تسلیم کیا ہے لیکن مرزائیوں کو اس شیڈول میں درج نہیں کیا۔ جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بی۔ پی۔ سی نے مرزائیوں کو مسلمان تسلیم کرتے ہوئے انہیں سواد اعظم میں شریک کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ قادیانیوں نے پورے سال میں جو اودھم مچائے رکھا تھا واہ فیکٹری سے اسلحہ چرانا۔ بارود کی بہت بڑی مقدار ربوہ میں لانا۔ جی۔ ایچ۔ کیو پنڈی میں خفیہ ریشہ دوانیوں کا سلسلہ مرزائی افسروں کا تبلیغ اور مرزائیوں کی حمایت میں جارحانہ انداز ریلوے کا سامان لوٹ کھسوٹ کے ذریعہ ریل ہی کے ذریعہ ربوہ پہنچانا وغیرہ تمام امور پر غور و خوض ہوا لیکن خاص توجہ دستور اور بی۔ پی۔ سی رپورٹ سے پہنچنے کی صورت حال پر دی گئی۔

چنیوٹ کے اس اجلاس میں بی۔ پی۔ سی کی رپورٹ پڑھ کر قائدین احرار کو سخت مایوسی ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ قیام پاکستان کے بعد سے اپنی تمام تر توجہات اسی مسئلہ پر مرکوز کئے ہوئے تھے۔ ان کے نزدیک قادیانیت انگریزی راج کا ایک ضمیمہ یا حصہ تھی اور برطانوی درخت ہی کی جڑوں کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس لئے وہ برطانوی درخت کی ان جڑوں کو بھی سر زمین پاکستان سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔

احرار کی جدوجہد کے سلسلہ میں تین چیزیں مضبوط بنیاد کی حیثیت رکھتی تھیں۔

اول۔ دینی اعتبار سے مسئلہ کی صحت۔ اس میں کسی شخص کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ عقیدہ ختم نبوت دین اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے اور مسلمانوں کی تمام دینی جماعتوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد نے دعویٰ نبوت کر کے اسلام کے اس بنیادی عقیدہ سے انحراف کیا۔ مرزا صاحب اور اس کے جانشینوں نے مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان نہ لانے والوں کو کافر کہتے ہوئے اور اپنی الگ جماعت اور الگ نظام بناتے ہوئے ایک نئی امت کی

بنیاد رکھ دی۔

دوم۔ سیاسی طور پر مسئلہ کی اہمیت۔ مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے جانشینوں کے لٹریچر سے یہ بات ناقابل تردید حیثیت سے سامنے آ گئی ہے۔ کہ قادیان سے اٹھنے والی جماعت ایک سیاسی تنظیم ہے اس کے مقاصد سیاسی ہیں اور برطانوی شہنشاہوں نے اسے اپنے مخصوص مفادات کے لئے جنم دیا تھا اس سلسلہ میں مرزا غلام احمد صاحب کا اپنی جماعت اور تحریک کو انگریزوں کا خود کاشتہ پودا کہہ دینا ہی بہت بڑا ثبوت ہے۔

سوم۔ عوام کی تائید۔ قادیانی اپنے عقائد و نظریات کی روشنی میں مسلمانوں سے خارج ہیں۔ خود ان کا اپنا عمل اس کی تائید کرتا ہے۔ جہاں انہوں نے دینی اعتبار سے شادی اور مرگ تک کو بالکل جدا کر لیا اور یہ کہتے ہوئے کر لیا۔ کہ جس طرح مسلمان عیسائیوں کو بیٹیاں نہیں دیتے اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کرتے اسی طرح ہمیں بھی مسلمانوں کو نہ بیٹیاں دینی ہیں اور نہ ہی ان کے جنازہ میں شرکت کرنا ہے۔ قادیانیوں کے اس عمل کا عوام پر شدید ردعمل ہوا چنانچہ وہ قادیانیوں کے سلسلہ میں احرار کے زبردست حامی اور مؤید بن گئے۔ حالانکہ ان کی اکثریت احرار سے سیاسی اختلاف رکھتی تھی۔

۱۹۵۱ء کے انتخابات میں احرار نے لیگ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ لیکن افسوس لیگی قیادت انتہائی احسان فراموش ثابت ہوئی۔ اس نے احرار کے تعاون کی کوئی قدر و قیمت نہ جانی اور تحفظ ختم نبوت کے مطالبہ سے سخت سرد مہری کا ثبوت دیتے ہوئے اس مطالبہ کو منظور نہ کیا۔ بلکہ سر ظفر اللہ خان کو بطور وزیر خارجہ ملک پر مسلط کئے رکھا۔ جس کے کھونٹے پر قادیانی ناچتے رہے۔ اس تمام صورت حال پر غور کرنے کے بعد اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا کہ اب ذعمِ نصیحت کو چھوڑ دیا جائے۔ اس لئے کہ اتمام حجت ہو چکا ہے۔ اب مزید وقت ضائع کئے بغیر اسلامیان پاکستان کو اپنا صحیح فرض ادا کرنا چاہئے۔

۱۹۵۳ء میرا تبصرہ

یہ فیصلہ شرکائے اجلاس تک محدود رہا۔ اس کی تفصیلات سے کسی کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ البتہ مقررین کا انداز بیان بدل گیا۔ اسی چنیوٹ کانفرنس کے آخری اجلاس میں شاہ جیؒ کی معرکۃ الآرا تقریر ہوئی۔ دسمبر کی آخری تاریخیں تھیں۔ دو تین روز بعد نیا سال شروع ہونے والا تھا۔ شاہ جیؒ نے مرزا محمود کی اس دھمکی جس میں انہوں نے کہا تھا۔ کہ ۱۹۵۲ء گزرنے سے پہلے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ دشمن ہمارے قدموں میں گرنے پر مجبور ہو جائے کا

جواب دیتے ہوئے کہا کہ مرزا محمود ۱۹۵۲ء تیرا تھا۔ اب ۱۹۵۳ء میرا ہے۔ سامعین میں اس تقریر سے انتہائی جوش و خروش پیدا ہو گیا اور وہ اجمالاً سمجھ گئے۔ کہ اب جماعت کوئی اقدام کرنے والی ہے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی ۱۹۵۳ء کا سال شاہ جیؒ کا تھا۔

کچھ اپنے بارے میں

میں اس زمانہ میں کسب حلال کے لئے ایم بی ہائی سکول لائل پور میں شعبہ اسلامیات کے انچارج کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ اس عظیم الشان تعلیمی ادارہ کے ہزاروں نونہال۔ میرے خیالات و افکار سے متاثر ہو رہے تھے۔ بلکہ ادبی مجالس اور مباحث میں حصہ لینے والے طالب علم مقررین کی ایک کھیپ تیار ہو گئی تھی۔ آگے چل کر وہ طلب پائے کے مقررین بن گئے اور اکثر کا بیست مباحثوں میں انہوں نے نام پیدا کیا۔ چنیوٹ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں سے میں نے یہ تاثر لیا کہ مجھے سکول کی زندگی کو خیرباد کہہ کر تحفظ یا تحفظ کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ میں نے لائل پور پہنچتے ہی سکول سے تین ماہ کی چھٹی لے لی اور ہمہ تن تحریک تحفظ نبوت کے لئے وقف ہو کر رہ گیا۔

لائل پور کی صورت حال

۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو برکت علی محمڈن ہال میں کل مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہوئی تھی۔ اس وقت سے ہی آل پارٹیز راہنماؤں کے اتحاد کے لئے فضا سازگار ہو چکی تھی۔ اس کنونشن کے بعد ملک کے طول و عرض میں آل پارٹیز اجتماعات ہونے لگے اور ان میں شیعہ سنی دیوبندی۔ بریلوی اہل حدیث متفقہ طور پر مطالبات کی تائید کرنے لگے چنانچہ لائل پور میں بھی ۲۶-۲۷ ستمبر ۱۹۵۲ء کو کل مسلم پارٹیز کنونشن کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء اور راہنماء شریک ہوئے۔

مختلف دینی فرقوں کے راہنماؤں نے ایک اسٹیج سے مسئلہ ختم نبوت کی تائید و تصدیق کی۔ اس مشترکہ کانفرنس کا دوسرے ملک کی طرح لائل پور کے عوام پر بھی بہت اچھا اثر پڑا۔ بلکہ لائل پور کے عوام کو علماء کرام کا یہ اتحاد دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ لائل پور میں بریلوی فرقہ کے مولانا سردار احمد رہتے تھے۔ مرحوم اپنے فرقہ کے مخصوص مسائل سے سخت قسم کی عصبیت رکھتے تھے اور جٹ برادری سے تعلق کے باعث طبعاً بھی سخت مزاج تھے۔

انہوں نے قیام پاکستان کے بعد لائل پور میں اپنے قیام کے بعد ہی سے اختلافی مسائل

کو اپنا موضوع بنا لیا اور اپنے مخصوص رنگ میں بلا روک ٹوک خوب کام کیا۔ بہت جلد ہی
انہیں یہاں کچھ مخلص ساتھی مل گئے جنہوں نے انہیں ہر لحاظ سے کامیاب بنانے میں حصہ لیا۔
دیو بندی مکتب فکر کے علماء میں اس وقت یہاں مولانا مفتی محمد یونس مرحوم جامع مسجد شہر کے
خطیب تھے۔ بہت بڑے عالم اور شریف الطبع بزرگ تھے۔

اعتدال پسندی ان کا مخصوص رنگ تھا۔ فرقہ وارانہ مسائل میں غلو اور مسلمانوں کو باہم
لڑانے سے سخت اجتناب کرتے تھے۔ اہل حدیث فرقہ کے راہنما مولانا حکیم نور دین صاحب
تھے جو لائل پور کے مسلمہ بزرگ اور راہنما تھے۔ ان میں مذہبی تعصب بالکل نہ تھا تمام
مسلمانوں سے محبت کرتے اور سبھی لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ سنی وہابی لڑائی میں حصہ لینے
کو گناہ سمجھتے تھے۔ ایسے حالات میں مولانا سردار احمد مرحوم نے بریلویت کے لئے کام کرکے
اچھی خاصی ایک جماعت پیدا کر لی۔ ایک عظیم مسجد کی بنیاد رکھی۔ اپنا عربی مدرسہ جاری کر لیا۔
یہاں تک کہ وہ پاکستان میں بریلوی فرقہ کے لئے مرکزی حیثیت اختیار کر گئے۔ اس میں شک
نہیں کہ ان کا طرز بیان متشددانہ اور اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کے لئے دل آزارانہ ہوا
کرتا تھا۔ ان کی اس مہم سے نہ صرف ان سے اختلاف رکھنے والے رنجیدہ تھے۔ بلکہ عام
مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ بھی سخت نالاں تھا' خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ تو بالکل ہی بیزار تھا۔
البتہ مولانا مرحوم کا اپنا مخصوص حلقہ ان کا بے حد احترام کرتا تھا بلکہ ان کا شیدائی تھا۔

اسی زمانے میں لائل پور کے مشہور عربی مدرسہ اشرف المدارس میں مولانا عبدالرحمٰن
ہزاروی بھی تھے۔

دیوبندی مکتب فکر سے تعلق تھا۔ اکابر دیوبند پر تنقید سے تنگ آکر انہوں نے امداد
الاسلام نامی ایک جماعت بنائی اور مولانا سردار احمد مرحوم اور ان کی جماعت کے جلسوں کے
جواب میں جلسے منعقد کرنا شروع کر دیئے۔ مولانا سردار احمد مرحوم کی اس وقت جماعت بڑی
مضبوط ہو چکی تھی۔ وسائل بے پناہ تھے۔

مقابلہ شروع ہو گیا جواب اور جواب الجواب اور پھر جواب جواب الجواب کا سلسلہ
شروع ہوا۔

مسائل سے بات رذائل تک پہنچ گئی تو تکرار تھوکا فضیحتی۔ گالی گلوچ کا معرکہ گرم ہو
گیا۔ ہر طرف سے یہی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ۔

میں تیری نظر میں کافر تو میری نظر میں کافر"

تمام خدام اسلام اور مبلغین امت بیضا۔ اسی خدمت اسلام میں لگ گئے۔

کافر ہوں میں اگر ہے تو

شہری آبادی کے غیر جانبدار لوگ سخت ذہنی کرب میں مبتلا ہو گئے۔ ضلعی حکام علماء کو طلب کرتے طنز آمیز الفاظ میں وارننگ دیتے اور فرماتے۔ اے وارثان مسند رسول اس فی سبیل اللہ فساد سے باز آجاؤ۔

انہی دنوں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کو بھی مولانا سردار احمد مرحوم کی طرف سے ہدف تنقید بنایا گیا۔ اور ان پر رکیک حملے کئے گئے۔ مجلس احرار اسلام کے بزرگ راہنماؤں پر ان حملوں کی وجہ سے احرار سخت برہم اور ناراض ہوئے۔ اور انہوں نے بھی جوابی کارروائی کرنے اور اس سارے فی سبیل اللہ جہاد کی حقیقت کے تاروپود بکھیر دینے پر غور کیا۔ احرار راہنما مولانا عبیداللہ لائل پوری نے اس سلسلہ میں صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب سجادہ نشین آلو مہار شریف سے باقاعدہ گفتگو کی۔ ان دونوں راہنماؤں کی گفتگو کے بعد مسئلہ کے تمام پہلو پر اچھی طرح غور وخوض کر لیا گیا لیکن امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ہمیں اپنی خدمت میں طلب فرمایا۔ اور سختی سے منع کر دیا۔ کہ اس سلسلہ میں ہم نے کوئی حصہ نہیں لینا۔ اگر کچھ کر سکتے ہو تو عفو و درگزر سے کام لے کر امت محمدیہ کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑنے کا کام کرو۔ امت میں کسی تخریب وانتشار، تعصب اور تفریق کے لئے ہمیں ہرگز استعمال نہیں ہونا ہے۔ یہ وہ پس منظر تھا۔ جس کے بعد لائل پور میں مختلف فرقوں کے راہنماؤں کی متحدہ کانفرنس ہوئی لائل پور کے عوام کو معلوم ہوا کہ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ہیں۔ تو ان کے زخمی دلوں پر مرہم سی لگ گئی اور انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ کہ اللہ نے انہیں اس پہلے والے ذہنی کرب اور عذاب سے نجات بخشی ہے۔

یہ بات قابل افسوس ہے کہ اس عظیم اتحاد کے مظاہرے میں بھی لائل پور کے قابل احترام بریلوی مکتب فکر کے مخدوم مولانا سردار احمد نے کوئی حصہ نہ لیا۔ اور اپنی علیحدہ حیثیت اور مخصوص حیثیت کو علی حالہ قائم رکھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ فضاء سے مجبور ہو گئے کہ فرقہ وارانہ مسائل بیان نہ کریں اور ختم رسالت کے مسئلے کو بیان کریں۔ ہمارے لئے یہ صورت حال بھی ایک گونہ ان کا تعاون تھا۔ اور ہم نے ان کے اس بالواسطہ تعاون کو تشکر اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ علیحدگی اور امت کے اتحاد میں عدم شرکت پر کسی قسم کا طعن و تشنیع ہرگز نہ کی گئی۔ بلکہ یہ کہہ دیا گیا کہ الحمد للہ وہ بھی حضور کی حفاظت ناموس کے کام میں اپنے محاذ پر ڈٹ کر گویا ہمارے ساتھ ہی ہیں۔ ہماری اس بلند اخلاقی اور وسیع النظری کا مولانا مرحوم نے اچھا اثر قبول کیا اور بعد میں ایک ایسا موقع بھی آیا کہ انہوں نے اپنی ایک مسجد میں ختم نبوت کی تحریک کا کسی نہ کسی رنگ میں پارٹ ادا کیا۔

جب لائل پور جیسے شہر میں اتحاد کی فضا قائم ہو گئی اور ہر طرف ختم نبوت زندہ باد مرزائیت مردہ باد کے نعرے گونجنے لگے۔ دوسری طرف ملک میں تحریک ختم نبوت منظم ہو رہی تھی۔ حالات یہ تھے کہ ایک طرف حکومت ٹس سے مس نہیں ہونا چاہتی تھی اور دوسری طرف عوام تخت یا تختہ کے مقام پر پہنچ رہے تھے۔

ایسے حالات میں مناسب خیال کیا گیا۔ کہ لائل پور کے مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام کی مجلس عمل کا قیام عمل میں لایا جائے چنانچہ میٹنگ بلائی گئی اور مجلس عمل قائم کر دی گئی جس میں (۱) مولانا مفتی محمد یونس خطیب جامع مسجد و عید گاہ لائل پور (۲) مولانا محمد انور خلیفہ مجاز حضرت رائے پوری مرحوم۔ (۳) حضرت صاحبزادہ ظہور الحسن صاحب خلف الرشید حضرت مولانا سراج الحق صاحب کرنالی (۴) مولانا عبدالرحمان ہزاروی مہتمم اشرف المدارس۔ (۵) خطیب اہل سنت صاحبزادہ افتخار الحسن شاہ صاحب (۶) مولانا عبدالرحیم اشرف ایڈیٹر ہفت روزہ المنبر (۷) مولانا محمد یعقوب قریشی خطیب جامع مسجد ڈی ٹائپ کالونی۔ (۸) مولانا عبدالواحد خطیب جامع اہل حدیث۔ (۹) مولانا جعفر حسین ایرانی شیعہ مجتہد خطیب مسجد امام باڑہ۔ (۱۰) حافظ عبدالمجید ایم اے مہتمم مدرسہ اشاعت العلوم (۱۱) غلام علامہ تاج محمود خطیب جامع مسجد ریلوے کالونی۔

• حضرات پر مشتمل اس مجلس عمل کا قیام لائل پور کی تاریخ کا ایک سنہری باب تھا۔ اب اس مجلس عمل کے عہدیداران کے لئے تجاویز پر غور و خوض ہوا حضرت صاحبزادہ ظہور الحق صاحب اور مولانا مفتی محمد یونس مرحوم دونوں اکابر کی تجویز پر راقم الحروف کو اس مجلس عمل کا صدر منتخب کر لیا گیا۔

مجلس عمل کے باقی اراکین نے بھی ان دونوں بزرگوں کی تجویز سے اتفاق کر لیا اور اس طرح۔

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

ملک میں حالات روز بروز نئی کروٹ لے رہے تھے۔ یہاں تک کہ مرکزی مجلس عمل کا کراچی میں اجلاس ہوا اور اجلاس نے فیصلہ کر لیا کہ حکومت کو ایک ماہ کا نوٹس دے دیا جائے۔ خواجہ ناظم الدین کو جب مطالبات کے تسلیم کرنے کے لئے ایک ماہ کا نوٹس دے دیا گیا۔ تو ملک بھر میں تحریک اور تصادم کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ مجلس عمل کے راہنماؤں کا اندازہ یہ تھا۔ کہ اگر ایک لاکھ شمع ختم رسالت کے پروانے قید ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیں تو حکومت مطالبات تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جائے گی۔ اس لحاظ سے اب میرے سامنے سب سے پہلا کام یہ تھا کہ تحریک کے لئے رضاکار بھرتی کئے جائیں۔

چنانچہ مجلس عمل کی میٹنگ طلب کر لی گئی اور اس میں رضاکاروں کی بھرتی کے لئے تجویز پیش کی گئی مجلس عمل نے تجویز منظور کر لی اور یہ طے کیا کہ رضاکاروں کی بھرتی کے لئے باقاعدہ ریکارڈ بنایا جائے۔

اس رضاکار کو بھرتی کیا جائے۔ جو پختہ عزم اور بلند حوصلہ رکھتا ہو محنت اور ابتلا کے وقت صابر اور ثابت قدم رہ سکے۔ نیز اس کے کوائف وغیرہ لکھ لئے جائیں اور یہ اندازہ لگایا جائے۔ کہ قید و بند کی صورت میں اس کے گھر والوں کا انتظام وغیرہ کیا ہوگا۔ چنانچہ مجلس عمل نے ایک حلف نامہ کی عبارت تجویز کی تاکہ اس پر دستخط کر کے تحفظ ختم نبوت کی راہ میں آنے والی جملہ ذمہ داریوں کا رضاکار کو پابند بنا دیا جائے۔

حلف نامہ کی عبارت یہ تھی۔

حلف نامہ رضاکار مجلس عمل میں اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے عہد کرتا ہوں کہ سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب ختم نبوت کے تحفظ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعیان نبوت کے فتنوں کے استیصال کے لئے آل پارٹیز کنونشن کی مجلس عمل کی راہنمائی میں ہر قسم کی جانی و مالی قربانی کے لئے تیار رہوں گا اللہ تعالیٰ مجھے اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دستخط رضاکار پورا پتہ

یہ بھی طے پایا کہ رضاکاروں کی بھرتی کا مرکز مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ حکیم حافظ عبدالمجید صاحب نابینا مرحوم کے شفاخانہ نقشبندیہ کے اوپر والی عمارت جس میں پہلے مجلس احرار اسلام کا دفتر تھا۔ اسے اب مجلس عمل کے رضاکاروں کی بھرتی کا مرکز قرار دے دیا گیا اور وہاں ہر وقت بھرتی کرنے والے اور ضروری ہدایات بتانے والے ساتھیوں کا تعین بھی ضروری قرار دیا گیا۔ اخبارات اور مساجد کے ذریعہ اعلان کرا دیئے گئے کہ شمع رسالت کے پروانے دفتر میں پہنچ کر اپنے نام رجسٹرڈ کرائیں۔

ناموس رسالت پر جانیں نچھاور کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور اتنی کثیر تعداد میں لوگ دفتر پہنچنا شروع ہو گئے کہ حیرت ہوتی تھی دیہات اور قصبات کے لوگ چلے آتے تھے۔ کہ ہمارا نام بھی لکھ لیا جائے اور تاکید کرتے تھے کہ خدا کے لئے کسی پہلی فہرست میں ہمارا نام درج کر لیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم موقعہ آنے پر نہ بلائے جائیں یا ہمیں اس وقت قبول نہ کیا جائے۔ حد یہ ہوئی کہ لوگوں نے اپنے جسموں کو زخمی کر کے خون سے حلف نامے پر دستخط کرنا شروع کر دیئے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اگر مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو ملک میں خون کی بے پناہ قربانی دی جائے گی۔

۱۹۵۳ء کے سال کا آغاز تھا۔ پورے ملک کی فضاء ختم نبوت زندہ باد۔ مرزائیت مردہ باد کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ وسط جنوری میں پنجاب سے مجلس عمل کے راہنماء کراچی روانہ ہوئے۔ کراچی میں مجلس عمل کی میٹنگ ہوئی۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان سے تمام نمائندگان پہنچے ہوئے تھے۔ اس میٹنگ کی تفصیل کہیں اوپر بیان ہو چکی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک ماہ کا نوٹس دے دیا گیا کہ اگر ۲۲ فروری تک حکومت ختم نبوت سے متعلق مطالبات کو تسلیم نہیں کرے گی تو کل پارٹیز کی مجلس عمل حکومت کے خلاف راست اقدام کرے گی۔ اس ایک مہینہ میں کراچی سے خیبر تک کوئی شہر اور کوئی قصبہ ایسا نہ تھا۔ جس میں جلسوں جلوسوں کا ہنگامہ بپا نہ ہوا ہو۔ مجلس عمل نے یہ محسوس کرتے ہوئے نوٹس دیا تھا۔ کہ حکومت مطالبات تسلیم نہیں کرے گی بلکہ ایسا لگتا تھا جیسا کہ مطالبات تسلیم کرنا ان کے بس کی بات ہی نہ ہو۔ نوٹس ملنے کے بعد بھی حکومت نے خاموشی سادھے رکھی اور کچھ نہیں کیا۔ صاحبزادہ فیض الحسن شاہ سجادہ نشین آلومہار شریف کو مجلس عمل کے رضا کاروں کا سالار اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا۔ صاحبزادہ صاحب نے اعلان کر رکھا تھا۔ کہ پچاس ہزار رضاکار فوری نوٹس پر اپنی گرفتاری دینے کے لئے تیار رہیں۔ ۲۱ فروری کو خواجہ ناظم الدین لاہور آئے اسلامیان لاہور نے اس روز مکمل ہڑتال کی۔ جس کی مثال لاہور کی تاریخ میں شاید ہی پیش آئی ہو غرضیکہ لوگوں کا جوش و خروش ایک پہاڑ تھا جو پھٹ کر آتش فشاں بن جانا چاہتا تھا۔ ۲۱ فروری کو مجلس عمل کے راہنماؤں کی خواجہ صاحب سے گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں ملاقات ہوئی کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ اب ۲۲ فروری تک نوٹس کی میعاد تھی۔ ۲۲ فروری سے قبل ہی مجلس عمل کے راہنماء کراچی پہنچ گئے۔ میٹنگ شروع ہوئی۔ پنجاب کے لوگوں کو توقع تھی کہ ۲۲ فروری کو کراچی میں تحریک شروع ہو جائے گی۔ لیکن وہاں ایسا نہ ہو سکا۔ مرکزی مجلس عمل کی ہدایات یہ تھیں۔ کہ جب تک کراچی میں تحریک شروع نہ کر دی جائے۔ اس وقت تک کہیں بھی کوئی خلاف قانون کام نہ کیا جائے۔ ۲۲ فروری کی سہ پہر کو حالات انتہائی خطرناک تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ خدا جانے لوگ کیا کر دیں گے۔ میں نے اخبارات میں ایک بیان بھجوا دیا کہ عوام صبر اور سکون سے کراچی کے فیصلہ کا انتظار کریں اور وہاں سے مصدقہ اطلاع آئے بغیر بالکل پرامن رہیں۔ دن گزر رہے تھے۔ قصبات اور دیہات کے لوگ جوق در جوق اپنی اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے لائل پور آنا شروع ہو گئے۔ ۲۵ فروری کا دن انتہائی بے چینی کا دن تھا۔ سارا دن لاہور اور کراچی فون کرتے گزری۔ لیکن وہاں سے کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ صرف اتنا ہی کہتے تھے کہ ابھی انتظار کرو راست اقدام کرنے کا فیصلہ ہو رہا ہے۔

۲۵ فروری اور ۲۶ فروری کی درمیانی شب احرار ورکرز کی میٹنگ مولانا عبید اللہ احرار

کے مکان پر ہوئی اگرچہ اب جو مشینری تحریک کے سلسلہ میں کام کر رہی تھی وہ مجلس عمل اور اس کے رضاکار تھے۔ لیکن اس کے باوجود احرار کارکنوں کو کچھ ہدایات دینے کے لئے علیحدہ بلایا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ اگرچہ تحریک مجلس عمل کے ہاتھوں ہی چلائی جائے گی۔ لیکن آپ لوگ بڑے بہادر اور تحریک کے معاملہ میں کافی تجربہ کار ہیں۔ عوام میں پھیل کر کام کریں۔ لوگوں میں نظم و ضبط کی پابندی اور خصوصاً پرامن رہنے کا زور و شور سے پروپیگنڈا کریں۔ اس لئے اتنی زبردست تحریک کو سیدھا سامنے سے آکر روک لینا حکومت کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ اپنے ایجنٹوں یا قادیانیوں کے ذریعہ کوشش کرے گی۔ فساد اور بدامنی ہوتا کہ گورنمنٹ کو طاقت استعمال کرنے کا جواز مہیا ہو جائے۔ بس یہ خصوصی ڈیوٹی تھی جو احرار کارکنوں اور رضاکاروں کی لگائی گئی دیر تک مشاورت ہوتی رہی میں کوئی ایک بجے کے قریب میٹنگ سے فارغ ہو کر ریلوے کالونی میں اپنے مکان پر پہنچا اور سو گیا۔ طلوع سحر سے پہلے مولانا عبیداللہ احرار کے بڑے صاحبزادے عزیزم حبیب اللہ صاحب آئے اور آکر اطلاع دی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے پولیس مکان پر پہنچی تھی اور ابا جی کو گرفتار کر کے لے گئی ہے۔ برخوردار کے اطلاع دیتے ہی میں سمجھ گیا کہ گزشتہ رات کراچی میں تصادم شروع ہو گیا اور یہ گرفتاریوں کی پہلی قسط ہے۔ میں نے فوراً مجلس عمل کی میٹنگ بلائی اور حضرت مفتی محمد یونس رحمتہ اللہ علیہ کے مکان واقع عبداللہ پور پر جمع ہونے کے لئے ایجنڈا جاری کر دیا گیا۔ ۸ بجے صبح کے قریب مجلس عمل کے سب ارکان مفتی صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔ ابھی ہم نے میٹنگ کی کارروائی کا آغاز ہی کیا تھا اور پچھلے روز جو میٹنگ ہوئی تھی اس وقت سے لے کر اس صبح تک کے واقعات کی روئیداد ہی بیان کر رہا تھا۔ کہ عزیزم محمد صادق بٹالوی جو بڑا مخلص بہادر اور بڑا سمجھدار احراری کارکن تھا۔ مفتی صاحب کے مکان پہ پہنچ گیا۔ ہم بند کمرے میں میٹنگ کر رہے تھے۔ اندر اطلاع آئی میں باہر آیا۔ اس نے مجھے کہا کہ پولیس چھاپہ مار کر آپ سب کو گرفتار کرنا چاہتی ہے۔ ایس پی صاحب کے دفتر سے مجھے کسی نے بتایا ہے۔ پولیس لائن سے گارڈیں اور مجسٹریٹ ڈیوٹی کے پہنچنے کا انتظار ہو رہا ہے۔ آپ جلدی جلدی یہاں سے منتشر ہو جائیے اور پھر مجھے ذرا ناراضگی کے لہجہ میں کہنے لگا کہ مولانا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کر رکھی ہے۔ آپ نے اپنی یہ ساری طاقت جس نے تحریک کی قیادت کرنی ہے۔ اسے ایک جگہ کیوں اکٹھا کر لیا ہے۔ آپ اس کے نتیجہ پر غور نہیں کرتے۔ میں نے اسے حوصلہ دیا اور کہا کہ آپ کوتوالی کے دروازے کے باہر رہیں اور پولیس کی نقل و حرکت کو واچ کریں۔ ہماری آپ فکر نہ کریں ہم ابھی منتشر ہو جاتے ہیں۔ میں اندر آیا ساتھیوں کو بتایا سب نے صادق صاحب کے اس خدشے اور اتنی جلدی اطلاع کی تعریف کی اور

طے ہوا کہ صرف ایک فیصلہ کرنے کے بعد میٹنگ برخواست کر دی جائے اور ۹ بجے ہم سب عید گاہ باغ میں پہنچ جائیں اور وہاں جلسہ عام منعقد کیا جائے اور اب لوگوں کو نظم و ضبط کے ساتھ تحریک شروع کر دینے کے لئے کہا جائے۔

میرے لئے اب ایک عجیب الجھن پیدا ہوئی۔ میری اس روز اے ڈی ایم صاحب کے ہاں پیشی تھی۔ یہ پیشی بوہڑ والا گراؤنڈ کے مشہور کیس کے سلسلہ میں تھی جس میں قادیانیوں کے جلسہ کو روک دینے کے سلسلے میں تصادم ہوا تھا۔ ۹ مسلمان اور ۲۲ قادیانی گرفتار کر لئے گئے تھے۔ میری دس دس ہزار کی دو ضمانتیں عجیب مخمصے میں پڑ گئیں۔ تحریک کا سب کچھ میرے ذمہ ڈال دیا گیا تھا۔ انتظامات پروگرام میرے پاس اور اگر میں اے ڈی ایم صاحب کے پیش ہوتا ہوں تو خطرہ یہ ہے کہ کہیں وہیں گرفتار نہ کر لیا جاؤں۔ اگر پیشی پر نہیں جاتا تو اے ڈی ایم صاحب اگر چاہیں تو میرے ضمانتیوں کو پریشان کر سکتے ہیں۔

دل نے گواہی دی کہ پیشی پر چلو۔ عدالت کھلتے ہی میں کمرہ عدالت میں ساتھیوں سمیت وَمِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ پڑھتا ہوا پیش ہو گیا۔ حبیب صاحب اے ڈی ایم تھے۔ بڑے شریف پڑھے لکھے اور بردبار طبیعت کے افسر تھے مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے آئیے مولانا آج تو آپ لوگوں نے ہمیں سونے ہی نہیں دیا۔ یہ کہا اور وہ وائرلیس نکال کر سامنے رکھ دیا۔ کہ گزشتہ رات پنجاب میں ان تمیں کارکنوں کی گرفتاریاں عمل میں لائی گئی ہیں۔ یہاں لائل پور سے مولانا عبید اللہ اور مرزا غلام نبی شامل ہیں میں نے پوری فہرست پڑھی تو معلوم ہوا کہ سب حضرات کا تعلق پنجاب سے ہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور ہم حاضر تو ہو ہی گئے ہیں ہماری حاضری لگ جائے تو ذرا شہر جائیں کیونکہ ابھی ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگوں نے شہر میں ہڑتال کر دی ہے کہنے لگے بس مولانا آپ لوگوں کی حاضریاں لگ گئی ہیں۔ ذرا جائیے اور دیکھئے کہ کہیں کوئی فساد نہ ہو جائے میں نے کہا کہ جناب مجھے اسی لئے جلدی ہے۔ بڑی مہربانی۔ میں اللہ کا شکر بجا لا کر باہر نکلا۔ باہر ساتھیوں کا ہجوم ہو چکا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ شہر میں مکمل ہڑتال ہے اور لوگ گرفتاریوں کی خبریں سن کر خود بخود ہی عید گاہ باغ میں جمع ہو رہے ہیں۔ ہم عید گاہ باغ پہنچے خدا کی شان بغیر کسی خاص اہتمام کے پچیس تیس ہزار کا مجمع ہو گیا۔ مفتی محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادہ ظہور الحق صاحب۔ مولانا عبدالرحمان ہزاروی اور کئی ساتھیوں نے تقریریں کیں۔ آخر میں میں نے مجمع سے کہا کہ آج ہمارا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جائے یا سر ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ان مطالبات کا وقت ختم ہو گیا آج ہمارا صرف ایک ہی مطالبہ ہے کہ خواجہ ناظم الدین مستعفی ہو جاؤ۔ میں نے کہا پاکستان جو اس بنیاد پر بنا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا

الف ۔ خواجہ ناظم الدین بحیثیت وزیراعظم ملک کی اس بنیاد کی حفاظت کرنے سے قاصر رہے ہیں اس لئے وہ فوراً مستعفی ہو جائیں۔

دوپہر ایک بجے تک جلسہ جاری رہا لوگوں کو پروگرام بتایا گیا کہ کل صبح ۹ بجے عید گاہ سے رضاکاروں کا جتھہ راست اقدام کرنے کے لئے مارچ پاسٹ کرے گا اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دے گا۔ میں نے لوگوں سے یہ بھی کہا کہ یہ تحریک کسی سیاسی مقصد کے لئے نہیں صرف حضور فداہ ابی وامی کے ختم رسالت کے عقیدہ کے تحفظ کے لئے ہے۔ اس لئے کسی ذاتی یا نفسانی خواہش کو درمیان میں نہ لایا جائے۔ میں نے اشارۃً اتنا ہی کہا کہ یہ پارٹی جسے مجلس عمل کہتے ہیں۔ دراصل تمام مذہبی اور دینی جماعتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ کوئی ایسی تنظیم نہیں جس کے پاس کوئی زیادہ وسائل ہوں۔ عوام نے تحریک کے اخراجات کے لئے پیسے دینے شروع کر دیئے خواجہ جلال دین بٹ نے بتایا کہ تین ہزار روپیہ نقد اور دو ہزار روپے کے وعدے ہو گئے ہیں۔

جلسہ ختم ہونے سے پہلے عوام کو آئندہ پروگرام کے متعلق بتایا گیا کہ کل یکم مارچ ۱۹۵۳ء صبح ۹ بجے جامع مسجد کچہری بازار سے رضاکاروں کا پہلا جتھہ حضرت مولانا مفتی محمد یونس خطیب جامع مسجد شہر لائل پور کی سرکردگی میں کراچی کے لئے روانہ ہو گا۔

عوام سے یہ بھی اپیل کی گئی کہ مجلس عمل کا مرکز عید گاہ دھوبی گھاٹ میں ہی ہو گا۔ رضاکار یہاں آ کر اپنے اپنے نام پیش کریں گے۔ عید گاہ میں مجلس عمل کے دفاتر کے لئے خیمے لگوا دیئے گئے اور ان دفاتر میں کام کرنے کے لئے میاں محمد عالم منشاس لدھیانوی ' جناب یعقوب اختر صاحب امرتسری اور فقیر محمد جالندھری کو انچارج بنا دیا گیا ان کی امداد کے لئے رضاکاروں کا ایک چاک و چوبند دستہ متعین کر دیا گیا اور انہیں ہر قسم کی دفتری ضروریات بہم پہنچا دی گئیں۔ عید گاہ کے کیمپ لگانے میں ۲۸ فروری کا دن صرف ہو گیا۔ کیمپ میں لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ لوگ دھڑا دھڑ اپنا نام رضاکاروں میں لکھوا رہے تھے۔ ہمیں زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ تحریک کی کامیابی کا دارومدار سلجھے ہوئے کارکنوں پر ہے جو تحریک کی قیادت کریں اور اگر یہ کارکن گرفتار کر لئے گئے تو پھر کیا ہو گا۔ اکثر کارکنوں کو کہہ دیا گیا کہ وہ آج کا دن ذرا محتاط رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ گرفتاری ہو جائے تو بعد میں تحریک چلانے والے ساتھیوں کی بڑی دقت ہو گی یہ ہم مجلس عمل میں طے کر چکے تھے کہ سول نافرمانی کرنے کے لئے مجلس عمل کے ممبران کس ترتیب سے اپنے آپکو پیش کریں گے۔

مجلس عمل کی چند روز پہلے ایک میٹنگ دارالعلوم صابریہ سراجیہ میں ہوئی تھی جس میں یہ تجویز پیش ہوئی تھی کہ مجلس عمل کے اراکین اپنے آپ کو سب سے پہلے گرفتاری کے لئے

پیش کریں۔ یہ تجویز ایک ترمیم کے ساتھ منظور کر لی گئی۔ کہ مجلس عمل کے اراکین اپنے نام گرفتاری کے لئے لکھوا دیں لیکن ان کا پہلے دن گرفتاری دے دینا مناسب نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ ہر روز ایک رکن رضاکاروں کے جتھے کی قیادت کرے اور اس طرح باری باری سب حضرات اپنی قربانیاں پیش کر دیں تاکہ تحریک میں جوش و خروش بھی باقی رہے اور کارکنوں رضاکاروں کو مجلس عمل کے راہنماؤں کی ہمراہی سے ہمت اور حوصلہ بھی ہو۔

اس فیصلہ کے مطابق استاذی المکرم حضرت مولانا مفتی محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا نام سب سے پہلے گرفتاری کے لئے لکھوایا۔ دوسرے دن کے لئے مجاہد اسلام حضرت صاحبزادہ سید افتخار الحسن شاہ صاحب نے اپنا نام پیش کیا تیسرے دن کے لئے مولانا عبدالرحمن ہزاروی مہتمم مدرسہ اشرف المدارس اور چوتھے دن کے لئے صاحبزادہ ظہور الحق صاحب سجادہ نشین و مہتمم دارالعلوم صابریہ سراجیہ نے اپنا نام پیش کیا غرضیکہ سب حضرات نے اپنے اپنے نام اور اپنے لئے دن مخصوص فرما لئے۔ البتہ حکیم حافظ عبدالمجید صاحب نابینا بی اے اور حضرت مولانا محمد یعقوب نورانی کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ دونوں حضرات بھی ابتدا گرفتاری نہیں دیں گے اور مشیر کی حیثیت سے راقم الحروف کے ساتھ رہیں گے۔ گویا کہ ہم تینوں کے ذمہ یہ بات ڈال دی گئی کہ اہم امور باہمی مشورہ سے طے کر کے تحریک چلائی جائے گی۔ شہر میں سارا دن مکمل ہڑتال رہی ہر جگہ لوگوں کی مختلف ٹولیاں کھڑی تحریک ختم نبوت کے متعلق ہی باتیں کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ لوگوں کو انتہائی افسوس تھا کہ حکومت نے اتنے صحیح اور درست مطالبات کو تسلیم نہیں کیا اور اب حکومت انتہائی ناعاقبت اندیشی کر کے تصادم پر آمادہ ہو گئی۔ لوگوں میں اتنا جوش و خروش تھا کہ ہر آدمی کی تمنا تھی کہ اس بے غیرت قادیانی نواز حکومت سے ٹکر لے کر شہادت کی موت حاصل کی جائے۔ یہ رات خدا خدا کر کے گذری ساری رات شہر ایک عجیب کیفیت میں جاگتا رہا۔ صبح ہوئی شہر تقریباً مکمل بند تھا لوگ وقت سے پہلے ہی جامع مسجد میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ مجلس عمل کے سب راہنما بھی وقت سے کچھ پہلے ہی پہنچ گئے۔ مسجد کے صحن میں منبر بچھایا گیا اور لاؤڈ سپیکر لگا دیا گیا۔ کارروائی کا آغاز قرآن مجید کی تلاوت اور حضور سرور کائنات کی نعت پاک سے ہوا۔ جامع مسجد کھچا کھچ بھر گئی۔ حضرت مفتی محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد میں پہنچے نعرہ ہائے تکبیر سے شہر کی فضا تھرا گئی۔ لوگوں نے حضرت کو پھولوں سے لاد دیا۔ آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ راقم الحروف نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حکومت کو للکارا کہ آج ہم جس تحریک کو شروع کر رہے ہیں وہ کسی سیاسی یا دنیوی مقصد اور غرض کے لئے نہیں ہے۔ پاکستان میں حضور فداہ ابی و امی کی حرمت و ناموس کے تحفظ اور مسلمانوں کے ملی وجود کو تفرقہ اور انتشار سے بچانے کے لئے شروع کر رہے ہیں۔ ہمارے اکابر

نے اس مسئلہ کے سلسلہ میں جس تدبر علم اور اتفاق و اتحاد کا ثبوت دیا ہے۔ اس کی مثال پچھلی کئی صدیوں میں نہیں ملتی آخر میں میں نے کہا کہ اب حق اور باطل کا معرکہ شروع ہو چکا ہے ہم اتمام حجت کر چکے ہیں حکومت نے ہماری معقول اور جائز بات کو نہیں سنا۔ وہ ہمیں کچلنے پر آمادہ ہو گئی ہے اور ہم حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی خاطر اپنی جانیں تک قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں ہمیں اب حکومت سے کسی انصاف' رحم اور ہوشمندی کی امید نہیں رہی ہے۔ ۔

ستم گر تجھ سے امید کرم ہو گی جنہیں ہو گی
ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

لوگ اس قدر جوش اور اشتعال میں آ گئے کہ میں نے محسوس کیا کہ ہمیں اب لوگوں کو زیادہ جوش دلانے کی ضرورت نہیں بلکہ انکے جوش کو قدرے ٹھنڈا رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ نظم و ضبط کے تحت قربانیاں پیش کر سکیں اور حکومت کو موقعہ نہ مل سکے کہ وہ تحریک کو بدامنی کی راہ پر ڈال کر تباہ و برباد کر دے۔ میرے بعد حضرت مفتی محمد یونس رحمتہ اللہ علیہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرمایا حاضرین آپ گواہ رہیں کہ آج جب کہ حضور رحمتہ اللعلمین کی حرمت و ناموس کے تحفظ کے لئے مجلس عمل نے قوم سے قربانیاں طلب کی ہیں میں اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کر رہا ہوں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ختم نبوت کے سلسلہ میں میرے جسم کا قیمہ بھی کر دیا گیا تو میرے جسم کی ایک ایک بوٹی سے ختم نبوت زندہ باد کی آواز بلند ہو گی حضرت مفتی صاحب کی تقریر کے بعد مفتی صاحب کی قیادت میں جانے والے قافلے کے حضرات کے ناموں کا اعلان کر دیا گیا۔ ریکارڈ میں ان کی ولدیت سکونت اور راہ خدا میں شہید ہو جانے کی صورت میں ورثا کے نام لکھ لئے گئے اس مبارک قافلہ میں مندرجہ ذیل آٹھ صاحبان شریک تھے۔

۱۔ حضرت مفتی محمد یونس ولد مولانا محمد اسحاق مراد آبادی۔
۲۔ پروفیسر غلام رسول حسینی ولد چوہدری قادر بخش کونسلر سٹی لیگ منشی محلہ لائل پور
۳۔ چوہدری محمد عالم بٹالوی ولد میاں امام الدین مالک عالم کافی ہاؤس چنیوٹ بازار لائل پور
۴۔ حاجی غلام صادق ولد محمد اسماعیل لدھیانوی گوروتانک پورہ گلی نمبر ۳ لائل پور۔
۵۔ راجہ محمد افضل ولد صوبیدار چک نمبر ۲۲۳ رب لائل پور۔
۶۔ مولوی محمد زکریا ولد عبدالواحد صاحب گنج چک نمبر ۲۰۲ ہارے والا لائل پور
۷۔ حاجی خیر محمد ولد منگو صاحب کارخانہ بازار لائل پور

۸۔ حاجی محمد شریف ولد حاجی شہاب الدین سنت پورہ لائل پور۔
لوگوں نے ان سب شمع رسالت کے پروانوں کو پھولوں سے لاد دیا دیر تک ان حضرات پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی جاتی رہیں بالآخر اس قافلے کو ریلوے اسٹیشن تک پہنچانے کے لئے بہت بڑا جلوس روانہ ہوا اور محبت و خلوص اور دعاؤں کے نذرانوں کے ساتھ انہیں لاہور جانے والی گاڑی پر سوار کرا دیا گیا۔ تاکہ یہ حضرات وہاں پہنچ کر کراچی روانہ ہو جائیں۔
چوہدری محمد عالم بٹالوی ہمیشہ ہماری جماعت کے ایک اہم ترین ساتھی رہے ہیں وہ مجلس احرار بٹالہ کے منجھے ہوئے کارکن اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے معتمد ترین رضاکاروں میں سے ہیں میں انہیں لائل پور تحریک کے مرکز میں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا اور کئی ایسے نازک کام تھے جن کی نگرانی ان کے سپرد کرنا چاہتا تھا لیکن اس پہلے قافلے میں حضرت مولانا مفتی محمد یونس مرحوم امیر قافلہ کی حیثیت سے جا رہے تھے مجھے بار بار ان کا خیال آتا تھا کہ آپ اس وادی پر خار کے کبھی مسافر ہی نہیں رہے۔ آپ مراد آباد شاہی مدرسہ اور دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خاص شاگرد انتہائی مرنجاں مرنج طبیعت کے عالم دین پہلے حصاری جامع مسجد کے خطیب رہے اور اس کے بعد میاں نور اللہ کے بڑے بھائی میاں محمد فتح اللہ مرحوم کے توسط سے لائل پور کی جامع مسجد اور عیدگاہ کے خطیب ہو کر لائل پور آ گئے۔ انتہائی نازو نعمت کی زندگی اور اب وہ حوالاتوں ' جیلوں ' ہتھکڑیوں بیڑیوں اور حکومت کے ظالمانہ تصادم کی طرف جا رہے تھے۔ وہ محض عشق رسول ؐ کے جذبہ کے تحت چل پڑے تھے ورنہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ وہ اس راستے کے مصائب کس طرح برداشت کریں گے آخر میں نے دوستوں کے مشورہ سے فیصلہ کیا کہ چوہدری محمد عالم جیسا پختہ کارکن اور رضاکار حضرت کے ساتھ کر دیا جائے تاکہ وہ ان کے شایان شان خدمت کا حق ادا کرتا رہے اور حضرت کا ہر طرح سے خیال رکھے اور انہیں وقت پڑنے پر مناسب مشورے بھی دیتا رہے اس طرح راجہ محمد افضل صاحب جو چک ۲۲۴ آبادی راجہ غلام رسول کے کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ اور بڑے غیور و جسور نوجوان ہیں۔ ان کو بھی حضرت کے ساتھ بھیجا گیا تاکہ اگر کوئی وقت آ جائے تو وہ اپنی جان پر کھیل کر بھی حضرت مفتی صاحب کے مقام و منصب کے احترام کو صدمہ نہ پہنچنے دے۔ بہرحال یہ پہلا مبارک قافلہ تھا جو لائل پور سے تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں روانہ ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ سات مزید صاحبان جو حضرت مفتی محمد یونس مرحوم کے فدائی اور مریدین میں سے تھے وہ ہماری اجازت و اطلاع کے بغیر گاڑی میں ساتھ گئے اور یہ پندرہ شمع رسالت کے فدائیوں کا قافلہ لاہور اور لاہور سے کراچی کے لئے روانہ ہو گیا۔ آئندہ چل کر بتایا جائے گا کہ لائل پور

کے ان صاحبان نے کراچی میں پہنچ کر کیسی کیسی شاندار خدمات سرانجام دیں۔

دو مارچ کے لئے اعلان کر دیا گیا تھا کہ صاحبزادہ افتخار الحسن شاہ صاحب کی قیادت میں دوسرا جتھہ روانہ ہوگا۔ صاحبزادہ صاحب صبح سویرے ہی ناموس رسالت پر اپنا سب کچھ بلکہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جامع مسجد میں پہنچ گئے۔ جامع مسجد اس کی ملحقہ گلیاں انسان ہی انسان نظر آ رہے تھے۔ تحریک کے دفتر نے ایک سو رضاکاروں کا قافلہ تیار کر دیا تھا۔ ان کی فہرست بنائی گئی جن پر ان تمام شمع رسالت کے پروانوں کے نام پتے درج کر لئے گئے اس وقت وہ فہرست ہمارے سامنے ہے تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے صرف ان کے نام یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ صاحبزادہ سید افتخار الحسن شاہ خطیب جامع مسجد طارق کھولا گل پورہ
۲۔ محمد اکرم صاحب ولد رحیم بخش صاحب گلی نمبر ۵ وکیلاں کچہری بازار
۳۔ نور محمد صاحب ولد رحیم بخش صاحب چکی گھر
۴۔ عبدالمجید صاحب ولد پیر بخش صاحب چکی گھر
۵۔ اللہ بخش صاحب ولد عبدالعزیز صاحب چکی گھر
۶۔ سید فرزند علی ولد نصیر علی صاحب چکی گھر
۷۔ محمد اسلم صاحب ولد روشن دین صاحب گلی نمبر ۲ چنیوٹ بازار
۸۔ غلام سرور صاحب ولد شیخ فضل الٰہی صاحب چوڑہ منڈی
۹۔ مہر دین صاحب ولد حاجی مہتاب دین ڈگلس پورہ گلی نمبر ۲ مکان نمبر ۱۸۸
۱۰۔ محمد رفیق صاحب ولد حسین بخش صاحب گلی نمبر ۳ چنیوٹ بازار
۱۱۔ صلاح الدین صاحب ولد غلام محمد صاحب گلی بھورے والی نمبر ۳ بھوانہ بازار
۱۲۔ نذیر محمد صاحب ولد غلام محمد صاحب ڈگلس پورہ گلی نمبر ۱
۱۳۔ غلام محمد صاحب گلی نمبر ۳ چنیوٹ بازار
۱۴۔ ظہور احمد صاحب ولد محمد دین صاحب جھنگ بازار دوکان لوہاراں
۱۵۔ محمد شفیع صاحب ولد مستری فضل دین صاحب معرفت نیو گلاس ہاؤس ریل بازار
۱۶۔ محمد اسلام صاحب ولد فضل دین صاحب معرفت نیو گلاس ہاؤس ریل بازار
۱۷۔ مشتاق احمد صاحب ولد جھنڈا صاحب بھوانہ بازار گلی نمبر ۳ مکان نمبر S.۸۵
۱۸۔ محمد یونس صاحب ولد خدا بخش صاحب ڈگلس پورہ گلی نمبر ۱ مکان نمبر P.۲۸
۱۹۔ غلام رسول صاحب ولد شیخ محمد صاحب ڈگلس پورہ مین بازار
۲۰۔ جان محمد صاحب ولد پیر محمد صاحب گورونانک پورہ گلی نمبر ۸ مکان نمبر ۱۵۱

۲۱۔ حاجی اللہ رکھا ولد حاجی غلام محمد صاحب لوٹیاں والا کھوکھی آبادی مکان نمبر ۲۳۳
۲۲۔ محمد لطیف صاحب ولد غلام محمد صاحب کارخانہ بازار گلی نمبر ۲ مکان نمبر P.۴۸
۲۳۔ عبدالمجید صاحب ولد عزیز دین صاحب سنت پورہ گلی نمبر ۲ مکان نمبر P.۳۳
۲۴۔ محمد عالم صاحب ولد حاجی محمد دین صاحب سنت پورہ گلی نمبر ۲ مکان نمبر P.۹۹
۲۵۔ محمد شفیع صاحب ولد عبدالکریم صاحب سنت پورہ گلی نمبر ۲ مکان نمبر P.۳۷
۲۶۔ محمد اسماعیل صاحب ولد محمد ابراہیم صاحب سنت پورہ گلی نمبر ۲ مکان نمبر P.۱۰
۲۷۔ حافظ عبدالغنی صاحب ولد مولوی محمد صاحب مسجد قادری سنت پورہ
۲۸۔ غلام عباس صاحب ولد شاہ محمد صاحب سنت پورہ مین بازار
۲۹۔ ظفر احمد صاحب ولد کریم بخش صاحب گلی نمبر ۲ مکان نمبر P.۱۳۳
۳۰۔ عبدالحق صاحب ولد عبدالرحیم صاحب سنت پورہ گلی نمبر ۲ مکان نمبر P.۱۰۰
۳۱۔ تراب دین صاحب ولد محمد بخش صاحب جھنگ بازار معرفت محمد اسحاق لوہے والے
۳۲۔ غلام صادق صاحب ولد محمد سرور صاحب سنت پورہ مین بازار
۳۳۔ محمد احمد صاحب ولد فضل کریم صاحب چنیوٹ بازار گلی نمبر ۸ وکیلاں
۳۴۔ روڑا صاحب ولد محمد دین صاحب سنت پورہ مین بازار
۳۵۔ محمد دین صاحب ولد اللہ رکھا صاحب ڈگلس پورہ مین بازار
۳۶۔ محمد حیات صاحب ولد علی محمد صاحب ڈگلس پورہ مین بازار
۳۷۔ عبدالحق صاحب ولد فضل دین صاحب چنیوٹ کچہری بازار
۳۸۔ محمد لطیف صاحب ولد مولا بخش صاحب گول چنیوٹ کچہری بازار
۳۹۔ محمد امین صاحب ولد دین محمد صاحب کنارگی بازار گلی نمبر ۷ مکان نمبر ۷۳
۴۰۔ سیف الرحمان صاحب ولد غلام اللہ صاحب بمقام جوڑا لورانہ ڈاک خانہ تحصیل ضلع

لائل پور

۱۔ محمد شریف صاحب ولد محمد ابراہیم صاحب محلہ گوبند پورہ گلی نمبر ۴
۲۔ غلام رسول صاحب ولد حافظ نبی بخش صاحب مکان نمبر ۲۵۹ گلی نمبر ۵ گورونانک پورہ
۳۔ محمد حسین صاحب ولد حاکم دین صاحب مکان نمبر ۳۳ گلی نمبر ۱ گورونانک پورہ
۴۔ غلام رسول صاحب ولد جمال الدین صاحب گول کریانہ
۵۔ شاہ محمد صاحب ولد ہدایت اللہ صاحب بڑی کوٹھی گلی نمبر ۴ گوبند پورہ
۶۔ عبدالکریم صاحب ولد محمد بوٹا صاحب محلہ سنگ ایڈورڈ کاٹن ملز
۷۔ ظہور الحسن صاحب ولد محمد نور صاحب پتلی گھر کاٹن ملز سنٹرل جیل نمبر ۲

۴۸۔ محمد اسلم صاحب ولد محمد انور صاحب محلہ دھوبی گھاٹ
۴۹۔ منظور حسین صاحب ولد شیخ اللہ دتہ صاحب چنڑہ منڈی
۵۰۔ شریف صاحب ولد محمد یعقوب صاحب گوبند پورہ
۵۱۔ بشیر احمد صاحب ولد نور محمد صاحب مائی دی جھگی
۵۲۔ لال دین صاحب ولد جنگو شاں صاحب مائی دی جھگی
۵۳۔ محمد دین صاحب ولد جابے شاہ صاحب محلہ گورونانک پورہ گلی نمبر۵ مکان نمبر۱۵
۵۴۔ عبدالقدیر صاحب ولد عبداللطیف صاحب کچہری بازار پینٹرز صاحب
۵۵۔ ماسٹر عطا محمد صاحب ولد سابق سالار محلہ ہرچرن پورہ نمبر۱ ۔
۵۶۔ مولوی تاج دین صاحب ولد محمد رمضان صاحب محلہ ہرچرن پورہ نمبر۱ گلی نمبر۳
۵۷۔ محمد اکبر صاحب ولد محمد حسین صاحب محلہ ہرچرن پورہ نمبر۱ گلی نمبر۳
۵۸۔ جمال دین صاحب ولد غلام محمد صاحب محلہ ہرچرن پورہ نمبر۱ گلی نمبر۵
۵۹۔ محمد اسمٰعیل صاحب ولد مہتاب دین صاحب محلہ ہرچرن پورہ نمبر۱ گلی نمبر۲
۶۰۔ محمد شریف صاحب ولد چراغ دین صاحب محلہ ہرچرن پورہ نمبر۱ گلی نمبر۲
۶۱۔ محمد شریف صاحب ولد سراج دین صاحب محلہ ہرچرن پورہ نمبر۱ گلی نمبر۲
۶۲۔ معراج دین صاحب ولد خیر دین صاحب محلہ ہرچرن پورہ نمبر۱ گلی نمبر۲
۶۳۔ عبدالمجید صاحب ولد محمد اکبر صاحب محلہ ہرچرن پورہ نمبر۱ گلی نمبر۶
۶۴۔ محمد شریف صاحب ولد علی محمد صاحب محلہ ہرچرن پورہ نمبر۱ گلی نمبر۶
۶۵۔ محمد رشید صاحب ولد علی بخش صاحب محلہ کارخانہ بازار
۶۶۔ اللہ دتہ صاحب ولد مولا بخش صاحب جھنگ بازار گلی نمبر۳ مکان نمبر۲۴۳
۶۷۔ لال حسین صاحب ولد فرزند علی صاحب محلہ ہرچرن پورہ
۶۸۔ سراج دین صاحب ولد چراغ دین صاحب گورونانک پورہ
۶۹۔ شیخ محمد دین چشتی صاحب ولد عزیز الدین صاحب محلہ ہرچرن پورہ گلی نمبر۲
۷۰۔ محمد علی صاحب ولد پیر شاہ صاحب گیلانی چوک لائل پور
۷۱۔ کریم الدین صاحب ولد رحمت اللہ صاحب جنٹلمین واچ کمپنی کچہری بازار
۷۲۔ ماسٹر عبدالغفور صاحب ولد اللہ بخش صاحب گورونانک پورہ لائل پور
۷۳۔ قمر الدین صاحب ولد اللہ دتہ صاحب ڈگلس پورہ لائل پور
۷۴۔ تاج الدین صاحب ولد فضل محمد صاحب گول مارکیٹ کارخانہ بازار
۷۵۔ عبداللطیف صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب چک نمبر۲۴۳ تحصیل جڑانوالہ ضلع لائل پور

۷۶۔ عبدالرشید صاحب ولد نور الٰہی صاحب محلہ سنت پورہ

۷۷۔ شیر محمد صاحب ولد محمد حسن صاحب محلہ سنت پورہ

۷۸۔ محمد رفیق صاحب ولد نور دین صاحب محلہ سنت پورہ

۷۹۔ محمد رمضان صاحب ولد فضل دین صاحب محلہ سنت پورہ

۸۰۔ عبداللطیف صاحب ولد ولایت علی صاحب محلہ سنت پورہ

۸۱۔ فضل محمد صاحب ولد حیدر علی خاں صاحب گلی وکیلاں

۸۲۔ محمد شریف صاحب ولد غوث صاحب سمندری ضلع لائل پور

۸۳۔ محمد جمیل صاحب ولد محمد اعظم صاحب سمندری ضلع لائل پور

۸۴۔ فضل الرحمان صاحب ولد اللہ بخش صاحب سمندری ضلع لائل پور

۸۵۔ فضل کریم صاحب ولد بڈھا صاحب سمندری ضلع لائل پور

۸۶۔ محمد صابر صاحب ولد غلام قادر صاحب سمندری ضلع لائل پور

۸۷۔ محمد شریف صاحب ولد محمد علی صاحب سمندری ضلع لائل پور

۸۸۔ عبدالرشید صاحب ولد غلام رسول صاحب سمندری ضلع لائل پور

۸۹۔ محمد اسحاق صاحب ولد محمد یوسف صاحب سمندری ضلع لائل پور

۹۰۔ محمد اسلم صاحب ولد راجہ جلال صاحب سمندری ضلع لائل پور

۹۱۔ عبدالرشید صاحب ولد نور محمد صاحب چک نمبر ۴۳۲ ضلع لائل پور

۹۲۔ محمد علی صاحب ولد نصرت دین صاحب سمندری ضلع لائل پور

۹۳۔ محمد حسین صاحب ولد نبی بخش صاحب سمندری ضلع لائل پور

۹۴۔ سراج دین صاحب ولد دین محمد صاحب سمندری ضلع لائل پور

۹۵۔ محمد رفیق صاحب ولد نذر صاحب سمندری ضلع لائل پور

۹۶۔ محمد شبیر صاحب ولد محمد شفیع صاحب سمندری ضلع لائل پور

۹۷۔ محمد حنیف صاحب ولد حاجی حسین علی صاحب سمندری ضلع لائل پور

۹۸۔ ایاز احمد صاحب ولد چوہدری محمد خاں صاحب ڈچکوٹ

۹۹۔ محمد علی صاحب ولد محمد عظیم صاحب ڈچکوٹ

۱۰۰۔ اللہ رکھا صاحب ولد روڈا صاحب ڈچکوٹ

بہرحال دعائے خیر ہوئی صاحبزادہ صاحب اور رضاکاروں کو پھولوں سے لاد دیا گیا۔ قافلہ روانہ ہوا الوداع کہنے کے لئے کوئی ایک لاکھ انسانوں کا ہجوم تھا ہوا سمندر ہمراہ تھا جامع مسجد سے ریلوے سٹیشن تک تقریباً ایک میل کا فاصلہ بمشکل دو گھنٹے میں طے ہوا۔ ریلوے سٹیشن پر پہنچ

کر صاحبزادہ صاحب نے مجمع سے ایک ایمان افروز خطاب کیا اور اپنے عہد کا اعلان کیا کہ ہم ناموس مصطفےٰ پر اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لئے گھروں سے سروں پر کفن باندھ کر اور سفینے جلا کر نکلے ہیں پاکستان میں ہمارے ہوتے ہوئے ختمی مرتبتؐ کی شان میں کسی کو کسی قسم کی گستاخی کی اجازت نہیں دی جائے گی خواجہ ناظم الدین کی حکومت کو سواد اعظم کا مطالبہ تسلیم کرنا ہو گا یا حکومت کی گدی چھوڑ دینا ہو گی نعروں کی گونج اور انتہائی جوش و خروش کے عالم میں صاحبزادہ صاحب کی تقریر ہوئی اسی اثنا میں بتایا گیا کہ لاہور جانے والی ٹرین کا وقت ہو گیا ہے صاحبزادہ صاحب نے تقریر ختم کر دی اور لوگوں کی دعائیں ساتھ لیتے ہوئے گاڑی پر سوار ہو گئے ایک سو رضاکار بھی ہمراہ سوار تھے اس کے علاوہ گاڑی میں تمام سوار مسافر بھی وقتی طور پر تحریک میں شامل لوگ معلوم ہونے لگے۔ نعرے گونج رہے تھے ختم نبوت زندہ باد مرزائیت مردہ باد کی آوازیں گاڑی کے شور و شغب پر غالب آ رہی تھی۔ ۳ مارچ ۱۹۵۳ء کو تحریک ختم نبوت کے تیسرے دن قافلہ سالار صاحبزادہ ظہور الحق مقرر کئے گئے صبح سے ہی لوگوں کا ایک بہت بڑا اژدھام جامع مسجد میں جمع ہو گیا تھا۔ ایک سو رضاکاروں کا قافلہ ترتیب دیا گیا۔ جامع مسجد کے صحن میں ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا قافلے کو الوداع کرنے کے لئے تحریک کے راہنماؤں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا مولانا محمد یعقوب لورائی مولانا عبدالرحمن ہزاروی اور دوسرے کئی ساتھیوں نے شعلہ نوائی کی آخر میں راقم الحروف نے حکومت کو ایک بار پھر للکارا کہ وہ ہوش کے ناخن لے وہ سوچے کہ وہ مملکت خداداد پاکستان کے منتظم اور متولی ہو کر ارتداد کی حفاظت اور اسلام کے خلاف جھگڑالو ٹکڑیوں کے ساتھ پولیس اور فوج کو لے کر صف آراء ہو گئی ہے مجھے اس حکومت کا وہی حشر نظر آ رہا ہے۔ جو اس سے پہلے بڑے بڑے فراعنہ کا جنہوں نے حق کو مٹانے اور باطل کی حمایت کی راہ اختیار کی تھی ہوا تھا۔

میری ان دنوں حالت یہ تھی کہ فیصلہ کر لیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور آپؐ کی آبرو پر جان نچھاور کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اس لئے دل و دماغ زبان الفاظ بیان کچھ اور ہی کا طرح ہو گیا تھا خود روتا تھا۔ دوسروں کو رلاتا تھا۔ یہ ایمان پرور اجتماع کوئی دو گھنٹے جاری رہا جلوس روانہ ہوا اور مولانا ظہور الحق کو مشاہدات کے نئے فیصلہ کی روشنی میں لاہور بھیجنے کی بجائے ڈپٹی کمشنر صاحب کے بنگلہ پر بھیجا گیا۔ ابن حسن ڈپٹی کمشنر صاحب تھے انہوں نے جب دیکھا کہ مولانا صاحبزادہ صاحب ہاروں سے لدے ہوئے' پچیس تیس ہزار شمع ختم نبوت کے پروانوں کے جلوس کے ہمراہ ان کے بنگلہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ تو انہوں نے مناقشہ حکمت عملی اختیار کی اور جلوس کے ہمراہ چل پڑے اور سیدھے جیل چلے گئے۔ جیل کے دروازے پر پہنچ کر صاحبزادہ ظہور الحق صاحب کو گرفتار کر کے جیل میں داخل کر لیا گیا۔ لیکن دوسرے

رضاکاروں میں سے چند کو جیل کے اندر اور باقی رضاکاروں کو بسوں اور ٹرکوں میں بٹھا لیا جاتا۔ لوگ یہ سمجھے کہ اب گرفتاریاں مکمل ہو گئی ہیں اس لئے وہ واپس آ گئے لاریوں اور بسوں پر بٹھائے ہوئے ' رضاکاروں کو شہر سے دور لے جا کر دور دراز کے دیہات اور جنگلوں میں چھوڑ دیا گیا جو شام تک یا اگلے روز تک پھر تحریک کے مرکز جامع مسجد لائل پور میں پہنچ گئے۔

صاحبزادہ ظہور الحق صاحب برصغیر کے مشہور بزرگ حضرت مولانا سراج الحق کرنال شریف والوں کے صاحبزادے اور خانقاہ صابریہ سراجیہ لائل پور کے سجادہ نشین ہیں۔ لائل پور کے مشہور مولانا سردار احمد مرحوم انہی کے والد مولانا سراج الحق صاحب سے بیعت تھے اور اسی تعلق کی بنا پر قیام پاکستان کے بعد مولانا مرحوم صاحبزادہ صاحب کے پاس تشریف لائے قیام فرمایا اور انہی کے مدرسہ دارالعلوم صابریہ سراجیہ میں پڑھاتے رہے پھر شاہی مسجد جھنگ بازار میں منتقل ہو گئے اور اپنے مستقل اداروں اور مساجد وغیرہ کا اہتمام کیا۔ صاحبزادہ ظہور الحق محلہ ستہ پورہ لائل پور میں قیام پاکستان کے متصل ہی ایک گوردوارہ کے وسیع و عریض احاطہ میں آ کر فروکش ہو گئے معمولی جگہ پر اپنی رہائش رکھ لی اور باقی وسیع و عریض احاطہ میں دارالعلوم صابریہ سراجیہ اور اسی طرح صابریہ سراجیہ ہائی سکول کی بنیاد رکھ دی۔ اس سکول کو بہترین تعلیم و تربیت اور نظم و نسق کے حامل ہونے کی وجہ سے اتنی شہرت ملی کہ یہ تعلیمی ادارہ پنجاب کے مثالی اداروں میں شمار ہونے لگا۔ پھر حضرت صاحبزادہ صاحب نے دوسرے مختلف مقامات پر چھ یا سات ہائی سکول اسی نام سے اور کھولے جو نہایت ہی کامیاب تعلیمی اور تربیتی ادارے ثابت ہوئے جن پر اب حال ہی میں حکومت نے بلا معاوضہ قبضہ کیا ہے۔ صاحبزادہ صاحب پنجاب کے روایتی صاحب زادوں کی طرح نہیں بلکہ ملک اور قوم کا درد رکھنے والے اور اسلام کی خدمت کرنے والے صرف زبان سے ہی نہیں عمل سے سرانجام دینے والے بزرگ ہیں انہیں آغاز سے ہی تحریک تحفظ ختم نبوت کے ساتھ بڑی دلچسپی اور ہمدردی تھی۔ لائل پور میں جب تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کی مشترکہ میٹنگ ہوئی تو اس میں شریک ہوئے اور اپنی خدمات تحریک تحفظ ختم نبوت کے لئے پیش کر دیں انہیں مجلس عمل لائل پور کا رکن نامزد کیا گیا اور وہ برابر مجلس عمل کی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے رہے۔ جب تحریک ختم نبوت کے نوٹس کی میعاد ختم ہونے کو آئی تو صاحبزادہ صاحب نے اپنے مریدین متعلقین اور اپنی جماعت سراجیہ کا اجلاس طلب کیا اور اس میں تحریک کے تعاون کا فیصلہ فرمایا اس اجلاس کی کارروائی جو مجھے بحیثیت کنوینر مجلس عمل بھیجی گئی وہ حسب ذیل ہے۔

" آج ۲۵ فروری ۱۹۵۳ء جماعت سراجیہ لائل پور کا ایک ہنگامی اجلاس زیر صدارت حضرت صاحبزادہ محمد ظہور الحق صاحب چشتی سجادہ نشین دربار سراجیہ مرکزی دفتر جماعت سراجیہ

میں منعقد ہوا اور متفقہ طور پر فیصلہ ہوا کہ تحفظ ختم نبوت کے لئے وابستگان سلسلہ سراجیہ کو مجلس عمل کی ہدایات کا منتظر رہنا چاہئے اور بھرپور جوش و خروش کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو کر محبت تاج دار مدینہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی ثبوت دینا چاہئے۔

امیر جماعت سراجیہ حضرت صاحبزادہ نے اعلان کیا ہے کہ وابستگان سلسلہ سراجیہ کا فرض ہے کہ وہ ہر جگہ مجلس عمل کے ساتھ مکمل تعاون کریں اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔

سیکرٹری جماعت سراجیہ لائل پور۔

چنانچہ صاحبزادہ ظہور الحق صاحب ۳ مارچ کو رضاکاروں اور جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ دوسرے تیسرے روز انہیں جیل سے رہا کر دیا گیا یہ فیصلہ غالباً ان کی بزرگی کے پیش نظر کیا گیا۔ لیکن ہے حکومت کے پیش نظر یہ مصلحت بھی ہو کہ لائل پور کے بریلوی مکتب فکر کا سب سے بڑا ادارہ مولانا سردار احمد صاحب تحریک میں شامل نہیں ہیں اور ان کی وجہ سے بہت سے بریلوی تحریک کے ساتھ تعاون کرنے میں شامل ہیں۔ صاحبزادہ صاحب کی شرکت سے بریلویوں کی مولانا سردار احمد صاحب کے خلاف تلخی بڑھ رہی تھی اسے کم کرنے کے لئے صاحبزادہ صاحب کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ بہرحال جب وہ رہا ہوئے تو مجھے آکر ملے اور فرمایا کہ میرے لئے اب کیا حکم ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو دوبارہ رضاکاروں اور تحریک کے جلوس کی قیادت کر کے گرفتاری پیش کرنی ہے۔ فرمایا کہ میں بالکل حاضر ہوں چنانچہ ایک دن کے بعد آپ پھر رضاکاروں کے ہمراہ جلوس لے کر گئے اور دوبارہ گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن اس دفعہ چند دنوں کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا۔ جس کا صاحبزادہ صاحب یا ہمارے پاس کوئی علاج نہ تھا۔

۳ مارچ کوٹھی میں جلوس کو الوداع کہہ کر واپس گیا تو مجھے کسی خفیہ ذریعہ سے معلوم ہوا کہ ابھی ابھی ہوم سیکرٹری اور ڈپٹی کمشنر نے فون پر تبادلہ خیالات کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ آج رات مولانا تاج محمود کو گرفتار کر لیا جائے۔ میں یہ خبر سنتے ہی بس سٹینڈ پر کسی سرکلر روڈ پہنچا اور وہاں سے بس پر بیٹھ کر لاہور پہنچ گیا اور مولانا خلیل احمد قادری جو مولانا ابوالحسنات قادری صدر مجلس عمل کے صاحبزادے اور لاہور وزیر خان کی مسجد میں تحریک کے قائدین میں شامل تھے ان سے جا کر ملاقات کی۔ میں نے مولانا کو قائل کیا کہ لاہور سے کراچی رضاکار بھیجنے اور صرف کراچی میں تحریک جاری رکھنا ہر طرح ناقابل عمل ہے۔ ہمیں لاہور اور پنجاب کے ہر شہر میں تحریک کو جاری کرنا چاہئے۔ جلوس اور رضاکاروں کے قافلے ریلوے اسٹیشن کی بجائے گورنمنٹ ہاؤس جائیں۔ البتہ کراچی کے لئے رضاکاروں' روپے اور دوسری ہر طرح کی امداد

جاری رکھی جائے تاکہ وہاں بھی تحریک جاری رہ سکے۔ مولانا قادری نے میری تجویز سے اتفاق کیا اور کہا کہ ہم خود یہی سوچ رہے تھے آپ نے ہماری تائید کر دی ہے اور اب فیصلہ یہی ہوگا۔

مولانا قادری کے ساتھ چوہدری ثناء اللہ بٹ۔ مولانا بہاؤالحق قاسمی۔ اور دوسرے لوگ قیادت کر رہے تھے اور اسی روز مولانا عبدالستار خان نیازی بھی مسجد وزیر خاں میں پہنچ گئے تھے۔ لیکن میری ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ مولانا خلیل احمد قادری سے عرض کیا کہ حضرت تحریک کو پرامن رکھنا ہمارا فرض ہے اور ہمارے مفاد میں ہے۔ یہ حکومت کی کوشش ہوگی کہ توڑ پھوڑ ہو جائے' گاڑیاں روکی جائیں۔ بسیں جلائی جائیں تاکہ حکومت کو ظلم اور تشدد کا موقعہ مل جائے اور تحریک کو تشدد کے ذریعہ کچل دیا جائے۔ شام کو میں لائل پور واپس آگیا۔ گھر کہہ دیا کہ آج رات کو میں نہیں آؤں گا۔ البتہ پولیس آئے گی اسے بتا دینا کہ مولانا گھر نہیں ہیں بلکہ جامع مسجد کی بالائی منزل اپنے دفتر میں ہیں۔

میں رات کو حاجی غلام حسین بٹ مرحوم کے گھر پہنچ گیا وہیں چوہدری محمد عالم منساس اور تحریک کے ضروری ضروری کارکنوں کو بلا لیا گیا اور رات گئے تک مشاورت ہوتی رہی۔ رضاکاروں کی فہرستیں۔ ان کے لئے روٹی' ٹھہرنے کے انتظامات۔ روپیہ کی فراہمی وغیرہ کے معاملات پر غور کیا گیا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ رات کو میرے مکان واقع ریلوے کالونی کو پولیس کی بھاری جمعیت نے تین گھنٹے تک گھیرے رکھا ہے۔ بچوں کو پریشان کیا گیا۔ گھر کی تلاشی لی گئی اور جب یقین ہو گیا کہ میں گھر میں نہیں ہوں تو واپس تشریف لے گئے۔

۳ مارچ ۱۹۵۳ کا ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ اس روز خواجہ جمال دین بٹ صدر مجلس احرار اسلام لائل پور کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ خواجہ جمال دین بٹ امرتسر کے پرانے احرار اور نیشلسٹ کارکن ہیں قیام پاکستان کے بعد لائل پور میں آباد ہوئے۔ تقسیم ملک کے ایام امرتسر میں بڑے سخت فسادات ہوئے تھے۔ امرتسر شہر پورے ملک میں خاص اوصاف کا شہر تھا۔ وہاں کے لوگ بہادر۔ جذباتی اور انقلابی طبیعت کے تھے۔ فسادات کیا ہوئے۔ باقاعدہ جنگیں ہوئیں اس عرصہ میں خواجہ جمال دین بٹ نے بڑی قابل قدر خدمات سرانجام دی تھیں اور انسانیت نوازی میں انہیں بڑی شہرت اور عزت حاصل ہوئی۔ لائل پور آئے تو جماعت کے دوستوں نے انہیں مجلس احرار اسلام کا صدر اور مولانا عبیداللہ صاحب کو جماعت کا جنرل سیکرٹری منتخب کر لیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک تک یہی لوگ جماعت کے عہدیدار رہے۔ خواجہ صاحب مقرر نہ تھے بلکہ خاموش ورکر تھے اگرچہ انہوں نے کوئی نرم گرم تقریر نہ کی تھی لیکن جماعت کے ذمہ دار راہنماء تھے اس کے علاوہ ان کے میرے ساتھ گہرے روابط تھے اس زمانہ میں وہ بٹ موٹر ورکس کے حصہ دار تھے اور ہمارا وہاں آنا جانا سی آئی ڈی نوٹ کر رہی تھی اس لئے

پکڑ لئے گئے۔ بہرحال ۳ مارچ کا دن گذر گیا۔ مولانا مفتی محمد یونس صاحب صاحبزادہ افتخار الحسن شاہ اور صاحبزادہ ظہور الحق صاحب سجادہ نشین حضرت مولانا سراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان تین دنوں میں گرفتار ہونے والے رضاکاروں کے قافلوں کی قیادت کرتے ہوئے اپنی گرفتاریاں پیش کر چکے تھے۔ جب ۳ اور ۴ مارچ کی درمیانی شب حکومت مجھے گرفتار کرنے میں ناکام ہو گئی تو اب تحریک کو دبانے کے لئے کچھ فیصلے کئے گئے۔ چنانچہ ۴ مارچ ۱۹۵۳ء کو حکومت نے صبح سویرے ہی منادی شروع کر دی کہ پورے ضلع کی حدود میں جلسوں اور جلوسوں پر دفعہ ۱۴۴ کے تحت پابندیاں عائد کر دی گئیں ہیں۔ جو شخص قانون شکنی کا مرتکب ہوگا اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

ہم نے حسب معمول ۹ بجے سے پہلے پہلے تحریک کے مرکز جامع مسجد میں گرفتاری کے لئے ۱۰۰ رضاکاروں کا قافلہ تیار کر لیا اور تحریک کے چوتھے قافلہ سالار مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی کو جامع مسجد میں بلا لیا۔ حکومت کی طرف سے دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے اعلان نے جلتی پر تیل کا کام دیا اور بے پناہ ہجوم جامع مسجد میں جمع ہو گیا۔

تحریک کے انچارج کی حیثیت سے اور کسی حد تک گرفتاری سے محفوظ رہنے کے لئے میری رہائش جامع مسجد کی بالائی منزل میں تھی۔ رہائش کیا تھی پورا سیکرٹریٹ تھا۔ جامع مسجد کے عقب میں چترال ہاؤس کی طرف سے کھلنے والے دروازے سے اوپر جانے والی سیڑھیوں کے اوپر جاکر دو کمروں میں باقاعدہ ۲۴ گھنٹے کا دفتر اور عملہ کام میں مشغول رہتا۔ میں نے مجلس عمل کے جو ممبران باہر تھے انہیں بلوایا۔ مولانا محمد یعقوب نورانی۔ حکیم حافظ عبدالمجید تاجیا مرحوم اور مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی ہی باہر رہ گئے تھے ہم نے باہم مشورہ کیا کہ دفعہ ۱۴۴ کے متعلق کیا کرنا ہے لوگوں کے ہجوم اور جوش و خروش نے راہنماؤں کے خون کو بھی گرمایا ہوا تھا سب نے یہی مشورہ دیا کہ دفعہ ۱۴۴ کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دی جائیں۔

ہم اللہ کا نام لے کر نیچے اترے اور جلسہ شروع ہوا بڑی ولولہ انگیز اور ایمان پرور تقاریر کے بعد کوئی ایک لاکھ انسانوں کا سمندر جامع مسجد سے نکلا آج کا ہجوم اور جلوس بہت بڑا تھا اور اس کی ایک وجہ دفعہ ۱۴۴ کی ضد تھی دوسری وجہ یہ بھی کہ مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی کا اس زمانے میں دیوبندی مکتب فکر میں بہت احترام تھا اور وہ لوگ انہیں الوداع کہنے کے لئے آئے ہوئے تھے ڈپٹی کمشنر کے بنگلے میں گئے۔ ڈپٹی کمشنر جلوس کے ہمراہ جیل تک گئے۔ مولانا اور رضاکاروں کو گرفتار کر لیا گیا اور انہیں جیل میں بھیج دیا گیا۔ یہ تحریک کا چوتھا روز تھا شہر کے علاوہ ضلع کے قصبوں اور دیہات سے بے شمار رضاکار سروں پر کفن باندھے جامع مسجد میں پہنچ رہے تھے۔ کوئی ڈھائی تین ہزار آدمی کا کھانا ایک وقت پکایا جانے لگا۔ اب ہم نے سوچا کہ

اگر ۱۰۰ رضاکار روزانہ پیش کیے جانے لگے تو ان رضاکاروں کی باری کب آئے گی اور جو لوگ مزید آ رہے ہیں ان کا کیا بنے گا۔ فیصلہ کیا گیا کہ دن میں دو بار جلوس نکلے اور گرفتاریاں پیش کی جائیں۔ ایک ۱۰ بجے صبح اور دوسرا ظہر کی نماز کے بعد اس نئے فیصلے کی روشنی میں ۳ مارچ کو ہم نے ایک دوسرا جلوس ترتیب دیا۔ ظہر کی نماز کے بعد مختصر جلسہ ہوا اور جلوس ۱۰۰ رضاکاروں کو لے کر چل دیا۔

یہ جلوس حسب معمول ڈپٹی کمشنر صاحب کے بنگلہ پر پہنچا رضاکاروں کو وہیں بظاہر گرفتار کر لیا گیا لیکن انہیں جیل کے پھاٹک پر لے جا کر زدوکوب کیا گیا۔ ۱۵ رضاکار زخمی حالت میں میرے پاس مرکز میں واپس پہنچ گئے باقی رضاکاروں کو مار پیٹ کر ان سے نقدی وغیرہ چھین لی گئی اور انہیں جڑانوالہ کے قریب لے جا کر جنگلوں میں چھوڑ دیا گیا۔ رانا جہانداد خان لائل پور میں ایس پی تھے میں نے انہیں پیغام بھجوایا کہ آپ کے جس اے ایس پی نے آج جیل کے قریب میرے رضاکاروں کو زدوکوب کیا ہے اسے فوراً یہاں سے تبدیل کیا جائے یہ شخص اگر کل تک یہاں ہوا تو اسے نہ صرف رضاکاروں کو زدوکوب کرنے کی سزا دی جائے گی بلکہ لاہور کراچی اور ڈھاکہ میں گولیوں سے جن طالب علموں کو شہید اور زخمی کیا ہے ان کا بدلہ بھی اس سے لے لیا جائے گا۔

میں نے رانا صاحب پر واضح کر دیا کہ جس تحریک کو عوام کی اتنی زبردست حمایت حاصل ہو اس کے رضاکاروں پر تشدد کے لئے جو ہاتھ اٹھے گا توڑ دیا جائے گا۔

رانا صاحب بڑے سمجھ دار آدمی تھے انہوں نے مجھے اسی وقت پیغام بھیجا کہ ایسے واقعات کا اعادہ نہیں ہو گا اور اس پولیس افسر کو پولیس لائن میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

۵ مارچ کو بھی دن میں دو دفعہ ۱۰۰، ۱۰۰ رضاکاروں کے جتھے زبردست جلوسوں کے ہمراہ جاتے رہے اور گرفتاریاں پیش کرتے رہے۔ آج کے جتھے کی قیادت ایڈووکیٹ کے غلام رسول صاحب نے کی۔ اس طرح باہر دیہات سے بھی لوگ جلوسوں کی شکل میں شہر پہنچتے رہے اور دن خیریت سے گذر گیا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ البتہ لائل پور کے مقامی روزنامہ غریب اخبار میں مولانا سردار احمد صاحب کا ایک بیان شائع ہوا جس میں لوگوں کو پرامن رہنے کی تلقین کی گئی تھی۔ ہم خود ہر جلوس روانہ ہونے سے پہلے لوگوں کو پرامن رہنے کی تاکید کرتے تھے یہ بیان عوام میں چہ میگوئیوں کا باعث بنا رہا اس بیان کے دونوں مطلب لئے جا سکتے تھے اس لئے لوگ اپنے اپنے خیال کے مطابق مطلب نکالتے رہے۔ کچھ کا خیال تھا کہ وہ تحریک کے مخالف ہیں اس لئے انہوں نے دبے الفاظ میں پرامن کے الفاظ سے مخالفت کا اظہار کیا ہے اور کچھ کا خیال تھا کہ پرامن رہنا ہی ٹھیک بات ہے اس لئے انہوں نے ٹھیک بات کی ہے۔ اس

بیان کا پس منظر کیا تھا۔ ہمیں معلوم نہیں اور نہ ہی ہم نے اس بیان کے متعلق کوئی خاص تاثر قائم کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی اسے اپنے محاذ میں کوئی اہمیت دی کیونکہ اس میں مکمل کر ہماری مخالفت نہ تھی۔

تحریک ختم نبوت کے ابتدائی دنوں میں تحریک کے لئے ایک فنانس کمیٹی قائم ہوئی تھی۔ بہتر ہے کہ میں اس کا تذکرہ ابتداء ہی میں کرتا جاؤں۔

پہلے روز تحریک کا جلسہ عید گاہ میں ہوا تو احقر نے اپنی جوشیلی تقریر میں جہاں عوام کو تحریک کے لئے جانی قربانی پیش کرنے کے لئے کہا وہاں مالی امداد کی بھی اپیل کی۔ کافی رقم کے وعدے ہوئے لیکن جو اسی وقت سٹیج پر روپیہ جمع ہوا وہ تین ہزار کے قریب تھا جسے ہم نے مجلس احرار لائل پور کے خزانچی شیخ خیر محمد صاحب کے سپرد کر دیا۔ شیخ خیر محمد صاحب چمڑہ منڈی امین پور میں چمڑے کا کاروبار کرتے ہیں لاکھوں پتی اور انتہائی شریف النفس نیک طبیعت اور دیانت دار ساتھی ہیں۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب کے خاص معتقدین میں سے ہیں۔

دو تین دن تک تحریک کا حساب انہی کے پاس رہا۔ تیسرے یا چوتھے روز مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی کی پارٹی کے ایک صاحب نے علیحدگی میں مشورہ دیا کہ ہزاروں رضاکار مسجد میں پہنچ رہے ہیں۔ آپ کے ساتھی ایک ایک کر کے گرفتار ہو رہے ہیں آپ کے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں پولیس آپ کو آخر کار گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گی۔ کراچی بھی قافلے جا رہے ہیں۔ یہاں بھی کام ہو رہا ہے بہت زیادہ اخراجات کی ضرورت ہے آپ مالی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مخیر شہریوں کی ایک مالیاتی سب کمیٹی بنا دیں جو آمد و خرچ کی ذمہ دار ہو اور مالیاتی کمیٹی میں ایسے لوگ ہوں جو اپنے پاس سے بھی خرچ کرنے والے ہوں۔ میں نے تجویز سے اتفاق کیا اور تین باتوں کے پیش نظر مالیاتی سب کمیٹی بنانے پر رضامند ہو گیا۔

۱۔ مسلمان قوم چندے اور حساب کتاب کے معاملے میں بڑی عجیب و غریب واقع ہوئی ہے۔ مخلص سے مخلص کارکن اور راہنما پر بھی چندہ خوری کا الزام عائد کر دینا معمولی بات ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ جماعتوں میں اکثر بے ایمان قسم کے کارکن اچھے لوگوں کے اعتماد کو بھی خراب کرتے رہے ہیں اور اب تو دن بدن معاملہ اور بھی بدتر ہوتا جا رہا ہے۔

میں نے یہ سوچا کہ اس طرح جماعت کے غریب اور مخلص کارکنوں کا دامن اس گندگی سے بچا رہے گا اور کسی بدباطن شخص کو ان کے ایثار قربانی اور زندگی کو داغ دار کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملے گا۔

۲۔ تحریک کے اخراجات کی بہتات کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ مخیر لوگوں کی ایک جماعت اس کام کو سرانجام دے سکتی ہے۔

۳۔ خدانخواستہ اگر تحریک ناکام بھی ہو جائے گی اور کوئی دوسرا شخص مالی امداد دینے والا نہ رہے گا تو کم از کم یہ لوگ اپنے پاس سے ہی تحریک کے مالی تقاضوں کو پورا کرتے رہیں گے۔

چنانچہ میں نے اجلاس طلب کیا اور اس میں حسب ذیل تجّار حضرات کی ایک مالیاتی سب کمیٹی بنا دی۔

حاجی عبدالعزیز لدھیانوی۔ حاجی محمد اسماعیل لدھیانوی۔ حاجی محمد ابراہیم لدھیانوی۔ مستری عبدالرشید لدھیانوی۔ حاجی محمد دین۔ شیخ محمد عمر چنیوٹی۔ شیخ محمد رفیق چنیوٹی۔

اس کمیٹی کو رسید بکیں چھپوا لینے اور رقوم وصول کر کے رسیدیں جاری کرنے کا اختیار دیا گیا اور حساب کتاب کا مکمل طور پر انچارج بنا دیا گیا اور انہیں یہ کہہ دیا گیا کہ وہ اہم اخراجات کے لئے مجھ سے مشورہ کر لیا کریں گے۔

ایک اور اہم واقعہ تحریک کے ابتدائی دنوں میں یہ ہوا کہ تحریک کے معاونین کو ہراساں کرنے اور انہیں تحریک کے تعاون سے علیحدگی پر مجبور کرنے کے لئے حکومت نے بعض ساتھیوں کے مکانوں اور دوکانوں کی الاٹمنٹوں کی منسوخی کے احکامات جاری کرنا شروع کر دیئے۔ جب یہ بات میرے نوٹس میں آئی تو میں نے حکومت کو جھنجوڑا اور اسے نمرود کی خدائی سے تعبیر کرتے ہوئے حکومت کو عقل کے ناخن لینے کو کہا۔ میں نے لوگوں سے بھی اپیل کی کہ وہ اپنے حوصلے بلند رکھیں اور حکومت کی ان کمینہ حرکتوں سے پریشان نہ ہوں اور نہ ہی کوئی برا اثر قبول کریں اس سلسلہ میں حکومت کا نمونے کے طور پر ایک حکم یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔

اجلاس ڈپٹی کمشنر بحالیات لائل پور

مقدمہ الاٹمنٹ دوکان نمبر ۲۔ ۳ لائل پور نوٹس بنام حاجی سلطان احمد' محمد دین کریانہ والے لائل پور ۹ بجے ہمارے روبرو حاضر ہو کر وجہ ظاہر کریں کہ کیوں نہ آپ کو دوکان مذکورہ سے بے دخل کر دیا جائے کیوں کہ آپ اس الاٹمنٹ کے لئے موزوں نہیں ہیں بصورت عدم حاضری کارروائی ضابطہ عمل میں لائی جائے گی۔ مورخہ ۳۔ ۵ انسپکٹر تعمیل کرائیں۔

سراج الدین نائب انسپکٹر پولیس

(س) برائے ڈپٹی کمشنر بحالیات لائل پور

حکومت نے یہ ایک ایسا حربہ استعمال کیا جس سے لوگوں کا پریشان ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ مشورہ کے بعد معززین شہر کا ایک وفد ڈپٹی کمشنر صاحب لائل پور کے پاس بھیجا گیا۔ اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ الاٹمنٹوں کی منسوخی کے سلسلہ کو بند کر دیں اور اس طرح کے کمینہ حربوں سے لوگوں کو ہراساں نہ کیا جائے۔ ورنہ تلخی بڑھ جائے گی۔ اور شہر میں اس کا شدید ردعمل ہو

گا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کا دماغ درست ہو گیا انہوں نے وفد کو یقین دلایا کہ ایسا نہیں کیا جائے گا وفد نے مطالبہ کیا کہ آپ تحریری طور پر یقین دہانی کرائیں تاکہ ہم آپ کی تحریر مولانا تاج محمود کو دکھا سکیں۔ اور وہ لوگوں کو مطمئن کر سکیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے وفد کو ایک تحریر دے دی جس کے الفاظ حسب ذیل تھے۔

از دفتر ڈپٹی کمشنر لائل پور

ختم نبوت کی تحریک کے چند معززین کا ایک وفد آج صبح مجھے ملا۔ انہوں نے بتایا کہ متروکہ جائیداد کے قابض کو اس وجہ سے نوٹس بے دخلی دیئے جا رہے ہیں کہ وہ تحریک میں حصہ لے رہے ہیں محض سیاسی بناء پر کوئی نوٹس نہیں دیا جا رہا۔ جو کہ گورنمنٹ کی پالیسی ہے۔ اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جائے گا جو موجودہ نوٹس جاری کیا گیا ہے اسے منسوخ تصور کیا جائے۔

دستخط انگریزی ڈپٹی کمشنر بحالیات مورخہ ۵۳-۳-۷

ایک اور بات جس کا تذکرہ ابتداء ہی میں کر دینا مناسب ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم کراچی رضاکار بھیجنے کے علاوہ لائل پور میں مقامی طور پر بھی سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے تو سید ابن حسن ڈپٹی کمشنر لائل پور نے جلسوں میں لاکھوں انسانوں کی شرکت دن میں دو دفعہ رضاکاروں کے قافلوں کی روانگی اور عوام میں تحریک کی ہمدردی میں بے پناہ جوش و خروش کو دیکھ کر حکومت سے درخواست کی کہ اسے فوج کی امداد دی جائے۔ چنانچہ ۴ اور ۵ مارچ کی درمیانی شب ۸/۹ پنجاب رجمنٹ کی ایک بٹالین فوج لائل پور پہنچ گئی۔ یہ بٹالین غالباً کیمبل پور سے لائل پور پہنچی تھی اور اس کا تعلق توپخانہ سے تھا۔ اس کے انچارج کرنل حبیب تھے کرنل صاحب چک جھمرہ سے متصل رہنے والے ایک مشہور مرزائی خاندان عصمت اللہ کے عزیز تھے اور خود بھی مرزائی تھے۔ لائل پور پہنچنے سے پہلے ایک رات اس بٹالین نے ربوہ کے قریب پڑاؤ کیا تھا اور کرنل حبیب صاحب ربوہ میں اپنے پیر و مرشد مرزا بشیرالدین محمود اور دوسرے مرزائی راہنماؤں سے ملاقات کر کے آئے تھے اس بٹالین کے لائل پور پہنچتے ہی چند مسلمان سپاہی میرے پاس جامع مسجد میں خفیہ طور پر ملاقات کے ذریعہ مجھے کرنل حبیب صاحب اور اس کی سرگرمیوں اور عزائم سے آگاہ کر گئے اور مستقل رابطہ رکھنے کا بھی وعدہ کر گئے۔

کرنل حبیب کے آتے ہی سید ابن احسن ڈپٹی کمشنر صاحب لائل پور کا رویہ انتہائی سخت ہو گیا۔ اور وہ فوج کے آنے کے دو دن کے اندر بالکل بدل گیا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس سے پہلے خود فوج میں میجر تھا ایک سابق فوجی افسر ہونے کی

وجہ یہ ہے کہ نہایت صاف دل وضع کا آدمی تھا سخت گو ہونے کے باوجود ہم لوگوں سے اس کا رویہ کوئی اتنا نامعقول نہ تھا۔ بلکہ فروری کے آخری ہفتہ میں جب تحریک شروع ہونے ہی والی تھی اس نے ایک رات مجھے اپنے بنگلہ پر بلوایا اور مجھے کہا کہ آپ کیا کرنے والے ہیں میں نے اسے بتایا کہ ہم کچھ نہیں کرنے والے ہمارے مطالبات مذہبی مطالبات ہیں۔ معقول مطالبات ہیں اور انھیں ملک کی بہت بڑی اکثریت کی حمایت حاصل ہے وہ پورے ہونے چاہئیں تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ بالفرض اگر حکومت کسی مجبوری یا مصلحت کے باعث یہ مطالبات نہ مانے تو پھر کیا ہوگا۔ میں نے کہا راست اقدام کی تحریک ہوگی۔ وہ فرمانے لگے وہ کیا ہوگی میں نے کہا کہ سول نافرمانی ہوگی جس میں ہمارے روزانہ کچھ رضاکار اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا کریں گے۔

ابن حسن صاحب نے کہا کہ مجھے بڑی فکر ہے کہ یہ شہر صنعتی شہر ہے یہاں لیبر ہے بے کار اور بے روزگار لوگ بھی بہت ہیں آپ کی جماعت کا کافی زور ہے۔ اگر ساڑ پھونک یا توڑ کی پالیسی اختیار کی گئی تو خدا جانے اس خوبصورت شہر کا کیا بنے گا۔ میں نے کہا کہ توڑ پھوڑ اور ساڑ پھونک ہماری پالیسی نہیں ہے تحریک پرامن گرفتاریوں تک محدود رہے گی اور کوئی توڑ پھوڑ نہ ہو۔ کوئی مار دھاڑ نہ ہو کوئی شخص قتل نہ ہو آگے جو اللہ کو منظور ہے ہوگا۔

اب کرنل حبیب مرزائی فوجی افسر تھے انھوں نے ابن حسن صاحب کو تحریک اور مولانا تاج محمود دونوں کا نیا معنی مطلب سمجھایا اور دونوں کا ایک بھیانک تصور اس کے دماغ میں بٹھا دیا۔ فوجی کو فوجی بات اپیل کر گئی اور اس کا دماغ بالکل ہی پھر گیا۔

۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو یعقوب بٹ کی زیر قیادت رضاکاروں کا جتھا اور جلوس ریل بازار سے ہوتا ہوا ڈپٹی کمشنر صاحب کے بنگلہ پر پہنچا۔ صرف پچاس رضاکاروں کو گرفتار کیا گیا۔ دوسرے لوگوں کو ادھر ادھر لے جا کر چھوڑ دیا گیا۔

عصر کی نماز کے بعد دوبارہ جلوس گیا۔ تو رضاکاروں کو گرفتار نہیں کیا گیا بلکہ دور دراز جنگلوں میں جا کر چھوڑ آئے۔ اور ڈی سی صاحب نے مجھے پیغام بھجوایا کہ آئندہ میرے بنگلہ پر رضاکار نہ بھیجے جائیں میرے معصوم بچے نے آج اتنے دنوں سے دودھ نہیں پیا وہ ڈرتا ہے رات کو بچے سوتے نہیں ہیں اگر آپ لوگ نیک نیت ہیں اور ملک دشمن نہیں اور اگر آپ کا مقصد گرفتاریوں دینا ہی ہے تو یہ جلوس جامع مسجد سے کوتوالی جایا کرے میں نے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور جلوس کا راستہ حکومت کے مطالبہ کے مطابق کر دیا۔

۶ مارچ کو ہی شہر کے ایک محلہ مالی کی جھگی میں جھگڑا ہوا یہ علاقہ شہر سے دو میل باہر ہے شہر کی ایک دیہاتی آبادی کہہ لیجئے وہاں پولیس پہنچ گئی۔ میں نے فوری بیجے تحقیقات کرائی۔ مجھے

شبہ ہوا کہ اس جھگڑے کی تہ میں کوئی سازش کار فرما تھی شہر سے دو میل دور کسی جلسے جلوس کا ہمارا کوئی پروگرام ہی نہ تھا۔ دونوں پارٹیاں پولیس کے زیر اثر تھیں ایک نے تحریک ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا دوسری نے مردہ باد کہا اور ہنگامہ کھڑا ہو گیا پولیس پہنچ گئی ڈی سی صاحب نے رات کو ہوم سیکرٹری سے گولی چلانے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ تحریک کو تشدد کے ذریعہ ہی دبایا جا سکتا ہے ورنہ اسے روکنے کی اور کوئی صورت نہیں ہے لوگ پرامن ہیں رضا کار گرفتاریاں دے رہے ہیں اگر سب کو گرفتار کریں تو گنجائش نہیں نہ کریں تو کریں کیا۔ ہوم سیکرٹری پنجاب نے ڈی سی صاحب کو تشدد کرنے کی اجازت دے دی لیکن یہ ہدایت کی کہ شہر سے باہر جہاں عوام کا اژدہام نہ ہو بچ کر طاقت استعمال کی جائے۔ ڈی سی اور ہوم سیکرٹری صاحب کے درمیان رابطہ فون کے ذریعہ تھا۔ اور مجھے محکمہ ٹیلیفون کے ساتھیوں کی حمایت حاصل تھی ایک ایک منٹ کی خبریں مجھ تک پہنچ رہی تھیں۔

۷ مارچ کی صبح ہوئی تو میرا دل ڈر رہا تھا کہ اب یہ بے گناہوں کو تڑپانے کا فیصلہ کر چکے ہیں خدا جانے کیا ظلم کریں گے میں نے شہر کی تمام مساجد میں خطیب صاحبان کو چٹھیاں بھجوائیں کہ وہ اپنی اپنی مسجد کے لاؤڈ سپیکروں سے اعلان کریں کہ کوئی شخص مرکزی دفتر کے علاوہ کہیں کوئی جلوس جلسہ نعرہ بازی نہ کرے سول نافرمانی کی تحریک کا مرکزی دفتر جامع مسجد میں ہے وہیں جلسہ ہو گا وہیں جلوس نکلے گا اور وہیں سے رضاکار گرفتاریوں کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں گے۔ ۷ مارچ صبح ۹ بجے جامع مسجد میں جلسہ شروع ہوا میرا گلا بیٹھا ہوا تھا مسلسل تقریریں اور کئی راتوں سے آرام نہ کر سکنے کے باعث آواز خراب تھی اس لئے ہزاروں کا مجمع تھا میں نے جلوس کے راستے کے بدل دینے کا اعلان کیا حکومت کے مذموم ارادوں سے عوام کو خبردار کیا اور مرکزی جلوس کے علاوہ محلہ میں چھوٹے چھوٹے جلوسوں اور سرکاری سازشوں سے لوگوں کو آگاہ رہنے کی تلقین کی آج کے جلوس کی قیادت گوجرہ کے مولانا عبدالکریم صاحب کر رہے تھے اسی جلوس کے ہمراہ شیخ بشیر احمد صدر سٹی مسلم لیگ اور لائل پور کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد صاحب انوری بھی تھے ۱۰۰ رضاکاروں کا قافلہ اور کوئی ایک لاکھ انسانوں کا جلوس کوتوالی جا پہنچا گرفتاریاں ہو گئیں۔

مقامی طور پر تحریک چلانے کے علاوہ ہم مرکزی راہنماؤں کے فیصلہ کے مطابق برابر کراچی رضاکار بھیج رہے تھے ہر دوسرے روز ایک سو رضاکاروں کا قافلہ کراچی کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ کراچی میں تحریک کو جاری رکھنے کے لئے بڑے ثابت قدم اور پختہ عزم کے رضاکاروں کا انتخاب کرنا ہوتا پھر ان کے لئے ہر قسم کے ساز و سامان کی تیاری بڑی ضروری ہوتی تھی اس لئے ایک دن ناغہ اور دوسرے روز قافلہ جاتا پھر ان رضاکاروں کو بالکل خفیہ بھیجنا ہوتا تھا تاکہ

مقامی حکام کو کچھ علم نہ ہو سکے تاکہ ایسا نہ ہو کہ انھیں یہیں روک لیا یا راستے میں اتار لیا جائے بڑی احتیاط سے یہ کام ہوتا تھا۔

۷ مارچ کو کراچی کے لئے ایک سو رضاکاروں کے قافلہ نے بھی روانہ ہونا تھا۔ دوپہر سے پہلے قافلہ کی روانگی جلوس اور گرفتاریوں میں فارغ ہو کر ہم نے ایک سو رضاکار بالکل سادہ لباس میں ریلوے اسٹیشن پر جانے کے لئے کہہ دیا تاکہ وہ متفرق طور پر چناب ایکسپریس کے وقت تک اسٹیشن پر پہنچ جائیں ان رضاکاروں کو دوپہر کا کھانا جامع مسجد میں کھلا دیا گیا تھا رات کے لئے روٹیاں اور خشک قسم کا سالن علیحدہ اسٹیشن پر بھیج دیا گیا اس کے علاوہ بھنے ہوئے چنے کی بوریاں علیحدہ بھیج دی گئیں گڑ کی چھوٹی بوری الگ بھیج دی گئی ان کے ۲۵ ر ۲۵ رضاکاروں کے دستے بنائے گئے ہر پچیس آدمیوں میں ایک کو اس دستے کا سالار بنایا جاتا اور ان کے لئے ایک انچارج سالار ہوتا تھا ہر رضاکار کی جیب میں پانچ روپے اور سالار کی جیب میں ایک سو روپیہ اور انچارج سالار کی جیب میں پانچ سو روپے ڈال دیئے جاتے تاکہ گرفتاری تک کے وقت میں انھیں کوئی پریشانی نہ ہو۔ ہمارے یہ رضاکار ریلوے اسٹیشن پر چناب ایکسپریس کے انتظار میں تھے ہم نے ظہر کے بعد جلسہ جلوس کا پروگرام حسب سابق مکمل کیا گرفتاریاں دے کر واپس اسٹیشن کا پروگرام معلوم کیا گاڑی کچھ لیٹ پہنچی اور تمام رضاکار اور ان کے سالار معہ سامان وغیرہ کے گاڑی میں سوار ہو کر خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے تھوڑی دیر بعد اچانک خبر آئی کہ ریلوے اسٹیشن جہاں خانوالہ والے پھاٹک کے قریب پولیس والے گولی چلا رہے ہیں کئی لوگ شہید اور کئی زخمی ہو گئے ہیں سخت صدمہ ہوا یہ صدمہ کم از کم میرے لئے بالکل متوقع تھا میں رات سے ہی ڈپٹی کمشنر اور ہوم سیکرٹری کی باہمی گفتگو سے مطلع ہو چکا تھا۔

اب میرا خیال ادھر گیا کہ گاڑی میں ہمارے ایک سو رضاکار سوار تھے حکومت کو ان کی خبر ہو گئی ہو گی اس لئے حکومت نے پھاٹک پر گاڑی کو روک کر انہی لوگوں پر گولی چلائی ہے میں نے اپنے سیکرٹری مسٹر قمر کو بھیجا کہ تم خود جاؤ اور فوراً سرسری جائزہ لیکر آؤ کہ کیا ہوا ہے لوگ دوڑے ہوئے میرے پاس پہنچ رہے تھے چیخ و پکار اور ایک واویلا بلند ہو رہا تھا لوگ مشتعل تھے کہ حکومت نے ڈرامہ کیا ہے اور بہانہ بنا کر گولی چلائی ہے اور کئی ماؤں کے لال شہید کر دیئے ہیں۔

کچھ دیر بعد شہیدوں کو اٹھا کر جامع مسجد میں لے آئے ان کی چارپائیاں ایک دوسرے کے پہلو میں رکھ دی گئیں شہر میں کہرام مچ گیا لوگ آ رہے تھے انھیں پہچان رہے تھے بالآخر مغرب کی نماز تک تین شہیدوں کے گھروں اور ورثہ کا پتہ چل گیا۔ چوتھے جو ایک نوجوان تھے ان کی شناخت نہ ہو سکی اور عشا کی نماز کے بعد تک اس کا کوئی والی وارث نہ آیا۔ وہ رات ہمارے

لئے انتہائی مصیبت کی رات تھی۔ کوئی دو ڈھائی ہزار رضا کار تھے جو مسجد میں مقیم تھے سب نے یہ رات جاگ کر کاٹی۔ کچھ نفلیں پڑھتے رہے اور کچھ کلمہ طیبہ کے بلند آواز ذکر میں شامل رہے۔ شہر کے بے شمار لوگوں نے بھی یہ رات مسجد میں ہی گزاری ایک ایسی غم انگیز کیفیت تھی جسے بیان نہیں کیا جا سکتا عشاء کے بعد میرے دفتر میں میرے ایک پرانے ساتھی سید معظم علی شاہ صاحب تشریف لائے شاہ صاحب ایبٹ آباد کے قریب باغ پیر خاں کے رہنے والے ہیں وہ آج کل امین پور بنگلہ ضلع جھنگ کے قریب رہتے ہیں۔ ان دنوں وہ لائل پور کے قریب کے کسی گاؤں میں تھے۔ اس وقت چالیس سال عمر ہو گی فدائی قسم کے مسلمان ہیں پہلے بھی تحریک کشمیر اور تحریک پاکستان وغیرہ میں حصہ لے چکے ہیں۔ انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں قید و بند کی تکلیفیں بھی برداشت کر چکے ہیں ان کے کپڑے خون میں لت پت میرے پاس پہنچے۔ اور اندر داخل ہوتے ہی اندر سے دروازے کو کنڈا لگا دیا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کپڑوں پر خون کیسا وہ خاموش رہے انہیں غور سے دیکھا تو انتہائی غضب ناک حالت میں تھے۔ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں فرمایا یہ شہیدوں کا لہو ہے جب ان یزیدیوں نے گولی چلائی اور کئی ماؤں کے لال شہید ہو گئے کئی زخمی ہو گئے میں وہاں پہنچا مجھے پولیس نے روکا مجھے جلال آ گیا میں نے کہا میں آگے جاؤں گا کوئی دنیا کی طاقت مجھے شہیدوں اور زخمیوں کے پاس جانے سے نہیں روک سکتی۔ تمہیں مجھے آگے جانے دینا ہو گا۔ یا گولی مار دینا ہو گی۔ بالآخر میں آگے چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ زخمیوں کو پولیس اٹھا کر ہسپتال لے گئی ہے لوگ کہتے تھے کہ کچھ شہیدوں کو بھی اٹھا کر لے گئی ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہاں لے گئی ہے۔ یہ چار فٹ کے خون میں تڑپتے ہوئے لاشے مجھے وہاں ملے میں انہیں ایک ایک کر کے اکیلا ہی اٹھا کر لاتا رہا اور پولیس کے حلقے سے نکال کر لوگوں کے سپرد کرتا رہا اور اس طرح ان شہیدوں کو مسجد میں پہنچایا جا چکا ہے

اب میں آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا ہوں یہ کہتے ہوئے انہوں نے اچانک اپنے کمبل میں سے ایک سٹین گن نکالی اسے لوڈ کیا میرے سامنے رکھ دی کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ جس ابن حسن ڈپٹی کمشنر نے آج یہ گولی چلانے کا حکم دیا ہے اور ان بے گناہوں کو شہید کیا ہے۔ اس ظالم انسان کو اگر میں جا کر قتل کر دوں اور پھر اس پاداش میں مجھے سزائے موت ہو گی۔ وہ شہادت کی موت ہو گی یا نہیں ہو گی۔ میں پہلے ہی پریشان تھا۔ ننگے سر، بال بکھرے ہوئے اور کمر میں غم و اندوہ کی وجہ سے ایک پٹکا کمر بند کے طور پر باندھ رکھا تھا۔ طبیعت انتہائی مشتعل اور بدحال مجھے لائل پور کی بارونق جامع مسجد دشت کربلا نظر آ رہی تھی۔ اب اس سوال سے میں اور بھی پریشان ہو گیا میں نے اپنے حواس پر قابو پایا تھوڑا غور کیا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر میں اسے یہ کہہ دوں کہ شاہ جی ڈپٹی کمشنر کو قتل کرنا نامناسب اور جائز نہیں

ہو گا تو عین ممکن ہے کہ یہ بپھرا ہوا انسان مجھے ہی گولی مار کر ڈھیر کر دے۔ میں نے کہا شاہ جی یہ مسئلہ بڑا اہم ہے اس کا تعلق میری اور آپ کی عاقبت سے ہے میں اس وقت بہت پریشان ہوں میرا دماغ کام نہیں کر رہا آپ مجھے تھوڑی مہلت دیں تاکہ میں ٹھنڈے دل و دماغ سے اس مسئلہ کا صحیح صحیح جواب دے سکوں۔

سید معظم علی شاہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ لائل پور کے اس قاتل ڈپٹی کمشنر جس نے گولی چلانے کا حکم دے کر ختم نبوت کے پروانوں کو خاک و خون میں تڑپا کر شہید کیا ہے اس کے قتل کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق آپ مجھے کب جواب دیں گے میں کتنی دیر بعد آپ سے دریافت کروں میں نے عرض کیا شاہ جی آپ مجھے سوچنے کے لئے ایک گھنٹے کی مہلت دے دیں اس نے کہا ٹھیک ہے۔ میں جاتا ہوں میں نے کہا آپ کو کہیں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس نے کہا آپ مجھے پابند نہ کریں۔ میں ایک گھنٹہ کے بعد پھر حاضر ہو جاتا ہوں۔ میں نے کہا نہیں اس وقت تحریک ختم نبوت کی مقامی مجلس عمل نے مجھے انچارج اور امیر بنایا ہوا ہے۔ یہ میرا حکم ہے آپ کہیں نہیں جا سکتے۔ آپ ساتھ والے کمرے میں آرام کریں اور مجھے مزید پریشان نہ کریں۔ وہ مان گئے اور ساتھ والے کمرہ میں لیٹ گئے میں نے دو نفلیں پڑھیں اللہ سے خاص مدد مانگی اور درود پڑھ کر اور گڑگڑا کر دعا کی کہ الٰہی اس عقدہ کو تو ہی حل کرنے والا ہے دعاؤں سے میرے دل کو کچھ سکون اور اطمینان ہوا اتنے میں ایک گھنٹہ گزر گیا معظم علی شاہ صاحب دروازہ کھول کر سٹین گن ہاتھ میں تھامے آئے میرے سامنے آلتی پالتی بیٹھ گئے سٹین گن اپنے سامنے رکھ لی اور پھر انہیں غضبناک آنکھوں اور لہجے سے پوچھا مولانا صاحب میرے سوال کا جواب دے دیجئے میں اس مردود ڈپٹی کمشنر کو قتل کر دینا چاہتا ہوں۔ میرے دل میں ایک آگ سی لگی ہوئی ہے جب تک میں یہ اپنا فرض سرانجام نہیں دے لیتا مجھے چین نہیں آ رہا اور میرا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہو سکتا۔

میں نے شاہ جی سے پرمحبت بھرے لہجے میں بات کی ان کے جذبے۔ ان کی ایمانی غیرت اور حضور سرور کائنات ؐ کے عشق میں جانی قربانی کے عزم کو سراہا۔ اور پھر عرض کیا کہ حضرت ابھی میں کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکا اب مجھے اس کے متعلق استخارہ کرنا ہو گا۔ جو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیں گے اس کے مطابق مشورہ دوں گا۔ شاہ جی خاموش ہو گئے پھر بولے آخر آپ مجھے کب جواب دیں گے۔ میں نے کہا صبح انہوں نے کہا ایسا نہیں بلکہ آپ مجھے رات دو اڑھائی بجے تک جواب دے دیں کیونکہ صبح سورج نکلنے سے پہلے میں اس شخص کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا بہت اچھا آپ ساتھ والے کمرے میں آرام کریں۔ وہ وہاں جا کر لیٹ گئے۔ میں اپنے ضروری کاموں میں مصروف ہو گیا۔ رات ایک بجے کے

قریب میں نے پھر وضو کیا نفل پڑھے۔ اللہ سے دعا کی اور تھوڑی دیر لیٹ گیا۔ دعائے استخارہ بھی پڑھ لی۔ نیند تو آ ہی نہیں سکتی تھی کوئی آدھ گھنٹے تک بالکل خالی الذہن ہو کر سوچا حضرت امیر شریعت کا فرمان کانوں میں گونجتا تھا۔ کہ تحریک کو بہرحال پرامن رکھنے کی کوشش کرنا ہے۔ شرعاً بھی میرے ذہن میں یہ بات آتی تھی کہ اگر بالفرض سید ابن حسن ڈپٹی کمشنر کے حکم سے ہی ان مظلوموں کو قتل کیا گیا ہو تو بھی اس قصاص اور بدلے کا حق ہمیں کس طرح ہو سکتا ہے۔ ہم اس کو قتل کر دینے کے مجاز نہیں ہیں۔ بہرحال میرا ذہن صاف ہو گیا۔ اب میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے جرأت کر کے اسے کہہ دینا چاہیے کہ یہ قتل ناحق ہو گا جس کا ہمیں حق حاصل نہیں ہے۔

میں نے ایک رضاکار کو کہا کہ وہ جائے اور دیکھے کہ شاہ صاحب سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں۔ اس نے دیکھ کر کہا کہ شاہ صاحب سو رہے ہیں لیکن ان کی سٹین گن کہیں پڑی ہے۔ پشاوری گلے پر بندھی ہوئی گھڑی کہیں ہے اور شاہ صاحب کہیں ہیں۔ میں نے اسے کہا کہ فوراً سٹین گن اٹھا لے اور میرے کمرہ کی الماری میں بند کر کے تالا لگا دے۔ وہ سٹین گن لایا اسے تالے میں بند کر دیا گیا میں نے کہا اب جاؤ شاہ صاحب کو کہو کہ انہیں ہمارا استخارہ مکمل ہو گیا ہے۔ وہ شاہ کو جگا لایا۔ میں نے شاہ صاحب سے بڑے ہی محبت بھرے لہجے میں بات چیت شروع کی ان کی خدمت کو سراہا۔ ان کی جرأت ایثار قربانی اور عشق رسول ﷺ پر مرمٹنے کی تمنا کی تعریف کی اور عرض کیا کہ ڈپٹی کمشنر کو قتل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ظلم سہنا ہے۔ ظلم کرنا نہیں ہے خونریزیوں کے ہاتھوں اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہے لیکن کسی پر ہاتھ نہیں اٹھانا ہے۔ یہی شریعت کا منشہ ہے۔ اور یہی مجھے میرے لیڈروں کی ہدایت ہے۔

اب اگر خدانخواستہ یہ کام آپ کریں گے تو یہ خلاف شرع ہو گا۔ ذاتی اور نفسانی غصے کی وجہ سے ہو گا اور آپ جب اس کی پاداش میں خدانخواستہ پھانسی پائیں گے تو وہ موت شہادت کی نہیں ہو گی۔

شاہ جی سو کر اٹھے تھے ان کے رات کے جذبات اور غصہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ کہنے لگے اچھا! پھر کہنے لگے آپ مجھے اجازت دے ہی دیں میں اس موذی کو ٹھکانے لگا دوں تاکہ دوسرے بے ایمانوں کو عبرت ہو۔ میں نے کہا شاہ جی اب تو آپ نے مسئلہ کے فیصلہ کی پابندی کرنی ہے اور بس کہنے لگے لاؤ میری وہ سٹین گن کہاں ہے۔ میں نے کہا آپ کے پاس تھی کہنے لگے کسی نے سوتے وقت اٹھا لی ہے۔ اچھا میں اب باہر جاتا ہوں میں نے دیکھا کہ حکمت عملی سے سمجھانا کارگر ہو گیا ہے تو میں نے آخر میں ایک بات اور بھی کہہ دی میں نے کہا شاہ جی آپ کا غصہ

اتر گیا ہے؟ انہیں کہنے لگے غصہ تو اتر گیا میں نے کہا اگر رات کو غصے میں آپ یہ فعل کر گزرتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کو حکومت سرکاری گواہ بناتی اور شاید قتل کے جرم میں سزائے موت تحریک کے راہنماؤں کو ہوتی۔ بہرحال رات گزر گئی۔ صبح ۳ بجے کا وقت ہو گیا سب رضاکار جاگ گئے مسجد بھری ہوئی کوئی نفلوں اور کوئی ذکر کار میں مصروف ہو گیا۔ اور اس طرح بقول سودا۔

الٰہی تو رات کٹ گئی تیرے فسانہ میں

اس مصیبت اور الم کی رات میں میری دوسری پریشانی یہ تھی کہ ان چار میتوں میں ایک ایسے خوبصورت نوجوان کی میت بھی تھی جس کے ورثاء نہیں آئے تھے۔ رات ۱۱ بجے کے قریب ایک صاحب آئے اور کہا کہ اس نوجوان کی لاش مجھے دے دی جائے میں نے کہا تمہارا کیا لگتا ہے۔ اس نے کہا میرا کچھ نہیں لگتا لیکن یہ ہمارے ہمسائے کا لڑکا ہے۔ میں نے کہا اس کے ماں باپ ہیں اس نے کہا اس کے ماں باپ موجود ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ ان کا لڑکا گولی سے مارا گیا ہے اس نے کہا انہیں معلوم ہو گیا ہے میں نے کہا کہ جاؤ انہیں بھیجو اس کی لاش ہم تمہیں نہیں دیں گے۔ وہ آ کر اس کو دیکھ جائیں لیکن ساری رات کوئی نہ آیا میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس ۲۲ سالہ خوبصورت شہزادے نوجوان کی ماں کس طرح گھر میں چین سے بیٹھی ہوئی ہے۔ صبح سویرے پھر وہی رات والا آدمی آیا اور پھر اس نے یہی کہا کہ اس نوجوان کی لاش دے دو میں نے کہا تم عجیب آدمی ہو ہم اس کی لاش کیسے دے دیں اگر ہم تم کو لاش دیتے ہیں مسجد سے نکلتے ہی وہ لاش تم سے پولیس چھین لے گی۔ جاؤ اس کے ماں باپ کو فوراً بھیجو' وہ ایک گھنٹے بعد پھر آ گیا کہ اس کے ماں باپ نہیں آتے آپ اس کی لاش دے دیں میں نے کہا یہ نہیں ہو گا۔ اب ہم ان کی تجہیز و تکفین کرنے لگے ہیں جنازے کو عید باغ میں لے جا رہے ہیں انہیں کہو کہ اگر اس کا منہ دیکھنا ہے تو فوراً باغ میں پہنچ جائیں اور اس کی زیارت کر لیں قاضی عنایت اللہ چیرہ منڈی امین پور بازار کے ہمارے ایک ساتھی ہیں۔ بڑے سمجھ دار اور ذہین انسان انہوں نے مجھے علیحدہ لے جا کر کہا کہ مولانا اس نوجوان بچے کی لاش میں کوئی راز کی بات ہے جبھی تو اس کے ماں باپ نہیں آ رہے۔ ورنہ نوجوان بچے کی موت کا سن کر کوئی ماں باپ صبر کر سکتا ہے مجھے بھی شبہ اور پریشانی تھی لیکن کیا کر سکتا تھا خاموش رہا۔ منادی کر دی گئی تھی کہ ۱۰ بجے قبل دوپہر عید باغ دھوبی گھاٹ میں شہدائے ختم نبوت کے جنازے پڑھے جائیں گے۔ جنازے تیار ہو گئے بہت لمبے لمبے بانس جنازوں میں باندھ دیئے گئے۔ بڑے ہی دلخراش اور غم انگیز منظر میں ۹ بجے کے قریب جنازے اٹھے لوگ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کرتے ساتھ جا رہے تھے عید باغ میں چاروں

چارپائیاں ایک دوسرے کے پہلو میں رکھ دی گئیں صفیں درست کرائی گئیں۔ میرے اندازے کے مطابق لائل پور کی تاریخ کا یہ سب سے بڑا اجتماع تھا پورے عید باغ میں صفیں تھیں باہر جھنگ روڈ پر چوک گھوانہ تک پیچھے بھوانہ بازار میں بھی صفیں تھیں۔ ڈگلس پورہ مائیلہ میں گندے نالے کے پار اور ڈگلس پورہ کی گلیوں میں بھی صفیں تھیں۔ صفیں درست کرنے اور انتظام و اہتمام ہوتے ہوتے کوئی ڈھائی گھنٹے صرف ہو گئے۔ مولانا صاحبزادہ ظہور الحق صاحب اور اس احقر نے نماز جنازہ سے قبل شہدائے بدر و احد سے لیکر شہدائے ختم نبوت کی روحوں پر بلند آواز سے سلام بھجوائے۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے ہر شخص کی آنکھوں میں آنسو جاری تھے اور لوگ بڑے ان وقت پر نظریں بھیج رہے تھے۔

عید باغ لائل پور کی مشہور جلسہ گاہ ہے اس میں جلسوں کے لئے ایک مستقل اسٹیج بنا ہوا ہے یہ ایک اونچا چبوترہ ہے۔ اس چبوترہ پر شہدا کے جنازے رکھے گئے تھے جب نماز جنازہ پڑھائی جا چکی۔ تو پھر وہی رات والا آدمی میرے پاس پہنچا اور اس نے کہا کہ اس نوجوان شہید کے والدین آگئے ہیں۔ میں نے کہا انہیں بلاؤ وہ اپنے بیٹے کا منہ دیکھ لیں کیونکہ اب جنازے قبرستان لے جائے جائیں گے۔ وہ گیا ایک ادھیڑ عمر کے شخص کو اور دو برقعہ پوش خواتین کو لے آیا میں رات سے ہی حیران تھا کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے جس ماں باپ کا یہ جوان بیٹا گولی کا نشانہ بن گیا ہے اس کے ماں باپ نے رات اپنے گھر میں کیسے بسر کر لی ہے اور وہ کیسے صبر کرکے بیٹھے رہے اب میں نے ان تینوں کو غور سے دیکھا باپ اپنے بیٹے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اس پر غم و افسردگی چھائی ہوئی تھی وہ خاموش کھڑا رہا اور اپنے بیٹے کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ ایک عورت جو اس نوجوان کی ماں معلوم ہوتی تھی وہ بچے کے سرہانے کی طرف آئی اس نے اپنے بیٹے کے ماتھے پر بوسہ دیا اور وہیں بے ہوش ہو گئی۔ دوسری عورت جو اس نوجوان کی غالباً بیوی تھی اس کے پاؤں کے قریب بیٹھ گئی اس نے اس کے پاؤں پر منہ رکھنا چاہا لیکن وہ بے ہوش ہو گئی لوگوں نے دونوں کو سنبھالا دیا۔ یہ سب کچھ بڑی خاموشی سے ہو رہا تھا کوئی آہ و زاری رونا دھونا نہ تھا۔ اب اس سے میں اور بھی زیادہ شک میں پڑ گیا جب انہیں اس طرح پانچ منٹ گذر گئے تو میں نے ان سے تعزیتی کلمات کہے انہیں صبر کرنے کو کہا اور نوجوان کے منہ کو کفن سے ڈھانپ دیا گیا۔ جنازے اٹھا لئے گئے بڑے قبرستان تک لاکھوں انسانوں کا جلوس جنازہ کے ہمراہ گیا۔ وہاں انہیں دفن کر دیا گیا اور میں اس معاملہ پر برابر غور کرتا رہا اس مسئلہ میں صرف ایک شخص شیخ عنایت اللہ ہی میرے ہمراز رہے ہمیں کچھ یقین سا ہو گیا کہ اس نوجوان کے معاملے میں کوئی نہ کوئی راز ضرور ہے۔

میں اصل کہانی کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑتا ہوں اور اس نوجوان کے متعلق یہیں ذرا

تفصیل بتا دینا چاہتا ہوں۔ اس تحریک کے سلسلہ میں مجھے بالآخر گرفتار کر لیا گیا۔ لاہور شاہی قلعہ۔ لاہور سنٹرل جیل اور کیمبل پور جیل میں قید کاٹی ایک سال بعد رہا ہوا گھر واپس آیا۔ اور لائل پور آ کر پھر وہی بھرپور زندگی شروع ہو گئی۔ تقریباً ایک سال اور گزر گیا ایک دن میں بٹ موٹرورکس لائل پور پر اپنے دوستوں خواجہ جمال اندین بٹ حاجی غلام حسین اور قاضی جلال دین بٹ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کسی پٹرولیم کمپنی کے ایک آفیسر صاحب جو اکثر بٹ صاحبان کے پاس آیا جایا کرتے تھے تشریف لائے۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے۔ مولانا آپ کی تحریک میں ایک مرزائی نوجوان بھی گولی لگنے سے مارا گیا تھا۔ میں نے کہا وہ کون انہوں نے کہا آپ کو اب تک اس کے متعلق کچھ علم نہیں میں نے کہا کہ نہیں انہوں نے کہا کہ کیا سمندری روڈ کا کوئی نوجوان آپ کی تحریک میں مارا گیا تھا میں نے کہا ہاں ریلوے اسٹیشن پر جو گولی چلی تھی اس میں وہ نوجوان تھا انہوں نے کہا کہ وہ مرزائی تھا میں نے کہا کہ آپ کو اس کا کیسے علم ہے انہوں نے کہا پچھلے دنوں میں ملتان ایک فیکٹری میں فیکٹری کے مالکان کے پاس جو میرے دوست ہیں بیٹھا ہوا تھا۔ باتیں چھڑتے چھڑتے تحریک ختم نبوت کا تذکرہ بھی چھڑ گیا اس میں جو مظالم ڈھائے گئے وہ زیر بحث آ گئے ہم باتیں کر رہے تھے کہ فیکٹری کا ایک ملازم جو ہمارے قریب کھڑا باتیں سن رہا تھا دھڑام سے زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑا لوگوں نے اسے اٹھایا گرمی کا موسم تھا ہم بھی سمجھے کہ شاید گرمی کی وجہ سے گر پڑا ہے۔ اس کی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے گئے جب وہ ہوش میں آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تجھے کیا ہوا اس نے کہا کہ حضور جانے دیجئے مجھ سے یہ بات مت پوچھئے۔ ہم نے اب اصرار کیا تو بالآخر اس نے بتایا کہ جو باتیں آپ کر رہے تھے وہ سن کر مجھے صدمہ ہوا اور میرے دل کو کچھ ہو گیا۔ فیکٹری کے مالکان نے کہا کہ تو تو احمدی ہے اور تجھے یہ باتیں اور مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی کہانی سن کر کیوں صدمہ ہوا ہے اس نے بتایا کہ میرا جوان لڑکا بھی اس تحریک میں مارا گیا تھا اس سے میں نے تفصیل دریافت کی تو اس نے کہا کہ میں سمندری روڈ لائل پور کے قریب رہتا تھا میرا جوان لڑکا بھی دوسرے نوجوان دوستوں کے ہمراہ چلا گیا اور وہاں جا کر گولی لگنے سے مارا گیا اس نوجوان کے پراسرار حالات پہلے ہی مجھے حیرت میں رکھتے تھے۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ اس کا یہی منظر یہ تھا۔ لیکن میں نے کبھی اس کا اظہار اس لئے نہیں کیا کہ مجھے اس سے زیادہ کا علم نہیں ہے جو کچھ میں نے تحریر کر دیا ہے اب یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ماں باپ کا باغی اور مرزائیت سے تائب ہو کر مارا گیا تھا۔ یا مرزائیوں کی سازش کے تحت بدامنی پیدا کرنے اور حکومت کو تشدد کا موقعہ فراہم کرانے کے لئے اپنی جان دے گیا تھا۔ حکومت کے خلاف تحریکوں کا اصول ہے کہ تحریک چلانے والوں کی یہ کوشش ہوا کرتی ہے کہ تحریک پرامن رہے۔ اس کے برعکس حکومت اور تحریک کے مخالفوں

کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ تحریک بدامنی اور تشدد کی راہ پر پڑ جائے تاکہ جواباً اسے تشدد کا شکار بنایا جا سکے۔ یہی صورت حال یہاں تھی ہماری کوشش تھی کہ تحریک پرامن رہے حکومت اور مرزائیوں کی کوشش یہ تھی کہ بدامنی کی راہ پر لگ جائے تاکہ بچاؤ ہو جائے۔ غالب گمان یہی ہے کہ اس نوجوان کو مرزائیوں نے آلۂ کار بنا کر مروا دیا ہو۔ اس زمانہ کے اے ڈی ایم لائل پور مسٹر حبیب نے مجھے پیغام بھجوایا تھا کہ اس نوجوان کا رویہ اشتعال جارحانہ تھا اور یہ ریلوے انجن کے اوپر چڑھا ہوا دوسرے لوگوں کو جوش دلا رہا تھا امین حسن ڈپٹی کمشنر نے اسے گولی مروائی اور یہ اوپر سے نیچے گر پڑا۔

یہاں تک کے حالات و واقعات حضرت مولانا تاج محمود مرحوم نے قلمبند فرمائے وہ آگے تحریک کے حالات کو قلمبند کرنا چاہتے تھے مگر رکاوٹ یہ تھی کہ ہر ضلع کی تفصیلی رپورٹ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت سے متعلق آپ کو دستیاب نہ ہو سکی اس لئے واقعات کی رفتار کو ترتیب دے کر پھر وہ مارشل لاء لور انکوائری اور تحریک کے بقیہ حالات قلمبند فرماتے اس لئے آپ کا یہ مضمون مکمل نہ ہو پایا۔ آپ کی وفات سے چند ہفتے قبل ہمارے دوست نصیر احمد آزاد مالک شکریلا پریس فیصل آباد نے مولانا سے ایک انٹرویو کیا جو وفات کے دن سے پہلی رات تک جاری رہا۔ اس انٹرویو کی مکمل کہانی فقیر نے تذکرہ مجاہدین ختم نبوت نامی اپنی ایک کتاب میں محفوظ کی ہے "تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی کہانی مولانا تاج محمود کی زبانی" اب آپ اسے مطالعہ فرمائیں اس میں بعض واقعات کا تکرار آپ کو ملے گا کہ آپ اوپر کے مضمون میں بھی اسے پڑھ چکے ہیں مگر کہانی کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے میں اسے پورا درج کرنے پر مجبور ہوں جو واقعات دوبارہ اس میں آپ ملاحظہ فرمائیں اسے قند مکرر سمجھیں اس میں وہ انٹرویو یہ ہے۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی کہانی مولانا تاج محمودؒ کی زبانی

پاکستان میں خواجہ ناظم الدین کا دور اقتدار تھا۔ دستور پاکستان کی تدوین زیر بحث تھی۔ حکمران اپنی شخصی حکومتوں کی عمریں لمبی کرنے کے لئے ملک کو دستور دینے میں ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے۔ بالآخر خواجہ ناظم الدین کے زمانے میں دستور کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ (بی۔ پی۔ سی رپورٹ) شائع ہوئی۔ اس رپورٹ میں ملک کے لئے جداگانہ طریقہ انتخاب تجویز کیا گیا تھا اقلیتوں کی نشستیں الگ مخصوص کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اقلیتوں کی تعداد اور ان کے حلقوں کا نقشہ بھی اس رپورٹ میں شائع کیا گیا۔ دکھ کی بات یہ تھی کہ قادیانیوں کو مسلمانوں میں شمار کیا گیا تھا۔ حالانکہ پہلے سے ہی مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ

مرزائیوں کو مسلمانوں میں شامل نہ کیا جائے بلکہ ان کو علیحدہ غیر مسلم اقلیتوں میں شمار کیا جائے۔

اس رپورٹ کے آنے کے کچھ دنوں بعد دسمبر ۱۹۵۲ء میں چنیوٹ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس تھی۔ انہی دنوں مرزائی جماعت کا بھی ربوہ میں سالانہ جلسہ جسے وہ ظلی حج سمجھتے ہیں انعقاد پذیر تھا ان دنوں مرزائی جماعت کا سربراہ مرزا بشیرالدین محمود تھا جس نے پہلے سے اعلان کر رکھا تھا کہ "۱۹۵۲ء کے ختم ہونے سے پہلے پہلے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ احمدیت کے تمام دشمن ہمارے قدموں میں آگریں۔"

۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر کو چنیوٹ کی ختم نبوت کانفرنس ہے ۵۲ء کے گزرنے میں تین دن باقی ہیں مرزا بشیر الدین کا "اعلان" ناکام ہو گیا ہے۔ مرزائیت کے احتساب کا شکنجہ مزید کس دیا گیا ہے۔ مرزا بشیر الدین کے اعلان کا جواب دیتے ہوئے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے پر جوش الہامی تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اے مرزا محمود ۱۹۵۲ء تیرا تھا اور اب ۱۹۵۳ء میرا ہو گا۔ اس سے قبل مرزائیوں کی جارحانہ ارتدادی سرگرمیوں کے باعث پورے ملک کے مسلمانوں میں شدید اشتعال تھا۔ پوری پاکستانی مسلمان قوم مرزائیت کی جارحیت پر فکر مند تھی وہی ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ کے موقعہ پر ایک بند کمرے میں جماعت کے راہنماؤں کا ایک خصوصی غیر رسمی اجلاس منعقد ہوا جس میں مجھے بھی شامل ہونے کی سعادت حاصل ہے اجلاس میں طے پایا کہ مرزائیوں کی جارحیت دماغ کی خرابی کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ جس کا سد باب کرنا ضروری ہے۔ بی۔ پی۔ سی رپورٹ کی رو سے خدا اور رسولؐ کے نام پر حاصل کردہ ملک کے دستور میں مرزائیوں کو مسلمان شمار کیا جا رہا ہے۔ اس لئے حکومت کے ساتھ مذاکرات کئے جائیں۔ اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن حکومت کے رویئے سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ وہ راہ راست پر نہیں آئے گی لہذا تمام مکاتب فکر کے علماء کو اس مہم میں شریک کیا جائے۔ موسم سرما ختم ہوتے ہی ان کا اجلاس بلایا جائے اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل سوچ و بچار کر کے فیصلے کئے جائیں۔

میں ان دنوں میں ایم سی ہائی سکول لائل پور میں صدر مدرس تھا۔ چنیوٹ کی اس میٹنگ میں مجھے شیخ حسام الدین اور مولانا محمد علی جالندھری نے حکم دیا کہ تم یا تو سکول کی ملازمت سے مستعفی دے دو یا پھر یہ کہ لمبے عرصہ کی چھٹی لے لو تاکہ قادیانیت کے اس فتنہ سے امت کو بچانے کے لئے نئے مرحلہ میں آزادی کے ساتھ کام کر سکو۔ چنانچہ میں نے چھٹی لے لی۔

پورے ملک میں تمام رفقاء نے تمام مکاتب فکر کے علماء و مشائخ سے رابطہ قائم کر کے

ان کو قادیانیت کے مسئلہ کی سنگینی کی طرف توجہ اور ذمہ داری کا احساس دلایا۔ جنوری [illegible] کے آخر میں آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا ایک اجلاس کراچی میں منعقد ہوا جس میں فیصلہ ہوا کہ خواجہ ناظم الدین پر اتمام حجت کے لئے ایک ماہ کا نوٹس دیا جائے۔ اگلے روز ایک وفد پیر صاحب آف سرسینہ شریف (مشرقی پاکستان) کی قیادت میں خواجہ ناظم الدین سے ملا۔

۱۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔
۲۔ سر ظفر اللہ خاں مرتد اعظم کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے۔
۳۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔
۴۔ مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔

یہ مطالبات پیش کئے۔ خواجہ صاحب نے وفد سے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ظفر اللہ خاں کو ہٹانے اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے امریکہ پاکستان سے ناراض ہو جائے گا۔ اور ہر قسم کی امداد بند کر دی جائے گی۔

وفد نے ایک تحریری نوٹس ان کو پیش کیا۔ جس میں درج تھا کہ اگر حکومت نے ایک ماہ کے اندر ہمارے یہ خالص دینی مطالبات تسلیم نہ کئے تو مسلمانان پاکستان مرزائی جارحیت کے خلاف راست اقدام کرنے پر مجبور ہوں گے اور مجلس عمل کی قیادت میں تحریک چلائی جائے گی۔

اواخر فروری [illegible] میں دوبارہ آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا کراچی میں اجلاس منعقد ہوا۔ چونکہ حکومت نے مطالبات تسلیم نہیں کئے تھے۔ اس لئے تحریک راست اقدام چلانے کے فیصلہ پر عملدرآمد کا اعلان کیا گیا۔

تفصیل یہ طے کی گئی کہ پانچ پانچ رضاکاروں کے دو دستے یومیہ مظاہرہ کرنے کے لئے سڑکوں پر نکلیں۔ پانچ رضاکاروں کا ایک دستہ خواجہ ناظم الدین کی کوٹھی پر جا کر مظاہرہ کرے اور دوسرے پانچ رضاکاروں کا دستہ ملک غلام محمد گورنر جنرل کی کوٹھی پر جا کر مظاہرہ کرے۔ دو دستوں کے جانے کا فیصلہ اس لئے کیا گیا کہ صرف خواجہ ناظم الدین کی کوٹھی پر جا کر مظاہرہ کرنے سے تحریک کے دشمن یہ تاثر نہ دے سکیں کہ یہ تحریک مغربی پاکستان کے لوگ بنگالی وزیر اعظم کے خلاف چلا رہے ہیں۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ جلوس پر رونق اور پر ہجوم راستوں اور سڑکوں سے نہ جائیں تاکہ ٹریفک میں رکاوٹ کا مسئلہ پیدا نہ ہو اور حکومت کو شر انگیزی کرنے کا موقعہ میسر نہ آئے۔

۲۷ فروری کی رات کو مجلس عمل کے تمام راہنما جن میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری ”

مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری، شیخ عبدالحامد بدایونی، مولانا لال حسین اختر، سید مظفر علی شمسی اور دوسرے بیسیوں راہنما شامل تھے کراچی میں گرفتار کر لئے گئے۔

۲۸ فروری کو پنجاب اور ملک کے دوسرے حصوں میں سینکڑوں راہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاری عمل میں آئی۔

۲۸ فروری کو لائل پور میں دوسرے شہروں کی طرح مجلس عمل کی اپیل پر ان راہنماؤں کی گرفتاری کے خلاف تاریخ ساز ہڑتال کی گئی۔ دھوبی گھاٹ میں لاکھوں انسانوں کا اجتماع منعقد ہوا۔ حضرت مولانا مفتی محمد یونس مراد آبادی مولانا حکیم حافظ عبدالمجید، صاحبزادہ ظہور الحق، سید صاحبزادہ افتخار الحسن، مولانا عبیداللہ اور بندہ تاج محمود و دیگر حضرات کے بیانات ہوئے لوگوں نے ہر قسم کی قربانیاں دینے کا عہد کیا۔ اگلے روز تحریک شروع ہو گئی۔ لائل پور مجلس عمل کا صدر بندہ تاج محمود کو بنایا گیا۔ قادیانیت کے خلاف مسلمانوں کا جوش و جذبہ قابل دید تھا۔ چہار طرف سے تحریک کے الاؤ کو روشن کرنے کے لئے مسلمان اپنی جانوں کا نذرانہ تک دینے کو تیار تھے حکومت نے دھوبی گھاٹ پر قبضہ کر لیا ہم نے تحریک کا مرکز لائل پور کی مرکزی جامع مسجد کچہری بازار کو بنا لیا۔ شہر اور ضلع بھر کے دیہات سے ہزاروں رضاکار جمع ہونا شروع ہو گئے مسجد اور اس کی بالائی منزل رضاکاروں سے بھرنے لگی۔ صبح نو بجے اور تین بجے مسجد میں جلسے ہوتے سو رضاکاروں کا دستہ صبح اور سو رضاکاروں کا دستہ سہ پہر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرتا' جلوس اس شان سے نکلتا کہ اس پر فرشتے بھی رشک کرتے ہوں گے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے حوالہ سے چلنے والی تحریک میں رضاکاروں' کارکنوں' راہنماؤں غرضیکہ ہر عام و خاص کا جذبہ عشق ختم نبوت قابل دید تھا ہر آدمی بازی لے جانے اور شفاعت محمدی کا پروانہ حاصل کرنے کے لئے بیتاب تھا۔

کچھ دنوں تک تو حکومت رضاکاروں کو گرفتار کرتی رہی لیکن بعد میں چند رضاکاروں کو گرفتار کر لیا جاتا اور اکثر رضاکاروں کو بسوں میں بٹھا کر تیس (۳۰) چالیس (۴۰) میل دور لے جا کر جنگلوں میں چھوڑ دیا جاتا۔

اہم واقعہ

میرا دفتر جامع مسجد کی اوپر کی منزل پر قائم تھا۔ ہر روز رات کو دس گیارہ بجے کے قریب کرفیو کے اوقات میں نکلتا ساتھ میرے عزیز دوست فیروز اقبال کا گھر ہے۔ وہاں جاتا بچیاں کھانا لا کر دیتیں' دو چار لقمے زہر مار کرتا یہاں تک تو میرے معتمد خاص کو علم ہوتا تھا کہ مولانا اس وقت کہاں ہیں۔ یہاں سے رات کے اندھیرے اور کرفیو کی حالت میں اکیلے چھپتے چھپاتے اپنی بہن

کے گھر واقع گلی آبادی مال گودام کے دوسری طرف پہنچتا۔ یہ سفر میرے لئے انتہائی کٹھن ہوتا ذرا سی آہٹ کا جواب گولی ہو سکتا تھا۔ ایک اور دوست کے ہاں جاتا ہوتا یا پھراپنی مسجد ریلوے کالونی میں آکر تھوڑی دیر آرام کرتا۔ صبح فجر کی اذان سے پہلے کچہری بازار کی مسجد میں واپس آجاتا۔ رضاکاروں کے ساتھ نماز پڑھتا۔ ہر روز میرا یہی معمول تھا۔

میرے دو شاگرد ایک ڈپٹی کمشنر کا سٹینو گرافر تھا اور دوسرا پولیس کے دفتر میں ملازم تھا۔ ان دونوں کا ذہن قلب و جگر تحریک مقدس ختم نبوت کے ساتھ تھا۔ وہ ہر روز عشاء کی نماز کے بعد آتے اور خفیہ حکومتی ارادوں پروگراموں کی رپورٹ سے مجھے مطلع کرتے ان میں سے ایک آج کل فیصل آباد کے معروف ایڈووکیٹ ہیں۔ دوسرے اللہ رب العزت کو پیارے ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کریں کہ وہ تحریک کے لئے بہت مخلص تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ آج آپ کے جلوس کے ساتھ ایک کی بجائے دو مجسٹریٹوں کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ میں حیران ہوا کہ ہمارا تو روز کا معمول ہے اور حکومت کا بھی کہ ایک مجسٹریٹ ہوتا ہے۔ آخر یہ دو مجسٹریٹوں کی کیوں ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ دوسرا یہ کہ ہمارا جلوس تو دن کو ہوتا ہے اس وقت تمام رضاکار سوئے ہوئے ہیں رات کو جلوس اور مجسٹریٹوں کی ڈیوٹی یہ کیا ماجرا ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ یہ جلوس کون نکالے گا' کہاں سے آئے گا۔ میں نے اپنے معتمد خاص سے کہا کہ آج رات مسجد کے تمام دروازے اچھی طرح بند کر کے تالے لگا دیں۔ اور نصیحت کر دیں کہ رات کو کوئی رضاکار ہرگز باہر نہ جائے۔ میں یہ ہدایات دیکر آگیا حسب معمول اقبال فیروز کے گھر گیا کھانا سامنے رکھا گیا۔ کہ جلوس کے نعروں کی آواز سنائی دی۔ میں متوجہ ہوا۔ انجم مرزائیت مردہ باد اور ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتا ہوا مسجد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مسجد کے قریب آکر جلوس نے مسجد کے دروازوں کو بند پایا۔ ارد گرد کا چکر لگایا جب چکر لگا کر چترال ہاؤس کے قریب آیا تو یکدم فائر کی آواز سنائی دی۔ میں حیران تھا کہ لوگ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں۔ گولی کس نے چلائی ؟ گولی کس کو لگی ہے؟ کون زخمی ہوا ؟ کون مرا؟ کہیں اس میں میرے رضاکار تو شریک نہیں۔ میں واپس مسجد آیا رضاکاروں کے بارے میں دریافت کیا معلوم ہوا کہ ہمارا کوئی رضاکار اس میں شریک نہ تھا۔ مگر باہر گولی لگنے سے چار' پانچ آدمی جاں بحق اور بہت سارے زخمی ہوئے ہم لوگ پوچھتے کچھ پتہ نہ چلتا۔ کافی عرصہ گزر گیا۔ میں گرفتار ہوا قید ہوئی۔ قید کاٹ کر رہا ہو کر بھی آگیا۔ مگر یہ راز نہ کھلا۔

یہ انکشاف اس وقت ہوا کہ وہ کون تھے ؟ جنہوں نے اس رات جلوس نکالا تھا۔ اور پولیس نے ان کو گولیوں سے بھون کر رکھ دیا تھا۔

ہوا یوں کہ شہر کے ایک شخص کو قتل کے مقدمہ میں سیشن کورٹ سے سزائے موت

ہوئی۔ ہائی کورٹ و سپریم کورٹ سے بھی مقدمہ خارج ہوا۔ صدر نے رحم کی اپیل مسترد کر دی۔ سزائے موت پر عملدرآمد کا وقت قریب آیا تو سپرنٹنڈنٹ جیل نے آخری خواہش پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ میں ایک راز سے پردہ اٹھانا چاہتا ہوں کہ میں اس مقدمہ قتل میں بے قصور ہوں مگر یہ سزائے موت جو مجھے دی جا رہی ہے یہ فلاں رات تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں جلوس نکال کر چار' پانچ نوجوانوں کو موت کی آغوش میں دھکیلنے کی پاداش میں پا رہا ہوں اس نے انکشاف کیا کہ پولیس کی سازش سے یہ جلوس نکالا گیا۔ پولیس کی پلاننگ یہ تھی کہ میں (سزائے موت پانے والا) محلّہ کے چند بچوں اور نوجوانوں کو اکٹھا کر کے جلوس نکالوں۔ نعرے لگاتے ہوئے مسجد میں آ گئیں۔ وہاں طے شدہ پروگرام کے مطابق جلوس مسجد کے گرد چکر لگائے نعرے بازی کرے اسی اثنا میں مجلس عمل کے رضاکار جلوس میں شامل ہو جائیں گے پولیس ان میں سے چند کو گولیوں کی بوچھاڑ سے ٹھنڈا کر دے گی۔ باقی رضاکار خوف زدہ ہو کر دب جائیں گے اور یوں تحریک کو ٹھنڈا کر دیا جائے گا۔ میں ان بچوں کو ڈگلس پورہ اور اس کے ارد گرد سے مٹھائی کا لالچ دے کر لایا تھا اور جلوس کی شکل میں وہاں لا کر پولیس کے لئے تر نوالہ بنا دیا' ان کا یہ قتل میرے ذمہ ہے میں اس قتل کی سزا پا رہا ہوں۔

یہ تھی دوسری بار گولی چلنے کی داستان۔ اس سے قبل بھی لائل پور میں گولی چل چکی تھی۔ میرے ایک سو کے قریب رضاکار لائل پور سے کراچی جا رہے تھے جیسے ہی ٹرین روانہ ہوئی فوراً ہی اسٹیشن کی حدود سے نکلنے سے پہلے ہی روک لی گئی اور رضاکاروں کو منتشر ہونے کا حکم دیا گیا۔ رضاکار ڈٹ گئے۔ ان کے پاس جھنڈے تھے اور پولیس کے پاس گولی تھی۔ پولیس نے اندھا دھند فائرنگ کی بیسیوں رضاکار شہید ہو گئے۔ کئی لاشیں پولیس نے موقعہ سے اٹھا کر غائب کر دیں۔ ہمارے ہاتھ چار لاشیں آئیں۔ جب اس اندوہناک واقعہ کی اطلاع ملی میری کمر ٹوٹ گئی۔ میرے سامنے کربلا کی فلم چلنے لگی۔ غم سے نڈھال ہو گیا۔ وحشت عود آئی۔ دل آنسو بہا رہا تھا۔ دماغ پھٹنے کو ہو گیا۔ ضمیر بے رحم حکمران کو کوس رہا تھا۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ اقبال کا یہ مصرعہ ڈھارس بندھا رہا تھا۔

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

لاشیں اسٹیشن سے مسجد میں لائی گئیں۔ تین کی شناخت ہو گئی ان کے لواحقین کو اطلاع کر دی گئی' ایک نوجوان لڑکے کی لاش ہم سے شناخت نہ ہو سکی اور نہ ہی اس کی لواحقین کا پتہ چلا۔ شام ۷ بجے کے قریب میرے پاس ایک آدمی آیا اس نے بتایا کہ یہ لاش سمندری روڈ کی ہے آپ ہمیں لاش لے جانے کی اجازت دے دیں میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی تمہارا کیا

رشتہ ہے۔ اس کے والدین کیوں نہیں آئے اس نے کہا کہ جی انہوں نے مجھے بھیجا ہے میں نے کہا کہ یہ ہمارے پاس قوم کی امانتیں ہیں' میں ان کو کسی اور کے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور چلا گیا۔

اس سے پہلے مجھے کسی شخص نے بتایا کہ یہ لاش پراسرار ہے اب میرے خدشات بڑھنے لگے کہ آخر اس کے والدین خود کیوں نہیں آئے ضرور کوئی بات ہے ہم نے سب لاشوں کو غسل دیا۔ کفن کا انتظام کر کے شہر میں اعلان کرا دیا کہ صبح ساڑھے نو بجے دھوبی گھاٹ اقبال پارک میں نماز جنازہ پڑھائی جائے گی۔ جنازہ کی چارپائیوں کے ساتھ بڑے بڑے بانس باندھ کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو آخری کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کا انتظام کیا گیا۔ جنازے اٹھا کر جلوس کی شکل میں دھوبی گھاٹ لائے گئے۔ جنازے بالکل تیار تھے۔ صفیں درست کی جا رہی تھیں کہ وہی آدمی پھر آیا اور کہنے لگا کہ اس کے والدین آئے ہیں ذرا منہ دکھا دو۔ دو عورتیں اور ایک مرد تھا۔ آخری زیارت کے لئے میں نے اس کے منہ سے کفن ہٹا دیا۔ مرد اس کا باپ تھا وہ لاش کے قدموں کی طرف کھڑا تھا۔ ایک عورت جو ماں تھی۔ اس نے لڑکے کا منہ چوما اور روتی روتی بے ہوش ہو گئی دوسری عورت اس کی بیوی تھی۔ چند ماہ پہلے شادی ہوئی تھی وہ اس کے قدموں کی طرف گئی جھک کر اس کے پاؤں چومے اور پھر بے ہوش ہو گئی۔ ہوش آنے پر دو تین منٹ کے بعد ان کو ہٹا دیا گیا۔ وہ چلے گئے جنازہ پڑھا گیا۔ جنازہ پڑھنے کے لئے سارا شہر امڈ آیا تھا۔ اردگرد کے دیہاتوں کے لوگ بھی بہت بڑی تعداد میں جنازہ میں شریک ہوئے۔ اتنا بڑا ہجوم لائل پور کی تاریخ میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا یہاں بڑے بڑے لیڈر آئے ان کے جلوس میں نے بچشم خود دیکھے مگر اتنا رش اس سے پہلے اور اس کے بعد آج تک نہیں دیکھا۔ گراؤنڈ پوری بھر چکی تھی' باہر کی تمام سڑکیں بھر چکی تھیں۔ گورنمنٹ کالج کی طرف جھنگ روڈ تک صفیں تھیں۔ ادھر بھوانہ بازار سامنے نالہ کی چھت پر اور اس کے پیچھے گلیوں تک اجتماع تھا۔ بھلا اندازہ کیجئے کہ جن شہیدوں کو رخصت کرنے والے اتنے لوگ ہوں گے ان کی آگے خدا تعالیٰ کے دربار میں کیسی پذیرائی ہوئی ہو گی۔ جب میں جیل کاٹ کر سوا سال بعد رہا ہو کر آیا تو اکثر شام کو بٹ گنڈز والے قاضی جلال الدین کے ہاں بیٹھتا تھا۔ ان کے ہاں ایک دن شام کو ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کی تحریک میں جاں بحق ہونے والا ایک لڑکا قادیانی تھا میں نے کہا کہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ اس نے بتایا کہ ایک دفعہ میں ملتان کسی فیکٹری میں مالکوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کی تحریک کی باتیں شروع ہو گئیں۔ شہیدوں کا ذکر آیا تو ایک بوڑھا جو پاس کھڑا تھا وہ دھڑام سے گرا اور بیہوش ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو مالکوں کے اصرار پر اس نے بتایا کہ اس تحریک میں اس کا بیٹا بھی مارا گیا تھا' بس وہ لڑکوں

کے ساتھ چلا گیا تھا۔ بعد میں اس کے والدین کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ قادیانی ہیں۔ اندر کے حالات اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ وہ لڑکا قادیانی تھا یا نہیں بہرحال میں نے آج تک اس کو قادیانی نہ لکھا نہ کہا (ممکن ہے کہ قادیانی ہو اور تحریک کو تشدد کے راستے پر ڈال کر سبوتاژ کرنا اس کا مشن ہو۔ اور یہ کہ قادیانی خاندان کے باوجود وہ خود مسلمان ہو اور جذبہ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر جلوس میں شریک ہوا ہو تاہم اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ یہ لڑکا گاڑی کے انجن پر کھڑا تھا اس نے گریبان کھول کر اور سینہ تان کر پولیس والے سے گرجدار آواز میں مخاطب ہو کر کہا تھا کہ یہاں گولی مارو' پولیس والے ظالم نے رپیں داغ دی بس وہ ایک ہی جست میں نیچے گرا اور روح پرواز کر گئی۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا ممکن ہے کہ قادیانی نہ ہو اس نے جذبہ ایمانی سے سرشار ہو کر اسلام کی سربلندی کے لئے گولی کھائی ہو یہ سربستہ راز جاننے والی قوت اللہ تعالیٰ رکھتے ہیں اس کا عقدہ روز حشر کھلے گا۔

میری گرفتاری

میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت لائل پور کا صدر تھا حضرت مولانا مفتی محمد یونس' مولانا حکیم عبدالمجید نابینا' صاحبزادہ ظہور الحق' مولانا محمد صدیق' صاحبزادہ سید افتخار الحسن' مولانا محمد یعقوب نورانی' مولانا عبدالرحیم اشرف اور دیگر حضرات مجلس عمل کی عاملہ کے رکن تھے۔ مجلس عاملہ کے پہلے ہی اجلاس میں فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ باقی سب حضرات رضاکاروں کے دستوں کی قیادت کرتے ہوئے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کریں گے۔ لیکن میں (مولانا تاج محمود) تحریک کو جاری اور منظم رکھنے کے لئے گرفتاری نہ دوں۔ مجلس عمل کا دفتر جامع مسجد کی بالائی منزل پر تھا۔ کم و بیش پانچ ہزار رضاکار گرفتاری دینے کے لئے اپنی باری کے انتظار میں مسجد میں جمع رہتے تھے' صبح و شام دو سو رضاکار یومیہ گرفتاری دے رہے تھے جامع مسجد میں جلسہ ہوتا تھا۔ ہر طرف ختم نبوت کی بہاریں ہی بہاریں تھیں۔ یہ سلسلہ چندرہ تیس دن جاری رہا پندرھویں یا سولھویں دن یہاں کے ڈپٹی کمشنر سبط حسن کے حکم سے مسجد کی بجلی و پانی منقطع کر دیا گیا۔

دوسرے روز جامع مسجد میں جلسہ ہوا۔ میں نے پانی و بجلی کے منقطع کرنے پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ "سبط حسن تم سید ہو' اور اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہو جو ۱۳۰۰ سال سے کربلا میں پانی کی بندش اور حضرت حسینؓ کی شہادت کا ہائے حسینؓ ہائے حسینؓ کہتے ہوئے ماتم کرتا ہے کم از کم تیرے لئے یہ مناسب نہ تھا اگر تیری ماں کو مسجد کے پانی و بجلی کے منقطع

کرنے کے تیرے اس کارنامے کا علم ہوتا تو وہ تیرا نام سبط حسن کی بجائے ابن یزید رکھتی۔"

اس تقریر کی رپورٹ پہنچنے پر میجر سبط حسن ڈی۔ سی لائل پور میرا ذاتی دشمن ہو گیا اور اس نے حکم دے دیا کہ مجھے بہر طور گرفتار کر لیا جائے۔ پہلے نرمی اور حکمت عملی سے پھانسنا چاہا۔ رانا صاحب ایس پی جو تحریک سے پہلے کے میرے جاننے والے تھے۔ انہوں نے مجھے اپنے دفتر بلایا کہ آپ سے ایک ضروری امر پر مشورہ کرنا ہے۔ میں صورت حال کو بھانپ گیا اور میں نے تعلقات کے باوجود ان کے دفتر میں جانے کو پسند نہ کیا۔ پھر میاں مظفر اے۔ ڈی۔ ایم جو میرے اور مولانا عبیداللہ احرار کے مشترکہ دوست تھے وہ تشریف لائے اور مجھے کچہری بازار کے ایک ہوٹل میں بلوایا کہ مجھے آپ سے ضروری باتیں کرنی ہیں میں ان کے دھوکہ میں بھی نہ آیا اور ملنے سے انکار کر دیا اسی وقت اطلاع ملی کہ اے۔ ایس۔ پی نے ہمارے گرفتار شدہ رضاکاروں کو جیل کے دروازے پر ڈنڈوں اور بیدوں سے پٹوایا ہے۔ ہم نے اگلے روز پھر جلسہ کیا اور ڈی ' سی ' ایس پی سے مطالبہ کیا کہ اے۔ ایس۔ پی کو یہاں سے چلا کیا جائے' ڈیوٹی سے ہٹایا جائے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا اور یہ قتل ہو گیا تو ہماری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ اسی رات کو ہی پولیس نے چنیوٹ بازار میں گولی چلا کر کئی مسلمانوں کو خاک و خون میں تڑپا دیا تھا۔ جب میں ان کے چکر میں نہ آیا تو انہوں نے مجھے گرفتار کرنے کے لئے مسجد میں بوٹوں سمیت پولیس کو داخل ہونے کا حکم دینے کا فیصلہ کیا ' ۱۸' ۱۹ مارچ پورے تین روز بغیر کسی وقفہ کے شہر میں کرفیو نافذ رہا پورے شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ کرفیو کے دوران مجھے ہر قیمت پر گرفتار کرنے کا فیصلہ ہوا چنانچہ میں ۲۰ مارچ کو رات ایک بجے چک نمبر ۲۰۱ نزد گلبرگ سے گرفتار ہوا۔ راجہ نادر خان میری گرفتاری کے وقت پولیس کے ہمراہ شامل تھے۔

مقدمہ کی روئیداد

۲۰ مارچ ۵۳ء کو گرفتاری عمل میں آئی۔ جون ۱۹۵۴ء میں تقریباً سوا سال بعد رہا ہوا۔ گرفتار کرنے کے بعد پہلی رات مجھے لائل پور کی حوالات میں رکھا گیا۔ دوسری رات ۳ بجے صبح لائل پور سے لاہور شاہی قلعہ میں منتقل کیا گیا۔ یہاں پر تفتیش شروع کی گئی تفتیش کا مقصد یہ تھا کہ حکومت جاننا چاہتی تھی کہ اس تحریک کے مقاصد کیا ہیں۔ اس تحریک میں کسی بیرونی ملک یا طاقت کا ہاتھ ہے۔ یہ تحریک ملک کے خلاف قومی سازش ہے یا وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ قادیانیوں کی وہ کونسی چیزیں ہیں جن کا اتنا شدید رد عمل ہوا۔ ایک لاکھ سے زائد لوگوں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ تمام جیل خانے بھر گئے۔ بڑی بڑی جیلوں میں کیمپ لگانے پڑے مختلف لوگوں کو مختلف المیعاد سزائیں دی گئیں۔ سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند رکھا

گیا۔ ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟

مجھے پہلی دفعہ قلعہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میں ان کی تفتیش کی تکنیک سے ناواقف تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ہمیں تاریک تہہ خانوں میں رکھیں گے۔ ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑیں گے۔ جب بھی قلعہ کا ذکر آتا ہے اس وقت ' ظلم و تشدد کی داستانیں ذہن میں ابھرتی ہیں۔ اس کے برعکس صاف ستھری بارکوں میں رکھا گیا۔ سلاخ دار دروازے تھے۔ پانی بجلی موسم کے مطابق' کمبل وغیرہ ہر چیز مہیا تھی۔ ایک ماہ میں میری معلومات کے مطابق تحریک کے کارکنوں پر تشدد تو درکنار انگلی تک نہ اٹھائی گئی۔ بلکہ ذہنی کرب اور فکری کوفت و پریشانی میں ان کو اس طرح مبتلا کیا گیا کہ اس ذہنی تکلیف کے سامنے جسمانی قسم کے تشدد کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

مثلاً مجھے پہلے دن بارک نمبر ۳ میں فردوس شاہ ڈی ایس پی کے قاتل اشرف کاکا کے ساتھ رکھا گیا۔ اشرف کاکا کے متعلق مشہور تھا کہ اس نے فردوس شاہ ڈی ایس پی کو قتل کیا ہے۔ فردوس شاہ کے ریوالور کی برآمدگی ڈالی گئی۔ چونکہ یہ نوجوان کئی دنوں سے قلعہ کی اس کوٹھڑی میں تنہا بند تھا۔ دماغی لحاظ سے ماؤف سا دکھائی دیتا تھا۔ مجھے یہ بتایا گیا کہ یہ قتل کا مجرم ہے اور لائل پور میں جو لوگ پولیس کی گولی سے جاں بحق ہوئے ان کے قتل کے جرم کی پاداش میں آپ پر بھی ۳۰۲ کا مقدمہ چلایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص گرفتار قفس ہو اسے ذہنی طور پر اذیت پہنچانے کے لئے یہ بات کافی تھی۔

۱۔ اب میری تفتیش شروع ہوئی۔ مجھ پر الزام لگایا کہ کسی بیرونی ملک کا روپیہ تحریک کے لئے آتا رہا ہے اور وہ آپ کو بھی ملتا رہا ہے۔

۲۔ آپ کی تحریک کے لیڈر دولتانہ صاحب سے ملے ہوئے ہیں۔ دولتانہ صاحب کا کوئی نمائندہ آپ کو لائل پور ہدایت دیتا رہا۔

۳۔ افغانستان کے کئی مشکوک لوگ آکر آپ سے ملے تھے ان سے آپ کی کیا گفتگو ہوئی۔ انہوں نے آپ کو کیا دیا تھا؟

۴۔ آپ مسجد کی بالائی منزل پر جن کمروں میں رہتے تھے وہاں کافی اسلحہ بھی پہنچا ہوا تھا۔ یہ اسلحہ آپ کو کس نے پہنچایا تھا؟

۵۔ گوجرانوالہ کے پہلوان رضاکاروں کا ایک جتھہ آپ سے اس مسجد میں ملا تھا۔ یہ جتھہ ربوہ میں مرزائیوں کے سربراہ کو قتل کرنا چاہتا تھا آپ نے ان کو کیا ہدایات دیں؟

۶۔ جو لوگ پولیس کی گولیوں سے مارے گئے وہ آپ کی ہدایت پر پولیس کے مقابلے میں نکلتے تھے۔

۷۔ آپ نے ٹرینیں رکوائی تھیں' لائن اکھڑوائی تھی۔ اور بعض جائدادوں کو نذر آتش کرایا

تھا۔

ہ۔ اس کی کیا وجہ تھی کہ مرکزی مجلس عمل نے رضا کاروں کے دستے لاہور بھیجنے کی آپ کو ہدایت کی تھی۔ لیکن آپ نے لائل پور کے سربراہ کی حیثیت سے ان کا رخ کراچی کی طرف کیوں موڑ دیا تھا۔

غرضیکہ اس طرح کے بے سروپا جھوٹ و افتراء پر مبنی الزامات کی ایک طویل فہرست مجھے پڑھ کر سنا دی گئی۔ جس کو سن کر میرا ابتدائی تاثر یہ تھا کہ ہم جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے جانوں پر کھیل رہے ہیں اور یہ ہم پر کس طرح کے جھوٹے الزامات عائد کر رہے ہیں۔ صبح کے وقت یہ کارروائی ہوئی۔ انسپکٹر پولیس جو میری تفتیش پر مامور تھا جس کا نام دماغ سے نکل گیا ہے اس نے یہ الزامات عائد کر کے مجھے کہا کہ آپ ان سوالات کے جواب تیار رکھیں شام پانچ بجے ملاقات ہوگی۔

یہ کہہ کر وہ چلا گیا پورے آٹھ روز تک نہ آیا میں مسلسل ان الزامات کو جھوٹا اور بے بنیاد ثابت کرنے اور اصل صورتحال بتانے کی تیاری کرتا۔ لیکن رات کو نیند تک نہ آتی۔ غنودگی بھی طاری ہو جاتی۔ یاد الٰہی کی جو کیفیت اور تجلیات و برکات قلعہ کے ایام اسیری میں محسوس کی پھر وہ عمر بھر نصیب نہ ہو سکی۔ جب آٹھویں دن صبح کو اٹھا تو میرا دل و دماغ نئی سلیٹ کی طرح صاف تھا میں نے فیصلہ کیا کہ میں کچھ نہ سوچوں گا۔ موقعہ پر جو سوالات کریں گے صحیح صحیح جوابات دے دوں گا۔

ابھی یہ فیصلہ ہی کیا تھا کہ انسپکٹر صاحب آدھمکے اور معذرت کرنے لگے کہ میں کسی ضروری کام سے باہر چلا گیا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ میں تمہارے ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف تھا اس لئے ذہنی کوفت میں رہا۔ تشریف لائیے' پوچھئے میں بتائے دیتا ہوں۔ مجھے حوالات سے نکال کر بارک میں لے گئے۔ ہتھکڑی بھی نہیں نکالی پھل کے خالی کریٹ کو اوندھا کر کے مجھے اس پر بٹھا دیا گیا۔ ان سوالوں کا جواب صحیح صحیح دینا ہے۔ کوئی غلط جواب نہ دیں ورنہ یہ یاد رکھیں کہ یہ شاہی قلعہ ہے یہاں سے آپ کی چیخ و پکار بھی باہر نہیں جا سکتی اور نہ ہی آپ کی مدد کو کوئی بلند و بالا دیواریں پھلانگ کر اندر آ سکتا ہے۔ یہ اس کے تمہیدی کلمات تھے۔

اب سوالات شروع ہوئے' میں مختصر جواب دیتا رہا۔ جب مالیات کے متعلق سوال کیا کہ کس کس شخص نے کیا کیا مدد کی۔ کل کتنا روپیہ تھا۔ کتنا کہاں صرف ہوا' باقی کہاں ہے۔ مجھے لائل پور میں معلوم ہو گیا تھا کہ جن مخیر حضرات کی تحریک میں مالی معاونت کا حکومت کو علم ہو جاتا ہے اس کی شامت آ جاتی ہے اس لئے میں نے جان خطرے میں ڈال کر کہا کہ یہ شعبہ میرے پاس نہیں ہے۔ میری رہائش شہر سے میل ڈیڑھ میل باہر ہے میں شہر کے لوگوں کو زیادہ

جانا بھی نہیں اس نقطے پر مجھے بڑی کوفت ہوئی بڑی اذیت کا سامنا کرنا پڑا مگر میں نے ثابت قدمی کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔ غرضیکہ پوری ہسٹری شیٹ تیار کی صبح کے چھ بجے سے رات کے گیارہ بجے تک مختلف وقفوں سے یہ عمل جاری رہا۔ گیارہ بجے رات تھک چور ہو کر حوالات میں آکر نماز پڑھی' نیند نے آ دبوچا۔ صبح فجر کی نماز سے فارغ ہوا ہی تھا کہ انسپکٹر صاحب آ دھمکے اور بڑی معصومیت اور مصنوعی طور پر مایوسی کا اظہار کرتے اور چہرہ بناتے ہوئے کہا کہ میری اور آپ کی کل کی ساری محنت ضائع ہو گئی۔ وہ یہ کہ دستاویزات میرے سائیکل کے کیریئر سے گھر جاتے ہوئے راستہ میں گر گئیں آپ اور کل والا بیان پھر لکھوا دیجئے تاکہ میں اوپر افسران کو بھیج سکوں۔ میں پھر کل والی بارک میں پہنچایا گیا۔ وہیں دوبارہ پھر سارا بیان لکھوایا۔ بعض مقامات ایسے تھے جہاں میں نے معلومات بہم پہنچاتے ہوئے احتیاط سے کام لیا تھا۔ آج بعض اور مقامات پر احتیاط کی گئی۔ کل والی احتیاط کا خیال دماغ میں نہ رہا۔ رات گیارہ بجے پھر فراغت ہوئی اور مجھے میری حوالات میں پہنچا دیا گیا۔ ضروریات و فرائض سے فارغ ہوا گہری نیند کل کی طرح سو گیا۔ تیسرے روز ابھی نماز صبح سے فارغ ہوا ہی تھا کہ پھر انسپکٹر صاحب آ دھمکے اور کہا کہ ختم ہو گیا وہ آپ کا پرسوں کا بیان میرے میز کی دراز میں رہ گیا تھا۔ وہ بھی مل گیا لیکن اب جو میں نے آپ کے دونوں بیانات کو پڑھا ہے تو ان میں تضاد و اختلافات ہے چنانچہ ان تضادات کو رفع کریں۔ مثلاً میں نے پہلے بیان میں کہا کہ میں نے شادی سے متاثر ہو کر ۱۹۳۲ء میں احرار میں شمولیت اختیار کی۔ دوسرے بیان میں' میں نے ۲۷' ۲۸ بتایا اب اس نے کہا کہ ان میں سے کونسی بات صحیح ہے۔ میں نے کہا کہ رسمی طور پر تو ۱۹۳۲ء سے شامل تھا باضابطہ طور پر ۲۷' ۲۸ میں شامل ہوا۔ غرضیکہ مسلسل اس قسم کی پورا دن کھینچا تانی جاری رہی۔

چوتھے روز اصغر خاں ڈی۔ آئی جی قلعہ نے وہ زبان استعمال کی' دلخراش خرافات کا ریکارڈ توڑ دیا۔ مسلسل ہتھکڑی لگا کر صبح ۶ بجے سے رات ۸ بجے تک کھڑا کیا گیا کرنا ورد ہمیشہ کا ساتھی بن گیا۔ قلعہ کے دن بڑے سخت تھے۔ اشرف کالا کو وعدہ معاف گواہ بنا کر مولانا عبدالستار خان نیازی کو فردوس شاہ کے قتل میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر وہ انکاری رہا۔ اشرف کالا بڑا بہادر انسان تھا۔ تین سال جیل کاٹ کر ملتان سے رہا ہو کر میرے پاس آیا بعد میں پھر ملاقات نہ ہو سکی نہ معلوم کہ اب وہ زندہ ہے یا انتقال کر گیا۔ جس حالت میں ہے اللہ تعالیٰ اسے سلامت رکھے!

شاہی قلعہ کے بعد دس دن ٹی کی حوالات میں گزارے یہ دن میرے لئے پہلے سے زیادہ اذیت ناک اور تکلیف دہ تھے۔ کیونکہ حوالات سماج دشمن عناصر سے بھری پڑی تھی۔ پھر

چند دن کے لئے لاہور سنٹرل جیل میں بھیج دیا گیا یہاں سے بالآخر کیمبل پور (اٹک) جیل بھیج دیا گیا۔ بقیہ ایام اسیری یہاں گزارے قلعہ اور اٹک جیل میں مزید سیاسی راہنماؤں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مولانا عبدالستار خاں نیازی ' مولانا عبدالواحد گوجرانوالہ چوہدری ثناء اللہ علیگ حکیم حافظ عبدالمجید بابا آغا شورش کاشمیری کا ساتھ رہا۔

میرے پیچھے میرے گھرانے پر جو مصیبتیں آئیں وہ بڑی دلخراش کہانی ہے بقول غالب"

ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غم کدہ
جس کی بہار یہ ہو اس کی خزاں نہ پوچھ

گھر کا سارا سامان حکومت ضبط کر کے لے گئی۔ چند چیزیں مال خانہ میں جمع کرا کر باقی سامان پولیس نے مال غنیمت سمجھ کر آپس میں تقسیم کر لیا ریلوے والوں نے تنخواہ بند کر دی۔ شہر والے سمجھتے رہے کہ مولانا ریلوے کے بادشاہ ہیں اور ریلوے والے سمجھتے رہے کہ مولانا شہر کے بادشاہ ہیں۔ بچوں کو خاصی پریشانی رہی۔ بہرحال جیسے کیسے وقت گزر گیا"

بلبل کے کاروبار پہ ہے خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

رہائی کے بعد ریلوے والے گذشتہ ایام کی پوری تنخواہ لائے میں نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ میری عدم موجودگی میں میرے بچوں کو رقم کی زیادہ ضرورت تھی اس وقت تو آپ نے دی نہ اب تو میں آ گیا ہوں۔ میری عدم موجودگی میں جس ذات باری تعالیٰ نے انتظام کیا وہ اب میری موجودگی میں بھی اس کا اہتمام کرے گی۔ وہ دن جائے آج کا دن آئے پھر بھی ریلوے والوں سے مسجد کی خطابت کی تنخواہ نہ لی۔

تحریک ختم نبوت کے بارے میں حکومت کا رویہ

حکومت انفرادی ملاقاتوں میں تسلیم کرتی تھی کہ ہمارا موقف درست ہے۔ لیکن پبلک کے سامنے انکار کرتی تھی۔ اصل میں وہ سمجھتی یہ تھی کہ مرکز میں خواجہ ناظم الدین برسراقتدار تھے۔ قادیانیت کا مرکز پنجاب میں تھا۔ جہاں دولتانہ برسراقتدار تھے۔ ملک کا دستور زیر ترتیب تھا۔ دستور میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ صوبہ سرحد' پنجاب' سندھ' بلوچستان اور مشرقی بنگال اس لحاظ سے بنگال کا حصہ پانچویں بھائی کا بنتا تھا اور مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان کی آبادی کچھ زیادہ تھی اس لئے دوسرا موقف یہ تھا کہ ملک کے سیاسی و معاشی کوٹے حقوق مغربی پاکستان کے ہیں اور کوٹے مشرقی پاکستان کے یہ تمام بحثیں بنگالی و پنجابی راہنماؤں کے درمیان تلخیاں پیدا

کر رہی تھیں خواجہ ناظم الدین کو بنگال کا نمائندہ سمجھا جا رہا تھا اور دولتانہ کو پنجابیوں کا لیڈر گردانا جا رہا تھا۔ یہ کشمکش ابھی جاری تھیں کہ تحریک ختم نبوت ملک میں زور پکڑ گئی۔ مرزا بشیرالدین ان دنوں سخت اشتعال انگیز بیان دے رہا تھا۔ اس کا یہ اعلان بھی شامل تھا کہ ۱۹۵۲ء گزرنے سے پہلے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ دشمن ہمارے پاؤں پر گرنے پر مجبور ہو جائے اور پھر یہ بیان کہ وہ وقت آنے والا ہے جب اقتدار ہمارے پاس ہوگا اور ہم دشمنوں سے چوڑھے چماروں کا سا سلوک کریں گے۔

مرزا محمود کے ان بیانات نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ملک میں تحریک بھڑک اٹھی جب گرفتاریاں شروع ہوئیں تو مرکزی حکومت کے راہنماؤں خصوصاً بنگالی قائدین نے اس تحریک کو دولتانہ کی تحریک کا نام دیا۔ کہ وہ خواجہ ناظم الدین اور مرکزی حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے علماء کو اکسا کر کراچی بھیج رہے ہیں اور پورے ملک کے امن کو تہہ و بالا کیا ہوا ہے' حالانکہ خود دولتانہ تحریک ختم نبوت کے راہنماؤں کا مقابلہ میں تحریک کی مخالفت کے لئے جگہ جگہ دورے کر رہے تھے کئی جگہ ان کے جلسے بدامنی کا شکار ہو گئے۔ کئی جلسوں میں ان پر سوالات کی ایسی بوچھاڑ ہوئی کہ ان کے لئے جان چھڑانا مشکل ہو گیا وہ خود مشکل میں پھنسے ہوئے تھے۔ پنجاب مسلم لیگ تحریک کی دشمن تھی۔ اس لئے کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ تحریک کے معمولی راہنماؤں کے جلسے میں لاکھوں افراد پہنچ جاتے تھے اور اس کے برعکس لیگ یا دولتانہ کا جلسہ ہوتا تو چند گنے چنے مسلم لیگی' وہیں والے پولیس کے گارڈ اور سادہ کپڑوں میں پولیس کے لوگ ہوتے۔ اس کیفیت سے مسلم لیگ خائف تھی۔ کہ اگر تحریک کو کچلا نہ گیا تو آنے والے الیکشن میں مسلم لیگ مجلس احرار کے ہاتھوں بری طرح شکست کھا جائے گی۔ لیکن دوسری طرف ناظم الدین اور اس کے ساتھی پنجاب کی ساری صورت حال کی ذمہ داری مسلم لیگ پر ڈالتے رہے اور جو کچھ وہ تحریک کے خلاف کر رہے تھے اس کو دولتانہ کی مکاری و عیاری سمجھتے رہے۔ یہ بات کہ ختم نبوت کی تحریک کے لیڈروں نے دولتانہ صاحب کے اشارے پر ناظم الدین کو گرانے کے لئے یہ تحریک شروع کی تھی۔ تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ ہے اور اس پر ستم یہ کہ ناظم الدین اور اس کی مرکزی حکومت کے علاوہ منیر انکوائری کورٹ نے بھی مرکزی حکومت کے موقف کو تسلیم کیا۔ تحریک اور تحریک کے راہنماؤں کو بدنام کرنے اور ان کی کردار کشی کرنے اور انہیں ذلیل کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ جس کا فائدہ مرزائیوں یعنی فرنگیوں کے دشمنوں کو پہنچا۔ منیر نے اپنی رپورٹ میں علماء کی کردار کشی کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا۔ کہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست پاکستان کے علماء اسلام مسلمان کی متفقہ تعریف نہیں کر سکے یہ لکھ کر دنیائے عیسائیت کے ہاتھ میں اسلام کے خلاف ایک بڑا دستاویزی ثبوت مہیا کر

دیا۔ حالانکہ یہ تحریک علماء اور مسلمانوں کے اپنے نیک جذبات اور اخلاص پر مبنی تھی اور اس کا باعث مرزا بشیرالدین کے اشتعال انگیز بیانات اور مرزائیوں کی جارحانہ ارتدادی سرگرمیاں تھیں۔

مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کی سیاست کا اس میں دخل نہ تھا۔ نہ بنگالی پنجابی کی جماعت یا مخالفت میں کچھ کہا جا رہا تھا دولتانہ کو جو وفود ملتے رہے اس میں ان کے ان الفاظ کو اس جھوٹ کے پلندے کی بنیاد بنایا گیا۔ دولتانہ کا یہ کہنا تھا کہ آپ کے چار مطالبات ہیں۔

۱۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ ظفراللہ خاں مرتد قادیانی کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے۔

۳۔ مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔

۴۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔

جہاں تک پہلے تینوں مطالبات کا تعلق ہے۔ وہ مرکزی اسمبلی سے متعلق ہیں جس کے ہم بھی ممبر ہیں۔ ان مطالبات کو آپ وہاں پیش کرائیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم آپ کے مطالبات کی تائید میں ووٹ دیں گے۔

البتہ آپ کا یہ مطالبہ کہ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ یہ پنجاب حکومت سے متعلق ہے۔ اس پر میری حکومت غور کرنے اور تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔ مجلس عمل کے وفود اور دولتانہ کی گفتگو کو سازش کا نام دیا گیا اور اس جھوٹ کی بنیاد پر تمام جھوٹ کی عمارت کھڑی کی گئی۔

چنانچہ اس کے بعد مجلس عمل کا اجلاس کراچی میں ہوا۔ خواجہ ناظم الدین سے وفود کی ملاقات ہوئی اور ان سے صاف کہا گیا کہ ہمارے تین مطالبات کا تعلق آپ کی وزارت کابینہ اور قومی اسمبلی سے ہے' آپ ہمارے مطالبات تسلیم کریں اور قومی اسمبلی میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کریں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ مجلس عمل کے وفود کئی بار خواجہ ناظم الدین سے ملتے رہے اور ملاقاتوں میں خواجہ ناظم الدین نے مطالبات تسلیم نہ کرنے کے دوسرے دلائل دیئے۔ حالانکہ ان کے دل میں شبہ یہ تھا کہ یہ وفود دولتانہ منظم کرکے بھیج رہا ہے۔ آخری مرتبہ جب مجلس عمل کا وفد مشرقی پاکستان کے پیر سرسینہ شریف کی قیادت میں خواجہ ناظم الدین سے ملا۔ بحث مباحثہ کے بعد وفد نے ایک ماہ کا تحریری الٹی میٹم دیا۔ اس پر ناظم الدین نے پیر سرسینہ شریف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "پیر صاحب یہ مطالبات ماننا میرے بس میں نہیں ہے۔ اگر میں ظفراللہ خاں مرتد قادیانی کو وزارت سے نکال دوں تو امریکہ پاکستان کو ایک دانہ گندم کا بھی

نہیں دے گا۔" پھر اسی گفتگو کو ناظم الدین نے منیر انکوائری کمیشن میں بھی دہرایا۔ یہ جملہ منیر انکوائری رپورٹ میں موجود ہے۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ خواجہ ناظم الدین، دولتانہ اور مسلم لیگی لیڈروں کے انجام کو دیکھنے کے بعد بھی کچھ پڑھے لکھے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ تحریک خواجہ ناظم الدین کو پریشان کرنے کے لئے دولتانہ کے ایماء پر چلائی گئی تھی۔ ہم اس کی تردید میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

نیک سیرت

تحریک کے زمانہ میں کوہ مری میں حکومت کا اجلاس تھا۔ بعض بدبخت مسلم لیگی راہنما وزراء تحریک کے راہنماؤں کو قتل کرنے کے فیصلے کر رہے تھے اور رب العزت کی شان بے نیازی کہ وہاں ایک نیک سیرت کمشنر صاحب اے یو خان بھی تھے جنہوں نے اس تجویز کی نہ صرف مخالفت کی۔ بلکہ اس کے نقصانات گنوا کر مسلم لیگی وڈیروں کو قائل کیا کہ اس اقدام کے بعد آپ بھی نہ بچ سکیں گے۔ اس روایت کے راوی مولانا قاضی احسان شجاع آبادیؒ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جنہوں نے تحریک کی کسی بھی درجہ میں حمایت کی جزائے خیر دے۔ جو مخالف تھے ان کا کیا انجام ہوا یہ بڑی عجیب و غریب داستان ہے۔

(تحریک کے مخالفین کا انجام اسی کتاب میں آگے دوسری کسی جگہ آپ مولانا کی زبانی ملاحظہ فرمائیں گے۔ مرتب)

میانوالی کی رپورٹ

مولانا محمد عبداللہ مہتمم دارالہدیٰ بھکر فرماتے ہیں:

۱۹۵۵ء کی بات ہے راقم السطور نے مدرسہ تبلیغ الاسلام میانوالی میں داخلہ لیا۔ یہ مدرسہ اس وقت ضیار الوالی مسجد میں تھا۔ یہ چھوٹی سی مسجد شہر کے ایک کونے میں ہے۔ صوفی شیر محمد صاحب مرحوم اور ان کے بھائیوں نے جب یہاں جگہ خرید کر ذاتی مکانات تعمیر کئے تو ساتھ ہی چند مرلے مسجد کے لئے مختص کر دیئے اور اس میں مسجد تعمیر کر کے اس کے ساتھ دو حجرے بنا دیئے۔ مولانا کبیر شہید" سے صوفی صاحب کے دوستانہ مراسم ہو گئے اور مولانا مرحوم نے میانوالی کے دورے میں ان کے ہاں قیام شروع فرمایا تو مسجد کا چھوٹا حجرہ مولانا مرحوم کی قیام گاہ بنا۔ اس حجرے کے قفل کی ایک کنجی مولانا کے پاس ہوتی تھی، جب بھی وقت بے وقت تشریف لاتے بے تکلف حجرہ کھول کر اس میں قیام فرماتے۔ یہ حجرہ ان دنوں مولانا کبیر والا حجرہ کہلاتا

تھا۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تقسیم سے پہلے اور قطب الارشاد مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ تقسیم کے بعد میانوالی تشریف لائے تو صوفی شیر محمد صاحب کے مکان میں قیام فرمایا جو اس مسجد سے ملحق ہے اور اسی مسجد میں نمازیں پڑھیں' حضرت رائے پوریؒ تو کچھ دیر مولانا کے والے حجرے میں بھی تشریف فرما ہوئے' حضرت امیر شریعت 'مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ 'مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور مجلس احرار کے تمام راہنما اسی مسجد میں ٹھہرا کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے یہ شرف حضرت صوفی شیر محمد صاحب ہی کو بخشا تھا کہ انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑنے والے علماء میانوالی میں انہی کے مہمان ہوا کرتے تھے' حضرت صوفی صاحب کا پیشہ زرگری تھا' یہی ان کا خاندانی پیشہ تھا' جس کی وجہ سے انہیں سنیار کہا جاتا ہے اور ان کی مسجد بھی سنیاراںوالی مسجد مشہور ہوئی' ہمارے داخلے کے وقت مدرسہ تبلیغ الاسلام کی عمر کوئی تین ہی سال تھی' یہ مدرسہ حضرت صوفی صاحب کے بھتیجے حضرت مولانا محمد رمضان صاحب مدظلہ نے دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد ہی قائم کیا تھا' مسجد کا بڑا حجرہ ہماری قیام گاہ تھا اور چھوٹا درس گاہ' میانوالی آئے مجھے چند ہی دن گزرے تھے کہ یہاں کے ڈپٹی کمشنر کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ مرزائی ہے' اپنی سرکاری رہائش گاہ پر مرزائیوں کو اکٹھا کرکے نماز جمعہ پڑھا کرتا ہے' اس کے ایماء پر مرزائیوں نے مسلمانوں کو ملازمتوں اور دوسرے دنیوی منافع کا لالچ دے کر مرزائی بنانے کی مہم چلا رکھی ہے' کبھی ایسی خبر بھی مل جاتی کہ آج فلاں مرزائی اپنی دوکان پر اپنا مذہبی لٹریچر تقسیم کر رہا تھا' یہ ڈپٹی کمشنر مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا ایم ایم احمد تھا' اس کی سرگرمیوں کا تذکرہ نجی مجالس میں ہوتا' لوگ تشویش کا اظہار کرتے تھے لیکن اس زمانے میں ڈپٹی کمشنر کے عہدے کا بہت رعب تھا' اس کے خلاف میدان میں آنا بڑے دل گردہ کی بات تھی' اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت ہمارے استاذ مولانا محمد رمضان صاحب کو بخشی کہ انہوں نے ڈپٹی کمشنر کے خلاف آواز اٹھائی اور اپنی جمعہ کی تقریروں میں اس کی اشاعت ارتداد کی کارروائیوں کو نشانہ بنایا' آپ کی تقریروں نے مسلمانوں میں ہلچل پیدا کر دی' اسی دوران حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانوی مرحوم تشکیل جماعت کے لئے تشریف لے آئے' پرانے ساتھی اکٹھے ہوئے' مولانا میانوی مرحوم نے ان کے سامنے مرزائیوں کی ملک گیر اسلام دشمن سرگرمیاں اور ان کے متعلق اکابر احرار کا پروگرام بیان فرمایا' مجلس تحفظ ختم نبوت کی تشکیل ہوئی' حضرت الاستاذ مولانا محمد رمضان صاحب کو صدر اور مجلس احرار کے سابق جنرل سیکرٹری غلام رسول صاحب کو ناظم منتخب کیا گیا' مشرقی پنجاب سے ہجرت کرکے آنے والے حضرات نے شہر کے وسط میں نئی مسجد تعمیر کی تھی' اس مسجد میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے جلسے کا اعلان کر دیا گیا' میانوالی میں اس مبارک موضوع پر یہ پہلا جلسہ تھا' جلسہ بھرپور ہوا

۔ حضرت مولانا میانوی مرحوم نے پرجوش تقریر فرمائی' ایم ایم احمد کو للکارا' اس کے دادا کی جھوٹی نبوت کے تار و پود بکھیرے اور اعلان کیا کہ ضلع میانوالی کی اس بڑی پوسٹ کو مرزائیت کے حق میں استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی' اس جلسہ کے نتیجے میں ایم ایم احمد کا رعب ہوا ہو گیا' اس کی شخصیت ہر جگہ موضوع بحث بن گئی اور ہر گلی کوچے میں اس کے خلاف نفرت کا اظہار ہونے لگا۔

اس مسجد کی انتظامیہ نے پھر چند دن بعد معراج کے جلسے میں مولانا میانوی صاحب کو بلا لیا' مولانا نے اپنی تقریر میں پھر ڈپٹی کمشنر پر تنقید کی' اس کے کچھ دن بعد حضرت حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ ہمارے استاد صاحب کی دعوت پر تشریف لائے' آپ نے شہر کے مختلف مکاتب فکر کے علماء کو اکٹھا کیا اور ان سے مرزائیوں کے خلاف متحد ہو کر کام کرنے کی اپیل کی' اس موقع پر اتحاد کی تو کوئی شکل نہ بن سکی لیکن اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی ایم ایم احمد کا میانوالی سے تبادلہ ہو گیا' اس وقت میانوالی شہر میں مرزائیوں کے صرف تین گھر تھے' یہ لوگ کسی سہارے کے بغیر کوئی مذہبی کام نہیں کر سکتے تھے' ڈپٹی کمشنر سے بڑا ان کے لئے کون سہارا ہو سکتا تھا' ایم ایم احمد کے تبادلے کے بعد یہ لوگ سہم گئے' ادھر ہمارا کام بتدریج بڑھ رہا تھا' شہر کے کچھ علماء نے تحریک کی کہ ایک بڑی کانفرنس رکھی جائے' دو روزہ کانفرنس رکھ دی گئی' یہ کانفرنس میانوالی کی عیدگاہ میں ہوئی' حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ' حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ' حضرت مولانا لال حسین اخترؒ' حضرت مولانا عبدالرحمن میانویؒ اور کچھ دوسرے علماء تشریف لائے' کانفرنس میں عوام کی حاضری بے پناہ تھی' اس کانفرنس سے پورے ضلع میں پیغام پہنچا اور لوگوں کو پتہ چلا کہ مرزائیت اسلام سے الگ فرقہ ہے جو لوگ کانفرنس کے اصل محرک تھے' کانفرنس کے بعد وہ ہمارے کام میں شریک نہیں ہوئے۔ ہمارے استاد مولانا محمد رمضان صاحب چند پرانے ساتھیوں اور ہم طالب علموں کو ساتھ لے کر کام کرتے رہے' بعض ساتھی اپنی ذاتی مصروفیات کی وجہ سے آگے نہ چل سکے' مجلس احرار اسلام کا ترجمان سہ روزہ آزاد لاہور سے شائع ہوتا تھا' اس میں جماعت کی کارروائیاں چھپا کرتی تھیں' یہ اخبار نصب العین سے متعلق پورے ملک کے حالات بتاتا تھا مرکز اور ذیلی جماعتوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ تھا' جماعت کی طرف سے کبھی اعلان ہوتا کہ فلاں جمعہ کو یوم مطالبات منایا جائے' ہم قرار دادیں لکھتے اور شہر کے تمام خطیبوں کو پہنچاتے' اکثر خطیب حضرات قرار داد جمعہ کے اجتماع میں پاس کرایا کرتے تھے اور بعض حکومت کی خوشنودی کے منافی سمجھ کر چپ سادھ لیتے' ایک دفعہ ہم نے سوچا کہ کام کو وسعت دی جائے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس میں شریک کیا جائے' ۱۸ اگست ۱۹۵۵ء کو مجلس تحفظ ختم نبوت کا اجلاس رکھا اور ایک کاغذ پر پرانے

ساتھیوں کے ساتھ چند نئے نام لکھ کر میں اور صوفی فضل احمد مرحوم بازار میں چل پڑے' ناموں کے مطابق دعوت دیتے رہے' کہیں کوئی متشرع آدمی دوکان میں نظر آیا تو اس کا نام کسی سے پوچھ کر لکھ لیا اور دعوت دے دی' صوفی محمد ایاز خان صاحب کی بھی کپڑے کی دوکان تھی ایک دفعہ کسی طالب علم کو داخل کرانے کے لئے ہمارے مدرسہ میں تشریف لائے تھے وہاں انہیں دیکھا تھا لیکن زیادہ شناسائی نہ تھی' دوکان کے سامنے بیٹھے درزی سے نام پوچھا اور کاغذ میں لکھ لیا اور اندر جا کر انہیں دعوت دی' اللہ تعالیٰ نے ہماری محنت میں برکت عطا فرمائی' نئے اور نمایاں لوگ کافی تعداد میں آئے' اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے حضرت صوفی عبدالرحیم صاحب موسیٰ خیل کے' آپ ہمارے تقریباً تمام اجلاسوں میں موسیٰ خیل سے تشریف لایا کرتے تھے' آپ کی رائے وزنی اور آپ کی موجودگی ہمارے لئے حوصلہ افزائی کا موجب ہوا کرتی تھی' آپ ہمیشہ مجلس احرار کے ضلعی صدر رہے' ان کی تجویز سے مجلس تحفظ ختم نبوت کا صدر صوفی محمد ایاز خان صاحب کو بنایا گیا' نائب صدر مولانا محمد رمضان صاحب خازن شہباز خان منتخب ہوئے' نظامت کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی' میری عمر اس وقت سولہ سال سے کچھ اوپر تھی' شرح وقایہ وغیرہ کے اسباق تھے' اس ذمہ داری کی نہ اہلیت تھی نہ فرصت' بڑوں کا حسن ظن تھا حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا' صوفی محمد ایاز خان ہمارے لئے بالکل نئے تھے' بوری خیل کے پٹھان ہیں' پہلے سکول ٹیچر رہے' ان دنوں میانوالی میں کپڑے کی دوکان کر رکھی تھی' اجلاس کے بعد انہوں نے پچھلا ریکارڈ دیکھا' اسی پہلی نشست میں ساتھیوں سے گھل مل گئے' ایسا محسوس ہوا جیسے ہمارے پرانے ساتھی ہوں اس سے پہلے ہمارے تمام اجلاس اپنی مسجد میں ہوا کرتے تھے' اب صوفی محمد ایاز خان کی تجویز سے دوسری مساجد میں بھی اجلاس شروع کر دیئے' اس سے کام زیادہ متعارف ہوا اور نئے نئے لوگ کام میں دلچسپی لینے لگے' اب تک ہمارے عام جلسے بھی مسجدوں میں ہوا کرتے تھے' اب ہم نے کمیٹی پارک کا رخ کیا اور ۲۷ اگست ۱۹۵۱ء کے لئے حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ کو مدعو کیا' یہ جلسہ ہم نے کمیٹی پارک میں کیا' حضرت مولانا مرحوم نے مفصل اور مدلل تقریر فرمائی' پھر اس پارک میں ۱۰ اکتوبر کو دفاع کانفرنس ہوئی' حضرت امیر شریعت' مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مولانا عبدالرحیم اشعر نے خطاب کیا' حضرت امیر شریعت کی تقریر نے ہمارے کام کو زیادہ تازگی اور توانائی بخشی' کارکنوں کو حوصلہ ملا اور ہمارے کام ضلع کے اہم قصبات میں بھی ہونے لگے۔

۱۷ اور ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک کراچی میں مرزائیوں نے جلسہ کیا' ۱۸ مئی کو پاکستان کے مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ نے اس جلسے میں تقریر کی' کراچی کے مسلمانوں نے جلسے کے خلاف احتجاج کیا' پولیس نے سخت حفاظتی انتظامات کر رکھے تھے' لاٹھی چارج ہوا' بے تحاشا

گرفتاریاں ہوئیں' اس واقعہ سے پورے ملک میں مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے کراچی کے چیف کمشنر این اے فاروقی نے مرزائیوں کی حمایت میں بیان دے کر جلتی پر تیل چھڑک دیا سارے ملک میں اس کا شدید رد عمل ہوا ۲۳ مئی کو میانوالی میں بھی احتجاجی جلسہ ہوا' صوفی محمد ایاز خان صاحب اور مولانا محمد رمضان صاحب نے تقریریں کیں' ۳۰ مئی کو جمعہ تھا' میانوالی کی تمام مساجد میں قراردادیں پاس ہوئیں' جن میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے مطالبات تھے اور کراچی انتظامیہ کی مذمت تھی' یہ قراردادیں تار کے ذریعہ حکمرانوں کو بھیجی گئیں' رمضان شریف شروع ہو چکا تھا' مجلس احرار کی طرف سے اعلان ہوا کہ ۲۰ جون ۵۳ء جمعۃ الوداع کو یوم احتجاج منایا جائے' یہ ۱۳۷۲ ہجری کا رمضان تھا میانوالی میں بھی یوم احتجاج کا پروگرام بنایا گیا طے ہوا کہ تمام مساجد میں قراردادیں پاس کی جائیں اور خطیب علماء اسی موضوع پر جمعہ کی تقریر کریں' ڈپٹی کمشنر نے ایک ہفتہ کے لئے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی' تمام جامع مساجد میں حکم نامہ بھیج دیا' جس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی خطیب قرارداد نہ پاس کرائے اور نہ ہی ختم نبوت اور تردید مرزائیت پر کوئی تقریر ہو' سب خطیبوں نے حکم کی تعمیل کی' صرف مولانا محمد رمضان صاحب اور مولانا علی محمد صاحب خطیب قصاباں والی گھنڈ والی نے قرارداد پاس کرائی' حکومت کی مرزائیت نوازی کی مذمت کی اور ڈی سی کے اس حکم نامہ کو مداخلت فی الدین قرار دیا' یہ پہلا موقع تھا کہ دفعہ ۱۴۴ مسجد کے اندر لگائی گئی' انگریزوں کو یہ جرأت نہیں تھی لیکن پاکستان گورنمنٹ کی دفعہ ۱۴۴ بقول ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم کلمہ پڑھ کر مسجد میں داخل ہو گئی ضلعی انتظامیہ نے ان دونوں حضرات کو گرفتار کرنے کی بجائے مرکزی حکومت کی پالیسی کے مطابق اس مسئلے کو احرار مرزائی نزاع مشہور کرنے کی کوشش کی حکومت چاہتی تھی کہ اس مسئلے کو احرار اور مرزائیوں کا باہمی جھگڑا قرار دے کر مجلس احرار کو عوام سے الگ تھلگ کر دیا جائے' عید کا دن آیا تو ڈپٹی کمشنر نے عید گاہ میں احرار کے خلاف تقریر جھاڑ دی اور یہاں تک کہا کہ "جس طرح سنی' شیعہ اور دیو بندی بریلوی مسلمان فرقے ہیں اسی طرح احمدی بھی مسلمانوں کا ایک فرقہ ہیں' احمدیوں کو کافر نہ کہنا چاہئے کیونکہ اس سے تفرقہ بازی ہوتی ہے" ایک طرف یہ پراپیگنڈہ تیز کیا کہ یہ احراریوں اور مرزائیوں کا جھگڑا ہے اور دوسری طرف جمعۃ الوداع کو سرکاری حکم نامہ کی خلاف ورزی کرنے والے دو خطیبوں میں سے مولانا محمد رمضان صاحب کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے تاکہ ان کی گرفتاری سے لوگوں میں یہ تاثر پیدا ہو کہ یہ صرف احرار کا معاملہ ہے' حضرت مولانا صاحب نے جلدی سے مختلف مکاتب فکر کے علماء کا اجلاس بلا لیا' جس میں سے "ختم نبوت کمیٹی" قائم کی گئی اور یہ طے پایا کہ ختم نبوت کے سلسلہ میں حکومت کی ہر پابندی کو توڑا جائے گا' اس سلسلہ میں پہلے قدم کے طور پر ۲۱ جون

کو میلہ گراؤنڈ میں جلسہ عام کا اعلان کر دیا گیا' جلسہ سے ایک دن پہلے مولانا محمد رمضان صاحب گرفتار ہو گئے اور "ختم نبوت کمیٹی" کے فیصلے کے مطابق اس جلسے میں مولانا علی محمد صاحب مرحوم خطیب مسجد قصاباں اور مولانا علی محمد صاحب مہتمم مدرسۃ العلوم بلوخیل نے تقریریں کیں جلسہ کے اختتام پر پولیس نے ان دونوں حضرات کو گرفتار کر لیا' عوام کا بہت ہجوم تھا' ان گرفتاریوں سے اشتعال پیدا ہوا عوام پولیس سے الجھ پڑے' تصادم ہونے لگا تو ذمہ دار حضرات کو تصادم روکنے کے لئے سامنے آنا پڑا اور پولیس نے سب کو نظر میں رکھ لیا اور دو وقت گزار کر سب کو باری باری پکڑ لیا' صوفی شیر محمد صاحب' صوفی محمد ایاز خان صاحب خانزمان خان دتہ خیل سب گرفتار ہو گئے' میں اس جلسے کے موقع پر نہیں تھا' اپنے گاؤں ڈھوک زمان میں سالانہ چھٹیاں گزار رہا تھا' صوفی شیر محمد صاحب کے بڑے فرزند حافظ بشیر احمد صاحب کا مجھے خط ملا کہ سب ساتھی گرفتار ہو چکے ہیں' تم جلدی پہنچو' ہمارا گاؤں میانوالی سے شمال مشرق میں تیس بتیس میل کے فاصلے پر ہے' ان دنوں صرف ایک بس صبح سویرے میانوالی کے لئے ملا کرتی تھی' شام کو خط ملا اور اگلی صبح ۲ جولائی کو میانوالی آ گیا' ہم نوعمر ساتھیوں کو جیل جانے کا بہت شوق تھا لیکن مجلس تحفظ ختم نبوت کے صدر صوفی محمد ایاز خان اور حضرت الاستاد مولانا محمد رمضان نے جیل سے حکم بھیج رکھا تھا کہ تم نے باہر رہ کر کام کرنا ہے' میرے ذمہ یہ کام تھا کہ میں مرکز سے رابطہ رکھوں اور تحریک کی رپورٹ مرکزی راہنماؤں اور اخبارات کو بھیجتا رہوں' ۲ جولائی کو میں میانوالی پہنچا ہی تھا کہ کسی آدمی نے ایک بڑے جلوس کی اطلاع دی' کچھ دیر بعد یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ مشہور گاؤں روکھڑی سے جلوس آیا' بازار سے ہو کر ضلع کچہری پہنچا پولیس افسران نے جلوس کے قائد علی خان صاحب سے کہا کہ یہ تو احرار اور مرزائیوں کا جھگڑا ہے تم کیوں پھنسنا چاہتے ہو' علی خان صاحب نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو' یہ تو ہم سب مسلمانوں کے ایمان کا مسئلہ ہے' ہم اپنے عقیدے کی حفاظت کے لئے جانیں پیش کرنے آئے ہیں' پولیس افسر نے کہا کہ ہم تو صرف احراریوں کو پکڑیں گے' اگر تم احراری ہو تو جاؤ! علی خان صاحب نے کہا کہ ہم احراری نہیں ہیں لیکن ختم نبوت کے مسئلے میں احرار کے ساتھ ہیں' ایک پولیس افسر نے احرار راہنماؤں کے حق میں خلاف ادب الفاظ استعمال کیے تو علی خان صاحب بگڑ گئے اور انہیں فوراً حراست میں لے لیا گیا' اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے غلام خواجہ صاحب کی یہ موسیٰ خیل کے رہنے والے تھے ایک غریب قوم سے تعلق رکھتے تھے' ٹانگوں سے معذور تھے' لاٹھی کے سہارے لڑکھڑا کر چلتے تھے' چلتے چلتے گر بھی جایا کرتے تھے' حضرت امیر شریعت" اور مولانا گل شیر" کے پروانے تھے' اکثر لال کرتہ پہنا کرتے تھے' یہ بھی کہیں سے آئے ہوئے جلوس میں شامل ہو گئے تھے' جب انہوں نے دیکھا کہ پولیس صرف علی خان صاحب کو گرفتار کر

کے باقی لوگوں کو واپس کرنا چاہتی ہے تو یہ لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھے اور پولیس افسران سے کہا کہ میں احراری ہوں انہوں نے ان کو بھی گرفتار کر لیا' اب جلوس کے ہر ٹولی نے آگے بڑھ بڑھ کر کہنا شروع کیا کہ میں احراری ہوں' پولیس نے آٹھ نو آدمی گرفتار کئے باقی لوگوں کو زبردستی واپس کر دیا اور یہ سارے لوگ پھر جلوس کی شکل میں بازاروں اور سڑکوں پر نعرے لگا لگا کر واپس رودکوڑی چلے گئے۔ ایک ہفتے کے لئے دفعہ ۱۴۴ نافذ ہو گئی تھی' اس کی میعاد ختم ہوئی تو ۳ جولائی کو پھر ایک مہینے کے لئے دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا اعلان ہو گیا' اسی دن میانوالی کے قریبی گاؤں وتہ خیل سے جلوس آیا' بازار سے ہوتا ہوا کچہری پہنچا' ڈی سی اور ایس پی کے دفاتر کے سامنے نعرے لگاتا رہا' انتظامیہ نے کوئی تعرض نہ کیا اور جلوس واپس چلا گیا' تقریباً روزانہ یہی کیفیت تھی' جلوس آتے بازاروں اور کچہری میں پھر کر چلے جاتے کوئی گرفتاری نہیں ہوتی تھی'

ہمارے رفقاء کار میں سے صوفی عبدالرحیم صاحب کے سوا کوئی ایسا ساتھی باہر نہیں تھا جو کہیں جا کر تقریر کر سکے' دیہات کے دورے کرنے کے لئے سائیکل کے سوا کوئی سواری میسر نہ تھی' صوفی صاحب نے اپنی سائیکل لی اور دیہات کے دورے پر نکل گئے' میانوالی سے خان شہباز خان بھی اپنی سائیکل پر دیہات کو روانہ ہو گئے' شہباز خان کے والد حاجی حسیب خان مرحوم سائیکل چلانا نہیں جانتے تھے وہ پیدل چل دیئے' ان تین حضرات کو اللہ تعالیٰ نے ان دنوں کام کی بڑی توفیق بخشی' انہوں نے رات دن ایک کر دیا' الگ الگ دیہات میں پھرتے اور مسلمانوں کو ختم نبوت کے لئے قربانی پر آمادہ کرتے تھے' جس گاؤں اور جس قصبے میں جاتے لوگ ان کی دعوت پر لبیک کہتے تھے' ہمارے مدرس' رفقاء میں سے مولوی احمد سعید' حافظ بشیر احمد' حافظ محمد شاہ اور مولوی محمد حیات خان بھی قریب کی بستیوں میں جا کر لوگوں کو حالات بتاتے اور جلوسوں کی دعوت دیتے رہے' حاجی حسیب خان مرحوم مختلف دیہات سے ہوتے ہوئے سوانس جا پہنچے' غالباً یہ ۵ جولائی کا دن تھا' سوانس نیازی پٹھانوں کا گاؤں ہے جو میانوالی سے تیرہ میل کے فاصلے پر پہاڑ کے دامن میں واقع ہے' یہ گاؤں اس زمانے میں جوا بازی کا مرکز تھا' گاؤں کا بڑا زمیندار اور جوئے بازوں کا سرغنہ محمد خان تھا۔ حاجی صاحب سیدھے محمد خان کے ہاں پہنچے جواریوں کا ہجوم تھا کھیل گرم تھا' حاجی صاحب پڑھے ہوئے نہیں تھے' ان کی گفتگو سادہ ہوتی تھی' جواریوں کے مجمع کو اپنے سادہ الفاظ میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا بھائیو! میں تمہارے پاس آیا ہوں' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا سوال ہے' ختم نبوت کا مسئلہ ہے' حکومت نے میانوالی کے علماء کو گرفتار کر لیا ہے' آپ لوگ ہمارا ساتھ دو' محمد خان نے اپنے جواریوں سے کہا چلو یار کھیل ختم کرو۔ ساری عمر جوا کھیلے ہیں' چلو اس نیک کام میں شریک ہوں' شاید اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمارے گناہ معاف فرما

دے۔

تمام جواریوں نے اپنے سردار محمد خاں کے حکم سے جلوس کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آس پاس کی بستیوں کو بھی دعوت دی' ۶ جولائی کو محمد خاں بہت بڑا جلوس لے کر میانوالی پہنچا۔

ہر اتوار کو میانوالی میں مویشیوں کی منڈی لگا کرتی تھی' جس جگہ منڈی لگتی تھی یہ ایک وسیع میدان تھا جسے میلہ گراؤنڈ کہا جاتا تھا' میانوالی کے صدر بازار کے مشرقی سرے پر ریلوے اسٹیشن ہے اور غربی سرے پر میلہ گراؤنڈ ۶ جولائی کو اتوار کا دن تھا' ہم میلہ گراؤنڈ پہنچے' ایک جگہ دیکھا کہ ہجوم ہے اور کسی گاؤں کے ایک عالم دین ہاتھ میں قرآن مجید لے کر اونچی سی جگہ کھڑے تقریر کر رہے ہیں ہم لوگ ہجوم کے کنارے جا کر کھڑے ہوئے ہمیں آواز سنائی نہیں دیتی تھی' تھوڑی دیر میں نعروں اور ڈھولوں کی ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں' موسیٰ خیل ستوالس پائی خیل اور کئی دوسرے مقامات سے الگ الگ جلوس آ پہنچے' علاقائی روایت کے مطابق سب جلوسوں میں ڈھول بج رہے تھے اور پرجوش نعرے تھے' لاؤڈ اسپیکر ہمارے ہاں ایک ہی تھا جو ۲۹ جون کو پولیس نے قبضے میں لے لیا تھا' مجمع اتنا زیادہ تھا کہ آواز نہ پہنچتی تھی' محصول چونگی والے کمرے کو اسٹیج بنا لیا گیا' حضرت صوفی عبدالرحیم صاحب مرحوم اور کچھ دیہاتی علماء اوپر چڑھے' جلوس کو ہدایات دیں' جب جلوس روانہ ہوا تو انسانوں کا ایک سیلاب نظر آتا تھا' کچہری بند تھی' جلوس نے ڈی سی کی رہائش گاہ کا رخ کیا' جلوس سول ریسٹ ہاؤس کے قریب پہنچا تو ڈی۔ سی کا قاصد آگے سے آ ملا اور بتایا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب سول ریسٹ ہاؤس کے پارک میں آ کر آپ لوگوں سے بات کرنا چاہتے ہیں' جلوس پارک کے کنارے رک گیا' ڈپٹی کمشنر آیا اور پارک میں کھڑے ہو کر ہمارے راہنماؤں سے گفتگو کی' صوفی عبدالرحیم صاحب تو ہمارے پرانے بزرگ تھے ان کے سوا جو راہنما تھے وہ دیہات کے علماء اور خوانین تھے' میں انہیں نہیں جانتا تھا' یہاں کوئی بات نہ طے ہو سکی تو راہنماؤں نے جلوس کے شرکاء کو ہدایت کی کہ تب تک یہیں ٹھہریں ہم لوگ ڈی سی صاحب کو ساتھ لے کر جیل جاتے ہیں اور وہاں گرفتار راہنماؤں سے بات کرتے ہیں' ڈی سی صاحب اپنی جیپ میں ان راہنماؤں کو بٹھا کر جیل لے گئے' سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں اندر سے مجلس تحفظ ختم نبوت کے راہنماؤں کو بلا لیا گیا' گفتگو نے طول پکڑا' وقت زیادہ ہو گیا تو جلوس جیل کے دروازے پر پہنچ گیا' راہنماؤں میں سے ایک خان صاحب باہر آئے اور نعرے لگانے سے روک دیا' تھوڑی دیر بعد ڈپٹی کمشنر صاحب باہر آئے اور جلوس کے سامنے اعلان کیا کہ تمہارے جو مطالبے میرے متعلق ہیں میں نے مان لئے ہیں' دفعہ ۱۴۴ ابھی اٹھا رہا ہوں' تمہارے راہنما اور ساتھی سارے آج ہی رہا ہو جائیں گے اور جو مطالبات مرکز سے تعلق رکھتے ہیں میں ان کے بارے میں اپنی سفارش لکھوں

تاکہ یہ مطالبات تسلیم کئے جائیں' ڈپٹی کمشنر کا نام چوہدری اورنگزیب تھا' یہ اعلان کر کے وہ جیپ میں سوار ہوئے اور جلوس نے انہیں چوہدری اورنگزیب زندہ باد کے نعروں سے رخصت کیا' جلوس کے شرکاء کو وہیں سے گھر کو جانے کی اجازت دے دی گئی' شہر میں ای۔ سی صاحب کی طرف سے دفعہ ۱۴۴ کے خاتمے کی منادی ہو گئی اور عصر کے وقت ہمارے تمام راہنما اور ساتھی رہا ہو کر اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر خاص مہربانی فرمائی اور ہم کامیابی سے ہمکنار ہوئے' تمام اضلاع سے پہلے میانوالی میں دفعہ ۱۴۴ ختم ہوئی اور گرفتار ہونے والے لوگ رہا ہوئے' ۲۹ جون کے اتوار کو انتظامیہ نے ہماری تحریک کو دبانے کے لئے جو کارروائی شروع کی وہ اس میں بری طرح ناکام ہو گئی اور اس سے اگلے اتوار کو ٹھیک آٹھویں دن اس نے مکمل ہتھیار ڈال دیئے' ضلع کی سطح پر یہ ہماری بہت بڑی کامیابی تھی' یہ ہماری منزل نہیں تھی' البتہ منزل تک پہنچنے کے لئے اپنے ضلع کے مسلمانوں کی تائید اور تعاون حاصل ہوا' ہماری جدوجہد کا مقصد مرزائیوں کے متعلق مسلمانوں کے متفقہ تین مطالبات کو حکومت سے تسلیم کرانا تھا' وہ تین مطالبات یہ تھے' (۱) مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے (۲) مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کو وزارت سے الگ کیا جائے (۳) کلیدی عہدوں سے مرزائی افسران کو برطرف کیا جائے۔

۲۹ جون سے ۶ جولائی تک ایک ہفتے میں حکومت کی غلط پالیسی نے ہمارا جو کام کیا وہ ہماری برسوں کی محنت سے نہیں ہو سکتا تھا' علماء کی گرفتاریوں سے خود بخود عوام میں ہمدردی اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوا' دور دراز علاقوں تک از خود ہماری دعوت پہنچ گئی' مرکزی حکومت کے رویے سے یقین ہو گیا تھا کہ آسانی سے ہمارے مطالبات نہیں مانے جائیں گے' عوام کو سڑکوں پر لانا پڑے گا اور قربانیاں دینی ہوں گی' ۶ جولائی کے بعد ہم نے ایک ایک دن کو غنیمت سمجھا' ۷ جولائی کو اجلاس بلایا گیا' جس میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے عہدیداروں کا از سر نو چناؤ ہوا' میاں اصغر علی صاحب صدر' صوفی محمد ایاز خان صاحب نائب صدر' مولانا محمد رمضان ناظم اعلیٰ' راقم السطور محمد عبداللہ ناظم اور مولانا علی محمد صاحب خطیب مسجد قصاباں خازن منتخب ہوئے' عہدیداروں سمیت تیرہ ارکان کی مجلس عاملہ تشکیل ہوئی' جس کے عہدیداروں کے علاوہ ارکان یہ حضرات تھے' صوفی عبدالرحیم صاحب' موسیٰ خیل' مولانا محمد زمان صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ' مولانا حافظ محمد احمد صاحب مدرس مدرسہ قاسم العلوم بلو خیل' خان شہباز خان صاحب میانوالی' حافظ غلام محمد صاحب مدرس جامعہ اسلامیہ' مولانا گلزار احمد صاحب مولانا علی محمد صاحب بلو خیل خان زمان خان صاحب روکھڑی' چند دن بعد حضرت پیر عالم شاہ صاحب اور احمد سعید صاحب ہاشمی کو بھی مجلس عاملہ میں شامل کر لیا گیا' ۱۳ جولائی کو برکت علی ہال لاہور میں مذہبی

جماعتوں کا کنونشن ہوا' جس میں مجلس عمل قائم ہوئی' اس کنونشن میں ضلع میانوالی کی نمائندگی کے لئے ہماری مجلس عاملہ نے صوفی عبدالرحیم صاحب کا نام تجویز کیا' حضرت صوفی صاحب لاہور تشریف لے گئے اور کنونشن میں شریک ہوئے' واپس آکر کنونشن کی مفصل کارروائی سے مجلس عاملہ کو آگاہ کیا' ۱۸ جولائی کو ملتان کے تھانہ کپ سے مسلمانوں پر گولی چلائی گئی تھی جس سے چھ مسلمان شہید ہوئے تھے اور بہت سے زخمی ہوئے' ۲۰ جولائی کو ہماری مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ملتان میں پولیس تشدد کی مذمت اور شہداء کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ۲۱ جولائی عشاء کے وقت کمیٹی پارک میں جلسہ عام ہو گا اور ۲۲ جولائی کو شہر میں مکمل ہڑتال ہو گی' ۲۱ جولائی کو بہت بڑا جلسہ ہوا جس میں مجلس عاملہ کے چند ارکان کے علاوہ مولانا عبدالستار خان نیازی نے بھی تقریر کی' شہر کی اہم شخصیات کو بھی جلسہ میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی' پنجاب اسمبلی کے ممبر امیر عبداللہ خاں روکھڑی اور بعض دوسرے مدعوین بھی جلسے میں تشریف لائے' ۲۲ جولائی کو مکمل ہڑتال ہوئی' مجلس عاملہ کے ارکان نے ہمت اور مستعدی سے کام جاری رکھا' جب بھی مرکزی مجلس عمل نے یوم مطالبات یا یوم احتجاج منانے کا اعلان کیا مجلس عاملہ نے اپنے ضلع میں اسے کامیاب بنایا' مختلف مواقع پر ضلع کے اہم قصبات اور دیہات کے دورے کئے' ۱۵ اگست کے اجلاس میں مجلس عاملہ نے مرکزی مجلس عمل سے باقاعدہ الحاق کا فیصلہ کیا اور طے ہوا کہ آئندہ کے لئے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے نام سے کام کیا جائے گا عہدیدار اور ارکان حسب سابق ہوں گے' اب مجلس عمل کی طرف سے ۱۵ ـ ۱۶ ستمبر کو کمیٹی پارک میانوالی میں ختم نبوت کانفرنس رکھی گئی' اس کانفرنس میں مرکزی راہنماؤں میں سے صاحبزادہ فیض الحسن صاحب سجادہ نشین آلو مہار شریف' ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری صدر مجلس احرار اسلام پاکستان اور شیخ حسام الدین صاحب جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام پاکستان تشریف لائے' کانفرنس ہر لحاظ سے کامیاب رہی' وقت گزرنے کے ساتھ عوام سے رابطہ بڑھانے اور انہیں مجلس عمل میں شامل کرنے کی زیادہ ضرورت محسوس کی گئی' ضلع کو مختلف حلقوں میں تقسیم کر کے اس میں کام کرنے کی ذمہ داری مختلف راہنماؤں پر ڈالی گئی' میانوالی شہر میاں اصغر علی صاحب' مولانا علی محمد صاحب' اور خان زمان خان صاحب کے سپرد ہوا' شہر کے علاوہ تھانہ صدر کا علاقہ مولانا محمد رمضان صاحب' چوکی کندیاں حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ خانقاہ سراجیہ' تحصیل عیسیٰ خیل صاحبزادہ زین الدین صاحب آف ترگ' تھانہ چکڑالہ و موسیٰ خیل وغیرہ صوفی عبدالرحیم صاحب اور تحصیل بھکر مولانا گلزار احمد صاحب کے سپرد ہوئے۔

۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء کو مرکزی مجلس عمل نے وزیر اعظم کو الٹی میٹم دیا کہ ایک مہینے کے اندر ہمارے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو راست اقدام کیا جائے گا' ۲۲ فروری کو الٹی میٹم کی میعاد پوری ہونی تھی' اس میعاد کے بعد کے حالات کے لئے جس تیاری کی ضرورت تھی ہم نے اس کے لئے عوامی رابطے اور رضا کاروں کی بھرتی کا کام تیز کر دیا' اور ساتھ ہی ۲۲ ۔ ۲۳ فروری کو ختم نبوت کانفرنس رکھدی' اس کانفرنس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ ' مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ ' حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی مدظلہ' مولانا غلام اللہ خاں صاحبؒ اور مولانا عبدالحنان صاحبؒ تشریف لائے' مجلس عمل کے الٹی میٹم کی میعاد پوری ہو چکی تھی' حکومت نے مطالبات تسلیم نہیں کئے تھے' ان حالات میں عوام کا ہجوم اور جوش و خروش مثالی تھا' راہنماؤں کی تقاریر کا بھی رنگ زور دار تھا' اس سے پہلے سرکاری دفاتر اور لکھے پڑھے لوگوں میں یہ پراپیگنڈا ہوتا رہتا تھا کہ تین مطالبات میں سے پہلا مطالبہ تو مذہبی ہے لیکن دوسرے دو مطالبے سیاسی ہیں' لکھے پڑھے لوگ اس کانفرنس میں زیادہ آئے تھے' کانفرنس میں سب سے پہلی تقریر حضرت مولانا محمد علی جالندھری کی ہوئی تھی' اللہ تعالیٰ ان پر لاتعداد رحمتیں نازل فرمائے' اسٹیج پر تشریف لائے' مختصر خطبہ کے بعد تقریر کا آغاز اس طرح فرمایا' "میں اس وقت تین چیزوں سے بحث کروں گا' ہمارے مطالبات کیا ہیں' حکومت کیوں نہیں مانتی اور اب ہم کس طرح منوانا چاہتے ہیں " آپ نے دو گھنٹے سے زیادہ تقریر فرمائی' تقریر کے دوران عوامی جذبات کا یہ عالم تھا کہ ہر آدمی مولانا کے اشارے پر جان پر کھیل جانے کے لئے تیار نظر آتا تھا' دو مطالبات کے متعلق سیاسی ہونا کا پراپیگنڈا بھی گرد ہو گیا' مجسٹریٹوں اور پروفیسروں میں یہ بات سنی گئی کہ " مولوی اپنا مقدمہ ثابت کرنا جانتا ہے " مولانا محمد علی صاحب ۲۳ کو تقریر کرتے ہی واپس تشریف لے گئے' ۲۴ فروری کو حضرت امیر شریعتؒ کے نام مولانا محمد علی صاحب کا تار آیا کہ کراچی پہنچیں' حضرت امیر شریعت میانوالی سے سیدھے کراچی تشریف لے گئے' ۲۷ فروری کو کراچی میں حضرت امیر شریعت اور مجلس عمل کے دوسرے راہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔

جس سے کراچی میں زبردست مظاہرے شروع ہو گئے' ہماری اس وقت کی اطلاع کے مطابق ایک ہی دن میں سو سے زیادہ گرفتاریاں ہوئیں' ۲۷ ۔ ۲۸ فروری کی درمیانی شب لاہور میں بھی مجلس عمل کے اکثر راہنما گرفتار کر لئے گئے اور وہاں بھی مظاہرے اور گرفتاریاں شروع ہو گئیں' ۲۸ فروری کو ہمارا اجلاس ہوا' جس میں راست اقدام کمیٹی بنائی گئی جس کے ارکان تھے میاں اصغر علی صاحب ' پیر شاہ عالم شاہ صاحب' مولانا محمد رمضان صاحب ' مولانا گلزار احمد صاحب ' صوفی محمد ایاز خان صاحب' ایک شیعہ راہنما کا نام بھی راست اقدام کمیٹی

میں رکھا گیا' لیکن وہ ایک اجلاس اور ایک آدھ دورے میں شرکت کے بعد سامنے نہیں آئے' مجلس عمل نے راست اقدام کمیٹی کو آنے والے حالات میں فیصلے کرنے کے مکمل اختیارات دے دیئے' اس اجلاس کے انعقاد تک ہمیں صرف کراچی کی گرفتاری کی اطلاع ملی تھی لاہور کے حالات سے ہم اس وقت تک بے خبر تھے' اجلاس میں کراچی میں اندھادھند گرفتاریوں کے خلاف احتجاج کے لئے یکم مارچ بروز اتوار مکمل ہڑتال اور جلسہ عام کرنے کا بھی فیصلہ ہوا' یہ منڈی مویشیاں کا دن تھا' شہر میں مکمل ہڑتال تھی اور میلہ گراؤنڈ میں جلسہ تھا' حضرت پیر شاہ عالم شاہ صاحب نے جلسہ کی صدارت فرمائی اور مقامی راہنماؤں نے تقریریں کیں' ان دنوں میں مجلس عمل کی طرف سے جلسے کا اعلان ہو جاتا تھا خلق خدا ٹوٹ پڑتی تھی' عام حالات کے جلسوں کی طرح لوگ یہ نہیں خیال کرتے تھے کہ تقریر کون کرے گا' میلہ گراؤنڈ کا یہ جلسہ بھی بڑا بھرپور جلسہ تھا۔

پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں گرفتاریاں ہو رہی تھیں' ۲ مارچ کو مجلس عمل کا اجلاس ہوا' جس میں فیصلہ ہوا کہ گرفتاری کے لئے رضاکاروں کو لاہور بھیجا جائے' اس روز شام کی ریل سے دس رضاکاروں کا قافلہ لاہور روانہ کر دیا گیا' فقیر غلام خواجہ مرحوم کو بھی قافلے کے ساتھ لاہور بھیجا گیا' تاکہ وہ قافلے کے منزل مقصود تک سلامت پہنچنے کی واپس آ کر اطلاع دے سکیں' فقیر غلام خواجہ کی جسمانی کیفیت دیکھ کر کوئی ناواقف آدمی انہیں تحریک کا کارکن نہیں خیال کر سکتا تھا' کسی جگہ ان کے گرفتار ہو جانے کا امکان نہ تھا' اس لئے انہیں حالات معلوم کرنے کے لئے زیادہ موزوں سمجھا گیا' وہ قافلے کو تحریک کے مرکز مسجد وزیر خاں میں پہنچا کر واپس آئے' اپنے قافلے اور لاہور کے حالات سے ہمیں آگاہ کیا' ۴ مارچ کو بارہ رضاکاروں کا دوسرا قافلہ لاہور بھیجا گیا' لاہور میں حالات بہت جلدی کشیدہ ہو گئے' جگہ جگہ جلوسوں پر گولیاں برسنے لگیں باہر کے رضاکاروں کا مسجد وزیر خاں تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔ ۵ مارچ کو ہماری راست اقدام کمیٹی نے میانوالی میں گرفتاریاں دینے کا فیصلہ کر لیا' مجلس عمل کا دفتر میرے حوالے ہوا' یہ دفتر میانوالی کے سب سے زیادہ بارونق چوک ریلوے اسٹیشن کے ایک بالاخانے میں تھا' رضاکاروں کے ناموں کا رجسٹر میں اندراج اور دوسرے دفتری امور سرانجام دینے کی ذمہ داری میرے سپرد تھی' گرفتاری پیش کرنے والے رضاکاروں کی حتمی فہرست روزانہ راست اقدام کمیٹی کو مہیا کرنی ہوتی تھی' تحریک کا مرکز موتی مسجد کو بنایا گیا یہ مسجد بازار کے غربی چوک میں ہے' مسجد کے برآمدے کی چھت تھی اندر کا حصہ بغیر چھت کے تھا' ایک کھلا سا حجرہ تھا' اس حجرے کو رضاکاروں کا لنگر خانہ بنایا گیا جس کے انچارج مولانا علی محمد ساکن بلو خیل مقرر ہوئے' راست اقدام کمیٹی کے فیصلے کے مطابق ۶ مارچ کو پانچ رضاکاروں کا جلوس موتی مسجد سے

روانہ ہوا اور ضلع کچہری میں پہنچے جہاں ان پانچ رضاکاروں کو گرفتار کر لیا گیا' میانوالی میں گرفتاریاں شروع ہونے کی اطلاع دیہاتی علاقوں میں پہنچی تو لوگ گرفتاریاں دینے کے لئے دھڑا دھڑ آنے لگے' ہر رضاکار تقاضا کرتا کہ اسے جلدی جیل میں بھیجا جائے' ہمیں مجبور ہو کر تیسرے دن گرفتاری کے لئے رضاکاروں کی تعداد پانچ سے بڑھا کر دس کرنی پڑی' پھر دو دن بعد تعداد پندرہ کرنی پڑی' بعد میں تعداد گھٹتی بڑھتی رہی مارچ کا مہینہ تھا' سہانا موسم تھا' روزانہ صبح موتی مسجد میں اجتماع ہوتا وہاں ایک تقریر ہو جاتی' دس رضاکاروں کو لوگ ہار پہناتے یہ رضاکار آگے ہوتے ان کے پیچھے تانگہ ہوتا جس پر لاؤڈ اسپیکر نصب ہوتا تھا' غلام حسین قریشی نظمیں پڑھتے' اہم چوکوں پر جلوس ٹھہر جاتا مجلس عمل کے کوئی راہنما تقریر فرماتے' ایک آدھ جگہ لوگوں کے تقاضے پر حضرت پیر شاہ عالم شاہ صاحب مرحوم کلام پاک کی تلاوت فرماتے' حضرت پیر صاحب کی عمر اس وقت ستر سال کے قریب ہو گی' قرآن مجید کے بہت پختہ حافظ تھے' ایک رات میں پورا قرآن مجید بھی سناتے رہے' حضرت پیر صاحب جب تلاوت فرماتے تو فضا میں سناٹا ہوتا' لوگ شوق اور محبت سے سنتے' ہر ایک کی آرزو ہوتی کہ پیر صاحب زیادہ تلاوت فرمائیں' جلوس میں چوکوں پر زیادہ تقریریں مولانا محمد رمضان صاحب کی ہوا کرتی تھیں۔ اتوار کے دن جلوس میلہ گراؤنڈ سے دس بجے چلا کرتا تھا اور باقی سارا ہفتہ موتی مسجد سے' جمعہ کے دن موتی مسجد سے نماز جمعہ کے بعد جلوس روانہ ہوتا تھا پہلے یہ جلوس کچہری تک گیا تھا اور وہاں گرفتاری ہوئی اس کے بعد میونسپل کمیٹی کے پاس شہر کے آخری مشرقی چوک میں پولیس والے اپنی گاڑی لا کر کھڑی کر دیتے تھے۔ جلوس قریب آتا تو گاڑی سڑک کے وسط میں کر کے اس کا پچھلا دروازہ کھول دیتے' جلوس چند قدم کے فاصلے پر رک جاتا اور رضاکار دوڑ کر پولیس کی موٹر میں داخل ہو جاتے اور پولیس انہیں صدر تھانے لے جاتی' وہاں ضابطے کی کارروائی مکمل کر کے رضاکاروں کو اسی وقت جیل بھیج دیا جاتا تھا'

میرا زیادہ وقت دفتر میں گزرتا تھا' جلوس کے وقت میں دفتر میں ہی رہتا تھا اور دفتر کے سامنے والے چھجے میں کھڑے ہو کر جلوس کا نظارہ کرتا تھا' دور سے جلوس نظر آنے لگتا تھا' عجیب ایمان افروز اور دل لبھانے والا منظر ہوتا' جلوس کے آگے پھولوں کے ہار پہنے جیل جانے والے رضاکاروں کو دیکھ دیکھ کر دل کو سیری نہ ہوتی تھی' یہ لوگ بڑے پیارے لگتے تھے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق ہی کی وجہ سے اپنے ارادے اور شوق سے جیل کے قیدی بنتے تھے' اللہ تعالیٰ کے محبوب کی محبت میں جو گھر بار کا آرام و راحت چھوڑ کر جیل کی کال کوٹھڑیوں اور مصیبتوں کی طرف سے خراماں خراماں چل رہے ہوتے ان سے زیادہ محبوبیت کہاں ہوتی' وہ پیارے کیوں نہ لگتے' ایک دن تو ایسا لگا جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے بھیج دیئے

ہوں کلورکوٹ کے رضاکار تھے سب کے لال کرتے' زیادہ سفید ریش نورانی چہرے' یہ راتوں کو اللہ کا ذکر کرنے والے لوگ تھے' آج وہ پرکیف بہار آفریں منظر یاد کرکے کسی کا شعر حافظے میں گردش کرنے لگا ہے۔

نشانِ منزلِ جاناں ملے ملے نہ ملے
مزے کی چیز ہے یہ ذوقِ جستجو میرا

شروع مارچ سے پورے امن اور سکون سے تحریک چل رہی تھی' روزانہ جلوس نکل رہے تھے گرفتاریاں دی جا رہی تھیں یہاں تک کہ ۳۰ مارچ کا دن طلوع ہوا جو ہمارے لئے حالات کے انقلاب اور تبدیلی کا دن ثابت ہوا' اس دن پتہ چلا کہ مولانا محمد رمضان صاحب اور خانزمان خان ودہ خیل کے وارنٹ ہیں' یہ وارنٹ کہیں سے آئے تھے یہ دونوں حضرات کہیں تلہ گنگ کے علاقے میں تقریریں کر آئے تھے' مولانا محمد رمضان صاحب گرفتاری دینے کے لئے جلوس میں شریک ہوئے' حسب معمول تانگے میں بیٹھے' موقع بموقع تقریر فرماتے رہے' اس دن لوگ مولانا کی تقریر زیادہ توجہ اور حسرت سے سن رہے تھے' پورے جلوس پر رقت طاری تھی' حضرت پیر شاہ عالم شاہ صاحب اس دن تاخیر سے تشریف لائے' جلوس بازار میں سبزی منڈی کے قریب پہنچ چکا تھا' جب پیر صاحب کو معلوم ہوا کہ مولانا محمد رمضان صاحب گرفتاری دے رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا میں بھی ان کے ساتھ جاؤں گا' ساتھی روکتے رہ گئے وہ زبردستی ہار گلے میں ڈال کر مولانا کے ساتھ تانگے میں بیٹھ گئے' میاں اصغر علی صاحب نے بھی اسی وقت اپنی گرفتاری پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ بھی ان حضرات کے ساتھ تانگے میں سوار ہو گئے جب پیر صاحب اور میاں صاحب کی گرفتاری پیش کرنے کا اعلان ہوا تو لوگ ہکا بکا رہ گئے' بہت سے لوگ رونے لگے ہمیں بھی صدمہ ہوا' نہ جانے خدا تعالیٰ کو کیا منظور تھا' مولانا محمد رمضان صاحب کے وارنٹ تھے' پیر صاحب اور میاں صاحب کا فیصلہ اچانک اور ہمارے اجتماعی طریق کار کے برعکس تھا' آج پولیس کی گاڑی میں سوار کراتے وقت لوگوں کی زبان پر نعرے اور آنکھوں میں آنسو تھے' ۳۱ مارچ کو موتی مسجد کے جلسے میں صوفی محمد ایاز خان نے تقریر کی اور ۳۰ مارچ کو گرفتار ہونے والے تینوں راہنماؤں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی آواز بھر آ گئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے اس روز میں بھی جلسے میں آیا تھا ہر کسی کے چہرے اداسی اور مایوسی کے آثار نظر آتے تھے جلوس نکلے رضاکاروں نے گرفتاری دی ہم نے مذکورہ تینوں راہنماؤں کی جگہ راست اقدام کمیٹی اور علاقائی کمیٹی میں نئے لوگ شامل کئے۔

۳۱ مارچ کا سورج اپنا سفر پورا کرنے والا تھا' میں صوفی محمد ایاز خان کی دکان کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ ان کے درزی نے آواز دی' میں قریب آیا تو اس نے کہا تجھے پتہ ہے صوفی

صاحب کو پولیس لے گئی ہے' میں نے کہا نہیں' اس نے کہا تجھے پتہ ہے کہ تیرے بھی وارنٹ ہیں' میں نے کہا اس کا بھی مجھے علم نہیں' میں یہ خبر سن کر چوکس ہو گیا جلوس کی تیاری شروع کر دی' مغرب سے کچھ دیر بعد صوفی شیر محمد صاحب کے مہمان خانے میں پہنچا' حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ تشریف فرما تھے' راہنماؤں کی گرفتاریاں سن کر کام کی دیکھ بھال کے لئے تشریف لائے تھے' خانزمان دتہ خیل اور ایک دو اور ساتھی بھی موجود تھے۔ حالات کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا' ہماری ذمہ داریاں دوسرے ساتھیوں میں تقسیم کی گئیں' حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ (امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت) نے تحریک کی قیادت سنبھالی' مشورہ میں یہ بات بھی طے پائی کہ میں تین دن روپوش رہوں اور ۳ اپریل کو جمعہ کے جلوس میں شریک ہو کر گرفتاری پیش کروں اور خانزمان خان ۵ اپریل کو جلوس میں گرفتاری دیں۔ اس فیصلے کی برکت سے مجھے تین دن کی روپوشی کی سنت پر اللہ تعالیٰ نے عمل نصیب فرمایا' بدھ اور جمعرات کو معمول کے مطابق جلوس نکلے اور گرفتاریاں ہوتیں' پروگرام کے مطابق جمعہ کی نماز سے پہلے میں نے تقریر کی اور نماز جمعہ پڑھائی' نماز کے بعد گرفتاری دینے والے رضاکاروں کے نام پڑھ کر سنائے گئے جن کا امیر بھی مجھے بنا دیا گیا' مولانا محمد رمضان صاحب کے چھوٹے بھائی مولانا احمد سعید صاحب نے منادی کی ڈیوٹی شروع سے اپنے ذمہ لے رکھی تھی' وہ جلسہ اور جلوس کے منتظمین میں بھی شامل تھے' اس دن صوفی شیر محمد صاحب مرحوم کے بڑے فرزند حافظ بشیر احمد صاحب بھی مائک پر آئے اور رضاکاروں کے ناموں کا اعلان بھی انہوں نے کیا یہ دونوں ساتھی اس دن جلسے اور جلوس کے منتظم تھے' مجھے پیش رو راہنماؤں کی جگہ تانگے میں بٹھایا گیا' راہنماؤں کی گرفتاریوں سے عوام میں اضطراب تھا' جلوس میں لوگ پہلے کی نسبت زیادہ تھے۔ بازار کے چوکوں میں زیادہ تر مجھے ہی تقریر کرنی پڑی' غلام حسین قریشی چلتے ہوئے ترنم سے نظمیں پڑھا کرتے تھے' اس روز بھی وہ پوری آب و تاب سے نظمیں پڑھتے آ رہے تھے کہ کسی نے انہیں کہلا کر تمہارے وارنٹ ہیں تم آج ادھر ادھر ہو جاؤ' وہ خاموشی سے کھسک گئے' کچھ دیر کے لئے جلوس کی رونق میں فرق آ گیا' ہم پریشان ہونے لگے' اچانک ایک چھوٹا اجنبی بچہ تانگے پر آ گیا اور مائک لے کر نعت پڑھنا شروع کر دی' اس کی آواز میں حلاوت اور لہجے میں موزونیت اور پختگی تھی' اس کے ایک ایک شعر پر لوگ جھوم جاتے' ہم نے اس اجنبی بچے کی آمد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد سمجھا' اس کی نعت کا پہلا مصرعہ مجھے اب تک یاد ہے۔۔۔

خدا جب مجھ سے پوچھے گا کہ تو دنیا سے کیا لایا
تو میں بے ساختہ کہہ دوں گا کہ نام مصطفیٰ لایا

صوفی شیر محمد صاحب کے فرزند مولانا نذیر احمد صاحب اس وقت بچے تھے' ان کی بھی آواز اچھی تھی' انہوں نے بھی نظمیں پڑھیں اس جلوس میں یہ دونوں بچے غلام حسین قریشی کے نعم البدل ثابت ہوئے' چوک ریلوے اسٹیشن میں جلوس کی آخری تقریر ہوا کرتی تھی' میں نے اپنی تقریر میں حکومت کی نئی پالیسی پر بھی روشنی ڈالی اور لوگوں سے کہا کہ حکومت کے ارادے اچھے نہیں ہیں' اب معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اب ہمارے ساتھیوں کو گرفتار کرے گی' ہو سکتا ہے کہ مولانا احمد سعید بھی گرفتار ہو جائیں اور منادی کا سلسلہ بھی بند ہو جائے' آپ لوگوں کو خود کام سنبھالنا ہو گا' بغیر اطلاع اور منادی کے جلسے اور جلوس میں آنا ہو گا' میری اس بات پر ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ ہم سب مسلمان ہیں' جلسے اور جلوس ہوں گے' گرفتاریاں دی جائیں گی'

ہمیں نماز جمعہ سے پہلے اطلاع ملی تھی کہ آئی جی جیل خانہ جات نے میانوالی جیل کا دورہ کیا اور ہمارے رضاکار ساتھیوں پر تشدد ہوا ہے' میں نے جمعہ کی تقریر میں اس پر احتجاج کیا تھا اور ریلوے چوک سے بھی جلوس روانہ ہوا' اگلی منزل میونسپلٹی چوک تھا وہاں جلوس پہنچا اور ہم نعروں کی گونج میں چند قدم چل کر پولیس کی گاڑی میں سوار ہو گئے' ہمیں صدر تھانہ لے جایا گیا' ہم تھانے کے دروازے میں داخل ہوئے تو تھانے کی حوالات میں بند خان زمان خاں وکیل نے زور سے نعرہ تکبیر لگایا ہم نے اللہ اکبر جواب دیا' خان زمان خاں مرحوم ۳۱ مارچ کو ہماری مشاورت میں شامل ہونے کے بعد سفر میں چلے گئے تھے جمعہ کے دن ریل سے آئے اور گھر پہنچتے ہی گرفتار ہو گئے' ان کے اٹک سے وارنٹ تھے میانوالی پولیس نے بھی ان کے خلاف زیر دفعہ ۲۱ سیفٹی ایکٹ مقدمہ قائم کیا تھا اور میرے خلاف بھی اسی دفعہ کے تحت مقدمہ تھا' ہم دونوں کی گرفتاری دفعہ ۲۱ سیفٹی ایکٹ کے تحت ہوئی' ہمارے ساتھ گرفتاری دینے والے رضاکاروں کی ۱۰۷ اور ۱۵۱ کے تحت ہوئی' ضابطے کی کارروائی مکمل کر کے ہمیں جیل پہنچایا گیا' رضاکار جیل کے دروازے میں داخل ہوتے وقت بھی نعرے لگایا کرتے تھے ہم نے بھی لگائے افسران جیل کے تیور بدلے ہوئے تھے' ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ غصے میں بھرے ہوئے تیزی سے باہر آئے اور کہا کہ جس نے نعرہ لگایا میں زبان کھینچ لوں گا' خان زمان خاں پھرتی سے آگے ہوئے اور کہا کہ پہلے میری زبان کھینچ لو وہ فوراً واپس ڈیوڑھی میں چلا گیا' ہمیں بھی آہنی دروازوں کے اندر لے جایا گیا' صوفی محمد ایاز خان صاحب وہاں ڈیوڑھی میں موجود تھے' انہوں نے بتایا کہ مجھے آج دفعہ ۳ سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند کیا جا رہا ہے' ان کی گرفتاری دفعہ ۳ کے تحت ہوئی تھی صوفی صاحب اور خان زمان خان وہیں ڈیوڑھی میں تھے اور ہمیں لال ٹوپیوں والے نمبرداروں کے حوالے کر دیا گیا جنہوں نے ہمیں لے جا کر چکیوں میں بند کر دیا' یہ نمبردار طویل

المیعاد اخلاقی قیدی ہوتے تھے جنہیں لال ٹوپی اور نیلی پوشاک دی جاتی تھی اور ان سے باورچی خانے اور مختلف کاموں میں قیدیوں کی نگرانی کا کام لیا جاتا تھا' ان میں سے اکثر ظالم اور سنگدل ہوتے تھے' کچھ دیر میرے ساتھ تو تین رضاکار رہے پھر ایک نمبردار آیا اور میرے ساتھ کے رضاکاروں کو نکال لے گیا' اب میں چکی کوٹھڑی میں اکیلا تھا' یہ میانوالی جیل کے اسیران ختم نبوت کے لئے ابتلا کے دن تھے' آئی جی کے دورے کے موقع پر جیل انتظامیہ سے رضاکاروں کا تنازعہ ہو گیا تھا' سرکردہ ساتھیوں کو انتظامیہ نے ڈیرہ غازی خان جیل بھیج دیا اور باقی رضاکاروں کو چکی بند کر دیا' یہ لوگ رات دن بند رہتے تھے' بعض سادہ قسم کے رضاکاروں کو دھوکے سے اپنے گھروں کو بھیج دیا گیا' ایک رضاکار کو ڈیوڑھی میں بلایا جاتا کہ تمہاری ملاقات کو تمہارے رشتہ دار آئے ہیں' ڈیوڑھی میں ان سے انگوٹھا لگوا کر جیل سے باہر نکال دیا جاتا اور جیل میں مشہور کر دیا کہ یہ لوگ معافی مانگ کر چلے گئے ہیں' میری عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی' پہلی دفعہ جیل گیا تھا' طبیعت کچھ ایسی تھی کہ خلاف طبع بات پر غصہ جلدی آ جاتا تھا' میں کوٹھڑی میں اکیلا بند تھا' نمبردار سے کسی ساتھی کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ یہاں کوئی مولوی نہیں رہا سب معافی مانگ کر چلے گئے' یہ لوگ تمام رضاکاروں کو مولوی کہتے تھے' میں نے نمبردار کی بات کو سچا اور یقین کر لیا کہ سب لوگ چلے گئے' ایک نمبردار آیا اور کہا کہ او مولوی! تجھے باہر جانا ہے کہ نہیں؟ مجھے اس کی بات پر غصہ آ گیا اور میں نے اسے کچھ سختی سے جواب دیا' وہ مجھے دھمکی دے کر چلا گیا' مجھے یقین ہو گیا کہ اب مجھ پر تشدد ہو گا' اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی دل میں گھبراہٹ نہیں آئی' مغرب کا وقت ہوا تو چکی احاطہ کی تمام کوٹھڑیوں میں اذان کی آوازیں بلند ہوئیں جن سے پتہ چل گیا کہ رضاکار موجود ہیں' نمبرداروں کی بات غلط ہے' اگلی صبح مجھے نکال کر ہسپتال لے گئے میرے ساتھ آنے والے رضاکار بھی تھے ہمارا ملاحظہ ہوا' میرا قد پانچ فٹ گیارہ انچ اور وزن ایک سو چودہ پونڈ ہوا' ہسپتال سے واپس لا کر ہمیں پھر کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا' عصر کے وقت ہمیں کوٹھڑی سے نکال کر ایک سایہ میں لے جایا گیا' ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں رضاکار اکٹھے تھے اور خان زمان خان ہدایات دے رہے تھے' انہوں نے تاکید کی کہ آپ قانون جیل کا احترام کریں اب تمہیں مسلسل بند نہیں رکھا جائے گا' قانون کے مطابق کھلا رہنے کی اجازت ہو گئی تمام رضاکار مجھے باہر مل کر آیا کرتے تھے اب سب نے مصافحہ شروع کیا' تقریباً چوبیس گھنٹے کی قید تنہائی کے بعد کھلے صحن میں ساتھیوں سے مل کر خوشی ہوئی' دن میں گیارہ بجے سے دو بجے تک ہم لوگ بند ہوتے ان کوٹھڑیوں کو چکیاں کہا جاتا تھا' پہلے زمانے میں ہر کوٹھڑی میں چکی ہوتی تھی' اس وقت تھوڑی سی کوٹھڑیوں میں چکیاں تھیں باقی سب بغیر چکیوں کے تھیں' کوٹھڑیوں کی جو لائن شمالاً جنوباً ہے اس کے پیچھے سائے میں ہم عصر

اور عصر کی نماز ادا کیا کرتے تھے' ہمارے امام چنڈانوالہ کے حافظ محمد عباس صاحب تھے' دن میں تمام رضاکار مختلف مشاغل میں رہتے کوئی تلاوت کر رہا ہے کوئی نوافل میں ہے کوئی کمرے کی صفائی میں لگا ہے کوئی کوٹھری کی دھلائی میں کوئی گپ شپ میں' ان میں ماشاء اللہ خوب رونق ہوتی رات کو کوٹھریوں میں بند ہوتے' رات کی نمازیں کوٹھریوں میں ہوتی تھیں' ہمارے جیل آنے سے اگلے روز جمعے کو موتی مسجد کے جلسے میں حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ نے تقریر فرمائی تھی پولیس آپ کو گرفتار کرنا چاہتی تھی آپ جلوس کو مسجد سے روانہ کر کے وتہ خیل تشریف لے گئے پولیس اس خیال میں تھی کہ آپ جلوس میں ہوں گے آسانی سے گرفتار کریں گے' حضرت کے اس روز نہ ملنے سے پولیس کو کافی پریشانی ہوئی' پولیس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح ان کی فوری گرفتاری ہو جائے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی' اتوار کے دن میلہ گراؤنڈ میں حضرت کا خطاب ہوا' اور جلوس میں بھی چوکوں پر تقریر فرماتے رہے میونسپلٹی چوک میں رضاکاروں کے ساتھ گرفتاری پیش کی' مولانا احمد سعید صاحب کو بھی اس دن حضرت کے ساتھ ہی پولیس نے گاڑی میں بٹھا لیا' حضرت مولانا خان محمد صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب کی گرفتاری دفعہ ۳ سیفٹی ایکٹ کے تحت ہوئی' اس دن سے انتظامیہ نے ہر اس کارکن کو دفعہ ۳ کے تحت گرفتار کرنا شروع کر دیا جس کے متعلق انتظامیہ کو ذرا بھی خطرہ ہو سکتا تھا کہ وہ تحریک کا مرکز سنبھال سکتا ہے' ہمارے بعد جن لوگوں کے وارنٹ جاری کر کے گرفتار کیا گیا اور دفعہ ۳ سیفٹی ایکٹ کے تحت انہیں نظربند کیا گیا ان کے نام یہ ہیں حضرت مولانا خان محمد صاحب خانقاہ سراجیہ' احمد سعید صاحب میانوالی' صوفی شیر محمد صاحب میانوالی' حافظ بشیر احمد صاحب میانوالی' صوفی غلام عیسیٰ صاحب میانوالی' حافظ محمد احمد صاحب میانوالی' خان زمان خان شہباز خیل' غلام رسول صاحب کالا باغ' غلام جیلانی خان موسیٰ خیل' غلام رسول خان موسیٰ خیل' دوست محمد خان عیسیٰ خیل' سید عطاء اللہ شاہ صاحب سواز والا' قاضی نور احمد صاحب میانوالی' ربنواز خان ترانوالی' صوفی محمد رمضان میانوالی' مولانا علی محمد صاحب ابو خیل' مولانا محمد معصوم کلورکوٹ ان حضرات کی گرفتاری کے بعد انتظامیہ نے گرفتاریاں پیش کرنے والے رضاکاروں کو پکڑنے سے انکار کر دیا' لوگ دیہات سے آتے اور گرفتاری کے لئے پیش ہوتے مگر کوئی انہیں گرفتار نہ کرتا' ایک دن سید مقصود احمد شاہ اور صوفی عبدالرحمن گرفتاری دینے کی کوشش میں کامیاب ہو گئے' ساری رات انہیں تھانے میں بٹھایا گیا' ڈانٹا بھی گیا اور پیار سے بھی وہیں بھیجنے کی کوشش کی گئی مگر یہ دھرنا مار کر بیٹھ گئے پولیس نے ان کی گرفتاری ڈال اور ہمارے ہاں جیل پہنچا دیا اس طرح بتدریج گرفتاریاں بند ہو گئیں میرا خیال ہے کہ میانوالی میں تمام اضلاع سے زیادہ دیر تک تحریک جاری رہی اور پرامن رہی'

جو حضرات دفعہ ۳ سیفٹی ایکٹ کے تحت نظربند تھے انہیں مکمل کرے میں رکھا گیا تھا' ہم لوگ چکیوں میں تھے جب انتظامیہ باہر سے بے فکر ہوئی تو اندر والے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئی' پہلے تو کچھ دن نمبرداروں کے ذریعہ رضاکاروں کو پھسلانے کی کوشش کی گئی اس میں ناکامی ہوئی اور انتظامیہ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ اپنے نظریئے میں پکے اور ثابت قدم ہیں تو رضاکاروں کے چھ گروپ ترتیب دے دیئے' اور ہر گروپ کے لئے الگ تاریخ پیشی مقرر کر دی' اس طرح ۲۲ '۲۳ '۲۵ '۲۷ '۲۸ '' ۳۰ اپریل کی تاریخیں لگیں جو گروپ کو اس کی تاریخ پیشی پر ایک سال قید محض کی سزا سنا دی گئی ۲۵ اپریل کو تیسرے گروپ کی سزا کا فیصلہ ہوا سزا پانے والے ان تین گروپوں اور دفعہ ۳ سیفٹی ایکٹ کے نظربندوں کو ۲۵ اپریل کی شام سنٹرل جیل لاہور روانہ کر دیا گیا' ان کے بعد جو تین گروپ رہ گئے انہیں بھی ایک ایک سال قید محض کی سزا ملی' جس گروپ کو سزا سنائی جاتی اسے چکیوں سے کیمپوں میں منتقل کر دیا جاتا تھا' ۳۰ اپریل کو چھٹے اور آخری گروپ کو سزا سنائی گئی اور انہیں بھی کیمپوں میں منتقل کر دیا گیا تو میں نے اسسٹنٹ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سے کہا کہ مجھے حوالات کی بیرکوں میں بھیج دیا جائے' انہوں نے اسی وقت مجھے وہاں بھجوا دیا' یہاں میرے گاؤں کے قریب کے کچھ حوالاتی تھے' ویسے بھی کھلی بیرکیں تھیں' چکیوں میں ایک مہینہ گزارنے کے بعد حوالات کی بیرکوں میں بہت آرام محسوس کیا ہمارے جن ساتھیوں کو ۳۰ '۲۸ ' کو سزائیں ملیں۔ ۵ مئی کی میری تاریخ پیشی تھی۔ میں ڈیوڑھی کے اندر والے دروازے کے سامنے کھڑا تھا کہ دروازہ کھلا علماء اور دوسرے نظربند لوگوں کی ایک جماعت ڈیوڑھی سے اندر آئی میں نے محبت اور عقیدت سے مصافحہ کیا' ان علماء میں جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا قاری لطف اللہ شہید صاحب بھی تھے' ان حضرات کے دریافت کرنے پر میں نے بتایا کہ میرے خلاف زیر دفعہ ۲۱ سیفٹی ایکٹ مقدمہ ہے تو انہوں نے ضمانت کا مشورہ دیا لیکن میں ضمانت کو تحریک کے لئے مفید نہیں سمجھتا تھا ہم تاریخ بھگت کر آ گئے' ان دنوں باہر سے بہت زیادہ تحریکی نظربندوں کے چالان آئے' ساہیوال' فیصل آباد' لاہور اور شیخوپورہ کے زیادہ لوگ تھے جن میں علماء کی خاصی تعداد تھی' اٹک سے شروع میں ہی ایک چالان آیا تھا' حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم بھوئی گاڑ والے بھی تھے' ان سے اکثر ملاقات ہوا کرتی تھی' ۲ مئی کو ڈی۔ سی میانوالی جیل کے دورے پر آئے۔ تمام حوالاتی خاص طریقے اور سلیقے سے بستر لگائے قطار میں بیٹھے تھے' اس بیٹھنے کو وہاں کی اصطلاح میں پریڈ کہا جاتا تھا' میں بھی پریڈ میں بیٹھا تھا' ہم سب کے سامنے اپنے اپنے کارڈ بھی رکھے تھے' ڈی۔ سی صاحب اور ایس۔ پی صاحب کے ساتھ جیل کا عملہ تھا آگے آگے ڈی۔ سی صاحب تھے جب یہ لوگ ہمارے احاطے میں داخل ہوئے تو ڈی۔

سی صاحب کی نظر مجھ پر پڑی اور وہ سیدھے میرے پاس آ کھڑے ہوئے اور میرا کارڈ اٹھا کر دیکھا اور ایس۔ پی صاحب سے کہا کہ دفعہ ۲۱ والے سب لوگ بلاک ۳ میں نظر بند کیے گئے تھے' یہ پیچھے رہ گئے' ایس پی صاحب نے کچھ جواب دیا باقی پرچے کا دیکھنا رہ گیا کچھ دیر تک وہ آپس میں سوال جواب کرتے رہے اور واپس چلے گئے' مجھے بہت خوشی ہوا کہ اب نظر بندی کے آرڈر آ جائیں گے اور نظر بند علماء میں رہنے کا موقعہ مل جائے گا' مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ' میری آٹھ دس دن بعد پیشی ہوا کرتی تھی۔ دوسرے مقدمات والے لوگوں کے ساتھ میں بھی ہتھکڑیاں پہن کر عدالت جایا کرتا تھا اور مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہو کر تاریخ لے کر آ جایا کرتا تھا ۳ مئی کو ایک نمبردار نے مجھے آ کر کہا کہ چکر میں آ جاؤ تمہارے مہمان ہیں' میں باہر نکلا تو حضرت الاستاذ مولانا محمد رمضان اور خان زمان خان مرحوم میرا انتظار کر رہے تھے' انہیں گرفتاری کے بعد اٹک جیل بھیج دیا گیا وہاں کے مقدمہ میں سزایاب ہو کر آئے تھے' یہاں کے مقدمے کے لئے انہیں لایا گیا تھا' کچھ دیر ہم چکر میں بیٹھے ایک دوسرے کی خیر خیریت پوچھی' میں واپس آ گیا انہیں قیدیوں کا لباس پہنا کر کسی دوسری جگہ رکھا گیا' ہم تینوں کے مقدمے ایک ہی دفعہ کے تحت تھے' ہماری اکٹھی پیشیاں لگا کرتیں' ہر تاریخ پر اکٹھے ہتھکڑیاں پہن کر جایا کرتے تھے' ہمارا رمضان شریف بھی جیل میں گزرا' عید کی نماز کا اہتمام نظر بندوں کے احاطے میں ہوا' ہم بھی وہاں گئے اور علماء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری" مولانا محمد علی صاحب جالندھری" اور دوسرے تمام مرکزی راہنما سنٹرل جیل لاہور میں تھے' ان حضرات کو ہمارے مقدمے کا علم ہوا تو انہوں نے حکم دیا کہ ہم ضمانتیں کرا لیں اور باہر آ کر مقدمہ لڑیں' باہر والے ساتھیوں نے ہماری ضمانتیں کرا لیں' ۱۸ جولائی کو میری رہائی کے احکامات جیل میں پہنچے اور میں رہا ہو گیا' حضرت مولانا اور خان زمان خان کی ضمانتیں اٹک سے بھی کرائی گئیں' وہاں ضمانتیں ہوئیں اور یہ دونوں حضرات بھی میرے بعد ایک دو دن میں آ گئے' ۳۰ ستمبر کو ہمارے مقدمے کا فیصلہ ہوا' ہم تینوں کو دو دو سال کی سزا سنائی گئی' ہم نے اسی وقت ضمانتیں کرائیں اور ۲۹ اکتوبر کو سیشن کورٹ میں اپیل دائر کرائی' ۱۸ نومبر کو اپیل کی سماعت ہوئی اور سیشن جج صاحب نے ہمیں بری کر دیا'

جب ہم جیل سے رہا ہوئے تو حضرت پیر شاہ عالم شاہ صاحب راولپنڈی جیل میں تھے اور میاں اصغر علی صاحب فیصل آباد جیل میں' یہ دونوں میانوالی کے رئیس گھرانوں کے تھے انہیں جیل میں اے کلاس دی گئی تھی' ان کے علاوہ ہمارے تمام نظر بند رفقاء سنٹرل جیل لاہور میں تھے' ۲ اور ۳ مارچ کو میانوالی سے جو رضاکار لاہور گئے تھے ان میں سے دو چار [illegible] گرفتاری سے بچ گئے تھے باقی سب مارشل لاء کی خلاف ورزی کے الزام میں طویل المیعاد سزا پا کر مختلف

جیلوں میں تھے' قید محض والے تقریباً سب ہم سے پہلے رہا ہو گئے تھے' امیر عبداللہ خاں روکھڑی پنجاب اسمبلی کے رکن تھے' انہوں نے ہمارے نظر بند ساتھیوں کی رہائی کے لئے کوشش شروع کی' حضرت پیر صاحب مرحوم کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے راولپنڈی جیل سے مجھے خط لکھا کہ "مجھے یہاں یکسوئی حاصل ہے' تلاوت بھی کر لیتا ہوں اور مثنوی شریف کا مطالعہ بھی نصیب ہو جاتا ہے میری رہائی کے لئے کوشش نہ کی جائے" حضرت پیر صاحب کو کوشش سے رہا ہونا پسند نہ تھا اور اس معاملے میں ان کی پسند کو ملحوظ رکھنا ہمارے لئے ممکن نہ تھا روکھڑی صاحب کی چند دن کی کوشش سے سب نظر بند رہا ہو گئے' ہم لوگ ریلوے اسٹیشن گئے' لاہور اور راولپنڈی کی گاڑیاں ایک ہی وقت میں پہنچی تھیں' لاہور سے آنے والے ساتھی ریل سے اترے پلیٹ فارم خالی ہوا اور راولپنڈی والی گاڑی پلیٹ فارم پر آ گئی حضرت پیر صاحب اس میں تشریف لائے تھے' حضرت پیر صاحب کا مجلس احرار سے کبھی تعلق نہیں رہا تھا' جب انہیں گرفتاری کے بعد راولپنڈی جیل لے جایا گیا تو وہاں ایک صوبائی وزیر ان سے ملنے آئے اور کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وزیر صاحب بولے آپ معزز اور شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں' ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو رہا کر دیا جائے آپ کاغذ پر اتنا لکھ دیں کہ میرا احرار سے تعلق نہیں ہے' ہم آپ کو رہا کر دیں گے' حضرت صاحب نے فرمایا کہ "او وزیر صاحب! یہ تو بہت بڑی بات ہے' تو اگر کہے کہ کاغذ پر پیشاب کر دے تو میں یہ بھی نہیں کروں گا" وزیر صاحب جواب سن کر بے نیل و مرام واپس چلے گئے' حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ بھی لاہور میں ساتھیوں کے ساتھ رہا ہوئے اور ساتھ ہی ریل میں تشریف لائے اور کندیاں سے خانقاہ شریف تشریف لے گئے' آپ کا جیل میں ساتھیوں کے ساتھ رہنا ساتھیوں کے لئے اطمینان اور استقامت میں بہت ممد ثابت ہوا' آپ اس وقت سجادہ نشین نہیں تھے لیکن خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے عزیز ترین خلیفہ مجاز اور معتمد ترین نمائندہ تھے' آپ کی خاندانی عظمت سے بھی سب لوگ واقف تھے' ایسے حضرات کا جیل میں کارکنوں کے ساتھ ہونا سب کے لئے ثابت قدمی کا باعث ہوا کرتا ہے۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس دور کے اکابر اولیاء میں تھے' ان کے مقام کو وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے باطن کی آنکھیں عطاء فرمائیں' میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز سے حضرت مولانا کی تعریف سنی تھی اور حضرت کے یہ الفاظ اب تک یاد ہیں کہ "کہ وہ اللہ کے بندے ہیں" حضرت امیر شریعت کو ایک مجلس میں دیکھا حضرت مولانا کا جھوم جھوم کر تذکرہ فرما رہے تھے۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب خانقاہ کے مسند نشین اور ہزاروں اہل دل اور اصحاب ورد کے

شیخ اور مربی تھے' اس کے ساتھ ہی وہ ملکی اور عالمی حالات پر نظر رکھتے تھے' تحریک ختم نبوت کے ساتھ انہیں قلبی لگاؤ تھا' ان کی فکر مندی اور دلچسپی دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ اس معاملے میں کوئی خاص ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہیں۔ ۱۹۵۳ء کے شروع میں حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے سر ظفر اللہ کی کراچی والی تقریر کے خلاف احتجاجی مظاہرے اور جلسے شروع ہو گئے تھے حکومت نے بعض مقامات پر علماء اور کارکنوں کی پکڑ دھکڑ شروع کر دی تھی' مرزائیوں کے متعلق مطالبات تسلیم ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے' راست اقدام کے حالات پیدا ہو رہے تھے آپ نے حج کا ارادہ ملتوی فرما دیا اور راستے سے واپس تشریف لے آئے' پورے ملک میں اپنے متوسلین کو ہدایت فرمائی کہ وہ تحریک میں سرگرمی سے کام کریں اور تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔

حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی مرحوم حضرت کے متوسلین میں تھے ' ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو مرکزی راہنماؤں کی گرفتاریاں ہوئیں تو مولانا گرفتاری سے کسی طرح بچ گئے اور لاہور میں تحریک کا مرکز سنبھالا ' مولانا غلام غوث صاحب کے متعلق حکم تھا کہ جہاں ملیں گولی مار دی جائے ' لاہور سے سیدھے خانقاہ سراجیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ' حضرت نے اپنے معتمد خصوصی صوفی احمد یار صاحب کے ذمہ لگایا کہ وہ مولانا کی حفاظت کا انتظام کریں ' صوفی صاحب نے اپنے علاقہ بھلوال کے دیہات میں انتظام کیا۔ مولانا غلام غوث صاحب وہاں آرام اور سکون سے رہے ' اور خفیہ طریقے سے کام کرنے والوں کی راہنمائی بھی فرماتے رہے ' جب مارشل لاء ختم ہو گیا ' تمام راہنما رہا ہو گئے اور حالات پوری طرح معمول پر آ گئے تو مولانا بھی حضرت کی اجازت سے اپنے گھر تشریف لے گئے۔

۱۹ جون ۱۹۵۳ء کو گورنر پنجاب نے آرڈیننس جاری کر کے تحقیقاتی عدالت قائم کی ' جسے " تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء " کا نام دیا گیا ' اس عدالت نے مجلس عمل اور مجلس احرار کو بھی الگ الگ فریق بنا دیا کہ وہ عدالت میں اپنا موقف پیش کریں ' تمام راہنما جیل میں تھے ' تحقیقات کا دائرہ بہت وسیع تھا ' اپنا موقف مدلل طریقے سے پیش کرنے کے لئے بڑی تیاری کی ضرورت تھی ' اس نازک اور اہم موقع پر حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب ؒ نے کام کو سنبھالا ' لاہور میں حکیم عبد المجید سیفی مرحوم کے مکان کا نچلا حصہ خالی کرایا ' باقاعدہ دفتر قائم کیا ' مولانا عبد الرحیم صاحب اشعر کو مستقل طور پر وہاں بٹھایا گیا ' مذہبی اور قانونی کتابیں اکٹھی کیں ' مجلس عمل کی وکالت مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے اپنے ذمہ لی اور مجلس احرار کی مولانا مظہر علی اظہر نے ' یہ حضرات اور ان کے علاوہ بھی علماء اور قانون دان دفتر میں تشریف لاتے مشورے ہوتے اور یہیں سے عدالت کے لئے بیانات وغیرہ کی تیاری ہوتی

تھی ' حضرت رحمتہ اللہ علیہ وقتاً فوقتاً سے لاہور تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن وہاں قیام فرماتے اور کام کرنے والے حضرات کو ہدایات اور مشوروں سے سرفراز فرماتے تھے۔

اپنے ضلع میں بھی حضرت کی سرپرستی ' دعائیں اور توجہات ہمارے لئے بہت بڑا سرمایہ تھیں ' آپ کے حکم سے حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ نے علاقے میں بہت کام کیا تھا ' اس زمانے میں سڑکیں نہیں تھیں ' ایک بستی سے دوسری بستی میں پہنچنا بھی مسئلہ ہوتا تھا۔ حضرت مولانا خان محمد صاحب نے پورے علاقے میں دورے کئے ' دیہات کے علاوہ سے بلے انھیں تحریک کا ہمنوا بنایا ' دور دراز کی بستیوں اور ان فوجی چکوک میں بھی تشریف لے گئے جہاں لوگ نئے آباد ہو رہے تھے اور حضرت مولانا مدظلہ کی شخصیت اور خانقاہ شریف کے مقام سے پوری طرح واقف نہ تھے ' آپ نے تحریک کے لئے رضاکار بھرتی کئے اور ان کی فہرستیں ہمیں میانوالی بھیجیں ' اپنے چھوٹے بھائی ملک محمد افضل صاحب کو رضاکاروں کے ساتھ گرفتاری دینے کے لئے میانوالی بھیجا اور انہوں نے ۳ مارچ ۱۹۵۳ء کو جلوس کے ساتھ گرفتاری پیش کی ' مارچ کے آخر میں جب ضلعی راہنما گرفتار ہو گئے تو آپ نے میانوالی میں تحریک کا مرکز سنبھالا ' مارچ کے پہلے عشرے میں آپ نے ایک دورے کے بعد جو رضاکاروں کی فہرستیں بھیجیں ان میں ایک فہرست کے نیچے میرے نام جو تحریر لکھی وہ چند سال پہلے پرانے کاغذات میں سامنے آئی اور میں نے اسے محفوظ کر لیا ' یہ مختصر سی تحریر مبارک دنوں میں مبارک ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہے جو ہمارے لئے اچھی اور مبارک یادگار ہے ' وہ تحریر حسب ذیل ہے۔

"موضع ڈنگ کے رضاکاروں کی مزید فہرست آج صبح کی گاڑی سے پہنچی تھی اور مولانا غلام یٰسین صاحب قریشی نے خود وہ فہرست ساتھ لانی تھی لیکن وہ کسی شدید عارضہ کی وجہ سے آج نہیں پہنچ سکے۔ دو تین روز میں فہرست پہنچ جاوے گی انشاء اللہ تعالیٰ موضع علووالی میں بھی کام شروع کر دیا گیا ہے۔ وہاں سے کثیر تعداد میں رضاکار بھرتی ہونے کی قوی امید ہے۔ موضع علووالی کی جملہ کارروائی بھی دو تین روز میں صدر دفتر میں پہنچ جاوے گی۔ موضع ساجری اور اس کے متعلقات کے فوجی چکوں میں بھی مجلس عمل کے مطالبات اور پروگرام کی اشاعت کا کام شروع کر دیا ہے۔ پہلے تحریک کی وضاحت اور اس کی دینی و دنیاوی اہمیت لوگوں کے ذہن نشین کرانی لازمی ہے اور بعد ازاں اس میں حصہ لینے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ فنڈ کی فراہمی کی طرف ابھی تک کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ کیونکہ اگر دیہات میں اس کام کو بھی ساتھ اپنایا جاوے تو لوگوں کا حصہ لینا ناممکن ہو جاتا ہے اور پھر اس تعداد کو گرانی میں بہت ہی مشکل ہے کہ چون طلبی مید عمر گزرد طلبی تخمن درین است والا معاملہ ہے اور اس وقت تو بے چارے زمینداروں کے پاس کوئی چیز ہی نہیں۔ تاہم پھر بھی بعض لوگوں سے نجی طور پر فنڈ فراہم کرنے

کا ارادہ ہے۔ مولیٰ پاک کامیابی نصیب فرمادے۔ "

العارض خان محمد عفی اللہ عنہ از خانقاہ پاک سراجیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی ۴ مارچ کو دس رضاکاروں کا جو قافلہ لاہور گیا تھا ان کے نام یہ ہیں (۱) مولانا محمد زمان صاحب میانوالی (۲) امیر عبداللہ خان آف پنڈ ونڈ (۳) صوفی فضل احمد میانوالی (۴) محمد شریف ولد غلام سرور (۵) عمر حیات (۶) محمد موسے (۷) محمد رمضان (۸) محمد امیر خان (۹) فیض رسول ولد غلام رسول میانوالی (۱۰) محمد حیات ' ۶ مارچ کو جو بارہ رضاکاروں کا قافلہ لاہور گیا ان کے نام نہیں مل سکے ' میرے مدرس ساتھی حافظ محمد اعظم ولد یار محمد ساکن ڈھوک زمان بھی اسی قافلے میں تھے ' فوجی عدالت نے انہیں کئی سال قید بامشقت کی سزا سنائی تھی سنٹرل جیل ملتان میں ان کو رکھا گیا تھا ' حضرت صوفی عبدالرحیم صاحب (موسیٰ خیل) بھی لاہور تشریف لے گئے تھے ' کئی دن مسجد وزیر خان میں رہے ' مسلمانوں پر ناحق گولی چلائی جا رہی تھی جس کو رکوانے کے لئے تحریک کے راہنماؤں نے مارشل لاء کے انچارج جنرل اعظم خان سے ملاقات کا وقت لیا ' جنرل صاحب نے شاہی قلعے میں ملاقات کا وقت مقرر کر دیا ' مارشل لاء کی وجہ سے اپنے ذرائع سے جانا ممکن نہ تھا اس لئے فوجی گاڑی نمائندوں کو لینے آئی ' مجلس عمل کی طرف سے جنرل صاحب سے گفتگو کے لئے جو چار نمائندے بھیجے گئے ان میں صوفی عبدالرحیم صاحب بھی تھے ' یہ حضرات فوجی گاڑی میں شاہی قلعہ پہنچے تو تھوڑی دیر بعد انہیں بتایا گیا کہ جنرل صاحب سے ملاقات نہیں ہوگی اور آپ لوگ اپنے آپ کو گرفتار سمجھیں ' الگ الگ کوٹھڑیوں میں بند کر دیئے گئے ' ایک دن فوجی عدالت کے سامنے پیش کئے گئے تو انہیں دفعات پڑھ کر سنائی گئیں اور بتایا گیا کہ ان دفعات کے تحت کم از کم سزا چودہ سال قید بامشقت ہے اور زیادہ سزائے موت ہے ' ایک آدمی تم سب کی طرف سے بیان دے دے ' حضرت صوفی صاحب نے فرمایا کہ جب ان دفعات کے تحت اتنی بڑی سزائیں دی جا سکتی ہیں تو کم از کم ہر ملزم کو عدالت کے سامنے بیان دینے کا تو حق ملنا چاہئے ' عدالت نے ان کی بات تسلیم کر لی ' سب کے الگ الگ بیان ہوئے ' حضرت صوفی صاحب نے فوجی عدالت میں ایسے سوالات اٹھائے کہ عدالت کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ مارشل لاء کی یہ دفعات ان پر لاگو نہیں ہو سکتیں ' جب مقدمے کا فیصلہ ہوا تو انہیں بری کر دیا گیا اور ضلع کے تمام ساتھیوں سے پہلے صوفی صاحب رہا ہو گئے۔

۳۱ مارچ تک جو رضاکار گرفتار ہوئے ان کے نام کاغذات میں ملے ہیں ' اس کے بعد آٹھ دس دن مسلسل گرفتاریاں ہوئیں ' جن کے نام ہمیں نہیں مل سکے ' ۳۱ مارچ تک کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ غلام مرتضیٰ ولد غلام مصطفےٰ میانوالی

۲۔ محمد زمان ولد غلام عیسیٰ میانوالی
۳۔ شیخ نور محمد میانوالی
۴۔ عمرو ولد نتھو میانوالی
۵۔ عبداللہ ملنگ ولد مولی بخش میانوالی
۶۔ محمد رمضان ولد ابراہیم میانوالی
۷۔ شیر محمد ولد میاں محمد چکڑالہ
۸۔ احمد خان ولد فتح محمد چکڑالہ
۹۔ خان محمد ولد فتح محمد چکڑالہ
۱۰۔ نور محمد ولد خان محمد چکڑالہ
۱۱۔ محمد نواز خان ولد لولیا خان میانوالی
۱۲۔ یار محمد ولد حیات محمد ڈھوک زمان
۱۳۔ احمد شاہ ولد امام شاہ کھولہ
۱۴۔ غلام محمد کھولہ
۱۵۔ غلام حسن ونو کھولہ
۱۶۔ اللہ یار کھولہ
۱۷۔ یار محمد ولد امیر خان موسیٰ خیل
۱۸۔ عمر ولد اللہ یار موسیٰ خیل
۱۹۔ مقرب خان ولد عظیم خان موسیٰ خیل
۲۰۔ مولانا علی محمد میانوالی
۲۱۔ حاجی دوست محمد ولد اعظم خان بلو خیل
۲۲۔ شہباز خان ولد حبیب خان میانوالی
۲۳۔ محمد خان ولد نواز خان میانوالی
۲۴۔ امیر قلم خان ولد عالم خان ولیوالہ
۲۵۔ عطاء اللہ خان ولد سلطان محمود خان موچھ
۲۶۔ امیر عبداللہ خان ولد حاجی احمد خان موچھ
۲۷۔ شادی بیگ خان ولد خان بیگ خان موسیٰ خیل
۲۸۔ محمد ولد عباس موسیٰ خیل
۲۹۔ محمد اسحٰق ولد مولوی غلام احمد موسیٰ خیل

۳۰۔ محمد عنایت اللہ ولد غلام حیدر خان موسیٰ خیل

۳۱۔ امیر عبداللہ ولد محمد حسن موسیٰ خیل

۳۲۔ غلام محمد خان ولد شاہ نواز خان سوچھ

۳۳۔ حبیب اللہ خان سوچھ

۳۴۔ شیخ مرید ولد احمد بھتی شیخ موسیٰ

۳۵۔ صوفی غلام محمد ولد عثمان بھتی شیخ موسیٰ

۳۶۔ شیخ غلام حسن ولد سلطان احمد بھتی شیخ موسیٰ

۳۷۔ غلام فرید ولد محمود ترگ

۳۸۔ غلام رسول ترگ

۳۹۔ رب نواز ترگ

۴۰۔ غلام رسول ترگ

۴۱۔ محمد نواز ولد حیات ترگ

۴۲۔ حافظ محمد عباس ولد اللہ بخش جنڈانوالہ

۴۳۔ عبدالغفور ولد رحیم بخش جنڈانوالہ

۴۴۔ محمد ابراہیم ولد مرید حسین جنڈانوالہ

۴۵۔ محمد نواز ولد زاہد جنڈانوالہ

۴۶۔ عنایت علی ولد محمد اسمٰعیل جنڈانوالہ

۴۷۔ نور احمد ولد احمد جنڈانوالہ

۴۸۔ شمس الدین ولد امیر جنڈانوالہ

۴۹۔ مہربان ولد فیروز جنڈانوالہ

۵۰۔ مولانا عبدالرزاق کلورکوٹ

۵۱۔ حافظ محمد طیب کلورکوٹ

۵۲۔ صوفی نذر محمد کلورکوٹ

۵۳۔ حافظ غلام محمد کلورکوٹ

۵۴۔ حافظ عبدالرحمٰن کلورکوٹ

۵۵۔ لال شاہ کلورکوٹ

۵۶۔ فدا حسین شاہ کلورکوٹ

۵۷۔ اللہ بخش کلورکوٹ

۵۸۔ غلام محمد کلورکوٹ

۶۰۔ شاہ ولی خان ولد شیر خان تحصیل عیسیٰ خیل

۶۱۔ امیر خان ولد مظفر خان تحصیل عیسیٰ خیل

۶۲۔ محمد عظیم ولد جان محمد تحصیل عیسیٰ خیل

۶۳۔ حق نواز خان ولد ہاشمی خان موچھ

۶۴۔ عبدالعزیز ولد محمد حسین ولیوالہ

۶۵۔ غلام فرید ولد غلام عیسیٰ کچ

۶۶۔ غلام حسین خان ولد غلام محمد خان موچھ

۶۷۔ حبیب اللہ خان ولد عطاء اللہ خان موچھ

۶۸۔ نذر خان ولد عالم خان موچھ

۶۹۔ حق نواز خان ولد احمد خان موچھ

۷۰۔ غلام عباس خان ولد ہاشمی خان موچھ

۷۱۔ عبدالرحمن ولد میاں عباس چکڑالہ

۷۲۔ غلام محمد میاں ولد دین محمد ڈھوک زمان

۷۳۔ عالم خان ولد محمد خان روکھڑی

۷۴۔ نور محمد ولد علی محمد ولیوالہ

۷۵۔ شیر بہادر چکڑالہ

۷۶۔ ملک غلام صدیق جھیل

۷۷۔ صاحبزادہ عبدالخالق کلورکوٹ

۷۸۔ شیر محمد ولد اسمٰعیل ڈھوک زمان

۷۹۔ مولوی محمد حنیف کلورکوٹ

۸۰۔ ملک احمد خان کلورکوٹ

۸۱۔ اللہ بخش ولد گل محمد کلورکوٹ

۸۲۔ محمد حسین ولد علی محمد کلورکوٹ

۸۳۔ احمد بخش ولد احمد کلورکوٹ

۸۴۔ ہادی ولد احمد کلورکوٹ

۸۵۔ صاحبزادہ محمد افضل خانقاہ سراجیہ

۸۶۔ محمد زمان ولد غلام حسن خانقاہ سراجیہ

۸۷۔ محمد صدیق ولد محمد نواز خانقاہ سراجیہ

۸۸۔ محمد خان ولد غلام عباس خان موچھ

۸۹۔ عالم شیر ولد جعفر میبل

۹۰۔ غلام احمد ولد چراغ میبل

۹۱۔ غلام محمد ولد عمر میبل

۹۲۔ محمد رمضان ولد غلام علی میبل

۹۳۔ محمد رمضان ولد غلام عیسیٰ میبل

۹۴۔ میاں مقصود علی بھروڈوالہ

۹۵۔ یعقوب علی ولد میاں عیسیٰ موسیٰ خیل

۹۶۔ امیر عبداللہ ولد صاحبداد خان روکھڑی

۹۷۔ شیر شاہ خان ولد محمد خان روکھڑی

۹۸۔ عباس خان ولد محمد خان روکھڑی

۹۹۔

۱۰۰۔ عالم خان ولد محمد خان روکھڑی

۱۰۱۔ محمد خان ولد انور خان روکھڑی

۱۰۲۔ غلام علی شاہ ولد رنگ شاہ روکھڑی

۱۰۳۔ مقبول حسین شاہ روکھڑی

۱۰۴۔ عبدالحمید خان ولد محمد حیات خان روکھڑی

۱۰۵۔ سلطان سکندر خان ولد محمد حیات خان روکھڑی

۱۰۶۔ امام الدین جنڈانوالہ

۱۰۷۔ عبدالکریم ولد اللہ داد خان سنوالہ

۱۰۸۔ محمد حسین کالا باغ

۱۰۹۔ میاں محمد کالا باغ

۱۱۰۔ غلام حیدر ولد حکیم میاں محمد کالا باغ

۱۱۱۔ محمد خان تحصیل عیسیٰ خیل

۱۱۲۔ محمد عظیم تحصیل عیسیٰ خیل

۱۱۳۔ عطاء اللہ خان موچھ

۱۱۴۔ فیض اللہ خان موچھ

۱۵۔ غلام محمد ولد احمد موسیٰ خیل
۱۶۔ شیر محمد ولد عبداللہ کھولہ
۱۷۔ احمد خان ولد ایاز خان عیسیٰ خیل
۱۸۔ حضرت علی ولد ایاز خان عیسیٰ خیل
۱۹۔ شاہ نواز خان ولد غلام قاسم خان عیسیٰ خیل
۲۰۔ محمد احسن خان ولد عبدالرحمن خان عیسیٰ خیل
۲۱۔ مولانا عبدالحمید داؤد خیل
۲۲۔ محمد حیات ولد محمد نواز داؤد خیل
۲۳۔ امیر محمد داؤد خیل
۲۴۔ عبدالغفار داؤد خیل
۲۵۔ شاہ نواز سوچھ
۲۶۔ سعد اللہ موسیٰ خیل
۲۷۔ ولاسہ خان موسیٰ خیل
۲۸۔ عبداللہ کلور کوٹ
۲۹۔ ملک غلام محمد ڈھوک زمان
۳۰۔ علی محمد ولد عباس خان ڈھوک زمان
۳۱۔ محمد علی ولد خان بیگ کلور تحصیل عیسیٰ خیل
۳۲۔ سلطان محمود ولد علی محمد کلور تحصیل عیسیٰ خیل
۳۳۔ بہادر خان ولد شادی بیگ خان سیالوالی
۳۴۔ عبدالرحمن ولد سلطان رو کھڑی
۳۵۔ حیات محمد ولد سلطان رو کھڑی
۳۶۔ اللہ دتہ ولد غلام حسین جبیل
۳۷۔ غلام قادر ولد غلام قاسم جبیل
۳۸۔ چراغ دین ولد سردار جبیل
۳۹۔ حاجی محمد عبداللہ چکڑالہ
۴۰۔ حافظ محمد ولد محمد یار ڈھوک علی خان
۴۱۔ عبدالرزاق ولد محمد یار کالا باغ
۴۲۔ قادر بخش ولد غلام رسول جبیل

۱۴۳۔ غلام قاسم ولد محمد میل

۱۴۴۔ عاشق دین ولد سردار میل

۱۴۵۔ نذر محمد ولد نجیب خان میل

۱۴۶۔ رب نواز ولد فقیر عبداللہ چکڑالہ

۱۴۷۔ صوفی نور محمد ولد خدا یار چکڑالہ

۱۴۸۔ دین محمد ولد غلام محمد کالا باغ

۱۴۹۔ نور محمد ولد غلام محمد کالا باغ

۱۵۰۔ صوفی عبدالکریم ولد عبدالغفور کلورکوٹ

۱۵۱۔ حافظ محمد حیات ولد غلام رسول کلورکوٹ

۱۵۲۔ میر محمد ولد فتح محمد کالا باغ

۱۵۳۔ محمد رمضان کالا باغ

۱۵۴۔ اللہ بندہ دریا خان

۱۵۵۔ محمد یامین دریا خان

۱۵۶۔ محمد صدیق ولد سیٹھ دریا خان

۱۵۷۔ محمد عبداللہ سنوالس

۱۵۸۔ محمد امیر خان دتہ خیل

۱۵۹۔ حافظ غلام قادر دریا خان

۱۶۰۔ صدر دین ولد غلام دین دریا خان

۱۶۱۔ وصل دین ولد نذیر محمد دریا خان

۱۶۲۔ اللہ بندہ ولد اللہ دتہ دریا خان

۱۶۳۔ اللہ دیا ولد عظیم الدین دریا خان

۱۶۴۔ محمد قاسم ولد محمد زمان موسیٰ خیل

۱۶۵۔ عطاء محمد ولد احمد یار روکھڑی

۱۶۶۔ اللہ ڈوایا ولد احمد میانوالی

۱۶۷۔ علی شیر میانوالی

۱۶۸۔ حاجی غلام محمد دتہ خیل

۱۶۹۔ سمندر خان ولد غلام حسن خان دتہ خیل

۱۷۰۔ حاجی خان محمد ولد غازی خان دتہ خیل

۱۷۱۔ صوفی دوست محمد ڈھوک زمان

۱۷۲۔ غلام مرتضےٰ وتہ خیل

۱۷۳۔ جیون وٹہ خیل

ضلعی مجلس عمل کے اہم لوگوں میں مولانا گلزار احمد مظاہری کے متعلق مجھے یاد نہیں رہا کہ وہ ہمارے بعد کب گرفتار ہوئے ' کس جیل میں رہے اور کب رہا ہوئے ' ایک دفعہ تحریک کے شروع میں پولیس انہیں گرفتار کر کے شاہی قلعہ لاہور لے گئی تھی اور جلدی رہا کر دیا تھا۔ وہ جماعت اسلامی کے ضلعی امیر تھے اور شروع سے مجلس عمل میں شریک تھے ' راست اقدام کمیٹی کے بھی رکن تھے اور اس مالیاتی کمیٹی کے بھی رکن تھے جس کے دو ارکان کے دستخطوں سے خزانچی سے رقم حاصل کی جا سکتی تھی ' وسط مارچ تک وہ تحریک میں سرگرم رہے بعد میں ان میں کچھ تبدیلی آگئی ' میں نے دفتری ضرورت کے لئے کچھ رقم کی چٹ صوفی محمد نواز خان صاحب سے خزانچی کے نام لکھوائی اور مولانا گلزار احمد سے دستخط کرنے کو کہا تو انہوں نے ٹال مٹول کی اور پاس کھڑے دوسرے ساتھی کی طرف اشارہ کیا کہ ان سے دستخط کرا لو ' میں نے کہا یہ کمیٹی کے رکن نہیں آپ دستخط کریں ' میرے اصرار پر انہوں نے دستخط تو کر دیئے مگر کیے انگریزی میں ' حالانکہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی انگریزی میں دستخط نہیں کیے تھے ' ملک غلام صدیق جیل جماعت اسلامی کے رکن تھے ' انہوں نے ۱۳ مارچ کو گرفتاری دی ' مولانا گلزار احمد نے ان سے جیل میں ملاقات کی اور ان کی گرفتاری کو جماعت کی پالیسی کے خلاف بتایا تو ملک غلام صدیق نے جماعت اسلامی کی رکنیت سے استعفیٰ لکھ کر ان کے حوالے کر دیا ' جب تحقیقاتی عدالت میں مودودی صاحب کا بیان ہوا تو انہوں نے مولانا احمد شاہ چوکیروی اور ملک غلام صدیق جیل کے متعلق کہا کہ انہوں نے راست اقدام میں حصہ لیا اور ہم نے انہیں جماعت سے خارج کر دیا ' تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں جماعت اسلامی کا جو بیان درج ہے اس میں لکھا ہے کہ۔

جماعت اسلامی من حیث الجماعت اس نئی کمیٹی یا کسی اور راست اقدام کمیٹی کی ممبر نہ تھی۔ نہ جماعت کے کسی فرد کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ راست اقدام کے ورکر کی حیثیت سے بھرتی ہو۔ مولانا (مودودی) نے اپنے احکام سے اور اس عمل سے کہ انہوں نے جماعت کے دو ممبروں کو اس حکم کی خلاف ورزی کی پاداش میں خارج کر دیا۔ یہ حقیقت ہر شخص پر روشن کر دی کہ جماعت کسی اعتبار سے نہ راست اقدام پر یقین رکھتی ہے نہ اس کی حمایت کرتی ہے اور اپنے آپ کو ایسی تمام سرگرمیوں سے کاملاً منقطع کر چکی ہے۔ صفحہ ۲۶۱

جو آدمی جماعت سے استعفا دے کر الگ ہو گیا اس کو خارج کرنے کے کیا معنے ہیں '

ملک غلام صدیق نے جب استعفا دے دیا تو اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس کو جماعت سے خارج کیا گیا ہے کتنی بڑی غلط بیانی ہے ' مولانا گلزار احمد نے ۱۳ مارچ کے بعد اپنے رویہ میں کسی قدر تبدیلی تو کر لی لیکن وہ راست اقدام کمیٹی کے آخر تک ممبر رہے اور ابابیلی کمیٹی سے بھی کوئی استعفا نہیں دیا ' مولانا علی محمد صاحب جماعت اسلامی شعبہ میانوالی کے امیر تھے ' رضاکاروں کے لنگر خانے کے آخر تک انچارج رہے اور ان کی جماعت نے تحقیقاتی عدالت میں بڑے دعوے سے بیان دیا کہ ہم نے اپنے کارکنوں کو اس قسم کی سرگرمیوں سے منع کر دیا تھا ' صرف وہ ممبروں نے خلاف ورزی کی اور وہ جماعت سے خارج کر دیئے گئے۔

جہلم و چکوال

پنجاب کا معروف فوجی ضلع جہلم (و چکوال) کی رپورٹ کے متعلق اپنے مخدوم گرامی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم امیر خدام اہل سنت خلیفہ مجاز حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی کو عریضہ لکھا جس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں

۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ہمارا مرکز جہلم تھا' ان دنوں میں اپنے گاؤں بھیں میں رہتا تھا۔ ۶ مارچ ۵۳ء بروز جمعہ جامع مسجد گنبد والی جہلم میں مولانا عبداللطیف صاحب نے ختم نبوت کے موضوع پر ولولہ انگیز تقریر کی اور احتجاجی جلوس کی صورت میں گرفتاری پیش کی۔

اس کے بعد میرا (قاضی صاحب) پروگرام تھا میں نے بھی ۱۳ مارچ کے جمعہ پر جامع مسجد مذکور میں تقریر کی اور جلوس نکالا اور گرفتاری پیش کی۔

اس کے بعد مولانا حکیم سید علی شاہ مرحوم ساکن ڈومیلی نے گرفتاری دینی تھی۔ لیکن ان کو جمعہ سے قبل ہی گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل جہلم بھیج دیا گیا۔

۱ مارچ کو چکوال سے حافظ مولانا غلام حبیب مرحوم کو گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل جہلم بھیج دیا گیا تھا۔

جہلم میں دو دن رکھنے کے بعد مولانا عبداللطیف' مولانا سید علی شاہ' مولانا صادق حسین مرحوم جہلمی (بریلوی) اور راقم الحروف (قاضی صاحب) کو لاہور سنٹرل جیل لایا گیا ہمارے ساتھ اپنے جماعتی رفقاء و چکوال کے کارکن بھی تھے جن میں میاں کرم الٰہی مجاہد خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

لاہور سے پھر ہمیں سنٹرل جیل ساہیوال (منٹگمری) منتقل کر دیا گیا۔ منٹگمری میں جہلم '

کیمل پور' (اٹک) ' سرگودھا اور منٹگمری کے نظربند رکھے گئے تھے۔ ہمارے کمرے کے ساتھ علیحدہ کوٹھری میں حضرت مولانا نصیرالدین صاحب شیخ الحدیث غور غشتی بھی تھے جو بہت بڑے مفتی اور بزرگ راہنماء تھے۔ انہوں نے بڑی جرأت و بہادری کے ساتھ تحریک کی قیادت کی تھی اور گرفتار ہوئے تھے۔ سرگودھا کے نظربندوں میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھا بھی تھے۔

مولانا غلام حبیب صاحب کو ڈسٹرکٹ جیل جہلم میں رکھا گیا اور وہ ۹ جون ۱۹۵۳ء کو رہا کر دیئے گئے منٹگمری جیل سے مولانا عبداللطیف جہلمی کے ساتھ اور بھی چند رضاکار نظربند تھے۔ جب رہائیاں شروع ہوئی تو نظربند حضرات رہا ہوتے رہے۔ راقم الحروف (حضرت قاضی صاحب) کی رہائی بتاریخ ۱۳ جنوری ۵۴ء کو عمل میں آئی۔ رہائی کے بعد بندہ (قاضی صاحب) نے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا قاضی سید حسین احمد مدنی قدس کی خدمت میں عریضہ لکھا تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے گرامت نامے میں یہ تحریر فرمایا۔

" نظربندی کا علم نہ تھا اس خط سے ہوا۔ اگرچہ عرصہ دراز سے کوئی والا نامہ نہیں آیا تھا مگر یہ خیال نہ تھا حق تعالیٰ شانہ اس دینی جہاد کو قبول فرمائے اور باعث کفارہ سیئات اور ترقی درجات کرے آمین ۲۴ شوال ۷۳ ۱۳ ہجری منقول از مکتوبات شیخ الاسلام ج ۳ مکتوب نمبر ۳۵۔ حالات عرض کر دیئے ہیں۔ جو مناسب سمجھیں شائع کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم تمام اہل سنت والجماعت کو عقیدہ ختم نبوت اور خلافت راشدہ کی تبلیغ و تحفظ کی توفیق دیں۔ دینی مرضیات کی اتباع نصیب کریں۔ اور اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

والسلام۔

خادم اہل سنت مظہر حسین

مدنی جامع مسجد چکوال ۱۳ محرم ۱۴۱۲ھ ۲۴ جولائی ۱۹۹۱ء

ملتان

ملتان کو تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں مرکزیت حاصل تھی حضرت امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ' مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ ' مولانا محمد علی جالندھریؒ یہ سب تحریک کے صف اول کے راہنماء تھے۔ تحریک میں ان حضرات کو وہی مقام حاصل تھا جو جسم میں روح کو حاصل ہوتا ہے۔ ملتان کو برصغیر میں مدینۃ الاولیاء ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ تقسیم سے قبل مجلس احرار کی ایک آل انڈیا کانفرنس یہاں پر منعقد ہوئی۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ کا شباب

تھا۔ آپ کی دھواں دھار تقریر نے ملتان کے در و دیوار ہلا دیئے۔ تب حافظ محمد یار برادر اور مولانا برخوردار نے رفقاء سمیت مل کر مجلس احرار کے مرکزی صدر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی" سے درخواست کی کہ مولانا محمد علی جالندھری ہمیں ملتان کے لئے دے دیئے جائیں۔ تب آپ کے حکم پر مولانا محمد علی جالندھری نے ملتان میں ڈیرے ڈال دیئے جامع مسجد سراجاں حسین آگاہی کی خطابت سنبھال لی۔ اس میں جامع محمدیہ کے نام سے مدرسہ قائم فرمایا۔ مجلس احرار کو منظم کیا۔ آپ ملک کے کسی کونے میں ہوتے جب آپ کا حسین آگاہی کی مسجد میں ہوتا آپ کے منبر پر تشریف لانے سے قبل مسجد اندر باہر سے کھچا کھچ بھر جاتی۔ حتی کہ گلی۔ بازاروں کوچے مکانات کی چھتوں پر لوگ ہوتے تحریک آزادی کی عوام میں روح پھونکتے تو عوام تڑپ اٹھتے برطانیہ سامراج اور ان کے گماشتوں کو للکارتے تو وہ بلبلا اٹھتے۔ آپ نے ملتان کے عام و خاص باغ میں سالانہ احرار کانفرنس کی داغ بیل ڈالی' ہندوستان بھر کے چوٹی کے رہنما ملتان تشریف لاتے ہر مقرر کو ریلوے اسٹیشن پر احرار رضاکار سلامی دیتے۔

۱۹۴۶ء کی کانفرنس میں شرکت کے لئے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی تشریف لائے اسٹیشن سے جلسہ گاہ تک تین میل دو رویہ رضاکاروں کے جلو میں آپ کی آمد پر ملتان کے در و دیوار نے والہانہ رقص کیا۔

تقسیم سے قبل مولانا محمد علی جالندھری اپنے اہل و عیال سمیت ملتان تشریف لا چکے تھے۔ ملتان پیر پرست تھا۔ ان کو خدا پرست بنانے میں مولانا نے شب و روز ایک کر دیا۔ ملتان میں آپ کی تشریف آوری نے تحریک آزادی میں ملتان کے کردار کو آگے بڑھایا۔ پانی پت سے قاری رحیم بخش کو بلوایا ان کی اخلاص بھری محنت سے ملتان میں حفظ قرآن کا شوق ابھرا۔

تحریک آزادی کے دوران یوں تو بہت جلسے ہوئے لیکن وہ جلسہ جس میں آغا شورش کاشمیری کو تقریر کے دوران گورنمنٹ گرفتار کرنے پر مجبور ہو گئی وہ تاریخی جلسہ تھا۔ اس جلسہ کے نہ صرف منتظم اعلیٰ مولانا مرحوم تھے۔ بلکہ آپ نے سٹیج پر بیٹھ کر شورش کی تقریر کرائی۔ تقریر کیا تھی بغاوت کی آندھی شورش الفاظ کی بجائے برطانیہ و برطانوی گماشتوں پر انگاروں کی بارش کر رہے تھے۔ برصغیر کی تاریخ گواہ ہے کہ تقریر کے دوران برطانوی عہد میں کسی مقرر کو گرفتار نہ کیا جاتا تھا مگر شورش کی تقریر نے حکومتی نمائندوں کے اس طرح خواب و خور حرام کئے کہ وہ تقریر کے دوران انگاروں پر بل کھانے لگے۔ غرضیکہ تقسیم سے قبل ملتان کا پلیٹ فارم کسی بھی دینی تحریک کے لئے تیار تھا۔ ملک تقسیم ہوا تو مولانا محمد علی جالندھری کے قیام ملتان کے باعث مولانا خیر محمد جالندھری' مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی ملتان کو سکونت قدوم سے نوازا جامعہ خیر المدارس کا قیام عمل میں آیا تو مولانا محمد علی جالندھری نے جامعہ محمدیہ

کی تمام کتب اثاثہ اساتذہ فنڈ سب کچھ خیر المدارس کو دے دیا اور خود تبلیغی کاموں کے لئے فارغ ہو گئے۔ بہاول پور ملتان کے مغرب جنوب میں ۶۲ میل پر واقع ہے ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۵ء تک وہیں گیارہ سال میں یہاں پر مرزائیت کے خلاف مقدمہ رہا۔ تب ہندوستان کے چوٹی بھر کے علماء کرام مشائخ عظام تشریف لائے۔ مرزا قادیانی کا ایک بیٹا مرزا سلطان شجاع آباد میں تحصیل دار رہ چکا تھا۔ غرضیکہ تقسیم کے قبل ہی ملتان مرزائی مسلم تنازعہ سے واقف تھا۔ مولانا محمد علی جالندھری کی بے مثال حق گوئی سے مسجد سراجاں کو مرکزیت حاصل تھی۔ جمعہ کے بعد خاکسار و مجلس احرار کے جیوش علیحدہ علیحدہ یہاں پر فوجی پریڈ و مارچ کر کے ایمان پر ورسماں باندھا کرتے تھے۔ پورے پنجاب میں ملتان کی یہ مسجد تبلیغ اسلام کے لئے مرکز قرار پائی تھی۔ تقسیم کے بعد مرزائیوں نے پر پرزے نکالنے شروع کئے۔ ان کے اثروں نفوذ میں اضافہ ہوا۔ وہ اپنے آپ کو گورے انگریز کا کالا لے پالک بیٹا سمجھتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی شیطنت سے مسلمان گھبرایا۔ پریشان ہوا۔ حضرت امیر شریعت۔ حضرت قاضی صاحب' حضرت جالندھری کے قیام ملتان کے باعث مرزائیت کے احتساب کے لئے پورے ملک کا رخ ملتان کی طرف ہوا۔ حضرت امیر شریعت کا حکم پا کر مولانا محمد علی جالندھری' مولانا غلام غوث ہزاروی لاہور میں حضرت مولانا ابوالحسنات سے ملے اور لاہور و کراچی میں قادیانیت کے احتساب کے لئے منصوبہ بندی ہونے لگی۔ تحریک سے کچھ عرصہ قبل لاہور نسبت روڈ پر جلسہ عام منعقد ہوا اس میں مولانا محمد علی جالندھری کا تاریخ ساز انقلاب آفریں خطاب ہوا۔ عرصہ تک لاہور کے درودیوار اس خطاب سے گونجتے رہے۔ آپ کی گھن گرج نے لاہور کو سراپا تحریک بنا دیا۔ حضرت امیر شریعت تقریر کی روانی سے اتنے متاثر ہوئے کہ سٹیج چھوڑ کر سامعین میں جا بیٹھے اور بعد میں تقریر کرنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا کہ مولانا کی اس تقریر کے بعد بخاری کیا کہے بھائی محمد علی نے کیا چھوڑا ہے جو میں بیان کروں۔

حضرت امیر شریعت تحریک کا نقطہ اتحاد تھے۔ قاضی صاحب تحریک کے ترجمان تھے اور مولانا محمد علی تحریک کا بنیادی پتھر۔ لاہور و کراچی کی میٹنگوں میں آپ حضرات ہی دراصل داعی تھے۔ مگر کیا مجال ہے سارا کام کرنے کے باوجود کبھی کریڈٹ کے لئے آگے بڑھے ہوں۔ ہمیشہ دوسرے رفقاء کو آگے بڑھایا فروری کے آخری ہفتہ میں کراچی میں فیصلہ کن میٹنگ تھی۔ مولانا عزیز الرحمن جالندھری راوی ہیں کہ ۱۸ فروری ۵۳ء بروز بدھ (غالباً) خیر المدارس کے قریب واقع اپنے ذاتی مکان کے صحن میں مولانا نے گڑھا کھدایا اور ضروری ریکارڈ پر مشتمل دو بکس بھر کر دفتر قدیر آباد سے لائے اور صحن میں اوپر نیچے بوریاں ڈال کر بکسوں کو زمین کے صحن میں دبا دیا۔

۲۰ فروری ۵۳ء آل پارٹیز مجلس عمل کے زیر اہتمام مشترکہ طور پر قاسم باغ قلعہ کہنہ پر جمعہ پڑھا گیا۔ حضرت شاہ" جی حضرت قاضی صاحب حضرت جالندھری صاحب جماعت اسلامی کے باقر علی صاحب اور دوسرے حضرات نے خطاب فرمایا حد نگاہ تک انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیل رواں نظر آ رہا تھا جمعہ کے بعد چناب ایکسپریس کے ذریعہ شاہ جی اور حضرت جالندھری صاحب کراچی کے لئے روانہ ہوئے کراچی میں میٹنگ اور جلسہ عام کی رپورٹ پہلے گزر چکی ہے۔ شاہ جی" کراچی جلسہ عام سے فارغ ہوئے تو ۲۶۔ ۲۷ کی درمیانی رات گرفتار کر لئے گئے۔ جب کہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری ۲۵ شام کو تقریر کرتے ہی چناب کے ذریعہ ملتان روانہ ہو گئے۔ ملتان کا ٹکٹ تھا۔ لیکن آپ شجاع آباد اتر گئے۔ فروری کی ۲۷ تاریخ تھی تمام رہنما کراچی میں گرفتار ہو چکے تھے۔ مولانا نے پولیس کو جل دینے کے لئے شجاع آباد اترنا مناسب سمجھا۔ اسٹیشن پر گاڑی پہنچی تو کراچی سے روانگی کی اطلاع پا کر پولیس تیار تھی آپ کو نہ پا کر سخت پریشان ہوئے شہر بھر کا گشت لگانا شروع کر دیا۔ آپ شجاع آباد واحد بخش ٹرانسپورٹ کے ذریعہ حرم گیٹ کے قریب جہاں آج کل شاہین مارکیٹ ہے یہاں اڈہ تھا۔ اس پر تقریباً دن کے چار بجے اترے آپ کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ دفتر میں چھاپا مارا تو کاغذات و ضروری ریکارڈ پہلے محفوظ ہو چکا تھا۔ جماعت کا کچھ فنڈ آپ نے حافظ محمد شریف آزول کے سپرد کر دیا کچھ حاجی دین محمد صاحب لاہور والوں کو بھجوا دیا۔ پولیس نے جب سیف دیکھا تو رقم ندارد مولانا محمد شریف جالندھری سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں دس روپے کا مزدور ہوں مجھے کیا معلوم' مولانا محمد حیات صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا کہ میاں مولانا کو پتہ ہو گا بے ربط بات ہو گی مگر اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے ہرچند کہ جماعت کی رقم حضرت امیر شریعت" کی منظوری و اجازت سے آپ نے ان حضرات کے ہاں رکھی' حاجی دین محمد والی رقم تو تحریک کے کام آ گئی مگر شریف آزول صاحب رقم لیکر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے۔ تحریک ختم ہونے کے بعد مولانا محمد علی مرحوم نے اپنی جیب سے وہ رقم دفتر میں جمع کرا دی کہ اس رقم کی حفاظت میرا فرض تھا۔ اگر رقم نہیں ملی تو قیامت کے دن میں ماخوذ نہ ہو جاؤں دفتر کی رقم پوری کر دی اور ساتھ ہی وصیت کر دی کہ اگر آزول صاحب کو خدا ہدایت دے دیں اور وہ رقم واپس کر دیں تو وہ رقم بھی مجلس کی رسید کاٹ کر مجلس کے بیت المال میں جمع کرا دی جائے' قارئین اندازہ فرمائیں کہ تحریک ختم نبوت کے راہنما کتنی اعلیٰ سیرت کے لوگ تھے۔ مولانا محمد علی جالندھری گرفتار ہوئے تو اب شہر میں تحریک نے زور پکڑا ہر روز مرا جاں مسجد سے گرفتاریاں ہوتی تھیں کوئی قاضی ذکر راہنما عالم دین بزرگ' طالب علم اور کارکن ایسا نہ تھا جو پیچھے رہا ہو سبھی لوگ مولانا مفتی محمود صاحب سے لیکر مولانا احمد سعید کاظمی تک گرفتار ہوئے لاہور سے مولانا احمد

علی لاہوریؒ ملتان جیل تشریف لائے' قاضی صاحب' مولانا محمد علی' حضرت لاہوری سید ابو الحسن سبحان اللہ کیا منظر ہو گا۔ ایک رات مولانا محمد علی جالندھری نے خواب دیکھا کہ بڑا لڑکا مولوی حافظ حبیب الرحمٰن زخمی ہے۔ طبیعت اداس ہوئی صبح حضرت لاہوری سے خواب کا ذکر کیا۔ حضرت لاہوری نماز پڑھ کر رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ جب سنا تو چلتے ہوئے جو قدم اٹھایا ہوا تھا۔ ایک قدم پر کچھ دیر توقف کیا اور مولانا جالندھری کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اس وقت سب آرام اور خیریت سے ہیں۔ لفظ "اس وقت" سے کچھ شبہ ہوا ان دنوں حافظ حبیب الرحمٰن صاحب خیرپور ٹامیوالی ضلع بہاولپور میں پڑھ رہے تھے مولانا محمد علی صاحب نے مولانا عزیز الرحمٰن جو خیر المدارس پڑھ رہے تھے خط لکھا کہ اپنے بہن بھائیوں اپنی اور گھر کی خیریت کا خط لکھیں۔ ہوا یہ کہ حافظ حبیب الرحمٰن صاحب نے اسٹوپ جلایا آگ جل رہی تھی مزید ہوا بھرنی چاہی تو اسٹوپ پھٹنے سے گردن کندھا اور سینہ کا کچھ حصہ جل گیا مرہم پٹی کی تو ٹھیک ہو گئے۔ حضرت نے جب خواب دیکھا تو واقعہ ہو چکا تھا اور حضرت لاہوری نے بھی ٹھیک فرمایا کہ اس وقت خیریت و آرام ہے۔

مولانا محمد علی صاحب جیل میں تھے۔ ملاقاتوں پر پہلے پابندی تھی پھر صرف جمعرات کو ملاقات ہونے لگی مولانا عزیز الرحمٰن' مولانا محمد صدیق ہمیشہ مولانا کی ملاقات کے لئے جاتے کبھی بھائی حبیب الرحمٰن صاحب بھی ساتھ ہوتے۔ ملاقات ڈیوڑھی کے اوپر بالا خانہ پر ہوتی تھی اور ملاقات کے وقت ایک سرکاری رپورٹر ساتھ ہوتا تھا جو ملاقات کے نکات نوٹ کر کے گورنمنٹ کو اطلاع کرتا تھا۔ مولانا عزیز الرحمٰن فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ابتداء میں تین چار بار گئے تو ملاقات کی اجازت نہ مل سکی۔ ایک بار جمعرات کو گئے تو باہر اعلان ہوا کہ مولانا محمد علی صاحب کی آج ملاقات ہو گی ملاقاتی موجود رہیں اتنے میں مولانا کو دیکھا تو وہ بھی بالا خانے پر ٹہل رہے تھے۔ چند گھنٹوں بعد ایک جیپ آ کر رکی لاہور سے ایک آفیسر آیا وہ ہمیں لیکر اندر گیا بالا خانے پر گئے تو مولانا عزیز الرحمٰن' مولانا محمد صدیق صاحب اور اس آفیسر سے آپ ملے آفیسر درمیان میں کرسی ڈال کر بیٹھ گیا' مولانا عزیز الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے مولانا نے اپنی گود میں بٹھا لیا پیار کیا گھر کی خیر خیریت پوچھی۔ اتنے میں اس آفیسر نے کہا کہ آپ ان عزیزان کی ملاقات سے فارغ ہو جائیں میں لاہور سے آیا ہوں۔ آپ سے کچھ مجھے بھی باتیں کرنا ہیں۔ مولانا محمد علی صاحب نے یہ سنتے ہی مولانا عزیز الرحمٰن کو گود سے اٹھا کر کرسی پر بٹھا دیا۔ اور اس آفیسر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں ان سے ملاقات کر چکا آپ فرمائیں کہ آپ نے مجھ سے کیا پوچھنا ہے۔ العظمت للہ اتنی دیر بعد ملاقات اتنی جلدی اپنے عزیزوں سے فراغت اور اپنے فرض کی طرف توجہ کامل۔ آفیسر حیران ہوا مولانا عزیز الرحمٰن فرماتے ہیں کہ اس نے

پوچھا کہ جب آپ کراچی سے چلے ہیں گورنمنٹ کی اطلاع کے مطابق آپ کے پاس چالیس ہزار تھے۔ جب آپ ملتان گرفتار ہوئے تو آپ سے رقم برآمد نہیں ہوئی فرمایئے وہ رقم کہاں ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ تحریک کے مقاصد کے لئے راستہ میں حسب ضرورت حسب صوابدید تقسیم کر دی تھی۔ آفیسر نے کہا کہ اس کی کوئی رسید یا تفصیل فرمایا کہ رسید تو اس لئے نہیں ہے کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور میں (مولانا محمد علی جالندھری) جماعت میں دو آدمی ایسے ہیں کہ ہم اپنی صوابدید پر تحریک کے مقاصد کے لئے کوئی رقم خرچ کریں تو ہم سے پروف کوئی نہیں مانگتا۔ تفصیل اس لئے نہیں بتاتا کہ اس کی تفصیل بتانا تحریک کے مفادات کے خلاف ہے۔ اس آفیسر نے کہا کہ آپ کو بتانا ہوگی پروف دکھانے ہوں گے فرمایا کہ گورنمنٹ کا ایک صوابدیدی فنڈ ہوتا ہے جو اس کا مجاز ہو اس کے پروف اور اس کی تفصیل کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ یہ صوابدیدی فنڈ تھا۔ مجلس عمل کے اجلاس میں ۳۳ آدمی تھے ۳۲ رہ گئے میں اکیلا اس کام کے لئے روانہ ہوا۔ تو مجھ پر اعتماد تھا تو مجھے اس کام پر مامور کیا گیا۔ اس نے بڑا اصرار کیا مگر مولانا آخر تک ڈٹے رہے اس کی تفصیل نہیں بتائی۔ حکومت نے تمام راہنماؤں سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کر کے ان کو آپس میں بدظن کرنا اور تحریک میں دراڑیں پیدا کر کے اصل راہنماؤں پر بغاوت کا کیس چلانا تھا مگر تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

مولانا عزیز الرحمٰن فرماتے ہیں کہ ہمارے ماموں جناب حافظ عطاء الرحمٰن مسجد سراجان سے گرفتار ہوئے ان کی ملاقات پر پابندی تھی۔ وہ ہمارا اکلوتا ماموں تھا والدہ کو ان کے متعلق تشویش تھی۔ مولانا نے ایک دفعہ اپنی ملاقات پر یہ انتظام کیا کہ حافظ عطاء الرحمٰن کو پہلے درخواست لکھ کر دی کہ میری صحت ناساز ہے ڈاکٹر کے پاس لے جا کر میری خوراک تبدیل کی جائے۔ اور حافظ صاحب کو کہا کہ ٹھیک بارہ بجے ڈیوڑھی پر اندر سے آ جانا بارہ بجے تک مولانا ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے بارہ بجے نیچے اترے ابھی ڈیوڑھی میں تھے کہ ڈیوڑھی کے دروازہ کو جیل کے اندر سے کسی سائل نے کھٹکھٹایا دروازہ کھلا تو حافظ عطاء الرحمٰن صاحب کے ہاتھ میں درخواست تھی بھانجے کو دیکھا تو صبر نہ ہو سکا گلے لگا لیا مولانا عزیز الرحمٰن فرماتے ہیں کہ صبر ہم سے بھی نہ ہو سکتا تھا۔ ہم تو آ گئے مگر رپورٹ ہو گئی ہم دونوں بھائیوں مولانا عزیز الرحمٰن، حافظ حبیب الرحمٰن کے وارنٹ جاری ہو گئے اور جیل سپرنٹنڈنٹ معطل ہو گیا۔ مولانا محمد علی لاہوری کو پتہ چلا تو فیروز خان نون کو پیغام بھجوا کر جیل سپرنٹنڈنٹ کو بحال کرایا اور ان حضرات کے وارنٹ ختم کرائے۔

مولانا عزیز الرحمٰن فرماتے ہیں کہ جب آپ ملتان سے لاہور جیل میں منتقل ہوئے تو میں

اور میرے بڑے بھائی حبیب الرحمن صاحب لاہور ملاقات کے لئے گئے۔ تو مولانا نے فرمایا کہ آج مکئی کی چھلیاں کھانے کو دل کرتا ہے آپ ایک بوری مکئی کے سٹے خرید کر ساڑھے تین بجے جیل کی ڈیوڑھی پر پہنچا دیں اور اگر سنتری اندر نہ آنے دے تو رکھ کر چلے جانا ٹھہرنا نہیں۔ ہم نے ایک بوری سٹے خریدے اور سنتری کے پاس لائے اس نے مولانا کو بھجوانے سے انکار کیا تو ہم ڈیوڑھی پر بوری چھوڑ کر رکشہ پر چلے گئے ہمارے جانے کے بعد مولانا نے جیل کا اندر سے دروازہ کھٹکھٹایا دروازہ کھلا تو جیل کے سپرنٹنڈنٹ کے پاس گئے اور فرمایا کہ ہمارے لئے مکئی کے سٹے آئے ہیں وہ اندر بھجوا دیں اس نے کہا کہ وہ تو "قانونا" اندر نہیں آ سکتے تو مولانا نے فرمایا کہ بہت اچھا جو آدمی لائے تھے ان کو واپس کر دیں ہم جا چکے تھے۔ بہتیرا تلاش کیا مگر ہم نہ ملے تو مولانا نے سپرنٹنڈنٹ سے فرمایا کہ وہی صورتیں ہیں یا ہمیں اندر سٹے پہنچائیں یا مالکان کو واپس کریں۔ سپرنٹنڈنٹ پریشان ہوا اور بالآخر کہا کہ رات عشاء کے بعد جیل کے بند ہونے پر آپ کو سٹے پہنچ جائیں گے یوں سٹے عشاء کے بعد اندر پہنچ گئے اور جیل میں تحریک کے راہنماؤں نے "سنا بجنئ" منایا۔

مولانا نے ملتان گرفتاری کے وقت اپنے وارنٹ پر ۲۷ فروری جمعرات ۴ بجے بعد دوپہر کا وقت لکھ دیا تھا تین ماہ کی نظربندی تھی جو ۲۶ مئی کو ختم ہو جانا تھی لیکن اس تاریخ سے چند روز قبل تین ماہ توسیع کے آرڈر آ گئے ۲۵ اگست کو وہ تاریخ بھی ختم ہو گئی مزید توسیع کے آرڈر نہ آئے تو شام ۸ بجے مولانا نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے فرمایا کہ آپ نے مجھے چار گھنٹے حبس بے جا میں رکھا ہے آج میری نظربندی ۴ بجے ختم ہو گئی ہے مزید توسیع کے آرڈر آئے نہیں اور آپ نے مجھے رہا نہیں کیا صبح میں آپ کے خلاف ہائیکورٹ میں رٹ دائر کروں گا۔ سپرنٹنڈنٹ نے ہوم سیکرٹری کو فون کیا اس نے کہا کہ مولانا کو رہا نہ کریں ہم مزید توسیع کے آرڈر بھیج رہا ہوں۔ مولانا نے سپرنٹنڈنٹ کو فرمایا کہ ہوم سیکرٹری آپ کے کام نہ آئے گا اس نے آرڈر کئے بھی تو ۸ بجے کے بعد کے ہوں گے۔ ان چار گھنٹوں کی حبس بے جا کی آپ پر رٹ کروں گا۔ رات کو عشاء کے بعد مولانا کو اطلاع ہوئی کہ آپ کو رات رہا کیا جا رہا ہے لیکن ساہیوال کی ایک تقریر کے وارنٹ ہیں رہا ہوتے ہی باہر ساہیوال کی تقریر کے سلسلہ میں گرفتاری ہو جائی ہے۔ مولانا نے اپنے ذرائع سے حکیم عبدالمجید سیفی کو اطلاع کرائی رات ہی ملتان اور ساہیوال اطلاع ہو گئی۔ وہی ہوا کہ رات ۲ بجے آپ کو رہا کیا گیا۔ وہ صد پولیس کی نفری جیل کے گیٹ پر موجود تھی آپ کو گرفتار کر کے ساہیوال صبح سول جج کی عدالت میں پیش کیا گیا وکیل نے ضمانت کی درخواست دائر کر دی۔ ۳۰ ہزار روپے کی نقد ضمانت لیکر اس زمانہ کے تیس ہزار جو آج کل کے دور میں تین لاکھ کے برابر ہیں۔ آپ کو رہا کر دیا گیا یوں آپ ۲۴ اگست کو رہا ہو کر

ساہی وال سے ملتان یہاں سے کراچی پسنجر کے ذریعہ اپنے گاؤں باڑہ صادق آباد تشریف لے گئے۔ دو دن گزرے کہ مولانا عبدالرحیم صاحب اشعر کا تار آ گیا ماسٹر خان محمد سے وہ تار پڑھوایا گیا جو نہ پڑھ سکے۔ بلکہ وہاں سے چند میل پے وہاں سے بھی انگریزی نہ پڑھی جا سکی باڈر جو وہاں سے سات میل تھا۔ وہاں تار پڑھا گیا معلوم ہوا کہ فلاں تاریخ کو ظفر اللہ قادیانی' خواجہ ناظم الدین' حمید نظامی کا بیان ہونا ہے آپ نے جرح تیار کرنی ہے۔ جیل سے شاہ جی" کا حکم ہے کہ آپ لاہور پہنچیں تار پڑھاتے پڑھاتے رات گذر گئی۔ اگلے دن خیبر میل سے آپ گھر چند روز رہ کر لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔ پھر دس ماہ تک اس کیس کے سلسلے لاہور قیام رہا کبھی کبھار ایک آدھ دن کے لئے گھر تشریف لاتے رہے ورنہ اکثر قیام لاہور رہا۔

مولانا عزیز الرحمن ملتان میں گرفتاریوں کی تفصیل بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں حاجی جان محمد جو حضرت شاہ جی" کے عقیدت مند تھے کو گرفتار کیا گیا آپ ختم نبوت کا نعرہ لگاتے پولیس آپ پر ڈنڈوں کی بارش کر دیتی دونوں طرف سے یہ عمل جاری رہا حتیٰ کہ حاجی صاحب کو بے ہوشی کی حالت میں ٹرک پر لادا گیا جیل بھی بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا جب ہوش آیا تو پھر بھی ختم نبوت زندہ باد کی صدا بلند کر رہے تھے۔ اس طرح ملتان کے لوگوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر تحریک ختم نبوت کے لئے قربانیاں دیں۔

اللہ رب العزت نے ان شہدائے ختم نبوت اسیران و گرفتار شدگان کی قربانیوں کو ایسی اپنی بارگاہ میں قبول فرمایا کہ آج عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا صدر دفتر ملتان میں ہے۔ دنیا بھر میں عقیدہ ختم نبوت کے لئے کی جانے والی کوششوں کا محور و مرکز ملتان ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں ہر سال ملتان ہی سے لٹریچر شائع ہوتا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرنے کے لئے قدرت نے ملتان کے آب و دانہ کو وہ شرف بخشا ہے کہ اس پر جتنا بھی اہل ملتان شکر کریں کم ہے۔ فلحمد للہ علیٰ ذالک

مولانا عبدالرحیم اشعر فرماتے ہیں کہ تحریک ختم نبوت کے زمانہ میں میں جماعت کی طرف سے فیصل آباد کا مبلغ تھا۔ تحریک ختم نبوت چلی تو مولانا تاج محمود صاحب فیصل آباد کے امیر تھے۔ آپ نے ایک کار اور لاؤڈ سپیکر کا انتظام کر کے دیا۔ مولانا قاری عبدالحئی عابد ان دنوں مدرسہ اشاعت العلوم فیصل آباد میں زیر تعلیم تھے۔ ان کو قدرت نے بلا کا گلا دیا تھا۔ یہ میرے ساتھ ہوتے ہم علی الصبح کار پر نکل جاتے سپیکر لگا کر گاؤں گاؤں پھرتے یہ نظمیں پڑھتے میں تقریریں کرتا۔ اٹھارہ بیس دن تک ہم نے ضلع فیصل آباد کا کونہ کونہ چھان مارا۔ پورا ضلع تحریک میں ہراول دستے کا کردار ادا کرنے کے لئے سراپا تحریک بن گیا اٹھارہ بیس دن بعد ہمیں معلوم ہوا کہ تحریک کے تمام راہنما مولانا تاج محمود' مولانا عبدالمجید نابینا تمام حضرات گرفتار ہو

گئے ہیں۔ پولیس ہمارے تعاقب میں ہے۔ کسی بھی وقت گاڑی اور چیکر ضبط کر کے ہمیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ تو ہم نے گاڑی چھوڑ دی۔ فیصل آباد جامع مسجد کی بجلی پانی منقطع کر دیئے گئے تھے۔ مولانا عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ میں رات کو جامع مسجد سے ملحقہ ایک مکان میں ایک تبلیغی جماعت کے ساتھی کے گھر جا کر رہا۔ صبح جمعہ تھا۔ معلوم ہوا کہ مولانا مفتی سیاح الدین کاکا خیل سے تشریف لا چکے ہیں جمعہ پڑھائیں گے وہ وقت پر پولیس و ملٹری کی ناکہ بندی کے باعث جامع مسجد میں نہ آ سکے۔ میں نے تقریر کی۔ قدرت کا کرم ایسے ہوا کہ تقریر نے شہر میں آگ لگا دی پولیس و ملٹری حرکت میں آ گئی۔ میں جمعہ سے فارغ ہو کر مسجد کے شمالی دروازہ کے قریب جنازہ گاہ میں بیٹھا تھا کہ ایک احراری دوست نے مجھے وہاں سے نکال لیا۔ میں آخری آدمی تھا جو مسجد سے نکلا۔ اس کے بعد مسجد کے دروازے بند کر کے ایک ایک آدمی کی پہچان کی گئی کہ تقریر کرنے والے مولوی صاحب کہاں ہیں۔ میں نے ایک میلی کچیلی کمبل اوڑھ رکھی تھی۔ لباس بھی بوسیدہ و میلا تھا۔ مجھے انہوں نے درخور اعتنا نہ سمجھا اور یوں نکل کر مسجد اہل حدیث امین بازار پہنچا۔ شیخ خیر محمد چڑہ منڈی والے تحریک کے خزانچی تھے۔ مجھے کرایہ دیا اور شہر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ مسجد عقبی دروازہ سے کوتوالی تھانہ کے سامنے سے امین پور بازار کو کراس کر کے غشی محلہ سے ہوتے ہوئے جھنگ بازار تک لیا اور جوالا نگر پل کی طرف نکل گئے۔ میرے ساتھ رحمت اللہ شاہ تھے۔ جو منڈیالوالہ کے تھے اشاعت العلوم میں طالب علم تھے۔ ہم ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ملتان کی طرف چل پڑے دو نوجوان ملے پوچھا کہ نواب پور جا رہے ہو۔ ہم نے اثبات میں جواب دیا۔

اتنے میں ملٹری کا ٹرک آ گیا پوچھا کون ہو ہم نے کہا مزدور ہیں۔ کہاں جا رہے ہو ہم نے کہا مزدوری کر کے اپنے گاؤں نواب پور جا رہے ہیں۔ وہ مطمئن ہو کر چلے گئے۔ ہم چلتے رہے۔ رسالیوالہ اسٹیشن پر ٹرین کا ٹائم تھا۔ شہر اور اسٹیشن پر پولیس و ملٹری میری گرفتاری کے لئے بل کھا رہی تھی۔ فیصل آباد کے لئے ٹرین آئی تو رحمت اللہ شاہ واپس ہو گئے۔ ملتان کی ٹرین آئی میں سوار ہو گیا۔ خانیوال آیا اسٹیشن پر دو چار لقمے زہر مار کرنے کے لئے کینٹین پر گیا تو دیکھا کہ عبداللہ ہوٹل چنیوٹ بازار فیصل آباد کا منیجر پھر رہا ہے یہ پولیس کا مخبر تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی اسٹیشن پر لیٹنے میں عافیت سمجھی ٹرین چلی تو لپک کر گارڈ کے ڈبہ میں سوار ہو گیا۔ ملتان سٹی اتر کر ریلوے لائن میں ٹرین کے پیچھے کھڑا ہو گیا عبداللہ ادھر ادھر دیکھتا رہا ٹرین چھاؤنی کے لئے چلی تو میں بستر اٹھا کر پیدل سفر کر کے خیر المدارس پہنچ گیا۔ ان دنوں جماعت کا دفتر قدیر آباد ہوتا تھا۔ پیغام بھجوایا۔ تیسرے روز بلاوا آ گیا دفتر پہنچ گیا۔ تو مولانا محمد شریف جالندھری نے بورے والا‘ وہاڑی‘ عارف والا وغیرہ سائیڈ کا پروگرام بنا کر رقعہ پکڑا دیا کہ شاہ جی“ کے حوالے سے

لوگوں کو تحریک کے جاری رکھنے پر تیار کرواتے میں پولیس نے دفتر کا محاصرہ کر لیا۔ مولانا محمد شریف جالندھری' مولانا محمد حیات فاتح قادیان' مولانا غلام محمد' سائیں محمد حیات دفتر میں موجود تھے۔ مولانا غلام محمد تو جل دیکر نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور پروگرام پر روانہ ہو گئے وہاں سے گرفتار ہو کر پھر جیل میں آ ملے۔ ہم چاروں مولانا محمد حیات فاتح قادیان' عبدالرحیم اشعر' مولانا محمد شریف جالندھری' سائیں محمد حیات گرفتار کر لئے گئے۔ پولیس نے مجلس کا سیف توڑا تو سوائے خدا کے نام کے کچھ نہ ملا۔ واہی تباہی بکتے پولیس ہمیں تھانہ صدر لے گئی مولانا محمد حیات صاحب فاتح قادیان جیل کاٹنے میں بڑے بہادر اور جری تھے' پولیس کو کہا کہ بازار سے اپنے خرچہ سے کھانا لاؤ یا جیل پہنچاؤ ہم اپنا کھانا نہ کھائیں گے۔ پولیس نے کھانا کھلایا اور عصر کے قریب سنٹرل جیل ملتان پہنچا دیئے گئے۔ جیل میں گئے تو مولانا محمد علی جالندھری' مولانا احمد علی لاہوری' مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی' سید نور الحسن شاہ بخاری' مولانا سعید احمد جھنگی والا' مولانا سلطان محمود' مولانا قاسم الدین علی پور اور دوسرے حضرات موجود تھے۔ ہمارے جاتے ہی جیل کے تمام بزرگوں نے شفقتوں سے نوازا۔ مولانا نذیر احمد' باقر علی اور دوسرے جماعت اسلامی کے رفقاء بھی آ گئے تو مولانا احمد علی لاہوری نے حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادی کو کہہ کر پچیس عدد مصری قرآن مجید کے نسخے منگوائے اور درس قرآن جاری کر دیا۔ پچیس دن بعد قاضی احسان احمد' مولانا جالندھری' حضرت لاہوری' مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری کو ڈسٹرکٹ جیل منتقل کر دیا گیا۔ وہاں پر مولانا قاضی احسان احمد اور حضرت لاہوری کو کھانے کی اشیاء میں زہر دیا گیا۔ دو چار لقمے لیتے ہی قاضی صاحب کی طبیعت غیر ہو گئی۔ سخت قے آئی حضرت لاہوری کا بھی یہی حال تھا۔ جیل کا ڈاکٹر آیا تو آتے ہی قے پر مٹی ڈال کرائے بہا دیا تاکہ زہر کا ثبوت باقی نہ رہے جیل میں اس سانحہ کی خبر نے آگ لگا دی۔ جیل کے تمام قیدی دیواروں درختوں پر چڑھ کر سراپا احتجاج بن گئے' عملہ تشدد کرتا۔ درمیان میں مولانا محمد علی جالندھری کا تجربہ کام آیا اور ان کے کہنے پر احتجاج ختم ہوا اور سانحہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا محمد شریف جالندھری مولانا محمد حیات ملک عبدالغفور انوری سائیں حیات اور میں (عبدالرحیم اشعر) لاہور بورسٹل جیل منتقل کر دیئے گئے۔ وہاں پر مولانا خدا بخش ملتانی' سید امین شاہ مخدوم پوری مولانا زرین احمد خاں موجود تھے۔ میانوالی سے مولانا خواجہ خان محمد صاحب (امیر مرکزیہ) صوفی ایاز خاں آئے ہوئے تھے قاری رحیم بخش پانی پتی نے تراویح جیل میں پڑھانی شروع کی۔ تو ہر روز ازعالی صد تحریک کے رہنماء مقتدی ہوتے۔ میرے متعلق پولیس نے متعلقہ آبائی تھانہ جلال پور پیروالا سے رپورٹ مانگی تو انہوں نے غیر اہم لکھ دیا۔ یوں تین ماہ بعد ۲۷ رمضان شریف کو میری رہائی ہو گئی۔

جمعیت علماء اسلام ملتان کے راہنما شیخ محمد یعقوب فرماتے ہیں کہ

مارچ کے آخری ہفتہ ۱۹۵۳ء میں ملتان میں بھی تحریک کا آغاز ہوا اور مسجد سراجاں حسین آگاہی کو اس تحریک کا مرکز بنایا گیا ہر روز چھ (۶) رضا کار گرفتاری کے لئے پیش ہوتے مسجد سراجاں سے ایک جلوس کی صورت میں مظاہرین کو لے جایا جاتا اور مناسب جگہ پولیس رضا کاروں کو گرفتار کر لیتی تھی ۔ یہ تحریک ملتان میں تو آخر تک پرامن رہی البتہ تحریک کے راہنماؤں کو چھاپے مار کر گرفتار کرایا جاتا رہا مسجد سراجاں میں جو لوگ تقریر کے لئے آتے ان کو پریشان کیا جاتا اور گرفتار کرنے کی کوشش کی جاتی ملتان میں آخر تک تحریک پرامن رہی اور قائدین تحریک نے بڑی خاموشی سے عزیمت اور اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریک کو باقی رکھا تحریک پنجاب میں پرجوش تھی حکومت اور پولیس کی مداخلت کی وجہ سے لیصل آباد گوجرانوالہ لاہور میں ریلوے کو روکا گیا پر تشدد مظاہرے ہوئے لاہور میں مارشل لگا دیا گیا اس طرح پرامن تحریک تشدد کے دور میں داخل ہو گئی جب کہ مجلس عمل اس تحریک کو پرامن چلانے کا فیصلہ کر چکی تھی مگر حکومت کی غلط حکمت عملیوں سے تحریک تشدد کا شکار ہوئی۔

مولانا مفتی محمود کی گرفتاری

تحریک صوبہ سرحد میں پرجوش نہیں تھی اس لئے ملتان تحریک کے راہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ کسی ذمہ دار بزرگ کو صوبہ سرحد بھیجا جائے۔

مولانا مفتی محمود کئی سال سے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں تدریس کا کام کر رہے تھے مگر عوام سے ان کا رابطہ نہ تھا علماء کے حلقوں میں ان کے علم اور عزیمت کا چرچا تھا طے پایا کہ حضرت مفتی محمود کے ذمہ یہ کام لگایا جائے۔ پنجاب پولیس کا نظام سی آئی ڈی اس قدر مضبوط رہا ہے کہ تمام تحریکوں میں انٹیلی جنسی کے کارندے خبریں حاصل کر لیتے تھے چنانچہ مسجد سراجاں جو جلوس روانہ ہوا اس میں جلوس کی نصرت کے لئے روزانہ مفتی صاحب بھی شریک ہوتے اس دن رضاکاروں کی گرفتاری کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اس طرح آپ ڈسٹرکٹ جیل ملتان پہنچا دیئے گئے اور سرحد نہ جا سکے۔

ملتان میں تحریک کے سربراہ ماسٹر اختر حسین تھے جو بیرون حرم گیٹ فاروقی کیمپ کے نام پر نہال ہاتے۔ پولیس کی نگاہ ان تک نہ پہنچ پائی اور ماسٹر صاحب نے آخر تک تحریک کی راہنمائی اور نگرانی کی۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ ایک گوشہ نشین قسم کا دکاندار اتنی بڑی تحریک کا قائد ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ماسٹر صاحب مرحوم نے تحریک کی نگرانی اور راہنمائی کا حق ادا کر دیا۔ مخدوم محمد بخش جو کہ احرار کے ذہین اور فعال رضاکار ہیں ان کا رابطہ ماسٹر صاحب سے تھا

وہ تمام ہدایات لیتے اور تحریک کے ہراول دستے تک پہنچاتے رہے اس طرح ملتان میں تحریک پرامن رہی اور تشدد کی کوئی بھی صورت سامنے نہیں آئی۔ انتظامیہ نے ایسے لوگوں کو گھروں سے گرفتار کرنا شروع کیا جو ان کی معلومات کے مطابق تحریک کے قائد تھے ان میں سے مسجد سراجاں کے خطیب اور مدرسہ خیرالمدارس شعبہ قرأت کے سربراہ قاری رحیم بخش کو گرفتار کیا گیا۔

مولانا خدا بخش ملتانی" عبدالغفور انوری" جو کہ احرار کے معروف راہنماء تھے روز اول ہی سے گرفتار کر لیا گیا تھا اب ایک رات پولیس نے ہم چند اشخاص کو گھروں سے گرفتار کر لیا ان میں خواجہ غلام حسن مجلس احرار کے صدر ہونے کی وجہ سے حکیم انور علی شاہ مسجد سراجاں کے صدر انتظامیہ کی وجہ سے اور میں چونکہ تحریک کے فرنٹ پر کام کرتا تھا رضاکاروں (گروپ) کو ترتیب دینا جلوس کو مرتب کرنا اور کراچی جانے والے رضاکاروں کو ہدایات اور خرچہ دینا ایک رات ۱ بجے واپس گھر آیا تو باہر گلی میں پولیس منتظر تھی ساتھ لیا اور حرم گیٹ تھانہ لے جایا گیا۔ ابھی جا کر بیٹھا ہی تھا کہ ملتان کے ممتاز اور معروف تاجر خواجہ عبدالغفور دھوتی اور بنیان میں ملبوس لائے گئے خواجہ صاحب ہم کو دیکھ کر حیران ہوئے اور ایس ایچ او سے سوال کیا کہ یہ لوگ تو کسی نہ کسی حیثیت سے تحریک میں ملوث ہوں گے میں تو صرف ایک تاجر ہوں اور نظریاتی طور پر مسلم لیگ سے تعلق ہے۔ مجھے آدھی رات کو اس طرح کیوں لایا گیا۔ جواب میں ایس ایچ او نے بتایا کہ آپ فلاں تاریخ کو کراچی گئے اور فلاں تاریخ کو واپس آنے کے بعد سینٹرل جیل میں تحریک کے مرکزی راہنماء قاضی احسان احمد کو ملنے گئے حکومت نے کڑی سے کڑی ملائی اور آپ کو گرفتار کرنے کا حکم ہوا خواجہ صاحب بے چارے خاموش ہو گئے خاندانی طور پر دینی گھرانے سے تعلق تھا کبھی ابتدائی زمانہ میں احرار میں بھی رہے بس ارادہ کر لیا جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ رات کو ہی جیل پہنچا دئے گئے صبح جیل میں احباب سے ملاقات ہوئی ان میں مولانا مفتی محمود نمایاں تھے جیل حکام نے ایک احاطہ میں سب کو اکٹھے رکھنے کا فیصلہ کیا۔

ڈسٹرکٹ جیل میں ایک کوٹھڑی بڑے احاطہ میں بنی ہوئی ہے اسے بی کلاس کا درجہ حاصل تھا اس احاطہ میں رضاکاروں کے لئے چھولداریاں لگائی گئیں ہر چھولداری میں دس مجاہد تھے ان میں ایک کو امیر کا درجہ دیا گیا۔ سب کو بی کلاس میں رکھا گیا تھا جو کوٹھڑی تھی اس میں ۹ افراد تھے حکیم انور علی شاہ اور خواجہ عبدالغفور ذہنی طور پر مسلم لیگی تھے۔ منشی دین محمد اور خواجہ غلام حسن احرار سے ذہنی وابستگی رکھتے تھے مولانا مفتی محمود اور مولانا عبدالقادر جمعیت علماء ہند سے تعلق کی وجہ سے الگ سوچ رکھتے تھے۔ احرار اور ختم نبوت سے خصوصی تعلق میرا اور محمد شاہ قریشی کا تھا اور ایک حکیم صاحب دہلوی کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے تھا سب

شیروشکر تھے مفتی صاحب اکثر نماز پڑھاتے اور صبح و شام درس قرآن و حدیث کا ہوتا علمی مجلس تو اکثر رہتی ملک بھر کے حالات کا تجزیہ اور تحریک کی رفتار پر بحث منت کی خبر آتی رہتی۔ جیل کے اس احاطہ میں بڑی رونق ہو گئی تعداد ۲۵۰ ہو گئی میاں چنوں کے بزرگ مولانا پیر محمد ابراہیم" اور اہلحدیث مسلک کے بزرگ مولانا داؤد صاحب کی شخصیت علمی اور روحانی طور پر بہت نمایاں تھی مگر ان بزرگوں نے اپنے احباب کے ساتھ پھلواری میں رہنا پسند کیا بانگز سرگانہ کے دو زمیندار میر محمد قاسم سرگانہ اور میر محمود الحسن سب سے آخر میں آئے اور ان کو ہماری کوٹھڑی میں جگہ دی گئی جلدی ہی یہ ضمانت پر رہا ہو گئے اور ہم پھر ۹ افراد رہ گئے۔

رمضان شریف آگیا تو جیل کے حکام نے افطاری کے لئے دودھ اور برف کا اہتمام کر دیا دودھ جو بھی جیل میں دستیاب تھا اور برف سب کو ملنے لگی۔ نماز تراویح تہجد گویا کہ ساری رات عبادت میں گذر جاتی جیل قانون کے مطابق شام کو تالہ بندی ہو جاتی ہے اور سب کو بارکوں کے اندر بند کر دیا جاتا ہے جو سلاخوں والے دروازے دو طرفہ ہوتے ہیں ان میں سے ہوا آتی نہ آئی برابر ہوتی ہے جیل کے مچھر مشہور ہیں ساری رات ان سے لڑائی میں گزر جاتی اب تو بیرکوں میں پنکھے لگا دیئے گئے ہیں جس سے کچھ سہولت میسر آگئی ہے۔ مگر چونکہ ہماری تعداد زیادہ تھی جیل میں کوئی بارک ایسی نہ تھی جس میں بند کیا جاتا اس لئے رات بھر کھلے میدان میں گزر جاتی آزادی سے چل پھر بھی سکتے تھے نماز باجماعت کی سہولت میسر تھی۔ گویا ایک تربیتی کیمپ تھا ایک جشن کا سماں ہر وقت موجود رہتا۔ اہل علم حضرات وعظ کی مجلس لگاتے بحث مباحثہ بھی ہوتا تحریک کی رفتار اور قوت اسلام کی فتح ختم نبوت کی حفاظت کا جذبہ سب کے دلوں میں موجزن تھا

ڈسٹرکٹ جیل میں سید نور الحسن شاہ بخاری" بھی تھے ان کو الگ ہسپتال کے احاطہ میں نہایت ہی تنگ کوٹھڑی میں رکھا گیا تھا گرمی کی وجہ سے بہت تکلیف میں تھے۔ ہمارے احاطہ کے ساتھ ہی حضرت مولانا محمد علی جالندھری" محبوس تھے رات کو بند کر دیئے جاتے مگر دن کے وقت آزاد ہوتے تھے۔ جب بھی کوئی نئی خبر ملتی یا کوئی مشورہ کرنا ہوتا مولانا اپنے احاطہ میں بیری کے درخت پر چڑھ جاتے اس طرح کہ ہم زیارت بھی کرتے اور خبروں کا تبادلہ بھی ہو جاتا۔ مولانا جب بھی ہماری طرف جھانکتے تو سب کو معلوم ہو جاتا کہ وائرلیس پر پیغام رسانی ہو رہی ہے۔ اس طرح ہمارے کیمپ کو مولانا محمد علی جیسے تحریک کے عظیم قائد اور روح رواں کی معیت حاصل تھی۔ جیل حکام کا رویہ تعاون کا تھا بیرونی معاملات کے لئے خواجہ عبدالغفور اور حکیم انور علی شاہ کو کیمپ کے وزیر داخلہ اور وزیر خارجہ کی حیثیت حاصل تھی۔ ضرورت کی تمام اشیاء حسب ضرورت باہر سے منگوائی جاتی اور کسی رضاکار کو کسی قسم کی تکلیف یا پریشانی

میں مبتلا رہنے نہ دیا جاتا۔ تحریک چند دن عروج پر رہی لاہور میں مارشل لگا تا پڑا سیکرٹریٹ میں قلم چھوڑ ہڑتال ہوئی کرفیو کے دوران مرزائی فورس نے مشتعل ہو کر مسلمانوں پر اندھا دھند گولیاں چلائیں۔ باقاعدہ ملٹری سے بھی تصادم ہوئے میجر جنرل سرفراز خان مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے انہوں نے تشدد اور سختی سے کرفیو اور فوج کی روزانہ گشت سے حالات پر قابو پا لیا۔ لاہور میں تشدد رک گیا چند دنوں میں حالات امن لوٹ آئے تو مولانا داؤد غزنوی جو کہ تحریک کے ایک اہم لیڈر تھے ماضی میں کانگریس اور احرار میں بھی رہے تھے اور ممبر اسمبلی بھی تھے انہوں نے ایک اخباری بیان میں تحریک کو ختم کرنے اور تحریک کی واپسی کا اعلان کیا ان کا یہ بیان مجلس عمل کے راہنماؤں کے مشورہ کے بغیر تھا اور اسے ناپسند بھی کیا گیا مگر اس کا اثر ہوا کہ تحریک میں تشدد ختم ہوا فوج اور پولیس بے گناہ عوام پر جو ہر روز گولیاں برسا رہی تھی اس میں کمی آئی اور اعلان کے بعد جلوس اور مظاہروں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا اس مرحلہ پر مولانا جالندھری نے مشورہ دیا کہ اب جیل سے رہا ہونے کی جو صورت بھی بنے جیل سے باہر چلے جانا چاہئے جیل میں پڑے رہنے کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ چند روز بعد مجلس عمل کے تمام راہنماؤں کو لاہور منتقل کرنے اور منیر انکوائری میں حصہ لینے کی خاطر سب کو لاہور لے جایا گیا۔ مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ بھی ملتان جیل سے لاہور چلے گئے ابتداء میں حکومت نے تحریک کو معمولی تحریک خیال کرتے ہوئے گرفتار ہونے والے رضاکاروں کو زیر دفعہ 151، 107 ت پ میں گرفتار کیا کسی پر انڈہ مرغی چرانے کا الزام لگایا تو کسی کو نٹ باتھ پر جھگڑتے ہوئے دکھایا گیا۔

ان مقدمات میں سماعت کے لئے شیخ نور محمد مجسٹریٹ درجہ اول کی ڈیوٹی لگی۔ شیخ صاحب روزانہ جیل کی ڈیوڑھی کے بالا خانہ پر عدالت لگاتے پولیس کے ناقوت گواہ پیش ہوتے اور سزا کا حکم زبانی سنا دیا جاتا۔

پہلے کئی روز تین ماہ سزا محض اور بعد میں چھ ماہ۔ نو ماہ اور ایک سال سزا کا حکم سنایا گیا۔

گورنمنٹ کی طرف سے سخت ہدایات آنے پر سزا دو سال بامشقت کا فیصلہ سنایا جانے لگا شیخ نور محمد کے سامنے ہم پیش ہوئے تو معلوم ہوا کہ ہم جھگڑا کر رہے تھے کہ انڈہ کس کا ہے میں نے گواہ پر جرح کرنا چاہی اس لئے کہ ملزم کا حق ہے کہ اس کا وکیل یا وکیل نہ ہو تو ملزم جرح کر سکتا ہے۔ تو شیخ نور محمد مسکرائے اور کہا کہ آپ کیا جرح کریں گے مجھے تو حکم ہے کہ تین ماہ سزا محض آپ کو دینی ہے۔

جیل سے رہائی

رمضان شریف گذر گیا اور عید کی آمد آمد تھی ہمارے گروپ کی سزا پوری ہو گئی تھی عید کے دوسرے دن رہائی تھی ہماری خواہش تھی کہ ایک روز عید سے قبل رہا کر دیا جائے خواجہ عبدالغفور کے علاوہ کوئی دوسرا شخص رہا نہ ہوا ہم عید کے بعد دوسرے دن رہا ہوئے۔

مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق اب سب کو رہا کرانا تھا مگر اس فیصلہ سے مولانا مفتی محمود رحمتہ اللہ علیہ نے اختلاف کیا تھا اور کہا تھا کہ رضاکاروں کو ضمانتوں پر رہا نہ کرایا جائے ہم نے کونسا جرم کیا ہے جو ہم ضمانت دیں مفتی صاحب چونکہ پر عزیمت بزرگ تھے وہ ضمانت کا تصور نہ رکھتے تھے انہوں نے سختی سے منع کر دیا کہ ابھی ضمانت نہ کرائی جائے البتہ رضاکاروں کی ضمانت کے مسئلہ پر آپ نے خاموشی اختیار کر لی تھا چنانچہ سب رہا ہو گئے حضرت مفتی صاحب اکیلے رہ گئے۔

کیمپ میں مولانا مفتی محمود کی شخصیت اپنے علمی اور سیاسی مسلک کی وجہ سے اہم اور مرکزی حیثیت رکھتی تھی جیل میں بحث مباحثے اور مشاورت کا وقت بھی بہت تھا ان کا اصرار تھا کہ اس تحریک نے حکومت کو ہلا کے رکھ دیا ہے۔ مسلم لیگ کی حکومت بے اثر ہو گئی ہے ایک سیاسی خلاء پیدا ہوا ہے اس کو پر کرنا ضروری ہے اس لئے ہم کو سیاسی تنظیم قائم کرلی جانی چاہئے۔

اپنے سوچ اور رائے کے اعتبار سے مولانا عبدالقادر آزاد اور میں مفتی صاحب کی اس رائے سے متفق تھے۔ مفتی صاحب سے جیل کا تعلق رہائی کے بعد بھی قائم رہا اور روز بروز اس میں اضافہ ہوتا رہا۔

عید کے دوسرے روز تین ماہ سزا والے رہا ہو گئے اور جیل کا کیمپ خالی خالی سا ہو گیا۔ رہائی کے بعد ماسٹر اختر حسین رحمتہ اللہ کی سرپرستی اور راہنمائی سے تمام رضاکاروں کو ضمانتوں پر رہا کرا لیا گیا۔ حضرت مفتی صاحب اکیلے رہ گئے گرمی کی وجہ سے جسم پر دانے نکلے بخار ہوا تکلیف میں رہے مگر حضرت نے ضمانت پر رہائی قبول نہ کی حکومت پنجاب کے خاص حکم اور تحریک کے تمام اسیران کو رہا کرنے کے حکم عام پر آپ رہا ہوئے مولانا غلام غوث ہزاروی احرار کے راہنما ملتان آئے تو ان کی ملاقات مفتی صاحب سے ہوئی انہوں نے طے کیا کہ ایک سیاسی جماعت کی تشکیل کے لئے ملک بھر کے علماء کا کنونشن ملتان میں بلوایا جائے

اس کنونشن کے دعوت نامے بذریعہ ڈاک بھی ارسال کئے گئے مگر چونکہ کراچی میں مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا احتشام الحق اور بڑے بڑے اہم علماء سکونت رکھتے تھے ان کو خصوصی دعوت دینے کے لئے مولانا عبدالقادر آزاد بھی خصوصی طور پر کراچی گئے ان حضرات کو دعوت پہنچائی۔

کنونشن میں دو سو کے قریب علماء حضرات صوبہ سرحد کے مولانا گل بادشاہ نے شرکت

لی ان میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری" ' مولانا داؤد غزنوی" اور مولانا خیر محمد" جالندھری بہت نمایاں بزرگ تھے۔ جمعیت علماء اسلام کا نام بھی مولانا خیر محمد جالندھری نے تجویز کیا اور کہا کہ میں ذمہ دار ہوں احباب کراچی آپ کے ساتھ ہو نگے اگر انہوں نے ساتھ نہ بھی دیا تو اس نام سے متوازی تنظیم قائم نہیں کریں گے یہ وعدہ مولانا کو اس لئے کرنا پڑا کہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی جمعیت علماء اسلام کی تشکیل ہو گئی تھی مگر یہ تنظیم موثر نہ تھی اس کے صدر مولانا مفتی محمد حسن" بیماری کی وجہ سے معذور تھے اور مفتی محمد شفیع صاحب کو قائمقام امیر بنایا ہوا تھا جو کہ اپنی علمی مصروفیات میں اس قدر مشغول رہتے تھے کہ سیاسی یا تنظیمی کام نہ ہونے کے برابر تھا۔ ملتان کا یہ کونشن ۱۹۵۶ء میں چوک فوارہ حاجی باراں خاں کی تو تعمیر شدہ بلڈنگ میں ہوا تھا یہ جمعیت علماء اسلام کا اساسی اجلاس تھا بنیاد وقت کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی اور مولانا مفتی محمود" صوبہ سرحد کے وزیر اعلٰے کے عہدہ پر سرفراز ہوئے اور ۱۹۷۷ء میں پاکستان قومی اتحاد کے مرکزی صدر کی حیثیت سے آپ کی قیادت میں زبردست تحریک چلائی گئی اور ذوالفقار علی بھٹو کو پاکستان کے عہدہ وزیر اعظم سے مستعفی ہونا پڑا۔ ۱۹۵۳ء میں جو تحریک بہ ظاہر ناکام ہو گئی تھی بیس سال بعد اللہ تعالٰی نے کامیابی عطا فرمائی اور اس کامیابی میں مولانا مفتی محمود کو قائد کی حیثیت ملی۔ پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی کا شرف حاصل ہوا۔

یہ درست ہے کہ پارلیمنٹ کے دوسرے ارکان جو کہ علماء دین تھے انہوں نے بھی مکمل تعاون کیا اور مجلس تحفظ ختم نبوت نے مسلمانوں کی نمائندگی کا حق ادا کیا اور پارلیمنٹ کے سامنے قادیانیوں کی کتب اور حوالے پیش کئے اور پارلیمنٹ نے اتفاق رائے سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

اس سعادت میں تمام مسلمان بھی شریک ہوئے لوگوں نے سڑکوں پر مظاہرے کئے نوجوان شہید ہوئے اس کے ساتھ ساتھ سب کا اتفاق ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو جو کہ اس وقت وزیر اعظم تھے ان کا بھی حصہ اس سعادت میں ہے اللہ سب کے ایثار خلوص اور قربانیوں کو قبول کرے اور اجر عظیم عطا کرے۔

مولانا شاہ احمد نورانی ' پروفیسر غفور احمد اور دوسرے علماء اور دانشوروں نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا اور یہ سعادت حاصل کی۔

مجلس عمل تحفظ ختم نبوت بھی مبارک باد کی مستحق ہے کہ جو کام ۱۹۵۳ء میں شروع ہوا وہ کام مجلس عمل کی جدوجہد اتحاد اور تعاون سے ۱۹۷۴ء میں اللہ کے فضل سے منزل کامیابی تک پہنچا۔

مولانا محمد عبدالقادر قاسمی فرماتے ہیں

ملتان میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ان چھ نوجوان شہداء کی طرف سے ہوا جن کو تھانہ کپ کی پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنایا گیا لاکھوں کی تعداد میں لوگ جنازہ میں شریک ہوئے اور عید گاہ ملتان میں ان کو دفنا دیا گیا۔ تحریک کے سلسلہ میں اکابر مجلس عمل کی گرفتاری کے بعد رضا کار کراچی روانہ کیے جا رہے تھے کہ مجھے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ رائے چھاؤنی اسٹیشن پر گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل پہنچا دیا گیا۔ مستری دین محمد مرحوم ہمارے دستہ میں شامل تھے میں ان دنوں مولانا خیر محمد مرحوم کی صدارت کے دور میں پنجاب جمعیت علمائے اسلام کا جنرل سیکرٹری تھا جیل میں چند دن عام قیدیوں کے ساتھ گزارے تھے کہ مسلم لیگ کا ایک وفد ہم سے جیل میں ملنے کے لئے آیا لیکن ہم نے ان سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ ہمارے اجتماعات دربار موسیٰ پاک شہید" پر مخدوم مرحوم کی صدارت میں ہوتے تھے جس میں مولانا سعید احمد کاظمی بھی شامل تھے حکومت کراچی جانے والے رضاکاروں کو کہیں دور جا کر چھوڑ دیتی تھی پھر جب جیل میں عدالت نے سماعت شروع کی اور قید محض کی بجائے قید با مشقت کی سزا دی جانے لگی تو تحریک میں اتنی شدت آ گئی۔ سجادہ نشین اور نوابوں نے گرفتاریوں سے گریز کیا۔ ہم لوگ پہنچے کیمپ میں جمع کیے گئے۔ جہاں خانیوال کے رضاکار مولانا عبدالقادر جلال پوری کی قیادت میں پہنچے تھے۔ ادھر ہمارا خیال یہ تھا کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم صوبہ سرحد کو سنبھالا دیتے لیکن انہیں ملتان میں ہی دھر لیا گیا جن کو نہ تو کوئی پولیس کی ہتھکڑی فٹ آ سکی اور نہ ہی وزن کے لئے باٹ کار آمد ہو سکے۔ حضرت مولانا غلام قادر کی گرفتاری اور ان کی با مشقت سزا نے رضاکاروں میں جوش اور ولولہ پیدا کر دیا۔ پھر کیمپ نمبرا میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں ہم نے اپنی کابینہ بنائی۔ حضرت مفتی محمود صاحب سربراہ تھے۔ خواجہ عبدالغفور مرحوم وزیر خوراک حکیم انور علی شاہ وزیر اعظم اور عاجز وزیر تعلیم بامزد ہوا۔ رضاکاروں کی خدمت اور ان کے حوصلے بلند رکھنا ہی ذمہ داری تھی۔ نوجوانوں کی خواہشات کی تکمیل کی جاتی ان میں ہم لوگ سگریٹ نہ پینے والے ان پر سگریٹ تقسیم کرتے تھے۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں روزے رکھواتے اور شربت سے ان کی تواضع کرتے۔ جیل کا عملہ اپنی چونگی وصول کرتا تھا۔ حافظ محمد دین ڈیروی نے قرآن مجید سنانا شروع کیا چنانچہ چار ختم قرآن مجید کے ہوئے۔ حضرت مفتی محمود صاحب نے پندرہ پارے جیل میں یاد کئے۔ اکابر کے ڈسٹرکٹ جیل منتقل ہونے کے بعد ہم لوگ ان کی ہدایت کے مطابق قائم کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری مرحوم کا فرمان تھا کہ اب جیل میں پڑے رہنے کی بجائے باہر جا کر کام کرو اور گرفتاری سے بچتے رہو چنانچہ مجھے ڈاکٹر محمد عمر صاحب کے پاس سکھر بھیجا گیا جن کو اکابر کی ہدایات پہنچائی گئیں ملک بھر میں گرفتاریاں دے کر جیلوں کو بھر

دیا گیا۔ بالآخر دولتانہ وزارت ختم ہوئی۔

مظفر گڑھ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سکھر کے مبلغ مولانا بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک کے دوران میں علی پور مدرسہ نظامیہ میں زیر تعلیم تھا۔ تحریک کے شروع ہوتے ہی ابتدائی دنوں میں مولانا سعید احمد جھنگی والا' مولانا نظام الدین علی پوری' مولانا محمد عمر مظفر گڑھی۔ غرضیکہ ضلع کی پوری دینی قیادت گرفتار ہو گئی ضلع مظفر گڑھ جماعتی کارکنوں کی تعداد کے اعتبار سے احرار نگر سمجھا جاتا تھا۔ حضرت امیر شریعت نے گاؤں گاؤں پھر کر اس علاقہ میں تبلیغ اسلام کے مقدس فریضہ کو سرانجام دیا تھا آپ کے مریدوں کا بھی زیادہ حلقہ اس علاقہ میں ہے۔ گرفتاریوں کے اعتبار سے یہ ضلع بھی کسی ضلع سے کم نہیں رہا۔ تحریک مقدس ختم نبوت میں لوگوں کا جوش و جذبہ قابل دید تھا۔ گرفتاریوں کے لئے لوگ ایک دوسرے سے پہل کرنے میں اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ مولانا قائم الدین' مولانا محمد لقمان' مولانا دوست محمد قریشی اسی ضلع کے نامور خطیب تھے۔ ان حضرات کی خطابت نے عوام کو حوصلہ دیا۔ یہی حضرات گرفتار ہوئے۔ غرضیکہ علماء و عوام کوئی بھی تحریک میں پیچھے نہ رہا۔ مولانا محمد لقمان علی پوری ان دنوں ننکانہ صاحب' ضلع شیخوپورہ میں مجلس کے مبلغ تھے۔ ضلع شیخوپورہ میں انہوں نے مثالی کام کیا لیکن خود اپنی گرفتاری کے لئے انہوں نے اپنے علاقہ علی پور کا انتخاب کیا تشریف لائے علی پور میں دھواں دھار تقریر کی اور رفقاء سمیت گرفتار ہو گئے۔ ان کے بعض بدخواہوں نے پولیس کے ساتھ مل کر ایسی دفعات ان پر لگوا دیں کہ شاید بروقت پتہ نہ چلتا تو سالوں اندر رہتے۔ بروقت پتہ چل گیا کہ آپ پر بلوہ' قتل پر اکسانے' آگ لگوانے' لوٹ مار کی تمام دفعات لگوا دی گئی ہیں۔ تو سردار عبدالرحیم خان بہانی نے اچھے طور پر کوشش کی۔ مگر اس کے باوجود چھ ماہ کی سزا ہو گئی۔ اور ملتان جیل منتقل کر دیئے گئے۔

مولانا بشیر احمد فرماتے ہیں کہ میں مولانا منظور احمد رلوچہ اور دوسرے تین ساتھی کل پانچ حضرات گرفتاری کے لئے علی پور سے پہلے گرفتاریاں کرانے کے لئے ان دنوں ڈکٹیٹر مولانا فیض رسول جہانپوری تھے۔ انہوں نے ہمیں ملتان بھجوایا ان دنوں ملتان میں اتنا زیادہ کارکن تھے کہ ہماری ہفتوں باری نہ آنا تھی۔ ہم نے مظفر گڑھ جانا مناسب سمجھا دونوں نے وہاں جا کر تقریر کی شب قدر کی آمد آمد تھی اور ہم یہ مقدس شب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے لئے جیل میں گذارنا چاہتے تھے۔ دھواں دھار تقریر ہوئی اور ہمیں گرفتار کر لیا گیا تھانہ صدر کا ایس ایچ او مرزائی تھا۔ ہم طالب علم تھے۔ ہمیں گرفتار کر کے اس نے گالیوں کی ایسی

گروان کی کہ اس پر شیطان اور مرزائے قادیان کی روح بھی تنگ ہو گئی۔ ایک تھانیدار اور دوسرا مرزا قادیانی ایسے احمق کا بدطینت مرید اس سے کیا خیر کی توقع تھی۔ پہلی دفعہ گرفتاری دی تھی۔ علم نہ تھا کہ اب آگے کیا ہوتا ہے اس کی بد زبانی پر بل کھا کر رہ گئے۔ تھانیدار کہہ رہا تھا کہ میں آپ کو ایسا سبق سکھاتا کہ آپ کو علم ہو جاتا کہ مرزائیت کے خلاف کیسے جلوس نکالے جاتے ہیں۔ اے کاش کہ اس وقت تک وہ مرزائی تھانیدار زندہ ہو اور مرزائیت کی زبوں حالی و پریشانی و رسوائی اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ اقتدار کا نشہ مرزائیت کو ذلت و رسوائی سے نہ بچا سکا۔ ۱۵ شعبان کو عدالت میں پیش ہوئے تین تین ماہ کی سزا سنائی گئی۔ ملتان جیل لایا گیا۔

ڈویژن بھر کے علماء مشائخ کارکن یہاں پہلے سے براجمان تھے۔ اللہ رب العزت کا کرنا ہوا یہ کہ ۲۹ رمضان کو رہا کر دیئے گئے۔ مولانا بشیر احمد کی روایت کے مطابق اس دن رہا ہونے والے صرف لیہ شہر کے سو اسو کارکن و علماء تھے۔ باقی ضلع کو صرف اس ایک شہر کے ایک دن کے رہا شدگان کی تعداد پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ رہا ہو کر ٹرین سے مظفر گڑھ گئے تو اسٹیشن پر استقبال کے لئے پورا شہر امڈ آیا تھا۔ روزہ افطار کیا گیا اور ہر شہر کے لئے علیحدہ علیحدہ سواریوں کا انتظام کیا گیا علی پور کی رفقاء کو ایک بس اور ایک ٹرک کے ذریعہ ان کے گھروں کو روانہ کیا گیا۔

راولپنڈی

تحریک ختم نبوت ۵۳ء میں راولپنڈی کا کردار بھی مثالی رہا۔ مجلس کے قیام کے بعد تمام مکاتب فکر کے خطباء حضرات کی تقاریر کا رخ مرزائیت کے احتساب کے لئے وقف ہو گیا۔ گولڑہ راولپنڈی کے مضافات میں ہے حضرت مولانا سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے مرزا قادیانی اور مرزائیت کو جو چرکے لگائے راولپنڈی کے در و دیوار ان سے نہ صرف آگاہ بلکہ ان کے چشم دید گواہ تھے۔ راجہ بازار راولپنڈی کی جامع مسجد تعلیم القرآن کے خطیب و مہتمم مولانا شیخ القرآن غلام اللہ خان کا شباب تھا ان کی حق گوئی و بے باکی سے ایک زمانہ واقف ہے آپ کے ایمان پرور خطاب سے ملک بھر کے در و دیوار آشنا تھے۔ آپ نے للکارتے وہ دم بخود ہو جاتا آپ کا دار العلوم و جامع مسجد اہل حق کا مرکز اور دینی تحریکوں کا گڑھ تھے۔ مولانا غلام اللہ خان مرحوم کی جس سے ٹھن جاتی اس پر وہ قہر الٰہی بن کر ٹوٹ پڑتے۔ آپ کے شاگردوں کا حلقہ سرحد، آزاد قبائل، افغانستان، یاغستان سمیت آزاد کشمیر اور پاکستان بھر میں پھیلا ہوا تھا۔ ان کی آواز حق کی طاقت سے حکمران بھی بخوبی واقف تھے تحریکہائے ختم نبوت ۵۳ء و ۷۴ء میں مولانا غلام اللہ خان مرحوم نہ صرف شامل تھے بلکہ تحریک کے صف اول کے رہنما تھے۔ توحید باری تعالیٰ ان

کا محبوب مضمون تھا لیکن عقیدہ ختم نبوت ' اسلامی نظام عقیدہ ناموس صحابہؓ یا جس بھی موضوع کو اختیار کرتے اپنی تمام تر توانائیاں اس کے لئے وقف کر دیتے۔ مولانا صرف گفتار کے نہیں بلکہ کردار کے بھی غازی تھے ان کی جامع مسجد ۱۹۵۳ء ' ۱۹۷۴ء و ۱۹۸۴ء کی تحریکہائے ختم نبوت میں مرکز رہی ہے۔ ان کے جانشین مولانا قاضی احسان الحق بھی ان کی روایات کے امین اور عقیدہ ختم نبوت کے نڈر مجاہد اور بے باک رہنما ہیں۔ نومبر ۱۹۵۲ء میں لیاقت باغ راولپنڈی میں جلسہ عام تھا۔ مجلس عمل کے تمام راہنماؤں بالخصوص مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ' مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی' مولانا غلام اللہ خان نے خطاب کیا۔ اس جلسہ نے حکومت کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا پورا شہر سراپا تحریک بن گیا۔ رضاکاروں کی بھرتی کے انچارج و سربراہ و نگران مولانا غلام اللہ خان تھے۔ آپ نے اعلان کیا۔ آپ کے متعلقین و شاگردوں کے ٹھٹھ لگ گئے۔ رضاکاروں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو گئی۔

تمام مکاتب فکر کے راہنما دل و جان سے تحریک پر فدا ہونے کے لئے تیار تھے' جب کراچی میں تحریک کے لیڈر گرفتار ہوئے اور مولانا غلام اللہ خان شیخ القرآن کو بھی ۲۷ فروری کو پنجاب حکومت نے گرفتار کر لیا تو ان کی گرفتاری حکومت کے لئے عذاب بن گئی۔ دھڑا دھڑ جلوس نکلنے لگے۔ جلسے منعقد ہونے لگے۔ مرزائی گلی و کوچوں سے چھپ کر اپنے گھروں میں ایسے دبک کر بیٹھ گئے جیسے مرزا قادیانی کی روح اس کی فوتگی کے وقت غلاظت میں دبک گئی تھی۔

ان حضرات کی گرفتاریوں کے بعد پیر صاحب گولڑہ شریف کی صدارت میں لیاقت باغ میں جلسہ عام منعقد ہوا۔ رسوائے زمانہ منیر جیسا تحریک کا ازلی بدبخت دشمن بھی اپنی رپورٹ اردو کے صفحہ ۱۸۵ پر لکھنے پر مجبور ہوا کہ اس جلسہ کی ماضی میں نظیر نہیں مل سکتی۔ اور یہ جلسہ تاریخ کا سب سے بڑا جلسہ تھا۔ ۶ مارچ کو لیاقت باغ میں ایک اور جلسہ منعقد ہوا ہر روز جلسے ہوتے جلوس نکلتے اور رضاکار گرفتاری پیش کرتے۔ حکومت بے بس ہو گئی شہر کے حالات کو سنبھالنا اس کے لئے مشکل ہو رہا۔

چنانچہ ۷ مارچ کو شہر فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ پولیس لاٹھی چارج ' آنسو گیس علامت اور گولیوں کے استعمال کے باوجود پسپا ہو گئی تو اس معرکہ کو سر کرنے کے لئے فوج کی ڈیوٹی لگ گئی۔

اسی دن تھانہ گولڑہ اور تھانہ سہالہ کے علاقوں میں فون کا رابطہ منقطع کر دیا گیا اور شہر بھر میں فوج کی ڈیوٹی لگا دی گئی ۸ مارچ کو گورنمنٹ کالج کا ایک جلوس جناب مسعود ملک طالب علم رہنما اور مولانا عبدالقدوس کشمیری کی سربراہی میں نکلا۔ جلوس اس طرح عشق رسالتمآب

صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ سے سرشار تھا کہ پولیس و فوج کا گروفران کے جذبہ ایمان اور عقیدہ ختم نبوت سے والہانہ تعلق کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ وہ حکومت کے تمام تر ظلم کو سہنے کے لئے گھر سے نکلے تھے۔ قذافی کوتوالی کے سامنے مجلس عمل کے کہنے پر پولیس نے فائرنگ شروع کر دی۔ مسلمان اپنے سینوں پر گولیاں کھاتے گرتے اور تڑپتے رہے۔ شرکاء پر لاٹھی چارج اور آنسو گیس کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ پولیس کی گولیوں سے ماحول اس طرح سیاہ ہو گیا جس طرح کہ پولیس کے دل سیاہ تھے۔ اپنے ظلم و ستم کے زور پر انہوں نے جلوس کو تو منتشر کر دیا مگر ان کے دل و دماغ پر تحریک کا اتنا خوف طاری تھا کہ انہوں نے ساتھ ہی دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر کے شہر میں جلسے جلوس ممنوع قرار دے دیئے۔ اس پر بھی ان کا خوف دور نہ ہوا تو رات کے وقت کرفیو نافذ کر دیا جو اگلے دن بھی جاری رہا۔ ۲۳۹ آدمیوں کو کرفیو کی خلاف ورزی پر سزائیں دی گئیں۔ اس تمام تر ظلم و بربریت کے باوجود رسوائے زمانہ منیر نے اپنی رپورٹ میں تسلیم کیا ہے کہ تحریک کے لوگوں نے جامع مسجد میں پناہ لے لی اور جہاں سے وہ رضاکاروں کو گرفتاری کے لئے بھیجتے رہے۔ ایک ہزار تینتیس رضاکار گرفتار ہوئے اور ان کے خلاف زیر دفعہ ۱۸۸ تعزیرات پاکستان مقدمات دائر کئے گئے اور سب کو سزائیں دی گئیں۔ منیر نے اپنی رپورٹ کے ص ۱۸۹ پر لکھا ہے۔

"شورش کی نوعیت کی وجہ سے پولیس اور فوج کے ادنیٰ ملازمین کے حوصلے اور وفاداری پر اثر پڑنے لگا مسلم لیگ کے اکثر لیڈر اور مقامی ایم ایل اے کہیں روپوش ہو گئے اور انہوں نے عوام کا سامنا کرنے سے انکار کر دیا۔ حقیقت میں وہ دورخی پالیسی پر عمل کر رہے تھے۔ بظاہر حکام کے حامی تھے۔ لیکن اندرونی طور پر شورش کی تائید و اعانت کر رہے تھے۔ پورے ضلع میں ایک مولوی بھی ایسا نہ تھا۔ جو شورش کی حمایت نہ کر رہا ہو جو مولوی گرفتار کئے گئے ان میں مولانا عارف اللہ شاہ' مولانا محمد مسکین' مولانا محمد اسماعیل ذبیح اور مولانا عبدالحنان شامل تھے اور یہ تمام آل پارٹیز مسلم کنونشن کے ممبر تھے۔

نواحی اضلاع سے بھی کثیر التعداد لوگ شورش میں حصہ لینے کے لئے آ گئے اطلاع موصول ہوئی کہ ضلع ہزارہ سے دو ہزار پٹھان راولپنڈی کی طرف آ رہے ہیں۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ پولیس نے پیر صاحب گولڑہ شریف کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ان لوگوں کو واپس چلے جانے کی ہدایت دے دیں اسی طرح ایک کہن سال مگر مقبول عام مولوی محمد اسحاق مانسہروی بھی تحریک کی قیادت کے لئے نکل آئے۔ لیکن حکام ضلع ان کو سمجھانے بجھانے میں کامیاب ہو گئے بلکہ ان سے ایک تحریری اپیل جاری کرائی کہ لوگ لاقانونی اور بدنظمی پیدا کرنے سے پرہیز کریں۔ اس ضلع میں شورش مارچ کے تیسرے ہفتے میں ختم ہو گئی

قارئین! خدا گواہ ہے کہ میرا ایسا شیطان صفت شخص معاف رکھیے انسان نما شیطان مقدس تحریک ختم نبوت کو لفظ "شورش" سے تعبیر کرتا ہے جس طرح کہ انگریز تحریک آزادی کی جنگ ۱۸۵۷ء کو غدر کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے' انگریز کا معنوی فرزند اپنے باپ دادا کی سنت کو دہرا رہا ہے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کو دہرا رہے تھے۔ پیر آف گولڑہ اور مولانا سید عارف اللہ شاہ بریلوی مکتب فکر کے صف اول کے راہنماء تھے۔

مولانا محمد اسماعیل ذبیح اہل حدیث بزرگ تھے۔ مولانا عبدالستار دیوبندی مکتب فکر کے بزرگ تھے۔ مولانا محمد اسحاق مانسہروی کمسن سال کی جس پر پھبتی کسی جا رہی ہے۔ یہ تحریک آزادی کے بزرگ راہنماء اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کے شاگرد رشید تھے۔ اللہ رب العزت کی ان تمام حضرات کی تربتوں پر کروڑ رحمتیں ہوں کہ کس طرح مقدس مشن کے لئے بزرگ راہنماء اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان کار زار میں تشریف لائے۔ دیوبندی' بریلوی اہل حدیث اور شیعہ کی تفریق مٹ گئی اختلاف کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں اور جذبہ رسالت سے سرشار چھپنے ایک ہی صف میں دربار نبویؐ کے چوکھٹ پر اپنی عقیدت کا اظہار کرنے لگے۔ مجھے اجازت ہو تو اس جملہ پر راولپنڈی ضلع کی رپورٹ کو ختم کروں کہ لاکھوں دیوبند۔ لاکھوں بریلی۔ لاکھوں لکھنؤ اور دہلی قربان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضرا کی ایک ایک اینٹ مبارک پر۔ اگر صاحب مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت محفوظ نہیں تو تیرے بریلی میرے دیوبند۔ اس کے لکھنؤ اور اس کی دہلی کو کون پوچھے گا۔ اس وقت پھر فرقہ واریت جنم لے رہی ہے لیکن افسوس کہ کوئی امیر شریعت" نہیں جو ابوالحسنات' احمد علی لاہوری' کفایت حسین اور داؤد غزنوی کو ایک سٹیج پر اکٹھا کر دے۔

کوئی محمد یوسف بنوری نہیں جو مفتی محمود' شاہ احمد نورانی' مظفر علی شمسی اور احسان الٰہی ظہیر کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر دے۔ کوئی مفتی محمود نہیں جو آغا مرتضیٰ پویا' عبدالستار نیازی' اور عبدالقادر کو ایک لڑی میں پرو دے۔ اب تو ہر طرف چھوکروں کی شاہی ہے۔ غنیمت ہیں مولانا خواجہ خان محمد جو حضرت امیر شریعت' سید محمد یوسف بنوری' مفتی محمود کے مشن کو سنبھالے ہوئے' مولانا لطف الرحمٰن' مولانا علی غضنفر کراروی' مولانا عبدالقادر روپڑی اور صاحبزادہ افتخار الحسن کو ایک پلیٹ پر جمع کیے ہوئے ہیں۔ مولانا محمد خاں شیرانی' مولانا عبدالستار نیازی نے شریعت بل کے لئے حامد موسوی' قاضی حسین احمد' حافظ حسین احمد' میاں فضل حق کو ایک جگہ بیٹھنے کا موقعہ دیا ہے۔ اگر مجھے قابل گردن زدنی قرار نہ دیا جائے تو یہ کہنے کی بھی اجازت چاہوں گا کہ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کے فرزند گرامی قدر پیر طریقت

دی اپنی ولی مولانا عبیداللہ انور نے مظہر علی اظہر کا اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے قائد اعظم کا جنازہ پڑھا کر امت کو بتا دیا تھا کہ اختلاف کرو گے تو بٹ جاؤ گے متحد ہو جاؤ گے اتحاد کرو گے تو دشمن ایک دن تمہارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گا جیسا کہ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین (الانفال ۱۰)

سیالکوٹ

سیالکوٹ مجلس احرار کا گڑھ خیال کیا جاتا تھا۔ آزادی کشمیر اور کشمیری مسلمانوں کے حقوق کے لئے مجلس احرار کی خدمات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ تحریک کشمیر کے وقت مجلس احرار کی جانب سے جموں میں داخلہ کے لئے سیالکوٹ کا راستہ اختیار کیا گیا تھا یہ ۱۹۳۱ء کی بات ہے۔ تب مجلس احرار کے سیکرٹری جنرل معروف شیعہ راہنما مولانا مظہر علی اظہر رضا کاروں کا دستہ لیکر سیالکوٹ کے راستہ جموں میں داخل ہوئے تھے اس زمانہ سے سیالکوٹ کو احرار گڑھ کہا جاتا ہے اسی طرح سیالکوٹ اور گورداسپور کی حدود بھی آپس میں ملتی ہیں۔ قادیان گورداسپور کی تحصیل بٹالہ میں واقع ہے۔ شکر گڑھ کی تحصیل تقسیم سے قبل گورداسپور کی تحصیل تھی۔ تقسیم کے وقت مرزائیوں نے باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنا الگ کیس پیش کر کے گورداسپور کو غیر مسلم اکثریت ضلع قرار دلوا کر انڈیا میں شامل کرا دیا۔ تب سے شکر گڑھ سیالکوٹ کے ساتھ شامل ہوا مرزا قادیانی نے بھی ضلع کچہری سیالکوٹ میں کلرک کی حیثیت سے ملازمت کی تھی اور یہاں پر مختاری کا امتحان دیا جس میں بدقسمتی سے فیل ہو گئے۔ یہاں سے انگریزوں کے ساتھ راہ و رسم اور سابقہ خاندانی انگریز کی غلامی کے ناطے انگریز سے مزید تعلقات استوار ہوئے انگریز ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں لندن کے ایک پادری سے مرزا قادیانی کی بیٹھک میں ملاقات اور اس کے نتیجہ میں سیالکوٹ کی ملازمت سے دستبردار ہو کر قادیان میں جا کر براجمان ہو جانا اور یک دم خفیہ منی آرڈروں کا تانتا بندھ جانا اور پھر مرزا کا مذہبی مباحث میں حصہ لینا۔ اپنے آپ کو انگریز کا خود کاشتہ پودا قرار دینا۔ انگریز کی اطاعت کو واجب قرار دینا انگریز کے خلاف جہاد کی حرمت کا اعلان وغیرہ کی کمائی کے ڈانڈے بھی سیال کوٹ کی اس ملازمت سے ملتے ہیں ظفر اللہ قادیانی اور اس کا خاندان بھی سیالکوٹ ضلع سے تعلق رکھتا تھا۔

مرزا قادیانی کے لڑکے مرزا بشیر احمد ایم اے کے لخت جگر یعنی ایم ایم احمد قادیانی جو پاکستان میں منصوبہ بندی کمیشن کے چیئرمین کے عہدہ پر بھی براجمان رہے۔ اور یحییٰ خان کے

زمانہ میں ان کی کابینہ کے سینئر رکن بھی رہے ہیں۔ ایک دفعہ غیر سے اسی زمانہ میں ان کو پاکستان کا بجٹ پیش کرنے کا موقع بھی ملا۔ آج کل ورلڈ بینک کی طرف سے غالباً ہالینڈ میں متعین ہیں تقسیم کے وقت سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ اس لئے گورداسپور سے جو قادیانی منتقل ہو کر سیالکوٹ آئے قادیانی ڈپٹی کمشنر نے ان کو سیالکوٹ میں الاٹ منٹ وغیرہ کی سہولتیں مہیا کر کے پورے ضلع کو مرزائیت کی آماجگاہ بنا دیا تھا۔ اور جسٹس منیر کے بقول مرزائیوں کے ہاں سیالکوٹ کی اہمیت قادیان سے دوسرے درجہ پر تھی۔ (تحقیقاتی رپورٹ ص ۱۷۰)

غرضیکہ سیالکوٹ ضلع کو مسلمانوں اور قادیانیوں دونوں فریقوں کے ہاں اہمیت حاصل تھی۔ اس ضلع کی تحریک ختم نبوت ۵۳ء میں جرأت ایمانی اور جذبہ ایثار و قربانی کی تفصیل پیش کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس ضلع میں قادیانی اور مسلم تنازعہ کے پس منظر پر بھی روشنی ڈالی جائے۔

مرزا قادیانی کے خلاف جن علماء حق نے مرزا قادیانی کے زمانہ میں ہی معرکہ حق و باطل کا بازار گرم کئے رکھا۔ ان میں ایک عالم دین مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی تھے۔ جو اس ضلع کے ہیڈ کوارٹر کے باسی تھے۔ پروفیسر ساجد میر معروف اہل حدیث راہنما کے مورث اعلیٰ تھے۔ انہوں نے مرزا قادیانی کے خلاف شہرہ آفاق کتاب شہادت القرآن فی حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام تحریر کی جسے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان نے بارہا شائع کیا ہے۔ مرزائیت کے اثر و رسوخ کو سیالکوٹ میں بڑھتا دیکھ کر یہ بھی مرزائیت کے خلاف برسرپیکار رہے۔ جناب غلام محمد شاہ صاحب نے مرزا قادیانی کی جعلی نبوت کو آڑے ہاتھوں لیا ان کی شعلہ نوائی کے خلاف مرزائی سازش نے پر پرزے نکالے ان پر کیس درج ہوا ۲۹۵ الف تعزیرات ہند کے تحت ۳۰ نومبر ۱۹۳۶ء کو وہ سزایاب ہوئے۔

۲۴ نومبر ۱۹۴۹ء کو سیالکوٹ میں تبلیغ کانفرنس احرار کے زیر اہتمام منعقد ہوئی جس میں باؤنڈری کمیشن میں مرزائیوں کی غداری کے باعث گورداسپور ضلع کی پاکستان سے علیحدگی کی سازش کو بے نقاب کیا گیا۔ ایم ایم احمد قادیانی ڈپٹی کمشنر کے مزاج پر یہ بات گراں گذری ۱۵ جنوری ۱۹۵۰ء کو مرزائیوں نے یہاں پر اپنا جلسہ کرنا چاہا ارتدادی سازشوں کی روز افزوں سیالکوٹ میں اس صورت کو دیکھ کر مسلمان مشتعل ہو گے ان کے جلسہ میں ہنگامہ ہو گیا۔ مرزائی سر پر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے جیسے مرزا قادیانی اپنی نبوت کی پٹاری اٹھائے موت کے وقت جہنم کی طرف بھاگا تھا۔ مرزائیوں کے جلسہ کی بربادی مرزائیوں کے لئے سوہان روح بن گئی۔ مسلمان مارے خوشی کے مزید بیباک و بے خطر ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شہر میں ۱۴۴ کے تحت جلسے ممنوع قرار دے دیئے گئے۔ گویا قانون نے مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کو چھتری کا کام دیا۔

نومبر ۱۹۵۱ء میں پھر مرزائیوں نے جلسہ عام کے لئے پر پرزے نکالے لیکن مسلمانوں کی بیداری اور قادیانیت کے خلاف ان کے جذبات کے سامنے انتظامیہ نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ مرزائیوں کو سمجھا بجھا کر جلسہ ملتوی کرا دیا گیا پھر مرزائیوں نے نومبر ۱۹۵۲ء میں جلسہ کرنا چاہا۔ تو سیالکوٹ کی دینی غیرت آڑے آئی اور ان کے جلسہ پر اس طرح خشت باری ہوئی جس طرح مرزا قادیانی کے جسم پر جہنم میں کوڑے پڑ رہے ہوں۔ غرضیکہ تقسیم کے بعد سے لے کر ۱۹۵۲ء کے آخر تک مرزائی سیالکوٹ میں ہاتھ پاؤں مارتے رہے جبکہ مسلمان ان کے کفر کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بنے رہے۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی خدمات کا اجمالی خاکہ کچھ یوں ہے۔

۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور میں آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی بنیاد رکھی گئی۔ تو ۲۱ جولائی ۱۹۵۲ء کو اس کے زیر اہتمام آل مسلم پارٹیز کنونشن منعقد کی گئی۔ اس کنونشن کے بعد سیالکوٹ ختم نبوت کے فدایان کا گڑھ بن گیا۔ شیعہ۔ اہل حدیث۔ بریلوی۔ دیوبندی تمام مکاتب فکر کے علماء و مبلغین تحریک میں شامل ہو کر اس کی روز بروز ترقی کے لئے محنت کرنے لگے اور تین مطالبات زور و شور سے پیش کئے جانے لگے۔ ۲۰ جولائی ۱۹۵۲ء کو چیف منسٹر پنجاب نے ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے زیر اہتمام پسرور میں تقریر کی۔ مسلمانوں کے دلوں کی آواز اور خواہش جو ان کے چہروں سے واضح تھی۔ اس کو بھانپ کر انہوں نے اعلان کیا کہ "ہم تحریک ختم نبوت کی پوری حمایت کرتے ہیں بشرطیکہ قانون و انتظام کو کوئی خطرہ درپیش نہ ہو" یہ کہہ کر انہوں نے زندہ باد کے نعروں کی شکل میں اجتماع سے خراج وصول کیا اور رفو چکر ہو گئے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ کے راہنما اور ذی شعور لیڈر مقامی طور پر مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی حمایت کرنے لگے یا کم از کم انہوں نے مخالفت ترک کی اکتوبر ۱۹۵۲ء میں عرس کلو شاہ کے موقعہ پر مولانا بشیر احمد پسروری، مولانا کرامت علی شاہ اور علامہ منظور احمد نے قادیانیت کے عقائد و عزائم کا پردہ چاک کیا۔ نومبر ۱۹۵۲ء میں ایک اور آل مسلم پارٹیز کانفرنس منعقد کی گئی۔ تحریک کے لئے رضاکاروں کی بھرتی کا مرحلہ آیا تو صاحبزادہ سید فیض الحسن اور ان کے گرامی قدر رفقاء نے ضلع بھر میں کانفرنسوں کا جال بچھا دیا اور سیالکوٹ ضلع ختم نبوت کی چھاؤنی کی حیثیت اختیار کر گیا۔ "اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے" اس صورت حال پر مرزائی تلملانے لگے مسلمان بھی ان کے احتساب کا شکنجہ کستے گئے۔ حق و باطل کا یہ معرکہ جاری تھا کہ خواجہ ناظم الدین کو دیئے گئے الٹی میٹم کی تاریخ ختم ہو گئی چنانچہ ۲۰ فروری ۱۹۵۳ء کو جناح پارک میں اجتماعی نماز جمعہ ادا کی گئی۔ مولانا محمد علی کاندھلوی۔ پروفیسر علامہ خالد محمود' مولانا محمد یعقوب۔ مولانا فضل حق اور دوسرے راہنماؤں نے خطاب کیا۔ اس عظیم اجتماع کی اب بھی جب یاد آتی ہے سیالکوٹ کا مسلمان اس روح پرور نظارہ کا تصور لاتے ہی پھڑک اٹھتا ہے چشم فلک نے اس

دن دیکھا کہ کس طرح سیالکوٹ کا جیالا مسلمان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے لئے سب کچھ قربان کرنے کی دھن میں لگا ہوا تھا۔

کراچی میں ۲۷ فروری کو مرکزی راہنماؤں کی گرفتاری کے بعد ہوم سیکرٹری پنجاب نے برقی پیغام کے ذریعہ قاضی منظور احمد اور جناب ولی محمد جرنیل کو گرفتار کرنے کی ہدایت کی۔ رات ہی رات وہ گرفتار کر لئے گئے۔ ان کی گرفتاری کے خلاف یکم مارچ ۱۹۵۳ء کو شہر نے کامل ہڑتال کی اور جسٹس منیر کے بقول دس ہزار اشخاص کا ایک ہجوم گرفتاری دینے والے پہلے دستہ کو کراچی کے سفر پر روانہ کرنے کے لئے اسٹیشن پر جمع ہوا۔ لیکن مسٹر منیر کی یہ تحریک دشمنی ہے۔ اس دن بات ہزاروں کی نہیں لاکھوں کی تھی۔ اللہ اکبر۔ العظمتہ للہ۔ سیالکوٹ ضلع بھر کے درودیوار تحریک ختم نبوت کے مجاہد رضاکاروں کے جوش و جذبہ پر رقص کناں تھے۔ پہلا قافلہ مولانا محمد یوسف کی قیادت میں کراچی کے لئے روانہ ہوا۔ بے پناہ رش کے باعث ٹرین لیٹ ہو گئی۔ کچھ رفقاء نارووال تک کے لئے ٹرین پر ساتھ روانہ ہو گئے۔ اسٹیشن سے جلوس واپس آیا تو بھی شہر بھر کا گشت لگایا اللہ رب العزت کا فضل تھا کہ پورا شہر قادیانیت سے اظہار نفرت کے لئے ایک دوسرے سے بازی لے جا رہا تھا۔

۲ مارچ ۱۹۵۳ء کی شام کو رام تلائی میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا مولانا سلطان محمود۔ پروفیسر خالد محمود۔ مولانا حبیب احمد۔ مولانا محمد یعقوب اور دوسرے راہنماؤں نے تقریریں کیں۔ ان کی تقریروں کا لہجہ واضح طور حکومت کی قادیانیت نوازی کے خلاف تھا۔ اعلان کے مطابق رضاکاروں کا گرفتاری کے لئے آج بھی دستہ روانہ ہوا۔ دو دن کی مسلسل جدوجہد سے حکومت کے نمائندگان کے اوسان خطاء ہو گئے۔ ۲ مارچ کی شام رات گئے انہوں نے مولانا محمد حسین۔ مولانا محمد علی کاندھلوی۔ حافظ محمد صادق۔ مولانا حبیب احمد۔ جناب عبدالغفور بٹ اور بشیر احمد صاحب کو گرفتار کر لیا۔

۳ مارچ کی صبح مذکورہ گرفتاریوں سے پیدا شدہ صورتحال کو کنٹرول کرنے کے لئے پولیس کے ساتھ فوج کی بھی خدمات اس "حسنی مشن" کے لئے یزیدان وقت نے حاصل کی۔ پولیس اور فوج کا مسلح بازاروں میں گشت شروع ہو گیا۔ مجاہدین و رضاکاران ختم نبوت کے جذبہ عشق و مستی کے قربان جایئے کہ فوج یا پولیس کے گشت سے مرعوب ہوئے بغیر جلوس نکالتے رہے۔ بعض کو پولیس و فوج نے بزور طاقت لاٹھی۔ گولی سے منتشر بھی کیا۔ سارا شہر سراپا اشتعال بن گیا۔ شہر میں نکلنے والے تمام جلوس راستہ میں پولیس و فوج کے گھیرے توڑ کر سرخ فیتوں کو کراس کر کے دارالعلوم شہابیہ پہنچنا شروع ہو گئے۔ دارالعلوم کے در و دیوار تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگے تو گرد و نواح کی گلیوں نے اپنی جھولی وا کر دی۔ ڈی سی صاحب نے

اجتماع کو خلاف قانون قرار دے کر فائرنگ و لاٹھی چارج کے ذریعہ منتشر کرنے کا حکم دے دیا۔ مسٹر خلیل ڈی ایس پی خواجہ اقبال مجسٹریٹ کے ذمہ یہ فریضہ لگایا انہوں نے فرعونیت کی یاد تازہ کر دی۔ حجاج بن یوسف کی روحانی اولاد نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اندھا دھند ظلم و ستم کی ایسی گھناؤنی فلم چلائی کہ عرش فرش الامان والحفیظ پکار اٹھے۔ چار افراد کو مزید گرفتار کیا گیا۔ ان میں مولانا محمد یعقوب صاحب بھی تھے۔ کسی نے شرارت کی ہو گی۔ روڑا پھینک دیا۔ انہوں نے گولی چلا دی مسلمانوں کے سامنے کربلا کی فلم چلنے لگی۔ لوگ گولیاں کھاتے رہے آگے بڑھتے رہے۔ جو ساتھی شہید ہوئے ان کی لاش پولیس نے اٹھالی اللہ رب العزت کی کروڑ رحمتیں ہوں ان مجاہدین پر کہ گولیوں کی بارش میں مردانہ وار آگے بڑھے اور جاکر پولیس سے لاش واپس کر کے چھوڑی۔ مولانا محمد یعقوب کو بھی پولیس کی حراست سے چھڑا لیا گیا۔ پولیس بے بس ہو گئی۔ باطل ہار گیا حق جیت گیا۔ اب ڈپٹی کمشنر کی شیطانی رگ نے کام کیا اور شہر کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ لیفٹیننٹ کرنل خوشی ہشتم پنجاب رجمنٹ کی کمان کر رہے تھے۔ پولیس نے فوج کو مشتعل کرنے کے لئے ڈرامہ کیا کہ سول کپڑوں میں ملبوس اپنے آدمیوں کے ذریعہ پولیس کی چند گاڑیوں کو آگ لگوا دی۔ کسی اے ایس آئی کو زخمی کر دیا گیا۔ میونسپل فائر بریگیڈ آیا تو اسے بھی ناکارہ بنا دیا گیا۔ غرضیکہ پوری طرح فوج کو باور کرایا گیا کہ تحریک کے لوگ فسادی (حاکم بدہن) ہیں۔ ان پر جتنا ظلم ہو گا نہ یہ کہ اتنا ثواب ہو گا بلکہ ملک پاکستان مستحکم ہو گا۔ تحریک کے راہنماؤں اور کارکنوں نے اپنے شہید ساتھی کی لاش کو کندھا دیا اور یزیدیت کے ظلم و ستم کے خلاف شہر بھر میں گشت لگایا۔ مسلم لیگ کے دفتر گئے۔ مسلم لیگ اور وفاداری ایں خیال است و محال است و جنوں خواجہ صفدر معروف مسلم لیگی اقتدار کے نشہ میں بدمست ہو رہا تھا۔ اسے پولیس و فوج اور اقتدار و مسلم لیگ کی قیادت کے نشہ نے سہ آتشہ کر دیا۔ اس نے بجائے ہجوم و جلوس کی مظلومیت کے ان پر اپنی لیڈری چمکانی چاہی شہید کے وارثوں نے وارفتگی کے عالم میں اس کا چہرہ اس کے دل کی طرح کر دیا۔ لاکھوں افراد نے شہید کی جناح پارک میں نماز جنازہ ادا کی امامت مولانا محمد یعقوب نے کرائی لاکھوں کا اجتماع دیوانہ وار جوش و خروش شہر کے لوگوں کی بڑھتی دیکھ کر فوج اور پولیس نے ۳ مارچ کو دن کے ایک بجے سے دوسرے دن ایک بجے تک چوبیس گھنٹے کا کرفیو نافذ کر دیا۔ اللہ رے تیری قدرت کے قربان کیسے شیر دل صف شکن لوگ ہوں گے کہ انہوں نے کرفیو کو بھی توڑ ڈالا۔ اس کی مٹی پلید ہوتے دیکھ کر کمشنر صاحب نے اس کے اوقات تبدیل کر دیئے یعنی دس بجے شب کے چار بجے صبح تک پورا دن مسلمان آتے رہے دل کھول کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربان ہونے کا عملی مظاہرہ کرتے رہے۔ سارا دن حق و باطل کا یہ معرکہ جاری رہا۔ قدرت کا تماشہ

پکار پکار کر اعلان کر رہا تھا کہ لوگو جس کے کان ہوں سن لے کہ ہمارے گھر میں دیر ہے اندھیر نہیں ہمارے حکم سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے اپنے انجام سے بچ نہ سکیں گے شیطان کا نمائندہ خوش تھا کہ اسے ڈپٹی کمشنر صاحب جیسا بہترین رفیق مل گیا تھا ہاں تو میں بھول نہ جاؤں صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کا نام غلام سرور تھا۔

۴۔ مارچ کو زیر دفعہ ۱۴۴ ایک حکم نافذ کیا گیا جس کی رو سے جلسے جلوس ممنوع قرار دے دیئے گئے اس دن تحریک کے ذمہ دار حضرات نے بھی اپنی حکمت عملی کے تحت شاہاب سے مسجد مولوی نور حسین میں اپنا مرکز تبدیل کر لیا۔ یہ مسجد تحصیل اور تھانہ صدر کے قریب قریب واقع ہے۔ جلوس نکلا یہ مسجد کی طرف آرہا تھا کہ پولیس نے اس پر دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کا الزام لگا کر لاٹھی چارج کرایا۔ شہر میں مزید جذبات برانگیختہ ہوئے اب پھر شہر کو فوج کے سپرد کر دیا گیا۔ فوج نے گولی چلا کر شہداء کے خون سے اپنے انتقام کی پیاس بجھانا شروع کر دی۔ بازار میں ایک طرف سے دوسری طرف سرخ فیتہ کھینچ دیا اور ہجوم کو تنبیہہ کی گئی کہ اسے کراس کیا تو گولی مار دی جائے گی۔ مسلمانوں نے ختم نبوت زندہ باد کی صدا بلند کی۔ کلمہ طیبہ کا ورد کیا اور سرخ لکیر کو کراس کر گئے اس پر فوج نے بریگیڈیئر اے کے اکبر کے حکم سے گولی چلا کر اپنا ارمان پورا کیا مسٹر منیر کا کہنا ہے کہ چار آدمی ہلاک ہوئے اور دس مجروح منیر رپورٹ صفحہ ۱۸۷ ہلاکت میں پڑے منیر اور اس کی بد روح یا بد شکل و عقل چھوڑ و جسب۔ تحریک کے رضاکار اس سے کہیں زیادہ جام شہادت نوش کر کے اپنی حقیقی کامیابی کی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ اور آنے والی نسلوں کو بتا گئے کہ جب قانون یا اس کے پیشہ ور محافظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا تحفظ کرنے سے مجرمانہ غفلت کا ارتکاب کریں تو مسلمانوں اس وقت اپنے خون جگر سے ناموس پیغمبرؐ کا تحفظ کرنا تمہارا فرض ہے اور تحفظ کرنے کے لئے راستہ ہمارے والا اختیار کرنا ہے کہ اس شان و دبدبے سے میدان عشق میں اترنا کہ دوست و دشمن سب عش عش کر اٹھیں۔

قارئین کرام! راقم جذباتی ہو گیا تھا معافی چاہتا ہوں۔ عرض کر رہا تھا کہ دن بھر ظالموں کا ظلم جاری رہا۔ مسلمان بھی قربانیاں دیتے رہے۔ شام کو ڈی آئی جی۔ ایس این۔ عالم سیالکوٹ تشریف لائے تو انہیں معلوم ہوا کہ پولیس نے فوج کو شہر دے رکھا ہے ان کے نزدیک اس طرح پولیس کے ظالم حکمرانوں کے سامنے پورے نمبر نہ بنتے تھے۔ پولیس اس ظلم اور قتل ناحق کا کریڈٹ خود لینا چاہتی تھی۔ یہی ان کے کلی جی مسٹر انور علی کراچی وعدہ کر کے آئے تھے کہ ہفتہ بھر میں تحریک کو کچل دونگا۔ اس لئے انہیں ڈی۔ آئی۔ جی۔ سی آئی ڈی سے۔ ترقی بھی بنا دیا گیا اور پہلی ڈیوٹی کا اضافی چارج بھی اس نے اپنے پاس رکھا۔ یہ بد فطرت پولیس

افسران کو دن رات ترغیب دے رہا تھا کہ انسانوں کے مرنے کی فکر نہ کرو مگر اس امر کی کہ کوئی گولی ضائع نہ جائے۔ ادھر مسٹر سکندر مرزا یہ پوچھتا کہ مجھے یہ نہ بتایا جائے کہ تحریک کا کیا حال ہے۔ مجھے یہ بتایا جائے کہ آج کتنی لاشیں اضافی گریں ہیں۔ ایس ایم عالم ڈی آئی جی کے کہنے پر شہر پولیس کے دوبارہ سپرد کرایا گیا۔ فوج نے اپنا بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کوتوالی میں منتقل کر دیا۔ پولیس دن بھر آرام کے بعد ستا کر تازہ دم ہو گئی۔ دن بھر کی رعی سہی کسر اس نے نکالی۔ خوف خدا تھرا رہا تھا۔

۵۔ مارچ کو فوج نے شہر بھر میں فلیگ مارچ کیا اور وسیع پیمانے پر گشت لگایا۔ جلوس نکلتے رہے یہ ان پر فائر داغتے رہے اور رضاکار خاک و خون میں تڑپ کر ملک عدم یا جیل کی طرف جاتے رہے۔

۶۔ مارچ کو روزنامہ کی تحریک کے متعلق اپیل شائع ہوئی جلسے جلوس ہوتے رہے لوگ بے شمار تعداد میں گرفتار ہوتے رہے۔ ۷۔ مارچ کو ۱۸ - ۸۔ مارچ کو ۲۱ - ۹۔ مارچ کو ۳۹ رضاکار باضابطہ گرفتار ہوئے باقی جن کو گرفتار کر کے باہر لے جا کر چھوڑ دیا جاتا تھا ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

۱۰۔ مارچ کو چیف سیکرٹری نے لاسلکی پیغام کے ذریعہ حکام ضلع کو ہر قسم کی کاروائی کر کے بہر طور تحریک کو کچل دینے کے احکامات جاری کئے۔ تحریک کے مراکز کا گھیراؤ کر لیا گیا۔ ان کا آب و دانہ بند کر دیا گیا تیسرے روز ۱۲ مارچ کو علامہ خالد محمود' مولانا فضل حق' مولانا سلطان محمود گرفتار کر لئے گئے مساجد و مراکز سے سپیکر اتار لئے گئے۔ ان کی بجلی کاٹ دی گئی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے گرفتار شدگان کو جیل میں بڑوایا اور اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا۔ تحریک کے کارکنوں پر مارچ کے دوسرے عشرے تک یہ ظلم و ستم جاری رہا۔

گوجرانوالہ

گوجرانوالہ ہمیشہ تحریک ختم نبوت میں ہراول دستہ رہا ہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں اس شہر کی بھی بے مثال قربانیاں ہیں۔ افسوس کہ فقیر ایسے حالات میں تحریک کے واقعات قلمبند کر رہا ہے جبکہ تحریک کے اکثر و بیشتر راہنما دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔

۱۹۵۱ء میں یہاں پر احرار کے زیر اہتمام دفاع کانفرنس منعقد ہوئی۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے راہنماؤں نے خطاب کیا۔ یہ کانفرنس مثالی طور پر کامیاب ہوئی۔ صدر ضلع مسلم لیگ نے اس کی صدارت کی تھی ۲۰ جون ۱۹۵۳ء کو یوم مطالبات تھا۔ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے باوجود یہ کانفرنس شیرانوالہ باغ میں منعقد ہوئی۔ اس سے شیخ حسام الدین' ماسٹر

تاج الدین اور صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب اور دوسرے راہنماؤں نے خطاب کیا۔ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی پر تمام مقررین گرفتار کر لئے گئے۔ ان کی گرفتاری و رہائی کی تفصیلات کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ جولائی ۱۹۵۲ء میں ایک اور کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس بھی مثالی طور پر کامیاب ہوئی۔ کانفرنس کے اختتام پر مولانا اختر علی خان کے اعزاز میں چائے پارٹی کا اہتمام کیا گیا جس میں ڈپٹی کمشنر اور مسلم لیگی راہنما بھی شریک ہوئے۔

صاحبزادہ سید فیض الحسن' مولانا عبدالواحد خطیب جامع مسجد شیرانوالہ' مولانا عبدالقیوم' مولانا محمد اسماعیل' مولانا حکیم عبدالرحمن اور دوسرے راہنماؤں نے خون جگر سے ختم نبوت کے الاؤ کو روشن کیا۔ ۲'۳ نومبر ۱۹۵۲ء کو گوجرانوالہ میں مجلس عمل کے زیر اہتمام جلسہ عام منعقد ہوا جس میں جماعت اسلامی کے نمائندہ میاں طفیل نے بھی شرکت کی۔ مجلس عمل نے مرزائیوں کے مجلسی اور اقتصادی بائیکاٹ کی اپیل کی جس کے بعد شہر کے لوگوں نے مرزائیوں سے اظہار نفرت کے لئے اپنی دکانوں پر مرزائیوں سے بائیکاٹ کے بورڈ لگا دیئے۔

یہ مسلمانوں کا جذبہ ایمانی تھا کہ وہ حکومت پر واضح کرنا چاہتے تھے۔ کہ آپ ان کو غیر مسلم قرار دیں یا نہ دیں۔ عوام ان کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ کراچی میں جب وزیر اعظم کو الٹی میٹم دیا گیا تو باقی ملک کی طرح گوجرانوالہ میں بھی تحریک کی وسیع تیاریاں شروع ہو گئیں۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی کا مرید عبدالکریم وزیر آباد میں' مولانا محمد یحییٰ اور مولانا فضل احمد حافظ آباد میں' مولانا عبداللطیف صاحب چشتی اور حافظ عبدالغفور صاحب کاموکے میں' مولانا عبدالواحد' مولانا محمد اسماعیل' مولانا عبدالرحمن آزاد' مولانا عبدالقیوم' صاحبزادہ سید فیض الحسن گوجرانوالہ میں مصروف عمل ہو گئے۔ حافظ آباد سے پانچ صد رضاکاروں نے ایک ہفتہ میں اپنے تمام نام لکھوا دیئے۔ ضلع بھر سے ساڑھے چار ہزار رضاکاروں کا کوٹہ مقرر کیا گیا جو دیکھتے ہی دیکھتے پورا ہو گیا۔ جن لوگوں نے رضاکاروں کے حلف پر دستخط کئے ان میں مسٹر منظور حسن سیکرٹری سٹی مسلم لیگ بھی تھے۔ کراچی میں تحریک کے نقطہ آغاز سے ہی گوجرانوالہ میں مولانا محمد اسماعیل صاحب خطیب اہل حدیث گرفتار کر لئے گئے تحریک شروع ہوئی۔ ہر روز کراچی کے لئے رضاکاروں کا دستہ روانہ ہوتا۔ شہر میں جلوس نکالا جاتا۔ رضاکاروں کے دستہ کو پھولوں میں لادا جاتا اور ریلوے اسٹیشن سے انہیں کراچی کے لئے روانہ کیا جاتا جیسے جلوسوں کا ضلع بھر میں سلسلہ شروع ہو گیا۔ پورا ضلع قادیانیت کے خلاف اپنے جذبات کا لاوہ اگلنے لگا۔ گوجرانوالہ میں مجلس عمل کے راہنماؤں نے مولانا حکیم عبدالرحمن آزاد کو ڈکٹیٹر مقرر کر دیا۔

یکم مارچ ۵۳ء

اے۔ آئی۔ جی کی طرف سے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ہدایات ملیں کہ رضاکاروں کے دستے

کو کراچی جانے سے روکا جائے جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کو ان کے شہروں میں ہی گرفتار کر لیا
کریں جیل میں جگہ کی قلت۔ بے شمار جلوسوں کے لئے مجسٹریٹوں کی ڈیوٹی لگاتے وقت ان کی
اور پولیس کی نفری کی کمی اور عوام کا ایمان پرور جوش و خروش دیکھ کر ضلعی انتظامیہ کے اوسان
جواب دے گئے۔

۲ مارچ

کو ڈی۔ سی آفس میں سرکاری و غیر سرکاری اجلاس منعقد ہوا افسران حکومتی ارکان کی
مخالفت کی ترجمانی کرتے رہے۔ مسلمان مزاج دیگر حضرات تحریک کے اخلاص اور مطالبات کی
حقانیت پر مصر رہے۔ بعض لیگی راہنما تحریک کے ساتھ تھے۔ دوسرے جدی پشتی انگریز اور
ان کی معنوی اولاد مرزائیوں کے وفادار اپنے رفقاء کو زیچ کرنے کے لئے ضلعی افسران کو تحریک
میں شامل لیگی راہنماؤں کے خلاف اکساتے رہے رضاکاروں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ بجائے
چار پانچ کے دستہ کے فیصلہ کیا کہ گرفتاری کے لئے پچاس رضاکاروں کا قافلہ روانہ کیا جائے گا۔
ان رضاکاروں کو ٹرین پر سوار کرا کے جلوس واپس ہوا۔ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پولیس کی
نفری لے کر گئے ٹرین کو رکوا کر رضاکاروں کو لاہور جانے دینے کی بجائے گوجرانوالہ میں ہی
گرفتار کر لیا۔ اس سے عوام میں جوش و اشتعال پھیلنا لازمی امر تھا۔ ڈی ایس پی نے گولی
چلانے کا حکم دے دیا۔

مسٹر منظور حسین سیکرٹری لیگ گرفتار ہوئے مگر شہر سے باہر جا کر ان کو چھوڑ دیا گیا۔

۶ مارچ کو لاہور سے چیف منسٹر کا بیان نشر کیا گیا۔

۷ مارچ کو شہر میں پولیس اور فوج نے مل کر گشت لگایا۔ گوجرانوالہ میں فوج کی ایک
کمپنی ۵ مارچ کو دو بٹالین ۶ مارچ کو ڈی آئی جی پنجاب کنسٹیبلری کے دو ریزرو دستوں کو لیکر ۸
مارچ کو پہنچ گئے۔ یوں فوج اور پولیس نے مل کر گوجرانوالہ کو فتح کرنے کا عزم بالجزم سے فرض
ادا کیا۔ فوج و پولیس نے گھر گھر لوگوں کی تلاشی لی۔ گرفتاریوں کا لاانتہائی سلسلہ شروع ہو گیا۔
پولیس نے اپنی بدنیتی کا کھلم کھلا مظاہرہ کیا فوج کو بھی ملوث کر کے ان کا مورال خراب کرنے
کی افسوسناک حرکت کی گئی۔ مولانا عبدالواحد ۱۰ مارچ اور مولانا حکیم عبدالرحمن صاحب ۱۲
مارچ کو گرفتار کر لئے گئے۔

فوج کی امداد سے مسجد شیرانوالہ باغ میں چڑھائی کی گئی مسجد میں موجود تمام رضاکاروں کو
گرفتار کر لیا گیا۔ مسجد کو فتح کر لیا گیا قاری عبدالکریم صاحب سے دس ہزار ایک سو روپے کی
رقم پولیس نے حاصل کر لی۔

صفدر علی اور نصیر دین کی گرفتاری کے لئے پولیس نے چھاپے مارنے شروع کئے کامونکے میں۔ مولانا حنیف احمد چشتی ' حافظ عبدالشکور وزیر آباد میں۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی کا مرید عبدالکریم حافظ آباد میں مولانا محمد یحییٰ ' مولانا فضل الٰہی گکھڑ میں سید محمد بشیر سوہدرہ سے مولوی عبدالمجید اور دوسرے راہنماؤں نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ ذیل میں گوجرانوالہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے راہنما چوہدری غلام نبی صاحب نے اپنے ایک انٹرویو میں تحریک کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں۔ جس سے موصوف کی خدمات گوجرانوالہ اور کراچی میں تحریک کے حالات و واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ پڑھیئے جو یہ ہے۔

مولانا بشیر احمد پسروری کی قیادت میں ایک دن جامع مسجد قبرستان والی گوجرانوالہ سے جلوس نکلا۔ ملٹری نے نشان لگا دیئے کہ اسے کراس کرو گے تو گولی مار دی جائے گی۔ فوج میں بنگالی نوجوان تھے۔ وہ اردو نہ سمجھتے تھے۔ مرزائی نواز حکومت نے ان کو تاثر دیا کہ تحریک کے لوگ ہندوؤں کے ایجنٹ ہیں اور ملک میں بدامنی چاہتے ہیں۔ فوج نے جلوس کا راستہ روک دیا۔ فوج کو جلوس کے شرکاء نے قرآن مجید دکھایا۔ انہوں نے راستہ دے دیا۔ جلوس حسب مقصود پر پہنچا اور اپنے رضاکاروں کی گرفتاری دیکر واپس آ گیا۔ چوہدری صاحب اس جلوس میں شامل تھے۔

لاہور جامع مسجد وزیر خاں سے مولانا عبدالستار خاں نیازی نے گوجرانوالہ تحریک کے راہنما مولانا عبدالواحد مرحوم کو پیغام بھجوایا کہ مجھے آ کر ملو۔ مولانا عبدالواحد نے رقعہ دیا اور چوہدری غلام نبی کی لاہور مولانا عبدالستار خاں نیازی سے ملنے کی ڈیوٹی لگائی۔ تیل ' صابن ' مکئی ' چنے اور دیگر سامان لے کر چوہدری صاحب گوجرانوالہ سے بس کے ذریعہ روانہ ہوئے۔ لاہور کے مضافات میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ لاہور میں کرفیو نافذ کر دیا گیا ہے۔ ملٹری نے بس روک کر تمام سواریوں کو نیچے اتار کر ان کی تلاشی کے لئے لائن لگوا دی۔ اس دوران چوہدری صاحب نے رقعہ جیب سے نکالا اور منہ میں ڈال کر نگل لیا۔ فوجی جوانوں نے رائفلیں لوڈ کر رکھی تھیں۔ اتنے میں ملٹری کی جیپ میں دو فوجی نوجوان یونیفارم پہنے ہوئے وہاں سے گزرے فوج نے جیپ کو روکا یہ بھگا کر لے گئے۔ فوج نے وائرلیس کی آگے اس فوجی جیپ کو فوج نے روکا مگر یہ بھگا کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ فوج نے وائرلیس کی تیسری جگہ رکاوٹ کھڑی کر کے جیپ کو روکا گیا۔ تو جیپ میں دو غیر فوجی قادیانی نوجوان تھے جنہوں نے فوج کی گاڑی اور فوج کا یونیفارم استعمال کیا اور مسلمانوں پر گولیاں چلا کر تحریک کو تشدد کی راہ پر ڈالا۔ جنرل اعظم کے اشارے پر فوج میں قادیانی لابی یہ سب حرکتیں کر کے مسلمانوں کو خاک و خون میں تڑپا رہی تھی۔ جیپ کو روکنے پکڑنے اور اصل صورت حال وائرلیس کے ذریعہ معلوم ہونے پر

فوجیوں نے بس کو جانے کی اجازت دے دی۔ چوہدری صاحب بھی تمام سواریوں کے ہمراہ بس میں سوار ہو گئے۔ بس روانہ ہوئی شاہدرہ تھانہ پر پھر دوسرے فوجیوں نے روک دیا۔ سواریاں نیچے اتریں۔ ڈرائیور دوڑ گیا۔ تمام سواریوں کو واپس چلے جانے کا حکم ملا۔ کیونکہ شہر میں کرفیو تھا۔ چوہدری صاحب نے تمام سامان اپنے کندھے پر اٹھایا واپس روانہ ہوئے۔ نہر کے کنارے کنارے کئی میل کا سفر کر کے جی۔ ٹی روڈ پر پہنچے کئی گاڑیاں گذر گئیں مگر سامان دیکھ کر ان کو نہ اٹھایا۔ یہ "مریدکے" تک پیدل آئے۔ ان دنوں گوجرانوالہ اور لاہور کا کرایہ ایک روپیہ دو آنہ تھا۔ مگر ٹرک والے نے فی سواری ۵ روپے کے حساب سے اس میں سواریوں کو بھرا۔ ادھر گوجرانوالہ میں خبر پہنچی کہ چوہدری غلام نبی شہید ہو گیا ہے۔ یہ مغرب کے بعد شیرانوالہ مسجد میں پہنچے تو مولانا حکیم عبدالرحمٰن آزاد امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت گوجرانوالہ حاضرین سے دعا کرا رہے تھے۔ کہ اگر وہ شہید ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت نصیب کریں اتنے میں چوہدری صاحب نے اسلام علیکم کہا۔ حاضرین کے نعروں کی گونج سے فضا مسحور ہو گئی تمام ساتھی کیے بعد دیگرے بغل گیر ہوئے رات کو حکیم عبدالعزیز نے ان کو علیحدہ لے جا کر کہا کہ میرے پاس فنڈ کا دس ہزار روپیہ ہے جتنا لینا ہے اپنی مرضی سے لے لو گھر بچوں کو دو اور اگلے سفر کی تیاری کرو۔ چوہدری صاحب نے ایک پائی تک نہ لی۔ اگلے دن پولیس کا چھاپہ پڑا اور تمام فنڈ پولیس لے گئی۔

چوہدری صاحب کو سیالکوٹ وزیر آباد کے لئے بھیج دیا گیا۔ ان کے متعلق رپورٹ ہو گئی۔ وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے۔ ان علاقوں میں پولیس سے بچ بچا کر کچھ عرصہ کام کیا۔ ایک رات گوجرانوالہ آئے تو مسجد خالی تمام رضاکار و راہنما گرفتار' شہر میں ہو کا عالم سوچا کہ اب کیا کریں۔ اللہ اللہ کر کے رات گذاری صبح منہ اندھیرے شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کے برادر بزرگ مولانا صوفی عبدالحمید مہتمم مدرسہ نصرت العلوم کے پاس گئے۔ صوفی صاحب نے فرمایا کہ کرایہ کے لئے اڑھائی تین صد کا اہتمام کرو اور فوراً کراچی پہنچے جاؤ وہاں کام کی ضرورت ہے۔

جناب چوہدری غلام نبی' جناب عبدالغنی اور چوہدری لعل محمد گوجرانوالہ سے فیصل آباد وہاں سے کراچی روانہ ہو گئے۔ کراچی میں مستری رشید لدھیانوی ملا۔ ان دنوں تحریک کے لئے بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ رضاکاروں کو مسجد میں لانا جلوس نکالنا گرفتاری دینا اس کے ذمہ تھا یہ سب کچھ وہ پس پشت رہ کر ایسی صفائی سے کر رہے تھے کہ پولیس کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس کی کارروائی ہے۔ ان سے ملاقات ہوئی یہ ان حضرات کو مولانا احتشام الحق تھانوی کی مسجد میں لے گئے۔ جہاں لاہور کے حکیم ذوالقرنین اور اشتیاق صادق وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔ اچھے

پوشیدہ ذیرہ پر گئے۔ باہمی مشورہ ہوا کہ جمعہ آ رہا ہے اس موقعہ سے فائدہ اٹھائیں۔ لٹریچر تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ چوہدری غلام نبی کے ذمہ جو علاقہ لگا یہ اس میں گئے ناواقف تھے اس لئے غلطی سے بوہری فرقہ کی مسجد میں پہنچ گئے۔ ان کے دفتر۔ نوجوان عورتوں کا اوپر کی چھت پر شور و غوغا دیکھ کر ٹھٹک گئے جمعہ کا وقت تھا۔ نماز پڑھی فوراً باہر آ گئے ان کے دعا کرتے کرتے باہر کے صحن میں اس صفائی سے وہ پمفلٹ ادھر ادھر پھینک دیئے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ لوگ دعا سے فارغ ہو کر نکلے تو ہر ایک نے ایک کاپی اٹھالی یہ کھڑے سب کچھ کارروائی دیکھتے رہے یہ پمفلٹ حکومت کے خلاف کھلی چھٹی تھی اب ان کی ڈیوٹی لگی کہ یہ رحیم یار خان ' خان پور حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم سے رضاکار لا کر گرفتار کرایا کریں۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ آرام باغ میں گرفتاریاں ہوتی رہیں اور یہ پولیس سے آنکھ بچا کر اپنا کام کرتے رہے۔

گرفتاری

پولیس ان گرفتاریوں سے تنگ تھی۔ پولیس نے اپنا ایک داڑھی والا سپاہی ان کے پاس بھجوا دیا اور رہا کہ ان کے پیچھے بھی پیچھے لگے۔ اس نے اپنی کہانی سنائی کہ میں بھی تحریک کا آدمی ہوں گرفتار ہو گیا تھا۔ رہائی کے وقت حضرت امیر شریعت" نے مجھے پیغام دیا ہے کہ آپ سے مل کر کام کروں۔ ان حضرات نے یہ کہانی سنی۔ اس کی آنکھوں کو ملایا تو شک گزرا کہ یہ مخبر ہے۔ اس کے رونے کو دیکھا تو یقین ہوا کہ مخلص ہے ساتھیوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اسے اپنے ساتھ رکھو مگر مشورہ میں شریک نہ کرو اس طرح چند دن گزر گئے ایک دن اسے کہا کہ تم بھی کوشش کر کے آدمی تیار کرو اور گرفتار کرواؤ۔ مقصد یہ تھا کہ اگر جھوٹا ہے تو دوڑ جائے گا۔ سچ ہے تو ہمارے ہاتھ بٹائے گا۔ اس نے دوسرے دن آدمی لا کر گرفتار کرا دیئے۔ وہ بھی دراصل پولیس کے آدمی تھے۔ یہ حضرات نہ سمجھ پائے یقین ہو گیا کہ یہ آدمی مخلص ہے اسے اپنے مشورہ میں شریک کر لیا۔

ایک جمعہ کو خان پور سے حضرت درخواستی دامت برکاتہم نے آدمی بھجوائے انہوں نے ان کو کفن دیا کہ اس کو گول کر کے سر پر باندھ لو۔ پھولوں کے ہار اپنی گٹھڑیوں میں چھپا لو۔ مولانا احتشام الحق تھانوی" کی مسجد میں جمعہ پڑھو۔ نماز کے بعد کفن نکالنا۔ پھولوں کے ہار اپنے گلے میں ڈالنا۔ اور گرفتاری کے لئے پیش ہو جانا۔ چوہدری صاحب اور ان کے رفقاء نے بھی نماز وہاں پڑھی۔ اسی دن جناب عبدالرب نشتر مرحوم بھی استعفیٰ دے کر مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے آئے۔ ان حضرات نے اعلان کر دیا کہ ہمارے جلوس کی قیادت مولانا احتشام الحق تھانوی

کریں گے چاروں طرف سے نعروں کی گونج میں مولانا دعا کرا کر مصلی سے اٹھے وہ جلوس کی قیادت کے لئے روانہ ہوئے۔ ان کے مقتدی آڑے آئے اور مولانا کو اٹھا کر اندر لے گئے۔ ان رضاکاروں نے گرفتاریاں دیں اور یوں سلسلہ چلتا رہا۔

پولیس کے اس تجربے تمام تر تحریک کے اصل کارکنوں کی صحیح صورت حال معلوم کر لی۔ چوہدری غلام نبی صاحب رحیم یار خاں سے رضاکاروں کو لے کر آرام باغ کراچی آئے۔ تو خود بھی اس مخبری کی نشان دہی سے گرفتار کر لئے گئے۔ تھانہ میں پہنچے تو مستری رشید بھی گرفتار ہو کر پہلے پہنچ چکے تھے۔ پولیس نے تفتیش شروع کی کہ بتیے تمہارے ساتھی کہاں ہیں چوہدری صاحب نے فورا موقف اختیار کیا کہ میں تو روزانہ اجرت پر کام کرتا ہوں۔ دس روپے یومیہ لیتا ہوں۔ پولیس نے کہا کہ غلط بیانی نہ کریں تم اصل تحریک کے آدمی ہو۔ تم اپنا وقت مال اور اب جان بھی قربان کرنے کے درپے ہو صحیح صورتحال بتادو ورنہ خیر نہیں۔ چوہدری صاحب اپنے موقف پر قائم رہے۔ پولیس نے کہا کہ ہم تمہیں اس مسجد میں لئے چلتے ہیں تمہارے ساتھی آجائیں تو اشارہ کردینا۔ چوہدری صاحب نے کہا ٹھیک ہے۔ مسجد میں گئے رفقاء کو پہلے معلوم ہو گیا تھا۔ سارا دن ضائع کر کے واپس تھانہ آگئے۔ پولیس بڑی سٹ پٹائی۔ تھانہ آکر تشدد کرنا شروع کیا۔ خوب مار پڑی جسم چھنا چور ہو گیا۔ کراہتی ہوئی حالت میں حوالات میں بند کر دیا مستری رشید بھی پاس تھے ان کے بھی پورے جسم پر زخموں کے نشان تھے۔ مگر پھر بھی پولیس کا خیال تھا اسے بجلی لگائی جائے۔ مگر ڈاکٹر نے اجازت نہ دی۔ مستری صاحب پر اتنا ظلم ہوا کہ پولیس نے جلدی سے ان کا چالان عدالت کو بھیج دیا اور ان کو جیل منتقل کر دیا کہ کہیں اگر فوت ہو گئے تو مصیبت میں پولیس پھنس جائے گی۔

چوہدری غلام نبی پر پولیس کا تشدد اور دباؤ بڑھا کہ باقی ساتھی گرفتار کراؤ۔ یہ تمام مظالم برداشت کرتے رہے ایک دن پولیس ان کو اسٹیشن پر لے گئی کہ ٹرین سے جو آدمی آکر اسے سلام کرے اسے گرفتار کر لو۔ پولیس ایک طرف کھڑی رہی ان کو ایک دوسری جگہ اسٹیشن پر کھڑا کر دیا اتنے میں پنجاب سے ٹرین آئی۔ اشتیاق صاحب رضاکاروں کو گرفتاری کے لئے رحیم یار خاں سے لائے تھے۔ رضاکار چوہدری صاحب کو نہ جانتے تھے البتہ اشتیاق مصافحہ کے لئے آگے بڑھا چوہدری صاحب نے طرح دی وہ سمجھ گیا لیکن پولیس نے اسے گرفتار کر لیا ان کے ہمراہ تھانہ لے گئی۔ ان سے نام پوچھا انہوں نے فرضی بتا دیا۔ چوہدری صاحب سے ان کے متعلق پوچھا انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ پولیس نے ان کا بریف کیس وغیرہ دیکھا تو سمجھا کہ کاروباری آدمی ہے چھوڑ دیا یہ یونا بچ گئے۔ اب پولیس نے میٹنگ کی کہ یہ تو بڑا خطرناک ہے صحیح صورتحال نہیں بتاتا اسے گوجرانوالہ لے جاؤ اسے کہو کہ خواجہ بشیر کو گرفتار کرا دے تو

رہا کر دیں گے۔ دوسرے پولیس افسر نے کہا کہ پنجاب میں تحریک زوروں پر ہے تم وہاں گئے تو خود بھی واپس نہ آؤ گے۔ مزید تشدد کرو شاید کوئی شکل بن جائے رات کو اتنا مارا کہ الاماں۔ چیخیں نکل گئیں۔ پاؤں کے تلووں پر بہت زیادہ ڈنڈے برسائے بیہوش ہو گئے۔ رات بھر ایسے گذری۔ صبح اٹھ کر اشاروں سے نماز پڑھی۔ رات بھر نہ کچھ کھایا تھا نہ پیا۔ ایک دوسرے قتل کے ملزم کی گھر سے روٹی آئی اس نے ان کو شریک کر لیا۔ دوپہر کے وقت پولیس افسر نے بلا کر کہا کہ تم نے ہماری مار تو برداشت کر لی مگر یاد رکھو کہ تم اب ہمیشہ کے لئے بیوی کے قابل نہیں رہو گے۔

۲ بجے دن سنٹرل جیل لے گئے۔ وہاں مستری رشید' غلام محمد' نیاز مدھیالوی' جوہر جہلمی' رب نواز ایڈیٹر حکومت اخبار مولانا محمد اسحاق تھرانی' مولانا محمد اسحاق مسجد کھنڈہ والے لطیف کراچوی' غلام محمد میانوالی پہلے سے موجود تھے سب کو پھانسی والی بیرک میں بند کر دیا۔ اس دن چوہدری صاحب نے جیل کے اہل کار سے پوچھا کہ ہمارا کیا قصور ہے کہ ہمیں اس بیرک میں بند کیا ہوا ہے وہ جیل کے قانون جانتا تھا اس نے کہا دعا کرو کہ ایک قیدی سزائے موت کا آ جائے تو تمہاری جان چھوٹ جائے گی چنانچہ ایسے ہوا اور یہ حضرات حوالات کی ایک کھلی بیرک میں آ گئے' اس طرح ایک سال قید کاٹی مولانا عبدالحامد بدایونی بھی انہی دنوں اسی جیل میں تھے ان سے بھی گاہے بگاہے ملاقات رہی۔

رہائی و گرفتاری

جس دن چوہدری صاحب اور ان کے رفقاء رہا ہوئے اسی دن ٹھیک دس منٹ بعد دوبارہ وہاں سے ہی گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گویا دوبارہ نظربندی کے آرڈر آ گئے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی نانی چوک کی مسجد میں خطیب تھے انہوں نے رٹ دائر کر دی ہائی کورٹ میں سرکاری وکیل نے کہا یہ کانگرسی ہیں ملک دشمن ہیں ہمارے وکیل نے کہا کہ ایک بج کر پانچ منٹ پر تم نے رہا کیا ایک بج کر پندرہ منٹ پر تمہیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا صرف دس منٹ میں یہ کانگرسی ہو گئے۔ اگر یہ کانگرسی ہیں تو تم نے پہلے کیوں رہا کیا عدالت نے کہا فیصلہ محفوظ پیشی ڈال دی۔ دوسری پیشی پر رہا ہو کر گھر آ گئے۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے بعد سے لے کر اس وقت تک عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر ایک خاموش مجاہد کی طرح کام کر رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ۱۹۵۳ء کی قید کاٹ کر گھر آیا تو واقعی میں بیوی کے لائق نہ تھا۔ دراصل پاؤں کے تلووں کی ضربوں نے ان سے یہ جوہر چھین لیا تھا۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ کے متعلق چوہدری صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں

کہا کہ بڑے ذرہ نواز تھے۔ جب میرے متعلق ان کو پتہ چلا تو ایک ایک حکیم سے میرا علاج کرایا۔ ایک دن میں گھر پر تھا کہ ایک حکیم نے آ کر میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھولا پوچھنے پر بتایا کہ مجھے جھمرہ سے آیا ہوں۔ حکیم ہوں مولانا محمد علی جالندھریؒ نے آپ کے علاج کے لئے بھیجا ہے۔ اللہ رب العزت نے فضل فرمایا کہ میری جوانی بحال ہو گئی۔

گرفتاری سے پہلے لے کر اس وقت میری اولاد نہ تھی۔ ایک دن حضرت امیر شریعتؒ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ دفتر ختم نبوت گوجرانوالہ میں شاہ جیؒ اکیلے تھے۔ میں نے موقعہ غنیمت جانا اور بڑے فخر سے کہا کہ شاہ جیؒ اور لوگوں کے لیے دعا کرتے ہیں اولاد ہو جاتی ہے۔ آپ کی کیا کرامت ہوئی۔ کہ میری اولاد نہیں ہے۔ اس پر شاہ جیؒ نے فرمایا کہ صبح نماز کے بعد بات کرنا۔ نماز وظیفہ۔ نوافل پڑھ کر ملکر فارغ ہوئے میں حاضر ہوا۔ فرمایا کہ وظیفہ بتاتا ہوں پڑھا کرو اولاد ہو گی۔ چوہدری صاحب کہتے ہیں کہ میں نے برجستہ کہا کہ وظیفہ پڑھ کر اولاد ملی تو کیا ملی آپ بغیر وظیفہ کے میرے لئے دعا کیوں نہیں کرتے۔ شاہ جیؒ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اولاد ہو گی۔ اگلے سال بچی ہوئی مٹھائی لے کر ملتان گیا۔ بچی کی ولادت کی خبر سنائی سجدہ میں گر گئے زار و قطار رو دیئے سر اٹھایا فرمایا جاؤ اللہ رب العزت نرینہ اولاد بھی دیں گے۔ پھر یوں اللہ تعالیٰ نے دو بچے دو بچیاں دیں جو اب سب جوان ہیں۔

آخر میں چوہدری صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے شاہ جیؒ نے فرمایا کہ جان' مال' وقت' عزت و آبرو سب کچھ ختم نبوت کے مسئلہ سے وقف کر دو زندگی بھر یہ کام کرتے رہو میں وعدہ کرتا ہوں کہ سیدھے جنت جاؤ گے۔

ایک دفعہ ۱۹۵۲ء میں چوہدری غلام نبی' عبدالکریم کا مرید' شیخ محمد امین' سائیں محمد حیات اپنے عزیزوں سے ملنے انڈیا گئے مولانا ابوالکلام کی زیارت کے لئے بھی حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا کہ تم میں سے کوئی تحریک ختم نبوت میں بھی شامل رہا۔ ہم نے کہا کہ الحمد للہ ہم چاروں نے سال سال جیل کاٹی ہے۔ مولانا وجد میں آ گئے فرمایا کہ آپ نے بڑا کارنامہ انجام دیا اپنے لئے تو ہر آدمی جیل جاتا ہے تم نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جیل کاٹی ہے اس لئے تم ہی مبارک قسمت والے ہو۔

منٹگمری' ساہیوال

منٹگمری ساہیوال ختم نبوت کے پروانوں کا مرکز ہے۔ کیونکہ نمبرا تقسیم کے بعد جالندھر' امرتسر وغیرہ کے مضافات کے لوگ یہاں پر زیادہ کثرت سے آباد ہوئے اور وہ قادیانی اور مسلم تنازعہ سے باخبر تھے۔

نمبر ۲۔ قادیانیوں کے خلاف تحریک ختم نبوت کے ذمہ داروں اور احراریوں کے خلاف بہت سے مقدمات اسی ضلع میں درج ہوئے اس لئے کہ نمبر ۳ اسی ضلع کا ڈپٹی کمشنر جنوفی قسم کا قادیانی تھا اور اس نے تحریک کے لوگوں کو پریشان کرنے کے لئے ان پر مقدمات قائم کئے۔ نمبر ۴ اس ڈپٹی کمشنر کی شہ پر کر قادیانیوں نے ضلع بھر میں اپنی ارتدادی مہم کو حکومتی زور سے چلانے اور آگے بڑھانے کی ناپاک کوشش کی نمبر ۵ تمام سرکاری قادیانی ملازمین اپنی ارتدادی مہم میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ مسلمانوں کے چکوک و دیہات میں جا کر مسلمانوں کو قادیانیت کی تبلیغ کھلی شروع کر دی جس سے مسلمانوں میں اشتعال پھیلنا لازمی امر تھا۔ نمبر ۶ ان کے اس اشتعال انگیز رویہ کی روک تھام کے لئے مسلمان علماء و مبلغین آئے تو ان پر مقدمات قائم کر کے مزید اشتعال پھیلایا گیا۔ گویا کاٹنے کے لئے کتے کھلے چھوڑ دیئے گئے اور ان کے مارنے کے لئے پتھروں کو باندھ دیا گیا۔

نمبر ۷۔ یہاں پر اہل اسلام کا ایک عظیم فعال مجاہد تبلیغی ادارہ جامعہ رشیدیہ ہے۔ جس کے بانی مفتی فقیر اللہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیو بندی کے شاگرد تھے۔ اس جامعہ کے مہتمم مولانا حبیب اللہ اور ان کے بھائی' مولانا قاری لطف اللہ مبلغین ختم نبوت تھے۔ اس جامعہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب' عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی نائب امیر تھے۔

نمبر ۸۔ مولانا مفتی الحسن ' مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے بھتیجے' مولانا حبیب اللہ ' قاری لطف اللہ ' مولانا محمد عبداللہ شیخ الحدیث' مولانا محمد عبداللہ خطیب عید گاہ پانچوں حضرات اس شہر میں تھے۔ ان دنوں اوکاڑہ ساہیوال میں شامل تھا اور اوکاڑہ میں مولانا بشیر احمد رضوانی آباد تھے۔ غرضیکہ جتنا ہی قادیانیت اس ضلع میں ابھرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ اتنا بلکہ اس سے کہیں زیادہ اس کا احتساب کرنے والے یہاں موجود تھے۔

حالات تحریک

جب آل پارٹیز مجلس عمل نے جولائی ۵۲ء میں مطالبات کئے تو اس ضلع میں ملک بھر کی طرح مساجد کے منبر و محراب قادیانیت کے ارتداد کے احتساب کے لئے وقف ہو گئے

سرمایہ کی فراہمی اور تحریک کی صورت میں گرفتاریوں کے لئے رضاکاروں کی بھرتی کا کام شروع ہو گیا۔

۲۷ فروری ۵۳ء کی گرفتاریوں کے بعد جلسے جلوس زیر دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری یا زیر دفعہ ۳ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ گرفتاریاں ملک بھر کی نسبت زیادہ یہاں پر ہوئیں اس لئے کہ قادیانی جنونی ڈپٹی کمشنر ذاتی طور پر اس تحریک کو کچلنے میں اپنے عقیدہ کی بنیاد پر مجبور تھا۔

ادھر تمام مکاتب فکر علماء مشائخ اور ضلع بھر کے تمام دینی جماعتیں اس تحریک کو پروان چڑھانے کے لئے دن رات ایک کئے ہوئے تھے۔ مساجد گرفتاری دینے والے رضاکاروں کا ہیڈ کوارٹر بن گئیں۔

مختلف جماعتوں کے نمائندگان نے تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ بھرتی ہونے والے رضاکاروں کی تعداد ساہیوال میں دو ہزار اوکاڑہ میں ڈیڑھ ہزار۔ عارف والا میں سات سو اور چیچہ وطنی میں دو سو تھی۔

مولانا لطف اللہ اور مولانا حبیب اللہ کو گرفتار کرنے کے احکامات صوبائی حکومت کی طرف سے ۲۷ فروری کو موصول ہو گئے تھے مگر ضلعی قادیانی ڈپٹی کمشنر نے مولانا مفتی ضیاء الحسن مولانا محمد عبداللہ شیخ الحدیث اور مولانا محمد عبداللہ خطیب عید گاہ کی گرفتاری کے احکامات سپیشل طور پر حاصل کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ ۶ مارچ کو لاہور کے حکومتی خونی حادثہ کے خلاف تین ہزار آدمیوں نے ریلوے اسٹیشن سمیت پورے اوکاڑہ شہر کا گشت لگایا۔ ۸ مارچ کو نکلنے والا جلوس بھی تاریخی اور مثالی تھا۔ حکومت نے اپنے ظلم و ستم ڈھانے میں کوئی کمی نہ کی ہزاروں مسلمانوں کو لاٹھی چارج کیا۔ آنسو گیس سے خاک و خون میں تڑپانے کی آرزو کو پورا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ حکومتی مظالم اس حد تک بڑھ گئے کہ ۳ اپریل کو شہر میں عورتوں کا جلوس نکلا۔ انہوں نے مطالبات کے حق میں کتبے بینر اور جھنڈے اٹھا رکھے تھے۔ قادیانی خناس افسران کی کمینگی ملاحظہ ہو کہ مردانہ پولیس ان معصوم بے گناہ پرامن عورتوں پر پل پڑی۔ ان کے کتبے بینر چھیننے کی کوشش کی۔ مسلمان عورتیں اس ظلم کے خلاف سینہ سپر ہو گئیں تو ان پر بھی لاٹھی چارج کیا گیا۔ اس پر شہر کے مسلمانوں نے احتجاج کیا تو ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ کئی زخمی اور کئی جاں بلب تھے۔ زخمی افراد کو پولیس لے گئی صرف ایک آدمی کی لاش واپس کی گئی۔

چکوک و دیہات کے مسلمان اس ظلم پر تڑپ اٹھے۔ چک نمبر ۲/۴۔ L سے چار پانچ ہزار کا جلوس جامعہ طیبہ اوکاڑہ آیا مولانا ضیاء الدین اور مولانا معین الدین کی قیادت میں قادیانیت کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ ۳ مارچ کو اوکاڑہ میں چوبیس گھنٹے کا کرفیو نافذ کر کے گھر گھر کی تلاشی لی گئی اور تحریک کے لوگوں کے جان و مال کو لوٹا گیا۔ گرفتاریاں اتنی ہوئیں کہ جیلیں بھر گئیں ۷ مارچ کو ڈھائی بجے دن سے دن ۹ بجے صبح تک کا کرفیو نافذ کر کے قادیانی ڈپٹی کمشنر نے اوکاڑہ کی طرح ساہیوال میں بھی کھل کھیل کر اپنے کمینہ پن کا ثبوت دیا۔ ۳ مارچ کو اوکاڑہ اور ساہیوال میں عادتوں کے لئے جلسے جلوس ممنوع قرار دیئے گئے۔

غرضیکہ پورے ملک کی طرح یہاں بھی تحریک مثالی تھی پرامن تحریک کو حکومتی ارکان

اور قادیانی گماشتوں نے تشدد کی راہ پر ڈال کر ظلم و ستم کی ایسی طرح ڈالی کہ خوف خدا تھرا اٹھا۔ عرش الٰہی مظلوموں کی آہوں سے ہلنے لگا۔۔۔ اللہ رب العزت کی کروڑ رحمتیں ہوں مسلمانوں کے ان مقدس لوگوں پر جنہوں نے جان جوکھوں میں ڈال کر خاک و خون کا دریا عبور کر کے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اپنی والہانہ محبت و عشق کا ثبوت دیا۔ قبولہ' لوکائی' عارف والا' کبیر' چیچہ وطنی' ہڑپہ' رینالہ خورد غرضیکہ کوئی قصبہ و شہر تحریک میں پیچھے نہیں رہا اپنی اپنی بساط کے مطابق سب نے تحریک میں حصہ ڈالا۔

بہاول نگر

بہاول نگر کی تحریک ختم نبوت میں مجلس عمل کے صدر سید سردار علی شاہ اور مولانا علی احمد صاحب سیکرٹری تھے مولانا محمد شریف رتو' چوہدری غلام نبی' منظور علی احرار' سید مصدق حسین' مولانا نیاز احمد مہتمم عید گاہ سید امیر الدین جماعت اسلامی مولانا حافظ محمد اسحاق خطیب ریلوے مسجد مولانا حافظ رفیع الدین خطیب جامع مسجد' مولانا محمد یوسف خطیب مسجد فردوس' مولانا عبدالحمید مسجد پراچگان' مولانا افضل احمد مہتمم قاسم العلوم فقیروالی' مولانا سید فیض الحسن تنویر فقیروالی' مولانا سعید احمد ڈونگہ بونگہ' نور محمد عرف موسیٰ' تحریک کے جانباز مجاہد بزرگ راہنماء اور ہراول دستہ تھے۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء شروع ہوتے ہی پہلا جلوس نکلا ۲۵ آدمی جن میں مولانا عبدالحمید باسکین واچ میکر' شیخ گلزار' شیخ صابر علی بھی شامل تھے کراچی جانے کے لئے ٹرین سے روانہ ہوئے ہزارہا افراد نے جلوس نکالا۔ شہر کا گشت لگایا گیا پورا شہر قادیانیت کے خلاف اپنے ایمانی جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ جلوس کے شرکاء ٹرین سے روانہ ہوتے ہی واپس ہوئے ٹرین کو اگلے اسٹیشن گرواری والا' روک کر تمام کارکنوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ ٹرکوں میں بٹھایا اور انڈیا کے ساتھ ملحقہ بارڈر ایریا میں رات کو چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے دن مجلس عمل نے پالیسی تبدیل کر دی چار آدمیوں کو ہار ڈال کر گرفتاری کے لئے کراچی روانہ کرنے کی غرض سے ٹرین پر سوار کرایا جاتا اور ان چار کے علاوہ سادہ کپڑوں میں بغیر اطلاع کے دوسرے چار کا گروپ علیحدہ سوار ہو جاتا جن چار کو پھول ڈال کر روانہ کیا جاتا ان کو تو اگلے اسٹیشن پر حکومت اتار لیتی اور دوسرے چار کا گروپ کراچی پہنچ جاتا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ہر روز عصر کے بعد بازار میں مکمل ہڑتال ہو جاتی اور جلوس نکالا جاتا۔ جو آدمی گرفتار ہوتے وہ حسب سابق بارڈر ایریا پر چھوڑ دیئے جاتے اور وہ دوسرے دن پھر شہر میں آموجود ہوتے۔

کراچی میں لیڈروں کی گرفتاری کے بعد چند روز مسلسل علامتی ہڑتال بھی کی گئی ہر روز

نور محمد عرف مومن صاحب' نلی لیکر بازار میں نکلتے۔ اعلان کرتے جاتے دکانیں بند ہوتی جاتیں اور جلوس بنتا جاتا۔ ہر روز جلوس کے ہمراہ ظفر اللہ قادیانی کا پتلا ہوتا۔ وہ کوئی جوتیوں سے اس پر "جبل" مارتے جاتے (جیسے پنکھا چلایا جاتا ہے) تھانہ کے آگے گراؤنڈ میں ظفر اللہ کے پتلے کو آگ لگا دی جاتی اور مغرب کے قریب جلوس ختم ہو جاتا۔ پولیس نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ اس لئے تحریک کے آخر تک مسلسل ہر روز کا یہ معمول جاری رہا اور پر امن تحریک چلتی رہی۔ کوئی تشدد کا واقعہ رونما نہ ہوا۔

قارئین کرام = اس موقعہ پر یہ عرض کرنا بے جا نہ ہو گا کہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء پرامن اور آئینی جدوجہد تھی ۔ جہاں پر حکومت نے اشتعال انگیزی نہیں کی وہاں پر تحریک پرامن رہی۔ تحریک وہاں پر تشدد کا شکار ہوئی جہاں پر حکومتی بدنیت افراد و ارکان نے تحریک کو کچلنے کے لئے خود ہی تشدد و اشتعال انگیزی کی منچن آباد' ہارون آباد' فورٹ عباس میں بھی تحریک کا زور رہا بعض مقامات پر ایک آدھ بار حکومت کی مہربانی سے لاٹھی چارج و گرفتاریاں ہو گئیں۔ ورنہ پورے ضلع میں تحریک کا جوبن رہا اور کہیں پر بھی سوائے اکا دکا واردات کے کوئی توڑ پھوڑ و تشدد نہیں ہوا

ضلع شیخوپورہ

سید محمد امین گیلانی صاحب فرماتے ہیں۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد جب مجلس احرار اسلام نے سیاست کو ترک کرکے صرف تبلیغ اسلام اور خصوصاً ختم نبوت کی حفاظت اور مرزائیت کے قلع قمع کو اپنا مقصود و منشور بنا لینے کا اعلان کر دیا تو میں نے شیخوپورہ میں بھی مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد رکھی۔

قاری محمد امین صاحب خطیب جامع مسجد عیدگاہ شیخوپورہ ۔ مستر عبدالرحمن صاحب مدھیانوی مرحوم' نصیر احمد صاحب قریشی امرتسری' مولانا محمد احمد صاحب خانقاہ ڈوگراں' مسٹر بشیر احمد صاحب چوہان یہ حضرات دور آغاز میں نہایت مخلص اور محنتی معاون و مددگار ثابت ہوئے ہم نے مرکز ملتان سے مولانا محمد لقمان صاحب علی پوری کو بلوایا اور ضلع شیخوپورہ میں ختم نبوت کی تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ مولانا کی سعی پیہم اور ولولہ انگیز تقاریر سے تمام ضلع میں مجلس ختم نبوت کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ اور ایک اچھی خاصی کھیپ اس مسئلہ میں ہماری ہمنوا اور فعال ہو گئی۔ تا آنکہ مجلس ختم نبوت نے کراچی میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے زعماء' علماء اور صوفیا کو جمع کرکے مجلس عمل بنا کر حکومت سے ان تین مطالبات کا آغاز کر دیا (۱) مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے (۲) سر ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے۔ (۳) مرزائیوں کو کلیدی

آمامیوں سے بر طرف کر دیا جائے کراچی میں جب یہ قرار دادیں متفقہ طور پر پاس ہو گئیں تو حکومت وقت کو نوٹس دیا گیا کہ ایک ماہ تک ان مطالبات کو منظور کر کے آئین کی شکل دے دی جائے ورنہ ایک ماہ کے فوراً بعد راست اقدام کی تحریک شروع کر دی جائے گی۔

خواجہ ناظم الدین کو اس نوٹس کے پہنچانے کی ذمہ داری ان تین حضرات کے سپرد ہوئی' جناب مولانا ابوالحسنات مرحوم' جناب تاج الدین انصاری مرحوم اور سید مظفر علی شمسی مرحوم ۔ جب کراچی کانفرنس ختم ہو گئی اور تمام مدعوین واپس چلے گئے تو یہ تینوں حضرات کراچی میں قیام پذیر رہے اور خواجہ صاحب سے رابطہ کر کے ان تک یہ نوٹس پہنچا دیا۔ یہ آخری قافلہ تھا جو اس کام سے فارغ ہو کر لاہور واپس آیا تو میں بھی ان کے ساتھ تھا۔

دیدہ ور دیکھ رہے تھے کہ امریکہ اور برطانیہ کی مکمل سرپرستی مرزائیت کو حاصل ہے اور پاکستان کی حکومت پر بھی سر ظفر اللہ چھایا ہوا ہے للذا ممکن نہیں کہ حکومت ان مطالبات کو تسلیم کر لے۔

اس لئے معرکہ رستاخیز سے قبل تیاری ضروری ہے اسی سوچ کے پیش نظر میں نے بھی شیخوپورہ میں مسلمانوں کو متحد و منظم کرنے کی کوشش شروع کر دی تمام مسلمان مکاتب فکر سے رابطہ پیدا کیا۔ علماء کرام اور ذی اثر شخصیات کو جمع کیا اور "مجلس عمل" قائم کر دی۔ غازی سلطان محمود مرحوم پرانے سیاسی کارکن تھے۔ انہوں نے سفید لٹھے کا کفن پہن کر کفن پوشی اختیار کر لی اور تحریک کی کامیابی کے لئے سرگرم رہنے لگے۔ مولانا عبدالحمید صاحب پرانا شہر۔ مولانا محمد احمد خانقاہ ڈوگراں شیخ محمد حسین صاحب (جامع مسجد عید گاہ کی انجمن کے ناظم) سید سلیمان شاہ علاولپوری ان سب نے انتھک محنت کی نتیجتاً دن بدن تحریک کے لئے سازگار ہوتی گئی بالآخر وہی ہوا جس کی امید تھی۔ حکومت سے ٹکر ہو گئی اور مستانے دما دم مست قلندر کہتے ہوئے میدان میں آ گئے۔

جامع مسجد عید گاہ کے آگے دکانیں تھیں ان دوکانوں کی چھت پر مستقل اسٹیج بنا دیا اور ایک کیمپ کھول دیا گیا میں نے ایک حلف نامہ مرتب کیا اور چھپوا لیا گیا علمائے کرام کیا عوام دھڑا دھڑ کیمپ میں آتے اور اس حلف نامہ پر دستخط کر کے تحریک میں شامل ہو جاتے' روزانہ عصر کی نماز کے بعد مقررین اس چھت پر سے خطاب کرتے اور ہزاروں عوام سڑک پر بیٹھ کر ان کا خطاب سنتے۔ عوام میں ایک جوش اور وارفتگی کا سماں پیدا ہو جاتا۔ پولیس کا چاروں طرف گھیراؤ ہوتا۔ جلسہ کے اختتام پر گرفتاریاں پیش کی جاتیں۔ میں جب تک باہر رہا ایک طرف عوام کو جوش کے ساتھ ہوش کی تلقین کرتا رہا تاکہ توڑ پھوڑ اور پولیس کا تصادم لاٹھی گولی کا کھیل شروع نہ ہو جائے جس کے نتیجہ میں تحریک کسی انجام سے پہلے ہی آغاز میں ناکام ہو جاتی

ہے اور ہمارا مقصد اس تحریک کو زیادہ سے زیادہ طول دیکر حکومت کو مطالبات منوانے کے لئے مجبور کرنا تھا۔ دوسری طرف میں پولیس اور سٹی مجسٹریٹ کو ہدایت کرتا رہتا تھا کہ اگر آپ لوگوں نے اس پرامن تحریک کو تشدد سے کچلنے کی کوشش کی تو ہم تمہاری جانوں اور مکانوں کے ذمہ وار نہ ہوں گے۔ پھر جو آگ لگے گی یا جانیں ضائع ہوں گی ان کا بوجھ تمہاری ہی گردنوں پر ہو گا میری یہ پالیسی کامیاب رہی جب تک مجھے گرفتار کر کے جیل میں نہیں ڈال دیا گیا تحریک زوروں پر رہی۔ تمام ضلع شہر میں امڈ آیا۔ چند دنوں میں سینکڑوں رضاکار جیل چلے گئے اور ہر روز اپنے پیچھے ایک نیا ولولہ ایک نئی امنگ چھوڑتے رہے میں تو وہی حالات واقعات بیان کر سکتا ہوں جو میرے باہر ہوتے ہوئے ظہور پذیر ہوئے۔ جیل جانے کے بعد آنے والوں کی زبانی باہر کی معلومات ملتی رہیں۔ بہرحال میں کچھ چیدہ چیدہ واقعات جو جیل سے پہلے پیش آئے اور کچھ جیل کے اندر پیش آئے تحریر کرتا ہوں۔ میرے بیان کردہ واقعات میں نہ ترتیب ہو گی نہ تسلسل جو بات یاد آتی ہے لکھتا جاتا ہوں۔

بوقت عصر ہر روز مسجد کی چھت سے مقررین تقریریں کرتے عوام سڑک پر سن کر جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے جو مقامی قائد روزانہ تقاریر کرتے تھے ان میں حضرت مولانا محمد حسین "کالوکے" سب سے بہتر مقرر تھے۔

عموماً آخر میں یہی تقریر کرتے مولانا عبدالحمید' غازی سلطان محمود' مولانا محمد احمد ڈوگر سید سلیمان شاہ علاولپوری بھی ہر روز مجمع کو گرماتے (لطیفہ) سید سلیمان شاہ جوان تھے مگر اعصابی مریض تھے جب تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو جوش و جذبات میں ان کی ٹانگیں تھرتھرانے لگتیں اور لکڑی کے اسٹیج پر ٹک ٹک ٹک کا ساز بجنے لگتا۔ نیچے بازار میں مجمع حیران ہوتا کہ ان کی تقریر کے ساتھ ساز کیوں بجنے لگتا ہے۔ دوسرے تیسرے دن میں نے دو رضاکاروں کی ڈیوٹی لگا دی کہ جب یہ تقریر کرنے لگیں تو ان ٹانگیں مضبوطی سے پکڑ لیا کریں۔ یوں سلیمان شاہ کو پابستہ کر کے تقریر کرائی جاتی۔

ہوشیار پور کا ایک جوان محمد احمد اخبار بیچا تھا وہ انور حسین ایڈووکیٹ جو مرزائیوں کا سربراہ تھا اسے بھی اخبار دینے جایا کرتا تھا میں نے اسے ایک طریقہ سکھایا اسنے دو چار دن میں اس چال سے ضلع کے تمام مرزائیوں کی فہرست وکیل کی الماری سے نکال لی اب ضلع کے ہر قادیانی سے مجھے آگاہی ہو گئی ان کے کوائف معلوم ہو گئے جس کا بہت فائدہ ہوا۔

مرزائی چونکہ منظم اور مسلح تھے ان کے گھر اور حویلیاں قلعوں کی مانند تھیں فوجی وردیاں بھی تھیں اسلحہ بھی کافی تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح نوجوان مشتعل ہو کر کوئی ایسی حرکت کریں کہ انہیں خون ریزی کا موقع ہاتھ آ جائے۔ وہ فوجی وردیاں پہن کر بندوقیں

تا کہ ایک بار بردار پرائیویٹ ٹرک پر سوار ہو کر شہر کا گشت لگایا کرتے تاکہ انھیں کوئی پتھر مارے تو وہ نہتے مسلمانوں پر گولیاں چلائیں۔ مگر میں نے عوام کو اور کارکنوں کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ ان سے کوئی تعرض نہ کریں نہ انھیں خاطر میں لائیں۔ لہٰذا انھیں مشق ستم کا کوئی بہانہ نہ ملا اور ناکام و نامراد رہے۔ الحمد للہ

ایک مکار بڑھیا

ایک روز میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیمپ میں بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ رضاکار ایک چالیس سالہ عورت کو ساتھ لے کر آئے وہ عورت رو رہی تھی بال بکھرے ہوئے۔ کپڑے کچھ مسلے مسلے ہوئے کہنے لگی تم گیلانی صاحب ہو میں نے کہا جی فرمایئے کیا بات ہے۔ وہ مزید چیخ کر رونے لگی۔ اور کہا مجھے مرزائیوں نے بہت مارا ہے۔ مجھے ذلیل کیا گالیاں دیں ہیں میں تمھارے پاس فریاد لے کر آئی ہوں میں نے پوچھا! آخر ایسا کیوں ہوا۔ کہنے لگی وہ میرے محلے کے مرزائی تھے میں نے صاف کہہ دیا کہ تم کافر ہو' بس انھوں نے پیٹنا شروع کر دیا یہ کہہ کر مزید دھائی دینے لگی میں نے اسے خاموش کرانے کے لئے کہا کہ بی بی ہم ابھی ان کا ایسا علاج کریں گے کہ وہ عمر بھر یاد رکھیں گے ابھی رضاکاروں کو تمھارے ساتھ بھیجتا ہوں جو ان کا قافیہ بہاد کر دیں گے۔ جب وہ چپ ہو کر بیٹھ گئی تو میں نے سوچا کہ اگر یہ سچ کہہ رہی ہے تو اس کے یہاں آنے سے پہلے وہاں سے بلوہ کی خبر پہنچتی۔ لوگ آ کر بتاتے کہ فلاں محلے میں ہنگامہ ہو گیا۔ مگر یہ تن تنہا یہاں آئی۔ رضاکاروں سے میرا پتہ پوچھا اور اب یہ افسانہ سنا رہی ہے۔ ضرور دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ حقیقت یہ نہیں اس کے پس منظر میں مرزائیوں کی سازش ہے۔ جذباتی نوجوان تو جوش و خروش میں آ گئے۔ میں نے سب کو ہدایت کی کہ پہلے تحقیق کر لے دیں۔ اگر واقعہ سچا ہوا تو پھر اس کا علاج بھی کریں گے

میں نے ساتھیوں سے مشورہ کر کے دو سنجیدہ آدمیوں کو اس کے ساتھ بھیجا اور کہا کہ بی بی یہ تمھارے ساتھ جائیں گے۔ جن مرزائیوں نے تمھیں مارا پیٹا ہے۔ ان کے مکانوں اور ان کے ناموں کی نشان دہی کرو تاکہ ہم پولیس کو بھی آگاہ کریں اور خود بھی موقع پر جا کر ان کی خبر لیں۔ چار و ناچار بڑھیا۔ انھیں ساتھ لے گئی۔ لوہاری دروازہ شہر کی ایک گلی میں لے جا کر انھیں کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں ابھی آ کر بتاتی ہوں ان کے نام کیا ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ ایسی گئی کہ وہ انتظار کر کر کے تھک گئے۔ پھر اس محلے کے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کے مرزائیوں نے کسی عورت کو مارا پیٹا ہے۔ کسی نے بھی اس واقعہ کی تصدیق نہ کی جب ان دونوں نے واپس آ کر حقیقت حال بتائی تو میں نے رضاکاروں کو سمجھایا کہ تم نے دیکھا۔ اگر ہم مشتعل ہو کر جلوس لیکر ادھر

جا نکلتے اور مرزائیوں کے گھروں کا رخ کرتے تو ان کے لئے۔ جواز پیدا ہو جاتا کہ مسلمانوں نے حملہ کر دیا تھا لہٰذا ہم نے گولیاں چلا کر اپنا تحفظ کیا ہے ایسی حماقت سے ممکن ہے ہمارے کچھ جوان شہید اور زخمی ہو جاتے۔

انتظامیہ نے سوچا کہ رضاکاروں کی گرفتاریوں کا زور توڑنے کے لئے محرکین کو گرفتار کیا جائے چنانچہ قاری محمد امین صاحب چونکہ اس مسجد کے خطیب تھے۔ جو تحریک کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ایک رات پچھلے پہر پولیس انہیں گھر سے گرفتار کر کے لے گئی جس سے تحریک میں اور جان پڑ گئی۔

میری گرفتاری کی اطلاع

قاری صاحب کی گرفتاری کے چند پانچ روز بعد میں جلسہ کا انتظام کر کے سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ ڈپٹی کمشنر کا چپڑاسی ہانپتا کانپتا سیڑھیوں میں ملا اور کہا شاہ جی ابھی ڈپٹی کمشنر نے آپ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے ہیں۔ آپ آج رات کسی بھی وقت گرفتار ہو جائیں گے یہ کہہ کر وہ الٹے پاؤں چلا گیا۔ میں یہ سن کر واپس چھت پر آگیا اور مولانا عبدالحمید صاحب سے کہا آپ تقریر شروع کریں اور دیگر علماء اور محرکین کو ساتھ لیکر قاری صاحب کے مکان میں آگیا اور انہیں صورت حال بتائی۔ فوراً آٹھ ساتھیوں کی فہرست مرتب کی جو ایک ایک کر کے تحریک کی قیادت کریں اور گرفتار ہوتے جائیں اور سب ساتھیوں کو یہ بات سمجھا دی کہ اب کسی روز بھی جلسہ میں اکٹھے نہ آئیں جس کی باری ہو وہ اکیلا آ کر تقریر کرے اور اب آپ میں سے کوئی ساتھی بھی اپنے گھر نہ سوئے بلکہ ہر رات ٹھکانہ بدل بدل کر سوئے اور یہ پوری کوشش کرے کہ اس کی گرفتاری بر سر عام ہو تاکہ تحریک کو بڑھاوا ملتا رہے۔

روپوشی

علی عباس آٹھویں نویں جماعت کا ایک طالب علم جو شیعہ خاندان کا فرد تھا آج کل کہیں مجسٹریٹ ہے۔ وہ میرے پاس روزانہ پڑھنے آتا تھا اور مجھ سے بہت مانوس تھا میرا احترام بھی بہت کرتا تھا میں نے اسے دیکھا قریب آنے کا اشارہ کیا وہ آیا تو میں نے رازداری سے کہا گھر جا کر انتظام کرو۔ میں رات تمہارے ہاں بسر کروں گا مگر کسی کو پتہ نہ چلے میں دس منٹ کے بعد پچھلی گلی کا دروازہ کھلا رکھنا۔ لکام ہاٹہ کلاں کے قریب ان کا گھر تھا۔ میں وہاں پہنچ گیا اس کی اور اس کے بڑے بھائی منیر شاہ کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ باہر کی صورت حال کی مجھے خبر دیتے رہیں۔ اور معلوم کرتے رہیں کہ پولیس مجھے تلاش کرنے کے لئے کہاں کہاں بھٹک رہی ہے بہرحال جنوں

روپوش تھا کسی کے وہم و گمان میں بھی وہ جگہ نہیں آ سکتی تھی۔ پولیس رات بھر اپنے خیال کے مطابق میرے کئی ٹھکانوں پر گئی مگر ناکام رہی دوسرے دن صبح کے وقت علی عباس نے مجھے بتایا کہ مسٹر جلیل اے ایس۔ آئی پولیس کے دستے کے ساتھ مسجد عیدگاہ کے قریب کھڑا مجھے اور تحریک چلانے والوں کو بہت کوس رہا تھا۔ اور اس نے حضرت امیر شریعتؒ کی شان میں بھی گستاخانہ الفاظ کہے میرے بعد چونکہ مولانا عبدالحمید صاحب کو تحریک کی قیادت سونپی گئی تھی۔ اس لئے میں نے علی عباس کو ان کے پاس پیغام دیکر بھیجا کہ وہ آج شہر میں منادی کروا دیں کہ میں پانچ بجے جلسے سے خطاب کروں گا جب شہر میں منادی ہو رہی تھی۔ پولیس مزید چوکس ہو گئی۔ جلسہ گاہ کے ارد گرد پولیس کا کڑا پہرہ لگا دیا۔ شہر کے تمام ناکوں پر نگران متعین کر دیئے اور ایک دستہ شہر میں گشت کرنے لگا۔ جب یہ اطلاع فراہم ہوئی تو میں سوچنے لگا کہ کس طریقہ سے ان سب کی آنکھوں میں خاک جھونک کر جلسہ گاہ میں پہنچوں۔ آخر میں نے ترکیب سوچ لی اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے پونے پانچ بجے تانگہ منگوایا۔ ایک بوتل میں رنگ دار پانی بھرا اپنے اوپر ایک بہت میلی چادر اوڑھی خود تانگے کی اگلی سیٹ پر ہائے ہائے کرتا لیٹ گیا علی عباس کے ہاتھ میں بوتل تھما دی اور کہا کہ بوتل ذرا نمایاں کر کے رکھو ہر کوئی سمجھے کہ یہ مریض ہے اور دوائی لیکر آ رہے ہیں دو اور بچے ساتھ لئے جو مجھے سنبھالنے کی اداکاری کرتے رہے اور ہم قبرستان کی اس سمت پہنچ گئے۔ جدھر قاری محمد امین صاحب کے مکان کا دوسرا دروازہ تھا اور ان کے گھر پیغام بھجوا دیا تھا کہ وہ دروازہ کھلا رکھیں جب تانگہ دروازے کے قریب پہنچا تو ایک سپاہی جو پندرہ بیس قدم دروازے سے دور تھا تانگے کی طرف لپکا اتنے میں میں نے چھلانگ لگائی اور دروازہ پار کر گیا۔ وہاں سے دوسرا دروازہ مسجد میں جا نکلتا تھا۔ مسجد میں پہنچ کر مسجد کی چھت پر جہاں اسٹیج لگا ہوا تھا جا براجمان ہوا۔ ساتھی حیران ہو گئے کہ میں اتنے کڑے پہرے میں کیسے اچانک ٹپک پڑا دس پندرہ منٹ کے بعد جب طبیعت پر سکون ہوئی تو میں نے مولانا عبدالحمید جو مجھ سے پہلے تقریر کر رہے تھے کہا کہ میری تقریر کا اعلان کر دیں جب انہوں نے یکدم اپنی تقریر ختم کر کے میرے خطاب کا اعلان کیا اور میں اسٹیج پر نمودار ہوا تو عوام کے جوش و خروش اور پولیس کی سراسیمگی کا عالم قابل دید تھا کئی منٹ تک فلک شگاف نعرے لگتے رہے اور میں جلسہ گاہ کا جائزہ لیتا رہا۔ پولیس جلسہ گاہ کو گھیرے ہوئے تھی۔ ایک طرف ہمارے ایس۔ ایچ۔ او میر تقی حسین صاحب پولیس کا دستہ لئے ایک جیپ کے پاس تھے ایک دکان کے تھڑے پر سٹی مجسٹریٹ اور ڈی ایس پی۔ کرسیوں پر بیٹھے تھے جب ذرا جلسہ گاہ میں سکون ہوا تو میں نے تقریر کا آغاز اس شعر سے کیا۔

ناز ہے تم کو حکومت پر تو ہم بھی کم نہیں

فیصلہ دو ٹوک ہے یا تم نہیں یا ہم نہیں

شعر سن کر پھر ایک دفعہ مجمع میں طوفان جیسے جوش و خروش کا سماں پیدا ہو گیا میں نے میر تقی حسین صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ جناب تھانیدار صاحب مجھے معلوم ہے کہ آپ کی پولیس مجھے رات بھر تلاش کرتی رہی ہے۔ سن لیجئے کہ میں ڈر کے مارے روپوش نہیں تھا بلکہ میرا مقصد یہ تھا کہ گرفتاری سے قبل اپنی قوم کو بر سرعام ایک پیغام دے کر جاؤں۔ اب میں حاضر ہوں مگر میری گرفتاری کے لئے باہمی تعاون سے کام چلے گا۔ آپ میری تقریر مکمل ہونے سے پہلے گرفتار کرنے کی کوشش نہ کریں۔ خود بھی میرا پیغام سکون سے سنیں اور عوام کو بھی سننے دیں اگر آپ نے مجھے تقریر سے قبل گرفتار کرنے کی کوشش کی تو میں بھی آپ کے ہاتھ نہیں آؤں گا اور یہ جلسہ گاہ قتل گاہ بن کر رہ جائے گی۔ اس لئے میری گذارش ہے کہ مجھے تقریر کرنے دیں میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ عوام کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کریں گے کوئی اینٹ پتھر نہیں چلے گا۔ اس کے بعد میں نے سامعین سے کہا کہ دیکھئے حضرات میں نے آپ کے سامنے کیا وعدہ کیا ہے امید ہے آپ میرے اس وعدے کی لاج رکھیں گے اور کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ کہ اسے میری وعدہ خلافی پر محمول کیا جائے عوام سے وعدہ لیا ہاتھ اٹھوائے۔ پھر میری نظر جلیل اے۔ ایس۔ آئی پر پڑی تو مجھے یاد آگیا کہ اس نے کل کچھ واہیات باتیں کی تھیں۔ میں نے اس کو مخاطب کر کے کہا جلیل صاحب میں نے سنا ہے کہ آپ پی اے ہیں مگر کل جو آپ نے اخلاق کا مظاہرہ کیا اور زبان درازی کی ایسے تو جاہل اور ان پڑھ بھی نہیں کرتے پھر میں نے للکار کر کہا اگر آئندہ کسی بھی پولیس والے نے اس قسم کی کوئی بات کی اور اس کے رد عمل میں کسی دیوانے نے اس کی زبان کاٹ دی یا پیٹ چاک کر دیا تو ہم ذمہ دار نہ ہوں گے ڈی۔ ایس۔ پی نے اسے اسی وقت بلا کر وہاں سے رخصت کر دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ ایس پی نے اس کا تبادلہ کر کے کہیں اور بھیج دیا!

عوام سے میں نے بیس منٹ خطاب کیا۔ خلاصہ یہ تھا کہ منزل مقصود کو سامنے رکھیں کسی بھی صورت میں لاقانونیت سے پرہیز کریں۔ تحریک کو اس وقت تک طول دیں جب تک ہمارے مطالبات منظور نہ ہو جائیں۔ ماں باپ اپنے بیٹوں کو بہنیں اپنے بھائیوں کو بیویاں اپنے خاوندوں کو آنحضورؐ کی ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اور پاکستان کو مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں سے بچانے کے لئے مسلسل جوش و خروش کے ساتھ جیلوں میں بھیجتی رہیں۔

گرفتاری

میں نے سامعین سے کہا کہ سڑک پار کرنے کے لئے مجھے رستہ بنا دیں اور کوئی اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔ جلسہ جاری رہے گا میں اتر کر سڑک پر آیا تو انسپکٹر میر تقی حسین نے بڑھ کر میرا دوستانہ استقبال کیا اور مجھے اپنے ساتھ جیپ کے اگلے حصہ میں بٹھالیا یوں ہزاروں لوگوں نے مجھے پرجوش نعروں ' آہوں ' سسکیوں ' آنسوؤں اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ سوائے دس بیس جوشیلے نوجوانوں کے وہ نعرے لگاتے اپنی ہمت کے مطابق کافی دور تک جیپ کے ساتھ بھاگتے رہے راستے میں میر صاحب نے مجھ سے کہا گیلانی صاحب عوام کے دل آپ کی مٹھی میں تھے وہ آپ سے بے حد محبت کرتے ہیں اور احترام بھی اور آپ نے جس طرح اب تک تحریک کو پرامن نظم و نسق کے ساتھ چلایا اور لاءاینڈ آرڈر کا کوئی مسئلہ نہیں پیدا ہونے دیا۔

سٹی انچارج ہونے کی حیثیت سے میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ مگر آپ کے بعد شاید یہ نظم و ضبط کا انداز قائم نہ رہ سکے۔ آپ میری طرف سے یقین رکھیں کہ میں حتی الوسع کسی بھی تشدد سے گریز کروں گا۔ پھر اپنی پیٹی کو ہاتھ لگا کر کہا ہم وردی کے کتے ہیں۔ اور یہ ہمارا پٹہ ہے۔ آپ کا عقیدہ اور مطالبہ بالکل صحیح ہے یہ میرا ایمان ہے مگر افسوس کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا کہ آپ حضرات کا دل سے احترام کروں اور خود جارحیت سے بچتا رہوں پھر اس نے گلوگیر آواز میں کہا مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ ایک غریب اور سفید پوش آدمی ہیں مگر آپ کے پاس ایمان و یقین کی بہت بڑی دولت ہے آپ مجھے اپنا بھائی سمجھیں اور مجھے اجازت دیں کہ جب تک آپ جیل میں رہیں آپ کے اہل خانہ کی خدمت کرتا رہوں۔ یہ میرا اور آپ کا معاملہ ہو گا صرف خدا کی ذات کے سوا کوئی اور نہ جان سکے گا مجھے اس کی اس پیشکش میں سو فیصد صداقت اور خلوص نظر آیا مگر میں نے شکریہ کے ساتھ منع کر دیا اور خدا پر ہی بھروسہ رکھنے کو بہتر قرار دیا۔ لیکن اس کے باوجود مجھے جیل میں معلوم ہوا کہ وہ مجھے جیل پہنچانے کے بعد سیدھا ہمارے گھر گیا اور انہیں بھی اسی خلوص سے پیش کش کی مگر میری والدہ محترمہ اور اہلیہ نے میری ہی طرح شکریہ کے ساتھ کسی قسم کی امداد لینے سے انکار کر دیا (الحمد للہ) میر تقی حسین نے مجھے بڑے احترام سے جیل حکام کے سپرد کیا میری جامہ تلاشی بھی نہیں کرنے دی وہ سلام دعا کے بعد رخصت ہوا اس کے بعد میرا باہر کی دنیا سے یکسر رشتہ کٹ گیا۔

جیل

جیل میں مجھے اس بارک میں بھیجا گیا جہاں قاری محمد امین صاحب تھے وہ مجھے دیکھتے ہی لپک کر بغل گیر ہوئے اور کہا مجھے یقین تھا کہ آپ آج میرے پاس پہنچ جائیں گے۔ رات میں

نے خواب میں حضرت امیر شریعت کے والد صاحب کو دیکھا ان کے ہاتھ میں چند ہرے رومال ہیں اور فرما رہے ہیں جو شخص یہ رومال لے گا۔ جنت میں جائے گا۔ تو میں نے بھی ایک رومال حاصل کر لیا پھر کیا دیکھا کہ آپ اچانک آ گئے اور آپ نے بھی وہ رومال ان سے لے لیا۔ آنکھ کھلی تو یہی خیال کیا کہ آپ بہت جلد آئیں گے۔ سو آپ آ گئے۔ اب روزانہ رضاکاروں کے علاوہ میرے مقرر کردہ مقامی تحریک کے قائد ایک ایک دو دو روز کے بعد جیل میں پہنچنے لگے ان سے باہر کے حالات معلوم ہو جاتے۔ کچھ دنوں کے بعد روزانہ گروپ کی صورت میں لوگ آنے لگے تو معلوم ہوا کہ لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا ہے اور گولیوں سے روزانہ سینکڑوں مسلمان شہید کئے جا رہے ہیں۔ گورنمنٹ نے تحریک کچل دینے کا فیصلہ کر لیا ہے لہذا شیخوپورہ شہر اور مضافات میں جو بے چارہ داڑھی والا نظر آتا اسے گرفتار کر کے جیل بھیج دیتے جلسے جلوسوں پر سخت پابندی لگ گئی۔ کارکنوں پر تشدد ہونے لگا۔ عوام پر لاٹھی چارج اور آنسو گیس پھینکی جاتی جو ہاتھ آتا گرفتار کر لیتے میرے دوست نصیر احمد قریشی میرے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتے تھے اکٹھے رہنے کے جرم میں گرفتار کر کے جیل میں میرے پاس بھیج دیا کارکنوں اور مولوی حضرات کو رات کے وقت گھروں پر چھاپے مار کر پکڑ لیا جاتا کارکنوں پر بید زنی کی مشق ہونے لگی۔ لاٹھی چارج سے نوجوانوں کو زخمی کر دیا جاتا پھر پکڑ کر جیل میں ٹھونس دیا جاتا۔ بہت سے نوجوان زخمی حالت میں جیل آئے ننکانہ کا ایک جوان دیکھا بید زنی سے اس کے چوتڑوں کی کھال ادھڑ چکی تھی۔ اور اب شیخوپورہ جیل قیدیوں کی کثرت کے باعث مرغیوں کا ڈربہ بن چکی تھی۔ ایک دن اعلان ہوا کہ تحریک ختم نبوت کے تمام قیدی فلاں نمبر احاطہ میں جمع ہو جائیں تمام بارکوں سے جیل کے سپاہی قیدیوں کو اس احاطہ میں لے گئے۔ وہاں ایک میز اور کچھ کرسیاں رکھی تھیں ظاہر ہو رہا تھا کوئی قیدیوں سے خطاب کرے گا جب سب قیدی جمع ہو گئے تو جیل کے آفیسرز مع ایک اجنبی شخص کے جو کوٹ پتلون میں ملبوس تھا اور افسرانہ شان نمایاں تھی پہنچ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پھر سپرنٹنڈنٹ جیل نے اٹھ کر اعلان کیا آپ کے سامنے صوبہ پنجاب کے (....... نام اور عہدہ یاد نہیں رہا) خطاب کریں گے۔ تمام قیدی بیٹھے ہوئے تھے صرف میں اور قاری محمد امین صاحب اور نصیر احمد قریشی تینوں مجمع کے ایک کنارے درخت کے نیچے کھڑے رہے ان صاحب نے تقریر شروع کی اسیروں سے بڑی ہمدردی جتائی۔ گورنمنٹ کے عتاب سے ڈرایا بھی اور بانیان تحریک پر الزام لگایا کہ یہ لوگ ملک دشمن غدار ہیں بھارت کے ایجنٹ ہیں ان کا نمک کھاتے ہیں اور پر جوش آواز میں کہا آج تمہیں بے گناہ ورغلا کر جیلوں میں پھنسا کر وہ مولوی وہ لیڈر خود کہاں ہیں اس نے اتنا کہا ہی تھا کہ میں بے ساختہ پکار اٹھا وہ بھی گھروں میں بیویوں کے پاس نہیں ہیں ہماری طرح جیلوں ہی میں ہیں۔

افسران نے تعجب سے میری طرف دیکھا مگر خاموش رہے۔ آخر میں اس نے کہا کہ میری دلی خواہش ہے کہ آپ لوگ امن و سلامتی سے اپنے اپنے گھروں کو جائیں اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم زندگی بسر کریں اس لئے یہ فارم موجود ہیں جو ان پر دستخط کر دے گا باعزت بری کر دیا جائے گا۔ میں نے پھر با آواز بلند کہا جو شخص بھی ان فارموں پر دستخط کرے گا بے ایمان اور بزدل ہوگا یہ کہہ کر ہم تینوں چل پڑے۔ کسی آفسر نے تعرض نہیں کیا میری بات کو پی گئے۔

ملاقات

ایک دن جیل کا سپاہی آیا اور مجھ سے کہا آپ کو دفتر میں سپرنٹنڈنٹ صاحب بلا رہے ہیں۔ میں دفتر پہنچا تو دیکھا والدہ صاحبہ مع میری اہلیہ اور بیٹے سلمان گیلانی کے جس کی عمر اس وقت سوا ڈیڑھ سال کی تھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ والدہ محترمہ مجھے دیکھتے ہی اٹھیں اور سینے سے لگا لیا ماتھا چومنے لگیں۔ حال احوال پوچھا ان کی آواز گلوگیر تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے محسوس کر لیا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میرا بھی جی بھر آیا آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ یہ دیکھ کر سپرنٹنڈنٹ نے کہا اماں جی آپ رو رہی ہیں۔ بیٹے سے کہیں ایک فارم بڑھاتے ہوئے اس پر دستخط کر دے تو آپ اسے ساتھ لے جائیں۔ ابھی معافی ہو جائے گی! میں ابھی خود کو سنبھال رہا تھا کہ اسے جواب دے سکوں والدہ صاحبہ تڑپ کر بولیں۔ کیسے دستخط 'کہاں کی معافی' میں ایسے دس بیٹے حضورؐ کی عزت پر قربان کردوں میرا رونا تو شفقت مادری ہے۔ یہ سن کر سپرنٹنڈنٹ شرمندہ ہو گیا اور میرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا۔

شہادت ملتے ملتے رہ گئی

ڈیڑھ مہینہ شیخوپورہ جیل میں رہے۔ پھر کوئی پچاس ساٹھ قیدیوں کو جن میں قاری محمد امین صاحب اور میں بھی تھا جوڑے جوڑے کو ایک ایک ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال کر قیدیوں کی لاریوں میں بٹھا کر لاہور جیل کو روانہ کر دیا۔ جب ہم لاہور کی حدود میں داخل ہوئے تو ملٹری نے ختم نبوت کے نعرے لگانے پر ہماری لاری روک لی اور وہ واقعہ گزرا جو آپ نے اس کتاب میں پڑھ لیا ہوگا یا پڑھ لیں گے۔ ملٹری آفیسر نے میرے سینے میں بندوق کی نالی رکھ کر طنزاً کہا اب لگاؤ نعرہ۔ میں نے بے دھڑک نعرہ بلند کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے گولی چلانے کی قوت سلب کر لی اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں اور تھانیدار جو ہمارے ساتھ تھا اس سے کہا خدا کے لئے ان سے نعرے نہ لگوائیں۔ ایک ماہ ہم لاہور جیل میں رہے پھر ہمیں میانوالی جیل میں منتقل کر دیا وہاں سے ایک ماہ کے بعد رہائی ملی اس دوران کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا کہ ذکر

کردی ہے

آپ کو یاد ہے جب میں جیل جانے لگا تھا تو یہ شعر پڑھا تھا۔

ناز ہے تم کو حکومت پہ ہم بھی کم نہیں
فیصلہ وہ ٹوک ہے یا تم نہیں یا ہم نہیں

جب جیل سے باہر آئے تو ناظم الدین کی حکومت کا تختہ الٹ چکا تھا اور میں نے ایک جلسہ عام میں یہ کہا۔

ہم بھی وہی جذبہ وہی ایماں بھی وہی ہے
پرچم ہے وہی دوش پہ، میداں بھی وہی ہے
مستانے اسی دھن میں ابھی نعرہ کناں ہیں
کھیلے تھے لہو سے جو ہمارے وہ کہاں ہیں

ننکانہ صاحب

قدیر شہزاد فرماتے ہیں کہ ۱۹۵۳ء کے اوائل میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان نے گورنمنٹ کے مطالبات سے مسلسل چشم پوشی کے بعد اعلان کیا کہ اگر ۲۸ فروری تک مجلس کے مطالبات کو منظور نہ کیا گیا تو مجلس عمل احتجاجی تحریک کا آغاز کر دے گی۔ حکومت نے مجلس کے اس انتباہ پر بھی کوئی خاص غور نہ کیا۔ تو مارچ کے مہینے میں پورے ملک میں احتجاجی مظاہروں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ ملک کے دیگر حصوں کی طرح ننکانہ صاحب میں رہنے والے عاشقان مصطفیٰ ؐ نے بھی سرکار دو عالم ؐ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے سڑکوں پر آنے کا اعلان کیا۔ ہر روز جلوس نکلتے جس میں شہر ننکانہ میں بسنے والے ہزاروں مسلمانوں کے علاوہ شہر کے نواحی دیہات سے بھی مجاہدین ختم نبوت جوش و خروش سے شرکت کرتے۔ مسجد اقصیٰ پرانا ننکانہ سے شروع ہونے والے جلوس ریلوے روڈ اور پھر گوردوارہ بازار سے ہوتے ہوئے چوک دواخانہ آب خضر پر جا کر ختم ہوتے۔ دوران جلوس ہزارہا مسلمانان ننکانہ کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گہری عقیدت و محبت اور قادیانیوں سے نفرت ان کے جوش و جذبہ اور نعروں سے صاف ظاہر ہوتی' ہر روز یہ جلوس ریلوے روڈ سے گزرتا ہوا ریلوے اسٹیشن پر بھی پہنچتا۔ جہاں کئی مجاہدین ختم نبوت فرط جذبات سے ریل گاڑی کے آگے لیٹ جاتے اور اس طرح گاڑی کو کئی گھنٹے لیٹ کر کے اہل اقتدار کو اپنے جذبات سے آگاہ کرتے۔ دوسری طرف حکومت نے ملک کے کروڑوں مسلمانوں کی آواز کو بلا سوچے سمجھے قوت سے دبانے کی کوشش کی۔ جلوس پر پولیس کا لاٹھی چارج اور تشدد روز کا معمول بن گیا۔ ہر روز ننکانہ صاحب سے

بارہ افراد کا گروپ ریل کے ذریعے جامع مسجد عید گاہ شیخوپورہ کے لئے روانہ ہوتا جہاں سے یہ مجاہدین مسجد وزیر خاں لاہور پہنچتے اور مجلس عمل کے مرکزی قائدین کے ہمراہ پولیس کو گرفتاریاں پیش کرتے۔ ننکانہ صاحب سے نکلنے والے جلوس میں شامل شرکاء ان مجاہدین کو بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ ٹرین کے ذریعے شیخوپورہ روانہ کرتے۔ تحریک کے دوران ننکانہ صاحب میں سب سے بڑا جلوس اپریل کے مہینے میں نکالا گیا۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ شہر بھر کے علماء کرام جامع مسجد اونچی غلہ منڈی میں نماز عشاء کے بعد جمع تھے۔ اجلاس میں متفقہ طور پر فیصلہ ہوا کہ اگلے روز جمعۃ المبارک کی نماز مجلس عمل کے راہنما حکیم شیخ محمد امین جامع مسجد اہلحدیث میں پڑھائیں گے اور جمعہ کی نماز کے بعد ایک زبردست احتجاجی جلوس نکالا جائے گا۔ شہر بھر میں اعلان ہوا۔ اور اگلے روز مسلمانان ننکانہ کا ایک جم غفیر جامع مسجد اہلحدیث میں موجود تھا۔ مسجد کے گرد و نواح کی گلیاں اور سڑکیں عاشقان رسول ؐ سے بھری پڑی تھیں۔ دوسری طرف سیاہ وردیوں میں ملبوس پولیس کے ہزاروں نوجوانوں نے مسجد اور گرد و نواح کی سڑکوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا' نماز جمعہ کے بعد جلوس گوردو بازار کی طرف چلا تو پولیس نے جلوس کا راستہ روکا۔ مجاہدین ختم نبوت کی مزاحمت پر پولیس نے بھرپور لاٹھی چارج کیا اور آنسو گیس پھینکی۔ پولیس کا یہ بدترین تشدد اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ سینکڑوں مسلمانوں و گرفتار کر کے مختلف نامعلوم مقامات پر نہ پہنچا دیا گیا۔ دوران تشدد بے شمار مسلمان شدید زخمی بھی ہوئے' اس جلوس میں گرفتار ہونے والے مجاہدین کا ایک گروپ جو حکیم شیخ محمد امین مرحوم ' بابا عبدالستار' شیخ نور احمد ' مولوی ہدایت اللہ 'قاری تجمل حسین' محمد رمضان 'مولوی سلطان احمد مرحوم' میاں عمر دین ' شیخ مولا بخش بٹ مرحوم ' فردوس احمد ' ذوالفقار علی عرف منا پہلوان ' شیخ ظہ[illegible] علوا[illegible] [illegible]ولوی تاج دین ' مولوی عبداللہ اور حکیم محمد حنیف پر مشتمل تھا' تھانہ ننکانہ صاحب [illegible] [illegible]یا۔ سب کو ایک لائن میں کھڑا کر کے تھانیدار نے مولوی سلطان احمد مرحوم سے ' [illegible] ہو؟ جواب ملا قادیانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں ' خواجہ ناظم الدین اور [illegible] [illegible] برطرف کرو۔ "حکومت کس نے کرنی ہے؟" پیچھے کھڑے ہوئے ایک سپاہی نے [illegible] [illegible]سلطان مرحوم کی پشت پر رائفل کا بٹ مارتے ہوئے جملہ کسا۔ اسی اثنا میں تھانیدار' [illegible]ہ ختم نبوت بابا عبدالستار جو تحریک ختم نبوت کے جلسوں اور جلوسوں میں زوردار نعروں کی وجہ سے شہر بھر میں خاصی مقبولیت حاصل کر چکے تھے' کے پاس پہنچ چکا تھا "نعرے لگاتے ہو؟" تھانیدار نے پوچھا۔ ہاں نعرے لگاتا ہوں۔ اور جب تک جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتا رہوں گا۔" بابا عبدالستار نے فوراً جواب دیا۔ تھانیدار نے اطراف میں کھڑے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ ایک لمبے تڑنگے سپاہی نے آگے بڑھ کر بابا

عبدالستار کو نیچے لٹایا اور دیگر سپاہیوں نے مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ پھر کیا تھا۔ اوپر سے چند لمبے تڑنگے سپاہی بابا عبدالستار پر بدترین تشدد میں مصروف تھے جب کہ نیچے ظلم و جبر کی چکی میں پسنے کے باوجود بابا عبدالستار تاجدار ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کر رہے تھے۔ چند منٹ تک یہ تشدد جاری رہا۔ بالآخر پولیس کو شکست تسلیم کرنا پڑی۔ بدترین تشدد بھی بابا عبدالستار کو ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگانے سے نہ روک سکا اور آزمائش کی یہ گھڑی بابا عبدالستار بڑی کامیابی کے ساتھ طے کر گئے۔ مقامی مجلس کے راہنما اور سینکڑوں کارکنان گرفتار ہوئے۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آج بھی ان میں سے کئی بزرگ زندہ ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو سلامت با کرامت رکھے۔ (آمین)

قصور

مولانا سید محمد طیب ہمدانی فرماتے ہیں کہ ۱۹۵۳ء آیا تحریک میں گرماگرمی شروع ہو گئی۔ اہالیان قصور نے مجھے تحریک ختم نبوت کا جنرل سیکرٹری بنایا۔ مجلس عمل کے لئے کوشش کی گئی کہ جو بھی حضرات عمل کے خواہاں ہوں اور اسی وجہ سے مجلس عمل میں شامل ہو سکیں انہیں شامل کیا جائے۔ افسوس کہ اس میں صرف مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری کو ہم بطور جنرل سیکرٹری راطب کر سکے جو کہ عین موقع پر بھاگ نکلے بہرحال اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی انتہائی ذلت آمیز سزا دی کہ وہ ۹ ماہ تک قتل کیس میں حوالات میں ذلیل ہوتے رہے۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۲ء کے لئے حضرت امیر شریعتؒ کو دعوت دی گئی آپ نے چار گھنٹے سے زیادہ خطاب فرمایا جس سے تحریک میں تروتازگی آ گئی مارچ ۱۹۵۳ء میں جلسے جلوس پرامن طور پر ہوتے رہے اتفاقاً مجھے بھاولپور جانا ہوا تو مسلم لیگی غنڈوں نے ایک جلوس نکالا جس کا مقصد پرامن تحریک کو سبوتاژ کرنا تھا لیکن وہ اس سازش میں کامیاب نہ ہو سکے اسی جلوس میں گدھے پر کتے کو باندھ کر مرزا قرار دے کر جوتے برسائے گئے۔ منیر انکوائری رپورٹ میں اسی غنڈے اور جلوس کا تذکرہ ہے جس کا مجلس سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ عقل کے اندھوں کو انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر بھی پرامن تحریک اور اس کی شائستگی نظر نہیں آئی۔ مارچ ۱۹۵۳ء میں جو تحریک شروع ہوئی تو اکیس افراد کو نظربند قرار دیا گیا جن میں ملک اعزاز چوہدری محمد عاشق مرحوم، مولوی فضل محمد جالندھری، مولوی محمد اکبر کباب والے، چوہدری محمد شفیع اور راقم الحروف وغیرہ حضرات شامل تھے۔

چند روز قصور ڈسٹرکٹ جیل میں رکھنے کے بعد لاہور سنٹرل جیل منتقل ہو گئے اسی اثنا میں تین سو سے زائد گرفتاریاں ہوئیں جنہیں فساد کا ملزم قرار دیا گیا لاہور سنٹرل جیل میں جہاں نوجوان رضاکار تھے وہاں مولانا نصیرالدین غور غشتی جیسے سن رسیدہ بزرگ بھی تھے اور روزانہ

عجب روح پرور مناظر دیکھنے میں آئے لاہور میں مارشل لاء کے باعث جن کی پکڑ دھکڑ ہوئی ان میں نوخیز بچے جو ابھی عنفوان شباب کی حدوں کو بھی چھو نہیں رہے تھے اور کچھ ایسے جو ابھی سبزہ آغاز تھے لائے جاتے اور ان پر کوڑے برسائے جاتے لیکن ہر ضرب پر ختم نبوت زندہ باد کے نعرے سنائی دیتے تا آنکہ مظالم سے بالآخر بے ہوش ہو کر ان کی آوازیں بند کر دی جاتیں۔
چند روز کے بعد قصور والوں کو اس شبہ پر کہ جیل کی اصطلاح میں یہ شاید قصوری ہیں بورسٹل جیل کیمپ کی قید تنہائی میں ڈال دیا گیا اور نظربندوں کی خوراک اور آسائش ایک دم منسوخ کر دی گئی۔ نماز باجماعت سے محروی ہو گئی۔ نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لئے خیال تھا کہ اذان دے دی جائے کہ مسٹر طور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل آ دھمکا اور کہا کہ مولوی شور مت مچاؤ ہم نے کہا شور مچانے کا یہاں مقصد ہی کوئی نہیں تو اس نے کہا کہ میرا مقصد ہے کہ اذان نہ دینا ہمیں اس پر بہت غصہ آیا ہم حیران تھے کہ یہ شخص مسلمان ہو کر اذان کو شور کہتا ہے اسے تو برا بھلا کہا ہی لیکن یہ سوچ لیا کہ اب ہم پر اذان کہنا واجب ہو گیا ہے اس لئے شام کی اذان کے لئے ہم اکیس نظربندوں نے بیک وقت اذان کہنی شروع کر دی باقی جیل والوں نے بھی ساتھ دیا تو جیل والوں کے لئے یہ ایک بم بن گیا سپرنٹنڈنٹ کوئی شیخ صاحب تھے بھاگے بھاگے آئے پوچھا تو ہم نے سارا واقعہ سنایا جس پر اس نے بتایا کہ وہ تو کی جیل خانہ جات مرزائی کا کارنامہ ہے اور ہم سے اس شرط پر مصالحت ہوئی کہ ہر بارک میں ایک آدمی اذان دے سکتا ہے بورسٹل جیل کے کمرے شور زدہ تھے۔ چھتوں پر بھڑوں کے چھتے اور کمرے میں درجنوں سنپولے بھاگے پھرتے تھے لیکن الحمد للہ ختم نبوت کی برکت سے کسی کو کوئی نقصان ان سے نہیں پہنچا ہفتہ بھر قید تنہائی میں رکھا گیا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کا جو گذر ہوا تو میں نے شکایت کی سخت کاری ہو گئی اس نے مجھے ننگی سزا دینے کا ارادہ کیا تالا جو کھولا گیا تو اس کے رابطہ کا تعلق سب دروازوں سے تھا سب ساتھی فوراً باہر نکل آئے ڈپٹی صاحب نعرہ ختم نبوت سنتے ہی نمبرداروں سمیت دم دبا کر بھاگ گئے۔ جیل کا الارم ہو گیا۔ وہ پولیس جس نے مسلمانوں پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا وہ بھی جیل میں خیموں کے اندر آرام کر رہی تھی۔ انہوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا سپرنٹنڈنٹ نے مصالحت کی طرح ڈالی کھانے کی اصلاح ہوئی کمروں کی بندش ختم ہوئی جس کا سب جیل والوں کو فائدہ ہوا۔ تاہم ہمارے قصوری ہونے پر مہر تصدیق ثبت ہو گئی جس کی بنا پر قصور والوں کو دو حصوں میں تقسیم کرکے میانوالی اور کیمبل پور بھیجا گیا۔ راقم الحروف کیمبل پور والے گروپ میں تھا چونکہ تحریک کو مارشل لاء کی گولیوں سے دبا دیا گیا تھا۔ وقتی طور فضا پر سکون ہو گئی تو تین ماہ کی نظربندی کے اختتام پر رضاکاروں کی رہائی شروع ہو گئی تاہم جو سرکار کی نگاہ میں زیادہ خطرناک تھے انہیں مزید مہمان رکھا گیا۔ کیمبل پور

جیل میں ان کی مختصر فہرست تھی آخر میں مولانا حافظ عبدالمجید مرحوم فیصل آبادی اور مولانا تاج محمود مرحوم۔ مولوی فضل محمد مرحوم اور راقم الحروف بھی شاہی احاطہ کے مہمان تھے جن کی رہائی ۹ ماہ کی نظربندی ختم ہونے پر ہوئی۔ جیل کی زندگی بھی عجیب ہے 'بعض کا کہنا ہے دنیا میں دوزخ جیل ہے لیکن درحقیقت الدنیا سجن المومن' الحمد للہ ساتھیوں کو جیل سے زیادہ پرامن جگہ کوئی محسوس نہیں ہوئی جن کے لئے شاید تاب نے کہا ہے ۔

نہ تیر کمان میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

اب وہ شباب شیب میں تبدیل ہو چکا ہے۔ ختم نبوت کے لئے جیل کی زندگی کے بابرکت شب و روز بھلائے نہیں بھول رہے۔ صبح و شام ذکر و فکر کی مجلس۔ کل رات تک کتب احادیث کا مطالعہ' حافظ عبدالمجید مرحوم جیسے فاضل سے علمی مباحث اور مولانا تاج محمود جیسے خوش طبع سے مجلسیں بھلا کیسے بھلائی جا سکتی ہیں۔ کاش کہ شب و روز پھر لوٹ آئیں لیکن لیت الشباب یعود والی بات ہی درست ہے ۔

چونیاں

حاجی میاں محمد محبوب الٰہی فرماتے ہیں

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو میاں محمد نور الٰہی انجینئر میونسپل چیئرمین جامع مسجد ٹرسٹ نے مسجد حنفیہ رضویہ میں معززین شہر کا ایک مشترکہ جلسہ طلب کیا جس میں مقامی راہنماؤں نے عوام سے خطاب کیا اور تحریک کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔ جس میں عوام نے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ پیشتر ازیں یہی مسجد تحریک پاکستان کے سلسلہ میں مرکز رہ چکی تھی۔

۴ مارچ ۵۳ء کو لاہور میں مجاہدین ختم نبوت اور پولیس کے درمیان جھڑپ ہو گئی جس سے معاملہ سنگین ہو گیا۔ پولیس نے ملٹری کی مدد بھی حاصل کی۔ اگلے دن یعنی ۵ مارچ کو لاہور میں بے شمار مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ ایسی خبروں نے عوام الناس کے جذبات کو مزید بھڑکا دیا۔ ۶ مارچ ۵۳ء کو مسجد مذکورہ میں ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا جس میں شہر کے اکابرین نے شرکت کی اور مستقبل لائحہ عمل طے کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے راست اقدام کمیٹی برائے تحریک ختم نبوت کا انتخاب کیا گیا۔ جس میں متفقہ طور پر صدر ڈاکٹر محمد شفیع' نائب صدر ڈاکٹر سید خالد حسن حبیب اللہ صراف' جنرل سیکرٹری چوہدری عبدالرحیم ایڈووکیٹ' نائب سیکرٹری محمد محبوب الٰہی انجینئر پراپیگنڈہ سیکرٹری مولوی محمد دین اور خزانچی ڈاکٹر امام دین مقرر ہوئے۔ اسی دن لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا جس کے ایڈمنسٹریٹر جنرل اعظم خان تھے ۔

مارچ کو لاہور میں حالات بدتر صورت اختیار کر گئے۔ ملٹری نے انتہائی سفاکی کے ساتھ تحریک کو کچلنے کے لئے تمام حربے استعمال کئے سینکڑوں افراد ان کی گولیوں کا نشانہ بنے ڈاک تار اور مواصلات کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا لہٰذا یہ طے پایا کہ چونیاں سے روزانہ ۵ افراد پر مشتمل ایک گروپ ڈائریکٹ ایکشن میں شامل ہونے کے لئے لاہور جائے گا۔

۱۱ مارچ کو جو رستے چونیاں سے لاہور گئے ان میں بابو نذیر احمد انجینئر' ڈاکٹر سید خالد حسن' مولوی محمد دین' ڈاکٹر امام الدین' محمد صابر'...... وغیرہ...... شامل تھے۔

اگرچہ یہ لوگ لاہور پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن پرانے شہر کی طرف جانے سے روک دیا گیا۔ پولیس اور فوج نے ان کو واپس جانے کا حکم دیا۔ یہ لوگ رات بیڈن روڈ پر بابا محمد حیات اور محمد احسان اللہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے اور اگلے دن چونیاں واپس آ گئے دوسرے دن ہی تحریک سے وابستہ بیس افراد کے لائسنس اسلحہ منسوخ کر دیئے گئے۔ اس کے بعد لاہور سے آمدہ ہدایات کے مطابق روزانہ مسجد میں جلسہ ہوتا اور اس کے بعد مسجد سے کچہری دفاتر تک جلوس کی شکل میں مظاہرہ ہوتا۔ پولیس روزانہ آٹھ دس افراد کو گرفتار کر لیتی اور شہر سے دور کسی غیر معروف مقام یا دس پندرہ میل کے فاصلہ پر انکو چھوڑ دیا جاتا یہ لوگ کبھی پیدل کبھی تانگوں پر واپس چونیاں آ جاتے۔ یہ سلسلہ تحریک کے اختتام تک جاری رہا اور لاہور سے آمدہ احکام و ہدایات پر عملدرآمد ہوتا رہا۔

اندرون سندھ

تحریک ختم نبوت شروع ہونے سے قبل مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری چنوں عاقل تشریف لائے۔ مولانا جمال اللہ الحسینی مبلغ ختم نبوت سندھ راوی ہیں کہ مولانا نذیر حسین صاحب مرحوم' حضرت جالندھری مرحوم کو سائیکل پر بٹھا کر ہالیجی شریف جو سندھ کی بہت بڑی معروف خانقاہ ہے وہاں پر تشریف لے گئے۔ حضرت جالندھریؒ نے اعلیٰ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی شریف سے ملاقات کی اور ان سے تحریک ختم نبوت ۵۳ء کی اندرون سندھ سرپرستی کرنے کی درخواست کی حضرت ہالیجوی کا صوبہ سندھ میں اتنا اثر و رسوخ تھا۔ کہ ان کے معمولی اشارے و مرضی پر ہزاروں خدام و متوسلین' مریدین' متعلقین تحریک میں گرفتاری کے لئے آمادہ ہو سکتے تھے اندرون سندھ کی تمام مساجد و مدارس کے علماء کرام و فضلاء آپ سے بیعت تھے۔ چنانچہ حضرت جالندھری کی تجویز پر تحریک شروع ہوتے ہی حضرت ہالیجوی۔ ہالیجی شریف سے سکھر کی جامع مسجد مفتی عبدالحکیم صاحب' میں تشریف لائے۔ آپ کے سکھر تشریف لانے پر صوبہ سندھ کے علماء و مشائخ کی میٹنگ شروع ہوئی۔

تھرپارکر' نواب شاہ' میرپور' خیرپور' شکارپور' لاڑکانہ' سانگھڑ' حیدرآباد' ٹھٹھہ' جیکب آباد' ضلع سجاول غرضیکہ پورے اندرونی سندھ کے علماء اس میٹنگ میں شامل ہوئے اور پھر متفقہ طور پر فیصلہ کے مطابق تحریک میں کام کرنے کے لئے کوشاں ہو گئے دیکھتے ہی دیکھتے پورے صوبہ سندھ میں صبح و شام جلسے' جلوس' گرفتاریوں کا سلسلہ چل نکلا' حضرت ہالیجوی کی تجویز پر سندھ کی معروف گدی امروٹ شریف کے سجادہ نشین مولانا محمد شاہ امروٹی مرحوم نے اندرون سندھ کا شب و روز طوفانی دورہ کیا حضرت امروٹی فرماتے تھے کہ پولیس میری گرفتاری کے درپے تھی۔ وہ میری شب و روز کی کاوش سے سخت برہم و مبہوت تھی۔ میں نے حضرت ہالیجوی سے صورت حال عرض کی انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور ایک نقش لکھ کر دیا میں نے وہ اپنے پاس رکھ لیا۔ قدرت نے اپنا فضل فرمایا کہ بارہا پولیس سے سامنا ہوا۔ مگر وہ گرفتاری کی جرأت نہ کر سکی۔ یوں قدرت نے محض اپنے کرم سے ایسا انتظام کر دیا کہ مولانا امروٹی کی مجاہدانہ و مخلصانہ کوشش سے ہزار ہا افراد نے گرفتاریاں دیں تحریک کے دوران حضرت ہالیجوی نے سکھر کو اپنا مرکز بنائے رکھا۔ ان کی آمد سے سکھر تحریک کا مرکز بن گیا۔ دور دراز دیہات تک کے لوگ آتے اور جذبہ صادق سے گرفتاریاں دیتے۔ پنوں عاقل سے حافظ عبدالباری' مولانا نذیر حسین' مولانا احمد میاں حمادی' شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کے شاگرد رشید مولانا عبدالحی اور دوسرے حضرات نے جلوسوں کی قیادت کی اور گرفتاریاں دیں۔ کراچی ان دنوں پاکستان کا دارالحکومت تھا۔ اندرون سندھ سندھی عوام کی گرفتاریوں سے حکومت سر پکڑ کر رہ گئی اور یوں اسلامیان سندھ نے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے ایمان پرور جہاد آفریں ولولہ سے کام کر کے صوبہ سندھ کی اسلامی روایات کو زندہ و تابندہ رکھا۔ سندھ کے تمام اضلاع اور تحصیلوں کی سطح تک تحریک کا زور رہا۔ کوئی قابل ذکر ایسا عالم دین نہ تھا جس نے تحریک کے لئے اپنے خون جگر کا نذرانہ نہ دیا ہو' مولانا جمال اللہ صاحب' مولانا بشیر احمد' مولانا حفیظ الرحمن' مولانا خلیل الرحمن مبلغین ختم نبوت سے بارہا تحریک کی رپورٹ مرتب کرنے کی درخواست کی۔ ان حضرات کی مصروفیت اور تحریک کے اصل واقف کار راہنمایان کی وفات کے باعث ایسے نہ ہو سکا اس لئے معذرت و صدمہ کے ساتھ اسی پر اکتفا کرنا پڑا۔

صوبہ سرحد

غیرت مند بہادر' جری دل مسلمانوں کا علاقہ ہے۔ تحریک آزادی میں یہاں کے عوام مسلمانوں اور علماء کرام کی گرانقدر اور مثالی خدمات سے کون واقف نہیں۔ انہوں نے خون جگر

دیگر تحریک آزادی میں وہ کردار ادا کیا جس پر تاریخ کو بھی فخر ہے۔

ڈیرہ اسماعیل خاں' بنوں' میران شاہ' آزاد قبائل' ہزارہ پشاور' نوشہرہ' مانسہرہ سمیت پورے صوبہ کے حضرات علماء کرام نے مثالی خدمات سرانجام دیں۔ دارالعلوم سرحد کے مولانا ایوب جان دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ کے مولانا عبدالحق زرنگ زئی پشاور کے مولانا شمس الحق افغانی' مولانا عبدالقیوم پوپلزئی' مولانا محمد اسحاق مانسہروی ایسے جید علماء کرام کے شاگردوں کی جماعت کا اس علاقہ میں وسیع حلقہ ہے۔ ویسے بھی سرحد کے علماء کرام کی سرحد کے عوام پر گرفت مضبوط ہے حضرت مولانا نصیرالدین غور غشتی تحریک ختم نبوت کے مرکزی کرداروں میں سے تھے۔ مانسہرہ نے علماء ایبٹ آباد ہری پور عوام کو تحریک کے لئے تیار کیا جلوس نکالا۔ ان دنوں سرحد کے وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان تھے وہ آئے مطالبات کی حمایت کی اور عوام کی مرکزی حکومت کے سامنے ترجمانی کا وعدہ کیا۔ عوام کا ریلا راولپنڈی کی طرف سے بڑھ رہا تھا قیوم خان کو جان کے لالے پڑ گئے۔ مولانا محمد اسحاق ایبٹ آبادی اور دوسرے علماء و مشائخ نے بگڑتی ہوئی صورت حال کو سنبھالا دیا۔

پشاور' آزاد قبائل' ڈیرہ وغیرہ میں ہڑتالیں اور گرفتاریاں ہوئیں۔ مفکر اسلام مولانا مفتی محمود صاحب ان دنوں ملتان کے مدرسہ قاسم العلوم میں گرفتار کر لئے گئے۔ مولانا غلام غوث ہزاروی فخر سرحد کو سرحد حکومت نے گولی مارنے کا سگنل دے دیا۔ مولانا غلام غوث لاہور میں تحریک کے الاؤ کو روشن رکھنے کے لئے سرگرم رہے مگر قدرت نے ایسا فضل فرمایا کہ گرفتار نہ ہو سکے لاہور میں کام کرنے کے بعد خانقاہ سراجیہ کے شیخ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب' حضرت ثانی" کے پاس تشریف لے گئے۔ گرفتاری کے لئے پنجاب حکومت کا تعاقب۔ سرحد حکومت کے گولی مارنے کا حکم سنا تو حضرت ثانی" تڑپ گئے۔ ان دنوں مولانا عبدالستار خاں نیازی لاہور میں معرکے سر کر رہے تھے صوفی محمد یار بھلوال والے راوی ہیں کہ مولانا غلام غوث ہزاروی" نے ہمارے سامنے انکشاف کیا کہ حضرت ثانی" نے آسمان کی طرف دیکھا۔ آنکھیں بند کیں۔ گردن جھکائی اپنے قلب پر نظر کی اور پھر گویا ہوئے کہ مولانا غلام غوث آپ اور مولانا عبدالستار خان نیازی کو ہم اپنی تحویل اور ذمہ داری میں لیتے ہیں دشمن آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔ بھلوال کے صوفی محمد یار اور حکیم محمد عبداللہ صاحب دونوں رات کی ٹرین سے مولانا غلام غوث کو کندیاں سے سوار کرا کر شاہ پور صدر لے گئے۔ وہاں سے تانگہ پر جھاوریاں وہاں سے سنے تانگہ پر راتوں رات چکر وہاں اور پھر وہاں سے بھلوال کے قریب صوفی محمد یار صاحب کی زمین کے ڈیرہ پر لے گئے۔ مولانا غلام غوث یہاں پر پہنچ کر بھی تحریک کی راہنمائی کرتے رہے اخبارات پڑھ کر ہر دوسرے تیسرے روز ہدایات لکھ کر صوفی محمد یار صاحب کے

ذریعہ حکیم عبدالمجید سیفی مرحوم کو لاہور بھجواتے وہ آگے تحریک کے ذمہ دار راہنماؤں تک سلسلہ جنبانی کرتے تھے۔ غرضیکہ صوبہ سرحد کے مسلمانوں نے قادیانی فتنہ کے خلاف مثالی کام کیا۔ تحریک میں ان کا کردار مثالی اور روشن ستارہ کی مانند ہے۔ میری بے بسی اور رفقاء کی سرد مہری کہ صوبہ سرحد کے تفصیلی حالات حاصل نہ ہوئے۔ جن رفقاء کو عریضے لکھے۔

"جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے" کا مصداق ہو گئے

صوبہ بلوچستان

مرزا بشیر محمود نے بلوچستان کو قادیانی سٹیٹ بنانے کا اعلان کیا عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بزرگ راہنماء مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی مولانا محمد علی جالندھری ' مولانا لال حسین ' مولانا عبدالرحمن میانوی ' مولانا محمد حیات فاتح قادیان نے بلوچستان کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنا لیا۔ اگست ۴۸ء کوئٹہ بلوچستان میں ایک عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس تھی۔ تقریر کے دوران قادیانی میجر ڈاکٹر محمود نے اپنے نشہ اقتدار میں اس کانفرنس میں آکر اشتعال انگیزی کی جس کے باعث وہ موقعہ پر قتل ہو گیا۔ مرزا بشیر الدین وہاں سے دم دبا کر بھاگ کھڑا ہوا ۷۳ء جولائی میں قادیانیوں نے بلوچستان کے ایک ضلع ژوب میں قرآن مجید کے محرف نسخے تقسیم کئے۔ مولانا شمس الدین شہید ان دنوں بلوچستان کے ڈپٹی سپیکر تھے وہ جمعیت علماء اسلام کے سرکردہ راہنماء تھے۔ صوفی محمد علی مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں تھے۔ انہوں نے قادیانی سازش کے خلاف تحریک منظم کی جس کے نتیجے میں ضلع ژوب میں قادیانی ملازمین و عوام کا وہاں پر قانونی داخلہ بند کر دیا گیا۔ یہ پابندی آج بھی جوں کی توں برقرار ہے بلوچستان صوبہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہاں پر کوئی قادیانی عبادت گاہ نہیں ہے۔ کوئٹہ میں صرف ایک تھی وہ بند کر دی گئی۔ جو اس وقت تک بند ہے۔ ۷۴ء میں قادیانی گروہ کے خلاف تحریک منظم ہوئی۔ ژوب میں ذوالفقار علی بھٹو تقریر کرنے گئے۔ دوران تقریر عوام کے مطالبہ پر ان کو قادیانی گروہ کے خلاف بیان دینا پڑا۔ ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں صوبہ بھر کے علماء و عوام نے اپنا بھرپور حصہ ڈالا۔ محترم جناب فیض حسن سجاد سے بارہا درخواست کی لیکن وہ ۵۳ء کی اپنے صوبہ کی رپورٹ اپنی مصروفیت کے باعث نہ بھجوا سکے۔ صوفی محمد علی صاحب اور حاجی محمد عمر صاحب ژوب عالمی مجلس کے ناظم اعلیٰ و امیر اللہ رب العزت کو پیارے ہو گئے ہیں۔ تحریک ۵۳ء کے متعلق زیادہ معلومات نہ مل سکیں۔ اس لئے مجبوراً اس پر گزارہ کرنا پڑا۔ اللہ رب العزت کو منظور ہے تو ۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے ضمن میں بلوچستان میں تحریک ختم نبوت کے اثرات کا تفصیلی تذکرہ ہو گا۔ تاہم اتنا یاد رہے کہ بلوچستان میں عالمی مجلس تحفظ ختم

نبوت کی مضبوط و موثر جماعت موجود ہے جو قادیانیت کی سرگرمیوں پر عقابی نظر رکھے ہوئے ہے۔

باب چہارم

تحقیقاتی کمیشن

نوٹ =۱۔ تحقیقاتی کمیشن سے متعلق جو متفرق روایات میسر آئیں۔

۲۔ تحقیقاتی کمیشن میں تحریری طور پر مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا جو بیان داخل کر دیا گیا۔

۳۔ تحقیقاتی کمیشن میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کا بیان' اس سے متعلق ماسٹر تاج الدین انصاری اور مولانا محمد علی جالندھری کا تبصرہ و تجزیہ۔

۴۔ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے بعد مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش کا اس پر جامع و بلیغ تبصرہ۔

۵۔ مولانا محمد علی جالندھری کا تحریری بیان جو تحقیقاتی کمیشن میں داخل کروایا گیا۔

۶۔ مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی ظفر اللہ خان قادیانی اور مرزا بشیر الدین محمود پر تیار کردہ جرح۔

۷۔ تحقیقاتی کمیشن نے مرزائیوں سے سات سوالات کئے جس کے مرزائیوں نے مغالطہ آمیز جوابات دیئے۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ نے مرزائی جوابات کا جواب الجواب تحریر فرمایا جو تحقیقاتی کمیشن میں جمع کرایا گیا۔

متفرقات

سنہ ۱۹۵۳ء کی تحریک مقدس ختم نبوت جس میں دس ہزار عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرزائی اور مرزائی نواز افسروں نے خاک و خون میں تڑپا دیا۔ ایک لاکھ مسلمان جس میں گرفتار ہوا۔ دس لاکھ مسلمان جس تحریک میں متاثر ہوا۔ مرزائی بدمعاشوں نے فوجی گاڑیوں اور فوجی وردی میں مسلمانوں کے خون ناحق سے لاہور میں جو ہولی کھیلی اس سے کائنات کا ذرہ ذرہ کانپ اٹھا۔ تحریک ختم نبوت کے تمام دشمن روح کے سرطان میں مبتلا ہو گئے۔ ایک ایک کر کے اپنے انجام بد کو پہنچ چکے ہیں ایک قاتل جنرل اعظم خان بدفطرت لاہور میں زندہ ہے جو در بدر کی خاک پھانکتا پھر رہا ہے۔ تحریک کے نتائج و عواقب محرکات و عوامل پر غور کرنے کے لئے حکومت نے ہائیکورٹ کے دو ججوں پر مشتمل ایک تحقیقاتی عدالت قائم کی۔ اس کے رکن مسٹر جسٹس محمد منیر اور مسٹر جسٹس ایم آر کیانی تھے۔ کمیشن کی ہیئت کے متعلق کمیشن کے رکن منیر کا بیان ہے کہ

۱۹ جون ۱۹۵۳ء کو گورنر پنجاب نے آرڈیننس ۳۔ ۱۹۵۳ء صادر کیا۔ جو جاری تجویز کردہ بعض ترمیمات کے بعد فسادات پنجاب (تحقیقات عامہ) ایکٹ ۱۹۵۴ء بن گیا۔ جس میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ فسادات کے متعلق تحقیقات عامہ کرنے کی غرض سے ایک عدالت قائم کی جائے۔ آرڈیننس کی دفعہ ۳ کی ذیلی دفعہ (۱) کے ماتحت جو اختیارات گورنر کو حاصل ہیں ان کو استعمال کرتے ہوئے گورنر صاحب نے ہمیں اس عدالت تحقیقات کا ممبر مقرر کر دیا۔ اور ہدایت فرمائی کہ ہم مندرجہ ذیل دائرہ شرائط کے اندر رہ کر فسادات کی تحقیقات کریں۔

۱۔ وہ کیا کوائف تھے جن کی وجہ سے ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں مارشل لاء کا اعلان کرنا پڑا۔

۲۔ فسادات کی ذمہ داری کس پر ہے اور

۳۔ صوبے کے سول حکام نے فسادات کے حفظ ماتقدم یا تدارک کے لئے جو تدابیر اختیار کیں۔ آیا وہ کافی تھیں یا ناکافی۔

ہم نے یکم جولائی ۱۹۵۳ء کو تحقیقات شروع کر دی اور کل ۱۱۷ اجلاس کئے۔ جن میں ۹۲ اجلاس شہادتوں کی سماعت اور اندراج کے لئے مخصوص رہے۔ شہادت ۲۳ جنوری ۱۹۵۴ء کو ختم ہوئی اور اس مقدمے پر بحث یکم فروری سے ۲۸ فروری ۱۹۵۴ء تک جاری رہی۔ پانچ ہفتوں میں ہم نے اپنے نتائج فکر مرتب کئے اور رپورٹ قلمبند کی۔

اس تحقیقات کا ریکارڈ تحریری بیانات کے ۳۶۰۰ صفحات اور شہادت کے ۲۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ تین سو انتالیس دستاویزیں ریکارڈ عدالت میں پیش کی گئی ہیں اور شہادت اور بحث کے دوران میں کثیر التعداد کتابوں، پمفلٹوں، رسالوں اور اخباروں کے حوالے دیے گئے۔ علاوہ بریں ہمیں کثیر التعداد چٹھیاں بھی وصول ہوئیں۔ جو کئی کئی صفحوں پر لکھی تھیں اور چند کی

ضخامت تو سو صفحے سے بھی زیادہ تھی۔ انکوائری رپورٹ ص ۲۔

رسوائے زمانہ منیر ایک بدفطرت، بدعمل، کمینہ اور بزدل انسان تھا۔ واضح شواہدات کی روشنی میں مبینہ طور کہا جاتا ہے کہ مرزائی رات کو نوجوان عورتوں سے اس کے بستر اور سینہ کو گرم کرنے کا سامان مہیا کرتے۔ اس کے سینہ کے پیوند کے ہر قطرہ سے بنت عنب رواں ہوتی تھی۔ زنا و شراب کا رسیا شخص رات کو معصیت میں وحشت رہتا مرزائیوں کی طرف سے تیار کردہ جرح اسے مہیا کی جاتی اور وہ صبح علماء سے بیہودہ اور بھونڈے طریقے سے مخاطب ہوتا۔ اس شخص نے رپورٹ مرتب کی جس کے ۳۲۵ صفحات ہیں۔ رپورٹ تضادات کا مجموعہ ہے۔ اسے مرزائیوں کے خلاف بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مرزائی اسے اپنے حق میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اس رپورٹ نے مغربی دنیا کو اسلام کے خلاف ایک ایسا ہتھیار مہیا کیا ہے جس سے وہ اسلام کی تصویر مسخ کر سکتے ہیں کیونکہ اس میں اس بدبخت نے لکھا ہے کہ علماء مسلمان کی تعریف نہیں کر سکتے لیکن آج اس بدفطرت کی روح سے کوئی پوچھے کہ سنہ ۷۳ کے آئین میں مسلمان کی تعریف شامل ہے۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد جب اسے شراب کباب سے فرصت ملی اس نے مرزائیوں کے خلاف تقسیم سے متعلق چند بیانات دیئے۔

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

۱۰ اپریل سنہ ۵۴ کو یہ رپورٹ حکومت پنجاب کے ہوم سیکرٹری کو پیش کی گئی انکوائری کمیشن میں کیا کچھ ہوا جسٹس منیر نے کیا کیا حیلے استعمال کر کے کس طرح تحریک اور اس کے راہنماؤں کے خلاف اپنے باطنی خبث کا اظہار کیا اس کی تفصیل افسوس کہ کہیں سے دستیاب نہ ہو سکی۔ بعض جگہ سے چیدہ چیدہ واقعات میسر آئے جنہیں ایک مربوط کہانی کے طور پر پیش کرنا ممکن نہیں ہے وہ واقعات یہ ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے قاضی احسان احمد شجاع آبادی صاحبؒ سے پوچھا کہ تحقیقاتی عدالت میں حضرت شاہ صاحب (سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ) نے مرزائیوں کے بارے میں کیا بیان دیا تھا۔ قاضی صاحب نے جواباً عرض کیا کہ جب چیف جسٹس مسٹر محمد منیر نے شاہ صاحبؒ سے پوچھا کہ کیا آپ مرزا غلام احمد کو کافر کہتے ہیں؟ تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب مجھ پر لدھا رام والا مقدمہ چلایا گیا تھا اور لدھا رام کے بیان پر مجھے بری کر دیا گیا تھا تو آخری پیشی پر سرکاری وکیل نے یہ سوال بھی اٹھایا تھا کہ یہ مرزا کو کافر کہہ کر منافرت پھیلاتے ہیں۔ اس پر انگریز چیف جسٹس مسٹر ینگ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا آپ مرزا غلام احمد کو کافر کہتے ہیں۔ تو میں نے کہا تھا۔ ہاں۔ میں نے ایک دفعہ نہیں کروڑوں دفعہ اسے کافر کہا ہے، اب بھی کہتا ہوں اور مرتے دم تک کہتا رہوں گا۔ یہ تو میرا دین و ایمان ہے۔ اس پر مسٹر

نیک نے سرکاری وکیل سے کہا تھا کہ لو ان سے اور سوال کرو۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ تشریف لے جائیں' آپ کا مرزا کو کافر کہنا کوئی جرم نہیں ہے یہ قصہ مسٹر محمد منیر کو سنا کر شاہ صاحبؒ نے کہا کہ عیسائی جج نے تو اس طرح کہا تھا اب معلوم نہیں مسلمان عدالت کیا کہتی ہے۔ یہ سن کر مسٹر منیر نے بھی آپ کو یہی کہا کہ آپ تشریف لے جائیں۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے بتایا کہ میرے متعلق تحقیقاتی رپورٹ میں ججوں نے یہ لکھ دیا ہے کہ اس شخص کی زندگی کا واحد مقصد مرزائیت کی تردید اور ان کی بیخ کنی کرنا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے متعلقین کو کہہ دیا ہے کہ جب میں مروں تو یہ الفاظ کاٹ کر میرے کفن میں رکھ دینا کیا عجب کہ یہی بات میری بخشش کا سبب بن جائے اور میرے متعلق خواجہ ناظم الدین نے بھی یہ بیان دیا تھا کہ انہوں نے مجھے مرزائیوں کے اندرونی حالات سنا کر چونکا دیا تھا۔ نیز قاضی صاحب نے حضرت کو بتایا کہ تحقیقاتی عدالت میں یہ بات بھی سامنے آئی تھی کہ مسلمان لوگ مرزائیوں کی تقریروں اور تحریروں سے اس لئے بھی مشتعل ہوتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کی مخصوص اصطلاحات کو استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً یہ لوگ مرزا صاحب کی بیوی کو سیدۃ النساء کہتے ہیں۔ اس پر مسٹر منیر نے مرزائی وکیل سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ سیدۃ النساء کا معنی ہے عورتوں کی سردار' اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ہمارے مرزا صاحب کی بیوی صاحبہ اپنے فرقہ کی عورتوں کی سردار تھیں۔ اس پر مسٹر منیر نے میری طرف دیکھا تو میں نے کھڑے ہو کر کہا جناب اگر چماروں کی کوئی پنچایت ہو اور ان کا سرپنچ کسی معاملہ کا فیصلہ کرے اور پھر ان چماروں میں سے کوئی آدمی سرپنچ کی جگہ چیف جسٹس کا لفظ بولے اور یوں کہے کہ ہمارے چیف جسٹس نے یوں فیصلہ دیا ہے تو کیا اس طرح کہنا جائز ہوگا۔ مسٹر منیر نے کہا: NEVER یعنی ہرگز نہیں۔ قانوناً اس طرح کہنا جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ لفظ عدالت عالیہ کے ججوں کے لئے مخصوص ہے اس پر میں نے کہا کہ یہ لوگ ہم مسلمانوں کی اصطلاح میں استعمال کرتے ہیں اور مرزا صاحب کی بیوی کو سیدۃ النساء کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ لفظ کسی نبی کی بیوی کے لئے نہیں بولا گیا۔ خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لئے نہیں بولا گیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیٹیوں کے لئے بھی نہیں بولا گیا' یہ لفظ صرف حضورؐ کی چوتھی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لئے مخصوص ہے۔ جس کو اب یہ لوگ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کا دل دکھاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اخبار "الفضل" نکال کر دکھایا جس میں مرزا صاحب کی بیوی کے انتقال کے موقع پر پہلے صفحہ پر جلی حروف میں یہ سرخی دی گئی تھی "سیدۃ النساء کا انتقال" اس پر ججوں نے کہا تھا کہ اس پر مسلمانوں کا مشتعل ہونا حق بجانب ہے۔

قاضی صاحب نے مزید بتایا کہ ججوں نے مجھ سے یہ سوال بھی کیا تھا کہ تم نے کس یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی ہے۔ میں نے کہا تھا۔ میں جیل یونیورسٹی کا پڑھا ہوا ہوں۔ اس کے بعد جیل کے زمانہ کا واقعہ سنایا کہ مجھے اور مولانا محمد علیؒ اور مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب کو الگ الگ کوٹھڑیوں میں قید کیا گیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد میرے پاس سپرنٹنڈنٹ جیل کا لڑکا آیا کہ مجھے ادیب فاضل کے امتحان کی تیاری کرا دو۔ چونکہ میں قید تنہائی سے تنگ آ چکا تھا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے چنانچہ پندرہ روز اسے پڑھایا دو ہفتے کے بعد سپرنٹنڈنٹ جیل کہنے لگا کہ لڑکا کہتا ہے کہ قاضی صاحب نے دو ہفتے میں اتنا کچھ پڑھا دیا ہے جتنا پچھلے تین چار ماہ میں نہیں پڑھ سکا تھا۔ اس پر میں نے سپرنٹنڈنٹ جیل کی توجہ اپنے کارڈ کی طرف منعطف کرائی جس میں میری تعلیم کے خانہ میں (Nil) لکھا ہوا تھا۔ پھر میں نے سپرنٹنڈنٹ مذکور سے' جو کہ بی اے' ایل ایل بی تھا' پوچھا کہ ذرا مجھے یہ تو بتایئے کہ "دیباچہ" کا کیا معنی ہوتا ہے۔ اس نے کہا یہی جو کتابوں کے پہلے لکھا ہوتا ہے۔ میں نے کہا جی نہیں' تعریف نہیں پوچھتا' معنی پوچھتا ہوں سر کھجلا کر کہنے لگا۔ معنی تو میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا۔ دیباچہ کا معنی ہے چہرہ' کیوں کہ انسان کا چہرہ انسان کے سب ظاہری و باطنی حالات کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی طرح کتاب کا دیباچہ یہ بتاتا ہے کہ اس کتاب میں کتنے ابواب ہیں' کتنی فصول ہیں کتاب کا موضوع اور لکھنے کی غرض و غایت کیا ہے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں مولانا خواجہ خان محمد تحریر کرتے ہیں کہ تحریک کے ضمن میں انکوائری کمیشن نے رپورٹ مرتب کرنا شروع کی۔ عدالتی کارروائی میں حصہ لینے کی غرض سے علماء و وکلاء کی تیاری مرزائیت کی کتب کے اصل حوالہ جات کو مرتب کرنا انتہا کٹھن مرحلہ تھا اور ادھر حکومت نے اتنا خوف و ہراس پھیلا رکھا تھا کہ تحریک کے راہنماؤں کو لاہور میں کوئی آدمی رہائش تک دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ جناب حکیم عبدالمجید سیفی نقشبندی مجددی' خلیفہ مجاز خانقاہ سراجیہ نے اپنی عمارت ۔ بیرون روڈ لاہور کو تحریک کے راہنماؤں کے لئے وقف کر دیا۔ تاحتمی مصلحتوں سے بالائے طاق ہو کر ختم نبوت کے عظیم مقصد کے لئے ان کے ایثار کا نتیجہ تھا کہ مولانا محمد حیات' مولانا عبدالرحیم اشعر اور رہائی کے بعد مولانا محمد علی جالندھریؒ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور دوسرے راہنماؤں نے آپ کے مکان پر انکوائری کے دوران قیام کیا اور مکمل تیاری کی۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے فرمایا کہ :

مسٹر جسٹس منیر نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ایک دن حضرت امیر شریعتؒ سے عدالت کے کٹہرے میں پوچھا کہ سنا ہے آپ کہتے ہیں کہ اگر مرزا قادیانی میرے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کرتا تو میں اسے قتل کر دیتا۔

شاہ جی نے برجستہ فرمایا کہ " اب کوئی کر کے دیکھ لے " اس پر عدالت میں سامعین نے نعرہ تکبیر لگایا۔ اللہ اکبر کی صدا سے ہائی کورٹ کے در و دیوار گونج اٹھے۔

جسٹس منیر سر ہلاتے ہوئے بولا کہ " توہین عدالت " شاہ جیؒ نے زناٹے دار آواز میں فرمایا کہ " توہین رسالت " ؟ اس پر پھر عدالت میں تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد کی صدا بلند ہوئی۔ جج نے سر جھکا لیا۔ باطل ہار گیا حق جیت گیا۔

---○---

مسٹر جسٹس منیر کی عادت تھی کہ وہ عدالت میں علماء کرام سے مختلف سوالات کر کے پھر ان میں اختلاف ثابت کرنے کی کوشش کرتا۔ اس نے امیر شریعت سے پوچھا کہ نبی کے لئے کیا شرائط ہیں۔ شاہ جی نے فی البدیہہ فرمایا " یہ کہ کم از کم شریف انسان ہو۔ " اس پر مرزائیوں کے منہ لٹک گئے اور مسلمان سرخرو ہو گئے۔

---○---

جسٹس منیر نے شیعہ راہنما سید مظفر علی شمسی سے ۵۳ کی عدالت میں پوچھا کہ اگر اس ملک میں صدیق اکبرؓ کا نظام حکومت قائم ہو جائے تو تمہاری کیا پوزیشن ہو گی۔ عدالت کا مقصد تھا کہ ان کے جواب سے شیعہ ' سنی اختلاف کو ہوا دی جا سکے گی۔ مانیں گے تو شیعہ ناراض نہ مانیں گے تو سنی ناراض اور یہی عدالت کا منشا تھا۔ شمسی صاحب فرماتے ہیں کہ میں گھبرا گیا۔ میں نے عدالت کو ٹالنا چاہا۔ عدالت کا اصرار بڑھا۔ تو پیچھے حضرت امیر شریعت بیٹھے تھے۔ اٹھے میری طرف تشریف لائے۔ میرے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ تھپکی دی اور فرمایا کہ شمسی بیٹا گھبراتے کیوں ہو آج کے دن کے لئے ہی تو میں نے تمہیں تیار کیا تھا۔ شمسی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ جی کے یہ فرماتے ہی میرے بدن میں بجلی کی سی لہر دوڑ گئی۔ میں نے منیر کی آنکھوں میں آنکھوں ملا کر کہا کہ پھر سوال کریں۔ اس نے کہا کہ اس ملک میں اگر صدیق اکبرؓ کا نظام حکومت قائم ہو جائے تو تمہاری کیا پوزیشن ہو گی۔ میں نے کہا کہ میری وہی پوزیشن ہو گی جو صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں علی المرتضیٰؓ کی تھی۔ عدالت کا منہ لٹک گیا۔ مرزائیوں کے چہروں پر سیاہی کی پالش پھر گئی اور میں سرخرو ہو گیا عدالت میں نعرہ بلند ہوا اور میرا سر۔

---○---

مسٹر جسٹس منیر نے اپنی انکوائری رپورٹ میں مولانا محمد علیؒ کے متعلق لکھا:

"اور محمد علی جالندھری" نے 'جو مجلس احرار کے ممتاز ممبر تھے' اپنے آپ کو اس تحریک (ختم نبوت) کا دائمی مبلغ بنا دیا۔ گویا احمدیوں (مرزائیوں) کی مخالفت ہی ان کی زندگی کا واحد مقصد تھا۔"

۱۹۵۳ء کی تحریک نبوت سے رہائی کے بعد حضرت مولانا محمد علی جالندھری" اپنے گاؤں بازہ واقع صادق آباد تشریف لائے۔ بازہ صادق آباد سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے ایک دن لاہور سے مولانا عبدالرحیم اشعر کا گاؤں میں شام کے قریب تار آیا نہر کے بنگلہ پر آدمی بھیجا مگر اسے پڑھنے والا کوئی نہ ملا۔ پورے گاؤں میں انگریزی جاننے والا کوئی نہ تھا۔ بالآخر ہندوستان کے بارڈر پر واقع پاکستان کی ہیڈ چوکی کے انچارج سے جا کر ساتھی پڑھوا لائے تو اس میں تھا کہ ۹ تاریخ (مہینہ یاد نہیں رہا) کو سر ظفر اللہ خاں منیر انکوائری میں پیش ہو گا۔ اس کی گواہی کے وقت مولانا" کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ تنقیحات و تدریج و کلام آپ کی نگرانی میں تیار ہوئی تھی۔ چنانچہ اس وقت گھوڑی پر صادق آباد کے لئے اکیلے روانہ ہوئے لیکن وقت اتنا ہو چکا تھا کہ بڑا تیز رفتاری کے باوجود گھوڑی پر پہنچنا مشکل تھا۔ گاڑی بھی وقت پر آئی' مولانا" بھی سوار ہو گئے۔ یہ کیسے ہوا' آج تک سمجھ میں نہیں آیا۔

صادق آباد اسٹیشن کے قریب ایک دوست کے ڈیرہ پر گھوڑی باندھ دی خود ٹرین پر سوار ہو گئے۔ ہم لوگ صبح جا کر لے آئے۔

مرد غازی مولانا عبدالستار خان نیازی

انکوائری کمیشن کے علاوہ فوجی عدالتیں بھی لگیں ان کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مولانا عبدالستار خان نیازی نے سزائے موت کا فیصلہ سن کر کہا: بس۔۔۔! اس سے بھی بڑی سزا ہے تو دے لیجئے میں ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں اپنی اسیری کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: جب تحریک ختم نبوت کے مقدمہ کے بعد میری رہائی ہوئی تو پولیس والوں نے میری عمر پوچھی۔ اس پر میں نے کہا تھا۔ " میری عمر وہ سات دن اور آٹھ راتیں ہیں جو میں نے ناموس رسالت صلی اللہ

علیہ وسلم کے تحفظ کی خاطر پھانسی کی کوٹھڑی میں گزاری ہیں کیونکہ یہی میری زندگی ہے اور باقی شرمندگی۔ مجھے اپنی زندگی پر ناز ہے۔"

---------------O---------------

گرفتاری اور پھانسی کی سزا

آپ کا پروگرام تھا کہ قصور سے بس کے ذریعے اسمبلی گیٹ تک پہنچ جائیں اور اسمبلی میں تقریر کر کے ممبران اسمبلی کو تحریک کے بارے میں مکمل تفصیلات سے آگاہ کر دیں لیکن قصور میں آپ جن لوگوں کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے غداری کرتے ہوئے ملٹری کو بتا دیا۔ آپ صبح کی نماز کی تیاری کر رہے تھے کہ اپنے ایک کارکن مولوی محمد بشیر مجاہد کے ہمراہ گرفتار کر لئے گئے۔

قصور سے گرفتار کر کے آپ کو لاہور شاہی قلعہ لایا گیا' یہاں سے بیانات لینے کے بعد ۱۴ اپریل کو آپ جیل منتقل کر دیئے گئے اور آپ کو چارج شیٹ دے دی گئی۔ ملٹری کورٹ میں کیس چلا جو ۱۷ اپریل کو شروع ہوا اور مئی تک چلتا رہا۔

۷ مئی کی صبح کو سپیشل ملٹری کورٹ کا ایک آفیسر اور ایک کیپٹن آپ کو بلا کر ایک کمرے میں لے گئے جہاں قتل کے ۹ (نو) اور ملزم بھی تھے مگر ڈی۔ ایس پی فردوس شاہ کے قتل کا کیس ثابت نہ ہو سکا اور آپ کو بری کر دیا گیا۔

دوسرا کیس بغاوت کا تھا جس میں آپ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا جو اس طرح تھا۔

.You will be hanged by neck Till you are Dead.

"تمہاری گردن پھانسی کے پھندے میں اس وقت تک لٹکائی جائے گی جب تک تمہاری موت نہ واقع ہو جائے" آرڈر سناتے ہوئے افسر نے کہا

افسر: "PLEASE SIGN IT"

"اس پر دستخط کیجئے"

علامہ نیازی: "I WILL SIGN IT WHEN I KISS THE ROB"

"میں جب پھانسی کے پھندے کو بوسہ دوں گا اس وقت اس پر دستخط کروں گا۔"

افسر: You will havesign it.

علامہ نیازی: "I AM ALREADY TOLD YOU THAT I WILL SIGN IT WHEN I KISS THE ROB"

میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ جس وقت پھانسی کے پھندے کو بوسہ دوں گا اس وقت

دستخط کروں گا۔ میں جیل میں ہوں اور آپ کے پنجوں میں ہوں' مجھے لے جاؤ اور پھانسی دے دو۔"

افسر: "MR NIAZI! OUR OFFICERS WILL ENQUIRE

FROM US WHETHER YOU WERE SERVE WITH THE NOTICE IN DEATH WARRANT."

"مسٹر نیازی! ہمارے آفیسر ہم سے پوچھیں گے کہ تم نے نوٹس دے دیا ہے یا نہیں تو میں کیا جواب دوں گا۔"

مولانا نیازی: "IF YOU SO FEAR FROM YOUR OFFICERS:

WELL I SIGN IT FOR YOU"

"اگر آپ کو اپنے افسران ہی کا خوف ہے تو آپ کی خاطر اس پر دستخط کیے دیتا ہوں۔"

چنانچہ آپ نے بڑے اطمینان سے اس پر دستخط کر دیئے۔ افسر نے آپ کی ہمت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ تم میری ہمت (MORAL) کے بارے میں پوچھتے ہو' تو وہ تو آسمانوں سے بھی بلند ہے' تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

افسر کے جانے کے بعد جب آپ کمرے میں اکیلے رہ گئے تو تائید ایزدی سے آپ کو سورہ ملک کی یہ آیت یاد آگئی۔ "خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔" آپ نے اس آیت سے یہ تاثر لیا کہ موت و حیات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ لوگ میری زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں کر سکتے۔ اگر اس مقصد کے لئے جان بھی جائے تو اس سے بڑی زندگی کیا ہو سکتی ہے۔

ایک لمحہ کے لئے آپ پر خوف کا حملہ ہوا لیکن فوراً زبان پر یہ شعر آگیا۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

آپ وجد کی حالت میں یہ شعر بار بار پڑھتے اور جھومتے۔ اسی عالم میں آپ کمرے سے باہر آ گئے تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل مرزا محمد حیات نے یہ خیال کیا کہ ملٹری کورٹ نے آپ کو بری کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا۔ نیازی صاحب! مبارک ہو' آپ بری ہو گئے!"

آپ نے فرمایا! "میں اس سے بھی آگے نکل گیا ہوں۔"

اس نے کہا "کیا مطلب؟"

آپ نے فرمایا: "اب انشاء اللہ! حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں اور

عاشقوں کی فہرست میں میرا نام بھی شامل ہو گا۔" وہ پھر بھی نہ سمجھا تو آپ نے فرمایا "میں کامیاب ہو گیا۔"

آپ کی سزائے موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ ادھر جیل میں قیدی تک آپ کو دیکھ کر روتے تھے۔ جب آپ کو پھانسی کی کوٹھڑی میں لے کر جایا گیا تو آپ نے لوگوں کو اطمینان دلایا اور فرمایا کہ کتنے عاشقانِ رسولؐ جام شہادت نوش کر رہے ہیں، اگر میں بھی اس نیک مقصد کے لئے جان دے دوں تو میری یہ خوش قسمتی ہو گی۔

حضرت مولانا نیازی سات دن اور آٹھ راتیں پھانسی کی کوٹھڑی میں رہے اور ۱۳ مئی کو آپ کی سزائے موت عمر قید میں تبدیل کر دی گئی اور پھر مئی ۱۹۵۵ء کو آپ کو باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔

---○---

۱۹۵۳ء کی تحریک نبوت میں میانوالی سے قافلے گرفتاری کے لئے لاہور جاتے تھے۔ ایک قافلہ میں میاں فضل احمد موچی بھی جا کر گرفتار ہو گیا۔ ان کی گرفتاری مارشل لاء کے تحت عمل میں آئی۔ مارشل لاء عدالت نے ان کے بڑھاپے کو دیکھ کر دیگر ساتھیوں کی نسبت کم سزا دی۔ اس پر وہ بگڑ گئے۔ عدالت سے احتجاج کیا کہ میرے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اس سے عدالت نے سمجھا کہ شاید یہ سزا کم کرانا چاہتا ہے۔ عدالت نے جب پوچھا تو کہا کہ مجھ سے کم عمر کے لوگوں کو دس سال کی سزا دی ہے تو اس نسبت سے مجھے بیس سال سزا ملنی چاہئے۔ آپ نے مجھے کم سزا دی، میرے ساتھ انصاف کیا جائے اور میری سزا میں اضافہ کیا جائے۔ یہ سن کر مارشل لاء عدالت کانپ اٹھی۔ اس بوڑھے جرنیل کی ایمانی غیرت پر جج انگشت بدنداں اٹھ کر عدالت سے ملحق کمرہ میں چلا گیا۔ انہوں نے عدالت میں کپڑا بچھا کر اپنی گرفتاری و سزا اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے اپنی قربانی کی بارگاہ خداوندی میں قبولیت کے لئے نوافل پڑھنے شروع کر دیئے۔

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یا رب رہنے والے ہیں

---○---

چوہدری نذیر احمد صاحب ننکانہ صاحب میں کراکری کا کاروبار کرتے ہیں ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کا واقعہ انہی کی زبانی سنئے اور اپنے ایمان کو تر و تازہ کیجئے۔

"میری شادی کے چند ماہ بعد تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء شروع ہوئی میں تحریک میں بھرپور حصہ لینے کے لئے ننکانہ صاحب سے لاہور "مسجد وزیر خان" چلا گیا۔ یہاں روزانہ جلسہ ہوتا اور

جلوس نکلتے۔ ایک دن جنرل سرفراز' جو غالباً اس وقت لاہور کا کور کمانڈر تھا کے کہنے پر مسجد کی بجلی اور پانی کا کنکشن کاٹ دیا گیا۔ اس پر مسجد میں ایک احتجاجی جلسہ ہوا' پھر جلوس نکلا۔ میں اس جلوس میں شامل تھا۔ فوج نے ہمیں گرفتار کر لیا چند احباب کے ہمراہ سرسری سماعت کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ میرا نمبر آخر میں تھا۔ میری باری پر میجر صاحب نے کہا کہ معافی مانگ لو کہ آئندہ تحریک میں حصہ نہیں لو گے تو ابھی بری کر دوں گا۔ میں نے مسکراتے ہوئے میجر صاحب کو کہا کہ آپ کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا مسئلہ ہو اور ایک امتی کی شفاعت کا ذریعہ ہو اور پھر وہ معافی مانگ لے میں نے مسکراتے ہوئے میجر صاحب کو جواب دیا کہ شاید آپ کو اس مسئلہ کی اہمیت کا علم نہیں' آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ اس مسئلہ میں معافی کیا ہوتی ہے؟ اس پر میجر صاحب نے غصہ کی حالت میں میرے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور ایک ماہ قید بامشقت ۵۰۰ روپے جرمانہ کا حکم دیا۔ جسے میں نے بخوشی قبول کر لیا۔ میرے نامہ اعمال میں میری بخشش کے لئے یہی ایک نیکی کافی ہے۔

------------- ○ -------------

انکوائری کمیشن میں جن لوگوں

نے شب و روز امت محمدیہ کی طرف سے وکالت کی ان میں مولانا عبدالرحیم اشعر بھی ہیں آپ فرماتے ہیں کہ

۸ جولائی کو مجھے میرے گھر واقع عقیدت پور نزد جلال پور پیر والا میں خط ملا جو مولانا محمد علی جالندھری نے لاہور جیل سے تحریر کیا تھا کہ تم ملتان سے دفتری کتابیں اور اگر وہ نہ ملیں تو لعل آباد سے اپنی مرزائیت کی کتابوں کا سیٹ لیکر لاہور پہنچو۔ ملتان آیا تو کتابیں نہ مل سکیں۔ لعل آباد گیا تو کا عالم تھا تمام رفقاء پس دیوار زنداں تھے۔ حافظ عبدالرحمن کبیر پور والے ملے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ تمہارے وارنٹ ہیں۔ مخبری ہو گئی تو دھر لئے جاؤ گے میں تمہاری کتابیں لیکر لاہور آجاؤں گا آپ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں میں لاہور چلا گیا۔ سید رحمت اللہ شاہ اپنے گھر سندیلیانوالہ سے کتابیں لائے حافظ عبدالرحمن صاحب وہ لیکر لاہور پہنچ گئے۔ اب کتابیں ہمارے پاس' ہمیں کوئی ٹھہرانے کے لئے تیار نہ تھا۔ لاہور میں دولتانہ حکومت اور بعد میں فوج کے قیامت خیز مظالم کے سامنے کسی کی نہ چلتی تھی۔ ہم لوگ حیران و پریشان کہ مسافر غریب الدیار لوگوں کو سہارا دینے والا کوئی نہ تھا۔ تحریک کے صف اول کے تمام راہنما لاہور جیل میں تھے۔ دو دن مولانا مظہر علی کے گھر قیام کیا ایک دن حکیم عبدالمجید سیفی مرحوم تشریف لائے۔ فرمایا میں تمہیں تلاش کرتے کرتے ہار گیا۔ تم میرے مہمان ہو چلو کتابیں الحفاظ گاڑی میں رکھو اور میرے ساتھ چلو۔ ہوا یہ کہ حضرت مولانا محمد عبداللہ سجادہ نشین خانقاہ

مرزائیہ نے اپنے مرید حکیم عبدالمجید صاحب سیفی کو حکم فرمایا کہ ختم نبوت کی طرف سے انکوائری میں کام کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں یہ لوگ دربدر پھر رہے ہیں ان کو تلاش کرو اور اپنے گھر میں معزز مہمانوں کی طرح رکھو۔ کچھ عرصہ بعد خود مولانا محمد عبداللہ صاحب بھی لاہور تشریف لائے حکیم صاحب کے مکان پر قیام فرمایا۔ آپ کے ایک اور مرید مولانا حافظ کریم بخش صاحب پروفیسر تھے۔ ان کا کتب خانہ ہمیں حوالہ جات کے لئے مل گیا۔

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی تشریف لائے۔ اس طرح ایک ٹیم بن گئی جو انکوائری میں حصہ لینے لگی۔ مولانا مظہر علی اظہر اور مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش یہ دونوں مجلس عمل کے وکیل تھے۔

---○---

ایک دفعہ مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش سے عدالت نے سوال کیا کہ آپ ان کی کیوں وکالت کر رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں تو مجلس عمل کا وکیل ہوں جس میں تو دینی جماعتیں شامل ہیں۔ نیز یہ کہ مجھے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے سیاسی اختلاف ہے۔ مگر مرزائیت کے احتساب کے لئے میں ان کا پوری قوم پر احسان سمجھتا ہوں اگر شاہ صاحبؒ مرزائیت کا احتساب نہ کرتے تو آج پورا ملک مرزائیت کے دام تزویر میں ہوتا یہ سن کر منیر کا منہ لٹک گیا۔

---○---

ایک دفعہ مجھے (راشد) مولانا مظہر علی اظہر نے کاغذ لینے کے لئے بھیجا میں باہر نکلا تو عدالت کے عقبی دروازہ پر کھڑی عمدہ شیورلائٹ کار میں ایک خوبرو نوجوان فیشن ایبل لڑکی آکر بیٹھ گئی۔ اتنے میں ۱ بجے کا وقفہ ہوا اور منیر صاحب آئے وہ بھی اس کار میں بیٹھ کر ہوا ہو گئے مولانا عبدالرحیم صاحب کہتے ہیں کہ میں نے عدالت کے اردلی سے کہا کہ یہ لڑکی منیر صاحب کی بچی ہیں وہ ہماری سادگی پر سرپیٹ کر رہ گیا اس نے کہا کہ مولوی صاحب تمہارا فریق مخالف ہر روز نئی نویلی خوبصورت لڑکی کا انتظام کر کے منیر صاحب کے جذبہ کی حرارت اور نفس کی شرارت کو برقرار رکھنے کا انتظام کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میرے پاؤں سے زمین نکل گئی سر چکرانے لگا کہ یا اللہ۔ الامان الحفیظ۔

---○---

مولانا فرماتے ہیں کہ انکوائری کے دوران صف اول کے راہنما جیل میں تھے۔ ہم لوگ باہر وکیلوں کی تیاری پر مامور تھے کتابوں کا ایک سیٹ تھا جیل بھجواتے تو ہم خالی ہاتھ اور اگر

ہمارے پاس ہوں تو وہ خالی ہاتھ۔ اس لئے یہ انتظام کیا کہ مولانا لال حسین اختر کی زوجہ محترمہ نے کراچی کا سفر کیا۔ کراچی دفتر کے ہمسائے سید ادریس شاہ صاحب کے گھر میں وہ کتابیں تھیں وہ لیکر لاہور تشریف لائیں۔ اب کتابوں کو جیل بھجوانے کا مرحلہ تھا وہ یوں حل ہوا کہ شیخ حسام الدین کی ٹانگ میں درد ہوا وہ کار میں بیٹھ کر ہسپتال معائنہ کے لئے تشریف لائے ڈگی میں کتابیں رکھیں اور جیل تشریف لے گئے۔

---------------○---------------

خواجہ ناظم الدین ' حمید نظامی اور ظفر اللہ قادیانی کا بیان بند کمرہ عدالت میں لیا گیا۔ نظامی صاحب نے عدالت میں کہا کہ پنجاب حکومت نے اخبارات کو اشتہارات کی مد میں لاکھوں کی رقم دی اور انہوں نے مرزائیوں کے خلاف تحریک کو پروان چڑھایا۔ حالانکہ مجلس عمل کی ترجمانی روز نامہ آزاد کر رہا تھا اور اسے اشتہارات کی مد میں حکومت نے کوئی رقم نہ دی تھی۔ یہ ان کا محض عذر لنگ تھا۔ مجلس عمل کے وکیل مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش نے روزنامہ نوائے وقت کا ایک اداریہ پیش کر دیا جس میں درج تھا کہ گاہے بگاہے مرزائیت کے خلاف تحریک اس لئے اٹھتی ہے۔ کہ مرزائیوں کے عقائد گمراہ کن اور اشتعال انگیز ہیں۔ انہیں کے باعث تحریک اٹھتی ہے۔ آپ کا عدالت کا بیان اور اداریہ کا بیان دونوں میں فرق ہے کونسا صحیح ہے۔ تو اس پر وہ اپنا سا منہ لیکر رہ گئے۔

---------------○---------------

مولانا مظہر علی اظہر سے عدالت نے پوچھا کہ آپ نے قائداعظم کو کافر کہا تھا۔ انہوں نے اپنی تقریر شیخوپورہ کی پیش کی کہ میں نے لیگیوں سے کہا تھا کہ آپ ہمارے راہنماؤں پر الزام تراشی بند کریں۔ ورنہ میں مسٹر جناح کے سول میرج کی کہانی ساتھ لاؤں گا وہ لیگ کے لیڈر تھے میں احرار کا تو یہ الیکشنی بیانات ہیں۔ قائداعظم نے کہا کہ میرے معاملات میں خامی نکالیں آپ میرے ذاتی معاملات میں نقص نہ نکالیں تو بات ختم ہو گئی۔ اس پر منیر نے کہا کہ اب ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری معلومات کے مطابق انہوں نے سول میرج کے وقت جو بیان دیا تھا وہ واپس نہیں لیا۔ اس لئے میرا موقف ابھی بھی وہی ہے۔ اس پر عدالت نے کہا کہ ایسے بیانات پر لوگ قتل ہو جاتے ہیں۔ مولانا مظہر علی اظہر نے کہا کہ ایسے ہوا تو میں سمجھوں گا کہ مسٹر منیر میرے قتل پر لوگوں کو اکسا رہے ہیں اس پر عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ اور منیر کا منہ لٹک گیا دوسرے دن فاطمہ جناح کا عدالت کے نام تار آیا کہ آپ اس قسم کے مباحث اٹھا کر میرے بھائی بانی پاکستان کو رسوا کر رہے ہیں۔ یہ قدرت کی طرف سے منیر کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ تھا۔

اب مرزائی لابی نے مولانا مظہر علی اظہر کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ فیصل آباد سے میاں محمد عالم بٹالوی احراری مولانا کے باڈی گارڈ بنا دیئے گئے وہ بلا کے ذہین اور بہادر انسان تھے انہوں نے افواہ پھیلا دی کہ اگر مولانا مظہر علی کو کچھ ہوا تو منیر، بشیر الدین اور ظفر اللہ کی خیر نہیں۔ اس کی خبر منیر کو پہنچی دوسرے دن عدالت میں منیر نے کہا مسٹر مظہر علی میں کیا سن رہا ہوں۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کر دی۔ اب مولانا صاحب کے تعاقب سے مرزائی تھرا اٹھے اور معاملہ ختم ہو گیا۔

۱۹۵۳ء میں لاہور کے خونی مارشل لاء کے زمانہ میں عیسائی کمشن بلدیہ لاہور کا انچارج تھا۔ منیر نے اپنی رپورٹ کے ص ۱۵۸ پر تسلیم کیا ہے کہ "ایک پراسرار جیپ پر فوجی وردی میں ملبوس لوگوں نے اندھا دھند گولیوں کی بوچھاڑ کر دی تھی" اس پر مرزائی سوار تھے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اخبار بے باک سہارن پور کی رپورٹ کے مطابق شہداء کو بلدیہ کے ٹرکوں پر لاد کر کچھ کو راوی کے کنارے پٹرول ڈال کر نذر آتش کیا گیا اور کچھ کو چھوٹی کی اونچی کناروں والی شہر کے اونچے کناروں میں دفن کر دیا گیا۔ فیا حسرتا۔

فقیر راقم الحروف جس وقت یہ کارروائی لکھ رہا ہے سینٹ میں مسلم لیگی سینیٹر راجہ ظفر الحق کا بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ سب سے پہلے جمہوریت کی رگ منیر نے کاٹی تھی وہ جمہوریت کا قاتل تھا اور یہ کہ اس کا بھی انجام عبرت ناک ہوا۔ الغرض منیر نے لیگی حکومت اور مرزائیت کے لئے دنیا و آخرت کی روسیاہی قبول کی۔ مرنے کے بعد بھی اس کا نام آتے ہی اس پر اظہار نفرت شروع ہو جاتا ہے۔

بیان مجلس عمل

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے حالات و واقعات کے جائزہ کے لئے جو کمیشن قائم ہوا اس میں مجلس عمل کی طرف سے ذیل کا بیان داخل کرایا گیا۔ یہ بیان حضرت امیر شریعتؒ اور مولانا ابو الحسناتؒ کی سربراہی میں تیار ہوا۔ مرزائیت کے حوالہ جات مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ نے فراہم کئے۔ مذہبی مباحث مولانا محمد علی جالندھریؒ کے تیار کردہ ہیں۔ سیاسی حصہ خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی ماسٹر تاج الدین انصاری کا مرتب کردہ ہے۔ مولانا مظہر علی اظہر ایڈووکیٹ اور مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش ایڈووکیٹ کے ذریعے کا

اگست ۱۹۵۳ء کو عدالت میں تحریری بیان داخل کر دیا گیا۔ خوش قسمتی سے اس کی نقل مولانا تاج محمود مرحوم کی لائبریری سے میسر آگئی۔ اس لحاظ سے اس کتاب کو یہ شرف حاصل ہے کہ پہلی بار یہ بیان منظر عام پر آ رہا ہے۔ بیان کے آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی شاید کچھ حصہ باقی ہو۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنقیح نمبر ۱

تحریک تحفظ عقیدہ ختم نبوت کے سلسلہ میں اوائل مارچ ۱۹۵۳ء میں جو ہنگامے اور فسادات لاہور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں نمودار ہوئے ان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

جناب والا

آل مسلم پارٹیز کنونشن منعقدہ ۱۳ جولائی ۱۹۵۳ء کی مجلس عمل برائے تحفظ عقیدہ ختم نبوت ان ہنگاموں اور فسادات کی ذمہ داری جو اوائل مارچ میں لاہور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں نمودار ہوئے حسب ذیل عناصر اور کوائف پر عائد کرتی ہے۔

(۱) احمدیت کی تحریک اور احمدیوں کا اشتعال انگیز طرز عمل۔

(۲) احمدیت اور احمدیوں کے ساتھ حکومت پاکستان اور حکومت پنجاب کا ترجیحی سلوک۔

(۳) متذکرہ صدر وجوہ کی بنا پر پیدا ہونے والے اضطراب عمومی سے عہدہ برآ ہونے اور اس کے متعلقہ مسائل کو حل کرنے میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی ناکامی اور عامۃ المسلمین کی شکایات کی طرف سے حکومت کی لاپرواہی۔

(۴) مسلمانوں کے پر امن مظاہروں اور ان کی آئینی سرگرمیوں کو دبانے کے لئے حکومت کے تشدد دانہ اقدامات اور بعض سرکاری افسروں اور ملازموں کی اشتعال انگیز حرکات۔

(۵) احمدیوں کی منظم ٹولیوں اور ان کے افراد کی تشدد دانہ حرکات جو انہوں نے بدامنی کی فضا پیدا کر کے تحریک تحفظ ختم نبوت کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کو حکومت کے زیر عتاب لانے کے لئے کیں۔

(۶) معاشرے کے ایسے سوشل عناصر جنہوں نے اپنے اغراض کے ماتحت بدامنی کی فضا پیدا کی۔

تصریحات

تنقیح نمبر ا کے سلسلہ میں جو نقاط (پوائنٹس) اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی ضروری تصریحات حسب ذیل ہیں:۔

نقطہ اول

احمدیت کی تحریک اور احمدیوں کا اشتعال انگیز طرز عمل

ان حالات کو سمجھنے کے لئے جو مارچ ۱۹۵۳ء کے ہنگاموں اور فسادات پر منتج ہوئے احمدیت کی تحریک اور اس کے موٹے موٹے خدوخال کا جان لینا ضروری ہے۔ کیونکہ بنائے فساد دراصل یہی تحریک ہے۔ احمدیت کی تحریک بظاہر ایک مذہبی تحریک ہے۔ جس نے آج سے ساٹھ ستر سال پہلے پنجاب کی سرزمین پر جنم لیا۔

مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت اور منکرین کی تکفیر

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اس تحریک کے بانی ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنی تحریک کو اس دعویٰ پر مبنی کیا۔ کہ میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں۔ اور مجھ پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے اور وہ ایسی ہی پاک وحی ہے۔ جیسی دوسرے نبیوں پر نازل ہوتی رہی اور یہ وحی قرآن مجید کی طرح خدا کا کلام اور خطاؤں سے پاک اور منزہ ہے اور جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پر یقین تھا۔ اسی طرح مجھے اپنی وحی پر یقین ہے اور جو شخص اس وحی کو جھٹلاتا ہے۔ وہ لعنتی ہے (نزول المسیح صفحہ ۹۹)۔

اور ۱۶ جون ۱۸۹۹ میں اپنا الہام شائع کیا کہ ------- جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا وہ خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد نہم صفحہ ۲۷)۔

مرزا صاحب نے اپنے اس دعویٰ کے ماننے والوں کی ایک جماعت تیار کرلی۔ جس نے دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ بالعموم اور مسلمانوں کے ساتھ بالخصوص مذہبی بحث و جدل کا بازار گرم کرلیا اور انتہائی اشتعال انگیز منافرت آمیز اور دل آزار تحریروں کا طوفان بپا کردیا۔

مسلمانوں کا عقیدہ ختم نبوت اور اس پر اجماع امت

اس کے برعکس امت محمدیہ کا ایمان اس اساس اور بنیاد پر مبنی ہے کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں اور ان پر سلسلہ وحی اور نبوت ختم ہو چکا ہے اور قرآن مجید اللہ کی آخری وحی اور اس کا آخری کلام ہے۔ دین اسلام جس کی تعلیم پہلے انبیاء کرام کی وساطت سے نوع انسانی کے مختلف گروہوں کو جزواً جزواً پہنچتی رہی۔ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر کامل و مکمل صورت اختیار کر لی۔ اس کے بعد قیامت تک کے لئے کسی نئے نبی کے آنے اور کسی انسان پر وحی کے نازل ہونے کی ضرورت باقی نہ رہی اور یہ کہ محمد عربی علیہ الف الف تحیۃ و سلام کے بعد جو شخص نبوت و رسالت کا مدعی ہو یا سلسلہ وحی کے اجراء کا عقیدہ رکھتا ہو۔ وہ کاذب اور دجال ہے اور تعزیرات اسلامی کی رو سے سزاوار قتل ہے۔

نصوص کتاب و سنت

اس کے استشہاد و استدلال میں کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حسب ذیل حوالے پیش کئے جاتے ہیں:۔

قرآن کریم

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (۳۳۔۴۰)

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں کی مہر (یعنی اس سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں)۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ کسی مرد کے نسبی باپ نہیں (جیسے کفار بطور طعن کے کہا کرتے ہیں) لیکن آپ رسول اللہ ہونے کی وجہ سے اپنی امت کے روحانی باپ ہیں اور روحانی باپ کی شفقت نسبی باپ کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے یہ اور اسی قسم کے شبہات جو مخالفین کی طرف سے عائد کئے جاتے تھے دور کرنے کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ ہونے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ روحانی باپ ہیں۔ وہ اتنی تعلق کے روحانی باپ ہیں کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ وہ خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد کوئی رسول آنے والا نہیں ان کا سلسلہ ابوت تو قیامت تک چلنے والا ہے اور صبح قیامت تک جتنے لاتعداد مسلمان پیدا ہونے والے ہیں۔ وہ سب آپ کی اولاد ہیں۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ آپ اپنی امت کی ہمدردی اور خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے کیونکہ وہ انبیاء جن کے بعد دوسرے انبیاء و رسل آنے کی توقع ہو۔ ان سے اگر کوئی چیز رہ جائے تو بعد میں آنے والے انبیاء اس کی تکمیل کر سکتے ہیں لیکن جو تمام انبیاء و رسل کا خاتم اور آخر ہو۔

اس کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ مخلوق کے لئے راستہ ایسا صاف کر دیا جائے کہ ان کو کسی وقت گمراہی کا خطرہ نہ ہو چنانچہ ہمارے آقائے نامدار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے دین اسلام کو کامل اور اکمل طریق پر اس طرح پیش کر دیا ہے۔ کہ آپ کے بعد نہ کسی شریعت سابقہ کی ضرورت ہے نہ لاحقہ کی اور نہ کسی نبی جدید کی ضرورت ہے اور نہ شریعت جدیدہ کی۔ قرآن مجید نے اس شریعت کی ابدی تکمیل کا اعلان ان الفاظ میں کر دیا ہے۔

(۲) الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا" ۔۔۔ (۵۔ ۳)

خاتم النبیین کی لغوی تشریح

لفظ " خاتم " کی جو آیت مذکور الصدر میں واقع ہے۔ دو قراتیں روایت کی جاتی ہیں (۱) خاتم ت کے زیر کے ساتھ (۲) خاتم ت کے زبر کے ساتھ۔ قرآن مجید کا اختلاف قرات لفظی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے دونوں قراتوں کا ماحصل ایک ہی ہے۔ آپ نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں اور آپ آخر النبیین ہیں۔ لغت عرب اس کی شاہد ہے۔

قاموس

لغت عرب کی مشہور کتاب قاموس میں ہے۔ الخاتم ومنہ قولہ تعالیٰ وخاتم النبیین ای آخرہم یعنی خاتم ت کے زیر کے ساتھ اور خاتم ت کے زبر کے ساتھ قوم میں سب سے آخر کو کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد خاتم النبیین یعنی آخر النبیین ہے۔

تاج العروس شرح قاموس

ومن اسماءہ علیہ السلام الخاتم والخاتم وھو الذی ختم بہ النبوۃ بمجیئہ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء مبارکہ میں سے خاتم اور خاتم دونوں ہیں اور خاتم وہ ذات اقدس ہے۔ جس نے اپنی تشریف آوری سے سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا ہو۔

صحاح جوہری

الخاتم والخاتم بکسر التاء وفتحھا والختیم والخاتام کلہ بمعنی والجمع الخواتم وخاتمۃ الشئی آخرہ ونبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء علیہم السلام

یعنی خاتم اور خاتم ت کے زیر اور زبر دونوں سے اور ایسے ہی ختیام اور خاتام سب کے معنے

ایک ہیں اور جمع خواتم آتی ہے اور خاتم کے معنی آخر کے ہیں اور اسی معنوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے۔

لسان العرب

خاتمھم و خاتمھم آخرھم عن اللحیانی و محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم السلام

یعنی خاتم القوم ت کے زیر کے ساتھ اور خاتم القوم ت کے زبر کے ساتھ دونوں کے معنی آخر القوم ہے اور انہی معنی پر "لحیانی" سے نقل کیا جاتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء یعنی آخر الانبیاء ہیں۔

مجمع البحار

خاتم النبوۃ بکسر التاء ای فاعل الختم وھو الاتمام و بفتحھا بمعنی الطابع ای شئی یدل علی انہ لانبی بعدہ بمعنی خاتم النبوۃ

ت کے زیر کے ساتھ بمعنی تمام کرنے والا اور ت کے زبر کے ساتھ بھی "مہر" کے معنی وہ شے جو اس پر دلالت کرے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

منتھی الارب

خاتم۔ کصاحب۔ مہر و انگشتری و آخر ہر چیزے و پایان آں۔ و آخر قوم و خاتم بالفتح مثلہ و محمد خاتم الانبیاء و صلی اللہ علیہ و علیہم اجمعین

یعنی لفظ خاتم بروزن صاحب سمجھیے اور اس کا معنی مہر۔ انگوٹھی۔ ہر چیز کی انتہا اور آخر قوم ہے اور لفظ خاتم ت کے زبر کے ساتھ کا معنی بھی یہی ہے اور انہی معنی سے آنحضرتؐ کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

خلاصہ کلام

یہ کہ خاتم اسم ہو یعنی بمعنی مہر یا خاتم اسم فاعل بمعنی ختم کرنے والا۔ دونوں آنحضرتؐ کے اسماء مبارکہ میں سے ہیں اور دونوں کا ماحصل یہی ہے کہ آپ آخر النبیین ہیں اور آیت کریمہ میں خاتم کے معنی آخر اور ختم کرنے والے کے سوا اور کوئی معنی مراد نہیں ہو سکتا۔ خاتم مہر کے معنی میں اگر ہو تو آیہ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ نے سلسلہ انبیاء پر مہر کر دی۔ جس کا معنی کتب لغت کے مذکور الصدر تصریحات کی روشنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ آپ نے اس

سلسلہ پر مہر کر دی۔ اب اس میں کسی اور نبی کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں ختم معنی مہرا نہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ دیکھئے ختم اللہ علی قلوبھم یعنی اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ یعنی اب ان میں خیر و برکت کی کوئی چیز داخل نہیں ہوتی اور حسی نے کہا ہے۔

اروح وقد ختمت علی فوادی　　　بحبک ان یحل بہ سوا کا

میں تیرے یہاں سے اس طرح جا رہا ہوں کہ تو نے میرے قلب پر اپنی محبت کی مہر لگا دی ہے۔ تاکہ اس میں تیرے سوا اور کوئی نہ داخل ہو سکے۔

ارشادات نبوی

آیت کریمہ خاتم النبیین کی تفسیر لغت عرب کے لحاظ سے تو بیان کر دی ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ تاجدار ختم نبوت نے خاتم النبیین کے کیا معنی بیان فرماتے ہیں:۔

(۱) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہ سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی ----- جامع ترمذی صفحہ ۴۵ ج ۲)۔

یقینا میری امت میں تیس (۳۰) کذاب (بڑا جھوٹ بولنے والے) ظاہر ہوں گے ہر ایک کا گمان ہو گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں "---- اس حدیث میں حضور نے تصریح فرمائی ہے کہ جھوٹے مدعیان نبوت اپنے کو مسلمان اور "امت محمدیہ" کا فرد ظاہر کریں گے۔ مگر یہ جھوٹے ہوں گے۔ اس لئے کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ پس واضح ہوا۔

(۱) کہ امتی نبی ہونے کا دعویٰ بھی آیت خاتم النبیین کے خلاف ہے۔

(۲) اور مدعیان نبوت کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہی یہ ہے کہ وہ اپنے نبی ہونے کے مدعی ہوں گے۔ حالانکہ میں "خاتم النبیین" ہوں۔

(۳) اور یہ کہ آیت کریمہ خاتم النبیین کا معنی یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا

(۴) اور جملہ "لا نبی بعدی" میں لا نفی جنس نے یہ بھی واضح کر دیا۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی تشریعی یا غیر تشریعی یا امتی نبی وغیرہ کوئی بھی نہیں آئے گا۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ---- مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ من زوایاہ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ وانا خاتم النبیین (صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۲۴۸ صحیح بخاری جلد ا۔ صفحہ ۵۰۱)

میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ و پیراستہ کیا۔ مگر اس کے کناروں میں سے ایک کنارے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ پس لوگ اسے دیکھنے آتے اور خوش ہوتے اور کہتے کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ "میں نے اس خالی جگہ کو پر کر دیا اور میں خاتم النبیین ہوں" ــــ اس حدیث کے یہ الفاظ "مثل الانبیاء قبلی" خصوصیت سے قابل غور ہیں۔ ان الفاظ میں انبیاء کا عموم بتلایا گیا ہے جس میں نئی شریعت لانے والے اور پہلی شریعت کے تبع نبی سب ہی شامل ہیں۔ ان تمام انبیاء کے مجمع سے قصر نبوت کی تکمیل آپ کی بعثت سے پہلے ہو چکی تھی اور اس میں ایک اینٹ کے سوا اور کسی قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی۔ جس کو آنحضرتؐ نے پورا فرما کر قصر نبوت کی تکمیل کر دی۔ اب آپ کے بعد کسی قسم کے نبی کی گنجائش نہیں رہی اور ہر قسم کے احتمالات کو ختم کرنے کے لئے آخر میں فرمادیا۔ "وانا خاتم النبیین" یعنی میرے بعد اب کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ روایت کرتے ہیں

" كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وانه لانبي بعدي وسيكون خلفاء " ۔ (صحیح بخاری جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۴۹۰) ۔

بنی اسرائیل کی سیاست خود ان کے انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کسی نبی کی وفات ہو جاتی۔ تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے نبی کو اس کے بعد بھیج دیتے۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ بلکہ خلفاء ہوں گے ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امت میں ایسے نبی بھی نہیں ہوں گے جیسے بنی اسرائیل کی سرداری کے لئے آیا کرتے تھے۔ یہ انبیاء شریعت جدیدہ لے کر نہیں آیا کرتے تھے۔ بلکہ شریعت تورات ہی کے احیاء کے لئے آیا کرتے تھے۔ جب یہ ثابت ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل نئی شریعت لے کر نہیں آیا کرتے تھے۔ بلکہ شریعت موسویہ ہی کی اتباع میں تورات کے احکام نافذ کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ پس ان کے ذکر کے بعد "لانبی بعدی" کا اعلان خود اس امر کی دلیل ہے۔ کہ حضورؐ کا مقصد اس حدیث سے یہی تھا۔ کہ میرے بعد غیر تشریعی نبی نہیں آئیں گے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ اب غیر تشریعی انبیاء کی بجائے خلفاء ہوں گے۔ اگر آپ کے بعد کسی قسم کی نبوت باقی ہوتی۔ تو آپ خلفاء کی بجائے غیر تشریعی نبیوں کا ذکر فرماتے۔ آپ کا صرف منصب خلافت کا باقی رکھنا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی غیر تشریعی نبی بھی نہیں ہے۔

(۴) حضرت ابو سعیدؓ خدری فرماتے ہیں کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے :

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات قالوا وما المبشرات قال الرؤیا الصالحۃ (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۱۰۳۵)

نبوت کا کوئی جزو سوائے مبشرات کے باقی نہیں رہا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ مبشرات سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مبشرات سے مراد اچھے خواب ہیں۔

(۵) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی (ترمذی۔ مسند امام احمد بحوالہ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۰ ج ۸)

"رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا اور نہ نبی"..... اس حدیث میں لفظ رسول اور نبی کو علیحدہ علیحدہ بیان کر کے حضورؐ نے یہ بتا دیا کہ نہ کوئی تشریعی نبی ہو گا اور نہ کوئی غیر تشریعی صرف بغرض اختصار ان پانچ احادیث پر کفایت کی جاتی ہے۔ ورنہ دو سو کے قریب احادیث ہیں۔ جنہیں اسی (۸۰) کے قریب صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہے اور ساٹھ کے قریب محدثین ہیں جنہوں نے ان روایات کو اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔

اجماع امت

قرآن مجید کی آیات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات صحابہ کرامؓ کی تصریحات اور آئمہ دین کی عبارات کی بناء پر امت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ہر لحاظ سے ختم ہو چکا ہے اور وحی کا آنا مسدود ہو گیا ہے۔ آپ کے بعد جو دعویٰ نبوت کرے۔ وہ کاذب اور مفتری علی اللہ ہے۔

قاضی عیاض

مشہور قاضی اسلام قاضی عیاض اپنی کتاب شفاء میں اس اجماع کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

لانہ اخبر صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین لا نبی بعدہ واخبر من اللہ تعالیٰ انہ خاتم النبیین اجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علی ظاھرہ وان مفھومہ المراد دون تاویل ولا تخصیص فلاشک فی کفر ھولاء الطوائف کلھا قطعا اجماعا وسمعا (شفا قاضی عیاض صفحہ ۲۴۳ طبع ہند)

اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی

نبی نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تجویز ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور امت اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام (آیات و احادیث) اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہی بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے مراد ہے۔ پس جو اس سے انکار کریں۔ ان کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے یہ قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔

مفتی بغداد سید محمود آلوسی کا فتویٰ

وکونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین مما نطقت بہ الکتاب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر۔ (روح المعانی صفحہ ۶۵ ج ۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ان مسائل میں سے ہے جس پر تمام آسمانی کتابیں ناطق ہیں اور احادیث نبویہ اس کو بوضاحت بیان کرتی ہیں اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے پس اس کے خلاف کا مدعی کافر ہے اگر مدعی نبوت توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی

موطا امام مالک کی شرح مسوی میں تاویل کی دو قسمیں قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک تاویل تو اس قسم کی ہوتی ہے جو نص قطعی یا اتفاق امت کے خلاف نہیں ہوتی اور ایک تاویل ایسی ہوتی ہے جو نص قطعی اور اجماع امت کے خلاف ہوتی ہے۔ تاویل کی یہ دوسری قسم زندقہ کہلاتی ہے اور اس کا مرتکب زندیق ہوگا۔ تاویل کی اس دوسری قسم کی کئی مثالیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

او قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوۃ ولکن معنی ہذا الکلام انہ لا یجوز ان یسمی بعدہ احد بالنبی واما معنی النبوۃ وہو کون انسان مبعوثا من اللہ تعالی الی الخلق مفترض الطاعۃ معصوما من الذنوب ومن البقاء علی الخطاء فیما یری فہو موجود فی الامۃ بعدہ فذلک زندیق وقد اتفق جماہیر المتاخرین من الحنفیۃ والشافعیۃ علی قتل من یجری ہذا المجری (مسوی صفحہ ۱۱۰ ج ۲)

یعنی وہ شخص جو یہ کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی کا نام نہیں دیا جائے گا اور معنی نبوت کہ "انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہے اور وہ مفترض الاطاعت ہے اور وہ گناہوں سے معصوم ہے" اور ایسا انسان موجود ہے تو وہ شخص زندیق ہے اور جمہور علماء حنفیہ و شافعیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

مدعیان نبوت کے ساتھ صحابہ کرامؓ کا سلوک

صحابہ کرامؓ کا سب سے پہلا اجماع مدعی نبوت (مسیلمہ کذاب) کے قتل پر ہوا۔ اسلامی تاریخ میں یہ بات درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا اور بڑی جماعت اس کی پیرو ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلا جہاد جو صدیق اکبرؓ نے اپنے عہد خلافت میں کیا ہے وہ اسی کی جماعت سے تھا۔ جمہور صحابہؓ و تابعینؒ نے مسیلمہ کذاب کو محض دعویٰ نبوت کی بنا پر اور اس کی جماعت کو اس کی تصدیق کی وجہ سے کافر سمجھا اور باجماع صحابہؓ تابعین نے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے اور یہ اسلام میں سب سے پہلا اجماع تھا اور نہایت معتبر اور مستند کتب تواریخ اسلام سے ثابت ہے کہ وہ نماز پڑھتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا قائل تھا البتہ مرزا صاحب کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی مدعی تھا۔ تاریخ ابن جریر طبری میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق اذان میں کرتا تھا اور اذان میں "اشھد ان محمد رسول اللہ" کہا کرتا تھا۔ اس کا موذن عبداللہ بن نواحہ تھا اور نماز کی اقامت کہنے والا حجیر بن عمیر تھا اور جب حجیر کلمہ شہادت پر پہنچتا تھا۔ تو مسیلمہ بلند آواز سے کہتا تھا کہ حجیر نے پکی اور صاف بات کی ہے۔ (تاریخ ابن جریر طبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۴)

غرض مسیلمہ کذاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرتا تھا۔ نماز پڑھتا تھا۔ لیکن خود بھی مدعی نبوت تھا۔ اس لئے وہ دعویٰ نبوت کی وجہ سے باجماع صحابہؓ کافر سمجھا گیا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے صحابہ کرامؓ مہاجرینؓ و انصارؓ اور تابعینؒ کا ایک عظیم الشان لشکر حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مسیلمہ کے خلاف جہاد کے لئے یمامہ کی طرف بھیجا۔ تاریخ طبری میں حضرت صدیق اکبرؓ کا ایک فرمان خالدؓ بن ولید کے نام سے درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابہ تابعین اس جہاد میں شہید ہوئے ان کی تعداد ۱۲۰۰ ہے نیز اسی تاریخ میں ہے کہ مسیلمہ کی جماعت جو اس وقت مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلی تھی۔ اس کی تعداد چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) مسلح جوان تھی۔ جن میں سے اٹھائیس ہزار (۲۸۰۰۰) کے قریب ہلاک ہوئے اور خود مسیلمہ کذاب بھی اس معرکہ میں ہلاک ہوا۔ باقی ماندہ لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اطاعت قبول کرلی۔

نتائج

صحابہ کرامؓ نے نہ وقت کی نزاکت کا خیال کیا اور نہ مسلمانوں کے ضعف و بے سرو

سامانی کا اور نہ مسیلمہ اور اس کی جماعت کی نماز و اذان کا اور نہ اقرار نبوت محمدیہ کا۔ بڑی عظیم الشان جماعت کے ساتھ مسیلمہ اور اس کی جماعت کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد کسی شخص کا دعویٰ نبوت کرنا خواہ وہ کسی تاویل اور کسی پیرائے سے ہو۔ موجب کفر و ارتداد سمجھا۔ نیز یہ واضح ہوا کہ کسی شخص کے اتباع اور پیروؤں کی کثرت اس کی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ورنہ مسیلمہ کذاب کے متبعین کی کثرت و قوت بدرجہ اولیٰ اس کی حقانیت کی دلیل ہوتی۔

صحابہ کرامؓ کے بعد مدعیان نبوت کے ساتھ سلوک

عبدالملک بن مروان کے عہد امارت میں حارث نامی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو اس نے علماء وقت جو صحابہ و تابعین تھے کے متفقہ فتویٰ سے اس کو قتل کر دیا۔ اور اس کے بعد اس کی نعش کو سولی پر لٹکا دیا۔

قاضی عیاض شفا میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

و فعل ذالک غیر واحد من الخلفاء و الملوک باشباھھم و اجمع علماء وقتھم علی صواب فعلھم

بہت سے خلفا اور سلاطین نے اپنے مدعیان نبوت کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا اور زمانے کے علما نے بالاتفاق ان کے اس فعل کی تصویب و تائید کی۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں کئی ایک مدعیان نبوت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر ایک مدعی نبوت کو اس وقت کی حکومت نے قتل کر دیا اور بنو عباس کے عہد حکومت میں بھی ایک جماعت ایسے مدعیان نبوت کی ظاہر ہوئی مگر

وقد اھلک اللہ تعالیٰ من وقع لہ ذالک منھم و بقی منھم من یلحقہ باصحابہ و اخرھم الدجال الاکبر o

اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے مدعی نبوت کو کیفر کردار تک پہنچایا ان میں سے کچھ باقی رہ گئے ہیں۔ وہ بھی "انشاء اللہ" اپنے ساتھیوں سے جا ملیں گے۔ ان کا سب سے آخری مدعی نبوت دجال اکبر ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۵)

مرزا غلام احمد صاحب کا تدریجی دعویٰ نبوت •

مسئلہ ختم نبوت کے مسلمانوں کے اس چودہ سو برس کے راسخ عقیدہ اور امت کے بے

عمل اجماع کے بالکل برعکس مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے دعوئی نبوت کی بنیاد اس وقت رکھی جب کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی محکومی اور غلامی کی وجہ سے مذہبی اور سیاسی پستی کی انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ اور بظاہر اس تعبد و غلامی سے نکلنے اور حریت اور آزادی کے لئے سر اٹھانے کی کوئی امید نہ رہی تھی اس وقت مرزا غلام احمد قادیانی نے مسلمانوں کی درماندگی اور ذلت کا یقین رکھتے ہوئے اور مسلمانوں کی پستی کو ایک ابدی زوال خیال کرتے ہوئے مجددیت' مہدویت' مسیحیت اور نبوت کے دعاوی کو بتدریج پیش کیا۔ جوں جوں حکومت کی آہنی گرفت اس ملک کے رہنے والوں پر قوی تر ہوتی گئی۔ بانی فرقہ قادیانی اپنے دعاوی کو پہلے سے بلند اور ارفع کرتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ وہ وقت آگیا۔ جب کہ مرزا صاحب کو یقین ہو گیا کہ حکومت کا دیا ہوا امن و امان جہاں اس کے دعاوی کے لئے بلاخوف و خطر اشاعت اور آزادانہ تبلیغ کا ضامن ہے وہاں حکومت کی قوت و سطوت ملک پر وہ ستم ڈھا چکی ہے کہ دعاوی کو اگر انتہائی منزل تک پہنچا کر بالکل نئے مذہب اور نئی امت کی بنیاد رکھ دی جائے تو مسلمانوں کی کوئی قوت مزاحم نہ ہو سکے گی۔ بلکہ بہت ممکن اور قرین قیاس ہے کہ یہ نئی نبوت کی تجویز انگریزی حکومت کے منشا کے مطابق اور اس کے حاکمانہ اغراض و استعماری مقاصد کو زیادہ مستحکم کرنے والی ثابت ہو۔

اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے پہلے مرزا صاحب نے تبلیغ اسلام کی آڑ میں اپنی پیری مریدی کا حلقہ کافی وسیع کر لیا۔ اور مختلف پیش گوئیوں اور ان کی عجیب و غریب تشریحات کو شائع کر کے مریدوں کی عقیدت مندی کو وقتاً فوقتاً امتحان کی کسوٹی پر پرکھ کر مجددیت' مہدویت' مسیحیت اور نبوت کی منزلیں جب بتدریج طے کر لیں تو اس نے اپنے ماننے والوں کے سوا تمام مسلمانوں کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کر دیا اور اپنی جماعت کو مسلمانوں سے الگ کرنے اور علیحدہ قوم اور امت بنانے کے لئے ہر اس فرد بشر کو جو اس کی نبوت کا قائل نہ ہوا کافر قرار دیا اور ان سے ہر طرح قطع تعلق کا حکم صادر کر دیا۔

دعوئی نبوت کی راہ میں مشکلات کا احساس

مرزا صاحب نے جب یہ معلوم کر لیا کہ پیری مریدی کا حلقہ تبلیغ اسلام کی آڑ میں کافی وسیع ہو گیا ہے تو انہوں نے دعوئی نبوت کی طرح ڈالی۔ لیکن خود ان کو بھی یہ خوف دامن گیر تھا کہ دعوئی نبوت سے کہیں بنی بنائی بات بھی نہ بگڑ جائے۔ اس لئے انہوں نے دعوئی نبوت میں بہت ہوشیاری سے کام لیا۔ اپنی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بعض امور دعوت میں ایسے تھے کہ ہرگز امید نہ تھی کہ قوم ان کو قبول کر سکے۔ اور قوم پر تو اس قدر بھی امید نہ تھی کہ وہ اس امر کو بھی تسلیم کر سکیں کہ بعد زمانہ نبوت وحی غیر

[illegible] کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور قیامت تک باقی رہے گا۔ (براہین احمدیہ ج ۵ ص ۵۳)

بہرحال راہ کی مشکلات حکومت برطانیہ کے ظل عاطفت میں مقابلہ کرتے ہوئے جب نبوت کا کھلم کھلا دعویٰ کرنے کا شوق دامن گیر ہوا تو فرماتے ہیں

اوائل میں میرا بھی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی تھے ۔۔۔۔ اگر کوئی امر میری فضیلت کے متعلق ظاہر ہوتا تھا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے اوپر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور نبی کا خطاب دیا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹ - ۱۵۰)

نبوت، رسالت اور وحی کا دعوے

مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت میں بڑی ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ کہیں کہا کہ ہم غیر مستقل اور ظلی نبی ہیں۔ اور کہیں مطلقاً" نبوت و رسالت کے دعوے کئے اور کہیں کھلے بندوں نبوت مستقلہ اور صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کی تائید میں بھی مرزا صاحب اور ان کے صاحب زادہ خلیفہ محمود صاحب اور بشیر احمد کی عبارات کے چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں :-

سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلاء ص ۱۱)

حق یہ ہے کہ خدا کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے۔ اس میں ایسے لفظ رسول، مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ۔ (براہین احمدیہ ص ۴۹۸) اسی مضمون کی عبارات (اربعین نمبر ۴ ص ۶ نزول المسیح ص ۹۹ حقیقۃ الوحی ص ۱۴۳ و ص ۱۰۷ انجام آتھم ص ۳۳ اور حقیقۃ النبوت مرزا محمود ص ۲۰۹ و ص ۲۴۳ وغیرہ میں ہیں۔

قرآن مجید کی برابری کا دعویٰ

مرزا صاحب نے اپنی وحی کو قرآن مجید کے برابر واجب الایمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا۔

میں خدا کی تئیس برس کی متواتر وحی کو کیسے رد کر سکتا ہوں۔ میں اس کی پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں۔ جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵۰ ۱۵۱ و ص ۲۱۱)

مرزا صاحب نظم میں اپنے ان خیالات کو زور دار طریق پر بیان کرتے ہوئے نزول المسیح ص ۹۹، ۱۰۰ میں لکھتے ہیں۔

آنچہ من بشنوم ز وحی خدا | بخدا پاک دانمش ز خطا
ہمچو قرآن منزہ اش دانم | از خطاہا ہمیں است ایمانم
انبیاء گرچہ بودہ اند بسے | من بعرفان نہ کمترم ز کسے
آں یقینے کہ بود عیسیٰ را | بر کلامے کہ شد بروالقا
واں یقین کلیم بر تورات | واں یقینہائے سید السادات
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین | ہر کہ گوید دروغ است لعین

صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ

دعویٰ نبوت کے شوق میں مرزا صاحب نے ایک بہت بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ قرآن مجید کی وہ آیات جو محمد عربی علیہ الصلوۃ والسلام کی رسالت کے متعلق ہیں۔ ان کے متعلق دعویٰ کر دیا کہ میں ہی اس کا مصداق ہوں۔ مثلاً

اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (اعجاز احمدی ص ۷)

اس عبارت میں ایک دعویٰ نبوت تصریحی کیا اور اس کے ساتھ یہ بھی دعویٰ کر دیا کہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مصداق نہیں۔ (معاذ اللہ) اور مرزا ہی اس آیت کا مصداق ہے جو صریح کفر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے مترادف ہے اور ایسا ہی ازالہ اوہام اور دوسری کتابوں میں و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ میں کہا کہ یہ بشارت میرے لئے ہے اور ان کے بیٹے مرزا محمود صاحب نے بڑے تدور دار الفاظ میں اس آیت کے تعلق میں کہا ہے:۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے متعلق ہے اور احمد آپ ہی ہیں۔ (مخالفین کے اعتراضات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔) میں جہاں تک غور کرتا ہوں۔ میرا یقین بڑھتا جاتا ہے اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ احمد کا لفظ جو قرآن کریم میں آیا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود کے متعلق ہی ہے (انوار خلافت ص ۱۸)

اس کے بعد اور کھل کر صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا:۔

ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امر و نہی بیان کئے وہی صاحب شریعت ہو گیا پس اس تعریف کی رو سے میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی (اربعین ص ۳۔ ۶ اور اسی کتاب میں لکھتے ہیں۔

چونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید بھی (اربعین ص ۶)

اس دعویٰ کو اربعین نمبر ۴ ص ۳۲ میں بھی ذکر کیا ہے۔ نیز اعجاز احمدی میں ہے ہم اسکے جواب میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعویٰ کی بنیاد حدیث نہیں بلکہ قرآن اور وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں۔ جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں (اعجاز احمدی ص ۳۰۔ ۳۱ تحفہ گولڑویہ ص ۱۰)

محمدؐ رسول اللہ ہونے کا دعویٰ

مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآن مجید کی آیت ذیل کو حسب عادت اپنے لئے وحی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔ خدا ئے تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے۔ اس میں ایسے لفظ رسول ' مرسل اور نبی کے موجود ہیں۔ چنانچہ میری نسبت وحی اللہ ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم

اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔ (کتاب ایک غلطی کا ازالہ ص ۳)

قادیانی جماعت کے بڑے مقتدر عالم مولوی غلام رسول راجیکی نے اسی موضوع پر لکھتے ہوئے یہ بیان دیا ہے۔ "ایک غلطی کے ازالہ میں حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ محمد رسول اللہ والذین معہ کے الہام میں محمدؐ رسول اللہ سے مراد میں ہوں اور محمد رسول اللہ خدا نے مجھے کہا ہے۔ (اخبار الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء ص ۶)

قادیانی جماعت کے سرکاری اخبار الفضل نے اپنی اگست ۱۹۱۵ء اور ستمبر ۱۹۱۵ء کی اشاعتوں میں اسی عقیدہ کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ خدائے تعالیٰ اپنی پاک وحی میں مسیح موعود (مرزا) کو محمدؐ رسول اللہ کر کے مخاطب کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کا آنا بعینہٖ محمدؐ رسول اللہ کا دوبارہ آنا ہے حضرت مسیح کو عین محمد ماننے کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور یہی وہ بات ہے جو احمدیت کی اصل الاصول کہی جا سکتی ہے۔ (الفضل ۱۷ اگست ۱۹۱۵ء)

خدائے تعالیٰ کے نزدیک حضرت مسیح موعود (مرزا) کا وجود خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود ہے۔ یعنی خدا کے دفتر میں حضرت مسیح موعود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں کوئی دوئی یا مغائرت نہیں رکھتے۔ بلکہ ایک ہی شان ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی منصب اور ایک ہی نام رکھتے ہیں۔ (الفضل ۲۹ ستمبر ۱۹۱۵ء)

قادیانی جماعت کے مفتی اعظم کا فتویٰ

ہمارا (مرزائیوں کا) عقیدہ ہے کہ دوبارہ حضرت محمدؐ رسول اللہ ہی آئے ہیں اگر محمدؐ رسول اللہ پہلے نبی تھے تو اس بعثت میں بھی نبی ہیں اگر محمدؐ رسول اللہ کے انکار سے پہلے انسان کافر ہو جاتا تھا تو اب بھی آپ کے انکار سے ضرور ضرور کافر ہو جائے گا۔

تقریر مولوی سرور شاہ مفتی اعظم قادیانی جماعت مندرجہ الفضل ۲۷ ستمبر ۱۹۱۵ء ص ۷)

نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے برتری کا دعویٰ

مرزا غلام احمد قادیانی کی ہوس برتری محمدؐ رسول اللہ پر ختم نہیں ہوتی۔ اب اس سے اور ترقی کرتا ہے اور اپنے کو بدر (چودھویں رات کا چاند) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلال (پہلی رات کا چاند) ظاہر کر کے اپنی فضیلت ظاہر کرتا ہے اسلام ہلال کی طرح شروع ہوا اور مقدر تھا کہ آخری زمانہ میں بدر کی شکل اختیار کرے۔ خطبہ الہامیہ ص ۱۸۴)

مولوی غلام رسول راجیکے اس کی تشریح میں لکھتے ہیں :۔

آنحضرتؐ کی بعثت اول میں آپ کے منکروں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا لیکن آپ کی بعثت ثانی میں آپ کے منکروں کو داخل اسلام سمجھنا یہ آنحضرت کی ہتک ہے' حالانکہ خطبہ الہامیہ میں حضرت مسیح موعود (مرزا) نے آنحضرت کی بعثت اول اور ثانی کی باہمی نسبت کو ہلال اور بدر کی نسبت سے تعبیر فرمایا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ بعثت ثانی کے کافر کفر میں بعثت اول کے کافروں سے بہت بڑھ کر ہیں۔ (الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء)

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی قرار دیتے ہوئے یہ لکھتا ہے :۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کا انتہا نہ تھا بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا قدم تھا۔ پھر اس روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلی فرمائی اور اپنے نور کے غلبہ کے لئے ایک مظہر اختیار کیا ...... پس میں وہ مظہر ہوں جس ایمان لاؤ اور کافروں سے مت ہو۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۷۔ ۱۷۸)

قادیانی امت کا عقیدہ

حضرت مسیح موعود (مرزا) کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا۔ اس زمانے میں تمدنی ترقی اور زیادہ ہوئی ہے اور یہ جزوی فضیلت ہے جو مسیح موعود کو آنحضرتؐ پر حاصل ہے۔ (ریویو قادیان ۱۹۲۹ء قادیانی شاعر "اکمل" مرزا کی تعریف میں لکھتا ہے :۔

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں — اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل — غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

(اخبار بدر قادیان ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

مرزا محمود خلیفہ قادیان نے اپنے خطبہ میں کہا ہے:۔

اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ کیا محمدؐ سے بھی کوئی شخص بڑا درجہ حاصل کر سکتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ خدا نے اس مقام کا دروازہ بھی بند نہیں کیا ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر محمدؐ سے کوئی شخص بڑھنا چاہے تو بڑھ سکتا ہے۔ (خطبہ محمود الفضل ۱۹ جون ۱۹۲۳ء صفحہ ۸) یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے کیونکہ اگر روحانی ترقی کی تمام راہیں ہم پر بند ہیں تو اسلام کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے اور پھر اس میں کوئی خوبی بھی نہیں کہ ایک کو بڑھایا جائے اور دوسروں کو بڑھنے نہ دیا جائے (بیان مرزا محمود مندرجہ ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء ص ۵)

تمام مسلمانوں کے لئے فتویٰ کفر

ان تمام دعاوی کے معلوم کر لینے کے بعد بڑی آسانی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کو نہ ماننے والوں کے متعلق قادیانی جماعت کا کیا فتویٰ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم چند حوالے مختصراً درج کرتے ہیں تاکہ اس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ وہ امت مسلمہ کے تقریباً چالیس کروڑ افراد کو کس آسانی سے کافر جہنمی اور خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔

(۱) کفر دو قسم پر ہے ایک کفر یہ کہ ایک شخص اسلام سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا۔ اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارہ میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے ...... اور پہلے نبیوں کی کتاب میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں (حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹)

(۲) اللہ نے مجھے بشارت دی ہے کہ جس نے تجھے شناخت کرنے کے بعد تیری دشمنی اور تیری مخالفت اختیار کی وہ جہنمی ہے (تذکرہ ص ۱۸۳۔ ۳۱ اگست ۱۸۹۹ء)

(۳) جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہو گا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے (تذکرہ ص ۳۳۷ تبلیغ رسالت جلد

۹ ص ۴۷)
(۴) اس نے مجھے پیدا کر کے ہر ایک گذشتہ نبی سے مجھے اس نے تشبیہ دی وہی میرا نام رکھ دیا اور جو میرے مخالف تھے ان کا نام عیسائی اور یہودی اور مشرک رکھا گیا (نزول المسیح ص ۴)
(۵) میری ان کتابوں کو ہر مسلمان محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے معارف سے فائدہ اٹھاتا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے مگر رنڈیوں (بدکار عورتوں) کی اولاد نے میری تصدیق نہیں کی (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۴۷) اصل عبارت عربی میں ہے اس کا ترجمہ ہم نے لکھا ہے۔ مرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔ الا ذریۃ البغایا "عربی کا لفظ "بغایا" جمع کا صیغہ ہے۔ واحد اس کا بغی ہے' جس کا معنی بدکار' فاحشہ' زانیہ ہے۔ خود مرزا صاحب نے خطبہ الہامیہ ص ۴۹ میں لفظ "بغایا" کا ترجمہ بازاری عورتیں کیا ہے اور اپنے ہی انجام آتھم ص ۲۸۲ نور الحق حصہ اول ص ۱۲۳ میں لفظ "بغایا" کا ترجمہ نسل بدکاراں' زناکار' زن بدکار وغیرہ کیا ہے۔
(۶) کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ آئینہ صداقت ص ۳۵ مصنفہ مرزا محمود)
(۷) ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا یا محمدؐ کو مانتا ہے۔ مگر مسیح موعود (مرزا) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر ہے (کلمۃ الفصل ص ۱۱۸ مصنفہ مرزا بشیر احمد)

مسلمانوں سے شادی بیاہ کی ممانعت

ان تمام فتاویٰ کفر کے بعد مسلمانوں اور مرزائیوں کے اختلافات کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی متنبی اور اس کے ماننے والوں کا شادی بیاہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کے متعلق جو فیصلہ ہے وہ بھی سامنے آجائے اس سے صورت حال اور واضح ہو جائے گی۔
مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو مسلمانوں سے لڑکیاں لینا جائز سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو لڑکیاں دینا ناجائز خیال کرتے ہیں گویا مسلمانوں کے مقابلے میں اپنے کو وہی پوزیشن دیتے ہیں جو اسلام نے اہل کتاب کو دی ہے' شواہد حسب ذیل ہیں:
(۱) حضرت مسیح موعود نے اس احمدی پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے جو اپنی لڑکی غیر احمدی کو دے۔ آپ سے ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا۔ لیکن آپ نے

یہی فرمایا کہ لڑکی کو بٹھائے رکھو۔ لیکن غیر احمدیوں میں نہ دو آپ کی وفات کے بعد اس نے غیر احمدیوں کو لڑکی دے دی تو حضرت خلیفہ اول حکیم نور الدین نے اس کو احمدیوں کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی باوجودیکہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا (انوار خلافت" مصنفہ بشیر الدین محمود ص ۹۳)

(۲) حضرت مسیح موعود کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو اپنی لڑکی نہ دے اس کی تعمیل کرنا بھی ہر احمدی کا فرض ہے (برکات خلافت مجموعہ تقاریر محمود ص ۷۵)

(۳) پانچویں بات جو اس زمانہ میں ہماری جماعت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ وہ غیر احمدی کو رشتہ نہ دینا ہے جو شخص غیر احمدی کو رشتہ دیتا ہے وہ یقیناً حضرت مسیح موعود کو نہیں سمجھا اور نہ یہ جانتا ہے کہ احمدیت کیا چیز ہے کیا کوئی غیر احمدیوں میں ایسا بے دین ہے جو کسی ہندو یا کسی عیسائی کو اپنی لڑکی دے دے ان لوگوں کو تم کافر کہتے ہو۔ مگر اس معاملے میں وہ تم سے اچھے رہے کہ کافر ہو کر بھی کسی کافر کو لڑکی نہیں دیتے مگر تم احمدی کہلا کر کافر کو دیتے ہو۔ (ملائکۃ اللہ ص ۴۶ مصنفہ محمود)

ہم تو دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریمؐ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا ...... دینی تعلقات کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلقات کا بھاری ذریعہ رشتہ ناطہ ہے سو یہ دونوں ہمارے لئے حرام قرار دیئے گئے اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں کہ نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے (کلمۃ الفصل جلد ۱۴ نمبر ۴ ص ۱۶۹)

(۵) یہ اعلان بغرض آگاہی عام شائع کیا جاتا ہے کہ احمدی لڑکیوں کا نکاح غیر احمدیوں سے کرنے ناجائز ہیں۔ آئندہ احتیاط کی جایا کرے۔ ناظر امور عامہ قادیان کا اعلامیہ مندرجہ "الفضل" جلد ۲ نمبر ۶۷ مورخہ ۱۴ فروری ۳۳ء)

مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے کی ممانعت

جو کچھ لکھا گیا اس کا منطقی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار مسلمانوں کے ساتھ عبادت میں بھی شریک نہ ہوں۔ چنانچہ ذیل کی عبارات سے ثابت ہو جائے گا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ نہ نماز میں شریک ہو سکتے ہیں اور نہ کسی مسلمان کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔

(۱) صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو۔ (قول مرزا غلام احمد مندرجہ اخبار الحکم قادیان ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء)

(۲) پس یاد رکھو جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہئے کہ تمہارا امام وہی ہو جو تم میں سے ہو۔ (اربعین ۳ ص ۳۴ حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد)

(۳) ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ (انوار خلافت ص ۹۰ مصنفہ مرزا محمود)

(۴) غیر احمدی مسلمانوں کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں حتیٰ کہ غیر احمدی معصوم بچے کا بھی جنازہ پڑھنا جائز نہیں (انوار خلافت ص ۹۳ مصنفہ مرزا محمود) نیز...... "الفضل" مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۱۷ء و الفضل مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء کے حوالے۔ نیز معلوم عام بات ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوا اور الگ بیٹھا رہا۔

جب اسلامی اخبارات اور مسلمان اس چیز کو منظر عام پر لائے تو جماعت احمدیہ کی طرف سے جواب دیا گیا ــــ "جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے قائد اعظم کا جنازہ نہیں پڑھا تمام دنیا جانتی ہے کہ قائد اعظم احمدی نہ تھے لہٰذا جماعت احمدیہ کے کسی فرد کا ان کا جنازہ نہ پڑھنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ــــ ٹریکٹ نمبر ۲۲ بعنوان احراری علماء کی راست گوئی کا نمونہ الناشر مہتمم نشر و اشاعت نظارت دعوت و تبلیغ صدر انجمن احمدیہ ربوہ ضلع جھنگ۔

جب قادیانی امت پر مسلمانوں کی جانب سے اعتراض کیا گیا کہ قائد اعظمؒ مسلمانوں کے محسن تھے اور تمام ملت اسلامیہ نے ان کا جنازہ پڑھا ہے تو جماعت احمدیہ نے جواب دیا کہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ابو طالب بھی قائد اعظم کی طرح مسلمانوں کے بہت بڑے محسن تھے مگر نہ مسلمانوں نے آپ کا جنازہ پڑھا اور نہ رسول خدا نے۔ (الفضل ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء) تصدیق کے لئے چوہدری ظفر اللہ خاں کو شہادت کے لئے طلب کیا جائے۔

الگ دین اور الگ امت

مرزا غلام احمد قادیانی کے نئے سلسلے کے تمام لوازم اور مناسبات کو دیکھتے ہوئے اس امر کے فیصلہ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی کہ وہ اپنے پیروؤں کو تمام مسلمانوں سے ایک الگ امت بنانے میں کس درجہ ساعی و کوشاں ہیں۔ حسب ذیل تصریحات شاہد ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس آخری صداقت کو قادیان کے ویرانہ میں نمودار کیا اور حضرت مسیح موعود (مرزا) کو اس اہم کام کے لئے منتخب فرمایا۔ اور فرمایا کہ تیرے نام کو دنیا کے کناروں تک

پہنچاؤں گا۔ زور آور حملوں سے تیری تائید کروں گا اور جو دین تو لے کر آیا ہے اسے تمام دیگر ادیان پر بذریعہ دلائل و براہین غالب کروں گا۔ (الفضل ۲ فروری ۱۹۳۵ء)

(۲) جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا اس دعویٰ میں ضرور ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرے اور نیز یہ کہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے پر وحی نازل ہوتی ہے اور نیز خلق اللہ کو وہ کلام سنا دے جو اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ایک امت بنا دے جو اس کو نبی سمجھتی ہو اور اس کتاب کو کتاب اللہ جانتی ہو۔ (قول مرزا مندرجہ الحکم قادیان نمبر ۲۱ جلد نمبر ۷)

(۳) حضرت مسیح موعود کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح اور چند مسائل میں ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن۔ نماز۔ روزہ۔ حج زکوٰۃ غرضیکہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ان سے اختلاف ہے (خطبہ محمود الفضل جلد نمبر ۱۹ نمبر ۱۳)۔

۴۔ کیا مسیح ناصری نے اپنے پیروؤں کو یہود سے الگ نہیں کیا۔ وہ انبیاء جن کے سوانح کا علم ہم تک پہنچا ہے اور ہمیں ان کے ساتھ جماعتیں بھی نظر آتی ہیں۔ انہوں نے اپنی ان جماعتوں کو غیروں سے الگ نہیں کیا۔ ہر شخص کو ماننا پڑے گا۔ کہ بیشک کیا ہے۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب نے بھی جو کہ نبی اور رسول ہیں۔ اپنی جماعت کو منہاج نبوت کے مطابق غیروں سے علیحدہ کر دیا تو نئی اور انوکھی بات کونسی ہے "الفضل" جلد ۵ نمبر ۶۹۔ ۰۷۔

۵۔ مگر جس دن سے کہ تم احمدی ہوئے تمہاری قوم تو احمدیت ہو گئی شناخت اور امتیاز کے لئے اگر کوئی پوچھے تو اپنی ذات یا قوم بتا سکتے ہو ورنہ اب تو تمہاری قوم۔ تمہاری گوت تمہاری ذات احمدی ہی ہے پھر احمدیوں کو چھوڑ کر غیر احمدیوں میں کیوں قوم تلاش کرتے ہو۔ (ملائکۃ اللہ ص ۴۶ ۔ ۷۴ مصنفہ مرزا محمود)

۶۔ میں نے اپنے ایک نمائندہ کی معرفت ایک بڑے ذمہ دار انگریز افسر کو کہلوا بھیجا کہ پارسیوں اور عیسائیوں کی طرح ہمارے حقوق بھی تسلیم کئے جائیں۔ جس پر اس افسر نے کہا۔ کہ وہ اقلیت ہیں اور تم ایک مذہبی فرقہ ہو۔ اس پر میں نے کہا کہ پارسی اور عیسائی بھی تو مذہبی فرقہ ہیں۔ جس طرح ان کے حقوق علیحدہ تسلیم کئے گئے ہیں اسی طرح ہمارے بھی کئے جائیں۔ تم ایک پارسی پیش کرو اس کے مقابلے میں دو دو احمدی پیش کرتا جاؤں گا۔ (مرزا بشیر الدین محمود مندرجہ "الفضل" ۱۳ نومبر ۱۹۴۶ء)

قادیان ایک بین الاقوامی یونٹ بن چکا ہے اور اس یونٹ کا حق ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ

آیا وہ ہندوستان میں رہنا چاہتی ہے یا پاکستان میں۔
متعلق بحث یادداشت منجانب جماعت احمدیہ پیش کردہ شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ بحضور باؤنڈری کمیشن شمارات کے لئے۔۔ شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ کو وہ محضر نامہ پیش کرنے کے لئے طلب کیا جائے۔

انتہائی اشتعال انگیز اور دل آزار تحریریں

صرف یہی نہیں کہ احمدیت کی تحریک نے اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کو چیلنج کر کے مسلمانوں کے ساتھ مذہبی بحث اور تبلیغی کشمکش کے دروازے کھول لئے بلکہ احمدیت کے بانی نے اپنی تحریرات میں مسلمانوں کے لئے انتہائی مذہبی دل آزاری اور اشتعال انگیزی کا مواد بھر دیا اور احمدیت کے پیرو اس مواد کی نشرواشاعت کر کے مسلمانوں کے دلوں میں غصہ اور منافرت کے جذبات کو ترقی دیتے رہے۔ احمدیت کے بانی کی تحریروں میں انبیائے کرام علیہم السلام اور بزرگان دین کی بدرجہ غایت دل آزارانہ توہین کی گئی ہے اور انتہائی بدزبانی سے کام لیا گیا ہے جو مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت امر ہے۔
شواہد بصورت ذیل ...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے ایک شخص کو (یعنی مرزا کو) اپنے لئے منتخب کیا۔ جو خلق اور خو اور ہمت اور ہمدردی خلائق میں اس کے مشابہ تھا اور مجازی طور پر اپنا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا تا کہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور تھا (تحفہ گولڑویہ ص ۱۰۵ مصنفہ قادیانی) ...... پس مسیح موعود خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ (کلمۃ الفصل مصنفہ بشیر احمد)

قادیانی جماعت کا ایمان

امام اپنا عزیزو اس جہاں میں
غلام احمد ہوا دار الاماں میں

غلام احمد ہے عرش رب اکبر
مکاں اس کا ہے گویا لامکاں میں

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں

محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

اخبار ”بدر“ ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء قادیان

نوٹ = مذکورہ بالا نظم مرزا صاحب قادیانی کی مصدقہ اور پسندیدہ ہے۔ (اخبار الفضل ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء)

یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔ (بیان مرزا محمود مندرجہ "الفضل" ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء)

لہ خسف القمر المنیر وان لی غسا القمران المشرقان اتنکر

(اس کے لئے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف چاند کے گرہن کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کے گرہن کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا) اعجاز احمدی ص ۷۱ مصنفہ قادیانی۔

میری تائید میں اس (خدا) نے وہ نشان ظاہر فرمائے کہ اگر میں ان کو فرداً فرداً شمار کروں تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۶۷) اور تین ہزار معجزے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور میں آئے۔ (تحفہ گولڑویہ ص ۴۰)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ روحانیت کی ترقی کا انتہا نہ تھا بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا قدم تھا پھر اس روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلی فرمائی۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۷ مصنفہ قادیانی)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذہنی ارتقا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا۔ اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی اور یہ جزوی فضیلت ہے جو حضرت مسیح موعود کو آنحضرت پر حاصل ہے۔ نبی کریم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا ورنہ قابلیت تھی۔ (ریویو قادیان جون ۱۹۲۵ء)

اسلام ہلال کی طرح شروع ہوا۔ اور مقدر تھا کہ انجام کار آخر زمانہ میں بدر ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے پس خدا تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ اسلام اس صدی میں بدر کی شکل اختیار کرے۔ جو شمار کی رو سے بدر کی طرح مشابہ ہو (یعنی چودھویں صدی) پس ان ہی معنوں کی طرف اشارہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس قول میں کہ لقد نصرکم اللہ ببدر (خطبہ الہامیہ ص ۱۸۴)

نوٹ = قرآن پاک میں ہے۔ کہ دین آج کے دن کامل کر دیا گیا۔ لیکن مرزا نے ہلال سے تشبیہ دے دیا ہے اور آیت قرآنی کو جس میں جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے۔ اپنے بدر کی طرف لگا جاتا ہے۔

اور انہوں نے کہا کہ اس شخص نے (یعنی مرزا نے) امام حسن اور امام حسین سے اپنے

تیئں افضل سمجھا۔ میں کہتا ہوں کہ بیشک سمجھا اور میرا خدا عنقریب ظاہر کر دے گا۔ (نزول المسیح ص ۵۲)

اور میں خدا کا کشتہ ہوں۔ لیکن تمہارا حسین دشمنوں کا کشتہ ہے۔ پس فرق کھلا کھلا اور ظاہر ہے (نزول المسیح ص ۸۱) ...... تم نے اس کشتہ (حسین) سے نجات چاہی۔ کہ جو نومیدی سے مر گیا۔ پس تم کو خدا نے جو غیور ہے ہر ایک مراد سے نا امید کیا۔ (نزول المسیح ص ۸۱)

اے قوم شیعہ اس پر اصرار مت کرو۔ کہ حسین تمہارا منجی ہے کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک (مرزا) ہے کہ اس حسین سے بڑھ کر ہے۔

کربلا ئیست سیر ہر آنم صد حسین است در گریبانم (در ثمین کلام مرزا)

فشتم جلال الله والمجد والعلی وما وردکم الاحسین انکر

فهذا على الاسلام احدى المصائب لدى نفحات المسک قذر مقنطر

تم نے خدا کے جلال اور مجد کو بھلا دیا۔ اور تمہارا ورد صرف حسین ہے کیا تو انکار کرتا ہے پس یہ اسلام پر ایک مصیبت ہے۔ کہ کستوری کی خوشبو کے پاس گوہ کا ڈھیر ہے۔ (اعجاز احمدی ص ۸۲ مصنفہ قادیانی)

فاطمۃ الزہرا نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور دکھایا کہ میں اس میں سے ہوں آئینہ کمالات اسلام ص ۵۵۰ مصنفہ قادیانی ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۰ مصنفہ قادیانی در سر الخلافۃ ص ۳۳ مصنفہ قادیانی

اور مریم کی وہ شان ہے۔ جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم توراۃ عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا۔ اور تعدد ازواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی۔ یعنی باوجود یوسف نجار کے پہلی بیوی ہونے کے مریم کیوں راضی ہوئی۔ کہ یوسف نجار کے نکاح میں آوے۔ مگر میں کہتا ہوں۔ یہ سب مجبوریاں تھیں۔ جو پیش آ گئیں۔ اس صورت میں وہ لوگ قابل رحم تھے۔ نہ قابل اعتراض (کشتی نوح ص ۱۶ مصنفہ قادیانی)

آپ (حضرت عیسیٰ ؑ) کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور تین نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیز گار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا۔ کہ وہ اس کے سر پر اپنے

ناپاک ہاتھ لگا دے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے۔ اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے کنجنے والے سمجھ لیں کہ یہ انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔ (ضمیمہ "انجام آتھم" صفحہ ۷ مصنفہ قادیانی)

دشنام طرازی کے چند نمونے

کہاں تک بیان کیا جائے مرزا غلام احمد قادیانی کی تصنیفات انبیائے کرام اولیاء اللہ اور بزرگان دین" پر اپنی برتری اور فضیلت کے اظہار اور مقدس اور معصوم ہستیوں کی تنقیص و توہین کی عبارتوں سے بھری پڑی ہیں۔ جن کا ایک ایک لفظ مسلمانوں کے لئے زہر میں دل آزاری کا زہر میں بجھا ہوا تیر ہے۔ اس کے علاوہ نبوت کے اس مدعی کی تحریرات دشنام طرازی اور بدزبانی کے کمالات کی حامل بھی ہیں جو ہر سننے والے کی طبیعت میں سخت اشتعال پیدا کرتی ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں

تلک کتب ینظر الیہا کل مسلم بعین المحبۃ و المودۃ و ینتفع من معارفہا ویقبلنی و یصدق دعوتی الا ذریۃ البغایا الذین ختم اللہ علی قلوبہم فہم لا یقبلون

آئینہ کمالات اسلام ص ۵۴۷ مصنفہ قادیانی

(ان کتابوں کو سب مسلمان محبت کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور ان کے معارف سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور مجھے قبول کرتے ہیں اور میرے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ مگر بدکار عورتوں کی اولاد نہیں مانتے کہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے۔)

دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔ (نجم الہدیٰ ص ۱۰ مصنفہ قادیانی)

جو شخص اس صاف فیصلہ کے خلاف شرارت اور عناد کی راہ سے بکواس کرے گا ...... اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہو گا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں۔ حرام زادہ کی یہی نشانی ہے کہ وہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے (انوار الاسلام ص ۳۰ مصنفہ قادیانی)

جھوٹے آدمی کی یہ نشانی ہے کہ جاہلوں کے روبرو تو بہت لاف و گزاف مارتے ہیں۔ مگر جب کوئی دامن پکڑ کر پوچھے کہ ذرا ثبوت دے جاؤ تو جہاں سے نکلے تھے وہیں داخل ہو جاتے ہیں (حیات احمد جلد اول نمبر ۳ ص ۲۵)

علمائے امت کی ایسی تیسی ...... اے بد ذات فرقہ مولویاں کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑو گے۔ (انجام آتھم حاشیہ ۲۱)

بعض خبیث طبع مولوی جو یہودیت کا خمیر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ دنیا میں سب جانوروں سے زیادہ پلید خنزیر ہے مگر خنزیر سے زیادہ پلید وہ لوگ ہیں۔ اے مردار خور مولوی اور گندی روحو۔ (انجام آتھم ص ۲۱ مصنفہ قادیانی)

اسلام کی مقدس اصطلاحات کا ناجائز استعمال

علاوہ بریں احمدیت کے پیرو دین اسلام کی اور مسلمانوں کی مقدس اصطلاحوں کو ان کے مقررہ موقع اور محل کے سوا جو قرآن پاک' احادیث نبوی اور امت کے تواتر عمل سے طے ہو چکا ہے۔ دیگر مواقع اور محلات پر استعمال کر کے مسلمانوں کی دل آزاری اور اشتعال انگیزی کے مرتکب بنتے رہتے تھے۔ مثلاً:

اپنے متبنی کے لئے " علیہ الصلوۃ و السلام " کی اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں جو مسلمانوں کے ہاں محض انبیائے کرام کے لئے مختص ہے۔

" صحابہ کرام " کی اصطلاح کا استعمال مرزائے قادیان کے ساتھیوں کے لئے اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا عنہم " کا استعمال مرزائے قادیان کے ساتھیوں کے لئے کرتے ہیں۔ جو حسب آیت قرآنی

و السابقون الاولون من المهاجرین و الانصار والذین اتبعوهم باحسان۔ رضی الله عنهم ورضوا عنه ۔۔۔ الخ

(جن لوگوں نے سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں ۔۔۔۔ الخ)

لقد رضی الله عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرة ۔۔۔ الخ)

(تحقیق اللہ مسلمانوں سے راضی ہوا۔ جب کہ وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ..... (الخ)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لئے مختص ہو چکی ہے۔

ام المومنین " کی اصطلاح کا استعمال مرزا غلام احمد قادیانی کی بیوی کے لئے جو حسب آیت قرآنی۔

النبی اولی بالمومنین من انفسهم و ازواجه امهاتهم (۳۳:۶)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لئے مخصوص ہے۔

سیدۃ النساء کی اصطلاح کا استعمال مرزا غلام احمد یا مرزا بشیر الدین کی بیٹی کے لئے جو

حدیث شریف کے رو سے خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختص ہے۔

فقال اما ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اهل الجنۃ او نساء المومنین فضحکت لذالک

حضورؐ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا تم پسند نہیں کرتیں۔ کہ تم تمام جنت کی عورتوں یا تمام مسلمان عورتوں کی سیدہ ہو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے۔ یہ سن کر میں ہنس دی۔ (صحیح بخاری ص [illegible] مطبع مجتبائی)

امیر المومنین کی اصطلاح کا استعمال مرزا بشیر الدین محمود کے لئے جو صرف احمدی جماعت کا امیر ہے ثبوت کے لئے الفضل کے پرچے جن میں مذکورہ صدر اصطلاح میں استعمال کی گئی ہیں۔

مسلم آبادیوں میں احمدیوں کی تبلیغ کانفرنس

احمدیت کے پیرو اپنی مذکورہ صدر معتقدات کی تبلیغ کے لئے جن سے مسلمانوں کی انتہائی مذہبی دل آزاری ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی آبادیوں میں تبلیغی جلسے منعقد کر کے مسلمانوں کو اشتعال دلانے کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کو ربوہ میں تبلیغی جلسہ منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ مثلاً گذشتہ چھ سال میں انہوں نے حسب ذیل مقامات پر جلسے اور کانفرنسیں منعقد کر کے اور مسلمانوں کی آبادیوں میں اپنے تبلیغی جتھے بھیج کر اشتعال انگیزیاں کیں: شواہد

اخبار "الفضل" کے پرچے اور دوسرے اخبارات کے پرچے جن میں ان جلسوں کا حال درج ہے اور مرزا بشیر الدین محمود کا بیان جو اس نے فسادات کے بعد جاری کیا۔ اور جس میں اس نے اپنے پیروں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے جلسے اپنی مسجدوں اپنے ہالوں اور اپنے ہی احاطوں میں منعقد کیا کریں۔ اور اگر کوئی جلسہ عام منعقد کیا جائے۔ تو اس میں ایسے اختلافی اور نزاعی مباحث سے احتراز کیا جائے۔ جو جوش اور اشتعال پیدا کرنے کا موجب ہوں"

ان ہدایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا محمود کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ احمدی لوگ قبل ازیں مسلمانوں کی آبادیوں میں تبلیغی جلسے منعقد کرتے تھے اور ان میں ایسی بحثیں چھیڑ لیتے تھے۔ جو اشتعال پیدا کرنے کا موجب ہوں۔

شہادت اخبار پاکستان ٹائمز لاہور [illegible] مورخہ ۱۷ جون احمدیوں کے تبلیغی جلسے اور کانفرنسیں وغیرہ (۱) سیالکوٹ میں جلسہ اور ہنگامہ منعقدہ مورخہ [illegible] جنوری [illegible] روداد در اخبار "آزاد" لاہور مورخہ ۲۴ جنوری [illegible] ودر اخبار "آزاد" لاہور مورخہ ۲۵ جنوری [illegible] مع

تبصرہ "مغربی پاکستان" لاہور۔

(۲) اوکاڑہ میں مرزائیوں کی ہنگامہ آرائی مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۵۰ء روداد اخبار "آزاد" لاہور۔ مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء

(۳) لائل پور میں مرزائیوں کا جلسہ اور ہنگامہ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۵۱ء اخبار "غریب لائل پور کی رپورٹ اور اخبار "آزاد" کی رپورٹ مندرجہ در اخبار "آزاد" لاہور مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۵۱ء

(۴) موضع مسمونہ چک نمبر ۱۸ اہل والہ متصل سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ میں مرزائیوں کا جلسہ اور ہنگامہ مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۵۲ء در "اخبار آزاد" لاہور

(۵) احمدیوں کی تبلیغی کانفرنس کراچی منعقدہ ۱۷ اور ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء روداد در اخبار "آزاد" لاہور

روزنامہ جنگ کراچی اور روزنامہ "انجام" کراچی اور روزنامہ "ڈان" کراچی کے ایڈیٹر صاحبان کو شہادت کے لئے طلب کیا جائے کہ وہ اپنے اخبارات کے وہ پرچے جن میں اس کانفرنس کی روداد اور ان ہنگاموں کی روداد جو اس کی وجہ سے ہوئے اور نیز اپنے ادارتی تبصروں والے پرچے لے کر آئیں۔

احمدیوں کی خطرناک سیاسی سرگرمیاں

نہایت ہی خطرناک قسم کی مذہبی دل آزاریوں کے علاوہ جو مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ احمدیت کی تحریک کا ایک اور خطرناک پہلو احمدیوں کی سیاسی سرگرمیاں ہیں جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کی سیاسی زندگی کو طرح طرح کے خطرات میں ڈالنے کا موجب بنتی رہی ہیں۔ اور بن رہی ہے۔ احمدی جماعت در حقیقت مذہبی لباس میں ایک قسم کی سیاسی تنظیم ہے جس کا مدعا مسلمانوں کو سیاسی اور اقتصادی حیثیت سے نقصان پہنچانا اور ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ احمدی جماعت کی بنیاد اس وقت کے غیر ملکی حکمرانوں یعنی انگریزوں کی بے جا خوشامد اور چاپلوسی پر رکھی گئی۔ اور اس تحریک کے بانی نے گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کی وفاداری اور اطاعت شعاری کو اپنی جماعت کے لئے شرط ایمان قرار دے دیا۔ تاکہ احمدی جماعت کے لوگ حکومت وقت سے زیادہ سے زیادہ سیاسی فوائد حاصل کر سکیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد اس سیاسی تنظیم نے پاکستان کے اندر احمدیوں کا جداگانہ حکومتی نظام قائم کر کے اس امر کی کوششیں شروع کر دیں۔ کہ پاکستان پر احمدیوں کا حکومتی اقتدار قائم کر لیا جائے۔ احمدیوں کے یہ خطرناک سیاسی عزائم بھی عامتہ المسلمین کے اضطراب کو ترقی دینے کا موجب بنے۔ متذکرہ صدر بیانات کے ثبوت میں ذیل کے شواہد اجمالی طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے ۳۱۳ مریدوں کی جو پہلی فہرست شائع کی۔ اس سلسلہ میں

لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کو درخواست بھیجی اس میں لکھا:

سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار اور جان نثار ثابت کر چکی ہے۔ اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت ہی احتیاط اور تحقیق سے کام لے۔ اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے۔ کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداریوں اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت کی نظر سے دیکھیں۔ (مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۷ ص ۱۹)

اب اس تمام تقریر سے جس کے ساتھ میں نے اپنی سترہ سالہ مسلسل تقریروں سے ثبوت پیش کئے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ میں سرکار انگریزی کا دل و جان سے خیر خواہ ہوں۔ اور میں ایک شخص امن دوست ہوں اور اطاعت گورنمنٹ اور ہمدردی بندگان خدا کی میرا اصول ہے اور یہ وہی اصول ہے جو میرے مریدوں کی شرائط بیعت میں داخل ہے۔ چنانچہ پرچہ شرائط بیعت جو ہمیشہ مریدوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کی دفعہ چہارم میں ان ہی باتوں کی تصریح ہے۔ ضمیمہ کتاب البریہ ص ۹ مصنفہ قادیانی

میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے۔ ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے (درخواست مرزا بحضور نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص ۱۷)

میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گزار ہے۔ اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارہ میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات طبع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں۔ تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچایا ہے۔ میری ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں۔ ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔ (تریاق القلوب ص ۳۵ مصنفہ قادیانی۔)

ہم یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ احمدی جماعت دراصل ایک ایسی جماعت ہے۔ جو مذہب کے رنگ میں سیاسی اور دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے بنائی گئی۔ صرف مذکرۃ الصدر شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں مختصر یہ کہ انگریزی حکومت نے اس جماعت کی خوب سرپرستی کی اس کے افراد کو ہر طریق سے نوازا۔ اور اسے بہت تقویت پہنچائی۔ پاکستان بننے پر احمدی بھی مسلمانوں کی طرح مشرقی پنجاب سے نکال دیئے گئے' حالانکہ وہ ہندوستان کو متحدہ رکھنے کے

خواہاں تھے پاکستان میں آنے کے بعد اس سیاسی جماعت نے پاکستان کے اندر اپنا حکومتی نظام قائم کر کے اس ملک کا سیاسی اقتدار حاصل کرنے اور پاکستان کا حکمران بننے کی سازشیں اور کوششیں شروع کر دیں' شواہد حسب ذیل ہیں :

ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ انگریزوں کی سلطنت کی حفاظت اور ان کی کامیابی کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ ...... نے کیوں دعائیں کیں حضور (مرزا بشیر الدین محمود) بھی ان کی کامیابی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور اپنی جماعت کے لوگوں کو جنگ میں مدد دینے کے لئے بھرتی ہونے کا ارشاد فرماتے ہیں۔ حالانکہ انگریز مسلمان نہیں۔ اس کے جواب میں حضور (بشیر الدین) نے جو ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے۔

فرمایا اس سوال کا جواب قرآن حکیم میں موجود ہے۔ حضرت موسیٰ" کو جو نظارے دکھائے گئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ ایک گرتی ہوئی دیوار بنا دی گئی جسکی وجہ بعد میں یہ بیان کی گئی کہ اس کے نیچے خزانہ تھا۔ جس کے مالک چھوٹے' بچے تھے' دیوار اس لئے بنا دی گئی کہ ان لڑکوں کے بڑے ہونے تک خزانہ کسی اور کے ہاتھ نہ لگے اور ان کے لئے محفوظ رہے۔ یہ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ ...... کی جماعت کے متعلق پیشگوئی ہے۔ جب تک جماعت احمدیہ نظام حکومت سنبھالنے کے قابل نہیں ہوتی اس وقت تک ضروری ہے اس دیوار کو قائم رکھا جائے۔ تاکہ یہ نظام کسی ایسی طاقت کے قبضے میں نہ چلا جائے جو احمدیت کے مفادات کے لئے زیادہ مضر اور نقصان رساں ہو۔ جب جماعت میں قابلیت پیدا ہو جائے گی۔ اس وقت نظام اس کے ہاتھ میں آ جائے گا۔ یہ وجہ ہے انگریزوں کی حکومت کے لئے دعا کرنے اور ان کو فتح حاصل کرنے میں مدد دینے کی "الفضل" قادیان ۳ جنوری ۱۹۴۵ء۔

بلوچستان کی کل آبادی پانچ یا چھ لاکھ ہے ...... زیادہ آبادی کو احمدی بنانا مشکل ہے لیکن تھوڑے آدمیوں کو تو احمدی بنانا مشکل نہیں پس جماعت اس طرف اگر پوری توجہ دے تو اس صوبہ کو بہت جلد احمدی بنایا جا سکتا ہے...... اگر ہم سارے صوبہ کو احمدی بنائیں' تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے گا جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے' پس میں جماعت کو اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ لوگوں کے لئے یہ عمدہ موقع ہے اس سے فائدہ اٹھائیں اور اسے ضائع نہ ہونے دیں پس تبلیغ کے ذریعہ بلوچستان کو اپنا صوبہ بناؤ تاکہ تاریخ میں آپ کا نام رہے۔ (مرزا محمود کا بیان مندرجہ "الفضل" ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء)

جب تک سارے محکموں میں ہمارے آدمی موجود نہ ہوں' ان سے جماعت پوری طرح کام نہیں لے سکتی مثلاً موٹے موٹے محکموں میں سے فوج ہے۔ پولیس ہے' ایڈمنسٹریشن ہے ریلوے ہے' فنانس ہے' اکاؤنٹس ہے' کسٹمز ہے' انجینئرنگ ہے یہ آٹھ دس موٹے موٹے شعبے

ہیں جن کے ذریعے سے جماعت اپنے حقوق محفوظ کرا سکتی ہے۔ ہماری جماعت کے نوجوان فوج میں بے تحاشا جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہماری نسبت فوج میں دوسرے محکموں کی نسبت سے بہت زیادہ ہے اور ہم اس سے اپنے حقوق کی حفاظت کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ باقی محکمے خالی پڑے ہیں۔ بے شک آپ لوگ اپنے لڑکوں کو نوکری کرائیں۔ لیکن وہ نوکری اسی طرح کیوں نہ کرائی جائے جس سے جماعت فائدہ اٹھا سکے۔ پیسے بھی اس طرح کمائے جائیں کہ ہر محکمے میں ہمارے آدمی موجود ہوں اور ہر جگہ ہماری آواز پہنچ سکے۔ (خطبہ مرزا محمود مندرجہ "الفضل" ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء)

پاکستان بننے کے بعد احمدی جماعت کی سیاسی تنظیم نے حکومت پاکستان کے مقابلے میں ایک متوازی نظام حکومت قائم کر لیا۔ ربوہ کے مقام پر خالص احمدیوں کی بستی آباد کر کے اس نظام حکومت کا مرکز بنا لیا گیا۔ جماعت کا لیڈر "امیر المومنین" کہلانے لگا۔ جو مسلمانوں کے فرماں رواؤں کا متعین شدہ لقب ہے۔ اس امیر المومنین کے ماتحت ربوہ میں مرزائی حکومت کی نظارتیں باقاعدہ قائم ہیں نظارت امور داخلہ ہے۔ نظارت امور خارجہ ہے۔ نظارت نشرو اشاعت ہے۔ نظارت امور عامہ ہے۔ نظارت امور مذہبی ہے یہ نظارتیں کسی ریاست یا سلطنت کے نظام حکومت کے شعبوں کی طرح کام کر رہی ہیں۔ اس نظام حکومت نے خدام الاحمدیہ کے نام سے ایک فوجی نظام بھی بنا رکھا ہے جس میں حکومت پاکستان کے توڑے ہوئے 'فرقان بٹالین' کے سابق سپاہی اور افسر شامل ہیں احمدیوں کی یہ تنظیم پاکستان میں سیاسی تفوق و اقتدار حاصل کرنے کے لئے کام کرتی رہی تاآنکہ اس تنظیم کے لیڈر محسوس کرنے لگے کہ پاکستان کا حکمران بن جانا احمدیوں کے لئے کوئی مشکل بات نہیں اس احساس و اعتماد کی بنا پر احمدی لیڈر مسلمانوں کو کھلم کھلا دھمکیاں دینے لگے مثلاً مرزا بشیر الدین محمود نے ربوہ میں اپنی جماعت کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے وزیر خارجہ پاکستان چوہدری ظفر اللہ کی موجودگی میں کہا۔

ہم فتح یاب ہوں گے اور تم مجرموں کے طور پر ہمارے سامنے پیش ہو گے۔ اس وقت تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اس کی پارٹی کا ہوا۔

میاں محمد شفیع ایم۔ ایل۔ اے کی شہادت طلب کی جائے۔

مہتمم تبلیغ خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے بیان میں کہا

۱۹۵۲ء کو گزرنے نہ دیجئے جب تک کہ احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جا سکتی اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آگرے" الفضل" ۱۶ جنوری ۱۹۵۲ء

خونی ملا کے آخری دن

ہاں آخری وقت آ پہنچا ہے ان تمام علمائے حق کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو شروع سے لے کر آج تک یہ خونی ملا قتل کراتے آئے ہیں۔ ان سب کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔
(۱)۔ عطاء اللہ شاہ بخاری سے (۲) ملا بدایونی سے (۳) ملا احتشام الحق سے (۴) ملا محمد شفیع سے (۵) ملا مودودی (پانچویں سوار) سے " الفضل لاہور " ۱۵ جولائی ۱۹۵۲ء۔
احمدی لیڈروں کے ان قاتلانہ اور تشددانہ رجحانات ان کی حسب ذیل تحریرات سے بھی ظاہر ہیں جو سالوں پہلے لکھی گئیں :۔
خدا تعالیٰ نے آپ کا نام عیسیٰ رکھا تاکہ پہلے عیسیٰ کو تو یہودیوں نے سولی پر لٹکا دیا تھا مگر آپ اس زمانے کے یہودی صفت لوگوں کو سولی پر لٹکائیں۔ " تقدیر الٰہی " مصنفہ محمود ص ۲۹۔

انتقام لینے کا زمانہ

اب زمانہ بدل گیا ہے۔ دیکھو پہلے جو مسیح آیا تھا اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا مگر اب مسیح اس لئے آیا کہ اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارے (" عرفان الٰہی " مصنفہ محمود ص ۹۳۔ ۹۴)
متذکرہ صدر تصریحات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے مسلمہ معتقدات پر احمدیت کی تحریک کے جارحانہ حملے اور احمدیوں کا اپنا طرز عمل ان کیفیات کو پیدا کرنے اور ترقی دینے کے ذمہ دار ہیں جو ہنگاموں اور فسادات پر منتج ہوئیں۔

نقطہ نمبر ۲

ضروری تصریحات

دوسرا عنصر جس پر ان ہنگاموں اور فسادوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ احمدیوں کے ساتھ حکومت پاکستان اور حکومت پنجاب کا ایک طرفہ ترجیحی سلوک ہے جس نے اس اضطراب کو جو مسلمانوں میں احمدیوں کے طرز عمل کی وجہ سے پیدا ہوا اور بھی ترقی دی۔ اس امر کے بڑے بڑے شواہد حسب ذیل ہیں۔
ا۔ حکومت پنجاب نے احمدیوں کو اپنی الگ بستی بسانے اور اپنا جداگانہ مرکز قائم کرنے کے لئے ربوہ ضلع جھنگ میں نہایت سستے داموں یعنی ڈیڑھ آنہ فی مربع گز کے حساب سے زمین کا ایک وسیع ٹکڑا دے دیا دوسرے مہاجرین کے ساتھ اس قسم کی کوئی رعایت روا نہ رکھی گئی۔

بلکہ ضلع وار آبادی کی تجویز کو بھی ٹھکرا دیا گیا۔
(اس نقطہ پر چیف سیکرٹری حکومت پنجاب کو شہادت کے لئے طلب کیا جائے)
(ii) پاکستان کے مرکزی اور پنجاب کے صوبائی نظام حکومت میں احمدی افسروں کو ان کے تناسب آبادی سے کہیں زیادہ تعداد میں بھرتی کر لیا گیا اور اہم کلیدی آسامیوں پر احمدی افسر نمایاں طور پر نظر آنے لگے۔ فوج میں ان کے اعلیٰ افسروں کا تناسب تو بہت ہی حیرت انگیز ہے یعنی ائیر فورس میں پچاس فیصدی زیادہ، بری فوج میں ۲۳ فیصدی سے زیادہ۔
ملٹری میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں پچاس فیصدی سے زیادہ حالانکہ آبادی کے لحاظ سے ان کا تناسب پاکستان میں ایک فیصدی بھی نہیں۔ شواہد حسب ذیل :۔
مرزا بشیرالدین محمود کا بیان جو نقطہ نمبرا کی تصریح کے سلسلے میں احمدی جماعت کے سیاسی عزائم کی وضاحت کرتے مذکور حوالہ مندرجہ "الفضل" ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء
فہرست اور اشتہارات سکندر مرزا ڈیفنس سیکرٹری حکومت پاکستان کو شہادت کے لئے طلب کیا جائے۔
کسی ایسے شخص کی شہادت جس نے گورنمنٹ ہاؤس کے اجتماع میں سکندر مرزا کی زبان سے فوجی افسروں میں احمدیوں کے تناسب کی بات سنی۔ (۶ ستمبر ۱۹۵۲ء کا "الفضل")
(iii) جموں کشمیر کے سلسلے میں احمدیوں کو فرقان بٹالین کے نام سے اپنی الگ فوجی تنظیم قائم کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ تاکہ احمدی جوان سرکاری خرچ پر فوجی تربیت حاصل کر سکیں۔
شواہد ..... (I) "الفضل" ۲۳ اپریل ۱۹۵۱ء
(۲) سکندر مرزا ڈیفنس سیکرٹری پاکستان کو شہادت کے لئے طلب کیا جائے۔
(iv) مکانوں کوٹھیوں کارخانوں اور دیگر متروکہ جائیداد کی الاٹ منٹوں کے سلسلے میں احمدیوں کے ساتھ ہر جگہ ترجیحی سلوک کیا گیا۔ شہادت کے طور پر ملاحظہ ہو۔ مرزا بشیرالدین محمود کا بیان۔

میں مغربی پاکستان والوں (مقامی) احمدیوں کو لیتا ہوں خدا تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل کیا ہے۔ انہوں نے اس طرف اپنی جائیداد کا کوئی حصہ نہیں چھوڑا۔ لیکن اس طرف انہوں نے دوسروں کے ساتھ برابر کا حصہ لیا ہے۔ سینکڑوں ایسے تو ہی ملتے ہیں جن کی پہلے کوئی جائیداد نہیں تھی۔ اب وہ کارخانوں کے مالک بن گئے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو ہندوستان سے باہر گئے ہوئے تھے۔ فسادات میں وہ یہاں آ گئے۔ بک لوٹ مار میں ان کو حصہ مل جائے بہت سے شہروں میں ایسا ہوا ہے۔ بہرحال اکثر کی اقتصادی حالت پہلے سے بہت اچھی ہے۔
ہند سے آنے والے اب اکثر دوست آباد ہو چکے ہیں اور ان کی مالی حالت آگے سے

بہت اچھی ہے کیونکہ ہندوؤں کی بچی ہوئی تجارت اور کارخانے انہیں مل گئے ہیں اور ان میں سے بعض آگے سے ۲۰-۲۰ بیس بیس گنا زیادہ کما رہے ہیں۔ مجھے بعض لوگوں کا حال معلوم ہے۔ مشرقی پنجاب میں اگر وہ سات آٹھ ہزار کا مال لٹا کر آئے تھے تو آج وہ آٹھ دس لاکھ کے مالک بن گئے۔ ایک شخص کے متعلق میں نے سنا ہے وہ قادیان کا ایک تاجر تھا۔ چھابڑی پر چیزیں بیچا کرتا تھا۔ اس نے بائیس ہزار کی موٹر لی ہے۔ اکثر حصہ غرباء کا (ایسا) ہے جو ہزاروں سے لکھ پتی بن گئے۔ "الفضل" لاہور ۵ دسمبر ۱۹۴۸ء

(۳) گورنمنٹ کے احمدی افسر اور ملازم اپنے عہدے کی پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر اپنے ماتحتوں میں اور ان لوگوں میں جن کو اپنے کاموں کے سلسلے میں ان سے واسطہ پڑتا تھا۔ کھلم کھلا احمدیت کی تبلیغ کرتے رہے۔ پاکستان کا وزیر امور خارجہ چودھری ظفر اللہ خاں باہر کے ملکوں میں احمدیت کے پرجوش مبلغ کی حیثیت سے کام کرتا رہا اور گورنمنٹ نے سالہا سال تک کوئی نوٹس نہ لیا۔ شواہد بصورت ذیل :۔

(۱) اشتہار یوم مصلح موعود۔ اشتہارات تبلیغ کانفرنس کراچی۔ اشتہارات احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔

(۲) "الفضل" کے پرچے جن سے ظفر اللہ خاں کی تبلیغی سرگرمیوں کا حال کھلتا ہے۔ مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۵۰ء ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء و ۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء و ۱۷ دسمبر ۱۹۵۰ء۔

(۳) ظفر اللہ خاں کے خطوط کا عکس۔

(۴) ظفر اللہ خاں نے صدر امریکہ ٹرومین کو قرآن پاک کی قادیانی تفسیر پیش کی :۔ ثبوت کے لئے اخبار آزاد مورخہ ۹ مارچ ۱۹۵۱ء کا ایک مضمون۔

(۵) اعلامیہ حکومت پاکستان مجریہ ۲۴ اگست ۱۹۵۲ء۔

(۶) مرزا بشیر الدین محمود کا بیان اس اعلامیہ کے جواب میں۔ مندرجہ "الفضل" مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۵۲ء و مندرجہ اخبار "آزاد" لاہور ۱۱ ستمبر ۱۹۵۲ء

(۷) حکام کی احمدیت نوازی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نواب شاہ کے اس حکم سے بھی ظاہر ہے جو اس نے زعمائے احرار کے نام جاری کیا اور ان کو قادیانیوں کے عقیدہ ان کی سرگرمیوں اور ان کے مذہبی اور سیاسی لیڈروں کے کردار وغیرہ موضوعات پر تنقید یا تبصرہ کرنے سے منع کر دیا۔ شہادت کے لئے مولانا احسان احمد شجاع آبادی خطیب شاہی مسجد شجاع آباد ضلع ملتان کو اور دوسرے احرار لیڈروں کو طلب کیا جائے

احمدیوں کے ساتھ حکومت کا ترجیحی سلوک اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ حکومت پاکستان نے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا "رسالہ الشہاب" جو گذشتہ تیس سال سے برابر چھپ رہا تھا ضبط کر

لیا اور اس طرح انجمن خدام الاحمدیہ کا پمفلٹ یوم مصلح موعود کراچی ایڈمنسٹریشن نے ضبط کر لیا لیکن احمدیوں کے بدرجہ غایت اشتعال انگیز لٹریچر کی طرف کوئی توجہ مبذول نہ کی۔

۱۷ ، ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو احمدیوں نے کراچی میں ایک تبلیغی کانفرنس منعقد کی جس میں گورنمنٹ کے بڑے بڑے احمدی عہدے دار اور افسر اشتہارات میں اپنا نام اور عہدہ چھپوا کر شریک ہوئے اور پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری ظفر اللہ خاں نے دونوں دن اس کانفرنس میں احمدیت کا پرچار کیا۔ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے پولیس کا خاص اہتمام کیا گیا اور غیر ملکی سفارتوں کے ارکان کو وزیر خارجہ پاکستان کی زبان سے احمدیت کا پیغام سنانے کے لئے خاص طور پر مدعو کیا گیا۔ یعنی احمدیوں کی یہ تبلیغی کانفرنس حکومت پاکستان کی سرپرستی میں منعقد کی گئی پولیس نے لوگوں کو لاٹھیوں کے بل پر چودھری صاحب کی اشتعال انگیز باتیں سننے کے لئے مجبور کیا۔ اس سے کراچی کے عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور دو دن تک ہنگامہ بپا رہا۔ شواہد

"آزاد لاہور" روزنامہ "انجام"

ایڈیٹر حضرات کو شہادت کے لئے طلب کیا جائے۔

"روزنامہ "جنگ" کراچی روزنامہ "ڈان"

حکومت پاکستان اور حکومت پنجاب کے اس قسم کے رجحانات نے بھی مسلمانوں کے اضطراب کو ترقی دی جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ پاکستان میں احمدیوں کی حکومت قائم کرنے اور احمدیت کو اس ملک میں سرکاری مذہب بنانے کے لئے خاص کوششیں سرکاری طور پر کی جاری ہیں۔

نقطہ نمبر ۳

حکومت کی لاپروائی اور مسائل متعلقہ کو حل کرنے میں ناکامی

تیسرا عنصر جس پر مسلمانوں کے اضطراب عمومی کو ترقی دینے اور ناگوار حالات پیدا کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ عامۃ المسلمین کی شکایات اور ان کے اضطراب کی طرف سے حکومت کی لاپروائی اور اس سلسلے میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے میں اس کی ناکامی ہے۔ ان کیفیات کی وجہ سے جو نقطہ نمبر ا و نقطہ نمبر ۲ میں بیان ہو گئیں۔ مسلمانوں کا اضطراب بڑھتا گیا۔ کراچی کی نیم سرکاری احمدی تبلیغی کانفرنس کے بعد اس اضطراب نے عام احتجاج کی شکل اختیار کر لی۔ کراچی میں مظاہرے ہوئے۔ سندھ اور پنجاب میں یوم احتجاج منایا گیا۔

پنجاب کے کونے کونے میں مظاہرے ہونے لگے۔ جنہوں نے احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کی صورت اختیار کر لی۔ حکومت پنجاب نے مسلمانوں کو مسئلہ ختم نبوت کی تبلیغ کرنے سے روکنے کے لئے متعدد مقامات پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی تا آنکہ مساجد میں دینی وعظ کہنے پر بھی پابندی عائد کر دی۔ اور علماء اور خطبائے مساجد کو مسجدوں میں خطبہ دینے اور وعظ کہنے کی بنا پر گرفتار کر لیا۔

شہادت کے لئے طلب کریں۔

۱۔ صاحبزادہ فیض الحسن اسیر زنداں ۲۔ مولوی عبدالواحد گوجرانوالہ۔

۳۔ ان ہدایات کی نقل جو حکومت پنجاب کی طرف سے اضلاع کے حاکموں کو بھیجی گئیں۔

دو تین ماہ یہ سلسلہ جاری رہا ان حالات میں تا آنکہ اس خطرہ عظیم کا مقابلہ کرنے کے لئے جو دین اسلام کے بنیادی عقائد کو احمدیوں کی حد سے بڑھی ہوئی سرگرمیوں کے باعث نیز حکومت کے مرزائیت نوازانہ رجحانات کے باعث لاحق ہو رہا ہے۔ آئینی ذرائع سے پر امن جدوجہد کی جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر کراچی میں علمائے اسلام کا ایک بورڈ بنایا گیا۔ ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور میں آل مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہوئی جس میں پنجاب کے مختلف مقامات سے کوئی دو سو علمائے اسلام اور مشائخ عظام شریک ہوئے اور مسلمانوں کے احساسات پر مبنی قراردادیں منظور کی گئیں اور چند مطالبات حکومت کے سامنے پیش کرنے اور منظور کرانے کے لئے تشکیل کئے گئے۔ اس مقصد کی جدوجہد کرنے کے لئے بائیس ارکان پر مشتمل ایک مجلس عمل بنائی گئی جس میں حسب ذیل اسلامی جماعتوں کے نمائندے شامل تھے۔

(۱) جمعیت علماء اسلام (۲) جمعیت علماء پاکستان (۳) جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان (۴) انجمن تنظیم اہل سنت والجماعت (۵) ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ (۶) جمعیت المشائخ (۷) مجلس احرار اسلام (۸) جماعت اسلامی (۹) حزب الاحناف (۱۰) کچھ نامزد ارکان۔

کنونشن کے انعقاد اور مجلس عمل کے قیام کے وقت پنجاب کے شہروں میں چوہدری ظفراللہ خاں کی تبلیغی کانفرنس (مذکورہ بالا) کی وجہ سے احتجاجی مظاہرے ہو رہے تھے۔ مجلس عمل نے حالات کو پر سکون بنایا۔ لوگوں کو پر امن رہنے کی صبر و تحمل سے کام لینے کی تلقین کی۔ انہی حالات میں ملتان میں پولیس نے مظاہرہ کرنے والے ہجوم پر گولی چلا دی۔ ملتان میں اشتعال پھیلا اور عوام نے مسلسل ہڑتال کر دی۔ مجلس عمل کے وفد نے ملتان پہنچ کر حالات میں سکون پیدا کیا۔ ہڑتال کھلوائی اور لوگوں کو مظاہرے کرنے سے روکا۔ ملتان کے حالات اس وقت بہت مخدوش تھے۔ وزراء اور حکام سکون پیدا کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ مجلس عمل کے وفد نے حالات کو درست کیا تائید کے لئے شہادتیں طلب کی جائیں۔

(۱) اس وقت کا کمشنر ملتان ڈویژن آئی یو خاں حال چیف سیکرٹری حکومت پنجاب۔
(۲) مولانا ابوالحسنات مع ارکان' صاحبزادہ فیض الحسن' مولانا محمد علی جالندھری و مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش۔
(۳) مخدوم شوکت حسین صاحب (۴) ممتاز دولتانہ (۵) مولانا کاظمی صاحب۔

مجلس عمل کے ایک وفد نے ۱۱ اگست ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۵ اگست تک کراچی پہنچ کر وزیراعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین اور بعض دیگر مرکزی وزراء سے متعدد ملاقاتیں کر کے انہیں مسلمانوں کے اضطراب اور احساسات سے باخبر بنانے کی کوشش کی اور مطبوعہ محضرنامے کی صورت میں مطالبات پیش کئے۔ شہادت کے طور پر مطبوعہ محضرنامے کی ایک کاپی اس بیان کے ساتھ شامل کی جاتی ہے۔ (ضمیمہ نمبر ۱)

شہادت کے لئے طلب کیا جائے۔
(۱) مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد (۲) مرتضیٰ احمد خاں میکش ۳۔۔۔۔ ۳ (۳) شیخ حسام الدین
(۴) مولانا عبدالحامد بدایونی۔

مجلس عمل کے ایک وفد نے ۲۹ ستمبر ۱۹۵۲ء کو وزیراعلیٰ پنجاب میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ سے ملاقات کر کے مطبوعہ یادداشت کی شکل میں مسلمانوں کی ایسی شکایات پیش کیں جو اس سلسلے میں صوبائی حکومت سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس مطبوعہ یادداشت کی ایک کاپی بطور شہادت اس بیان کے ساتھ شامل کی جا رہی ہے۔ (ضمیمہ نمبر ۲)

مجلس عمل نے پنجاب کے مختلف شہروں میں جلسے اور کانفرنسیں منعقد کر کے لوگوں کو پرامن رہنے اور اپنے مطالبات منوانے کے لئے آئینی طریق کار پر حصر کرنے کی تلقین کی۔

مجلس عمل کی ان کوششوں کے باوجود ارباب حکومت کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور حکومت کی طرف سے مسلمانوں کی شکایات کے ازالہ کے لئے کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ مرکزی وزراء اور صوبائی وزیراعلیٰ جن سے مجلس عمل کے وفد نے ملاقاتیں کیں۔ اصولی طور پر مجلس کے موقف کو صحیح تسلیم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ختم نبوت کے عقیدے کو بجائے ایمان تسلیم کرتے ہیں ہم بھی وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو مسلمانوں کا ہے لیکن حکومت پاکستان اور حکومت پنجاب دونوں نے عامۃ المسلمین کے جائز مطالبات کی طرف کسی قسم کا دھیان مطلقاً نہ دیا۔ حکومت کی بے اعتنائی کی وجہ سے عوام کا اضطراب اور بھی ترقی کر گیا۔ اور عامۃ المسلمین مجلس عمل سے جدوجہد کے نتائج کے متعلق باز پرس کرنے لگے۔

۱۶ جنوری ۱۹۵۳ء کو بعد نماز جمعہ کراچی میں سارے پاکستان کے سرکردہ علمائے اسلام کا ایک نمائندہ اجتماع آل پاکستان آل مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہوا جس میں احمدیت کے سوال پر

حکومت پاکستان کی روش پر عمومی تبصرے کئے گئے اور ایک سب جیکٹ کمیٹی بنا دی گئی اس کونشن میں حسب ذیل حضرات شریک ہوئے۔

حضرت ابوالاعلیٰ مودودی صاحب صدر جماعت اسلامی لاہور' حافظ محمد امین صاحب امیر جماعت ناجیہ' خلیفہ حاجی ترنگ زئی پشاور' حضرت پیر سرسینہ شریف امیر حزب اللہ بنگالی ڈھاکہ' مولانا راغب حسن ایم۔ اے ڈھاکہ' مولانا عزیز الرحمن ناظم حزب اللہ ڈھاکہ' مولانا اطہر علی صاحب ڈھاکہ' مولانا ظفر الانبیاء صاحب ڈھاکہ' مولانا یوسف صاحب بنوری' صدر مدرس دارالعلوم ٹنڈوالہ یار' مولانا شمس الحق افغانی صاحب وزیر معارف قلات' مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی' مولانا احمد علی صدر جمعیت علمائے اسلام شیرانوالہ دروازہ لاہور' مولانا محمد حسن صاحب جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور' مولانا محمد ادریس صاحب صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور' مولانا ظفر احمد انصاری سیکرٹری تعلیمات بورڈ کراچی' مولانا سید سلیمان صاحب ندوی' صدر تعلیمات اسلامیہ بورڈ کراچی' مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دیو بند ممبر تعلیمات اسلامیہ بورڈ کراچی' مولانا سلطان احمد صاحب امیر جماعت اسلامی کراچی و سندھ' مولانا الطاف صاحب داد خان صاحب عربیک ٹیچر سندھ مدرسہ کراچی' مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی صدر جمعیت العلماء کراچی و سندھ' مولانا محمد یوسف صاحب کلکتوی' صدر جمعیت اہلحدیث کراچی' مولانا اسماعیل صاحب ناظم جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان' مولانا سید داؤد غزنوی صدر جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان۔ ایم۔ ایل۔ اے مولانا محمد علی جالندھری جنرل سیکرٹری احرار پنجاب' ملتان' مولانا عطا اللہ شاہ صاحب بخاری امیر شریعت ملتان' مولانا احتشام صاحب ناظم جمعیت العلماء اسلام کراچی' مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کنوینر آل پارٹیز کنونشن کراچی' مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری مرکزی جمعیت علماء پاکستان و صدر مجلس عمل لاہور۔ ان کے علاوہ اور بہت سے علماء تھے جن کی لسٹ آل پارٹیز کنونشن کے کنوینر کے پاس ہے۔

۱۷ جنوری ۱۹۵۳ء کی شام کو بعد مغرب سب جیکٹ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا اور ۱۸ جنوری کو کنونشن کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں بحث و تمحیص کے بعد حسب ذیل تجویز منظور کی گئی۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن پاکستان کی قرارداد

اس حقیقت کے پیش نظر کہ خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کی بے بس حکومت نے قوم کے متفقہ مطالبات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور اب موجودہ حکومت سے مرزائیوں کے متعلق مسلمانوں کے مطالبات منظور ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہی' آل مسلم پارٹیز کنونشن

کا یہ اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ بحالات موجودہ قوم کے بنیادی مطالبات کو منوانے کے لئے براہ راست اقدام از بس ناگزیر ہے۔ جسے بروئے کار لانے کے لئے ذیل کی صورتیں اختیار کی جائیں:۔

(۱) چونکہ حکومت اس وقت اپنی خصوصی مصلحتوں کی بناء پر مرزائیوں کو سرکاری طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوئی۔ اس لئے از خود اس فرقہ مرزائیہ کو ملت اسلامیہ سے مکمل طور پر علیحدہ کرنے کے لئے تمام وسائل اختیار کرتے ہوئے ان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے۔

(۲) اگرچہ ایک عرصہ سے مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں کے خلاف قوم متفقہ طور پر برطرفی کا مطالبہ کر کے اپنی قطعی بد اعتمادی اور بیزاری کا اظہار کر چکی ہے مگر موجودہ حکومت مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس کو نظر انداز کرتی رہی ہے۔ لہٰذا یہ کنونشن اپنے اس مطالبہ میں حق بجانب ہے کہ خواجہ ناظم الدین کی کابینہ فی الفور مستعفی ہو جائے۔ تاکہ اسلامیان پاکستان اپنے دینی عقائد اسلامی روایات کو مکمل طور پر محفوظ کر سکیں۔

الف = متذکرہ صدر مطالبات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کنونشن کا یہ اہم اجلاس تجویز کرتا ہے کہ آل مسلم پارٹیز کنونشن ملک کی مقتدر اسلامی شخصیتوں اور مختلف دینی جماعتوں کے نمائندگان کو اپنی جنرل کونسل کا رکن قرار دے۔

ب = یہ جنرل کونسل اپنے میں سے ۱۵ اراکین پر مشتمل کونسل آف ایکشن یعنی مجلس عمل منتخب کرے جن میں سے مندرجہ ذیل آٹھ اراکین کو یہ کونسل منتخب کر کے اسے اختیار دے کہ وہ جنرل کونسل کے اور ارکان میں سے سات مزید ارکان کو مجلس عمل کے لئے منتخب کرے۔ منتخب شدہ آٹھ ارکان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد قادری (۲) امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۳) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ (۴) مولانا عبدالحامد بدایونی (۵) علامہ کفایت حسین (۶) مولانا احتشام الحق تھانوی (۷) مولانا ابو صالح محمد جعفر پیر صاحب سرسینہ شریف مشرقی پاکستان (۸) مولانا محمد یوسف کلکتوی۔

ج = کونسل آف ایکشن کو اختیار ہوگا۔ کہ وہ حسب ضرورت تحریک کا صدر مقام منتخب کرے اور متذکرہ مطالبات تسلیم کرانے کے لئے مناسب لائحہ عمل مرتب کرے۔

د = کونسل آف ایکشن کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنے پروگرام پر عمل پیرا ہونے سے پیشتر اپنے میں سے ایک نمائندہ وفد ترتیب دے کر مرکزی کابینہ سے ملاقات کرے اور اسے قوم کے آخری فیصلہ سے مطلع کرے۔ اگر مناسب سمجھے تو دو ٹوک جواب حاصل کرنے کے لئے مناسب

دنوں کی مہلت بھی دے۔

نیز مجلس عمل کا فرض ہے کہ وہ اپنے طے کردہ پروگرام کی تکمیل کے سلسلہ میں عوام الناس کو بہرحال پر امن رہنے کی تلقین کرے۔ اسی اجلاس میں اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک مرکزی مجلس عمل بنائی گئی۔ جس کے آٹھ ارکان وہیں اجلاس میں منتخب کر لئے گئے اور ان آٹھ ارکان کو اختیار دیا گیا کہ وہ باقیماندہ سات ارکان کو خود نامزد کر کے تعداد پوری کر لیں۔ نماز مغرب کے بعد آٹھ ارکان کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مزید ارکان کے نام تجویز کر کے تعداد پوری کر لی گئی۔ اس مرکزی مجلس عمل کے ارکان بصورت ذیل تھے۔

منتخب ارکان

(۱) مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری (۲) مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۳) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (۴) مولانا احتشام الحق (۵) مولانا عبدالحامد بدایونی (۶) مولانا حافظ کفایت حسین (۷) پیر صاحب سرسینہ شریف (۸) محمد یوسف کلکتوی۔

نامزد ارکان

(۹) پیر غلام محمد (۱۰) مولانا نور الحسن (۱۱) ماسٹر تاج الدین انصاری (۱۲) مولانا اختر علی خاں (۱۳) مولانا اسماعیل گوجرانوالہ (۱۴) صاحبزادہ فیض الحسن (۱۵) حاجی محمد امین سرحدی۔

نیز مرکزی مجلس عمل نے ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کے اجلاس شب میں ایک وفد ترتیب دیا جو نوٹس کو خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کر کے معاملہ کی اہمیت واضح کرے اور انہیں مقررہ میعاد کے اندر مطالبات منظور کر لینے پر آمادہ کرے۔ چنانچہ ۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء کو ایک وفد نے مولانا عبدالحامد بدایونی قادری کی سرکردگی میں خواجہ صاحب سے ملاقات کی اس وفد میں مولانا بدایونی کے علاوہ حضرت پیر سرسینہ شریف بنگال ڈھاکہ، سید مظفر علی شاہ شمسی سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ لاہور اور ماسٹر تاج الدین انصاری صدر احرار شامل تھے۔ خواجہ نے حسب سابق معذوری کا اظہار کیا۔ مگر مطالبات سے ہمدردی بدستور ظاہر فرمائی اور مطالبات مان لینے پر آمادہ نہ ہوئے۔

خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان ۱۶ فروری ۱۹۵۳ء کو سرکاری دورہ پر سرگودھا اور لاہور تشریف لائے انہیں یہ یقین دلانے کے لئے کہ مجلس عمل کے پیش کردہ مطالبات کی پشت پر قوم کس مستعدی سے کھڑی ہے۔ مجلس عمل نے اعلان کر دیا کہ ہر دو مقامات پر جہاں خواجہ صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ وہاں ان کی تشریف آوری کے دن مکمل ہڑتال کر دی جائے۔

چنانچہ سرگودھا اور لاہور میں مکمل اور پرامن ہڑتال ہوئی۔ اسی دن خواجہ صاحب سے ملاقات کا وقت مانگا تاکہ انہیں آخری بار معاملے کی اہمیت سمجھا دی جائے۔ رات کو ۸ بجے گورنمنٹ ہاؤس میں چند آدمیوں کے وفد نے خواجہ صاحب سے ملاقات کی۔

دوران گفتگو خواجہ صاحب نے اپنی مجبوری کو بے نقاب کیا اور فرمایا:

کہ میں جانتا ہوں۔ اگر آج مجلس عمل کے مطالبات کو مان لوں تو سارے پاکستان میں پاپولر ہو جاؤں۔ میرے لئے زندہ باد کے نعرے لگیں اور میں پھولوں سے لد جاؤں۔

مگر مشکل یہ ہے کہ امریکہ سے جو معاملات طے ہوئے ہیں۔ وہ خراب ہو جائیں گے۔ ظفر اللہ کو ہٹادوں تو گندم کا ایک دانہ نہ ملے گا۔ تم لوگ میری مشکلات کو نہیں جانتے۔ اس حقیقت کے انکشاف نے ہمیں یہ سمجھنے پر مجبور کردیا کہ اگر آج سر ظفر اللہ خاں کی یہ پوزیشن ہے تو کل وہ اور زیادہ اہمیت حاصل کر جائیں گے اور بالآخر ملک مرزائیوں کے رحم و کرم کا محتاج ہو جائے گا اور یہ کہ حکومت پاکستان بیرونی طاقت سے مرعوب ہے اور اس بیرونی طاقت کا اصلی مہرہ سر ظفر اللہ خاں ہے۔

جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ مجلس عمل پر کلی اعتماد کا اظہار کرتے اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے آمادہ نظر آتے تھے۔ جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی آمد سے ایک روز قبل نسبت روڈ پر ایک جلسہ کا اعلان تھا۔ ساری رات سڑک پر جلسہ عام میں لوگوں کا اژدحام تھا۔

جلسہ ابھی شروع نہ ہوا تھا کہ جلسہ گاہ کی اسٹیج کے بالکل متصل ایک مرزائی کے مکان سے خشت باری شروع ہوئی جس سے عوام کے علاوہ ایک معصوم بچی کا سر پھٹ گیا وہ خون میں نہا گئی لوگ اسے اٹھا کر سٹیج پر لے آئے۔ عوام کے جذبات مشتعل ہو گئے اسی وقت ذمہ دار اراکین مجلس عمل اسٹیج پر پہنچ گئے اور عوام کو خطاب کر کے جذبات پر قابو پالیا۔ اس بات نے ثابت کر دیا۔ کہ عوام کو مجلس عمل کے راہنماؤں پر کلی اعتماد ہے اور کہ عوام انتہائی اشتعال دلانے کے باوجود بے قابو نہیں ہیں اور تحریک کو پرامن چلانے کے لئے انتہائی صبر کا ثبوت دیں گے۔

۲۰ فروری ۱۹۵۳ء کو لاہور میں مرکزی مجلس عمل کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں قرار پایا کہ مجلس عمل کے رہنما کراچی جا کر خواجہ صاحب سے ملیں۔

چنانچہ ۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کو جبکہ نوٹس کی میعاد ختم ہوئے تین دن گذر چکے تھے۔ مجلس عمل کے وفد نے خواجہ صاحب سے آخری ملاقات کی اور انہیں سب نشیب و فراز سمجھانے کی

کوشش کی ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجبور محض ہیں اور کہ حکومت پاکستان کی اصل طاقت سر ظفر اللہ خاں ہیں۔

خواجہ صاحب کی کوٹھی سے واپسی پر مجلس عمل کے ارکان جن میں جماعت اسلامی جمیعۃ العلماء پاکستان جمیعۃ اہل حدیث ادارہ تحفظ حقوق شیعہ تنظیم اہل سنت جمیعۃ علمائے اسلام۔ مجلس احرار اسلام وغیرہ کے نمائندگان شامل تھے۔ کا اجلاس منعقد ہوا جسکی روئداد حسب ذیل ہے۔

یہ آخری اجلاس تھا۔ جس کے بعد رات کو جلسہ عام ہوا۔ آرام باغ میں ایک لاکھ آدمیوں کا اجتماع تھا۔ یہ جلسہ رات کو ایک بجے ختم ہوا اور تین بجے رات کو مجلس عمل کے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا

روئداد اجلاس مجلس عمل آل مسلم پارٹیز کنونشن کراچی منعقدہ ۲۶ فروری ۱۹۵۳ء

زیر صدارت حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری مدظلہ

سب سے پہلے عبدالحامد قادری بدایونی نے تلاوت قرآن کریم فرمائی

اس اجلاس میں مولانا سلطان احمد صاحب امیر جماعت اسلامی سندھ و کراچی۔ سید مظفر علی شمسی علی الترتیب جماعت اسلامی پاکستان اور ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان کی جانب سے بحیثیت نمائندگان شریک ہوئے۔ جناب صدر نے فرمایا کہ گذشتہ اجلاس منعقدہ ۱۸ جنوری ہم نے حکومت کو آخری نوٹس دینے کا فیصلہ کیا تھا' وہ نوٹس حکومت کو باضابطہ طور پر مجلس عمل کے وفد کی معرفت پہنچا دیا گیا تھا۔ اس نوٹس کی آخری تاریخ ۲۳ فروری کو ختم ہو چکی ہے۔

آج نوٹس کی میعاد ختم ہوئے تین دن گذر چکے ہیں۔ آج ہمیں آخری فیصلہ کرنا ہے۔ کہ راست اقدام کی پر امن صورت کیا ہو اس مرحلہ پر موجود اراکین میں عملی اقدام کے بارے میں تقریباً دو گھنٹہ تک بحث ہوتی رہی کافی بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ تحریک کو بہت زیادہ پر امن رکھنے کے لئے صرف پانچ رضاکار بلے کارڈ لے کر وزیر اعظم کی کوٹھی پر جا کھڑے ہوں بلے کارڈز پر مطالبات لکھے ہوئے ہوں اور ہمارے رضاکار عوام سے بالکل الگ محفوظ راستہ سے گذر کر وزیر اعظم کی کوٹھی پر جا کھڑے ہوں اور جہاں کوٹھی کے پہرہ دار رضا کاروں کو روکیں۔ رضاکار وہیں کھڑے ہو جائیں اور یہ کہیں کہ ہم یہ مطالبات وزیر اعظم کو دکھانے اور ان سے درخواست کرنے آئے ہیں۔ کہ وہ قوم کے ان متفقہ مطالبات کو مان لیں اور یہ بھی کہیں کہ ہم اس صورت میں واپس ہو سکتے ہیں جب کہ وزیر اعظم صاحب ان

مطالبات کو تسلیم کرنیکا اعلان کریں۔ اگر یہ پانچ رضاکار گرفتار کر لئے جائیں تو کونسل آف ایکشن ہر روز دوسرے پانچ رضاکاروں کو بھیج دیا کرے اور طے شدہ پالیسی کے مطابق تحریک کو بہرحال پر امن رکھا جائے۔

اس مرحلہ پر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب نے ایک خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ممکن ہے کہ حکومت کی جانب سے یہ پروپیگنڈا کیا جائے کہ یہ صرف بنگالی وزیر اعظم کی مخالفت کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اس پروپیگنڈا کا ابھی سدباب ہو جانا چاہئے بحث جاری تھی۔
اور اجلاس نماز عصر کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

ملتوی شدہ اجلاس بعد نماز عصر زیر صدارت حضرت مولانا سید محمد احمد صاحب قادری شروع ہوا' اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا مشورہ قبول کرتے ہوئے قرار پایا کہ:

۱۔ روزانہ پانچ رضاکار وزیر اعظم کی کوٹھی پر اور پانچ رضاکار گورنر جنرل کی کوٹھی پر۔ بلے کارڈ لے کر جائیں اور محفوظ راستے دو کوٹھی تک پہنچیں تاکہ عوام ان کے ساتھ اژدحام نہ کریں۔
ان رضاکاروں کی گرفتاری پر دوسرے دن پھر پانچ پانچ رضاکار ہر دو کوٹھیوں پر بھیج دیئے جائیں۔ یہ سلسلہ روزانہ ۱۰ بجے صبح سے جاری رہے تا آنکہ قوم کے متفقہ مطالبات کو حکومت تسلیم کرے۔

۲۔ حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری کو باتفاق اس مقدس تحریک کا نگران منتخب کیا گیا اور انہیں اجازت دی گئی کہ اپنی گرفتاری پر جس دوسرے رفیق کو وہ مناسب سمجھیں نگران مقرر کر دیں۔

۳۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ رات کے جلسہ عام میں جو آرام باغ منعقد ہو رہا ہے۔ عوام کو ہدایت کر دی جائے کہ وہ اپنا روزانہ کا کاروبار جاری رکھیں اور رضاکاروں کے ہمراہ ہرگز نہ جائیں اور اس مقدس تحریک کو بہرحال پر امن طریقہ پر چلانے میں امداد فرمائیں ان اہم فیصلوں کے بعد اجلاس دعائے خیر پر ختم کر دیا گیا۔

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل حضرات شریک تھے۔

۱۔ حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری ۔۲۔ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی ۳۔ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی ۴۔ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۔۵۔ مولانا محمد یوسف صاحب اہل حدیث ککھڑوی ۔۶۔ مولانا سلطان احمد صاحب امیر جماعت اسلامی حلقہ سندھ کراچی ۔۷۔ حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری ۔۸۔ جناب ماسٹر تاج الدین

انصاری۔ ۹۔ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن سجادہ نشین آلو مہار شریف۔ ۱۰۔ سید مظفر علی شاہ شمسی ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان ۲۶ فروری اور ۲۷ فروری کی درمیانی شب آرام باغ کراچی میں ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا۔ جو صبح کے ایک بجے تک جاری رہا۔ جس میں حسب قرارداد مرکزی مجلس عمل عامۃ الناس کو تلقین کی گئی کہ وہ امن و سکون کے ساتھ اپنا کاروبار جاری رکھیں اور وزیر اعظم پاکستان کی خدمت میں مطالبات پیش کرنے والے رضاکاروں کے ہمراہ ہرگز نہ جائیں۔

"ان حالات کی تصدیق کے لئے مرکزی مجلس عمل کے ارکان کی شہادتیں طلب کی جائیں"

اسی ۲۶، ۲۷ فروری کی درمیانی شب کو حکومت پاکستان نے رات کے ایک بجے کابینہ کا اجلاس منعقد کر کے اس پرامن تحریک کو تشدد اور طاقت کے بل پر کچلنے کا فیصلہ کر لیا۔

(شہادت کے لئے ملاحظہ ہو۔ خواجہ ناظم الدین کا بیان جو انہوں نے پارلیمنٹ کے ایوان میں پڑھ کر سنایا۔)

۲۷ فروری کی صبح کو کراچی میں تحریک کے تمام بڑے بڑے قائد جو وہاں وزیر اعظم سے جواب باصواب حاصل کرنے کی امید پر گئے ہوئے تھے گرفتار کر لئے گئے۔ اس طرح عامۃ المسلمین اپنے ان راہنماؤں کی راہنمائی سے محروم کر دیئے گئے جو تحریک کو پرامن اور منظم طریق سے چلانا چاہتے تھے۔ اس کے باوجود تحریک پرامن طریق سے شروع ہو گئی اور ۱۰۔ ۱۰۔ ۵۔ ۵ رضاکاروں کے جتھے مختلف شہروں سے کراچی کی طرف جانے لگے۔ رہنماؤں کی گرفتاری کی خبر سے لاہور میں اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں ایک عام ہیجان پیدا ہوا اور احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے۔ جن کا راست اقدام کی تحریک سے کوئی تعلق نہ تھا۔ تاہم یہ مظاہرے پرامن تھے۔ ۲۷ فروری سے لیکر ۲ مارچ ۱۹۵۳ء تک لاہور میں اور لاہور سے باہر کسی اور جگہ کسی قسم کا ناگوار حادثہ پیش نہ آیا۔ ان ایام میں حکومت پنجاب نے بھی تحریک کے بااثر اور ذمہ دار لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ اس کے باوجود مظاہرے پرامن طریق سے جاری رہے۔ اور راست اقدام کرنے والوں نے اپنے آپ کو پرامن اور منظم طریق سے گرفتاری کے لئے پیش کرنے کے سوا اور کسی قسم کا اقدام نہ کیا۔

(۳ مارچ ۱۹۵۳ء کے۔ اخبارات کی رپورٹیں سرکاری اعلان)

یہ تصریح نقطہ نمبر ۳ کے سلسلے میں ہے کہ حکومت سب کچھ جانتے اور دیکھتے کے باوجود نیز مجلس عمل کی پیہم عرض داشتوں کے باوجود متعلقہ مسائل کو تدبیر و تدبر سے حل کرنے میں قاصر رہی اور ارباب حکومت نے حالات روبہ اصلاح لانے کی طرف سے عمداً تساہل اور لاپرواہی سے کام لیا اس لئے ہنگاموں اور فسادات کی ذمہ داری بہت بڑی حد تک حکومت پاکستان

اور حکومت پنجاب دونوں پر عائد ہوتی ہے۔

نقطہ نمبر ۳ کے سلسلے میں ضروری تصریحات

حکومت اور حکام کے اشتعال انگیز اقدامات

ہنگامے پیدا کرنے کی ذمہ داری حکومت اور حکام کے اشتعال انگیز اقدامات پر بھی عائد ہوتی ہے۔ مثلاً:

(۱) حکومت پاکستان کا پہلا اعلانیہ جو ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو تحریک کے بارے میں جاری ہوا اور اس کے بعد سرکاری اعلانات عامۃ المسلمین کو غصہ اور اشتعال دلانے والے تھے۔ کیونکہ ان میں تحفظ عقیدہ ختم نبوت کی تحریک چلانیوالوں کو آنا فانا پاکستان کے دشمن۔ دشمنان پاکستان کے ایجنٹ اور فسادی عناصر ظاہر کیا گیا اور احمدیوں کے خلیفۃ المسیح کے تتبع میں یہ ظاہر کیا گیا کہ تحریک احرار نے چلائی ہے جن کے ساتھ بعض دوسرے عناصر بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی تمام مذہبی جماعتوں کی تحقیر "بعض دوسرے عناصر" کہہ کر کی گئی۔ احمدیوں کے خلیفۃ المسیح مرزا بشیرالدین محمود نے بھی چند دن پہلے اس تحریک کو احرار اور ان کے ساتھیوں کی تحریک ظاہر کیا تھا۔ سرکاری اعلانات کے۔ ان خالص احمدی خدوخال نے عوام کے ہیجان کو ترقی دی۔ شواہد حسب ذیل ہیں:۔

مرزا محمود کا خطبہ مختصراً مطبوعہ "الفضل" مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۵۳ء

ابتدائی تمہید کے بعد مرزا محمود نے کہا احباب کو معلوم ہے کہ احرار اور ان کے ساتھیوں نے احمدیت کے خلاف نئے سرے سے شورش شروع کر دی ہے۔ اسلام اور اس کے ارکان کا نام تو یہ لوگ دھوکہ دینے کے لئے لیتے ہیں۔ دراصل وہ اپنے دوست شیطان کے ذکر کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں مثل مشہور ہے۔ روندی یاراں نوں لے لے نام بھراواں دا

اسلام اور قرآن کا نام تو یہ لوگ یونہی اسے بدنام کرنے کے لئے لیتے ہیں۔ اصل میں فتنہ پرداز لوگ اولیاء الطاغوت ہوتے ہیں۔ ان کی غرض طاغوت کے ذکر کو بلند کرنا اور اس کے اخلاق کو دنیا میں پھیلانا ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعت کو بھی ہوشیار ہو جانا چاہئے۔ احرار اور ان کے ساتھیوں نے ۲۲ فروری کو آخری نوٹس دیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے بعد یہ لوگوں کو احمدیوں کے خلاف اکسائیں گے ...... صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک سازش ہے۔ اس سازش کو چھپانے کے لئے بزدل اور کمینے لوگ دوسروں کا نام لے کر شرارت کرتے ہیں...... اگلا جمعہ اس نوٹس کے لحاظ سے آخری جمعہ ہوگا اور اگلے اتوار کو ان کا نوٹس

ختم ہو جائے گا۔ میری کوشش ہو گی کہ یہ خطبہ الفرقان کے اخبار میں چھپ جائے۔ پس جب اور جہاں یہ خطبہ پہنچے جماعت فوراً اجلاس بلائے اور مشورہ کرے کہ ان کے لئے کیا کیا خطرات ممکن ہیں اور ان کے کیا کیا علاج تجویز کرتے ہیں ..... ہم تو صرف ایک بات جانتے ہیں کہ مومن منظم ہوتا ہے اور سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط ہوتا ہے اور سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار کو کوئی توڑ نہیں سکتا اور اگر وہ ٹوٹتی ہے تو اسکی ٹوٹتی ہے۔ پس تم اپنی جگہ مت چھوڑو۔ آپس میں مشورہ کرو۔ اور مرکز میں اپنی تجاویز بھیجو ..... یاد رکھو تم نے احمدیت کو سچا سمجھ کر مانا ہے۔ تو تمہیں یقین رکھنا چاہیے کہ احمدیت خدا تعالیٰ کی قائم کی ہوئی ہے۔ مودودی، احراری اور ان کے ساتھی اگر احمدیت سے ٹکرائیں گے۔ تو ان کا حال اس شخص کا سا ہو گا۔ جو پہاڑ سے ٹکراتا ہے ..... میں مکرر احباب کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ یہ فتنہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ویسا ہی خطرناک ہے۔ جیسا کہ ہمارے لئے اس لئے ان سے بھی جہاں جہاں وہ ہوں۔ مشورہ کریں اور اپنی حفاظت کی سکیم میں ان کو شامل کریں

ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۳ متشدد بیان ہڑا ا نمیہ اخبار تسنیم مورخہ ۲۷ فروری جس میں حکومت پاکستان کا پہلا اعلامیہ شائع ہوا ہے اعلان حکومت پاکستان مورخہ ۲ مارچ [illegible] جو سرکاری طور پر چھاپ کر تقسیم کیا گیا۔

(ii) ۳ مارچ کو لاہور کے چوک دالگراں میں پولیس نے رضاکاروں کے پرامن جتھے پر جو زمین پر بیٹھ گیا تھا اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر رہا تھا لاٹھی چارج کیا اور ایک بچے اور بوڑھے کو ہلاک کر دیا۔ ایک پولیس افسر نے قرآن پاک کی بے حرمتی کی۔ اس دن عوام کے پرامن مجمعوں پر گولیاں برسائی گئیں اور لاٹھیاں چلائی گئیں۔

شہادت

۱۔ "پاکستان ٹائمز" (۲) زبانی شہادتیں۔

(iii) ۲۷۔۲۸ فروری [illegible] کی درمیانی شب کو مولانا مفتی محمد شفیع خطیب جامع مسجد سرگودھا کے گھر میں پولیس کے سپاہی زبردستی داخل ہو گئے اور مسجد میں بوٹوں اور جوتوں سمیت داخل ہوئے۔

زبانی شہادتیں

اور اخبارات کے حوالے ہیں۔ خطیب صاحب موصوف اور ان کے بڑے صاحبزادے کو طلب کیا جائے (مفتی محمد شفیع صاحب ابھی جیل میں ہیں۔)

شہادت

مارچ کو پنجاب کی مجلس وزراء کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں فیصلہ کیا گیا کہ پولیس اور حکام کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے پبلک میں اشتعال پھیلے۔ اس سے ثابت ہے کہ بعض حکام نے اشتعال انگیز حرکتیں کی تھیں اور کوئی عنصر سرکاری ملازمین میں ایسا تھا کہ جو عمداً اشتعال انگیزی کر رہا تھا۔ (ممتاز محمد دولتانہ کی شہادت)

نقطہ نمبر ۵ کے سلسلے میں ضروری تصریحات

احمدیوں کے منظم گروہوں اور افراد کی امن شکن حرکات

عوام کو اشتعال دلانے اور متشددانہ اقدامات کی مثال قائم کرنے میں احمدی جماعت کی منظم ٹولیوں نے اور ان کے افراد نے کام کیا اور قتل و آتش زدگی اور بے امنی کو نقصان پہنچانے کے اقدامات کے مرتکب ہوئے مثلاً:۔

i۔ ۵ مارچ کو جب کہ شہر میں ہڑتال تھی اور لوگوں کی ٹولیاں جابجا جمع ہو جاتی تھیں احمدیوں کی منظم ٹولیوں نے فرقان بٹالین کی فوجی وردیاں پہن کر اور جیپ کاروں میں بیٹھ کر مسلمانوں کے ہجوموں پر سٹین گنوں اور ریوالوروں سے فائر کئے۔

ii۔ اپنے گھروں سے مسلمانوں کے مجمعوں پر فائر کئے۔ نسبت روڈ کے جلسہ میں خشت باری۔

iii۔ لاہور ریلوے اسٹیشن پر بوگیوں کو آگ لگانے والے اور ریل کی پٹڑی اکھاڑنے والے مرزائی تھے۔

iv۔ احمدیوں نے اپنے گھروں کا سامان نکال کر اور دوسری جگہ پہنچا کر خود اپنے گھروں کو آگ لگائی مثلاً ڈاکٹر عبداللطیف نسبت روڈ یا ٹمپل روڈ۔

v۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد مارشل لاء کے احکام کی خلاف ورزی میں اشتعال انگیز پوسٹر لگانے والے مرزائی تھے۔ ان اشتہارات کو چھاپنے والی سائیکلو سٹائل مشین احمدیوں کی مسجد سے پکڑی گئی

شہادت

i۔ مارشل لاء کورٹس کے مقدمات کی مثلیں۔ جن میں متذکرہ صدر جرائم کے ارتکاب کی وجہ سے احمدیوں کو سزائیں ہوئیں۔

ii۔ زبانی شہادتیں

علاوہ ازیں اعلیٰ و ادنیٰ مرزائی سرکاری افسروں نے حالات کو بدتر بنانے کے لئے کوششیں کیں۔ مثلاً:

(۱) میر صلاح الدین مجسٹریٹ لاہور کو فسادات کے دنوں میں اسپیشل ڈیوٹی پر لگایا گیا۔ یہ مجسٹریٹ احمدی ہے۔ اس نے ۵ مارچ کو اور ۶ مارچ کو مسلمانوں کے ہجوم پر بلاوجہ ریوالور سے فائر کئے اور گولیاں چلائیں۔ (زبانی شہادتیں)

(۲) مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ایک اعلیٰ فوجی افسر میجر جنرل ضیاء الدین کسی نوعیت کی ڈیوٹی کے بغیر لاہور پہنچا اور اس نے فوجی افسروں کو ہدایت کی کہ وہ مسجد وزیر خاں اور اس کے ملحقہ محلہ پر توپوں سے گولہ باری کریں۔ یا ٹینکوں سے بلا بول کر گولیاں چلائیں۔ ایریا کمانڈر نے میجر جنرل کے اس حکم پر اس لئے عمل نہ کیا۔ کہ یہ حکم اسے باقاعدہ نہیں دیا گیا تھا۔ ضیاء الدین کو طلب کیا جائے۔ (شہادت میجر جنرل اعظم خاں)

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ ۵ مارچ کو احمدیوں کے منظم گروہ فساد آرائی کر رہے تھے۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ ان کے افعال کی ذمہ داری اندریں حالات مسلمان عوام پر عائد ہوگی اور مسلمان حکومت کی نگاہ میں معتوب ہو کر اس کے قہر و تشدد کا تختہ مشق بنیں گے۔ اس طرح تحفظ ختم نبوت کی تحریک کو حکومت کی طاقت اور تشدد کے ذریعے کچلوا کر ہمیشہ کے لئے ختم کرا دیا جائے۔ تاکہ پاکستان میں احمدیت کو فروغ دینے اور اس ملک پر احمدیوں کا اقتدار قائم کرنے کے لئے راستہ صاف ہو جائے اس دن تک یعنی ۵ مارچ تک مسلمانوں کے ہجوم کے ہاتھوں کسی مرزائی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی تھی۔ لیکن جب مرزائیوں کی طرف سے تشدد کے جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔ تو بعض جگہ مسلمان بھی انتقامی کاروائی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس سے قبل عوام کے مظاہروں کا رخ کا لا حکومت کی طرف تھا۔ جس کی مرزائیت نوازی کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔

نقطہ نمبر ۲ کے سلسلہ میں ضروری تصریح

اینٹی سوشل عناصر کی ہنگامہ آرائی

فسادات اور ہنگاموں کی ذمہ داری اینٹی سوشل عناصر پر بھی عائد ہوتی ہے۔ جن کو تحریک سے کسی قسم کا تعلق نہ تھا۔ ان عناصر نے اپنی اغراض کے پیش نظر بداَمنی پھیلانے کی کوشش کی۔ اور تشدد آمیز جرائم کا ارتکاب کیا۔

لاہور یوم آقا کے سلسلے میں اینٹی سوشل عناصر کے اس رجحان کا پہلے بھی تجربہ کر چکا ہے۔

... کی ایک ... آپ کو اندازہ ہو گا۔ نمبر ۱ سے نمبر ۱۲ کا حصہ اس لئے
نہیں پڑھا کہ اس کی تفصیلات مجلس عمل کے بیان میں آ چکی ہیں۔ نمبر ۱۳ سے پڑھیں۔

۱۳۔ مئی ۱۹۵۱ء میں احرار نے پہلی مرتبہ قادیانیوں کے خلاف عام ایجی ٹیشن شروع کی، حکومت نے اس وقت جگہ جگہ دفعہ ۱۴۴ کا کرفیو نافذ کر کے، ائمہ مساجد پر دباؤ ڈال کر اسے دبانے کی کوشش کی، حتیٰ کہ ملتان میں فائرنگ کی نوبت بھی آئی۔ اس وقت سے لے کر مارچ ۱۹۵۳ء کے آغاز تک میں نے اور جماعت اسلامی نے حکومت کو بار بار یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ قادیانی مسئلہ ایک مصنوعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقی مسئلہ ہے جس کے نہایت گہرے مذہبی، معاشی، سیاسی اور معاشرتی اسباب ہیں اور یہ اسباب پچاس سال سے کام کر رہے ہیں، اور پنجاب کے لاکھوں مسلمانوں کی زندگی ان سے متاثر ہے لہٰذا اس کو اوپر سے دبانے کی بجائے اسے سمجھئے اور ٹھنڈے دل و دماغ سے حل کرنے کی کوشش کیجئے۔ اس کے ثبوت میں میرے دو مضامین، بیانات اور پمفلٹ اور جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے ریزولیشن موجود ہیں، جو ماہ جون سے مارچ تک پے در پے شائع ہوتے رہے۔ میں نے پاکستان کی مجلس دستور ساز کو اگست ۱۹۵۲ء میں یہ مشورہ بھی دیا کہ جو دستور اس وقت زیر ترتیب ہے اس میں جس طرح دوسری اقلیتوں کے لئے جداگانہ انتخاب اور نشستوں کا تعین تجویز کیا جا رہا ہے، اسی طرح قادیانیوں کے لئے بھی کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کی بے چینی رفع ہو جائے اور یہ مسئلہ خواہ مخواہ کسی ہنگامے کا موجب نہ بن سکے۔ یہی رائے جنوری ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے ۳۳ سربرآوردہ علماء کی اس مجلس نے بھی دی جو کراچی میں منعقد ہوئی تھی، لیکن حکومت نے نہ صرف یہ کہ ان مشوروں کی طرف کوئی توجہ نہ کی، بلکہ اس نے خود اپنی طرف سے بھی اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کچھ نہ کیا، اس کا رویہ اول روز سے یہی رہا کہ یہ مسئلہ صرف حقارت کے ساتھ رد کر دینے ہی کے قابل ہے، اس قابل نہیں ہے کہ اسے سمجھا اور حل کیا جائے۔

بے تدبیری کا قدرتی رد عمل

۱۴۔ مئی ۱۹۵۲ء کے بعد سے مسلسل ... تک پنجاب اور بہاولپور کے (جہاں کا در حقیقت یہ

معاشرتی و معاشی مسئلہ تھا) ہر حصے میں اس مسئلے کے متعلق بلا مبالغہ ہزاروں جلسے ہوئے' مسلم پبلک کے مطالبات ریزولیوشنوں کی شکل میں پاس ہوئے حکومت کے پاس وفود بھی گئے ' جنہوں نے براہ راست یہ مطالبات وزیراعظم کے سامنے پیش کئے ' مگر ان ساری کوششوں کا جو نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ء کو Basic Principles Committee Report شائع ہوئی۔ اس میں سرے سے قادیانی مسئلے کا کوئی حل پیش نہیں کیا گیا تھا۔ اس چیز نے مسلم عوام کے اندر آئینی طریقہ کار سے عام مایوسی پیدا کر دی اور درحقیقت اسی چیز نے اس غیر آئینی طریقہ کار کے لئے زمین ہموار کی جو بعد میں احرار نے ڈائرکٹ ایکشن کی شکل میں تجویز کیا۔ میں اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربے کی بنا پر یہ جانتا ہوں کہ مسلمان فطرتاً شورش پسند نہیں ہیں اور پاکستان کے مسلم عوام تو خصوصیت کے ساتھ یہ احساس رکھتے ہیں کہ خطرات کے درمیان گھرے ہوئے اس ملک میں امن و انتظام کو درہم برہم کرنے والی کوئی تحریک مناسب نہیں ہے اس لئے میں یہ پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر ایک پبلک مطالبے کو ' جس کے بارے میں لوگوں کے اندر تلخ احساسات موجود تھے ' یوں حقارت کے ساتھ مسلسل نہ ٹھکرایا جاتا اور لوگوں کو آئینی طریقہ کار سے مایوس نہ کر دیا جاتا ' تو کوئی جماعت بھی یہاں کے عوام کو ڈائرکٹ ایکشن اور قانون شکنی پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

عام ناراضی کے اسباب۔

ص اس مسئلے میں خصوصیت کے ساتھ جن باتوں نے لوگوں کے درمیان عام ناراضی پیدا کی وہ یہ تھیں:

اول یہ کہ حکومت نے اس پوری مدت میں کبھی زبان کھول کر لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ اگر وہ ان کے مطالبات قبول نہیں کرتی ہے تو آخر اس کے وجوہ کیا ہیں۔ ایک طرف سے مسلسل ایک مطالبہ ہو اور عوام جذباتی حیثیت سے اس پر مشتعل ہی نہ ہوں بلکہ دلائل کی بنا پر مطمئن بھی ہوں کہ ان کا مطالبہ معقول ہے ' دوسری طرف حکومت کوئی وجہ بتائے بغیر اس کو بس یونہی ٹھکرا دے اور عوام کو دلائل سے یہ سمجھانے کی کوئی کوشش نہ کرے ' کہ ان کا مطالبہ کیوں قابل قبول نہیں ہے ' اس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ عوام اس روش کو حکومت کی ہٹ دھرمی ' اور ہیکڑی سمجھیں اور ان کے اندر اس کے خلاف غصہ پیدا ہو جائے۔ یہ ہتھکنڈے ڈکٹیٹرشپ میں تو چل سکتے ہیں مگر ایک جمہوری نظام میں خود اپنے بنائے ہوئے حکمرانوں کی طرف سے یہ سلوک برداشت کرنا عوام کے لئے ممکن نہیں ہے۔

دوم یہ کہ حکومت نے ڈائرکٹ ایکشن کا اعلان ہو جانے کے بعد جب زبان کھولی تو ایسے

غلط طریقے سے کھولی جو لوگوں کو مطمئن کرنے کی بجائے الٹا اور اشتعال دلانے والا تھا۔ ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک کے لیڈروں کو گرفتار کرتے ہوئے جو سرکاری کمیونکے شائع کیا گیا اور اس کے بعد مارشل لاء کے اجراء کے وقت جو دوسرا کمیونکے کراچی سے شائع ہوا' ان دونوں میں مخالف احمدیت تحریک کو مسلمانوں کی وحدت ملی میں تفرقہ ڈالنے والی تحریک قرار دیا گیا تھا' یہ بات مسلمانوں کے لئے اشتعال انگیز بھی تھی اور بجائے خود نامعقول بھی۔ اشتعال انگیز اس لئے کہ اس میں گویا سرکاری طور پر احمدیوں کے ملت اسلامیہ میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ حالانکہ مسلمانوں نے کبھی ان کو اپنی ملت کا جزو نہیں مانا ہے اور تمام اسلامی فرقوں کے علماء بالاتفاق ان کو خارج از ملت قرار دے چکے ہیں۔ نامعقول اس لئے کہ حکومت جس چیز کا الزام مخالف احمدیت تحریک کو دے رہی تھی درحقیقت وہ خود حکومت پر عائد ہوتا تھا اور اس کو یہ احساس تک نہ تھا کہ اس معاملے میں وہ فی الواقع کیا پوزیشن لے رہی ہے۔ مخالف احمدیت تحریک تو اٹھی ہی اس بنیاد پر تھی کہ ملت اسلامیہ کی وحدت کو ان لوگوں کے ہاتھوں پارہ پارہ ہونے سے بچایا جائے جو مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت کو نہ ماننے پر تمام کلمہ گو مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان کی نماز جنازہ پڑھنے تک کو ناجائز کہتے ہیں اور انہیں بیٹی دینا ویسا ہی حرام سمجھتے ہیں جیسا یہودی یا عیسائی کو بیٹی دینا حرام ہے۔ اس کے برعکس حکومت کی اپنی پوزیشن یہ تھی کہ وہ ملت اسلامیہ کے اندر ایسے ایک تفرقہ انگیز گروہ کو زبردستی شامل رکھنے پر مصر تھی تاکہ وہ مسلم معاشرے میں مسلسل داخلی انتشار برپا کرتا رہے اور ہر روز ایک نئے خاندان اور ایک نئے گھر میں عقائد اور معاشرت کی پھوٹ ڈال دے۔ مگر جس گناہ کی مجرم حکومت خود تھی' اس کا الزام اس نے الٹا ان لوگوں پر ڈالا جو دراصل اس گناہ سے باز آجانے کا اس سے مطالبہ کر رہے تھے۔ اس صریح غیر معقول بات کو شائع کرتے وقت حکومت نے ذرا نہ سوچا کہ آخر سارا ملک بے وقوفوں سے تو آباد نہیں ہے۔ عام لوگ اس طرح کی باتیں سرکاری اعلانات میں پڑھ کر اپنے حکمرانوں کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔

سوم یہ کہ حکومت نے اپنے مذکورہ بالا اعلانات میں اس تحریک کو بالکل احراریوں کی ایک تحریک قرار دیا اور اس کا ذکر اس انداز سے کیا گویا کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ کرنے کا مطالبہ مسلمانوں کا کوئی عام قومی مطالبہ نہیں ہے بلکہ محض چند مٹھی بھر احراریوں کا مطالبہ ہے۔ یہ بات بھی ایسی تھی جس نے عوام میں سخت ناراضی پیدا کی اس میں شک نہیں کہ اس تحریک کا آغاز کرنے والے احرار تھے مگر واقعہ یہ ہے کہ درحقیقت یہ مسلمانوں کی عام قومی تحریک بن گئی تھی اور وہ لاکھوں آدمی اس کے ہمدرد اور حامی تھے جو اس سے پہلے احرار کے مخالف اور تحریک پاکستان کے ہمدرد و حامی رہ چکے تھے۔ پبلک نے حکومت کی اس۔۔۔۔ غلط

بیانی کو اس رنگ میں لیا کہ جس طرح کبھی انگریزی حکومت ہندوستانیوں کے مطالبۂ آزادی کو محض چند کانگریسیوں کا مطالبہ قرار دے کر عوام کو کچلنے کی کوشش کرتی تھی اور جس طرح کبھی ہندو لیڈر مطالبۂ پاکستان کو محض چند لیگیوں کا مطالبہ قرار دے کر مسلمانوں کے ایک قومی مطالبے کو نظرانداز کیا کرتے تھے' وہی چال بازی اب ان کی اپنی قومی حکومت ان کے ساتھ کر رہی ہے اور اس طریقے سے ان کے ایک قومی مطالبے کو محض چند احراریوں کا مطالبہ کہہ کر دبا دینا چاہتی ہے۔

چہارم یہ کہ حکومت نے اپنے ان اعلانات میں اس تحریک کو کچل دینے کا ارادہ جس لہجے اور جن الفاظ میں بیان کیا اس سے صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ ڈائرکٹ ایکشن کو طاقت سے کچلنے کا ارادہ رکھتی ہے' بلکہ یہ بھی مترشح ہوتا تھا کہ اس کو سرے سے قادیانیوں کی مسلمانوں سے علیحدگی کا مطالبہ ہی گوارا نہیں ہے اور یہ کہ وہ ڈائرکٹ ایکشن کے ساتھ اس مطالبے کو بھی کچل دینا چاہتی ہے۔ عوام نے اس کا مطلب یہ لیا کہ حکومت اب سرے سے مطالبہ کرنے کا حق ہی عوام سے چھین لینا چاہتی ہے۔ نیز اس سے مسلمانوں میں یہ بھی عام خیال پیدا ہو گیا کہ حکومت ان کے مقابلے میں اعلانیہ قادیانیوں کی حمایت پر اتر آئی ہے۔

یہ اسباب تھے جنہوں نے فوری طور پر ڈائرکٹ ایکشن کی آگ پر تیل چھڑکنے کی خدمت انجام دی' میرا خیال یہ ہے کہ اگر حکومت نے عوام کو اپنا نقطۂ نظر سمجھانے کی کچھ بھی کوشش کی ہوتی اور سرکاری اعلانات کسی دوسرے معقول اور ٹھنڈے انداز میں مرتب کئے گئے ہوتے تو عوام کے اندر اتنا اشتعال ہرگز پیدا نہ ہوتا۔ یہی نہیں بلکہ میری تو یہ قطعی رائے ہے کہ اگر حکومت نے ڈائرکٹ ایکشن شروع کرنے والے لیڈروں کو گرفتار کرنے کی بجائے' یا اس کے ساتھ قادیانی مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے تمام گروہوں کی ایک راؤنڈ ٹیبل کانفرنس بلانے کا اعلان کر دیا ہوتا' تو سرے سے یہ ہنگامہ برپا ہی نہ ہوتا۔

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔

۲۱۔ ۲۷ فروری سے جب کہ ڈائرکٹ ایکشن کا آغاز ہوا' ۴ مارچ تک عوام کے مظاہروں نے اشتعال کے باوجود کہیں بھی بدامنی' لوٹ مار' قتل' آتش زنی' یا تخریب کا رنگ اختیار نہیں کیا تھا۔ میں اس زمانے میں نہ صرف لاہور کے حالات سے باخبر رہا ہوں بلکہ پنجاب کے ہر حصے سے میری جماعت کے کارکن مجھ کو ٹیلیفون کے ذریعے سے حالات بتاتے رہے ہیں۔ میں وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس مدت میں عوام نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو وہ اس سے پہلے آج کے حکمرانوں کی قیادت میں سر خضر حیات خاں کی وزارت توڑنے کے لئے نہ کر چکے تھے۔ ان کے نعروں کی زبان' ان کے جلوسوں کا انداز' ان کے سوانگ بعض قمیصوں

پر ان کے حملے ' حتیٰ کہ ان کا ڈائرکٹ ایکشن اور ان کا دفعہ ۱۴۴ توڑنا بجائے خود کتنا ہی قابل اعتراض سہی ' لیکن آخر ان میں سے وہ کونسی چیز تھی جو پہلی مرتبہ ہی ان سے ظہور میں آئی ہو۔ یہ سب کچھ وہ اس سے پہلے خود ان لوگوں کی رہنمائی میں کر چکے تھے جو اس تازہ ڈائرکٹ ایکشن کے موقع پر صوبے اور مرکز کی وزارتی کرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ اب یہ حضرات اپنے ہی کیے اور سکھائے ہوئے کاموں کو ایسا سخت گناہ سمجھ لیتے کہ ان کے خلاف وہ کچھ کرنے پر اتر آتے ' جو سر خضر حیات خاں نے بھی نہ کیا تھا۔

ذمہ داری تمام تر بارڈر پولیس کے ظلم و ستم پر ہے۔

۷ا۔ ۲ مارچ تک لاہور میں پولیس کا رویہ بہت نرم تھا۔ مگر اس کے بعد یکایک نہایت بے دردی سے پرامن جتھوں پر لاٹھی چارج شروع کر دیئے گئے ان لاٹھی چارجوں میں جگہ جگہ نہایت دردناک مناظر دیکھے گئے جن کی وجہ سے شہر کی عام آبادی بھڑک اٹھی اور لاٹھی کا جواب پتھر سے دینے پر اتر آئی۔ اس پر پولیس نے اور خصوصاً بارڈر پولیس نے فائرنگ شروع کیا۔ یہ فائرنگ بالکل اندھا دھند تھا۔ راہ چلتے آدمیوں کو بے قصور مار دیا گیا۔ دفتروں سے چھٹی پا کر نکلنے والے سرکاری ملازموں اور تعلیم گاہوں سے نکلتے ہوئے طلبہ تک پر بازمیں ماری گئیں۔ انسانوں کو اس طرح شکار کیا گیا جیسے کہ وہ جانور یا پرندے ہیں۔ اس پر سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ بڑے بڑے سرکاری دفتروں کے ملازمین حتیٰ کہ پنجاب سول سیکرٹریٹ تک کے ملازمین نے احتجاج کے طور پر ہڑتال کر دی ' حالانکہ سرکاری ملازمین کا ان سے زیادہ ذمہ دار کوئی اور طبقہ نہ ہو سکتا تھا۔ ڈاک ' تار ' ٹیلیفون ' ریلوے غرض اکثر و بیشتر محکموں کے آدمیوں نے اس وقت تک کام کرنے سے انکار کر دیا جب تک فائرنگ کا سلسلہ بند نہ کیا جائے۔ شہر کے باشندوں میں ایک تھوڑے سے اونچے طبقے کو چھوڑ کر کوئی عنصر ایسا باقی نہ رہا ' جو اس ظلم کے خلاف غصے اور نفرت سے نہ بھر گیا ہو۔ یہ حالات تھے جب میرے علم کی حد تک ۴ مارچ کی شام سے بعض لوگوں نے قتل ' لوٹ مار ' آتش زنی اور تخریب کا ارتکاب شروع کیا۔ واقعات کی اس ترتیب کو دیکھتے ہوئے میں پورے انصاف کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ عوام کی طرف سے بدامنی کے یہ جس قدر بھی افعال ہوئے ' ان کی ذمہ داری ڈائرکٹ ایکشن کی تحریک کے کارکنوں اور راہنماؤں پر نہیں ہے۔ اس کی ذمہ داری تمام تر بارڈر پولیس کے ظلم و ستم پر ہے ' ڈائرکٹ ایکشن کے لیڈروں نے ان حرکات پر لوگوں کو ہرگز نہیں اکسایا۔ بارڈر پولیس کے ظلم نے لوگوں کو دیوانہ کر کے ان سے یہ حرکات کرائیں۔

اصلاح حال کی کوشش۔

۱۸۔ ۴ اور ۵ مارچ کی درمیانی شب کو میں نے مولانا مفتی محمد حسن صاحب اور مولانا داؤد غزنوی کی موافقت سے خواجہ ناظم الدین صاحب کو تار دیا کہ پنجاب کے حالات تیزی کے ساتھ بگڑ رہے ہیں، اگر آپ ابھی کسی کمی و شنید کی گنجائش ہو تو ہمیں گفتگو کا موقع دیجئے۔ خواجہ صاحب کو معلوم تھا کہ مجھے وزرائے کرام کی کوٹھیوں پر حاضری دینے کا بھی شوق نہیں رہا ہے اور میں آخری شخص ہو سکتا ہوں جو کبھی کسی وزیر سے خود ملنے کی درخواست کرے۔ انہیں سمجھنا چاہئے تھا کہ حالات کیسے خراب ہوں گے، جب کہ میں نے ان سے یہ درخواست کی ہے۔ مگر انہوں نے میرے تار کا جواب تک دینے کی زحمت گوارا نہ فرمائی۔ ۵ مارچ کی صبح کو میں نے پھر تار دیا کہ حالات ساعت بساعت بگڑ رہے ہیں، میرے تار کا فوراً جواب دیجئے۔ لیکن اس پر بھی کوئی توجہ نہ کی گئی۔ اس سے اس سنگدلی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس کے ساتھ پنجاب کے حالات سے عہدہ برآ ہوا جا رہا تھا۔

مسلم عوام سرپھرے نہیں ہیں۔

۱۹۔ ۵ مارچ کی سہ پہر کو گورنر پنجاب مسٹر چندری گر نے گورنمنٹ ہاؤس میں ایک کانفرنس بلائی جس میں مجھے بھی مدعو کیا گیا۔ اس کانفرنس میں تقریباً پچاس اصحاب و خواتین کا اجتماع تھا۔ گورنر صاحب نے اپنی تقریر میں حاضرین سے اپیل کی کہ وہ امن قائم کرنے میں حکومت کی مدد کریں۔ میں نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے:

"بدامنی کی یہ حالت حکومت کی اس غلطی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ اس نے عوام کے مطالبات کو بغیر کوئی وجہ بتائے ٹھکرا دیا ہے۔ ایک جمہوری نظام میں عوام اس طریقے کو برداشت نہیں کرتے۔ اگر حکومت ان مطالبات کو نہ ماننے کی کچھ معقول وجوہ پیش کرتی، تو اس ملک کے عوام کچھ ایسے سرپھرے نہ تھے کہ وہ خواہ مخواہ دنگے فساد پر اتر آتے۔ لیکن اس نے سمجھنے سمجھانے کی کوئی کوشش نہ کی اور بس یونہی عوام کے منہ پر ان کے مطالبات مار دیئے۔ اس کے بعد لوگوں میں غصہ پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے اور اب اس غصے کو فرو کرنے کے لئے آپ کی ملٹری اور پولیس لوگوں پر اندھا دھند گولیاں برسا رہی ہے۔ ان حالات میں آخر امن کی اپیل کیسے کارگر ہو سکتی ہے، امن تو اب دو ہی طریقوں سے قائم ہو سکتا ہے یا تو طاقت سے اپنی قوم کو زبردستی دبا دیجئے جس کے لئے آپ کو ہماری مدد کی ضرورت نہیں ہے، آپ کے پاس کافی پولیس اور فوج موجود ہے۔ یا اپنی قوم کو راضی کر کے امن قائم کیجئے، جس کی واحد صورت یہ ہے کہ آپ آج رات کو ریڈیو پر اعلان کیجئے کہ وزیراعظم صاحب عوام کے مطالبات پر گفتگو کرنے کے لئے تیار ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ چوبیس گھنٹے کے اندر امن

قائم ہو جائے گا۔"

میری اس تجویز کو گورنر صاحب نے پسند فرمایا۔ اس وقت ایک اعلان کا مسودہ تیار کیا گیا اور یہ طے ہوا کہ رات کو وہ ریڈیو پر نشر کیا جائے گا۔ اب یہ مسٹر چودھری گرہی بتا سکتے ہیں کہ یہ تجویز کس بنا پر رد کی گئی اور آخر کار کیوں عوام کو راضی کرنے کی بجائے طاقت ہی سے دبا کر امن قائم کرنے کو ترجیح دی گئی۔

مارشل لاء

۲۰۔ یہ تھے وہ حالات جن میں ۶ مارچ کی دوپہر کو عین نماز جمعہ کے وقت مارشل لا کا اعلان کیا گیا۔ میرے نزدیک یہ اعلان قطعاً غیر ضروری اور بالکل بے جا تھا۔ اول تو جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں' حالات کو خود حکومت کی ہٹ دھرمی' ضد اور تحت غیر دانشمندانہ پالیسی نے اس درجہ بگاڑا تھا۔ پھر اگر حالات بگڑنے بھی تھے' تو ان کو بغیر کسی کشت و خون کے رو بہ اصلاح لایا جا سکتا تھا۔ بشرطیکہ حکومت آخر وقت پر ہی مسلمانوں کے ایک تلخ معاشرتی مسئلے کو ہمدردی کے ساتھ سمجھنے اور سمجھانے پر آمادہ ہو جاتی۔ تاہم اگر طاقت ہی کا استعمال کرنا ضروری سمجھ گیا تھا' تو مارشل لاء جاری کرنے کے بجائے صرف دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری کے تحت فوجی امداد لے کر امن قائم کیا جا سکتا تھا۔ ہندوستان میں ۱۹۲۷ء سے لے ۱۹۴۷ء تک بے شمار ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ جن میں سے بعض میں لاہور کے ہنگاموں سے بہت زیادہ قتل و غارت آتش زنی اور لوٹ مار کے واقعات پیش آئے۔ مگر کبھی ان فسادات کو روکنے کے لئے مارشل لاء جاری نہیں کیا گیا۔ ۱۹۲۱ء سے لے کر گاندھی جی کے آخری Quit India Agitation تک اس برعظیم میں کئی مرتبہ ستیا گرہ اور سول نافرمانی کی تحریکیں اٹھیں' جو کئی بار تشدد تک بھی پہنچ گئیں اور موخر الذکر تحریک میں تو بہت بڑے پیمانے پر تخریبی کارروائیاں کی گئیں' مگر اس پوری مدت میں کبھی انگریزی حکومت نے مارشل لاء جاری نہیں کیا' لاہور کا ہنگامہ ان تحریکوں کے مقابلے میں بہت کم درجے کا تھا۔ اس ذرا سے ہنگامے کو فرو کرنے کے لئے مارشل لاء جاری کر کے اور پھر اس کو سوا دو مہینے سے زیادہ مدت تک طول دے کر' حکومت نے بڑی کم حوصلگی اور پست ہمتی کا ثبوت دیا ہے کوئی ایسی حکومت جس کو اپنی طاقت پر اعتماد ہو' ایسے چھوٹے چھوٹے غیر معمولی حالات میں اتنی مضطرب نہیں ہو سکتی کہ اتنے بڑے قدم اٹھانے پر اتر آئے۔ میں اس فعل کو حکومت پاکستان کی محض پست ہمتی اور کم حوصلگی ہی نہیں سمجھتا' بلکہ انتہائی سنگ دلی بھی سمجھتا ہوں۔ ابھی حال میں محض نرامورے کے کرائے بڑھانے پر کلکتے میں جو ہنگامے ہوئے وہ لاہور کے ہنگاموں سے بدرجہا زیادہ سخت تھے۔ ان میں اسلحہ اور بم تک

پولیس کے مقابلے میں استعمال کئے گئے اور بڑے پیمانے پر تخریبی کارروائیاں کی گئیں۔ مگر اس ہنگامے کو دبانے کے لئے ہندوستان کی حکومت نے مارشل لاء نہیں لگایا۔ اس سے تھوڑی مدت پہلے ہر جا پرشید اور جن سنگھ کی تحریکوں نے بھی وسیع پیمانے پر بدامنی کی حالت پیدا کر رکھی تھی، مگر وہاں بھی اس کا مقابلہ مارشل لاء کے ذریعے سے نہیں کیا گیا۔ حکومت پاکستان نے جس بے دردی کا سلوک اپنی قوم کے ساتھ کیا ہے وہ فی الواقع اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

۳۔ اضطرابات کو روکنے اور بعد میں ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سول حکام کی تدابیر کا کافی یا ناکافی ہونا۔

دوسرے امر تحقیق طلب کے بارے میں مجھے صرف دو باتیں بیان کرنی ہیں:

حکومت پنجاب کی پالیسی:

اول یہ کہ فروری کے اختتام تک پنجاب گورنمنٹ کی پالیسی ان اضطرابات کو روکنے کی طرف نہیں بلکہ ان کی سرپرستی اور ہمت افزائی کرنے کی طرف مائل تھی، اس پالیسی کے محرکات کیا تھے اور عملاً اندر کیا کچھ ہوتا رہا، اس کے متعلق تو میں کوئی بات بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کا میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے ممکن ہے کہ بعض خاص خاص محکموں کے سرکاری کاغذات کی جانچ سے عدالت کو اصل حقائق معلوم ہو جائیں۔ مگر بظاہر جو کچھ دیکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان اضطرابات کا پورا مواد اعلانیہ حکومت پنجاب کی ناک کے نیچے پکتا رہا، اور اس حکومت نے جس کی عملداری میں ذرا ذرا سی باتوں پر پولیس ایکٹ، سیفٹی ایکٹ اور دفعہ ۱۴۴ حرکت میں آجایا کرتے ہیں، اس کام میں ذرا مداخلت نہ کی۔ پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس کام کو فروغ دینے میں زیادہ تر وہی لوگ پیش پیش تھے جن کے حکومت پنجاب سے مخصوص تعلقات معلوم عوام ہیں اور جو پنجاب کے پچھلے انتخابات میں مسلم لیگ پارٹی کے سرگرم حامی رہ چکے ہیں۔ مجھے پنجاب کے بعض علاقوں سے یہاں تک بھی اطلاعات ملی ہیں کہ فروری کے آخر تک اضلاع کے حکام خود اس تحریک میں حصہ لینے کے لئے لوگوں کو ابھارتے رہے ہیں۔

دوم یہ کہ جب ڈائرکٹ ایکشن عملاً شروع ہو گیا تو دو تین دن کے اندر ہی یکایک حکومت پنجاب کی پالیسی بدل گئی اور اس نے یکلخت ایسی سختی شروع کر دی جو کافی سے بہت زیادہ تھی اس نے صرف قانون شکنی کرنے والوں ہی پر نہیں بلکہ بالکل بے تعلق عوام پر بھی وحشیانہ ظلم ڈھائے۔ جن کی وجہ سے مختلف مقامات پر عام آبادی سخت مشتعل ہو گئی۔ پھر اپنی بھڑکائی ہوئی

اس آگ کو دیکھ کر بہت جلدی سول حکام کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور انھوں نے معاملات فوج کے حوالے کرنے میں بڑی بے صبری سے کام لیا۔

۳۔ اضطرابات کی ذمہ داری:

جو حالات میں نے اوپر بیان کئے ہیں' ان کی بنا پر میرے نزدیک ان اضطرابات اور ہنگاموں کی ذمہ داری چار فریقوں پر بالکل برابر برابر تقسیم ہوتی ہے۔

ہنگامے کی ذمہ داری کے چار فریق۔

۱۔ قادیانی جماعت جس نے مسلمانوں میں شامل رہ کر اپنی تکفیر' تبلیغ' جداگانہ تنظیم' معاشرتی مقاطعے اور معاشی کشاکش سے مسلمانوں کے اندر پچیس برس سے مسلسل ایک تفرقہ برپا کر رکھا تھا اور جس نے قیام پاکستان کے بعد اپنے خطرناک منصوبوں کے اظہار اور اپنی جنگ جویانہ باتوں سے عوام کو اپنے خلاف پہلے سے زیادہ مشتعل کر لیا حالانکہ اگر وہ بہائیوں کی پالیسی اختیار کر کے اپنا مذہب الگ بنا لیتے اور مسلمانوں کے معاشرے میں شامل ہو کر تفرقہ انگیزیاں نہ کرتے' تو مسلمان اسی طرح ان کے ساتھ رواداری برتتے جس طرح وہ عیسائیوں' ہندوؤں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں سے برتتے ہیں۔

۲۔ وہ جماعتیں جنھوں نے لوگوں کو ڈائرکٹ ایکشن کا راستہ دکھایا۔ حالانکہ یہ بالکل بے موقع اور غیر ضروری تھا اور مسلم پبلک کے مطالبے کو منوانے کے لئے آئینی ذرائع کے امکانات ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔

۳۔ مرکزی حکومت' (جس سے میری مراد مرکزی وزارت ہے) جس نے مئی ۱۹۵۲ء سے مارشل لاء کے اعلان تک مسلسل اپنی غیر دانشمندانہ پالیسی سے معاملات کو بگاڑا اور آخر کار ہزار ہا بندگان خدا کی تباہی کا سامان کیا۔

۴۔ صوبائی حکومت (اور اس سے بھی میری مراد صوبائی وزارت ہے) جس کی دورخی پالیسی نے ان حالات کو خراب کرنے میں خاص حصہ لیا ہے۔

ان چاروں فریقوں میں سے کسی کا گناہ بھی دوسرے سے کم نہیں ہے اور یہ سب اس کے مستحق ہیں کہ ان پر مقدمہ چلایا جائے۔ اگر یہاں نہ بچے گا تو انشاء اللہ خداوند عالم کی آخری عدالت میں چل کر رہے گا۔

۴۔ قادیانی مسئلے کے متعلق میرا اور جماعت اسلامی کا طرز عمل۔

اس مسئلے پر میری پالیسی اور میری راہنمائی میں جماعت اسلامی کی پالیسی تین اجزاء پر

مشتمل رہی ہے۔

اول یہ کہ میں قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ کرنے کا مطالبہ بالکل برحق سمجھتا ہوں اور تمام جائز ذرائع سے اس کو منوانے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔

دوم یہ کہ میں نے کبھی ڈائرکٹ ایکشن کی تائید نہیں کی ہے، اپنی امکانی حد تک اس کو روکنے کی پوری کوشش کی ہے، میری جماعت نے خود اس میں کوئی حصہ نہیں لیا اور جماعت کے جن افراد نے جماعتی ضبط کو توڑ کر اس میں حصہ لیا ان کو جماعت سے الگ کر دیا گیا۔

سوم یہ کہ میں نے اس قضیئے کے آغاز سے لے کر مارشل لاء کے نفاذ تک حکومت کو اس غیر دانشمندانہ پالیسی سے باز رکھنے کی مسلسل کوشش کی ہے جو آخر کار تباہ کن ثابت ہو کر رہی۔

میں ان تینوں اجزاء کی تشریح کر کے اپنی پوزیشن کی وضاحت کروں گا۔

قادیانی گروہ مسلم ملت کا جزو نہیں ہے۔

امر اول کے متعلق گذارش یہ ہے کہ میں نے جس چیز کو حق سمجھا ہے، دلائل کی بناء پر سمجھا ہے اور اپنے دلائل پوری وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ بالفرض اگر کسی کے نزدیک وہ چیز حق نہیں ہے جسے میں حق سمجھتا ہوں تو وہ اپنے دلائل دے سکتا ہے مگر ایک جمہوری نظام میں کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا، خواہ وہ حکومت ہی کیوں نہ ہو، کہ وہ کسی معاملے میں مجھ کو ایک رائے رکھنے سے یا اپنی رائے کو معقولیت کے ساتھ بیان کرنے سے، یا اس کی تائید میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کی جائز کوشش سے، یا اپنی رائے منوانے کی آئینی تدابیر استعمال کرنے سے باز رکھے محض یہ بات کہ جو رائے میں رکھتا ہوں وہی رائے کچھ دوسرے لوگ بھی رکھتے تھے اور انھوں نے اس رائے کو منوانے کے لئے غیر آئینی تدابیر اختیار کیں، مجھے قابل الزام بنا دینے کے لئے کافی نہیں ہے جب میں خود اپنے خیالات کی ترویج کے لئے یا اپنے کسی مطالبے کو منوانے کے لئے تشدد یا قانون شکنی کا طریقہ اختیار نہیں کرتا۔ میں یقیناً اپنے جائز قانونی حدود کے اندر ہوں اس صورت میں نہ تو میرے دوسرے ہم خیالوں کے غلط فعل کی کوئی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے اور نہ اپنے خیالات کی ترویج کے لئے جائز ذرائع استعمال کرنے کا حق مجھ سے سلب کیا جا سکتا ہے۔ میں اس وقت تک بھی یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ اگر کوئی شخص معقول وجوہ اور دلائل کی بناء پر رائے رکھتا ہے کہ قادیانی گروہ مسلم ملت کا ایک جزو نہیں ہے اور اس کی تائید میں وہ خالص علمی استدلال کے ساتھ سنجیدہ اور مہذب زبان میں بحث کرتا ہے اگر کوئی شخص مسلمانوں کے اندر قادیانی گروہ کے شمول کو مسلم ملت کی

وحدت ملیت کے لئے نقصان دہ سمجھتا ہے اور اپنے ملک کی دستور ساز مجلس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ دستور مملکت میں اس گروہ کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دے دے' تو آخر وہ جرم کیا ہے جس کا وہ مرتکب ہے پھر کیوں آج ہر اس شخص کی ٹانگ کھینچی جا رہی ہے جس نے بھی قادیانی مسئلے پر گفتگو کی ہے قطع نظر اس سے کہ عملاً اس کا پچھلے اضطرابات سے کوئی تعلق رہا ہو یا نہ رہا ہو۔

رواداری و نارواداری کا عجیب مفہوم۔

حال میں بعض ذمہ داران حکومت کی طرف سے یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے "رواداری" کی سخت ضرورت ہے اور قادیانی مسئلے پر گفتگو یا قادیانیوں کی علیحدگی کا مطالبہ "نارواداری" ہے اس لئے حکومت اس کو بجائے خود قابل اعتراض سمجھتی ہے اور اس کا استیصال کرنا چاہتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ رواداری اور نارواداری کے الفاظ کا ایک انوکھا استعمال اور ان کے مفہوم کا بالکل ہی ایک نرالا تصور ہے' جسے حاکمانہ طاقت سے ہم پر ٹھونسنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اگر کسی نے یہ کہا ہوتا کہ فلاں گروہ کو ملک میں جینے نہ دو یا اس کے شہری حقوق سلب کر لو' یا اس کو اپنے مذہب پر عقیدہ اور عمل رکھنے سے زبردستی روک دو' تو بلاشبہ یہ نارواداری ہوتی اور اس طرح کے کسی خیال کی ترویج بجائے خود ایک برائی ہوتی جس کے استیصال کو اپنی پالیسی قرار دینے میں حکومت بالکل حق بجانب تھی۔ لیکن یہاں جس معاملے پر لفظ نارواداری کو چسپاں کیا جا رہا ہے' وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک ایسے گروہ کو اپنے معاشرے کا جزو بنا کر نہیں رکھنا چاہتے جو ایک طرف ان کے معاشرے میں شامل بھی ہے اور دوسری طرف تمام مسلمانوں کو کافر کہہ کر اور ان سے معاشرتی مقاطعہ کر کے اور ان کے مقابلے میں اپنی جماعتی تنظیم اور معاشی جتھہ بندی الگ کر کے' اپنی تبلیغ سے پیہم اس معاشرے میں اندرونی اختلال بھی برپا کرتا جا رہا ہے۔ ایسے ایک گروہ کی علیحدگی کے مطالبے کو "نارواداری" قرار دینے کے معنے یہ ہیں کہ ہمارے ارباب حکومت کے شاداب ذہن میں "رواداری" کا مطلب اپنی تخریب اور اپنے شیرازے کی پراگندگی کے اسباب کو خود اپنے اندر پرورش کرنا قرار پایا ہے' تصورات کی عجائب آفرینی کا یہی حال رہا تو بعید نہیں کہ کل اسی نارواداری کے الزام میں ہر وہ شخص ہسپتال سے جیل بھیج دیا جائے جو اپنڈی سائٹس کا آپریشن کرانا چاہتا ہو۔

تباہی کو روکنے کی بروقت کوشش۔

پچھلے دنوں حکومت کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس وقت ملک میں قادیانی مسئلے

پر ہنگامہ برپا تھا' اس وقت اس مسئلے میں مسلمانوں کے مطالبے کی صحت کو دلائل سے ثابت کرنا بجائے خود قابل اعتراض تھا' کیوں کہ اس سے ہنگامے کو تقویت پہنچتی تھی۔ میری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر پبلک کا ایک مطالبہ اپنی جگہ بالکل معقول بنیادوں پر مبنی ہو اور حکومت سراسر ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر بغیر کوئی معقول وجہ بتائے اس مطالبے کو رد کر دے اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ حکومت کی اس غلط پالیسی کی وجہ سے ملک میں تباہی آ رہی ہے تو آخر کیوں نہ میں عین وقت پر اس تباہی کو روکنے کے لئے حکومت کے موقف کی غلطی دلائل سے ثابت کروں؟ کیا حکومت یہ چاہتی ہے کہ جب وہ غلطی کر رہی ہو' اس وقت کوئی اس کی غلطی کو غلطی نہ کہے؟ کیا حکومت کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل بے جا اور ناروا طریقے سے لوگوں کے سر توڑتی رہے اور ملک میں کوئی اللہ کا بندہ ایسا موجود نہ ہو' جو اسے انصاف اور معقولیت کی بات بتانے والا ہو؟ میرے علم اور میری قوت بحث و استدلال کا آخر فائدہ ہی کیا تھا اگر میں اسے ٹھیک اس وقت استعمال نہ کرتا جب کہ تباہی کو روکنے کے لئے اس کے استعمال کی ضرورت تھی۔ جس مسئلے کو حکومت نے صحیح طریقے سے نہ سمجھ کر اور حل نہ کر کے ملک میں ایک فتنہ برپا کرا دیا تھا' اس کی حقیقت اگر میں اسی وقت نہ سمجھاتا جبکہ فتنہ اٹھتا نظر آ رہا تھا تو آخر اس کے سمجھانے کا وقت اور کونسا ہو سکتا تھا؟ میری اس کوشش کو اگر حکومت فتنے میں امداد کرنے سے بجا طور پر تعبیر کر سکتی تھی' تو صرف اس صورت میں جب کہ میں نے اپنی کسی تحریر میں علمی استدلال اور سنجیدہ بحث کے انداز سے ہٹ کر کوئی ایک فقرہ یا لفظ ہی ایسا استعمال کر لیا ہوتا جسے اشتعال انگیز یا منافرت انگیز کہا جا سکتا ہو' لیکن میں چیلنج کے ساتھ کہتا ہوں کہ میری کسی تحریر میں' جو میں نے قادیانی مسئلے کے متعلق لکھی ہے' ایسا کوئی فقرہ یا لفظ نکال کر نہیں دکھایا جا سکتا۔

ایک اصولی بات

اس سلسلے میں عدالت سے میری درخواست یہ ہے کہ وہ اصولی طور پر دو چیزوں کا فرق واضح کر دے' ایک چیز ہے قادیانیوں کی علیحدگی کا آئینی مطالبہ۔ دوسری چیز ہے اس مطالبے کو منوانے کے لئے کوئی غیر آئینی طریقہ اختیار کرنا۔ کیا ان دونوں کو ایک ہی حیثیت میں رکھا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں رکھا جا سکتا تو اس حقیقت کو پوری طرح واضح ہو جانا چاہئے۔ کیوں کہ ان دونوں کو خلط ملط کر کے بہت سے ان لوگوں کو مبتلائے مصیبت کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے جنہوں نے اس مطالبے کو منوانے کے لئے کبھی کوئی غیر آئینی طریقہ اختیار نہیں کیا' مگر آئینی اور جمہوری طریقوں سے وہ اس کو منوانے کی ضرور کوشش کرتے رہے ہیں۔

واقعات کی صحیح صورت اور تاریخی ترتیب

۲۔ امر دوم کے متعلق میں واقعات کو ان کی صحیح صورت میں تاریخی ترتیب کے ساتھ عدالت کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ پھر یہ رائے قائم کرنا عدالت کا کام ہے کہ ڈائرکٹ ایکشن کے ساتھ میرا اور میری جماعت کا تعلق کیا تھا اور کیا نہ تھا۔

مئی ۱۹۵۲ء میں جب احرار نے قادیانی مسئلے پر ایجی ٹیشن کا آغاز کیا' اس وقت جماعت اسلامی کی رائے یہ تھی کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ کرکے ایک مستقل اقلیت قرار دینے کا مطالبہ بجائے خود صحیح ہے مگر اس وقت جب کہ ملک کا دستور بن رہا ہے' مسلمانوں کی توجہ کسی ضمنی مسئلے کی طرف پھیر دینا درست نہیں ہے۔ اس وقت تمام کوششوں کو ایک صحیح اسلامی دستور بنوانے پر مرکوز کئے رکھنا چاہئے اور دستور ہی میں قادیانی مسئلے کو بھی حل کرانا چاہئے۔ یہی رائے جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اپنے جون ۱۹۵۲ء کے ایک ریزولیشن میں ظاہر کی تھی۔

جولائی ۱۹۵۲ء میں احرار نے لاہور میں تمام مذہبی جماعتوں کی ایک کونشن منعقد کی اور اس میں جماعت اسلامی کو بھی دعوت دی۔ جماعت کی طرف سے مولانا امین احسن صاحب اور ملک نصراللہ خاں صاحب عزیز اس میں شرکت کے لئے بھیجے گئے اور انہوں نے وہاں جماعت کے نقطہ نظر کی ترجمانی کر دی۔ اس کونشن میں پنجاب کے لئے ایک مجلس عمل بنائی گئی اور اس میں جماعت اسلامی کو بھی دو نشستیں پیش کی گئیں مگر جماعت نے اس مجلس میں شرکت قبول نہ کی۔

آئینی طریق کار کی پابندی۔

مئی سے جولائی تک پنجاب میں جو اضطرابات رونما ہوئے ان کو اور خصوصاً ملتان کے ہنگامے کو جماعت اسلامی نے سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھا اور اس کے دو وجوہ تھے: ایک یہ کہ اس ہنگامہ خیزی سے عوام کی ذہنیت بگڑ رہی ہے اور عوامی تحریکات کا رخ شورش کی طرف مائل ہوتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے ملک میں کسی سنجیدہ اور معقول تحریک کے لئے کام کرنا مشکل ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ ایک ضمنی مسئلے نے عوام کی توجہ کو دستور کے بنیادی مسئلے سے ہٹا دیا ہے اور اس حالت میں اگر کوئی غلط دستور بن جائے تو اس کا خمیازہ ملک کو ایک مدت دراز تک بھگتنا پڑے گا۔ ان دونوں پہلوؤں پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد ہم نے اگست ۱۹۵۲ء کے آغاز میں یہ طے کیا کہ ہم اسلامی دستور کے لئے جو جدوجہد کر رہے ہیں' اس کے مطالبات میں

قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ بھی شامل کر لیا جائے۔ اس تدبیر سے ہمارے پیش نظر دو مقصد تھے: ایک یہ کہ عوام کے لئے قادیانی مسئلے پر الگ جدوجہد کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے اور ان کی توجہ دستور کے مسئلے پر مرکوز کی جا سکے۔ دوسرے یہ کہ عوام کی ذہنیت د شورش اور ہنگامے سے ہٹا کر آئینی جدوجہد کی طرف موڑ دیا جائے ان دونوں مقاصد کو میں نے اپنے ایک بیان میں واضح کر دیا تھا' جو روزنامہ "تسنیم" کی ۴ اگست ۵۲ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

اگست کے آخر یا ستمبر کے اوائل میں مولانا عبدالحلیم صاحب قاسمی ناظم جمیعۃ علماء اسلام پنجاب مجھ سے ملے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ کل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب نے جو مجلس عمل بنائی ہے اس میں ایسے عناصر کا غلبہ ہے جن کا رجحان قادیانی مسئلے کو شورش اور ہنگامے کے ذریعے سے حل کرنے کی طرف ہے اور ہم لوگ جو اس تحریک کو غلط رخ پر جانے سے روکنا چاہتے ہیں' قلیل تعداد میں ہیں' اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ جماعت اسلامی مجلس عمل میں اپنے نمائندے بھیجنا قبول کر لے' تاکہ ہمارے ہاتھ مضبوط ہوں اور ہم اس خطرے کی روک تھام کر سکیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کی اس بات میں وزن ہے اور اسی بنیاد پر میں نے جماعت اسلامی کے دو نمائندے مجلس عمل کے لئے نامزد کئے جنہوں نے مجلس کے دوسرے سنجیدہ عناصر کے ساتھ تعاون کر کے متعدد مواقع پر غلط رجحانات کا سدباب کیا۔

واقعات سے ثابت ہے کہ اگست سے لے کر جنوری تک پھر کوئی شورشی تحریک قادیانی مسئلے کے متعلق نہ اٹھ سکی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس اصلاح حال میں جماعت کی مذکورہ بالا دو تدبیروں کا بھی بہت بڑا حصہ تھا۔

دسمبر ۵۲ء میں مجلس دستور ساز کی BASIC PRINCIPLE COMMITTEE کی رپورٹ شائع ہوئی اور اس میں قادیانی مسئلے کا کوئی حل تجویز نہیں کیا گیا تھا اس فروگذاشت نے ان کوششوں کو سخت نقصان پہنچایا جو ہماری طرف سے اس تحریک کو آئینی طریقہ کار کا پابند رکھنے کے لئے کی جا رہی تھیں۔

جنوری ۵۳ء کے دوسرے ہفتے میں پاکستان کے ۳۳ سربرآوردہ علماء کا ایک اجتماع B.P.C. REPORT پر غور کرنے کے لئے کراچی میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع کا ایک رکن میں بھی تھا۔ علماء نے اس اجتماع میں رپورٹ کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس کے دستوری خاکے میں بہت سی ترمیمات و اصلاحات تجویز کیں جن میں سے ایک اصلاح یہ بھی تھی کہ رپورٹ میں جن اقلیتوں کے لئے جداگانہ انتخاب اور نشستوں کا تعین تجویز کیا گیا ہے ان میں قادیانیوں کو بھی شامل کر دیا جائے۔

اس ماہ جنوری کے وسط میں کراچی ہی میں پورے پاکستان کی ایک کل مسلم پارٹیز کنونشن

منعقد ہوئی جس کا مقصد " تحفظ ختم نبوت " کے مسئلے پر غور کرنا تھا۔ مجھے بھی اس میں دعوت دی گئی تھی۔ میں نے کنونشن کی سب جیکٹس کمیٹی میں یہ تجویز پیش کی کہ جب علماء نے R.P.C. REPORT پر اپنی ترمیمات میں قادیانی مسئلے کے آئینی حل کو شامل کر لیا ہے' تو اس مسئلے کے متعلق کوئی علیحدہ جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ صرف وہی ایک جدوجہد تمام مقاصد کے لئے کافی ہے جو علماء کی تجویز کردہ ترمیمات کو منظور کرانے کے لئے کی جائے گی۔ طویل مباحثے کے بعد سب جیکٹس کمیٹی نے میری رائے کو مان لیا مگر کھلے اجلاس میں کنونشن نے اسے رد کر دیا۔

اس کے بعد میں نے کنونشن میں دوسری تجویز یہ پیش کی کہ پورے پاکستان میں ایک مرکزی مجلس عمل بنائی جائے اور صرف وہی " تحفظ ختم نبوت " کے لئے پروگرام بنانے اور دوسرے اقدامات تجویز کرنے کی مجاز ہو۔ اس مجلس کے سوا کسی اور کو بطور خود کوئی قدم اٹھانے کا اختیار نہ ہونا چاہئے۔ میری یہ تجویز مان لی گئی اور پندرہ ارکان کی ایک مرکزی مجلس عمل بنا دی گئی جن میں سے آٹھ ارکان اسی وقت منتخب کر لئے گئے اور طے ہوا کہ سات ارکان بعد میں اس کے اندر شامل کئے جائیں۔ جو ارکان وہاں منتخب کئے گئے تھے ان میں سے ایک میں بھی تھا۔

اس مرکزی مجلس عمل کا کوئی اجلاس ۲۶ فروری تک نہیں ہوا۔ اس میں جو سات مزید ارکان شامل کئے جانے تھے' وہ بھی شامل نہیں کئے گئے' جس کے معنی یہ ہیں کہ مجلس کی ترکیب ہی مکمل نہیں ہوئی اور جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں' کنونشن کے مقصد پر عمل کرنے کے لئے پروگرام بنانے کی مجاز صرف یہی مجلس تھی' اس لئے ۱۸ جنوری سے ۲۶ فروری تک کنونشن کی ممبر جماعتوں میں سے بعض نے جتنی بھی کارروائیاں کیں' وہ سب خلاف ضابطہ تھیں۔ ۲۲ جنوری کو جو وفد وزیراعظم سے ملا وہ ان چند جماعتوں کا خود ساختہ تھا۔ کنونشن نے یا مرکزی مجلس عمل نے اس وفد کو ترتیب نہیں دیا تھا۔ اس وفد نے وزیراعظم کو ایک مہینے کا جو نوٹس دیا اور مہینہ گزرنے کے بعد ڈائرکٹ ایکشن شروع کرنے کا جو اعلان کیا' اس کے لئے کسی نے اس کو مجاز نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد پنجاب آ کر ان جماعتوں نے ڈائرکٹ ایکشن کی جو تیاریاں شروع کیں وہ سب کنونشن کے فیصلوں کے بالکل خلاف تھیں۔

میں نے ان بے ضابطگیوں کے خلاف سخت اعتراض کیا۔ ۱۳ فروری کو مجلس عمل پنجاب کا جو اجلاس ہوا' اس میں میں نے اپنے اعتراضات تحریری صورت میں ملک نصراللہ خاں صاحب عزیز کے ذریعے سے بھیجے اور یہ مطالبہ کیا کہ مرکزی مجلس عمل کا اجلاس منعقد کیا جائے اور تمام کارروائیوں کو اس وقت تک روک دیا جائے جب تک مجلس کا یہ اجلاس منعقد نہ ہو'

اس پر طے ہوا کہ ۱۶ فروری کو مرکزی مجلس عمل کا اجلاس منعقد کیا جائے۔ مگر ۱۶ کو کوئی اجلاس نہ ہوا اور میں نے دوبارہ اپنے اعتراضات تحریری صورت میں میاں طفیل محمد صاحب سیکرٹری جماعت اسلامی اور ملک نصراللہ خاں صاحب عزیز کے ذریعے سے مجلس عمل پنجاب کو بھیجے۔ آخر کار ۲۶ فروری کی تاریخ مرکزی مجلس عمل کے اجلاس کے لئے مقرر ہوئی۔

۱۸ فروری کو میری ہدایت کے مطابق جماعت اسلامی کے سیکرٹری نے اعلان کیا کہ مجلس عمل پنجاب کی طرف سے ڈائرکٹ ایکشن کے لئے جن حلف ناموں پر دستخط کیے جا رہے ہیں' ان پر جماعت اسلامی کا کوئی رکن دستخط نہ کرے اور یہ کہ کسی پروگرام کو اس وقت تک قبول نہ کیا جائے جب تک کہ وہ مرکزی مجلس عمل کا بنایا ہوا نہ ہو۔

۲۶ فروری کو کراچی میں مرکزی مجلس عمل کا پہلا اجلاس منعقد ہوا اور میری طرف سے اس میں سلطان احمد صاحب امیر جماعت اسلامی کراچی و سندھ شریک ہوئے' میں نے بارہ اعتراضات جو ان بے قاعدگیوں پر لکھے تھے' تحریری صورت میں سلطان احمد صاحب کے ذریعے سے بھیجے اور مطالبہ کیا کہ ڈائرکٹ ایکشن کا جو پروگرام بالکل خلاف ضابطہ بنایا گیا ہے' اس کو منسوخ کر دیا جائے اور سلطان احمد صاحب کو یہ ہدایت کی کہ اگر یہ بات نہ مانی جائے تو وہ مرکزی مجلس عمل سے جماعت اسلامی کی علیحدگی کا اعلان کر دیں۔ مگر وہاں سرے سے مرکزی مجلس عمل ہی توڑ دی گئی اور ایک نئی ڈائرکٹ ایکشن کمیٹی بنائی گئی جس نے دوسرے ہی روز سے ڈائرکٹ ایکشن شروع کرنے کا اعلان کر دیا اس نئی مجلس میں نہ میں شامل تھا اور نہ جماعت اسلامی کا کوئی اور شخص۔

ڈائرکٹ ایکشن سے جماعت اسلامی کی بے تعلقی۔

۴ اور ۵ مارچ کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس' لاہور' میں منعقد ہوا اور اس نے ڈائرکٹ ایکشن سے جماعت اسلامی کی قطعی بے تعلقی کا فیصلہ کیا۔ اس موقع پر میں نے پنجاب کے تمام اضلاع سے جماعت کے ذمہ دار کارکنوں کو' لاہور' بلا کر ہدایات دیں کہ وہ جماعت کے ارکان کو اس تحریک سے بالکل علیحدہ رکھیں' اس کے بعد صرف دو مقامات سے مجھے اطلاع ملی کہ جماعت کے دو ارکان نے ڈائرکٹ ایکشن میں حصہ لیا ہے اور میں نے فوراً ان دونوں کو جماعت سے خارج کر دیا۔

اس پوری مدت میں میرے یا جماعت اسلامی کے کسی فعل سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان اضطرابات کی ذمہ داری میں ہمارا کوئی ادنیٰ سا حصہ بھی ہے اس کے باوجود جس طرح مجھے اور جماعت کے بہت سے ارکان کو خواہ مخواہ اس کی ذمہ داری میں گھسیٹا گیا ہے اس کی

مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک شخص سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں جا کھڑا ہو اور دوسرا شخص وہاں موٹر لے جا کر اس کو ٹکر دے۔

حکومت

۳۔ امر سوم کے متعلق میں اپنے وہ تمام بیانات اور مضامین اور جماعت اسلامی کے وہ سب ریزولیوشن جو قادیانی مسئلے سے متعلق جون ۵۲ء سے ۶ مارچ ۵۳ء تک شائع ہوئے ہیں، اس بیان کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ ان کو دیکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ میں نے اور میری جماعت نے کامل دس مہینے تک کس کس طرح حکومت کو اس مسئلے کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اسے تدبر و معاملہ فہمی کے ساتھ حل کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ میں ان تحریروں کے متعلق خود کچھ کہنے کے بجائے اس امر کا فیصلہ عدالت پر چھوڑتا ہوں کہ جس شخص اور جماعت کی یہ تحریریں ہیں، اس کی نیت آیا اس ملک کے ایک اجتماعی مسئلے کو معقولیت کے ساتھ حل کروانے کی تھی یا کسی قسم کا فتنہ برپا کرنے کی اور یہ کہ دراصل کس ذہنیت کے مالک تھے جنہوں نے آخر وقت تک اس مسئلے کو ناخن تدبیر سے حل کرنے کے بجائے طاقت ہی سے دبانے پر اصرار کیا اور آخر کار کشت و خون برپا کر کے ہی چھوڑا۔

قادیانیوں کو مشورہ

اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے میں یہ بات بھی عدالت کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ میں نے جس طرح حکومت کو اس کی غلط پالیسی سے، اور ڈائرکٹ ایکشن کے لیڈروں کو ان کے غلط فیصلے سے روکنے کی آخر وقت تک کوشش کی ہے، اسی طرح میں قادیانیوں کو بھی ان کی غلطی سمجھانے اور صحیح مشورہ دینے کی پوری کوشش کرتا رہا ہوں۔ گزشتہ ماہ جولائی میں شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور، مولوی ابو العطاء جالندھری اور جناب شمس صاحب کو میں نے سمجھایا تھا کہ جو باتیں انگریزی دور میں نبھ گئیں وہ اب اس آزادی کے دور میں، جب کہ جمہوری حکومت کے اختیارات مسلم اکثریت کے ہاتھ میں ہیں زیادہ دیر تک نہ نبھ سکیں گی۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ آپ کی جماعت اور مسلمانوں کے تعلقات کی تلخی میں مزید اضافہ ہو آپ لوگ معاملہ فہمی اور تدبر سے کام لیتے ہوئے دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر لیں۔ یا تو اپنے عقائد اور طرز عمل میں ایسی ترمیم کیجئے کہ جس سے مسلمان آپ کو اپنے اندر شامل رکھنے پر راضی ہو سکیں، یا پھر خود ہی مسلمانوں سے الگ ہو کر ایک مستقل اقلیت کی حیثیت سے اپنے لئے وہی حقوق حاصل کر لیجئے جو پاکستان میں دوسری اقلیتوں کو حاصل ہیں۔ مگر افسوس

کہ انہوں نے میرے اس دوستانہ مشورے کو قبول نہ کیا۔ پھر مارشل لاء کے زمانہ میں ۲۰ مارچ کے قریب خواجہ نذیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور سے میری ملاقات ہوئی اور ان سے میں نے کہا کہ آپ مرزا بشیرالدین محمود صاحب سے خود جا کر ملیں اور ان کو مشورہ دیں کہ اگر وہ واقعی مسلمانوں سے الگ ہونا پسند نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ ان کی جماعت اس ملت کا ایک جزو بن کر رہے' تو وہ صاف الفاظ میں حسب ذیل تین باتوں کا اعلان کر دیں :-

(۱) یہ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معنی میں خاتم النبیین مانتے ہیں کہ حضور کے بعد کوئی اور نبی مبعوث ہونے والا نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کے لئے نبوت یا کسی ایسے منصب کے قائل نہیں ہیں جسے نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو۔

(۳) یہ کہ وہ تمام غیر احمدی مسلمانوں کو مسلمان مانتے ہیں اور احمدیوں کے لئے ان کی نماز جنازہ پڑھنا' انکے امام کی اقتدا میں نمازیں ادا کرنا' ان کو بیٹیاں دینا جائز سمجھتے ہیں۔

میں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ اگر آج مرزا صاحب ان باتوں کا واضح طور پر اعلان کر دیں' تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ سارا جھگڑا فوراً ختم ہو جائے گا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب میری اس تجویز کو لے کر مسٹر چندریگر سے ملے اور انہوں نے نہ صرف اس سے اتفاق کیا' بلکہ اس تجویز میں خود بھی بعض الفاظ کا اضافہ کیا۔ پھر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خواجہ صاحب نے ربوہ جا کر اس پر مرزا صاحب سے گفتگو کی' اور مرزا صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی جماعت کی مجلس شوریٰ بلا کر اس پر غور کریں گے۔ مگر اس دوران میں میری گرفتاری عمل میں آگئی اور بعد کی کوئی اطلاع مجھے نہ مل سکی۔ غالباً مرزا صاحب نے یہ دیکھ کر کہ حکومت پوری طاقت سے ان کی حمایت اور مسلمانوں کی سرکوبی کر رہی ہے' میری اس تجویز کو درخور اعتنا نہ سمجھا ہوگا۔ کیونکہ اس وقت تک ان کی طرف سے ایسا کوئی اعلان شائع نہیں ہوا جس میں ان باتوں کی تصریح ہو۔

بہرحال میری ان کوششوں سے یہ بات عیاں ہے کہ میں نے اپنی حد تک اس نزاع کے تینوں فریقوں کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ مگر ہر فریق نے مجھے ان کوششوں کی وہ جزا بڑی سے بڑی سزا دی' جو وہ دے سکتا تھا۔ ایک فریق نے بھرے جلسوں میں متعدد بار عوام کو میرے خلاف بھڑکایا' یہاں تک کہ ۶ مارچ کی صبح کو ایک مشتعل مجمع میرے مکان پر چڑھ آیا۔ دوسرے فریق نے پانچ واجب القتل "خونی ملاؤں" میں مجھے بھی شمولیت کا شرف عطا کیا۔ تیسرے فریق نے مجھے گرفتار کر کے میرا کورٹ مارشل کرایا اور مجھے پہلے سزائے موت اور پھر چودہ سال قید بامشقت کی سزا دلوائی۔

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا بیان میں جو باتیں درج کی گئی ہیں وہ میری بہترین اطلاع اور یقین کے مطابق صحیح و درست ہیں۔

ابوالاعلیٰ مودودی

[illegible]

قارئین کرام! آگے چلنے سے پہلے جناب مودودی صاحب کے بیان میں سے ان حصوں کو پڑھ لینا اشد ضروری ہے۔ موصوف ارشاد فرماتے ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کی توجہ کسی شخص (ختم نبوت) مسئلے کی طرف پھیر دینا درست نہیں۔

۲۔ اس کنونشن (مسئلہ ختم نبوت کے حل کے لئے منعقدہ) میں پنجاب کے لئے مجلس عمل بنائی گئی اور اس میں جماعت اسلامی کو بھی دو نشستیں پیش کی گئیں مگر جماعت نے اس مجلس میں شرکت قبول نہ کی (ماشاء اللہ)۔

۳۔ واقعات سے ثابت ہے کہ اگست سے لے کر جنوری تک پھر کوئی شورشی تحریک (مسئلہ ختم نبوت کے لئے تحریک شورشی تحریک) قادیانی مسئلے کے متعلق نہ اٹھ سکی میں (مودودی صاحب) کہہ سکتا ہوں کہ اس اصلاح حال میں جماعت کی مذکورہ بالا دو تدبیروں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے (تحریک ختم نبوت کو روکنے کے لئے)۔

۴۔ میری یہ تجویز مان لی گئی اور پندرہ ارکان کی ایک مرکزی مجلس عمل بنا دی گئی اور جن میں آٹھ ارکان اسی وقت منتخب کر لئے گئے اور طے ہوا کہ سات ارکان بعد میں اس کے اندر شامل کئے جائیں جو ارکان وہاں منتخب کئے گئے تھے ان میں سے ایک میں (مودودی صاحب) بھی تھا۔ اس مرکزی مجلس عمل کا کوئی اجلاس ۲۶ فروری تک نہیں ہوا اس میں جو سات مزید ارکان شامل کئے جانے تھے وہ بھی شامل نہیں کئے گئے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ترکیب ہی مکمل نہیں ہوئی اور جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں۔ کنونشن کے مقصد پر عمل کرنے کے لئے پروگرام بنانے کی مجاز صرف یہی مجلس تھی اس لئے ۱۷ جنوری سے ۲۶ فروری تک کنونشن کی ممبر جماعتوں میں سے بعض نے جتنی بھی کارروائیاں کیں وہ سب خلاف ضابطہ تھیں۔ ۲۲ جنوری کو جو وفد وزیر اعظم سے ملا وہ ان چند جماعتوں کا خود ساختہ تھا۔

۵۔ وفد نے وزیر اعظم کو ایک مہینے کا جو نوٹس دیا اور مہینہ گذرنے کے بعد ڈائریکٹ ایکشن (راست اقدام) شروع کرنے کا اعلان کیا اس کے لئے کسی نے اس کو مجاز نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد جناب آگر ان جماعتوں نے ڈائریکٹ ایکشن کی جو تیاریاں شروع کیں وہ سب کنونشن کے

فیصلوں کے خلاف تھیں۔

۱۔ جس نے دوسرے ہی روز سے ڈائرکٹ ایکشن شروع کرنے کا اعلان کر دیا اس میں نہ میں شامل تھا اور نہ جماعت اسلامی کا کوئی اور شخص۔

۷۔ ۴ اور ۵ مارچ کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا اور اس نے ڈائرکٹ ایکشن (تحریک ختم نبوت راست اقدام) سے جماعت اسلامی کی قطعی بے تعلقی کا فیصلہ کیا اس موقعہ پر میں (مودودی صاحب) نے پنجاب کے تمام اضلاع سے جماعت کے ذمہ دار کارکنوں کو لاہور بلا کر ہدایات دیں کہ وہ جماعت کے ارکان کو اس تحریک (ختم نبوت) سے بالکل علیحدہ رکھیں۔

۸۔ اس کے بعد صرف دو مقامات سے مجھے اطلاع ملی کہ جماعت کے دو ارکان نے ڈائرکٹ ایکشن میں حصہ لیا ہے اور میں نے ان دونوں کو جماعت سے خارج کر دیا۔ (ماشاء اللہ)۔

۹۔ اس پوری مدت میں میرے یا جماعت اسلامی کے کسی فعل سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اضطرابات (تحریک ختم نبوت) کی ذمہ داری میں ہمارا کوئی ادنیٰ سا بھی حصہ ہے۔

۱۰۔ اس کے باوجود جس طرح مجھے اور جماعت کے بہت سے ارکان کو خواہ مخواہ اس (تحریک ختم نبوت) میں گھسیٹا گیا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے ایک شخص سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں جا کھڑا ہو اور دوسرا شخص وہاں موٹر لے جا کر اس کو ٹکرا دے۔

۱۱۔ قادیانیوں کو مشورہ کے عنوان سے مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ مرزائی اور احمد دین جالندھری مرزائی کو میں نے مشورہ دیا کہ وہ مرزا بشیرالدین کو کہیں۔ فرماتے ہیں کہ۔

یہ کہ وہ (مرزائی) مرزا غلام احمد صاحب کے لئے نبوت یا کسی ایسے منصب کے قائل نہیں جسے نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو۔

۱۲۔ میں نے خواجہ صاحب (بشیر مرزائی) سے کہا کہ اگر آج مرزا صاحب (بشیرالدین) ان باتوں کا واضح طور پر اعلان کر دیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ سارا جھگڑا ہی فوراً ختم ہو جائے گا بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب میری اس تجویز کو لے کر مسٹر چندریگر (گورنر پنجاب) سے ملے اور انہوں نے نہ صرف اس سے اتفاق کیا بلکہ اس تجویز میں خود بھی بعض الفاظ کا اضافہ کیا پھر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خواجہ صاحب (بشیر مرزائی) نے ربوہ جا کر اس پر مرزا (بشیرالدین) صاحب سے گفتگو کی اور مرزا بشیرالدین صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی جماعت (مرزائیوں) کی مجلس شوریٰ بلا کر اس پر غور کریں گے مگر اس دوران میں میری گرفتاری عمل میں آگئی۔

قارئین غور فرمائیں کہ مولانا مودودی۔ مرزائی اور چند دیگر کی یہ حیثیت کس طرح تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لئے سرپیٹ رہی ہے کہ کسی طرح مرزائی بھی بچ جائیں اور تحریک بھی مکمل ہو جائے۔ اس پر سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ ایسی تجویز کہ مرزا کو ماننے کے باوجود مرزائی مسلمانوں کا حصہ شمار ہو سکیں۔ وہ ایسے ممکن ہے کہ مرزا صاحب کے لئے نبوت یا کسی ایسے منصب کے قائل نہیں جسے نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو۔ یعنی مرزا کو ماننے نہ ماننے والے دونوں برابر ہو جائیں۔

قارئین کرام مودودی صاحب کی یہ تجویز اس مدعی نبوت کے متعلق ہے جس کا دعویٰ ہے کہ میں نبی ہوں ایسے مدعی نبوت کو کافر نہ کہنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اسے نبی کے علاوہ کوئی منصب مان کر مسلمانوں کو دھوکہ دے کر تحریک کو ناکام بنا دیا جائے اس تجویز کے خالق صرف مودودی صاحب ہو سکتے ہیں کوئی دوسرا مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آگے مودودی صاحب کہتے ہیں کہ مرزا بشیر نے تحریک کو حکومت کے ہاتھوں پٹتا دیکھ کر اس تجویز کو درخور اعتنا نہ سمجھا مگر مودودی صاحب کا یہ فرمان بھی درست نہیں کہ اس لئے کہ مرزا بشیرالدین نے مودودی صاحب کی تجویز پر عمل کر کے عدالت میں بیان دے دیا تھا کہ مرزا صاحب کو نہ ماننے والے بھی مسلمان ہیں۔

مگر قدرت حق کے قربان جائیے کہ چند دیگر بشیرالدین محمود اور مودودی صاحب مل کر مرزائیوں کو مسلمانوں کا حصہ نہ بنا سکے۔

قارئین کرام اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اگر مودودی صاحب تحریک ختم نبوت میں شامل نہ تھے تو وہ گرفتار کیوں ہوئے؟ اور انہیں سزائے موت کیوں سنائی گئی؟ اس کا بھی ریکارڈ موجود ہے کہ مودودی صاحب نے تحریک کے شباب کے دنوں میں قادیانی مسئلہ نامی ایک کتاب لکھی۔ جسے کافی تعداد میں شائع کر کے فوج اور سول میں تقسیم کیا گیا جب لاہور میں مارشل لاء لگا۔ تو اسی کتابچے کی بنیاد پر مودودی صاحب کی گرفتاری اور سزا عمل میں آئی ورنہ وہ تحریک سے جس طرح اپنی بیزاری لاتعلقی اور سڑک سے ہٹ کر دور کھیتوں میں عافیت تلاش کر رہے ہیں۔ وہ ان کے اوپر کے بیان سے ظاہر ہے۔

تحریک ختم ہو گئی۔ مودودی صاحب کا ضمیر ان کی دو رخی پالیسی اور تحریک سے بے وفائی پر ملامت کر رہا تھا اور لوگوں میں بھی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ تو اس پر بیان حقیقت کے نام سے لایعنی تاویلیں تحریک سے اپنے گریز و فرار کی خوبصورت ملمع سازی کرتے ہوئے تحریک کے راہنماؤں کو کوسنا شروع کیا اور بیان حقیقت کے نام سے ایک کتابچہ لکھا۔ اس میں تحریک کے راہنماؤں پر جس طرح کیچڑ اچھالا گیا تھا۔ اس کی صفائی اور دروغ گوئی کا جواب ضروری تھا۔

اس کی سعادت اللہ رب العزت کے عظیم احرار ماسٹر تاج الدین انصاری کے حصہ میں لکھی انہوں نے بیان صادق نامی کتابچہ تحریر فرمایا۔ جسے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان نے شائع کیا۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کا فضل شامل حال رہا۔ کہ تیس پینتیس سال کی سیاسی زندگی میں مجھے بیان بازی کا مرض لاحق نہیں ہوا کبھی کبھار ایسا تو ہوا کہ کسی نے بلاوجہ الجھنے کی مسلسل کوشش کی تو تنگ آکر ایک بار جو صحیح بات تھی اس کا اظہار کر دیا اور بس جواب الجواب کی الجھنوں میں نہ کبھی الجھا ہوں اور نہ آئندہ الجھنے کا ارادہ ہے جماعت اسلامی کی جانب سے جب "نوازشات" کی بھر مار نے زحمت کی صورت اختیار کر لی اور پانی سر سے اونچا جانے لگا تو بحالت مجبوری مجھے ان گذارشات کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ باعث یہ ہوئی کہ جماعت اسلامی کی مسلسل نیش زنی سے تنگ آکر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے طویل صبر آزما خاموشی کے بعد لائل پور تبلیغ کانفرنس میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو ان کی غلط بیانی پر شرعی انداز میں ٹوکا۔ ان کی تقریر کا آغاز تقریباً ان الفاظ سے ہے۔

"یا اللہ تحریک تحفظ ختم نبوت میں شمولیت سے اگر میرے دل میں خلوص نیت کے علاوہ رائی کے دانہ کے برابر بھی ایسا خیال تھا کہ تحریک ختم نبوت کے ذریعہ سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے تو مجھ پر اور میرے اہل و عیال پر تیرا غضب نازل ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولانا مودودی صاحب کراچی کنونشن میں میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی موجودگی میں راست اقدام کا ریزولیشن پاس ہوا۔ مودودی صاحب تحریک میں شامل تھے۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ تحریک میں شامل نہیں تھے تو میں انہیں دعوت مباہلہ دیتا ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کے اس چیلنج سے امیر جماعت اسلامی بوکھلا گئے۔ اس بوکھلاہٹ میں "بیان حقیقت" کے عنوان سے ایک بیان شائع فرمایا جس میں شاہ صاحب کو مخاطب کرنے کی بجائے دور از کار غلط سلط باتیں فرما کر مجھی کو لپیٹ لیا۔ اس بیان میں مولانا موصوف نے اپنے دامن کا داغ دوسروں کے دامن پر لگانے کی ناکام کوشش کی ہے حضرت شاہ صاحب کے چیلنج کو مولانا سید مودودی صاحب اس بیان کے ذریعہ اصل طرح دے گئے ہیں۔

اب میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تحریک ختم نبوت کے تمام صحیح واقعات عرض کر دوں تاکہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو غلط بیانیاں فرمائی ہیں وہ منظر عام پر آجائیں۔ اس ناخوشگوار فرض کو میں دکھے ہوئے دل سے ادا کر رہا ہوں۔ (تاج الدین انصاری)

کراچی کنونشن

حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری مدظلہ کی صدارت میں آل پارٹیز مسلم کنونشن کا تاریخی اجلاس بدیں غرض کہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے بارہ میں آخری فیصلہ کیا جائے مورخہ ۱۶ جنوری ۵۳ء کو کراچی میں منعقد ہوا۔ بنگال سے لے کر صوبہ سرحد تک کے نمائندوں نے اس اجلاس میں شرکت کی اور کارروائی میں باقاعدہ حصہ لیا۔ تقریریں شروع ہوئیں تو صاحب صدر نے مسئلہ کی اہمیت اور وقت کی نزاکت کے پیش نظر شرکاء مجلس سے تقریریں مختصر اور مطلب کی بات کہنے کی اپیل کی۔ دوسرے حضرات کے علاوہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی یہی مشورہ دیا۔ کہ چند آدمی الگ بیٹھ کر باہمی مشورہ سے ہاؤس کے سامنے کوئی مناسب اور قابل عمل تجویز پیش کریں۔ تاکہ بے ضرورت باتوں میں قیمتی وقت ضائع نہ ہو۔ یہ معقول تجویز مان لی گئی تو تیرہ آدمیوں کو منتخب کر کے یہ کام ان کے سپرد کیا گیا اور اجلاس ۱۸ جنوری کے لئے ملتوی ہو گیا۔ ۱۷ کی رات کو تیرہ میں سے صرف نو یا دس حضرات جمع ہوئے اور باہمی مشورہ اور تبادلہ خیال کیا گیا۔

سب کمیٹی کی میٹنگ

مجھے اس وقت مندرجہ ذیل حضرات کے نام یاد ہیں۔ جو سب کمیٹی میں شریک ہوئے۔

حضرت مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی' حضرت مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی۔ علامہ حافظ محمد کفایت حسین صاحب۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب (بنگال) احتشام الحق صاحب تھانوی۔ مولانا محمد علی صاحب جالندھری۔ مولانا محمد یوسف کلکتوی۔ سید مظفر علی شاہ صاحب شمسی' تاج الدین انصاری۔

سب کمیٹی کی کارروائی شروع ہوئی اور تحفظ ختم نبوت کی تحریک کے سلسلہ میں تبادلہ خیال ہو رہا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ابتدائی گفتگو کے وقت خاموش بیٹھے تھے۔ مگر جب وہ گویا ہوئے تو فرمانے لگے کہ آپ کے اس مطالبہ کو ہم نے اپنے آٹھ مطالبات کی فہرست میں نواں مطالبہ بنا کر پیش کر دیا ہے۔ اب اس تحریک کی کوئی ضرورت نہیں رہی ہے دستور ہی میں آپ کا مطالبہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ آئندہ تمام جدوجہد دستور ہی کے نام سے ہونی چاہئے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے ارشاد کے جواب میں مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی نے فرمایا کہ مولانا صاحب آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ شاید سمجھتے ہیں کہ آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب سے بن کر آئی ہے اور جو مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں یہ بھی پنجاب والوں کے مطالبات ہیں میں آپ کی آگاہی کے لئے عرض کر رہا ہوں کہ ۲ جون ۵۲ء کو زیر صدارت مولانا سید محمد سلیمان صاحب ندوی تھیوسوفیکل ہال کراچی میں کراچی کی تمام اسلامی پارٹیوں کی

جانب سے ایک کنونشن بلائی گئی تھی جس میں جماعت اسلامی کا نمائندہ بھی موجود تھا اس کنونشن میں یہ تجویز منظور ہوئی تھی کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دلوانے کے لئے بڑے پیانے پر آل مسلم پارٹیز کنونشن بلائی جائے جس کے ذریعہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی جدوجہد کی جائے موجودہ کنونشن دراصل ہماری اس کنونشن کا نتیجہ ہے جو ۲ جون کو منعقد ہوئی تھی۔ جس کی غرض وغایت واضح اور محدود تھی۔ آج مجھے اور آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم اصل مطالبات سے ادھر ادھر جا سکیں۔ اگر ہم ان مطالبات کو دستوری جدوجہد سے وابستہ کر دیں۔ تو یہ بات ضابطہ کے بالکل خلاف ہو گی۔ مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی کے ارشادات کی تائید میں میں نے اصولی اختلافات پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ جس کام کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں اور جس غرض کے لئے یہ کنونشن بلائی گئی ہے اس کی بالکل جداگانہ حیثیت ہے دستور اپنی جگہ ہے پینتیس جید علماء دستور کے کام میں مصروف ہیں ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم اپنے احاطہ اختیار سے باہر جائیں ہمیں کنونشن نے جو کام سپرد کیا ہے۔ وہ صرف اسی قدر ہے کہ ہم طریق کار کی تجویز مرتب کر کے ہاؤس کے سامنے پیش کر دیں۔ اس کے علاوہ اگر کچھ کیا گیا تو وہ خلاف ضابطہ ہو گا۔ ہماری گزارشات کے بعد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے ایک طویل تقریر فرمائی اور باربار یہی فرماتے رہے کہ جو کچھ کرنا ہے دستور کے نام پر کیجئے۔ ہم نے ہرچند سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر ہم سب مل کر صاحب دستور حضور رسول مقبولؐ کی آبرو کی حفاظت کی جدوجہد میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں تو دستور کا کام بالکل آسان ہو جائے گا۔ دستور کی راہ میں مرزائیت اور مرزائیت نواز پہاڑ بن کر کھڑے ہیں۔ یہ مرحلہ طے ہو جائے تو دستور کی کامیابی قریب تر ہو جاتی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو معقول بات اپیل تو کر رہی تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل میں پوشیدہ خواہشات اور اقتدار حاصل کرنے کے سنہرے خواب انہیں اس بات کے تسلیم کرنے پر راضی نہ ہونے دیتے تھے۔ بحث جاری رہی۔ حضرت مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی ناسازی طبع کی وجہ سے معذرت کرتے ہوئے دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ گئے۔ اسی تکلیف کی حالت میں ہم انہیں دو مرتبہ اٹھا کر میٹنگ میں لائے۔ مگر انہیں اس درجہ تکلیف تھی کہ وہ زیادہ دیر تک نہ بیٹھ سکے۔

مولانا محمد علی جالندھری نے کیا کہا

مولانا محمد علی جالندھری نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو مخاطب فرما کر کہا کہ مولانا صاحب تحفظ ختم نبوت کے ایسے مطالبات ہیں۔ جن کی پشت پر بلا کسی اختلاف کے ہر مکتب خیال کے مسلمانوں کی ہمدردیاں اور پشت پناہی موجود ہے۔ جہاں تک دستور کا تعلق ہے ٹیکنیکی سے بیسیوں قسم کے اختلافات اب بھی علماء میں موجود ہیں دستور میں ترمیمیں اور

تسلیمیں ہو رہی ہیں۔ یہ سلسلہ ابھی کافی وقت لے گا۔

دوسری بات جس پر آپ کو ٹھنڈے دل سے غور فرمانا چاہئے یہ ہے کہ جب دستور کا کام آتا ہے تو غلط یا صحیح' میں اس بحث میں نہیں پڑتا اور صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ لوگوں کا ذہن آپ کے بے پناہ پراپیگنڈا کی وجہ سے جماعت اسلامی کی طرف منعطف ہو جاتا ہے۔ جماعت اسلامی سے لوگوں کو وہ ہمدردی نہیں ہے جو ہمدردی اور لگاؤ مسئلہ تحفظ ختم نبوت سے ہے یا جو جذبہ مرزائیت کے خلاف ہر مکتب خیال کے مسلمانوں میں موجود ہے اسی طرح آج سے چھ سات برس پہلے یہی حال مجلس احرار کا تھا۔ جہاں رد مرزائیت کا نام آتا تھا لوگوں کا ذہن مجلس احرار کی طرف منتقل ہو جاتا تھا۔ اسی خیال سے ہم نے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر برکت علی محمڈن ہال ہی میں ہتھیار ڈال دیئے تھے اور دین کا یہ کام دوسری تمام دینی جماعتوں کے سپرد کر کے خود کو رضاکارانہ پیش کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب اگر تحفظ ختم نبوت کا نام آتا ہے تو لوگوں کے ذہن میں آل مسلم پارٹیز کی مجلس عمل کا تصور لازمی اور لابدی آجاتا ہے۔ اصولی اعتراض کے علاوہ اس مشکل کی طرف بھی آپ توجہ فرمائیں اور اس اہم معاملہ کو لواٸی نقطہ بنانے کا خیال ترک فرمائیں۔ سب کچھ سننے کے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اپنی بات پر اڑے رہے۔ بحث نے مایوس کن صورت پیدا کر دی ایسے معلوم ہوتا تھا کہ مولانا موصوف کو صاحب دستور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو اور عظمت کی نسبت "دستور" کا زیادہ خیال تھا۔

اس مرحلہ پر مولانا محمد علی صاحب نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی دکھتی رگ پر انگلی رکھ دی اور ان سے عرض کیا کہ مولانا صاحب اگر آپ کی طرح احرار کا انداز فکر بھی یہی ہوتا اور وہ بھی اسی طرح سوچتے کہ مجلس عمل کہاں سے آگئی یہ رد مرزائیت تو ہمارے نام الاٹ ہو چکی ہے۔ یہ کام ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو ہم کہاں جائیں گے اگر خدانخواستہ ایسی خود غرضانہ ضد ہم بھی کرتے تو پھر کیا موجودہ صورت پیدا ہو سکتی تھی؟

آج ہر مکتب خیال کے علماء اور سجادہ نشین حضرات اس بنیادی مسئلہ کے لئے سر جوڑ کر بیٹھ رہے ہیں۔ اگر ہم اپنے نام کا خیال ترک نہ کرتے تو کیا مسلمانوں میں یہ بے پناہ جوش اور عقیدت کا یہ والہانہ جذبہ پیدا ہو سکتا تھا؟

یہ تھی وہ گفتگو جو مولانا محمد علی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی میں ہوئی جسے توڑ مروڑ کر جس انداز میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے فرمایا ہے یہ انہی کا حصہ ہے۔

انصاف فرمایئے!

آٹھ دس معزز نمائندے مجلس میں موجود ہیں۔ بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مولانا

محمد علی یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ تحریک اسلامی دستور کے نام سے چلائی جائے تو احرار کہاں جائیں گے۔ مولانا محمد علی صاحب اگر ایسی گفتگو کرتے تو دوسرے معزز نمائندے جو اس میٹنگ میں موجود تھے۔ مولانا محمد علی کی کیا گت بناتے؟ کیا ان سب حضرات کو یہ حق نہ پہنچتا تھا کہ وہ مولانا محمد علی کی اس قسم کی نامناسب اور خود غرضانہ گفتگو سنتے تو انھیں برملا کہہ دیتے کہ احرار جائیں بھاڑ میں یہ مطالبہ تو مجلس عمل کا مطالبہ ہے احرار تھا کون ہوتے ہیں؟ وہ تو نو جماعتوں میں سے صرف ایک ہیں۔

مولانا بدایونی' مولانا تھانوی' مولانا غزنوی' علامہ حافظ کفایت حسین' مولانا عبدالرحمن (بنگالی) اور مظفر علی شمسی ایسے نڈر اور مخلص حضرات اور دیگر اکابرین موجود ہیں۔ کہ یہ سب کے سب منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے رہے اور کسی نے زبان تک نہ ہلائی۔ کیا یہ بات قرین قیاس بھی ہے؟

میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہی سے یہ دریافت کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ مولانا محمد علی نے یہی کہا تھا جو آپ فرماتے ہیں۔ ایسی لغو حرکت پر تو آپ اسی دن احرار کے خلاف ایک بیان دے کر انھیں موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے آپ نے ایسی عفو و درگذر سے کیوں کام لیا میں آپ کو بزدلی اور منافقت کا طعنہ نہیں دیتا۔ البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے مولانا محمد علی کے خلاف تہمت تراشی ہے۔ جو آپ ایسے "صالح" انسان کے شایان شان نہیں۔ آپ نے کوئی تہمت ہی لگانا تھی تو کچھ سوچ سمجھ کر کوئی اچھا افسانہ گھڑا ہوتا۔ کس سادگی سے آپ نے مولانا محمد علی سے یہ بات منسوب کی "اگر دستور کے نام پر کام ہوا تو احرار کہاں جائیں گے۔"

انتخابات کا سوال

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے جب آل مسلم پارٹیز کو جماعت اسلامی کا دم چھلا بنانے کی کوشش میں رات کے بارہ بجا دیئے تو مولانا احتشام الحق صاحب نے سب کمیٹی کے اراکین کے سامنے ایک خدشہ کا اظہار فرمایا۔ وہ غالباً اس طویل اور غلط بحث سے اکتا گئے تھے وہ فرمانے لگے آپ حضرات میری اس خلش کو دور فرما کر ممنون فرمائیں۔ مجھے یہ خدشہ ہے کہ آپ حضرات جو مختلف جماعتوں کے نمائندوں کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں مجھے یہ بتائیں کہ اگر تحریک ختم نبوت طول پکڑ جائے اور اس عرصہ میں الیکشن آجائیں۔ کیا آپ الیکشنوں میں الجھ تو نہ جائیں گے؟ اگر ایسا ہوا تو یہ تحریک چوپٹ ہو جائے گی اور دانستہ یا نادانستہ اس مقدس تحریک کے ساتھ غداری ہوگی۔ مولانا احتشام الحق صاحب کے اس سوال نے سب کو چونکا دیا اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تو لبوں پر زبان پھیر کر پینترے بدلنے لگے۔ مولانا سید

ابوالاعلیٰ مودودی کے سوا باقی سب نے کہا کہ سوال بہت اہم ہے اور قابل توجہ ہے ہم کو یہاں اقرار کرنا چاہیے اس تحریک کو انتخابات کے جھمیلوں سے بالکل الگ رکھا جائے گا۔ فرداً فرداً تقریباً سب نے اقرار کرنا شروع کیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کچھ دیر تو خاموش رہے پھر فرمانے لگے "مجھے اس اقرار میں تامل ہے" میں یہ اعلان نہیں کر سکتا کہ جماعت اسلامی انتخابات میں حصہ نہیں لے گی۔ مولانا احتشام الحق صاحب نے اپنے خدشہ کی مزید وضاحت فرمائی اور معاملہ کی اہمیت پر زور دیا مگر جب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نہ مانے تو مولانا احتشام الحق صاحب دل برداشتہ ہو گئے۔ اس کے بعد وہ بیٹھے تو رہے مگر کسی خاص دلچسپی کا اظہار نہ فرمایا۔

مودودی صاحب کی جماعتی عقیدت

بحث معقول ہو۔ اصولی اعتراضات ہوں نیتوں کا خلوص معاملہ سلجھانے کی راہیں تلاش کرتا ہو تو مشکل مراحل بھی جلد طے ہو جاتے ہیں مگر جہاں جماعتی عصبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔ دوسرے انسان کم درجہ کے نظر آنے لگیں اور طبیعت یہ فیصلہ ہی کر لے کہ اپنے سوا کسی اور کو خواہ وہ کتنا بلند پایہ کیوں نہ ہو اپنا بڑا مان کر کسی کے ساتھ یا کسی کو راہنما مان کر چلنا ہی نہیں تو پھر مشکلات اور تباہیاں مقدر ہو جایا کرتی ہیں۔ اس میٹنگ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اقتدار اور عصبیت کے گرداب میں غوطہ کھا رہے تھے جب اجلاس میں تقریباً جمود طاری ہو گیا تو مولانا محمد علی صاحب نے مجھے فرمایا کہ اب کیا کریں۔ جماعت اسلامی کے امیر تو کل محمد بنے بیٹھے ہیں میں خود بھی حیران تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا۔ بالآخر میری طبیعت نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ضد کے سامنے ہٹ جانا ہی مناسب ہے چنانچہ میں نے مولانا محمد علی صاحب اور حسنی صاحب سے جو میرے قریب ہی بیٹھے تھے عرض کیا کہ بھئی مولانا مودودی صاحب ضد کرتے ہیں تو کریں مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اگر اپنی غلط پوزیشن پر اڑ گئے ہیں تو انہیں کرنے دیجئے یہ کیا کرتے ہیں۔ ایک جماعت کے امیر ہوتے ہوئے اگر یہ محسوس نہیں کرتے اور سب کمیٹی کے دائرہ اختیار سے باہر قدم رکھ رہے ہیں تو انہیں من مانی کر لینے دیجئے اور جو تجویز لکھواتے ہیں لکھوانے دیجئے یہ تو نہ مولانا احتشام الحق صاحب کی بات پر کان دھرتے ہیں اور نہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہیں۔ ہم ان سے کب تک الجھیں سوئے ہوئے انسان کو جگایا جا سکتا ہے مگر جو شخص جاگتے میں آنکھیں بند کر لے اس کا کیا علاج ہے؟ اس مرحلہ پر مولانا محمد علی نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے کہا۔ لکھوائیے! مولانا کی تجویز لکھی جانے لگی۔ مگر نامناسبت اور بے اصولے پن نے تجویز کی چولیں ڈھیلی کر دیں۔ کاٹ چھانٹ ہوتی رہی یہ تجویز لکھی جا چکی تو بغیر کسی حادثہ کے یہ میٹنگ برخاست ہو گئی۔

کنونشن کا آخری اجلاس

سب کمیٹی کی تجویز اور مولانا مودودی صاحب

۱۸۔ جنوری ۱۹۵۳ء کو کنونشن کا آخری اور فیصلہ کن اجلاس شروع ہونے سے قبل حاضرین مجلس نے سب کمیٹی کے ارکان سے دریافت کیا کہ گذشتہ اجلاس میں آپ کے ذمہ جو ڈیوٹی لگائی گئی تھی اس کا کیا بنا؟ لائیے وہ تجویز دکھائیے۔ مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی سید مظفر علی شاہ شمسی اور دیگر موجود اراکین سب کمیٹی کو حاضرین نے گھیر لیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ وہ اس وقت تشریف لایا کرتے تھے جب اور سب آجائیں۔ سب کمیٹی کے ارکان مولانا موصوف کا انتظار کرتے تھے اور حاضرین مجلس کو ٹال رہے تھے۔ حقیقتاً سب کمیٹی کی تجویز کا جس کے مجوز مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تھے تحریک تحفظ ختم نبوت سے براہ راست کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس تجویز کا منطقی نتیجہ تحریک ختم نبوت کو جماعت اسلامی کی سپرداری میں دے کر کولڈ سٹوریج (سرد خانہ) میں محفوظ کر دینے کے مترادف ہے۔ جب کنونشن کے شرکاء سے ہاؤس تقریباً بھر گیا تو صدر محترم جناب مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے سب کمیٹی کی تجویز مانگی۔ تجویز ہاؤس کے سامنے آگئی۔ سب کمیٹی کی تجویز پر غور کرنے کی اپیل کی گئی۔ اس مرحلہ پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی تشریف لے آئے تجویز پر لے دے شروع ہوئی۔ ہاؤس نے بیک آواز اس تجویز کے خلاف رائے کا اظہار کیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی خاموش بیٹھے ہوئے تھے مولانا محمد علی نے مولانا احتشام الحق کی معرفت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو کہلوایا کہ آپ اپنی تجویز پر دلائل دے کر تقریر فرمائیں ہم جو سب کمیٹی کے ارکان ہیں اخلاقاً مجبور ہیں کہ آپ کو ووٹ دیں۔ آپ اٹھ کر کچھ فرمائیں۔ تو سہی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے فرمایا کہ اس تجویز کی اب ضرورت نہیں ہے میں اس پر کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ صاحب صدر جناب مولانا سید ابوالحسنات صاحب نے تجویز کے متعلق بچے تلے مگر مختصر الفاظ میں اظہار خیال فرما کر سب کمیٹی کی تجویز کو خلاف ضابطہ قرار دیا اور فرمایا کہ یہ کنونشن صرف تحفظ ختم نبوت اور اس کے متعلق مطالبات کے لئے بلوائی گئی ہے۔ سب کمیٹی کی تجویز حدود کنونشن سے باہر ہے چنانچہ سب کمیٹی کی تجویز ختم ہو گئی۔

اب صدر محترم کے ارشاد کے بعد اصل مسئلہ پر از سر نو تبادلہ خیال شروع ہوا۔ سب سے پہلے مولانا عبدالحامد بدایونی نے تحریک ختم نبوت اور آئندہ پروگرام کے بارہ میں ایک برجستہ تقریر فرمائی۔ یہ تقریر ہاؤس کے جذبات کی صحیح ترجمانی تھی ان کے بعد صاحب صدر نے مجھے حکم دیا کہ میں وہ تمام واقعات اور مراحل جن سے تحریک ختم نبوت آج تک گذری ہے مختصراً

بیان کروں دس پندرہ منٹ میں وفود کی ملاقاتوں اور تحریک کے مختصر حالات بیان کرنے کے بعد میں نے اپنی رائے کا اظہار کسی لگی لپٹی رکھے بغیر کر دیا۔

تجویز کس طرح تیار ہوئی؟

میں تقریر کر کے بیٹھنے لگا تو صدر محترم کی اجازت سے حضرت عبدالحامد بدایونی نے مجھے ارشاد فرمایا کہ آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا اور ہاؤس کے سامنے جو رائے پیش کی ہے۔ اسی کے مطابق تجویز بھی تو لکھئے یہاں میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہاؤس میں بحث ہو رہی تھی تو میں نے کاغذ کی ایک سلپ پر تجویز کے متعلق ایک مسودہ مرتب کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب صاحب صدر نے مجھے تجویز لکھنے اور پیش کرنے کی ہدایت فرمائی تو میں نے اسی وقت مولانا مجاہد الحسینی سے سادہ کاغذ طلب کیا اور وہیں تجویز مکمل کرنے بیٹھ گیا۔ ہاؤس کی کارروائی جاری تھی۔ زبانی تجویزیں یکے بعد دیگرے چلی آ رہی تھیں۔ میں نے اپنے مسودہ میں وہ سب کچھ شامل کر لیا جو میں اپنی تجویز لکھتے وقت مختلف حضرات کی زبانی سن رہا تھا میری تجویز دراصل ہاؤس کی تجویز تھی میں نے اسی جگہ بیٹھے بیٹھے نئے کاغذ پر تجویز کی نوک پلک ٹھیک کر کے لکھنا شروع کیا۔ تجویز لکھی گئی تو مجھے ایک بار مختصر سی تقریر کا پھر موقع دیا گیا۔ چنانچہ میں نے تقریر کے بعد یہ تجویز پیش کی جو میری ان گذارشات کی منہ بولتی شہادت ہے۔

تجویز

اس حقیقت کے پیش نظر کہ خواجہ ناظم الدین کی بے بس حکومت قوم کے متفقہ مطالبات کو درخور اعتنا نہیں سمجھتی اور اب موجودہ حکومت سے مرزائیوں کے متعلق مسلمانوں کے مطالبات منظور ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے کل مسلم پارٹیز کنونشن کا یہ اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ بحالات موجودہ قوم کے بنیادی مطالبات کو منوانے کے لئے براہ راست اقدام از بس ناگزیر ہے جسے بروئے کار لانے کے لئے ذیل کی صورتیں اختیار کی جائیں۔

۱۔ چونکہ حکومت اس وقت تک اپنی مخصوص مصلحتوں کی بنا پر مرزائیوں کو سرکاری طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوئی اس لئے از خود اس فرقہ مرزائیہ کو ملت اسلامیہ سے مکمل طور علیحدہ کرنے کے تمام وسائل اختیار کرتے ہوئے ان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے۔

۲۔ اگرچہ ایک عرصہ سے مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں کے خلاف قوم متفقہ طور پر برطرفی کا مطالبہ کر کے اپنی قطعی بد اعتمادی اور بیزاری کا اظہار کر چکی ہے مگر موجودہ حکومت بہانوں سے اسے نظر انداز کرتی رہی ہے۔

لہٰذا یہ کونشن اپنے اس مطالبہ میں حق بجانب ہے کہ خواجہ ناظم الدین کی کابینہ فی الفور مستعفی ہو جائے تاکہ اسلامیان پاکستان اپنے دینی عقائد اور اسلامی روایات کو مکمل طور پر محفوظ کر سکیں۔ متذکرہ صدر مطالبات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کونشن کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ:۔

ا۔ آل مسلم پارٹیز کونشن ملک کی متقدر اسلامی شخصیتوں اور مختلف دینی جماعتوں کے نمائندگان کو اپنی جنرل کونسل کا رکن قرار دے۔

ب۔ یہ جنرل کونسل اپنے میں سے پندرہ اراکین پر مشتمل کونسل آف ایکشن یعنی مجلس عمل منتخب کرے جن میں سے مندرجہ ذیل آٹھ اراکین کو یہ کونسل منتخب کر کے انہیں اختیار دیتی ہے کہ وہ جنرل کونسل کے اراکین میں سات مزید ارکان کو مجلس عمل کے لئے منتخب کرے منتخب شدہ ارکان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

ا۔ مولانا سید مودودی (۲) امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۳) مولانا عبدالحامد بدایونی (۴) مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (۵) مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی (۶) علامہ کفایت حسین صاحب (۷) ابو صالح محمد جعفر پیر صاحب سرسینہ شریف (۸) مولانا محمد یوسف کلکتوی۔

ج۔ کونسل آف ایکشن کو اختیار ہو گا کہ وہ حسب ضرورت تحریک کا صدر مقام مقرر کرے اور متذکرہ مطالبات تسلیم کروانے کے لئے مناسب لائحہ عمل مرتب کرے۔

د۔ کونسل آف ایکشن کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنے پروگرام پر عمل پیرا ہونے سے پیشتر اپنے میں سے ایک نمائندہ وفد ترتیب دے۔ جو مرکزی کابینہ سے ملاقات کرے اور اسے قوم کے آخری فیصلے سے مطلع کرے اگر مناسب سمجھے تو دوٹوک جواب حاصل کرنے کے لئے مناسب دنوں کی مہلت بھی دے۔

نیز مجلس عمل کا یہ فرض ہو گا کہ وہ اپنے طے کردہ پروگرام کی تکمیل کے سلسلہ میں عوام الناس کو بہرحال پرامن رہنے کی تلقین کرے۔

محرک۔ تاج الدین انصاری‘ مؤیدین‘ مولانا عبدالحامد بدایونی قادری‘ علامہ حافظ کفایت حسین صاحب‘ صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب‘ مولانا محمد امین امیر جمعیت نائب سرحد‘ شیخ حسام الدین صاحب‘ قاضی احسان احمد صاحب اور مولانا محمد علی صاحب۔

یہ تھی وہ تجویز جس کے متعلق مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنے بیان حقیقت میں فرماتے ہیں کہ تاج الدین اٹھے اور لکھی لکھائی تجویز پڑھنے لگے۔ میں اس مرحلہ پر انصاف پسند دنیا سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ میری پیش کردہ تجویز کا غور سے مطالعہ کریں اور پھر خود ہی انصاف

فرمائیں کہ یہ طویل تجویز جس میں آٹھ حضرات کو منتخب کیا گیا اور بقایا سات کو نامزد کرنے کی اجازت دی گئی ہو۔ یہ تجویز میں گھر سے لکھ کر لا سکتا تھا؟ مجھ غریب کے دامن سے جماعت اسلامی کے قابل احترام امیر نے کیسی کیسی تہمتیں باندھنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے۔ محولہ بالا تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوئی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی اپنے بیان میں اقرار کرتے ہیں کہ انہوں نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

ڈائرکٹ ایکشن کمیٹی (مجلس عمل) کا اجلاس

اس تجویز کے پاس ہو جانے کے بعد اسی ہاؤس میں صاحب صدر کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ جو آٹھ حضرات منتخب ہوئے ہیں۔ وہ آج رات ساڑھے آٹھ بجے دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت بندر روڈ کراچی پر میٹنگ کریں اور بقایا سات ممبران کو بھی نامزد کریں اور وفد مرتب کر کے پاس شدہ تجویز کے مطابق وزیر اعظم سے وقت لے کر ملاقات بھی کر لیں۔ دور دراز سے آئے ہوئے لوگ گھروں کو واپس چلے گئے تو ان کا جمع کرنا مشکل ہو جائے گا چنانچہ اس وقت فورا فورا سب کو وہیں اطلاع کی گئی۔

اس مرحلہ پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے اعلان کیا کہ مصروفیت کی وجہ سے اگر ہم مجلس عمل کے اجلاس میں شامل نہ ہو سکیں تو ہم اپنی جگہ اپنی جماعت کے جس رکن کو بھیجیں گے۔ وہ ہماری طرح ذمہ دار ہو گا۔ ہاؤس نے یہ بات مان لی چنانچہ اسی فیصلہ کے مطابق آخری اجلاس میں مولانا سید مودودی صاحب کی جگہ ان کے نائب امیر جناب مولانا سلطان احمد صاحب شریک ہوئے تھے اور اجلاس کی کارروائی میں حصہ لے کر اپنی قیمتی رائے سے حاضرین کو مستفیض فرمایا تھا۔

اتفاقیہ دعوت

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے معتقدین میں سے ایک سوداگر نے اسی رات شرکاء کنونشن کو ایک عشائیہ دیا مجھے اس وقت اراکین مجلس عمل کے یہ چند نام یاد ہیں۔ جو دعوت میں شریک ہوئے۔ مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی' مولانا محمد علی' شیخ حسام الدین' سید مظفر علی شاہ شمسی۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی اور نام اس وقت میرے حافظہ سے اتر گیا ہو۔ دعوت سے فارغ ہو کر ہم میں سے کسی نے کہا کہ لو بھئی دفتر ختم نبوت کے قریب ہی دعوت ہوئی ہے میٹنگ کے لئے زیادہ آسانی ہو گئی۔ مولانا محمد علی صاحب کو کہا گیا کہ وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو ہمراہ لے کر دفتر میں آ جائیں۔ میں خود اٹھ کر مولانا محمد علی کے ہمراہ ہو لیا۔ مولانا سید مودودی ہم سے

تھوڑے فاصلے پر تشریف فرما تھے۔ جب مولانا محمد علی نے ان سے کہا کہ سید صاحب میٹنگ میں تشریف لے چلیں تو سید صاحب فرمانے لگے اس میٹنگ میں اب کیا کچھ ہونا ہے (یہ سید صاحب کا تجاہل عارفانہ تھا) مولانا محمد علی نے کہا جو کچھ پاس ہوا ہے وہی سب کچھ ہونا ہے سات حضرات کی نامزدگی وفد کی ترتیب ملاقات وغیرہ سید صاحب فرمانے لگے آپ یہ نامزدگیاں وغیرہ خود ہی کر لیجئے یہ تو کوئی اہم کام نہیں ہے۔ میں اس میٹنگ میں ضرور چلتا مگر مجھے تو مولوی صاحبان نے دستور کے سلسلے میں ترمیمات مکمل کرنے کا کام سونپ دیا ہے۔ شاید رات بھر مجھے یہ کام کرنا پڑے۔ آپ اس میٹنگ کی کارروائی خود ہی کر لیجئے مولانا محمد علی نے اصرار کیا کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے ضرور تشریف لے چلیں اب تو زیادہ کام نہیں ہے تجویز کے مطابق پروگرام بنا دینا ہے۔ سید صاحب نے مجبوری کا اظہار کیا۔ آخر میں مولانا محمد علی صاحب نے سید صاحب سے دریافت فرمایا کہ آپ کسی نام کی سفارش تو کریں وہ چار نام ہی لکھوا دیجئے۔ سید صاحب فرمانے لگے مولانا آپ یہ کام خود ہی کر لیں بس اتنا خیال رکھئے کہ مشہور مشہور بااثر لوگوں کو نامزد کیجئے گا۔ وہاں یہ کچھ فرمانے کے بعد اب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو کچھ یاد نہیں رہا۔ اب وہ سرے سے مکر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ "ہم جو کونشن سے اٹھے تو اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب بے ضابطہ ہے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے یہ کب فرمایا

جب دودھ پینے والے بچوں سے کٹورہ بھر خون مانگا گیا۔

قبائے لالہ خونی قبا نیست — کہ بربالائے نامرداں دراز است

اس کے برعکس مجلس عمل کے ڈکٹیٹر اول اور کل مسلم پارٹیز کونشن پاکستان کے صدر جناب مولانا سید ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری مدظلہ نے انکوائری کورٹ میں اعلان کیا کہ ہم تحریک ختم نبوت کے ذمہ دار ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست — تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مجلس عمل (راست اقدام کمیٹی)

۱۸ جنوری کو دفتر ختم نبوت میں تقریباً ۹ بجے شب اراکین نے باقی سات اراکین کو نامزد کر کے پندرہ اراکین کی فہرست مکمل کر لی اور ایک وفد مرتب کر کے اسے اختیار دیا گیا کہ کونشن کا ریزولیوشن اور ۳۰ یوم کا میعادی الٹی میٹم وزیر اعظم کے سپرد کر دے جن سات اراکین کی نامزدگی کے بعد پندرہ اراکین فہرست مکمل کی گئی ان کے ناموں کو روزنامہ "تسنیم" میں ۲۲ جنوری کو آخری صفحہ پر چوکھٹے میں شائع کیا گیا یہ ہے جماعت اسلامی کے آرگن

روزنامہ "تسنیم" مورخہ ۲۲ جنوری کا چوکٹھ۔

مولانا ابوالحسنات ' سید عطاء اللہ شاہ بخاری ' مولانا مودودی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی احتشام الحق تھانوی ' علامہ کفایت حسین ' مولانا اظہر علی بنگال ' پیر ابو صالح محمد جعفر ' مولانا اختر علی خاں (زمیندار) پیر غلام مجدد سرہندی ' صاحبزادہ فیض الحسن ' مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ ' مولانا محمد یوسف کلکتوی اور مولانا نور الحسن بخاری۔

جماعت اسلامی کی جانب سے مرکزی کارروائی کی تصدیق

کراچی سے واپسی پر ۲۶ جنوری کو آل پارٹیز مسلم کنونشن کا ایک اہم اجلاس زیر صدارت مولانا ابوالحسنات ' محمد احمد صاحب قادری زمیندار بلڈنگ لاہور میں ڈیڑھ بجے منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت فرمائی۔

مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی ' تاج الدین انصاری ' مولانا غلام محمد صاحب ترنم ' مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش ' مولانا نصر اللہ خاں عزیز ' صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب ' مولانا اختر علی خاں صاحب مالک زمیندار ' حافظ خادم حسین ' مولانا خلیل احمد ' مولانا عطاء اللہ حنیف ' مولانا ارشد پناہوی ' سید مظفر علی شمسی ' مولانا محمد بخش صاحب مسلم اس اجلاس میں جہاں جماعت اسلامی کے فلسی ناظم جناب مولانا نصر اللہ صاحب عزیز (جن کی مساعی جیلہ معاملہ فہمی اور ذاتی تعلقات کی وجہ سے جماعت اسلامی کو عوام سے روشناس ہونے کا موقع ملا جو کوثر و تسنیم اور ایشیا کے مدیر ہیں) موجود تھے مجھے صدر محترم نے حکم دیا کہ میں کنونشن اور کونسل آف ایکشن کی کارروائی بیان کروں بے کم وکاست جو کچھ ہوا تھا میں نے عرض کر دیا اس اجلاس میں مجلس عمل پنجاب نے مندرجہ ذیل تجویز اتفاق رائے سے منظور کی جسے دوسرے دن روزنامہ "زمیندار" اور پنجاب کے دوسرے اخبارات نے شائع کیا (صوبہ پنجاب کے بعض ذمہ دار کارکنوں کو بھی اس اجلاس میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی۔

قرارداد

آل مسلم پارٹیز کنونشن کی مجلس عمل کا یہ اجلاس مرکزی کنونشن کی پاس کردہ قرارداد کی پرزور تائید کرتا ہے اور مرکز کو یقین دلاتا ہے کہ مسلمانان پنجاب مرکزی آواز پر جانی و مالی قربانی سے ہرگز دریغ نہ کریں گے اسی کارروائی کے ہمراہ مرکزی کنونشن کی قرارداد اور جو وفد وزیر اعظم سے ملا اس کے شرکاء کے نام بھی درج ہیں۔ یہ تمام کارروائی تقریباً سب اخبارات نے شائع کی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے

کہ مولانا نصر اللہ خان صاحب جماعت اسلامی کے نمائندے نے مرکزی کنونشن کی کارروائی پر نہ صرف مہر تصدیق ثبت کی بلکہ ایک قرارداد کے ذریعہ اخاد کل کے اعلان کے بعد ایثار و قربانی کا یقین دلانے میں بھی پیش پیش تھے۔ اس حقیقت کی موجودگی میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو اس طرح صاف مکر جانے کی جرات کس طرح ہوئی؟ شاید انہیں یہ خیال گذرا ہو کہ احرار کے دفاتر میں تو پولیس نے جھاڑو پھیر دیا ہے اب جو دل چاہئے اقرار کرو اور جہاں جی چاہئے مکر جاؤ کوئی ثبوت نہیں ہے۔

مگر میں تو روزنامہ تسنیم اور دوسرے اخبارات سے صحیح مواد فراہم کر رہا ہوں تاکہ حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی "راست گوئی" سب پر عیاں ہو جائے۔ مولانا موصوف اللہ کے خوف اور اللہ کے رسول کی شفاعت کے ذکر مبارک کے ساتھ ساتھ جب دوسروں کی نیت پر نارواحملے کرتے ہیں۔ تو انہیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ان کے تقدس کے شیش محل پر اگر کسی مظلوم نے حق گوئی کا پتھر مار دیا۔ تو ان کا شیش محل چکنا چور ہو جائے گا۔ بہرحال جہاں انہیں دوسروں کی نیت پر حملہ کرنے کا حق ہے۔ ہم ان سے اپنا کم از کم حق مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں اصل حقیقت بیان کرنے کی اجازت تو دیں۔

حقیقت حال

۱۸ جنوری تک جماعت اسلامی تحریک ختم نبوت کو لواں لقمہ بنا کر ہضم کر جانے کی ترکیبیں سوچتی رہی۔ مگر جب ملک کے نمائندوں نے جو پاکستان کے کونے کونے سے سرور دو عالم ﷺ کی محبت اور عقیدت سے سرشار ہو کر کراچی میں جمع ہوئے تھے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے "ٹیک" اراروں کو ناکام بنا دیا تو جماعت اسلامی دو ذہنی میں مبتلا ہو گئی تحریک کا شباب دیکھ کر جماعت اسلامی اس سے الگ ہونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ پانچویں سوار کی حیثیت سے پیچھے پیچھے چلنا چاہتی تھی۔ بدیں خیال کہ تحریک کامیاب ہو تو آگے بڑھ کر اعلان کر دیا جائے ہم نے میدان مار لیا اور اگر کسی صورت جماعت اسلامی اس مقدس تحریک کو سبوتاژ کر سکے تو پھر یہ اعلان کر دیا جائے کہ اس تحریک میں شامل ہونے والے بیوقوف تھے اور چلانے والے خود غرض اور غدار تھے اس دو ذہنی نے جماعت اسلامی اور اس کے امیر کو دین اور دنیا دونوں میں کہیں کا نہ رکھا۔

۲۳ جنوری کو جماعت اسلامی نے موچی دروازہ لاہور میں جلسہ عام کیا۔ اگر مولانا مودودی

صاحب واقعی مجلس عمل آل مسلم پارٹیز کنونشن سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتے تھے۔ تو ایمانداری سے ان کا یہ فرض تھا کہ وہ جلسہ عام میں مسلمانوں کو اپنے ارادہ سے خبردار کرتے اور انھیں بتاتے کہ بدنیت اور خود غرض لوگ مقدس تحریک کے نام پر ملک اور ملت سے غداری کرنے والے ہیں لوگو خبردار ہو جاؤ۔ مگر۔۔۔۔۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تقریر میں کیا فرمایا؟ مولانا موصوف نے مطالبات کو جائز قرار دیتے ہوئے حکومت کو متنبہ کیا کہ اگر ان مطالبات کو نہ مانا گیا تو ہندو مسلم فسادات کی یاد تازہ ہو جائے گی اور ذمہ داری گورنمنٹ پر ہو گی۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تقریر میں بڑی ہوشیاری سے ہندو مسلم فساد کا ذکر اس انداز سے کیا کہ ہو سکے تو وہ ہماری پرامن کوششوں کو ناکام بنا دیں اور امن پسند قوم کا ذہن فسادات کی جانب منتقل کر دیں۔ کراچی کنونشن کے آخری اجلاس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا موصوف نے اپنے بیان میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ "دوسرا خیال میرے ذہن میں یہ آیا کہ اگر میں اس وقت علیحدہ ہو جاؤں تو صرف اپنا ہی دامن اس فتنہ سے بچا لے جاؤں گا۔ اسلام اور مسلمانوں کو جس خطرہ میں یہ لوگ مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کو روکنا اس طریقہ سے ممکن نہ ہو گا اس بنا پر میں نے کنونشن سے علیحدگی کا ارادہ ترک کر دیا" مولانا موصوف کس دل گردہ کے بزرگ ہیں۔ جو ختم نبوت کی مقدس تحریک کو فتنہ کا نام دے رہے ہیں' یہ گستاخانہ جرات تو مرزائیوں ایسے منہ پھٹ گروہ کو بھی آج تک نہ ہوئی تھی۔

ہر کس از دست دگر نالہ کند سعدی از دست خویشتن فریاد

بہرحال مولانا موصوف کے اس بیان میں کوئی جان نہیں۔ تحریک میں شامل رہنے کی جو وجہ آج بیان فرمائی جا رہی ہے یہ بھی افسانہ اور محض افسانہ ہے یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ مولانا خود اس تاک میں تھے کہ موقعہ ملے تو قوم کو اکسا دیا جائے اور اپنا دامن حتی الوسع بچا لیا جائے۔

مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ انھوں نے خطوط لکھ کر صدر مجلس عمل کو توجہ دلائی کہ ڈائریکٹ ایکشن کی جو تیاریاں ہو رہی ہیں یہ بالآخر سخت نقصان دہ ثابت ہوں گی۔ گویا مولانا اندر خانہ تو نصیحت کرتے تھے مگر جب جلسہ عام میں تشریف لاتے تھے۔ تو ہندو مسلم فسادات کی یاد تازہ کرنے کا بندوبست فرما رہے تھے۔

جماعت اسلامی کیا چاہتی تھی

مارچ کے دوسرے ہفتہ میں پارلیمنٹ کا اجلاس کراچی میں ہو رہا تھا جماعت اسلامی اس

اجلاس پر نگاہیں جمائے بیٹھے تھی۔ جماعت اسلامی یہ چاہتی تھی کہ اس اجلاس پر بلہ بول دیا جائے۔ گولی چلے یا خون خرابہ ہو اسے اس بات کی پرواہ نہ تھی۔ چنانچہ جماعت اسلامی حیلوں ... بہانوں سے نوٹس کی تاریخ کو ۹ تاریخ تک بڑھانا چاہتی تھی۔ جماعت اسلامی کے نمائندے چونکہ مجلس عمل کو اپنے دلی خیالات سے آگاہ نہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ وارنٹ الیکشن کی تاریخ کو بڑھانے کے لئے دوسری بودی قسم کی دلیلیں پیش کرتے تھے۔

آخر یہ بھید کب کھلا

۲۶۔ فروری کو جس دن مجلس عمل کا آخری اجلاس کراچی میں بلایا گیا۔ جماعت اسلامی کے نائب امیر جناب مولانا سلطان احمد صاحب اس اجلاس میں جماعت اسلامی کی جانب سے تشریف لائے اور ذمہ دار حیثیت سے اجلاس میں شرکت فرمائی اس روز وہ اپنے دلی جذبات کو چھپا نہ سکے وہ فرمانے لگے کہ اگر آپ آج کی بجائے ۹ مارچ کو الیکشن کا اعلان کرتے تو ہم آپ کو اسمبلی ہال پر ہنگامہ کر کے دکھاتے اب بھی اگر آپ حضرات ۹ تاریخ تک کے لئے اپنا پروگرام ملتوی کر دیں تو ہم ذمہ داری لیتے ہیں کہ کم از کم پچیس ہزار کا ہجوم اسمبلی ہال میں خود لے جائیں گے اور ایسا ہنگامہ کر دکھائیں گے کہ تاریخ میں یادگار رہے۔

ہم سب نے ان کے خیالات پر تعجب کا اظہار کیا اور مجھے یاد ہے کہ میں نے ان کی خدمت میں صفائی سے عرض کیا کہ ہم ہرگز ہنگامہ نہیں چاہتے ہم تو تحریک کو پرامن طریقے پر چلانا چاہتے ہیں اور اب تاریخ کا بدلنا بھی ممکن نہیں۔ کراچی میں مولانا سلطان احمد نائب امیر جماعت اسلامی یعنی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خلیفہ صاحب فوج ظفر موج کے کمانداروں میں بہ نفس نفیس موجود ہیں۔ خود مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مستند قادیانی لکھ کر تحریک میں شمولیت کا دستاویزی ثبوت لئے کھڑے ہیں۔ حتیٰ کہ مارشل لاء کے نفاذ سے ایک روز پہلے گورنمنٹ ہاؤس میں بیچ کی دیوار پر کھڑے گورنمنٹ کو اس امید پر آنکھیں دکھا رہے ہیں کہ شاید مسلمانوں کے متفقہ مطالبات وہ ایک روز تک مانے جانے والے ہیں...... مگر جب مارشل لاء کا اعلان ہو گیا تو

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوار کے اس پار کود گئے اور فرمانے لگے کہ میرا اس تحریک سے کیا واسطہ؟ یہ تو چند خود غرض بے ایمان اور غداروں کی تحریک ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ دیوار سے کودتے وقت مولانا کا دامن کسی کیل میں پھنس کر چاک ہو گیا جسے وہ دو سال تک جیل میں بیٹھ کر رفو کرتے رہے' آگے سے پھٹا ہوا دامن چیتھڑوں کی اب بھی غمازی کرتا ہے اور مولانا ہیں کہ اپنی صفائی میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں اور کہے چلے جا

رہے ہیں کہ میں پاکباز ہوں۔ میری جماعت صالحین کی جماعت ہے۔ باقی سب غدار ہیں۔ غدار ہیں اور خود غرض ہیں ؎

اتنا نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

پہلے ہی کیوں نہ بھانپ لیا

اپنے بیان کے آخر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بالکل بچوں کی سی بات کہہ ڈالی۔ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ میری پرانی تحریریں جو کنونشن سے پہلے کی ہیں نکال نکال کر میری گمراہی و بے دینی کا یقین دلاتے پھر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص قادیانیوں سے بھی بدتر ہے۔ میں اس طرح کی فضول باتوں کا تو کیا جواب دوں۔ مگر پبلک کو ان سے صرف اتنی بات پوچھنی چاہئے کہ مودودی اگر ایسا ہی سخت گمراہ تھا تو ۱۹۵۳ء کی کنونشن اور مرکزی مجلس عمل میں آپ نے اس کی شرکت کیسے گوارا فرمائی تھی وغیرہ

حضور والا کنونشن میں شرکت کے بعد ہی مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ آپ جو اسلام اسلام پکار کر اسلامی دستور کا ڈھونگ رچا رہے ہیں۔ آپ کیا ہیں اور آپ کی اصل خواہش کیا ہے۔ پبلک نے آپ کو تحریک ختم نبوت میں اچھی طرح جان پہچان لیا ہے۔ اب آپ یہ بھی دیکھ لیں گے۔ کہ پبلک آپ سے کیا کچھ دریافت کرتی ہے۔ آپ تو بڑے آدمی ہیں اپنی صفائی میں آپ نے کوئی معقول دلیل پیش نہیں فرمائی۔ کسی جیب تراش نے پکڑے جانے کے بعد بھی یہ صفائی پیش نہیں کی کہ مستغیث نے مجھے قریب ہی کیوں آنے دیا تھا۔ آپ ایسے پڑھے لکھے ذمہ دار انسان سے اس قسم کی بے معنی باتوں کی کبھی توقع نہیں تھی بہرحال آپ دلدل میں پھنس گئے ہیں جتنا زور لگایئے گا اس قدر زیادہ دھنستے چلے جایئے گا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ اپنی غلطی یا تحریک ختم نبوت سے غداری کا اقرار کرنے سے رہے بحث کے لئے آپ کے پاس وہ سب سامان موجود ہے۔ جس سے آپ کافی عرصہ بحث جاری رکھ سکتے ہیں۔ مگر ہمیں اس بحث سے مطلب؟

جہاں تک پبلک کی معلومات کا تعلق ہے۔ ہم نے پبلک کو یہی کہتے سنا ہے کہ آپ نے تحریک ختم نبوت سے غداری کی ہے اس وقت آپ اور آپ کی جماعت منافقت سے کام لے رہی تھی اور اب آپ صاف مکر رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (تاج الدین انصاری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مودودی نے اپنے کتابچہ بیان حقیقت میں مولانا محمد علی جالندھریؒ کو بھی ہدف

تنقید بنایا تھا۔ جناب مولانا مرحوم نے دعوت مباہلہ کے عنوان سے مودودی صاحب کے رسالہ کا جو جواب تحریر فرمایا وہ یہ ہے۔

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

سید ابوالاعلیٰ صاحب نے اپنے کارندوں کو اشاعت کے لئے ایک بیان دیا۔ جسے روزنامہ "تسنیم" کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں الگ چھپوا کر ملک میں عام طور پر تقسیم کیا گیا۔ اس بیان میں مولانا موصوف نے مجھ پر سنگین الزام لگایا ہے اور میری گفتگو کو اپنی منشا کے سانچے میں ڈھال کر عوام کی گمراہی کے لئے پیش کیا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں اس بیان کی اصل حقیقت واضح کردوں۔ مودودی صاحب کا یہ بیان قطعاً غلط اور واقعہ کے صریح خلاف ہے۔

حلف شفاعت

مولانا موصوف نے اپنا بیان حلف شفاعت سے شروع کیا ہے اور جواب دینے والوں کو بھی تاکید فرمائی ہے کہ وہ بھی اپنا جواب شفاعت کی محرومی کی بددعا کے بعد رقم فرمائیں۔ مولانا مودودی صاحب نے حلف شفاعت کو یا تو سمجھا نہیں یا وہ اس مقدس اعلان سے صرف رعب ڈالنا چاہتے ہیں، حلف کا یہ مسنون طریقہ نہیں ہے۔ مگر میں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا۔ اس لئے مولانا کے غلط الزامات کا جواب دینے سے قبل ان ہی کے طریقہ پر حلف لیتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اعلان کرتا ہوں کہ اگر میں دروغ گوئی سے کام لوں تو اللہ تعالیٰ مجھے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم کردے۔

مولانا مودودی کی غلط بیانیاں

مولانا مودودی صاحب نے اپنے بیان میں فرمایا۔

نمبر۱ "ایک سب جیکٹس کمیٹی بنائی گئی جو گیارہ آدمیوں پر مشتمل تھی"۔

یہ قطعاً غلط ہے۔ سب جیکٹس کمیٹی بنائی گئی۔ جو گیارہ آدمیوں پر مشتمل نہ تھی۔ بلکہ سبجیکٹس کمیٹی تیس آدمیوں پر مشتمل تھی۔

نمبر۲ جناب مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

"اس سب جیکٹس کمیٹی کا اجلاس ۱۶ اور ۱۷ جنوری کی درمیانی شب کو ہوا"۔ یہ بھی غلط ہے ۱۶، ۱۷ کی شب سب جیکٹس کمیٹی کی کوئی میٹنگ نہیں ہوئی۔ البتہ ۱۷، ۱۸ جنوری کی درمیانی رات کو سب جیکٹس کمیٹی کی میٹنگ ہوئی تھی۔

نمبر۳ اس کے بعد مولانا موصوف نے اپنے بیان میں فرمایا:۔

"میں نے وہاں یہ خیال پیش کیا۔ کہ اس وقت تمام پاکستان کے سربرآوردہ علماء کراچی میں جمع ہو کر خواجہ ناظم الدین کی دستوری رپورٹ پر ترمیمات تجویز کر رہے ہیں اور یہ طے کیا گیا ہے کہ ان ترمیمات کو تسلیم کرانے کے لئے پاکستان گیر جدوجہد کی جائے"۔

مولانا مودودی صاحب کا یہ ارشاد بالکل غلط ہے اور اصولاً بھی ایسا ہونا ناممکن تھا۔ کیونکہ ابھی ترمیمات کا کام تو ختم بھی نہیں ہوا تھا۔ ترمیمات کا مرحلہ طے ہونے سے قبل یہ کس طرح طے ہو سکتا تھا کہ ان ترمیمات کو تسلیم کرانے کے طریقہ کا فیصلہ پہلے ہی کر لیا جاتا۔ دراصل مولانا ذاتی طور پر ڈکٹیٹرانہ خیالات رکھتے ہیں اس لئے انہیں علماء کے فیصلہ کرنے سے قبل ہی ایسی بے بنیاد بات کہہ دینے میں قطعی عار محسوس نہ ہوئی۔

نمبر ۴ مولانا موصوف اپنے بیان میں یہ تو ذکر کرتے ہیں کہ محمد علی جالندھری اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے اختلاف کیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ مولانا موصوف میرا اور انصاری صاحب کا ذکر تو فرماتے ہیں۔ مگر سب کمیٹی کے دیگر اراکین خصوصاً مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی اور مولانا احتشام الحق صاحب کے ذکر سے اس قدر خائف ہیں کہ ان کا نام تک نہیں لیتے اور اس بارگاہ میں بالکل گول ہو گئے ہیں۔ شاید اس لئے کہ ان کے دلائل سے مولانا مودودی کی پوزیشن بالکل بے نقاب ہو گئی تھی۔

جھوٹا الزام

نمبر ۵ مولانا موصوف نے فرمایا کہ محمد علی نے یہ بات کہی ہے۔

"اب ہم صاف صاف بات کرتے ہیں.... اگر یہ تحریک اسلامی دستور کے نام سے چلائی جائے... نام بہرحال جماعت اسلامی کا ہوگا۔ احرار تو پھر کہیں کے نہ رہے"۔

اس کے سوا میں کیا کہوں۔ کہ مولانا مودودی ایسے ذمہ دار انسان اور جماعت اسلامی کے امیر کبیر نے مجھ پر ایسا صریح جھوٹا الزام لگایا ہے کہ جس کی ایک ادنیٰ مسلمان سے بھی توقع نہیں ہو سکتی۔ ایسی کذب بیانی سے وہی شخص کام لے سکتا ہے۔ جس کے دل سے خدا کا خوف اٹھ جائے اور جو شفاعت رسول کا قائل نہ ہو۔

چیلنج

(الف) میں مولانا مودودی کو صرف اس بات پر کہ میں نے مجلس عمل کے مطالبات کو دستور میں شامل کرنے سے اس لئے انکار کیا۔ کہ اس سے جماعت اسلامی کی شہرت ہوتی تھی اور مجلس احرار کے لئے کوئی جگہ شہرت یا نام وری کی نہ رہتی تھی۔ مباہلہ کا چیلنج کرتا ہوں۔

(ب) اگر مولانا صاحب موصوف دعوت مباہلہ قبول نہیں کرتے تو میں انہیں اتنی دعوت دیتا ہوں کہ وہ ثالثی فیصلہ قبول فرمانے کے لئے رضامندی کا اظہار فرمائیں۔

(ج) سب جیکٹس کمیٹی میں ملک بھر کی مسلمان جماعتوں کے اکثر نمائندگان موجود تھے۔ مولانا مودودی نے مجھ سے جو تعوہات منسوب کی ہے۔ کیا نمائندگان میں سے کسی نے بھی بقول ان کے میری اس خود غرضانہ خواہش پر کسی رائے کا اظہار نہ کیا؟ کسی نے مجھے مطعون نہ کیا؟ حاضرین مجلس خاموش بیٹھے میری اور ان کی یہ گفتگو جو انہوں نے اپنی راست گوئی کے پندار سے ثالی ہے۔ سنتے رہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ مودودی صاحب کو ہوس اقتدار نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ وہ جسے اپنی راہ کا روڑہ سمجھتے ہیں اسے اٹھا کر دور پھینک دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی خواہشات کی راہ میں سنگ گراں سمجھتے ہوئے رسوا کرنے کے لئے ہرذلت و خواری اور دجل و فریب کی راہ اختیار کرنے سے کبھی دریغ نہ کریں گے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان کی جماعت نے تو جیل ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک احرار کو عوام میں غیر مقبول نہ بنالیں گے اس وقت تک اقتدار کی منزل تک پہنچنے کی راہیں جماعت اسلامی کے لئے ہموار نہیں ہو سکیں۔ مولانا مودودی اور ان کے رفقائے کار نے جیل ہی سے اس کار خیر کی ابتدا کر دی تھی۔

مولانا مودودی توجہ فرمائیں

مولانا صاحب! آپ نے مجھ پر جو الزام لگایا ہے اسے عقل کے ترازو پر تولا ہی جا سکتا ہے؟ کیا سمجھدار لوگ یہ سیدھی سی عام فہم بات نہیں سمجھ سکتے کہ کوئی شخص جو معاذ اللہ مسئلہ ختم نبوت کی آڑ میں اقتدار اور شہرت کا خواہاں ہو۔ آپ جیسے مخالف شخص کے سامنے غیر جانبدار علماء کرام اور معزز نمائندگان کی موجودگی میں یہ کہے کہ میں تو اسلام کے اس بنیادی مسئلہ کی آڑ میں اپنی شہرت اور نام کا بھوکا ہوں۔ میری خواہش پوری نہ ہوئی۔ تو میں کہاں جاؤں گا؟۔

مولانا صاحب! اب آپ خود ہی سوچئے اور غور فرمائیے کہ انتقامی جذبہ میں آپ نے مجھ پر کیا بے وزن اور ناقابل یقین الزام تراش کر کتنا بڑا جھوٹ بولا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا خوف آپ کے دل سے اٹھ گیا۔ یا آپ روز حساب کے قائل نہیں۔

ایک واقعہ

مولانا لال حسین صاحب اختر نے فورٹ عباس کے ایک جلسہ عام میں جوابی تقریر کرتے ہوئے

جماعت اسلامی کی کذب بیانیوں کا تارو پود بکھیر دیا ۔ جماعت اسلامی کے کیمپ میں کھلبلی مچ گئی ۔ مولانا نصراللہ خاں صاحب عزیز مدیر " تسنیم " مولانا لال حسین اختر کی تقریر کے اقتباسات لے کر ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ ہماری آپس کی تھو کا فضیحتی اسلام کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوگی ۔ اسے کسی طرح رکوائیے ۔ ماسٹر صاحب نے فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کے صالحین کی نقش زنی سے تنگ آکر مجلس تحفظ ختم نبوت نے آپ کا چیلنج قبول کر لیا ہے میں نے تو اس سے بہت پہلے آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ اپنے آدمیوں کو سمجھائیں۔وہ بلاوجہ احرار سے نہ الجھیں ۔ اب آپ حضرت شاہ صاحب سے ملتان جا کر ملیں اور ان سے بات کریں ۔ ماسٹر صاحب نے اس بارہ میں حضرت شاہ صاحب کو ایک خط بھی لکھ کر بھیجا ۔

مولانا نصراللہ خاں صاحب عزیز سے ملاقات

مولانا نصراللہ خاں صاحب عزیز حضرت امیر شریعت مدظلہ سے ملنے کے لئے ملتان تشریف لائے۔ اس ملاقات کے موقعہ پر میں بھی موجود تھا ۔ میں نے مولانا نصراللہ خاں صاحب عزیز سے کہا کہ آپ نے یہ کیا طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ جب کسی کے خلاف آپ اچھی طرح دل کھول کر پراپیگنڈا کر لیتے ہیں ۔ تب آپ جوابی کارروائی سے بچنے کے لئے اسی کے پاس پہنچ جاتے ہیں یہ سیاسی عیاری قطعی نامناسب ہے میری گفتگو کا تقریباً یہی مفہوم تھا ۔ میں نے مولانا نصراللہ خاں صاحب عزیز سے مزید شکایت کی کہ آپ کے امیر کے حوالہ سے آپ کی ساری جماعت میرے خلاف بہتان لگا رہی ہے کہ میں نے مولانا مودودی سے سب جیکٹس کمیٹی میں یہ کہا کہ اگر تحفظ ختم نبوت کے مطالبات کو دستور میں شامل کیا گیا ۔ تو احرار کہاں جائیں گے ۔ ؟ کذب بیانی میرے لئے ناقابل برداشت ہے میری اس شکایت پر مولانا نصراللہ خاں صاحب نے فرمایا کہ سب جیکٹس کمیٹی کی تمام کارروائی مجھے مولانا مودودی صاحب نے سنائی تھی ۔ مگر انہوں نے آپ کی نسبت یہ بات کبھی نہیں کہی ۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ مولانا نصراللہ خاں صاحب اب اس بارہ میں کیا فرمائیں گے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی نے گھر بیٹھ کر یہ جھوٹا پروپیگنڈا خود ہی تیار کیا ہے اور اس پروپیگنڈا کا آخری تیر مولانا مودودی نے اپنے بیان میں مار دیا ہے ۔

اگر مگر کا چکر!

ارادے باندھتا ہوں سوچتا ہوں توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے ' کہیں ایسا نہ ہو جائے

نمبر ۶ مولانا مودودی صاحب اپنے بیان میں انصاری صاحب کی تجویز کے رد و قبول کا ذکر چھوڑ کر یوں فرماتے ہیں۔ کہ "میں نے فوراً یہ رائے قائم کی۔ کہ مجھے اٹھ کر ابھی اپنی علیحدگی کا اعلان کر دینا چاہئے۔ دوسرا خیال میرے ذہن میں یہ آیا۔ کہ اگر میں اس وقت علیحدہ ہو جاؤں تو صرف اپنا ہی دامن اس فتنہ سے بچا لے جاؤں گا۔ اسلام اور مسلمانوں کو جس خطرہ میں یہ لوگ مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کو روکنا اس طریقے سے ممکن نہ ہو گا"۔

مولانا مودودی کی کذب بیانی کو اگر راست گوئی مان لیا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولانا مودودی نے خود کو اور اپنی جماعت کو تو تحریک ختم نبوت کی شاہراہ سے پرے ہٹا لیا اور اپنے مصالحین کے کنبہ کو ہمراہ لے کر کھیت میں جا کھڑے ہوئے۔ مگر قوم اور اسلام کو بقول مولانا مودودی ہلاکت سے بچانے کی پرواہ نہ کی یہ ایک الگ بات ہے کہ انقلابی ٹرک نے انہیں کھیت ہی میں آ دبوچا۔ کاش مولانا مودودی یہ سمجھتے کہ ختم نبوت سے غداری کے جرم میں انہیں اور ان کے منافق رفقاء کو جیل کی ہوا کھانی پڑی۔

مارشل لاء کا ڈنڈا نظر آیا

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مولانا مودودی خاموش تماشائی کی طرح خاموش کھڑے قوم کی مصیبتوں کا تماشا دیکھتے رہے تا آنکہ انہیں مارشل لاء کا ڈنڈا نظر آیا اور مجبوری کے عالم میں انہیں یہ کہنا پڑا کہ ہمارا اس تحریک سے نہ پہلے کوئی واسطہ تھا اور نہ اب کوئی تعلق ہے۔ حالانکہ تحریک کے شباب کے دنوں میں یعنی ۴ مارچ تک وہ تحریک سے وابستگی کا اقرار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تقسیم کار کے وقت جو ڈیوٹی ہمارے ذمہ لگائی گئی تھی اسے باحسن طریق سرانجام دیا جا رہا ہے۔ وہ ڈیوٹی کیا تھی؟ کس نے کس دن جماعت اسلامی کے ذمہ وہ ڈیوٹی لگائی تھی؟ یہ بات بطن شاعر ہے اے مودودی صاحب۔ یا ان کے مصالحین ہی جانتے ہوں گے۔

کسی کو تحکم مانئے!

مولانا مودودی صاحب نے اپنے بیان کے آخری حصہ میں فرمایا کہ مجلس عمل کے (آٹھ منتخب اور سات نامزد) ممبران کی کوئی میٹنگ ہی منعقد نہیں ہوئی۔ میں چونکہ مجلس عمل (راست اقدام کمیٹی) کا رکن نہیں تھا۔ اس لئے اس بارہ میں میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ حالانکہ مجھے ذاتی طور پر اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ مولانا مودودی باضابطہ کارروائی کو بے ضابطہ کس غرض کے لئے کہہ رہے ہیں۔ میں تو مولانا مودودی سے صرف یہ گذارش کروں گا کہ پاکستان کی تمام دینی جماعتوں کے متفقہ تسلیم شدہ صدر جناب مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب۔

قادری آپ کے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔ یا نہیں؟ چلئے انہیں کو اس بارہ میں حکم تسلیم کر لیجئے اور انہیں اختیار دیجئے کہ وہ بعد میں ہونے والی کاروائی کے متعلق فیصلہ کریں کہ وہ باضابطہ تھی یا بے ضابطہ؟ میں تو ابھی اعلان کئے دیتا ہوں کہ مجھے ان کا فیصلہ قبول ہوگا۔ مولانا مودودی فرمائیں کہ اس بارہ میں وہ بھی انہیں حکم تسلیم کرتے ہیں؟۔

بزرگان دین کی توہین

نمبر ۲ مودودی صاحب کو یہ شکوہ ہے کہ ہم ان کی پرانی تحریریں پیش کرکے تنقید کرتے ہیں۔ مولانا کی خدمت میں ادب سے گذارش کروں گا کہ آپ اگر تیرہ سو سال پہلے کے بزرگان دین کی پرانی تحریریں پیش کرکے تنقید کا حق رکھتے ہیں۔ تو آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم آپ کو اپنے بزرگان دین سے اتنا بلند درجہ دیں گے کہ آپ کی پرانی تحریروں کو وحی الہی سمجھ لیا جائے اور ان پر کوئی تنقید ہی نہ کی جائے۔ قرآن پاک کی یہ آیت تو آپ کی نظر سے ضرور گذری ہو گی (ترجمہ) "ہلاکت ان لوگوں کے لئے ہے جب وہ لوگوں سے سودا لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں"

حرف آخر!

مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت اسلامی نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا کر یہ پروپیگنڈا کیا اور اب بھی جماعت اسلامی کے ذمہ دار اراکین یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ دستور جو تقریباً مکمل ہو گیا تھا اگر اپنا لیا جاتا تو مسئلہ ختم نبوت از خود حل ہو جاتا۔ دستوری سفارشات جن کی نسبت جماعت اسلامی اس وقت یہ کہہ رہی ہے کہ سابقہ وزارت ان سفارشات کو منظور کر چکی تھی اور دستور کتاب و سنت کے مطابق تقریباً مکمل ہو گیا تھا۔ یہ پروپیگنڈا جماعت اسلامی کی جانب سے بڑی شدومد سے آج بھی جاری ہے۔ حالانکہ ان سفارشات میں قادیانیوں کو نہ صرف یہ کہ اقلیت قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ انہیں مسلمانوں میں شمار کیا گیا تھا۔ ایسے دستور کو تقریباً اسلامی کہنا جماعت اسلامی ہی کا حصہ ہے۔

قلابازی ملاحظہ فرمائیے!

مجلس عمل کو کرون زدنی احرار کو قابل دار گردانتے کے بعد مارچ ۵۳ء کے چراغ راہ میں جماعت اسلامی کے معزز ذمہ دار رکن نعیم صدیقی صاحب لکھتے ہیں:۔ "اب ہم اس قطعی نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں۔ کہ اسلامی دستور کا بننا اور اس کی بنیادوں پر ایک اسلامی ریاست کو ٹھیک ٹھیک چلنا اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک کہ قادیانی مسئلہ کو حل نہ کر لیا جائے۔

آنچہ دانا کند کند ناداں۔ لیک بعد از خرابیٔ بسیار (محمد علی جالندھری) "قارئین کرام اس ناخوش گوار بحث کو ختم کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ موجودہ حالات میں میں کبھی اس بحث کو نہ چھیڑتا۔ اگر مولانا مودودی یا ان کی جماعت کے رفقاء اپنی اس غلطی کو تسلیم کر لیتے۔ یا کم از کم اس بحث کو ہی ختم کر دیتے۔ لیکن مجھے قلبی صدمہ ہے کہ وہ اپنی اس غلطی کو صحیح ثابت کرنے اور تحریک کے راہنماؤں کی کردار کشی پر تسلسل کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ چنانچہ ان کی ذیلی تنظیم "اسلامی جمعیت طلبہ کے مجلہ" "ہم قدم" جولائی ۱۹۸۰ء کی اشاعت میں "نوشتہ دیوار" کے تحت لکھا ہے۔

"تحفظ ناموس رسالت کے لئے دو تحریکیں چلیں۔ ایک تحریک اپنوں کی ریشہ دوانیوں اور غلط حکمت عملی کے نتیجہ میں چند روز کے اندر المناک حادثات و واقعات کو جنم دے کر دم توڑ گئی"

اس اقتباس کو جماعت اسلامی کے ذمہ دار راہنما بار بار پڑھیں۔ اپنے اور ہمارے طرز عمل کا موازنہ فرمائیں۔ کہ "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت" نے ۱۹۵۳ء '۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں انہیں اپنے ساتھ ملایا اور اپنے ہر اہم جلسہ و کانفرنس میں انہیں شرکت کی زحمت دی یہ مجلس تحفظ ختم نبوت کا طرز عمل ہے۔ اور اوپر کا اقتباس ان کے تربیت یافتہ عزیزان کی کرم فرمائی۔

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

اللہ رب العزت پوری امت محمدیہ کو اتفاق و اتحاد کے ساتھ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور مرزائیت کے تعاقب کی توفیق ارزانی فرمائیں" (مرتب)

عدالت تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء

کی

رپورٹ پر تبصرہ

ایک ضخیم اور متنوع دستاویز

عدالت تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء کی رپورٹ جو ایک ضخیم کتاب کی شکل میں شائع ہوئی ہے۔ اس ہاتھی کی مانند ہے جس کے مختلف اعضا کو چھ اندھوں نے اپنے ہاتھوں سے ٹٹولا اور اپنی حس لامسہ کی مدد سے ہاتھی کے متعلق ہر ایک نے اپنا جدا جدا مخصوص تصور قائم کر

لیے۔ ایک نے کہا ہاتھی ایسا تھا جیسے عمارت کا ستون دوسرا بولا' ایک بہت بڑا چھاج' تیسرے نے کہا' موٹا سا اژدہا' چوتھے نے کہا کہ ہاتھ بھر کی معلق رسی' پانچویں نے کہا' ناہموار سا چبوترہ' چھٹے نے ارشاد فرمایا وہ تو ایک دیوار سی تھی اور بس' اس رپورٹ نے بعینہ اسی قسم کی کیفیت عامتہ الناس میں پیدا کر رکھی ہے اور ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق اس کے متعلق اپنا خیال اور تصور قائم کر چکا ہے یا کر رہا ہے۔

عدالت تحقیقات محض فسادات کی ذمہ داری کا سراغ لگانے اور فسادات کے سلسلے میں حکومت پنجاب کے اختیار کردہ ذرائع کو کافی یا ناکافی ہونا معلوم کرنے کے لئے معرض وجود میں لائی گئی تھی۔ لیکن اس کا دائرہ کار بتدریج وسیع تر ہوتا چلا گیا اور اس عدالت نے فسادات کے اسباب و علل کی تہ تک پہنچنے کی کوشش میں ایسے علمی اور عملی کوائف کا جائزہ بھی لینا چاہا جو اس عدالت کے بجائے اگر کسی علمی بحث و مناظرہ کی مجلس میں پیش کئے جاتے تو مفید تر نتائج حاصل کئے جا سکتے تھے۔

عدالت کن نتائج پر پہنچی

حکومت کی کوتاہی

اہم امور تنقیح پر عدالت تحقیقات اس نتیجے پر پہنچی کہ پنجاب کی حکومت (میاں ممتاز احمد دولتانہ کی مسلم لیگی وزارت) نے فسادات کا سدباب کرنے یا ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جو ذرائع اختیار کئے' وہ ناکافی نہ تھے بلکہ حکومت قانون ملکی کے احترام کو قائم رکھنے اور امن و آئین کی حفاظت کرنے کے فرض کی کماحقہ' بجا آوری سے قاصر رہی۔

فسادات کی ذمہ داری

احرار = دوسرے امر تنقیح یعنی فسادات کی ذمہ داری کے زمرے میں عدالت کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ ہنگامہ آرائی اور خلل امن کے اس عمل میں مارشل لاء کے حکام کے سوا باقی سب ننگے ہیں۔ عدالت نے فسادات کی کیفیت پیدا کرنے کی ذمہ داری بدرجہ اول مجلس احرار اور زعمائے احرار پر عائد کی ہے جنہوں نے ایک مذہبی سوال کو عامتہ الناس میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا اور قادیانیوں کے مقابلے میں ان سے شدید تر جارحانہ طرز عمل اختیار کیا۔

...

قادیانیوں کے بارے میں عدالت تحقیقات اس نتیجے پر پہنچی کہ ان کے معتقدات مسلمانوں کے معتقدات سے متعارض ہیں اور مسلمانوں کے لئے ان کا طرز عمل، ان کی جارحانہ تبلیغ اور ان کے عزائم بدرجہ غایت دل آزارانہ اور اشتعال انگیز ہیں۔ خود ان کے امام مرزا بشیر الدین محمود، چوہدری ظفر اللہ خان اور مرزائی افسروں نے منافرت کے اس جذبے کو ترقی دی جو مسلمانان میں مرزائیوں کے متعلق پہلے ہی سے بدرجہ اتم موجود تھا۔ عدالت نے قادیانیوں کو فسادات کی براہ راست ذمہ داری سے بری قرار دیا یعنی بالواسطہ ذمہ داری کا مورد ٹھہرایا۔

حکومت پنجاب اور میاں ممتاز دولتانہ

عدالت نے حکومت پنجاب، بالخصوص پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کو فسادات کی ذمہ داری میں اس بنا پر شریک گردانا کہ اس حکومت نے احرار کی ایسی سرگرمیوں کو روکنے میں چشم پوشی اور رعایت سے کام لیا جو قانون کی زد اور گرفت میں آسکتی تھیں اور پبلک میں ہر دل عزیز بننے کی خاطر قانون و آئین کا احترام قائم رکھنے کے معاملے میں کوتاہی اور غفلت سے کام لیا اور ایسے اخبارات کو مالی امداد دی جو ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز کے ایما پر تحریک کو خاص رخ پر ڈالنے کے لئے مضامین شائع کرتے تھے۔

مرکزی حکومت اور خواجہ ناظم الدین

عدالت نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کی مرکزی حکومت کو اس وجہ سے فسادات کا ذمہ دار قرار دیا کہ اس نے چوہدری ظفر اللہ خان کو محض باہر کے ملکوں کی چہ میگوئیوں کے خوف سے وزارت سے برطرف نہ کیا اور مسلمانوں کے مطالبات کو مسترد کر کے ہیجان عمومی کو ترقی دی۔ مزید برآں عدالت نے تعلیمات اسلامیہ کے سرکاری بورڈ کو بھی ذمہ داری کا شریک ٹھہرایا۔ کیوں کہ اس بورڈ کے ارکان بھی مجلس عمل کے اقدامات سے متفق تھے۔

مجلس عمل

عدالت کی رائے میں کل مسلم پارٹیز کونشن کی مجلس عمل اور علمائے دین کی وہ انجمنیں جنہوں نے مجلس عمل کی ساخت میں حصہ لیا۔ اس بنا پر فسادات کی ذمہ داری میں شریک ہیں کہ مجلس عمل نے اپنی بات منوانے اور اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے راست اقدام کا فیصلہ کیا۔

جماعت اسلامی

مجلس عمل کو جن دینی انجمنوں نے تشکیل کیا تھا۔ ان میں سے جماعت اسلامی نے عدالت تحقیقات کے سامنے اپنا کیس اس شکل میں پیش کیا تھا کہ جماعت اسلامی کو مجلس عمل کے فیصلہ "راست اقدام" سے اتفاق نہ تھا اور مجلس مذکور کا یہ فیصلہ آئینی بھی نہ تھا۔ لہٰذا فسادات کی ذمہ داری سے جماعت اسلامی کا دامن پاک ہے اور وہ لوگ فسادات کی ذمہ داری میں شریک ہیں جنہوں نے راست اقدام کا فیصلہ کیا۔

جماعت اسلامی نے اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لئے شہادتیں پیش کیں اور ان کے وکیل نے راست اقدام اور فسادات کی ذمہ داری کا بوجھ مجلس عمل کے ارکان پر ڈالنے کے لئے بہت کچھ زور استدلال صرف کیا۔ لیکن عدالت تحقیقات نے جملہ بیانات کی جرح و تعدیل کر کے اس نقطہ پر حسب ذیل فیصلہ دیا۔

ا۔ جماعت اسلامی مجلس عمل پنجاب کا ایک عضو تھی۔

۲۔ یہ جماعت اس مجلس عمل کا ایک عضو بھی تھی جسے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن نے بنایا اور جس نے ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو بمقام کراچی "راست اقدام" کی قرارداد منظور کی۔

۳۔ مولانا سلطان احمد نے جو مجلس عمل کے اجلاس کراچی مورخہ ۲۶ فروری میں حاضر تھے۔ مجلس عمل کی سرگرمیوں سے بے تعلقی کا اظہار نہیں کیا اور یہ پروگرام کہ گورنر جنرل اور وزیر اعظم کے دولت کدوں کی طرف رضاکار بھیجے جائیں۔ اس کی موجودگی میں اس کی طرف سے کسی قسم کے احتجاج کے بغیر طے ہوا تھا۔

۴۔ جماعت اسلامی کا کوئی نہ کوئی نمائندہ مجلس عمل کے اجلاسوں میں بمقام لاہور و کراچی شامل ہوتا رہا۔

۵۔ اس تاریخ سے لے کر جس دن کہ راست اقدام کی قرارداد منظور ہوئی اس وقت تک جب کہ فسادات اپنے عروج پر تھے۔ جماعت اسلامی نے کوئی پبلک اعلان اس مضمون کا نہیں کیا کہ راست اقدام سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور وہ ان سرگرمیوں سے جو مجلس عمل کے طے کردہ پروگرام کو چلانے کے لئے کی جا رہی ہیں۔ اپنے آپ کو الگ کرتی ہے۔

۶۔ مولانا مودودی نے ۵ مارچ کو گورنمنٹ ہاؤس میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا کہ عامتہ الناس اور حکومت کے درمیان سول وار جاری ہے اور جب تک حکومت طاقت کا استعمال ترک کر کے عوام کے نمائندوں کے ساتھ بات چیت پر آمادہ نہیں ہوتی۔ امن کی اپیل شائع کرنے کا کوئی موقعہ نہیں۔

۷۔ جماعت اسلامی نے ۵ مارچ کی قرارداد میں انہی خیالات و آرا کا اظہار کیا جو مودودی صاحب نے اسی دن گورنمنٹ ہاؤس میں ظاہر کئے تھے۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۵۱، ۲۵۲)

فاضل جج صاحبان نے جماعت اسلامی کے بیانات کا تجزیہ کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے جماعت اسلامی کے ذہن کا صحیح طور پر مطالعہ کر لیا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ جماعت مذکور اس پروگرام کی موزونیت کی قائل نہ تھی جو "راست اقدام" کی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے طے ہوا تھا۔ لیکن وہ پبلک کے سامنے اپنے حقیقی خیالات کا کھلا اور دیانتدارانہ اظہار کرنے سے خائف تھی تاکہ کہیں عوام میں نامقبول نہ ہو جائے گویا اس ذہنیت اور روش میں وہ دوسری سیاسی جماعتوں یا شخصیتوں سے مختلف نہ تھی یہ جماعت بھی دوسروں کی طرح کوئی ایسی بات کرنے سے خائف تھی جو اسے عوام کو نکتہ چینی کا تختہ مشق بنا دے۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۵۳)

مسلم لیگ

عدالت کے خیال میں مسلم لیگ اس لئے ذمہ دار ہے کہ اس کی صوبائی کونسل نے ایسی قرارداد منظور کی جس میں قادیانیوں کو مسلمانوں سے جداگانہ عقائد رکھنے والا گروہ قرار دیا اور مسلم لیگ کے بعض لیڈروں اور کارکنوں نے تحفظ ختم نبوت اور راست اقدام کی تحریکات میں عملی حصہ لیا اور مجلس عمل کا ساتھ دیا اور دوسرے لیڈروں اور کارکنوں نے راست اقدام کی تحریک کی مخالفت نہ کی۔ مزید برآں مسلم لیگ نے مقتدر سیاسی نظام کی حیثیت میں ان مسائل پر پبلک کی صحیح راہنمائی نہ کی۔

مجلس عمل کے مطالبات

فسادات کی ذمہ داری کے بارے میں عدالت تحقیقات کے فاضل جج صاحبان جن نتائج پر پہنچے ہیں۔ ان سے مترشح ہے کہ اگر اس ذمہ داری کی سزا موت تجویز کی جائے تو احرار کے زعما کو، قادیانیت کے لیڈروں اور قادیانی سرکاری افسروں کو، علمائے اسلام کی ایک کثیر جماعت کو، خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کے جملہ ارکان کو، تعلیمات اسلامیہ کے سرکاری بورڈ کے ممبروں کو، میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ اور مسلم لیگ کے راہنماؤں کو تختہ دار پر لٹکا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود فاضل جج صاحبان کے ارشاد کے مطابق مطالبات کا بچہ بھی فساد کا مرکزی نقطہ پھر بھی زندہ رہتا ہے۔ اگر اس بچے کی پرورش کر کے اس سے کام لینے کے

لئے کوئی طالع آزما گروہ کھڑا ہو جائے تو ملک میں پھر اسی قسم کی کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں جو مارچ ۱۹۵۳ء کے اوائل میں لاہور اور پنجاب کے دوسرے مقامات پر دیکھنے میں آئیں۔

رپورٹ میں فاضل جج صاحبان نے احرار کی مذمت کرنے میں پورا زور قلم صرف کیا ہے کیونکہ "انہوں نے ایک دینی موضوع کو دنیوی مقصد کی خدمت پر لگا کر اس کا استخفاف کیا اور اپنی ذاتی اغراض کی خاطر عامۃ الناس کے مذہبی جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۵۹)

لیکن جہاں تک موضوع فیصلہ کا دینی ہونے کا تعلق ہے۔ عدالت کو اس کی صحت اہمیت اور موجودگی سے انکار نہیں بلکہ عدالت نے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان مذہبی حیثیت سے عام بنیادی اختلافات روز اول ہی سے موجود تھے اور موجود ہیں۔ اس سلسلے میں جس قدر نقاط مجلس عمل کی طرف سے عدالت کے سامنے پیش کئے گئے۔ عدالت نے اپنی رپورٹ میں ان سب کا ذکر کر دیا ہے اور ان کی صحت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس سلسلے میں عدالت کی تنقیدات حسب ذیل ہیں

مسلمانوں اور قادیانیوں کے بنیادی مذہبی اختلافات

احمدی' قادیانی یا مرزائی

سرکاری کاغذات اور پولیس کی رپورٹوں میں اس کیفیت کو جو تصورات معلوم پر مبنی ہوئی۔ "احرار' احمدی اختلاف" کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قادیانی اپنے آپ کو احمدی اور مسلمانوں کو غیر احمدی لکھنے کے عادی تھے۔ مجلس عمل اور اس کی حلیف جماعتوں کی طرف سے ان الفاظ و تراکیب کے استعمال پر اعتراضات وارد کئے گئے۔ جن کی صحت کو عدالت نے صحیح تسلیم کرتے ہوئے رپورٹ میں لکھا ہے

"ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے سواد اعظم کو جو مرزا غلام احمد پر ایمان نہیں رکھتا۔ ان لوگوں سے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں' ممیز کرنے کے لئے لفظ "مسلمان" استعمال کریں اور احمدیوں کی قادیانی جماعت کے لئے جو مرزا غلام احمد کے نبی ہونے پر ایمان رکھتی ہے" "احمدی" قادیانی یا مرزائی" کی اصطلاح استعمال کریں" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۹)

مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت

مرزا غلام احمد کے دعوے نبوت کے سلسلے میں فاضل جج صاحبان نے مسلمانوں اور

قادیانیوں کے عقائد کی وضاحت کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا ہے

"اگرچہ مرزا غلام احمد نے شروع شروع میں لوگوں کے سامنے اپنا ہاتھ اس دعویٰ کے ساتھ پیش کیا کہ وہ اسے قبول کرلیں تاہم یہ سوال تحقیق طلب ہے کہ آیا اس نے اپنی وحی۔۔۔ متعلق وحی نبوت کے درجہ کا دعویٰ کیا تھا یا نہیں جس پر ایمان لانے سے کوتاہی بعض روحانی اور اخروی نتائج کی حامل ہے۔ احمدیوں نے اور ان کے موجودہ امام نے احتیاط کو شامل غور و فکر کے بعد ہمارے سامنے یہ پوزیشن اختیار کی ہے کہ مرزا غلام احمد نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن فریق ثانی شدت اصرار کے ساتھ مجادل ہے کہ اس نے ایسا کیا۔ احمدیوں کے لٹریچر میں جس میں مرزا غلام احمد اور احمدیہ جماعت کے موجودہ امام کی بعض تحریرات بھی شامل ہیں۔ بعض ایسے اظہارات موجود ہیں۔ جو فریق مجادل کے دعوے کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے سامنے اب جو پوزیشن اختیار کی گئی ہے وہ ظاہر کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنے آپ کو محض اس لئے نبی کہا کہ اس کے الہام میں خدا نے اسے اسی طرح ظاہر کیا تھا۔ وہ کوئی نئی شریعت نہیں لایا نہ اس نے اصلی شریعت کو منسوخ کیا۔ نہ اس میں کچھ اضافہ کیا۔ نیز یہ کہ کوئی شخص مرزا صاحب کی وحی پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے یا اس وحی پر ایمان لانے سے محروم یا قاصر رہ جانے کے باعث دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ ہم پیش ازیں لکھ چکے ہیں کہ ہمارا منصب یہ نہیں کہ ہم اس بات کا فیصلہ کریں کہ آیا احمدی دائرہ اسلام سے خارج ہیں یا نہیں ہم نے اس نقطہ کا ذکر محض اختلافات کی تشریح کرنے کے خیال سے کیا ہے جو احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان مبینہ طور پر موجود ہیں۔ ہم اس امر کا فیصلہ غیر احمدیوں پر چھوڑتے ہیں کہ (اس نئی پوزیشن کے اعلان کے بعد) وہ احمدیوں کو مسلمان سمجھیں یا نہ سمجھیں۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۸۹)

قادیانی وکیل نے عقیدہ اجرائے نبوت کی تائید میں قرآن پاک کی جو آیات پیش کیں اور جس نوعیت کے استدلال سے کام لیا۔ اس پر فاضل جج صاحبان نے رائے زنی کرتے ہوئے تحریر کیا ہے

"ایک مسئلہ استدلال کی بنا پر قرآن پاک کی ان آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مستقبل میں یعنی ہمارے رسول اقدس و اطہر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد ایسے لوگ ظاہر ہوتے رہیں گے جن پر لفظ 'نبی یا رسول' کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یہاں اس سلسلہ استدلال کی تشریح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نہ تو ہم اس امر کا فیصلہ کرنے کے مکلف ہیں' نہ ہم سے اس کی توقع کرنی چاہئے کہ آیات مذکورہ کی کون سی مخصوص تفسیر صحیح یا غلط ہے۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۸۸)

حضرت عیسیٰ کی حیات و ممات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ممات اور قیامت کے قریب ان کے نزول کے بارے میں قادیانیوں کے عقائد اور آیات متعلقہ کی قادیانی تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے فاضل جج صاحبان لکھتے ہیں

" مولانا مرتضیٰ احمد خاں نے مجلس عمل کی جانب سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان آیات قرآنی کی احمدی تفسیریں تاویل و تحریف کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں اور اس قسم کی تاویل و تحریف کفر و ارتداد پر مستلزم ہے جو اس کے مرتکب کو حلال الدم والمال کے فتوے کا مستوجب بنا دیتی ہے۔ یعنی ایسے شخص کا خون اور مال " از روئے شریعت اسلام " مباح ہو جاتا ہے۔ ہمیں اس اختلاف کے حسن و قبح پر اپنی رائے ظاہر کرنے کا مکلف نہیں بنایا گیا جس کا مرکزی نقطہ سورہ ۳ کی آیت ۵۷ کے شکلاً اور مادہ وفی کے مشتقات جو آیات محولہ بالا میں آئے ہیں نیز سورہ ۳ کی آیت ۱۱ کا لفظ انہ ہے۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۸۱)

جہاد کے بارے میں قادیانی عقائد

جہاد کے قرآنی حکم کی تنسیخ کے بارے میں قادیانیوں کی طرف سے جو صفائی پیش کی گئی اس کا ذکر بالوضاحت کرتے ہوئے فاضل جج صاحبان نے تحریر کیا ہے۔

" جہاد کے بارے میں مرزا صاحب کی نشریات کا عام انداز ظاہر کرتا ہے کہ یہ تحریریں ان واقعات کے سلسلے میں لکھی گئیں جو ان دنوں سرحد پر رونما ہو رہے تھے اور جہاں برطانوی افسروں کے پے در پے قتل کی وارداتیں واقع ہوتی رہتی تھیں۔ ہر برطانوی افسر کو جو ہندوستان میں آتا تھا' ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ غازی یعنی افغان یا قبائلی مذہبی دیوانے سے محتاط رہے جو کافر کو قتل کرنا مذہبی حیثیت سے کار ثواب اور مالی حیثیت سے نفع بخش خیال کرتا ہے' تاکہ بہشت میں اجر پائے۔ ایسے حملے اگر ان کا محرک مذہبی جوش تھا۔ بلاشبہ اسلامی عقیدہ جہاد کے منافی تھے اور مرزا صاحب نے اس اعتقاد کی تردید کر کے اچھا کام کیا لیکن حکم جہاد کی جو تشریح مرزا صاحب نے کی اسے انہوں نے ان متملقانہ اور خوشامدانہ بیانات سے جو اس تشریح میں مہربان حکومت برطانیہ اور اس کی مذہبی رواداری کی پالیسی کے بارے میں لکھے' مشتبہ بنا لیا جب مرزا صاحب نے اس عدم رواداری جو مسلمان ملکوں میں پائی جاتی تھی اور انگریزوں کی فراخ دلانہ مذہبی حکمت عملی کے درمیان تحقیر آمیز مقابلہ و موازنہ شروع کر دیا تو مسلمانوں میں غصہ و اشتعال پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو اس امر کا بخوبی احساس تھا کہ ان کے (پیش کردہ) عقائد کو اسلامی ملکوں میں ارتداد کی نشر و اشاعت پر محمول کیا جائے گا۔ جب

افغانستان میں عبداللطیف نامی ایک قادیانی کو سنگسار کر دیا گیا تو ان کے اس خیال کی تصدیق ہو گئی ہو گی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں جس میں ترکی نے شکست کھائی جب ۱۹۱۸ء میں انگریزوں نے بغداد فتح کیا تو قادیان میں جشن فتح منایا گیا۔ اس بات نے مسلمانوں کے قلوب میں سخت رنج اور تلخی پیدا کر دی اور وہ احمدیت کو برطانیہ کی عوضی خیال کرنے لگے۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۹۶)

اسلامی اصطلاحات کا استعمال

عدالت تحقیقات نے قادیانیوں کے خلاف مسلمانوں کی ایک اور بہت بڑی شکایت کی صحت کو بھی من و عن تسلیم کر لیا ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنی تحریرات میں انبیائے کرام علیہم السلام اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی فضیلت کا اظہار کر کے مسلمانوں کی سخت دل آزاری کی ہے اور قادیانی اپنی مطبوعات میں مسلمانوں کی مقدس اصطلاحات مثلاً امیرالمومنین، ام المومنین، سیدۃ النساء، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو جن کا محل استعمال مخصوص ہو چکا ہے اپنے اکابر کے لئے استعمال کر کے دل آزاری کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ فاضل جج تحریر فرماتے ہیں

" ہمارا وظیفہ یہ نہیں کہ ہم اس امر کا فیصلہ کریں کہ آیا یہ نام صحیح طور پر استعمال کئے گئے یا نہیں لیکن ان اصطلاحات کے استعمال سے مسلمانوں کے احساسات پر جو اثر ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ہمیں ذرہ بھر شک نہیں۔ یہ اصطلاحات اپنے مخصوص اور محدود استعمال کی وجہ سے مقدس بن چکی ہیں اور تاریخ اسلام کی بعض اعلیٰ ہستیوں کی یاد سے مختص ہو چکی ہیں۔ اس طرح احمدیوں کے لٹریچر میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان (اہل بیت) کی بعض خواتین کے متعلق جو ذکر ہوا ہے اس کے بارے میں بھی ہماری رائے یہی ہے اگرچہ اس شکایت کی ایک مثال غالباً زیادہ بیہودہ صورت میں فوائد الجواہر میں بھی موجود ہے۔ بلاشبہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی اور زندہ یا مردہ شخص کے درمیان کسی قسم کا موازنہ ہر مومن کے لئے دل آزاری کا موجب ہے۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۹۷)

پاکستان کی مخالفت

عدالت تحقیقات نے اس امر پر بھی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ قادیانی نہ صرف دیگر اسلامی مملکتوں پر برطانیہ کے راج کو ترجیح دیتے تھے بلکہ تقسیم ملکی سے پہلے وہ پاکستان کی اسلامی مملکت کے قیام کے بھی مخالف تھے اور اب بھی اس امر کے خواہاں ہیں کہ ہندوستان پھر سے

متحد ہو کر اکھنڈ بھارت بن جائے۔ فاضل جج صاحبان نے اس نقطہ پر حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے۔

"جب تقسیم ملک کے ذریعے سے مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ وطن کے امکانات افق پر نمودار ہونے لگے تو آنے والے واقعات کا سایہ احمدیوں کو فکر مند بنانے لگا۔ ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۴۷ء کے آغاز تک احمدیوں کی بعض تحریرات منکشف ہیں کہ وہ برطانیہ کا جانشین بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ لیکن جب پاکستان کا دھندلا سا ہیولا ایک آنے والی حقیقت کی شکل اختیار کرتا نظر آنے لگا تو وہ محسوس کرنے لگے کہ ان کے لئے اپنے آپ کو ایک نئی مملکت کے تصور پر راضی کرنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ وہ ضرور اپنے آپ کو ایک عجیب مخمصے میں مبتلا محسوس کرتے ہوں گے۔ کیوں کہ وہ نہ تو ایک ہندو سیکولر حکومت یعنی ہندوستان کو اپنے لئے پسند کر سکتے تھے نہ پاکستان کو منتخب کر سکتے تھے۔ جہاں اس امر کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ اعتزال و تفریق کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ ان کی بعض تحریرات ظاہر کرتی ہیں کہ وہ تقسیم ملک کے خلاف تھے۔ لیکن اگر تقسیم معرض عمل میں آ جائے تو وہ ملک کو از سر نو متحد کرنے کے لئے کوشاں رہیں گے۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۹۶)

مسلمانوں سے علیحدگی

عدالت نے اس امر کو بھی تسلیم کر لیا کہ احمدی سرکاری افسر اور ملازم دوسروں کا مذہب تبدیل کرا رہے ہیں (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۹۷) اور اپنی جداگانہ جماعتی تنظیم رکھتے ہیں۔ اس تنظیم کے دفاتر میں امور خارجہ کا محکمہ بھی ہے اور امور داخلہ، امور عامہ اور نشر و تبلیغ کے محکمے بھی قائم ہیں۔ ان کے ہاں رضاکاروں کا ایک جیش بھی ہے جس کا نام خدام الدین (خدام احمدیہ) ہے جو فرقان بٹالین یعنی کشمیر میں کام کرنے والی مخصوص احمدی بٹالین پر مشتمل ہے۔ وہ مسلمانوں سے رشتے ناطے کا تعلق بھی نہیں رکھتے اور نہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۹۸) وہ کسی مسلمان کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھتے۔ اس سلسلے میں قادیانی فریق نے عدالت کے سامنے اپنے طرز عمل کی جو تصریح پیش کی اور نئی پوزیشن بیان کی۔ اس بارے میں عدالت کا فیصلہ یہ ہے کہ

"یہ توجیہ صورت حال کو بہتر نہیں بناتی کیونکہ اس خیال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایسے متوفی کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے جو مرزا غلام احمد پر ایمان نہیں رکھتا' اس طرح یہ نئی توجیہ درحقیقت ان کے موجودہ طرز عمل کی تصدیق کرتی ہے۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۹۹)

تکفیر مسلمین

تکفیر مسلمین کے بارے میں قادیانی فریق کی طرف سے جو نئی توجیہات عدالت کے سامنے پیش کی گئیں۔ ان کے بارے میں فاضل جج صاحبان کی رائے یہ ہے :

"ہم نے اس موضوع پر احمدیوں کے سابقہ اعلانات دیکھے ہیں۔ جن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ہمارے نزدیک یہ اعلانات اس کے سوا .... اور کسی تشریح کے حامل نہیں کہ جو لوگ مرزا غلام احمد پر ایمان نہیں رکھتے ہیں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو مسلمان حضرت رسول اقدس و اطہر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کسی مامور من اللہ کے دعوے کو قبول نہ کرے وہ اللہ اور رسول کا منکر نہیں لہذا وہ امت میں داخل ہے۔ یہ توجیہ ان کے سابقہ اعلانات سے مختلف نہیں کہ دوسرے مسلمان کافر نہیں حقیقتاً ان کے یہ الفاظ ان کے سابقہ اعتقاد کی بالواسطہ از سر نو تصدیق کرتے ہیں کہ ایسے لوگ صرف اس معنی میں مسلمان ہیں کہ وہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں اور اس لحاظ سے ایسے سلوک کے مستحق ہیں جو مسلمانوں کے معاشرے کے افراد سے ہونا چاہئے یہ بات یہ کہنے سے بہت مختلف ہے کہ وہ مسلمان ہیں کافر نہیں" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۴۹)۔

اشتعال انگیزیاں

عدالت نے قادیانی اکابر کی تحریروں اور تقریر کے اشتعال انگیز ہونے کا نوٹس بھی لیا ہے۔ "خونی ملا کے آخری دن" کے عنوان والے مضمون کے بارے میں فاضل جج صاحبان نے لکھا

یہ مضمون قطعی طور پر اشتعال انگیز ہے۔ اس مضمون میں مولانا احتشام الحق اور مولانا محمد شفیع ایسے علما کے بارے میں جو مجلس دستور ساز سے ملحقہ تعلیمات اسلامیہ بورڈ کے رکن ہیں۔ نیز مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے بارے میں جن کے وسیع مبلغ علم دین سے کسی کو مجال انکار نہیں' جو استہزا آمیز کلمات درج ہیں۔ ان سے نہ صرف ان علماء کی جن کے نام اس مضمون میں لئے گئے ہیں بلکہ سارے علماء کی دل آزاری ہوئی ہو گی۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸)

اسی سلسلے میں فاضل جج صاحبان نے مرزا بشیر الدین محمود کی تقریر کوئٹہ (مطبوعہ "الفضل" مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۴۸ء) جس میں بلوچستان کو خالص مرزائی صوبہ بنا کر تبلیغ احمدیت کا بیس بنانے کے عزائم کا اظہار کیا گیا۔ ان کے خطبہ جلسہ ربوہ (مطبوعہ "الفضل" مورخہ ۳ جنوری ۱۹۵۲ء) جس میں مخالفین احمدیت کو دھمکی دی گئی ہے کہ عنقریب مرزا صاحب یا ان کے کسی جانشین کے سامنے مجرموں کی طرح پیش ہوں گے اور ان کے خطبہ جمعہ (مطبوعہ "الفضل" مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء) جس میں احمدیوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ فوج محمد کی طرح

گورنمنٹ کے دوسرے محکموں میں بھی بھرتی ہونے کی کوشش کریں تاکہ تبلیغی پروگرام کو تقویت پہنچے اور اعلان (مطبوعہ "الفضل" مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۵۲ء) جس میں احمدیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دو کہ ۱۹۵۲ء کے گزرنے سے پہلے پہلے دشمن احمدیت کی آغوش میں گرنے پر مجبور ہو جائے اور بعض دوسری تحریرات کی اشتعال انگیزانہ ماہیت کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ احمدیوں کی جارحانہ تبلیغ نہ صرف پاکستان میں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی ہنگاموں اور حملوں کی وجہ بنتی رہی ہے۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۹۹، ۲۰۰)

فاضل جج صاحبان نے قادیانیوں کی اشتعال انگیزیوں کے سلسلے میں چوہدری ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان کی اس تقریر کا تذکرہ اس موقع پر تو نہیں کیا جو انہوں نے جہانگیر پارک کراچی کے جلسے عام میں مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو کی تھی اور جس کی وجہ سے ملک بھر میں غصہ و اشتعال کی ایک زبردست لہر پیدا ہو گئی تھی۔ البتہ رپورٹ کے ابتدائی حصے میں جہاں واقعات کی رفتار کو سلسلہ وار درج کیا گیا ہے "اس تقریر کا اور اس سے پیدا ہونے والے ہیجان اور ہنگاموں کا جامع تذکرہ فاضل جج صاحبان کی طرف سے کسی قسم کے تبصرے کے بغیر موجود ہے۔ (رپورٹ انگریزی ۷۵، ۷۶، ۷۷)

قادیانیوں کی ذمہ داری

رپورٹ کے حصہ بعنوان "ذمہ داری" میں فاضل جج صاحبان نے احمدیوں کے متعلق حسب ذیل شذرہ سپرد قلم کیا ہے:

"احمدی براہ راست یا بالواسطہ فسادات کے ذمہ دار نہیں کیونکہ فسادات حکومت کے اس اقدام کا نتیجہ تھے جو اس پروگرام کے خلاف اختیار کیا۔ جس پر چلنے کا فیصلہ کل مسلم پارٹیز کنونشن نے قرار داد راست اقدام کے ماتحت کیا تھا۔ لیکن مطالبات احمدیوں کے متعلق تھے اور وہ احمدیوں کے عجیب و غریب مخصوص عقائد اور ان کی سرگرمیوں نیز ان کی طرف سے دوسرے مسلمانوں پر اپنے ممتاز ہونے پر زور دیے جانے کی وجہ سے وضع ہوئے از بس کہ یہ عقائد اور سرگرمیاں بلاشبہ مطالبات کے وقوع میں آنے کا سبب تھیں۔ اس لئے اس بات کا فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ آیا احمدی فسادات کا محرک ہونے میں حصہ دار ہیں یا نہیں۔ مسلمانوں کے سواد اعظم سے ان کے اختلافات نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے چلے آ رہے تھے اور تقسیم ملک سے پہلے احمدی کسی قسم کی رکاوٹ یا بندش کے بغیر اپنا پروپیگنڈا کیا کرتے تھے اور لوگوں کو مرتد بنانے کی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے۔ پاکستان کے قیام کی بدولت کیفیت حال تمام و کمال بدل گئی۔ اگر احمدیوں نے یہ خیال کیا کہ اس بارے میں حکومت کی طرف سے

کسی قسم کی پالیسی کے اعلان کا نہ ہونا کہ پاکستان کے اندر اسلام کے سوا دیگر مذہب یا داخلِ
اسلام کے فرقہ وارانہ عقائد کی تبلیغ و اشاعت کی اجازت کس حد تک دی جا سکتی ہے۔ یہ معنی
رکھتا ہے کہ اس نئی مملکت میں ان کی سرگرمیاں خلل پیدا نہیں کریں گے اور نوٹس میں آئے
بغیر جاری رکھی جا سکیں گی تو وہ اپنے آپ کو بیوقوف بنا رہے تھے۔ تبدیل شدہ حالات نے ان کی
سرگرمیوں میں کسی قسم کی جوابی تبدیلی پیدا نہ کی۔ جارحانہ تبلیغ اور غیر احمدی مسلمانوں کے
متعلق ان کے دل آزارانہ اظہارات جاری رہے۔ مرزا بشیر الدین محمود کی کوئٹہ والی تقریر جس
میں اس نے اس صوبے کی ساری آبادی کو احمدی بنا لینے اور اسے مزید کارروائیوں کے لئے
بیس (مرکز) بنانے کی کھلم کھلا تلقین کی نہ صرف بد اندیشانہ تھی بلکہ اس کی علاوہ نادانش
مندانہ اور اشتعال انگیز بھی تھی۔ اسی طرح اپنے متبعین کو اس کی یہ ہدایت کہ وہ احمدیت کی
تبلیغ کے لئے اپنے پروپیگنڈا کو اس قدر تیز کر دیں کہ ساری مسلمان آبادی ۱۹۵۲ء کے اختتام
سے پہلے پہلے احمدیت کی آغوش میں آ گرے۔ مسلمانوں کے لئے ان کی ارتداد آفرین
سرگرمیوں کا ایک کھلا نوٹس تھی اور ان لوگوں کو جو مرزا غلام احمد پر ایمان نہیں رکھتے دشمن یا
مجرم یا صرف مسلمان کے الفاظ سے یاد کرنا ایسے اشخاص کو اشتعال دلائے بغیر نہیں رہ سکتا جن
کی توجہ ان الفاظ کی جانب مبذول کرائی جاتی۔ احمدی افسر سمجھتے تھے کہ ارتداد پھیلانے کے
معرکے میں پوری تن دہی اور دل جمعی کے ساتھ حصہ لینا ان کا مذہبی فرض ہے احمدی افسروں
کی اس روش نے احمدیوں کے حوصلے اور بھی بڑھا دیئے اور ایسی جگہوں پر جہاں انہیں افسروں
کی تائید حاصل تھی یا وہ اس کی توقع رکھتے تھے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے زیادہ قوت
کے ساتھ کام کرنے لگے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ اگر شکری کا انتظامی افسر اعلیٰ احمدی نہ ہوتا تو
احمدی کبھی غیر احمدیوں کے ایک مجموعہ دیہات کی طرف تبلیغی مشن پر جانے کی جرأت نہ
کرتے۔ جب کوئی سرکاری افسر اپنے فرقہ وارانہ خیالات کا اظہار کھلے بندوں کرنے لگے جیسا
کہ بعض احمدی افسروں نے کیا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ایسے جھگڑوں میں
جہاں اس کی اپنی جماعت کا کوئی فرد شامل ہو۔ اس کی غیر جانبداری اور بے طرفی پر سے اعتماد
یکسر اٹھ جائے اس کا فیصلہ خواہ کتنا ہی صحیح اور دیانت دارانہ ہو لیکن اگر وہ فیصلہ کسی ایسے
شخص کے خلاف ہے جو اس کی جماعت سے تعلق نہیں رکھتا تو وہ یہ اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ
اسے فرقہ وارانہ وجوہ کی بنا پر بے انصافی کا شکار بنایا گیا ہے۔ لہٰذا ان افسروں کا طرز عمل بہت
ہی افسوسناک اور بدبختانہ تھا اور ظاہر کرتا تھا کہ یہ افسر اس اصول کو سمجھنے اور اخذ کرنے
سے قاصر ہیں جسے ہر سرکاری افسر کو اپنی روش پر حکم فرما بنانا چاہئے۔ بنا بریں ہم مطمئن ہیں کہ
اگرچہ احمدی فسادات کے براہ راست ذمہ دار نہیں لیکن ان کی اپنی روش نے ان کے خلاف

ایک عام شورش کو ابھرنے کا موقع بھی پہنچایا اگر عوام کے احساسات ان کے خلاف اس قدر تیز نہ ہوتے تو ہمارا خیال ہے کہ احرار بھی اپنے ارد گرد مختلف العقائد مذہبی جماعتوں کو جمع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتے۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۱۰/۲۴۲)

فاضل جج صاحبان نے اگرچہ قادیانیوں کو فسادات کا براہ راست ذمہ دار قرار نہیں دیا تاہم اس سلسلے میں مجلس عمل کے پیش کردہ نقطہ کو من و عن صحیح تسلیم کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ فسادات کی بالواسطہ ذمہ داری قادیانیوں کے عجیب و غریب عقائد ان کی جارحانہ اور اشتعال انگیزانہ سرگرمیوں اور قادیانی سرکاری افسروں کے ذوق و شوق تبلیغ پر عاید ہوتی ہے جو پاکستان میں مذہبی تفوق حاصل کرنے کی غرض سے اختیار کیا گیا۔

علمی 'دینی اور نظریاتی حیثیت کے مسائل

فاضل جج صاحبان نے اس رپورٹ میں ان علمی 'دینی اور نظریاتی حیثیت کے مسائل و نقاط پر بھی تبصرہ آرائی اور خامہ فرسائی کی ہے کہ جو تحقیقات کے دوران میں زیر تدقیق آئے۔ راقم الحروف کے خیال میں عدالت مذکور کا ایوان ان علمی اور نظریاتی مسائل کی تحقیق و تدقیق کے لئے موزوں مقام نہ تھا۔ اس کے بجائے اگر یہ مسائل کسی جداگانہ علمی مجلس یا دیوان عالی کے سامنے زیر بحث لائے جاتے تو مفید تر نتائج حاصل و مترتب کیے جا سکتے تھے۔ فاضل جج صاحبان نے چند ایک علمائے دین اور دیگر گواہوں کے ان بیانات کی بنا پر جو ان سے عدالت کے اندر بر سبیل تعجیل وارتجال حاصل کیے گئے ان اہم ترین مسائل کا تذکرہ رپورٹ میں کر دیا ہے جو بہت کچھ غور و فکر اور تحقیق و تعدیل کے محتاج ہیں۔ ان مسائل کے متعلق صحیح نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اس مقصد کے لئے مخصوص دیوان عالی مقرر کیا جاتا اور اس میں تنقیحات معین کر کے ارباب علم کو اظہار و فکر و رائے کی دعوت دی جاتی۔ عدالت مذکور کے لئے افراد و جماعت کے اعمال کا جائزہ لینا تحقیقات کی معینہ تنقیحات کے پیش نظر ضروری تھا۔ لیکن عدالت نے علمی نظریات تصورات کو بھی کٹہرے میں لا کر کھڑا کر لیا اور ان ملزمان ؟ کو موقع دیا گیا کہ وہ اپنی صفائی میں اپنے حسب منشا گواہ یا وکیل پیش کر سکیں۔ ایسے ملزمان جو فاضل جج صاحبان کے ریمارکس کا تختہ مشق بنے۔ حسب ذیل ہیں :

۱۔ آل مسلم پارٹیز کونشن کے مطالبات
۲۔ مسلم و مومن کی تعریف
۳۔ مسئلہ قتل مرتد
۴۔ مسئلہ جہاد

۵۔ مسئلہ مال غنیمت و خمس

۶۔ اسلامی ریاست

۷۔ جمہوریت

۸۔ نمائندہ حکومت اور نفاذ قانون و استقلال آئین

۹۔ لہو و لعب اور اسلام

۱۰۔ آرٹ اور اسلام

۱۱۔ بین الاقوامی قوانین و مجالس اور اسلام

۱۲۔ حدیث و سنہ

ا۔ مجلس عمل کے مطالبات

فاضل جج صاحبان نے آل مسلم پارٹیز کنونشن کے سہ گانہ مطالبات کو "فسادات کی براہ راست علت" قرار دیا ہے (رپورٹ انگریزی صفحہ ۱۸۳٬ ۱۸۵) لیکن اس کے ساتھ ہی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ مقصد جس کے لئے تحریک اٹھائی گئی خالصتاً دینی تھا (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۵۹) عدالت نے اپنی رپورٹ میں کسی مقام پر بھی مطالبات کو فضول اور بیہودہ قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ بعض سرکاری افسروں نے اپنے بیانات میں اور اپنی رپورٹوں میں جو عدالت کے سامنے پیش کی گئیں ظاہر کیا تھا۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ:

"مطالبات ایسے خوش نما انداز میں پیش کئے گئے کہ اس زور تاکید کے پیش نظر جو اسلامی یا اسلامی ریاست سے دور کا تعلق رکھنے والی کسی بات پر دیا جانا ضروری تھا کسی شخص کو ان کی مخالفت کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ حتے کہ مرکزی حکومت کو جرات نہ ہوئی کہ ان چند مہینوں میں جب کہ تحریک اپنی جملہ پیچیدگیوں کے ساتھ عروج انحطاط پر تھی۔ اس موضوع پر کوئی ایک آدھ اعلان عام ہی شائع کر دیتی"۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۳۵)

فاضل جج صاحبان نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ اگر علمائے اسلام کے یہ مطالبات مان لئے جاتے تو فساد برپا نہ ہوتا۔ اس صورت میں "چودھری ظفراللہ خاں کے عزل پر بین الاقوامی حلقوں میں کچھ حل چل مچتی لیکن پاکستان کی آبادی (حکومت کے) اس اقدام پر نعرہ ہائے تحسین بلند کرتی۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۸۲)

فاضل جج صاحبان نے کیفیت حالات کا تجزیہ کرتے ان اسباب و علل کو ڈھونڈ نکالنے کی سعی کی ہے جن کی بنا پر خواجہ ناظم الدین اور ان کی حکومت نے اپنے ہاں کے عوام کے یہ سادہ سے مطالبات منظور کرنے کے بجائے ملک کو ایسے خطرات میں والنا گوارا کر لیا جو مارشل لا کے

نفاذ پر منتج ہوئے۔ اگر خدانخواستہ مارشل لا بھی امن و آئین کے قیام و تحفظ کے مقصد میں ناکام رہ جاتا تو نہ معلوم پاکستان کا حشر کیا ہوتا؟ فاضل جج صاحبان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خواجہ ناظم الدین نے کسی ملکی مفاد کے پیش نظر ایسا نہیں کیا بلکہ انہیں باہر کے ان ملکوں کی رائے کا خوف لاحق تھا۔ جہاں چودھری ظفر اللہ خاں کو بہت کچھ عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ بقول عدالت انہیں خوف تھا تو یہ کہ :۔

"چودھری ظفر اللہ خاں بین الاقوامی دنیا میں بہت شہرت رکھتے ہیں اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں' ان کی برطرفی کی خبر بڑے وسیع پیمانے پر نشر ہو گی اور بین الاقوامی تنقیدات کا موضوع بنے گی اس برطرفی کی کوئی ایسی تشریح جو بین الاقوامی ضمیر کو مطمئن کر سکے تلاش کرنا مشکل ہو گا۔ لہذا مطالبات کی منظوری بین الاقوامی دنیا میں چہ میگوئیوں کے دروازے کھول دے گی اور بین الاقوامی دنیا کی توجہ نیا یا اشیا پاکستان کے واقعات کی رفتار کی طرف جلب ہونے لگی۔"۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۴۳)

فاضل جج صاحبان نے یہ بھی لکھا ہے کہ خواجہ ناظم الدین کو یہ خیال بھی تھا کہ ہندوستان بھی اس صورت میں پاکستان کو بدنام کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۴۳' ۲۴۴) قصہ مختصر فاضل جج صاحبان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ :۔

"اگر مطالبات منظور کر لئے جاتے تو پاکستان کو بین الاقوامی سوسائٹی سے خارج کر دیا جاتا"۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۸۴)

فاضل جج صاحبان نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ خواجہ ناظم الدین محض باہر کی دنیا کی نظروں میں پاکستان کو بچانے کے خوف سے پہلے تو مطالبات کے بارے میں علماء سے گفت و شنید کرتے رہے تاکہ وہ اپنے اصرار سے باز آجائیں اور آخر کار انہوں نے مطالبات کو مسترد کر دیا اور اس "بچے" کو قتل کر کے اس خم کر دینے کے درپے ہو گئے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے باوجود فاضل جج صاحبان کی رائے میں "مطالبات کا یہ بچہ" جسے احرار نے پیدا کیا اور علمائے اسلام نے اپنایا اور دولتانہ نے کراچی کی جانب نہر کھدوائی اور اس بچے کو صندوق میں ڈال کر اس نہر میں مرکزی حکومت کی طرف بہا دیا :۔

"ابھی زندہ ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ کوئی آئے اور اسے اٹھا لے۔ پاکستان کی دولت خداداد میں سیاسی رہزنوں' طامع آزماؤں اور مجہول الکیفیت لوگوں سب کے لئے پہنچنے کا موقع ہے اور کوئی بھی اس بچے کو اپنی گود میں لے کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ ہمارے سامنے جن دو شخصوں نے ایسے کیریئر سے انکار کیا ہی۔ ان میں سے ایک تو خان سردار بہادر خاں وزیر مواصلات پاکستان ہیں اور دوسرے مسٹر حمید نظامی ایڈیٹر "نوائے وقت"۔ ان

دونوں نے اس بچے سے بیزاری کا اظہار کیا۔ خواہ اس کے نتائج کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔" ۔ (رپورٹ انگریزی ۲۸۶)

فاضل جج صاحبان کے ان ریمارکس سے واضح طور پر کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ کیا عدالت نے اس بچے کو جسے باشندگان ملک کی بھاری اکثریت کی سرپرستی حاصل ہے۔ عصر حاضر کی بین الاقوامی دنیا کی چیرہ دستیوں کے خوف سے گمنامی اور گردن زدنی قرار دے دیا ہے یا اس کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کیا ہے۔ لیکن یہ چاہا ہے کہ سیاسی رہزن طالع آزما اور مجہول الکیفیت اشخاص اس کے سرپرست نہ بننے پائیں اور اسے اپنی دنیوی اغراض کے لئے استعمال نہ کریں۔

۲۔ مسلم کی تعریف

عدالت تحقیقات کے فاضل جج صاحبان نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ہم نے بعض سرکردہ علماء سے مسلم کی معین تعریف کرنے کے متعلق سوالات کئے تھے۔

"تحقیقات کے اس حصے کے نتائج اور کچھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن تسلی بخش نہ تھے اگر ایسے آسان سے مسئلے پر علماء کے دماغوں میں کافی حد تک الجھاؤ موجود ہے تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ پیچیدہ تر امور میں ان کے باہم اختلافات کی حالت کیا ہو گی۔" ۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۱۵)

اس کے بعد رپورٹ میں بعض علمائے کرام کے وہ جوابات درج کئے گئے ہیں جو انہوں نے عدالت کے سوالات پر دئے اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ:۔

"(مسلم کی) ان متعدد تعریفات کو جو علماء نے کیں' پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اس کے سوا اور کیا تبصرہ کر سکتے ہیں کہ کوئی سے دو عالم دین اس بنیادی مسئلے پر متفق نہیں۔ اب اگر ہم ان علماء کی طرح اپنی طرف سے مسلم کی تعریف لکھیں اور وہ تعریف ان سب علماء کی پیش کردہ تعریف سے مختلف ہو تو ہم ان سب کے اتفاق سے دائرہ اسلام سے خارج کر دیئے جائیں گے اور اگر ہم ان میں سے کسی ایک عالم کی پیش کردہ تعریف کو اختیار کریں تو ہم اس عالم دین کی رائے کے مطابق تو مسلمان رہیں گے' لیکن دوسرے علماء کی پیش کردہ تعریف کے مطابق "کافر" بن جائیں گے۔" ۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۱۸)

مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں ہونا چاہئے کہ فاضل جج صاحبان کا استنباط صحیح نہیں علمائے دین نے عدالت کے اس سوال کے جواب میں جو بیانات دیئے وہ الفاظ و عبارت کے لحاظ سے تو بلاشبہ ایک نہیں۔ لیکن معنی اور مفہوم کے اعتبار سے ان میں کسی قسم کا اختلاف نظر نہیں

آتا۔ جن علمائے دین سے یہ سوال کیا گیا۔ ان سب نے توحید باری تعالےٰ اور رسالت محمدیہ پر ایمان لانے اور ضروریات دین کا اقرار کرنے کو "مسلم" کہلانے کے لئے ضروری قرار دیا۔ اگر وہ علمائے دین جن سے یہ سوال کیا گیا۔ عدالت کے سامنے مسلم کی جامع و مانع تعریف پیش کرنے سے قاصر رہ گئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اچانک اس سوال کا سامنا کرنا پڑا اور انہیں معلوم نہ ہو سکا کہ عدالت ان سے "مسلم" کی ایسی جامع و مانع تعریف حاصل کرنا چاہتی ہے، جسے اسلامی مملکت کے دستور اساسی میں شامل کیا جا سکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے صحیح طریق کار یہ ہے کہ یہ سوال علمائے دین کی ایک مجلس کے سامنے پیش کر کے "مسلم" کی جامع تعریف متعین کرالی جائے۔

۳۔ ارتداد:

فاضل جج صاحبان نے ارتداد اور کفر و تکفیر کے بارے میں علمائے دین کے باہمی اختلافات کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ تکفیر کے ان فتووں کی موجودگی میں جو مختلف فرقوں کے علماء نے ایک دوسرے کے بارے میں دے رکھے ہیں۔ ارتداد کے جرم کے اطلاق کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے گا اور وہابیوں' دیوبندیوں' بریلویوں' شیعوں اثنا عشریوں وغیرہ میں سے ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسرے فرقے کے عقائد قبول کرنے والے شخص کو مرتد سمجھنا پڑے گا۔ فاضل جج صاحبان نے کفر و ارتداد کی بحث کے دوران میں جن مشکلات کا نوٹس لیا ہے وہ بلاشبہ غور طلب ہیں اور ایک اسلامی مملکت کے علمائے دین کو ان مسائل کے بارے میں متعین اصول و قواعد ضبط تحریر میں لانے پڑیں گے جن کو دستور اساسی اور قوانین ملکی کے لئے مشعل راہ بنایا جا سکے۔ فاضل جج صاحبان رپورٹ کے اس مقام پر اگر تکفیر کی وہ تصریح درج کر دیتے جو مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری نے عدالت کے سامنے پیش کی تھی اور بتایا تھا کہ ان کے نزدیک کفر کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ کفر قطعی ۲۔ کفر فقہی

کفر قطعی کی صورت میں اس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور کفر فقہی کی صورت میں دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا تو رپورٹ کے پڑھنے والوں کو ان اشکال کی ماہیت سمجھنے میں بہت مدد ملتی۔ جس کی طرف فاضل جج صاحبان نے ملک کے ارباب دانش و بینش کو توجہ دلائی ہے۔

۴۔ مسئلہ جہاد اسلامی:۔

فاضل جج صاحبان نے شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی

تحریرات' ان کے بیانات نیز بعض علماء کے جوابات سے فریضہ جہاد بالسیف اور اس کے متعلقہ نقاط مثلاً غنیمت' خمس' اسیران جنگ دارالحرب' دارالسلام' ہجرت' غازی اور شہید وغیرہ پر بھی مجمل سا تبصرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ جہاد اور اس کے متعلقہ مسائل کے بارے میں جو آرا عدالت کے سامنے پیش کی گئیں وہ ان خیالات و افکار سے لگا نہیں کھاتیں جو عصر حاضر کے فکر نے جارحیت' نسل کشی' بین الاقوامی قوانین جرائم کی عدالتی نگرانی اور بین الاقوامی قوانین کے مسلمات و قواعد وغیرہ کے متعلق قائم کر لئے ہیں۔ اسی فصل میں فاضل جج صاحبان نے قرآن پاک کی آیات کے ناسخ و منسوخ ہونے کی بحث کا ذکر بھی کیا ہے۔ جو قادیانی فریق کی طرف سے پیش کی گئی۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں ہونا چاہئے کہ ان مسائل کے بارے میں فاضل جج صاحبان کے افکار جس التباس کا شکار ہوئے ہیں وہ نتیجہ ہیں اسبابات کا کہ جہاد اور اس کے متعلقہ مسائل کے اسلامی تصورات نامکمل صورت میں عدالت کے سامنے آئے۔ اگر عدالت ان مسائل کے بارے میں پوری تحقیقات کرنے کی زحمت گوارا کرتی تو جج صاحبان کے خاطر پر یہ بات روشن ہو جاتی کہ جنگ اور اس کے متعلقہ کوائف کے بارے میں اسلام کے تصورات ان تصورات سے کہیں افضل اور نوع انسانی کے لئے آیت رحمت و موجب خیر و برکت ہیں جو عصر حاضر کے مفکرین نے صدہا سال کے تجربوں پر غور و فکر کرنے کے بعد قائم کئے۔ قوانین جنگ کے بارے میں اسلام کے صحیح تصورات اگر بین الاقوامی محافل کے سامنے پیش کئے جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عصر حاضر کا دماغ جو نوع انسانی کی مشکلات کا حل تلاش کرنے کی جستجو میں ہے انہیں قبول نہ کرے۔ اسلام کے جہاد کا بنیادی نقطہ دین اسلام اور مسلمانوں کے جان و مال' عزت و آبرو اور شئون ملی کے دفاع کی خاطر لڑنا یعنی اسلحہ کے ساتھ جنگ کرنا ہے اور جب تک اسلام اور مسلمانوں کے شئون ملی سے برسرپیکار رہنے والی قوتیں موجود ہیں۔ مسلمانوں کے لئے شمشیر بکف رہنا اور قرآن پاک کے بتائے ہوئے قواعد و اصول کے مطابق دفاعی جنگ جاری رکھنا ضروری ہے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے یا مودودی صاحب نے جہاد کا مقصد جو یہ بیان کیا ہے کہ تلوار کی طاقت کے بل پر دین اسلام کی اشاعت کی جائے وہ صحیح نہیں اس بنیادی نقطہ کو سمجھ لینے کے بعد دارالحرب' دارالسلام عام کیفیت میں جہاد کے فرض کفایہ ہونے اور خاص حالات میں فرض لازم بننے سے مسائل بخوبی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ مال غنیمت' اسیران جنگ اور دشمن سے بحالت جنگ اور بعد از جنگ سلوک کرنے کے بارے میں اسلام کے احکام ان قواعد و ضوابط سے کہیں زیادہ افضل ہیں جن پر عصر حاضر کی متمدن دنیا عمل پیرا ہے۔ اسلام کو جارحیت اور نسل کشی کا حامی قرار دینا دشمنان اسلام کا پروپیگنڈہ ہے۔ مسلمانوں نے عملاً جارحیت اور نسل کشی سے اجتناب کیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں نسل کشی

کی کوئی مثال دکھائی نہیں جا سکتی۔ حالانکہ اسلام سے پہلے اور بعد عصر حاضر تک بعض اقوام دشمن کی نسل کشی کو جائز سمجھتی چلی آئی ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتی رہی ہیں۔ ایک صحیح اسلامی مملکت کو اس امر کا خوف لاحق نہیں ہو سکتا کہ عصر حاضر کے بین الاقوامی قوانین کے ساتھ اسلام کے قوانین منطبق نہیں ہوتے بلکہ صحیح اسلامی مملکت اگر بین الاقوامی محافل کے سامنے اسلام کے قوانین پیش کرے تو دنیا کے مذاق سلیم کو اپنا ہم نوا بنا سکتی ہے۔

ھ۔ مال غنیمت اور خمس

مال غنیمت اور خمس کے بارے میں اسلام کے قانون کے متعلق فاضل جج صاحبان نے اس اندیشے کا اظہار کیا ہے:

"البتہ اگر غنیمت اور خمس کو جہاد کے لوازم خیال کیا جائے، تو بین الاقوامی سوسائٹی اسے خالص لوٹ مار کے اقدام سے تعبیر کرے گی۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۲)

اس معاملے میں بھی فاضل جج صاحبان کو اس وجہ سے التباس ہوا کہ ان کے سامنے مسئلے کی ماہیت جامع صورت میں پیش نہیں ہوئی۔ اسلام کے نزدیک جہاد ایک مذہبی فریضہ ہے۔ جو خالصۃً فی سبیل اللہ ادا کیا جاتا ہے۔ جہاد کی نیت کو اگر کسی قسم کے دنیوی لالچ سے آلودہ کر لیا جائے تو وہ جہاد نہیں رہتا لیکن جنگ میں مال غنیمت کا ہاتھ آنا ایک لازمی امر ہے۔ عصر حاضر کی جنگوں میں بھی فاتح فریق مال غنیمت پر قبضہ جما لیتا ہے اور وہ مال فاتح فریق کا حق متصور ہوتا ہے۔ یہی قانون اسلام کا ہے۔ اسلام کی رو سے اصولاً مال غنیمت بیت المال کا حق متصور ہوتا ہے۔ --یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول۔ (پ ۹، س ۸، ۱) کی آیت کریمہ اس پر دال ہے۔ اس کے بعد خمس یعنی پانچویں حصے کو بیت المال میں رکھنے اور باقی مال کو مجاہدین پر حصہ رسدی تقسیم کر دینے کا جو حکم قرآن پاک میں مذکور ہے وہ مخصوص حالات سے متعلق ہے۔ یہ مال صرف ان مجاہدین پر بانٹا جاتا ہے جو محض اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی نیت خالص کے ساتھ اپنے خرچ پر اور اپنا ساز و سامان لے کر میدان جنگ میں حاضر ہوں۔ اسلام نے عربوں کے رواج کو کہ وہ فتح کی حالت میں مد مقابل کے اموال کو لوٹنا اپنا حق سمجھتے تھے کلیۃً محو کرنے کے احکام صادر کئے ہیں اور انفرادی حیثیت سے دشمن کا مال لوٹ کر اپنے قبضے میں لینا قطعاً ممنوع قرار دیا ہے۔ خمس و تقسیم کا حکم صرف اس مال کے لئے ہے جو جنگ کے نتیجے میں خود بخود ہاتھ لگ جائے اور اس کی تقسیم بھی امیر کی مرضی پر موقوف ہے امیر چاہے تو سارے مال غنیمت کو بیت المال میں داخل کر کے مجاہدین کے وظائف مقرر کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح ایران کے بعد کیا۔ اگر مال غنیمت اور اسیران

جنگ کے بارے میں دنیا کی اقوام باہمی مشورے سے ایسا قانون بنائیں جس پر عمل کرنا سب
کے لئے ضروری ہو تو اسلام مسلمانوں کو ایسے بین الاقوامی معاہدات طے کرنے سے نہیں
روکتا۔ جس کا فائدہ متحارب فریقوں کو یکساں طور پر پہنچتا ہو۔ ایسے تبادل معاہدات کرنے میں
مسلمانوں کو کسی قسم کی دقت پیش نہیں آسکتی۔ البتہ جہاں اسیران جنگ کا تبادلہ ممکن نہ ہو وہاں
اسلام نے بحیثیت خود، دشمن کے ساتھ انسانیت کا سلوک کرنے کے لئے انہیں اجتماعی طور پر
یا انفرادی طور پر غلام بنا لینے کی اجازت دی ہے اور دنیا جانتی ہے کہ اسلام کے ہاں جس کیفیت
کو غلامی کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے وہ کس قدر رحیمانہ سلوک کی حامل ہے۔ دنیا کی "
مہذب ترین" قومیں عصر حاضر میں اسیران جنگ کو موت کے گھاٹ اتارنے یا انہیں بدترین
صورتوں میں غلام بنا کر رکھنے کی مرتکب ہو رہی ہیں اور بدنام اسلام کو کیا جا رہا ہے کہ اس نے
اسیران جنگ کو مخصوص حالات میں غلام بنا کر رکھنے کی اجازت دے دی۔ اس بات کو کوئی نہیں
دیکھتا کہ اسلام کے ہاں غلام کے حقوق کیا ہیں؟ اس کا درجہ کیا ہے؟ عصر حاضر کا دماغ اسیران
جنگ کے متعلق کوئی ایسا قاعدہ وضع نہیں کر سکا جو اسلام کے بتائے ہوئے قاعدے سے بہتر ہو
اور جس کی رو سے جنگی اسیر امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے کے قابل بن سکتا ہو۔

۹۔ اسلامی ریاست

ریاست و امر یعنی حکومتی نظام کے متعلق اسلام کے تصورات کیا ہیں؟ اس موضوع پر
فاضل جج صاحبان نے بعض گواہوں کے بیانات کی روشنی میں مسئلے کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی
ہے اور لکھا ہے کہ اسلامی ریاست و امر کے بارے میں علمائے کرام نے جو تصورات پیش کئے
ہیں وہ جمہوری ریاست کے ان تصورات سے بہت مختلف اور متصادم ہیں جو عصر حاضر کے
سیاسی فکر نے وضع کر رکھے ہیں۔ اس سلسلے میں فاضل جج صاحبان نے افکار کے اس الجھاؤ کا
بھی ذکر کیا ہے جو پاکستان کی اسلامی مملکت کا تصور پیدا کرنے والے زعمائے فکر و عمل کے
دماغوں میں پایا جاتا ہے اور لکھا ہے کہ قرارداد مقاصد جس پر پاکستان کے دستور اساسی کی بنیاد
رکھی گئی ہے۔ خود اسلامی ریاست کے اس تصور سے لگا نہیں کھاتی جو بعض علماء نے عدالت
کے سامنے پیش کیا۔ فاضل جج صاحبان نے اس بارے میں فکر و تخیل کے غیر واضح ہونے کے
متعلق جو تجزیہ کیا ہے۔ اس کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی سٹیٹ کی ہیئت ترکیبی
کے بارے میں افکار کا الجھاؤ ان متصادم و متخالف نظریات کا نتیجہ ہے جو دنیا میں آج سے نہیں
بلکہ بہت پہلے سے موجود ہیں اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ علمائے اسلام نے کسی دور میں
بھی سٹیٹ کے متعلق خالص اسلامی تصورات کو پوری طرح مدون کرنے کے لئے اس توجہ

تدقیق اور محنت سے کام نہیں لیا جس سے کہ انہوں نے فقہ' حدیث' اخلاقیات اور دیگر دینی اور دنیوی علوم کی تدوین کی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر دنیا کے کسی خطے میں اسلامی نظام سیاست قائم کیا گیا تو اس کے خدوخال ان نظام ہائے سیاسی سے مختلف ہوں گے جو جمہوری نظریات کے نام پر دنیا کے مختلف ملکوں میں قائم ہیں اور جو سرے کے اعتبار سے خود اپنے درمیان بہت کچھ مختلف انداز رکھتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان مفکرین تحقیق و تدقیق اور بحث و تمحیص سے کام لے کر اسلامی ریاست کا ایک جامع نظام نامہ مرتب کریں تاکہ افکار کے اس الجھاؤ کو دور کیا جا سکے جو اس سلسلے میں واقعی کے اندر پایا جاتا ہے۔

۷۔ لہو ولعب اور آرٹ

فاضل جج صاحبان نے بعض علماء سے فنون لطیفہ اور لہو و لعب سے متعلق بھی سوالات کئے اور ان کے جوابات کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے بعد مجسمہ سازی' مصوری' فوٹو گرافی' موسیقی' ناچ' مخلوط اداکاری' سینما' تھیٹر اور تاش شطرنج وغیرہ کو بند کرنا پڑے گا۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام مخرب اخلاق آرٹ اور تضیع اوقات کرنے والے کھیل تماشوں کی اجازت نہیں دیتا اور ایک معاشرہ جو اسلامی تصورات کو زندگی بسر کرنے کے لئے راہ عمل بنائے گا۔ ہر اس بات کو معیوب سمجھے گا' جو اسلام کے معیار اخلاق پر پوری نہیں اترتی۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ اسلام فنون لطیفہ اور ایجادات عصری کے صحیح استعمال کا بھی مخالف ہے۔ فنون لطیفہ اور ایجادات کے متعلق جواز و عدم جواز کا بنیادی معیار اسلام کے نزدیک یہ ہے کہ اگر وہ لہو و لعب کے لئے ہیں تو ان کا یہ استعمال ناجائز ہے اور اگر ضرورت و افادیت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو ان پر شرعی حیثیت سے کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ بنابریں اسلامی ریاست کو فنون لطیفہ اور کھیل تماشوں کے بارے میں امتناع و عدم امتناع کا فیصلہ ان کی افادی حیثیت کے پیش نظر کرنا پڑے گا۔ خواہ یہ بات تہذیب عصری کے دلدادگان کے طبائع پر گراں گذرے۔

۸۔ جمہوریت' قیادت اور نمائندہ حکومت

عدالت تحقیقات جو ان ذرائع کے کافی یا ناکافی ہونے کا جائزہ لیتا تھا جو حکومت پنجاب نے اسبابِ فسادات کو دبانے کے لئے اختیار کئے۔ اس سلسلے میں فاضل جج صاحبان نے جمہوریت' قیادت اور نمائندہ حکومت کے موضوعات پر بھی ضمناً تبصرہ کیا ہے اور لکھا ہے:۔

" فریق ہائے مقدمہ کے فاضل وکلاء نے ہمارے سامنے جمہوری اصولوں کی بنا پر اپیل کی

اور بڑی شد و مد کے ساتھ اس بات پر زور دیا کہ مطالبات حقہ تھے اور ایک جمہوری ملک میں جب کسی مطالبے کو اتنی طاقت ور اور ہمہ گیر تائید حاصل ہو تو حکومت اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے مجبور ہے۔ خواہ اسے منظور کرنے کے نتائج کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ ہمیں بتایا گیا کہ ہمارے سیاسی لیڈر جنہیں عوام اپنے ووٹ سے منتخب کرتے ہیں اقتدار کی گدیوں پر متمکن ہونے کی پوزیشن محض اس لئے پاتے ہیں کہ عوام انہیں اس جگہ پر بٹھاتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے ووٹروں کی خواہشات کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہیں۔ وزارت اور مسلم لیگ کی جانب سے بھی ہمارے سامنے اسی اصول کا اعادہ کیا گیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ نمائندہ طرز کی حکومت میں سیاسی لیڈر کو اسی صورت میں عوام کا نمائندہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جب کہ وہ عوام کے احساسات' معتقدات اور خواہشات کا احترام کرے اور انہیں جامہ عمل پہنائے۔ لیکن ایک ایسے ملک میں جس کے عوام کا حصہ غالب جاہل اور نہایت معمولی شرح فیصد تعلیم یافتہ اشخاص کی ہو اس موقف کا اعتراف اس اضطراب آفرین نتیجہ پر لے جائے گا کہ ہمارے لیڈر بلند خیالات کی طرف سے کورے رہتے ہوئے عوام کی جہالت و عصبیت کے چکر بنے رہیں جن ملکوں کے انتخاب کنندگان اپنے ووٹ کی قدر و قیمت سے واقف ہوں اور اپنے ہاں کے مخصوص مسائل اور دنیا کے عمومی واقعات و رجحانات کو سمجھنے کے لئے فہم و ذکاوت کا کافی سرمایہ رکھتے ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور قومی اہمیت کے جملہ امور پر صحیح فیصلہ کرنے کے لئے کافی حد تک ترقی یافتہ فکر کے مالک ہوں وہاں لیڈروں کو عوام کے فیصلے کے مطابق عمل کرنا چاہئے یا اقتدار کی کرسیوں کو چھوڑ دینا چاہئے لیکن ایک ایسے ملک میں جیسا کہ ہمارا ملک ہے ہم ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہو کر کہتے ہیں کہ لیڈروں کا حقیقی وظیفہ عوام کی راہنمائی کرنا ہے نہ کہ ہر بات میں ان کی خواہشات کے سامنے چلنا"۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۷۶' ۲۷۷)

انہی تفکرات کی بنا پر فاضل جج صاحبان نے اپنی رپورٹ کو حسب ذیل فقرہ پر ختم کیا ہے:۔

"بالآخر ایک شے جسے انسانی ضمیر کہا جاتا ہے۔ ہمیں یہ سوال کرنے پر مجبور کر رہی ہے کہ کیا ہمارے سیاسی ارتقا کی موجودہ حالت میں آئین و قانون کے انتظامی مسئلے کو اس کے جمہوری ہم بستر یعنی وزارتی حکومت سے الگ کیا جا سکتا ہے یا نہیں جس کے سینے پر سیاسیات کا کابوس سوار رہتا ہے اگر جمہوریت کے معنی یہ ہیں کہ قانون و آئین کو سیاسی اغراض کا تابع بنا دیا جائے تو واللہ اعلم بالصواب اور ہم اپنی رپورٹ کو ختم کرتے ہیں"۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۳۸۷)

عدالت کے یہ ریمارکس بہت غور طلب ہیں۔ حکومت خواہ کسی شکل کی ہو لیکن

جمہوریت کی نمائندہ حکومت ہو یا کسی مطلق العنان حکمران کی استبدادی حکومت یا غیر ملکی غلبہ و استعمار کی حکومت، اس کا اولین وظیفہ بلاشبہ ضبط و نظم اور امن و آئین کو قائم رکھنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر قسم کی حکومت کے فرائض میں یہ بات بھی داخل ہے کہ عوام کے مطالبے کی طرف مناسب توجہ دے۔ نمائندہ حکومتیں تو اس کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں البتہ استبدادی حکومتیں طاقت و قوت کے بل پر عوام کی خواہشات کو عارضی طور پر کچلنے اور دبائے رکھنے میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔ عدالت تحقیقات کی اس دریافت کے بعد کہ ہمارے عوام تعلیم یافتہ اور عصری افکار سے باخبر نہیں اس لئے یہاں نمائندہ جمہوری حکومتیں قانون و آئین کے احترام کو ملحوظ خاطر نہیں رکھ سکتیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ وظیفہ کس کے سپرد کیا جائے تاکہ عوام کو ایسے مطالبات وضع کرنے سے روکا جا سکے۔ جن پر ارباب حکومت کسی نہ کسی وجہ سے توجہ نہیں دے سکتے یا جن کو وہ اپنی سمجھ کے مطابق لغو اور بیہودہ یا ناقابل عمل خیال کرتے ہیں اور نہ اس بات کی جرأت رکھتے ہیں کہ عوام پر ان کی "لغویت" ظاہر کرنے کے لئے سامنے آ سکیں۔ انہی مطالبات کو لیجئے جو خود عدالت کی رائے میں مذہبی احساسات پر مبنی اور اس اشتعال انگیزی کا نتیجہ ہیں جو ایک قلیل التعداد مذہبی گروہ نے ملک کی ساری آبادی کے احساسات کے علی الرغم شد و مد کے ساتھ رکھی۔ ان مطالبات کو ارباب حکومت نے شروع ہی سے درخور اعتنا خیال نہ کیا اور سیاسی جماعتوں کے لیڈر جن میں مسلم لیگ کی باقتدار ہستیاں بھی شامل ہیں۔ ان کے بارے میں آج تک کوئی رائے قائم نہیں کر سکے۔ چہ جائیکہ وہ عوام کی رائے کو ہم نوا بنانے کے لئے مساعی ہوتے۔ کیا یہ کیفیت ان مطالبات کے وزن پر شاہد و دال نہیں؟ اور اگر ارباب حکومت و قیادت کی کم ہمتی، بزدلی اور بے بصیرتی کی وجہ سے عوام کا اضطراب ترقی پذیر ہو کر ایسی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ آئین و قانون کے مسائل کھڑے کر دے تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

۹۔ مغرب زدہ فکر کی خوف زدگی

اس رپورٹ میں منجملہ دیگر امور کے یہ بات نہایت واضح طور پر اور عام اشجار کے مقابلے میں شمشاد و صنوبر کی بلند قامتی کے ساتھ نمایاں طور پر ظاہر ہو رہی ہے کہ ہمارے ملک کا وہ طبقہ جو برسر اقتدار ہے اور جس کے اذہان نے مغربی افکار اور صرف مغربی افکار کی گود میں پرورش پائی ہے۔ بے طرح ذہنی غلامی کا شکار ہو رہا ہے اور اپنے ہاں کی ہر چیز کو حتیٰ کہ دینی معتقدات و شعائر کو بھی قدروں کے اسی معیار پر پرکھنے کا عادی ہے جو اہل مغرب کے فکر نے عصر حاضر میں مقرر کر لیا ہے اور جس میں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

دوسری جانب ہمارا وہ طبقہ جس نے علوم دینیہ کے مطالعہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ عصری افکار سے ناآشنا ہونے کے باعث اسلام کی تعلیمات کو ایسے انداز میں پیش کرنے سے قاصر ہے جو عصر حاضر کے دماغوں کے لئے قابل فہم ہو۔ رپورٹ میں جا بجا اس امر کے اعترافات و اظہارات موجود ہیں کہ ہمارے ارباب اقتدار کو جن تحفظات و متصورات نے عامۃ المسلمین کے سہ گانہ مطالبات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے سے روکے رکھا، وہ یہی تھے کہ باہر کی دنیا ہمیں کیا کہے گی؟ چنانچہ فاضل جج صاحبان لکھتے ہیں:۔

"بلاشبہ وہ (خواجہ ناظم الدین) مطالبات کو منظور کر سکتے تھے یا ذاتی طور پر وعدہ کر سکتے تھے کہ وہ مطالبات کی حمایت کریں گے۔ اس صورت میں کوئی گڑبڑ نہ ہوتی اور اگر کچھ ہوتی تو شاید اس وقت جب کہ یہ معاملہ دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش ہوتا۔ احمدی ایک قلیل التعداد قوم ہیں وہ غالباً مزاحمت نہ کر سکتے اور بدامنی پھیلانے کے قابل نہ ہوتے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں کے الگ کئے جانے پر بین الاقوامی حلقوں میں کچھ چہ میگوئیاں ہوتیں لیکن پاکستان کی آبادی (خواجہ صاحب کے) اس اقدام پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کرتی۔ پھر خواجہ ناظم الدین نے یہ پیش پا افتادہ اقدام کیوں نہ کیا؟ صرف اس لئے نہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا اعلان دوسرے اسلامی ملکوں میں موثر نہ ہوتا بلکہ انہوں نے ان دور رس نتائج کے خوف سے ایسا نہ کیا۔ جن کا ذکر اس رپورٹ کے دوسرے مقام پر کر دیا گیا ہے۔ اگر مطالبات منظور کر لئے جاتے تو پاکستان کو بین الاقوامی سوسائٹی سے خارج کر دیا جاتا۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۸۲)

وہ (خواجہ ناظم الدین) مطالبات کو منظور نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ایسا کرنا پاکستان کو مضحکہ خیز پوزیشن میں ڈال دیتا اور بین الاقوامی دنیا کی آنکھیں کھل جاتیں کہ حریت، مساوات اور جمہوری ریاست ہونے کے بارے میں پاکستان کے دعاوی کی حقیقت کیا ہے؟ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۴۳، ۲۴۵)

فاضل جج صاحبان نے خواجہ ناظم الدین کے طرز العمل کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ انہیں یہ فکر تھی کہ:۔

"چوہدری ظفر اللہ خاں بین الاقوامی دنیا میں بہت شہرت رکھتے ہیں اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کی برطرفی کی خبر بڑے وسیع پیمانے پر نشر ہوگی اور بین الاقوامی تنقیدات کا مورد بنے گی۔ اس برطرفی کی کوئی ایسی تشریح جو بین الاقوامی ضمیر کو مطمئن کر سکے تلاش کرنا مشکل ہوگا ...... لہٰذا مطالبات کی منظوری بین الاقوامی حلقوں میں چہ میگوئیوں کے دروازے کھول دیتی اور بین الاقوامی دنیا کی توجہ نفیاً یا اثباتاً پاکستان کے واقعات کی رفتار کی

طرف جاذب ہونے لگتی۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۳۳)

ف تجدید اسلام اور احیائے دین

اور ان مذکورات کی بنا پر فاضل جج صاحبان نے یہ نتیجہ اخذ کیا

"(بحالات موجودہ) اسلام کو عالمگیر تخیل کی حیثیت سے محفوظ رکھنے کی اور مسلمان کو اس دقیانوسی ناموزونیت سے نکال کر جس میں وہ جکڑا ہے' عالم حاضرو دنیائے مستقبل کا شہری بنانے کی صورت یہ ہے کہ جرأت سے کام لیتے ہوئے اسلام کی تجدید کر کے اس کی زندہ و فعال خصوصیات کو بے جان خصوصیات سے الگ کر دیا جائے۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۳۲)

یہ ہے مغرب زدہ طبقہ کی پکار جو مغرب کے افکار' اہل مغرب کی معاشرت اور ان کے طرز بودوباش سے اس حد تک مسحور ہو چکا ہے کہ زندگی کے متعلق اسلام کے تصورات کی عظمت و ماہیت کا اخذ کرنا بھی اس کے دماغ کے لئے بڑا مشکل اور کٹھن کام بن رہا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ سیاسیات و معاشرت میں بین الاقوامی فکر ابھی ارتقائی منازل طے کر رہا ہے اور ان تلخ تجربوں کی روشنی میں جو نوع انسان کو ہر شعبہ حیات میں آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ کسی مستقل اور پائیدار حل کو تلاش کرنے میں سرگرداں ہے جبکہ اسلام اب سے کوئی چودہ سو سال پہلے ان جملہ مشکلات کا حل نوع انسان کے سامنے پیش کر چکا ہے اگر نوع انسان کا فکر اس چراغ روشنی سے استفادہ کرتے ہوئے جو اسلام نے روشن کر رکھا ہے۔ راستہ تلاش کرے تو انسانیت صراط مستقیم پر سرعت رفتار کے ساتھ گامزن ہو سکتی ہے اور ان منازل مقصود تک جلد پہنچ سکتی ہے جن تک پہنچنے کے لئے اس کے شعوری و لاشعوری تقاضے اسے بے قرار رکھتے ہیں نوع انسان کو یہ روشنی دینا اور یہ صراط مستقیم دکھانا مسلمانوں کا وظیفہ حیات ہے۔ لیکن مسلمانوں کی فکری اور عملی صلاحیتیں چند سو سال سے مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے اور اقوام عالم کے سامنے ان مسائل کا صحیح حل پیش کرنے کے لئے اسلام کی تعلیمات یعنی قرآن و سنت سے راہنمائی حاصل کرنے کی سعی کی جائے اور اس بارہ میں پوری تحقیق اور کاوش سے کام لیا جائے۔ تجدید اسلام یا احیائے دین اس سعی و کوشش کا نام ہے اور یہ سعی و کوشش ایسے ادوار میں ضروری ہو جاتی ہے جب مسلمانوں میں بیرونی اثرات کی وجہ سے فکر و عمل کی گمراہیاں ترقی پذیر ہو جاتی ہے۔ اگر تجدید اسلام کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر یا تاویلات و تحریفات کے ذریعہ عصری افکار کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے تو یہ تجدید اسلام کی نہیں بلکہ تخریب اسلام کی کوشش ہوگی اس قسم کی سعی بے وقت اور طاقت ضائع کرنے سے کہیں بدتر ہے کہ مغرب زدہ

لوگ اسلام کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور سیاسی' معاشرتی' معاشی اور قانونی امور میں عصر حاضر کے ترکوں کی طرح افکار مغرب کا پورا تتبع کرتے ہوئے پاکستان کو ایسی مملکت بنالیں جسے عصر حاضر کی اصطلاح میں متحد' ترقی' متمدن اور جمہوری کہا جاتا ہے اور اجتماعی اور انفرادی زندگی کے تصورات کے اسی میدان میں ناپنے اور دوڑنے لگیں جس میں کہ اقوام مغرب دوڑیں لگا رہی ہیں اور صحیح تجدید اسلام اور احیائے دین کا کام کسی اور قوم کے لئے یا آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ رہنے دیں۔ جس کار عظیم سے عہدہ برآ ہونے کے ہم اہل نہیں' اسے کرنے کی حامی بھرنے یا اس پر ہاتھ ڈالنے سے یہی بہتر ہے کہ ہم اس کا خیال ہی ترک کردیں۔ لیکن ایسا کرنے کے باوجود مسائل بدستور حل طلب رہیں گے جن کو حل کرنے سے گریز کی راہ اختیار کر کے ہمارے ارباب سیاست و قیادت نے ملک کو ▬▬ کے فسادات سے دوچار کر دکھایا جب تک ہم اس ذہنیت کے ساتھ چلنے پر مجبور ہیں کہ اگر ہم یہ کام کیا یا وہ کام کیا تو دنیا ہمیں کیا کہے گی ؟ اس وقت تک ہم اپنے داخلی اور خارجی امور کو اپنے حسب منشا اور اپنے لوگوں کے آرام و آسائش کے لئے سرانجام نہیں دے سکیں گے۔ اس مفروضہ یعنی "دنیا ہمیں کیا کہے گی" کے مفروضہ کے ماتحت عدالت تحقیقات کے فاضل جج صاحبان نے مغرب زدہ طبقہ کی جن دماغی الجھنوں کا اور جن مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ ان پر اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا جائے اور ان کے حل کی مناسب تدابیر اپنے لوگوں کے محسوسات کے پیش نظر سوچی جائیں تو یہ عقدے اتنے لاینحل نہیں جس قدر کہ سمجھے جارہے ہیں۔ مصیبت صرف یہ ہے کہ ہمارے ارباب حل و عقد کی فکری صلاحیتیں محض اس خوف سے کہ "دنیا ہمیں کیا کہے گی ؟" شل ہو کر رہ جاتی ہیں اور ان کیفیات و مسائل کو حل کرنے سے جو ملک کے اندر رونما ہوتے ہیں' گریز کی راہ اختیار کر لیتی ہیں اور یہ بات عدالت تحقیقات کے سامنے اظہر من الشمس اور ابین من الامس ہو کر ظاہر ہو چکی ہے۔ ہمارے ارباب قیادت نے متفق اللسان ہو کر یہ کہا کہ ہمارے دماغوں نے ابھی تک مطالبات کے حسن و قبح یا ان کی صحت و عدم صحت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ایسی حالت میں وہ عوام کی راہنمائی کیا کریں گے۔

۱۔ ارباب سیاست و قیادت کی کوتاہیاں

بہرکیف جہاں تک مطالبات کا تعلق ہے۔ تحقیقات نے یہ بات ایک دفعہ پھر ثبت کردی ہے کہ عوامی مطالبہ کی طرف سے ارباب سیاست و قیادت کا آنکھیں موند لینا ہمیشہ ناگوار کیفیات پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ ان کو دیکھنا چاہئے کہ اگر عوامی مطالبات میں وزن ہے اور وہ معقولیت پر مبنی ہیں تو انہیں کسی اندرونی یا بیرونی خوف سے متاثر ہوئے بغیر عوام کو ان

مطالبات کے بارے میں مطلق کرنے کی تدابیر اختیار کرنے میں تامل سے کام نہ لینا چاہئے اور اگر مطالبات لغو اور بیہودہ ہوں جیسا کہ بعض پولیس افسروں نے سیاسیین کا لبادہ پہن کر اپنی رپورٹوں میں مجلس عمل کے مطالبات کو قرار دینا شروع کر دیا۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۴۳۲، ۴۸۲) تو ارباب سیاست کا وظیفہ ہے کہ وہ عوام پر ان کے مطالبات کی لغویت واضح کرنے کے لئے آگے بڑھیں اور اپنے ہم خیالوں کی جمعیت کو تقویت دیں فاضل جج صاحبان نے بھی اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ہمارے عوام اتنے بیہودہ نہیں کہ وہ معقول بات پر کان نہ دھریں اور اگر ان کو سمجھایا جائے تو نہ سمجھیں۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۷۵)

ظاہر ہے کہ اگر مدعیان قیادت یہ طرز عمل اختیار کرتے تو مطالبات کی منظوری و نامنظوری کا معاملہ جمہوری سیاسی اختلاف کی نوعیت اختیار کر لیتا اور ان معاملات کو طے کرنے کی آئینی اور جمہوری صورتیں پیدا ہو جاتیں۔ مطالبات کے حامیوں کو ڈائرکٹ ایکشن کی راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی، جس کو عدالت نے منجملہ اسباب و فسادات کے ایک سبب قرار دیا ہے۔

۱۲۔ علمائے دین

طبقہ علمائے دین کے بارے میں عدالت نے اس رائے کا اظہار کیا ہے؟

"علماء فاضل طبقہ کے لوگ ہیں۔ لہذا جملہ پرستاران علم کی طرح واجب الاحترام ہیں لیکن ان فاضلین کی طرح جو اپنی قوتوں کو کسی خاص موضوع کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ ان کے اذہان کا ارتقا ایک ہی راستے پر ہوا ہے اور ایک راہ ذہن خطرناک امکانات کا حامل ہوتا ہے تاہم آپ متخصصین کے بغیر گزارا بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کے لئے ایک عمومی پیشہ ور یعنی ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ان تمام مضامین پر جو کسی شخص کے مخصوص دائرہ علم و فکر سے تعلق رکھتے ہیں حاوی ہو، اپنے مضمون اور دیگر مضامین کے متعلق متخصص کے زاویہ نگاہ کا تنگ ہونا ایک لازمی امر ہے۔ ہم "ملائیت" اور "مذہبی دیوانگی" ایسی ارزاں اور عمومی اصطلاحات کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ ایک عام گریجویٹ جو اپنے مضامین کے سطحی علم سے زیادہ اور کچھ مبلغ علم نہیں رکھتا۔ ایسے جملوں کے استعمال میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ گویا کہ وہ برتر شخصیت کا مالک ہے۔ کیا اسی طرح آپ ایک ماہر علم النباتات کو نباتات کا ایک ماہر علاج امراض پا کر معالجہ کا طعنہ دے سکتے ہیں۔ اس لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ علما کا زاویہ نگاہ اس لئے تنگ ہے کہ وہ علما ہیں۔ وہ اس لئے تنگ ہے کہ علما زندگی کے ایک ہی شعبہ کے متخصص ہیں۔ (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۹۸، ۲۹۹)

علمائے دین پر مخالف فریق کی طرف سے ان کے تشدد پسند ہونے کے بارے جو اعتراضات وارد کئے گئے ان کا ذکر کرتے ہوئے فاضل جج صاحبان نے لکھا ہے۔

"یہ دلیل کہ وزیراعظم نے علما سے تصادم ہونے کی جو مخالفت کر رکھی تھی' وہ صوبائی وزرا میں ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کرنے پر منتج ہوئی۔ اس مفروضہ کی حامل ہے کہ علما شورش اور بدزبان مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ہیں جو تشدد کی تلقین کرتے ہیں اور خون کے نظاروں سے خوش ہوتے ہیں۔ علماء کو مذہبی دیوانے پکارا جائے تو غالباً انہیں اس سے انکار نہ ہو گا۔ لیکن ان میں سے ایک بھی ہمارے سامنے اس امر کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ وہ تشدد کی مذمت نہیں کرتا۔ مولانا میکش نے جنہوں نے علماء کے مقدمہ کی وکالت نمایاں سرگرمیوں کے ساتھ کی احمدیوں کے خلاف دیوانہ وار جوش کا حامل ہونے کے باوجود چھوٹے چھوٹے لیڈروں کی بدزبانی اور تیز کلامی کی مذمت کی۔ ایسی تیز کلامیوں کے مرتکب جو حوالہ جات میں پائے جائیں سید عطاء اللہ شاہ بخاری ' مولوی محمد علی جالندھری' سید مظفر علی شاہ شمسی' ماسٹر تاج الدین انصاری' اور چند دیگر اشخاص ہیں اس سلسلہ میں مولانا اختر علی خاں کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے' لیکن یہ حضرات علم دین کی گہرائیوں سے آگاہ ہونے کے مدعی بھی نہیں اور نہ اپنے آپ کو علما کی جماعت میں سے خیال کرتے ہیں۔" (رپورٹ انگریزی صفحہ ۲۹۷)

خاتمہ کلام

فاضل جج صاحبان نے ان اہم کوائف و مسائل کو بے نقاب کرنے میں جو ہمارے ملک کو درپیش ہیں۔ پاکستانی معاشرے کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے اب پاکستانی معاشرے کے مختلف عناصر کا کام یہ ہے کہ عدالت تحقیقات کی اس رپورٹ کے آئینے میں اپنے اپنے چہرے دیکھیں اور ایسا طرز عمل اختیار کریں جو ملک میں امن و سکون کی فضا کو تقویت دینے کا موجب ہو۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

احقر العباد: مرتضیٰ احمد خاں میکش درانی

(۲۱ اگست ۱۹۵۳ء)

مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ کا تحقیقاتی عدالت میں تحریری بیان

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی تحقیقاتی عدالت میں مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے تحریری بیان داخل کرایا اور جس میں مجلس احرار اسلام کے موقف کو بیان کیا۔ مرزائیت سے متعلق ایسے لطیف پیرایہ میں نکات اٹھائے گئے ہیں کہ پڑھ کر قلب و روح کو تسکین ملتی ہے' مرزائیت کا مذہبی و سیاسی تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس بیان کا ایک ایک حرف آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ یہ بیان مولانا غلام محمد علی پوری سابق مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے کتب خانہ میں تھا۔ جو آپ کے عزیز اور جماعت کے سرگرم ساتھی مولانا منظور احمد الحسینی مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے توسط سے حاصل ہوا۔ بیان کی اہمیت کے پیش نظر اسے مکمل طور پر اس کتاب کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔

اللہ رب العزت کے فضل و احسان سے اس کتاب کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ بیان پہلی بار شائع ہو رہا ہے (مرتب)

اسلام اور عیسویت

اسلام کے سوا جتنے مذاہب ہیں وہ ادیان باطلہ ہیں ان کے پیروؤں کو اختیار ہے کہ اپنے مذہب کو پرائیویٹ اور مخصوص معاملہ کہیں۔ خاص کر آج کل کے اہل مغرب کا مذہب عیسویت' جس کو اس کے پیروؤں نے ملکی سیاسیات اور قومی معاملات سے باہر نکال پھینک دیا ہے۔ پھر تحریف شدہ عیسویت کہ جس میں دو چار حواریوں کے نقل کردہ چند مواعظ اور حکایات کے سوا کوئی ایسی تعلیم ہی نہیں جو تمدن و سیاست ملکی اور دوسرے شعبہ جات زندگی پر حاوی ہو۔ ایسے مذہب کے نام سے پوپ کی حکومت واقعی نہ حکومت کہلانے کی مستحق تھی نہ ترقی کی ضامن۔

برخلاف اس کے کہ اسلام تمام آسمانی مذاہب کا نچوڑ' اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت اور ساری دنیا کے لئے رب العلمین کا جامع و مانع اور کامل و مکمل دستور حیات ہے۔ جو تمام شعبہ جات زندگی کے لئے بہترین اصول اور تمام ضروریات انسانی پر حاوی قوانین کا مجموعہ ہے - اسلام کے عقائد حقہ' اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ سے فلاح دارین وابستہ ہے۔ جو دین اسلام کو چھوڑ کر کہیں بھی میسر نہیں آ سکتی۔

ان الدین عند اللہ الاسلام و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ

اس کے حامل نے خیرالقرون میں انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے اس پر عمل کر کے نمونہ بتایا اور خلفاء راشدین نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام ہی انسانی اخوت کا حامل اور عادلانہ نظام کی اہلیت رکھتا ہے۔

انسانی راہنمائی کی تکمیل

اسلام انسانی راہنمائی کا معراج کمال ہے۔ راہنمائی کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر انسانیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے کرتے اور ہزاروں پیغمبروں کے زمانہ میں اصلی دین و عقائد کے بقاء اور امکنہ و ازمنہ کے احوال و ضروریات کے مطابق فروعی احکام شریعت کی تبدیلی کے بعد یہاں تک پہنچا۔

ہر ابتداء کی انتہا ہوتی ہے۔ جب انسانیت بلوغ کو پہنچی۔ زمین کے اکثر حصص آباد ہونے لگے' خبر رسانی نقل و حمل اور آمدورفت کے ذرائع میں توسیع ہو گئی۔ عقل انسانی میں پختگی کے آثار دکھنے لگے۔ اور روحانی قوی و ارواح میں زیادہ سے زیادہ فیضان لینے اور دینے کی استعداد پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے بھی جس کی رحیمانہ و کریمانہ دست گیری کے

بغیر انسان دنیوی نظام کی بہتر تشکیل اور حیات جاودانی کی شاہراہ کا صحیح یقین نہیں کر سکتا تھا۔ ارسال رسل' انزال کتب اور وحی کا وہ سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کر رکھا تھا۔ آخری اور بہترین صورت میں بھیج کر راہنمائی کی تشکیل فرما دی۔

امام الانبیاء کی آمد

اعلان کر دیا گیا کہ وہ امام الانبیاء آ گیا جس پر ایمان لانے اور جس کی مدد کرنے کا عہد تمام انبیاء سے لیا گیا ہے۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول

ثم کے لفظ نے بتایا کہ اس امام الانبیاء کو سب نبیوں کے بعد آنا تھا۔ چنانچہ اس کی تصریح فرما دی گئی

خاتم النبیین کا اعزاز

ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین

کہ آپ نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں یا آپ کی تشریف آوری نے اب نبیوں پر مہر لگا دی اور کسی نبی کا اس مدت میں داخلہ اور اضافہ بند ہو گیا۔ کیونکہ مقصد کی تکمیل ہو گئی۔

تکمیل دین کا اعلان

اور فیصلہ ہو گیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی

کہ آج سے تمہارا دین ہم نے مکمل کر دیا اور نعمت تم پر مکمل کر دی۔

اہل عالم کو دعوت

اور حکم ہوا کہ تمام بنی نوع انسان کو بتا دو کہ میں تم سب کے لئے آیا ہوں۔

انی رسول اللہ الیکم جمیعا

اے لوگوں میں تم سب کی طرف مبعوث ہوا کسی خاص قوم و ملک کے لئے نہیں جیسے پہلے پیغمبر ہوتے تھے۔ بلکہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تاکیدی الفاظ کے ساتھ اعلان فرما دیا

انا ارسلناک کافۃ للناس بشیرا و نذیرا

کہ ہم نے یقینی طور پر آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

خدائے برتر کی محبت کی صرف ایک صورت

پھر آپ کو حکم ہوا کہ اعلان کر دو کہ اب خدا تک پہنچنے کے لئے اور کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ میرا اتباع کرو۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

اگر تم خدا کی محبت چاہتے ہو تو میرے پیچھے چلو۔ خدا کے محبوب ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت' آپ کے اتباع میں منحصر کر دی کیونکہ اب کسی اور کو نہ آنا تھا نہ ضرورت تھی۔

اس طرح کی سو(۱۰۰) آیتوں کا ذکر فرما دیا گیا جس کی تفصیل حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی کتاب ختم النبوۃ فی القرآن میں موجود ہے۔

قرآن کی تفسیر رسولؐ کی زبانی

قرآن کی ان آیات کی وضاحت آنحضرتؐ کی دو سو حدیثوں سے ہوئی ہے جن کو مفتی محمد شفیع صاحب نے ختم النبوۃ فی الحدیث میں جمع کیا ہے۔

یہاں چند درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ پہلی حدیث = آپؐ حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں کہ تمہاری نسبت مجھ سے ایسی ہی ہے جیسے ہارون کی موسیٰ سے تھی لیکن اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

۲۔ دوسری حدیث = اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے۔

۳۔ تیسری حدیث = بنی اسرائیل کا انتظام ان کے نبی کرتے تھے ایک فوت ہوا اور دوسرا آ گیا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے۔

۴۔ چوتھی حدیث = یہ کہ میری اور اگلے انبیاء کی مثال ایک مکان کی ہے جو مکمل ہو گیا ہے صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی وہ آخری اینٹ میں ہوں (کسی اور اینٹ کی تو اب جگہ نہیں خدا جانے مرزا کو کہاں دھرا جائے گا۔ ممکن ہے مکان میں پاخانے کی ضرورت ہو)

۵۔ پانچویں حدیث میں اپنی خصوصیات بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہے و ختم بی النبیون کہ میرے ساتھ انبیاء ختم کر دیئے گئے۔

۶۔ چھٹی حدیث = فلد انقطعت النبوۃ و الرسالۃ فلا نبی بعدی و لا رسول
کہ نبوت اور رسالت بس ہو گئی اب میرے بعد نہ کسی کو نبی بننا ہے نہ رسول۔
۷۔ ساتویں حدیث= سیکون فی امتی ثلثون کذابون دجالون کلھم یزعم انہ نبی اللہ وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔

اس حدیث نے تو بعد کے مدعیان نبوت کی جڑ کاٹ کے رکھدی۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ دیکھنا میری ہی امت میں تیس دجال و کذاب پیدا ہوں گے۔ ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ آپؐ نے معجزانہ طور پر ارشاد فرمایا کہ یہ تیس دجال خود میری امت میں سے ہوں گے۔ اپنے کو امتی بھی کہیں گے۔ ان کی نشانی یہ ہو گی کہ وہ نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ گویا امتی نبی ہونے کا دعویٰ کرنے والا دجال ہے (جیسا کہ مرزا قادیانی کرتا ہے) اس حدیث کو مرزا نے تسلیم کیا ہے۔

اس میں آپؐ نے خاتم النبیین کا معنی خود ہی لا نبی بعد کر دیا۔ جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ میرے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آ سکتا۔ (ظلی نہ بروزی۔ تشریعی نہ مجازی۔ امتی نہ تابعی نبی۔

صحابہؓ اور تابعین کا فیصلہ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے ختم النبوۃ فی الآثار میں سینکڑوں صحابہؓ کرام وغیرھم سے روایتیں نقل کر کے جمع فرمائی ہیں۔

امت کا عمل

اور تمام امت محمدیہؐ کا عمل بھی یہی رہا۔ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسود عنسی نے کیا تھا۔ نہ آنحضرتؐ نے ضرورت سمجھی نہ صحابہؓ نے کہا کہ ان سے پوچھیں کہ کیسی نبوت کا دعویٰ ہے حالانکہ مسیلمہ کذاب آنحضرتؐ کو نبی مانتا اور صوم و صلوۃ کا پابند تھا پھر وقت اتنا نازک تھا کہ آنحضرتؐ کی تازہ وفات ہوئی تھی۔ روم و ایران کی بڑی بڑی سلطنتوں سے سخت خطرات تھے۔ اندرونی بغاوتوں اور منکرین زکوۃ سے نپٹ کر تمام دنیا میں اشاعت اسلام اور دعوت حق کا فریضہ انجام دینا تھا پھر مسیلمہ کذاب کے ساتھ چالیس ہزار فوج تھی جس سے عربوں میں بے پناہ خانہ جنگی ہونے والی تھی۔

لیکن صدیق اکبرؓ اور صحابہ کرامؓ نے کسی مصلحت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس سے

جہار کیا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد کسی کو دعویٰ نبوت کی جرات نہیں ہوئی اور کسی نے کسی زمانہ میں ایسا کیا۔ تو کسی مسلمان حکومت نے نبی کے اقسام میں بحث نہیں کی۔ اور نہ اس کو برداشت کیا۔ تمام امت کا یہ متفقہ عقیدہ رہا۔ اسی پر تمام علماء امت اور مفسرین کا اجماع ہے۔ حتیٰ کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی جب تک کہ اس کو نبوت کا شوق نہیں چرایا تھا نبوت کے دعویٰ کو کفر کہا ہے کہ ایک آدمی جو عرصہ سے الہام و وحی کا مدعی ہے وہ عقائد میں بھی تبدیلی کرتا ہے اور باوجود وحی الہام کی بارش کے وہ نبوت کو ختم مانتا ہے اور جب ذرا فضا سازگار ہو جاتی ہے یکدم وہ اجراء نبوت کا قائل اور خود نبی بن بیٹھتا ہے۔

نبی کا مفہوم

نبی کا معنی عام طور پر صرف یہ ہے کہ وہ ایسا برگزیدہ انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے نامزد اور وحی کے ذریعہ مقرر اور مامور کرتا ہے۔ نبی اور رسول میں بھی فرق ہے اور خود قرآن نے بتایا ہے کہ

وما ارسلنا من نبی ولا رسول انا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ

یہاں صفائی سے نبی اور رسول ہونے بتائے گئے ہیں۔ رسول صاحب شریعت و کتاب ہوتا ہے لیکن نبی عام ہے چاہے صاحب شریعت و کتاب ہو یا پہلی ہی شریعت کا تابع ہو۔ نبی عام ہے اور رسول خاص' بہرحال دونوں کو وحی کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت کے لئے مامور کیا جاتا ہے۔

وحی کا مفہوم

وحی کا عام معنی الہام کو بھی شامل ہے۔ لیکن اصطلاح میں اب وحی' وحی نبوت ہی کو کہتے ہیں۔ بہرحال الہام دل میں ایک بات ڈال دینے کا نام ہے۔ جیسے سب کے دل میں باتیں آتی ہیں۔ البتہ الہام جو من جانب اللہ ہو وہ صداقت اور قوت رکھتا ہے اور جتنی باطنی صفائی زیادہ ہو الہام زیادہ ہو سکتا ہے لیکن ہر شکل یہ ایسا قطعی نہیں ہوتا جو دوسروں پر حجت ہو سکے۔ اور اگر وہ شریعت کے خلاف ہے تو شیطانی سمجھا جائے گا۔ لیکن پیغمبر پر جو وحی نازل ہوتی ہے وہ شک و شبہ سے بالاتر ہوتی ہے۔ وہ خود حضرت جبرائیل علیہ السلام لاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قل من کان عدوا لجبرائیل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ

کہ جبرائیل نے یہ قرآن آپ کے قلب پر اللہ ہی کے حکم سے نازل کیا ہے (تو جبرائیل کی مخالفت کرنی اللہ کی مخالفت ہے (پارہ الم)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے

قل نزله روح القدس من ربک بالحق

کہہ دیجئے کہ اس کو روح القدس نے نازل کیا (سورہ نحل) تیسری جگہ ارشاد ہے

نزل به الروح الامین علی قلبک (سورہ شعراء) کہ اس کو روح الامین نے آپ کے قلب پر اتارا ہے بہرحال قرآن پاک نے روح القدس ' روح الامین اور جبرائیل تین ناموں سے جبرائیل کا ذکر فرمایا ہے یہ قطعاً غلط ہے کہ پیغمبر کے پاس خود جبرائیل نہیں آتے۔ یہ قرآن پاک کی تردید ہے۔ غار حرا میں جبرائیل پہلی بار اصلی صورت میں تشریف لائے۔

اور قرآن میں ذکر ہے ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ کہ اسے آپ نے دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ بہرحال حدیثوں میں ہے کہ کبھی جبرائیل آپ کے پاس ایک صحابی دحیہ کلبی کی شکل میں آ جاتے تھے۔ اور بخاری شریف میں ہے کہ اکثر صلصلۃ الجرس (گھنٹی کی آواز میں) پر آتی تھی یہ سخت ہوتی تھی۔ آپ پر پسینہ آ جاتا۔ از خود رفتہ جیسے ہو جاتے۔ گویا کبھی جبرائیل علیہ السلام ملکیت سے انسیت کے جامے میں جاتے اور کبھی آنحضرتؐ بشریت سے ملکیت کی طرف کچھ قریب کر لئے جاتے۔ بہرحال جبرائیل علیہ السلام کو روح الامین کہا ہے۔

یہ وحی نبوت کسی محدث یا مجدد یا ولی پر نازل نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک نے صاف صاف ارشاد کیا ہے **فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول** کہ اللہ اپنے غیب پر پورا دسترس کسی کو نہیں دیتا سوائے رسول کے۔ یہاں غیب سے مراد وحی قطعی کا غیب ہے مرزا محمود رسول اور نبی کا معنی ایک بتاتا ہے۔

پھر یہاں تو غیر نبی کو اس بھید پر دسترس نہیں دی جا سکتی۔ خدا جانے اس نے وحی کو اتنا سستا کیوں کر دیا ہے۔ قرآن میں ہے **ان الشیطین لیوحون الی اولیاءھم** کہ شیطان اپنے دوستوں کے پاس وحی کیا کرتے ہیں یہ وحی شیطانی الہام ہیں۔

وحی ختم ہے

جیسے نبوت ختم ہے اسی طرح وحی نبوت ختم ہے۔ تمام امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو شخص نبوت یا وحی کا دعویٰ کرے وہ واجب القتل ہے۔

آخری زمانہ میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے وہ پہلے کے نبی ہوں گے ان کی وجہ سے فہرست انبیاء میں اضافہ نہ ہو گا نہ کسی کو نبوت ملے گی۔ وہ تو پہلے اور گزرے ہوئے پیغمبر آ جائیں۔ جیسے معراج کی حدیثوں میں ہے کہ آنحضرتؐ نے مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کو امامت کرائی وہ قرآن پاک کو خود سمجھ لیں گے وہ نفخ جبریل سے پیدا ہوئے ہیں۔ بچپن میں باتیں فرمائیں۔ پیغمبرانہ صفات' علم و روحانیت اور الہام سب ہو گا وحی نبوت بذریعہ جبرائیل نہ ہو گی۔

بہرحال نبوت اور وحی نبوت اب بند ہے۔ مرزائی یہ دروازہ صرف مرزا کی خاطر کھولنا چاہتے ہیں ورنہ ۱۳ سو سال میں وہ بھی کسی اور نبی کو نہیں مانتے اور بعد کے لئے صرف لفظی فریب کرتے ہیں ورنہ درحقیقت مرزا نے اپنے کو آخری زمانہ کا مسیح قرار دیا ہے اور حقیقۃ الوحی میں نبی کے نام کے لئے اپنے کو مخصوص بتایا ہے۔

وحی نبوت کے معانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی آتی اس کو یاد کرنے کے لئے جلدی فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ لا تحرک به لسانک لتعجل به "جلدی نہ کریں" ان علینا جمعه و قرآنه' کیونکہ آپ کے سینہ میں اس کا جمع کر دینا اور اس کی پڑھائی ہمارے ذمہ ہے۔ فاذا قرآنه فاتبع قرآنه' تو جب ہم پڑھ لیں تب آپ پڑھا کریں ثم ان علینا بیانه۔ پھر اس قرآن کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کے کلمات اور معانی دونوں من جانب اللہ ہوتے تھے وحی کے معانی بھی جبرائیل علیہ السلام بتا دیتے تھے۔

قرآن نظم و معنی کے مجموعے کا نام ہے

اسی لئے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن صرف کلمات کا نام نہیں نہ صرف معانی کا بلکہ الفاظ اور معانی کے مجموعے کا نام قرآن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل سے قرآن اخذ فرما کر صحابہ کو سنا اور پڑھا دیتے تھے۔

یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة۔

یہ رسولؐ صحابہؓ کو آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ پھر ان کا تزکیہ فرماتے ہیں۔ انہیں کتاب (قرآن) سکھاتے ہیں اور حکمت۔ بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے قرآن پاک کے الفاظ جبرائیل" سے اخذ کر کے صحابہ کو سنا دیتے اسی طرح وہ معانی بھی جو جبرائیل" بیان فرما

دیتے وہ بھی صحابہؓ کو بتا دیتے۔

صحابہ کرامؓ کی تفسیر

اسی لئے قرآن پاک کے وہی معانی صحیح سمجھے جا سکتے ہیں جو آنحضرت ؐ یا آپ کے صحابہؓ سے منقول ہوں۔ ان معانی کے مقابلہ میں کوئی دوسرا معنی کرنا قطعاً غلط ہوگا وہ معانی ایسے گول مول نہ ہوتے تھے کہ ان کا مفہوم تیرہ سو سال بعد جا کر کہیں سمجھا جا سکے

قرآن پاک کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے چونکہ یہ دین و شریعت قیامت تک کے لئے تجویز فرمائی تھی اس لئے قرآن کی حفاظت کا انتظام بھی فرمایا۔ تاکہ وہ قیامت تک من و عن باقی رہ سکے۔ ارشاد ہوا۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون ؕ کہ یہ قرآن ہم نے اتارا۔ اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ بڑے زور سے ارشاد ہے کہ ہم خود ہی اس کے محافظ ہیں۔ جب خدا خود حفاظت کرے پھر وہ حفاظت کیسی اعلیٰ ہوگی۔

جناب والا! دنیا کی کوئی ایسی کتاب نہیں جس کو ازبر حفظ کیا جاتا ہو۔ لیکن قرآن پاک جیسی کتاب یعنی پورے تیس پاروں کے لاکھوں حافظ خیر القرون سے آج تک مسلسل چلے آ رہے ہیں۔ نسلاً بعد نسل۔ اس کی سورتیں گنی ہوئی ہیں۔ اس کی رکوعیں اور آیتیں گنی ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے کلمات اور حروف بھی گنے ہوئے ہیں حفاظت کی حد ہوگئی کہ قرآن پڑھنے کا لب و لہجہ تک محفوظ ہے جس کے لئے علم تجوید اور فن قرات پڑھایا جاتا ہے۔ مخالف اور متعصب عیسائی مورخین یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ قرآن کو مسلمانوں نے جوں کا توں محفوظ رکھا۔

معانی کی حفاظت

یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ قرآن الفاظ اور معانی کے مجموعہ کا نام ہے' اللہ تعالیٰ نے جو حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے وہ معانی کی حفاظت کو بھی شامل ہے۔ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ الفاظ کی حفاظت کریں اور معانی کی نہ کریں۔ اس کو پوری قدرت ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ پس یہ یقینا ماننا پڑے گا کہ قرآن کے وہی اصلی معانی آج تک ضرور محفوظ ہیں۔ البتہ جس طرح الفاظ ظاہری اور معانی معنوی چیزیں ہیں اس طرح الفاظ کی حفاظت ظاہرا رکھتی ہے اور معانی کی حفاظت ذرا سوچنے سے سمجھ میں آتی ہے جس کی ذرا سی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

قرآن کی تفسیر بالرائ

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: "من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار" یعنی جو کوئی قرآن میں اپنی رائے کو دخل دے گا وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنائے گا۔ صحابہ کرام یا مسلمانوں سے یہ ناممکن تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے ارشاد کے بغیر قرآن میں اپنی رائے کو دخل دیتے۔

صحابہؓ کی شان

اگرچہ آنحضرتؐ نے اپنے جیتے جی عرب کو ایک بہترین روحانی نظام میں منسلک کر کے دنیا کے سامنے نمونہ پیش کر کے تبلیغ کا فریضہ ادا کر دیا تھا۔ اور ساتھ مشہور سلاطین و امراء کو دعوتی خطوط ارسال فرما کر اتمام حجت بھی فرما دی تھی۔ تاہم تفصیلی طور پر انتہائے عالم تک اشاعت اسلام و اعلان حق کی خدمت آپ کی نیابت میں آپ کے خویش و اقارب آپ کے صحابہ کرامؓ کی قدوسی جماعت کو کرنا تھا۔ اسی لئے اس جماعت کی اخلاقی بلندی اور پاکیزگی کی بشارت پہلے سے قرآن نے دے دی۔ انصار و مہاجرین آپ کی مبارک اور طویل صحبت سے اس جماعت کی ایسی اعلیٰ تربیت ہوئی جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ ان جیسی جماعت کسی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی۔ مخالفین اسلام بھی اعتراف کرتے ہیں۔ آپ کی اس تیار کردہ جماعت سے یہ امر ناممکن تھا کہ وہ آپ کی بتائی ہوئی شاہراہ یا آپ کی سنت سے ایک لمحہ کے لئے ایک انچ بھی ادھر ادھر ہو سکیں اور یہ کیسے ہو سکتا! ان کو آپ کی نیابت میں دین حق کی بڑی خدمت کرنی تھی۔ چنانچہ اس قدوسی جماعت نے ایک طرف اپنی گفتار کردار کے اعلیٰ عملی نمونے پیش کر کے دنیا کو محو حیرت کر دیا۔

تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے جذبہ اعلائے کلمتہ اللہ نے اسلام کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا دیا۔ دوسری طرف ایسی دیانت و امانت کے ساتھ جس کی نظیر ملنی ناممکن ہے' قرآن پاک کی آیات اور ان کے معانی آنحضرتؐ کے ارشادات کی روشنی میں تابعین کرام کے سینوں میں بھر دیئے' آپکے فرمائے ہوئے ایک ایک لفظ کو ان تک پہنچایا۔ یہ تابعین کون تھے یہ ان ہی اصحاب' رسولؐ اور اولاد رسولؐ کی پاک گودوں میں پلے ہوئے برسوں ان کی صحبت و رفاقت میں رہ کر انہی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ جب تک صحابہ کرامؓ کی یہ فیض یافتہ جماعت تابعین موجود رہی۔ سیاسی اختلافات و مشاجرات کے باوجود کسی کو قرآن و حدیث کے سلسلہ میں افراط و تفریط کی جرات نہ ہو سکتی تھی۔ ان کے عوام اسلام کی

برکات جھولیوں میں بھرے ہوئے برق رفتاری کے ساتھ دنیائے کفر پر جا گرے اور دیکھتے دیکھتے ربع مسکون کے بڑے حصہ پر اسلام کا علم لہرا دیا۔ ان کے خواص نے قرآن و سنت کے خزانوں سے اپنی اولاد اور اپنے شاگردوں کو مالا مال کر ڈالا اور صحابہؓ کی امانت کو جوں کا توں ان تبع تابعین کے حوالہ کر کے اپنا حق ادا کر دیا۔ یہ دوسرے حضرات جو تابعین جیسی مقدس جماعت کے تربیت یافتہ تھے کون تھے۔ یہ وہ اولوالعزم حضرات اور خوش قسمت ہستیاں ہیں جنہیں اماماں دین کہتے ہیں۔ انہی میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ جیسے حضرات شامل ہیں۔ ان پاک نفوس کی ایمانی بصیرت نے تقاضا کیا کہ بعد زمانوں میں یہ امانت و دیانت یہ تقویٰ طہارت یہ صدق و صفا اور دین سے اتنا شغف و انہماک نہ رہے گا۔ اس لئے اصل دین کی حفاظت کی جانی ضروری ہے تاکہ آئندہ وہ بچوں کا کھیل یا تحریف کا شکار نہ ہو سکے۔ چنانچہ ایک طرف انہوں نے قرآن پاک کے سارے منقول معانی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے ارشادات جو صرف اپنے تابعی اساتذہ کے توسط سے ان تک صحابہؓ سے پہنچے تھے۔ قلمبند کر دیئے (موطا امام مالک اسی پاک زمانہ کی یادگار ہے) دوسری طرف ان حضرات نے آنے والے قانون کی سہولت کے لئے جو آنحضرتؐ سے دوری کی وجہ سے قسما قسم کے فتنوں سے دوچار ہو سکتے تھے۔ قرآن و حدیث اور خلفاء راشدین کے قضایا وفتاوی کی روشنی میں (جیسے ہائی کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں کسی قانون کی تعبیر کی جاتی ہے) دین کے باریک مسائل سمجھنے کے لئے چند اصول بیان فرما دیئے جنہیں فقہ یا اصول فقہ کہتے ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ نے اسی زمانہ میں محدثین کی وہ بلند پایہ جماعت پیدا فرما دی جنہوں نے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کی حفاظت میں پوری عمریں صرف کر دیں۔ انہوں نے صحابہ کرامؓ کے تمام ملفوظات جمع کئے تابعینؒ کی روایتیں بھی حفظ کیں۔ ان میں حضرت امام بخاریؒ حضرت امام مسلمؒ وغیرہ اماماں حدیث شامل ہیں۔ یہ محدثین حضرات جہاں بلا مبالغہ لاکھوں روایتوں کے بمعہ اسانید کے حافظ تھے' وہاں روایت کے پرکھنے میں اجتہادی ملکہ رکھتے تھے۔ فن جرح وتعدیل ایجاد ہوا۔

جس کے ذریعہ کسی روایت کی صحت وسقم پر بحث کی جاتی ہے علم اسماء الرجال کی اسی سلسلہ میں بنیاد پڑی۔ جس سے ۵ لاکھ انسانوں کی زندگیاں محفوظ ہوئیں۔ ان محدثین حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اسی حفاظت قرآن کے وعدہ کی وجہ سے ذہانت' حفظ' ضبط و اتقان اور دیانت و امانت اور ساتھ روایتی تنقید کا وہ ملکہ عطا فرمایا تھا جس کی نظیر نہیں مل سکتی اور درحقیقت ضرورت بھی صرف اسی وقت تھی۔ ان حضرات نے انتہائی احتیاط کی وجہ سے

لاکھوں کے ذخیرہ سے چند ہزار حدیثیں اپنی اپنی کتابوں میں بمعہ سند کے لکھیں۔ انہوں نے ایسی روایت کو بھی کمزور قرار دیا جس کے معتبر راویوں میں سے کسی ایک کو بھی اگر عمر بھر میں صرف ایک دفعہ وہم ہوا ہو۔ یہ کتابیں اس وقت سے آج تک امت مسلمہ میں متداول و مقبول ہیں اور قرآن کی حفاظت کی برکت سے یہ بھی محفوظ ہو گئیں۔ پھر انہی احادیث کی روشنی میں تفسیریں بھی لکھی گئیں۔ اور قرآن کے الفاظ و معانی خدائی وعدہ کے موافق محفوظ ہو گئے۔ ان منقول معانی کے خلاف آج جو معنی کیا جائے وہ مردود ہے خاتم النبیین اور لا نبی بعدی وغیرہ آیات و احادیث کا معنی اس وقت تک یہی لکھا گیا اور سمجھا گیا کہ آپؐ کے بعد کسی قسم کا نیا نبی نہیں آ سکتا اور یہ کہ آخری زمانہ میں آنے والا پرانا پیغمبر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہوں گے۔

مرزا کی نبوت کا اقرار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار ہے اگر بالفرض دنیا میں آنحضرتؐ کے بعد کسی کو نبی بننا تھا' جس کے انکار سے آنحضرتؐ کی تمام امت چالیس کروڑ کو کافر ہونا تھا تو ایک کہنے والے کو حق پہنچتا ہے کہ کہے کہ آپ دنیا بھر کے لئے اور قیامت تک کے لئے کیسے پیغمبر ہو سکتے ہیں۔ جب کہ قیامت تک کی ساری امت کو اتنے بھاری خطرہ سے آگاہ نہ کیا اور اتنا نہ بتایا کہ ایک نبی غلام احمد آئے گا اس کا انکار نہ کرنا۔ یہی نہیں کہ یہ العیاذ باللہ مجرمانہ خاموشی سمجھی جا سکے بلکہ اس کے بالکل برعکس سینکڑوں حدیثوں کے ذریعہ اپنی امت کو بار بار یہ یقین مختلف پیرایوں میں دلایا کہ میرے بعد کسی نے نبی نہیں بننا۔ نبوت مجھ پر ختم ہو گئی۔ میرے بعد نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے۔ اگر ہارون علیہ السلام کی طرح تابع نبی بھی ہوتا تو حضرت علیؓ ہوتے۔

"میں قصر نبوت کی آخری اینٹ ہوں" اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے یہ پیشگوئی فرما دی کہ تیس جھوٹے اور دجل و فریب کے پتلے پیدا ہوں گے ان کی نشانیاں بیان فرمائیں کہ وہ میری امت میں سے ہوں گے اور نبوت کا دعویٰ کریں گے اور ساتھ فرما دیا کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس پیش گوئی نے ہر امتی کو یہ عقیدہ رکھنے پر مجبور کر دیا کہ امتی ہو کر نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو کذاب و دجال سمجھا جائے تو اگر آپؐ کے بعد کسی نبی نے آنا تھا خاص کر آپ کی امت میں سے تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ مندرجہ بالا حدیثیں فرما کر اور پیشگوئیاں کر کے آپ نے خود بخود اپنی امت کو آنے والے نبیوں کا منکر بنا کر کافر بنانے کا سامان کیا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ جب کہ لا نبی بعدی کی حدیث اور ختم نبوت کا مشہور مفہوم اتنا متفق علیہ اور روایت کے لحاظ سے اتنا اہم تھا کہ کسی کو اس سے انکار کی مجال نہ تھی' حتی کہ جب تک مرزا غلام احمد کو نبی بننے کا شوق

نہ چڑایا تھا وہ بھی مدعی نبوت کو کافر و دجال کہتا رہا۔

مرزائی استدلال کی حیثیت

جب مرزائیوں کے سامنے مرزا کا پرانا عقیدہ پیش کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہو گیا۔ سبحان اللہ جب اہل اسلام احکام میں نسخ کو جائز قرار دیتے ہیں جیسے کہ عقائد بحال رہتے ہوئے بھی انبیاء علیہم السلام کے شرعی احکام مثلاً روزہ نماز وغیرہ میں باہم بڑا فرق رہا اور اللہ تعالیٰ وقت و زمانہ کے مناسب احکام تبدیل فرماتا گیا۔ اسی طرح خود اسلام کے ابتدائی اور آخری زمانہ میں ہوا۔ نسخ ہماری نگاہوں میں نسخ ہے اور قدرت کے لحاظ سے احکام کے مقررہ اوقات کا اعلان کہ جو حکم جتنے وقت کے لئے تھا وہ بتا دیا جاتا ہے۔ اس جائز اور تاریخی نسخ پر اعتراض کرنے والے مرزائی جب اپنی بگڑی بنانے پر آتے ہیں تو عقیدوں میں تبدیلی اور نسخ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جب تک مرزا کو نبوت کا شوق نہیں چرایا عقیدہ ختم نبوت درست اور جب نبوت کی لو لگ گئی تو کبھی خاتم کے معنوں میں بحث اور کبھی النبیین کے لفظ میں کیڑے نکالنے کی سعی۔ تمام حدیثوں اور نصوں کی تاویلیں توڑنی شروع کر دیں اور اپنے لئے روایتوں کی تلاش جاری کر دی جن سے قوم کو الو بنایا جا سکے۔ لیکن لے دے کر روایات کے عظیم ذخیرہ سے ان کو صرف ایک حدیث ملی ہے وہ ہے ابن ماجہ کی روایت "لو عاش ابراہیم لکان صدیقا نبیا۔"

آپ نے فرمایا کہ اگر ابراہیم (آپ کا فرزند) زندہ رہتا تو صدیق نبی ہوتا پہلے تو آیات قطعی اور احادیث متواترہ کے مقابلہ میں اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں جس میں لین جس کی سند پر محدثین نے جرح کی ہوئی ہے۔

لیکن اگر فرضاً اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اسی حدیث کے راویوں نے دوسری جگہ اور ایک روایت میں خود اسی ابن ماجہ کے اسی صفحہ میں اسی روایت کے ساتھ یہ روایت اور یہ معنی بھی نقل کر دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی قضا نے نبوت ختم نہ کر دی ہوتی تو ابراہیم زندہ رہ کر نبی بن جاتا۔ تو اس کا معنی بھی مشہور عقیدہ کے موافق ہی ہوا۔

کہ وہ اسی لئے فوت ہوئے کہ آپ کے بعد نبوت ختم تھی ورنہ ان میں نبوت کی تمام صلاحیتیں اور استعداد موجود تھی۔ جس کے بعد اللہ کی رحمت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ نبی ہوتے لیکن قضاوقدر کا فیصلہ یہی تھا کہ اب یہ دروازہ بند ہے اور اللہ کے علم میں نبیوں کی مقررہ تعداد پوری ہو چکی ہے اس لئے حضرت ابراہیم کی زندگی بھی تھوڑی مقدر کی گئی۔

دوسری روایت جس کو روایت کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔ مرزائی حضرت عائشہؓ کا ایک

قول پیش کرتے ہیں کہ آپ فرماتی ہیں کہ خاتم النبیین کہا کرو لیکن لانبی بعدہ نہ کہا کرو۔ خاتم النبیین کہنا کافی ہے یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

یہ قول اس قابل ہی نہیں کہ علمی بحث میں اس کی طرف توجہ کی جائے۔ کیونکہ یہ ایک قول بلا سند ہے۔ جہاں یہ قول لکھا گیا ہے وہاں اس کی کوئی سند بیان نہیں کی گئی لیکن مرزائیوں کا کیا کہنا کہ جب ایک لائق مرزائی گواہ سے ایک حدیث کی سند پوچھی گئی تو اس نے مشکوٰۃ کا نام لے دیا۔ سبحان اللہ اس فہم کے بل بوتے پر نبوت کا پندار کھڑا کرتے ہیں۔ کیا سند کا معنی یہ ہے کہ کوئی بات کسی کتاب میں درج ہو۔ یہ علم حدیث کی اصطلاح میں سند اس بات کو کہتے ہیں کہ مثلاً راوی حدیث امام بخاریؒ یا امام مسلمؒ اپنے استاد اور استاد الاستاد پھر استاد الاستاد کے استاد کا نام بتا کر یہ ثابت کرے کہ کن کن ثقہ' معتبر' متدین' حافظ و متقی مشہور و معروف حضرات کے واسطے سے یہ حدیث رسول ؐ حاصل کی گئی ہے۔

محدث مثلاً امام بخاریؒ سے لے کر صحابیؓ تک دو واسطے ہوں یا تین ہر ایک پر دنیا بھر کے ناقدین اور آئمہ جرح و تعدیل کو اعتراض کرنے کا کھلا حق ہوتا ہے۔ مجال کیا کہ کسی روایت کے کسی راوی کے بارہ میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس کو عمر بھر میں ایک بار فلاں مقام پر وہم ہوا تھا اور پھر اس کی روایت مگر نہ جائے۔ فن روایت جو کہ خدمت حدیث ہی کے سلسلہ میں مسلمان قوم نے ایجاد کیا۔ اس کی موشگافیوں اور سخت گیریوں کو دیکھئے اور دوسری طرف مرزائیوں کے طرز عمل کو۔۔۔ کہ اپنے مطلب کے لئے ان کو اس سے بحث ہی نہیں رہتی کہ روایت کو حدیث کہنا بھی صحیح ہے یا نہیں۔ بلکہ اگر راویوں کے ضعف و قوۃ پر بحث کی جائے سند ہی نہ ہو ان کی بلا سے۔۔ ان کو تو اپنا الو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔ اور جب یہ رد کرنے پر آتے ہیں تو صحیح حدیث کو مرزائی الہام کے مخالف ہونے کی وجہ سے رد کر دیتے ہیں یا اس کے معانی بدل بدل کر مسخ کر دیتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کا مذکورہ قول بھی بے سند ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہی نہیں ہے اور ہو کیسے سکتا ہے جب آنحضرتؐ کا یہ فرمان متواتر ہے کہ لا نبی بعدی تو حضرت عائشہؓ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ ایسا نہ کہو۔ اور اگر بالفرض مان ہی لیا جائے تو اس وقت حضرت عائشہؓ کی مراد یہ ہے کہ مقصد ختم نبوت کے بیان کے لئے خاتم النبیین بھی کافی ہے۔ جس کے معنی نبیوں کو ختم کرنے والا ہیں پھر لانبی بعدہ کہنے سے کسی زندیق کو یہ کہنے کا موقعہ نہ مل جائے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی آپ کے بعد نہیں آئیں گے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰؑ کا نزول متواتر اور یقینی ہے بہرحال لانبی بعدی کے روکنے سے حضرت عائشہؓ مرزائی قسم کے لوگوں کا منہ بند کرتی ہیں جو کہا کرتے ہیں کہ اگر نبوت ختم ہے تو حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کیسے آسکتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ یہ فرماتی ہے کہ نبوت بند ہے اب کسی کو نبوت نہیں مل سکتی اور کوئی نیا نبی نہیں بن سکتا البتہ پرانے نبیوں میں سے حضرت عیسیٰؑ کا آکر اس امت کی خدمت کرنا مقدر ہے گویا حضرت عائشہؓ کی لکا یہ فرماتے ہوئے نزول عیسیٰؑ کے متواتر اور یقینی عقیدے کو بچانے کے لئے ہے۔

مرزائی ڈھکوسلے

اس کے سوا مرزائی ایسے بنیادی اور متواتر عقیدہ کے مقابلہ میں عقلی ڈھکوسلے بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ مثلاً نبوت نعمت ہے اس امت پر اس نعمت کا دروازہ کیوں بند کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و نعمت کے بھی اوقات ہیں۔ اس نے سب کے لئے مناسب مناسب مقام تجویز کئے ہیں۔ اس دنیائے فانی میں جس کو آغاز ہے اس کو انجام ہے نبوت کے ذریعہ انسانی تکمیل و تعلیم مقصود تھی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں آخری شکل تک پہنچ کر مکمل ہو گئی نبوت بھی ختم ہو گئی اب بجائے اس کے مرزا غلام احمد پر نبوت ختم کریں آنحضرتؐ ہی کو کیوں خاتم النبیین نہ مانیں۔

مرزائیوں کے باقی دلائل کے بارہ میں قطعی فیصلہ

مرزائی اجراء نبوت کے لئے کبھی کبھی بعض آیتیں اور بعض حدیثیں پیش کر کے ان میں اپنے طبع زاد نئے معانی پیش کرتے ہیں اس سلسلہ میں ہمارا ایک ہی فیصلہ ہے کہ مرزائی جو آیت اور یا حدیث بھی پیش کریں ان میں سے کسی ایک کے ذیل میں امت محمدی کے کسی مجدد کسی محدث کسی امام حدیث یا امام لغت یا کسی ایک مفسر کا یہ قول بھی پیش کر دیں کہ اس آیت یا حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے بغیر جو پرانے نبی ہیں اور کسی کو نبوت مل سکے گی یا آنحضرت کی متابعت سے نبی بنا کریں گے۔ مرزائی سلف صالحین میں سے قیامت تک کسی کا ایسا قول نہیں بتا سکتے۔ اس کے برعکس ایسے اقوال سینکڑوں ملیں گے کہ اب نبوت کا دروازہ بند ہے جو شخص نبوت اور وحی کا دعویٰ کرے وہ واجب القتل ہے۔ قطعی کافر ہے۔

پھر جب کسی صحیح حدیث یا آیت قرآنی سے سلف صالحین نے مرزائی معنی نہیں سمجھے تو اس کو پیش کرنا اور اپنے معانی کرنا خارج از بحث ہے۔

نئے معانی الحاد و زندقہ ہے

اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ قرآن کے الفاظ جس طرح آسمانی ہیں اس کے معانی بھی وحی

کے ذریعہ بیان ہوئے ہیں جو آنحضرتؐ نے امت تک پہنچا دیئے ہیں، الفاظ و معانی کے مجموعہ کا نام قرآن ہے جس کی حفاظت کا وعدہ خدا تعالیٰ نے کیا ہے۔ پس اگر الفاظ قرآن کا بدلنا تحریف اور کفر ہے اسی طرح منقولہ معانی کے سوا نئے معانی کرنا جو منقولہ سے متصادم ہوں۔ تحریف معنوی اور کفر ہے اور اگر تیرہ سو سال کے مسلسل و متواتر منقول معانی کا اعتبار نہیں اور وہ غلط ہو سکتے ہیں تو اس سے دین کی ساری عمارت ہی گر جائے گی اور اگر تیرہ سو سال کے ہزاروں علماء محدثین و مفسرین کے معانی آج غلط ہو سکتے ہیں تو جو معانی آج کئے جاتے ہیں وہ دس بیس سال کے بعد کیوں غلط نہیں ہو سکتے۔ اس طرح تو دین ایک کھلونا بن کے رہ جائے گا۔ اس لئے سلف صالحین کے معانی کے سوا کوئی نیا معنی گھڑنا یقیناً الحاد اور زندقہ ہے۔ جیسے صلوٰۃ کے مشہور معنی کی جگہ صرف دعا مراد لیتی جانا گو دعا بھی صلوٰۃ کا معنی ہونا قرآن سے ثابت ہے۔

لیکن اقیموا صلوٰۃ کا معنی وہی مخصوص طرز کی عبادت لیا جائے گا جو سلف سے منقول ہے مرزائیوں کا یہ کہنا کہ ہم خاتم النبیین مانتے ہیں لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ صرف وہی نبی نہیں بن سکتے جو آنحضرتؐ کی متابعت کے بغیر نبی ہوں تو ان کا یہ کہنا اسی طرح ہے کہ ہم صلوٰۃ فرض جانتے ہیں لیکن اس کا معنی صرف دعا کے ہیں۔

بہرحال مرزائی اپنے کسی استدلال کے ساتھ سلف صالحین کی تائید پیش نہیں کر سکتے۔

بقاء نبوت کی بحث' مرزائیوں کا صرف ساحرانہ فعل ہے

اور اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو یہ بحث کہ نبوت ختم ہے یا قیامت تک باقی ہے یا اور تو ختم تھی لیکن ایک مرزا کی اینٹ باقی تھی' یہ تمام بحث لغو و دور از کار اور بے کار محض ہے۔ یہ بحث تو تب مفید ہو سکتی کہ جیسے مرزا غلام احمد آنحضرتؐ کی شدت متابعت سے نبی بنا ہوا ہے۔ اور بھی ہزاروں عاشقان محمدی نبی ہو جاتے۔ صحابہ کرام میں بیسیوں نبی ہوئے ہوتے۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ یا حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ' حضرت مجدد الف ثانیؒ نیز ائمہ دین بے تعداد پیغمبر ہوئے ہوتے۔ صرف ایک مرزا غلام احمد کی ذات کے لئے یہ بحث کہ آنحضرتؐ کے بعد نئے نبی آ سکتے ہیں یا نہیں۔ تو ہر آیات و احادیث کی چھان بین کی کیا ضرورت ہے جب کہ خود مرزا بھی مانتے ہیں کہ تیرہ سو سال میں میرے سوا کوئی نبی نہیں بنا۔ یہ بحث تو مرزائی لوگ مسلمانوں کو الجھانے اور نئی مباحثات کی دلدل میں پھنسانے کے لئے کرتے ہیں۔ اور بہت سے ناسمجھ مسلمان اس جادو کے شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ ورنہ در حقیقت خود مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت اور اجرائے نبوت کی بحثوں میں اپنی کامیابی نہیں سمجھی۔ بلکہ نزول عیسیٰ کی متواتر روایات کی آڑ لی ہے اور مسیح موعود کا دعویٰ کر کے اس نے آخری پناہ گاہ بس صرف

نزول مسیح کی احادیث کو قرار دیا ہے۔ یہی مرزائیوں کا آخری پیوند شدہ قصہ ہے۔ پس اگر مرزا کو مسیح ہی بننا ہے اور وہ بھی نزول مسیح کی احادیث کا مصداق بن کر تو اس کے لئے وہ تمام بحثیں کہ نبوت ختم ہے یا باقی ہے۔ خاتم کا کیا معنی ہے اور النبیین سے کیا مراد ہے ظلی نبی، بروزی نبی، مستقل نبی، تشریعی نبی، غیر تشریعی نبی، عکسی نبی، خلقی، رسول نبی، تابع نبی، یہ سب بحثیں طول لاطائل ہو کر رہ جاتی ہیں بحث تو صرف یہ رہ جاتی ہے کہ مرزا قادیانی واقعی آنے والا مسیح ہے یا یہ خود ساختہ مسیح ہے جیسے پہلے خود ساختہ مجدد بنا۔ پھر مثیل مسیح بنا پھر خود ساختہ مسیح بنا۔

مرزا قادیانی کا اصلی دعویٰ

دراصل مرزا قادیانی کے اصلی دعویٰ کی تفتیش میں جو مرزائیوں کو مشکل پڑی ہوئی ہے اور اسی لئے مرزا کے مرنے کے جلدی اس کے مریدوں کو اس کے دعویٰ کے سلسلہ میں خلجان ہوا اور بالآخر دو گروہ ہو گئے ایک نے اس کو نبی قرار دیا دوسرے نے مجدد اور یہ دونوں مسیح کے دعویٰ میں آکر مل جاتے ہیں یہاں سے دونوں کا کفر اکٹھا ہو کر گنگا جمنا کی طرح بہتا ہے۔ مرزا غلام احمد نے اپنے دعویٰ کو جان بوجھ کر گورکھ دھندا بنایا ہوا ہے۔ پہلے اس نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا لیکن مسلمانوں میں نا سمجھ افراد کی کثرت کو دیکھ کر اس کو اس مقام پر قناعت کرنے میں کوئی زیادہ کامیابی نظر نہیں آئی کیونکہ اس سے براہ راست ماننے والوں کا کوئی خاص گروہ نہیں بن سکتا تھا۔ اس نے آہستہ سے الہام و وحی کا اور ساتھ ہی مثیل کا دعویٰ کیا۔ جس سے ازالہ الاوہام تک کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اگرچہ اس کو اصل مسیح کے انکار اور مشہور و مسلمہ عقیدہ حیات مسیح کی تردید میں بڑی محنت کرنی پڑی اور اسی کے ذیل میں معراج جسمانی سے بھی انکار کیا اور چونکہ ذات والا میں تو مسیحانہ معجزات کی قابلیت نہ تھی اس لئے حضرت مسیحؑ کے معجزات کا بھی نہایت ہی گستاخانہ طرز پر مذاق اڑایا اور ان کو صرف مسمریزم قرار دیا جیسا کہ ازالہ الاوہام میں تصریح ہے اور اپنے استعمال شراب کی وجہ سے کشتی نوح میں حضرت مسیح کو بھی شرابی قرار دیا۔ اور چونکہ خود "بھانو" وغیرہ عورتوں سے مٹھیاں بھرواتے اور خدمتیں لیا کرتے تھے اس لئے حضرت مسیحؑ پر یہ الزام لگایا کہ وہ نامحرم اور فاحشہ عورتوں سے تعلق رکھتے تھے اور ان سے عطر ملواتے تھے۔ بہرحال مسیح بننے کے لئے مماثلت کی پوری کوشش کی۔ لیکن چونکہ روح اللہ بننا کافی مشکل تھا۔ اس لئے نبوت کی سلسلہ جنبانی بھی جاری رکھی۔ قوم کو ظلی، بروزی، عکسی، مجازی، تابع، غیر تشریعی اور امتی نبی کی لاطائل بحثوں میں الجھائے رکھا اور جب یہاں بھی دال گلتی نظر نہ آئی۔ تو ایک نیا دام بچھایا۔

آنحضرت ﷺ کی دو بعثتیں

کہ آنحضرتؐ کی دو بعثتوں کا مسئلہ ایجاد کیا۔ بعثت اولیٰ میں آپ کا نام محمد تھا۔ بعثت ثانیہ میں احمد (غلام احمد) بعثت اولیٰ میں آپ ہلال تھے اور بعثت ثانیہ میں بدر کامل۔ بعثت اولیٰ اسم محمد کے جلالی ظہور کا زمانہ تھا اور بعثت ثانیہ اسم احمد کے جمالی ظہور کا زمانہ اور اسی لئے اس دور میں جہاد کی منسوخی بھی ضروری تھی۔ اس طرح مرزا نے اپنے کو عینہٖ آنحضرتؐ قرار دیا اور اعلان کیا کہ میرا کسی نئی نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ میری نبوت وہی محمدی نبوت ہے اور محمد کی نبوت محمد ہی کو ملی نہ کسی اور کو۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ جب مرزا غلام احمد نے کھلم کھلا آنحضرتؐ کی دو بعثتیں قرار دیکر اپنے کو دوسری بعثت کا مصداق قرار دیا تو کیوں مرزائیوں کو یہ کہنے کا حق نہ ہو کہ "محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں۔ اور آگے سے بڑھ کر اپنی شان میں" جب یہ مرزا وہی محمد ہیں جو تیرہ سو سال پہلے ہلال کی شکل میں تھے تو اب بدر کامل ہونے کی وجہ سے یقیناً پہلی حالت سے بدرجہ کمال پہنچے ہوئے ہیں۔ اس طرح رجالانہ انداز سے اسلام میں دو بعثتوں کا نیا مسئلہ ایجاد کر کے سرور دو جہاںؐ کے مسند پر خود قبضہ کرنے کی منحوس سعی کی۔ لیکن جب اندازہ لگایا کہ عامۃ المسلمین انگریزوں کے ایک خاندانی اور پشتینی وفادار حرمت جہاد کے قائل انگریزوں کو جیب میں سکوں کے خوشامدانہ خطوط لکھنے والے مختاری نبیٔ عربی اسلام کو یہ درجہ دینے کو تیار نہیں ہیں تو بالآخر دوبارہ نزول مسیح کی روایات کی آڑ لیکر مستقل طور پر مسیح موعود بننے کا فیصلہ کیا۔ پھر بھی مرنے تک عین محمد بن کر محمد کی نبوت پر قبضہ کرنے کا خیال ترک نہیں کیا جیسا کہ ایک غلطی کا ازالہ میں درج ہے۔ تاکہ جس شخص کی سمجھ میں جو بات آ جائے اسی راہ سے حلقہ مریدین میں داخل ہو جائے۔ اگر کوئی مسیح سمجھ کر آتا ہے آئے۔ کوئی نبی اور عین محمد سمجھ کر آئے۔ بلکہ اس نے اور بھی پوری طرح نظر دوڑائی کہ اگر کسی اور آنے والی کی کوئی پیش گوئی ہو تو اس کو بھی اپنے اوپر چسپاں کروں۔ چنانچہ اچانک اس کو ایک حدیث مل گئی کہ اگر ایمان ثریا پر بھی ہو تو بھی اس کو اہل فارس کا ایک آدمی حاصل کرے گا۔ تمام امت نے اس کا مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کو سمجھا۔ بہرحال کوئی بھی اس کا مصداق ہو۔ لیکن مرزا نے اس کو بھی اپنے اوپر چسپاں کر دیا کہ رجل فارسی میں ہی ہوں۔ مرزا قادیانی کا پیش گوئیوں کا مصداق بننے کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ چنانچہ مرزا کو رجل فارسی بننے کے شوق میں اپنی مشہور قومیت اور ذات مغل بدلنی پڑی۔ اس کو کہنا پڑا کہ اگرچہ مشہور اور متواتر ثبوت کے لحاظ سے تو ہماری قومیت مغل ہے لیکن الہام مجھے ایرانی النسل ثابت کرتا ہے۔ مرزا نے مسلمانوں کی مذہبی صلاحیت اور علماء اسلام کی ذہنی شکن مساعی کے مقابلہ میں اپنے مشن کو کمزور پا کر ہندوؤں اور سکھوں کی طرف بھی رخ کیا۔ کرشن بنے۔ جے سنگھ بہادر بنے۔ گرونانک کو مسلمان ثابت کیا اگر سکھ قوم ہی اس کو اپنا جے سنگھ مان لیتی مرزا جی کے لئے

بس تھا مگر افسوس کہ نہ انہوں نے جے سنگھ تسلیم کیا نہ ہندوؤں نے کرشن اوتار مانا نہ مسلمانوں نے مسیح اور پیغمبر نہ کسی نے ایرانی النسل ہونے کا اقرار کیا وہی مرزا غلام احمد مغل کا مغل اور کافر کا کافر رہ گیا۔

بہرحال چونکہ مرزا قادیانی کو اپنے دلائل کا بودا پن خود معلوم تھا اس لئے وہ کسی ایک مقام پر ڈٹ کر قائم نہیں رہ سکا اور اس نے نبوت۔ مجدد اور مسیح کی تینوں بحثوں کو کسی نہ کسی رنگ میں مرتے تک کھینچا اور اپنے دعوی کو گورکھ دھندا بنایا تاہم اس نے آخر کار پورا زور آنے والے مسیح بننے پر صرف کر دیا ہے۔اس طرح سے اس کو خاصی آسانی نظر آئی۔ کیونکہ پرانے عقیدہ کی برائی اور بطلان کو وہ مغرب زدہ نئی روشنی والوں کے سامنے آسانی سے بیان کر سکتا تھا اور اس طرح اس کو سرکاری امداد کے سوا انگریزی پڑھے لکھے آدمیوں کی ایک تعداد ہاتھ آگئی جو پہلے سے ہی اپنی عقل کے مقابلہ میں نقل کو کوئی حیثیت نہ دیتے تھے

عقل سلیم اور نقل صحیح

اگرچہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ دین کی کوئی حقیقت اور اسلام کا کوئی مسئلہ عقل کے خلاف نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے لیکن یہاں دو طرفہ ایک شرط کی ضرورت ہے۔ نقل کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح ہو۔ قرآن پاک کی آیت ہو یا آئمہ جرح و تعدیل اور آئمہ حدیث کی توثیق و تصدیق سے ثابت ہو کہ یہ آنحضرت ؐ کا فرمودہ ہے۔ اسی طرح آیت اور حدیث کے مفہوم کے بارہ میں یہ ثابت ہو کہ تابعین ؒ صحابہ ؓ نے یہی مفہوم بیان کیا جو وہ آنحضرت ؐ سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ بس نقل کے لئے تو یہ لازم ہے اور عقل کے لئے یہ شرط ہے کہ عقل سلیم ہو۔ ایسی نقل صحیح اور عقل سلیم میں تو اختلاف ناممکن ہے۔ لیکن اگر ایک طرف کوئی بے سند قول یا ضعیف روایت یا ضعیف قول پیش کر کے اس کو آنحضرت ؐ یا صحابی ؓ کی طرف منسوب کیا جائے تو ضروری نہیں کہ یہ عقل سلیم کے موافق ہو بلکہ ایسی بات نقل صحیح کے بھی مزاحم ہوگی۔ دوسری طرف ہر ایرا غیرا نتھو خیرا کہے کہ میری عقل ہی سلیم ہے میں اپنی عقل کے خلاف کوئی نقل نہیں مانوں گا۔ اس سے بڑا احمق کون ہے۔ جب خود اسی قسم کے دوسرے بیسیوں عقلاء اس کے خلاف کہتے ہوں تو اب ان میں سے کس کی عقل کو عقل سلیم کہا جائے گا۔ آج حالت یہ ہے کہ نئے فلسفہ نے پرانے فلسفے کے نظریات کو باطل قرار دے دیا خیر کل کے عقلاء اور فلاسفیوں کو ناز تھا اور نت نئے نظریے قائم ہوتے ہیں جو پرانے نظریوں کی تردید کرتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہزاروں ایسے بندے پیدا فرمائے ہیں جن کو سلامت عقل اور اعتدال مزاج عطا فرمایا ہے ان کو اسلام کا کوئی حکم عقل کے خلاف نظر نہیں آتا۔

عقل کا آخری درجہ مشاہدہ ہوتا ہے۔

نقل کا اعتماد

مشاہدہ کے خلاف کوئی چیز ماننے کے قابل نہیں ہوتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو خدا اور رسول کے فرمان کے مقابلہ میں اپنے مشاہدہ کی بھی تردید کرتے ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ نقل کی انتہاء پیغمبر علیہ السلام پر ہوتی ہے اور ان کا فرمانا مشاہدہ پر مبنی ہوتا ہے۔ مشاہدہ بھی ایسا کہ اس میں غلطی کا امکان ہی نہیں ہوتا۔

پیغمبر کے اصحاب ان حالات کا چشم خود ملاحظہ کرتے ہیں جو پیغمبر کو ان کے سامنے نزول وحی' کلام ملائکہ' صدور معجزات' نصرت غیبی وغیرہ کے پیش آتے رہے ہیں اور پیغمبر کی صحبت اور قرب کی وجہ سے ان کے قلوب کی کیفیات اور ایمانی و یقینی حالات عام انسانوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ اپنی نظر اور مشاہدہ کی غلطی کا امکان مانتے ہیں جس طرح ریل کا مسافر زمین کو چلتے دیکھتا ہے لیکن وہ نبی کے فرمودہ میں کسی قسم کا شک نہیں کر سکتے۔ اور نبی کا فرمان یقیناً مشاہدہ پر مبنی ہوتا ہے وہ زندہ خدا سے پاتا اور حقائق اشیاء کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھتا اپنے مشاہدہ پر یقین رکھتا اور اسی یقین کی روشنی میں چلتا اور اسی کی طرف بندگان خدا کو دعوت دیتا ہے۔ اگر پیغمبر کی اس رسولانہ شان اور خدا سے لے کر بندوں تک پہنچانے کا عجیب و غریب نہاں در نہاں کاروبار کو نہ مانا جائے تو دین و ایمان کی عمارت کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے اور اگر اس ابتدائی ضرورت اور ابتدائی مرحلہ کو مان لیا جائے تو پھر پیغمبر کی ہر بات ماننی پڑے گی اور اگر یقیناً ثابت ہو کہ پیغمبر کا منشا یہی ہے تو بس وہی بات حقیقت اور عقل سلیم کا مقتضا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب معراج شریف کا چرچا ہوا۔ ابوجہل وغیرہ نے کہا کہ اب محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کو گمراہ کرنے کا خوب موقعہ ملے گا انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص ایک رات میں مکہ بیت المقدس اور آسمانوں کو ہو آ جا سکتا ہے انہوں نے فرمایا نہیں۔ وہ بولے تیرا ساتھی تو آج یہ کہہ رہا ہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے' کہا۔ ہاں تو فرمایا پھر حق ہے ضرور ہو آئے ہیں۔ وہ اس سے زیادہ کرتے ہیں۔ اس دن سے حضرت ابوبکر کا نام صدیق پڑ گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کروڑوں علماء و عقلاء کی عقول کے آپس میں ٹکرانے کی وجہ سے یہ فیصلہ کرنا مشکل پڑ جاتا ہے کہ کس کی عقل عقل سلیم ہے لیکن اگر نقل صحیح ہاتھ آ جائے تو یہ مان لینا کہ یہی عقل سلیم کا بھی فتویٰ ہے بہت آسان ہے۔

لیکن عقل پر گھمنڈ کرنے اور تہذیب نفس نہ ہونے کی وجہ سے اکثر افراد انبیاء علیہم

اسلام کے فیض سے محروم ہو کر ابدی نجات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ افلاطون کا یونان میں چرچا تھا۔ وہ خواص الاشیاء اور نبض وغیرہ کے کمال کی وجہ سے اپنے پیروں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحائی کے تماشہ تک سے محروم رہا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات زیادہ تر افلاطون کے فن حکمت سے ملتے جلتے تھے۔ وہ اپنے فن کے غرور سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملا تک نہیں۔ آج بھی جو لوگ علوم حاصل کرتے ہیں دنیوی علوم کے کمال کا کیا کہنا وہ تو علوم انبیاء کو خاطر ہی میں نہیں لاتے جو لوگ دینی علوم بھی بغیر کسی روحانی درسگاہ اور اپنے ذرائع کے حاصل کرتے ہیں جو مشکوٰۃ نبوت کے نور سے منور نہ ہوں وہ بھی نقل میں اپنی عقل کو دخل دے کر دین کو ایک معجون مرکب بنانا چاہتے ہیں۔

عامۃ المسلمین کا عقیدہ

چونکہ عامۃ المسلمین کا عقیدہ آنحضرت ؐ کے زمانہ مبارک سے آج تک یہی چلا آرہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور قرب قیامت میں نازل ہوں گے۔ دجال کو قتل کریں گے چالیس سال دنیا میں رہیں گے۔ اس وقت تمام دنیا میں اسلام پھیل جائے گا۔ یہود و نصرانی بھی ان کو مانیں گے۔ وہ آنحضرت ؐ کی شریعت کے تابع ہوں گے اس شریعت کو چلائیں گے وہ اپنی طرف سے اصالۃ اور دیگر انبیاء علیہ السلام کی طرف سے نیابۃ حسب آیت میثاق لتؤمنن بہ ولتنصرنہ آنحضرت ؐ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی امت کی مدد فرمائیں گے۔ آخر کار وفات ہو کر مدینہ شریف میں آپ کے پہلو میں دفن ہوں گے۔ اپنی زندگی میں حج فرمائیں گے۔ شادی کریں گے۔ دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے فلسفہ قدیم و جدید کی آڑ لے کر مسیح کی طولانی حیات' آسمانی زندگی اور احیاء موتی کے معجزے کے خلاف جی بھر کر انگریزی خوانوں کو اکسانے اور علماء امت کو مشرک' یہودی صفت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ جن کو انگریزی سرکار نے ۱۸۵۷ء کے بعد سے ہی بدنام کرنے کی کوشش کر رکھی تھی۔ دونوں بات انگریزی خوانوں کو اپیل کرتی تھیں۔ مرزا نے حیات و وفات مسیح کے مسئلہ کو ایسا گرمایا کہ ملک بھر میں عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے سے عیسائی مذہب کی موت ہے اور مراد یہ تھی کہ ان کی موت ثابت کرکے خود مسیح بننا آسان ہو جاتا ہے۔

مرزا قادیانی یہود و نصاریٰ کے قدم پر

کہا تو یہ جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے سے عیسائی مذہب ختم ہو جاتا

ہے۔ لیکن جس طرح مرزا قادیانی اور اس کی امت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرتی ہے اس سے نصاریٰ اور یہود دونوں کے نظریوں کی تائید ہوتی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے۔

یہودی عقیدہ

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے ایک مکان میں گرفتار کر لیا۔ اس کی مشکیں باندھیں۔ اس کو سولی پر چڑھایا۔ اور پھر قتل کر دیا۔

نصاریٰ کا عقیدہ

نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا ان کو سولی پر چڑھایا اور تمام تکلیفیں دے کر ان کو قتل کر دیا اس طرح عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے لئے سولی پر چڑھ کر کفارہ ہو گئے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین دن کے بعد قبر سے جی اٹھا اور اپنے شاگردوں کے سامنے آسمان پر چلا گیا۔

مسلمانوں کا عقیدہ

یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ رہے تھے ان کی تدبیر تھی کہ ایک شاگرد کی جاسوسی سے اس کو گرفتار کر کے سولی دے دیں اور قتل کر دیں اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو شاگرد جاسوسی کر رہا تھا اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر کر دیا اور مکان کی ایک کھڑکی سے جبرائیل علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر آسمان پر لے گئے۔ یہودیوں نے مکان میں کسی اور کو نہ پا کر اور شاگرد کو ہی عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر اس کو سولی دے دی اور قتل کر ڈالا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تو بھاگ گئے تھے اور کوئی عیسائی موجود ہی نہ تھے اس لئے ان کا تو سارا عقیدہ اور نظریہ ظن و تخمین اور سنی سنائی باتوں پر قائم ہے۔ یہودی اگرچہ ایک تعداد میں موجود تھے۔ لیکن مکان میں صرف ایک تو تھی کی موجودگی اور اس کے چیخنے چلانے کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں یہودی بھی بڑے ڈانواں ڈول ہو گئے۔ بہرحال انہوں نے اسی ہم شکل کو صلیب دے دی اور اعلان کر دیا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالا۔

یہودی مغضوب علیہم

یہودی تو اسی طرح پیغمبروں کو قتل کرتے چلے آئے تھے اس لئے وہ پرانے مغضوب علیہم

تھے لیکن دعویٰ قتل مسیح کی وجہ سے بھی ان پر پھٹکار ہوئی۔

نصرانی گمراہ

نصاریٰ نے یہ عقیدہ گھڑ کر کہ یسوع مسیح ہم سب کے گناہوں کا کفارہ ہونے کے لئے سولی پر چڑھے ہیں۔ حقیقت سے دور جا پڑے اور گمراہ ہوئے اور ساتھ ہی انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا اور اس کی ماں مریم کی پوجا بھی کی۔ چنانچہ قیامت میں اللہ تعالیٰ دونوں کے بارہ میں سوال کرے گا۔ ء انت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ میری اور میری ماں کی پوجا کرو۔ ہمیں خدا بنالو۔

قرآن کی حیثیت

قرآن پاک جہاں نئی شریعت لایا ہے وہاں وہ اہل کتاب کے اختلاف کے درمیان فیصلے بھی کرتا ہے۔ اس طرح قرآن پاک تمام غلط عقائد کی تردید کرتا ہے' جو بھی اہل کتاب نے ایجاد کئے۔ مثلاً" تثلیث' ابنیت' الوہیت اور کفارہ کا مسئلہ اور قرآن پاک ان مسائل و عقائد کو بحال رکھتا ہے جو صحیح ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خدائی مدد

جب یہود متذکرہ بالا تدبیر کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کا یوں ذکر فرمایا ومکروا ومکر اللہ واللہ خیرالماکرین کہ یہود نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر کی جو بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ اور پھر قیامت کے دن اپنے احسانات جتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمائے گا۔ واذ کففت بنی اسرائیل عنک (اور یاد کر اس وقت کو جب کہ روکے رکھا ہم نے بنی اسرائیل کو تجھ سے) یعنی یہودیوں کو تجھ تک پہنچنے بھی نہ دیا۔

مرزائی عقیدہ

یہودی' نصرانی' عام مسلمانوں کے عقیدہ کے بعد اب مرزا قادیانی کا عقیدہ عرض کرتا ہے مرزا قادیانی لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑا۔ اس کے ہاتھوں میں میخیں ٹھونکیں اس کو سولی پر چڑھایا۔ اس کی ہڈیاں توڑیں اور اس کو اپنی طرف سے قتل کر ڈالا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کو مقتول سمجھ کر سولی سے اتار ڈالا۔ حالانکہ اس میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی وہ سسک رہا تھا۔ اس کا علاج کیا گیا۔ اس کو یہودیوں سے چھپا کر مرہم پٹی کی گئی مرہم عیسیٰ لگایا گیا چالیس دن یا کم و بیش میں وہ اچھا ہوا وہاں سے روپوش ہو کر وہ بھاگا اور

جنگلوں' بیابانوں' پہاڑوں' دریاؤں سے گذرتا ہوا عرصہ دراز کے بعد پنجاب کے راستہ کشمیر پہنچا جہاں اس نے اسی نوے سال چپ چاپ رہ کر گزارے' پھر تبلیغ کا نام بھی نہ لیا' آخر کار وہیں فوت ہو گئے۔ مریم بھی اس سفر میں ساتھ تھی اور کشمیر کا ذکر خدا نے ربوہ کے نام سے قرآن میں کیا ہے۔ جہاں ماں بیٹے دونوں کو خدا نے پناہ دی۔

آمدم برسر مطلب

پہلے یہ عرض کیا گیا تھا کہ عیسائیوں کے خدا کو مارتے مارتے مرزا خود عیسائیوں بلکہ یہودیوں کے نقش قدم پر چل پڑے۔ یہ بات ہمارے صرف بیان مذاہب سے ہی واضح ہو گئی۔ قرآن پاک مسئلہ کفارہ کی تردید کرتا ہے لیکن مرزا قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کا سولی پر چڑھنا تسلیم کر کے کفارہ کے بنیادی عقیدہ کی تائید کر دی۔ اس سے نصرانیوں کو مدد ملی کہ یسوع مسیح بہرحال ہماری خاطر مرزا جی کے کہنے کے موافق بھی سولی پر چڑھ کر کفارہ ہو گئے۔ ساتھ ہی یہودیوں کی بھی تصدیق کر دی کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی اور قتل کر دیا۔ سولی کو تو مرزا قادیانی نے تسلیم ہی کر لیا اور قتل' یوں کہ یہودی جتنا کر سکتے تھے وہ بقول مرزا کے کر چکے جب ایک قوم ایک آدمی کو سولی دے دیتی ہے اس کی ہڈیاں توڑ دیتی ہے اس کے اعضاء میں آہنی میخیں ٹھوک دیتی ہے پھر وہ یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہے کہ ہم نے فلاں کو قتل کر ڈالا۔ خاص کر ایسی صورت میں کہ اس مقتول کا علاج کے ذریعہ بچ جانا' ان کو کسی ذریعہ سے معلوم بھی نہ ہو سکے۔ مرزا قادیانی نے نکمے ہاتھوں یہودیوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو بھی شکست دے دی۔ اللہ تعالیٰ کی تدبیر ناکام ہوئی اور یہودی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے صرف ادھ موئے عیسیٰ علیہ السلام کا علاج کے ذریعہ بچ جانا اس کو اللہ تعالیٰ کی بہترین تدبیر کہنا ایسے ہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر یقین نہ رکھتے ہوں۔ اس طرح تو یہودی تدبیر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مقابلہ میں زیادہ کامیاب رہی۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا۔ اس کے منہ پر تھوکا۔ ان کی بے عزتی کی۔ اس کا مذاق اڑایا سولی پر چڑھایا میخیں ٹھونکیں اس کی ہڈیاں توڑیں اور جب یقین ہوا کہ اب مر گیا ہے اتار پھینکا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگر ایسا ہی ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ میری فلاں فلاں نعمت یاد کر اور یہ نعمت بھی کہ میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکے رکھا۔ یعنی تم تک ان کو پہنچنے ہی نہیں دیا۔ کیا قرآن پاک میں کف کا معنی دوسری جگہ میں یہی نہیں۔ وکف ایدی الناس عنکم (سورۃ فتح) جہاں اللہ تعالیٰ نے کسی کو روکے رکھنے کا ذکر کیا ہے' کیا وہاں پھر کسی کا ہاتھ پہنچنے دیا ہے۔

مرزا کا خود ساختہ عقیدہ

مرزا نے واقعہ صلیب اور عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں جو عقیدہ وضع کیا ہے اس سے جیسا کہ بیان ہوا۔ ایک طرف عیسائی عقیدہ کفارہ کی تائید نیز یہودی عقیدہ سولی دینے اور اپنے خیال میں قتل کر دینے کی حمایت اور ساتھ ہی یہود کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کی ناکامی ثابت ہوتی ہے۔ دوسری طرف یہ عقیدہ دنیا کی تینوں متعلقہ بڑی قوموں نصاریٰ' یہود اور اہل اسلام کے خلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ یہودی تو سولی دینے کے اور سولی پر ہی قتل ہو جانے کے قائل ہیں۔ مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ نہیں ابھی دم نہیں توڑا تھا۔ زندگی کی رمق باقی تھی جو اتار دے گئے اور پھر خفیہ علاج مرہم پٹی سے بچ گئے۔ نصاریٰ جو عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر جانے کے قائل ہیں وہ بھی سولی پر ان کا قتل ہونا تسلیم کرتے ہیں جو بعد میں زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے اور عام اہل اسلام تو قطعاً سولی پر چڑھنا ہی تسلیم نہیں کرتے نہ گرفتار ہونا اور نہ قتل ہونا۔ مرزا نے اس سلسلہ میں تمام دنیا کی مخالفت کی ہے۔

قرآن پاک کا فیصلہ

کم از کم یہ امر سب کا مسلمہ ہے کہ آج سے دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے سلسلہ میں صلیب کا واقعہ ضرور پیش آیا ہے۔ جس کے بارہ میں یہود بڑے فخر سے مدعی تھے کہ ہم نے مسیح کو صلیب دی اور قتل کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا اس بارہ میں اگرچہ اختلاف تھا جیسا کہ عرض کیا جائے گا لیکن عام نصاریٰ قوم نے واقعہ کو تسلیم کرنے کے بعد مسئلہ کفارہ گھڑ لیا اور ان کو دوبارہ زندہ کر کے آسمان پر جانے کا عقیدہ بنا لیا۔ قرآن پاک جو آسمانی کتب اور انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں ایسے اختلافات میں فیصلہ کرنے کا مدعی ہے مندرجہ ذیل فیصلہ صادر کرتا ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہی وہ قرآنی آیات ہے جس کا مضمون ہی اس واقعہ صلیب کی وضاحت اور بیان حقیقت ہے مگر اس پوری شان اختصار کے ساتھ جو اس کے شایان شان ہے۔ ہاں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا اختلاف وہ تھا جس کا ذکر ان کے ایک مشہور حواری برناباس نے اپنی مرتب کردہ انجیل برناباس میں کیا ہے جس میں صاف طور پر اس کا اقرار ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر لے جایا گیا اور ان کی جگہ دوسرے ہم شکل یہودی کو صلیب دی گئی آج بھی یہ انجیل اسلامی عقیدہ کی تائید کر رہی ہے۔

(۱)۔ اگر دل میں زیغ اور بصیرت پر تعصب کی پٹی نہیں تو آیت کریمہ اپنے مفہوم میں بالکل

واضح ہے آیت میں یہود کی مذمت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی وجہ سے نہیں کی گئی بلکہ دعویٰ قتل کی وجہ سے۔ ویقتلہم ورنہ آسان تھا کہ کہا جاتا و بقتلہم آخر بنی اسرائیل نے بعض دوسرے انبیاء کو قتل کئے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

(۲)۔ آیت کی ابتداء ہی میں بتا دیا گیا کہ قتل عام ہے چاہے صلیب کے ذریعہ ہو چاہے بغیر صلیب کے ہو کیونکہ یہود کا دعویٰ صلیب پر قتل کرنے کا تھا۔ تو صلیب کے قتل کو ابتداء ہی میں صرف قتل کے لفظ سے تعبیر کرکے بتا دیا کہ صلیب کا قتل بھی قتل ہی کہلاتا ہے اور قتل کہہ کر اس سے صلیب کا قتل مراد لے سکتے ہیں۔

(۳)۔ ان کا دعویٰ قتل ذکر کرکے اللہ تعالیٰ ان کی تردید فرماتے ہیں۔ کہ واقعہ یہ ہے کہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ ہی سولی پر چڑھایا۔ یہاں جیسا کہ ان کے دعویٰ کے وقت صرف قتل کا لفظ ذکر فرمایا تھا تردید کے لئے بھی اتنا کافی تھا کہ وہ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکے یا انہوں نے قتل نہیں کیا اس طرح سولی کے ذریعہ قتل کی بھی تردید ہو جاتی کیونکہ قتل کا لفظ اس کو بھی شامل تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قتل بھی نہیں اور سولی پر بھی نہیں چڑھایا۔ سولی کا واقعہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش نہیں آیا (یہاں مرزائیوں کا یہ من گھڑت ترجمہ کتنا بعید ہے کہ نہ اس کو قتل کیا اور نہ سولی دے کر قتل کیا۔)

(۴)۔ یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ واقعہ صلیب تو متواتر اور قطعی ہے تو آخر سولی کس کو دی گئی اس کا جواب فرمایا کہ ان کے لئے مشابہ کیا گیا۔ ولکن شبہ لہم یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو تو سولی نہیں دی گئی لیکن واقعہ یوں ہوا کہ مشتبہ بنایا گیا ان کے لئے کہ اس جاسوس حواری کو ان کے ہم شکل کر دیا گیا ہے وہ اسی کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا بیٹھے۔ یا یوں کہئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا نہ سولی دی البتہ ان کو اشتباہ ہو گیا۔ (جو ان کی جگہ دوسرے کو قتل کر دیا)

(۵)۔ اختلاف کرنے والے یہود و نصاریٰ کے بارہ میں ارشاد ہے کہ ان کو اس بارہ میں کوئی یقینی علم نہیں ہے۔ یہ تو ظن و گمان کی بنیاد پر کہہ رہے ہیں۔ لفی شک منہ وہ خود شک میں ہیں۔ قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہود کو اپنے مبینہ اور مشہور عقیدہ میں خود بھی شک تھا۔ حالانکہ اگر انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر سولی دے کر اپنے خیال میں قتل کر ڈالا تھا مگر قرآن لفی شک منہ میں لام تاکید سے فرماتا ہے کہ وہ خود شک میں ہیں۔ شک کی وجہ صرف یہی ہے کہ جو یہودی حاضر تھے وہ حیران تھے۔ کہ اندر دو آدمی تھے اب ایک ہے اور وہ شور مچا رہا ہے کہ میں مسیح نہیں میں تو فلاں ہوں مجھے کیوں بے گناہ مارتے ہو۔ یہودیوں نے اشتباہ میں اس کو سولی پر کھینچ کر اپنی کامیابی کا اعلان کر دیا۔

(۶)۔ ایک سوال رہ جاتا تھا کہ واقعہ صلیب کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود تھے اور
ساری کوشش انہیں کو صلیب دینے کی تھی اگر وہ قتل نہیں ہوئے اور سولی پر نہیں چڑھائے
گئے تو آخر وہ کہاں گئے۔ اس خاص مقصد کے بیان کی خاطر کہ حضرت مسیح کہاں گئے اللہ تعالیٰ
نے قتل مسیح کی تردید دوبارہ فرما کر ان کے بارہ میں حقیقت کا یوں اعلان کیا۔
وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ۔ کہ انہوں نے اس کو یقینا قتل نہیں کیا بلکہ اس کو اللہ
تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔ ظاہر ہے کہ جس عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب و قتل کی نفی ہے۔
اس عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کا ذکر ہے۔ نہ کہ پہلے تو عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر چلا آرہا تھا اور رفعہ
اللہ الیہ میں یکایک ان کی روح کا ذکر کیا کہ ان کی روح کو اٹھایا۔ جس پر قتل واقع ہو سکتا تھا
اسی سے قتل کی نفی کر کے اسی کے رفع کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۷)۔ اور صاف ظاہر ہے کہ یہ سارا واقعہ صلیب کے وقت کا ہے۔ اسی وقت کے دعویٰ
قتل کی تردید فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔
اب اگر رفع سے روحانی رفع مراد لیا جائے جس کا معنی موت ہے تو یہ تو یہودی قوم کی تائید
ہوئی۔ کیونکہ واقعہ صلیب کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا معنی ہی یہ ہے کہ یہودی اپنے
دعویٰ میں سچے ہیں۔ پھر یہ کیسے بھلا ترجمہ ہے کہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے
اس کو مار ڈالا۔ رہا مرزائیوں کا یہ کہنا کہ وہ یہاں سے چھپ چھپا کر بھاگ کر اسی نوے سال بعد
کشمیر میں فوت ہوئے خارج از بحث ہے کیونکہ آیت کریمہ واقعہ صلیب اور یہودی تدبیر کے
وقت کا فیصلہ سنا رہی ہے کہ وہ اس کو قتل نہیں کر سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف
اٹھالیا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بڑے غالب ہیں کہ سب کچھ کر سکتے ہیں اور حکمتوں والے ہیں کہ کیا کیا
اسباب بنائے اور آخر کار کس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محفوظ رکھنے کا انتظام کیا تاکہ
طے شدہ اسکیم کے مطابق وہ آخری زمانہ میں امت محمدی کی خدمت کر سکیں بے شک وہ بڑی
حکمت والا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ذکر تو واقعہ صلیب اور یہودی تدبیر کے وقت کا ہو کہ وہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکے۔ (بلکہ اس کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا) اور بل
یعنی بلکہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ ۸۰ سال کے بعد کا رفع ذکر کرنے لگ جائیں۔

(۸)۔ ذرا سچ کو سمجھنے کا سہارا بھی مرزائی لوگ رفع کا معنی رفع درجات کرتے ہیں۔ بھلا خیال
فرمائیں کہ جب آدمی کہتا ہے کہ زید نہیں آیا۔ یا زید گھر نہیں آیا بلکہ بازار گیا ہے۔ یا یوں کہئے
کہ زید مرا نہیں بلکہ زندہ موجود ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ بلکہ کے بعد جو مذکور ہوتا ہے وہ ماقبل سے
متضاد ہوتا ہے۔ اب اگر رفع سے روح کی رفع مراد لی جائے جو موت کے وقت ہوتی ہے تو یہ
رفع تو قتل کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے قتل میں بھی روح کا رفع ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر رفع سے

مراد درجات کی رفع مراد ہو تو رفع درجات بھی قتل کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے بلکہ شہید ہونے کی صورت میں درجہ زیادہ بلند ہوتا ہے۔ پھر لفظ بل کا مابعد ما قبل سے متضاد نہ ہوا۔

(۹) مرزائیوں نے بل رفعہ اللہ الیہ میں الیہ کے لفظ میں بھی کیڑے نکالنے کی کوشش کی ہے کہ خدا آسمان میں تو نہیں ہے کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا کا مطلب آسمان پر لے جانا سمجھا جائے۔ اگرچہ ہمارا مقصد حیات عیسیٰ تک محدود تھا لیکن پھر بھی ان کے اس وسوسے کا جواب دینا ضروری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زمین یا آسمان میں ہونا یا عرش پر مستوی ہونا۔ یا خالق کا مخلوق سے تعلق یا کائنات سے معیت یا اس کا احاطہ یہ ذات و صفات کے نازک مسائل میں سے ہے۔ جو مادی حواس اور انسانی عقل کی حدود سے باہر ہیں تاہم آسمان کی طرف اللہ تعالیٰ کی نسبت قرآن و حدیث میں عموماً کی گئی ہے۔

مثلاً یہ آیت قد نری تقلب وجہک فی السماء (کہ ہم آپ کا بار بار آسمان کو دیکھنا وحی کے انتظار میں دیکھ رہے ہیں) دوسری جگہ ارشاد ہے **ءامنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض** (کیا تم اس خدا سے بے خوف ہو گئے جو آسمان میں ہے کہ کہیں تمہیں زمین میں دھنسا دے)

(۱۰)۔ اگرچہ پہلی آیت ختم ہو گئی لیکن مضمون ابھی باقی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسی مضمون پر عطف کر کے اور اس کے ساتھ واؤ کر داو سے شروع کر کے آگے ارشاد فرمایا۔ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ۔ کہ مستقبل میں کوئی اہل کتاب نہ رہے گا مگر اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کے مرنے سے پہلے ایمان لانا پڑے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ "نباشد ہیچ کس از اہل کتاب الا البتہ ایمان آرد بعیسیٰ پیش از مردن عیسیٰ"۔

خدائی فیصلے کا خلاصہ

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس فیصلے کا اعلان فرمایا کہ یہودیوں کا دعویٰ قتل قطعاً غلط ہے۔ نصاریٰ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ عیسیٰؑ کو سولی دے کر قتل کر دیا گیا تھا لیکن تین دن کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر وہ آسمان پر چلا گیا حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں نے میرے پیغمبر کی تذلیل، سولی اور قتل کی تدبیریں کیں لیکن میں نے بھی تدبیر کر رکھی تھی میں بہترین تدبیر کرنے والا ہوں۔ وہ عیسیٰؑ کو قتل نہیں کر سکے نہ سولی دے سکے بلکہ میں نے تو ان کے ہاتھ بھی عیسیٰؑ تک پہنچنے سے روک رکھے۔ اور اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ یہودی منہ تکتے رہ گئے۔ اپنی ذلت چھپانے کے لئے اس مشتبہ آدمی کو قتل کر دیا لیکن ان کے دل آخر تک شک ہی شک میں

رہے۔

رفع کی تصدیق

یہاں اللہ تعالیٰ نے جہاں تمام غلط باتوں کی تردید فرمائی وہاں رفع کی تصدیق فرما دی کہ عیسیٰ السلام کا اٹھایا جانا صحیح ہے البتہ قتل کے بعد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں کے پنجہ سے زندہ ہی بچا کر اٹھا لیا اور یہی اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے شایان شان تھا۔

اگر عیسیٰ کا رفع جسمانی نہ ہوتا تو کبھی اللہ تعالیٰ اس انداز میں ان کا رفع ذکر نہ فرماتے جس سے کم از کم رفع کے مسئلہ میں نصاریٰ کی تائید ہو سکتی ہو۔ لیکن قرآن کو حق و باطل میں تمیز کرنی ہے تاکہ دودھ، دودھ ہو جائے اور پانی پانی۔ جتنی بات صحیح تھی اس کو قائم رکھا اور جو باتیں غلط تھیں ان سب کی تردید کی۔ صلیب اور قتل کی اس آیت سے اور الوہیت و ابنیت کی تردید دوسری بیسیوں آیتوں سے کی۔ لیکن رفع کی تردید کا نام بھی نہیں لیا۔ بلکہ اس کی تائید فرما دی۔

مسلمان کا ایمان بالقرآن

اب قرآن کے اس صریح واضح اور فیصلہ کن بیان کے بعد اگر کوئی محض اس لئے اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے انکار کرے کہ اس کی عقل نارسا کا فتویٰ اس کے خلاف ہے یا اس کے اغراض و مقاصد کو ٹھیس لگتی ہے تو اس کا اختیار ہے لیکن مسلمان کے لئے یہ مان لینا اتنا ہی آسان ہے جتنا دوپہر کے وقت سورج کی موجودگی کو مان لینا۔

۱۔ جو مسلمان حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش از روئے قرآن بغیر ماں اور باپ کے مانتا ہے۔

۲۔ جو مسلمان حضرت آدم علیہ السلام کا قیام جنت میں تسلیم کرتا ہے جو باقرار مرزا آسمان میں ہے۔

۳۔ پھر جو مسلمان حضرت آدم علیہ السلام کا ہبوط وہاں سے زمین پر تسلیم کرتا ہے۔

۴۔ جو مسلمان آتش نمرود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زندہ رہنا تسلیم کرتا ہے۔

۵۔ جو مسلمان عصائے موسیٰ جیسے جماد کا زندہ اژدھا بننا تسلیم کرتا ہے۔

۶۔ جو مسلمان عصا کو پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے جاری ہونے کے قرآنی بیان پر ایمان رکھتا ہے۔

۷۔ جو مسلمان اسی عصا کو بحیرہ قلزم پر مارنے سے سمندر میں ۱۲ خشک راستے بن جانے پر یقین رکھتا ہے جیسے کناروں پر پانی کے بڑے بڑے پہاڑ تھے کھڑے ہوں۔

۸۔ جو مسلمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہونا تسلیم کرتا ہے۔

۹۔ جو مسلمان رات کے ایک حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کر کے (جسم مبارک سمیت) واپس آ جانے کو مانتا ہے' جسے معراج جسمانی کہتے ہیں۔

۱۰۔ جو مسلمان کفار مکہ کے محاصرہ کے اندر سے نہایت اطمینان سے آنحضرت ؐ کے معجزانہ نکل آنے پر ایمان رکھتا ہے۔

۱۱۔ اور جو مسلمان حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش کو بن باپ کے از روئے قرآن تسلیم کرتا ہے۔

۱۲۔ اور جو مسلمان حضرت عیسیٰ ؑ کے قم باذن اللہ کہنے سے مردوں کے جی اٹھنے کو مانتا ہے۔

۱۳۔ اور مٹی کے پرندے بنا کر اس میں پھونک دینے سے ان کا پرندہ بن کر اڑ جانا از روئے قرآن تسلیم کرتا ہے۔

۱۴۔ اور حواریوں کی درخواست پر عیسیٰ ؑ کی دعا سے آسمان سے مائدہ (خوانچہ) کا اترنا تسلیم کرتا ہے جس کو کھا کر حواریوں نے ایمان تازہ کیا۔

۱۵۔ اور جو مسلمان بچپن میں عیسیٰ ؑ کی باتیں کرنے پر ایمان رکھتا ہے۔

اور جو مسلمان قرآن و حدیث میں بیان کردہ تمام خارق عادت امور پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ امر کوئی مشکل نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس امر کو بھی تسلیم کر لے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کو اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے نرغہ سے زندہ اٹھا لیا۔ اور اس کو لمبی عمر دیکر فیصلہ شدہ قضاء و قدر کے مطابق آخری زمانہ میں امت محمدیؐ کی خدمت کے لئے محفوظ رکھا۔

حضرت عیسیٰ ؑ کی خصوصیت

۱۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے مائدہ اتار کر اشارہ کر دیا کہ آسمانی غذا نازل ہو سکتی ہے اور وہاں سب طرح کا انتظام موجود ہے۔ یہ کہ جس کی دعا سے دوسروں کے لئے آسمان سے خوانچہ نازل ہو سکتا ہے خود اس کے لئے آسمان میں کیوں انتظام نہیں ہو سکتا؟

۲۔ حضرت عیسیٰ ؑ کے مردوں کو زندہ کرنے سے پہلے سے اشارہ کر دیا گیا تھا کہ اس قدسی نفس میں قوت حیات کا یہ عالم ہے کہ اس کے قم باذن اللہ کہنے سے مردے بھی جی اٹھتے ہیں۔ اس لئے اس کا لمبی عمر تک زندہ رہنا کوئی مستبعد امر نہیں ہے۔

۳۔ اسی طرح مٹی کے پرندے میں پھونک مار کر فضائے آسمانی میں اڑا دینا پہلے سے ہی بتا رہا تھا کہ خود اس پیغمبر کی قوت پرواز کا کیا عالم ہو گا جس کے اشارہ سے مٹی میں حیات آئی اور وہ

پرواز کرنے لگ جاتی ہے۔
۴۔ خود ان کا لقب جبرائیل سے پیدا ہونا ہی اشارہ تھا کہ ان پر خاکی صفات کی جگہ ملکی صفات غالب ہیں۔
۵۔ ان کا زمین سے ہجرت کر کے آسمان پر جانا بھی اشارہ تھا کہ ان کو واپس آکر ساری زمین پر غلبہ حاصل کرنا ہے جیسے کہ موسیٰ نے مصر سے ہجرت کی تو مصر کی بادشاہت بنی اسرائیل کو دی گئی۔ آنحضرت نے مکہ سے ہجرت کی تو آخر کار مکہ معظمہ دوبارہ فتح ہوا جب حضرت عیسیٰ کو ساری زمین سے اٹھا لیا گیا یہ اشارہ تھا کہ ان کو دوبارہ ساری زمین پر قبضہ کرانا ہے۔
۶۔ اور جس دجال کے قتل کے لئے انہیں آنا ہے اس کی صفات بھی حدیثوں میں ایسی بیان ہوئی ہیں کہ مخلوق کے امتحان کے لئے اس کو احیاء و اماتت تک کی طاقت ہوگی اس کے مقابلہ کے لئے بھی ایسے ہی ہستی کو تجویز فرمایا گیا جس میں ملکوتی صفات غالب ہوں۔
۷۔ اور جس مادی ترقی کے انتہاء کے وقت ان کو آنا ہے اس وقت بھی ایسے ہی بزرگ کی ضرورت تھی کہ جس کے روحانی اور ملکی کمالات کے سامنے مادی دنیا کی آنکھیں چکا چوند ہو جائیں۔
۸۔ اور چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے منشا خلق یوں بیان فرمایا ہے
وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (کہ ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا) اس لئے یہ ضروری تھا کہ خاتمہ دنیا سے پہلے ایک بار یہ مقصد پورا ہو جائے۔
چنانچہ انفرادی عبادت کی تکمیل عبد کامل کی بعثت سے یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہو گئی کہ عبدیت میں آپ کی مثال کسی ولی یا نبی میں نہیں مل سکتی۔ آپ نے اپنے ہر امر میں عبدیت ہی کو پسند فرمایا۔
دوسری جماعتی عبادت تھی چنانچہ آنحضرت نے ایک ایسی جماعت تیار فرما دی جس نے جماعتی طور سے خدائی بندگی اور خدائی نظام حیات کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ عبادت کا تیسرا درجہ اجتماعی عبادت تھی کہ تمام دنیا اللہ کی بندگی کا اقرار کر کے دین حق کے سامنے جھک جائے اس کا پروگرام بھی حضرت خاتم النبیین قرآن و حدیث کے ذریعہ مکمل ترین شکل میں پیش کر کے تشریف لے گئے تاآنکہ اس کے مناسب اور مادی ترقی کے عروج کے وقت آپ کی نیابت میں آپ ہی کی متابعت کرتے ہوئے ایک گذشتہ جلیل القدر پیغمبر مہد امتی کے موافق آ کر پورا کرے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے بعد اجتماعی طور پر دنیا دین حق قبول کرے گی اور اجتماعی طور پر الا لیعبدون کا منشا خداوندی پورا ہو جائے گا۔ جس کے بعد شمسی نظام کے لپیٹ دیئے جانے کے انتظامات شروع ہو جائیں گے۔ یہی معنی قرب قیامت کے ہیں۔ جب کہ

حضرت عیسیٰؑ کا آنا مقدر ہے۔

۹۔ حضرت عیسیٰؑ کے وقت جس عالمگیر غلبہ اسلام کی خبر ہے وہ کتنی معقول اور قرین قیاس ہے کہ دنیا کے پچاس کروڑ مسلمان تو پہلے سے ان کے منتظر ہیں۔ ایک ارب عیسائی دنیا جو ان کو خدا مانتی ہے جب ان کو دیکھے گی اور ریڈیو کے ذریعہ ان کا آسمان سے نزول نشر ہو گا تو اغلب یہی ہے کہ وہ فوراً ان کو مان لے گی اور ان کے حالات سے مجبور ہو کر یہودیوں کے ستر ہزار کے لشکر کے مقابلہ اور جنگ کی حدیث ہے اس کا بھی انتظام ہو چکا ہے کہ فلسطین میں یہودی حکومت قائم کر دی گئی ہے تاکہ نوشتہ کے مطابق ستر ہزار فوج دجال کی امداد اور عیسیٰؑ کے مقابلہ کے لئے موجود ہو سکے۔

یہودی آخر کار شکست کھا کر بقیہ السیف مسلمان ہو جائیں گے۔ یہود و نصاریٰ اور اہل اسلام کی عظیم اکثریت خاص خرق عادات تعلیم اور انتہائی روحانیت کی وجہ سے باقی اقوام بھی مثلاً ہندو وغیرہ اسلام کی سچائی کے قائل ہونے پر مجبور ہوں گے۔

۱۰۔ اور چونکہ دنیا نظریاتی کشمکش سے تنگ آ گئی ہو گی اور ساتھ ہی قانون حیات کے سلسلہ میں بصورت ' آمریت اور اشتراکیت جیسے اصولوں کی قلعی بھی انسانیت کے لئے لعنت کبریٰ ثابت ہو چکی ہو گی۔ اس لئے عین ایسے وقت حضرت عیسیٰؑ جیسے نبی صفت ہستی کا قرآنی نظام حیات صحیح معنوں میں پیش کر کے اس پر عمل در آمد کرا دینے سے تمام دنیا اپنی نجات اس کی پیروی میں سمجھنے لگے گی۔ جیسا کہ خلافت راشدہ کے نظام 'انسانی حقوق کی نگہداشت ' خدا ترسی ' عدل و مساوات پر دنیا عش عش کر رہی ہے تو اس وقت خوشی کا کیا ٹھکانا ہو گا کہ ساری امت اسی طرح کے پاک نظام میں مربوط ہو گی اور ان کی راہنمائی کی خدمات ایک سابق جلیل القدر پیغمبر خود ان کی شریعت کی پیروی کرتے ہوئے ادا کر رہا ہو گا اور اس امت کی عزت و تکریم کا یہ حال ہو گا کہ نماز کا امام نزول کے وقت اسی امت میں امام مہدی علیہ السلام ہو گا۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر ان کو امام بنانا چاہیں گے لیکن وہ اس امت کی عزت و اکرام کی خاطر انکار کر کے خود انہی کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے۔

ایسے وقت میں اس نظام کو قبول کر لینا کیا مشکل ہے جب کہ آج آدھی دنیا استبداد سے تنگ آ کر اشتراکیت کے آغوش میں جا چکی ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

ان دھگانہ تائیدی نکات سے قطع نظر کر کے ہمیں قرآن پاک کے اس صاف و صریح فیصلے کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ آیا اس سلسلہ میں سرور کائنات ؐ نے کوئی وضاحتی بیان ارشاد فرمایا

ہے جس کے بعد امت کے معنی کے بارہ میں کسی مسلمان کو شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ رہے۔ چنانچہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب صحیح بخاری شریف نے نزول عیسیٰؑ کا خاص باب رکھا ہے اور اس باب میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ حدیث میں آنحضرتؐ خدائے تعالیٰ کی قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ وقت آئے گا کہ تم میں مریم کے بیٹے عیسیٰ اتر آئیں گے۔ حاکم عادل ہوں گے۔ صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے (یہ دونوں باتیں نصرانیوں کا طرہ امتیاز ہیں) مال کی اتنی بہتات ہوگی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ اللہ کے سامنے ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے زیادہ سمجھا جائے گا۔ (دین اور قیامت کی اہمیت دلوں میں بہت بڑھ جائے گی) یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ مشہور صحابی نقل کر کے فرماتے ہیں کہ **اقرؤا ان شئتم وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته** یعنی آنحضرتؐ کی حدیث نزول عیسیٰؑ کی نقل کر کے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ تم چاہو تو بے شک یہ آیت پڑھ لو اور یہ وہی آیت ہے جو قرآن پاک میں رفع عیسیٰؑ کے ذکر کے ساتھ ہی مذکور ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اور مستقبل میں تمام اہل کتاب اس کے مرنے سے پہلے اس پر ایمان لائیں گے) مطلب بالکل صاف ہے۔ ابو ہریرہ صحابیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا ارشاد نزول عیسیٰؑ کے بارہ میں وہی بات ہے جو قرآن میں بھی مذکور ہے کہ آخر کار ان کے مرنے سے پہلے ان پر تمام اہل کتاب کو ایمان لانا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو قرآن کی آیت مذکورہ کی تفسیر قرار دیتے ہیں کہ یہ آنے والے وہی عیسیٰؑ ہیں جن کے رفع کا ذکر قرآن پاک میں ہے اور ہزاروں صحابہؓ سنتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث زبان زد خاص و عام ہو جاتی ہے مگر کوئی صحابیؓ انکار نہیں فرماتے ہیں کہ تم قرآن کے معنی کو غلط سمجھے! آنحضرتؐ کا مطلب یہ قرآن والا عیسیٰ ابن مریم نہیں ہے انکار تو کیا فرماتے بیسیوں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی مضمون کی حدیثیں آنحضرتؐ سے روایت فرماتے ہیں اور نزول عیسیٰؑ کا عقیدہ اور اس کی روایت اتنی عام ہو جاتی ہے کہ تواتر کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مرزا قادیانی کو بھی ازالہ اوہام میں ماننا پڑا ہے کہ نزول مسیح کا عقیدہ خیر القرون میں متواتر تھا اور اس کی پیشگوئی کو بطور عقیدہ نسلاً بعد نسل مسلمان یاد کرتے چلے آئے۔

مسیح سے مراد کون ہے

اب یہ بحث بالکل بے ضرورت ہے کہ آنے والا مسیح وہی اسرائیلی مسیح ابن مریم ہے یا کوئی اور جب قرآن پاک نے حضرت عیسیٰؑ کے رفع جسمانی کا ذکر فرما کر ارشاد کر دیا کہ ایک

وقت آنے والا ہے کہ تمام اہل کتاب اس کے مرنے سے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور آنحضرتؐ نے اعلان کر دیا کہ عیسیٰؑ کو نازل ہونا ہے اور آپ کے مشہور صحابی ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنے والے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا ارشاد قرآنی آیت ہی کی تفسیر ہے۔ پھر سینکڑوں حضرات کا نزول مسیح کو مختلف پیرایوں میں آنحضرتؐ سے روایت کرنا اور اس عقیدہ کا مشہور ہو جانا اور کسی ایک صحابی کا بلکہ تابعی اور تبع تابعین کا ذرا سا شک بھی ظاہر نہ کرنا کہ یہ وہی عیسیٰؑ ابن مریم ہیں یا کوئی اور۔ اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ خدا اور رسول خدا کی مراد کیا ہے اور سلف صالحین کا عقیدہ کیا تھا؟

جب قرآن پاک میں سینکڑوں جگہ عیسیٰؑ کا ذکر ہوتا ہے ابن مریم کا ذکر ہوتا ہے مسیح کا ذکر ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں عیسیٰ ابن مریم کا اور کوئی مفہوم ہی موجود نہیں ہے ایسے وقت میں آنحضرتؐ کا انہی ناموں سے نزول مسیح کا ذکر کرنا اور تمام صحابہ اور تابعین کا بھی یہی رویہ دلیل ہے کہ مسیح ابن مریم کا مصداق ان کے نزدیک شک و شبہ سے بالا تھا۔ تاہم ان سینکڑوں روایات میں سے ہم چند روایتیں ایسی نقل کرتے ہیں جن سے بصراحت معلوم ہو کہ آنے والے مسیح وہی اسرائیلی مسیح ابن مریم ہیں نہ کوئی اور۔

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کے مذہب کے بارہ میں مرزائی دلوں میں شکوک پیدا کرتے ہیں تفسیر ابن جریر جلد ۵ ص ۱۸۔ وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ کی تفسیر میں روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں قبل موتہ سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے مرنے سے پہلے ان پر اہل کتاب ایمان لائیں گے۔ معلوم ہوا کہ ابھی عیسیٰؑ کو آنا ہے۔

۲۔ طبقات ابن سعد جلد نمبر ۱ ص ۲۶ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو جسم سمیت اٹھایا اور وہ زندہ موجود ہیں جو دنیا میں پھر آئیں گے اور بادشاہ ہوں گے آخر کار اسی طرح مریں گے جیسے اور لوگ مرتے ہیں۔

۳۔ بخاری شریف کی مذکورہ روایت جس میں حضرت ابوہریرہؓ آنے والے مسیح کو وہی قرآن والا مسیح قرار دیتے ہیں۔ اور آنحضرتؐ کی حدیث کا یہی مطلب سمجھتے اور اس کا اعلان کرتے ہیں۔

۴۔ امام حدیث امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں نزول مسیح کی حدیث نقل کر کے اسی میں من السماء کا لفظ بھی صحیح سند کے ساتھ منقول فرمایا ہے۔ جس سے یہ امر بالکل صاف ہو گیا کہ آنحضرتؐ آنے والے کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ وہ آسمان سے آئیں گے گویا آپ رفعہ اللہ الیہ قرآنی آیت کی تشریح فرماتے ہیں۔

مرزائی لوگ من السماء کی روایت سے بڑے بوکھلائے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام بیہقی نے بخاری شریف کا حوالہ دیا ہے جہاں من السماء کا لفظ موجود نہیں ہے۔ مرزائی اتنا نہیں سمجھ سکے کہ محدثین جب ایک روایت بیان کرتے ہیں تو کبھی تائید میں یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ اس روایت کو فلاں فلاں نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اصل مضمون مثلاً نزول مسیح کا فلاں فلاں نے بیان کیا ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ جو الفاظ میری روایت میں ہیں۔ وہی الفاظ و کلمات سب نے روایت کئے ہیں۔ امام بیہقی اپنے الفاظ و کلمات کی صحت کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ انہوں نے صحیح سند کے ساتھ آنحضرتؐ سے یہ لفظ روایت فرمائے کہ مسیح آسمان سے نازل ہوگا ان الفاظ میں مرزائیوں کی کوئی تاویل بھی نہیں چل سکتی۔

۵۔ مشکوۃ شریف نے ایک صحیح حدیث نزول مسیح کی نقل کی ہے اس میں ینزل الی الارض کے الفاظ ہیں کہ مسیح زمین کی طرف نازل ہوگا جو دلیل ہے کہ وہ زمین پر نہ ہوگا بلکہ دوسری حدیث کے عین موافق آسمان سے زمین پر نازل ہوگا۔ اس حدیث کو مرزا قادیانی نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے اس لئے کہ اس میں یہ ذکر بھی ہے کہ مسیح زمین پر آکر شادی بھی کرے گا مرزا قادیانی نے بھی اس شادی والی پیش گوئی کو محمدی بیگم کے آسمانی نکاح پر منطبق کیا ہے۔ لیکن محمدی بیگم ہاتھ نہ آئی۔ اب دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا مرزا مدعی مسیحیت و مجددیت و نبوت ہو کر بھی حدیث کا معنی نہیں سمجھتے تھے یا جان بوجھ کر محمدی بیگم کی موہوم امید پر آنحضرتؐ پر جھوٹ بولتے تھے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پھر مرزائیوں کو یہ ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ نے محمدی بیگم کی جو پیشگوئی کی تھی وہ غلط نکلی العیاذ باللہ تعالیٰ۔

۶۔ قصہ معراج کے ذیل میں ایک حدیث ہے کہ چند پیغمبروں نے قیامت کے بارہ میں گفتگو کی کہ کب ہوگی ہر ایک نے لاعلمی ظاہر کی آخر انہوں نے حضرت عیسیٰؑ سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا اما وجبتها فلا يعلمها احد الا الله وفيما عهد الي ربي ان الدجال خارج وانا نازل (کہ اس کا علم تو اللہ کے سوا کسی کو نہیں البتہ جو میرے ساتھ عہد ہے وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا (اور میں اتروں گا) میرے ساتھ دو تلواریں ہوں گی۔ مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۵' ابن ماجہ ج ۲ ص ۳۶۵' اس حدیث نے یہ امر بالکل صاف کر دیا کہ قیامت کے قریب نازل ہونے والے وہی مسیح عیسیٰ ابن مریم ہیں جو آسمان میں ہیں۔

۷۔ آنحضرتؐ نے یہودیوں کو خطاب فرمایا ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ کہ حضرت عیسیٰ فوت نہیں ہوئے اور انہیں پھر تمہارے پاس آنا ہے قیامت سے پہلے پہل۔ ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۶ ـ ۵۷۶' ابن جریر ج ۳ ـ ص ۲۰۲' اس حدیث میں رجوع کے لفظ نے یہ اس مسیح کو دوبارہ آنا ہے بالکل قطعی فیصلہ کر دیا کہ دوبارہ وہی آئیگا جو پہلے آچکا ہے۔

۸۔ آنحضرتؐ نے فرمایا انا اولی الناس بعیسیٰ ابن مریم لم یکن بینی و بینہ نبی و انہ نازل فاذا رأیتموہ ... رواہ احمد ج ۲ ص ۴۳۷ (لمبی حدیث) حدیث طویل ہے مذکورہ الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ میں تمام لوگوں سے زیادہ قریب اور زیادہ حق عیسیٰؑ کے ساتھ رکھتا ہوں میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہ تھا اور وہ نازل ہو گا۔ پس جب تم اسے دیکھو تو وہ یوں ہو گا' یوں ہو گا...... اس حدیث نے بھی صاف صاف بتا دیا کہ آنے والا وہی مسیح ابن مریم ہو گا جو آپؐ سے پہلے ہو گزرا ہے جس کے بعد آنحضرتؐ تک درمیان میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔

اس حدیث کو مرزا محمود نے بھی اپنی کتاب حقیقۃ النبوت میں نقل کیا اور صحیح تسلیم کیا ہے لیکن مرزائی منت کے موافق لم یکن بینی و بینہ نبی کے الفاظ کھا گئے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آنے والا وہی ہے جو مجھ سے پہلے گزرا ہے اس کے اور میرے درمیان اور کوئی نبی نہیں ہوا۔

۹۔ قبیلہ نجران کے عیسائیوں کا وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جو مذہبی گفتگو کر رہے تھے آپ نے ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں قرآنی تصریحات پڑھ کر سنائیں اور (حضرت عیسیٰ) اور ان کے عقیدہ الوہیت مسیح کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ ان اللہ حی قیوم وان عیسیٰ یأتی علیہ الفناء (کہ اللہ تعالیٰ تو حی و قیوم ہے جس پر فنا طاری ہی نہیں ہو سکتی اور حضرت عیسیٰ پر موت آئیگی۔) یہاں آپ نے مستقبل کا صیغہ استعمال فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ ابھی تک وہ فوت نہیں ہوئے۔ ہاں ان پر موت کا طاری ہونا مستقبل میں یقینی ہے۔ یہ فرمانا بھی اسی قرآنی آیت کے مفہوم کی طرف اشارہ ہے کہ عیسیٰ کی موت سے پہلے سارے اہل کتاب کو ایک زمانہ میں ان پر ایمان لانا ہو گا اور یہ حدیث دوسری احادیث کی شارح بھی ہوئی جن میں نزول مسیح کی خبر دی گئی ہے کہ گویا آپ نے بتایا کہ وہی مسیح زندہ ہے اور اسی کو آنا ہے اگر حضرت مسیح فوت ہو گئے ہوتے تو تردید الوہیت کے لئے یوں فرمانا کتنا آسان تھا کہ اللہ تعالیٰ کو موت نہیں اور عیسیٰؑ تو مر چکے ہیں وہ کیسے خدا ہو سکتے ہیں۔

۱۰۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ مبارک میں صحابہ کا لشکر ایک پہاڑی علاقہ میں اتر پڑا۔ اتفاقاً ایک غار میں ایک معمر بزرگ ملے۔ جنہوں نے بتایا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے وصی ہیں ان کو وصیت کی گئی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دجال جب پیدا ہو گا تو حضرت مسیح دوبارہ تشریف لائیں گے یہ خبر امیر لشکر لے فوراً مدینہ طیبہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس پہنچائی۔ جنہوں نے اس امر کی تصدیق کی اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی تھی کہ ان جنگلوں میں حضرت عیسیٰؑ کے وصی موجود ہیں۔ جب لشکر والوں نے

دوبارہ تلاش کیا وہ نہ ملے اس واقعہ کی ہزاروں صحابہؓ نے تصدیق کی سب نے بعد حضرت عمرؓ کے اس کو سچا قرار دیا بلکہ آنحضرتؐ کی مہر تصدیق بھی لگا دی (ابوعبیدہ نظام الدین نے اس کو نقل کیا ہے)

آنحضرتؐ کی معجزانہ نشان دہی

ان تصریحات کے بعد کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی کہ آنے والے مسیح وہی مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ ہیں۔ تاہم مزید تسلی کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے آنے والے مسیح کے بارہ میں اتنے اہتمام اور زور کے ساتھ اطلاعات دی ہیں کہ جو صرف پیغمبر کی معجزانہ شان ہی ہو سکتی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے نام سے جھوٹا دعویٰ کر کے ہزاروں لاکھوں امت رسول کو کافر بنانے والے افراد کی اطلاع آپ کو اللہ تعالیٰ نے کر دی تھی۔ اسی خطرہ کے پیش نظر آپ نے اتنا اہتمام فرمایا۔

غور فرمائیں

۱۔ مسلمانوں کو خطاب کر کے بیسیوں جگہ نزول اور ہبوط یعنی اترنے کے الفاظ سے خبر دی۔ کیونکہ مسلمان ان کے زندہ آسمان پر ہونے کو تو مانتے ہی تھے۔

۲۔ یہودیوں کو خطاب فرماتے ارشاد فرمایا کہ عیسیٰ زندہ ہیں مرے نہیں اور وہ دوبارہ تمہارے پاس آئیں گے

۳۔ عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے عیسیٰؑ کے آئندہ زمانہ میں مرنے کا ذکر کیا

۴۔ کہیں ارشاد فرمایا کہ وہ آسمان سے نازل ہو گا۔

۵۔ کہیں ارشاد ہوا کہ ان کو زمین پر اترنا ہو گا۔

۶۔ کہیں فرماتے ہیں کہ میرے اور عیسیٰؑ کے درمیان کوئی نبی نہ تھا اور ان کو نازل ہونا ہے۔

۷۔ کہیں یوں ارشاد ہے کہ آسمان پر معراج کی شب حضرت عیسیٰؑ نے قیامت سے پہلے اپنے نزول کا ذکر کیا۔

۸۔ کسی آدمی کے پہچاننے یا اس تک خط پہنچنے کے لئے نام، ولدیت اور شہر کا ذکر اکثر اوقات کافی ہوتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے کے بارہ میں ان کے نام یعنی حضرت عیسیٰ کی تصریح فرماتے ہیں۔

۹۔ ان کا لقب مسیح بھی ذکر کرتے ہیں۔

۱۰۔ ان کی والدہ کا نام (مریم) بھی بتاتے ہیں۔ حالانکہ تعارف کے لئے باپ کا نام لیا جاتا ہے

لیکن چونکہ آنے والے کا باپ نہ تھا اور وہ وہی مریم صدیقہ کا بیٹا تھا۔ اسی کا ذکر کیا۔
۱۔ مذکورہ بالا نشان دہیوں کے سوا مقام نزول بتایا کہ شہر دمشق میں نزول ہو گا۔
۲۔ شرقی منارے کی اطلاع دی۔
۳۔ ان کا لباس بتایا کہ آپ پر دو زرد چادریں ہوں گی۔
۴۔ جسمانی کیفیت بتائی کہ بالوں سے جیسے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوں گے۔
۱۵۔ نزول کے وقت ملی حالات پر روشنی ڈالی کہ حضرت مہدی نظام سلطنت میں مشغول ہوں گے۔ ان دجالی لشکر اور دجال سے مقابلہ کی تیاری ہو گی۔
۱۶۔ اس وقت کے مسلمانوں کے امیر حضرت مہدی علیہ السلام کا نام محمد ان کی والدہ کا نام آمنہ ان کے والد کا نام عبداللہ اور ان کی قومیت (سید) سب کچھ بتایا۔
۱۷۔ نزول کا وقت بتایا کہ صبح کی نماز کا وقت ہو گا' جماعت کی تیاری ہو گی۔
۱۸۔ حضرت مہدیؑ ان کو امام بنانا چاہتے ہوں گے لیکن وہ انکار کر کے انہی کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔
۱۹۔ نماز کے بعد دجال کو حضرت عیسیٰؑ اپنے دست مبارک سے قتل کریں گے۔ عام دجالی لشکر کو شکست ہو گی۔
۲۰۔ ساری دنیا میں اسلام پھیل جائے گا۔ صلیب کی پوجا اور خنزیروں کا پالنا ختم ہو جائے گا۔
۲۱۔ مال کی بہتات ہو گی کوئی قبول کرنے والا نہ ہو گا۔ دین کی اہمیت بڑھ جائیگی ایک سجدہ دنیا بھر سے زیادہ قیمتی سمجھا جائے گا۔
۲۲۔ حضرت عیسیٰؑ شادی کریں گے (کیونکہ پہلی بار شادی نہ کی تھی) ان کی اولاد ہو گی۔
۲۳۔ وہ حج ادا کریں گے۔
۲۴۔ وہ حج کا احرام (فج روحا) سے باندھیں گے۔ مسلم ج ۲ ص ۴۰۸
۲۵۔ پینتالیس سال دنیا میں رہیں گے۔
۲۶۔ وفات شریف کے بعد مدینہ منورہ میں آنحضرتؐ کے پہلو میں دفن ہوں گے۔
۲۷۔ دنیا عدل و انصاف سے بھر جائیگی۔ جیسے کہ پہلے ظلم وجور سے پر ہو گی۔
۲۸۔ ان کے وقت میں یاجوج و ماجوج ایک قوم کا خروج ہو گا۔ جو آخر کار آپ کی دعا سے خانہ جنگی میں مبتلا ہو کر خود ہی تباہ ہو جائیگی۔
۲۹۔ حضرت عیسیٰؑ کے بال خوبصورت چمکیلے ہوں گے۔ (بخاری' مسلم' ابن ماجہ' حاکم' کنز العمال)
۳۰۔ ان کا جسم مبارک تندرست و توانا ہو گا سفید سرخی مائل رنگ ہو گا (کنز العمال ج ۷

ص ۲۰۳)
اس طرح کی تقریباً ایک سو نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں جن کا استیعاب بمعہ حوالہ کے حضرت مولانا محمد شفیع نے اپنے رسالہ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح میں کیا ہے۔

مرزائی تاویلات

قرآنی آیات' رسول احادیث' صحابہ کے بیانات اور سینکڑوں علامات و نشانات سے قطع نظر کرکے اگر ایک شخص عیسیٰ ابن مریم بننے کی کوشش یوں کرے کہ عرصہ تک میں مریم بنا رہا۔ مجھے حیض آتا رہا آخر میں مجھے حمل ہوا۔ نو ماہ کے بعد درد زہ ہو کر مجھے بچہ پیدا ہو گیا وہ بچہ عیسیٰ تھا۔ جو میں خود ہی تھا۔
اس طرح عیسیٰ ابن مریم یعنی میں ولد میں ہی بنا۔ جیسا کہ کشتی نوح میں درج ہے یا ایک شخص یوں گوہر افشانی کرے کہ دمشق سے مراد قادیان ہے۔ مسیح سے مراد غلام احمد ہے مریم سے مراد چراغ بی بی ہے۔ دجال سے مراد پادریوں کا گروہ ہے جس کے روحانی قتل کے لئے میں مبعوث ہوا ہوں۔ (اور باوجود اس کے اس حکومت کو خدا کی رحمت بتائے' اس کی اطاعت فرض قرار دے' جس کی پشتیبانی سے پادریوں کا یہ گروہ وہ سب کچھ کر رہا ہے) یا ایسی ہی تاویلات کرتے ہوئے کہے کہ زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں ایک ذیابیطس کہ روزانہ سو سو بار پیشاب کرتا ہوں۔ اور دوسری درد سر' جو ہر وقت چکراتا ہے۔
پھر یہ مدعی مسیحیت ساری دنیا میں اسلام پھیلانے کی بجائے پرانے مسلمانوں کو بھی کافر قرار دیدے خروج تک کرنے کی توفیق نہ ہو۔ مٹھی بھر مریدوں کی جماعت میں بھی شرعی حدود قصاص جاری کرنے کی طاقت نہ ہو جن پادریوں کے روحانی قتل کرنے کا دعویٰ ہو وہ امریکن اثر و نفوذ کے ساتھ ساتھ امریکن مشنریوں کے الگ زیادہ سے زیادہ ملکوں میں پھیلتے جائیں۔ خود اس کی عمر ایک نصرانی حکومت کو دعائیں دیتے ہوئے گزر جائے جس کی خاطر بقول خود ممانعت جہاد کے فتوے لکھ لکھ کر تمام اسلامی ممالک میں شائع کرے۔ (کتاب البریہ)
جناب والا کیا مندرجہ تصریحات کے بعد اس قسم کی رکیک تاویلات اس قابل ہو سکتی ہیں کہ ان پر کان دھرا جائے۔

امت محمدیہ کا فیصلہ

قرآن کی آیتیں نازل ہو رہی ہیں۔ الوہیت مسیح اور تثلیث کی تردید میں قرآنی دلائل کا چرچا ہے۔ نصرانیوں پر اسلامی دلائل کا رعب چھایا ہوا ہے دوسری طرف حضرت مریم صدیقہ

کی پاک دامنی ' عفت اور صفائی نیز حضرت عیسیٰؑ کی عالی شان جبرائیل سے پیدائش ' ان کی نبوت یہود کے مقابلہ میں اس کی خدائی حفاظت اور رفع الی اللہ کے تذکرے ہیں۔ ایسے وقت آنحضرتؐ کا یہود کو فرمانا کہ مسیح زندہ ہے اور اس کو دوبارہ آنا ہے اور مسلمانوں کو قسم کھا کر آپ کا فرمانا کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم قیامت سے پہلے ضرور نازل ہونگے ان کو پہچان رکھو۔ اس وقت تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ صحابی آپ کا یہ ارشاد قرآن کی تفسیر قرار دے رہے ہیں۔ ان حالات میں کسی کو یہ خیال گزرنا بھی مشکل ہے کہ کسی اور مسیح کے آنے کا ذکر ہے شرعی تذکروں میں مسیح ابن مریم سے وہی مریم صدیقہ کا بیٹا' اسرائیلی مسیح عیسیٰ مراد لیا جاتا تھا۔

تمام تفاسیر

جلالین شریف ' بیضاوی شریف ' تفسیر ابن کثیرؒ ابن جریرؒ فتح البیان ' تفسیر خازن ' تفسیر ابی سعود ' تفسیر کبیر ' تفسیر معالم التنزیل ' روح البیان ' تفسیر کشاف ' تفسیر مدارک ' تفسیر روح المعانی وغیرہ سینکڑوں مفسرین ' تمام محدثین ' تمام فقہاء امت اور تمام مجددین نے یہی کہا اور یہی لکھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا ہے اس پر تلخیص الحبیر میں حافظ ابن حجرؒ نے اجماع نقل کیا ہے۔

اور یہ کہ وہ آخری زمانہ میں دوبارہ دنیا میں تشریف لا کر شریعت محمدیؐ کے تحت پینتالیس سال عمر گزارتے ہوئے اسلام کی خدمت کریں گے اور ان کا نزول قیامت کی علامات کبریٰ میں سے قرار دیا گیا ہے۔

مرزائیوں نے (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک لفظ ممیتک سے جو متوفیک کے ترجمہ کے سلسلہ میں امام بخاری نے کمزور سمجھ کر بغیر سند کے نقل کیا ہے۔ لفظی بحثوں میں الجھانے کا ایک طوفان کھڑا کیا ہے حالانکہ تفسیر ابو سعود ' در منثور ' تفسیر معالم التنزیل ' تفسیر ابن جریر جلد ۵ اور طبقات ابن سعد جلد نمبر ۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد روایتیں منقول ہیں جن میں وہ تصریح فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ' زندہ ہیں اور آخری زمانہ میں وہ نازل ہو کر حاکم عادل ہوں گے۔ اور تفسیر ابو السعود میں تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس سے صحیح روایت یہی ہے۔

جن حضرات کو مرزائیوں نے تیرہ صدیوں کے مجددین میں شمار کیا ہے اور جن کی فہرست مرزائیوں کی مشہور کتاب عسل مصفیٰ میں دی گئی ہے ان سب کا اسی عقیدہ پر اتفاق ہے یہاں صرف ایک حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سرہند شریف والوں کا حوالہ نقل کیا جاتا

ہے جو گیارھویں صدی ہجری گزرے اور جن کو امت نے دوسرے ہزار سال کا مجدد تسلیم کیا ہے آپ اپنے مکتوب نمبر ۱۷ دفتر سوم حصہ ہشتم میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ از آسمان نزول خواہد فرمود' متابعت شریعت خاتم الرسل خواہد نمود ان کی متابعت بارھویں صدی میں شاہ عبدالقادر دہلوی" شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی" کے قرآنی تراجم بامحاورہ اور تحت اللفظ میں موجود ہیں۔ یہ سب کے سب اسی مطلب پر متفق ہیں۔ ان کو بھی مرزائیوں نے مجدد تسلیم کیا ہے۔

حتیٰ کہ خود مرزا

حتیٰ کہ خود مرزا غلام احمد قادیانی کو جب تک خود مسیح ابن مریم بننے کا خیال نہ آیا تھا وہ بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا اور اس نے نہایت صفائی سے حضرت عیسیٰ" کا آنا اور عالمگیر غلبہ اسلام کا اپنی کتاب براہین احمدیہ میں ذکر کیا ہے اور ازالہ اوہام میں اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ عقیدہ نزول مسیح خیر القرون میں متواتر و مشہور تھا' ظاہر ہے کہ یہ متواتر تعلیم اور زبان زد خاص و عام عقیدہ ابن عیسیٰ" کے بارہ میں تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے اور جو پہلے ہو گزرے ہیں۔ جیسا کہ تمام امت محمدیہ تیرہ سو برس تک سمجھ رہی تھی اور سمجھ رہی ہے۔ مرزا غلام احمد " آئینہ کمالات اسلام " میں ذرا " عجیب " کر بجائے اردو کے عربی میں لکھتے ہیں۔ نزول مسیح کا عقیدہ اصل مفہوم کے لحاظ سے تو حق تھا لیکن اس کا اصلی مفہوم اللہ تعالیٰ نے آخری زمانہ تک چھپائے رکھا اور یہ سر مکتوم کی طرح رہا جیسے تخم خوشہ میں چھپا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ظہور (یعنی میرا) کا وقت آگیا۔ کیا اچھی سوجھی' ایسے قطعی متواتر اور مشہور عقائد کے بارہ میں اگر خدا ایسا کرنے لگے حتیٰ کہ تمام آئمہ دین ' مفسرین ' محدثین اور مجددین دھوکہ میں پڑ جائیں۔ اور ان کے لکھنے کی وجہ سے ساری امت یہی عقیدہ رکھے پھر اچانک مسیح کے نام سے کوئی دوسرے صاحب آ نمودار ہوں اور امت اپنے بزرگان دین کے متفقہ عقیدہ کے موافق اس کا انکار کر کے کافر ہو جائے۔ یہ اچھا دین رہا اور ارحم الراحمین خدا کا اپنے رسول رحمتہ للعلمین کی امت کے ساتھ اچھا سلوک ہوا!

نئے مسیح موعود کی اصطلاح اور اس کی اپنی شریعت

یہ نیا نمودار ہونے والا بزرگ مسیح ابن مریم یا عیسیٰ بن مریم کی بجائے مسیح موعود کی نئی اصطلاح تراش کرے۔ (کیونکہ موعود کا لفظ اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ہے جیسا کہ علامہ اقبال نے بھی کہا ہے) اور اپنی نئی شریعت جاری کر دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت کا دعویٰ کرتے کرتے آپ کی شریعت کو کامل طور پر مسخ کردے۔ جس کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ اسلام میں دو مسیحوں کی اصطلاح اور عقیدہ کا اضافہ مسیح اسرائیلی اور مسیح محمدی۔

۲۔ اسلام میں بروز کا مسئلہ ایجاد کرنا مثلاً بروزی نبی' بروزی محمدؐ' بروزی مسیح' حالانکہ اگر اصل اور اس فرضی بروزی کی روح اور جسم الگ مان لئے جائیں تو اتحاد یا ترقی یافتہ ہونے کا کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر روح وہی پرانی مانی جائے تو یہ تناسخ کا مسئلہ بن جاتا ہے۔

۳۔ اسلام میں آنحضرتؐ کی دو بعثتوں کا مسئلہ ایجاد کیا۔ بعثت اولیٰ جس میں آپ ہلال تھے اور آپ کا نام محمد تھا۔ بعثت ثانیہ جس میں آپ بدر کامل بن گئے اور نام آپ کا احمد ہوا (یعنی غلام احمد قادیانی)

۴۔ اپنے نہ ماننے والے تمام ان مسلمانوں کو کافر قرار دیا جو آنحضرتؐ کو بعد آپؐ کے سارے دین کے مانتے تھے۔ اس طرح خود بخود دو امتیں بن گئیں (حقیقتہ الوحی)

۵۔ اور پھر اپنی امت کو حکم دیا کہ تم پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر یا مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو (تحفہ گولڑویہ) اس طرح مرزائی امت کے ساتھ دینی اتحاد کی صرف ایک ہی شکل رہ جاتی ہے کہ کوئی مسلمان مرزا کے مسیح ہونے میں شک و تردد تک نہ کرے۔ بصورت دیگر نماز اور جنازہ پھر اسی ذیل میں مساجد کی علیحدگی خود بخود ہو کر امت قطعی طور پر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی ہے جس کو بچانے کے لئے آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ صلوا خلف کل برو فاجر یعنی ہر اچھے برے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔ مطلب یہی تھا کہ تمہاری وجہ سے کسی کے پیچھے ایسے حالات میں نماز ترک کردے کہ جس سے فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے بہتر نہیں۔

۶۔ اسلام کے ایک فریضہ مسئلہ جہاد کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا۔ اور وہ بھی انگریزی حکومت کی خاطر جیسا کہ کتاب البریہ میں تصریح ہے۔

۷۔ مسلمانوں کے متفق علیہ مسئلہ حیات مسیح کا انکار کیا۔

۸۔ مسلمانوں کے متفق علیہ عقیدہ معراج جسمانی کا انکار کیا۔

۹۔ غیر مسلم حکومت (انگریز) کی اطاعت کو فرض قرار دیا۔ اور ان کو اولی الامر کہا۔ جن کی دوستی اور جن کو ہمراز بنانے کی قرآن میں سخت ممانعت وارد ہے۔

۱۰۔ خاتم النبیین کے بعد نبوت کا دروازہ کھول کر ہزاروں فتنوں کو دعوت دی۔

۱۱۔ اسلام اور قرآن پاک کے مشہور مسئلہ ابدیت عذاب کفار کا انکار کیا (حقیقتہ الوحی)

۱۲۔ چندہ نہ دینے سے جماعت سے خارج کردینے (جس کو وہ اسلام سمجھتے ہیں) کا مسئلہ اضافہ کیا۔ جس پر آج تک عمل ہو رہا ہے گویا ایک فرض کا اضافہ ہی نہیں بلکہ چندہ نہ دینا کفر قرار دیا

کیونکہ سلسلہ مرزائیت ہی کو وہ اسلام قرار دیتے ہیں۔

۱۳۔ وحی نبوت کا دروازہ کھولا اور وحی و نبوت کو اتنا سستا کر دیا کہ آج ہر مراقی ایک خواب دیکھ لینے پر الہام و وحی یا نبوت کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں نہایت غلط عقیدے گھڑے مثلاً یہ کہ خدا کبھی اپنا ارادہ پورا کرتا ہے اور کبھی چھوڑ دیتا ہے حالانکہ اسلام کا خدا فعال لما یرید ہے۔ ارادہ کر کے ترک کرنے کا معنی یہی ہو سکتا ہے کہ پہلا ارادہ غلط تھا۔ العیاذ باللہ' جو خدا علیم و خبیر قدیر و حکیم ہے وہ ارادہ کر کے کیسے ترک کر سکتا ہے اس کے سوا کتاب البریہ میں الہام لکھا آواہن (خدا تیرے اندر اتر آیا) یہ ترجمہ بھی خود کیا اس طرح ہندوؤں کی طرح اوتار کے مسئلہ کی بنیاد رکھی۔ یا اپنے بیٹے کے بارہ میں حقیقۃ الوحی میں لکھا کان اللہ نزل من السماء جیسے خدا آسمان سے نازل ہو گیا ہے۔

۱۵۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی شان میں غلط عقیدہ رائج کیا کہ ان سے وحی کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ حتیٰ کہ آنحضرتؐ کی پہلی وحی کے سلسلہ میں یہاں تک لکھ مارا کہ آپ نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہیں شیطانی مکر نہ ہو (حقیقۃ الوحی) حالانکہ یہ بالکل غلط ہے آنحضرتؐ نے یہ لفظ قطعاً نہیں فرمائے۔ یہ محض جھوٹ اور آنحضرتؐ کی توہین ہے کہ آپؐ کو اپنی وحی کے بارہ میں شیطانی مکر ہونے کا اندیشہ ہو گیا ہو یہ بات وہی شخص کر سکتا ہے جو پیغمبر کا در باطن دشمن ہو یا پھر پیغمبر کی شان سے کافرانہ ناواقفیت رکھتا ہو۔ پیغمبر کا پہلا قدم اولیاء کا آخری قدم ہوتا ہے "بو زند چہ داند لذت اوراک" ایک جگہ مرزا نے یہاں تک لکھ مارا کہ ایک دفعہ چار سو پیغمبروں نے ایک بادشاہ کے فتح کی پیشین گوئی کی لیکن وہ غلط نکلی۔ اس میں مرزا نے انبیاء علیہم السلام کے اعتبار کو بالکل ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ مندرجہ روایت کسی معتمد قرآنی بیان یا حدیث یا اقوال سلف میں نہیں ہے۔ اور بائبل میں جہاں سے نقل کیا ہے دراصل یہ کاہنوں کا ذکر ہے ایسی تحریف شدہ کتابوں سے رطب ویابس نقل کر کے یہ ثابت کرنا کہ چار سو نبیوں کا کہنا بھی غلط ہو سکتا ہے حالانکہ انبیاء علیہم السلام ایسی بات اگر کہتے ہیں خدائی اطلاع کے بعد کہتے ہیں جس کا غلط ہونا ناممکن ہے۔ اس طرح بھی مرزا نے دین کا اعتماد ختم کرنا چاہا اور اس کو اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ عبداللہ آتھم عیسائی مرزا کی پیش گوئی کے مطابق نہ مرا۔ اس طرح محمدی بیگم والی بار بار کی وحی جھوٹی ہوئی تو مرزا نے اپنی پیغمبرانہ ساکھ بچانے کے لئے اس عیب میں تمام پیغمبروں کو لپیٹ لیا۔

۱۶۔ مرزا نے عملاً حج منسوخ کیا۔ نہ خود حج کیا۔ نہ اس کے خلیفہ اول نورالدین نے حج کیا بلکہ اس کی جگہ دسمبر کے بڑے دنوں میں ہر سال حج پہلے قادیان میں کرتے رہے کیونکہ مرزا کا فرمان

تھا۔

زمین قادیان اب محترم ہے۔ ہجوم خلق سے ارض حرم ہے

اور اب وہ بھونڈی حج ربوہ میں ہوتا ہے۔

۱۷۔ مرزا قادیانی نے بہشتی مقبرہ کے سلسلہ میں جنت کے ٹکٹ تقسیم کئے۔ حصول جنت کے لئے ہزاروں مرزائیوں نے لاکھوں روپے خرچ کر کے وہاں جگہ لی۔ یہ کاروبار کامیاب رہا جیسے کہ بیچارہ "مسیح کمزور" کرنے کا چندہ کامیاب رہا۔ حالانکہ یہ بات کہ زانی، شرابی، رشوت خور اور بدکار جب کسی خاص جگہ دفن کیا جائے تو اسلامی تعلیمات کی رو سے اس طرح وہ اپنے اعمال کی جواب دہی سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔

۱۸۔ مرزا نے جمہور اہل اسلام کے عقیدہ مہدی اور مسیح کو ملا کر ایک کر دیا۔ جمہور اہل اسلام مہدی علیہ السلام کا علیحدہ وجود تسلیم کرتے ہیں اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مہدی "کو کثیر التعداد روایات کو محض اس لئے نظر انداز کر دینا کہ ان میں باہم بہت سے اختلافات ہیں۔ اسلامی اصول روایت اور نقل دین کو تبدیل کرنا ہے۔

کیونکہ اختلافات کے باوجود قدر مشترک سب میں پایا جاتا ہے۔ یعنی ایک اونچے درجے کے منتظم، حکمران اور روحانی پیشوا کے آنے پر سب روایتیں متفق ہیں جو مہدی کہلائے گا۔ چاہے تفاصیل و جزئیات میں ان روایات میں باہم اختلافات ہی کیوں نہ ہوں، اس طرح کی روایات میں نفس مضمون جو قدر مشترک کہلاتا ہے تواتر و توارث کی وجہ سے یقینا صحیح سمجھا جاتا ہے۔ نزول مسیح کی سینکڑوں روایات میں سے بھی بعض کا بعض سے اختلاف ہے لیکن خود مرزا غلام احمد نزول مسیح کو اسی تواتر قدر مشترک کی وجہ سے قطعی قرار دیتے ہیں بات یہ ہے کہ مہدی بننے سے مرزا کو روایات کے موافق جہاد کر کے اسلامی ممالک کا بہترین نظام قائم کرنا پڑتا۔ جس کے لئے نہ صرف وہ تیار تھے اور نہ ہی وہ حالات تھے جو مہدی" کے وقت ہونے ہیں اس لئے مرزا نے سرے سے ان کے انکار ہی میں خیر سمجھی۔ اور اس طرح علماء کے خلاف یہ کہہ کر کہ یہ خونی مہدی کے منتظر ہیں، دل کی بھڑاس نکالنے اور انگریز کو اپنی جہاد شکن مسیحیت جتانے سے خوش کرنے کا موقعہ بھی ملا۔

۱۹۔ مرزا نے مسلم ممالک کو انگریزوں کا خیر خواہ بنانے، مسلمانوں کو ان کا مستقل وفادار بنانے اور جہاد کی حرمت و منسوخی کے سلسلہ میں پچاس الماریاں لکھ کر اسلام میں جراثیم غلامی کی تخم ریزی کی ہے، جو اسلام صرف غالب رہنے اور دنیا پر چھا جانے کے لئے آیا تھا اور جس اسلام کے سچے پیروؤں نے مظلوم دنیا کے بڑے حصہ کو پنجہ استبداد سے نجات دی تھی۔

۲۰۔ مرزا غلام احمد نے قرآن و حدیث کے من گھڑت معانی کرنے سلف صالحین کے خلاف

بیان کرنے قرآن کی تفسیر بالرائے کرنے اور احادیث کے سلسلہ میں آنحضرت ؐ کی طرف سے منسوب معانی منسوب کرنے کا منحوس دروازہ کھولا جس کے بعد دین اور روایات دین کا کوئی مفہوم بھی قابل اعتبار و اعتماد قرار نہیں دیا جا سکتا جیسے کہ ونفخ فی الصور و فجمعناھم جمعا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں (اور صور یعنی بگل پھونک دیا جائے گا اور ہم سب لوگوں کو حشر میں جمع کر دیں گے) اس طرح حشر اور جمع کرنے کا قرآن میں متعدد جگہ ذکر ہے لیکن مرزا نے اس کا ترجمہ حقیقت الوحی میں یہ کیا ہے کہ جب مسیح آئے گا تمام لوگ ایک ہی مذہب پر ہو جائیں گے۔ تمام لوگ ایک مذہب پر کیا ہوئے' پہلے مذہب کے اندر بھی مرزا کی برکت سے خطرناک پھوٹ پڑ گئی۔ اب مرزا وحدت ادیان کے بغیر ہی صور بجے رہے۔ جس میں پھونک تو حق ہی رہی۔ اسی طرح سورہ اذا زلزلت الارض زلزالھا اور سورہ اذا الشمس کورت کی تحریف کی ہے۔ واذا الصحف نشرت میں اعمال ناموں کی جگہ اخبارات کا ترجمہ کیا ہے اور بیسیوں جگہ قرآن و حدیث سے تلعب کیا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ دین سے ناواقف مغربی تعلیم کے افراد کو محدود یا جا کر قرآن پاک سب کی رائے زنی کے لئے ایک کھلونا بنا دیا جائے۔

فیصلہ کن دعویٰ

ہمیں یہاں اس بارے کی تفاصیل سے بحث نہیں لیکن زیر بحث مسئلہ ہی میں ہم ببانگ دہل یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مرزائی امت کسی آیت یا حدیث کے ذیل میں کسی صحابی تابعی۔ کسی امام حدیث' امام فقہ اور کسی مفسر یا مجدد اور سلف صالحین کا ایک قول بھی پیش نہیں کر سکتے۔

ا۔ جس میں کہا گیا ہو کہ آنحضرت ؐ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کوئی نیا نبی بن سکتا ہے۔ یا وحی نبوت کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو سکتا ہے۔

ب۔ یا کسی نے یہ کہا ہو کہ نزول مسیح کی متواتر اور قطعی روایات میں مسیح سے مراد وہ پرانا مسیح عیسیٰ ابن مریم نہیں جو پہلے کا رسول ہے۔ بلکہ اس اسرائیلی مسیح کے سوا کسی اور آدمی کو آنا ہے اور یہ عیسیٰ ' مسیح' دمشق' آسمان ' دجال ' منارہ ' کسر صلیب ' غلبہ اسلام' عادلانہ حکومت' وغیرہ سینکڑوں جیسی کلمات و علامات صرف بے معنی الفاظ ہی الفاظ ہیں۔

دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے ایسا کوئی قول پیش نہیں کیا جا سکتا۔ حیات ' وفات کی لفظی بحثوں میں رطب و یابس کے بیان سے اصل مسئلہ کو الجھایا جا سکتا ہے لیکن سلف میں سے کسی ایک کا قول اس مدعا میں پیش نہیں کیا جا سکتا کہ آنے والا مسیح وہ اسرائیلی مسیح ابن مریم نہیں ہو گا جو زندہ آسمان پر موجود ہے یہ امر بجائے خود ناممکن ہے کہ مسئلہ اتنا عظیم الشان اور معرکہ

الاَّرا ہے جس پر سب کے سب پورا زور قلم صرف کرتے ہیں لیکن اس کے مفہوم جو ظاہری مفہوم کے خلاف ہو اس پر سب کے سب خاموش رہے بلکہ اس کے برعکس اولیاء کے سرتاج خواجہ حسن بصری" مجددین کے سرتاج حضرت مجدد الف ثانی سرہندی" اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (جن کی مشہور تصنیف فتوحات مکیہ جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۵ جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۴۱ اور جلد اول ص ۱۳۵ ۔ ۱۸۵ ص ۲۲۳ میں تصریح ہے) اور صحابہ کرام سے لیکر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تمام سلف یہی کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم زندہ آسمان پر موجود ہیں جو قرب قیامت میں نازل ہو کر عادل بادشاہ کی حیثیت سے عالمگیر غلبہ اسلام کا سبب ہوں گے۔

تواتر قومی کی قوت

اگر مندرجہ بالا طریقہ پر مفسرین ' محدثین ' مجددین اور سلف صالحین سے باقاعدہ اجماعی طور سے عقیدہ مذکورہ مروی ہے نہ بھی ہوتا تو بھی امت محمدیہ کا پشت بہ پشت قرن اول سے آج تک یہ عقیدہ ہونا قطعی دلیل ہے کہ یہی قرآن و حدیث اور خدا رسول کی مراد ہے مثلاً نماز کی رکعات کی تعداد میں اسناد کا تواتر نہیں صرف یہی امت محمدیہ کا توارث ہے جو پشت بہ پشت چلا آ رہا ہے یہ بھی دلیل قطعی ہے اگر کوئی شخص صبح کی فرض نماز کی تین اور مغرب کے فرض دو رکعات قرار دے وہ فرض کا منکر متصور ہو گا۔ اسی طرح قرآن پاک کی ایک ایک آیت کے بارہ میں متواتر اسانید پیش نہیں کی جا سکتیں بلکہ قرآن کا قرآن ہونا یعنی یہ امر کہ یہ موجودہ قرآن وہی قرآن ہے جو آنحضرت ؐ پر نازل ہوا ہے اسی تواتر اور توارث سے ثابت ہے۔ اگر قرن اول سے اخیر تک لاکھوں کروڑوں افراد کا "نسلاً بعد نسل" کسی عقیدہ یا کسی مسئلہ پر متفق ہونا دلیل قطعی نہ ہو تو پھر قرآن کا قرآن ہونا بھی ثابت ہونا مشکل ہو جائے گا۔ مسواک کا استعمال سنت ہے یعنی آنحضرت ؐ نے اسے استعمال فرما کر اس کو موجب ازدیاد ثواب بتایا ہے۔ اگر ایک شخص اسے ضروری نہ سمجھے یا عمر بھر استعمال نہ کرے اس کو گناہ بھی نہ ہو گا صرف ثواب کی کمی ہو گی لیکن اگر وہ مسواک کے ثواب اور کار خیر ہونے کا ہی انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا کیونکہ اس نے آنحضرت ؐ کی تکذیب کر دی۔ قومی تواتر اور امت کے توارث سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت ؐ نے اس کو ازدیاد ثواب کا باعث فرمایا ہے۔ کفر و ایمان کا معیار ہی در اصل تصدیق یا تکذیب ہے۔ جس نے آنحضرت ؐ اور قرآن کی تصدیق کی وہ مسلمان ہے جس نے ایک بات میں بھی آپ ؐ کی تکذیب کی وہ کافر ہے شکار کرنا کوئی فرض نہیں لیکن اگر کوئی شخص شکار کو حرام کہے وہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے آیت قرآن کی تکذیب کی جس میں شکار کی اجازت ہے واذا حللتم فاصطادوا (یعنی حج سے فارغ ہو کر تم شکار کر سکتے ہو) ان کو

حرام کہنے اور حرام کو حلال کہنا بھی اس لئے کفر ہے کہ اس میں خدا اور رسول کی تکذیب لازم آتی ہے۔ تصدیق اور تکذیب چونکہ دل کی صفتیں ہیں اس لئے قانون اور شریعت میں نشانات پر حکم لگایا گیا ہے۔ یعنی اگر تصدیق کی نشانی ہو گی تو مومن کہا جائے گا۔ اگر تکذیب کی نشانی پائی جائے تو اسے کافر کہا جائے گا۔

ا۔ مشہور حدیث من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے دین اسلام کی تصدیق کی اور مجھے خدا کا رسول مانا وہ جنتی ہو گا۔ اس لئے کہ عرب اللہ کو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی چھوٹے چھوٹے خدا بھی بنا رکھے تھے وہ لا الہ الا اللہ کو نہیں مانتے تھے اس لئے لا الہ الا اللہ کہنا آنحضرتؐ کی تصدیق کی نشانی تھی جو یہ کلمہ کہتا اس کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ اس نے دین اسلام قبول کر لیا۔

۲۔ اس بیان سے اس حدیث کا مطلب بھی واضح ہو گیا کہ جو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھے ہمارا ذبیحہ کھائے وہ ہم میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں تصدیق کی نشانیاں ہیں لیکن اگر کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ یہ لا الہ الا اللہ کہنے والا آنحضرت محمد رسول اللہؐ کو پیغمبر نہیں مانتا صرف توحید کو مانتا ہے۔ اس شخص کے کفر میں کیا شک ہو سکتا ہے کیونکہ تکذیب کی نشانی پائی گئی۔ اسی طرح نماز قبلہ رو ہو کر پڑھنے والا اگر کہہ دے کہ زکوٰۃ فرض نہیں یا جہاد حرام ہے اس کا یہ کہنا آنحضرتؐ کی تکذیب کی علامت قرار دی جا کر اس کو کافر کہا جائے گا۔

قرآن پاک نے تکذیب ہی کو کفر اور مستوجب سزا قرار دیا ہے کل کذب الرسل فحق وعید۔ میں تکذیب رسل پر وعید مرتب فرمائی ہے۔ اسی طرح کذبت قبلھم قوم نوح و اصحاب الرس و ثمود میں تکذیب ہی کو ہلاکت کا سبب بتایا ہے۔ بہرحال ایمان کے لئے ضروری ہے کہ آنحضرتؐ کے لائے ہوئے تمام دین کو سچا سمجھ کر دل سے مان لے اور کفر کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ کسی ایک ہی امر میں وہ رسول کی تکذیب کر دے اس کو قرآن نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض (کیا تم کتاب کی بعض باتیں مانتے ہوئے اور بعض کا انکار کرتے ہو)

اسلام ایک مخصوص تعلیم، مخصوص عقائد و احکام اور مخصوص عبادت و طرز زندگی کا نام ہے یہ آسمانی مکمل ہدایت ہے۔ نہ جس کے بنانے میں انسانی عقل شریک ہے اور نہ اسے اس میں کمی یا زیادتی کرنے کا حق ہے سوائے ان امور کے جو خود اسلام نے اولی الامر کے حوالہ کر دیئے ہیں یا جن کو باہم مشورہ سے کرنے کا حکم ہے۔

اسلام کا انگریزی معیار

بدقسمتی سے یہاں سو سال سے زیادہ ایسی غیر مسلم حکومت مسلط رہی ہے جس کا بھلا ہی

اس میں تھا کہ اسلام کی روح فنا ہو جائے۔ مذہب اسلام کی اہمیت نہ رہے نہ فتویٰ کی قوت باقی رہے نہ فتویٰ دینے والوں کی عزت اور اسلام ایک کھلونا بن کر رہ جائے۔ اسلام کے نام پر اسلام کے اندر جتنے بھی فرقے یا اختلافات پیدا ہوں وہ اپنے لئے غنیمت جانتی تھی اور مذہبی آزادی کے نام پر اس کا یہ مقصد خوب پورا ہوا۔ انگریز کے ہاں مردم شماری اور دفتروں میں ہر وہ شخص مسلمان لکھا جاتا ہے جو اپنے کو مسلمان کہے۔ افسوس کہ انگریز کو جا کر عرصہ ہوا لیکن اس کا قائم کردہ معیار ابھی تک بعض دماغوں پر مسلط ہے۔ اس عدالت میں بعض بلند اور ذمہ دار افسروں نے یہی خیال ظاہر کیا۔

لیکن اگر اسلام اور مسلمان ہونے کا معیار یہی ہو کہ جو شخص اپنے کو مسلمان کہے۔ وہی مسلمان ہے تو پھر اس کے مندرجہ ذیل نتائج ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ایک شخص کہتا ہے نماز فرض نہیں ہے یہ صرف عربوں کا غرور توڑنے کے لئے تھی اب اسلام کو ماننے والے مسلمانوں کو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

۲۔ ایک کہتا ہے زکوٰۃ مالی نظام کے لئے فرض کی گئی تھی لیکن اب ٹیکسوں اور دوسرے ذرائع سے یہ انتظام ہو سکتا ہے اس لئے نہ اب زکوٰۃ فرض ہے نہ اس کی ادائیگی کی ضرورت۔

۳۔ ایک کہتا ہے روزہ میں صرف کھانا ممنوع ہے پھل اور فروٹ پر کھانے کا اطلاق نہیں ہوتا اس لئے ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۴۔ ایک کہتا ہے کہ قرآن میں ہے للہ علی الناس حج البیت (کہ لوگوں پر اللہ کے گھر کا ارادہ فرض ہے) اللہ کا تو گھر کوئی نہیں مراد یہ ہے کہ جہاں اللہ کے بندے بہت ہوں وہاں جمع ہونا چاہئے اور چونکہ آبادی لندن کی سب سے زیادہ ہے اس لئے لندن کا جانا فرض ہے اور یہی حج کا معنی ہے۔

۵۔ ایک کہتا ہے میں مسلمان ہوں لیکن فرشتوں کو نہیں مانتا۔ نہ جبرائیل کوئی فرشتہ ہے نہ کوئی اور۔

۶۔ ایک کہتا ہے قیامت کا دن تو حق ہے لیکن دوبارہ زندگی صرف افسانہ ہے وہ ایک روحانی کیفیت ہوگی۔

۷۔ ایک کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، آنحضرتؐ کو مانتا ہوں لیکن قرآن انہوں نے خود تصنیف کیا ہے یہ آسمان سے نازل نہیں ہوا۔

۸۔ ایک کہتا ہے۔ میں مسلمان ہوں لیکن حضرت محمد مصطفیٰؐ صرف عربوں کے لئے رسول تھے اور جس طرح قرآنی بیان کے مطابق ہر بڑے قریہ میں پہلے خدا کے نذیر آتے رہے ہیں اسی طرح آج بھی ہر بڑے مرکزی شہر میں رسول آتے ہیں اور آتے رہیں گے اور میں خود رسول

ہوں اور خدا کا یہ حکم لیکر آیا ہوں کہ پاکستان کو ختم کردو اور اکھنڈ بھارت بنا ڈالو۔
۹۔ ایک کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اسلام کی تعلیم کے لحاظ سے ہمیں دو خدا ماننے لازمی ہیں ایک بڑا خدا جسے اللہ کہتے ہیں جو رب العلمین اور سارے جہانوں کا مالک ہے دوسرا چھوٹا خدا جس کو روح القدس یا جبرائیل کہتے ہیں۔ اس نظام شمسی کا رب یہی ہے اسی طرح ہر ہر جہان میں ایک ایک چھوٹا خدا موجود ہے اور یہ سب رب العلمین کے ماتحت ہیں لیکن داخلی معاملات میں یہ آزاد و خود مختار ہیں۔ یہ چھوٹے خدا بڑے کی عبادت اور حمد و ثنا کیا کرتے ہیں چنانچہ سورہ فاتحہ میں یہی چھوٹا خدا اس رب العلمین کی حمد کرتا ہے اور پھر ایک عبد کہ کر اسی کی شہنشاہیت کا اقرار کرتا ہے۔ ہمیں یہ قرآن اور ہمارے یہ رسول حضرت محمد مصطفیٰ اسی چھوٹے خدا نے بھیجے ہیں ہمیں براہ راست اسی اپنے مقامی خدا سے حاجتیں مانگنی چاہئیں اور اسی کے ذریعہ بڑے اللہ کے سامنے ہدیہ عقیدت ارسال کرنا چاہئے۔
۱۰۔ ایک کہتا ہے کہ مسلمان ہوں اور آنحضرتؐ کی کامل متابعت کی برکت سے نبی بن چکا ہوں اب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ زنا کی حرمت نسب کی حفاظت کے لئے تھی اب فرنچ لیدر کے استعمال کی صورت میں زنا حرام نہیں رہا۔ اور قرآنی مساوات کی رو سے ہر عورت کو اسی طرح چار خاوند بیک وقت کرنے کی اجازت ہے جیسے ایک مرد کو چار عورتیں کرنے کی۔
۱۱۔ ایک کہتا ہے کہ خدا کا حکم ان الحکم الا للہ (حکومت صرف اللہ کی ہے) اس لئے کسی حاکم یا امیر یا وزیر یا حکومت کا حکم ماننا کفر ہے جو حکومت ہے' اس کو توڑ پھوڑ دینا لازم ہے یہ ہوم سیکرٹری' چیف سیکرٹری' وزیر اعظم' وزیر اعلیٰ' گورنر وغیرہ کے نام اور عہدے سب شیطانی ایجاد ہے۔ ان سب سے بغاوت مذہبی فریضہ ہے۔
۱۲۔ ایک کہتا ہے کہ میں آنحضرتؐ کا امتی ہوں اور متابعت کرتے کرتے آپ سے درجہ میں بڑھ گیا ہوں جیسے ایک معمولی کلرک کا بیٹا اپنی کوششوں سے ملازمت میں ترقی کرتے کرتے چیف سیکرٹری یا وزیر یا گورنر بن جائے اگرچہ وہ درجہ میں بڑھ گیا لیکن اسی طرح باپ کا بیٹا ہے پس اگرچہ میرا درجہ بڑھ گیا ہے لیکن میں آنحضرتؐ کا امتی ہوں۔
جناب والا! ان سب مدعیان اسلام کو مسلمان قرار دینا اور شہری آزادی کے نام سے ان کو اپنے اپنے مذہب کے اشاعت کی اجازت دینا کتنی مذہبی بغاوت کتنی ملکی انارکی۔ کتنی شرارت اور کتنے طوفانوں کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ کیا ہر مدعی اسلام کو یا مسلمان کہلوانے والے بلا لحاظ صحت عقائد و تصدیق ضروریات دین مسلمان قرار دینا اور اس کے خلاف انسدادی تبلیغی کاروائی کو مسلمان قوم میں تفرقہ اندازی اور سماج دشمنی قرار دینا ایک سلیم العقل آدمی کا کام ہو سکتا ہے' ہمارے بھی ہیں مہربان کیسے کیسے ---------- یہ بات وہی شخص کہہ

سکتا ہے جسے نہ اسلام سے دلچسپی ہو نہ ملک سے۔ کیونکہ ایسی آزادی دے دینے سے ملک کے اندر فسادات و نزاعات کا ایسا ملک گیر غیر مختتم سلسلہ شروع ہو سکتا ہے جس کے تصور سے بھی روح کانپ اٹھتی ہے یہ تو خدا کا فضل رہا کہ علماء دین کی مساعی سے ایسے فتنے سر نہیں اٹھا سکے ایک مرزائی فتنہ جس کی پشت پر سرکاری عناصر تھے آگے بڑھا اور صرف اس ایک فتنہ کی معمولی ترقی سے ملک کے اندر جو اضطراب پیدا ہوئے وہ ظاہر ہے اگر مذکورہ بالا قسم کے تمام فتنوں کو اس لئے کھلی اجازت دے دی جائے کہ یہ سب مسلمان کہلاتے ہیں تو اس کے نتائج کے مقابلہ میں موجودہ اضطراب عشر عشیر بھی نہ ہو گا۔

کفر کی قطعی وجہ

اس لئے ہمیں کفر و اسلام کے درمیان ایک صحیح مابہ الامتیاز حد قائم کرنی ہو گی اور وہ صرف یہ ہے کہ جس امر کا اسناد کے تواتر سے یا قوی توارث سے یا تواتر قدر مشترک سے آنحضرتؐ کا فرمودہ ہونا ثابت ہو جائے اس کا انکار آنحضرتؐ کی تکذیب قرار دے کر کفر قرار دیا جائے۔

انگریزی معیار اسلام کی تردید

یہ کہنا جو اپنے کو مسلمان کہے اسی کو مسلمان سمجھنا چاہئے اور اس کے خلاف نفرت پیدا کرنا قوم میں تفرقہ اندازی کے مترادف ہے۔ یہ اسلام اور اسلامی تاریخ سے لاعلمی پر مبنی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان لوگوں سے جہاد کیا جو تمام دین اسلام کو مانتے اور اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے صرف زکوٰۃ کا انکار کرنے لگے تھے اور تمام صحابہؓ نے حضرت صدیقؓ کا ساتھ دے کر بزور شمشیر اس فتنہ کی سرکوبی کی۔ حالانکہ اس وقت بیرونی خطرات روم و ایران سے بھی مسلمان دوچار تھے لیکن قرن اول کے مسلمانوں نے کسی مصلحت کی خاطر بھی اسلام کے ایک قطعی حکم کے انکار سے چشم پوشی کرنا صحیح نہیں سمجھا۔ اسی طرح مسیلمہ کذاب مدعی نبوت بھی اپنے کو مسلمان کہتا اور آنحضرتؐ کی نبوت کا اقرار کرتے ہوئے اپنے لئے بھی نبوت تجویز کرتا رہا اور چالیس ہزار بہادر عربوں کی فوج بھی ساتھ تھی لیکن صدیقی ایمان نے اس کی سرکوبی کر کے رکھ دیا۔ نہ اس کو خانہ جنگی سمجھا اور نہ تفرقہ اندازی۔ نہ اس کا دعویٰ اسلام اس کو مسلمانوں سے بچا سکا۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمر بھر خارجیوں سے جہاد کیا جو اپنے کو مسلمان کہتے اور عام احکام کے پابند تھے۔ صرف آیت کریمہ ان الحکم الا للہ کی آڑ لے کر کہتے تھے

کہ کسی امیر یا حاکم یا خلیفہ کی اطاعت ضروری نہیں۔ صرف اس خروج کی وجہ سے اور ایک قطعی حکم اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے انکار کی وجہ سے اس ناسور سے اسلام کے قومی جسم کو پاک و صاف کیا گیا۔ خلافت عباسی اور بعد میں بھی کسی آدمی کو جس نے کسی کفر کا ارتکاب کیا ہو، مسلمان ہونے کا دعویٰ اسلامی سزائے قتل سے نہیں بچا سکا۔ قانونی شریعت کے احترام نے منصور تک کی پرواہ نہیں کی۔

خدا سے مقابلہ

سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسا کہنے والا کہ ہر مدعی اسلام مسلمان ہے خدا کا مقابلہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے کھلے کافر اور صاف مسلمان کے سوا ایک تیسرے قسم کے لوگوں کا مستقل ذکر کر کے ان کا فیصلہ کیا ہے ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمؤمنین (کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایمان و اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وہ مسلمان نہیں ہیں) ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے منافقین کے نام سے علیحدہ قرار دیکر ان کی سزا عام کافروں سے زیادہ بتائی ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (کہ منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے) پھر اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ ایسے لوگوں کا جنازہ بھی نہ پڑھو۔ حالانکہ یہ لوگ نماز وغیرہ روزہ کے پابند تھے اپنے کو مسلمان کہتے۔ بلکہ بعض اوقات جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے۔ انگریزی معیار اسلام کے مطابق خدائے تعالیٰ سے غلطی ہوئی کہ جو لوگ اپنے کو مسلمان کہتے تھے ان کو خدا کہتا ہے کہ یہ مسلمان نہیں ہیں۔ ایسا کہنے والے قرآن اور خدائے قرآن کے مقابلہ سے بھی نہیں ہچکچاتے اور یہ لوگ کفر و اسلام کو ملا کر ایک معجون مرکب بنانا چاہتے ہیں حالانکہ کفر و اسلام دو چیزیں ہیں اور ان کے درمیان ایک صحیح حد فاصل موجود ہے اور وہ یہ ہے۔

کفر کی قطعی وجہ

کہ جو شخص قرآن پاک، خدا یا رسول خدا کی تکذیب کرے اور کسی ایک امر میں بھی جھٹلائے وہ قطعی کافر ہے۔ لیکن چونکہ تکذیب دل کا فعل ہے اس لئے قانون اور شریعت نے علامات تصدیق اور علامات تکذیب پر تصدیق و تکذیب کا حکم لگایا جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ مثلاً" اسلامی کتب میں یہ امر مصرح موجود ہے کہ ایک شخص قرآن پاک کو غصہ کے ساتھ گندگی میں پھینک دے اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا کیونکہ ایسا کرنے والے کے بارہ میں یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس کتاب کو کتاب اللہ سمجھتا ہے بلکہ اس کے اس فعل کو تکذیب کی نشانی قرار

دیا گیا ہے۔

جس طرح بالمشافہ ایک شخص آنحضرتؐ کی شرعی بات کا انکار کر کے کافر ہو جاتا ہے اسی طرح اگر قطعی ذرائع سے ثابت ہو جائے کہ یہ بات آنحضرتؐ کی فرمودہ ہے اس کا انکار بھی اسی طرح کفر ہو گا۔ قطعی ذرائع میں قرآن کی آیات ہیں۔ احادیث متواتر ہیں قوم مسلم کا قرنا بعد قرن توارث ہے اور قرآن و حدیث کے مفہوم کے بارہ میں صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے آخر تک تمام مفسرین محدثین اور علماء امت کا اتفاق ہے۔

اگر کوئی عقیدہ یا حکم ایسے قطعی ذرائع سے ثابت ہو۔ اس کا انکار قطعی کفر ہو گا۔ ایسے امر کے بارہ میں شک کرنے سے تمام دین اسلام ہی مشکوک اور ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی پیغمبر کی توہین' کسی شرعی حکم سے استہزاء' کسی قطعی حکم مثلاً" فرض کا انکار یا کسی امر قطعی سے انحراف یہ سب تکذیب کے علامات ہیں۔

مرزا غلام احمد کا کفر

پس مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر کی متعدد وجوہات ہیں۔

ا۔ اس نے قرآن و حدیث کے قطعی بیان ختم نبوت اور امت کے مجمع علیہ عقیدہ کہ (حضرت خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا اور کسی کو نبوت نہیں مل سکتی) کا انکار کیا اور خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کے ایسے معانی گھڑے جو امت محمدی کے تیرہ سو سال کے متواتر عقیدہ و بیان کے خلاف ہیں۔

۲۔ اس نے حیات مسیح کی نصوص قطعیہ اور نزول مسیح ابن مریم کے متواتر عقیدہ کا انکار کیا اور اس سلسلہ میں ایسی ایسی دور از کار تاویلات کر کے خود مسیح بننے کی کوشش کی کہ خدا کی پناہ !

۳۔ اس نے قرآن پاک کی توہین کی ایک تو اس لئے کہ اس نے کہا (قرآن خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں ہیں) دوسرے اس نے اپنی وحی کو قرآن کی طرح قطعی اور غلطی و خطا سے بری اور پاک قرار دیکر قرآن کے بے مثل ہونے پر حملہ کیا۔ تیسرے اس نے قرآن پاک کی مضحکہ خیز تاویلات کر کے قرآن میں معنوی تحریف کی۔

۴۔ اس نے یہ کہہ کر کہ جو حدیث میری وحی کے خلاف ہے وہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے لائق ہے حدیث کی توہین بھی کی اور منقول دین پر اعتماد کی سپرٹ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

۵۔ جہاد کی فرضیت سے انکار کیا۔

۶۔ مختلف موقعوں پر خدا پر افتراء کرتا رہا مثلاً یہ کہ خدا نے آسمان پر میرا نکاح محمدی بیگم سے

کیا ہے اور اس سلسلہ میں وحی کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری کیا جو سراسر افتراء اور دروغ بے فروغ تھا۔

۷۔ اس نے دو بعثتوں کا مسئلہ ایجاد کر کے اور اپنے کو عین محمد قرار دیکر زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنی ترقی اور آنحضرتؐ سے برتری کی بنیاد رکھی اور اسی قسم کی تصریحات بھی کیں اور اسی لئے اکمل شاعر کے اس شعر کی تصدیق و تحسین بھی کی۔ "محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں" ۔ اور اسی لئے مرزا محمود نے کہا کہ "ہر شخص ترقی کر سکتا ہے حتیٰ کہ آنحضرتؐ سے بڑھ سکتا ہے" ۔ اور اسی لئے مرزا نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ "آنحضرتؐ کے لئے صرف چاند گرہن ہوا اور میرے لئے سورج اور چاند دونوں" اور اسی لئے یہ کہا کہ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق .... میرے زمانہ کے بارہ میں خدا نے فرمایا ہے اور اسی لئے حضرت عیسیٰ کی قرآنی پیش گوئی کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہو گا آنحضرتؐ کی بجائے مرزا پر چسپاں کیا جا رہا ہے اور اسی لئے اپنے معجزات کی تعداد چند لاکھ بتا کر آنحضرتؐ سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔

۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایسی توہین کی جو ناقابل بیان ہے یہاں تک کہ انجام آتھم میں یہ بھی لکھ مارا کہ مریم کا بیٹا کشلیا کے بیٹے یعنی رام چندر سے کچھ زیادتی نہیں رکھتا اور ساتھ ہی ان کے چال چلن پر انتہائی مکروہ حملہ کرتے ہوئے یہ لکھا کہ انہی باتوں کی وجہ سے خدا نے یحییٰ علیہ السلام کا نام تو حصور رکھا لیکن عیسیٰ کا یہ نام نہ رکھا (دافع البلاء)

عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں دیکر جب اس کو عام اہل اسلام کے اشتعال کا خیال آتا ہے تو کبھی کہتا ہے کہ یہ فرضی یسوع کو کہا گیا ہے کبھی کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے عیسیٰ ابن مریم کو نہیں کہا گیا۔ لیکن مندرجہ بالا دو حوالے اس کی ان پردہ داریوں کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیتے ہیں۔ اور پھر ست بچن ص ۱۶۵ پر صاف اقرار ہے کہ یسوع مسیح ایک اسرائیلی آدمی مریم کا بیٹا ہے پھر حضرت عیسیٰ سے بڑھ کر ہونے کا دعویٰ تو اظہر من الشمس ہے

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ "اس سے بہتر غلام احمد ہے"

اینکہ منم کہ حسب بشارات آمدم عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم کیسا توہین آمیز لہجہ ہے

پھر حقیقۃ الوحی میں صاف اعلان ہے کہ پہلے عقیدہ تھا کہ مجھے مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور جب کوئی امر میری فضیلت کے بارہ میں ظاہر ہوتا میں اس کو جزوی فضیلت پر محمول کرتا لیکن خدا کی بارش کی طرح وحی نے مجھے اس عقیدہ پر قائم رہنے نہ دیا....

۹۔ عام انبیاء علیہم السلام کی توہین کی۔

۱۰۔ آنحضرت کی شان پاک میں جو جو آیتیں نازل ہوئی تھیں وہ اپنے شان میں نازل کرائیں

مثلاً" وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین   وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" اسی طرح حدیث قدسی لولاک لما خلقت الافلاک (اے مرزا تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا)۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کن فیکون کے اختیارات بھی حاصل کئے۔ اور یہ وحی نازل کرائی انما امرک اذا اردت شیأ ان تقول لہ کن فیکون۔ یہ سب باتیں بعد دیگر خرافات کے حقیقۃ الوحی کے الہامات میں درج ہیں۔

تمام مرزائی لٹریچر میں چند باتیں ہیں جن کا بار بار اعادہ کیا جاتا ہے۔ نبی آ سکتے ہیں مسیح ابن مریم مر گیا اب اس کی جگہ میں خود آ گیا ہوں۔ انبیاء سے وحی سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے آنحضرتؐ سے بھی کئی بار غلطیاں ہوئیں' علماء و مشائخ یہودی' سور و غیرہ ہیں۔ انگریز کی خوشامد و اطاعت جہاد کی منسوخی اور خونی مہدی کی مخالفت۔ میرے معجزات لاکھوں ہیں پھر نمبوار گنتا ہے۔ میری شان بڑی ہے حسینؓ سے بڑی ہے۔ عیسیٰؑ سے بڑی ہے۔ علیؓ سے بڑی ہے میرے کمالات بجز آنحضرتؐ تمام انبیاء سے زیادہ ہیں۔ میرا زمانہ فتح مبین کا زمانہ ہے۔ غلبہ اسلام کا زمانہ ہے اب دنیا بھر میں سلطانی فیض میرے واسطے کے بغیر کسی کو نہیں مل سکتا۔ میں آدم ثانی ہوں۔ شیطان کو آخری شکست میرے ہاتھ سے ہوئی ہے' میرے معجزات کا شمار نہیں۔ یہ طاعون اور زلزلے سب میرے معجزات ہیں۔ آریوں کی ایسی تیسی' عیسائیوں کی ایسی تیسی' علماء کی ایسی تیسی' مشائخ کی ایسی تیسی' انگریز خدا کی رحمت ہیں۔ خدا کا سایہ ہیں وہ میری پناہ گاہ ہیں' میں ان کے لئے تعویذ ہوں' ان کی اطاعت فرض ہے ان کی مخالفت ولد الحرام کا کام ہے' میرے مخالف جنگل کے سور ہیں' ولد الزنا ہیں' حرام زادے ہیں' ان کی عورتیں کتیوں سے بدتر ہیں۔ مولوی سعد اللہ بہت سے بے وقوفوں کا نطفہ ہے۔ پیر مہر علی شاہ چور ہے گولڑے کی زمین اس کی وجہ سے لعنتی ہو گئی۔ مولوی ثناء اللہ عورتوں کی عار ہے میرے بیٹے محمود نے دو دفعہ ماں کے پیٹ کے اندر باتیں کیں۔ اس کی بڑی شان ہے' اس کو بھی یاد رکھو۔ یہ گویا خدا آسمان سے اتر آیا ہے۔

۱۔ اس کے سوا اسلام کی بنیادی تعلیم توحید کی مٹی پلید کرنے کی کوشش کی ہے لکھا ہے کہ خدا نے مجھے کہا تو میری توحید کی جگہ ہے تو میرے بیٹے کی جگہ ہے میں (خدا) سوتا بھی ہوں اور جاگتا بھی ہوں خدا تیرے اندر اتر آیا۔ میں نے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں۔ پھر میں نے زمین و آسمان پیدا کئے۔ اعجاز مسیح ص ۷۷ میں مرزا لکھتا ہے (ان الرحمن محمد ابن محمد الرحمن) یعنی رحمن محمد ہے اور محمد رحمن ہے اور توضیح المرام میں خدا کو تیندوے سے تشبیہ دی ہے۔ ایک وحی یہ ہے (ربنا عاج) کہ ہمارا رب ہاتھی دانت ہے۔ مرزا کا خدا کبھی عربی بولتا ہے

کبھی اردو اور کبھی انگریزی۔

جلسہ نزول المسیح میں متعلیانہ شان سے مرزا قادیانی کہتا ہے۔ آدم نیز احمد مختار در برم جامہ ابرار اور آگے چل کر کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین ہر کہ گوید دروغ است لعین۔ اس کا ترجمہ ظاہر ہے کہ میرے جامہ میں تمام ابرار ہیں میں آدم بھی ہوں اور احمد مختار (یعنی آنحضرتؐ) بھی ان سب سے یقیناً کم نہیں ہوں جو کم کہے وہ ملعون ہے۔ لیجئے اس میں اپنی شان کسی پیغمبر سے کم نہیں رکھی حتیٰ کہ آنحضرتؐ سے بھی۔ غرضیکہ مرزا کا تمام لٹریچر کفریات مغلظات سے بھرا پڑا ہے۔ جن میں سے ہر ہر بات بجائے خود توہین اسلام اور تکذیب دین کی غماز ہے اور اگر مرزا غلام احمد کافر نہیں ہو سکتا تو پھر دنیا میں کوئی بھی کافر نہیں ہو سکتا۔

کافر کی امت

ظاہر ہے کہ حسب ارشاد آنحضرتؐ اس دجال کی جو امت ہو گی وہ بھی کافر ہو گی کافر کی امت کا کافر ہونا ضروری ہے چاہے وہ لاہوری مرزائی ہوں یا قادیانی کیونکہ صرف نبوت کی نفی کر کے لاہوری پارٹی مرزا کے تمام لٹریچر کی تصدیق کر لی اس کو مجاب اللہ قرار دیتی اور مرزا کو مسیح تصور کر لی ہے۔ نزول مسیح ابن مریم کے عقیدہ کا انکار کر کے مرزا کی مسیحیت پر دونوں پارٹیاں متفق ہو جاتی ہیں جہاں سے گنگا جمنا کفر مل کر بہتا ہے۔ دنیائے اسلام کا کوئی فرد اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو شخص ابولہب یا فرعون کو مسلمان کہے وہ قرآن کی تکذیب کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اسی طرح مرزا کی طرح کھلے کافر کو مسلمان کہنے والا بھی کافر ہو جائے گا۔ مرزا کے عقائد اور لٹریچر سے واقف ہونے کے بعد جو شخص اس کو کافر سمجھنے کی بجائے مسلمان سمجھے وہ خود اسلام سے خارج ہو جائے گا چہ جائیکہ مجدد کہے یا مسیح یا بزرگ اور لاہوری پارٹی تو مرزا کے مندرجہ بالا تمام عقائد و کفریات کی تصدیق کرتی ہے بلکہ اس میں ایک منافقانہ نشان کا اضافہ بھی ہے کہ وہ یہ کہہ کر کہ ہم نبوت ختم سمجھتے ہیں عام مسلمانوں کو دھوکہ دیکر اپنا کفر چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مسئلہ کی مزید وضاحت

یہ مسئلہ اتنا دقیق نہیں کہ اس پر زیادہ زور دیا جائے تاہم ایک مثال سے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک شخص جانتا ہے کہ رام داس بت کا پجاری ہے وہ اس کو باوجود اس کے مسلمان سمجھتا ہے۔ یہ شخص خود اسی وقت کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ اس طرح اس نے بت پرستی کو اسلام کے منافی نہ سمجھا جو قرآن پاک اور آنحضرتؐ کی تکذیب ہے پس کھلے کافر کو مسلمان

قرار دینا موجب کفر ہے۔ اسی طرح لاہوری اور قادیانی ہر دو کفر کے سرچشمہ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ کافر کے امتی اور مرید ہیں اس کو مسیح مانتے ہیں ہمارے ہاں دونوں کا ایک ہی حکم ہو گا۔

ایک دجل و فریب کا جواب

بعض لوگ اسلامی حدود کی تعیین اور کفر و اسلام کی تفریق مٹانے اور علمائے کی مساعی کو بدنام کرنے کے لئے یہ فریب اختیار کرتے ہیں کہ علماء ایک دوسرے کو کافر کہنے سے خود کافر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ دوسرے کو کافر کہنے سے آدمی خود کافر ہو جاتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ایک روایت کی آڑ لیتے ہیں کہ جس نے دوسرے کو کافر کہا دونوں میں سے ایک پر ضرور پڑے گا (او کما قال)

ہم مانتے ہیں کہ کھلے کافر کو جس طرح مسلمان سمجھنا کفر اور اسلام کی تکذیب ہے۔ اسی طرح ایک کھلے مسلمان کو یہ جانتے ہوئے کہ یہ قرآن و سنت و سلف صالحین سے ایک انچ ادھر ادھر از راہ عمل یا عقیدہ نہیں جاتا اور نہ ان کے خلاف کسی بات کو مانتا ہے پھر بھی اس کو عقیدۃً کافر سمجھے اس شخص کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں' ایک بطور گالی کے کافر کہہ دیتا ہے اور ایک کافر سمجھتا ہے اگر حقیقتہً "ایک سچے صحیح العقیدہ مسلمان کو ایک شخص کافر سمجھتا ہے تو وہ اس صحیح اسلام کی تکذیب کی وجہ سے یقیناً کافر ہو جائے گا جیسے ایک کھلے کافر اور مرتد کو مسلمان تصور کرنے سے کافر ہوتا ہے تو بات صاف ہو گئی کہ جب ایک آدمی دوسرے کو کافر کہتا ہے تو اگر کسی صریح کفر کے سرزد ہونے کی وجہ سے ہے تو کفر اپنے محل پر جائے گا لیکن اگر وہ صاف و صریح مسلمان ہے اور یہ اس صحیح اسلام کی وجہ سے اس کو کافر کہتا ہے تو اس کا خود کافر ہونا اظہر من الشمس ہے باقی رہا کہ پارٹی کا دوسری پارٹی کو یا ایک آدمی کا دوسرے آدمی کو کسی نظری اور دقیق مسئلہ کی وجہ سے کافر کہنا۔ تو ظاہر ہے کہ اگر مخاطب اس کفر کا مستحق ہے تو کفر اپنے محل پر چسپاں ہوا۔ ورنہ اس کا وبال کہنے والے پر ہو گا۔ یعنی اس اطلاق کفر کا اس کو گناہ ہو گا' حدیث کے سمجھنے کے لئے بھی ایمانی بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے مخاطب پر کفر کا پڑ جانا کافر کہنے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خود اس کے غلط عقیدہ کی وجہ سے لفظ کافر اس پر برمحل منطبق ہوا ہے اسی طرح کافر کہنے والے کو اس کہنے سے کافر نہیں کہہ سکتے البتہ غلط کہنے کا وبال اس پر پڑے گا۔ قرآن پاک میں اس کی مثال موجود ہے جو شخص کسی پاک پر زنا کی تہمت لگائے اگر ثابت کر سکے اس کو زنا کی سزا مل جائے گی۔ ورنہ زانی کہنے کا وبال اس پر پڑے گا۔

جس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ زانی قرار دیا جا کر اس کو زنا کی سزا دی جائے گی بلکہ اس کو

شرعی اصطلاح میں قذف کہا گیا ہے اور اس کو اس قذف (یعنی زنا کی گالی) کی سزا دی جائے گی جسے حد قذف کہتے ہیں اور آئندہ اس جھوٹے کی شہادت قبول نہ ہو گی جب تک توبہ نہ کرے۔

ایک اور مثال ہے۔ مرزا نے نہ ماننے والے مسلمانوں کو ذریتہ البغایا "کنجریوں کی اولاد" کہا ہے حالانکہ کسی کو ماننے یا نہ ماننے سے نسب پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ لیکن اس غلط گالی کی وجہ سے ہم مرزا غلام احمد کو ولد الزنا نہیں کہہ سکتے کہ اگر مخاطب ذریتہ البغایا نہیں (جو یقیناً نہیں) تو پھر مرزا ذریتہ البغایا ہیں ہاں مرزا پر اس دروغ گوئی اور گالی کا وبال پڑے گا۔ قیامت میں تو پڑے گا ہی اگر اسلامی حکومت ہوتی تو یہاں بھی سزا بھگتنی پڑتی۔ مرزا کا کفر اتنا صاف و صریح ہے کہ عالم اسلام کا کوئی عالم اس کو اور اس کے متبعین کو مسلمان نہیں کہتا۔ اور جو لوگ آپس میں بھی کم یا زیادہ اختلاف رکھتے ہیں وہ بھی ان کے کفر میں متفق ہیں پھر لطف یہ ہے کہ یہ مرزائی خود تمام عالم اسلام یعنی چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور وہ بھی خود مرزا کی تعلیم کی روشنی میں اور ان کو نہ ماننے کی وجہ سے لیکن باوجود اس کے یہ تنگ خیال سمجھے گئے۔

ناموس رسالت کا مسئلہ

بعض گواہوں نے اپنی مذہبی کم مائیگی کی وجہ سے مرزائی مسئلہ کو ناموس رسالت کا مسئلہ کہنے سے گریز کیا ہے۔ حالانکہ ختم نبوت آپ کے خصائص اور فضائل کے ذیل میں شمار ہوتا ہے ختم نبوت کے اصطلاحی معنوں کے خلاف کسی فرقہ کو تبلیغ کی اجازت دینا یا اس فضیلت کو مٹانے والوں کے لئے تکثیر جماعت کے مواقع فراہم ہونے دینا" ناموس رسالت کے تحفظ کے قطعاً" خلاف ہے۔ خاص کر جب کہ اس کے لٹریچر میں آنحضرت کے دوسرے خصائص و فضائل مثلاً رحمتہ اللعالمین ہونے وغیرہ میں ہمسری کے دعاوی موجود ہوں اور پھر بعینہٖ محمد کی بعثت ثانیہ کی آڑ میں زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ محمد اول سے محمد ثانی کا ترقی یافتہ ہونا دل نشین کرا کر نہایت دجالانہ انداز میں ہلال سے بدر ہو جانے کی شکل میں اپنی فضیلت کا اعلان کیا جائے۔ جس کی تشریح اکمل قادیانی کے شعر سے بھی ہوتی ہے "اور آگے سے ہے بڑھ کر اپنی شان میں" کیا جس مسلمان کے دل میں آنحضرت کی محبت تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ ہو نہیں بلکہ جسے کے دل میں ذرہ ایمان ہو وہ اس دعویٰ اور استدلال کو آپ کی توہین تصور نہ کرے گا؟ اور کیا کوئی مسلمان اس فتنہ کے فروغ پر آرام و اطمینان سے بیٹھ سکتا ہے۔ انتہائی افسوس ہے کہ جب غیر ذمہ دار عوام ایک کتے یا گدھے کا نام ظفر اللہ رکھ کر اس کا جلوس نکالتے ہیں تو اسے ظفر اللہ خان کی توہین سمجھ کر نازک مزاج افسر بھی نچیں ہوتے اور اسے قانون کے خلاف ورزی اور اشتعال انگیزی قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب ایک ایسا شخص جس کا چال چلن قابل بحث ہے۔

جس کے اخلاق قابل اعتراض ہیں۔ جو شراب استعمال کرتا ہے' نامحرم عورتوں سے مٹھیاں بھرواتا ہے اور جو سیاسی لحاظ سے جنگ آزادی کے ایک ادنیٰ رضاکار کے مقابلہ میں کمزور ہی نہیں بلکہ کافر حکومت کا مدح خواں ہے' ایسے شخص کو عین محمد رسول اللہ قرار دیا جائے۔ آپ ہی کی بعثت ثانیہ کہا جائے۔ یہ آپ کی توہین نہ ہو' نہ ناموس رسالت کا سوال ہو اہل اسلام کے عقیدہ میں اگر دنیا کا بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھ دے اور کہے کہ میں وہی ہوں۔ یہ آپ کی اس سے ہزار درجہ بڑھ کر توہین ہے جتنی کہ کسی کتے یا گدھے یا خنزیر کا نام محمد رکھ کر جلوس نکالا جائے۔ اگرچہ ایسا کرنا بجائے خود معیوب ہے۔ اس کے سوا مرزا قادیانی نے اور بیسیوں طریقوں سے آپ کی تنقیص شان کی ہے اور جب مرزائی امت تمام امت محمدی کو کافر قرار دے اور سارے دین محمدی کو دین قادیانی میں تبدیل کرنے کی جدوجہد کرے جس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ایک شخص بہ تمام دین محمدی کو ماننے کے باوجود مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک مرزا پر ایمان نہ لے آئے تو کیا اس کے بالمقابل دفاعی اور انسدادی تدابیر اختیار کرنا ناموس محمدی کا تحفظ نہ ہو گا۔

شجرہ خبیثہ

مرزا آنجہانی نے ناموس رسالت پر اگرچہ صاف صریح حملے کئے ہیں لیکن یہ تخم ریزی کی حیثیت رکھتے ہیں' بعد میں اس کی امت نے ناموس محمدؐ کے خلاف اپنے ناپاک پروپیگنڈے کو جتنی وسعت دی ہے' وہ ایک شجرہ خبیثہ ہے جس کا تخم مرزا ڈال گئے تھے۔ مثال کے طور پر مرزا محمود کا صفائی سے یہ کہنا کہ روحانی ترقی میں ایک شخص آنحضرتؐ سے بھی بڑھ سکتا ہے اسی طرح مرزائی امت کا میثاق انبیاء علیہم السلام والی آیت کو بجائے آنحضرتؐ کے مرزا قادیانی پر چسپاں کرنا کہ تمام نبیوں سے جو عہد لیا گیا تھا وہ مرزا پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کے لئے لیا گیا تھا۔ پھر نہایت صفائی سے حضرت عیسیٰؑ کی بشارت قرآنی کہ میرے بعد ایک رسول احمد نام آئے گا۔ اس کو آنحضرتؐ کی بجائے مرزا قادیانی کے حق میں قرار دیکر اعلان کرنا کہ آنحضرتؐ کا نام احمد نہ تھا' یہ مرزا کے حق میں پیش گوئی ہے حالانکہ آپ نے متعدد احادیث میں اپنے احمد ہونے کا ارشاد فرمایا ہے اور تمام امت تمام مفسرین اس کا مصداق آپؐ ہی کو سمجھتے ہیں۔

مرزا محمود نے اپنی پشت پر سرکاری ذرائع کی فراوانی دیکھ کر انگریزی اقتدار کے تاقیامت رہنے اور اپنے کو ہر طرح محفوظ اور دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتے رہنے والا سمجھ کر یہاں تک زور مارا کہ ایک شخص آنحضرتؐ کے لائے ہوئے تمام دین کو مانتا ہے۔ عقائد مقولہ'

اخلاق فاضلہ ' اعمال صالحہ سے آراستہ ہے۔ دین کے لئے سرفروشانہ جدوجہد کرتا ہے۔ لیکن مرزا کو نہیں مانتا۔ بلکہ اس بیچارے نے مرزا کا نام تک نہیں سنا پھر بھی وہ کافر ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اب نجات کا دارومدار آنحضرتؐ اور آپ کے دین کو مان لینے پر نہیں رہا بلکہ مرزا اور اس کی تعلیمات پر منحصر ہے اور اس عقیدہ میں اتنا غلو کہ سر ظفر اللہ خاں موقعہ پر موجود ہوتے ہوئے قائد اعظمؒ کا جنازہ تک نہیں پڑھتے اور جب ایبٹ آباد میں ان سے اسی سلسلہ میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ پوری بے باکی سے کہتا ہے کہ میں کافر حکومت کا مسلمان ملازم ہوں۔

پاکستان بننے کے بعد

پاکستان بننے سے پہلے تو چونکہ مرزائی انگریزی اقتدار کے تاقیامت رہنے کا تصور کئے ہوئے تھے اور انگریز کی امداد سے مسلمانوں کو بزدل کرنے اور جذبہ جہاد ان کے دلوں سے نکالنے کا یقین رکھتے تھے اور انگریز کے اقتدار کو اپنا اقتدار اور مرزا کو سرکار برطانیہ کے لئے تعویذ سمجھے ہوئے تھے اس لئے حکومت پر قبضہ کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا بس انگریز کے سایہ میں تمام انگریزی مقبوضات میں اپنے مذہب کی اشاعت اور انگریز ہی کی مدد سے انگریزی اقتدار کے اندر عہدوں اور اعزازات کی کوشش کافی کچھ جاری تھی۔ لیکن خلاف توقع جب انگریزی اقتدار کا زوال نظروں کے سامنے آیا۔ تو مرزائی حلقوں سے ایسی ایسی باتیں کہی اور کرنی شروع ہوئیں جیسے کہ دماغی توازن قائم نہ رہنے کی شکل میں ہوتا ہے مثلاً کبھی احرار اور لیگ کی رقابت دیکھ کر لیگ کے اندر گھس کر اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ کبھی جواہر لال کا استقبال کرنے لگے کبھی اکھنڈ بھارت کی رویا (وحی) نازل ہونے لگی' کبھی جانتے ہوئے انگریز سے غلط امید کی بنیاد پر اپنی انفرادیت اور مستقل یونٹ جتانے کے لئے باؤنڈری کمیشن کے سامنے بے ضرورت اور بلا دعوت جا حاضر ہونا (کہ شاید کوئی علیحدہ گھر بچاؤ کے لئے انگریز دے جائے) حالانکہ انگریز صرف اور صرف اپنا مفاد چاہا کرتا ہے چاہے کہیں سے اور کسی سے حاصل ہو اور اگر کسی پھل میں رس نہ رہے تو خالی چھلکا کو تھوک دیا کرتا ہے۔

بہرحال پاکستان بننے کے بعد مرزائیوں کو اپنی کرتوتوں' فتووں اور اینٹی اسلام حرکتوں کا تصور اور دوسری طرف علماء اسلام کی قوت بیداری' عمل اور پاکستان میں اسلامی آئین اور اس کے نتائج کا خیال پریشان کر رہا تھا اور اپنے سرکاری مذہب اور اپنی کافرانہ مساعی کا ردعمل ان کے لئے سوہان روح تھا۔ اس لئے ان کے سامنے تین ہی راستے تھے۔ پہلا راستہ یہ تھا کہ کسی طرح ان کو علیحدہ ریاست مل جائے جس کو وہ بطور قلعہ استعمال کر سکیں جس کے لئے ایک

حرکت مذبوحی باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنے مستقل اور علیحدہ یونٹ ہونے پر بلا ضرورت زور دینا تھا دوسرا راستہ یہ تھا کہ وہ بھارتی حکومت کو خوش رکھیں اور اس کے ساتھ ساز باز ہو تاکہ ضرورت پیش آنے پر وہاں منتقل ہو سکیں جہاں ان کو اولی الامر قرار دیکر عام مسلمانوں میں اشاعت مرزائیت کے سلسلہ میں سرپرستی پیدا کر کے حکومت کی مستقل ہمدردی حاصل کی جائے۔ اور ہندو حکومت کو عام مسلمانوں سے خاص دلچسپی نہ ہونے کے باعث انہیں کوئی خطرہ نہیں بلکہ سکھ ہو گا۔ اس دوسرے راستہ کو ہموار کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ باؤنڈری کمیشن میں اپنے کو عام مسلمانوں سے بالکل علیحدہ ظاہر کر کے ضلع گورداسپور کی مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرتے ہوئے انہوں نے باؤنڈری کمیشن کے ہاتھ اس فیصلے کے لئے مضبوط کرنے کی کوشش کی کہ یہ علاقہ ہندوستان میں شامل ہو۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قادیان میں قادیانیوں کا رکنا ننکانہ کے سکھوں کا بدلہ بھی اسی خیال پر مبنی ہے جب کہ وہ قادیانی وہاں آتے جائیں اور ادھر اپنے خلیفہ سے امتی اور پیغمبر زادگی کا تعلق اور یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ کشمیر کے سلسلہ میں جنگ بند کرنے کے وقت پہلے معاہدہ میں سر ظفر اللہ خان کا یہ مان لینا کہ استصواب رائے میں ہندوستانی فوج رہے اور استصواب کا نگران ایک امریکن ہو جو ڈوگرہ مہاراج کے مشورہ سے کام کرے۔ یہ بھی اس دوسرے راستہ کے ضمن میں ہوا ہے جس کی مشکل پاکستان کو آخر تک برداشت کرنی پڑی۔ درمیانی عرصہ میں جب قادیانیوں نے پاکستان میں اپنا اقتدار گرتے دیکھا تو خلیفہ کا یہ ارادہ کہ ہندوستان چلے جائیں اس کو بھی اسی سلسلہ کی کڑی تصور کیا جا سکتا ہے جب نازک وقت کے لئے خلیفہ کی نظر میں جائے پناہ ہندوستان ہی ہے تو یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ وہ یہ خیال ہر وقت رکھیں کہ ہندوستانی حکومت قادیانیوں کے بارہ میں اچھی رائے قائم رکھے کیونکہ واسطہ بکار آید...... تیسرا راستہ یہ تھا کہ وہ پاکستان ہی سے اپنا مستقبل وابستہ کر لیں لیکن یہاں اسلامی آئین کے تصور اور اپنی انٹی اسلام سرگرمیوں کے نتائج سے وہ گھبرائے ہوئے تھے۔ اس لئے اس شکل میں ان کے اطمینان کے لئے دو امر لازمی تھے ایک یہ کہ علماء کا وقار ختم کر دیا جائے۔ اسلامی آئین کی راہ میں مشکلات پیدا کی جائیں اس سلسلہ میں ملا ازم اور ملائی حکومت کی توہین آمیزی سے تعلیم یافتہ طبقہ کو ہم خیال بنانے کی سعی کی گئی اور سول اینڈ ملٹری قسم کے مرزائی اخبار جو علماء اور اسلامی آئین کے خلاف لکھنے کے لئے وقف تھے۔ اسکولوں 'کالجوں اور جیل خانوں میں جانے دیئے گئے جب کہ ان کے مخالف اخبارات کے لئے دروازے بند تھے۔ جناب مزدور ہاشمی ممبر مرکزی اسمبلی نے ایک تقریر میں کہا کہ اسلام کے سلسلہ میں اب تک جتنی تجویزیں پیش ہوئیں مرکزی اسمبلی میں ظفر اللہ خاں نے ان کی مخالفت کی جو تقریر اشتہاروں اور

اخباروں میں بھی شائع ہوئی اور اس امر کا اقرار خود وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین صاحب نے بھی کیا کہ گزدر نے ظفر اللہ کے خلاف تقریر کی تھی۔ جو بعد میں مقننہ اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر بنائے گئے۔

اسی طرح تمام مرزائی اور مرزائی اخبارات علماء دین کے خلاف نفرت پھیلانے کے لئے وقف تھے مرزائی اور مرزائی نواز افسروں نے بھی پورا پورا حصہ لیا۔ نوائے وقت جیسے اخبارات ظفر اللہ خاں کے کھلے حامی ہیں آج تک علماء دین کا مذاق اڑاتے ہیں' بہرحال پاکستان کے اندر مرزائیوں کے اطمینان کے لئے ایک یہ امر ضروری تھا کہ علماء دین کا وقار ختم کیا جائے' جس سے اسلامی آئین کا مطالبہ بھی کمزور ہو گا اور انٹی قادیان تحریک بھی بے اثر ہو جائے گی' اسی طرح شریعت اور اسلامی آئین کی مخالفت ملاازم اور ملائی حکومت کے نام سے کی جائے جس کے لئے انگریز کی ڈیڑھ سو سال کی حکمرانی نے پہلے سے ایک مخصوص حلقہ میں خاص فضا پیدا کر رکھی ہے۔

دوسرا امر یہ ضروری تھا کہ پاکستان میں اتنا سیاسی اقتدار حاصل کر لیا جائے جس کے بعد ہم اطمینان سے اپنی من مانی کارروائی کر سکیں۔ مرزائیت کا بول بالا ہو اور مسلمانوں کا گلا دبا دیا جائے۔ پھر تمام دنیا میں اصلی اسلام (یعنی مرزائیت) کا رائج ہو پاکستان کے ذریعہ تمام اسلامی ممالک میں روحانی پیشوائی اور اسلام کی واحد اجارہ داری کا ڈنکا بجایا جائے۔

سیاسی اقتدار کے حصول کی بھی دو شکلیں تھیں۔ مختلف محکمہ جات اور خاص کر ریل' فوج اور ہوائی جہازوں میں پورا تسلط ہو مسلمان ملازمت کے لئے مرزائی افسروں کے محتاج ہوں۔ مرکزی حکومت پر اتنا اثر ہو کہ کسی وقت کوئی تجویز قادیانیوں کے خلاف نہ ہو سکے۔ بلکہ جس مخالف قادیان فرد یا جماعت کو چاہیں دبا سکیں۔ اس سلسلہ میں مرزائیوں نے خوب کام کیا حتی کہ خلیفہ کو جیسا کہ شہادت سے ثابت ہے اعلان کرنا پڑا کہ اب بعض اہم محکمہ جات میں بھرتی کی ضرورت نہیں وہاں کافی تعداد ہو چکی ہے دوسرے محکمہ جات پر زیادہ توجہ کی جائے۔

اسی طرح حکومت پر اتنے اثرات قائم کیے گئے کہ مرزائی افسر' وزیر جو چاہیں کریں کوئی باز پرس نہ کرے۔ نہ کوئی جواب طلب ہو نہ محکمانہ کارروائی ہو اور نہ عام مرزائیوں کی خلاف قانون حرکات پر نوٹس لینے یا کارروائی کرنے کا سوال پیدا ہو جیسا کہ بہت سی شہادتوں سے ثابت ہے اور جیسا کہ ہم عنقریب عرض کریں گے۔

اس سلسلہ میں حالات اتنے بدلے اور مرزائیوں کے حوصلے اتنے بڑھے کہ خلیفہ نے صاف اعلان کر کے مریدوں کو کہا کہ ۱۹۵۲ء ختم نہ ہونے پائے کہ مخالف محسوس کرے کہ اب احمدیت کی آغوش میں آنے کے بغیر چارہ نہیں۔

اور ایک بار "خونی ملا کے آخری دن" کے عنوان سے امت کے چوٹی کے علماء کے خلاف ہتک آمیز الفاظ استعمال کر کے انتقام کی دھمکی دی اور اس امر کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس طرح ۹۹ فیصدی آبادی کے جذبات کو ٹھیس لگے گی۔ ایک فیصدی افراد جب ۹۹ فیصدی کے خلاف ایسی جلی کٹی باتیں کہنے لگیں تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کو کلیدی آسامیوں ' بڑے عہدوں' اور سرکاری نظم و نسق پر اپنے کنٹرول حاصل ہونے کا کس درجہ یقین ہوتا ہے جس کی بعد کے واقعات نے تصدیق کر دی۔ جیسا کہ عنقریب عرض کیا جائے گا۔ سیاسی اقتدار کی دوسری شکل یہ تھی کہ کسی طرح علیحدہ ریاست بنا دی جائے۔ یہ خواہش مرزائیوں کی بھی طبعی خواہش ہے جیسا کہ ان کے اقوال و اعمال سے ثابت ہے انگریزوں کی بھی یہ طبعی خواہش ہونی چاہئے تھی۔ جب وہ یہاں سے جانے لگے تو پنجاب کی تقسیم کر کے انگریز نے پاکستان کو اپنے خیال میں اتنا کمزور کیا جو ہر وقت اس کا دست نگر رہے۔ پھر باؤنڈری کمیشن نے گورداسپور ہندوستان کو دے کر کشمیر کا راستہ کھول دیا کیونکہ دونوں ملکوں کی کشمکش بھی اس کی مداخلت کو دائم و قائم رکھنے والا تھا اس باؤنڈری کمیشن کے فیصلے کو قائداعظم نے پاکستان سے عیاری قرار دیا اور تقریر میں کہا۔ ظاہر ہے کہ انگریز کو اگر پاکستان میں سب سے زیادہ اعتماد کسی پر ہو سکتا ہے تو وہ قادیانی گروہ تھا اور اسی لئے اگر یہ کہا جائے کہ ظفر اللہ خاں کے وزیر خارجہ بنائے جانے میں انگریزی سفارشات کو خاص دخل تھا بعید از قیاس نہیں ہے۔

پس اگر انگریز دور اندیشی کی رو سے قادیانیوں کو ایسی پوزیشن دلانے کی کوشش کریں کہ آئندہ جا کر وہ ایک علیحدہ ریاست بنا سکیں جس کے ذریعہ پاکستان میں ریشہ دوانیوں کا موقعہ ملتا رہے اور پاکستان ہمیشہ کے لئے برٹش کامن ویلتھ میں بندھا رہے تو یہ انگریز کی عین دلی خواہش ہو سکتی ہے چنانچہ سمجھدار مسلمان مندرجہ ذیل امور سے مندرجہ بالا خطرہ محسوس کر کے مضطرب و پریشان تھے اور ان کو پریشان ہونا چاہئے تھا۔ برخلاف بعض ان تعلیم یافتہ اصحاب کے جنہوں نے کبھی انگریزی ڈپلومیسی سمجھنے یا اس کی روک تھام کے لئے سوچنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ یا جو انگریزی اقتدار کے خلاف کچھ کہنا یا کرنا اصولاً غلط تصور کرتے تھے۔ یا جو ڈیڑھ سو سال سے خاندانی طور پر انگریز سے وابستہ رہنے کی وجہ سے انگریز کی جرات کو وقتی اس کی تقلید کو باعث برکت و عزت سمجھتے رہے اور اب بھی صرف اپنے عہدوں کی خیر منانے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن جو حساس مسلمان جانتے ہیں کہ انگریز اس گئی گزری حالت میں بھی مصر ہے اپنے اقتدار کے زوال کو برداشت نہیں کر رہا۔ اور باوجود دوسرے ممالک کی رقابتوں کے ایران کے تیل سے دست بردار نہیں ہو رہا اگر اس کو مستقل درخشاں بنانے یا سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے مفت قادیانیوں جیسی جماعت ہاتھ آئے تو وہ کیوں اس میں کوتاہی کرے۔ چنانچہ

واقعات کے مندرجہ ذیل راہ اختیار کرنے پر حساس مسلمانوں کو اضطراب ہوا۔

۱۔ پنجاب کے گورنر موڈی نے جاتے جاتے قادیانیوں کو ضلع جھنگ میں ہزاروں ایکڑ زمین برائے نام قیمت پر یعنی تقریباً مفت دے کر مرزائی دارالالاف کی بنیاد ڈالی جس پر تمام مسلمانوں نے احتجاج کیا۔

۲۔ اس دارالالاف میں مرزائیوں کے سوا کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔

۳۔ یہ دارالالاف ایک طرف دریائے چناب سے محفوظ ہے دوسری طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اس کی حفاظت میں مدد دے سکتی ہیں۔ اس طرح نازک وقت میں ان کو اس کی حفاظت آسان ہو جاتی ہے اور اگر ضلع سرگودھا اور جھنگ میں وہ اپنی عوامی طاقت میں معمولی اضافہ کر لیں جو مسلح بھی ہو تو وہ وہاں ایک آزاد سٹیٹ کا کسی وقت اعلان کر سکتے ہیں۔

۴۔ چنانچہ سرگودھا میں رعب ڈالنے کے لئے گزشتہ جنرل الیکشن سے پہلے خلیفہ محمود کا مسلح مرزائیوں کے ساتھ دورہ بھی اس کی غمازی کرتا ہے۔

۵۔ خاص کر جب فوج اور ہوائی جہازوں میں ان کی کافی تعداد ہو۔

۶۔ مرکز میں ان کے اثرات ہوں۔

۷۔ اسلحہ کی دوکانیں ہوں۔

۸۔ مستقل علیحدہ فوج فرقان بٹالین کا قیام جو عوام کے بے پناہ احتجاج کے بعد توڑی گئی۔

۹۔ علیحدہ صوبہ بنانے کی خواہش اور خلیفہ کی تقریر بلوچستان۔

۱۰۔ سرکاری بارود کا پٹھنٹ سے ربوہ لے جا کر مشق کرنا۔

۱۱۔ تمام مرزائی سرکاری افسروں کا بعد ظفر اللہ خاں کے ربوہ کے بھوڑی بچ دسمبر میں جمع ہو کر سوچنا اور باہمی تعاون پر غور کرنا۔

۱۲۔ ظفر اللہ کے حق میں لندنی اخبارات اور انگریزوں کے زیر اثر اسلامی ممالک یا زیر اثر اخبارات یا زیر اثر افراد کا پروپیگنڈا کرتے رہنا۔

۱۳۔ اور جو بڑی کی تھی کہ اپنے مکروہ طرز عمل گندے عقائد اور مشہور انگریزی ایجنٹ ہونے کی وجہ سے جو وہ پبلک جلسے نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا اور مسلمانوں کی طرف سے فسادات کے خطرات سے حکام کو آگاہ کئے جانے کے باوجود مرزائی پبلک جلسوں کے لئے ایسے مقامات پر اجازت حاصل کرنا جہاں مرزائی اعلیٰ افسروں یا ان مشہور مرزائی افسروں کے رشتہ دار ہوں مثلاً کراچی میں جلسے کی اجازت جہانگیر پارک میں۔ حالانکہ گزشتہ سال اجازت نہیں دی گئی تھی اور فساد والے سال بھی حکام کو کئی بار فساد کے خطرات سے آگاہ کیا گیا لیکن ظفر اللہ خاں کو جلسہ ضرور کرنا تھا تاکہ مرزائی ایک عوامی جماعت بن سکے‘ اسی سلسلہ کی

ایک کڑی ہے جہاں فساد ہونے کے بعد بھی اور عین فساد میں بھی جلسہ کامیاب کرانے کی سعی کی گئی۔ اسی طرح راولپنڈی میں جہاں فوجی مرزائی افسروں کی بھرمار ہے۔

۱۴۔ ظفراللہ خان کا مسلسل وزارت خارجہ پر ڈٹا رہنا باوجودیکہ عوام کی مرضی کے بھی خلاف تھا اور پنجاب کے جنرل الیکشن کے بعد پنجاب کا نمائندہ بھی نہ تھا اور اس کی کارگزاری پر بھی تمام اخبارات تنقیدیں کر چکے تھے۔

۱۵۔ صوبہ بھر میں مرزائی افسروں کا مرزائیت کے لئے کھلم کھلا کام کرنا اور کسی حکم کی پروا نہ کرنا اس کے برخلاف کسی مسلمان افسر کا مرزائیت کے خلاف تبلیغی جلسہ نہ کر سکنا نہ کوئی ایسا کام کر سکنا۔

۱۶۔ بعض مقدمات رجسٹرڈ ہونے کے باوجود (مرزائیوں کے خلاف) داخل دفتر ہو جانا مثلاً ۵ من سکہ جو ریلوے کے ذریعہ ربوہ بھیجا جا رہا تھا پکڑا گیا کیس درج رجسٹرڈ ہوا۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

۱۷۔ میجر نذیر احمد جیسا ذمہ دار فوجی افسر کا جو ظفراللہ خان کا ہم زلف تھا اور خلیفہ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا بقول میاں انور علی کے حکومت پاکستان کے خلاف سازش کرنا اور پھر اس کا قید سے بچ جانا۔

۱۸۔ مرزائیوں کا بے پناہ لٹریچر رسالوں' ٹریکٹوں اور اشتہاروں کی صورت میں ملک میں شائع ہونا۔

۱۹۔ ان کا غیر ممالک کے بنکوں میں کروڑوں روپوں کا موجود ہونا جس کا ماخذ بھی معلوم نہیں

۲۰۔ اکھنڈ ہندوستان بنانا جن کے نزدیک خدائی مشیت ہونے کے لئے وہ کہہ چکے ہیں کہ اگر ملک تقسیم بھی ہو جائے تو یہ چند دن کے لئے ہو گا اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ پھر ایک ہو جائے۔

معزز عدالت! یہ بہت ہی کم باتیں ہیں جو عدالت کے سامنے آ سکی ہیں اگر احرار لیڈر یا ورکر جیلوں سے باہر ہوتے تو سوگنا زیادہ معلومات اور مواد عدالت کے سامنے پیش کیا جا سکتا تھا' جس گویا مرزائیوں کی خرمستیاں کہا جاتا یا خطرناک حالات کا پیش خیمہ قرار دیا جاتا' معزز عدالت! اگر مندرجہ بالا حالات و واقعات درست ہیں جب کہ یقین ہے تو ان کے ساتھ اگر ذرا سی ترقی اور ہو جائے جس کے لئے مرزائی ہمیشہ کوشاں رہے مثلاً " یہ کہ فوج کا اعلیٰ افسر مرزائی ہو۔ مرکزی حکومت میں اتنا اثر ہو کہ کسی مرزائی سکیم کو دبانے کی کوشش نہ کرنے دی جائے۔ پھر ربوہ کے دارالخلافہ سے کسی آزاد ریاست کا مطالبہ کیا جائے اور نہ ماننے کی شکل میں مسلح بغاوت اور ربوہ کے ارد گرد قبضہ کر لیا جائے اور فوراً انگریز اور امریکہ مداخلت کر کے جنگ بند

کر دیں اور بعد میں ربوہ کو آزاد سٹیٹ تسلیم کر لیا جائے۔ فلسطین کی یہودی حکومت کو جب فوراً تسلیم کیا جا سکتا ہے تو ربوہ کی مرزائی حکومت تسلیم کرنے میں کونسا امر مانع ہے۔ یا خطرناک حالات میں مرزائی عناصر خلیفہ کے حکم سے ہندوستان کے حق میں انقلاب پیدا کر دیں اور عین حالت جنگ میں ان کا ساتھ دیکر خدا کی مشیت کو پورا کر کے قادیان اسٹیٹ حاصل کریں۔ تو مندرجہ بالا حالات اور مرزائیوں کے بیانات کی روشنی میں یہ ناممکن نہیں۔

اور اگر حساس مسلمان ان حالات کو دیکھ کر مضطرب و پریشان ہوں تو ان کی یہ پریشانی بالکل حق بجانب ہو گی۔ اور اگر ان امور میں سے کسی کا اندیشہ نہ ہو لیکن وہ دن بدن بڑھتے ہوئے اقتدار کی وجہ سے اتنا ہی کر دیں کہ بقول خلیفہ واقعی مسلمان احمدی بننے کے سوا چارہ نہ دیکھیں یا مرزائیوں کو کافر کہنا اور ان کی کافرانہ تبلیغ کے مقابلہ میں سرکاری طور سے مسلمانوں کی تبلیغ بند کر دی جائے تو کیا یہ کم حادثہ ہوتا۔ جس سے کروڑوں مسلمانوں میں غم و غصہ اور اضطراب کی لہر دوڑ جاتی جو پاکستان کے استحکام کے لئے کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا تھا اور آج جب کہ مسلمان اور مرزائی کا سوال پیدا کرنا یا ان کو چیف سیکرٹری جیسے بزرگ کے ہاں قوم میں تفریق پیدا کرنا سماج دشمنی ہے تو یہ کوئی بعید امر نہ تھا کہ کل معمولی طور پر چند اور آدمیوں کے ہمنوا کرنے کے بعد مرزائیوں کو کافر کہنے پر پابندی لگ جاتی۔ اس وقت پھر ملک میں ہیجان ہوتا۔

تعجب ہے کہ چیف سیکرٹری جیسے بزرگوں کو یہ امر کہ مرزا اور خلیفہ چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر کہیں۔ ظفر اللہ خاں قائداعظم کا جنازہ نہ پڑھے اور حکومت پاکستان کو کافر حکومت کہے تو یہ سماج دشمنی نہ ہو اور ان کے خلاف وہ کوئی رپورٹ مرتب نہ کریں لیکن مرزائیوں کو اگر مسلمان کافر کہیں اور ان کے کافرانہ عقائد اور غلط عزائم سے اہل ملک اور حکومت کو آگاہ کریں تو یہ سماج دشمنی ہو اور وہ جماعت گردن زدنی ہو جو ایسا کرے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد مرزائیوں کا پاکستان میں مطمئن ہو کر من مانی کارروائیاں کرتے رہنے کے لئے جس کی ان کو عادت تھی۔ ان کو دو باتوں کی ضرورت تھی اسلامی آئین اور علماء دین نیز اپنے مخالف احرار کو ختم کرنے کی دوسرے اقتدار حاصل کرنے کی اول الذکر ارادے نے تمام اہل اسلام اور علامۃ المسلمین کو چوکنا کر دیا۔ اور خواہش اقتدار نے دوسرے پڑھے لکھے دفتری مسلمانوں کو متنبہ کیا۔ کیونکہ اقتدار کی خواہش میں جہاں جہاں مرزائی بس چلا' مسلمان کو پیچھے دھکیل کر کے جونیئر مرزائی کو آگے لایا جاتا عام اہل اسلام نے

مرزائیوں کی اس پالیسی کو بچشم خود دیکھ کر خطرہ محسوس کیا۔ مرزائیوں کو اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کے لئے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان انتہائی بعد کی وجہ سے کسی نہ کسی بیرونی طاقت کی پشت پناہی بھی ضروری ہے۔ اس سے بھی مسلمان خطرہ محسوس کرتے ہیں۔

بہرحال مسلمانوں نے اس امر کو بری طرح محسوس کیا کہ ایک خارج از اسلام فرقہ جو مسلمانوں سے انتہائی تعصب رکھتا ہے۔ دن بدن حکومت کی کلیدی آسامیوں اور مسلم حقوق پر قابض ہوتا جا رہا ہے اور اس قبضہ سے وہ اپنے فرقہ کے لئے خاص مواد حاصل کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ خلیفہ کے اعلان میں ہے۔ اس صورت حال کا آخری اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان پر مرزائیوں کا اقتدار قائم ہو جائے۔ اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی۔ گویا عام مسلمان نے اس چھوٹی سی جماعت کے ہاتھوں اس کے سنے اور پرانے ناجائز ذرائع کی وجہ سے اپنے حقوق کے لئے زبردست خطرہ محسوس کیا اور وہ یہ بھی سمجھے کہ اس طرح مذہب اسلام کو بھی ناقابل برداشت نقصان پہنچے گا۔ پھر مرزائی اقتدار اپنے بقاء ودوام کے لئے یقیناً غیر ملکی طاقتوں کی پناہ لے گا جو ہر شخص ملک وملت کے لئے تباہ کن ہے۔

مسلمانوں اور مرزائیوں کے نظریے

مرزائی فرقہ نے اپنی جارحانہ تبلیغ اور پارٹی کو من مانی کارروائیاں کرنے نیز حصول اقتدار کے لئے مندرجہ بالا طریقہ اختیار کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کئے جائیں جس سے مرزائیت کے مخالف گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں جیسا کہ مرزا محمود کی تقریر سے واضح ہوتا ہے اور یہ حالات تب ہی پیدا ہو سکتے ہیں جب کہ مرزائیوں کے توسط کے بغیر مسلمانوں پر ملازمتوں اور روزگار کے دروازے بند ہو جائیں۔ سرکاری اقتدار کے ذریعہ مسلمانوں کو دبا دیا جائے۔ کوئی محکمہ، کوئی سیکرٹری، کوئی وزیر، مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں اور کفر انگیزیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

اس کے بالمقابل مسلمانوں نے اپنے مذہب اپنے حقوق اور پاکستان کو خطرات سے بچانے کے لئے جو پروگرام مرتب کیا اگر غور وانصاف سے دیکھا جائے تو اس سے بہتر پرامن اور بے ضرر کوئی دوسرا حل نہیں ہو سکتا وہ حل یہ تھا۔

۱۔ مرزائیوں کو غیرمسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ ان کو ان کی آبادی کے لحاظ سے حقوق دیئے جائیں ظاہر ہے کہ اس میں مرزائیوں کے حقوق پر حملہ نہیں ہے بلکہ دنیا بھر کے جمہوری اصول کے عین مطابق ان کو آبادی کے لحاظ سے حقوق دیئے جانے پر رضامندی کا اظہار ہے زیادہ سے زیادہ اس مطالبہ میں مرزائیوں کے دست برد سے اپنے حقوق کو بچانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اگر آج کی جمہوری دنیا میں کسی اقلیت کو اپنے حقوق متعین کرنے کے مطالبہ کا حق ہے تو جب ۹۹ فیصدی اکثریت کے حقوق ایک فیصدی اقلیت کے ہاتھوں تلف ہو رہے ہوں تو اکثریت کو اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے تعین حقوق کے لئے کیونکر مطالبہ کرنا حرام ہو گا۔ ملک میں پہلے بھی دوسری اقلیتیں موجود ہیں ان کا اقلیت ہونا ملک و ملت کے لئے کسی طرح نقصان دہ نہیں اور نہ حقوق کی کشمکش پیدا ہوتی ہے' رہا غیر مسلم اقلیت قرار دینا تو یہ امر ظاہر ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے فرزند خلیفہ ربوہ کی تعلیمات کی رو سے تمام مسلمان قطعی کافر ہیں جو مرزا کو جھوٹا سمجھتے ہیں اور مرزا کو دعوی مسیحیت میں سارے ہی مسلمان جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ دوسری طرف تمام علماء دین کا اسلامی تعلیم کی روشنی میں متفقہ فیصلہ ہے کہ مرزا غلام احمد اور اس کے پیرو دائرہ اسلام سے خارج ہیں جب عبادات' معاملات نکاح بھی علیحدہ ہوں' عقائد میں زمین و آسمان کا فرق ہو اور دونوں فریق ایک دوسرے کو کافر کہیں تو پھر ان کو ایک ہی رسی میں باندھنا۔ ایک جیسا مسلمان قرار دینا ایک کے حقوق پر دوسرے کو قابض کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے اور اس صورت میں مرزائیوں کو کیوں زبردستی مسلمانوں میں گھسیڑا جا رہا ہے اگر مرزا یا مرزائی مسلمانوں کو کافر نہ بھی کہتے لیکن مرزائی عقائد و تعلیمات کی وجہ سے جب تمام اہل اسلام ان کو کافر کہتے اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں جس میں تمام اسلامی فرقے متفق ہیں۔ مشرق سے مغرب تک کے علماء کا اتفاق ہے تو حکومت کو کیوں اصرار ہے کہ وہ غیر مسلم نہیں ہیں۔ یا ضرور مسلمان ہیں۔

ایک گواہ نے نہایت سادگی سے یہ کہا کہ یہ حکومت کا کام نہیں کہ وہ فیصلہ کرے کہ کون مسلمان ہے کون نہیں اگر حکومت کا کام نہیں ہے تو علماء دین تو فیصلہ دے چکے ہیں اس کو نافذ کرو۔ تعجب ہے کہ حکومت اسلامی کہلائے نام اسلامیہ جمہوریہ پاکستان تجویز کرے۔ اعلان یہ ہو کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہ بن سکے گا۔ جب یہ مسلمان اور غیر مسلمان کا فیصلہ نہیں کر سکتی تو اسلامی آئین اور غیر اسلامی آئین میں کس طرح تمیز کرے گی' اگر اسلامی حدود و قوانین کی تعیین اسے کرنی ہے تو مسلمان اور غیر مسلمان ہونے کا فیصلہ بھی اس کو لازما" کرنا ہو گا اگر مراد یہ ہو کہ یہ فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہے تو عدالت کا فیصلہ بھی تو حکومت کا فیصلہ ہے پھر عدالت سے فیصلہ کرا کر حکمت عملی مرتب کرے۔ عدالت بھی اس امر کا فیصلہ اسی روشنی میں کریں گے۔ کہ آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دین اسلام کی روشنی میں کون مسلمان ہے اور کون نہیں۔ بالآخر اسی مفہوم سے متفق ہونا پڑے گا جو مفہوم متعین دین اسلام کا صحابہ" سے لیکر آخر تک خیر القرون نے سمجھا اور جو مفسرین' محدثین' آئمہ دین اور مجددین نے محفوظ کر کے پچھلے لوگوں کے حوالے کیا اسلامی تاریخ میں شاہی درباروں میں ایک

ایک آدمی کے کسی عقیدہ کے سلسلہ میں بھی علماء نے بحث کر کے کفر یا اسلام کے فیصلے صادر کئے ہیں اور حکومت نے ان کو نافذ کیا ہے اور ہمارے ذمہ دار حضرات ایسے اہم معاملہ سے پہلوتہی کر کے قوم کو مصیبت میں مبتلا کریں حالانکہ قوم کے دین و ایمان کی حفاظت اسلامی حکومت کا اپنا فرض ہے۔

معزز عدالت! اگر ایک غیر مسلم جج کسی مسلمان عورت کے فسخ نکاح کی ڈگری دیتا ہے تو اس کا یہ حکم نافذ نہیں ہو سکتا اگر اس ڈگری کے بعد وہ دوسرا نکاح کرے تو اسے زنا کا گناہ ہو گا کیونکہ غیر مسلمانوں کے فیصلے مسلمانوں پر نافذ نہیں ہو سکتے تمام فقہاء نے یہ مسئلہ قرآن کی آیت لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا کے ذیل میں لکھا ہے۔ اسی طرح اگر کسی عورت کو کسی کی بیوی قرار دے وہاں بھی یہی مشکل پیش آئے گی۔ اس کے سوا عورت کا نکاح مرزائی سے حرام ہے ان کفر و اسلام کے فیصلہ نہ ہونے کی وجہ سے ایسے نکاحوں میں کتنے ہی فسادات ہوئے ہیں بہاولپور کا تاریخی مقدمہ بھی اسی وجہ سے چند سال تک چلتا رہا۔

بے شک انگریز کا فائدہ اسی میں تھا کہ اسلام کے اندر اسی طرح انتشار کی پھیلی رہے اور ہر شخص مسلمان کہلا کر جو فتنہ چاہے جاری کرے لیکن اسلامی حکومت کو خود بھی اور عوام کے بے پناہ مطالبہ کی وجہ سے یہ فیصلہ کرنا ہی ضروری ہے کہ مرزا اور اس کے پیروکار اسلامی شریعت کی رو سے مسلمان نہیں ہیں۔ بہرحال یہ مطالبہ کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے نہایت معقول اور فساد کو ختم کرنے والا مطالبہ ہے ایک تو اس لئے کہ جب مرزائی مسلمان نہیں ہیں تو ان کو اسلام سے خارج قرار دینے میں کیا مصیبت ہے' اتنا بڑا مسئلہ یونہی معلق نہیں رکھا جا سکتا چاہے حکومت عدالت سے یہ فیصلہ کرائے' چاہے عوام کے مطالبہ کی بنا پر ان کو علیحدہ قرار دے دیں' خاص کر جب کہ خود مرزائیوں نے بھی باؤنڈری کمیشن کے سامنے اور دوسرے موقعوں پر بھی اور فتویٰ کے طور پر بھی مسلمانوں کو قطعاً "کافر اور اپنے کو قطعاً" علیحدہ قوم ظاہر کیا ہے اور اپنا نام بھی احمدی رکھا ہوا ہے جو غلام احمد کی مناسبت سے ہے پھر صرف ناواقف مسلمانوں کو کافرانہ تبلیغ کے جال میں پھنسانے یا ان کے حقوق پر قبضہ کرنے کی خاطر کیوں ان کو زبردستی مسلمانوں کے گلے ڈالا جائے۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔

اب مرزائیوں کی جارحانہ تبلیغ اور اقتدار کے حصول کے لئے زبردستی ایسے حالات پیدا کرنا کہ مسلمانوں کو مرزائیوں کا لوہا ماننا پڑے۔ یہ پروگرام جس کے نتیجہ میں سوائے فساد اور تصادم کے اور کچھ نہیں ہو سکتا بہتر ہے یا اہل اسلام کا یہ فیصلہ کن مطالبہ کہ دونوں کو الگ الگ قوم تسلیم کر کے حقوق آبادی کے لحاظ سے متعین کر دیے جائیں تاکہ نہ کوئی مسلمان دھوکہ میں رہے نہ ایک دوسرے کو حق تلفی کا خطرہ باقی رہے۔ کتنا آئینی اور جمہوری مطالبہ

ہے

۲۔ دوسرا مطالبہ اہل اسلام کا یہ تھا کہ چوہدری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے الگ کر دیا جائے۔ کیا قوم کا اپنی حکومت سے کسی پرزے کی تبدیلی کا مطالبہ کوئی غیر آئینی مطالبہ ہے؟ کیا اس سے پہلے خود مرکز میں کسی اور وزیر کے خلاف عوام کے ایک طبقہ نے ایسا مطالبہ نہیں کیا جس پر عمل بھی کیا گیا؟ کیا جمہوری حکومت میں جمہور کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی نمائندہ کے بارہ میں اپنی بے اعتمادی کا اعلان اور اس کی علیحدگی کا مطالبہ کریں یا اس کے غلط اعمال کی وجہ سے نکتہ چینی اور اس کے خلاف کارروائی کرنے کا مطالبہ کریں؟ جب کہ ظفر اللہ خاں کے خلاف مطالبات کا سلسلہ اس وقت سے جاری ہے جب اس کو وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنایا گیا تھا اس وقت بھی شرقاً" غرباً" تمام ملک نے اس کے تقرر کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ مرزائی کہا کرتے ہیں کہ اس کا تقرر قائداعظم نے کیا تھا پہلے تو ہمیں اس وقت کی مجبوریاں قائداعظم کی معلوم نہیں۔ آخر انہوں نے تقسیم پنجاب بھی مجبوری سے مانا تھا اور باؤنڈری کمیشن کے فیصلہ کو غداری کہتے ہوئے بھی تسلیم کیا تھا وہ ان کی اس وقت کی مجبوریاں تھیں اس طرح قائداعظم نے اور بھی بہت سے آدمی وزیر بنائے تھے لیکن ان کے خلاف کارروائی کرنی پڑی جیسے پنجاب کے نواب ممدوٹ یا سندھ کے مسٹر کھوڑو بلکہ منڈل جیسے تو پورے غدار ثابت ہوئے اور اگر قائداعظم زندہ ہوتے تو وہ یقیناً ظفر اللہ خاں کو اس کے کرتوتوں کا مزہ چکھاتے۔

بہرحال کسی وزیر کے خلاف پبلک کی بے اعتمادی اور عوام کا اس کی برطرفی کا مطالبہ کوئی غیر آئینی مطالبہ نہیں ہے۔ جب اسمبلیوں کے اندر کسی وزیر کے خلاف عوام کے نمائندے بے اعتمادی کی تجویز اور علیحدگی کی قرارداد پیش کر سکتے ہیں جنہوں نے پہلے خود اس کو وزیر بنایا تھا تو جمہور عوام براہ راست کیوں ایسا نہیں کر سکتے جن کے پاس ایسا کرنے کے لئے پبلک جلسے اور مطالبات ہی ہو سکتے ہیں۔

اور کیا پبلک کی نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرنے والی حکومت کو جب عوام کے ایسے بے پناہ مطالبہ کا سامنا پڑ جائے تو کیا اس کا فرض نہیں کہ عوام کے سامنے جھک جائے جب کہ وہ اس کی نمائندگی کی مدعی ہے ورنہ استعفیٰ دے دے یا پھر صحیح طور پر عوام کی رائے دریافت کرنے کے لئے استصواب کرائے۔

ظفر اللہ خاں کے خلاف مطالبہ کی ہمہ گیری

چوہدری ظفر اللہ خاں کے خلاف مسلم پبلک کے جذبات و خیالات کا اعلان تو اس وقت

سے ہوا تھا جب کہ اس کو وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل میں لیا گیا تھا لیکن پاکستان بننے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس کے اعمال پر عام نکتہ چینی شروع ہوئی یہاں تک علماء المسلمین نے وزارت خارجہ سے اس کی علیحدگی کا مطالبہ کیا۔

جس پر مندرجہ ذیل واقعات یا حالات سے روشنی پڑ سکتی ہے اور جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عوام کا مطالبہ کتنا واجبی تھا۔

۱۔ سابق وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین صاحب فرماتے ہیں کہ عام خیال یہ ہے کہ چوہدری ظفراللہ خاں کو تبلیغ کا شوق ہے۔

۲۔ تجربہ کہ وہ لوگوں کو احمدی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳۔ پنجاب گورنمنٹ کے ہوم سیکرٹری غیاث الدین صاحب فرماتے ہیں کہ چوہدری ظفراللہ خاں ربوہ کی کانفرنسوں میں شریک ہوتے رہے۔

۴۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ حکومت پنجاب کو علم تھا کہ صوبہ پنجاب کے عوام ظفراللہ خاں کی سرگرمیوں کے خلاف ہیں اخبارات اور پبلک پلیٹ فارم سے یہ آواز اٹھتی تھی۔

۵۔ یہ سب وزراء اور حکام مانتے ہیں کہ چوہدری ظفراللہ خاں نے کراچی جہانگیر پارک میں مئی ۵۲ء میں مرزائیوں کے جلسہ میں تقریر کی تھی۔

۶۔ پنجاب گورنمنٹ کے ہوم سیکرٹری غیاث الدین فرماتے ہیں کہ اس تقریر سے ملک میں اشتعال پیدا ہوا تھا۔

۷۔ خواجہ ناظم الدین فرماتے ہیں کہ کراچی میں تمام اسلامی فرقوں کے کنونشن کا انعقاد براہ راست چوہدری صاحب کی تقریر کا نتیجہ تھا۔

۸۔ میاں انور علی آئی جی پنجاب فرماتے ہیں کہ کراچی کا جلسہ جہانگیر پارک والا بھی جس میں ظفراللہ خاں نے تقریر کی تھی بے اطمینانی کا ایک سبب ہے۔

۹۔ سردار عبدالرب نشتر مرکزی وزیر فرماتے ہیں کہ ہم نے چوہدری صاحب کو اس جلسہ میں تقریر کرنے سے روکا تھا مگر وہ نہ رکے۔

۱۰۔ ۱۳ اگست ۵۲ء کو جب مرکزی حکومت سرکاری افسروں کی فرقہ وارانہ سرگرمیوں کو روکنے کے لئے اعلان کرتی ہے تو ظفراللہ خاں اس کے جواب (تردید) میں بیان دیتے ہیں (ہوم سیکرٹری پنجاب)

۱۱۔ ظفراللہ خاں کے خلاف اسلام سرگرمیوں کی وجہ سے جلال الدین وزیر صوبہ سرحد بھی تقریر کرتے اور اس کے خلاف مخالفت کی حمایت کرتے ہیں۔ جن کو گورنر سرحد اور وزیر اعلیٰ سرحد تنبیہہ کرتے ہیں (خواجہ ناظم الدین)۔

۱۲۔ اسلامی تجاویز کی ہمیشہ مخالفت کرنے کی وجہ سے سنٹرل اسمبلی کے ایک معزز ممبر گزدر ہاشمی بھی چوہدری صاحب کے خلاف تقریر کرتے ہیں (جن کو بعد میں ڈپٹی سپیکر بنا دیا جاتا ہے) خواجہ ناظم الدین

۱۳۔ حمید نظامی جو مطالبات کا مخالف اور ظفر اللہ خان کا حامی ہے کہتا ہے کہ عامتہ المسلمین کا مطالبہ تھا کہ ظفر اللہ خان کو علیحدہ کیا جائے اس لئے میں نے اخبار نوائے وقت میں مشورہ دیا تھا کہ ظفر اللہ خان کو خود استعفاء دے دینا چاہئے۔

۱۴۔ خواجہ ناظم الدین صاحب فرماتے ہیں کہ کراچی کے تمام علماء مطالبات کے حق میں تھے۔

۱۵۔ خواجہ ناظم الدین نے فرمایا کہ صوبہ سرحد میں عبدالقیوم عوام سے یہ کہہ کر اشتعال اور تحریک کو روک سکا کہ تم امن قائم رکھو۔ ہم مطالبات کے لئے تمہاری ترجمانی کریں گے اور یہی بعد میں وزارت پنجاب کو کرنا پڑا۔

۱۶۔ چوہدری ظفر اللہ خان باؤنڈری کمیشن کے سامنے مرزائی وفد کو پیش ہونے کی اجازت دیکر گویا ان کی پیش کردہ درخواست کے خود ذمہ دار ہوتے ہیں۔

۱۷۔ چوہدری ظفر اللہ خان قائد اعظم کا جنازہ موقعہ پر موجود ہو کر بھی نہیں پڑھتے اور مولانا اسحاق خطیب ایبٹ آباد کے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ میں کافر حکومت کا مسلمان نوکر ہوں یہ بیان تمام اخبارات میں آتا ہے اور تین سال تک چوہدری صاحب اس کی تردید نہیں کرتے (گواہ مولانا قاضی شمس الدین صاحب ہزاروی)

۱۸۔ بیرونی اسلامی ممالک میں بھی چوہدری صاحب اپنی کفر نوازی سے باز نہیں آتے اور خواجہ ناظم الدین کے اس بیان سے کہ چوہدری صاحب لوگوں کو احمدی بنانے کی کوشش کرتے ہیں اس بیان کی مزید تائید ہوتی ہے۔ جو سید مظفر علی شمسی نے عدالت میں دیا ہے کہ جب ہالینڈ میں بھیجا جانے والا سفیر احمدی بنا' تب اس کو چوہدری صاحب نے سفیر بنایا۔ اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں جن کی وجہ سے افسوس ہوتا ہے کہ پاکستان نادانستہ طور پر وزارت خارجہ کی وجہ سے دنیائے اسلام میں مرزائی کفر پھیلنے کا سبب بن رہا ہے جس کو بعض ممالک اچھال کر پاکستان کو بدنام بھی کرتے ہیں۔

معزز عدالت! یہ ہیں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان جو مرزا قادیانی کے نہ ماننے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے۔ جو اسی لئے قائد اعظم کا جنازہ نہ پڑھے۔ جو پاکستانی حکومت کو کافر حکومت کہے۔ جس کو مرزائیت کی تبلیغ کا شوق ہو' جو لوگوں کو مرزائی بنانے کی کوشش کرتا ہو۔ جو ربوہ کے جلسوں میں شریک ہو کر تمام مرزائی سرکاری افسروں سے بات چیت اور باہمی تعاون کی بحث کرتا ہو۔ جو فسادات سے بے نیاز ہو کر جہانگیر پارک کراچی کے

مرزائی جلسہ میں شریک ہو۔ جو مرکزی وزراء کی بات اور مشوروں کو درخور اعتناء نہ سمجھے جو وزیراعظم کے اعلان کے جواب میں بیان دے' جو عام اہل اسلام کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کرے' جس کی علیحدگی کا عامۃ المسلمین مطالبہ کرتے ہیں۔ اس کو پاکستان کے لئے موجب بربادی تصور کرتے ہیں اخبارات جس کے خلاف لکھتے ہیں' جو چھ سال کے عرصہ تک کشمیر کا مسئلہ سلجھا نہ سکا ہو' جو پڑوسی ممالک کے سلسلہ میں کوئی مفید کام نہ کر سکا ہو تا آنکہ خود وزیراعظم لیاقت علی خاں مرحوم یا مسٹر محمد علی نے اقدام کیا۔ کیا یہ عالمگیر مطالبہ غیر آئینی یا بلاوجہ کہلا سکتا ہے؟

معزز عدالت! ایسے تمام سنگین الزامات کے سلسلہ میں چوہدری ظفر اللہ خاں سے نہ جواب طلب کیا جاتا ہے نہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کی جاتی ہے اور نہ ہی وہ اپنی کرتوتوں سے باز آتا ہے۔ کیا ان حالات کو برملا دیکھنے اور سننے سے مسلمان قوم کا مضطرب و پریشان ہونا قدرتی امر نہیں ہے۔ اور ان حالات میں جب وہ دیکھتے ہیں کہ ایک سول جج مرزائی مرزائیوں کے جلسہ کی صدارت کرتا ہے اس سے کوئی پوچھتا نہیں۔ ایک ڈپٹی کمشنر ملتان کھلم کھلا مرزائیت کا کام کرتا ہے اور جب کمشنر ملتان کی رپورٹ پر تبدیل ہو کر لائلپور آتا ہے وہاں بھی تبلیغ کرتا ہے جس کے نتیجے کے طور پر بقول سردار نشتر گورنر پنجاب ایک قتل بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی' مرزائی سرکاری بارود بڑی تعداد میں چنیوٹ سے ربوہ لے جا کر جنگی مشق کرتے ہیں مرکزی وزیراعظم کو اس کا علم ہوتا ہے لیکن کوئی باز پرس یا قانونی کارروائی نہیں کی جاتی۔

مرزا محمود اشتعال انگیز اور حاکمانہ بیانات دیتا ہے اس کے خلاف کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ ہندوستان چلے جانے کے منصوبے بھی سوچے گئے لیکن ان کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھی۔ اسی طرح کے سینکڑوں واقعات ہوتے ہیں جن میں مسلمان تو زیر عتاب آ جاتے ہیں لیکن مرزائیوں کو کوئی نہیں پوچھتا کیا اگر مظلوم مسلمان قوم یہ رائے قائم کرے کہ سب کچھ چوہدری ظفر اللہ خاں کے کھونٹے پر ہو رہا ہے تو وہ حق بجانب نہیں ہے اور اگر اس سے قوم میں یہ بے چینی پیدا ہو کہ عملی طور پر پاکستان میں وہی بات ہو سکتی ہے جو چوہدری ظفر اللہ خان کرنی چاہے وہ نہ چاہے تو نہیں ہو سکتی۔ اور اگر چند دن اور یہ حالت رہی تو پاکستان کے اقتدار پر مکمل قبضہ مرزائی فرقہ کا ہو جائے گا۔ کیا یہ بے چینی بے وجہ کہلائی جا سکتی ہے خاص کر جب کہ محکمہ جات پر قبضہ کی اسکیم' احمدی صوبہ بنانے کا خیال' احمدیت کے حق میں ۱۹۵۲ء ختم ہونے سے پہلے حالات تبدیل کرنے کا آمرانہ حکم' مرزائیوں کی جنگی مشق' بنکوں میں لاتعداد روپوں کی موجودگی اور روایتی طور پر مرزائیوں اور فرنگیوں کا گٹھ جوڑ بھی پیش نظر ہو۔

معزز عدالت! ایسے حالات میں مسلمانوں کا نہایت امن سے ملک و مذہب کی حفاظت کی خاطر

اور پیدا شدہ خطرات کی روک تھام کے لئے اپنی حکومت سے مطالبہ کرتا کہ مرزائیوں کو علیحدہ قوم قرار دے کر حقوق اور مذہبی نزاعات کا فیصلہ کر دیا جائے اور ساتھ ہی اس تمام فتنے کی جڑ یعنی چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ سے الگ کر دیا جائے۔ یہ نہ کوئی غیر آئینی مطالبہ ہے۔ نہ پاکستان دشمنی ہے۔

حکومت کی بے بسی

لیکن ایسا معلوم ہوتا کہ اس سلسلہ میں حکومت اپنے کو بے بس پاتی تھی۔ حکومت کے لئے ایسے عالمگیر اور جمہوری مطالبات کے سلسلہ میں جن کی پشت پر تمام اسلامی فرقے اخبارات اور تمام علماء دین ہوں۔ گول مول اور ٹال مٹول کی پالیسی اختیار کرنے کی بجائے مندرجہ ذیل تین باتوں میں سے ایک بات کرنی چاہئے تھی۔

۱۔ جمہوری حکومت ہونے کی وجہ سے جمہور کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی مطالبات تسلیم کر لیتی سب سے بڑا وقار یہی تھا کہ حکومت اور عوام میں یکجہتی پیدا ہو اور ملکی بددلی اور عوامی اضطراب میں ترقی نہ ہو۔

۲۔ لیکن اگر اخلاقی کمزوری یا کسی اور وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکتی تو جمہور کی نمائندگی پوری نہ کرنے کی وجہ سے مستعفی ہو جاتی۔ اور ایسے لوگوں کو موقع دیتی جن کو عوام خود منتخب کریں۔

۳۔ اگر یہ نہ کرنا چاہتی تو پھر ایک ہی جائز طریقہ باقی رہتا تھا کہ وہ مطالبات کے سلسلہ میں استصواب رائے عامہ کا انتظام کرتی۔

حکومت نے ان تین آئینی راستوں میں سے ایک بھی اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اس سے کم درجے کی دو باتیں اور تھیں جو بہت آسان تھیں۔ حکومت نے اس سے بھی گریز کیا وہ یہ کہ۔

۴۔ کم از کم سنٹرل اسمبلی میں بحث کے لئے یہ مطالبات پیش کئے جاتے اگرچہ وہاں بھی ایوان کا لیڈر اپنی ہی بات منوا لیتا ہے تاہم ظاہری طور پر نمائندہ اسمبلی کا فیصلہ سمجھا جاتا۔

۵۔ حکومت نے سب سے آخری شکل بھی اختیار نہ کی کہ جس پارٹی کی حکومت تھی اس پارٹی کے سامنے صورت حال کو پیش کر دیا جاتا۔ یعنی آل پاکستان مسلم لیگ کی جنرل کونسل کے سامنے جس کا اجلاس اسی دوران میں ڈھاکہ میں ہو رہا تھا۔ آخر جمہوری فیصلے کی یہ بھی ایک صورت تھی۔ پھر اس فیصلے کی ذمہ داری بھی مسلم لیگ پر ہوتی' چاہے فائدہ ہوتا' چاہے نقصان' یہ طرز تو قطعاً" غلط ہے کہ حکومت کی تمام کارستانیوں کا بوجھ نتیجہ کے لحاظ سے مسلم لیگ اور اس کے عوامی کارکنوں پر پڑے کہ لیگی حکومت نے ایسا کیا۔ لیکن حکومت ایسے نازک اور ملک گیر مسائل میں مسلم لیگ سے مشورہ بھی ضروری نہ سمجھے۔

مرکزی حکومت نے کیا کیا

مرکزی حکومت نے زیادہ سے زیادہ کابینہ کے سامنے مسئلہ رکھا ہوگا لیکن کابینہ ایک فیلو کی حیثیت رکھتا ہے جس کو خود وزیر اعظم نامزد کیا کرتا ہے۔

ان آٹھ دس آدمیوں کا آپس میں بیٹھ کر اپنی بات چیت کو کافی سمجھ لینا بجائے خود غلط ہونے اور پاکستان کے اعلیٰ مفاد سے بے اعتنائی برتنے کے مترادف ہے۔

خاص کر کہ اس میں مدعا علیہ چوہدری ظفر اللہ خاں بھی موجود ہو۔ جن کے بارہ میں ذکر کردہ واقعات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ مرکزی وزیروں کی رائے کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے اور یہ کہ ان سے اشتعال انگیز افسوسناک بدعنوانیوں کے سلسلہ میں بھی جواب طلب نہیں کیا جا سکتا تھا اور یہ کہ وہ اپنے مذہبی مشاغل کے مقابلہ میں نہ صرف فساد و بدامنی کی پرواہ کرتے نہ کسی سرکاری اعلان و احکام کی۔ ان حالات میں کیبنٹ کے اندر ان مطالبات کے سلسلہ میں پاکستان اور اسلامی مفاد کے پیش نظر فیصلہ کرنا اچھا خاصا مشکل تھا۔ جب کہ یہ فیصلہ مرزائیت کے لئے مضر ہو۔

جناب والا!

ہماری ان معروضات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اقرار کرتے ہیں کہ مرکز میں دھڑے بندی تھی۔ جس سے گورنر جنرل بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ ان حالات میں اقتدار کی دوڑ میں مصروف حضرات کس طرح ظفر اللہ خان جیسے ایک اہم آدمی کو اپنا مخالف بنا سکتے ہیں' جو وزیر خارجہ ہونے اور اپنی مذہبی روایات کے لحاظ سے بھی بیرونی طاقتوں سے بھی تعلقات رکھتا ہو اور پاکستان کی تمام بیرونی سیاست کو اپنے قبضہ میں کئے بیٹھا ہو اور جو آج کسی کو سفیر بنوا دے وہ کل وزیر بن سکتا ہے اس صورت میں کیبنٹ کے چند افراد کے اندر ایک آدھ دفعہ بحث و تمحیص اتنے بڑے عوامی مسئلہ کے سلسلہ میں کافی سمجھنا غلط در غلط ہے۔

معزز عدالت! یہ کہنا کہ کیبنٹ میں ظفر اللہ خان کی موجودگی مطالبات کا مسئلہ حل کرنے کی راہ میں زبردست رکاوٹ تھی۔ اس کی تائید بعد کے واقعات نے بھی کی۔ (مثلاً خواجہ ناظم الدین نے بعد از خرابی بسیار)

پاکستان حکومت میسرز کی بے اثری

جب تمام پاکستانی صوبہ جات کے وزرائے اعلیٰ گورنروں اور دیگر سول و فوجی حکام کی کانفرنس طلب کی اس میں متفقہ طور پر جو تجویز پاس ہوئی وہ یہ تھی کہ قادیانی سربراہ سے مطالبہ

کیا جائے کہ وہ مسلمانوں میں اپنی تبلیغ بند کرنے کا اعلان کریں۔ اس میں بھی چوہدری ظفر اللہ خاں نے کیڑے نکالنے کی کوشش کی۔ مثلاً یہ کہ اگر کوئی شخص خود ہی احمدی لٹریچر طلب کرے تو اس پر ہمارے ناتجربہ کار افراد نے کہا ہاں یہ تو جرم نہ ہونا چاہئے۔ خیال فرمائیں کہ اب کون تحقیق کرتا پھرے کہ ان لاکھوں میزوں پر یہ قادیانی لٹریچر خود بخود آگیا ہے یا دھرا گیا ہے یا منگایا گیا ہے۔ اس طرح دراصل یہ متفقہ تجویز بھی ظفر اللہ خاں نے بیکار کر کے رکھ دی تھی۔ لیکن تاہم ایک تجویز تھی جو پاس ہوئی لیکن دو ہی دن کے بعد خواجہ ناظم الدین کو اس تجویز پیش کرنے کی سزا مل گئی کہ وہ وزارت سے علیحدہ کر دیے گئے اور نشتر وغیرہ بھی جو پرانے مسلمانوں جیسے عقیدہ رکھتے تھے اور نئی وزارت کی پہلی صف میں چوہدری ظفر اللہ خاں براجمان تھے۔

یہ عرض کرنے سے مراد صرف یہ بتانا تھا کہ تمام پاکستان کے مرکزی اور صوبائی وزراء اور دیگر سول اور فوجی اعلیٰ افسروں کی پاس کی ہوئی متفقہ تجویز بھی گاؤ خورد ہوئی جس کا آج تک نام نہیں لیا گیا۔

تجویز میں اعلیٰ افسروں کی بیچارگی

یہ تجویز بجائے خود اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ ظفر اللہ خاں کی موجودگی اجلاس پر کتنا اثر ڈالتی ہے۔ جب تمام کے تمام اجلاس نے فسادات و خرابی کی جڑ مرزائی تبلیغ کو قرار دیا اور یہی سمجھا کہ سارا فتنہ مرزائی تبلیغ کا نتیجہ ہے تو علاج کی شکل یہ تھی کہ قانوناً مرزائی تبلیغ اور تبلیغی لٹریچر کو بند کر دیا جاتا اور مرزا محمود کو امتناعی حکم صادر کیا جاتا۔ لیکن یہی افسر جب دوسری پبلک جماعتوں کے خلاف کچھ کہنے یا کرنے پر آتے ہیں تو یکدم دفعہ ۱۴۴ کا حربہ سامنے لے آتے ہیں۔ زبان بندی کر دیتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم کی پرانی تصنیف شہاب ضبط کر دیتے ہیں۔ اخبارات اور لٹریچر ضبط کرتے ہیں اور حاکمانہ انداز میں متعلقہ افراد یا جماعتوں کو حکم دیتے ہیں لیکن جب یہی وزراء گورنرز اور آفیسرز چوہدری ظفر اللہ خاں کے سامنے اکٹھے ہوتے ہیں تو امتناعی احکام کی جگہ ان کی زبان بدل جاتی ہے اور تجویز کرتے ہیں کہ قادیانی سربراہ سے پبلک تبلیغ بند کرنے کا مطالبہ کیا جائے جیسے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ سے درخواست کی جاتی ہے یا جیسے رعایا حکومت سے مطالبہ یا درخواست کرتی ہے اس سے چوہدری ظفر اللہ خاں کے اثر و نفوذ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اتنی بے ضرر اور معصوم تجویز بھی باوجود اپنی معصومانہ الفاظ کے چوہدری ظفر اللہ خان کی موجودگی کی وجہ سے شرمندہ معنی نہ ہو سکی جس پر تمام پاکستانی وزراء گورنروں اور ذمہ دار افسروں نے مہر تصدیق ثبت کی تھی۔

معزز عدالت!

اس ملک میں جہاں مرکزی حکومت میں بھی دھڑے بندی ہو اور جہاں صوبہ جات میں بھی اقتدار کی جنگ کا تسلسل ختم نہیں ہوتا۔ اور جہاں اپنے اپنے عہدوں کی خیر منانے اور رشتہ داروں کو اقتدار دلانے کی سعی جاری ہوتی ہو۔ ایسے ملک کے صوبہ جاتی یا مرکزی افسروں سے یہ امید رکھنا کہ کسی صحیح اصول' مذہبی مفاد یا قومی بھلائی کے لئے چوہدری ظفراللہ خان کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔ غلط امید ہے۔

ا۔ جب کہ اطراف ملک کے تمام بڑے لوگوں کی یہ خواہش ہو کہ سنٹرل اسمبلی یا مرکزی کابینہ میں میرے سپوٹروں کی تعداد زیادہ ہو۔

۲۔ جب کہ ہر بڑا آدمی اپنے لڑکے' پوتے اور رشتہ دار کو کوئی نہ کوئی عہدہ دلانے یا کسی ملک کا سفیر بنانے یا کم از کم سفارت خانے کے اسٹاف میں بھرتی کرنے کا خواہش مند ہو۔ خاص کر جب یہ بھی ذہن میں ہو کہ سفیر بننے کے بعد وزیر بننے کے لئے راہ صاف ہو جاتی ہے اور خود سفارت بھی بڑی پوزیشن ہے۔

۳۔ جب کہ ظفراللہ خان ایسا عہدہ دے یا دلا سکتا ہو۔

۴۔ اس طرح وہ کونسا صاحب ضمیر سرمایہ دار یا اعلیٰ عہدہ دار ہو گا جو ایسے چوہدری ظفراللہ خان کی سفارش رد کرے یا اس کا اشارہ پاتے ہی اس کے موافق کام نہ کرے۔ جب کہ وہ بھی اپنے مستقبل کے بارہ میں اس سے امید رکھ سکتا ہو۔

۵۔ ان حالات میں بڑا مشکل کام ہے کہ کوئی ذمہ دار اعلیٰ افسر کسی مرزائی افسر کی بدعنوانیوں کے خلاف کوئی تادیبی یا مخلصانہ کارروائی کرے جب کہ چوہدری صاحب کو تبلیغ کا بھی شوق ہو اور احمدی بنانے کا بھی۔ اس لئے لازمی طور پر ان کو ہر مرزائی افسر کی امداد کرنی ہو گی جو احمدیت کے لئے کام کرے۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ تمام مرزائی افسر بڑی جرات سے اپنی سرکاری حیثیت اور پوزیشن سے تبلیغ احمدیت کا کام لیتے اور مخالف علماء کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۶۔ اور جرات اس حد تک پہنچ گئی کہ مسلح جیپ کار لیکر مسلمانوں پر گولیاں چلائیں۔ کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ عامۃ الناس اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن پولیس کو کوئی ثبوت نہ ملے۔

۷۔ ظفراللہ خان اور دیگر مطالبات کے سلسلہ میں مرکزی حکومت کی بے بسی پر یہ امر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ کہ چوہدری صاحب کے خلاف کرنے سے وزیراعظم کو امریکن عوام کے ناراض ہونے کا بھی ڈر تھا اور دبے الفاظ میں انہوں نے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ انڈونیشیا والے

بھی خفا ہو سکے۔

معزز عدالت! اگر ایک آزاد حکومت کسی ملک سے کوئی معاہدہ کرے یا ملکی مفاد کے لئے لین دین سیاسی یا تجارتی سمجھوتہ کیا جائے تو یہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں لیکن اگر کسی عزل و نصب یا دیگر اندرونی مسائل میں ملکی مفاد کی بجائے بیرونی اثرات کا دخل ہو تو اس ملک کی انتہائی بدقسمتی ہوتی ہے ہماری حکومت کو مطالبات کے سلسلے میں پاکستان اور جمہوری پاکستان کے تعلقات اور مفادی کی بنیاد پر سوچنا چاہئے تھا۔ کیونکہ حکومت اپنے عوام کے جذبات سے بے اعتنائی برت کر ملک کی بہتر خدمت کرنے کے قابل نہیں ہو سکتی۔ عوام کو جبر و تشدد کے ذریعہ دبایا جا سکتا ہے لیکن اس سے حکومت و رعایا میں تعاون و یکجہتی کو صدمہ پہنچ کر بنیادی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اگر خدانخواستہ آج جبر و تشدد یا کسی اور غلط ذریعہ سے پاکستان پر چند مرزائی یا مرزائی نواز مسلط کر دیئے جائیں۔ تو ایسا ہو سکتا ہے لیکن ایسی حکومت کی عمر دراز نہیں ہوتی اور اگر ایسا کسی بیرونی طاقت کی امداد سے کیا جائے۔ تو اس بیرونی طاقت کو بھی رائے عامہ کی مخالفت سے دوچار ہونا پڑتا ہے' انگریز سکھوں نے بھی فوجی قوت سے قبضہ رکھا لیکن جلدی زوال ہو گیا۔ آج کے جمہوری زمانہ میں جمہوریت کی مدعی حکومت کو جمہور کا مطالبہ کسی غیر جمہوری مقصد کی خاطر ٹھکرا دینا کسی طرح مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا' خاص کر آج کے گردو پیش کے حالات میں جن میں ضرورت ہے کہ حکومت عوام اور عوامی جماعتوں کا تعاون اور یکجہتی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کا نقشہ پیش کرے۔

معزز عدالت! ایسے حالات میں اگر عامتہ المسلمین یہ سمجھیں کہ جب تک ظفر اللہ خاں کو پاکستانی وزارت میں دخل ہو اس وقت تک نہ ہمارا مذہب محفوظ ہے نہ ہمارے ساتھ انصاف کی توقع ہو سکتی ہے اور نہ عام طور پر سرکاری افسروں سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ مرزائی گروہ اور ان کی زیادتیوں کے خلاف کوئی صحیح رپورٹ یا کارروائی کریں۔ جب کہ وہ بھی ترقی کے خواہش مند اور اقتدار پسند ہوں۔ یا کم از کم ان کو اپنے اقتدار کو مرزائی افسروں کی زد میں بچانے کا خیال ہو۔

بنابریں مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزارت سے الگ کیا جائے مسلم مفاد' اسلام کے تحفظ اور ملکی مفاد کے عین مطابق اور صرف انصاف حاصل کرنے کی جدوجہد کے مترادف ہے۔

مطالبات کے سلسلہ میں واقعات کی رفتار

مسلمانوں کے یہ ہر دو مطالبات جن سے دوسرے مطالبات کی ضرورت خود بخود واضح ہو

جائی ہے کہ خدشات اور حقیقی خطرات پر مبنی اور بالکل آئینی ہیں۔ تمام اسلامی فرقے اس پر
متفق ہیں۔ تمام علماء دین کا یہی فیصلہ ہے۔ جمہور نے ان کی صحت و حمایت پر مہر تصدیق ثبت کر
دی تحفظ حقوق کی جدوجہد یا کسی وزیر بلکہ حکومت کی تبدیلی کا مطالبہ جمہور کا آئینی حق ہے۔

(ب) کسی مطالبہ یا تحریک کے لئے جب کہ وہ مطالبہ بغاوت یا جنگ یا ملک کے نقصان کے لئے نہیں کیا جا رہا حامی پیدا کرنا۔ مطالبہ کو عوامی بنانے کی جدوجہد کرنا' دوسروں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرنا' یہ سب باتیں آئینی اور جائز ہیں۔ آج جمہوری دور میں ہر پارٹی اپنی اکثریت پیدا کرتی اپنے مقاصد سے سب کو متفق کرنے اور عوام کو ساتھ ملانے کی کوشش کرتی ہے۔ حالانکہ وہ اقتدار کی دوڑ ہوتی ہے۔ یہاں تو ایک پارٹی کی جارحانہ تبلیغ سے اسلامی مفاد کو بچانے کفر و اسلام میں تمیز کرنے اور اپنے حقوق کو غصب سے محفوظ کرنے کے لئے مذہبی فریضہ کے طور پر بالکل مذہبی مطالبہ ہے اور عرصہ سے جاری ہے۔

(ج) مطالبات کے لئے سینکڑوں جلسے ہوئے۔ ہزاروں تاریں دی گئیں' رجسٹریاں بھیجی گئیں۔ جلوس نکالے گئے۔ وفود نے ملاقاتیں کیں۔ بار بار پیش ہو کر درخواست کی' اخبارات نے لکھا۔ تمام ملک میں تمام صوبہ جات میں کانفرنسیں ہوئیں۔ لیکن حکومت نے ٹال مٹول سے کام لیا۔

(د) جولائی ۱۹۵۲ء سے حکومت جانتی تھی کہ تمام قوم مطالبات کی حامی ہے تمام اسلامی فرقے متفق ہیں۔ تمام علماء کا یہی فیصلہ ہے مگر حکومت نے اتنے عالمگیر مطالبہ سے افسوسناک بے اعتنائی برتی اور مسلسل چھ مہینے تک کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔

(ر) آخر کار مجلس عمل نے ایک ماہ کا نوٹس دیا کہ ہمارے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو ہم راست اقدام کریں گے۔ مجلس عمل کو یقین تھا کہ حکومت ایسے مذہبی اور عوامی مطالبہ کو ضرور تسلیم کرے گی۔ اور یہ کہ یہ نوٹس حکومت کو جمہوری لائنوں پر مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش پر آمادہ کر دے گا اور راست اقدام کی نوبت نہ آئے گی۔

(س) حکومت نے عوامی مسائل سے عمدگی سے نپٹنے اور جمہور اور حکومت کو ایک جسم کے اعضا قرار دے کر داد رسی کر کے ان کو مطمئن کرنے کی بجائے اس کو غلط وقار کا سوال بنا دیا۔ قوم کے نمائندوں نے اپنے وقار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے چار دن اور انتظار کیا اور پھر ملاقات کی مگر حکومت کے جمود میں کوئی فرق نہ آیا۔

(ص) مجلس عمل نے اپنی قرارداد کے موافق راست اقدام کا پروگرام تجویز کر لیا تھا جس کو اگر وہ جیل سے باہر رہتی تو اسی طرح چلانے کی کوشش کرتی۔ اور قیام امن کے لئے پہلے کی طرح عوام سے اپیل کرتی رہتی۔ لیکن حکومت نے ساری مجلس عمل ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں گرفتار کر لی۔

(ط) مجلس عمل کا پروگرام یہ تھا کہ رضاکار سندھ کے یا پنجاب اور دوسرے صوبہ جات سے کراچی جائیں اور خواجہ ناظم الدین کے ہاں مطالبات پیش کرنے کی کوشش کرتے جائیں اور اگر یہ گرفتار کرلئے جائیں تو اور جائیں یہاں تک کہ حکومت مطالبات تسلیم کرے۔

(ع) اگر یہ راست اقدام حکومت کو ناپسند تھا تو وہ اس کے خلاف قانونی کارروائی کرسکتی تھی لیکن جیسا کہ راست اقدام ایک آئینی تحریک تھی۔ اگر حکومت بھی پرامن اور آئینی ہی ذرائع استعمال کرتی تو اس میں شک نہیں کہ گرفتاری میں لاکھ کے لگ بھگ ہوتی حکومت کو کیمپ کھولنے پڑتے یا قیدیوں کو رکھنے کا کوئی اور انتظام کرنا پڑتا۔ خرچ بھی کرنا پڑتا۔ لیکن جو بدامنی فسادات اور گولیوں کی نشانہ بازی ہوتی رہی ہے ہرگز نہ ہوتا حکومت کو بڑے رائے عامہ کو دیکھ کر مطالبات ماننے پڑتے یا تحریک کی پشت پر عوام نہ ہوتے تو خود ختم ہو جاتے۔ اس سلسلہ میں حکومت جہاں چاہتی جس اسٹیشن سے چاہتی یا جس جگہ سے چاہتی گرفتار کرلیتی۔ لیکن حکومت نے گرفتاریوں اور پرامن مقابلہ کی جگہ لاٹھی چارج شروع کیا اور وہ بھی ہزاروں عوام کے سامنے بے سروپا۔ حتی کہ بعض آدمی جان بحق ہو گئے اس طرح حکومت نے گرفتار شدگان کو لاریوں میں بھر کر رات کو دور جنگلوں میں چھوڑنا شروع کردیا۔ اس سے آہستہ آہستہ عوام کے جذبات سخت طور پر مجروح ہوتے گئے اور جب حکومت نے فائرنگ کی تو مزید اشتعال پیدا ہوا۔ سول سیکرٹریٹ تک اس تشددانہ کارروائی کا اثر پڑا۔ بہرحال حکومت کے اس طرز سے پولیس اور عوام میں تصادم ہونے لگا اور حالات نے نہایت ہی افسوسناک شکل اختیار کرلی۔

عمال حکومت کا طرز عمل

اس اثنا میں عمال حکومت نے حالات کو اعتدال پر لانے کی کوئی کوشش نہیں کی یہ بالکل غلط ہے کہ خلاف امن سرگرمیوں کے خلاف کوئی عالم اپیل کرنے کے لئے نہ مل سکتا تھا مجلس عمل اور احرار کا ہر لیڈر، ہر عالم یہ اپیل کرتا بشرطیکہ حکومت یہ چاہتی۔ اگر حکومت ان کو جیل سے باہر لاکر ریڈیو پر ان سے اعلان کرائی وہ کرتے لیکن اس شرط پر کہ صرف پرامن گرفتاریاں کرنے کا حکومت وعدہ کرلی وہ اعلان کرتے کہ صرف پرامن گرفتاریاں دو۔ تحریک بند کرنے کا اعلان نہیں ہو سکتا۔ قیام امن کے ساتھ گرفتاریاں دینے کی پوری کوشش ہو سکتی تھی یہی بات ضلع کیمبل پور، ضلع میانوالی اور ضلع راولپنڈی میں ہوئی۔ وہاں مقامی لیڈروں کو بھی حکومت نے آخیر میں گرفتار کیا انہوں نے نہایت امن سے گرفتاریاں دلائیں۔ اور اگرچہ ابتداء معمولی بدمزگی ہوئی بھی تو علماء اور حکام کی بات چیت سے حالات کو سنبھالا دیا۔ بہرحال یہاں تو حکومت ایسا چاہتی ہی نہ تھی مرکزی حکومت نے پہلے سے ہی اس کو وقار کا سوال بنا ڈالا تھا اور یہ نہ

کرتی تو کیا کرتی؟ وہاں چوہدری ظفر اللہ خاں کے اثرات تھے۔ ادھر پنجاب کے اعلیٰ افسروں پر اسی پرانے انگریزی قانون کا تسلط تھا کہ پہلے ہی زور کا تشدد کر کے تحریک کو کچلنے اور عوام کو دہشت زدہ کر دینے میں کامیابی ہے۔ حالانکہ انگریز اپنے ملک میں کبھی ایسا نہیں کرتا۔ اور یہ طرز عمل غلام ملکوں کے لئے تھا تاکہ کوئی سر نہ اٹھا سکے۔ اور یہ بھی مصیبت تھی کہ بعض اعلیٰ افسر مثلاً چیف سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ کفر و اسلام کی تفریق کو سماج دشمنی قرار دیکر تحریک والوں کو سماج دشمن سمجھ رہے تھے جن پر تشدد ہی چاہئے تھا اور یہ بھی ناممکن ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کے اثرات اور مقامی مرزائی عناصر کے اثرات اپنا کام نہ کر رہے ہوں اسی لئے سب سے پہلے ۲۷ فروری کو صرف احرار کارکنوں کی فہرست گرفتاری کے لئے تیار کی گئی حالانکہ مجلس عمل کے سینکڑوں کارکن تمام پنجاب میں مصروف عمل رہے اور تھے اور جولائی ۱۹۵۲ء کے بعد سے مسلسل چھ ماہ تک مجلس عمل سے متعلق تمام حضرات کا ملک بھر میں کام کرنا اور ہر ضلع میں مقامی مجلس عمل کا قائم ہونا حکام سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔

مرکز اور صوبے کی بدگمانیاں

حالات کو اعتدال پر لانے اور مطالبات کے سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر سے اور عوام الناس کے جذبات کی روشنی میں غور کر کے کوئی صحیح راستہ اختیار کرنے کی راہ میں رکاوٹ مرکز اور صوبائی حکومت کی باہمی بدگمانیاں تھیں ورنہ اثنائے تحریک میں رائے عامہ کا طوفان دیکھنے کے بعد وزارت پنجاب نے اعلان کر دیا تھا کہ مطالبات کے لئے سفارش کی جائے گی اور مرکز کو اس نے اطلاع بھی دے دی تھی لیکن مرکزی حکومت نے باہمی بدگمانیوں کی وجہ سے اس کو وزیر اعلیٰ پنجاب کا الٹی میٹم قرار دیا۔ اگر بدگمانیاں نہ ہوتیں تو وہ سر جوڑ کر اسلامی اور پاکستانی مفاد کی روشنی میں سوچتے اور اس موقعہ پر عوامی لیڈروں سے اعلان بھی کرا سکتے تھے بدقسمتی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت یہ سمجھ بیٹھی کہ وزارت پنجاب نے عوام کو ساتھ لیکر بغاوت کر دی ہے پھر تمام ذہنیں ڈیپارٹمنٹ لاہور آ بیٹھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہٹلر سے جنگ ہے اور برلن فتح کرنا ہے۔ اس باہمی ذہنی آویزش کی چکی میں مسلمان قوم پس گئی اور خوب کوشش کی گئی کہ جتنی جلدی ہو' سختی کر کے ہٹلر اور برلن کو دبا دیا جائے اور لاہور و بعض دیگر اضلاع میں وہ طرز عمل اختیار کیا گیا جو اپنی اور قومی حکومت کے کسی طرح شایان شان نہیں ہو سکتا۔

(الف) یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ رضاکاروں نے گرفتاری کے وقت کہیں مزاحمت یا مقابلہ نہیں کیا' عمال نے بوکھلا کر گرفتار کرنے کی بجائے لاٹھی چارج فائرنگ اور وحشت زدگی شروع کر دی اسی طرح رات کو دور جنگلوں میں لیجا کر چھوڑ دیا جن کی پیدل واپسی سے راستے

کے دیہات پر خود بخود اثر پڑتا جاتا رہا۔

ایس ایس پی ۲۷ فروری' عمال حکومت ۲۸ فروری یکم مارچ ۱۹۵۳ء کے سلسلہ میں تسلیم کرتے ہیں کہ صرف جلوس نکلے جو پرامن تھے اور ۲' ۳ مارچ کے مولانا احمد علی والے جلوس کو بھی پرامن بتاتے ہیں جلوسوں پر بھی میانوالی وغیرہ میں آخر تک پابندی نہیں لگائی گئی اگر اس موقع پر راہنماؤں سے حکام ملکر پرامن گرفتاریوں کی تجویز پر بحث کرتے تو یقیناً کوئی حادثہ نہ ہوتا لیکن لاہور کے عمال حکومت کے ذہنوں میں صرف ایک خیال تھا کہ کچلو اور دباؤ' تشدد استعمال کرو' خلاف قانون قرار دو وغیرہ وغیرہ حالانکہ ایسے حالات میں اور پھر بڑے بڑے جلوسوں کا امن شکنی اور لاقانونی حرکات مثلاً" لوٹ مار' حملہ جات کا ارتکاب نہ کرنا بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے سامنے ایسا کوئی پروگرام نہ تھا۔ حکومت نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی اگر بجائے ان کے صرف جلوس ممنوع قرار دیے جاتے تو کافی تھا لیکن عوام نے ۱۴۴ کا بھی بڑا احترام کیا اور کارکنوں نے صرف چار چار' دس دس یا بیس بیس کے رضاکار گرفتاری کی خاطر روانہ کئے۔ اگر ان کو حکومت باقاعدہ گرفتار کرتی رہتی تو حالات نہ بگڑتے۔ لیکن عمال کے ذہن میں وہی انگریزی زمانے کے اثرات تھے کہ ابتداء ہی سے تشدد کر کے تحریک کچل دو۔ خاص کر جب کہ چیف سیکرٹری مرزائیوں کے خلاف کہنے کو جاہل وحشی سمجھتے ہوں اور آئی جی ۱۹۵۰ء ہی سے احرار کے خلاف اپنے دل میں احرار کو ختم دینے کے خیال کو پالتے پوستے رہے اور ہوم سیکرٹری کا بھی یہی خیال تھا اور اگر سالہا سال کی انگریزی ملازمت سے اس کے خیالات میں یہ بات راسخ ہو جائے تو یہ کوئی تعجب خیز نہیں ہے کیونکہ انگریزی دور حکومت میں احرار کو کچلنے اور دبانے اور ان کے خلاف رپورٹیں کرنے سے ترقی کی امیدیں وابستہ تھیں اور افسروں کا ذہن ہی یہ تھا کہ جو انگریز کا معتوب ہو' اللہ کا بھی معتوب ہوتا ہے۔ آج بھی چوہدری ظفر اللہ خان کی مرکزی حکومت میں مضبوط پوزیشن احرار بیچاروں پر زیادتیاں کرنے کا سبب ہو سکتی ہے اور ترقی کی امید کا باعث تھی۔ تمام تحریک میں کہیں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ رضاکاروں نے گرفتاری کے وقت مزاحمت کی یا مقابلہ کیا۔

مجلس عمل اور احرار کی برات کا قطعی ثبوت

جب ہم اس ثابت شدہ حقیقت کو پیش نظر رکھیں کہ مجلس عمل کا پروگرام صرف کراچی میں پرامن طور پر راست اقدام تھا اور یہ کہ ۲۷ فروری' ۲۸ فروری' یکم مارچ اور ۲ مارچ کو لاہور میں سوائے جلوسوں اور گرفتاریاں پیش کرنے کے کوئی لاقانونیت کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ جب تک کہ دفعہ ۱۴۴ کے بعد خطرناک لاٹھی چارج مسلسل نہ ہوتا رہا اور جب تک گولی چلنے کا

حادثہ نہیں ہوا۔ پھر جب حکومت پنجاب کے سابق چیف سیکرٹری تحریری بیان میں کہتے ہیں کہ تحریک شروع ہونے سے ایک ہفتہ کے اندر غیر متوقع رخ اختیار کر چکی تھی تو ہر ایک انصاف پسند کو یہ ماننا پڑے گا کہ پنجاب پولیس سی۔ آئی۔ ڈی اور تمام عمال حکومت کو پیش آمدہ حادثات کی قطعاً" توقع نہ تھی اور وہ مجلس عمل کے پروگرام سے پورے واقف اور مطمئن تھے اور خود مجلس عمل کے اعلانات بیانات اور تجاویز سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے جس کے علاوہ پنجاب کے کسی افسر کے پاس کوئی مواد نہیں ہے تو پھر پیش آمدہ واقعات و حادثات کی ذمہ داری تحریک کے لیڈروں پر کس طرح عائد ہو سکتی ہے اور سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ عمال جنہوں نے گرفتاریاں اور گرفتار شدگان کے لئے کوئی انتظام نہ کیا تھا بوکھلا کر غلط اقدامات پر اتر آئے جن سے رفتہ رفتہ حالات نے غیر متوقع صورت اختیار کر لی۔

مزید ثبوت

سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا ابوالحسنات نے ۵ فروری ۱۹۵۳ء کو تعلیم الاسلام کالج کے سامنے مظاہرین کو روکنے اور اپنے جلسہ میں بلا لانے اور غیر قانونی حرکات سے منع کرنے کے لئے سید مظفر علی شمسی کو بھیجا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اور انہی تاریخوں میں نسبت روڈ کے پبلک جلسہ پر مرزائیوں کی خشت باری کے نتیجہ کے طور پر پیدا ہونے والی بدامنی کو مجلس عمل کے راہنماؤں نے روکا اور باوجود انتہائی اشتعال کے عوام کو سنبھالا یہاں تک کہ عوام نے بعد میں بھی انتقام نہ لیا۔

مزید براں مولانا مودودی نے جو مرکزی مجلس عمل کے رکن تھے۔ نہایت صفائی سے لاقانونیت کے خلاف اخبار تسنیم میں مارشل لاء سے پہلے اعلان کیا تھا اور عام طور پر دوسرے راہنماؤں نے بھی جمعہ . . . میں پرامن رہنے کی اپیلیں کی تھیں۔

مسئلہ مرزائیت اور اسلامی حکومت

قبل ازیں کہ مجلس احرار اسلام کے موقف پر بحث کی جائے اس امر پر روشنی ڈالنی ضروری ہے کہ مسئلہ مرزائیت کے سلسلہ میں اسلامی حکومت اور عام اہل اسلام کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔

معزز عدالت! سابق وزیر اعظم پاکستان خواجہ صاحب اور وزیر صنعت و حرفت سردار نشتر سے لیکر ہوم سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ تک علماء اسلام کے اس خیال سے متفق ہیں کہ ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ اور جزو ایمان ہے اور یہ امر ظاہر ہی ہے کہ اسلام کے ایسے بنیادی

عقیدے کی حفاظت اسلامی حکومت اور عامتہ المسلمین کا اولین فرض ہونا چاہیے۔

اور عدالت کے سامنے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مرزائی فرقہ کے پاس جن کے پاس بے پناہ روپیہ ہے۔ وہ ٹریکٹوں' رسالوں' کتابوں اور انفرادی بحثوں اور پبلک جلسوں کے ذریعہ عامتہ المسلمین کو اس بنیادی عقیدہ سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ وزیر خارجہ سے لیکر ڈپٹی کمشنروں تک جتنے مرزائی افسر ہیں' وہ اپنی سرکاری پوزیشن اثر و رسوخ کو بھی اس گمراہ کن پراپیگنڈے میں استعمال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ میں وہ مرکزی وزراء کے مشورہ نقض امن کے خطرات اور ملک کے اندر کی عام بے چینی سے بھی آنکھیں بند کر دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہزاروں روزگار کے متلاشی ملازمتوں کے طالب اور ہزاروں ناواقف مسلمان ان کی دام تزویر میں آتے رہتے ہیں۔

اسلامی حکومت کا فرض تھا کہ وہ اس سلسلہ میں ضروری قدم اٹھاتی اور عامتہ المسلمین کی راہنمائی کرتی لیکن اس نے اس کے بالکل برعکس ایسا رویہ اختیار کر رکھا ہے کہ مرزائی عہدہ دار اپنی کلیدی آسامیوں کی وجہ سے یہ کافرانہ کام آزادی سے کر رہے ہیں حکومت نے آج تک حکومت کو بھی اس آلودگی سے بچانے کے لئے کوئی جرات مندانہ اقدام نہیں کیا۔ ملک کی سب سے بڑی عوامی جماعت ہونے کا دعویٰ کرنے والی مسلم لیگ بھی اپنے سرکاری سربراہوں' صدروں کے ماتحت ایسا کوئی کام کرنے سے آج تک قاصر رہی ہے۔ صرف مختلف اسلامی اور عوامی جماعتیں یا علماء انفرادی طور پر معمولی طریقہ سے یہ فرض انجام دیتے چلے آئے ہیں۔ لے دے کے ایک منظم اور فعال جماعت مجلس احرار ہے جو مرزائی تنظیم کے مقابلہ میں مثبت " تبلیغ کرتی رہی اور کرتی ہے۔ عامتہ المسلمین نیز اسلامی حکومت کو اس کا شکرگزار ہونا چاہئے تھا کہ وہ یہ فریضہ سب کی طرف سے ادا کرتی ہے لیکن تعجب ہے کہ ختم نبوت کو اسلام کا بنیادی عقیدہ کہنے والے دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کو اس عقیدہ سے برگشتہ کرنے کی منظم کوشش ہو رہی ہے اور اس کے لئے غیر آئینی بلکہ سرکاری ذرائع بھی استعمال کئے جاتے ہیں تو وہ ٹیک لوگ خود تو ٹس سے مس نہیں ہوتے ہیں لیکن جو دوسری کوئی جماعت یہ کام کرتی ہے۔ اس کی مساعی کو بدبختی اور خود غرضی بتاتے اور مورد اعتراض ٹھہراتے ہیں۔ تو کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگ یا تو اس دعویٰ میں سچے نہیں کہ ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ بلکہ وہ اپنے ضمیر کے خلاف غلط مصلحت کی خاطر ایسا کہتے ہیں یا پھر وہ اسلامی اور سرکاری ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے اہل نہیں ہیں۔

ورنہ اگر مجلس احرار غلط کار ہے بدنیت ہے۔ چلو فرض کیجئے یہ صحیح ہے۔ تو انہیں چاہئے تھا کہ کروڑوں عوام کے مذہبی خطرات کو دور کرنے اور بنیادی عقیدہ کی حفاظت کرنے کے لئے

وہ کوئی اور ٹھوس کام کرتے۔

مجلس احرار اسلام کا موقف

مجلس احرار مسلمانوں کی ایک غریب جماعت ہے بالفاظ دیگر غریب مسلمانوں کی جماعت ہے جس نے ماضی میں اسلامی مفاد کی حفاظت کے لئے سر توڑ خدمت کی ۱۹۴۰ء تک وہ واحد اسلامی جماعت تھی جو اسلامی مفاد کے لئے مصروف عمل رہی۔ جس کو میاں انور علی (آئی جی) بھی تسلیم کرتے ہیں۔

اس نے انگریزی اقتدار کے خلاف کھلم کھلا ایجی ٹیشن کیا۔ اسے بھی میاں انور علی آئی جی پنجاب تسلیم کرتے ہیں۔ اس نے انقلاب کے وقت مسلمانوں کی حفاظت کا بہترین کام انجام دیا اس کو بھی آئی جی موصوف تسلیم کرتے ہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ ابتداء ہی سے مرزائیوں کو انگریزوں کی ایجنٹ جماعت تسلیم کرتی اور اس کے کافرانہ عقائد کے خلاف دفاعی تبلیغ کرتی رہی ہے اس نے ان کے مرکز قادیان میں اپنا دفتر قائم کیا۔ ختم نبوت وقف کے نام سے وہاں اراضی حاصل کی۔

۱۹۳۵ء میں قادیان میں آل انڈیا تبلیغ کانفرنس منعقد کی۔ سرکاری انگریزوں نے ہمیشہ مرزائیوں کی پشت پناہی کی۔ اور مجلس احرار انگریزی ظلم و ستم کی تمام عمر تختہ مشق رہی۔ مسلم لیگ سے کچھ عرصہ سیاسی اختلاف رہا جو آواخر میں تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ تلخیاں باقی تھیں۔ جب لیگ کانگریس کے لیڈروں نے مل کر ملک کی تقسیم پر دستخط کر دیئے۔ مجلس احرار اسلام نے اپنا مستقبل پاکستان سے وابستہ کیا۔ ہوشیار پور اور لدھیانہ وغیرہ میں لاکھوں مسلمانوں کی حفاظت کی اور جب تک ایک مسلمان مرد یا عورت بھی وہاں رہے خود نہیں آئے۔ پاکستان بننے کے بعد سب سے پہلا اجلاس لاہور میں منعقد کر کے فیصلہ کیا۔

دفاع کانفرنس

اس وقت احرار نے آل پاکستان احرار دفاع کانفرنس لاہور میں منعقد کی' ہزاروں باوردی احرار رضاکار جمع تھے۔ امیر شریعت نے ایک لاکھ کے مجمع میں اعلان کیا۔ کہ یہ سب کچھ مسلم لیگ کے حوالہ ہے۔ آج سے مجلس احرار سیاسی کام سے علیحدہ ہو کر صرف تبلیغی کام کرنے کا فیصلہ کرتی ہے جس کو سیاسی کام کرنا ہو وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے کرے۔ اس کے بعد تمام ملک میں دفاع کانفرنسیں کر کے احرار نے بیرونی ممالک پر پاکستانی قومی یکجہتی اور اتحاد کی دھاک بٹھا دی اور ساتھ ہی احرار رضاکار اے آر پی میں بھرتی ہو گئے۔

جنرل الیکشن

اس کے بعد عام انتخابات کا وقت آگیا مجلس احرار نے تمام اپوزیشن پارٹیوں کے مقابلہ میں مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ اور اعلان کے موافق اپنا کوئی امیدوار کھڑا نہ کیا۔ اگر وہ چاہتی تعاون کے عوض چند سیٹیں لے سکتی تھی لیکن اس نے غیر مشروط طور پر مسلم لیگ کی حمایت کی سوائے اس کے کہ مرزائی امیدواروں کی مخالفت کرنے کا اعلان کیا چاہے وہ لیگ ہی کے ٹکٹ پر کیوں نہ الیکشن لڑتے ہوں مسلم لیگ نے احرار کے تعاون کی اس استثناء کی اجازت دی اور اس مخالفت کے باوجود مسلم لیگ اور احرار کے تعاون میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس لئے مجلس احرار کا یہ کام یقیناً مذہب کی حفاظت کے لئے تھا ایک ظفر اللہ خان کی ممبری اور وزارت نے قیامت کا فتنہ پیدا کیا اگر چند اور قادیانی بھی اسمبلی میں براجمان ہو جاتے تو اسلام کا خدا حافظ تھا۔

مجلس احرار اور لیاقت علی خان مرحوم

مجلس احرار اسلام کے اخلاص کا مرحوم لیاقت علی خان پر اثر ہوا انہوں نے اس کی مخلص اور فعال جماعت کے مخلصانہ تعاون اور سرفروشانہ خدمت کو پاکستان کے اعلیٰ مفاد کے لئے بہت مفید سمجھا۔ (اس بات کا اعتراف میاں انور علی صاحب آئی جی کو اعتراف ہے) مجلس احرار کو یہ بھی خوشی تھی کہ مرحوم لیاقت علی خان پاکستان کو کامن ویلتھ سے علیحدہ کرنے کا بھی خیال رکھتے ہیں انہوں نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ برطانیہ نے پاکستان کو گھڑے کی مچھلی سمجھ رکھا ہے تھوڑے ہی دنوں کے بعد مرحوم کے خلاف ایک سازش پکڑی گئی جس میں ظفر اللہ خان کا ہم زلف میجر جنرل نذیر احمد شریک تھا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ شہید ہو گئے۔ جس کے بعد پہلی مرتبہ کراچی میں مرزائیوں کو پبلک جلسہ کی اجازت دی گئی جو اس سے پہلے سال مرحوم نے نہ دی تھی ان کے مرنے کے بعد مرزائیوں نے اودھم مچایا۔ اور ظفر اللہ خان جیسے ذمہ دار آدمی بھی کافرانہ تبلیغ کے میدان میں اتر آئے جسے عامۃ المسلمین نے بری طرح محسوس کیا۔

معزز عدالت! ایک جماعت کے بارے میں جب کبھی کوئی رائے قائم کرنی ہو۔ تو اس جماعت کے ریزولیشن اور مقاصد کو دیکھا جائے گا پھر اس کے اعلانات اور اخباری بیانات کو۔ مجلس احرار نے تقسیم ملک کے بعد تجویز کے ذریعہ اپنے مقصد کا اعلان کیا۔ پھر بیانات دیئے اخبارات میں مضامین شائع کئے۔ دفاع کانفرنسیں کیں اور آخر کار عملی طور پر مسلم لیگی حکومت بنانے میں انتخابات میں پورا تعاون کیا کشمیر کے سلسلہ میں خدمات انجام دیں۔

باوجود اس کے ماضی پر بحث چھیڑ کر اس کی آزادی قطعی طور پر دلائل و واقعات کے لحاظ

سے بے سر و سامانی کی دلیل ہے ان لوگوں کو قائداعظم کے طرز عمل کے مطابق ماضی کی تلخیوں کو "بھلا دو" سے سبق لینا چاہیے تھا اور مرحوم لیاقت علی خان سے جنھوں نے تعاون و باہمی اعتماد کی راہ کو پسند کیا۔ پاکستانی مفاد کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ملک میں یکجہتی اور تعاون و باہمی اعتماد کی روح پیدا کی جائے نہ کہ گڑے مردے اکھیڑ کر تلخیوں کو تازہ کر کے سرپھٹول کا سامان پیدا کیا جائے۔ یہ کام انہی لوگوں کا ہو سکتا ہے جن کا فائدہ اسی میں ہو کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں جیسے مرزائی یا ان کے ہمنوا جو قائداعظم کو کافراعظم کہنے کی بات کو بار بار یاد کرتے پھرتے ہیں۔ یہ بات ایک خاص وقت میں جماعت کے ایک لیڈر نے اپنی ذاتی رائے اور ذمہ داری سے کہی تھی جب کہ مسلم لیگ کے شائع کردہ ایک ٹریکٹ میں سول میرج ایکٹ کا ذکر تھا دوسرے نے اس ٹریکٹ پر اعتماد کر کے ایسا کرنا پسند نہ کیا کاش کہ مسلم لیگی دوست وہ شائع نہ کرتے۔ بہرحال وہ ایک وقتی بات تھی جو وہیں ختم ہو گئی۔ قائداعظم نے پاکستان بننے کے بعد تمام اگلی باتوں کو بھلا دیا۔ وہ سب سے یکجہتی ہی کے لئے سوچ رہے تھے اور مجلس احرار نے بھی حکومت پاکستان کے استحکام کے لئے اپنی خدمات کا اعلان کر دیا۔ بہرحال وہ بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن یار لوگوں کا قائداعظم کی عزت سے کیا واسطہ ان کو اپنا الو سیدھا کرنا ہے مرزائی ابھی تک اس کو استعمال کرتے ہیں یہ اس طرح ہے کہ مثلاً ایک شخص نے ابتداء میں خلیفہ قادیان کو ماں کی ایک گندی گالی دی ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد دوری ختم ہو جائے اور خلیفہ اپنے اقتدار کے زمانے میں بھی اس کا نام نہ لے لیکن ایک شخص ہر محفل ہر جلسہ میں یہ ذکر کرے کہ فلاں نے خلیفہ صاحب کو ماں کی ایسی گندی گالی دی تھی' ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو خلیفہ کا دشمن اور اس کی عزت کے درپے سمجھا جائے گا۔

اور تعجب ہے کہ یہ بات بار بار اس پارٹی کی طرف سے اعادہ کی جاتی ہے جو عقیدہ کے طور پر قائداعظم کو کافر سمجھتے ہیں' جو تمام پاکستانی وزراء کو کافر سمجھتے ہیں۔ جن کا سب سے بڑا ذمہ دار آدمی ظفر اللہ خان پاکستانی حکومت کو کافر حکومت کہنے سے ذرا شرم محسوس نہیں کرتا اور موقعہ پر موجود ہوتے ہوئے قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھتا۔

دوسری بات

جو بعض ذمہ دار آدمیوں کی طرف سے کہی جاتی رہی یہ ہے ختم نبوت مسلمانوں کا جزو دین و ایمان ہے۔ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے لیکن احرار اس کو اپنے وقار کے لئے استعمال کرتے ہیں اگر وہ اپنے وقار کے لئے ایسا کرتے ہیں تو آپ لوگوں نے اسلام اور پاکستانی مفاد کے لئے کونسا ذریعہ اس عقیدہ سے برگشتہ کرنے کے خلاف اختیار کیا۔ اس کا جواب سوائے تلخی کے کچھ

نہیں ہو سکتا بلکہ بعض آدمی ان میں سے مثلاً چیف سیکرٹری صاحب تو الٹا فرماتے ہیں کہ قادیانیوں کے خلاف کچھ کہنا' مذہبی تفریق پیدا کرنا سماج دشمنی ہے گویا اب قادیانیوں کو کافر کہنا بھی جرم ہے۔

ان حضرات کا مجلس احرار کے کارکنوں کی نیت پر حملہ کرنا ایسا ہی غلط ہے جیسے یہ کہنا غلط ہے کہ یہ لوگ احرار کے بارہ میں ایسا کہہ کر چوہدری ظفر اللہ خاں کے ذریعہ ترقی چاہتے ہیں یا اپنے کسی عزیز کو کہیں سفیر لگانا چاہتے ہیں یا یہ حضرات اس سے ڈر کر ایسا کہتے ہیں۔

ظاہر ہے

کہ احرار مرزائیوں کے خلاف انگریزوں کے زمانہ سے تبلیغ کرتے رہے ہیں اور وقار حاصل کرنے کی بجائے عمریں جیلوں میں گزار دیں۔ بخلاف ان نیک حضرات کے کہ یہ اس وقت بھی انگریزی مفاد کی خاطر احرار کو جیلوں میں ٹھونستے رہے اور آج بھی اس پرانی عادت سے مجبور ہو کر یہی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ غیر کی حکومت اور اپنی حکومت میں فرق ہونا چاہئے اس وقت جبر کی حکومت تھی آج عوام کی حکومت ہے اگر حکومت کے عمال حکومت بنانے والے عوام کے ساتھ غلط اور بے ضرورت تشددانہ سلوک کریں گے تو یہ حکومت کی ہر دلعزیزی کو تباہ کرنے' سنگین جرم کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

تحریک کے سلسلہ میں احرار پر الزام

سب سے بڑی بات تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں احرار کے خلاف یہ کہی جاتی ہے کہ تحریک کے لیڈر یہ تھے۔ اور یہ کہ ان کا رویہ ۵۰ء سے ہی قابل اعتراض تھا اور یہ کہ اگر یہ جماعت خلاف قانون کر دی جاتی تو موجودہ فسادات نہ ہوتے۔

بات کا جواب

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ اول تحریک کے لیڈر احرار نہ تھے احرار نے جولائی [illegible] میں قیام امن کے سلسلہ میں اپنے تعاون کا یقین دلا دیا تھا اور انہوں نے اس کے بعد کوئی امن شکن سرگرمی نہیں کی۔ [illegible] جولائی [illegible] کے دن سے مرزائیت کے سلسلہ میں بیشتر حصہ کام مجلس عمل نے کیا۔ آل مسلم پارٹیز کنونشن [illegible] جولائی [illegible] کے جامعیت سے انکار کرنا سراسر ظلم ہوگا جس میں سات سو کے قریب پیران عظام' علماء کرام اور تمام اسلامی جماعتوں کے نمائندے شامل تھے جنہوں نے متفقہ طور پر مطالبات کی تائید کی اور اعلیٰ حکام تسلیم کرتے ہیں کہ کنونشن کے بعد علماء تحریک کے ساتھ کام کرنے والے سمجھے گئے اور وزیر اعظم بھی علماء اور دوسری

جماعتوں کی نمائندگی سوائے سید مظفر علی شمسی کے تسلیم کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ یہ معلوم کر لیتے کہ کنونشن میں علامہ کفایت حسین اور دوسرے بڑے بڑے شیعہ نواب بھی شریک تھے تو وہ ایسا ہرگز نہ فرماتے۔

بہرحال کنونشن کے بعد تحریک کی راہنمائی مجلس عمل نے کی جس کی شاخیں تمام ملک میں قائم ہو گئیں' مجلس احرار اسلام اس میں ۱/۲۰ تھی یعنی جہاں ۱۹ ممبر اور تھے وہاں صرف وہ ممبر مجلس احرار کے تھے مجلس عمل کی تشکیل کے دوران اس کی شاخوں اور اس کے ساتھ تمام پارٹیوں کے تعاون سے انکار کرنا حقیقت کا انکار کرنا ہے۔

دوسرے یہ کہ تحریک کی راہنمائی کوئی مجرمانہ فعل نہ تھا۔ جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے مطالبات خلاف قانون یا غیر آئینی نہ تھے۔ مطالبات کے حق میں فضا پیدا کرنا اور زیادہ سے زیادہ تائید حاصل کرنا آج کل کی جمہوری دنیا کا عام رواج ہے یہ بھی خلاف قانون فعل نہیں ہے' پھر چھ ماہ تک اپنی حکومت کی کوٹھیوں کا طواف کرتے رہنا اور درخواست پر درخواست یہ بھی خلاف قانون امر نہیں اور ملت اسلامیہ کے ایسے اہم اور مذہبی مطالبات سے اتنی بے رخی دیکھ کر نہ ان پر مقننہ اسمبلی میں بحث ہو نہ آل پاکستان مسلم لیگ کی جنرل کونسل میں اور نہ ہی دستور ساز اسمبلی میں پیش ہو' مجلس عمل کا ایک ماہ کا میعادی نوٹس راست اقدام کا جس کی تفصیل سے صوبائی اور مرکزی حکومت واقف تھی' کوئی گردن زدنی جرم نہیں۔ زیادہ سے زیادہ راست اقدام کی جو صورت انہوں نے تجویز کی تھی اور جس پر وہ عمل کرنا چاہتے تھے۔

اس کے وہ ذمہ دار تھے۔ لیکن حکومت نے اس پروگرام پر ان کو عمل کرنے نہ دیا۔ دوسرے نمبر پر وہ جہاں چاہتی گرفتار کر لیتی یہ بھی پروگرام کا حصہ تھا کہ جہاں حکومت رکاوٹ ڈالے' وہیں گرفتاریاں دو۔ لیکن حکومت نے گرفتاریوں کی جگہ دفعہ ۱۴۴' لاٹھی چارج' فائرنگ وغیرہ کا طرز اختیار کیا۔ جس میں وہ لائنیں ہو گئیں۔ مجلس عمل کے لوگ گرفتار ہونے آتے اور گرفتار ہوتے اور عوام حکومت کے طرز عمل سے پریشان ہو کر اور کچھ مرزائیوں کی حرکات سے متاثر ہو کر اپنی من مانی باتیں کرنے لگے جن میں غیر ذمہ دار لوگ یا خود مرزائی افراد ہو سکتے ہیں جن مرزائیوں کا یہی مقصد ہونا چاہئے کہ کسی طرح حکومت اور مسلمانوں میں تصادم ہو تاکہ تحریک ختم نبوت کو خوب کچلا جا سکے۔ بہرحال یہ حالات افسروں کے طرز عمل کا براہ راست نتیجہ ہیں۔ سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور میاں انور علی آئی۔ جی کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایس ایس پی نے اس وقت بھی کہا تھا کہ پبلک حکومت کے طرز عمل کو جارحانہ یا غیر ہمدردانہ سمجھتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ میاں انور علی آئی جی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ احرار کارکن تحریک شروع ہونے سے پہلے ہی گرفتار کر لئے گئے تھے۔ ایسی شکل میں فسادات کی بابعد کے واقعات کی ذمہ داری ان پر کیسے عائد ہو سکتی ہے جب کہ گرفتاری سے پہلے انہوں نے کوئی ایسا پروگرام نہ بنایا ہو بلکہ صرف مجلس عمل کی ماتحتی میں مجلس عمل کے پروگرام پر چلنا ہی اس کا پروگرام تھا۔

دوسری بات کا جواب

کہ احرار کا رویہ ۱۹۴۹ء سے ہی قابل اعتراض تھا' جہاں انور علی صاحب آئی جی نے بڑا زور دیا ہے کہ میں نے ۱۹۴۹ء میں بھی تحریک کی تھی کہ احرار کو خلاف قانون جماعت قرار دے دیا جائے میری نہ مانی گئی اور پھر ۱۹۵۱ء میں بھی میں نے یہ تحریک کی لیکن دال نہ گلی اور اسی طرح احرار کے خلاف الزامات کی بڑی فہرست تیار کی گئی اور مختلف اوقات میں ان کے خلاف کارروائی کرنے کی سفارش بھی کی گئی۔

معزز عدالت! اگرچہ ان باتوں کا موجودہ فسادات سے کوئی تعلق نہیں یہ صرف احرار کے بارہ میں اپنے دلی جذبات کا اظہار اور بخار کا اخراج ہے اور جس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ کسی وقت میں احرار مرزائیوں کو اتنا تنگ کر دیں گے کہ مرزائیت کے راستہ میں ناقابل عبور مشکلات حائل ہو جائیں گی خیال فرمائیں کہ نفس مسئلہ پر قطعاً خیال نہیں کہ آخر یہ جماعت جو کچھ کر رہی ہے اس کے اندر حقیقت کتنی ہے۔ مرزائی عقائد مرزائی سرکاری ملازمین کا طرز عمل مرزائی ارادے اور منصوبے کیا ہیں؟ اور جو الزامات احرار عائد کرتے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے؟ ان کو صرف ایک بات کھٹکتی تھی کہ کسی وقت ان کی تحریک بڑھ جائے گی تو آپ کے سر میں کیوں درد ہو۔ ہر جماعت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مقاصد کی اشاعت کرے۔ عوام کو ہمنوا بنائے اور آپ کو بالمقابل مرزائی لٹریچر بھی دیکھنا تھا کہ آیا وہ بھی قابل برداشت ہے؟

بہرحال اگرچہ ان پرانے ارمانوں اور خواہشوں کا جن کی تکمیل اب انہوں نے کر لی ہے موجودہ حالات فسادات سے کوئی تعلق نہیں تاہم ہم واقعات کا تاریخ وار تجزیہ کر کے ان کی استدلالی بے بسی بتاتے ہیں۔

ا۔ ۱۹۴۹ء میں پنجاب میں جب کہ نواب ممدوٹ کی وزارت تھی' احرار نے آل پاکستان دفاع کانفرنس منعقد کی اس وقت وہ اے آر پی اور دوسری رفاہی سرگرمیوں میں مصروف تھے (میاں انور علی صاحب اس کو تسلیم کرتے ہیں)

۲۔ ۱۹۴۹ء احرار اسلام کو قائد ملت خان لیاقت علی خاں مرحوم کا اعتماد حاصل تھا (میاں انور علی صاحب آئی۔جی) اور جنرل الیکشن میں احرار مسلم لیگ اور حکومت کا ساتھ دے رہے ہیں (سب کا مسلمہ بیان)

۳۔ ۱۹۵۰ء میں میاں انور علی صاحب کی تجویز قابل غور نہیں سمجھی گئی۔

۴۔ ۱۹۵۱ء میں میاں انور علی کے پاس احرار کے خلاف کوئی مواد نہ تھا اس لئے اس سال وہ ان کے خلاف کوئی رپورٹ نہیں کر سکے (گویا ایک سال تک پورے ۱۲ مہینے سینکڑوں احرار کارکنوں کی عادت یکدم بدل گئی) بیان میاں انور علی۔

۵۔ ۱۹۵۲ء میں میاں انور علی صاحب پھر احرار راہنماؤں اور خاص کر حضرت شاہ صاحب کے خلاف رپورٹ اور کارروائی کرنے کی تحریک کرتے ہیں لیکن ہوم سیکرٹری میاں انور علی اور وزیر اعلیٰ کی کانفرنس میں فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ کارروائی صرف اس وقت کی جائے جب کوئی تقریر قانون کے خلاف ہو (بیان میاں انور علی)

گویا رپورٹ میاں انور علی صاحب کے جذبات کا نتیجہ تھی ان کو احرار لیڈروں کا لب و لہجہ پسند نہ تھا ورنہ اس وقت بھی یعنی ۱۹۵۲ء میں بھی کوئی تقریر خلاف قانون نہ ہوئی۔ پھر دوسری جماعتوں کی شرکت سے اعتدال کی بھی امید تھی۔

۶۔ جناب غیاث الدین صاحب سابق ہوم سیکرٹری فرماتے ہیں کہ احرار کے خلاف بعض الزامات کی وجہ سے مقدمہ اس لئے نہیں چلایا گیا کہ کوئی اطمینان بخش عدالتی ثبوت موجود نہ تھا جناب غور فرمائیں کہ عام طور پر مقدمات چلانے کے لئے یہ کافی سمجھا جاتا ہے کہ پولیس رپورٹر نے ڈائری لکھی ہو۔ اس پر چند معززین کے تصدیقی دستخط ہوں۔ ہاں اگر سرکاری وکیل یا ایڈووکیٹ جنرل ہی رائے دے کہ مقدمہ میں جان نہیں ہے تو اور بات ہے بہرحال اطمینان بخش ثبوت کا نہ ہونا خود بتلا رہا ہے کہ احرار کے خلاف ایسی فہرستیں مرتب کرتے وقت زیادہ ذمہ داری سے کام نہیں لیا جاتا تھا بس ایک پرانا ذہن تھا کہ مرزائیوں کے خلاف کیوں ہو رہا ہے ہمارے معزز حکام کو خالص انگریزی زمانہ کی عینک سے نہ دیکھنا چاہئے تھا کہ ملک معظم کی رعایا میں منافرت پھیلائی جا رہی ہے ان کو غور کرنا چاہئے تھا کہ ایک نیا مذہب پرانے مذہب پر حملہ آور ہے اور طرح طرح کے اشتعال انگیز لٹریچر اور قابل اعتراض طریقوں سے تبلیغ کرتا ہے جو دراصل تبلیغ نہیں بلکہ اضلال و اغواء سے تعبیر کے لائق ہے آخر دوسرے مسلمانوں کو جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں کیوں اپنے ناواقف بھائیوں کو کافر ہونے سے بچانے اور ان کو مرزائی لٹریچر سے آگاہ کرنے کا حق نہیں۔

اور پھر یہ کہ اس مسئلہ کا آخر کار حکومت کو حل سوچنا پڑے گا۔

آخر انگریزی زمانہ کے قانون کے خلاف الیکشنوں میں ہر بالغ کو رائے دہندگی کا حق تسلیم کیا گیا تو قرار داد مقاصد کے بعد تو کم از کم مسلمانوں کا طریقہ غور و خوض بدلنا چاہیے تھا مگر افسوس کہ ایسا نہیں کیا۔ اور افسروں کے اس ٹولی کی تجاویز کو اسی لئے حکومت نے قابل عمل نہیں سمجھا کہ وہ حالات کے خلاف تھیں۔

۷۔ معزز عدالت' بہیئہ الزامات پر تین دور گزرے' ممدوٹ وزارت کا دور' گورنری دور مشیروں کی حکومت اور آخر میں دولتانہ وزارت' تینوں وقت کی حکومتوں نے مجلس احرار کے خلاف ایسا کرنے کی تجویز کو غلط سمجھا۔

۸۔ ملک کے طول و عرض میں کہیں کوئی واقعہ ہوا بعض افسروں نے وہ احرار کی طرف ہی منسوب کرنا مناسب سمجھا حالانکہ ایسا کرنا عدل و انصاف کے تقاضوں کے خلاف تھا۔

مثلاً" کوئٹہ کے ایک مرزائی ڈاکٹر کا قتل' جو ایسے جلسہ کے وقت ہوا جب کہ وہاں ایک اہل حدیث عالم تقریر کر رہے تھے اور ڈاکٹر مذکور نے وہیں اشتعال انگیز لب و لہجہ میں اعتراض کیا' اس وقت تک کوئٹہ میں مجلس احرار کا نام تک نہیں تھا اور نہ آج وہاں جماعت موجود ہے دوسرا واقعہ اوکاڑہ کے مرزائی کا ہے۔ حالانکہ گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر نے اسی عدالت میں یہ اقرار کیا کہ مرزائی اپنی کشمزانی تبلیغ جاری رکھے ہوئے تھا جس کا نتیجہ ایک آدمی کا قتل ہوا (مسلمان ریاست میں وہ تبلیغ کیا کرتا اور علی الاعلان کفر کی دعوت دیتا تھا) راولپنڈی کا ایک قتل پیش کیا جاتا ہے جس کے بارہ میں خود میاں انور علی صاحب آئی جی تسلیم کرتے ہیں کہ قتل کی فوری وجہ کچھ اور تھی اور حقیقت یہ ہے کہ قتل کی زیادہ تر وارداتیں فوری اشتعال ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

مگر ہمارے بعض حضرات کو ہر واقعہ کے ساتھ جو احرار سے متعلق نہ ہو لیکن جوڑتے رہنے میں مزہ آتا ہے۔ مسئلہ ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے لیکن احرار کی نسبت خراب ہے یا احرار نے انقلاب میں مسلمانوں کی حفاظت کی لیکن خود بھی محفوظ نہ تھے یا احرار نے دفاع کانفرنس کشمیر کے لئے کام کیا لیکن عوام ان کو مشکوک سمجھتے رہے' احرار پاکستان کی وفاداری کا دم بھرتے تھے لیکن ان پر شبہ کیا جاتا تھا۔

ارمان

پھر بعض کو یہ ارمان ہوتا ہے کہ اگر ۴۸ء میں ہی ان کو ختم کر دیا جاتا اور خلاف قانون قرار دیا جاتا تو بہت آسان تھا اس وقت تحریک بھی کمزور تھی اور احرار کی وفاداری آزمائشی دور میں تھی۔

معزز عدالت! ایک مسلمان کے لئے یہ خوشی کا مقام ہو سکتا ہے کہ عامتہ المسلمین ایک گمراہ فرقہ کی گمراہی سے واقف ہو گئے اور وہ اپنے بچاؤ کے لئے حکومت کو متوجہ کر رہے ہیں پھر وہ اس سلسلہ میں حکومت کو بھی مناسب مشورہ دیتے لیکن یہاں تحریک کی ترقی پر اظہار پریشانی ہے حالانکہ ان الفاظ میں تحریک سے مراد قادیانیوں کے خلاف تحریک ہے نہ موجودہ ہنگامے' موجودہ ہنگامے تو غیر متوقع طور پر حکام کے غلط رویہ کا لازمی نتیجہ ہیں۔

اس طرح کسی فعال اور مخلص جماعت کا جس کے لاکھوں ہم خیال ہوں دور آزمائش سے کامیابی سے نکل آنا اور پاکستان کا صحیح وفادار خواہ ثابت ہونا قابل ہزار مسرت ہے مگر یہاں اس پر افسوس کیا جاتا ہے کہ اس جماعت کا اس شک و شبہ کے آزمائشی دور ہی میں ختم کرنا ضروری تھا کیونکہ اس وقت یہ کام آسان تھا۔ کاش کہ ہمارے اعلیٰ افسران بلند آنکھوں سے دیکھتے اور پرانی تلخیوں سے نیز صرف مرزائیوں کی مخالفت کو دیکھ کر رائے قائم کرنے سے اجتناب کرتے۔

معزز عدالت

مجھے پھر یہ عرض کرنا ہے کہ لاہور وغیرہ کے پیش آمدہ حالات بالکل عمال حکومت کے خود پیدا کردہ تھے ورنہ میانوالی راولپنڈی اور ضلع کیمبل پور کے علاوہ کراچی میں کیوں ایسے حالات پیش نہ آئے جب کہ وہاں جتھے رمضان شریف تک یعنی مسلسل تین ماہ تک روزانہ گرفتار ہوتے رہے۔ یہ محض اس لئے کہ وہاں گرفتار کر لینے کے سوا کوئی دوسرا اقدام حکام نے نہیں کیا۔ جس سے عوام مشتعل ہوں اور عوام اور حکومت کی جنگ جیسی شکل پیدا ہو جائے۔ مجلس عمل کے ارکان نہ وہاں موجود تھے نہ لاہور میں۔ وہاں بھی عوامی ورکر کام کرتے تھے یہاں بھی۔ جلوس بھی کراچی میں نکلے۔ فرق صرف حکام کے طرز عمل کا تھا۔

خلاف توقع حالات کی ذمہ داری

بنابریں یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ فسادات کی ذمہ داری دوسرے درجہ میں مرزائیوں پر ہے کہ غیر متوقع حالات یا فسادات کی ساری ذمہ داری حکام پر ہے' چاہے انہوں نے مرکزی حکومت کے حکم سے یہ رویہ اختیار کیا' چاہے صوبائی حکومت کے حکم سے یا پھر مرزائی فرقہ پر ہے۔ جن کی اشتعال انگیزی عدالت کے سامنے واضح ہو چکی ہے۔ اگر غیر متوقع حالات میں کسی سابق اشتعال کا اثر ہو تو وہ صرف مرزائیوں کی اشتعال انگیزی ہو سکتی ہے جس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل باتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ مرزا محمود صدر انجمن ربوہ کی اشتعال انگیز تقریریں شاخ بلوچستان، آخری دن وغیرہ۔
۲۔ مرزائی اخبارات اور مقررین کی اشتعال انگیزی (جیسا کہ خواجہ ناظم الدین نے فرمایا ہے)
۳۔ مرزائی ڈپٹی کمشنر کی کھلم کھلا قرآنی تبلیغ اور فرقہ وارانہ جدوجہد (گورنر پنجاب نشتر)
۴۔ اور ایک علاقہ (ضلعی) کے علاقہ میں مرزائی مبلغین کا مسلمانوں کے دیہات میں پبلک طور پر تبلیغ کرنا۔
۵۔ میاں انور علی آئی جی پنجاب نے تسلیم کیا ہے کہ احمدی نظریہ کی تبلیغ سے عام مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔
۶۔ میاں انور علی آئی جی نے فرمایا کہ احمدیوں نے کچھ جلسے کئے تھے، جن سے اشتعال پھیلا اور یہ بھی ایک حد تک تحریک کا سبب ہو سکتا ہے۔
۷۔ میاں انور علی آئی جی فرماتے ہیں کہ کراچی کے احمدیوں کا جلسہ مئی ۵۲ء جہانگیر پارک والا بھی بے اطمینانی کا ایک سبب ہے۔
۸۔ مرزائی سول جج بھی مرزائی جلسوں کی صدارت کرتے تھے۔
۹۔ تبت روڈ کے پبلک جلسہ عام پر جس میں چالیس پچاس ہزار مسلمان تھے، مرزائیوں نے خشت باری کی۔ جس سے بہت سے آدمی مجروح ہوئے اگر راہنما کنٹرول نہ کرتے تو اسی وقت سے بدامنی شروع ہو جاتی لیکن مجلس عمل کے راہنماؤں نے امن پر زور دیا (ایس ایس پی)
۱۰۔ ظفر اللہ خان کا ربوہ کی کانفرنسوں میں شریک ہوتے رہنا۔ (ہوم سیکرٹری پنجاب)۔
۱۱۔ اور مرکزی حکومت نے اعلان ۱۳ اگست ۵۲ء کے جواب میں چوہدری صاحب مذکور کا بیان۔
۱۲۔ اور صاحبزادہ مرزا محمود کا حاکمانہ انداز میں ۵۲ء کے ختم ہونے سے پہلے پہل احمدیت کا رعب بٹھانے کا فرمان۔
۱۳۔ سرکاری بارود کو چرا کر چنیوٹ سے ربوہ لے جا کر استعمال کرنا جس کی آج تک تحقیقات نہیں کی گئی۔
۱۴۔ محکمہ جات میں اور ملازمتوں میں مرزائی افسروں کا مرزائیوں سے ترجیحی سلوک اور ان تمام باتوں میں حکومت کا ٹس سے مس نہ ہونا۔

یہ یقیناً عامۃ المسلمین کے اشتعال کے اسباب ہیں اور ناممکن ہے کہ ایسی باتوں سے جن سے کروڑوں عوام کو اپنے مذہب اور حقوق خطرے میں نظر آ رہے ہوں۔ عام اضطراب اور بے چینی پیدا نہ ہو۔

معزز عدالت! تعجب اور افسوس ہے کہ مندرجہ بالا قسم کے واقعات کا جن کا تھوڑا سا حصہ ہی

عدالت کے سامنے آ سکا ہے۔ علم رکھتے ہوئے حکام ان کے بارے میں حکومت کے سامنے کوئی رپورٹ پیش نہ کریں اور نہ کوئی انسدادی کارروائی کریں۔ جب کہ ان سے کئی گنا زیادہ الزامات پبلک پلیٹ فارم اور اخبارات کے ذریعہ مرزائیوں پر عائد کئے جائیں' ان میں سے کسی کی تحقیق نہ ہو نہ کسی کارروائی کی سفارش ہو۔ اور جو مسلمان عوام اور اپنی حکومت کو ان واقعات سے آگاہ کرنے اور مذہب کو ان کی دستبرد سے بچانے کے لئے چیخ و پکار کریں ان ہی کا گلا گھونٹا جائے۔

مرزائی جرأت کی انتہاء

معزز عدالت! حکومت کی اسی پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزائی پاکستان پر قبضہ کے خواب دیکھنے لگے۔ کہیں بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانے کا خطبہ دیا گیا' کہیں علماء کو دھمکیاں دی گئیں۔ اور اسی دلیری کا نتیجہ ہے کہ عین تحریک کے دنوں میں جب کہ فضا کو درست کرنے کی سعی کی جانی لازمی تھی۔ مرزائی جیپ کار سے مسلمانوں پر گولیاں چلاتے ہیں جس کی اطلاع ایس ایس پی کو بھی ہوتی ہے اور اس سے مسلمان ہلاک ہوتے ہیں۔

پھر شیخ بشیر احمد کے مکان سے مسلمانوں پر گولیاں چلتی ہیں جن سے دو آدمی جاں بحق ہو جاتے ہیں (ایس ایس پی) حد یہ ہے کہ سزا یافتہ مرزائیوں کو اور خود خلیفہ کے بیٹے کو جیل سے بالکل بے قاعدہ نکال دیا جاتا ہے (سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل) پھر مرزائی افسر سیالکوٹ میں مسلمان عورت کو ننگا کر کے پیٹتے ہیں۔

معزز عدالت! اگر یہ عدالت نہ ہوتی تو یہ تمام باتیں مرزائی' ماں کے دودھ کی طرح بغیر ڈکار کے ہضم کر لیتے۔ کون ان کے خلاف نام لیتا۔ یہ باتیں اچانک نہیں ہوئیں بلکہ یہ باقاعدہ فوجی تربیت اور جماعتی ہدایات کے تحت ہوئی ہیں اور ایک مرتب اسکیم اور پروگرام کی روشنی میں عمل میں لائی گئی ہیں اور جب کہ حکومت نے مرزائیوں کا علیحدہ ایک دارالخلافہ برداشت کر لیا ہے تو اس کو اس سے زیادہ نتائج کے دیکھنے اور سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

احرار اور مرزائی کا مقابلہ

یوں تو یہ آسان ہے کہ احرار کا دشمنی پیش کر کے عوام کو ان سے برگشتہ کر دیا جائے یہ کہ احرار کی تحریک بدنیتی پر مبنی ہے لیکن سچی بات کہنی جان جوکھوں کا کام ہے۔ احرار غریب ہوئے فنڈ ندارد' منصب ندارد' رسائی ندارد' انگریزوں کے تختہ مشق' ان کو مرزائیوں کے مقابلہ پر جو چاہیں کہا جا سکتا ہے اس میں ترقی کی امیدیں بھی ہیں اور کچھ کارگزاری بھی لیکن برسر اقتدار

مرزائیوں کے بارہ میں کچھ نہیں کہا جاتا نہ لکھا جاتا ہے۔ یہاں میں احرار اور مرزائیوں کا مقابلہ کرتا ہوں۔

احرار

۱۔ پاکستان کا استحکام اور اسلام کی وفاداری ضروری ہے۔
۲۔ اب سیاسی یکجہتی ضروری ہے تاکہ مملکت مضبوط ہو۔
۳۔ ہندوستان سے کوئی تعلق نہیں۔
۴۔ پاکستان کے وزیر اعظم قائد ملت کا اعتماد جیسا کہ میاں انور علی نے بیان کیا۔
۵۔ یہاں رہ کر ہر طرح سے ملک کی خدمت کرنا حکومت کے معتوب ہو کر بھی اگر وقت آئے تو ملکی حفاظت کے لئے میدان میں آ جانا۔
۶۔ نزاکت وقت کی وجہ سے باؤنڈری کمیشن میں ظفر اللہ خاں کی وکالت پر باوجود بے اعتباری کے خاموش رہنا۔
۷۔ پاکستان بننے کے بعد کسی سرکاری چیز یا جائداد کو حاصل نہ کرنا۔
۸۔ مرزائیوں کی مخالفت کا اعلان کر کے مسلم لیگ سے مکمل تعاون کرنا' الیکشن میں اپنا کوئی امیدوار نہ کھڑا کرنا۔
۹۔ کوئی فنڈ نہ ہونا' ریکارڈ میں کوئی قابل اعتراض چیز ملک بھر میں نہ ملنا۔
۱۰۔ نہرو یا کسی ہندوستانی افسر سے نہ ملنا۔
۱۱۔ پاکستان مسلمان حکومت ہے۔

مرزائی

۱۔ پاکستان میں پاکستان کی اور ہندوستان میں ہندوستان کی وفاداری چاہئے۔
۲۔ خدائی مشیت ہے اس لئے اگر پاکستان بن جائے تو پھر بھی اکھنڈ بھارت بنانے کے کوشش کی جائے۔
۳۔ قادیان میں قادیانی رکھنا اور اس کے لئے وہاں کی حکومت کی نظر حمایت کی خواہش۔
۴۔ حکومت پاکستان کا تختہ الٹنے کی سازش میں میجر نذیر احمد مرزائی کی شرکت جو چودھری ظفر اللہ خاں کا ہم زلف ہے۔
۵۔ ذرا سی طبیعت گھبرانے پر ہندوستان جانے کی اسکیم پر سوچنا۔
۶۔ بلا ضرورت باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنی بالکل علیحدگی کے اظہار پر زور دینا۔

۷۔ بارود تک چھپا کر جنگی مشق کرنا' الاٹ منٹوں کا طوفان

۸۔ تبلیغی تحریک کی کوشش جب کچھ سے زیادہ نہ ملے تو باقی نشستوں پر لیگ کا مقابلہ کرنا۔

۹۔ قادیانی فنڈ ہونا' جنگوں میں مختلف ذرائع سے رقم جمع کرانا فوجی اختیارات اپنے ہاتھ میں لینا۔ اور بارود چرانا۔

۱۰۔ قادیان میں مقیم قادیانیوں کی ہندوستان بھر میں آمدورفت اور چوہدری ظفر اللہ خان کی دہلی میں جواہر لال نہرو سے ۴۵ منٹ علیحدہ ملاقات' جب کہ وہ مسٹر محمد علی وزیر اعظم کے ہمراہ گیا تھا اور جس کی علیحدہ ملاقات کو ہم شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں جب کہ یہ بھی ہندوستان جانے پر غور کرتے ہیں۔

۱۱۔ پاکستان کافر حکومت ہے (ظفر اللہ خان)

معزز عدالت! اگر مندرجہ بالا گیارہ باتیں بالعکس ہوتیں۔ یعنی مرزائی اعمال مذکورہ کے مرتکب اگر احرار ہوتے تو آج وہ بغیر کسی بحث کے گردن زدنی قرار پاتے بلکہ اگر ایک احرار لیڈر پاکستانی حکومت کے خلاف سازش میں ماخوذ ہوتا یا جماعت ہندوستان جانے پر غور کرتی یا ہندو سے علیحدہ بات اور ملاقات ہوتی' بس پھر مرزائی پراپیگنڈہ اور ہمارے پرانے افسر جو کہتے یا کرتے خدا کی پناہ! اور اگر پاکستان کو کافر حکومت کہہ بیٹھتے' چاہے وہ صرف ظفر اللہ خان کے اثر ہی کی وجہ سے ہو تو بھی طوفان بپا ہو جاتا' لیکن مرزائی آئینی جماعت اور احرار غیر قانونی جماعت' مسلمان یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ سب کچھ ظفر اللہ خان کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

عام بے چینی کے بارہ میں تمام پاکستان کی رائے

معزز عدالت! اگر حکام و عمال کے غلط رویہ کے سوا کوئی سابق سبب بھی عوام کے اشتعال کا ہے تو وہ مرزائی حرکات و سکنات اور اشتعال انگیزیاں ہیں جو پرانے مسلمانوں پر جارحانہ حملہ کی حیثیت رکھتی ہیں' مسلمان قوم کا مرزائی تعصب و غضب اور ان کے لٹریچر سے ناک میں دم آیا ہوا ہے۔ جس کے صرف ایک بار دیکھنے سے ہمارے سابق وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کو اشتعال آ گیا تھا۔ وقت ہوئی تھی۔

پھر اس پر ان کے سیاسی عزائم کی غمازی کرنے والی مندرجہ بالا باتیں جن میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو قابل برداشت ہو۔ ہمارے دعویٰ کے اثبات کے لئے یہ کافی ہے۔ لیکن پھر بھی عدالت عالیہ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا ضروری ہے کہ جب خواجہ ناظم الدین نے تمام پاکستان کے وزراء گورنروں اور ذمہ دار فوجی اور سول افسروں کی کانفرنس بلائی تو انہوں نے

بے چینی کا واحد سبب مرزائی تبلیغ ہی کو سمجھا' جیسا کہ محترم میاں انور علی آئی جی بھی فرماتے ہیں کہ احمدی نظریہ کی اشاعت سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ بنا بریں اس کانفرنس نے باتفاق مسلمانوں میں مرزائی تبلیغ بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ تمام فتنہ کی جڑ مرزائی تبلیغ ہے۔ جس کے عام کرنے کے لئے چوہدری صاحب نے بازی لگا دی تھی۔

محترم عدالت! اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جب تک چوہدری ظفر اللہ خاں وزارت اور حکومت میں شامل ہے' مسلمان قوم کے جذبات و احساسات کا لحاظ نہیں کیا جا سکتا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ تمام پاکستان کے متفقہ فیصلہ کو یوں ٹھکرا دیا جاتا اور آج مرزائیوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملتا کہ احمدیت حق مذہب نہ ہوتا تو ہر طرح کامیابی کیوں اس کو ہوتی؟

احرار اور عام مسلمانوں کے لئے ایک ہی راستہ

جناب والا! (ا) مذکورہ حقائق کے ہوتے ہوئے کیا مسلمانوں اور کسی مسلمان جماعت کو یہ بھی حق نہیں کہ وہ ان کو اپنے مذہبی اور سیاسی حقوق کی تباہی سمجھ کر اس کے خلاف آواز اٹھائے' چاہے وہ ایسا کہنے میں حق بجانب ہو یا نہ ہو۔ یقیناً اس کو ایسے سمجھنے کے وقت اس کے خلاف احتجاج کا حق حاصل ہے۔

(ب) اگر حکومت پر احتجاج اور مطالبات کا اثر نہیں ہوتا تو کیا یہ کوئی خلاف آئین بات ہے کہ وہ عوام کو ہمنوا بنا کر یا مختلف مذہبی جماعتیں مل کر یہ مطالبہ کریں' ہرگز نہیں۔

(ج) اگر حکومت یہ جان کر بھی کہ تمام قوم مطالبات کی پشت پر ہے۔ اور وہ شکایات کو صحیح بھی سمجھے۔ پھر بھی وہ چھ ماہ تک انتہائی سرد مہری اور آمریت سے کام لے تو مسلمانوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ حکومت کو اپنے جائز اور آئینی مطالبات کی طرف مائل کرنے کے لئے پرامن احتجاجی اقدام کریں۔ جن مطالبات کو وہ بلحاظ مذہب اور پاکستانی مفاد کے لئے ضروری تصور کرتے ہیں اور جس اقدام سے حکومت کو عوام الناس کی ہمدردی اور مطالبات کی قوت بتانا منظور ہو۔ جس اقدام کا وہ پروگرام وضع کریں اور بار بار پرامن اقدام کا یقین دلائیں' عوام کو پرامن رہنے کا کہیں۔

معزز عدالت! یہ بحث جداگانہ ہے کہ آیا ایسا اقدام خلاف قانون ہے یا نہیں' جائز ہے یا ناجائز لیکن ایسے اقدام کو بغاوت یا لاقانونیت یا فسادات کی تجویز سے ہرگز تعبیر نہیں کر سکتے جو مجوزین کے ذہن میں بھی نہ ہو اور حکومت ایسے اقدام کی روک تھام میں ایسے طریقے استعمال کرے جس سے عوام مشتعل ہوں اور مجوزین کے رضا کار پھر بھی کوئی مزاحمت یا مقابلہ نہ کریں بلکہ

ہزاروں کی تعداد میں اپنے آپ کو پیش کریں۔ یا اس موقعہ پر مرزائی یا اور پارٹیاں کوئی واردات کریں جن کی روک تھام اور جن کا علم خود حکومت کو ہونا چاہئے تھا' جیسے کہ اقدام کی مخالفت کرتے وقت عوامی جذبات اور حفظ و امن کا خیال بھی اس کو ہونا چاہئے تھا۔ تو کیا اس کے نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہو گی یا پرامن تحریک کے مجوزین پر۔ جن کا ان سے کوئی واسطہ نہ ہو اور جو ان کے پروگرام کے خلاف ہو۔ خاص کر جب کہ یہ واضح ہو جائے کہ حکام کے غلط طرز عمل نہ ہونے کی وجہ سے کراچی اور راولپنڈی جیسی جگہوں میں تحریک عرصہ تک پرامن چلتی رہی ہو۔ جیسا کہ مجوزین کی رائے تھی۔

میرا مقصد صرف یہ ہے کہ آئینی مطالبات کے لئے آئینی جدوجہد کوئی جرم نہیں اور بدرجہ مجبوری راست اقدام کی تجویز کرنے سے جس کا مطلب عدالت کے سامنے آ چکا ہے۔ غیر متوقع فسادات یا حالات کی ذمہ داری ان راہنماؤں پر عائد نہیں ہوتی۔ اور اگر راست اقدام ہی قابل اعتراض ہے تو اس کی ذمہ داری تمام اسلامی جماعتوں کے کنونشن پر برابر برابر عائد ہوتی ہے جس نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ ۱۳ جولائی ۵۲ء کو کنونشن کے بعد تمام افسر مانتے ہیں کہ تحریک کو سب کی حمایت حاصل تھی اور سب اس میں شریک ہو گئے تھے اور فیصلہ جات بھی سب کی مشترکہ جماعت' مجلس عمل کرتی تھی جو کثرت رائے سے ہوتے تھے اور اصولاً کثرت رائے کا فیصلہ ساری جماعت کا فیصلہ ہوتا ہے۔

ان حالات میں کسی قسم کی ذمہ داری صرف احرار راہنماؤں پر ڈالنا یہی معنی رکھتا ہے کہ بعض بلند پایہ افسروں کو احرار ۱۹۳۰ء سے قبل ہی سے کھٹک رہے تھے تا آنکہ ان کو مرزائیت کے اصلی خدوخال معلوم نہ تھے۔ اور بعض بزرگ مثلاً" سابق چیف سیکرٹری تو کافر کو کافر کہنے اور مرزائی کو کافر کہنے کو ہی سماج دشمنی تصور کئے ہوئے تھے۔ اور مسلمان کا معیار اپنے کو مسلمان کہنا بتاتے تھے جیسا کہ خلیفہ قادیان اب اپنے تکفیری فتووں کی ناقابل قبول منافقانہ تعبیریں کر کے اسی طرح حقیقت پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے جیسے بلی اپنا گوہ چھپایا کرتی ہے

اور بدقسمتی سے وزارء اور اعلیٰ طبقہ کی رقابت بھی غریبوں اور مخلصوں کے لئے مصیبت ہو جاتی ہے۔ مثلاً" احرار نے قوت حاکمہ کی حیثیت سے مسلم لیگ سے تعاون کا فیصلہ کیا' اس وقت ممدوٹ وزارت تھی۔ احرار نے اس کے وقت میں دفاع کانفرنس کی اور اپنا تعاون پیش کیا۔ جب مسلم لیگ نے انتخابات میں دولتانہ کو ٹکٹ دیا' اس کی حمایت کی۔ کیونکہ احرار نے افراد سے رشتہ نہیں جوڑا تھا اس کو حکومت اور لیگ سے تعاون کرنا تھا جو بھی حکومت ہو' اس طرح دو رقیب طاقتیں اور ان کے سپورٹر بھی خواہ مخواہ مخالف ہو جاتے ہیں۔

معزز عدالت! ناممکن ہے کہ وزارء کی محاذ بندیوں میں اعلیٰ آفیسرز شریک نہ ہوں نتیجتاً

کا رجحان ضرور کسی نہ کسی طرف ہوتا ہے۔ پھر وہ مخلص اور باصول افراد اور جماعتوں کو بھی ان کے ضمیر اور فیصلہ کے خلاف اپنی دھڑا بندیوں میں شامل دیکھنے کے آرزومند ہوتے ہیں لیکن احرار مخلص اور اصولی جماعت ہے اس نے تعاون کا فیصلہ صرف مسلم لیگ اور مسلم لیگی حکومت سے کیا تھا' اس کو اس سے بحث نہیں کہ کل کون تھا اور آج کون ہے۔

اس تمام بحث سے میری مراد یہ ہے کہ اس اظہر من الشمس حقیقت کے باوجود کہ جولائی ۱۹۵۲ء کی کونشن کے بعد تمام پارٹیاں عملاً تحریک میں شریک تھیں اور باہمی سخت مخالف افراد بھی مجلس عمل کے تحت مل کر کام کر رہے تھے اور تحریک کی رہنمائی تمام تر مجلس عمل کے ہاتھ میں تھی۔ جس میں احرار کے ۱۷ میں ۲ ممبر بھی شریک تھے۔ اور اس حقیقت کو تقریباً اعلیٰ حضرات نے تسلیم بھی کر لیا' پھر بھی سارا نزلہ بر اندام ضعیف صرف احرار پر گرتا ہے' وہ خلاف قانون قرار دی جاتی ہے۔ اس کے ریکارڈوں اور دفتروں پر قبضہ ہوتا ہے۔ اس کے کارکن ابتداء ہی گرفتار ہو جاتے ہیں اور مقدمہ کی پیروی کے وقت بھی وہ آزاد نہیں ہوتے تاکہ سارا مواد پیش کر سکیں' پھر لطف یہ ہے کہ ۱۹۵۲ء میں یہ اعلان کر کے کہ احمدی اور احرار کے جلسوں پر پابندی لگائی گئی ہے ان کو غلط اہمیت دی گئی۔ وہ کیا پبلک جلسہ کرتے' جلسے صرف احرار کے روکنے تھے لیکن اس کے اندر ایک اور بات بھی پوشیدہ تھی کہ جب جلسوں کی اجازت ہو تو دونوں کو ہو گی اس طرح صرف احرار کو احمدی کے مقابلہ میں رکھ کر ایک تو تحریک کو صرف احرار کی تحریک کہہ کر کمزور کرنا تھا' دوسرے ان کے ساتھ ساتھ مرزائیوں کو برابر حیثیت دے کر ان کو بھی آزادی دینی تھی۔

معزز عدالت! اگر آج اسی بات کو دہرایا جاتا کہ احرار ہونا خلاف قانون ہے۔ اسی طرح مرزائی ہونا بھی خلاف قانون ہے نہ کوئی احرار کا ممبر بنے گا نہ احمدیت کا' یعنی انجمن احمدیہ ربوہ تک تو کہا جا سکتا تھا کہ ہاں بالتقابل جماعتوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا گیا۔ لیکن احمدی بننے پر تو کیا پابندی لگ سکتی تھی چوہدری ظفر اللہ خاں کی برکت ہے۔ یہاں تو تمام پاکستانی وزراء گورنروں کی متفقہ تجویز کہ مرزائی مسلمانوں میں تبلیغ نہ کریں' دریا برد ہو گئی۔

معزز عدالت! کروڑوں اہل اسلام کے نازک مذہبی احساسات کو اس طرح نظرانداز کر دینا تھا' پاکستان کی کوئی خدمت نہیں نہ ہی مذہبی عدل و انصاف کا تقاضا۔

راست اقدام کا جواز

معزز عدالت نے راست اقدام کے جواز پر بحث کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ راست اقدام' نیز عدم تشدد کی جنگ' مقاومت مجہول اور بعض اوقات

سول نافرمانی کا استعمال ایک مخصوص طریقہ کار پر ہوتا ہے اور یہ طریقہ کار گاندھی نے آنحضرتؐ کے مبارک طرز عمل سے اخذ کیا تھا کہ ایک صحیح اور نیک کام ہے' اس کی راہ میں مشکلات ہیں۔ ان مشکلات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ کام کئے جاؤ' چاہے اس میں تکلیفیں ہی پیش آئیں۔ مثلاً" آنحضرتؐ نے توحید کی دعوت دی تو قریش نے مخالفت کی' آپ نے پھر دی انہوں نے ایذاء اپنی شروع کی۔ آپ نے دعوت جاری رکھی۔ انہوں نے ایذاء رسانی' ایذاء کا مقابلہ نہیں کیا گیا' نہ انتقام لیا گیا۔ صرف اس پاک کام کو جاری رکھا گیا حتیٰ کہ سینکڑوں پھر ہزاروں ہم خیال پیدا ہو گئے اور آخر کار سارے قریش پر صداقت ظاہر ہوئی اور وہ سب مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ہند میں بدیشی کپڑے پر پکٹنگ کی گئی کہ یہاں سے خریدنے نہیں دیا جائے گا کیونکہ بدیشی کپڑا خریدنا اور بیچنا ملک کے مفاد کے خلاف ہے۔ انگریزی حکومت نے اس کو شخصی آزادی کے خلاف قرار دیکر رضاکاروں کو گرفتار کیا تو اور آ گئے۔ وہ گرفتار ہوئے تو اور آ گئے۔ وہ گرفتار ہوئے تو اور آ گئے۔ کبھی اس غیر ملکی گورا حکومت نے سخت لاٹھی چارج کیا' رضاکاروں نے وہ بھی برداشت کیا اس طرح جنگ جاری رہی۔ اسی طرح کی دو چار پر امن لڑائیاں انگریزوں کے جانے کا ایک سبب بنیں۔ آج ہم چکلہ پر چار رضاکار کھڑے کرتے ہیں کہ اندر کسی کو نہ جانے دو' حکومت اس کو شخصی آزادی میں خلل قرار دے کر ان کو گرفتار کرتی ہے ہم اور چار یا دس بھیجتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نہ مقابلہ کرتے ہیں نہ انتقام لیتے ہیں نہ تشدد کرتے ہیں' لیکن اپنا صحیح فریضہ ادا کرنے سے باز نہیں آتے یہاں تک کہ یا ہماری طاقت ختم ہو جائے اور ہم کے خدا کے ہاں معذور سمجھے جائیں یا حکومت حکومت جھک جائے اور چکلہ بند کر دے یا ہم حکومت کے سامنے حق و صداقت کی آواز بلند کرتے رہیں گے۔ چاہے کتنی ہی تکلیف پیش آتی رہے۔

خلاصہ راست اقدام

راست اقدام کا عملی معنی یہ ہوا کہ کسی صحیح مقصد کو باوجود مشکلات کے کرتے رہنا' لیکن تشدد یا طاقت کا استعمال نہ کرنا۔ چاہے یہ طاقت کا استعمال نہ کرنا اس لئے ہو کہ طاقت نہیں' یا اس لئے کہ طاقت کا استعمال مقصد کے لئے مضر ہے یا اس لئے کہ طاقت کا استعمال ملکی اور سیاسی مفاد کے خلاف ہے۔

یہاں مؤخر الذکر وجہ ہے کہ اپنی حکومت سے بغاوت یا لڑائی غلط ہے البتہ اس کو حق بات کہتے رہنا ضروری ہے۔ حکومت جب تک صریح کافر نہ ہو اس سے بغاوت حرام ہے البتہ

اس کی سختی کے باوجود اس کے سامنے حق کی آواز بلند کرنا۔ از روئے حدیث بڑا جہاد ہے۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا ہے "افضل الجھاد کلمۃ حق عند سلطان جائر" کہ بہترین جہاد جابر بادشاہ کے سامنے حق کی آواز بلند کرنا ہے۔ پس مرزائی فتنہ سے اسلام کو بچانے اور کافر فرقہ کے اقتدار کے خطرے سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی حکومت کے سامنے انسدادی تجاویز یا مطالبات پیش کرنا ایک صحیح کام ہے اگر حکومت ان پر سختی کرتی ہے تو ہر طرح تکلیف برداشت کرتے ہوئے مطالبات پیش کرتے جائیں یعنی ان کو حق کہا جائے کہ دیا کرو لیکن گرفتاری یا تشدد کا کوئی جواب نہ دیا جائے اسی طرح اپنا فرض ادا کرتے جائیں۔ اگر اگلوں کو مصیبت پیش آ جائے۔ تو دوسرے اس فرض کو ادا کریں۔ یہ ایک بڑا عزیمت کا کام ہے معمولی دل گردے کا کام نہیں ہے۔ جب ایک ملک میں ایک مبلغ جاتا ہے اور وہ شہید کر دیا جاتا ہے تو دوسرا جا کر تبلیغ کرتا ہے وہ قتل ہو جاتا ہے تو تیسرا جا کر دعوت توحید دیتا ہے ایسی عزیمت کا ضرور اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کمزور انسانوں کو ان کی طاقت کے لحاظ سے مکلف فرمایا ہے۔ پس ہم اپنے وزیر اعظم کی کوٹھی یا دفتر میں جا کر فتنہ ارتداد کی روک تھام کے لئے چند تجاویز کو منظور کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن وہ ہمیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیتے ہیں۔ ہماری جگہ دس آدمی اور جا کر وہی بات کرتے ہیں۔

یہ اقدام دراصل اپنی جائز بات منوانے کے لئے ایک مظلومانہ طریقہ ہے اور آج کل کے رواج میں کہ آیا یہ مطالبہ جمہور کا ہے کہ یا نہیں اس کا ثبوت بہم پہنچانا بھی ایک مقصد ہوتا ہے تاکہ وہ اصلی مقصد تسلیم کر لیا جائے' بہرحال بغیر کسی جارحانہ اقدام یا متشددانہ طرز عمل کے' اپنی جائز بات منوانے کے لئے۔ کسی طرح کی کوشش کرنا جائز ہی جائز ہے۔ برائی کا مٹانا اور بند کرنا فرض ہے۔ شریعت نے پہلے ہاتھ سے روکنے کا حکم دیا ہے نہ ہو سکے تو پھر زبان سے ورنہ دل سے برا سمجھنے کا آخری حکم ہے۔ عام طور پر یہی حکم ہے جیسا کہ حدیث میں صاف وارد ہے لیکن حکومت سے کسی بات کے منوانے کے لئے زبان ہی ذریعہ ہو سکتی ہے کیونکہ مقابلہ کی طاقت نہیں اور بغاوت کرنی یا کرانی جائز نہیں' اس لئے اس صورت میں حق کی آواز بلند کرنا ہی بڑا جہاد ہو گا ایک کرے دوسرا کرے بہرحال جتنے اس کے لئے تیار ہوں گے وہ اس جہاد کا ثواب پائیں گے کہ جابر یا ظالم کے سامنے حق بات کہی جائے۔ راست اقدام کا مطلب اس کے سوا کوئی نہیں ہے' اس لئے راست اقدام کی مظلومانہ اور پرامن تجویز کرنے والوں کے بارہ میں یہ کہنا کہ فسادات یا غیر متوقع حالات کے یہ ذمہ دار ہیں بالکل قرین انصاف نہیں ہو سکتا۔ ان کے طریقہ پر کام کرنے والوں سے مختلف اضلاع اور خود کراچی میں کیا کوئی بدمزگی نہیں ہوئی۔

لاہور میں ۲ مارچ تک پرامن جلوس رہے۔ گرفتاریاں دی گئیں' کوئی لساد نہیں ہوا' تحریک کے پانچویں دن یعنی تین مارچ کو دفعہ ۱۴۴ لگائی گئی جنہیں حکام نے بعد سہ ۱۴۴ کی خاطر پبلک مقامات پر تشددانہ اور بقول ایس ایس پی غیر ہمدردانہ یا جارحانہ رویہ اختیار کر کے حالات بدل دیئے' اگر حکومت ان کو گرفتار کرتی رہتی تو کون سا آسمان ٹوٹ پڑتا۔ پرامن گرفتاریاں ہوتیں تحریک کے تحت جانے والے رضاکاروں نے تشدد کا تختہ مشق بن کر کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ دفعہ ۱۴۴ پھر کرفیو' پھر مارشل لاء' پھر مرزائی فائرنگ نے حالات ہی بدل دیئے۔ بازاروں میں خطرناک لاٹھی چارج سے آخر عوام کیا سمجھتے۔ پھر اس ذہن کے تحت کہ ابتداء ہی میں سختی کر کے کچل دو۔ ایسا کرنا اسلامی حکومت اور اپنی حکومت میں کیسے صحیح تصور کیا جا سکتا تھا۔

ضمیمہ

اسلامی حکومت کا پہلا تصور

جناب والا! میں چاہتا ہوں کہ اسلامی حکومت اور اس کے متعلقات پر کچھ عرض کروں۔ اسلامی حکومت کی طرف پہلی بار قرآن پاک نے اس وقت اشارہ کیا جب کہ جنگ بدر سے پہلے تیرہ سال کے مسلسل مظالم سہنے کے بعد اللہ تعالیٰ' صحابہ کرام کو جہاد وقتال کی اجازت دیتے ہوئے فرما رہے تھے۔ **اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر**' کہ جن سے جنگ کی جا رہی ہے ان کو اب اجازت دی جاتی ہے کہ ان پر ظلم کئے جا چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کی طاقت رکھتا ہے۔ اس سے اشارہ تھا کہ اب جنگ میں خدائی امداد ہو گی اور کفار ذلیل ہوں گے۔ اسی آیت میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔

الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر' کہ جن کو جنگ کی اجازت دی گئی ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو ہم زمین میں تسلط دیدیں تو یہ نمازیں قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے۔ اچھے کاموں کا حکم دیں گے' برے کاموں سے روکیں گے۔ یہ اشارہ تھا کہ ان لوگوں کو عنقریب زمین کا اقتدار دیا جائے گا اور ان کے اس اقتدار کے وقت کا پروگرام خود ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے ایسے کام کریں گے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ اس لئے ان کو زمین پر غلبہ دیں گے۔ پروگرام میں عبادات کا اہم حصہ نماز' مالیات و اقتصادیات کا اہم حصہ زکوٰۃ مذکور ہے۔ بعد میں اچھے کاموں کا حکم اور برائی سے روکنے کی ترغیب ہے گویا زمینی اقتدار کے بعد یہ عبادات کا پہلا نظام قائم کریں گے جس سے قوم کی اخلاقی اور روحانی حالت بلند ہو۔ خدا سے صحیح تعلق

قائم رہے پھر اقتصادیات یعنی مالی نظام درست کرنا ضروری ہو گا اگر قوم کا کریکٹر بلند ہو اور مالیات مضبوط ہوں تو پھر اس قوم کو کوئی کمی نہیں رہتی۔ اس کے بعد ملکی قوانین کا نمبر ہے کہ اچھے کام جاری کئے جائیں اور برے کاموں کو بند کر دیا جائے یا یوں سمجھیں کہ خود بھی پابند ہوں گے اور دوسروں کو بھی پابند کرنے کی کوشش کریں گے۔

اسلامی حکومت کا دوسرا تصور

اس کے بعد صفائی سے صحابہ کرام سے وعدہ کیا گیا **وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا** کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان کو ہم ضرور زمین کی خلافت دیں گے جیسے ان سے پہلوں کو دی ہے اور ان کا دین اچھی طرح جما دیں گے اور ان کو خوف کے بعد امن و امان دیں گے وہ ہماری عبادت کریں گے اور ہمارے احکام میں کسی کو شریک نہ کریں گے۔

اس آیت میں اگرچہ ساری باتیں خدائی وعدوں کی شکل میں بتائی ہیں لیکن یہ سارے کام بہرحال ان ہی کے ذریعے کئے جائیں گے اس لئے یہ بھی خلافت ارضی کے مالک مسلمانوں کا پروگرام ہے پہلے تو وعدہ ہی ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ہے جس سے صاف مطلب یہ ہے کہ خلافت کے بعد بھی ایمان و عمل صالح کی پابندی ضروری ہو گی ورنہ یہ تو غلط ہے کہ جن باتوں کی وجہ سے انعام دیا جائے' انعام کے بعد ان سے انحراف کر دیا جائے۔ دوسرا وعدہ کہ ہم ان کا دین جما دیں گے۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے دعویٰ نبوت' منکرین زکوٰۃ وغیرہ فتنوں کا قلع قمع کر کے دین کو اچھی طرح جمایا گیا اور یہ کام خود صحابہؓ سے لیا۔ گویا دوسرا پروگرام یہ ہوا کہ خود ٹھیک ہونے کے بعد ملک بھر میں دین کا بہتر انتظام ہو جائے اور نبوت کے مدعی یا ارکان اسلامی کا کوئی مخالف نہ رہے۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ خوف کے بعد ان کو امن و امان دوں گا۔ خوف روم و ایران کا تھا۔ بغاوتوں کا تھا' بڑے بڑے بادل آئے لیکن بالآخر تمام عرب میں ایسا امن قائم ہوا کہ صنعاء و یمن سے مکہ تک ایک عورت سونا اچھالتے ہوئے آتی تو کوئی خطرہ نہ تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ تیسرا پروگرام ملک میں عام اور پورا امن و امان قائم کیا جائے۔ پھر ارشاد ہے کہ میری حکم برداری کریں گے اور دوسرے حکموں میں کسی کو شریک نہ کریں گے۔ مطلب صاف ہے کہ تمام قوانین الٰہیہ کا نفاذ ہو' اس کے مقابل کسی روس' امریکہ' فرانس' لندن کے قانون کو ترجیح نہ دی جائے اور عام عبادات کا نظام قائم ہو۔ ظاہر ہے کہ پکا ایمان' بہترین اعمال اور کریکٹر' پھر دین کی پختگی اور امن و امان کا قیام اور خالص خدائی احکام کی پیروی کے بعد کونسی

بات رہ جاتی ہے یہ اسلامی حکومت کا دوسرا تصور ہے۔

اسلامی حکومت کا عملی نمونہ

اس کے بعد خلافت راشدہ کا زمانہ آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے سارے وعدے پورے فرماتا ہے۔ خلافت ارضی کے الفاظ سے ہی اس طرف اشارہ تھا کہ بادشاہت نہ ہوگی بلکہ اللہ کی نیابت ہوگی خدائی حکومت اور خدائی احکام کے نفاذ کے لئے یہ نائب ہونگے جیسے ' اسی طرح خلفاء راشدین نے کیا۔ نمازوں اور عبادات کا نظام ' مالیات کا انتظام ' امن و امان کا قیام ' دین کو تمام فتنوں اور مدعیان نبوت اور ارکان اسلام کے مخالفوں سے پاک و صاف کرنے کا کام ' پھر تمام خدائی احکام کا اجراء ' امر بالمعروف اور ان کے خلاف سے بندش یعنی نہی عن المنکر۔ انتہا یہ کہ کسی وقت پر بھی خدائی حکم پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا ہے اس کے مقابلہ میں کسی چیز کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔

یہ ہے اسلامی حکومت کا تصور اور اس کا عملی نمونہ۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اسلامی حکومت کے اولین تصورات میں سے برائی روکنا اور نیکی کو جاری کرنا ہے آج مذہب کو پرائیویٹ معاملہ کہنے والے اس سے عبرت حاصل کریں۔ اسلام کا خلیفہ دراصل خدا کا نائب ہوتا ہے۔ سیاست ملکی ' قیام امن ' نظام مالیات کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انتظام بھی کرنا ضروری ہوتا ہے۔

بلکہ برائی کے مرتکبین کو اسلامی سزائیں دینا حکومت کا اولین کام ہے اور یہ بھی نہی عن المنکر میں داخل ہے اگر مذہب پرائیویٹ معاملہ ہے اور بقول مرزا محمود کسی کو یہ ضروری نہیں کہ وہ دوسروں کو کسی بات کرنے کا کہے یا روکے تو اسلامی تعزیرات کا کیا معنی؟

زنا ' چوری ' قتل ' تہمت ' وغیرہ جرائم شرعی پر سزاؤں کے اجراء و نفاذ کا کیا مطلب ' مرتد کو قتل کی سزا کیسی ' شراب پر سزا کیسی ' کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ جرائم کرنے کے بعد سزا تو دی جا سکتی ہے لیکن کرنے سے پہلے ارتکاب جرم سے روکنا غلط ہے۔ چوری سے نہ روکو۔ قتل سے نہ روکو۔ مرتد ہونے سے نہ روکو۔ زنا کرنے دو ' شراب پینے دو اور جب وہ ارتکاب جرم کر بیٹھے تو پھر سزا دو ' کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ جس اسلام کی بنیاد ہی یہ ہے کہ شرک چھوڑ کر توحید کا اقرار کرو ' رسول کو مانو اور قیامت کو مان کر اس کے حساب سے ڈرو اور نمازیں پڑھو ماں باپ کی نافرمانی ' ایک دوسرے پر ظلم اور خیانت نہ کرو ' اس اسلام کے بعد آج امر بالمعروف

ر نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں سمجھتے اور دعویٰ اسلام کا ہے۔

ثت انبیاء اور تبلیغ

کیا انبیاء اس لئے تشریف نہ لاتے تھے کہ وہ حق کی دعوت دیں اور باطل سے منع کریں
ر کیا انبیاء نے اس فریضہ کی ادائیگی میں جانیں تک قربان نہیں کیں۔ اسلام تو ہر مسلمان پر
فرادی طور پر بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر لازم کرتا ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس
مرون بالمعروف و تنہون عن المنکر اور حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جو برائی دیکھو اسے
تھ سے مٹاؤ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکو' ورنہ دل سے برا سمجھو" اگر برائی سے
وکنا ضروری نہیں تو صدیق اکبرؓ نے منکرین زکوٰۃ سے اور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے کیوں
ہاد کیا اور خود آنحضرتؐ کو کیا پڑی تھی کہ تبلیغ کرتے کرتے لہولہان ہو جاتے۔

اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر اتنا زور دیا ہے کہ ایک معمولی مسلمان خلیفہ
ر ٹوک سکتا تھا اور خلیفہ کو ماننا پڑتا۔

یاست و مذہب

اس بیان سے صاف ہو گیا کہ مسلمان حکومت کا پروگرام تمام ملکی انتظامات کے ساتھ
اتھ مذہب و دین کو تمام فتنوں سے پاک کر کے جاری رکھنا۔ اخلاقی قدروں اور مذہبی پابندیوں
خاص انتظام کرنا بھی ہے اسلامی حکومت کا انعام ہی اسلامی اعمال کی بناء پر تھا۔ اور اس کا
وگرام بھی وہی تھا وہی خلیفہ ہوتا وہی جماعت کا امام' اس کے تقرر میں بھی اسلامی فضائل کا
ظ ہوتا اور اس کے خلافی احکام کو بھی اسلامی نقطہ نگاہ سے جانچا جاتا تھا۔ خلفاء نے دنیا بھر
ں اس امر کی دھاک بٹھا دی کہ عادلانہ اور صحیح نظام حکومت صرف اسلامی نظام ہی ہو سکتا
ے

کیا اب اس کا اعادہ ممکن نہیں

بہانہ جو اور بہانہ ساز لوگ کہتے ہیں کہ اب ایسا کرنا ناممکن ہے اگر ناممکن ہے تو جتنا
مکن ہے اتنا تو کرنا چاہئے۔ ورنہ ایسا ہو گا کہ پلاؤ نہ ملے تو سوکھی روٹی بھی نہ کھاؤ اور بھوکوں مر
و" خلافت راشدہ کے بعد بھی جب کہ بادشاہوں اور امیروں کے اعمال منہاج نبوت کے
وافق نہ تھے لیکن ملکی قانون قرآن تھا۔ اور بڑی حد تک اس پر عمل ہوتا تھا۔ اس وقت تک
سلام دنیا میں آگے ہی بڑھا۔ جب قرآن پاک کو فوجوں' عدالتوں' درباروں اور گھروں سے
یاز باہر نکالا گیا۔ مسلمان بھی ذلیل ہو گئے ورنہ کیا محمد بن قاسم فاتح سندھ کا زمانہ خلافت

راشدہ کا زمانہ تھا۔ ہرگز نہیں' لیکن ملک پر قرآنی قانون کی حکومت تھی اور اسی لئے عوام کا اکثر حصہ قرآنی رنگ میں رنگ جاتا تھا۔ اخلاق و اعمال اور جذبات پر بڑا اثر تھا۔ اسی طرح سلطان محمود غزنوی" وغیرہ کے ساتھ برکات کا ہونا اسی سبب سے تھا۔

ایک دھوکہ اور اس کا جواب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اب اسلامی نظام حکومت اسی لئے قائم نہیں ہو سکتا کہ اس کے لئے دنیا کے تمام مسلمانوں کی ایک یونٹ ہونی لازم ہے جو فی زمانہ ناممکن ہے۔ یہ بڑا فریب اور اسلام کی پابندیوں سے نکلنے اور بھاگنے کا ایک بہانہ ہے اور قرآن پاک سے نادا قفی کا ثبوت

قرآن پاک نے مسلمانوں پر لازم کیا ہے کہ اگر دوسری جگہ کے مسلمان تم سے مدد چاہیں تو ان کی مدد کرو وان استنصروکم فعلیکم النصر یعنی ان کی مدد لازمی ہے مثلاً" ہندوستان کے مظلوم مسلمان ہم سے امداد طلب کریں تو ان کی امداد ہم پر لازمی ہے لیکن ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ الا علیٰ قوم بینکم و بینھم میثاق مگر ان مسلمانوں کی مدد ایسے وقت تم نہیں کر سکتے جب وہ مدد کے لئے ایسی قوم سے مقابلہ کے لئے بلائیں۔ جن کے درمیان اور تمہارے درمیان معاہدہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے پھر ہم وہاں کے مسلمانوں کی مدد ہندوستانی گورنمنٹ کے مقابلہ میں نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر ہم چاہیں تو پہلے معاہدہ کی منسوخی کا اعلان کر دیں پھر مدد کریں ایسا ہو سکتا ہے۔ بہرحال اس میں قرآن مسلمان حکومت یا اسلامی حکومت کو ایک تعلیم دیتا ہے اور خود اس تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک یونٹ نہ ہونے کی شکل میں بھی جہاں طاقت ہو اسلامی حکومت قائم ہو سکتی ہے چاہے دوسرے جگہ کے مسلمان اسلامی حکومت نہ بنا سکتے ہوں نہ اسلامی حکومت میں شریک ہو سکتے ہوں۔

خلافت راشدہ کی راہنمائی

پھر اس فریب کی لغویت اس سے بھی ہوتی ہے کہ خود خلافت راشدہ کے آخری دور یعنی حضرت علی" کے زمانہ میں حضرت امیر معاویہ" سے خطرناک جنگ ہوئی۔ حضرت علی" نے آخر کار ایک یونٹ بنانے کا خیال ترک کر دیا۔ حضرت معاویہ" کی حکومت شام و مصر پر رہی اور حضرت علی" کی خلافت باقی تمام عالم اسلام پر۔ پہلی بار اسلامی نظام کی وحدت کی ضرورت کو کیوں نظرانداز کیا گیا۔ یہ ایک سوال ہے' جس کا جواب یہ ہے کہ تمام وحدت جتنے کشت و خون کا طالب تھا اس کو پسند نہ کیا گیا اور اس کے بالمقابل دو حکومتوں کو برداشت کر لیا گیا۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ایک یونٹ بنانے سے خطرہ تھا کہ مسلمانوں کی دونوں قوتیں اتنی کمزور ہو جائیں کہ بیرونی دشمن ہی غالب آ جائیں۔ بہرحال یہ اسلامی تاریخ کا ایک باب ہے کہ ضرورت کے تحت علیحدہ علیحدہ نظام برداشت کر لئے گئے۔ لیکن دونوں جگہ قرآنی نظام تھا۔ صحابہ کرامؓ کا پاک زمانہ تھا۔ اس لئے احیاء اسلام اور قرآنی نظام حکومت سے انحراف نہیں ہو سکتا۔ ہر دو جگہ کوشش اسی نظام کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب شاہ روم نے حضرت معاویہؓ کو لکھ بھیجا کہ اگر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں مدد چاہو تو میں حاضر ہوں۔ حضرت معاویہؓ نے اس کو لکھا کہ اے رومی کتے اگر تو علیؓ پر حملہ کرے گا۔ تو ان کی طرف سے سب سے پہلے میں میدان میں لڑوں گا۔

بہرحال یہ بات ضرور ثابت ہو گئی کہ مشکلات کی وجہ سے وحدت قائم نہ ہو سکے تو بھی جہاں حکومت ہو وہاں اسلامی نظام حکومت ہی ہو۔ اور اسلامی قوانین ہی کا اجراء ہو۔ پھر یہ حکومت جتنی بھی اس طرز کے قریب آتی جائے گی اس میں اتنی قوت و برکت پیدا ہو گی۔ اس لئے قرآن کی آیت اور خلافت راشدہ کی اس مثال سے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ بکھرے ہوئے اور علیحدہ علیحدہ یونٹوں والے بھی اگر چاہیں تو خدائی احکام کے تحت اسلامی نظام بن جائیں۔ یہ کہنا کہ چونکہ ساری دنیا کے مسلمان ایک حکومت کے ماتحت نہیں اس لئے ہم اسلامی اور قرآنی نظام نہیں چاہتے یہ اسلام سے انکار کرنے کے لئے ایک حیلہ ہے یہ اسی طرح ہے کہ چونکہ دنیا کے سارے مسلمان تابع قرآن نہیں رہے اس لئے اب ہم سے بھی اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

اسلامی حکومت اور غیر مسلم

اسلامی حکومت میں غیر مسلم بحیثیت رعایا کے رہ سکتے ہیں۔ اس وقت ان کے انسانی حقوق دوسرے مسلمانوں کے برابر ہوں گے مثلاً" ان کی جان کی حفاظت' ان کے مال کی حفاظت' ان کی آبرو کی حفاظت' ان کے مکانوں اور عبادت گاہوں کی حفاظت حکومت کے ذمہ ہو گی۔ ان کے قتل کے عوض مسلمان قتل کیا جائے گا۔ اس طرح ان کو اپنے مذہبی رسوم و عبادت کی آزادی ہو گی۔ تجارت وغیرہ ذرائع معاش کی آزادی ہو گی۔ قانون کے ذریعہ انصاف حاصل کرنے کی آزادی ہو گی' ایک انسان کو باعزت زندگی گزارنے کے لئے یہ چیزیں بھی ہیں۔

حکومت میں حصہ

یہ نہ ہو سکے گا کہ وہ مسلمانوں کا امیرالمومنین بنا دیا جائے گا یا جو امیر کے قائم مقام قوت ہو مثلاً" وزیر یا گورنر' اسی طرح چونکہ مسلمانوں کا امیر مسلمانوں کے ارباب بست و کشاد

کے مشورہ سے منتخب ہوتا ہے اور ارباب بست و کشاد میں زیادہ تر دینداری، علم و تقویٰ کا یا خادم اسلام ہونا وغیرہ ملحوظ ہوتا ہے جیسے انصار و مہاجرین تھے جن پر تمام عالم اسلام کو اعتماد تھا۔ اگر الیکشن ہوتا انہی حضرات کو تمام ووٹ ملتے۔ آج کل اسی طرح کے قریب قریب مجلس شوریٰ یا اسمبلی کا انتخاب ہو سکتا ہے جس کو اپنا امیر یا حاکم نامزد کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے جب وہ غیر مسلم حاکم نہیں بن سکتا، حاکم ساز اسمبلی کا ممبر بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر حاکم سازی کے سوا وہ اپنی قوم کی طرف سے سرکاری کاموں کے سلسلہ میں نمائندہ منتخب ہوتا ہے ہوتا رہے۔ اگر حکومت ان کی قوم سے چند کوئی مانگے حکومت کو اختیار ہے لیکن حاکم ساز یا آئین ساز اسمبلی کا ممبر نہیں ہو سکتا۔ یہ بات اس کے شہری اور انسانی حقوق سے زائد ہے یہ تو حکومت کی بات ہے اور حکومت مسلمانوں کی ہے تو انہی کو وہ حکومت چلانی ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن میں صاف احکام موجود ہے کہ غیر مسلموں کو اپنا رازدار نہ بناؤ، ان سے ایسی دوستی نہ کرو، ان کا بس چلے تو تمہارے خلاف کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے (جیسا کہ منڈل نے کیا)

حضرت عمرؓ کا واقعہ

اس سلسلہ میں امام فخرالدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ بصرہ میں ایک نصرانی منشی آیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ بہت لائق ہے اس کو دفتری کام کے لئے منشی رکھ لیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کے بغیر کام نہیں چلتا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر وہ مر جائے پھر کیا کرو گے تو جو اس وقت کرو گے وہ ابھی سے ہی کیوں نہیں کر لیتے۔

تبلیغ کا حق

کسی غیر مسلم کو یہ حق بھی نہیں کہ وہ اسلامی حدود اختیار میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرے اس کی آسان وجہ تو یہ کہی جا سکتی ہے کہ اسلامی حکومت میں کفر کی تبلیغ کی اجازت کیسے دی جائے۔ لیکن اس مسئلہ کو اہمیت کی وجہ سے ذرا زیادہ واضح کرنا لازمی ہے

اسلام اور دوسرے مذاہب

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے جو فلاح دارین کا ضامن ہے ابدی حیات اور اخروی نجات کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دین صرف اسلام ہے جو اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے اس کا کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔

اسلام انسانی اصلاح و فلاح کا ضامن ہے اس سے انحراف ابدی جہنم کا مستحق قرار دیتا ہے جس کا خاتمہ اسلام پر نہ ہوا وہ ابد الآباد دوزخ کا ایندھن بن جائے گا۔

کافر کے لئے دائمی جہنم ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیہا ابدا

دوسری جگہ ارشاد ہے ان الذین کفروا وظلموا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم طریقا الا طریق جہنم خالدین فیہا ابدا

تیسری جگہ ارشاد ہے وما ھم بخارجین من النار

چوتھی جگہ ارشاد ہے ان اللہ لعن الکافرین واعد لھم سعیرا خالدین فیہا ابدا

ان تمام جگہوں میں خالدین کے بعد "ابدا" فرمایا کہ ہمیشہ رہیں گے دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ اس سے نکلیں گے نہیں۔ تمام امت کا یہی عقیدہ ہے۔

کافر کی بخشش نہیں ہو سکتی

استغفر لھم اولا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

اسی طرح کافروں کی بخشش کے لئے دعا مانگنے سے قرآن میں ممانعت وارد ہے بہرحال اسلام سے خارج لوگوں کے لئے جہنم کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ جب دائمی نبوت کا مرکز آنحضرتؐ کا وجود ہے کہ مجدا سے جتنے لوگ آتے ہیں وہیں آتے ہیں۔ جب آپ پر نبوت ختم ہے جب آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری ہدایت نامہ مکمل صورت میں لا کر دنیا کے سامنے پیش کر کے حجت پوری کر دی ہے۔ جب تمام دنیا کے مذاہب تیرہ سو سال سے دلائل کے میدان میں اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ جب کہ اپنی صداقت میں شبہ کرنے والوں کو قرآن پاک نے مقابلہ کا چیلنج دیا ہے جس کو قبول کرنے سے آج تک دنیا عاجز ہے اور جب کہ تمام دنیا کے پاس کوئی قانون نہیں جو انسانی حیات کے تمام شعبوں پر حاوی اور اسے معراج کمال تک پہنچانے کا ضامن ہو۔ جب کہ آج کی اشتراکیت و جمہوریت سرمایہ دارانہ نیز آمریت و شورائیت کی بحثوں میں پھنسی ہوئی دنیا کو کسی بھی نظام میں حقیقی امن حاصل نہیں اور ہر بیس سال کے بعد دنیا میں ان غلط اصولوں کے تصادم سے ایک خطرناک ایکسیڈنٹ ہوا کرتا ہے جس میں کروڑوں بنی نوع انسان ہلاک ہوتے اور ملک پر عام تباہی آتی ہے اور یہ سب اس بات کا نتیجہ ہے کہ وہ تمام انسان ایک خدا کے قانون کے سامنے جھک کر ایک ہی مساویانہ نظام میں

کیوں منسلک نہیں ہوئے جب کہ عنقریب ان کو ہونا پڑے گا۔

ان حالات میں ہر انسان کا انسانی فرض ہے کہ وہ دوسرے ابناء نوع کو اسلام کی دعوت دیکر ان کو ابدی لعنت اور دائمی عذاب سے نجات دینے کی سعی کرے' اپنے ہی نوع سے شفقت و محبت اور انسانی ہمدردی کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر بھی کوشش کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ افراد ذلت و عذاب سے بچ کر اس صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں جس پر چلنے سے دائمی مسرت' ابدی حیات اور نجات حاصل ہوتی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو یہ انسانی بیداری اور ہمدردی کے تقاضوں کے بالکل خلاف ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہزاروں مصیبتیں جھیل کر بھی انسانوں کو اس راہ کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ ارحم الراحمین خدا کے بعد اس کے بندوں سے سب سے زیادہ شفقت انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی ہونا چاہئے کہ اپنے اقتدار سے بندگان خدا کی یہ سب سے بڑی خدمت کی جائے۔ بہرحال تبلیغ کا دارومدار شفقت پر ہوتا ہے اور نوع انسانی کی ہمدردی پر۔

تبلیغ کی اہمیت

اسی بناء پر ارحم الراحمین خدا کا زیادہ حکم بھی یہی ہونا چاہئے کہ جن سے آزمائش بندوں کو راہ نجات کی دعوت دو اور انبیاء علیہم السلام کا کام ہی یہی ہے۔ اور خاتم الانبیاء علیہم السلام نے تو ہر امتی کو حکم دیا کہ دوسروں تک پہنچاؤ۔ اسی لئے اسلام کو تبلیغی مذہب کہتے ہیں پس اسلامی حکومت کا سب سے پہلے یہ کام ہونا چاہئے کہ وہ صحیح اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا انتظام کرے۔

معکوس ترقی

مگر برا ہو آج کل کی معکوس ترقی کا کہ بجائے اس کے نوع انسان سے ہمدردی کے لئے اسلام کی تبلیغ کی جاتی۔ کفر سے نکالنے کی سعی کی جاتی۔ الٹا ملک و حکومت میں یہ بحث ہو رہی ہے کہ غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی اجازت کیوں نہ دی جائے؟ وہ شہری حقوق سے کیوں محروم ہوں؟ یہ شہری آزادی کا علم و تماد مسموم یورپ کی لعنت ہے جس کی آڑ میں مسلمانوں کے مذہب کا تیا پانچا کرنا چاہتے تھے۔ شہری آزادی کا جتنا ضروری حصہ تھا وہ ہم عرض کر آئے ہیں لیکن شہری آزادی کی آڑ میں اشاعت کفر کی اجازت دینا نوع انسان پر ظلم نہیں تو کیا ہے۔

تبلیغ کفر کی اجازت

جو لوگ کفر کی تبلیغ کی اجازت دیتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتے۔ یا تو وہ مذہب اسلام کو ابدی نجات و سعادی حیات کا ذریعہ نہیں سمجھتے ان کا عقیدہ حقانیت اسلام پر نہیں۔ یا وہ انسانیت کے دشمن ہیں کہ بجائے اس کے "تاریکی" سے انسانوں کو نکال کر روشنی میں لانے کی کوشش کی جائے وہ روشنی سے نکال کر تاریکی میں لے جانے کی اجازت دیتے ہیں۔ کیا بنی نوع انسان کی ہمدردی کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ ایک شخص کو جو سیدھے راستے پر جا رہا ہے ورغلا کر ایسے راستہ پر لگا دیا جائے جس پر چل کر وہ کنویں جا گرے اور ہلاک ہو جائے۔

شہری آزادی کے نام سے شیطانی کام

دراصل مغربی جادوگری نے جہاں اور بیسیوں عیبوں کو خوبیوں کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ وہاں شہری آزادی کے نام سے ہر شخص کو ہر مذہب کی تبلیغ اور ہر مذہب اختیار کرنے کا حق دیا ہے۔ اس گمراہی کو مذہبی آزادی' ضمیر کی آزادی اور شہری آزادی کے خوبصورت الفاظ سے ورغلا بنانے کی سعی کی ہے۔ جس کی آڑ میں رضا مندی کی زنا کاری' اسلام سے مرتد ہو جانے اور کفر و الحاد کا پراپیگنڈہ کرنے کی عام اجازت دیکر دین حق سے بغاوت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ہر شخص آزاد ہے کہ قرآن پاک اور حدیث رسول سے مطلب کرے جس آیت کا جو معنی چاہئے کرے۔ جس سے مسلط قوت کو ضرور فائدہ پہنچا۔ مگر مسلمانوں کا شیرازہ خطرہ میں پڑ گیا۔ اور دین حق کے پرستاروں کو ہزاروں مشکلات کا سامنا ہوا۔

پہلا ازالہ

اس فریب خوردگی کا ایک ازالہ یہ ہے جیسا کہ کہا گیا کہ اگر یہ عقیدہ صحیح ہے کہ اسلام کے بغیر نجات ناممکن ہے جیسا کہ تمام مسلمانوں کا ہے تو پھر مسلمان اپنے حدود اختیار و اقتدار میں اس امر کی اجازت کس طرح دے سکتے ہیں کہ بنی نوع انسان کو راہ راست سے ورغلا کر دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے خاص کر مسلمانوں کو۔

دوسرا ازالہ

اس طلسم کو توڑنے کے لئے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر ضمیر و شہری آزادی کی وجہ سے ہر خیال کی اشاعت جائز قرار دی جا سکتی ہے۔ تو پھر امریکہ میں کمیونزم کی اشاعت کیوں ممنوع ہے اگر امریکہ میں کمیونزم کی اشاعت اس لئے ممنوع ہے کہ وہ امریکن جمہوریت' امریکن طرز حکومت یا امریکن سرمایہ داری کے خلاف ہے تو پھر اسلامی حکومت میں اسلامی

اصول اور اسلامی طرز حکومت کے خلاف پروپیگنڈے کی اجازت کس طرح دی جا سکتی ہے؟ حالانکہ امریکن جمہوریت اور روسی اشتراکیت انسان وضع کردہ اصول ہیں۔ اور صرف دنیوی مفاد سے تعلق رکھتے ہیں اور اسلام دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کا ضامن ہے۔

تبلیغ کفر کی اجازت کا ایک اور خطرناک نتیجہ

پھر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اگر کافر کو اپنے کفر کی تبلیغ کی اجازت ہوگی تو لازماً کافر ہو جانے کی بھی اجازت ہوگی۔ جس سے وہ ارتداد کی سزا کا مستحق ہوگا۔ اس طرح ایک ایسے جرم کی اجازت ہوگی۔ جس پر سنگین سزا تجویز کی گئی ہے جو بخاری شریف کی مشہور حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ (جو اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو) اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک قتل ہے۔

پھر مستوجب سزا امر پر ابھارنے کی اجازت دینا کہاں کی عقلمندی ہے اور اگر ارتداد کی بھی اجازت ہو۔ تو پھر حکومت کا اسلامی کہلانا اور قرآن و سنت کے خلاف قانون نہ بنانا ایک مضحکہ خیز بات بن جاتی ہے یعنی سنت کے خلاف قانون نہ بننے دیں گے لیکن یہ قانون بن سکے گا کہ ہر شخص کافر ہو سکتا ہے۔ پھر اسی طرح رئیس مملکت کے مسلمان ہونے کی شرط بھی لغو ہے ممکن ہے ظفر اللہ خان جیسے بزرگوں کی وجہ سے وہ بھی مرتد ہو جائے۔ خاص کر جب کہ ارتداد جرم نہ ہو۔ اگر کہا جائے کہ نہیں چونکہ اکثریت مسلمانوں کی ہے اس کو مسلمان ہی رہنا ہوگا۔ تو پھر قانون کی صحیح تعبیر یوں ہوگی کہ رئیس مملکت جمہور اور اکثریت میں سے ہوگا۔

ایک اور خطرہ

یہ خطرہ بھی ہے کہ تبلیغ کفر کی اجازت ہوگی تو ہو سکتا ہے کہ روپیہ اور دیگر ذرائع کی فراوانی کی وجہ سے اسلام سے نکل نکل کر بیسیوں فرقے اور کافر قومیں بنتی چلی جائیں۔ جن میں باہم نفرت و عداوت ہوگی بلکہ ہر ہر خاندان اور ہر ہر گھر میں اور ہر شہر میں انتشار پیدا ہوگا۔ تو جہاں ایک فیصدی مرزائی آبادی نے اپنی کافرانہ تبلیغ سے اودھم مچا کر پاکستانی اعلیٰ مفاد کو نقصان پہنچایا۔ اگر خدانخواستہ کفر کی تبلیغ سے دس بیس سال میں پچاس فیصدی آبادی مختلف مذاہب میں تبدیل ہو کر مرتد ہو جائے جو علماء اور گمراہ کن وسائل کی موجودگی میں ناممکن نہیں تو پھر ان کے باہمی آویزش کا تصور ہی لرزہ براندام کرنے کے لئے کافی ہے۔ جس سے ملک کو جو نقصان ہوگا وہ اظہر من الشمس ہے۔

مرزائیت کی تبلیغ

مرزا محمود جو غیر مسلموں کو تبلیغ کا حق جائز قرار دیتے ہیں وہ دراصل اپنے لئے راستہ صاف کرنا چاہتے ہیں لیکن جب کہ وہ مرزائی عقیدہ کی وجہ سے تمام عالم اسلام کے نزدیک کافر ہیں بلکہ دوسرے کافروں سے بدتر کافر کیونکہ اسلامی اصول' اولو العزم انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کی توہین کی اتنی جرأت اور اسلامی تعلیمات کی تحریف کی اتنی جسارت آج تک اور کسی کو نہیں ہوئی جو اس فرقہ ضالہ کو ہوئی اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ ختم نبوت ' وحی ' معراج جسمانی ' ابدیت عذاب کفار ' نزول مسیح ' فرضیۂ جہاد ' سوالات نصاریٰ ' نزول جبرائیل ' بشارت احمد کے مصداق ' قرآن کی تفسیر ' مسئلہ بروز ' آنحضرت کی دو بعثتوں ' اور سینکڑوں وغیرہ جیسوں مسائل میں مرزا قادیانی اور اس کی امت عامۃ المسلمین کے عقائد سے مخالف ہے جو وہ قرآن و سنت کے مطابق رکھتے ہیں اور ساتھ ہی مرزائی فرقہ کے ساتھ ظالمانہ جرائم بھی ہیں اور یہ لوگ اس سے زیادہ ناقابل اعتبار ہیں کہ بیس سال کے اپنے مسلمہ عقائد سے یکدم انکار بھی کر دیتے ہیں جیسے عام مسلمانوں کو کافر کہنے سے انکار جو صرف تحریک کے بعد ہی کیا ہے اس سے ان کی منافقانہ پوزیشن بھی سامنے آجاتی ہے۔ ایسے فرقہ کو تبلیغ کی اجازت دینا یہودیوں اور عیسائیوں کی تبلیغ سے زیادہ منحوس اور مضر ہوگا۔ ان کی تبلیغ سے کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ اسلامی لبادہ اوڑھ کر مار آستین کی طرح موجب ہلاک ہوتے اور قوم میں ہزاروں فتنوں کو جگاتے ہیں۔

مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی کی تیار کردہ جرح

کتاب میں آپ کسی دوسرے مقام پر پڑھ چکے ہیں کہ مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب مارشل لاء کے نفاذ تک لاہور میں رہے اور تحریک کی پشت پر رہ کر راہنمائی فرماتے رہے۔ آپ کے متعلق حکومت کی طرف سے گولی مار دینے کا حکم تھا۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد آپ خانقاہ سراجیہ اور وہاں سے پھر بھوال کے دیہات میں رہے۔ ان دنوں منیر کمیشن انکوائری کر رہا تھا۔ اخبارات میں ظفر اللہ خان قادیانی اور مرزا بشیر الدین کے متعلق خبر آئی کہ وہ عدالت میں پیش ہو رہے ہیں۔ آپ نے ان دونوں پر جرح کے لئے سوالات لکھ کر صوفی احمد یار بھوال والوں کی معرفت حکیم عبدالمجید سیفی مرحوم کو لاہور بھجوائے انہوں نے مجلس عمل کے وکیل حضرات کو وہ جرح سپاکی جو یہ ہے۔

ظفر اللہ قادیانی پر جرح

۱۔ کیا کشمیر کی جنگ روکنے کے وقت ۔ یو۔ این۔ او کے ذریعہ ایسا معاہدہ ہوا تھا کہ فیصلہ استصواب رائے سے ہو اور استصواب راجہ کشمیر کی نگرانی میں ہو۔ پاکستانی یا قبائلی افواج کشمیر خالی کر دیں۔ اور ہندوستانی فوج میں بقدر مناسب تخفیف ہو؟

۲۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہو تو دوسرا سوال کریں۔ کیا اس پر آپ کے بھی دستخط تھے۔ یا کیا آپ نے اس کو منظور کر لیا تھا؟

۳۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو پھر سوال کیا جائے کہ آپ نے ہندوستانی افواج کے مکمل تخلیہ پر کوئی زور نہ دیا اور کیوں پاکستان گورنمنٹ کو اس کے بغیر دستخط کرنے کے خلاف یا یہ معاہدہ مان لینے کے خلاف مشورہ نہ دیا اور مہاراجہ کشمیر کی نگرانی کو کیوں قبول کیا؟

۴۔ کیا میجر جنرل نذیر احمد جو لیاقت علی خان مرحوم کے کیس میں سزا پا چکے ہیں بقول تمہارے مرزائی ہیں۔ کیا وہ تمہارے ہم زلف ہیں؟

۵۔ کیا آپ عصمت اللہ (مرزائی) کے مقدمہ قتل کے دوران لائلپور آئے تھے؟

۶۔ کیا آپ کو کراچی میں جہانگیر پارک کے قادیانی جلسہ میں تقریر نہ کرنے یا شریک نہ ہونے کے لئے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اور سردار عبدالرب نشتر نے مشورہ دیا تھا؟

۷۔ کیا خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم کے اعلان کے بعد کہ کوئی سرکاری ملازم یا وزیر فرقہ وارانہ تبلیغ میں حصہ نہ لے۔ آپ نے کوئی بیان دیا تھا کہ تبلیغ جو مذہبی حق ہے کو کسی سے نہیں چھینا جا سکتا؟

۸۔ کیا آپ کے پاس اس طرح کی درخواستیں بھی ملازمت چاہنے والوں کی طرف سے پیش

ہوئی ہیں جن میں درخواست دہندوں نے اپنے دستخطوں کے ساتھ احمدی (مرزائی) لکھا؟

۹۔ کیا آپ نے قادیان اور پھر ربوہ کے سالانہ جلسوں میں شرکت کی ہے؟

۱۰۔ وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کی ممبری اور ریلوے انچارج ہونے کے بعد آپ نے قادیان کے تبلیغ فنڈ میں کتنا چندہ دیا تھا؟ کیا گذشتہ سے پیوستہ سال ربوہ کے مرزائی فنڈ میں آپ نے اور آپ کی فیملی کے بعض زنانہ افراد نے بھی چندہ دیا تھا؟

۱۱۔ کیا اسد اللہ خان آپ کا بھائی ہے؟ کیا یہ مرزائیوں کے جلسوں کی صدارتیں کرتا رہتا ہے؟

۱۲۔ کیا آپ برٹش کامن ویلتھ سے وابستگی اچھی سمجھتے ہیں؟

۱۳۔ کیا برطانیہ سے پاکستان کے سیاسی اور تجارتی تعلقات زیادہ مضبوط اور بہتر ہونے چاہئیں یا امریکہ سے؟ آپ کس کو زیادہ پسند کرتے ہیں؟ اگر کہے کہ دونوں سے، تو پھر اصرار کر کے پوچھنا چاہئے کہ کیا دونوں کے ساتھ بالکل برابر تعلقات ہوں یا ایک سے زیادہ، ایک سے کم؟

۱۴۔ کیا تم نے کبھی یہ تقریر کی تھی کہ پاکستان کو مشرق وسطیٰ کی دفاعی اسکیم میں شریک ہونا چاہئے؟ (اس کا یہ بیان کہ پاکستان اور افغانستان کو دفاعی اسکیم میں شریک ہونا چاہئے اخباروں میں آچکا ہے) اگر وہ کہے کہ ہاں تو پھر یہ سوال کیا جائے

۱۵۔ کیا کسی وقت روس اور امریکہ کی جنگ عظیم شروع ہو جائے تو اس کی لپیٹ میں پاکستان کا آ جانا اور میدان جنگ بن جانا مفید ہے یا غیر جانب دار رہ کر اپنے حالات بہتر بنانے کی کوشش کرنا۔ اگر وہ کہے کہ محل وقوع یا دیگر ضروریات یا حالات کے تحت غیر جانب داری ناممکن ہے تو یہ سوال کیا جائے۔

۱۶۔ کیا گذشتہ جنگ میں ترکی اور افغانستان جیسے ملک غیر جانب دار نہیں رہے؟

۱۷۔ اگر وہ کہے کہ میں نے ایسی تقریر نہیں کی تو پھر پوچھا جائے کہ اچھا آپ کی رائے میں پاکستان کا مشرق وسطیٰ کی دفاعی سکیم میں شریک ہونا مفید ہے یا مضر (اگر وہ مضر بتائے تو امریکہ کی نظروں سے گر جائے گا مفید بتائے تو امریکہ کا ایجنٹ ثابت ہو اور گیہوں کا مسئلہ حل ہو)

۱۸۔ کیا انڈونیشیا کے سفیر نے اردو کا آپ سے استاد مانگا تھا؟ اور آپ نے مہیا کر دیا تھا۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو پوچھا جائے کہ کیا وہ سفیر پھر احمدی ہو گیا تھا یا نہیں اور کیا وہ استاد احمدی تھا؟

۱۹۔ کیا آپ مرزا غلام احمد قادیانی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہتر سمجھتے ہیں، اس کا ان سے درجہ بڑا سمجھتے ہیں؟

۲۰۔ کیا یہ شعر مرزا غلام احمد کے ہیں؟

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

ایک منم کہ حسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجاست تابنہد پا بمنبرم

۲۱۔ کیا تم مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی سمجھتے ہو؟

۲۲۔ جو اس کو دعویٰ نبوت یا دعویٰ مسیحیت میں سچا نہ جانے اس کو تم مسلمان کہتے ہو یا کافر؟

۲۳۔ کیا حقیقت الوحی میں مرزا نے اپنے مخالفین و منکرین کو کافر کہا ہے؟

۲۴۔ کیا آپ نے اور مرزا محمود نے پیرس فرانس میں ایک سینما دیکھا تھا جس میں نیم برہنہ عورتیں ناچتی تھیں اور جن کے بارے میں خلیفہ جی (نام نہاد) نے پوچھا کہ کیا یہ ننگی ہیں اور آپ نے کہا کہ ننگی تو نہیں لیکن لباس ایسا ہے کہ بالکل ننگی ہیں؟

۲۵۔ کیا مرزا محمود کو واجب الاطاعت امیر سمجھتے ہیں؟

۲۶۔ کیا کسی وقت ان کی اور پاکستان کی گورنمنٹ کی وفاداری کا مقابلہ آجائے تو آپ کس کو ترجیح دیں گے؟

۲۷۔ اگر آپ کے ہاتھ میں پاکستان کی حکومت آجائے تو کیا اپنے خلیفہ کی اس پیشین گوئی کو عملی جامہ پہنائیں گے کہ پانچ (مشہور) خونی ملاؤں سے انتقام لیں؟

۲۸۔ کیا ان پانچ نے کوئی مرزائی قتل کیا یا کرایا؟

۲۹۔ تو پھر یہ خونی کیسے ہوئے؟

۳۰۔ دوسرے کی جگہ ان سے انتقام کا کیا معنی؟

۳۱۔ کیا پاکستان کی حکومت تمہارے ہاتھ میں آجائے تو مسلمانوں کو مرزائی بنانے کا کام تیز تر کرو گے کیا مرزائیوں کو کھلم کھلا ایسے تبلیغی جلسے کرنے میں امداد دو گے اگر وہ کہے کہ نہیں تو پھر پوچھا جائے کہ جہانگیر پارک کی حرکت کیا غیر ارادی تھی؟

۳۲۔ کیا تم نے کسی وقت عبدالقیوم وزیر سرحد سے سرحد میں کوئی زمین تبلیغ کی خاطر دینے کے لئے کہا تھا؟

۳۳۔ کیا ایگزیکٹو کونسل کے ممبر ہونے کے وقت ملک کے علماء اور مسلمانوں نے جلسوں کے ذریعہ آپ کی مخالفت کی تھی؟

۳۴۔ کیا مسلمانوں کا کوئی وفد وائسرائے یا گورنر پنجاب کو ملا تھا؟

۳۵۔ کیا امریکہ نے گیہوں خیرات دیا ہے؟

۳۶۔ کیا یہ تمہارے بہنوئی اور تمہارے وزیر خارجہ رہے ظفر اللہ خاں امریکہ نہیں رہ چکا تھا؟

۳۷۔ کیا وہ گندم پاکستانی عوام کو یا حکومت کو دیتے تھے یا تمہاری ذات کو؟

۳۸۔ کیا ختم نبوت کے بارے میں اخبارات کو کچھ لکھنے کی ممانعت ہے؟

۳۹۔ کیا تم ایام مارشل لاء میں لاہور گئے ہو؟

۴۰۔ کتنی بار؟

۴۱۔ مارشل لاء حکام سے کتنی بار ملاقاتیں کیں اور کیا کچھ کہا جنرل اعظم نے ان پر کتنا عمل کیا؟

۴۲۔ کیا محمود کا بیٹا رہا کرایا جو گولی چلانے کے جرم میں ماخوذ تھا؟

۴۳۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی کا تحفہ گولڑویہ میں یہ لکھنا غلط ہے کہ پیغمبر پر قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر یا مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو؟

۴۴۔ کیا مرزا غلام احمد نے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر کہا ہے؟

۴۵۔ کیا یہ کتاب مرزا محمود کی ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ تمام مسلمان کافر ہیں اور غلام احمد اسی طرح نبی ہے جس طرح اور نبی کیا تم ان باتوں کو صحیح سمجھتے ہو؟

۴۶۔ کیا تم نے قائد اعظم کا جنازہ نہیں پڑھا تھا؟

۴۷۔ کیا تم نے آج تک کسی مسلمان کا جنازہ پڑھا ہے؟

مرزا محمود پر جرح

۱۔ وہ کتابیں جن میں مسلمانوں کو کافر بتایا گیا ہے تمہاری ہیں؟

۲۔ کیا وہ تحریریں درست ہیں؟

۳۔ کیا تم نے پیرس میں سینما دیکھا تھا؟

۴۔ کیا اس میں عورتیں کام کر رہی تھیں جو ننگی دکھائی دیتی تھیں؟

۵۔ عبدالرحمن مصری یا فخرالدین ملتانی جس نے ہائی کورٹ میں تمہارے خراب چال چلن کے بارے میں درخواست دی تھی' کے بارے میں پوچھا جائے کہ کیا وہ تمہارے عہدہ دار مرزائی تھے؟

۶۔ کیا مصری نے ہائی کورٹ میں درخواست دی تھی کہ تم نے اس کی اولاد سے بدکاری کی ہے؟

۷۔ کیا تم نے سیشن جج مسٹر کھوسلہ کی عدالت میں تسلیم کیا تھا کہ تمہارا باپ مرزا قادیانی پلومر کی دکان سے شراب منگوایا کرتا تھا؟

۸۔ کیا محمدی بیگم سے مرزا جی کا آسمان پر نکاح ہوا تھا؟

۹۔ کیا وہ نکاح غلطی سے ہو گیا تھا۔ یا مرزا نے طلاق دے دی تھی؟

۱۰۔ کیا وہ مرزا کے نکاح میں آئی؟

۱۱۔ کیا اس کو مرزا جی نے اپنے کذب و صدق جانچنے کا معیار قرار دیا تھا؟

۱۲۔ چوہدری ظفر اللہ خاں نے ربوہ کے سالانہ جلسہ گذشتہ سے پیوستہ سال چندہ دیا تھا؟

۱۳۔ کیا تحریک ختم نبوت سے پہلے تم نے کہیں اعلان کیا ہے کہ مرزا کا منکر کافر نہیں ہے؟

۱۴۔ جو مرزا کو نبوت و مسیحیت کے دعویٰ میں جھوٹا سمجھیں تم ان کو کیا کہتے ہو؟

۱۵۔ لاہوری و قادیانی پارٹی میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟

۱۶۔ کیا تم کافروں کے عذاب ابدی کے قائل ہو (اگر اثبات میں جواب دے) تو مرزا کی تحریر حقیقت الوحی والی بتا کر پوچھا جائے کہ پھر یہ غلط اور قرآن کے خلاف ہے؟

۱۷۔ کیا گذشتہ چند سالوں میں سیالکوٹ میں احمدی جماعت کا کوئی پبلک جلسہ ہوا ہے جو عوام کی گڑبڑ کی وجہ سے حکام نے بند کیا اور جس میں فساد ہوا؟

۱۸۔ کتنے سال ایسا ہوا؟

۱۹۔ کیا گوجرانوالہ میں بھی مرزائی جلسہ میں گڑبڑ اور فساد ہوا؟

۲۰۔ کیا آپ مس رو فوائلی کی حسینہ کو لاہور کے ہوٹل سے چکمہ دے کر قادیان لے گئے تھے؟

۲۱۔ وہ قادیان میں آپ کے پاس کتنے دن رہی؟

۲۲۔ آپ کی والدہ کے والد کیا قادیان میں محکمہ انہار میں ملازم رہے؟

۲۳۔ کیا ان کا گھر مرزا قادیانی کے گھر کے پاس تھا؟

۲۴۔ کیا یہی ہمسائیگی کا قرب آپ کے ماں باپ کے ملاپ کا باعث تو نہیں بن گیا؟

۲۵۔ دہلی کے سادات خاندان سے آخر قادیان کے رشتہ کا جوڑ کیسے ہوا؟

۲۶۔ کیا تمہاری والدہ محترمہ کا اصرار تھا کہ مرزا غلام احمد سے ہی شادی کراؤں گی؟

۲۷۔ کیا کسی عدالت نے قادیان کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ قادیان میں آپ کی حکمرانی تھی۔ قانون معطل تھا اور وہاں دباؤ کی وجہ سے شہادت بھی میسر نہ آسکتی تھی؟

سوالات

۱۔ جو مسلمان مرزا صاحب کو نبی، مسیح، ملہم اور مامور من اللہ نہیں مانتے کیا وہ مومن اور مسلمان ہیں؟

۲۔ جو شخص مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتا کیا وہ کافر ہے؟

۳۔ ایسے کافر ہونے کے دنیا اور آخرت میں کیا نتائج ہیں۔ یعنی اگر غلام احمد کو نبی نہ ماننا کفر ہے تو ایسے کفر کے دنیا اور آخرت میں کیا نتائج ہیں؟

۴۔ کیا مرزا صاحب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اور اسی ذریعہ سے الہام ہوتا ہے؟

۵۔ کیا احمدیہ عقیدہ میں شامل ہے کہ ایسے شخص کا جنازہ جو مرزا صاحب پر یقین نہیں رکھتے ممنوعہ ہے؟

۶۔ کیا احمدی اور غیر احمدی میں شادی جائز ہے؟

۷۔ احمدیہ فرقہ کے نزدیک امیر المومنین کی خصوصیت کیا ہے؟

جناب عالی! بندہ حضور والا کی خدمت میں چند اہم گزارشات پیش کرنا ضروری خیال کرتا ہے۔ جناب والا نے موجودہ انکوائری میں مرزائیت کے متعلق نفس مسئلہ کی بھی تحقیقات کرنا پسند فرمایا ہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ جیسے عالی مرتبت انسان اس طرف توجہ فرمائیں۔ مگر اس میں کمی یہ ہے کہ جن حالات میں تحقیق ہو رہی ہے۔ خدشہ ہے کہ مسئلہ کے تمام گوشے ظہور میں نہیں آسکیں گے کیونکہ بدقسمتی سے ہماری حکومت بھی ایک فریق کی حیثیت اختیار کر گئی ہے جس کی وجہ سے اہل اسلام کو وہ سہولتیں حاصل نہیں ہو سکتیں جو ان کو ہونی چاہئے تھیں اور بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ علماء کرام ایک طرح قابل مواخذہ سمجھے جا رہے ہیں۔ اندریں حالات چونکہ مسئلہ کی تحقیق شروع ہو گئی ہے۔ لہٰذا مودبانہ گزارش ہے کہ جناب والا نے مرزائیوں سے جن سوالوں کا تحریری جواب طلب فرمایا ہے میں نے ان سوالات اور ان کے جوابات کو غور سے پڑھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل سوالات کا جواب سرے سے دیا ہی نہیں گیا۔ اس میں دھوکہ دہی اور تلبیس سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے میں جواب الجواب پیش خدمت کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ قبل اس کے کہ نمبروار جواب عرض کروں چند تمہیدی معروضات پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔

۱۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ہر "مدعی نبوت" کو دجال کذاب کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔ زمانہ طالب علمی میں جب میں نے یہ حدیث پڑھی تو حیرت ہوئی کہ جس نبی کی صفت انک لعلیٰ خلق عظیم ہے اس نے ایسے سخت الفاظ کیوں استعمال کئے لیکن جب میں نے

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین وغیرہ کی کتب پڑھیں اور ان میں کذب بیانی، دھوکہ دہی اور دجل و تلبیس کا مظاہرہ دیکھا تو سمجھا خیال آیا کہ حضور علیہ السلام نے گویا مرزا غلام احمد قادیانی کو دیکھ کر اظہار حقیقت کے لئے "دجال" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (اس کے دجل کی مثالیں طوالت کلام کے خوف سے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا)۔

۲۔ "کلام" میں اصل مقصود الفاظ نہیں ہوتے بلکہ مفہوم کلام ہوتا ہے۔ اگر کوئی قاصد متکلم کے کلام کے الفاظ بدل دے اور مفہوم کلام کو باقی رکھے تو قاصد کذاب اور خائن تصور نہیں ہوتا نہ اس سے نظام عالم تباہ و برباد ہوتا ہے۔ لیکن اگر کلام کا مفہوم بدل دیا جائے تو نہ شریعت باقی رہتی ہے نہ دین نہ نظام سلطنت قائم رہ سکتا ہے اور نہ سیاست مدن۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد نے بھی نصوص کے الفاظ باقی رکھے مگر مفہوم بدل دیا۔ ایسے انسان کو شروع میں زندیق کہا جاتا ہے۔ زندیق کا کفر کفر معاند کے کفر سے بھی زیادہ شدید سمجھا جاتا ہے۔

۳۔ "قرآن پاک" کی تعریف کتب اصول میں اس طرح کی گئی ہے ھو اسم للنظم والمعنی جمیعًا یعنی قرآن الفاظ اور معانی کے مجموعہ کا نام ہے یعنی جیسے کہ الفاظ کا انکار کفر ہے ایسے ہی معانی (متواترہ) کا انکار بھی کفر ہے۔ یعنی نصوص دین کے الفاظ کو تسلیم کرنا اور مفہوم متواتر کو بدل دینا صریح کفر ہے۔ اگر کوئی شخص اقیموا الصلوٰۃ کا اقرار کرے اور اس کا مفہوم قبلی پریڈ مراد لے یا زکوٰۃ کی فرضیت کو تسلیم کرے مگر اس سے بدن کی صفائی مراد لے یا فرضیت جہاد کو مانے مگر اس سے صرف ترک لذات مراد لے اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تو مانے مگر بجائے آخری نبی مراد لینے اور آئندہ دروازہ نبوت بند ہوجانے کے اجراء نبوت اور تسلسل نبوت اس سے مراد لے کر خاتم النبیین کے اصل مفہوم متواتر کا انکار کر دے۔ الغرض اس طرح کسی قانون کا منشا بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ اسلامی قانون میں یہ شخص زندیق کہلاتا ہے اور کفر معاند سے بھی زیادہ خطرناک تصور کیا جاتا ہے۔

۴۔ مرزا غلام احمد نے نہ صرف آیت خاتم النبیین کا مفہوم بدل دیا بلکہ قرآن کریم کی بہت سی آیات بدل کر اپنے پر چسپاں کیں مثلاً

(۱) قرآن پاک کی آیت ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ میں مرزا غلام احمد نے بدر سے مراد مقام بدر کے بجائے چودھویں صدی مراد لی ہے اور اس آیت میں اپنے (غلام احمد) آنے کا ذکر مراد لیا ہے۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۶، ۲) (ب) واتخذوا من مقام ابراہیم مصلّٰی سے مراد مرزا صاحب نے اپنا نام مراد لیا ہے اور کہا ابراہیم سے بھی میں ہی مقصود ہوں۔ اربعین ص ۷۰ (ج) یاآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ میں مرزا غلام احمد نے کہا کہ یہ آیت بھی

میرے لئے نازل ہوئی ہے آدم سے غلام احمد اور جنت سے مراد میری بیوی جنت بیگم ہے۔
(تریاق القلوب ص ۲۱۹)

الغرض مرزا غلام احمد نے قرآن پاک کی آیات کو بدل کر ان کا مفہوم مسخ کر کے خدا کی مقدس کتاب کا وہ حلیہ بگاڑا ہے کہ اسلام کی روح کانپ اٹھی۔

۵۔ ایک شخص کی نسبت ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے دعویٰ نبوت میں کاذب ہے پھر ہم کیوں نہ سمجھیں کہ وہ ضرورت کے لئے اور بھی جھوٹ بول لیتا ہوگا۔ اسی لئے تو حضور علیہ السلام نے ایسے لوگوں کی نسبت کذاب کا لفظ فرمایا ہے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد کی اکثر کتابیں جھوٹ اور کذب کے مواد سے بھری پڑی ہیں۔ یہاں مجھے صرف ایک بات کی طرف توجہ دلانا ہے کہ مرزا غلام احمد کو جب بھی محسوس ہوا کہ اس کے دعویٰ نبوت سے لوگ مشتعل ہو رہے ہیں تو اس نے دعویٰ نبوت سے اس طرح انکار کر دیا گویا یہ دعویٰ اس پر ایک الزام ہے۔ پھر شرعی اور غیر شرعی کی تقسیم سے بھی انحراف کر لیا۔ اس کے ثبوت کے لئے جامع مسجد دہلی کی تقریر اور مباحثہ لاہور مابین غلام احمد و مولوی عبدالحکیم کے راضی نامہ کی عبارت منجانب غلام احمد کافی ہے "سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے جس حالت میں ابتدا سے میری نیت میں۔ جس کو اللہ جل شانہ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدث مراد ہے" (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۹۵)۔

اس ضمن میں صدر انجمن ربوہ کے جواب سوال نمبر ۵ کے تحت ایک حوالہ قابل غور ہے:

اسی طرح ۱۹۰۱ء (تحقیقاتی کمیشن کے سات سوالوں کا جواب ص ۱۵) میں مولانا عبدالاحد خانپوری لکھتے ہیں .... "نہایت تنگ ہو کر مرزا قادیان سے اجازت مانگی کہ مسجد نئی تیار کر لیں تب مرزا نے ان کو کہا کہ صبر کرو میں صلح کرتا ہوں اگر صلح ہو گئی ......"

یہاں یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ جب کسی نبی پر اس کے دعویٰ نبوت کی وجہ سے مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو کیا کسی نبی نے مخالفین سے بھی صلح کی کوشش کی؟ صلح میں دو چیزیں ہوتی ہیں اخذ اور عطا یعنی کچھ لینا اور کچھ دینا کیا کوئی نبی اپنے دعویٰ میں ایسی لچک کر سکتا ہے جس وجہ سے صلح ہو جائے!

مرزا غلام احمد نے در اصل ایسے موقع پر دعویٰ نبوت سے انکار کر کے عوام کی مخالفت کو کم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ عبداللہ عرب ایک قادیانی نے بغداد جا کر رہائش اختیار کی اس کی نسبت وہاں کی حکومت نے تفتیش شروع کی اس نے اپنے باپ اور بھائی کا نام غلط لکھایا (یہ قادیانی غالباً وہاں جاسوسی کے لئے گیا ہو گا۔ جیسے قادیانی بیرونی ممالک میں تبلیغ کے پردے میں برطانوی جاسوسی کا کام سرانجام دیتے رہے ہیں)۔

اس قادیانی کے کاغذات برائے تصدیق قادیان آئے۔ عبداللہ عرب نے اپنے باپ کا نام نور الدین اور بھائی کا نام محمد صادق لکھایا تھا۔ اس پر مرزا غلام احمد نے کہا کہ چونکہ وہ احمدی ہے اس لئے اس سے متعلق کاغذات کی تصدیق کرا دینی چاہئے۔ عبداللہ عرب نے چونکہ نور الدین سے طب پڑھی ہے اس لئے وہ اس کا باپ ہوا اور احمدی چونکہ آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا محمد صادق اس کا بھائی ہوا چنانچہ اس طرح ان کاغذات کی جھوٹی تصدیق کرائی گئی۔ (واقعہ مندرجہ کتاب ذکر حبیب مؤلفہ محمد صادق قادیانی ص ۲۱)

دوسرا واقعہ: ضلع لائلپور میں ایک قادیانی الیکشن میں امیدوار تھا۔ علاقہ کے لوگوں نے اس کے مرزائی ہونے کی وجہ سے اس کی مخالفت کی جب اسے اپنی ناکامی نظر آنے لگی تو اس نے بھرے مجمع میں کہا کہ میں مرزائی نہیں ہوں اور کہا کہ مرزا کے متعلق میری یہ رائے ہے یعنی اس کو کافر سمجھتا ہوں لوگوں نے اس کی باتوں کا یقین کر کے اسے ووٹ دے دیئے جب وہ کامیاب ہو گیا تو پھر احمدی کہلانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے جب اس سے سوال کیا کہ تو نے جھوٹ کیوں بولا تھا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے مرزائی ہونے سے انکار کیا تھا احمدی ہونے سے تو انکار نہیں کیا تھا جب اس سے دریافت کیا گیا کہ مرزا صاحب کے متعلق جو الفاظ کہے تھے ان سے مراد؟ جواب میں کہا تو یہ میں نے حضرت صاحب کے متعلق کب کہا تھا؟ مرزا سے میری مراد تو "مرزا صاحباں" والے سے تھی۔

ملت جلد! ان جوابات میں یہی طریق اختیار کیا گیا ہے۔ اصل سوالات کا صحیح جواب نہیں دیا گیا ہے ہر سوال کے جواب میں دجل و تلبیس سے کام لیا گیا ہے!

اب میں نمبروار جواب الجواب عرض کرتا ہوں صدر انجمن ربوہ کے جواب کی عبارت کو "مرزائیوں کا جواب" اور اپنے جواب کو "ہمارا جواب" عرض کر کے عرض کروں گا۔

سوال انکوائری رپورٹ نمبر ۱

جو مسلمان مرزا صاحب کو نبی، مسیح، ملہم اور مامور من اللہ نہیں مانتے کیا وہ مومن اور مسلمان ہیں؟

مرزائیوں کا جواب:

مسلم نام امت محمدیہ کے افراد کا ہے   ایمان دراصل اس روحانی اور قلبی کیفیت کا نام ہے جس کو دوسرا نہیں جان سکتا خدا تعالیٰ ہی اس سے واقف ہوتا ہے۔ باقی رہا مومن سو کسی کو مومن قرار دینا اصل خدا تعالیٰ کا کام ہے۔

ہمارا جواب:

اس جواب میں مومن کی نسبت یہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی کو مومن ہونے کا علم نہیں۔ یہ تحریر کر کے اپنا عقیدہ چھپا لیا ہے اسی کا نام دجل ہے حالانکہ اگر کوئی شخص دل سے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کو نہ مانے تو وہ مسلمان بھی نہیں ہو سکتا۔ جیسے منافق۔ گویا نماز وغیرہ پڑھنے کے باوجود ہم اسے مسلمان نہیں کہہ سکتے کیونکہ دل کا حال معلوم نہیں۔ اگر زبان کے اقرار سے شرعی حکم لگائیں گے تو مومن پر بھی حکم لگایا جا سکتا ہے جبکہ اس کے الفاظ اس قلبی کیفیت اور یقین کا پتہ دیں جو مومن کے لئے ضروری ہے۔ یہاں یہ کہہ کر جواب سے گریز کرنا کہ۔ مومن کہنا صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے صحیح نہیں ہے۔

بہاولپور کے مشہور مقدمہ تنسیخ نکاح میں، جو انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی حیثیت رکھتا تھا اور جس میں قادیانی جماعت نے بطور پارٹی حصہ لیا تھا، اس میں مومن کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ فرشتوں۔ کتابوں۔ رسولوں پر بعث بعد موت اور تقدیر پر یقین رکھے (فیصلہ مقدمہ ص ۴۶)

گویا ایمان قلبی کیفیت کا نام نہیں قلبی تصدیق کا نام ہے جس کی زبان ترجمانی کرتی ہے کہ آمنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت (یعنی کہ ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر!)

۳۔ مسلم امت کے افراد کا نام بتایا گیا ہے اگر مسلم انسان کا مذہبی وصف نہیں بلکہ صرف نام ہے تو "نام" سے واقعی کوئی شخص محروم نہیں کیا جا سکتا جیسے صالح محمد یا کوئی شخص نماز ترک کرے اور علم الدین جہالت کی وجہ سے اور روشن دین اندھا ہونے سے اپنے ان ناموں سے محروم نہیں کئے جا سکتے لیکن اگر نام نہیں بلکہ ایک مذہبی وصف ہے تو جس طرح ہندو سکھ ہونے کے بعد ہندو نہیں رہتا۔ عیسائی اسلام قبول کرنے کے بعد عیسائی نہیں رہتا۔ پارسی یہودی ہونے کے بعد پارسی نہیں کہلاتا ٹھیک اسی طرح مسلمان حضور کے بعد کسی دوسرے نبی کا اقرار کرنے کے بعد مسلمان نہیں رہتا۔ الغرض جس نبی و رسول کا ماننا کسی مذہب میں ضروری ہے اس کے انکار کے بعد

وہ شخص یقیناً مذہبی وصف سے محروم سمجھا جائے گا۔ اب اگر مسلمان ہونے کے لئے مرزا غلام احمد کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہے تو خلیفہ صاحب کا سیدھا جواب یہ تھا کہ "ہمارے نزدیک مرزا غلام احمد کی نبوت کے منکر مسلمان نہیں ہیں۔" گویا انجمن احمدیہ کی طرف سے اس پہلو کا بھی جواب نہیں دیا گیا۔

۴۔ مرزائیوں کا جواب:

مندرجہ بالا تشریح کے مطابق ... اس نام سے (مسلم) محروم نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس تشریح کے مطابق اور قرآن کریم کی آیت ھو سمّٰکم المسلمین کے تحت کسی شخص کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو نہ ماننے کی وجہ سے غیر مسلم نہیں کہا جا سکتا۔ (قادیانی جواب ص ۲)

ہمارا جواب:

یہ جواب کہ مندرجہ بالا تشریح کی روشنی میں مرزا صاحب کو نہ ماننے والے کو مسلم کے نام سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً اگر مسلم کسی کا نام قرار دیا جائے تو جواب درست ہے، اور تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر اسے مذہبی وصف قرار دیا جائے جیسا کہ عدالت کا منشا ہے تو پھر ان کا کیا عقیدہ ہے اس کا جواب ندارد۔ جواب میں اپنا عقیدہ بیان کرنے کی بجائے پہلے ایک غلط تشریح بیان کر دی پھر اس کی روشنی میں جواب دے دیا۔ عقیدہ بھی نہ بدلا اور جواب بھی تحریر کر دیا

رات سے پی اور صبح کو توبہ کر لی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

مرزائیوں کا جواب:

ممکن ہے کہ ہماری سابقہ تحریرات سے غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

ہمارا جواب:

غلام احمد سے لے کر ایک ادنیٰ قادیانی تک دنیا کے ۷۵ کروڑ مسلمانوں کو خارج از اسلام اور کافر کہتے آئے ہیں۔ مرزائیوں کو خطرہ تھا کہ آج اگر عدالت میں صاف اقرار کر لیا تو ساری دنیا پر کھل جائے گا کہ مرزائی مسلمان نہیں اس لئے اصل سوال کا جواب گول کر دیا۔ اس سوال کا جواب دینا کہ وہ الفاظ ہماری مخصوص اصطلاحات ہیں اور وہ عبارتیں احمدیوں کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں۔ یہ صریح کذب ہے۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

حالانکہ ان عبارتوں میں صریحاً مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے۔

۲۔ کوئی شخص دین اور دنیاوی اصطلاحات اپنی طرف سے وضع کرے اور ان کے مطابق معاملات کرنا چاہے اور کسی تنازعہ کے وقت یہ کہہ دے کہ یہ میری ذاتی اصطلاحات ہیں کیا دنیاوی عدالت اس کی ان باتوں کو تسلیم کرے گی۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں آج نماز ادا نہ کروں تو میری بیوی کو تین طلاق اور پھر اس نے نماز ادا بھی نہ کی۔ اس کی بیوی نے مطلقہ ہو جانے کا دعویٰ کر دیا جب اس شخص سے دریافت کیا جائے تو وہ جواب دے کہ میری اصطلاح میں نماز خوشی پڑھ کر کہتے ہیں اور میں آج پریڈ میں شامل ہوا تھا۔ کیا دنیا کی کوئی عدالت اس جواب کو تسلیم کرے گی؟

مرزائیوں کا جواب:

بانی سلسلہ احمدیہ کو نہ ماننے والا مسلمان ہی کہلائے گا۔

مسلمان را مسلمان باز کردند

بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتابوں میں مسلمان کہہ کر خطاب کیا ہے پھر اسی طرح موجودہ امیر جماعت احمدیہ بھی ان کو مسلمان کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔

ہمارا جواب:

اگر مسلمان کے لفظ سے مراد مذہبی صفت نہیں بلکہ یہ قوم کا نام ہو گیا ہے تو یہ کس طرح دلیل بن سکتی ہے کہ قادیانی حضرات مرزا غلام احمد کو نبی نہ ماننے والے لوگوں کو بھی مسلمان سمجھتے ہیں۔ در اصل غیر احمدی کو مرزائی جب مسلمان کہتے ہیں تو ان کے ہاں وہ شخص مراد ہوتا ہے جو مسلمان کہلاتا ہے نہ کہ جو فی الحقیقت مسلمان ہے اس کے ثبوت میں آئندہ حوالہ جات درج کئے جائیں گے۔

نوٹ: چونکہ کسی شخص کو عقیدہ غیر کافر یا مسلمان کہنا دونوں ہم معنی ہیں اس لئے یہ عبارات قادیانی حضرات کے سوال نمبر ۱ کے جواب کی تردید میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ سوال نمبر ۲ کے جواب کی تنقید کے بعد عرض کروں گا۔

سوال نمبر ۲: کیا ایسا شخص کافر ہے۔

نوٹ: گویا عدالت کی طرف سے سوال یہ ہوا کہ سوال نمبر ۱ کے مطابق جو شخص مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتا کیا وہ کافر ہے؟

مرزائیوں کا جواب:

کافر کے معنی عربی زبان میں نہ ماننے والے کے ہیں۔ پس جو شخص کسی چیز کو نہیں مانتا اس

کے لئے عربی زبان میں کفر کا لفظ استعمال ہو گا۔

ہمارا جواب:

سوال دراصل دینی اور شرعی اصطلاح کا ہے۔ سوال سے لغوی معنی خارج ہیں لغت کے اعتبار سے تو بعض جگہ کفر کرنا لازمی ہوتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے ولقد امروا ان یکفروا به اس کا نام خلط بحث ہے کہ کافر بھی کہہ دیا جائے اور مورد اعتراض بھی نہ ہونے پائے۔ اس وقت ایسی بات کہہ دی جائے کہ بعد میں اس کی تاویل ہو سکے اور اعلان کر دیا جائے کہ ہم نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم تو کافر سمجھتے ہیں۔

مرزائیوں کا جواب:

ہمارے نزدیک آنحضرت صلعم کے بعد کسی مامور من اللہ کے انکار کے ہرگز یہ معنی نہ ہوں گے کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو کر امت محمدیہ سے خارج ہیں یا یہ کہ مسلمانوں کے معاشرہ سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔

ہمارا جواب:

اس جواب میں مرزائیوں نے جو دجل کیا ہے شاید آج تک کسی نے ایسا نہ کیا ہو۔ سوال تو یہ تھا کہ کیا غلام احمد کو نبی (مامور من اللہ) نہ ماننے والا شرعاً کافر ہے؟ یا نہیں؟ انہوں نے اس کا تو جواب نہ دیا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ کسی مامور من اللہ کے انکار کے یہ معنی نہیں کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کا منکر ہو کر امت محمدیہ سے خارج ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ مرزا غلام احمد تمہارے نزدیک امت محمدیہ کے لئے نبی رسول اور مامور من اللہ ہیں یا نہیں اور اس مامور من اللہ کا انکار امت محمدیہ سے خروج کا سبب ہو گا یا نہیں؟ اس کا جواب ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ سوال اسی پہلو کی بنا پر تھا۔

۲۔ سوال میں درج ہے کہ کیا ایسا شخص کافر ہے جواب دیا کہ امت محمدیہ سے خارج نہیں جواب میں صاف صاف اور واضح الفاظ میں کیوں نہ کہہ دیا کہ جو شخص مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتا ہے وہ کافر نہیں ہے۔ بات صاف ہو جاتی اور ابہام دور ہو جاتا۔

ایسا کیوں نہ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ ایسا شخص نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے (کلمۃ الفصل ص ۱۱۱ مولفہ مرزا بشیر احمد ایم اے)

مگر آج یہ عقیدہ قادیانی ظاہر نہیں کریں گے تاکہ ان کے غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مطالبہ درست تسلیم نہ کیا جائے۔ اگر مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جانے کا مطالبہ درست تسلیم کر لیا

جائے تو مرزائیت ختم ہو جائے گی۔ جواب میں ایک وجل تو وہ کیا جو نمبر ا میں درج کیا جا چکا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ سوال کے جواب میں کافر ہونا یا نہ ہونا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس کی جگہ امت محمدیہ سے خارج ہونا ذکر کیا ہے۔ ایسا کیوں کیا؟ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ امت کی دو قسمیں ہیں ایک امت اجابت اور دوسری امت دعوت حضور علیہ السلام کے تشریف لانے کے بعد قیامت تک تمام بنی نوع انسان۔ اہل اسلام، مشرک۔ ہندو۔ سکھ۔ عیسائی۔ یہودی، پارسی سب حضور علیہ السلام کی امت دعوت ہیں اب ان کا یہ کہنا کہ امت محمدیہ سے خارج نہیں۔ دراصل مراد امت دعوت ہے تو اس طرح قادیانیوں نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی بھی نہ کی اور انگریزی کورٹ کے سامنے اپنے اصل عقیدہ کا اظہار بھی نہ ہونے دیا۔ مرزائیوں نے یہاں مرزا غلام احمد کی ایک عبارت کا حوالہ بھی دیا ہے کہ "ایک کفر یہ ہے کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر ہے کہ مثلاً مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کو ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسولؐ نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹)

ہمارا جواب:

یہاں اس عبارت کو نقل کرنے کا مقصد ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ عبارت کو بلا تبصرہ اور بلا استدلال چھوڑ کر دوسری بات شروع کی دی ہے۔ عالی مرتبت جج صاحبان کو اس طرف خصوصی توجہ فرمانی چاہئے کہ قادیانیوں نے تکفیر کے عقیدہ کا ذکر اشارۃً کر دیا ہے مگر اس کی کوئی تصریح نہیں کی تاکہ آئندہ یہ کہا جا سکے کہ ہم نے تو مرزا صاحب کے منکر کی تکفیر کر دی تھی۔

سوال کے اصل اور صحیح جواب کے لئے ضروری تھا کہ واضح الفاظ میں اس طرح کہا جاتا کہ جناب مرزا غلام احمد کو جو شخص نبی، مسیح، ملہم اور مامور من اللہ نہیں مانتا وہ کافر ہے۔

۱۔ مرزا غلام احمد کا منکر اور اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ایک جیسے کافر ہیں۔

۲۔ غلام احمد کے منکر اس لئے کافر ہیں کہ اس کے انکار سے خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار لازم آتا ہے اور غلام احمد کے منکر اس لئے کافر ہیں کہ انہوں نے غلام احمد کو کافر کہا اور وہ کفر بموجب حدیث مسلمانوں پر واپس لوٹ آیا۔ یہ کہنا بھی غلط ثابت ہوا کہ چونکہ غلام احمد کو مسلمانوں نے پہلے کافر کہا تھا اس لئے اس کے جواب میں ایسے لوگوں کو کافر کہا گیا ہے۔ مولوی اللہ دتہ جبلی نے مرزا غلام احمد کے انکار کرنے والے کے کفر پر حقیقۃ الوحی ص ۱۶۴

کی مذکورہ بالا عبارت سے استدلال کیا ہے (روئیداد مناظرہ راولپنڈی ص ۲۳ و ص ۱۵)

۳۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اگر کسی شخص نے غلام احمد کو کافر کہا یا بعض لوگ آپس میں ایک دوسرے کو کافر کہیں تو ان کا یہ کفر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سبب سے ہوگا۔ اور غلام احمد اور اس کی جماعت نے جس کو کافر کہا وہ کفر غلام احمد کی نبوت کا باعث ہوگا۔

۴۔ مذکورہ سوالات پر تنقید کے بعد میں مرزا غلام احمد اور اس کی جماعت کے متعدد افراد کی ایسی عبارتیں نقل کرتا ہوں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ ان کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ دنیا کے ۷۵ کروڑ مسلمان جو مرزا غلام احمد کو نبی، مامور من اللہ اور مسیح موعود نہیں مانتے اور اس کو اپنے دعاوی میں سچا نہیں جانتے وہ مسلمان نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

یہاں سب سے پہلے ایک ایسی عبارت درج کی جاتی ہے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ مرزائیوں نے مسلمانوں کے متعلق اپنی تحریرات میں جہاں کہیں مسلمان کا لفظ من اللہ نہیں مانا وہ کافر نہیں ہے یا وہ کافر ہے دونوں باتوں کو قطعی صورت میں ظاہر کیا جاتا تاکہ ابہام دور ہو جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

۵۔ مرزا غلام احمد نے اپنے نہ ماننے والوں کو جس عبارت میں کافر کہا ہے اس عبارت کو بھی پوری طرح نقل نہیں کیا گیا۔ اس میں بھی دجل و فریب سے کام لیا گیا ہے پوری عبارت یوں ہے۔

"کفر دو قسم پر ہے ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلعم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود تمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید فرمائی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے۔ کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹)

حقیقۃ الوحی کی مذکورہ بالا عبارت میں مرزا غلام احمد نے حسب ذیل باتیں بیان کی ہیں:

۱۔ مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کو ماننے اور سچا جاننے کی خدا تعالیٰ اور رسول کریم نے تاکید فرمائی۔

۲۔ اس لئے جو شخص غلام احمد کو مسیح موعود نہیں مانتا وہ دراصل خدا تعالیٰ اور رسول کریم کو نہیں مانتا لہٰذا ثابت ہوا کہ جو مسیح موعود (غلام احمد) کو نہیں مانتا وہ کافر ہے۔

۳۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔

جناب عالی: مذکورہ بالا عبارت سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ ان کی مراد یہ نہیں کہ وہ غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں بلکہ وہ مسلمان کا لفظ اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ مسلمان ایک قوم کا نام ہو گیا ہے لہٰذا اب ہندو، عیسائی اور یہودی سے تمیز کرنے کے لئے مسلمان کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

چند عبارات مندرجہ ذیل ہیں:۔

مسلمان مسلمان نہیں:

چوں دور خسروی آغاز کردند   مسلمان را مسلمان باز کردند

اس الہامی شعر میں اللہ نے مسئلہ کفر و اسلام کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس میں خدا نے غیر احمدیوں کو مسلمان بھی کہا ہے اور پھر ان کے اسلام کا انکار بھی کیا ہے مسلمان تو اس لئے کہا ہے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور جب تک یہ لفظ استعمال نہ کیا جائے تو لوگوں کو پتہ نہیں چلتا کون مراد ہے مگر ان کے اسلام کا اس لئے انکار کیا گیا ہے کہ اب وہ خدا کے نزدیک مسلمان نہیں ہیں بلکہ ضرورت ہے کہ پھر ان کو نئے سرے سے مسلمان کیا جائے۔ (کلمۃ الفصل مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی مندرجہ ریویو آف ریلیجنز ص ۱۴۳ نمبر ۳ جلد ۱۴)

۲۔ مسلمان کا لفظ:

"اس جگہ ایک شبہ بھی پڑتا ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) اپنے منکروں کو حسب حکم الہامی اسلام سے خارج سمجھتے تھے تو آپ نے ان کے لئے اپنی بعض آخری کتابوں میں مسلمان کا لفظ کیوں استعمال فرمایا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ .... کیا قرآن شریف میں عیسیٰ کی طرف منسوب ہونے والی قوم کو نصاریٰ کے نام سے یاد نہیں کیا گیا۔ ضرور کیا گیا اور بہت دفعہ کیا گیا۔ مگر وہاں معترض نے اعتراض نہ کیا۔ جب وہ عیسیٰ کی تعلیم سے دور جا پڑے ہیں تو ان کو نصاریٰ کیوں کہا جاتا ہے؟ پھر یہاں اب یہ اعتراض کیسا؟

اصل میں بات یہ ہے کہ عرف عام کی وجہ سے ایک نام کو اختیار کرنا پڑتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ چیز اسم با مسمّٰی ہو گئی ہے۔ مثلاً دیکھو اگر ایک شخص سراج دین نامی مسلمان سے عیسائی ہو جائے تو اسے پھر بھی سراج دین ہی کہیں گے۔ حالانکہ عیسائی ہونے کی وجہ سے وہ اب سراج دین نہیں رہا۔ بلکہ کچھ اور بن گیا ہے لیکن عرف عام کی وجہ سے اس نام سے پکارا

جائے گا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کو بھی بعض اوقات اس بات کا خیال آیا کہ کہیں میری تحریروں میں غیر احمدیوں کے متعلق مسلمان کا لفظ دیکھ کر لوگ دھوکہ نہ کھا جائیں اس لئے آپ نے کہیں کہیں بطور ازالہ کے غیر احمدیوں کے متعلق ایسے الفاظ بھی لکھ دیئے ہیں کہ "وہ لوگ جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔" جہاں کہیں بھی مسلمان کا لفظ ہو اسے مدعی اسلام سمجھا جائے نہ کہ حقیقی مسلمان ...... پس یہ ایک یقینی بات ہے کہ (مرزا صاحب) نے جہاں کہیں بھی غیر احمدی کو مسلمان کہہ کر پکارا ہے وہاں صرف یہ مطلب ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ورنہ حسب حکم الٰہی اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھتے تھے۔" (کلمۃ الفصل مصنفہ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد قادیانی مندرجہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز ص ۱۲۶ - ۱۲۷ جلد ۱۴ نمبر ۳)

۳۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم جہاں غیر احمدیوں کے لئے "مسلمان" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس سے مراد حسب پیش گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی اور رسمی ہوتی ہے کیونکہ آخر وہ نہ تو ہندو ہیں اور نہ عیسائی اور نہ بدھ کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ قرآن شریف پر عمل کے مدعی ضرور ہیں کہ ہم انہیں اس نام سے پکاریں جس کا وہ اپنے آپ کو مستحق سمجھتے ہیں۔ یہودیوں کے لئے الذین ھادوا قرآن مجید میں آتا ہے اور عیسائیوں کے لئے انصار اللہ اور بعض اوقات عیسائی اور موسوی بھی کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ نہ وہ ہدایت یافتہ نہ وہ حضرت عیسیٰ و موسیٰ کے مسیحی۔ پس مسلمان کا لفظ بلحاظ قوم ہے شرعی فتویٰ کسی نبی کے انکار سے لازم آتا ہے۔ وہ اور بات ہے۔ (اخبار الفضل قادیان۔ جلد ۱۲ نمبر ۲۵ مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۲۵ء)

نوٹ:۔ مرزا غلام احمد کو سچا نہ ماننے والوں کی تکفیر پر مولوی اللہ دتہ صاحب مشہور قادیانی مبلغ نے جو راولپنڈی کے مناظرہ میں قادیانی جماعت کے نمائندہ تھے۔ غلام احمد کے چار الہام ایسے پیش کئے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مرزا غلام احمد کو نہ ماننے والوں کو کافر کہا ہے۔

ا۔ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ۔
ب۔ قل جاءکم نور من اللہ فلا تکفروا ان کنتم مومنین ۰
ج۔ قل یا ایھا الکفار انی من الصادقین
د۔ ویقول الذین کفروا لست مرسلا ۰

(مباحثہ راولپنڈی ص ۲۴۰)

"اس جگہ دائرہ اسلام کے متعلق یاد رکھنا چاہئے ایک دائرہ اسلام حقیقی ہے اور ایک دائرہ اسلام رسمی۔ پس حضرت مسیح موعود کے منکر حقیقی دائرہ اسلام سے خارج ہوں گے نہ کہ رسمی

دائرہ اسلام سے۔ اس لئے ہم ان کو مسلمان کے نام سے یاد کرتے ہیں اور کریں گے کیونکہ وہ خود
اسلام کے دعویدار ہیں۔" (مباحثہ راولپنڈی ص ۲۳۰)

مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی ہے کہ مرزائی جب مسلمانوں کو مسلمان کہہ کر پکارتے ہیں تو ان کی مراد صرف رسمی مسلمان ہوتے ہیں۔

مرزائیوں کا جواب:

یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اس قسم کے فتووں میں بھی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ یا آپ کی جماعت کی طرف سے ابتداء نہیں ہوئی۔

ہمارا جواب:

قادیانی گروہ نے یہاں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انہوں نے دنیائے اسلام کو جوابی طور پر کافر کہا ہے۔ کافر کہنے کی ابتداء ان کی طرف سے نہیں ہوئی علاوہ ازیں انہوں نے ایک حدیث سے یہ ثابت کرنے کی سعی حاصل کی ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کو کافر کہے اور دوسرا کفر کا مستحق نہ ہو تو وہی کفر اس کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔ قادیانیوں کا یہ استدلال مندرجہ وجوہ کی بناء پر درست نہیں سمجھا جا سکتا۔

الف۔ اگر واقعی مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی امت نے مسلمانان عالم کو غیر مسلم یا کافر صرف اس لئے کہا ہے کہ بعض علماء نے غلام احمد پر کفر کا فتویٰ دیا تھا تو جواب میں صرف اسی شخص کو کافر کہنا چاہئے تھا جس نے مرزا غلام احمد کو کافر کہا نہ کہ دنیا کے چالیس کروڑ مسلمانوں کو اور ساتھ ہی کفر کی وجہ یہ بتانی چاہئے تھی کہ چونکہ غیر احمدی ایک شخص کو ناحق کفر کا الزام دینے کی وجہ سے کافر ہو گئے ہیں لہٰذا ہم ان کو کافر کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا نقل شدہ عبارتوں میں اس امر کی تصریح ہے کہ قادیانیوں نے تمام مسلمانوں کو بالعموم کافر کہا ہے نہ کہ ان کی تکفیر کرنے والوں کو نیز مسلمانوں کی تکفیر کے سبب میں انہوں نے کسی جگہ بھی جوابی کفر کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ غلام احمد کی نبوت دعوت۔ ماموریت کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر کہا ہے۔ (از راہ کرم مذکورہ بالا حوالہ جات میں سے بالخصوص حوالہ نمبر ۲ کو ایک دفعہ پھر غور سے دیکھ لیا جائے۔)

ب۔ جہاں تک حدیث کے ذکر کا تعلق ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے انسان کو کافر کہا اور وہ کفر کا اہل نہ ہو تو کہنے والے کا کفر تو اس پر ہی لوٹ آئے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا گناہ اس پر پڑے گا جس نے کسی دوسرے کو کافر کہا۔ حدیث میں باء کا لفظ ہے یعنی اس کا گناہ اس پر پڑ جائے گا نہ یہ کہ اب اس کو دوسرا کافر کہنا شروع کر دے۔ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کی

تکفیر میں کسی نے آج تک صرف اس بناء پر دوسرے کی تکفیر نہیں کی کہ چونکہ اس نے مجھے کافر کہا ہے اور میں اس کا قائل نہیں ہوں لہٰذا وہ بروئے حدیث کافر ہو گیا اس لئے ہم اس قائل بالکفر کو کافر کہتے ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے مولانا احمد رضا خاں کی نسبت فرمایا کہ میری تکفیر پر مولانا احمد رضا خاں کو ثواب ملے گا انہوں نے اپنے خیال میں محبت رسولؐ میں مجھے کافر کہا ہے یہ بات علیحدہ ہے کہ مجھے موافقہ نہ ہو گا۔ کیونکہ انہوں نے جس وجہ سے مجھے کافر کہا ہے وہ وجہ مجھ میں نہیں پائی جاتی۔ (مولانا کے اس ارشاد کا میں خود گواہ ہوں) (ملفوظات حضرت تھانوی حسن العزیز)

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں دو مہمان آئے۔ رات کے وقت ایک مہمان نے دوسرے سے کہا کہ صبح کی نماز ہم برج والی مسجد میں پڑھیں گے۔ وہاں کے قاری صاحب بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ دوسرے نے کہا وہ قاری صاحب تو ہمارے مولانا صاحب (مولانا محمد قاسم رحمتہ اللہ علیہ) کو کافر کہتے ہیں۔ ہم ایسے شخص کے پیچھے نماز کیوں پڑھیں۔ مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی یہ گفتگو سن لی۔ آپ نے فرمایا یہ مسئلہ کس کتاب میں درج ہے کہ جو شخص محمد قاسم کو کافر کہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اس نے تو میری کوئی برائی دیکھ کر کہا ہو گا آج میں خود بھی اسی قاری کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔ چنانچہ حضرت مولانا اپنے دوست مہمانوں کے ساتھ اس مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز اسی قاری صاحب کے پیچھے ادا کی جو آپ کو کافر کہتا تھا یہ اور بات ہے کہ خدا تعالیٰ اس "کافر" کہنے والے سے چاہے مواخذہ کرے لیکن جس کو کافر کہا گیا ہے اس کو یہ حق نہیں دیا جاتا کہ وہ "قائل بالکفر" کو کافر کہے۔

ایک مثال

زید اور عمرو ایک شہر میں آباد ہیں اور دونوں مسلمان ہیں۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کا خون آپس میں حرام ہے لیکن اگر زید نے عمرو کے بیٹے کو قتل کر دیا اب زید کے لئے عمرو مباح الدم تو ہو گیا مگر قصاص میں زید عمرو کو قتل نہیں کر سکتا حالانکہ معاف کرنے اور قصاص طلب کرنے میں زید دونوں کا مجاز ہے مگر اسے کسی شرعی مجاز (قاضی) سے اسے قتل کی فریاد کرنا ہو گی۔ قاضی قصاص میں عمرو کو قتل کرا دے یا قصاص دلائے اگر زید خود بدلہ لے گا تو مجرم ہو گا۔

ج۔ چونکہ مرزا غلام احمد نے اپنے منکروں کو جہنمی اور کافر کہا ہے اور آج تک قادیانی بھی دنیا کے تمام مسلمانوں کو کافر کہتے رہے ہیں۔ اسی نے چودھری ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان

نے بھی ایبٹ آباد میں ایک انٹرویو کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان (نمائندہ) سمجھ لیجئے۔ (روزنامہ زمیندار لاہور ۱۸ فروری ۱۹۵۰ء)

حالانکہ پاکستان بن جانے کے بعد بانیانِ پاکستان یا کسی ایسے بزرگ نے جس کا بیان حکومت کا بیان تصور کیا جائے غلام احمد اور اس کی امت کے کافر ہونے کا اعلان نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ چودھری ظفر اللہ خان کا حکومت پاکستان کو کافر حکومت کہنا ابتداءً ہے ہوا یا نہیں۔

اور یہاں صرف انکوائری کورٹ کے سامنے مصلحت کی وجہ سے انکار کرنا اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ یہ لوگ ابن الوقت ہیں لیکن ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا قابل اعتماد وہی شخص ہے جو اپنی رائے کسی مصلحت کی وجہ سے نہ بدلے۔

د۔ قادیانی گروہ کا یہ کہنا کہ پہلے غیر احمدی علماء نے ہمیں کافر کہا ہے اور ابتداء ان کی طرف سے ہوئی ہے یہ مرزا غلام احمد اور اس کی جماعت کا صریح کذب ہے حالانکہ ابتداء بانکم مرزا غلام احمد نے کی ہے۔ مرزا غلام احمد نے اپنی تصنیف براہین احمدیہ میں جب دعویٰ نبوت کی بنیاد رکھی۔ ساتھ ہی مخالفین کی تکفیر کی بنیاد بھی رکھ دی۔ جب کہ قادیانیوں نے تکفیر کی وجہ مرزا غلام احمد کی صداقت کا انکار قرار دیا ہے اور اس دعویٰ کی بنیاد براہین احمدیہ سے شروع ہوئی تو تکفیر منکرین کی بنیاد بھی ساتھ ہی وقوع میں آجاتی ہے۔

مرزا غلام احمد نے براہین احمدیہ میں کچھ آیات قرآنی درج کیں جن کو ضرورت کے وقت الہام قرار دیا جاتا رہا۔ ان میں ایک یہ آیت درج ہے۔

وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیمۃ

اس میں مخالفین کو کفروا سے خطاب کیا ہے چنانچہ مناظرہ راولپنڈی۔ (جو قادیانیوں اور لاہوری مرزائیوں کے درمیان ہوا تھا) میں مشہور قادیانی مناظر مولوی اللہ دتہ صاحب نے اس الہام سے حجت کیا کہ مرزا صاحب اپنے نہ ماننے والوں کو کافر سمجھتے تھے۔ (مناظرہ راولپنڈی ص ۲۳۰)

مرزائیوں کا جواب:

باہمی تکفیر کے بارہ میں علماء کے چند فتویٰ درج ہیں۔

ہمارا جواب:

بقول جناب محمد اکبر صاحب جج بہاولپور (تصحیح ثالث قادیانی مقدمہ بہاولپور کا مشہور فیصلہ) جس کا فیصلہ بھی عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ "مرزائیوں کا مسلمانوں کی باہمی تکفیر کو پیش کرنا،

اصل اس تکفیر کو معقول اور باکا ثبوت کرنے کی کوشش کرتا ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک دنیا اسلام کے تمام فرقوں نے بعد از نبوت حضور علیہ السلام ہر مدعی نبوت کی تکفیر کی ہے اور جس پر آج دنیاء اسلام کا اتفاق ہے۔ " (فیصلہ مقدمہ بہاولپور)

۱۔ اصل امر متنازعہ فیہ یہ ہے کہ مرزائی گروہ مرزا غلام احمد کو ماننے کی وجہ سے شرعاً خارج ہو گیا یا نہیں؟

اس کے بارے میں ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ جب ایک نبی کو ماننے والی قوم کسی دوسرے نئے نبی کو مان لیتی ہے تو وہ پہلی قوم سے جدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد کو ماننے والے حضور علیہ السلام کو ماننے والوں سے علیحدہ قوم ہیں۔ گویا کفر کے کئی مراتب ہوئے۔ ایک کفر قطعی جو ختم نبوت کے انکار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت پر ایمان لانے یا حضور کے بعد تسلسل نبوت کو صحیح سمجھنے کی وجہ سے ہو گا بہر حال یہ کفر مسئلہ نبوت کی بنا پر ہو گا اس لئے دو ایسے شخص جو کسی نبی کی نبوت میں اختلاف رکھتے ہیں ایک امت اور ایک قوم نہیں ہو سکتے۔

۲۔ دوسرا کفر جو توحید ورسالت کی وجہ سے نہیں بلکہ دین کی کسی اور بات کے انکار یا عمل یا قول سے ہو جاتا ہے یہ کفر کتنا سخت ہو اور اس کے احکام کیسے ہی کیوں نہ ہوں وہ مسلم قوم میں شمار ہو گا۔ اسی لئے فقہاء امت نے ایک کفر قطعی یا کفر عقیدہ اور دوسرے کو کفر فقہی یا کفر عملی کہا ہے اور دونوں کے احکام جدا جدا ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

یہ کہنا کہ مرزا غلام احمد نے تو ظلی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس لئے اس کو سچا ماننے والے مسلمانوں کی قوم سے خارج نہیں سمجھے جائیں گے۔

دراصل یہ بحث مسئلہ ختم نبوت سے تعلق رکھتی ہے جس کا اس بحث سے تعلق نہیں ہے لیکن اس معاملہ میں یہ عرض کرنا غیر ضروری نہیں ہے کہ مرزا غلام احمد نے حضور علیہ السلام سے قبل آنے والے جملہ انبیاء کو بھی ظلی کہا ہے اور بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی غیر تشریعی نبی کہا۔ جب وہاں ہر نبی کی امت اور قوم جدا جدا ہے تو غلام احمد کے متبعین بھی غیر متبعین سے جدا امت اور جدا قوم ہوں گے۔

۲۔ مسلمانوں کی باہمی تکفیر میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امت مسلمہ نے کسی اسلامی فرقہ کی بالاجماع تکفیر نہیں کی۔ البتہ مرزائیوں کی تکفیر کے بارہ میں تمام فرقے متفق ہیں۔ مرزائیوں کا کفر اجماعی ہے۔

۳۔ کسی فرقے کا مسلمانوں کے باقی فرقوں سے ممیز ہونا جس شخصیت کے ماننے کی وجہ یا

عقیدے کی بنا پر ہے اس شخصیت سے نسبت اور اس عقیدہ کو وجہ کفر قرار نہیں دیا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں کسی فرقہ میں چاہے کتنے مسائل ہوں کہ جس شخصیت سے نسبت اور جس عقیدہ کی وجہ سے یہ فرقہ دوسرے اسلامی فرقوں سے ممیز ہے اس شخصیت اور اس عقیدہ کو سب اسلامی فرقوں نے وجہ کفر قرار دیا ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے چند فرقوں کی نسبت عرض کیا جاتا ہے۔

ا۔ فرقہ شیعہ:

یہ فرقہ باقی فرقوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی طرف منسوب ہونے اور عقیدہ افضلیت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے ممیز ہے۔ مسلمانوں کے تمام فرقوں کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہ مومن کامل۔ مقبول بارگاہ الٰہی۔ محبوب رب العالمین تھے۔ آپ کی شخصیت تمام فرقوں کے نزدیک مسلم ہے اور نہ ہی افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ کسی دوسرے اسلامی فرقے کے نزدیک سبب کفر ہے۔

ب۔ فرقہ اہل سنت والجماعت:

یہ فرقہ دوسرے فرقوں سے اس لئے ممیز ہے کہ یہ فرقہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو مدار نجات اور واجب العمل سمجھتا ہے۔ اور سنت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریق زندگی کا نام ہے اور وہ سب فرقوں کے نزدیک واجب العمل ہے۔ جماعت سے مراد مسلمانوں کی جماعت ہے جس کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے تاکید فرمایا کہ حتی الوسع جماعتی زندگی سے علیحدہ نہ ہونا تاکہ وحدت اسلامی پارہ پارہ نہ ہونے پائے۔ کبھی یہ فرمایا کہ صلوا خلف کل بر و فاجر یعنی برا بھلے ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھ لینا۔ کبھی یہ فرمایا کہ اگر سلطان نماز کو دیر کر کے پڑھا کریں اور وقت تنگ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیں تو تم اپنی نماز وقت پر گھر میں پڑھ لینا اور پھر مسلمانوں کے ساتھ جماعت میں بھی شریک ہو جانا۔

ایک حدیث میں فرمایا جو وسطہ علیکم عبد حبشی یعنی اگر کسی وجہ سے مسلمانوں پر ایسا بادشاہ مسلط ہو جائے جو ناپسندیدہ ہو تو پھر بھی اس کی اطاعت کرنا تاکہ مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان نہ پہنچے۔
الغرض کوئی شیعہ سنت نبی اور اتحاد بین المسلمین اور شمولیت جماعت مسلمین کے مخالف نہیں ہے۔

ج۔ مقلد:

مقلدین اپنے آپ کو آئمہ مجتہدین کی طرف نسبت کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ

کتاب و سنت کی تشریح میں ایسے شخص کا قول معتبر ہو گا جو اپنے زمانے میں علم و فضل اور تقویٰ اور شخصیت میں ممتاز علی القرآن و سنت ہو اور اجتہادی مسائل میں امام مجتہد کا قول مانا جائے گا۔ کوئی بھی غیر مقلد نہ تو اس اصول کی تردید کرتا ہے اور نہ کسی امام مجتہد کو برا کہتا ہے بلکہ ان سب کو بزرگ اور اہل علم تصور کرتا ہے۔

۲۔ غیر مقلد:

غیر مقلدین اپنے آپ کو آج کل اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ ان کا اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے ہر مسئلہ میں کتاب و سنت پر عمل کیا جائے اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے جس کا حکم قرآن و سنت سے نہ سمجھ میں آئے تو اقوال آئمہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اصولی طور پر یہ درست اور صحیح امر ہے کہ کسی فرقہ نے اس اصول سے بھی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ اختلاف تو مسائل سمجھنے پر ہوتا ہے۔ فرقہ بندی جس اصول اور جس عقیدہ کے سبب سے ہوئی یا جس شخصیت یا عقیدہ کی وجہ سے ہوئی یا جس شخصیت یا عقیدہ سے کسی فرقہ کی بنیاد رکھی گئی اس کی بنا پر کسی فرقہ نے دوسرے فرقہ کو کافر نہیں کہا۔

(نوٹ):

دیوبندی اور بریلوی۔ در اصل یہ فرقے نہیں بلکہ ایک فرقہ کی دو جماعتیں ہیں اصول دونوں فرقوں کا ایک ہے دونوں حضرات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خاندان کی مختلف شاخیں۔

۳۔ فرقہ احمدیہ:

احمدی یا مرزائی حضرات کی نسبت مرزا غلام احمد کی طرف ہے یعنی یہ فرقہ مرزا غلام احمد کو اپنا پیشوا مانتا ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد اپنے جملہ دعاوی میں سچا تھا۔ فرقہ احمدیہ کی تعریف قادیانی اور لاہوری دونوں جماعتوں پر صادق آتی ہے۔ ان کا آپس میں اختلاف اندرونی مسائل کا اختلاف ہے اس سے دوسرے فرقوں کا تعلق نہیں ہے یہ فرقہ اپنی تعریف کی بنا پر دوسرے تمام اسلامی فرقوں سے ممیز ہوتا ہے مسلمانوں کے تمام فرقوں کے نزدیک جس شخصیت کی طرف فرقہ احمدیہ کی نسبت ہے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد تھا۔ اس شخص کے دعاوی کو درست اور صحیح سمجھنا تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک صریح کفر ہے۔ اس لئے مرزا غلام احمد کے متبعین دونوں گروہ صریح کفر، دائرہ اسلام سے خارج اور مسلم قوم سے ایسے ہی علیحدہ ہیں جیسے یہود اور عیسائی بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ جس نبی پر یہودی اور عیسائی ایمان لاتے ہیں اور اپنے وقت کے صادق اور خدا کے مبعوث نبی تھے مگر قادیانی جس شخص کو اپنا پیشوا مانتے ہیں وہ کاذب اور

بھی تھا۔

۰۔ یہاں سب سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مرزائیوں اور مسلمانوں کے درمیان تکفیر کا مسئلہ بنیادی اور قطعی کفر کا مسئلہ ہے اور مسلمانوں کے باہمی فرقوں کا باہمی کفر تفسیقی اور فروعی ہے۔ اس امر کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل استدلال پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ اہل اسلام کے ہاں کفر کے کچھ مدارج ہیں در اصل "کفر" کا لفظ "ایمان" کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ "الاشیاء تعرف باضدادھا" مشہور عربی مقولہ ہے کہ ہر چیز اپنے مقابل یعنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ایمان کی حقیقت سمجھ لیں۔ پھر ہمارے لئے کفر کی حقیقت معلوم کرنا آسان ہو جائے گا۔

ایمان اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام فرشتوں، آسمانی کتابوں، اس کے تمام رسولوں اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور تقدیر پر ایمان لایا جائے یعنی ان باتوں کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کی جائے۔

ان امور پر حضور علیہ السلام بھی یقین رکھتے تھے۔ اور اہل بیت اور تمام مسلمان بھی یقین رکھتے تھے مگر یہ بات واضح ہے کہ سب کا ایمان ایک ہی درجہ کا نہیں ہو سکتا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان ایک درجہ کا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا ایمان اور ہم جیسے گنہگاروں کا ایمان برابر ہو سکتا ہے۔

اسی طرح ایمان کے مقابلے میں کفر کے بھی مدارج ہوں گے۔ کیونکہ ایمان اور کفر ایک دوسرے کی اضداد ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف میں "کفر دون کفر" کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے اور گویا سب کفر برابر نہیں ہوتے بلکہ اس کے کچھ مدارج ہیں اس کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔ ہم سب سے پہلے تمام مذاہب میں کوئی ایسا بنیادی مسئلہ تلاش کریں جس سے ایک مذہب دوسرے مذہب سے ایک قوم دوسری قوم سے (قوم سے مراد شرعی قوم) متمیز ہو سکے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے وجود کا سوال ہے اس میں سب کا اتفاق ہے۔ عبادات اور اخلاق تمام مذاہب میں موجود ہیں۔ ان کے عنوانات خواہ کوئی ہوں۔ اس لئے یہ امور امتیاز بین المذاہب کا سبب نہیں ہو سکتے۔

صرف ایک نبی کا وجود ایسا ہے جس سے ایک مذہب دوسرے مذہب سے اور ایک قوم دوسری قوم سے جدا ہوتی ہے نبی کی مثال ایک دیوار کی ہے جو اپنے خارج کو داخل سے جدا رکھتی ہے۔ جب تک یہ دیوار قائم رہے گی۔ دیوار کا خارج اور داخل آپس میں نہیں مل سکتے۔ دیوار

مختلف احاطوں کو محفوظ رکھتی ہے بلکہ اگر ایک بڑے احاطہ میں ایک دیوار قائم کر دی جائے تو اس احاطے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک نبی کا وجود اپنی امت کے لئے احاطہ بے دیوار ہے۔ جو دوسری امتوں سے اپنی امت کو علیحدہ رکھتی ہے لیکن اگر اس نبی کے بعد کوئی اور نبی آ گیا تو گویا ایک دیوار اور کھینچ گئی اور ایک حصہ اس احاطہ سے کٹ گیا۔ یعنی اب اس نبی کی امت دو امتوں میں تقسیم ہو گئی۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے یہودی ایک امت تھے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئے تو یہودیوں میں سے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لائے وہ یہودیوں سے علیحدہ ہو گئے اور اب وہ عیسائی بن گئے اس کے بعد حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کو ماننے والے مسلمان نہ ماننے والے (عیسائیوں) سے جدا ہو گئے اور اب اس طرح اگر بالفرض حضور سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی آ جائے تو اس کو ماننے والے نہ ماننے والوں (مسلمان) سے جدا قوم ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس اصول کے تحت مرزا غلام احمد کو نبی ماننے والے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے والے ایک امت نہیں ہو سکتے۔ مسلمان جدا قوم اور مرزائی جدا قوم ہوں گے۔

سوال ۴۔

ایسے کافر ہونے کے دنیا اور آخرت میں کیا نتائج ہیں یعنی اگر غلام احمد کو نبی نہ ماننا کفر ہے تو ایسے کفر کے دنیا و آخرت میں کیا نتائج ہیں؟

مرزائیوں کا جواب:

اسلامی شریعت کی رو سے ایسے کافر کی کوئی دنیوی سزا مقرر نہیں وہ اسلامی حکومت میں وہی حقوق رکھتا ہے جو ایک مسلمان کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح عام معاشرہ کے معاملہ میں بھی وہ وہی حقوق رکھتا ہے جو ایک مسلمان کے ہیں۔ ہاں اسلامی حکومت کا ہیڈ نہیں ہو سکتا۔

ہمارا جواب:

قادیانیوں کا یہ کہنا کہ ایسے کفار کی کوئی سزا نہیں سراسر غلط ہے۔ سوال میں جس کافر کے متعلق دریافت کیا گیا ہے وہ کافر وہ ہے جو غلام احمد کو نہیں مانتا۔ یعنی اگر کوئی شخص (بالفرض) غلام احمد کو مان لے تو اس کے نزدیک غلام احمد کو نہ ماننے والا کافر ہو گا۔ ایسے کافر کی سزا مرزائیوں کے نزدیک وہی ہو گی جیسے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے مسلمان کے مقابلہ میں کسی غیر مسلم مثلاً عیسائی کی۔ قادیانیوں کا یہ واضح عقیدہ ہے کہ:

"غیر احمدی کی ہمارے مقابلہ میں وہی حیثیت ہے جو قرآن کریم ایک مومن کے

مقابلہ میں اہل کتاب کی قرار دے کر یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مومن اہل کتاب عورت کو بیاہ کر لا سکتا ہے۔ مگر مومنہ عورت کو اہل کتاب سے نہیں بیاہ سکتا اسی طرح ایک احمدی غیر احمدی عورت کو اپنے حبالہ عقد میں لا سکتا ہے مگر احمدی عورت شریعت اسلام کے مطابق غیر احمدی مرد کے نکاح میں نہیں دی جا سکتی۔"

(اخبار الحکم ۱۴ اپریل ۱۹۰۸ء اخبار الفضل قادیان جلد ۸ نمبر ۴۵ مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۰ء)

اس عقیدے اور نظریئے کے علاوہ قادیانیوں کا معاملہ غیر احمدیوں کے ساتھ یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں غیر احمدیوں سے جدا ہیں۔ رشتہ ناطہ جنازہ وغیرہ معاملات میں ان کا طرز عمل یہ ہے کہ ایک شخص کے سوالات کے جواب میں میاں محمود احمد خلیفہ قادیان نے کہا "ایسے نکاح خواہوں کے متعلق ہم وہی فتویٰ دیں گے - اس شخص کی نسبت دیا جا سکتا ہے جس نے ایک مسلمان لڑکی کا نکاح ایک عیسائی یا ہندو لڑکے سے پڑھا دیا ہو اور ایسی شادی میں شریک ہونا بھی جائز نہیں۔ (ڈائری میاں محمود خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد ۸ نمبر ۸۸ مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۲۱ء)

مرزائیوں کا جواب:

یہ درست ہے کہ اسلامی حکومت کا صدر بھی نہ ہو سکے گا۔

ہمارا جواب:

اگر غلام احمد کو نہ ماننے والا مرزائیوں کی مملکت کا صدر نہیں بن سکتا تو مسلمانوں کی مملکت میں جھوٹے نبی کو ماننے والا کافر اسلامی مملکت کا صدر کیسے بن سکتا ہے۔

مرزائیوں کا جواب:

باقی رہے اخروی نتائج سو ان نتائج کا حقیقی علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کافر کہلانے والے انسان کو بخش دے اگر کافر کے لئے یقینی طور پر دائمی جہنمی ہونا لازمی ہے تو پھر کسی کو کافر قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

ہمارا جواب:

ان کا یہ جواب کسی صورت میں بھی درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا سوال قدرت الٰہی نہیں بلکہ اسلامی احکام کا ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ ان اللہ علی کل شئی قدیر ۞ ہے مگر فیصلہ طلب عدالت کی طرف سے سوال یہ ہے کہ کافر کے متعلق از روئے شریعت محمدیہ کیا حکم ہے؟

اسلام ایک قانون ہے جس میں دنیاوی اور اخروی احکام درج ہیں یعنی ایک نبی کو ماننے کے بعد کسی دوسرے آنے والے نبی کا انکار کر دے ایسے شخص کے متعلق اسلام کے احکام یہ ہیں کہ ایسے شخص کی نجات ہرگز نہ ہوگی۔ مرزائیوں کا بھی یہ عقیدہ ہے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد نے اپنے مخالفین کے متعلق لکھا ہے کہ

> مجھے خدا کا الہام ہے جو شخص تیری پیروی نہ کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہ ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے (معیار الاخیار۔ تذکرہ مجموعہ الہامات ص ۲۳۳)

سوال نمبر ۴:

کیا مرزا صاحب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اور اسی ذریعہ سے الہام ہوتا ہے؟

تحقیقاتی عدالت یہاں یہ دریافت کرنا چاہتی ہے کہ مرزا غلام احمد کے الہام کا ذریعہ وہی تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ تھا۔

مرزائیوں کا جواب:

بہر حال وہ ذرائع جو اللہ تعالیٰ اس وحی (غلام احمد پر) کے بھیجنے کے لئے استعمال کرتا تھا ان سے بیچ ہوں گے جو قرآن کریم کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ یہ ایک عقلی بات ہے واقعتی بات نہیں جس کے متعلق ہم شہادت دے سکیں۔

ہمارا جواب:

قادیانیوں کی طرف سے اس جواب میں بات کو الجھایا گیا ہے۔ انہوں نے کسی مصلحت کی بنا پر ابہام کو دور کرنے اور صاف بات کہنے کی جرات نہیں کی۔ حالانکہ یہ امر مسلم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرئیل فرشتہ نازل ہوتا تھا جو خدا کے پیغام آپ پر پہنچاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مرزا غلام احمد نے بھی اپنے آپ پر حضرت جبرئیل فرشتے کے نازل ہونے کا الہام شائع کیا ہے۔ اس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مرزا غلام احمد کی وحی کا ذریعہ اور واسطہ ایک ہی ہوا۔ یعنی حضرت جبرئیل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مرزا غلام احمد دونوں کے لئے ذریعہ وحی تھے۔

مرزا غلام احمد نے جبرئیل کی آمد کا اقرار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> جاءنی ائل واختار وادار اصبعہ واشار ان وعد اللہ اتی فطوبیٰ لمن وجد ورایٰ۔
>
> (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۳ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

یعنی میرے پاس آئل آیا (اس جگہ آئل اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کا نام رکھا ہے اس لئے بار بار رجوع کرتا ہے (حاشیہ) اور اس نے مجھے چن لیا اور اپنی انگلی کو گردش دی اور یہ اشارہ کیا کہ خدا کا وعدہ آگیا۔ پس مبارک وہ جو اس کو پاوے اور دیکھے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۳ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

۲۔ آمد نزد من جبرئیل علیہ السلام و مرا برگزید و گردش داد انگشت خود را اشارہ کرد خدا ترا از دشمنان نگہ خواہد داشت۔ (مواہب الرحمٰن ص ۴۳ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا غلام احمد کی ان تحریروں سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے اس بات کا خود اقرار کیا کہ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوتے تھے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مرزا غلام احمد کی وحی کا ذریعہ اور واسطہ ایک ہی ہوا۔

قادیانیوں نے آگے چل کر اپنے بیان میں ایسی تفاصیل بیان کی ہیں جن میں اقرار کے بعد انکار اور انکار کے بعد خود بخود اقرار کر لیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مرزا غلام احمد کا ذریعہ وحی ایک ہی تھا۔ مگر اس بات کو اس قدر الجھا دیا گیا کہ پڑھنے والا اس سے کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکے۔ حضور علیہ السلام نے اس کا نام دجل اور تلبیس رکھا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ تحریر کیا گیا کہ:

ا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ پر وحی نازل ہوتی تھی۔

ب۔ وحی تین طریقوں سے ہوتی تھی۔ ان کا ذکر قرآن کی آیت میں ہے ما کان لبشر... الخ۔

ج۔ آنحضرت اور تمام انبیاء اور اولیاء پر انہی طریقوں سے وحی نازل ہوتی رہی ہے۔

عالی مرتبت جج صاحبان!

قادیانیوں کے جواب کے مندرجہ بالا تین حصوں پر غور فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ سوال کے جواب میں کس قدر الجھاؤ پیدا کیا ہے ان کے جواب کے خلاصہ سے صرف یہ بات سمجھ آتی ہے کہ مرزا غلام احمد پر وحی نازل ہوتی تھی اور وحی کے طریقے تین ہیں اور تمام انبیاء اولیاء اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر انہی طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مرزا غلام احمد کا ذریعہ وحی ایک ہی تھا۔ اس مفہوم کا جواب دو سطر میں دیا جا سکتا ہے۔ مگر عبارت کی ایچ پیچ اور الفاظ کی ساحری میں الجھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ جواب دیتے وقت آگے چل کر دونوں وحیوں کے مرتبہ میں فرق کرنے کی سعی کی ہے تاکہ مدعی کی دلیل کو کمزور اور اس کے وزن کو کم کیا جا سکے۔ یہ امر چونکہ سوال سے متعلق نہیں ہے اس لئے اس کے جواب میں جانا غیر ضروری ہے۔

یہاں اتنا عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مرزا غلام احمد نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل انبیاء سابقین کو "ظلی نبی" کہا ہے اس لئے اب کسی کا مرزا صاحب کو ظلی کہنا یا امتی نبی کہنا اس سے نفس دعوئی نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ "پہلے تمام انبیاء ظل تھے نبی کریم کے خاص خاص امتی صفات میں اور اب ہم ان تمام صفت میں نبی کریم کے ظل ہیں۔" (اخبار الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء منقول از مباحثہ راولپنڈی ص ۱۷۷) یوں تو قرآن کریم سے ثابت ہے کہ ہر ایک نبی آنحضرت کی امت میں داخل ہے (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۳۳)

نوٹ مندرجہ ذیل حوالہ جات سے مرزا غلام احمد کی وحی کی حیثیت حضور علیہ وسلم کے برابر ثابت ہوتی ہے۔

حضور علیہ السلام کی وحی کی نسبت مندرجہ ذیل امور ذہن نشین کر لئے جائیں:۔

ا۔ حضور علیہ السلام پر وحی بذریعہ فرشتہ نازل ہوتی تھی۔

مرزا غلام احمد کی وحی بھی حضور جیسی تھی نیز دار مطابقت ملاحظہ ہو۔

(i) یا یہ کہ وہ فرشتہ ایک کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ فقرات دکھا دیتا تھا۔ (نزول المسیح ص ۵۷ مصنف مرزا غلام احمد)

(ii) آمد نزد من جبرئیل علیہ السلام و مرا بہ گزیدہ گردش داد انگشت خود را و اشارہ کرد۔ خدا ترا از دشمناں نگہ خواہد داشت۔ (مواہب الرحمن ص ۴۳ مصنف مرزا غلام احمد)

(ب) حضور علیہ السلام پر وحی بصورت القاء فی القلب بھی ہوتی تھی۔

(ب) اور وہ قطعی وحی تھی کی طرح روح القدس میرے دل میں القاء ہے۔ اور میری زبان پر جاری کرتا ہے (نزول المسیح ص ۵۶، ۵۷ مصنف مرزا غلام احمد)

(ج) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں پیش گوئی اور معجزات ہوتے تھے۔

(ج) اگر کہو کہ اس وحی کے ساتھ جو انبیاء علیہ السلام کو ہوتی تھی معجزات اور پیش گوئیاں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ اکثر گذشتہ نبیوں کی نسبت بہت زیادہ معجزات اور پیش گوئیاں موجود ہیں (نزول المسیح ص ۸۶)

(د) حضور کی وحی محفوظ عن الخطاء تھی۔

(۵) آنچہ من بشنوم ز وحی خدا بخدا پاک دانمش ز خطا
ہمچو قرآن منزہ اش دانم از خطاہا ہمیں است ایمانم
(نزول المسیح ص ۹۹)

اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیت پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرے کے خدا کی اس کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی (نزول المسیح ص ۹۹ مصنفہ مرزا غلام احمد) (ایک غلطی کا ازالہ)

(س) حضور کو اپنی وحی پر یقین تھا اور آپ کی وحی خدا کا کلام کہلاتی ہے۔

(س) میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

(ر) حضور کی وحی آپ کو ماننے والوں کے لئے مدار نجات تھی اور آپ کا منکر جہنمی ہے۔

(د) اب دیکھو خدا نے میری وحی میری تعلیم اور بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے اسے نجات ٹھہرایا جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے (حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۷)

مجھے خدا کا الہام ہے جو شخص تیری پیروی نہ کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہ ہو گا اور تیری مخالفت کرے گا اور مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے۔ (معیار الاخیار ص ۸) تذکرہ ۳۳۳

سوال نمبر۵:

کیا احمدیہ عقیدہ میں شامل ہے کہ ایسے شخص کا جنازہ جو مرزا صاحب پر یقین نہیں رکھتے (Infructuaus) بے فائدہ ہے؟

(ب) کیا احمدیہ عقائد میں ایسی نماز کے خلاف کوئی حکم موجود ہے؟

مرزائیوں کا جواب:

۱۔ احمدیہ کریڈ (Creed) عقیدہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو شخص حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو نہیں مانتا اس کے حق میں نماز جنازہ (Infructuaus) ہے۔

ہمارا جواب:

یہ جواب صریح غلط ہے احمدیہ عقائد میں نہ صرف یہ کہ جو شخص مرزا غلام احمد پر یقین نہیں رکھتا اس کا جنازہ (INFRUCTUAUS) ہے بلکہ اس کی نماز جنازہ شرعاً جائز اور درست نہیں ہے۔

۱۔ مرزا غلام احمد کے ایک لڑکے فضل احمد کا واقعہ ہے کہ احمد بیگ نے جب اپنی لڑکی محمدی

بیگم کا نکاح مرزا غلام احمد کے ساتھ کرنے سے انکار کر دیا تو غلام احمد نے احمد بیگ کو کہا کہ اگر تم میرے ساتھ محمدی بیگم کا نکاح نہیں کرو گے تو میں تمہاری بھانجی عزت بی بی جو میرے لڑکے فضل احمد کی بیوی ہے، طلاق دلوا دوں گا۔ اور طلاق نامہ متعلق فضل احمد سے لے لوں گا جس میں یہ تحریر ہو گا کہ جس دن تم محمدی بیگم کا نکاح میرے سوا کسی دوسرے کے ساتھ کرو گے تو عزت بی بی کو اس دن سے طلاق ہو جائے گی۔ چنانچہ احمد بیگ نے مرزا غلام احمد کی اس دھمکی کی قطعاً کوئی پروا نہ کی۔ مرزا غلام احمد نے اپنے لڑکے فضل احمد سے کہا کہ تو اپنی بیوی عزت بی بی کو طلاق دے دے۔ فضل احمد پسر غلام احمد چونکہ اپنے والدین کا انتہائی فرمانبردار اور خدمت گزار تھا اس نے اپنے باپ کے حکم کو بسرو چشم قبول کیا اور اپنی بیوی عزت بی بی کو طلاق دے دی فضل احمد اپنے والدین کا فرمانبردار ہونے کے باوجود اپنے باپ غلام احمد کو دعویٰ نبوت میں دل سے سچا نہیں سمجھتا تھا۔ چنانچہ جب اس تابعدار لڑکے فضل احمد کا انتقال ہو گیا تو مرزا غلام احمد نے اپنے اس فرمانبردار بیٹے کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔

(حوالہ انوار خلافت ص ۹۱ و ریویو بابت دسمبر ۱۹۴۲ء)

مرزا غلام احمد کے اس عمل کے بعد بھی قادیانی کوئی تاویل کر سکتے ہیں؟

۲۔ چونکہ قادیانی عقیدہ مسلمانوں کو وہی درجہ دیتا ہے جو حضرت محمد رسول اللہ کو نہ ماننے کی وجہ سے عیسائیوں کو دیا جاتا ہے اس لئے مرزائیوں کے نزدیک مسلمانوں کے نابالغ بچوں کا جنازہ بھی جائز نہیں۔ (حوالہ انوار خلافت ص ۹۳)

۳۔ قادیانی گروہ کے نزدیک جو شخص مرزا غلام احمد کو سچا سمجھتا ہو لیکن وہ باقاعدہ طور پر بیعت کر کے حلقہ احمدیت میں داخل نہ ہوا ہو اس کا جنازہ جائز نہیں ہے (انوار خلافت ص ۹۳)

مرزائیوں کا جواب:

شق (ب) کا جواب یہ ہے کہ گو اسی وقت تک جماعت کا فیصلہ یہی رہا ہے کہ غیر از جماعت کے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھی جائے لیکن اب اس سال حضرت مسیح موعود کی ایک تحریر اپنے قلم کی لکھی ہوئی ملی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مکفر یا مکذب نہ ہو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ہمارا جواب۔

جناب عالی! یہ تو ۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

والا معاملہ ہوا۔ قادیانیوں کا انکوائری کورٹ کے سامنے یہ بیان قطعاً غلط اور فریب دہی کے مترادف ہے کہ مسیح موعود کے اپنے قلم کی لکھی ہوئی تحریر اس سال ملی ہے حالانکہ ایسی تحریر انہیں ۱۹۱۵ء میں مل چکی تھی جس کے ملنے کا ذکر انوار خلافت کے ص ۹۱ پر کیا گیا ہے اور اس کے ثبوت میں غلام احمد کے لڑکے فضل احمد کی نماز جنازہ پڑھنے کا واقعہ تحریر بھی کیا جا چکا ہے۔

مرزائیوں کا جواب:

لیکن باوجود جنازہ کے بارہ میں جماعت احمدیہ کے سابق طریقہ سے غیر احمدی مرحومین کے لئے دعائیں کرنے میں جماعت نے کبھی اجتناب نہیں کیا (رپورٹ اور آگے چل کر چی معین الدین کے والد اور سر عبدالقادر کے لئے دعا کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

ہمارا جواب:

کسی موت پر صرف دعا کرنا کونسی انوکھی بات ہے ایسے ہزاروں مواقع پیش آتے رہے ہیں کہ ایک مسلمان کی فوتیدگی کے بعد ہندو اور سکھ وغیرہ غیر مسلم قومیں بھی اس کے حق میں دعاؤں میں شریک ہوتی رہیں حضرت قائداعظم اور قائد ملت کے مزارات پر کئی ہندو اور غیر مسلم افراد نے اپنے عقیدے کے مطابق آپ کے حق میں دعائیں مانگیں اور ایسے ہی گاندھی جی کی سمادھ پر ہمارے وزراء کرام اور دیگر سرکاری نمائندگان نے ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ دعا مانگنا آج ایک رسم بن چکی ہے اس سے یہ دلیل اور نتیجہ اخذ کرنا کہ ہم نے فلاں کی میت پر دعا مانگی تھی اور اسے جائز سمجھتے ہیں یہ کسی صورت میں دلیل نہیں بن سکتا کہ قادیانی غیر احمدی کا جنازہ جائز سمجھتے ہیں۔

۲۔ قادیانیوں کی یہ بات اگر بالفرض تسلیم بھی کر لی جائے تو دعا کے علاوہ نماز جنازہ بھی تو دعا ہی ہے اس میں یہ کیوں شرکت نہیں کرتے اور بالخصوص حضرت قائداعظم مرحوم کی نماز جنازہ میں چودھری ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان نے کیوں شرکت نہ کی اور وزیر قانون مسٹر منڈل اور دیگر غیر نمائندگان کے ساتھ مسلمانوں سے الگ ہو کر کیوں کھڑے رہے؟ کیا چودھری صاحب کی یہ حرکت اہل پاکستان کے دلوں کو مجروح کرنے کے مترادف نہیں تھی؟ نماز جنازہ نہ پڑھنے پر جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک پمفلٹ بھی شائع کیا گیا ہے۔ جس میں حضرت قائداعظم کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ چونکہ سب لوگ جانتے ہیں کہ قائداعظم احمدی نہ تھے۔ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ علاوہ ازیں چودھری ظفر اللہ خاں نے نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنے کے متعلق ایک انٹرویو کے دوران جواب دیا معزز جج اس سے مطلع ہو چکے ہیں۔

سوال نمبر ۶:

(۱) کیا احمدی اور غیر احمدی میں شادی جائز ہے؟

(ب) کیا احمدی عقیدہ میں ایسی شادی کے خلاف کوئی ممانعت کا حکم موجود ہے؟

مرزائیوں کا جواب:

کسی احمدی مرد کی غیر احمدی لڑکی سے شادی کی کوئی ممانعت نہیں البتہ احمدی لڑکی کا غیر احمدی مرد سے نکاح کو روکا جاتا ہے۔

ہمارا جواب:

قادیانیوں کے اس عقیدے کی طرح مسلمانوں کا عقیدہ عیسائیوں کی نسبت ہے کہ عیسائی لڑکی سے مسلمان مرد نکاح کر سکتا ہے لیکن مسلمان لڑکی عیسائی سے نہیں بیاہی جاسکتی۔ گویا مسلمان کے نزدیک جو عیسائیوں کا مقام ہے احمدی تمام مسلمانوں کو وہی درجہ اور مقام دے رہے ہیں۔ قادیانیوں کا یہ جواب ہمارے مطالبہ کی تائید کرتا ہے کہ احمدی مسلمانوں کو وہی درجہ اور مقام دے رہے ہیں قادیانیوں کا یہ جواب ہمارے مطالبہ کی تائید کرتا ہے کہ احمدی مسلمانوں سے ایک الگ قوم اقلیت قرار دیئے جانے چاہئیں۔ کیونکہ وہ خود ہی مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ اگر قادیانی بیاہ شادی کے معاملے میں مسلمانوں کے ساتھ یہ وطیرہ اختیار کرتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ عیسائیوں جیسا سلوک کریں تو انہیں اقلیت میں آنے سے کیا عذر ہے؟ اور ویسے بھی قادیانی مسلمانوں کے متعلق رشتہ و ناطہ کے معاملہ میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا سلوک کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے:

"غیر احمدیوں کی ہمارے مقابلہ میں وہی حیثیت ہے جو قرآن کریم ایک مومن کے مقابلہ میں اہل کتاب کی قرار دے کر یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مومن اہل کتاب عورت کو بیاہ لا سکتا ہے مگر مومنہ عورت کو اہل کتاب سے نہیں بیاہ سکتا۔ اسی طرح ایک احمدی غیر احمدی عورت کو اپنے حبالہ عقد میں لا سکتا ہے مگر احمدی عورت شریعت اسلام کے مطابق غیر احمدی مرد کے نکاح میں نہیں دی جاسکتی۔"

(اخبار الحکم ۱۴۔ اپریل ۱۹۰۸ء و اخبار الفضل قادیان جلد ۸ نمبر ۴۳ مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۲۰ء)

مرزائیوں کا جواب:

باوجود اس کے کہ اگر احمدی لڑکی اور غیر احمدی مرد کا نکاح ہو جائے تو اسے کالعدم قرار نہیں دیا جاتا۔

ہمارا جواب:

جناب عالی! قادیانی حضرات نے یہاں بھی اصل حقائق کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کی

ہے۔ حقیقت یہ کہ مرزائیوں کے ہاں ایسے رشتہ کی سخت ممانعت ہے اور اگر کسی نے قرابت داری یا کسی دوسری وجہ سے احمدی لڑکی کی غیر احمدی مرد سے شادی کر بھی دی تو اسے جماعت سے خارج کر دیا گیا اور اس کے ساتھ بائیکاٹ کیا گیا۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ مرزائیوں کے ہاں ایسے رشتے کی کیا پوزیشن ہے؟

ا۔ "حضرت مسیح موعود نے اس احمدی پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے جو اپنی لڑکی غیر احمدی کو دے۔ آپ سے ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ لڑکی کو بٹھائے رکھو لیکن غیر احمدیوں میں نہ دو۔" آپ کی وفات کے بعد اس نے غیر احمدیوں میں لڑکی دیدی تو حضرت خلیفہ اول حکیم نور الدین نے اس کو احمدیوں کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی باوجودیکہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا۔" (انوار خلافت ص ۹۳ مصنفہ میاں محمود خلیفہ قادیان)

(ب) "اگر کوئی احمدی غیر احمدی کا جنازہ غیر احمدی امام کے پیچھے پڑھتا ہے اور غیر احمدی کو لڑکی دیتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضور (میاں محمود احمد صاحب) نے لکھوایا اس کی رپورٹ ہمارے پاس کرنی چاہئے۔ فتویٰ یہ ہے کہ ایسا شخص احمدی نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام ہے آپ کا نہیں۔"

(مکتوب میاں محمود خلیفہ قادیان اخبار الفضل نمبر ۱۷۱۔ ۲۰ اپریل جلد نمبر ۸۲ / ۸۱)

ج۔ "چونکہ مندرجہ ذیل اصحاب نے اپنی لڑکیوں کے رشتے غیر احمدیوں کو دے دیئے ہیں اس لئے ان کو حضرت امیر المومنین ... اثنانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی منظوری سے جماعت سے خارج کیا جاتا۔ اور وہاں کی جماعت کو ہدایت کی جاتی ہے ان سے قطع تعلق رکھیں۔

۱۔ چوہدری محمد دین صاحب ولد مراد سکنہ سید والہ ضلع شیخوپورہ۔

۲۔ چوہدری جھنڈا صاحب ولد چوہدری جلال الدین صاحب ساکن چندور کے ضلع سیالکوٹ۔

۳۔ میاں جیون صاحب ملاق آنبہ ضلع شیخوپورہ۔

۴۔ میاں غلام نبی صاحب سکنہ چک نمبر ۱ ضلع شیخوپورہ۔

(اخبار الفضل قادیان مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء ناظر امور عامہ قادیان)

مندرجہ حوالہ جات میں قادیانیوں کے مقتدی کی تاکید کی جاتی ہے۔ جب کئی پابندیاں اور مجبوریاں کی بنا پر بھی کوئی احمدی غیر احمدی مرد سے اپنی لڑکی کا نکاح نہیں کر سکتا اور اگر کوئی اس طرح کا رشتہ کر دے تو اس کے ساتھ قطع تعلق کیا جاتا ہے اسے جماعت سے خارج کر دیا جاتا ہے

تو پھر کونسی بات باقی رہ جاتی ہے جس کی بنا پر احمدی غیر احمدیوں سے رشتہ ناطہ کو جائز سمجھیں اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالیں۔

سوال نمبر ۷:
احمدیہ فرقہ کے نزدیک امیرالمومنین کی (SIGNIFICANCE) خصوصیت کیا ہے؟

مرزائیوں کا جواب:
ہمارے امام کے عہدہ کا نام جماعت احمدیہ اور خلیفۃ المسیح ہے لیکن بعض لوگ انہیں امیرالمومنین بھی لکھتے ہیں۔ الخ

ہمارا جواب:
جناب عالی! قادیانی حضرات کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت کے امام کو امیرالمومنین بعض لوگوں نے لکھنا یا کہنا شروع کر دیا ہے اور یہ کہ جماعتی طور پر امام جماعت احمدیہ کا عہدہ امیرالمومنین نہیں بلکہ خلیفۃ المسیح ہے۔ قبل ازیں کہ اصل سوال کا جواب الجواب عرض کیا جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے خلیفہ اور امیر کی تشریح کر دی جائے تاکہ بعض بنیادی باتیں ذہن نشین ہو سکیں۔

خلیفہ:
کسی قائم مقام کو کہتے ہیں لیکن عام طور پر یہ لفظ مذہبی جانشین پر استعمال ہوتا ہے اور اس لفظ کی نسبت ایسی ہستی کی طرف ہوتی ہے جس کی یہ شخص نیابت کرتا ہے۔ اسی لئے حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے قائم مقام کو خلیفہ کہا گیا اور اسی نیابت کا نام خلافت قرار پایا۔ وہاں در اصل مقصد یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا شخص خلیفہ کے فرائض انجام دے جو نبی علیہ السلام کی تقویم دین کے سلسلہ میں مکمل نیابت کر سکے۔

امیر:
امیر کی نسبت کسی فوت شدہ انسان کی طرف نہیں ہوتی بلکہ اس کی نسبت زندہ انسانوں کی طرف ہوتی ہے۔ یہ لفظ اس فوقیت اور قوت کا پتہ دیتا ہے جو اسے باقی انسانوں پر حاصل ہے چونکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول بھی تھے اور تمام مسلمانوں کے امیر بھی۔ آپ کے بعد آپ کا نائب منصب نبوت کے لحاظ سے خلیفۃ المسلمین کہلایا اور حاکم وقت ہونے کے اعتبار سے اسے امیرالمومنین کا خطاب دیا گیا۔
اسلامی طرز حکومت میں جب تک دین کا غلبہ باقی رہا تو مسلمانوں کے حکمران کے لئے یہ

دونوں لفظ برابر استعمال ہوتے رہے اور جب مسلمانوں کے انداز حکمرانی میں دنیاوی غلبہ ہو گیا تو پھر خلیفۃ الرسول کی جگہ صرف خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کا استعمال ہونے لگا۔

اسلامی اصطلاح میں امیر المومنین مسلمانوں کے حکمران کا اسلامی لقب ہے اور اگر امیر کی نسبت کسی خاص جماعت یا شہر یا فن کی طرف ہو تو وہاں صرف اسی جماعت کا صدر یا اس شہر کا رئیس یا اس فن کا ماہر مراد ہوتا ہے جیسے امیر جماعت اسلامی، امیر شریعت۔ امیر المومنین۔ فی الحدیث۔ ان میں امیر کی نسبت خصوصی چیزوں کی طرف ہے۔ جیسے رب کے معنی مالک کے ہیں۔ اگر رب کی نسبت کسی ایسی چیز کی طرف ہو جس کا انسان مالک بن سکتا ہے تو رب کی نسبت جائز ہوتی ہے۔ جیسے رب البیدر ۔ رب ہذا الارض۔ رب ہذا البیت یعنی رئیس شہر اس زمین کا مالک اور گھر کا مالک تو اس طرح رب کی نسبت جائز ہے۔ لیکن اگر رب کی نسبت لوگوں کی طرف ہو جیسے رب الناس اور یا رب العالمین یا رب السموات والارض جیسی نسبت ہو تو اس صورت میں رب سے مراد صرف خدا تعالیٰ کی ذات مقدس ہوگی اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا چونکہ بعض نسبتوں میں انسان بھی رب کی نسبت استعمال کر سکتا ہے تو لہٰذا اب وہ رب العالمین یا رب الناس کہلانا شروع کر دے۔ یہ کسی صورت میں بھی جائز نہ ہوگا۔ ایسے ہی امیر المومنین کا لفظ جب مطلق بولا جائے گا تو اس سے مراد تمام مسلمانوں کا موجودہ حکمران ہوگا۔

۲ دوسرا سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ قادیانی حضرات امیر المومنین کا لفظ خوش عقیدگی کی وجہ سے بولتے ہیں یا اسے باقاعدہ مذہبی عقیدہ کے طور پر بولا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہماری پہلی دلیل یہ ہے کہ مرزائیوں کی جماعت کی طرف سے جو بھی اعلانات یا ہدایات جاری ہوتی ہیں وہ ان میں صدر ا‍ـــــــیح اور امیر المومنین دونوں استعمال کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک جماعتی لقب ہے جو قادیانیوں نے اپنی جماعت کے امیر کو دے رکھا ہے۔

۳ قادیانی حضرات نے اپنے انتظامی معاملات میں سرکاری شعبوں کی طرح باقاعدہ شعبے قائم کر رکھے ہیں اور ان کے عہدیداروں کا ذکر سلطنت کے سرکاری عہدیداروں کی طرح کیا گیا ہے مثلاً ناظر امور خارجہ و داخلہ ۔ ناظر دعوت و تبلیغ۔ ناظر تعلیمات۔ ناظر امور عامہ وغیرہ۔

نوٹ:۔ مرزائیوں کے ناظر کا لفظ وزیر کے قائم مقام ہے اسی طرح مرزائیوں کے ہاں امیر المومنین کا مفہوم بھی ان معنوں جیسا ہے۔

۴ ۔ قادیانیوں نے مرزا غلام احمد کی بیوی کو ام المومنین اور سیدۃ النساء کا خطاب دیا۔ غلام احمد

کے مرید صحابی کہلاتے ہیں۔ خاندان کو اہل بیت کہا۔ قادیان کی ایک مسجد کا نام مسجد اقصیٰ رکھا گیا (پاکستان آنے کے بعد ربوہ میں مسجد اقصیٰ بن گئی) مرزا غلام احمد کے خلیفہ کو امیر المومنین کا خطاب دیا گیا۔

غرضیکہ ان تمام شرعی اصطلاحات کو مرزائیوں نے انہی معنی میں استعمال کیا جن معنی میں مسلمان استعمال کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے ان اصطلاحات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نسبت کی وجہ سے استعمال کیا لیکن مرزائی ان اصطلاحات کو مرزا غلام احمد کے ساتھ نسبت کی وجہ سے استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے امیر المومنین بھی ایک اسلامی اصطلاح ہے جو اس معنی میں استعمال کی جاتی ہے جس معنی میں مسلمانان عالم استعمال کرتے ہیں۔

۵۔ مرزائیوں کی سرگرمیوں کا جب ہم گہری نگاہ سے جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مرزائی ساری دنیا میں غالب آنے کے خواب دیکھتے ہیں۔ اس امر کو ملحوظ رکھا جائے۔ تو امیر المومنین کی مراد واضح طور پر سمجھ آ سکتی ہے۔ امت مرزائیہ کے سیاسی عزائم کیا ہیں؟ وہ مندرجہ ذیل حوالہ سے بخوبی ظاہر ہوتے ہیں۔

”بوہرہ قوم بے شک بہت مالدار قوم ہے مگر یہ امنگ کبھی ان کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتی کہ ساری دنیا پر چھا جائیں۔ بے شک میمن اور بوہرے بہت مالدار ہیں مگر ان کے دماغ کے کسی گوشہ میں بھی کبھی خیال نہ آیا کہ ہم دنیا کے بادشاہ ہو جائیں گے اور نظام عالم میں تبدیلی پیدا کر دیں گے۔ ان کی دولتیں اتنی زیادہ ہیں کہ انفرادی طور پر مدینے کو خریدنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ مگر ان کے دماغ کے کسی گوشہ میں بھی کبھی خیال نہ آیا کہ ہم نے دنیا کو فتح کرنا ہے اور دنیا کے نظام کو درہم برہم کر کے ایک نیا نظام جاری کرنا ہے مگر اس کے مقابلہ میں ایک اور قوم ہے جو اپنے مال اپنی دولت۔ اپنی عزت اپنی تعداد اور اپنے اثر و رسوخ کے لحاظ سے دنیا کی شاید تمام منظم جماعتوں سے کمزور اور تھوڑی ہے مگر باوجود اس کے اس کے دل میں یہ امنگ ہے اور اس کے ارادے اس قدر پختہ اور بلند ہیں کہ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ تمام کمزوریوں کے باوجود اور سامان کی کمی کے باوجود ساری دنیا میں تہلکہ مچا دے گی اور موجودہ نظام کو توڑ کر اور موجودہ دستور کو تہ و بالا کر کے نیا نظام اور نیا کام جاری کرے گی وہ جماعت احمدیہ ہے۔“

(خطبہ میاں محمود صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد نمبر ۵ نمبر ۸۲ ، ۲۷ اپریل ۱۹۳۸ء)

۶۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی خصوصی غور کا محتاج ہے کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے اور اس ملک کا وزیر خارجہ ایک قادیانی ہے۔ ان حالات میں اگر مرزائیوں کا امیر اپنے آپ کو امیر المومنین

کہلائے تو دوسری دنیا یہ بات سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ پاکستان ایسا ملک ہے جس میں ایک امیر المومنین بھی ہے اور پھر اس امیر المومنین کا تعارف قادیانی وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خاں کراتے ہیں۔ چوہدری ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان کی حیثیت سے مبلغ مرزائیت کا جو پارٹ ادا کر رہے ہیں اس سے قادیانیوں کے جماعتی ترجمان الفضل کی فائل بھری پڑی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں بیرونی دنیا میں مرزا محمود خلیفہ قادیان کے متعلق یہ تعارف کرا رہے ہیں کہ وہ پاکستان کا امیر المومنین ہے۔ اس دلیل کے ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل واقعہ کافی ہے اس سے آپ اندازہ کر سکیں گے دنیا اسلام مرزا بشیر الدین محمود کو کیا اہمیت دے رہی ہے؟

مرزائی وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خاں نے سلامتی کونسل میں جب مسئلہ فلسطین پر بحث کرتے ہوئے عربوں کی نمائندگی کی تو عرب لیگ کے سیکرٹری نے مرزا بشیر الدین محمود کے نام اس مضمون کا تار بھیجا کہ ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان کو مسئلہ فلسطین پر بحث کے اختتام تک یہاں ٹھہرنے کی اجازت دیدی۔ " (الفضل نومبر ۱۹۴۷ء)

عرب لیگ کے سیکرٹری کا یہ تار بہت سی باتوں کا پتہ دیتا ہے۔

۱۔ عربوں نے درخواست کی کہ چوہدری ظفر اللہ خاں مسئلہ فلسطین پر ہماری طرف سے بحث میں حصہ لے اور ہماری نمائندگی کرے۔

۲۔ چوہدری ظفر اللہ خاں نے مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان کی اجازت کے بغیر وہاں ٹھہرنے کی درخواست کو قبول نہ کیا۔

۳۔ مرزا محمود خلیفہ قادیان سے عربوں نے چوہدری صاحب کے متعلق اجازت طلب کی۔

۴۔ خلیفہ قادیان نے چوہدری ظفر اللہ صاحب کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔

تب جا کر چوہدری ظفر اللہ خاں نے مسئلہ فلسطین پر بحث میں حصہ لیا اور پھر عرب لیگ کے سیکرٹری نے شکریہ کا تار مرزا بشیر الدین محمود کے نام ارسال کیا یہ تار اخبار الفضل میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کی اشاعت پر پورے پاکستان میں احتجاج کیا گیا۔ خواجہ ناظم الدین سابق وزیر اعظم پاکستان سے دوران ملاقات اس تار کا ذکر بھی کیا گیا

نوٹ:۔ (آپ یہ اخبار الفضل محکمہ پریس برانچ سے طلب کر کے اصل حقیقت حال سے مطلع ہو سکتے ہیں)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ چودھری ظفر اللہ خاں مبلغ مرزائیت کی حیثیت سے جو پارٹ ادا کر رہے ہیں اس کی موجودگی میں مرزا بشیر الدین محمود کا امیر المومنین کہلانا دوسری دنیا میں پاکستان کو کیسی حیثیت میں پیش کیا جاتا ہے۔

آخر میں چند اہم اور ضروری باتیں عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

۱۔ اسلام میں جس طرح کتاب و سنت حجت ہے اسی طرح اجماع امت بھی حجت ہے بلکہ علم اصول کے لحاظ سے تو اجماع امت کو بہت بڑا درجہ حاصل ہے۔

جہاں تک اس عقیدے کا سوال ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہے۔ اور ہر مدعی نبوت خارج از اسلام ہے۔ یہ دنیائے اسلام کا بنیادی اور اجماعی عقیدہ ہے۔ گزشتہ ساڑھے تیرہ سو سال میں کسی بھی فرقہ کی طرف سے ایک رائے بھی اس عقیدہ کے خلاف نہیں پائی گئی اس وقت مسلمانوں کے فروعی غیر اجماعی اختلاف کی آڑ لے کر قطعی اور بنیادی عقیدہ سے انحراف بھی کرنا اور مسلمانوں میں شمار بھی ہونا کسی طرح درست نہیں قرار دیا جا سکتا۔

جب کسی ملک کے مختلف ہائیکورٹوں کے فیصلہ جات کسی قانونی دفعہ پر متفق ہوں اور اس سے کسی بھی ماہر قانون نے اختلاف نہ کیا ہو تو اس ملک کے کسی سب جج یا مجسٹریٹ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہائیکورٹ کے متفقہ فیصلے کے خلاف رائے دے بالخصوص ایسے حالات میں جبکہ کسی قانون کے وضع کرنے والے یا اس کے خاص پیش کار نے اس قانون کے وضع کرنے والے ہی سے معلومات حاصل کر کے قانون کی شرح بیان کر دی تو پھر اس سے اختلاف کسی قانون کے واضع سے بغاوت کے مترادف ہوگا۔

۲۔ کسی قانون کی ایسی شرح کرنا جو اصل قانون کو ہی بدل ڈالے یا اس کے منشاء کو ختم کر دے یہ نہ صرف ناجائز ہی ہے بلکہ اس پر قانون کی اہانت کا مقدمہ بھی عائد کیا جا سکتا ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اسلام نے چند اصطلاحات مقرر کر کے ان کے مفہوم بھی مخصوص کر دیئے ہیں تاکہ ان میں کوئی الجھاؤ واقع نہ ہو سکے اب اس کے بعد ان اصطلاحات کے مفہوم میں استعارہ، لغت یا مجاز کی آڑ لے کر کوئی تغیر واقع کرنا سراسر ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ اسلامی قانون اپنی ان مخصوص اصطلاحات کو بگاڑنے کی قطعاً اجازت نہیں دے سکتا مثلاً رحمان۔ غفور اور ستار وغیرہ اسمائے الٰہی کے معانی مخصوص ہیں۔ اب ہر کوئی ایسا شخص جس نے کسی پر رحم کیا ہو۔ کسی قصوروار کو معاف کر دیا ہو یا کسی کے عیب پر پردہ پوشی کی ہو اور وہ شخص یہ دعویٰ کرے کہ قرآن میں مجھ ہی کو یہ تمام نام دیئے گئے ہیں اور اپنے آپ کو ان حالات کی موجودگی میں رحمن۔ غفور اور

ستار کہلانا شروع کر دے تو کیا دنیا کا کوئی عقلمند انسان اس کی اس دلیل کو صحیح اور درست کہہ سکتا ہے۔ یا ایسے ہی ہر چٹھی رساں یا پیغام رساں اپنے آپ کو نبی (یعنی خبر دینے والا) اور ہر چپڑاسی اپنے آپ کو رسول (یعنی پیغام پہنچانے والا) کہلانا شروع کر دے اور لوگوں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دینے لگے تو کیا عقل و خرد اسے تسلیم کر کے ان کے استعمال کی اجازت دے دے گی۔

اسلام دراصل اپنی مقدس اصطلاحات اور ان کے مفہوم کی عظمت برقرار رکھنا چاہتا ہے اگر ان اصطلاحات پر سے پابندی ہٹا دی جائے تو عظمت ختم ہو جائے گی اور پھر اسلامی نظام بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔ اسلام کی قائم کردہ حدود کو جو شخص بھی توڑے گا اسے اس کے جرم کی قرار واقعی سزا دی جائے گی یعنی اگر وہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے تو اس کی یہ سزا کیسے معاف کی جا سکتی ہے؟

اس سلسلہ میں ایک اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے کہ علمائے کرام ہر مسلمان کو کافر کہتے ہیں اور یہ کہ جب تمام فرقے ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں تو ان کا کیا اعتبار ہے۔ معترضین ساتھ ہی یہ آیت بھی پڑھ دیتے ہیں کہ لا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مومنا۔

یہ بات مسلم ہے کہ کسی کی تکفیر کے معاملہ میں انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ اسی لئے فقہائے امت نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے قول میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا ہو تو اسے پھر بھی کافر نہیں کہنا چاہئے اس سے بڑھ کر احتیاط اور کیا ہو سکتی ہے جو فقہائے امت نے کی مگر یہ فتویٰ بھی ان ہی فقہا لوگوں نے دیا کہ حضور علیہ السلام کے بعد کسی قسم کا دعویٰ نبوت یا مدعی نبوت کی تصدیق موجب کفر اور خروج عن الاسلام ہے اس دور کے علمائے کرام نے بھی اسی فتویٰ کا اعلان کیا ہے جو ان فقہائے امت نے دیا۔ موجودہ زمانہ کے علماء پر یہ الزام عائد کرنا کہ وہ خواہ مخواہ تکفیر کرتے ہیں صریح ظلم اور عدم واقفیت پر مبنی ہے رہا یہ سوال کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے باہمی ایک دوسرے کی تکفیر کیوں کرتے ہیں اس کا جواب اگرچہ بیانات میں دیا جا چکا ہے لیکن یہاں یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہائے امت نے اجماعی طور پر کسی ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ صادر نہیں کیا جیسے آج کل ہمارے ہاں بعض مسلمانوں پر عائد کیا جاتا ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ہم بھی حتی الوسع کسی کو خواہ مخواہ کافر کہنے سے گریز کریں۔ کیونکہ یہ فعل ایک شبہ کی بنا پر کیا جاتا ہے اور شبہ میں ملزم کو فائدہ پہنچتا ہے مگر شہادت قطعی کے بعد کسی ملزم کو بری کرنا اور اس کی دلیل میں کسی دوسرے مقدمہ کی شہادت کے ناقص ہونے کا حوالہ دینا انصاف کو اپنی چھری سے ذبح کرنے کے مترادف ہے۔

جہاں تک اس آیت قرآنی کا تعلق ہے اس میں پہلی غور طلب بات یہ ہے کہ آیت میں السلام فرمایا ہے اسلام نہیں فرمایا۔ جب اسلام کا لفظ ہی نہ بولا گیا ہو تو اس سے مراد یہ لینا کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے تم اسے کافر نہ کہو۔ کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ دعویٰ کے مطابق قرآن کے کسی لفظ سے یہ ثابت نہیں ہو سکا۔ قرآن پاک خدا تعالیٰ کا کلام ہے اس میں اسلام اور سلام کا کچھ تو بیّن فرق ہو گا۔

سلام معنی دعا یعنی سلامتی اور رحمت ظاہر ہے کہ اسلام ایک مذہب ہے یہاں پر سلام سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہیں السلام علیکم کہے تو تم اس کے غیر مومن ہونے کا دعویٰ نہ کرو! اور سلام کہنے والے کی زندگی کی جانچ پڑتال نہ شروع کر دو کہ یہ کہنے والا کیسا ہے اور اس آیت میں یہ بھی نہیں فرمایا کہ اسے تم ضرور مومن سمجھو!

اس کی ایک تیسری صورت یہ ہے اور ممکن ہو سکتی ہے کہ ہم اس کی نسبت کوئی فیصلہ ہی نہ کر پائیں بلکہ جستجو کریں کہ فی الواقع یہ شخص مومن ہے یا کافر ہے دراصل اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی جہاد کے سفر میں مسلمانوں کو ایک چرواہا ملا اس نے مسلمانوں کو السلام علیکم کہا۔ مسلمانوں نے یہ سمجھ کر کہ شاید یہ شخص کافر ہے اور اپنے مال و جان کی حفاظت کے لئے اس نے ہمیں السلام علیکم کہا ہے انہوں نے اسے قتل کر کے اس کے مویشیوں اور دیگر مال پر قبضہ کر لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی یا ایہا الذین آمنوا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مومناً۔

اس آیت میں حکم ہے کہ ایک علامت اسلام کی (یعنی السلام کہنا) پائی گئی تو اس کے غیر مومن ہونے کا حکم نہ دینا چاہئے کسی مسافر پر بلا تحقیق ایسا حکم دینا جائز نہیں۔ اس آیت میں دو دفعہ تبینوا فرمایا گیا کہ تحقیق کے بعد جس قسم کا ثبوت مہیا ہو اسی قسم کا حکم لگایا جائے اور اس آیت سے یہ بات بھی ثابت نہیں ہوئی کہ جو بھی سلام کر دے تم اس پر مومن کا حکم لگا دو۔

۳۔ کسی شے کی تعریف اور اس کی علامت میں بہت فرق ہے تعریف میں اس کی ماہیت کا ذکر ہوتا ہے اس میں کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی جاتی اور علامت میں اس کی کسی ایسی صفت کا ذکر کیا جاتا ہے جسے دیکھ کر یا معلوم کر کے عام لوگ اس چیز کا پتہ لگا لیں۔ مثلاً ایک مسافر ہے وہ کسی گاؤں میں مسجد کے مینار دیکھ کر یہ اندازہ کر لیتا ہے کہ یہ گاؤں مسلمانوں کا ہے لیکن جب مسلمانوں کی تعریف کی جائے گی تو پھر یہ نہیں کہا جائے گا کہ مسلمان وہ ہے جو مسجد والے گاؤں میں آباد ہو مثلاً ایک شخص یقیناً اسے مسلمان سمجھے گا مگر ایسی مونچھیں اور داڑھی اسلام کی تعریف میں شامل نہیں یعنی جب ایک شخص مسلمان ہونا چاہے تو اس کی داڑھی مونچھ درست کر کے اس کے سر پر ترکی ٹوپی رکھ دینے سے ہی وہ مسلمان نہیں ہو جائے گا اس کے لئے

اسلام نے جو طریقے بتائے ہیں اور جن چیزوں کے اقرار کرنے کی تاکید فرمائی ہے وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

اس تمہید کے بعد یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ اسلام کی تعریف اور ہے اور سلام یا مسلمان کی علامت اور۔ علامت کا دارومدار حقیقت پر نہیں ہوتا بلکہ عرف عام پر ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں مسلمانوں کو بعض علامتیں بتاری جاتی تھیں کہ مسلمان کی علامت یہ ہے تاکہ وہ غلطی سے مسلمان آبادی پر شبخون نہ ماریں۔ ان علامتوں میں حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ کسی قوم پر حملہ کے لئے صبح کا انتظار کرنا اور ان کی آبادی سے آذان کی آواز آ جائے تو انہیں مسلمان سمجھنا مگر جب کسی کافر کو مسلمان بنانا ہو تو اس کے متعلق یہ فرمایا گیا کہ ان سے اس امر کا اقرار لیں کہ اللہ تعالے ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالے کے سچے رسول ہیں لیکن جو شخص پہلے سے مسلمان ہے اس کو پہچاننے کے لئے علامت کی ضرورت ہوگی اور اس علامت کا مدار عرف عام پر ہوگا۔ حضور علیہ السلام کی حدیث من صلی صلواتنا واستقبل قبلتنا الخ میں مسلمان کی تعریف نہیں بلکہ علامت کا ذکر کیا گیا ہے۔

۵۔ ایک ہے اسلام میں کسی کا داخل ہونا اور ایک ہے اسلام سے کسی کا خارج ہو جانا۔ یہ دو جداجدا امر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے جن امور کا ماننا ضروری ہے اسلام سے خارج (کافر ہونے) ہونے کے لئے ان سب کا انکار ضروری نہیں بلکہ کسی ایک امر کا انکار ضروری ہے۔ مثلاً جب ہم مسلمان کی تعریف یہ کریں کہ جو شخص اللہ تعالے کو ایک اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے کا پیغمبر برحق تسلیم کرے اب خروج از اسلام کے لئے دونوں کا انکار ضروری نہیں بلکہ صرف ایک کا انکار بھی موجب کفر ہوگا ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ ان کے تمام احکام کو درست تسلیم کرنا ضروری ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے کے ساتھ آپ کے لائے ہوئے ہر پیغام کو صحیح تسلیم کرنا بھی ضروری۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کو ماننے کا مطلب ان کے ہر پیغام کو ماننا ہے لیکن جو شخص مسلمان ہونے کے بعد خدا اور رسول خدا علیہ السلام کے کسی ایک قطعی حکم کا بھی انکار کر دے تو وہ شخص خارج از اسلام و کافر ہو جائے گا۔

ایک شبہ کا ازالہ

ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام میں احکام تو بہت ہیں مثلاً نماز پڑھنا، داڑھی رکھنا، مسواک کرنا۔ بیٹھ کر پیشاب کرنا وغیرہ کیا ان میں سے کسی ایک حکم کو چھوڑ دینے سے آدمی مسلمان نہیں رہ سکتا؟ اگر درست تسلیم کر لیں تو پھر مسلمان کون رہے گا؟

الجواب :

اول یہ جاننا چاہئے کہ انکار کرنا اور ترک کرنا ایک بات نہیں بلکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایمان یقین کا نام ہے اور کفر مکر جانے کا نام ہے۔ ترک نام ہے کسی حکم کو بجا نہ لانے کا۔ جب کوئی آدمی اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام کو صحیح اور درست ہونے پر یقین رکھتا ہے وہ مسلمان ہے اور جب تک ان کے متعلق یقین رکھے گا وہ مسلمان ہی رہے گا چاہے وہ کسی حکم پر عمل نہ بھی کرے مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ چاہے کمزور سے کمزور تر ہو اور اگر وہ کسی ایک بات کا ہی انکار کر دے تو اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالےٰ کی بتائی ہوئی ہدایات نبی کے ذریعے سے معلوم ہوتی ہے کسی بات کا انکار کرنا اس بات کو جھوٹ قرار دینے کے مترادف ہے۔ جب نبی کی بتائی ہوئی کسی بات کو جھوٹ کہہ دیا گیا تو گویا اس شخص نے نبوت ہی کا انکار کر دیا کیونکہ یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کا نبی تو ہے مگر وہ اللہ کی طرف جھوٹ بھی منسوب کرتا ہے اس ضمن میں ایک اہم نکتہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کو یہ سزا دینا کہ وہ کافر ہو گیا ہے سب سے بڑی سزا ہے اس کے لئے شہادت قطعی ضروری ہے یعنی جس چیز کے انکار سے کفر کا فتویٰ دیا جائے گا اس کا یہ ثبوت کہ اللہ تعالیٰ یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کسی قطعی دلیل سے ہونا شرط ہے ظاہر ہے کہ قرآن کریم سب فرقوں کے نزدیک قطعی الثبوت ہے تو قرآن کریم کے کسی بھی حکم کا انکار (یعنی اس کو جھوٹا سمجھنا) سارے قرآن کے انکار کو مستلزم ہے جو شرعی باتیں دلیل ظنی سے ثابت ہوں یعنی حدیث پاک سے اور حد تواتر تک نہ پہنچیں اور نہ ہی اس پر اجماع ہو اس کے انکار سے کفر لازم نہ آئے گا۔ بلکہ ضلالت کا درجہ ہو گا کیونکہ ایسی شرعی بات کی نسبت یہ سمجھنا کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمودہ ہے۔ یقینی نہیں بلکہ گمان غالب ہے لہٰذا آخری سزا نہیں دی جا سکتی۔ ہاں وہ بات جس وقت نبی علیہ السلام نے فرمائی تھی اگر کوئی شخص اس وقت حضور علیہ السلام کے منہ سے سن کر انکار کرتا تو کافر ہو جاتا۔ کیونکہ آپ سے سن کر انکار کرنا نبوت سے انکار کو مستلزم ہے نتیجہ یہ کہ اسلام نام ہے اللہ اور رسول علیہ السلام کے جملہ فرمانوں کو صحیح اور درست یقین کرنے کا اور کسی قطعی الثبوت بات کے انکار کر دینے کا نام کفر ہے جس طرح اللہ تعالےٰ کی توحید اور محمد کی نبوت فرضیت نماز وغیرہ قرآن کی قطعیت سے ثابت ہے اسی طرح یہ بات کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ پر تمام نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا با جماع امت قرآن کریم سے قطعی طور پر ثابت ہے اس لئے جس طرح توحید یا نفس رسالت محمدیہ کا منکر کافر ہے اسی طرح آپ کو آخری نبی نہ ماننا یا آپ کے بعد کسی قسم کی نبوت کے اجراء کو درست سمجھنا یا دعویٰ نبوت کرنا یا ایسا دعویٰ کرنے

کرنے والے کو اس کے دعاوی میں سچا سمجھنا۔ جب نظریہ کا اور اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آج تک امت کا اجماع ہے۔

یہ بات کہ مسلم کی تعریف کیا ہے اور کیا موجودہ زمانہ میں علماء کسی تعریف پر اتفاق ہے مجھے یقین ہے کہ آج بھی علماء اصولاً تعریف مسلم پر متفق ہیں مگر اس سے کہ اس کی تعریف کی جائے چند امور ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں

(ا) معرف جب کسی چیز کی تعریف کرتا ہے تو کبھی اجمال سے کبھی تفصیل سے کام لیتا ہے۔

(ب) کبھی تعمیم بعد از تخصیص اور کبھی تخصیص بعد از تعمیم کرتا ہے۔

(ج) کبھی مخاطب کا خیال کر کے اس پر تعریفات کو بھی مرتب کر دیتا ہے۔

(د) کوئی شخص خواہ کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو مگر کسی فن کو سمجھنے کے لئے اس فن کی اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے اور اصطلاحات کے استعمال کے لئے ان کے اسباب ہوتے ہیں ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔

(ہ) کبھی اعمال کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ علامات ایمان معلوم ہوں۔

مسلمان کی تعریف

اللہ تعالیٰ کو ایک اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کا رسول ماننا۔ جب اللہ تعالےٰ کو ایک مان لیا تو گویا وہ لاشریک ہوا اور اس کے جملہ احکام سچے ہوئے۔ جب پیغمبر علیہ السلام کو پیغمبر رسول مان لیا تو گویا جو باتیں اللہ تعالےٰ سے علم پا کر (نبی کوئی بات بغیر اطلاع ربانی نہیں کرتا) آپ نے بیان فرمایا سب کو درست تسلیم کیا۔ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ کو ماننا یہ ہے کہ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کے جملہ فرمان سچے ہیں اور پیغمبر کو ماننے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کا یہ دعویٰ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنس بنی نوع انسان کی طرف ہدایت دے کر بھیجا گیا ہوں درست ہے اور آپ کے جملہ احکام اور ہدایات صحیح ہیں۔

اب قرآن و سنت اور اجماع صحابہ و امت سے مسلمان کی مختلف موقعوں پر منقول تعریفیں نقل کی جاتی ہیں۔ اصل تعریف میں کوئی اختلاف نہ ہو گا بلکہ کسی جگہ اجمال کسی جگہ تفصیل کسی جگہ تعمیم بعد از تخصیص اور کسی جگہ تخصیص بعد از تعمیم یا علامات ایمان یا کسی امر کی شرح وغیرہ کہ مسلمان وہ ہے جو زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے کہ :

۱۔ آمنت باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ وقبلت جمیع احکامہ۔
۲۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ واشہد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ
۳۔ آمنت باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللہ تعالٰی والبعث بعد الموت۔
۴۔ ذالک الکتٰب لاریب فیہ ھدًی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاٰخرۃ ھم یوقنون ○
۵۔ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون کل اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ۔ الخ
۶۔ یاایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذی نزل علٰی رسولہ والکتاب الذی انزل من قبل ومن یکفر باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر فقد ضل ضلالا بعیدا ○
۷۔ قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الٰی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسٰی وعیسٰی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہٗ مسلمون فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا وان تولوا فانما ھم فی شقاق فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم
۸۔ ان تشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ وتقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا (حدیث)
۹۔ ان تؤمن باللہ وملٰئکتہ ورسلہ وکتبہ والیوم الاٰخر وتؤمن بالقدر خیرہٖ وشرہٖ۔
۱۰۔ بنی الاسلام علٰی خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدًا عبدہٗ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان (الحدیث)

باب پنجم

۱۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے مخالفین کا انجام

۲۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے بارہ میں دس سوالات کے جوابات

۳۔ متفرقات

۴۔ خاتمۃ الکتاب

۵۔ تاریخی اشتہارات

۶۔ یادگار نظمیں

نوٹ :۔ ۱۔ تحریک ختم نبوت کے مخالفین کے انجام کے بارہ میں مولانا تاج محمودؒ کے بیان کردہ واقعات ہیں۔

۲۔ اقبال شاہد اکیڈمی ٹورنٹو کینیڈا نے تحریک ختم نبوت کے خلاف دس سوالات لکھ کر پمفلٹ کی شکل میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ارسال کئے۔ ان سوالات میں مرزائیت کی نہ صرف خوب وکالت کی گئی۔ بلکہ کسی شیطان دماغ قادیانی نے انہیں مرتب کیا ہے ان سوالات کے جوابات مولانا خالد محمود صاحب نے مرتب کئے ہیں سوالات و جوابات شامل اشاعت ہیں۔

۳۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے متعلق جو متفرق روایات و واقعات کتاب میں اپنے اپنے مواقع پر نہ آ سکے ان کو "متفرقات" کا عنوان دیا گیا ہے۔

۴۔ خاتمۃ الکتاب اس میں حضرت لاہوریؒ کی ایک روایت درج ہے جس سے تحریک میں حصہ لینے والے لوگوں کی قدر و منزلت اجاگر ہوتی ہے۔

۵۔ تحریک ختم نبوت سے متعلق چند ایک اشتہارات و تحریرات اور بعض اکابر کے تبرکات شامل کر دیئے ہیں۔

۶۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک سے متعلق یادگار نظمیں شامل اشاعت ہیں۔

تحریک کے مخالفین کا انجام

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں

اگرچہ تحریک قہراً کچل دی گئی اور حکمران بظاہر کامیاب ہوئے لیکن لاکھوں مسلمانوں کا جیلوں میں جانا۔ ہزاروں مسلمانوں کا خاک و خون میں تڑپ کر شہید ہونا چھوٹے چھوٹے بچوں کا سینوں پر گولیاں کھانا اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہی قدرت نے ان لوگوں کو معاف کیا۔ جنہوں نے معصوم و مظلوم مسلمانوں پر ستم ڈھائے تھے سردار عبدالرب نشتر مرحوم نے ایک تقریب میں آغا شورش کاشمیری مرحوم سے فرمایا۔ شورش جو لوگ خوش ہیں کہ تحریک ختم نبوت کچل دی گئی' وہ احمق ہیں۔ ہم میں سے جس شخص نے اس مقدس تحریک کی جتنی مخالفت کی تھی اتنی سزا اسے قدرت نے اس دنیا میں دے دی ہے اور ابھی عاقبت باقی ہے۔ تحریک کے سب مخالفین روح کے سرطان میں مبتلا ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تحریک ختم نبوت کی مخالفت کرنے والے اس کو کچلنے والے۔ ظلم کرنے اور بے گناہوں کا خون بہانے والوں کو قدرت نے دنیا ہی میں اس کی عبرتناک سزا دی۔

ملک غلام محمد

ملک کے اس وقت گورنر جنرل تھے اس وقت ارباب اقتدار کے اس گروہ کے سرغنہ تھے جو تحریک کا دشمن اور مخالف تھا۔ پھر انہوں نے تحریک کے بعد اپنے رشتہ دار جسٹس منیر کو انکوائری کمیشن کا چیئرمین بنا کر وہاں علماء اور اہل حق کی تذلیل کا سامان کیا۔ اس غلام محمد کو فالج ہوا۔ مفلوج حالت میں نہایت ذلت کی زندگی کا آخری حصہ گزارا۔ اس کی آخری زندگی ایک ذلیل جانور سے بھی بدتر ہو گئی مرنے کے بعد لوگوں نے اسے چوڑھوں کے قبرستان میں دفن کیا۔ آج کوئی مسلمان اس کی قبر پر نہ سلام کہتا ہے اور نہ دعائے مغفرت۔

سکندر مرزا

دوسرے نمبر پر تحریک کا دشمن سکندر مرزا تھا۔ یہ تحریک کے دنوں ڈیفنس سیکرٹری تھا۔ مرزائی سیکرٹریوں سے مل کر تحریک کو تباہ کرنے کے درپے ہوا۔ حتیٰ کہ جب پنجاب حکومت لوگوں کے احتجاج اور قربانیوں سے زچ ہو گئی تو حکومت پنجاب نے ریڈیو پر اعلان کر دیا کہ لوگوں کو صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ حکومت پنجاب کے دو نمائندے مرکزی حکومت کے پاس مطالبات منوانے کے لئے جا رہے ہیں۔ سکندر مرزا نے اس وقت خواجہ ناظم الدین کو مجبور کر کے اور نیم پونی اجازت لیکر لاہور فوج کے حوالے کرا دیا اور کرفیو لگا دیا۔ جنرل اعظم نے ظلم

کی انتہا کر دی اور اس سے بھی بڑھ کر میجر ضیاء الدین قادیانی نے یہاں تک کیا کہ مرزائی نوجوانوں کو فوجی جیپوں میں سوار اور مسلح کر کے فوجی وردی کے ساتھ شہر میں گشت کے لئے بھیج دیا اور حکم دیا کہ جہاں کہیں مسلمانوں کا اجتماع دیکھیں اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیں۔ جیسا کہ منیر انکوائری رپورٹ میں پنجاب اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے سکندر مرزا پر بھی خدا کی گرفت آئی۔ اس کا جوان بیٹا جو ایئر فورس کا آفیسر تھا جہاز جلا ہونے سے بھسم ہو گیا کچھ عرصہ بعد ایوب خاں کمانڈر انچیف نے سکندر مرزا سے اقتدار چھین لیا اور اسے مال بردار جہاز میں سوار کر کے انتہائی ذلت کے ساتھ کوئٹہ اور وہاں سے لندن بھیج کر جلا وطن کر دیا۔ سکندر مرزا کی بات تو یہ تھی کہ ڈیفنس سیکرٹری کے بعد گورنر جنرل بنے پھر یہ ذلت دیکھی کہ لندن میں ایک معمولی ہوٹل کے معمولی ملازم کے طور پر بیچ زندگی برتن دھو کر گزار دی اسی بے کسی میں لندن میں مر گیا۔ اس کی بیوی نے امانتاً لندن میں دفن کیا پھر شہنشاہ ایران سے رابطہ کر کے اسے ایران لا کر دفن کیا۔ کیونکہ سکندر مرزا کی بیوی ناہید ایرانی تھی۔ اس لئے ایران میں دفن کی اجازت مل گئی لیکن شہدائے ختم نبوت کے خون کا رنگ دیکھئے اور قدرت کا انتقام ملاحظہ کیجئے تھوڑے دنوں بعد شہنشاہ ایران کو اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔ وہاں پر جناب خمینی صاحب کی حکومت آ گئی اس کے رضاکاروں نے سکندر مرزا کی قبر اکھاڑ کر میت کا تابوت باہر پھینک دیا۔ حصے کتے اور جنگلی جانور کھا گئے۔ ہڈیاں وغیرہ سمندر میں ڈال دی گئیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مسٹر دولتانہ

پنجاب کا وزیر اعلیٰ تھا اس نے بھی تحریک کو کچلنے اور بدنام کرنے میں بہت زیادہ حصہ لیا قدرت کا انتقام دیکھئے پہلے وزارت گئی۔ پھر مسلم لیگ سے چھٹی۔ گوشہ گمنامی میں چلا گیا۔ حالانکہ پاکستان کی بانی ٹیم کا رکن تھا۔ اس کی ذلت کی انتہا یہ ہے کہ وہ ایک دفعہ ٹرین سے کراچی جا رہا تھا۔ اس ٹرین میں ذوالفقار علی بھٹو بھی سفر کر رہا تھا جب بھٹو صاحب کو علم ہوا کہ اس ٹرین کے کسی ڈبے میں ممتاز احمد خاں دولتانہ بھی سوار ہیں تو کسی اسٹیشن پر بھٹو صاحب نے اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ اس ٹرین کے کسی اگلے ڈبے میں ایک "چوہا" بھی سفر کر رہا ہے اور پھر اس سے بڑھ کر دولتانہ کی ذلت دیکھئے کہ دولتانہ نے اپنے ہی سیاسی حریف ذوالفقار علی بھٹو کا ملازم بن کر انگلستان کی سفارت قبول کر لی اور بھٹو صاحب کا کورنش بجا لانے لگا۔ پھر وزارت کی طرح سفارت بھی گئی۔ اس وقت وہ زمانہ کے ہاتھوں اپنے کئے کی سزا بھگت رہا ہے۔

خان عبدالقیوم خاں

یہ سرحد کا مرد آہن تھا۔ اس نے بھی تحریک ختم نبوت کے مجاہدین پر ظلم و ستم کیا اس کی وزارت بھی قدرت نے چھین لی۔ مسلم لیگی ہو کر مسٹر بھٹو کے ساتھ شریک اقتدار ہوا۔ ایک میٹنگ میں بھٹو صاحب نے ایسا ذلیل کیا کہ دم بخود ہو گیا۔ وہ پیدور کے چکر صبح و شام موقف میں تبدیلی نے اس کی عزت بھی خاک میں ملا دی۔

خواجہ ناظم الدین

طبعاً نیک اور شریف انسان تھے ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن مرزائیت سے اتنے خائف تھے کہ ظفر اللہ خاں مرتد قادیانی کو پورے ملک کے احتجاج کے باوجود وزارت سے نکالنے پر آمادہ نہ ہوئے حالانکہ جہانگیر پارک کراچی کے مرزائیوں کے جلسہ میں جب ظفر اللہ خان مرتد قادیانی شرکت کے لئے جانے لگا تو خواجہ صاحب نے ان کو منع کیا۔ ظفر اللہ خاں مرتد قادیانی نے کہا کہ میں وزارت چھوڑ سکتا ہوں اپنی جماعت (قادیانی) کا جلسہ نہیں چھوڑ سکتا۔ اس جلسہ میں بہت بڑا فساد ہوا۔ مرزائیوں کے کئی ہوٹل اور دوسرے تجارتی ادارے مشتعل جلوس نے پھونک دیئے ظفر اللہ خان کی اس شرکت اور حکم نہ ماننا وزارت سے علیحدگی کا باعث قرار دیا جا سکتا تھا۔ مگر خواجہ صاحب کی شرافت یا بزدلی مانع ہوئی۔ چنانچہ خواجہ صاحب بھی ہمیشہ کے لئے اقتدار سے محروم ہو گئے اور ابھی تک قیامت کی جواب دہی اور ذمہ داری ان کے سر ہے۔

میاں انور علی

ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی پنجاب تھا۔ تحریک کے دنوں میں مرکزی حکومت نے اس کو کراچی طلب کیا اور تھپکی دی کہ تمہیں آئی جی بنا دیا جاتا ہے۔ تم اس تحریک کو کچلنے میں کیا کردار ادا کر سکتے ہو۔ میاں انور علی نے سکندر مرزا ایسے سازشیوں کے ذریعے خواجہ ناظم الدین کو جواب دیا کہ میں صرف ایک ہفتہ میں تحریک کو کچل سکتا ہوں' یہ آئی جی بنا دیا گیا۔ اس نے اسلامیان لاہور اور پنجاب کے دوسرے اضلاع کے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی ایک نئی داستان رقم کی۔ وقت گزر گیا۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے اس کے ساتھ اپنی گھریلو زندگی میں ایک ایسا بدترین سانحہ پیش آیا جس سے اس کی ساری زندگی کی عزت خاک میں مل گئی۔ (اس کی ایک ...... جناب ...... کے صاحبزادے کے ساتھ ......) اس سانحہ سے اس کی غیرت رسوائی کے گہرے گڑھے میں دفن ہو گئی۔ وہ سانحہ چونکہ ایوب خاں مرحوم کے صاحبزادوں سے متعلق تھا اس لئے اس نے اس سانحہ کی اطلاع ایوب خاں کو دی اور اس خاص غرض سے دی (کہ اب ان دونوں کو شرعی طریقہ پر منسلک کر دیا جائے) ایوب خان مرحوم برہم ہو گئے اور اپنے سامنے سے "گٹ آؤٹ" کہہ کر نکال دیا اور ایسے ہتک آمیز الفاظ استعمال

گئے جو نصیب ہم نہیں۔ (ان گدھیوں کو باندھ کر رکھو کہ گدھوں کے پاس نہ جایا کریں) اور ساتھ ہی اس کی موقوفی کے آرڈر بھی بھیج دیے ایک ہفتہ میں تحریک کچلنے والا ایک لمحہ میں دنیا و آخرت کی رسوائیاں لے کر واپس آگیا۔ اس طرح خونخوار بھیڑیے کا حشر ہوا۔

جنرل اعظم

لاہور میں مارشل لاء کا انچارج بنایا گیا اس نے میجر ضیاء الدین قادیانی کو مارشل لاء کا نظم و نسق سپرد کر دیا۔ پیچھے سے سکندر مرزا تار ہلا رہے تھے اور یہ پوچھتے تھے کہ آج کتنی لاشیں اٹھائی گئی ہیں۔ قادیانی میجر نے قادیانی فرقان فورس کے قادیانیوں کو مسلح کر کے لاہور میں مجاہدین ختم نبوت کا قتل عام کرایا۔ آج یہ جنرل اعظم "پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں" کی تصویر بنا بیٹھا ہے جس مرزائیت کے تحفظ کے لئے اس نے مسلمانوں کا قتل عام کرایا وہ مرزائیت اس کے سامنے اور یہ اس کے سامنے اپنی موت کے دن گن رہے ہیں۔ ایک دو مرتبہ سیاست کو منہ مارنے کی کوشش کی ہے لیکن لاہور کے مارشل لاء کی ابدی لعنت سے اس کا سیاہ چہرہ لوگوں کو کبھی پسند نہیں آیا۔

ڈپٹی کمشنر غلام سرور

یہ سیالکوٹ میں تعینات تھا اس نے تحریک کے رضاکاروں پر بے تحاشہ ظلم و ستم کیا۔ قدرت کا انتقام دیکھئے کہ یہ پاگل ہو گیا ڈپٹی کمشنر ا اس سے لا کر پاگل خانے میں بند کر دیا گیا۔

راجہ نادر خاں

میری گرفتاری کے وقت پولیس کے ساتھ یہ صاحب بھی تھے فقیر نے ان کے لئے کبھی بددعا نہیں کی لیکن قدرت کا انتقام دیکھئے کہ کار کے ایک حادثہ میں ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پاکستان سے لندن تک ڈاکٹروں نے جواب دیدیا۔ قابل رحم حالت میں انتقال ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی یہ تکلیف کسی اور آزمائش اور سلسلے کی کڑی ہو مگر اس مظلوم (مولانا تاج محمود) کا دل گرفتاری کے وقت ان کی طرف سے آزردہ ضرور ہوا تھا۔

قدرت کی قہاریت کا عجیب واقعہ

مجھے جب لائل پور سے لاہور لے جا کر قلعہ میں بند کیا گیا تو میرے پاس چوہدری بہلول بخش ڈی۔ ایس پی تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ میرا لڑکا ایم۔ سی ہائی سکول میں آپ کا شاگرد رہا ہے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس سے بڑھ کر

اور کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ وحشت نگری میں آپ نے میری خیریت دریافت کی ہے۔ اگلے روز پھر وہ تشریف لائے اور کہا مولانا انہوں نے کچھ فارم چھپوائے ہیں آپ ان پر دستخط کر دیں اور گھر جائیں میں سمجھ گیا کہ چوہدری صاحب کا اشارہ معافی نامہ کے فارموں کی طرف ہے۔ میں نے کہا چوہدری صاحب کہ جو لوگ میرے ہمراہ سینوں میں گولیاں کھا کر حضور علیہ السلام کے نام و ناموس پر شہید ہو گئے۔ لائل پور کی سڑکوں پر ابھی تک ان کا خون خشک نہیں ہوا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ماؤں کے بچے مروا کر خود معافی نامہ پر دستخط کر کے گھر چلا جاؤں۔ چوہدری صاحب شرمندہ ہوئے' معذرت کی اور کہا کہ اگر آپ یہ حوصلہ رکھتے ہیں تو پھر آپ کا ڈٹ جانا ہی اصولی طور پر درست ہے۔ شیخ محمد شفیع انار کلی لائل پور والے چوہدری صاحب کے بہت گہرے دوست تھے۔ وہ ان سے ملنے کے لئے شاہی قلعہ میں آئے۔ ان دونوں کے درمیان میرا بھی ذکر آیا اور خدا جانے آپس میں کیا باتیں ہوئیں۔ شیخ محمد شفیع نے لائل پور واپس جا کر یہ مشہور کر دیا کہ مولانا تاج محمود کو شاہی قلعہ میں پولیس نے اتنا مارا ہے کہ ان کی دونوں ٹانگیں اور دونوں بازو توڑ دیئے ہیں۔ یہ بات اڑتے اڑتے چک نمبر ۳۰۸ جھنگ برانچ نزد چنیوٹ جہاں میرے والد صاحب مرحوم مقیم تھے ان تک پہنچ گئی۔ ان کو یہ سن کر انتہائی صدمہ ہوا۔ میری والدہ بتاتی تھیں کہ تمہارے ابا جی نے یہ دردناک خبر سن کر ۳ ماہ تک رات کو تکیہ پر سجدے کی حالت میں راتیں گزاریں۔ انہیں یہ صدمہ سیدھے سونے نہیں دیتا تھا تین ماہ بعد میرے بڑے بھائی موضع ہری پور ہزارہ سے مجھے ملنے کے لئے حکومت کی اجازت ملنے پر آئے۔ کیمبل پور جیل میں ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں سی آئی ڈی کا انسپکٹر رپورٹنگ کے لئے حکومت کی طرف سے موجود تھا۔ میرے بڑے بھائی گفتگو کرتے ہوئے میرے دونوں بازوؤں ٹانگوں کو بڑے غور سے دیکھتے تھے بار بار ان کے ایسا کرنے پر مجھے کچھ شبہ ہوا' تو میں نے پوچھا کہ بھائی جان آپ بار بار غور سے میرے بازوؤں اور ٹانگوں کو کیوں دیکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ شاہی قلعہ میں آپ کی ٹانگ کہاں سے توڑی گئی اور بازو کہاں سے؟ میں نے کہا اللہ کا شکر ہے۔ میری دونوں ٹانگیں و بازو صحیح سالم ہیں۔ انہوں نے ایک لمبی آہ بھری اور کہا کہ جھوٹی خبر تھی کہ آپ کو قلعہ میں ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ بالکل جھوٹ ہے مگر آپ تک یہ خبر کیسے پہنچی' انہوں نے ساری حقیقت حال کہہ سنائی جس کا مجھے بہت دکھ ہوا کہ میرے ضعیف باپ کو کس قدر شدید اذیت اور ذہنی کوفت پہنچائی گئی۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ میں نظر بندی کے دن پورے کر کے گھر رہا ہو کر آ گیا اور اس واقعہ کا شیخ صاحب مرحوم سے تذکرہ تک نہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ شیخ صاحب جیپ کے لئے ایک حادثہ کا سرگودھا روڈ پر شکار ہوئے اور ان کے دونوں بازو اور دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔

جس کی میرے دل میں ہرگز خواہش و تمنا نہ تھا' لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب و غریب نظارے سامنے آتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

دس سوالات کے جوابات

از علامہ خالد محمود

ہمیں کینیڈا سے اقبال شاہد اکیڈمی ٹورنٹو کا ایک مراسلہ موصول ہوا۔ جس میں ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے بارے میں دس سوال اس کے سیاسی اور واقعتی پہلوؤں سے کئے گئے ہیں۔ پہلے سوال نقل کیا جاتا ہے اور پھر اختصار کے ساتھ اس کا جواب سپرد قلم ہے۔

سوال =۱۔ اگر یہ تحریک مذہبی تحریک تھی تو یقیناً ہمدردی' پرخلوص سیاسی سپرٹ اور روحانی و اخلاقی اقدار کی حامل ہو گی' براہ مہربانی بتائیں کہ ان اوصاف کا تحریک میں کتنا عملی حصہ تھا؟

جواب = ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کا مقصد' جیسا کہ واقعات سے معلوم ہے' اسلام کے ارفع و اعلیٰ عقیدہ ختم نبوت کو پاکستان کی تعمیر میں واقعی ایک ایسی اساس مہیا کرنا تھا جس کے تحت واقعی ایک اسلامی مملکت بن سکے اور آئندہ یہاں پاکستان میں نفاذ اسلام کا عمل اپنی پوری بہار پر آسکے جو افراد' کارکن اور جماعتیں اس میں شریک ہوئیں ان کے اخلاص اور ان کے خالص دینی جذبات کے لئے حسب ذیل شواہد موجود ہیں

۱۔ مجلس احرار اسلام کے قائدین جو سابقاً اپنی مستقل سیاسی سوچ رکھتے تھے انہوں نے یہاں کے مسلمانوں کی متاع ایمان بچانے اور پاکستان کی اندرونی اسلامی تعمیر کے لئے اپنی سیاسی حیثیت علی الاعلان ختم کی۔ کھلم کھلا اپنی سیاسی شکست تسلیم کی تاکہ ختم نبوت کی آئندہ محنت میں کوئی سیاسی آلودگی ساتھ نہ ہو اس وقت کے سیاسی قائدین یا بعض افسران انتظامیہ اگر ان کے اس جذبہ اخلاص کو پا لیتے اور وہ ختم نبوت کے تقدس کو مجلس احرار اسلام کی مطالبہ پاکستان کی سابقہ مخالفت سے بار بار نہ جوڑتے تو پاکستان کے ان حالات کا رخ یقیناً ان حالات سے مختلف ہوتا جو بعد ازاں واقع ہوئے۔

۲۔ پاکستان کے متعدد مذہبی فرقے جو آپس میں ایک دوسرے سے بہت دور ہیں انہیں پاکستان کی آئندہ دینی تعمیر اور ایک ملی وحدت کے لئے ایک دوسرے کے قریب کرنا اور نفرتوں کے باہمی فاصلوں کو کم کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء میں ملک کے مختلف الخیال ۳۱ علماء کرام کراچی میں جمع ہوئے اور ایک مشترکہ اسلامی سلطنت کی تشکیل کے خدوخال طے کئے ان میں سب کے

اتفاق سے قادیانی شامل نہ کئے گئے سو مسلمانوں کے مختلف الخیال مکاتب فکر کا یہ پہلا فیصلہ تھا کہ پاکستان میں قادیانی بطور مسلمان کے ہمارے کسی دائرہ اور شعبہ میں داخل نہیں۔ اب ختم نبوت پر جمع ہونے کے بغیر ان کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی اور کوئی صورت نہ تھی۔ یہ ان جماعتوں کا انتہائی اخلاص تھا کہ اپنے باہمی اختلافات کے باوجود وہ ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہو گئیں۔ اگر یہ تحریک شروع نہ کی جاتی تو پاکستان کو ایک اسلامی سلطنت بنانے کا وہ مشترکہ خاکہ کلیتہ رد ہو جاتا۔ جن حضرات نے ۱۹۵۳ء کی وہ میٹنگ بلائی اور قادیانیوں کو ملت اسلامیہ سے کلیتہ علیحدہ رکھا ان کے اس موقف کی موافقت میں تحریک ختم نبوت شروع کرنا کسی بدنیتی یا سیاسی غرض مندی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

نیز انکوائری رپورٹ میں مسلمانوں کے سب طبقوں کا ختم نبوت کی اس تحریک کی حمایت کرنا ان الفاظ میں ملتا ہے۔

اس شورش کو جماعت اسلامی' اہل سنت والجماعت' اہلحدیث اور شیعوں کی حمایت حاصل ہے۔ پیر صاحب گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی) پیر صاحب سیال شریف (ضلع سرگودھا) پیر صاحب علی پور سیداں (ضلع سیالکوٹ) پیر شوکت حسین (سجادہ نشین پیر صاحب (ملتان) اور بعض دیگر حضرات نے اس شورش کو برکت کی دعا دی ہے (ص ۳۲ منیر انکوائری رپورٹ)

اس فہرست میں مجلس احرار اسلام کا ذکر نہیں گو وہ بھی ان میں شامل تھی یہ اس لئے کہ اصلاً یہ تحریک ایک خالص مذہبی تحریک تھی۔ مجلس احرار کی وجہ سے اسے حکومت اور انتظامیہ کا سیاسی رنگ دینا محض ایک چال تھی۔ حکومت اور انتظامیہ کا ایک منطقی انداز تھا واقعات حکومت کے اس موقف کی تائید نہیں کرتے۔

۳۔ تحریک ختم نبوت کے قائدین اور کارکنوں نے جیسا کہ منیر انکوائری رپورٹ سے پتہ چلتا ہے اپنے اس موقف کی بناء پاکستان کے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی کتاب "الشہاب" پر رکھی تھی مولانا عثمانی بلاشبہ تحریک پاکستان کے صف اول کے قائد تھے اس لئے "الشہاب" کے بیان کردہ مضامین پاکستان کے خلاف کسی طرح شمار نہیں کئے جا سکتے۔ اگر اس تحریک کا مقصد پاکستان میں کوئی سیاسی ناہمواری پیدا کرنا ہوتا تو اس کی اساس مولانا عثمانی کے مذکور رسالہ پر کیوں رکھی جاتی حکومت اور انتظامیہ نے اس رسالہ پر پابندی لگا دی تھی اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ تحریک کے قائدین تو اپنے مطالبات میں پورے اخلاص سے کام کر رہے تھے حکومت اور انتظامیہ ان کی روک تھام میں مخلص نہ تھی اس نے اصولوں کو طاقت سے دبانے کی غلط پالیسی اختیار کر کے ملک کو فسادات میں جھونک دیا تھا۔

۴۔ ۱۹۵۰ء میں مسٹر انور علی ڈی آئی جی' سی آئی ڈی نے جو رپورٹ گورنر پنجاب کو پیش کی اس میں نمبر ۴ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔
"بہت ہی کم لوگ ہیں جو ان احرار لیڈروں کی نیت پر اعتراض کریں یا ان سے اتنا ہی پوچھ لیں کہ آخر وہ ان احمدیوں کے خلاف اتنا شور کیوں مچا رہے ہیں" منیر انکوائری رپورٹ ص ۲۱۔

حکومتیں رائے عامہ کا ہمیشہ احترام کرتی ہیں۔ حکومت اور افسران مسلمانوں کے ان مطالبات پر محض اس لئے سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ ان کے خیال میں اس تحریک کے بعض راہنما پہلے تقسیم ملک کے خلاف تھے اور عامۃ الناس قادیانیوں کی قابل اعتراض سرگرمیوں کا مشاہدہ کرنے کے ساتھ یہ دیانت دارانہ رائے رکھتے تھے کہ احرار لیڈر مسلمانوں کا دین و عقیدہ بچانے کے لئے اس دینی مہم میں مخلص ہیں۔

انتظامیہ کی رپورٹوں میں بار بار اس موقف کو بیان کیا گیا کہ اگر ان راہنماؤں کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کی گئی تو اس کا عوام پر اچھا اثر نہ پڑے گا۔ وزیر داخلہ نے کہا
"اگر موجودہ مرحلے پر جماعت احرار اور اس کے کارکنوں کے خلاف اقدام کیا گیا تو ان کی ہردلعزیزی کئی گنا بڑھ جائے گی۔ (منیر انکوائری رپورٹ ص ۲۲)

اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں اس وقت رائے عامہ یہی تھی کہ یہ تحریک خالص مذہبی تقدس کی حامل ہے اور حکومت کے بعض افسران قادیانیوں کی اندرونی ملکیت پر احرار کے سابق سیاسی موقف سے جوڑ رہے ہیں۔ ان افسران کا قادیانیوں سے یہ رازدارانہ تعلق نہ ہوتا تو چیف سیکرٹری پنجاب نے ۲۸ فروری ۱۹۵۰ء کو ڈپٹی کمشنروں کو جو ہدایات دیں ان میں ضلع کے قادیانی سربراہوں کو یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی "ان سے خاص طور پر یہ کہہ دیا جائے کہ حکومت کے موجودہ اقدامات پر اظہار مسرت سے بھی محترز رہیں کیونکہ ایسے اظہار سے حکومت کے خلاف جانبداری کا غلط احساس پیدا ہو سکتا ہے" (انکوائری رپورٹ ص ۱۱۱) چیف سیکرٹری صاحب کو جو بات یہاں کھٹک رہی ہے اس کا عامۃ الناس پر اثر یہی تھا کہ علماء اپنے مطالبات کو سنجیدگی سے اور دین و مملکت کی بہتری کے لئے پیش کر رہے تھے اور حکومت میں اپنے بہت سے افسران تھے جو ان پیش آمدہ حالات میں مطالبات پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور انہیں خواہ مخواہ تقسیم ملک کے سیاسی موضوع سے جوڑ رہے تھے۔

۵۔ قائدین تحریک ختم نبوت کے اخلاص اور نرمی کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے قادیانیوں کے بارے میں وہ موقف اختیار کیا جو ایک غیر مسلم حکومت (انگریز

حکومت) کے تحت مسلمانوں کے حقوق کو قادیانی دستبرد سے بچانے کے لئے ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم نے پیش کیا تھا کہ قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور ان کے حقوق اور ذمہ داریاں مسلمانوں سے علیحدہ طے کی جائیں اب جب کہ پاکستان ایک اسلامی حکومت بنا تو اس میں قادیانیوں کا وجود خلاف قانون قرار دیا جانا چاہئے تھا۔ لیکن علماء نے یہاں نرم ترین موقف اختیار کیا کہ شاید اس راہ سے قادیانیوں کو پھر مسلمان ہونے کا موقع مل سکے۔

۴۔ تحریک کے اخلاص اور تقدس کا ایک کھلا نشان یہ بھی ہے کہ متعدد حالات اور حکومتوں سے گزرنے کے باوجود اس کا تقدس مجروح نہ ہوا مطالبات باقی رہے اور چلتے رہے اور ۱۹۷۴ء میں جا کر آخر یہ تحریک کامیاب ہو کر رہی اس سے بڑھ کر اس کے ابتدائی قائدین کے خلوص اور حسن نیت کا اور کیا آسمانی نشان ہو گا؟

سوال نمبر ۹۔ ایک ارفع مقصد کے حصول کے لئے نظم و ضبط انصرام و تنظیم اور ضابطہ اخلاق کی جتنی ضرورت ہوتی ہے کیا تحریک کو وہ سب حاصل تھے۔ اگر نہیں تو کیوں؟ ان کے بغیر تحریک کیوں شروع کی گئی تھی؟

جواب :- ایک خالص دینی مقصد کے حصول کے لئے جس قسم کے نظم و ضبط کی ضرورت ہوتی ہے وہ بلاشبہ اس تحریک میں موجود تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قائدین کے پاس وہ آہنی قوت موجود تھی جو حکومت اور انتظامیہ کے پاس فوج اور پولیس کی شکل میں موجود ہوتی ہیں۔ حکومت اگر غلط فیصلہ کرے اور تحریک کو دبانے کے لئے پولیس اور فوج کا غلط استعمال کرے اور نہتے عوام اس صورت حال کا مقابلہ نہ کر سکیں تو اس کا یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ قائدین تحریک کے پاس نظم و ضبط کی قوت نہ تھی اور وہ اس کے بغیر تحریک چلا رہے تھے۔ عوام میں سے بھی کچھ لوگ نظم و ضبط سے بھٹک جائیں تو اس سے قائدین تحریک مجروح نہیں ہوتے۔ جس طرح جنگ احد میں بعض لوگوں کے درہ چھوڑنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی تیاری مجروح نہیں کی جا سکتی نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور کا نظم و ضبط پر مکمل کنٹرول نہ تھا۔

نظم و ضبط قائم رکھنے سے اگر یہ مراد ہے کہ جن مختلف الخیال مسلمانوں نے اس تحریک کو اٹھایا وہ آخر تک اپنے اس موقف پر قائم رہے یا نہ؟ تو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے' دیوبندی اہل حق' بریلوی اہل حنفی' اہلحدیث اور شیعہ اس وقت سے لے کر اب تک اس بات پر یکجائی سے قائم ہیں کہ قادیانی غیر مسلم ہیں اور انہیں مسلمانوں کے حقوق میں سے کسی حق میں حصہ دار نہیں بنایا جا سکتا۔ ان کی حیثیت اور ان کے حقوق مسلمانوں سے علیحدہ بطور ایک اقلیت ترتیب پائیں گے اور اگر نظم و ضبط سے یہ مراد ہے کہ کیا تمام جماعتیں اور علماء آخر دم تک اس تحریک کے ساتھ رہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی عالم دین کا ساتھ چھوڑنا ثابت

لگانا یہ اس کا ذاتی فعل ہے اس کا تعلق جس فرقہ سے ہے اس کی نمائندگی آخر تک اس تحریک کے ساتھ رہی سوائے ایک آدھ سیاسی جماعت کے کسی دینی جماعت نے قادیانیوں کے خلاف ان کئے گئے مطالبات سے سرمو انحراف نہیں کیا۔

افہام و تفہیم کے مراحل

علماء کرام نے قادیانیوں کی سرگرمیوں اور مسلمانوں کے آئینی تقاضوں سے مرکزی اور صوبائی حکومت کو خبردار کرنے کے لئے متعدد ملاقاتیں کیں۔ تحریک یونہی اچانک بے خبری میں شروع نہیں کر دی گئی اس کے لئے ہر ممکن انسانی بساط تک ارکان حکومت اور عوام کو مطلع کیا جاتا رہا ہے۔

۱۔ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ نے وزیراعظم خان لیاقت علی خان سے سمبڑیال (ضلع سیالکوٹ) ریلوے اسٹیشن پر ان کے ریل کے سیلون میں ملاقات کی اور وزیراعظم پاکستان کو قادیانی عقائد' انکے عزائم اور ان کی فحش زبان سے مطلع کیا۔ خان لیاقت علی خان نے دوسری ملاقات کی خواہش ظاہر کی مگر قاضی صاحب ساتھ نہ جا سکے البتہ قاضی صاحب نے اس کے لئے کراچی آنے کا وعدہ کر لیا۔

۲۔ قاضی صاحبؒ نے پھر خواجہ ناظم الدین وزیراعظم سے ملاقات کی اور ان کی توجہ قادیانی سرگرمیوں کی سنگینی کی طرف مبذول کرائی۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی بھی اس ملاقات میں ساتھ تھے' یہ ملاقات ۳ مارچ ۱۹۵۰ء کو ہوئی۔ منیر انکوائری رپورٹ اردو صفحہ ۷۴ پر اس کا ذکر موجود ہے۔

۳۔ پھر مجلس عمل کا ایک وفد ۱۳ اگست اور پھر ۲۷ اگست کو وزیراعظم سے ملا۔ ۲۷ اگست کی ملاقات میں سردار عبدالرب نشتر اور مسٹر مشتاق احمد گورمانی بھی موجود تھے۔

۴۔ مولانا ابوالحسنات قادری' مولانا مرتضیٰ احمد میکش' شیخ حسام الدین اور مولانا داؤد غزنوی نے ۲۹ ستمبر ۱۹۵۲ء کو چیف منسٹر پنجاب سے ملاقات کی اور قادیانیوں کے بارے میں انہیں قوم کے احساسات اور اپنے موقف سے مطلع کیا۔

۵۔ پھر ۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء کو مجلس عمل کا ایک وفد مولانا عبدالحامد بدایونی کی قیادت میں وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے ملا یہ حکمران طبقے سے افہام و تفہیم کے مراحل تھے ان ملاقاتوں کے علاوہ اور بھی متعدد مواقع پر صوبائی اور مرکزی حکومتوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے ان سے تین سو تین (۳۰۳) میٹنگیں ہیں۔ منیر انکوائری رپورٹ صفحہ ۱۰۰ کے مطابق ۱۲۷ مجلس احرار اسلام اور ۲۲۳ دوسرے عام مسلمانوں کے انصرام سے منعقد ہوئیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عام مسلمان مجلس احرار کی نسبت اس میں زیادہ فعال تھے۔

ان پبلک میٹنگوں میں قادیانی تحریک کا انداز عمل کیا تھا؟ اسے چیف منسٹر پنجاب نے اپنے ڈائریکٹر تعلقات عامہ سے دریافت کیا۔ منیر انکوائری رپورٹ صفحہ ۹۱ کے مطابق میر نور احمد نے چیف منسٹر کو اطلاع دی کہ احراری لیڈر حکومت کے ساتھ تصادم سے بچنے اور اپنی تحریک کو آئینی طریقے سے جاری رکھنے کے خواہش مند ہیں۔

جہاں تک قادیانیوں سے الہام و تفہیم کا تعلق ہے علماء کرام نے اس موضوع پر ایک ہزار سے زیادہ تالیفات کی ہیں۔ جن میں مرزا غلام احمد قادیانی کے جملہ شبہات کو تار تار کر کے دکھایا گیا ہے۔ ان میں کئی کتابوں کے انگریزی ترجمے بھی ساتھ ساتھ ہیں اور یہ کتابیں اردو' عربی' فارسی' انگریزی مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں اس سے بڑھ کر مسئلہ قادیانیت کی اور کیا تشریح کی جا سکتی تھی۔ ان سب مصالحتی کوششوں کے باوجود قادیانیوں کی ضد اور حکمرانوں کی حقیقت حال نہ سمجھنے کی ناعاقبت اندیشی ہی وہ وجوہ ہیں جنہوں نے حالات کو ابتر بنا دیا۔ پھر اسی پر بس نہیں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے یہاں تک کیا کہ خواجہ نذیر احمد کو اپنا خاص نمائندہ بنا کر ربوہ بھیجا اور مرزا بشیرالدین سے کہلوایا کہ اگر وہ مرزا غلام احمد کے لئے نبوت سے نیچے کسی اور منصب کے مدعی ہو جائیں تو وہ علماء سے ان کے اس موقف کو نرم کرنے کی گزارش کر سکیں گے اور حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔

اس درجہ تک کی مصالحانہ کوششوں کے باوجود قادیانی اپنے عقیدہ اور عزائم سے ذرا پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہ ہوئے ہم نہیں سمجھتے کہ ملک کی وفادار کوئی حکومت ایسے نازک موڑ پر کہ پاکستان کو معرض وجود میں آئے ابھی چند سال ہی ہوئے ہیں اور اسے اسی لاکھ مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ درپیش ہے' غذائی بحران قحط کی زد میں آ چکا ہو' پھر وہ عوام سے اس ناعاقبت اندیشی سے ٹکرا لے اور ملک کے مذہبی احساسات کو جن کے بل بوتے پر یہ ملک بنا ہے انہیں اس طرح جنرل اعظم کے مارشل لاء کے ذریعے کچلے پاکستان کی تاریخ میں حکومت کا یہ غلط اقدام ایک ایسا سیاہ دھبہ ہے جو شاید ہی کبھی دھل سکے۔

وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کی وزارت الٹی اور نئے وزیر اعظم محمد علی بوگرہ کی کابینہ میں ظفر اللہ خاں کے نہ ہونے سے کیا پاکستان معاذاللہ ختم ہو گیا تھا اور کیا امریکہ نے ہمیشہ کے لئے گندم بند کر دی تھی پاکستان خدا کے فضل سے اب بھی موجود ہے اور ظفر اللہ خاں کی بساط وزارت اور سیاست سے ہٹنے کے باوجود زندہ ہے اور زندہ رہا تو کیا ان حالات نے خود نہیں بتا دیا کہ اس وقت کی حکومت کا یہ موقف کہ اگر ان مطالبات کو قومی سطح پر تسلیم کر لیا گیا تو پاکستان چل نہیں سکے گا ہرگز صحیح نہ تھا' نامناسب نہ ہو گا کہ ہم یہاں ایک سوال خود پیدا کریں

اور ساتھ ہی اس کا جواب بھی عرض کر دیں۔ سوال یہ ہے کہ منیر انکوائری رپورٹ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قائدین تحریک قادیانیوں کے خلاف بہت نامناسب اور فحش زبان استعمال کرتے رہے اور انہیں بر سرعام گالیاں دیتے رہے۔ اسلام و تعلیم کے مراحل میں اس انداز بیان کو پسند نہیں کیا جا سکتا جواب یہ ہے کہ رپورٹ مرتب کرنے والوں نے اس باب میں احتیاط سے کام نہیں لیا قادیانی لٹریچر میں مسلمانوں کے خلاف جس فحش بیانی بازاری زبان اور غیر اخلاقی انداز کو اختیار کیا گیا ہے علماء جب بھی اسے عوام کی عدالت میں لاتے رپورٹ لکھنے والے اسے علماء کے نام سے لکھتے اور پھر الٹرن پالا کھی پر کھی مارتے ہوئے اسے علماء کے کھاتے میں ڈال دیتے ہم یہاں اس کی صرف دو مثالیں سامنے لاتے ہیں۔

۱۔ منیر انکوائری رپورٹ صفحہ ۱۲ پر ایک جلسہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس جلسہ میں جو تقریریں کی گئیں ان کا ایک نمونہ مولوی محمد حیات کی تقریر کی روداد میں ملے گا آپ نے کہا "اگرچہ یہ مرزا غلام احمد جھوٹا تھا لیکن ہم اس کو الزام نہیں دیتے کیونکہ وہ صرف کبھی کبھی زنا کرتا تھا ہمارا اعتراض موجودہ خلیفہ پر ہے جو ہر روز زناکاری کا مرتکب ہوتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ یہ قادیانیوں کے پرچہ "الفضل" قادیان مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۳۸ء کی رپورٹ ہے مرزا بشیرالدین محمود نے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ یہ تحریر کسی پیغامی (قادیانیوں کی لاہوری جماعت کے جماعتی آرگن کا نام پیغام صلح تھا) کی معلوم ہوتی ہے۔ اصل الفاظ ہم یہاں نقل کئے دیتے ہیں اس سے آپ اندازہ کریں کہ منیر انکوائری رپورٹ میں کس خلاف احتیاط انداز میں قادیانیوں کی فحش زبانی علمائے اسلام کے ذمہ لگا دی گئی۔ "اس کی سلسلہ سے محبت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ایک خط جس کے متعلق اس نے تسلیم کیا ہے کہ وہ اسی کا لکھا ہوا ہے اس پر یہ تحریر کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود ولی اللہ تھے اور ولی اللہ بھی کبھی کبھی زنا کر لیا کرتے ہیں اور اگر انہوں نے کبھی کبھار زنا کر لیا تو اس میں حرج کیا ہوا۔ پھر لکھا ہے ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراض نہیں کیونکہ وہ کبھی کبھی زنا کیا کرتے تھے ہمیں اعتراض موجودہ خلیفہ پر ہے کیونکہ وہ ہر وقت زنا کرتا رہتا ہے" (روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۳۸ء صفحہ ۶ ج ۲۶۔ نمبر ۲۰۰)

۲۔ ایک اور حوالہ لیجئے منیر انکوائری رپورٹ صفحہ ۲۲ پر ہے

"احراری مقررین نے بارہا کہا ہے کہ مہاتما گاندھی اور احمدیوں کے خلیفہ ہم بستر ہوئے تھے' اس قسم کی نفرت انگیز اور مکروہ ترین خرافات علی الخصوص ایک اسلامی مملکت میں ہرگز قابل برداشت نہیں ہونی چاہئے" یہ قصہ احراری مقررین کی اختراع نہیں' مرزا بشیرالدین کا ایک اپنا خواب ہے' جس کو ان کے جماعتی آرگن "الفضل" نے ۳ اپریل ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں

اس طرح نقل کیا ہے " فرمایا آج رات میں نے سحری سے پہلے ایک خواب دیکھا میں نے دیکھا کہ ایک جگہ میرا بستر بچھایا جا رہا ہے یا بچھایا جانے والا ہے اور کوئی شخص مجھے آکر کہتا ہے کہ گاندھی جی آپ سے ملنے کے لئے آنا چاہتے ہیں مگر ان کی شرط یہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر سوئیں گے پہلے تو مجھے یہ شرط سن کر نفرت سی ہوئی پھر میں نے یہ خیال کرکے کہ اس طرح اگر صلح کی کوئی صورت ہوتی ہو تو کیا حرج ہے کہا کہ اچھا مجھے منظور ہے - چنانچہ وہ آگئے اور ایک ہی بستر پر وہ بھی لیٹ گئے اور میں بھی لیٹ گیا اور ان کا جسم کچھ موٹا سا معلوم ہوتا ہے اور اوپر کے دھڑ پر بھی کپڑا ہے (ان کی عادت کے خلاف) اس کے بعد ایک یا ڈیڑھ منٹ لیٹ کر ہی دو اٹھ بیٹھے " الخ (الفضل قادیان صفحہ ۲ نمبر ۸ ج ۲۵)

سوال نمبر ۳ علماء پاکستان نے نیک نیتی اور جذبہ خیرخواہی سے کام لے کر احمدیوں کے غلط عقیدے کی اصلاح کے لئے کیا کوششیں کیں؟ کتنی ملاقاتیں کی گئیں اور ان ملاقاتوں کا نتیجہ کیا نکلا؟

جواب : علماء کرام قادیانیت کے آغاز ہی سے نیک نیتی اور جذبہ خیرخواہی کے ساتھ اسلام کی اعتقادی سرحدوں کا پہرہ دیتے رہے اور قادیانیوں کو قرآن و حدیث کی معنوی تحریف سے روکتے رہے اور انھیں خدا تعالیٰ کے آخری دین کی طرف دعوت دیتے رہے۔ ان کی مساعی کا سلسلہ بہت کامیاب رہا اور کروڑوں مسلمان ان کے جال میں جانے سے بچ گئے اور اب تک مسلمانوں میں یہ محنت جاری ہے۔ سینکڑوں سعید ارواح نے بھٹک جانے کے بعد بھی حق کی آواز کو اپنے دل کی پکار جانا اور اصل دین کی طرف لوٹ آئے۔ قادیانیت کی راہ پر آنے والوں نے جب بھی علماء کرام کی دعوت کا سنجیدگی اور تدبر سے جائزہ لیا ہے اس نتیجہ پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ قادیانیت پرانے اسلام سے ایک کلی مقاطعہ ہے اور یہ راہ جہنم سے ہو کر گزرتی ہے آنکھوں دیکھے مکھی نہیں نگلی جا سکتی ایسے لوگوں نے جلد ہی فطرت کی آواز پر لبیک کہا اور حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اختیار کر لیا۔ قادیانیت کے خلاف سب سے بڑے مناظر حضرت مولانا لال حسین صاحب اختر بھی قادیانیوں ہی سے صف اسلام میں آئے تھے۔ جنہوں نے مسلمان ہو کر " ختم نبوت " کی تبلیغ میں ساری عمر گزار دی علماء اسلام نے قادیانی افراد کی اصلاح کے لئے اردو، عربی، فارسی اور انگریزی میں متعدد کتابیں لکھیں متعدد مجالس میں ان سے باہمی اختلافی امور پر گفتگو کی، افسوس کہ قادیانی مبلغین اپنی ضد پر اڑے رہے، پھر علماء کرام نے قادیانی سربراہ کو مباہلہ تک کی دعوت دی جسے قادیانیوں نے یکسر نظرانداز کر دیا، اس سے زیادہ اور کیا کارروائی ہو سکتی تھی جس سے ان کے غلط عقائد کی اصلاح کی جاتی۔ قادیانیوں کی اس ضد نے مسلمانوں کو اس پر مجبور کیا کہ اب انہیں آئینی طور پر اپنے سے علیحدہ رکھے

کے لئے ان کے غیر مسلم اقلیت ہونے کی تحریک چلائی جائے۔

سوال نمبر ۳ یہ تحریک اس وقت کیوں شروع کی گئی جب پاکستان کو معرض وجود میں آئے محض چار پانچ سال ہوئے تھے اور اسے ۸۰ لاکھ مہاجرین کی آبادکاری کا مرحلہ درپیش تھا اور غذائی بحران قحط کی زد میں آچکا تھا اور قوم کا مورال جوناگڑھ ماناودر اور حیدرآباد پر بھارتی قبضہ کے باعث بے حد گر چکا تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ دشمن کشمیر میں پاکستان سے نبرد آزما تھا؟

جواب ا۔ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا اور ابھی قوم میں اسلامی جذبات پوری قوت سے کارفرما تھے اور ایسے وقت اسے اسلامی بنانے کے لئے ہر اقدام عوام میں جلدی لائق قبول بنایا جاسکتا تھا۔ اس لئے اس میں دیر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھی۔

۲۔ کشمیر کی آزادی کے لئے مسلمانوں میں جذبہ جہاد کا استحکام اور اس کی دینی حیثیت کا اجراء از بس ضروری تھا قادیانی اپنے عقیدے کی رو سے جہاد کو بدترین مسئلہ سمجھتے تھے۔ ان حالات میں قادیانی عقائد کو مسترد کئے بغیر مسلمانوں کے جذبہ جہاد کا پہرا نہیں دیا جاسکتا تھا۔

۳۔ قادیانی سربراہ اپنے قیام قادیان میں یہ اعلان کرچکا تھا کہ تقسیم ملک عارضی ہوگی۔ اگر یہ لوگ مسلمانوں میں ملے جلے رہیں تو عام مسلمانوں میں پاکستان کے عدم استحکام اور تقسیم ملک کے عارضی ہونے کے خیالات عام ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے تحریک جلد شروع کرنی ضروری تھی۔ قادیانیوں نے پاکستان آکر صاف کہا کہ ہم مجبوراً یہاں آئے ہیں اگر ہمیں مار مار کر نہ نکالا جاتا تو ہم یہاں نہ آتے (روزنامہ الفضل لاہور صفحہ ۲ ج ۳ شمارہ ۱۸)

۴۔ قائدین ختم نبوت کے پیش نظر اپنے مطالبات تسلیم کرکے ملک کو استحکام اور مسلمانوں کی اسلامی قدروں کو فروغ مہیا کرنا تھا اور ان کا قادیانی نظریات و عقائد سے تحفظ کرنا تھا۔ ہنگامہ آرائی ان کے مقاصد میں نہ تھی۔ یہ ذمہ داری حکومت اور انتظامیہ کی تھی کہ وہ ان خالص دینی مطالبات کو تسلیم کرکے رعایا کو مطمئن رکھتی اور کسی طرح کا ہنگامہ واقع نہ ہونے دیتی۔ یہ سوال تو اس وقت کے سیاستدانوں اور حکمرانوں سے ہونا چاہئے تھا کہ انہوں نے اس وقت نوزائیدہ ملک میں اپنے عوام سے ٹکر لینے اور خود اسلام سے ٹکرانے کا یہ خطرہ کیوں مول لیا۔

۵۔ قادیانی افسر جو مختلف کلیدی عہدوں پر کام کررہے تھے پاکستان کی نئی آبادکاری میں مسلمانوں کے حقوق دبا کر قادیانیوں سے ہر مرحلے میں ترجیحی برتاؤ کرتے تھے۔ الاٹمنٹوں اور تقرریوں میں ہر قادیانی افسر قادیان پرستی کے نشہ میں سرشار تھا ان نازک حالات میں پاکستان کے طول و عرض سے قائدین ختم نبوت کو خطوط و مراسلات ملتے وفود کے وفود آتے ان حالات میں عوام کی خاموشی خود اپنی خودکشی کے مترادف تھی اور ظاہر ہے کہ کوئی زندہ قوم اسے برداشت نہیں کرتی۔

۴۔ بیرون ملک پاکستانی سفارت خانے قادیانیت کے تبلیغی اڈے بن گئے تھے ان حالات میں پاکستان کو اسلامی ممالک میں بھی ہمدردی اور برادری کے تعلق نظر سے نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ بیرون ملک اسلامی قومی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے وزارت خارجہ کو قادیانی سربراہی سے بچانا ضروری تھا۔

سوال نمبر۵ وزیراعظم کہتے تھے میں ظفراللہ کو کیسے نکال دوں انھیں قائداعظم نے اس منصب پر فائز کیا تھا دوسرا جواب یہ تھا کہ اگر ظفراللہ خاں کو نکال دیا گیا تو امریکہ سے گندم کا ایک دانہ بھی پاکستان کو نہ ملے گا تیسرا جواب یہ تھا کہ ظفراللہ خاں کو ہٹانے سے ہندوستان دریاؤں کا رخ بدل دے گا اور پاکستان کی زمین بنجر اور ویران ہو جائے گی۔

جواب: قائداعظم کی سیاسی شخصیت بہت اونچی تھی اور ان کی نظر دور رس تھی ان کے ہوتے ہوئے شاید ظفراللہ خاں بیرون ملک قادیانیت نہ چلا سکتے قائداعظم نے اگر اسے نامزد کیا تھا تو اپنے سامنے کام کرنے کے لئے نامزد کیا تھا یہ نہیں کہا تھا کہ میرے بعد بھی تم اس پر اعتماد بحال رکھو۔ ثانیاً اس وقت ہندوستان اور پاکستان دونوں کی سیاسی مصلحت اس میں تھی کہ کچھ وقت کے لئے انگریزوں کے کسی نہ کسی ایجنٹ کو ساتھ رکھیں۔ گاندھی اور پنڈت نہرو نے اس کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو چنا اور قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خاں کو چنا۔ چوہدری ظفراللہ خاں قادیانی ہونے کی حیثیت سے برطانیہ کا ایک خود کاشتہ پودا تھا۔ سو اگر قائداعظم نے اس وقت مصلحت اس میں سمجھی کہ انگریزوں کا کوئی نہ کوئی ایجنٹ ساتھ رکھا جائے تو یہ ایک وقتی مصلحت تو ہو سکتی ہے یہ نہیں کہ پاکستان ایک اسلامی سلطنت ہونے کے باوجود ایک غیر مسلم کو اپنے بین الاقوامی تعارف کا ذریعہ سمجھے۔

۲۔ بین الملکی تعلقات میں اصولی حیثیت ہمیشہ ریاست کی ہوتی ہے افراد کی نہیں دو ملکوں کے باہمی روابط ایک کوہ فرد کے آنے جانے سے متاثر نہیں ہوا کرتے اس سوال کا جواب تو خود قادیانیوں کو فراہم کرنا چاہئے کہ آخر امریکہ کو ظفراللہ خاں سے کیا دلچسپی تھی کہ اس کے جانے کے بعد وہ پاکستان کو گندم کا ایک دانہ بھی نہ دے گا اور خواہ پاکستان خوفناک قحط سے دوچار ہو جائے امریکہ اپنے اور اپنے حلیف ملک کے تمام مفادات محض ایک فرد کی وجہ سے قائم رکھے اور اس کے ہٹائے جانے سے اس سے دستبردار ہو جائے اس طرح وہ گندم جو ظفراللہ جیسے قادیانی کی بدولت مسلمانوں کو ملے اپنے اندر یقیناً کوئی گہری سازش رکھتی ہوگی۔ ان گندم نما سازشی جو فروشوں سے ملک کی اساسی حیثیت اور مسلمانوں کے ایمان اور بقا کے تحفظ کے لئے ضروری تھا اور یہ ایسا ضروری تھا کہ مسلمان معاشی خطرہ مول لے کر بھی متاع ایمان کی حفاظت کرنے کے مکلف تھے۔ علامہ اقبال مرحوم نے ایسے ہی مواقع کے لئے کہا

ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

۳۔ یہ کہنا کہ ظفراللہ خاں کو ہٹانے کی صورت میں بھارت دریاؤں کا سارا پانی ہندوستان منتقل کر دے گا' اس سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ظفراللہ اپنے قادیانی پیشروؤں کے گھناؤنے منصوبے کہ پاکستان پھر اکھنڈ بھارت میں جا ملے گا کے لئے کام کر رہا تھا۔ قائدین تحریک ختم نبوت کا موقف بھی یہی تھا کہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے ہمدردی کبھی تھی نہ ہے پھر اگر ظفراللہ وزارت میں رہے تو بھارت پاکستان کو پانی دے گا ورنہ نہیں اس فیصلہ کے مضمرات جاننا کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ظفراللہ پاکستان میں ہندوؤں کے مفادات کا محافظ تھا۔ اسے ہٹانے کی صورت میں بھارت کو پاکستان کی پشت میں چھرا گھونپنے کے لئے اور کوئی شخصیت دستیاب نہ تھی اور اسی لئے پانی بند کرنے کی دھمکی دی گئی۔ یہ بھی قائدین تحریک ختم نبوت کی کرامت سمجھئے کہ اس وقت کے حکمران نے یہ سوال کر کے بالواسطہ یہ اعتراف کیا کہ چوہدری ظفراللہ خاں کے اسلام اور پاکستان کے دشمن نمبرایک بھارت کے ساتھ گہرے روابط ہیں جن میں ظفراللہ کلیدی کردار ادا کر رہا تھا سو اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ پاکستان کو امریکہ' بھارت اور قادیانیت کی مثلیث و تحمیس سے بچانے کے لئے ظفراللہ کو ہٹانا ضروری تھا۔ ایک نظریاتی ریاست کا تنخواہ دار ملازم جب اس ریاست کے اساسی مقاصد سے انحراف و بغاوت رکھتا ہو تو اس کی سزا سزائے بغاوت ہے جب کہ مسلمانوں نے بہت نرمی کی اور اسے صرف وزارت سے ہٹانے کا مطالبہ کیا۔ آئین اور اخلاق کے اعتبار سے اس مستحسن تھا۔ مسلمانوں کے ملی وجود پر قادیانیت کے منڈلاتے ہوئے خطرے کے پیش نظر ضروری مطالبہ پر مسلمانوں ہی کو مورد طعن ٹھہرانا چور ہو کر کوتوال کو ڈانٹنا ہے۔

سوال ۶۔ مذکور حالات کے تناظر میں کیا ہم یہ سمجھیں کہ تحریک ختم نبوت پاکستان پر آخری ضرب لگانے کے لئے جاری کی گئی تھی تاکہ ملک خانہ جنگی کے باعث ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اگر نہیں تو تحریک کے مثبت مضمرات پر روشنی ڈالیں۔

جواب = قادیانیت کے موضوع پر ملک کبھی خانہ جنگی کا شکار نہیں ہو سکتا' یہ تصور وہی کر سکتا ہے جسے قادیانیوں کی موجودہ پوزیشن کا کوئی علم نہ ہو۔ ہاں ایک صورت میں اس کا احتمال ہو سکتا تھا کہ فوج میں موجود قادیانی اپنے آپ کو اپنے کمانڈر کے حکم کی بجائے اپنے ربوہ کے سربراہ کے تحت سمجھیں اگر فوج کے کسی حصہ میں ان کی پوزیشن مضبوط ہو تو بے شک اس

سے خانہ جنگی کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا سدباب خاموشی نہیں بلکہ ہر محکمہ میں ان کی افرادی اور کلیدی پوزیشنوں پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ ملک مسلمانوں نے اسلام کے نام پر بنایا ہے اس میں قادیانی اگر اس طرح گھسیں کہ ہر ہر محکمہ میں وہ اپنی پوزیشن قوی کرنے لگیں یہاں تک کہ ان خفیہ سازشوں کے ذریعے وہ پاکستان پر چھا جانے کا منصوبہ بنائیں تو کیا مسلمان محض اس لئے منہ دیکھتے رہ جائیں کہ ان کو ہاتھ ڈالنے سے ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی ۱۹۵۳ء کی اس تحریک اور چوہدری ظفراللہ خاں کی علیحدگی سے اب یہ اس پوزیشن میں قطعاً نہیں آسکتے کہ ان کے باعث کسی خانہ جنگی کا اندیشہ ہو۔ ہاں قادیانی سربراہ کا ہمارے دفاتر اور محکموں کو اس نقطہ سے دیکھنا یقیناً ایک امڈ آنے والے فتنے کا موجب ہو سکتا تھا منیر انکوائری رپورٹ ص ۲۱۳ میں ہے۔)

" مرزا بشیرالدین محمود کے ایک خطبے کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو " الفضل " مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا اور جس میں احمدیوں کو ترغیب دی گئی تھی کہ صرف ایک ہی محکمہ یعنی فوج ہی میں جمع نہ ہوں بلکہ تمام دوسروں محکموں میں بھی پھیل جائیں " اور اس کا مقصد منیر انکوائری رپورٹ کے الفاظ میں یہ تھا۔

" تاکہ جو لوگ اب تک منکر رہے ہیں وہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک احمدیت کے آغوش میں آ جائیں " منیر انکوائری رپورٹ ص ۲۱۳ پھر مرزا بشیرالدین محمود نے کوئٹہ میں جو تقریر کی اس کا ذکر منیر انکوائری رپورٹ میں اس طرح کیا گیا ہے " کوئٹہ میں مرزا بشیرالدین محمود احمد نے جو تقریر کی وہ نہ صرف نامناسب بلکہ غیر مآل اندیشانہ اور اشتعال انگیز تھی اس تقریر میں انہوں نے پورے صوبے کو احمدی بنا لینے اور اس صوبے کو مزید جدوجہد کے مرکز کی حیثیت سے استعمال کرنے کی علی الاعلان حمایت کی " (منیر انکوائری رپورٹ ص ۲۸۰)

پاکستان میں اسی سالوں میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے جنہیں بجا طور پر کسی خفیہ ہاتھ کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے مثلاً لیاقت علی خاں کا قتل عین اس وقت جب قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی انہیں قادیانی عقائد و عزائم سے تفصیلاً آگاہ کر چکے تھے' فوج میں پنڈی سازش کیس اور میجر جنرل نذیر کا کردار ' جداگانہ انتخابات کی تجویز اور قادیانیوں کو مسلمانوں کے ساتھ شامل کرنے کا فیصلہ' قادیانی سربراہ کا بلوچستان کو قادیانی صوبہ بنانے کی سازش اور ربوہ کے قادیانی سربراہ مرزا بشیرالدین محمود کا یہ اعلان کہ ۱۹۵۲ء تک پوری مسلم آبادی قادیانی بن جائے اور قادیانی افسروں کا بزور مسلمانوں کو قادیانی بنانا یہ وہ بواعث تھے جو دردمند حساس مسلمانوں کو اس موقف پر لانے کا موجب ہوئے ان حالات میں اگر علماء کرام نہ اٹھتے تو پاکستان ضرور کسی نہ کسی جہت سے قادیانی سازش کی بھینٹ چڑھ چکا ہوتا۔ سو یہ بات صحیح نہیں کہ یہ تحریک

پاکستان پر کسی ضرب کاری کے لئے شروع کی گئی تھی بلکہ منیر انکوائری رپورٹ کے مطابق خود قادیانی سرگرمیاں اس کا موجب ہوئی تھیں کہ مسلمان یہ تین مطالبات لے کر اٹھے تھے۔

۱۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ چوہدری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے۔

۳۔ قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔

سوال ۷۔ قائداعظم کو کافراعظم اور پاکستان کو "بازاری عورت" کس نے کہا تھا اور کس شخص نے اپنی شعلہ آفرین تقریروں کے ذریعے عوام کو اتنا مشتعل کیا تھا کہ عام خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔

جواب۔ تقسیم ملک سے پہلے کے سیاسی اختلافات میں ہر فریق نے ایک دوسرے کے بارے میں جو کچھ کہا اسے پاکستان بننے پر نئے سرے سے اچھالنا کسی طرح درست نہیں نہ یہ کسی محب وطن کا کام ہو سکتا ہے یہ انداز سوال بتا رہا ہے کہ سوال کرنے والا ایک جذباتی اختلاف کی آگ نئے سرے سے بھڑکانا چاہتا ہے حالانکہ پاکستان بننے کے بعد ان لوگوں کی پاکستان سے وفاداریاں جو پہلے تقسیم کے خلاف نظریہ رکھتے تھے دوسرے کسی پاکستانی سے کم نہیں پاکستان کو "بازاری عورت" کسی نے نہیں کہا یہ محض بہتان ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ پاکستان بلکہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو مرزا غلام احمد نے بازاری عورتوں کی اولاد کہا ہے ہو سکتا ہے کسی مقرر نے یہ حوالہ پیش کیا ہو اور نقل کرنے والے نے اسے مقرر کے ذمہ لگا دیا ہو اس قسم کی خلاف احتیاط نقول منیر انکوائری رپورٹ میں کئی جگہ موجود ہیں ان میں سے دو نمونے ہم دوسرے سوال کے جواب کے ذیل میں الہام و تنظیم کے مراحل کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

مرزا غلام احمد نے مسلمانوں کو جو بازاری عورتوں کی اولاد کہا ہے یہ بات بہت زیادہ محل اعتراض ہے کہ قادیانی پاکستان میں بھی یہ لٹریچر لئے پھرتے ہیں اور مسلمانوں کو برسرعام بازاری عورتوں کی اولاد کہنے کی اشاعت کی جاتی ہے مرزا غلام احمد کی یہ تحریر آئینہ کمالات اسلام ص ۵۴۷، ۵۴۸ پر دیکھی جا سکتی ہے اب یہ کہاں کا انصاف ہے کہ قادیانیوں کی یہ گالی اور فحش گوئی کی یہ زبان قائدین تحریک ختم نبوت کے ذمہ لگا دی جائے۔

تحریک سے کچھ عرصہ پہلے ایک پرجوش تقریر مرزا بشیر الدین محمود نے کی تھی جس سے ملک میں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ اس کا ذکر منیر انکوائری رپورٹ ص ۲۸۳ میں بایں عبارت موجود ہے۔

" اس خطبہ میں انہوں نے اپنے پیرووں سے پرجوش اپیل کی تھی کہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیں تاکہ اب تک جو لوگ منکر رہے ہیں وہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک احمدیت

کے آغوش میں آجائیں" حالات بتاتے ہیں کہ مرزا بشیر الدین نے فسادات کی جو آگ بھڑکانے کی کوشش کی تھی بھروہ فضا ہی کر رہی۔

سوال ۸۔ ایک اور شخص جس نے قائداعظم کو اپنی ایک تصنیف میں رجل فاجر کی گالی دی تھی اور جس نے فسادات کے خاتمہ کے لئے حکومت کی امن کی اپیل پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ کیا یہ وہی تو نہیں تھے جنہوں نے کشمیر میں پاکستان کی فوجی کارروائی کے خلاف فتویٰ جاری کیا تھا اور جن کے فتویٰ کو بھارتی ریڈیو نے زبردست پروپیگنڈہ کے طور اچھالا تھا۔

جواب۔ کسی سیاسی شخصیت کا کسی دوسرے سیاسی قائد کو رجل فاجر کہنا اس کی قیادت کا انکار نہیں جس طرح صلوا خلف کل برو فاجر کا حکم کسی کی امامت کی نفی نہیں کرتا۔ اس قسم کے الفاظ کا استعمال گو ناپسندیدہ سہی لیکن اس سے ملکوں کے قومی فیصلے کبھی متاثر نہیں ہوتے۔

اگر کوئی شخص سیاسی سطح پر جہاد کے سلسلہ میں اس قسم کی بات نہیں کہتا اعتقادی حیثیت سے کہتا ہے تو بے شک اس کا یہ فتویٰ قومی سطح پر خطرناک ہو گا اور اس کے عملی زندگی پر گہرے اثرات ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی قائد نے کسی سیاسی معاہدہ کے باعث جہاد کشمیر کا انکار کیا تو یہ بات ایک سیاسی سطح سے زیادہ درجہ نہیں رکھتی' لیکن اگر کوئی شخص اعتقادی طور پر یہ سمجھتا ہے کہ اب جہاد منسوخ اور حرام ہے تو اس قسم کے اعتقاد کے حامل واقعی ملک کے لئے عظیم خطرہ ہیں۔ اگر انہیں دستور میں صاف لفظوں میں غیر مسلم رکھا جائے تو پھر یہ لوگ ملک کے لئے اتنا گھناؤنا خطرہ نہیں رہتے۔ علماء اسلام نے اسی خطرہ سے بچنے کے لئے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا کہ یہ لوگ جہاد کو منسوخ حرام اور بدترین مفسدہ سمجھتے ہیں (ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز ص ۳۹ ج ۱ شمارہ ۲۔

سوال ۹۔ تحقیقاتی رپورٹ کے مصنفین نے اپنی اس رائے کا بار بار ذکر کیا ہے کہ آئینی دائرے میں کام کر کے اسمبلی کے ذریعے تحریک کے مطالبات کو منوایا جا سکتا تھا لیکن تحریک کے لیڈروں نے آئینی ذرائع کو استعمال کرنے کی بجائے فسادات اور جنگ وجدل کا راستہ اختیار کیا جو غداری کے مترادف تھا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ عدالت کے ججز کی رائے حتمی طور پر درست ہے اور کیا آپ بھی تحریک کے لیڈروں کو وطن کا غدار قرار دینے کے لئے تیار ہیں؟

جواب۔ تحریک کے لیڈروں پر فسادات اور جنگ وجدل کا راستہ اختیار کرنے کا الزام واقعاتی طور پر غلط ہے۔ قائدین تحریک ختم نبوت کے مطالبات اولاً اتنے معقول' حقیقت پسندانہ اور

مبنی بر دلائل تھے کہ کسی انصاف پسند شخص کو ان سے اختلاف کی گنجائش نہیں تھا انہیں منوانے کے لئے جو طریق کار اختیار کیا گیا وہ عصر حاضر کی جمہوری روایات کے عین مطابق تھا۔ تمام جمہوری ممالک میں عوام اپنے مطالبات ہمیشہ جلسوں جلوسوں اور احتجاجی مظاہروں کے ذریعے ہی حکمرانوں تک پہنچاتے ہیں اور انہیں کسی بھی ملک میں جنگ و جدال اور فسادات سے تعبیر نہیں کیا جاتا قائدین تحریک ختم نبوت اپنے مطالبات سے وزیر اعظم کو بالمشافہ آگاہ کرنا چاہتے تھے کہ حکومت نے ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں گرفتار کر لیا' واقعات کی ترتیب سے پتہ چلتا ہے کہ انتظامیہ کے بعض ذمہ دار لوگ یہ نہیں چاہتے تھے کہ علماء کرام وزیر اعظم سے براہ راست ملاقات کر کے اپنے مطالبات میں کسی قسم کی کامیابی حاصل کریں۔

اگر انتظامیہ قائدین تحریک ختم نبوت کو گرفتار کرنے کا عاجلانہ اقدام نہ کرتی تو توقع تھی کہ قائدین افہام و تفہیم سے اس مسئلہ کو حل کروانے میں کامیاب ہو جاتے۔

ملک کو فساد میں جھونکنے اور اشتعال انگیزی کی ابتداء بھی قادیانیوں کی جانب سے ہوئی۔ منیر انکوائری رپورٹ ص ۲۸۰ میں ہے۔

کوئٹہ میں مرزا بشیر الدین محمود نے جو تقریر کی وہ نہ صرف نامناسب بلکہ غیر دانشمندانہ اور اشتعال انگیز تھی اس تقریر میں انہوں نے بلوچستان کے صوبے کی پوری آبادی کی احمدی بنا لینے اور اس صوبے کو مزید جدوجہد کے مرکز کی حیثیت سے عملی اذعان استعمال کرنے کی حمایت کی اس طرح جب انہوں نے اپنے پیروؤں کو یہ ہدایت کی کہ تبلیغ احمدیت کے پروپیگنڈہ کو مزید تیز کر دیں تاکہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک پوری مسلم آبادی احمدیت کی آغوش میں آ جائے تو گویا مسلمانوں کو تبدیلی مذہب کے متعلق سرگرمیوں کا کھلا نوٹس دے دیا اور جب مرزا غلام احمد کو نہ ماننے والوں کے متعلق "دشمن" "یا مجرم" "یا محض مسلمان" کے لفظ استعمال کئے گئے تو جن لوگوں کی توجہ ان اشارات کی طرف مبذول کرائی ان کا مشتعل ہونا لازمی تھا۔ احمدی افسروں نے لوگوں کو احمدی بنانے کی مہم میں از سر تا پا مصروف ہو جانا اپنا مذہبی فریضہ خیال کیا ان کے اس امر کی وجہ سے احمدیوں کو اس امر کا حوصلہ ہوا کہ جہاں کہیں انہیں افسروں کی حمایت حاصل تھی یا حاصل ہونے کی توقع تھی وہاں اپنے مقصد کے حصول میں زور و شور سے مصروف ہو جائیں"

۱۷' ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک کراچی کے جس جلسہ سے ظفر اللہ خاں کی تقریر کی وجہ سے تحریک کا آغاز ہوا۔ اس میں ظفر اللہ خاں روکے جانے کے باوجود تقریر کرنے سے باز نہ آیا اور حکومت کو یہ جواب دیا۔

اس جلسہ میں تقریر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اگر اس کے باوجود بھی وزیر اعظم اس

بات پر مصر ہوں کہ مجھے جلسہ میں شامل نہ ہونا چاہئے تو میں اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کے لئے تیار ہوں" (منیر انکوائری رپورٹ ص ۲۷) منیر انکوائری رپورٹ کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ

ا۔ اشتعال انگیز تقریروں کی ابتداء مرزا بشیرالدین محمود اور ظفراللہ کی طرف سے ہوئی۔

ب۔ قادیانیوں نے بلوچستان صوبہ کی پوری مسلم آبادی کو قادیانی بنانے کا ناپاک سازش منصوبہ بنایا۔

ج۔ ۱۹۵۲ء کے آخر تک پوری مسلم آبادی کو قادیانی بنا لینے کے عزم کا برملا اعلان کیا۔

د۔ قادیانی افسروں نے سرتاپا خود کو قادیانیت کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا۔

قادیانیوں کے ان خطرناک ارادوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے قائدین تحریک ختم نبوت کو سخت ترین مطالبات کا حق پہنچتا تھا مگر ان کے مطالبات کس قدر منصفانہ تھے ایک نظر ملاحظہ ہوں۔

۱۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ چوہدری ظفراللہ کو وزارت خارجہ کے عہدے سے الگ کیا جائے۔

۳۔ تمام قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔

قادیانیوں کے عزائم اور مسلمانوں کے مطالبات پر نظر کرتے ہوئے یہ فیصلہ مشکل نہیں کہ جارحیت تشدد اور اشتعال انگیزی کی ابتداء کس جانب سے ہوئی؟ اور دستوری و جمہوری اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے مطالبات سے حکمرانوں کو آگاہ کرنے کا پرامن راستہ کس نے اختیار کیا؟

سوال = ۱۰۔ اگر یہ تحریک صرف اور صرف اسلام کی سربلندی اور احمدیوں کے غلط عقیدیوں کے خلاف تھی تو ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے ۷۲ دوزخی اور ایک جنتی ہو گا آپ بتائیں کہ ۷۲ اور ایک شرح کے مطابق کتنا حصہ دوزخی اور کتنا جنتی ہے۔ تحریک نے احمدیوں کو ناٹ مسلم" قرار دلوایا ہے۔ احمدی کہتے ہیں خدا کا شکر ہے ہم محض "ناٹ مسلم" ہیں دوزخی نہیں ہیں اور ہمیں ان لوگوں نے ناٹ مسلم قرار دیا ہے جن کے خلاف قرطاس ابیض شائع ہوا اور جنرل ضیاء نے جنہیں غیر مسلم قرار دیا تھا جس پر مسٹر بھٹو نے سپریم کورٹ میں احتجاج کیا تھا' علماء بتائیں کہ بخشش کے زیادہ قریب کون ہو سکتا ہے ناٹ مسلم یا دوزخی؟

جواب = حدیث افتراق امت جس میں ۷۳ فرقوں کی خبر دی گئی ہے' یہ یہود و نصاریٰ کی فرقہ

بعدی کے مقابلے میں ذکر کی گئی ہے' سو غیر مسلم اقوام جیسے یہود و نصاری ہنود و مجوس اور بدھ و قادیانی وغیرہ ان میں شامل نہیں' یہ امت دعوت کے بیان میں نہیں امت اجابت کے بیان میں ہے۔

۲۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک وقت میں ۷۲ جہنمی فرقے موجود ہونگے' ایک ملت کے یہ گمراہ فرقے بنتے اور مٹتے اور پھر بنتے اور مٹتے رہیں گے کل گنتی ۷۲ تک پہنچے گی' ہاں اہل حق برابر ہر دور میں موجود رہیں گے اور اس کی ضمانت حدیث شریف میں دی گئی ہے اور یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ یہ ناجی فرقہ ہمیشہ سواد اعظم رہے گا' حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی علامت یہ بتلائی ما انا علیہ واصحابی آپ' نے اپنے بعد انہیں صحابہؓ کا پیرو بتلایا ہے قادیانی جماعت کا آغاز مرزا غلام احمد کے آنے کے بعد ہوا ہے حضور' کے زمانے سے نہیں' یہ لوگ اپنے عقیدے میں حضور' کے بعد مرزا غلام احمد کے پیرو ہیں۔ یہی ان کی پہچان ہے ما انا علیہ واصحابی ان کی پہچان نہیں۔ حدیث میں ان لوگوں کا بیان ہے جو حضورؐ کے بعد آپ کے صحابہؓ کی پیروی سے ممتاز ہوں گے۔ جہنمی فرقوں کی پہچان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے بعد صحابہؓ کی پیروی کی بجائے اپنے نفس اور اپنی اغراض کے پیچھے چلنا ہے اس روش کے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ قدری' جبری' معتزلی' مرجیہ' خوارج وغیرہ سب ان میں آتے ہیں۔ جو لوگ حضور خاتم النبیین' کے بعد کسی متنبی کے پیرو ہوں وہ اپنی گمراہی میں ان ۷۲ سے بہت آگے نکل گئے ہیں اور وہ بالکل علیحدہ ملت ہو گئے ہیں۔ یہ ۷۲ فرقے ایک ملت کے راہ گم کردہ لوگ ہیں علیحدہ ملت نہیں اور ایک فرقہ جو تعداد میں سواد اعظم ہے وہ ناجی فرقہ ہے اور قادیانی کوئی فرقہ نہیں بالکل ایک علیحدہ ملت اور "نان مسلم" ہیں۔ یہ کوئی فرقہ ہرگز نہیں کہ انہیں ان ۷۳ میں کوئی جگہ دی جا سکے۔ یہ ان ۷۲ گمراہ فرقوں سے بھی آگے ایک بدترین گمراہ غیر مسلم ملت ہیں۔

متفرقات

مولانا عبدالستار خان نیازی راوی ہیں کہ اس تحریک میں جو آدمی بھی شریک ہوتا تھا یہ طے کرکے آتا تھا کہ وہ ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جان دے دے گا۔ پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ لوگ لاٹھیاں کھاتے رہے۔ ایک نوجوان کے پاس حمائل شریف تھی۔ فردوس شاہ ڈی ایس پی نے ٹھوکر ماری' نوجوان گر گیا' حمائل شریف دور جاگری اور پھٹ گئی۔ فردوس شاہ کو لوگوں نے موقع پر قتل کر دیا۔ قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے والا اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

نیازی صاحب فرماتے ہیں کہ دہلی دروازہ کے باہر چار نوجوانوں کی ڈیوٹی تھی پولیس نے چاروں کو باری باری گولی کا نشانہ بنا دیا۔

نیازی صاحب کے بقول ہمارا ایک جلوس مال روڈ سے آرہا تھا۔ لاالٰہ الا اللہ کا ورد' نعرہ تکبیر' ختم نبوت زندہ باد کے نعرے ورد زبان تھے۔ وہاں پر زبردست فائرنگ ہوئی۔ لیکن نوجوان سینہ کھول کھول کر سامنے آتے رہے اور جام شہادت نوش کرتے رہے۔

معلوم ہوا کہ اسی تحریک میں کرفیو لگ گیا۔ اذان کے وقت ایک مسلمان کرفیو کی خلاف ورزی کرکے آگے بڑھا' مسجد میں پہنچ کر اذان دی۔ ابھی اللہ اکبر کہہ پایا تھا کہ گولی لگی ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا مسلمان آگے بڑھا۔ اس نے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہا تھا کہ گولی لگی ڈھیر ہو گیا۔ تیسرا مسلمان آگے بڑھا' ان کی لاشوں پر کھڑا ہو کر اشہد ان محمد رسول اللہ کہا کہ گولی لگی ڈھیر ہو گیا۔ چوتھا آدمی بڑھا تین کی لاشوں پر کھڑے ہو کر کہا حی علی الصلوٰۃ کہ گولی لگی ڈھیر ہو گیا۔ پانچواں مسلمان بڑھا۔ غرضیکہ باری باری نو مسلمان شہید ہو گئے۔ مگر اذان پوری کرکے چھوڑی۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

مولانا تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ تحریک میں گرفتار ہو کر شاہی قلعہ لاہور لائے گئے۔ وہاں سے مہینوں بعد آپ کو اٹک جیل منتقل کر دیا گیا۔ ایک بدبخت نے آپ کے والد صاحب کو جا کر جھوٹی اطلاع دی کہ مولانا تاج محمود کے پولیس نے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے ہیں۔ اس سے آپ کے والد صاحب کو بہت فکر ہوئی' پوری پوری رات وہ چارپائی پر سجدہ کی حالت میں دعا گو رہے اللہ کی شان' جھوٹی خبر دینے والا یہی آدمی خود سرگودھا روڈ پر ایک حادثہ کا شکار ہو کر دونوں ہاتھوں اور ٹانگوں سے محروم ہو گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تحریک ختم نبوت میں ایک مسلمان دیوانہ وار ختم نبوت زندہ باد کے لاہور کی سڑکوں پر نعرے لگا رہا تھا۔ پولیس نے پکڑ کر تھپڑ مارا۔ اس پر اس نے پھر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ پولیس والے نے بندوق کا بٹ مارا اس نے پھر نعرہ لگایا۔ وہ مارتے رہے یہ نعرہ لگاتا رہا۔ اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا یہ زخموں سے چور چور پھر بھی ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتا رہا۔ اسے گاڑی سے اتارا گیا تو بھی وہ نعرہ لگاتا رہا۔ اسے فوجی عدالت میں لایا گیا اس نے عدالت میں آتے ہی ختم نبوت کا نعرہ لگایا۔ فوجی نے کہا ایک سال سزا۔ اس نے سال کی سزا سن کر پھر ختم نبوت کا نعرہ لگایا۔ اس نے سزا دو سال کر دی اس نے پھر نعرہ لگا دیا غرضیکہ فوجی سزا بڑھاتا رہا اور یہ مسلمان نعرہ ختم نبوت بلند کرتا رہا۔ فوجی عدالت جب بیس سال پر پہنچی' دیکھا کہ بیس سال کی سزا سن کر یہ پھر بھی نعرہ سے باز نہیں آ رہا۔ تو فوجی عدالت نے کہا کہ باہر لے جا کر گولی مار دو۔ اس نے گولی کا سن کر دیوانہ وار رقص شروع کر دیا اور ساتھ ختم نبوت زندہ باد۔ ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف ترانہ سے ایمان پرور وجد آفریں کیفیت طاری کر دی۔ یہ حالت دیکھ کر عدالت نے کہا کہ رہا کر دو کہ یہ دیوانہ ہے اس نے رہائی کا سن کر پھر نعرہ لگایا۔ ختم نبوت زندہ باد۔

(قارئین کرام! میں لکھتے ہوئے نعرہ لگاتا ہوں اور آپ پڑھتے ہوئے نعرہ لگائیں۔ ختم نبوت زندہ باد۔)

تحریک ختم نبوت ۵۳ء میں دہلی دروازہ لاہور کے باہر صبح سے عصر تک جلوس نکلتے رہے اور لوگ دیوانہ وار سینوں پر گولیاں کھا کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر جان قربان کرتے رہے عصر کے بعد جب جلوس نکلنے بند ہو گئے تو ایک اسی سالہ بوڑھا اپنے معصوم پانچ سالہ بچے کو اپنے کندھے پر اٹھا کر لایا۔ باپ نے ختم نبوت کا نعرہ لگایا معصوم بچے نے جو باپ سے سبق پڑھا تھا اس کے مطابق زندہ باد کہا۔ دو گولیاں آئیں اسی سالہ بوڑھے باپ اور پانچ سالہ معصوم بچے کے سینہ سے شائیں کر کے گزر گئیں دونوں شہید ہو گئے۔ مگر تاریخ میں اس نئے باب کا اضافہ کر گئے کہ اگر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر مشکل وقت آئے تو مسلمان قوم کے اسی سالہ بوڑھے خمیدہ کمر سے لے کر پانچ سالہ معصوم بچے تک سب جان دے کر اپنے پیارے آقاؐ کی عزت و ناموس کا تحفظ کرتے ہیں۔

"آغا شورش کاشمیریؒ نے فرمایا" ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس نے خود راقم سے بیان کیا تھا

کہ ہر روز کے مظاہروں کو سمیٹنے کے لئے تشدد کی انتہا کر کے تحریک کو ختم کیا گیا۔ چنانچہ حکام نے اپنے سفید پوش اہل کاروں کی معرفت پولیس پر پتھراؤ کرایا۔ اس طرح تحریک پر فائرنگ کی بنیاد رکھی۔ بعض منچلے قادیانی اپنی جیپوں میں سوار ہو کر مسلمانوں پر گولیاں داغتے اور انہیں شہید کرتے رہے۔ راقم نے لاہور میں چیمبرلین ہوم ہال روڈ پر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ۱۵ سے ۲۲ سال کی عمر کے نوجوانوں کا ایک مختصر سا جلوس کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے جا رہا تھا۔ وہ ایک بے ضمیر سپرنٹنڈنٹ پولیس، ڈی۔ آئی۔ جی ملک حبیب اللہ کے حکم پر کسی وارننگ کے بغیر فائرنگ کا ہدف بنا۔ آٹھ دس نوجوان شہید ہو گئے۔ ان کی لاشوں کو ملک صاحب نے اپنے ہاتھوں سے ٹرکوں میں اس طرح پھنکوایا جس طرح جانور شکار کئے جاتے ہیں۔ یہ نظارہ انتہائی دردناک تھا۔ لاہور چھاؤنی میں ایک قادیانی افسر نے گولیوں کی بوچھاڑ کی، لیکن گولی کھانے والوں نے انتہائی استقامت اور کردار کی پختگی کا ثبوت دیا۔ ایک نوجوان، ملٹری ہسپتال میں زخموں سے چور چور بے ہوش پڑا تھا۔ جب اسے قدرے ہوش آیا تو اس نے پہلا سوال سرجن سے یہ کیا کہ میرے چہرے پر کسی خوف یا اضمحلال کے نشان تو نہیں ہیں جب اسے کہا گیا کہ نہیں تو اس کا چہرہ فرط مسرت سے تمتما اٹھا۔ جن لوگوں کو علماء سمیت گرفتار کر کے لاہور کے شاہی قلعہ میں تحقیق کے لئے رکھا گیا ان کے ساتھ پولیس نے اخلاق باختگی کا سلوک کیا۔ ایک انتہائی ذلیل ڈی ایس پی کو ان پر مامور کیا وہ علماء کو اس قدر فحش و ناش گالیاں دیتا اور عریاں فقرے کستا کہ ۔

نور خوف خدا تھرا رہا تھا (تحریک ختم نبوت صفحہ ۳۷)

تحریک مقدس ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں جناب سید مظفر علی شمسی کی روایت کے مطابق سکھر جیل میں جب حضرت امیر شریعت، مولانا ابوالحسنات، مولانا لال حسین اختر اور دوسرے راہنماؤں کو لایا گیا تو ایسی گرمی پڑتی تھی کہ برتن میں پانی اتنا گرم ہو جاتا تھا کہ اس میں انڈا ڈال دیتے تھے تو وہ نیم برشت ہو جاتا تھا اور اگر اسی پانی کو باہر رکھ کر انڈا اس میں رکھ دیتے تھے تو انڈا پک جاتا تھا۔

شمسی صاحب کی روایت ہے کہ اس تحریک میں ایک عورت اپنے بیٹے کی برات لے کر دہلی دروازہ کی جانب آ رہی تھی سامنے سے تڑتڑ کی آواز آئی معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے لئے لوگ سینہ تانے بٹن کھول کر گولیاں کھا رہے ہیں تو برات کو معذرت کر کے رخصت کر دیا۔ بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیٹا آج کے دن کے لئے

میں نے تمہیں بتا تھا۔ جاؤ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر قربان ہو کر دودھ بخشوا جاؤ۔ میں تمہاری شادی اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں کروں گی اور تمہاری برات میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعو کروں گی۔ جاؤ پروانہ وار شہید ہو جاؤ تاکہ میں فخر کر سکوں کہ میں بھی شہید کی ماں ہوں۔ بیٹا ایسا سعادت مند تھا کہ تحریک میں ماں کے حکم پر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے لئے شہید ہو گیا۔ جب لاش لائی گئی تو گولی کا کوئی نشان پشت پر نہ تھا۔ سب سینہ پر گولیاں کھائیں۔ فرحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

تحریک ختم نبوت میں ایک طالب علم کتابیں ہاتھ میں لئے کالج جا رہا تھا۔ سامنے تحریک کے لوگوں پر گولیاں چل رہی تھیں۔ کتابیں رکھ کر جلوس کی طرف بڑھا کسی نے پوچھا یہ کیا۔ جواب میں کہا کہ آج تک پڑھتا رہا ہوں آج عمل کرنے جا رہا ہوں۔ جاتے ہی ران پر گولی لگ گئی۔ پولیس والے نے آگے اٹھایا تو شیر کی طرح گرجدار آواز میں کہا کہ ظالم گولی ران پر کیوں ماری ہے۔ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو دل میں ہے۔ یہاں دل پر گولی مارو تاکہ قلب و جگر کو سکون ملے۔

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے غیر متزلزل عزم و ہمت کا ایک اور واقعہ ۱۹۵۳ء میں پیش آیا۔ مولانا تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں ملتان جیل میں نظر بند تھے۔ اسی دوران ان کے والد ماجد انتقال کر گئے۔ جیل کے حکام نے مولانا سے کہا کہ اگر آپ اعلیٰ حکام سے معافی مانگ لیں تو آپ کو رہا کیا جا سکتا ہے اور آپ اپنے والد ماجد بزرگوار کی نماز جنازہ میں شرکت کر سکتے ہیں۔ مولانا نے غمگین انداز میں کہا کہ میں نے یہ جیل رسول اکرمؐ کے نام کے تحفظ کی خاطر قبول کی ہے۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں رسول اکرمؐ کو بھول جاؤں اور والد کی محبت سے متاثر ہو کر آقائے نامدارؐ کو دھوکہ دے جاؤں۔ میں عاشق رسولؐ ہوں۔ مجھ پر اس جیسی ہزار مصیبتیں بھی اگر نازل ہو جائیں تو بھی میں اف نہ کروں گا۔ جیل کے حکام مولانا کے اس دلیرانہ جواب کو سن کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

باپ اور بیٹے کی قربانی

قاضی صاحب کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ دونوں نے تحریک آزادی وطن اور تحریک ختم نبوت کے لئے باپ اور بیٹے دونوں کی قربانی دی۔ جب ان کا اکلوتا بیٹا فوت ہوا تو وہ کلکتہ

میں تھے ' بیٹے کا منہ بھی نہ دیکھ سکے۔ جب ان کے والد قاضی محمد امین کا انتقال ہوا تو وہ ختم نبوت کی تحریک میں نظربند تھے اور ان کے جنازے کو کندھا تک نہ دے سکے۔ ایک انسان اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے۔ اس کی عزیز ترین متاع اس کی اولاد ہوتی ہے اور اہم ترین پونجی بزرگوں اور والدین کی شفقت ' قاضی صاحب نے یہ دولتیں اسلام اور قوم کے نام پر قربان کر دیں۔

میرا کالی کملی والا

سید امین گیلانی فرماتے ہیں کہ جنرل اعظم کے حکم سے لاہور میں کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے ' تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء اپنے جوبن پر تھی۔ پولیس مجھے اور میرے بہت سے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں پہنا کر قیدیوں کی بس میں بٹھا کر شیخوپورہ سے لاہور کی طرف روانہ ہو گئی۔ اسیران ختم نبوت بس میں نعرے لگاتے ہوئے جب لاہور کی حدود میں داخل ہوئے تو ملٹری نے بس روک لی اور سب انسپکٹر کو نیچے اترنے کا حکم دیا ' ایک ملٹری آفیسر نے اس سے چابی لے کر بس کا دروازہ کھول دیا اور بڑے رعب و جلال سے کہا ' تمہیں پتہ نہیں نعرے لگانے والے کو گولی مارنے کا حکم ہے ' کون نعرے لگاتا تھا؟ اس اچانک صورت حال سے سب پر ایک سکوت سا طاری ہو گیا۔ معاً میرا ہاشمی خون کھول اٹھا۔ میں نے تن کر کہا میں لگاتا تھا۔ اس نے بندوق میرے سینے پر تان کر کہا " اچھا اب لگاؤ نعرہ " میں نے پرجوش انداز سے نعرہ لگایا ' " میرا کالی کملی والا " سب نے باآواز بلند جواب دیا ' زندہ باد اس کی بندوق کی نالی نیچے ڈھلک گئی۔ منہ پھیر کر کہا " ہاں وہ تو زندہ باد ہی ہے۔ " اور بس سے نیچے اتر گیا ' ایسا معلوم ہوا جنت جھلک دکھا کر اوجھل ہو گئی۔ پھر اس نے سب انسپکٹر سے کچھ کہا ' اس نے بس کا دروازہ مقفل کر دیا۔ چند منٹوں کے بعد ہم بورسٹل جیل لاہور میں تھے۔

میانوالی جیل سے صبح میں رہا ہونے والا تھا۔ مگر مجھے خطرہ تھا کہ میری سرگرمیوں کے پیش نظر میری سزا جیل کے اندر ہی بڑھانے کا حکم نہ آ جائے۔

داروغہ جیل بھلا آدمی تھا اور حافظ قرآن بھی تھا وہ شام کو ہماری بارک میں آیا ' میں نے کہا حافظ صاحب صبح میری رہائی ہے یا کوئی اور نیا حکم آ گیا ہے۔ کہنے لگا دو دفعہ لاہور سے ٹیلیفون آیا ہے۔ مگر گڑبڑ بہت ہے کچھ سنا ' سمجھا نہ گیا۔ کٹ ہوتا رہا۔ خیر صبح ہوئی مجھے دفتر لایا گیا اور دفتری کارروائی کر کے رہا کر دیا گیا۔ میں جب دوسرے دن شیخوپورہ پہنچا تو سب حیران ہو گئے۔ پتہ چلا کہ یہاں کے سی آئی ڈی انسپکٹر نے مجھے خطرناک ثابت کر کے سزا بڑھانے

کا حکم نامہ میانوالی بھجوا دیا ہے اور فون پر داروغہ جیل میانوالی کو اطلاع دی تھی کہ امین گیلانی کو رہا نہ کیا جائے۔ تحریری حکم نامہ بذریعہ ڈاک آرہا ہے۔ لیکن میں رہا ہو چکا تھا اور اب نئے وارنٹ تیار کر کے ہی دوبارہ گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن نیا خطرہ مول لینے کے ڈر سے ایسا نہ کیا گیا یوں مرزائی آفیسر فخرالدین کے منصوبے پر پانی پھر گیا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت جو مارشل لاء کی بھینٹ ہو کر شہید ہو گئی۔ لیعل آباد میں مولانا تاج محمودؒ کے دم قدم سے چلی۔ حکومت نے بڑی تگ و دو کے بعد آپ کو گرفتار کیا۔ لاہور کے شاہی قلعہ میں لایا گیا۔ اس عقوبت خانہ میں پولیس کے بعض افسروں نے آپ پر ستم توڑنے کی انتہا کر دی۔ لیکن اس مرد خدا نے ہر صعوبت ' ہر تشدد اور ہر اذیت کو خندہ پیشانی سے جھیلا ' اف تک نہ کی۔ اپنی استقامت سے قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق کفار مکہ کے ظلم سہتے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عشق میں قربان ہوتے تھے۔ سید اعجاز حسین شاہ ' اس زمانہ میں سی آئی ڈی کے ڈی ایس پی اور قلعہ کے انچارج تھے انہوں نے خود راقم الحروف سے ذکر کیا کہ " تاج محمود قرون اولیٰ کے فدایان رسول عربیؐ کی بے نظیر تصویر تھے۔ وہ پولیس کے ہر وار پر درود پڑھتے اور عشق رسالتؐ میں ڈوب جاتے تھے۔ "

(ہفت روزہ چٹان۔ شورش کشمیری)

کہا جاتا ہے کہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ مولانا کی زندگی ایسے واقعات سے بھی پر نظر آتی ہے اسی طرح کا ایک واقعہ ۱۹۷۴ء کی تحریک کا بھی ہے جب مولانا جامع مسجد کچہری بازار (فیصل آباد) لائل پور میں شمع رسالت کے پروانوں کے ایک بے انتہا مجمع سے خطاب کر رہے تھے۔ وہ قادیانی امت اور اس کے تحفظ کے لئے حکومت وقت کے کئے گئے اقدامات کے خلاف بپھرے ہوئے اس مجمع سے خطاب کرتے ہوئے لوگوں کو جان و مال کی قربانی کی ترغیب دے رہے تھے۔ مولانا تاج محمودؒ کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی یہ آواز مسجد کی گیلری میں کھڑی ایک خاتون بھی ہمہ تن گوش ہو کر سن رہی تھی کہ مولانا کے شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی گود کے بچہ کو منبر کی طرف اوپر سے (جہاں مولانا کھڑے ہو کر تقریر کر رہے تھے) مولانا کی طرف اچھال دیا اور پنجابی میں کہا کہ مولوی صاحب میرے پاس ایک ہی سرمایہ ہے اسے سب سے پہلے حضورؐ کی آبرو پر قربان کر دو' یہ کہہ کر وہ عورت الٹے پاؤں باہر کی طرف چل پڑی۔

اس وقت سارا مجمع دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔ خود مولانا کی آواز گلوگیر اور رندھی ہوئی تھی انہوں نے لوگوں سے کہا کہ لوگو! اس بی بی کو جانے نہ دینا اسے بلاؤ' بلاؤ۔ چنانچہ اس خاتون کو بلایا گیا اور مولانا نے اپنے قدموں میں بیٹھے اپنے معصوم اکلوتے بیٹے طارق محمود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ بہن سب سے پہلی گولی تاج محمود کے بیٹے سے گزرے گی پھر میرے اس بچے کے سینے سے پھر اس مجمع کے تمام افراد گولیاں کھائیں گے اور جب یہ سب قربان ہو جائیں تو اپنے بچے کو لے کر آنا اور اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر قربان کر دینا۔ یہ کہا اور وہ بچہ اس عورت کے حوالے کر دیا۔

مولانا محمد حیاتؒ فاتح قادیان

مولانا محمد حیاتؒ فاتح قادیان' مولانا عبدالرحیم اشعر اور سائیں محمد حیات صاحبؒ کے ساتھ گرفتار ہو کر منٹگمری جیل گئے۔ وہاں پر اکابر و اصاغر کے ساتھ بڑی بہادری سے جیل کاٹی۔ جیل میں بی کلاس کی سہولت حاصل ہو گئی تو مزاحاً مولانا محمد علی جالندھریؒ سے فرماتے تھے کہ حضرت دیکھیں جو یہاں مل رہا ہے' دفتر جا کر وہی ملتا ہوگا۔ مولانا محمد علیؒ صاحب فرماتے کہ مولانا محمد حیات جو کھانا ہے یہیں کھالو' دفتر میں تو وہی دال سبزی ملے گی۔

جیل کی سزا کاٹنے کے اتنے بہادر تھے کہ وہاں جا کر گویا باہر کی دنیا کو بالکل بھول جایا کرتے تھے۔ اتنا بہادر انسان کہ اس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔

ملتان جیل میں ایک دفعہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا خدا بخش نے چنے منگوائے اور عصر کے بعد نمازیوں کے سامنے چادر پر بچھا کر پڑھوانے شروع کر دیئے۔ مولانا محمد حیات نے پوچھا تو جواب ملا' اس لئے تاکہ مصیبت کم ہو۔ آپ نے فرمایا۔ آپ چنوں میں تو کیں پڑھتا جو لکھا ہے وہی ہوگا جتنے دن جیل میں رہنا ہے بہرحال رہیں گے رہے اور بڑی بہادری سے رہے۔ ملتان سے لاہور بورسٹل و منٹگمری جیل میں منتقل ہوئے۔ دس ماہ بعد رہا ہوئے۔ رہا ہوتے ہی پھر مرزائیت کی تردید میں جت گئے۔ غرضیکہ اپنی دھن کے پکے تھے۔

حضرت امیر شریعتؒ تحریک ختم نبوت کے بعد جب قید سے رہا ہو چکے تھے۔ غالباً ۱۹۵۵ء میں لیصل آباد دھوبی گھاٹ کے میدان میں ضعیفی اور علالت کے سبب بیٹھ کر تقریر فرما رہے تھے۔ دوران تقریر میں کسی نے ایک چٹ بھیج دی۔ لکھا ہوا تھا کہ جو لوگ ختم نبوت کی تحریک

میں شہید ہو گئے ان کا ذمہ دار کون ہے؟ شاہ جیؒ نے پڑھا تو جوش میں آکر کھڑے ہو گئے اور گرج کر فرمایا۔ سنو ان شہداء کا میں ذمہ دار ہوں۔ نہیں نہیں ' آئندہ بھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی خاطر شہید ہوں گے ان کا بھی میں ذمہ دار ہوں۔ تم بھی گواہ رہو (اور آسمان کی طرف منہ کرکے فرمایا) اے اللہ تو بھی گواہ رہ 'ان شہداء کا میں خود ذمہ دار ہوں اور جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا اگر میں زندہ رہا اور موقع ملا تو پھر بھی ایسا ہی ہو گا۔ اگر کل مسلمان حضورؐ کی ہوتی کے تسمے پر قربان ہو جائیں تو پھر بھی حق ادا نہ ہو گا ان جملوں سے سامعین تڑپ اٹھے۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اٹھی۔

---

۱۷ فروری [illegible] کو موچی دروازہ لاہور میں حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فتنہ مرزائیت کی تاریخ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اس فتنہ کی پرورش انگریز نے کی ' اگر ہوتا افغانستان تو اس فتنہ کا کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ امیر حبیب اللہ خان پر ہزار ہزار رحمت ہو جس نے افغانستان کی حدود میں فتنہ مرزائیت کو داخل نہ ہونے دیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے امیر حبیب اللہ کو خط لکھا کہ میں نبی بن گیا ہوں ' تم مجھ پر ایمان لاؤ۔

امیر حبیب اللہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو جواب دیا۔ "ایں جا بیا" (یہاں آؤ) مرزا قادیانی وہاں کیسے جاتا؟ اور اگر چلا جاتا تو کچھ نہ کچھ ہو جاتا اور مرزا صاحب کا مزاج درست ہو جاتا۔

مولانا عبید اللہ انور صاحبؒ نے تحریر فرمایا۔ حضرت لاہوریؒ نے تحریک ختم نبوت کے دوران ایک دفعہ جمعہ کے خطبہ میں فرمایا۔ حکومت کہتی ہے عطاء اللہ شاہؒ فساد پھیلاتا ہے ان اللہ کے بندوں کو معلوم نہیں کہ اگر عطاء اللہ شاہ فساد پر آمادہ ہو جائے تو مرزائیت کا قلعہ قائم نہیں رہ سکتا۔ میں کہتا ہوں اگر بخاریؒ شام کو حکم دے دیں تو صبح ہونے سے پہلے "ربوہ" کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ پھر فرمایا ' حکومت کی گولیوں اور بندوقوں میں وہ طاقت نہیں جو علماء کی زبان میں ہے ہمارے ایک عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بحمد اللہ سب پر بھاری ہیں اور جب تک وہ زندہ ہیں۔ اسلام کو کوئی خطرہ نہیں۔ ایک مرتبہ تو حضرتؒ نے شاہ جیؒ کے متعلق یہاں تک ارشاد فرمایا۔ "محشر کا دن ہو گا ' رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں گے۔ صحابہؓ بھی ساتھ ہوں گے ' بخاریؒ آئے گا ' حضور نبی کریمؐ معانقہ فرمائیں گے اور کہیں گے بخاری '

تیری ساری زندگی عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت میں گزری اور کتاب و سنت کی اشاعت میں صرف ہوئی' آج میدان حشر میں تیرا شفیع میں ہوں' تیرے لئے کوئی باز پرس نہیں جا اور اپنے ساتھیوں سمیت جنت میں داخل ہو جا۔ تیرے اور تیری جماعت کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھلے ہیں' جس طرف سے چاہو کھلے بندوں جنت میں داخل ہو سکتے ہو۔

---O---

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے بعد ایک افسر نے طنزاً کہا۔ شاہ جیؒ! آپ کی تحریک کا کیا بنا؟ شاہ جیؒ نے برجستہ فرمایا کہ میں نے اس تحریک کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں میں ایک ٹائم بم فٹ کر دیا ہے جو وقت آنے پر چل جائے گا۔ اس وقت مرزائیت کو اقتدار کی کوئی طاقت نہ بچا سکے گی۔ چنانچہ یہ ٹائم بم خود قادیانیوں کے ہاتھوں ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر پھٹا اور نتیجہ یہ نکلا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔

---O---

لاہور میں جلسہ تھا' شاہ جیؒ پورے جوبن میں تھے' بے انداز مجمع گوش بر آواز' عشق رسولؐ کی بھٹی گرم' اکابر اور سلاطین ملت جلوہ افروز' شہر میں مکمل ہڑتال اور سناٹا' تحریک ختم نبوت کے لئے مسلمان جانیں دینے کے لئے آمادہ' کسی نے کہا کہ خواجہ ناظم الدین لاہور پہنچ گئے۔ شاہ جیؒ نے فرمایا۔ ساری باتوں کو چھوڑیئے لاہور والو! کوئی ہے اور یہ کہتے ہوئے اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور ٹوپی کو ہوا میں لہراتے ہوئے نہایت ہی جذبات انگیز الفاظ میں فرمایا۔ جاؤ میری اس ٹوپی کو خواجہ ناظم الدین کے پاس لے جاؤ۔ میری یہ ٹوپی کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکی' اسے خواجہ صاحب کے قدموں میں ڈال دو۔ اس لئے کیونکہ ہم تیرے سیاسی حریف اور رقیب نہیں ہیں۔ ہم الیکشن نہیں لڑیں گے' تجھ سے اقتدار نہیں چھینیں گے۔ ہاں ہاں' جاؤ اور میری ٹوپی اس کے قدموں میں ڈال کر یہ بھی کہو کہ پاکستان کے بیت المال میں سور ہیں تو عطاء اللہ شاہ بخاری تیرے سوروں کا ریوڑ چرانے کے لئے بھی تیار ہے مگر شرط صرف یہ ہے کہ تو حضورؐ فداہ ابی و امی کی ختم رسالت کی حفاظت کا قانون بنا دے' کوئی آقاؐ کی توہین نہ کرے' آپؐ کی دستار ختم نبوت پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔ (۲۲ فروری ۱۹۵۳ء خطاب بیرون دہلی دروازہ' لاہور)

---O---

لاہور سنٹرل جیل میں شاہ جیؒ کی آمد کی اطلاع جب مارشل لاء کے قیدیوں کو ملی تو انہوں نے حکام جیل کی اجازت سے شاہ جیؒ سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ ایک دن صبح سویرے ہم

اسیران قفس ناشتہ کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ دیوانی احاطہ کے انچارج نے آکر شاہ جیؒ سے درخواست کی کہ مارشل لاء کے چند قیدی باہر کھڑے ہیں اور وہ آپ کی زیارت کے مشتاق ہیں۔ اگر اجازت ہو تو انہیں اندر بلا لوں۔ ابھی اس کی بات مکمل نہ ہو پائی تھی کہ شاہ جیؒ ننگے پاؤں ان قیدیوں کے استقبال کے لئے دیوانہ وار کمرے سے باہر نکل گئے۔ دیوانی احاطہ کے دروازے پر قیدی خراماں خراماں آرہے تھے۔ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی جھنکار اور شاہ جیؒ کا استقبال' ایک عجیب پر کیف منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ شاہ جی نے سب کو گلے لگایا۔ ایک ایک کی بیڑی اور ہتھکڑی کو بوسہ دیا۔ پھر آپ نے اشکبار آنکھوں اور غمناک لہجے میں فرمایا:

"تم لوگ میرا سرمایہ نجات ہو۔ میں نے دنیا میں لوگوں کو روٹی اور پیٹ یا کسی مادی مفاد کے لئے نہیں پکارا۔ لوگ اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں۔ میں نے تو اپنے نانا حضرت خاتم النبیینﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کی دعوت دی ہے اور تم لوگ صرف اور صرف اسی مقدس فریضہ کے لئے قید و بند اور طوق و سلاسل کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہو۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ سیاسی شہرت یا ذاتی وجاہت جس کا مقصود ہو۔ تم یہاں جیل میں بھی غیر معروف ہو اور جب تم اس دیوار زنداں سے پرے جاؤ گے تو باہر تمہارا استقبال کرنے والا اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر نعرہ لگانے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ نیت اور ارادے کے اعتبار سے جس کی آمد اس مقصد کے لئے ہوئی ہے وہ یہی مقصد لے کر واپس چلا جائے گا۔ میرے لئے اس سے بڑا سرمایہ افتخار اور کیا ہو سکتا ہے؟"

شاہ جی یہ چند جملے فرما چکے تو کسی نے ایک قیدی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ تحریک میں اس کا بھائی گولی کا نشانہ بن چکا ہے۔ اس کے لئے دعا فرمائیں۔ شاہ جیؒ نے تحریک کے دوران تشدد وانہ کارروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا "بھائی! ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ حکومت یا عوام تشدد پر اتر آئیں اور کوئی ناخوشگوار صورت نمودار ہو جائے۔ میں نے کراچی جیل میں جب لاہور اور دوسرے مقامات پر گولی چلنے کے واقعات سنے اور معلوم ہوا کہ کئی بوڑھے باپوں کی لاٹھیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ ماؤں کے چراغ گل ہو گئے ہیں اور کئی سہاگ اجڑ گئے ہیں تو مجھے اس کا بڑا صدمہ پہنچا۔ میں نے وہاں کہا تھا کہ کاش مجھے کوئی باہر لے جائے یا ارباب اقتدار تک میری یہ آرزو پہنچا دی جائے کہ تحفظ ناموس رسولﷺ کے سلسلہ میں اگر کسی کو گولی مارنا ضروری ہو تو گولی میرے سینے میں مار کر ٹھنڈی کر دی جائے اور کاش اس سلسلہ میں اب تک جتنی گولیاں چلائی گئی ہیں وہ مجھے ٹکٹکی پر باندھ کر میرے سینے میں پیوست کر دی جائیں۔

---○---

مولانا تاج محمود نے ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں کامیابی کے بعد فیصل آباد کے
بڑے قبرستان میں شہدائے ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی قبروں کو تلاش کرکے ان پر پھول ڈالتے ہوئے
لوگوں کو دیکھا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ قبرستان کی دیوار پر چڑھ گئے۔ لوگ جمع تھے۔ فرمایا
: لوگو! آج کے تمہارے اس عمل کو دیکھ کر مجھے مولانا محمد علی جالندھری" کی بات یاد آگئی۔ جب
۱۹۵۳ء کی تحریک میں ہمارے ساتھیوں و کارکنوں کو گولیوں سے بھون دیا گیا تو اس کے بعد مولانا
محمد علی جالندھری" تقریروں میں فرمایا کرتے تھے کہ آج جن پر حکومت نے مظالم ڈھائے ہیں '
ایک وقت آئے گا کہ لوگ ان کی قبروں کو تلاش کرکے ان پر پھولوں کی چادریں چڑھائیں
گے۔

مولانا مفتی محمد یونس صاحب" ' مولانا انور شاہ کشمیری" کے شاگرد تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک
ختم نبوت میں حضرت مفتی صاحب" نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ فیصل آباد میں تحریک کی
ایکشن کمیٹی کے صدر تھے۔ حضرت امیر شریعت سے انہیں قلبی لگاؤ تھا اور ان کی خدمات کو
بہت سراہتے تھے۔ حضرت امیر شریعت" بھی ان سے بہت محبت رکھتے تھے۔ فیصل آباد میں آمد
کے دوران حضرت مفتی صاحب کے یہاں اکثر تشریف لے جاتے۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں
ڈائریکٹ ایکشن کے لئے پہلا قافلہ حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں ہی روانہ ہوا تھا۔ ایک
دفعہ کسی مرزائی نے حضرت مفتی صاحب کو ایک خط لکھا کہ آپ مرزائیت کے بارے میں اپنی
تقاریر بند کردیں ورنہ آپ کو گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ آنے والے جمعہ کے خطبہ میں آپ
ریوالور پہن کر جامع مسجد کچہری بازار میں جمعہ پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے اور مرزائیت پر
ایک ضرب کاری لگائی اور زبردست تقریر کی اور خط کی دھمکی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ
کے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والے ہمیں کبھی
دھمکیوں سے مرعوب نہیں کرسکتے اور فرمایا کہ خدا کی قسم' اگر مجھے سو گولیاں ماری جائیں اور
میرے گوشت کا قیمہ کر دیا جائے تو بھی ہر ٹکڑے سے ختم نبوت کی صدائیں بلند ہوں گی۔

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری راوی ہیں کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں
گرفتاری کے لئے پیش ہونے والے مجاہدین ختم نبوت کو پولیس پکڑ کر کراچی سے بلوچستان کی
طرف تقریباً سو میل دور ایک مقام پر چھوڑ کر آتی لیکن پولیس والوں کی حیرت کی انتہا نہ رہتی
جب ٹھیک تین چار گھنٹوں بعد انہی کارکنوں کو وہ کراچی میں پھر جلوس نکالتے ہوئے پاتے۔

پولیس انکوائری کر کے تھک گئی کہ کون سی طاقت ان کو اس دور کے جنگل سے اتنی جلدی کراچی میں پہنچا دیتی ہے۔ لیکن سمیٹ دی جاتی ہے' غائبانہ سواری کا انتظام ہوتا ہے یا اس گروہ کو لانے والی مستقل تنظیم ہے۔ بہرحال پولیس کے لئے یہ معمہ بنا اور واقعہ یہ ہے کہ تمام کارکنوں کو جونہی دور دراز کے جنگل میں چھوڑا جاتا۔ اللہ رب العزت ان کے لئے فی الفور کراچی پہنچانے کا انتظام فرما دیتے' وہ کارکن کراچی آتے ہی پھر تحریک کے الاؤ کو روشن کرنے میں لگ جاتے۔ بالآخر پولیس نے تھک کر یہ پروگرام ترک کر دیا۔

مولانا عزیز الرحمن جالندھری راوی ہیں کہ ایک دفعہ پولیس والے مجاہدین ختم نبوت کے ایک جتھہ کو رات کے وقت گرفتار کر کے دور کے ایک جنگل میں چھوڑ کر گئے۔ پولیس کے جانے کے بعد یہ مجاہد چند قدم چلے تو روشنی نظر آئی۔ وہاں گئے تو جنگل میں چند گھرانے آباد دیکھے۔ ان گھرانوں سے ایک آدمی باہر آیا۔ ان مجاہدین کو بٹھایا' دعا دی۔ راستہ اور وظیفہ بتلایا۔ یہ حضرات چند گھنٹوں میں کراچی پہنچ گئے۔ پولیس والے سوچتے ہوں گے کہ یہ حضرات کراچی میں پھر ختم نبوت کے جلوس نکالنے میں مصروف ہو گئے۔ جنگل میں کونسی قوم آباد تھی' وہ آدمی از خود بغیر آواز دیئے کے کیسے رات کے وقت باہر آیا۔ کراچی کا راستہ و وظیفہ کیوں بتلایا' دعا کیوں دی' وہ کون تھا۔ ان مجاہدین کے ساتھ ان کا یہ برتاؤ کیوں؟ آج تک اہل دنیا کے لئے یہ معمہ ہے مگر اہل نظر خوب جانتے ہیں کہ ان حضرات پر ختم نبوت کے صدقے اللہ رب العزت کے انعامات کی بارش ہو رہی تھی۔

جنوری' فروری ۱۹۵۳ء کی بات ہے کہ مال روڈ کرشل بلڈنگ کے باغات میں خندقیں بننا شروع ہو گئیں تو لاہور میں مرزائیوں نے یہ بات عام کر دی کہ انڈیا حملہ کرنے والا ہے' اس لئے یہ خندقیں بنائی جا رہی ہیں۔ میری عمر اس وقت تقریباً ۱۲ سال تھی۔ ہم سب بچوں نے ان خندقوں میں کھیلنا شروع کیا۔ ہمیں انجام کی بالکل خبر نہ تھی کہ یہ مورچے شہیدان ختم نبوت کا لہو بہانے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ یہ منصوبہ دراصل اس وقت کی حکومت اور ظفر اللہ قادیانی کا بنایا ہوا تھا۔ اس کے پس پردہ جو ہاتھ کام کر رہے تھے وہ سب کے سب مرزا قادیانی ملعون کی ذریت کے تھے۔ کبھی کبھار ہمارے کسی بزرگ کی زبانی حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام سننے میں آتا تھا۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے (آمین) مارچ' اپریل کا مہینہ ہوگا کہ خندقوں کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ پاکستان کے جیالے جوانوں نے ختم نبوت کے پروانوں کو جب گولیوں کے برسٹ مارے تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس گنہگار نے

شہیدان ختم نبوت لاہور کے خون کے فوارے اپنی آنکھوں سے بہتے دیکھے۔ یہاں تین مقتول کے نوجوان' جو کسی طرح بھی بچنے کو تیار نہ تھے' انھیں اپنے سینے پر گولیاں کھاتے اور خون میں لت پت تڑپتے ہوئے اس ناچیز نے دیکھا اب جو ایک قطار گر چکی تھی تو کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے دوسری قطار شہید ہونے کے لئے آگے بڑھتی تھی۔ جب یکے بعد دیگرے تین قطاریں گریں تو میرے حواس گم ہو گئے۔ میں بچہ ہونے کی وجہ سے گھبرا گیا اور بھاگتا ہوا کمرشل بلڈنگ کے پیچھے والی گلی میں بھاگا اور اس کے بعد ایک مکان پر چڑھ کر وہ منظر میں نے دوبارہ دیکھا جو کہ دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ میں جس مکان پر چڑھا تھا۔ اس مکان کی عورتیں زارو قطار رو رہی تھیں اور مرزا قادیانی مردود کو کوسنے اور گالیاں دے رہی تھیں۔ لوگ تھے کہ اللہ کی راہ میں جان بڑھ چڑھ کر دے رہے تھے۔ شہیدان ختم نبوت کے لہو سے مال روڈ کا وہ حصہ جو میرے سامنے تھا' لال ہو گیا اور شہیدوں کی قطاروں کی قطاریں گرم جلتی ہوئی سڑکوں پر جنت میں جانے کے لئے بے قرار تھیں اور ان کے جنتی جسم سڑک پر تڑپ رہے تھے۔ پھر کچھ دیر کے بعد ان کے جسم بالکل پرسکون ہو کر سو گئے' اللہ جل شانہ ایسی کھلی شہادت ہر مومن کو نصیب فرمائے۔ (ہفت روزہ ختم نبوت کراچی)

———————————()———————————

ملک محمد صدیق صاحب ننکانہ صاحب کی معروف سیاسی' سماجی اور کاروباری شخصیت ہیں۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں حصہ لینے کی پاداش میں گرفتار ہو کر جیل گئے۔ جیل میں نماز پڑھنے اور اذان دینے پر مکمل پابندی تھی۔ اتفاق سے ملک صاحب جس بیرک میں بند تھے' وہاں ایک آدمی نے بلند آواز سے اذان دے دی۔ سپرنٹنڈنٹ پوری گارد کے ہمراہ آگیا۔ بیرک سے تمام مجاہدین ختم نبوت کو نکال کر لائن میں کھڑا کیا اور نہایت غصہ کی حالت میں پوچھا کہ اذان کس نے دی تھی۔ خوف اور وحشت کی فضا میں کسی سے نہ بولا پڑا۔ اذان دینے والا شاید کمزور ایمان کا مالک تھا کہ بول نہ سکا۔ ملک صاحب نے سوچا کہ اگر آج چپ رہا تو نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی اذان کی حرمت پر حرف آئے گا' یہ بات تاریخ کا حصہ بن جائے گی۔ قادیانی اس واقعہ سے مجاہدین ختم نبوت کا مذاق اڑائیں گے۔ ملک صاحب لائن سے باہر آئے اور بڑی جرات سے کہا کہ اذان میں نے دی تھی اور آئندہ بھی کہوں گا۔ اس جرأت مندانہ جواب کے عوض ملک صاحب کو پندرہ کوڑوں کی سزا سنائی گئی۔ جس کے نتیجہ میں حصول اولاد والی نعمت سے محروم ہو گئے۔ شفاعت محمدی' والی نعمت سے سرفراز ہوئے۔

———————————○———————————

چوہدری نذیر احمد صاحب ننکانہ صاحب میں کراکری کا کاروبار کرتے ہیں۔ ۱۹۵۳ء کی

تحریک ختم نبوت کا واقعہ انہی کی زبانی سنئے اور اپنے ایمان کو تر و تازہ کیجئے۔

"میری شادی کے چند ماہ بعد تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء شروع ہوئی' میں تحریک میں بھرپور حصہ لینے کے لئے ننکانہ صاحب سے لاہور' مسجد وزیر خاں چلا گیا۔ یہاں روزانہ جلسہ ہوتا اور جلوس نکلتے۔ ایک دن جنرل سرفراز' جو غالباً اس وقت لاہور کا کور کمانڈر تھا' کے کہنے پر مسجد کی بجلی اور پانی کا کنکشن کاٹ دیا گیا۔ اس پر مسجد میں ایک احتجاجی جلسہ ہوا۔ پھر جلوس نکلا۔ میں اس جلوس میں شامل تھا۔ فوج نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ چند احباب کے ہمراہ سرسری سماعت کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ میرا نمبر آخر میں تھا۔ میری باری پر میجر صاحب نے کہا' معافی مانگ لو کہ آئندہ تحریک میں حصہ نہیں لو گے تو ابھی چھوڑ دوں گا۔ میں نے مسکراتے ہوئے میجر صاحب کو کہا کہ آپ کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا مسئلہ ہو اور ایک امتی کی شفاعت کا ذریعہ ہو اور پھر وہ معافی مانگ لے۔ میجر صاحب نے کہا کہ سامنے میدان میں بیٹھ جاؤ۔ آدھا گھنٹہ اچھی طرح سوچ لو۔ میں لان میں بیٹھ گیا۔ پھر پیش کیا گیا تو میجر صاحب نے کہا کہ معافی مانگ لو۔ میں نے مسکراتے ہوئے میجر صاحب کو جواب دیا کہ شاید آپ کو اس مسئلہ کی اہمیت کا علم نہیں' آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ اس مسئلہ میں معافی کیا ہوتی ہے؟ اس پر میجر صاحب نے غصہ کی حالت میں میرے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور آٹھ ماہ قید بامشقت ۵۰۰ روپے جرمانہ کا حکم دیا۔ جسے میں نے بخوشی قبول کر لیا۔ میرے نامہ اعمال میں میری بخشش کے لئے یہی ایک نیکی کافی ہے۔

نامور شاعر اور کالم نویس عطاء الحق قاسمی اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا بہاؤ الحق قاسمیؒ کی تصنیف "تذکرہ اسلاف" میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "۱۹۵۳ء میں جب تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو والد ماجدؒ کو مسجد وزیر خان میں تقریر کرتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ مولانا عبدالستار خان نیازی اور دوسرے رہنما بھی مسجد وزیر خان میں ان کے ہمراہ تھے۔

والد ماجدؒ کو گرفتار کرنے کے بعد شاہی قلعے لے جایا گیا۔ ان پر بغاوت' آتشزنی اور اس نوع کے متعدد جانے کیا کیا الزامات تھے' ہمیں تین ماہ تک والد ماجدؒ کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں ہیں؟ زندہ ہیں یا انہیں مار دیا گیا ہے؟ تین ماہ بعد جب انہیں عدالت میں پیش کیا گیا اور انہیں سزا سنائی گئی تو ہمیں ان کی زندگی کی اطلاع ہوئی۔

شاہی قلعے میں والد ماجدؒ کو ایک کرسی پر بٹھا کر ان کے سر پر ایک تیز بلب روشن کر دیا گیا تاکہ وہ ساری رات سو نہ سکیں۔ جب والد ماجدؒ کو اونگھ آتی تو ان کے پیچھے کھڑا سنگین

بیدار سپاہی مسکین کی نوک انھیں چبھوتا اور کہتا "مولانا جاگتے رہیں۔" یہ لوگ والد ماجد" سے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری" کے خلاف بیان لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ والد ماجد" سے یہ بیان دینے کے لئے کہا گیا کہ انہوں نے تحریک میں حصہ عطاء اللہ شاہ" کے اکسانے پر لیا تھا۔

والد ماجد" نے اس کے جواب میں کہا: "مجھے شاہ صاحب نے کیا اکسانا تھا انہوں نے تو ختم نبوت کا درس میرے خاندان سے لیا ہے۔" والد ماجد" نے یہ بات یوں کہی کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری" مولانا مفتی محمد حسن" کی طرح میرے دادا مفتی اعظم امرتسر مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی" کے شاگرد خاص تھے! اس پر ڈیوٹی پر متعین فوجی افسر نے جھنجلا کر والد ماجد کو اپنے کمرے میں طلب کیا اور کہا: "مولانا! آپ اپنے گھر کا ایڈریس لکھوا دیجئے تاکہ آپ کی میت آپ کے ورثاء کے سپرد کی جا سکے!" اس پر والد ماجد کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری جو طلوع صبح سے کم خوبصورت نہ تھی اور انہوں نے کہا!

"آپ مجھے موت سے ڈراتے ہیں، حالانکہ آپ میری زندگی کا ایک لمحہ بھی کم یا زیادہ نہیں کر سکتے!۔"

مولانا قاضی عبداللطیف جہلم آبادی فرماتے ہیں کہ

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے زمانہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ کے طور پر میں گوجرانوالہ میں متعینات تھا۔ تحریک کے شباب کو قائم رکھنے کے لئے ضلع بھر کا تبلیغی دورہ کیا۔ پورے ضلع میں تحریک مثالی طور پر کامیاب طریقے سے چل نکلی۔ اب ہمارے ذمہ پروگرام لگا کہ آپ نے شیخوپورہ، فیصل آباد اور جھنگ کا دورہ کرنا ہے۔ چنانچہ ایک ٹرک پر کارکنوں کی کیمپ لیکر میں ان اضلاع کے سفر پر چل نکلا۔

شیخوپورہ اور فیصل آباد کا کامیاب دورہ کیا۔ سپیکر ٹرک پر نصب تھا جگہ جگہ خطاب ہوئے۔ حکومت کو مخبری ہو گئی۔ ہم فیصل آباد سے جھنگ کے لئے روانہ ہوئے۔ جھنگ سے پہلے فیصل آباد روڈ پر ریلوے پھاٹک ہے۔ ہمارے ٹرک کے قافلہ کے پہنچنے سے قبل ریلوے پھاٹک بند کر دیا گیا۔ پولیس کی بھاری نفری موجود تھی۔ جونہی ٹرک پھاٹک پر پہنچا ہمیں ٹرک و سپیکر سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ مختلف دفعات عائد کی گئیں جس میں ناجائز اسلحہ، ربوہ پر حملہ کرنے اور مرزائیوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ وغیرہ کی غلط سلط جو دفعات ممکن تھیں لگا دی گئیں۔ جھنگ جیل میں مولانا محمد ذاکر جامعہ محمدی (جو بعد میں ایم۔ این۔ اے بنے) مولانا محمد حسین چنیوٹی، مولانا منظور احمد چنیوٹی وغیرہ علماء کی ٹیم موجود تھی۔ سرسری سماعت کے بعد چھ ماہ قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ جو پوری کر کے رہا ہوئے جسٹس منیر نے اپنا رپورٹ میں اس

ذکر کا گستاخانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ ایک تبلیغی سفر تھا۔

شاہین ختم نبوت مولانا محمد اکرم طوفانی مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سرگودھا فرماتے ہیں کہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں میں بھکر کے علاقہ میں زیر تعلیم تھا۔ قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ کم سنی کے باوجود مجھے یاد ہے کہ حضرو سے بھکر کے علاوہ کرام روز جلوس نکالتے۔ معروف عالم دین بزرگ راہنما مولانا نصیرالدین غور غشتی شیخ الحدیث قیادت فرماتے۔ بھکر کو پاکستان میں علمی طور پر وہی مقام حاصل ہے جو علماء کرام کی وجہ سے سمرقند اور بخارا کو۔ ہر روز جلوس نکلتے علماء کرام ایسے متشرع لوگ آ قائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے کمربستہ ہو کر میدان میں نکلتے تو فرشتے بھی جھوم جاتے ہوں گے گرفتاریوں کا لامتناہی سلسلہ جاری رہا۔ حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتی کو گرفتار کر کے اٹک و ساہیوال کی جیلوں میں رکھا گیا گرفتار شدہ کئی رضاکاروں کو تلہ گنگ' اٹک کی پہاڑیوں پر لے جا کر ویرانے میں چھوڑ دیا جاتا۔ غرضیکہ حکومت نے اپنی طرف سے تحریک کو ختم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر تحریک آخر تک جاری رہی حضرو کے میاں صاحب کا تحریک میں خصوصی کردار رہا۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی فرماتے ہیں کہ

میں تازہ دورہ حدیث کر کے فارغ ہوا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دارالمبلغین میں فاتح قادیان مولانا محمد حیات سے رد قادیانیت کا کورس کیا۔ اور سرگودھا کے علاقہ چوکیرہ کے مدرسہ میں ابتدائی مدرس لگ گیا۔ تحریک چل نکلی تو رفقاء کو لے کر سرگودھا آیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی اور دوسرے حضرات گرفتار ہو چکے تھے۔ سرگودھا کے دیہات میں لوگوں کو تیار کرنے کا پروگرام میرے ذمہ لگا۔ دورہ کر کے واپس چنیوٹ آیا۔ جامعہ محمدی سے مولانا محمد ذاکر کے شاگردوں کی جماعت کے ساتھ چنیوٹ ریلوے اسٹیشن سے جلوس کے ہمراہ گرفتار ہوا۔ ان دنوں چنیوٹ میں سوائے معدودے چند کے مجھے کوئی نہ جانتا تھا مجھے بھی جامعہ محمدی کا ایک مولوی سمجھا گیا۔ جھنگ جیل میں چند ماہ گرفتار رہ کر رفقاء سمیت رہائی ہوئی۔

مولانا غلام مصطفیٰ بہاولپوری فرماتے ہیں کہ

میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے لاہور میں مبلغ تھا۔ لاہور میں ابتدائے تحریک سے مارشل لاء تک کے تمام واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لاہور سے ملتان' دہلی

سے بہاول پور آیا۔ بہاول پور میں کام کیا۔ لیکن گرفتاری کی سعادت سے محروم رہا۔ لاہور میں گرفتار ہونے والے رضاکاروں کی لسٹیں میرے پاس تھیں ایک دن غیر ضروری سمجھ کر ضائع کر دیا انا للہ وانا علیہ راجعون۔

مولانا سید امیر حسین گیلانی فرماتے ہیں کہ

میں تبلیغی جماعت کے ساتھ کراچی گیا ہوا تھا۔ احراری خون تھا کراچی جہانگیر پارک میں ظفر اللہ خاں قادیانی کی تقریر میں موجود تھا۔ اس نے اسلام کو مردہ مذہب اور قادیانیت کو زندہ اسلام کہا۔ سنتے ہی ہم نے شور کر دیا مجھے یہ سعادت حاصل ہے کہ سب سے پہلا پتھر ظفر اللہ خاں کی طرف میں نے چلایا۔ جلسہ ہلڑ بازی کا شکار ہو گیا۔ ہم گرفتار کر لئے گئے۔ رات گئے تک تھانہ میں رہے پھر ہم نوخیز نوجوانوں کو رہا کر دیا گیا۔ تبلیغ میں وقت لگا کر واپس پنجاب آ گئے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلہ لے لیا۔ تحریک ختم نبوت کی ابتداء میں موچی دروازہ لاہور میں جلسہ عام جس میں مولانا ابوالحسنات کی صدارت تھی۔ حضرت امیر شریعت' حضرت لاہوری کا خطاب تھا' شریک ہوا۔ پھر تسبت روڈ پہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں مجلس عمل کے راہنماؤں نے خطاب کیا سب سے بہترین اور عمدہ خطاب مولانا محمد علی جالندھری" کا ہوا۔ اس میں بھی مجھے شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ مولانا محمد علی جالندھری نے مرزائیت کا مذہبی و سیاسی تجزیہ کیا تقریر معلومات کا خزانہ اور دلائل کا سمندر تھی۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ مولانا محمد علی جالندھری نے ظفر اللہ قادیانی کی وزیر خارجہ ہونے کے حوالے سے اس کی تعیناتی پر سخت گرفت کی۔ آپ نے فرمایا" ظفر اللہ قادیانی کے وزیر خارجہ ہوتے ہوئے کشمیر کے مسئلہ کا حل ناممکن ہے۔ اس لئے کہ نمبر ۱۔ ظفر اللہ خاں نے قادیانی ووٹ غیر مسلموں میں شامل کرا کر گورداسپور کو غیر مسلم اقلیت کا ضلع باؤنڈری کمیشن کے سامنے ثابت کیا۔ کشمیر کا پاکستان سے رابطہ و راستہ ہی جب اس نے کاٹ دیا تو اب اس سے کشمیر کے مسئلہ کے حل کی توقع رکھنا مسلم لیگی حماقت ہے۔ نمبر ۲۔ کشمیر پاکستان سے مل جائے تو مسلم کاز کو تقویت ملے گی جب کہ یہ مسلم کاز کا ہمدردوں سے زیادہ دشمن ہے۔ نمبر ۳۔ کشمیر حاصل کرنے کے لئے اسلامی ممالک کا تعاون ضروری ہے ظفر اللہ خاں نے وزیر خارجہ ہونے کے ناطے تمام سفارت خانوں میں قادیانی افراد بھرتی کر کے ملت اسلامیہ کی ہمدردی سے پاکستان کو محروم کر دیا ہے۔ نمبر ۴۔ ظفر اللہ خاں کا گرو مرزا بشیر الدین اکھنڈ بھارت کا الہامی عقیدہ رکھتا ہے یہ اپنے گرو کے نقش قدم پہ چلے گا نہ کہ مسلمانوں کی خاطر کشمیر کیس لڑے گا۔ نمبر ۵۔ ظفر اللہ نے یو۔ این۔ او میں کشمیر سے پاکستان کی افواج کے اخراج اور ہندوستانی فوج کی وہاں پہ موجودگی میں ہی مہاراجہ کشمیر کی

زیر نگرانی استصواب رائے کے معاہدے پر دستخط کر دیئے ہیں۔ ان حالات میں یہ کہنا کہ کشمیر ہمیں مل جائے گا یہ مسلم لیگی حماقت کا بہترین شاہکار ہے۔"

حضرت مولانا محمد علی جالندھری کی تقریر کے بعد حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ مولانا محمد علی جالندھری کی یہ تقریر کسی بین الاقوامی پلیٹ فارم سے ہوتی تو گرج مولانا نے جس طرح اپنا کیس ثابت کیا ہے مسلم لیگ کے لئے ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ رکھنے کا کوئی جواز باقی نہ رہ جاتا۔ حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ مجھے فخر ہے اس بات پر کہ میری جماعت کے رفقاء' دلائل و براہین کی دنیا میں اپنا کیس ثابت کرنے میں کسی بیرسٹر سے کم نہیں ہیں۔

یہ کہہ کر شاہ جی نے تقریر کرنے سے انکار کر دیا۔ سید امیر حسین گیلانی فرماتے ہیں کہ میں اس تقریر میں موجود تھا۔ مولانا کی تقریر کے دوران نسبت روڈ کے مرزائیوں نے اپنے مکانات سے سنگ باری شروع کر دی۔ مولانا محمد علی صاحب نے مشتعل ہجوم کو کوئی کاروائی کرنے سے روک دیا۔ اور موقعہ کی مناسبت سے ایک لطیفہ بھی سنایا جو یہ تھا کہ ایک دفعہ نوکرانی بادشاہ کے گھر میں چکی پیس رہی تھی۔ بادشاہ کی گھروالی کو نوکرانی نے کہا کہ آپ کی لڑکی جوان ہے میرا لڑکا جوان ہے رشتہ نہ کر لیں؟ بادشاہ کی گھروالی نے اپنے خاوند سے ذکر کیا اس نے کہا کہ جہاں نوکرانی بیٹھی تھی وہ کھدواؤ چنانچہ ایسا کیا نیچے مدفون خزانہ ملا۔ (کیا) جو جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ وہ نکال کر بادشاہ نے جگہ ہموار کرا دی اور پھر گھروالی کو کہا کہ اب جب دوبارہ نوکرانی چکی پیسنے آئے پھر دیکھنا وہ کیا کہتی ہے چنانچہ دوسرے دن نوکرانی آئی۔ دانے پیسے مگر کوئی بات نہ کی۔ بادشاہ کی گھروالی نے خود کہا کہ کل آپ نے اپنے لڑکے اور میری لڑکی کے رشتہ کی بات کی تھی۔ تو نوکرانی قدموں پر گر گئی کہ میں نے تھا" یہ بات نہ کی تھی مجھ پر تہمت نہ لگائی جائے۔ بادشاہ کی گھروالی نے اپنے خاوند کو یہ رپورٹ بھی دی تو خاوند نے کہا کہ پہلے دن نوکرانی نہیں اس کے نیچے سے (کیا) بول رہا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ ان مرزائیوں کو کچھ نہ کہو جو انہیں مروا رہے ہیں اس "کے" (ظفر اللہ خاں) کو ڈرو۔ اس پر مجمع لوٹ پوٹ ہو گیا۔ اور مولانا کو خوب داد ملی اور یہ کر فتنہ بھی ختم ہو گیا۔

موصوف فرماتے ہیں کہ تحریک کے شروع ہونے پر باہر سے آنے والے قافلوں کو سنبھالنا وغیرہ میرے ذمہ ٹھہرایا۔ جب موقع ملتا نوجوان رفقاء کا جلوس لے کر لاہور میں بازار کا چکر بھی لگا لیتے۔ مجھے یاد ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ہم دو ڈھائی سو نوخیز نوجوانوں اور لڑکوں کا ایک گروپ دھنی رام روڈ پر جا رہا تھا۔ ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر تقریر شروع کی۔ قادیانی نوجوان فوج کی جیپ میں سوار تھے تقریر کرنے والے کو گولی داغ دی۔ دوسرا نوجوان بڑھا' اس نے سپیکر سنبھال کر تقریر شروع کر دی۔ قادیانی اوباشوں نے اس کو بھی گولی داغ دی

اسی طرح پانچ چھ نوجوان بچے بھون ڈگرے تڑپے مگر عشق رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے
جذبہ کو ماند نہیں پڑنے دیا۔ اس تھانیدار ظلم پر دروازے کے دونوں طرف کے مکانات سے اس جیپ
پر پتھراؤ شروع ہو گیا جیپ والے تھانیدار سوبا بھاگ نکلے۔ اور ہمارا جلوس پھر روانہ ہو گیا۔
انارکلی میں راست اقدام کا اشتہار میں نے تقسیم کیا۔ اشتہار تقسیم کر رہا تھا۔ کہ پولیس
آ دھمکی ایک گلی سے ہو کر گرفتاری سے بچ نکلا۔ جامع مسجد وزیر خاں کو جب فوج نے خالی کرا
لیا تو ہمارے رضاکاروں کا دستہ جامع مسجد علی ہجویری" (داتا دربار) منتقل ہو گیا۔ ان کے لئے
تانگہ پر دیگ پکوا کر لایا۔ میں خود سائیکل پر تھا۔ مسجد کے دروازے پر آئے تو پیچھے بازار میں
افراتفری تھی معلوم ہوا کہ ملٹری کے ٹینک بکتر بند گاڑیاں یہاں بھی آ گئی ہیں۔ تنگ گلی سے
ایک ہاتھ پر سائیکل اٹھایا اور نکل گیا۔ اب جا کر مولانا غلام غوث ہزاروی سے ملاقات کی۔ شہر
میں فوج کا گشت تھا۔ جس پولیس کے دستے نے گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ حوالہ زندان
کر دیئے گئے۔ ملٹری کا جو دستہ شہر میں آ کر مسلمانوں کے جذبہ عشق و مستی کو دیکھتا اور متاثر
ہوتا انہیں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ فوج پارا چنار یا بنگال کی لائی گئی تا کہ وہ تحریک کے لوگوں کی
سرے سے بات ہی نہ سمجھ پائے۔ مولانا ہزاروی صاحب نے ایبٹ آباد' مانسہرہ' سرحد کے
لوگوں کے پتے لکھ کر دیئے کہ ان کو مل کر وہاں سے آواز کو موثر طور پر اٹھایا جائے۔ گوجرانوالہ
گیا۔ وہاں سے مولانا عبدالقیوم صاحب میرے ساتھ ہوئے گکھڑ کالری گجرات میں جا کر تقریر
کی' جلوس نکالا۔ مولانا سید عنایت اللہ شاہ پہلے سے گرفتار تھے۔ وہاں سے جہلم' پنڈی' ہزارہ کا
دورہ کیا خان عبدالقیوم خان وزیر اعلیٰ سرحد نے اعلان کر رکھا تھا کہ پنجاب کے شرپسندوں (تحریک
کے لوگوں) کو یہاں آنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ہم نے ہزارہ ڈویژن کا دورہ کر لیا۔
قیوم خان کو دورہ پتا وہ ہزارہ آیا ہم ہزارہ سے راولپنڈی وہاں سے جہلم آ گئے۔ جہلم میں جمعہ پر
بیان ہوا جلوس نکلا گرفتار ہو گئے۔ چھ ماہ قید کاٹ کر رہا ہوئے۔ رہائی پر پھر جہلم میں تقریر کی
اور پھر لاہور آ گئے۔

خاتمۃ الکتاب

اہل جنت سے خطاب

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری فرماتے ہیں کہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے اختتام پر لاہور میں ایک عظیم الشان ورکر میٹنگ منعقد ہوئی۔ جس میں لاہور، گوجرانوالہ، گجرات، سیالکوٹ، جہلم، شیخوپورہ، سرگودھا، میانوالی، وغیرہ پنجاب کے اضلاع کے وہ کارکن جمع ہوئے جو تحریک ختم نبوت میں سرلاب ہوئے تھے۔ ان سے خطاب کرتے ہوئے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری ؒ نے فرمایا کہ میں اپنے یقین اور وجدان کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ جو لوگ ختم نبوت کی تحریک میں دیوانہ وار شریک ہوئے وہ سب جنتی ہیں۔ میرے سامنے جو تم بیٹھے ہوئے ہو۔ ایسے محسوس کرتا ہوں کہ میں اہل جنت سے خطاب کر رہا ہوں۔

تاریخ

اشتہارات

○

آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب متحدہ لاہور نے ۱۰ جولائی بروز جمعۃ المبارک

یوم مطالبات

منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس میں تمام مسلمان حکومت پاکستان سے پرزور مطالبہ کریں کہ

۱۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کو وزارت سے الگ کیا جائے۔

۳۔ مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے فوراً علیحدہ کر دیا جائے۔

۴۔ ربوہ میں جو سرکاری زمین مرزائیوں کو ارزاں قیمت پر دی گئی ہے وہ واپس لی جاوے اور ربوہ میں مسلمانوں کو بھی آباد ہونے کی وہی مراعات حاصل ہوں جو مرزائیوں کو حاصل ہیں۔

۵۔ مجلس احرار کے جلسوں پر اختیاری طور پر جو دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا گیا ہے اسے واپس لیا جائے۔ اور تمام گرفتار شدگان کو رہا کر دیا جائے۔

شعبہ نشر و اشاعت تحفظ ختم نبوت لاہور

مسلمانانِ پاکستان کا
حکومتِ پاکستان سے
مطالبہ
• سر ظفر اللہ مرزائی کو وزارتِ خارجہ سے الگ کیا جائے
• مرزائیوں کو پاکستان کی کلیدی ملازمتوں سے علیحدہ کیا جائے
• مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے
• ربوہ کو مسلمانوں کیلئے کھلا شہر قرار دیا جائے

آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب

کی

مجلسِ عمل کی طرف سے

محضر نامہ

بخدمت جناب

الحاج خواجہ ناظم الدین

وزیر اعظم پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زکوٰۃ و صدقات کا بہترین مصرف

علماء کرام و مشائخ عظام کا ارشاد

ضرورت تھی کہ ملک میں علماء حق کی کوئی جماعت اقتدار و سیاسی کشمکش سے علیحدہ رہ کر دعوت حق و تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے۔

الحمدللہ کہ ملک و ملت کی اس اہم ضرورت کی طرف مجلس تحفظ ختم نبوت نے حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی صدارت اور مولانا محمد علی جالندھری کی نظامت میں توجہ دی۔ اس وقت ۲۰ علماء کرام کی ایک جماعت اطراف ملک میں تبلیغی ضرورتوں کو پورا کر رہی ہے۔ جس کے جملہ مصارف مجلس تحفظ ختم نبوت کا مرکزی دفتر ملتان ادا کرتا ہے۔

ہم مطمئن ہیں کہ مبلغین تحفظ ختم نبوت قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح عقائد و اعمال کی تبلیغ کرتے ہیں **لہٰذا** ہم اپنے ملنے والوں سے بالخصوص اور عام مسلمانوں سے بالعموم اپیل کرتے ہیں کہ زکوٰۃ و صدقات سے مجلس تحفظ ختم نبوت کی زیادہ سے زیادہ مالی امداد کر کے تبلیغ اسلام کے نظام کو مضبوط کریں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ
امیر انجمن خدام الدین لاہور

افقر الی اللہ عبداللہ درخواستی
مہتمم مدرسہ عربیہ مخزن العلوم خانپور

فقیر محمد عبداللہ عفی عنہ
سجادہ نشین کندیاں شریف

بانئ پاکستان

جس نے

بانئ پاکستان کا جنازہ نہیں پڑھا

مرزائیوں نے اپنے مسلمان ہونے کی دلیل میں اشتہار شائع کیا ہے ''میں اپنی اور اپنی پارٹی کی طرف سے آنریبل سر محمد ظفر اللہ خان کو ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتا ہوں، وہ مسلمان ہیں تو یوں کہنا چاہیے کہ میں گویا اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں مختلف حلقوں نے ان کو جو مبارکباد دی ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں۔'' قائداعظم مارچ ۱۹۴۳ء

ظفر اللہ خان مرزائی نے قائد اعظم مرحوم کا جنازہ نہیں پڑھا تھا مولانا محمد اسحاق صاحب ایبٹ آبادی نے پوچھا کہ تم نے قائد اعظم کا جنازہ نہیں پڑھا حالانکہ تم ان کی حکومت کے ایک وزیر ہو۔ تو جواب کہا کہ آپ مجھے مسلمان حکومت کا کافر وزیر سمجھیں یا کافر حکومت کا مسلمان وزیر۔ ظفر اللہ خان مرزائی

شعبہ نشر و اشاعت

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

ملتان

گولے عشق کو دار و رسن پہنچ نہ سکے
تو لوٹ آئے ترے سربلند کیا کرتے

تحریک ختم نبوت کے بعد لاہور میں پہلی مرتبہ

تحفظ ختم نبوت کانفرنس

زیر اہتمام مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

۲۵، ۲۶ فروری ۱۹۵۶ء بروز ہفتہ اتوار ○ باغ دہلی دروازہ لاہور

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مدظلہ العالی

مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری

اور دوسرے زعمائے تحفظ ختم نبوت مجاہدانہ خطاب فرمائیں گے ——○—— نوٹ: [illegible]

ناظم مجلس تحفظ ختم نبوت پنجاب لاہور

شہدائے ختم نبوت کانفرنس

رمضان المبارک کے بعد منعقد ہوگی

مجلس تحفظ ختم نبوت کے ساتھ ہر قسم کا تعاون ہر مسلمان کا فرض ہے:

ناظم نشر و اشاعت: مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قلم صاحبانِ ضمیر کی خدمت میں

ضروری اپیل

سید عطاء اللہ شاہ بخاری، صدر
مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

یادگار نظمیں

عجمی اسرائیل

کرۂ ارضی کی ہر عنوان سے تذلیل ہے
قادیان! مامنِ یہود پاک اسرائیل ہے

میرا یہ لکھنا کہ ربوہ کی خلافت ہے فراڈ
خواجہ کونین' کے ارشاد کی تعمیل ہے

دم بریدہ منشی' یک چشم کل اس کا مدیر
مصلح موعود کے الہام کی تکمیل ہے

اہلیہ مرزا غلام احمد کی ام المومنین
ہے کہاں قہرِ خدا؟ قہرِ خدا میں ڈھیل ہے

کیا تماشا ہے پیمبر بن گیا عرضی نویس
گفتنی اجمال ہے ناگفتنی تفصیل ہے

کاسہ لیسی کا خضاب' مخبری کا زہرآب
ان سیاسی سنپیوں کے خون میں تحلیل ہے

قادیان والو قیامت ہوں تمہارے واسطے
میرے رشحاتِ قلم میں صورِ اسرافیل ہے

اپنی تحریر میں اسلام کے عنوان سے
شاعرِ مشرق نے جو لکھا ہے سنگِ میل ہے

میں نے جو کچھ بھی لکھا ہے قادیان کے باب میں
پارۂ الہام ہے آوازۂ جبرائیل ہے

(شورش کاشمیری)

ملتان پوچھتا ہے

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں ملتان میں حکومت کے وحشی درندوں نے گولیاں چلا کر چھ محافظین ختم نبوت کو شہید کر دیا تھا۔ یہ نظم ساغر صدیقی مرحوم کا ان شہداء کو خراج تحسین ہے۔

ملتان کے شہیدو! ملتان کے ستارو!
ملتان ہنس رہا ہے' ملتان رو رہا ہے

ملتان تم پہ نازاں
پھولوں میں جیسے کوئی کانٹے چبھو رہا ہے

ملتان تم پہ قرباں
ملتان کی دعائیں

ملتان کی حیا تم
ملتان کی صدائیں

مسرور ہو گئی ہیں ملتان کی فضائیں
کہتی ہیں یہ فسانہ

پرنور ہو گئی ہیں ملتان کی فضائیں
سن لے جسے زمانہ

ملتان مسکرایا
ٹوٹے گا دست ظالم' ملتان کے سہارو

ملتان جگمگایا
ملتان کے شہیدو' ملتان کے ستارو

ملتان جھومتا ہے!
ملتان کی تمنا

ملتان چومتا ہے!
ملتان کا تقاضا

نقش قدم تمہارے ملتان کے دلارو!
انصاف شہریارو

ملتان کے شہیدو!
ملتان کے ستارو

ملتان کی بہاریں
بیٹے کہاں ہیں میرے ملتان پوچھتا ہے

خاموش رہ گزاریں
کیوں چھا گئے اندھیرے ملتان پوچھتا ہے

تم کو بھلائیں کیسے!
ملتان کو بتاؤ!

دل کو منائیں کیسے!
ملتان کو بچاؤ!

ملتان کی نشانی!
انسانیت کے نغمے' انسان کے لبوں پہ

ملتان لٹ گیا ہے ملتان کے نظارو!
سو سو سلام تم پہ

ملتان کے شہیدو ملتان کے ستارو!
دوزخ حرام تم پہ

ملتان کی نظر سے
تم نے اٹھا لیا ہے

ملتان کے جگر سے
تم نے بچا لیا ہے

صدیوں لہو بہے گا
بطحا کا سبز پرچم ملتان کے دلارو!

تازہ یہ غم رہے گا
ملتان کے شہیدو ملتان کے شعارو!

بیادِ شہداء ختم نبوت ۱۹۵۳ء

جو آئے تھے ختم نبوت میں کام
کہو ان شہیدوں پہ لاکھوں سلام
بھلایا نہیں وہ فسانہ ابھی
ہمیں یاد ہے وہ زمانہ ابھی
موذن کو مجرم بنایا گیا
نمازی کٹہرے میں لایا گیا
نبوت کے اقرار پہ گولیاں
مساجد کی دیوار پہ گولیاں
محمدؐ تیرے نام پہ گولیاں
صداقت کے پرچم جلائے گئے
شہیدوں کے لاشے چرائے گئے
جوانوں کے حلقوم تلوار پہ
کئی لوگ کھینچے گئے دار پہ
جنہیں عہد ختم رسالت سے تھا
جنہیں اک تعلق بطالت سے تھا
ظالم وہ صیاد پھر آ گئے
قاتل وہ جلاد پھر آ گئے

(سیف الدین سیف)

شہداء ختم نبوت کے نام

جو شہادت کا جام پیتے ہیں !
سچ ہے مرتے نہیں وہ جیتے ہیں
ان کو غلماں سلام کرتے ہیں
خلد میں وہ قیام کرتے ہیں
ان سے تاریخ کے ورق روشن
عہد اسلاف کے سبق روشن
ان کی تعظیم آسمانوں پر
ان کا احسان دو جہانوں پر
بحر تقدیس کا صدف کہئے
یاد میں ان کی گل نشاں رہئے
ملک و ملت کے وہ حبیب ہوئے
حوض تسنیم کے قریب ہوئے
لب پرواں پہ نام ہے ان کا
کملی والا امام ہے ان کا
وہ ستاروں میں رقص کرتے ہیں
ماہپاروں میں رقص کرتے ہیں
عظمت کائنات ہوتے ہیں
پاسبان حیات ہوتے ہیں

(ساغر صدیقی مرحوم)

شہداء ختم نبوت (مارچ ۱۹۵۳ء) کی نذر

سلام ان پہ جنہوں نے سنت سجاد زندہ کی
سلام ان پہ جنہوں نے کربلا کی یاد زندہ کی
سلام ان پہ کہ جو ختم نبوت کے تھے شیدائی
سلام ان پہ کہ جن کی جرأت رندانہ کام آئی
سلام ان پہ جنہوں نے مشعلیں حق کی جلائی ہیں
سلام ان پہ جنہوں نے گولیاں سینوں پہ کھائی ہیں
سلام ان پہ جو جیتے تھے فقط اسلام کی خاطر
جناب خواجہ ہر دوسرا کے نام کی خاطر
سلام ان پہ کہ جو ختم رسالت کے تھے پروانے
جو عاقل باخدا تھے اور حضور خواجہ کے دیوانے
سلام ان کی شجاعت پہ سلام ان کے قرینے پہ
کہ سینہ تان کر کہتے تھے گولی آئے سینے پہ
سلام ان پہ کہ جن کی غیرت ایمان تھی زندہ
سلام ان پہ قیامت تک ہے جن کا نام پائندہ

(حضرت علامہ عبدالرشید طالوت رحمۃ اللہ علیہ)

۱۹۷۴ء میں دوبارہ تحریک ختم نبوت چلی، جس کے نتیجہ میں ستمبر ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے غیر مسلم قرار دیا۔ دونوں تحریکوں کے امتزاج کے حوالہ سے ایک نظم ملاحظہ فرمائیں۔

یہ جیت ان کی ہے جو خون میں نہائے تھے

تمام اہل وطن، السلام جیت گئے
جنہوں نے پائی حیات دوام، جیت گئے
جناب ختم رسلؐ کے غلام، جیت گئے
خواص ہار گئے ہیں، عوام جیت گئے

یہ جیت ان کی ہے، جو خون میں نہائے تھے
جو جراتوں کے نشاں، عظمتوں کے سائے تھے
صداقتوں کے افق پر جو جگمگائے تھے
جنہوں نے ختم رسلؐ کے علم اٹھائے تھے

ہوئی ہے جہد وفا کامیاب، زندہ باد
فریب و مکر ہوا بے نقاب، زندہ باد
ابھر رہا ہے نیا آفتاب، زندہ باد
یہ انقلاب ہے یہ انقلاب، زندہ باد
تمام قوم زمانے میں سر بلند ہوئی
خدا کا شکر کہ سچائی فتح مند ہوئی

محمد ارشد کمال